KitaabGhar.com

دشتِ جنوں

آمنہ ریاض

http://kitaabghar.com

میں ایک راز ہوں۔

ایک سربستہ راز۔

ایک ایسا اسرار جو کئی سالوں سے قلعہ فلک بوس کی دیواروں سے لپٹا ہوا ہے اور بشام کے پہاڑوں میں گشت کرتا پھرتا ہے۔

میرے نادیدہ وجود سے بہت سے قصے مشہور ہوئے اور قلعہ فلک بوس کی دیواروں پر اپنا نقش چھوڑ کر ان حسین وادیوں میں گم ہو گئے۔

میں، ایک سوال ایک معمہ.. ایک نہ سلجھنے والی گتھی۔

میں ایک ہیولا، جو احساس کی چوکھٹ پر دستک دیتا ہے۔ دکھائی نہیں دیتا۔

میں سماعت کا وہ گمان... جس کا مفہوم کبھی واضح نہیں ہوتا..

کیونکہ میں ایک سایہ ہوں۔

ایک آسیب۔

ایک بھٹکی ہوئی روح۔

جسے قلعہ فلک بوس کی دنیا میں بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی میرا مسکن یہی میری آماجگاہ۔

نہ میں اپنی تخلیق کے راز سے واقف نہ اپنے فنا سے آگاہ۔

میں فقط اک راز ہوں۔ ایک اسرار ہوں۔

قلعہ فلک بوس کا آسیب... ایک بھٹکی ہوئی روح...

میں آیو شمتی ہوں...

☆......☆......☆

ستمبر کی رکی رکی سی دوپہر کا وقت تھا۔

دھوپ کاہل بلی کی طرح منڈیروں پر چڑھی اونگھ رہی تھی۔

ایسے میں دادا ابا کے آبائی گھر کے پچھلے کھلے سے صحن میں، آم کے درخت کے عین نیچے لا کر اس نے آخری پلاسٹک کی کرسی رکھی۔ (اور اس رخ پر رکھی کہ گھر کے ادھ کھلے دروازے سے وہ بیٹھی ہوئی واضح طور پر نظر آ رہی تھی) اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی ٹیچرز کی طرح بالکل فرمائشی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسٹائل سے کمر سیدھی کر کے، دائیں ٹانگ بائیں پر رکھ کر اور گردن اکڑا کر بیٹھ گئی کہ دور سے دیکھنے پر اسٹیچو سی لگتی تھی انسان نہیں۔

http://kitaabghar.com

چند سیکنڈ اس طرح بیٹھی رہی پھر خود ہی احساس ہوا کہ ایسے بیٹھ کر وہ مصنوعی سی لگے گی تو ذرا سا پہلو بدلا بائیں ٹانگ دائیں پر رکھ لی۔دل ابھی بھی مطمئن ہو کر نہ دیا تو کمر اور گردن جو اکڑا کر بیٹھی تھی اسے ڈھیلا چھوڑ دیا اور چہرے سے مسکراہٹ ایسے اڑنچھو ہوئی جیسے نیلی روشنائی کا ایک قطرہ پانی میں غائب ہو جاتا ہے اور اس نمائشی مسکراہٹ کی جگہ تذبذب نے لے لی۔

''دو گھنٹے سے تو میں انتظار کر رہی ہوں...ابھی تک تو کوئی آیا نہیں...یا اللہ جی! میرے اس کاروبار میں...مم میرا مطلب ہے میرے اس ٹیوشن سینٹر میں برکت ڈال دیں۔''اس نے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوتے ہوئے با آواز بلند دعا کی ساتھ ہی جھٹ سے دوپٹے کا پلو سر پر رکھا اور درخت کے تنے کی طرف دیکھا جہاں ''روشن درسگاہ'' کا چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ایسا ہی ایک بورڈ اس نے صباحت تائی جان کے سونے کے بعد گھر کے باہر بھی لگا دیا تھا۔چونکہ یہ گھر کا پچھلا حصہ تھا اور تائی کی اجازت لئے بغیر بورڈ لگانے کی گستاخی بھی پچھلے دروازے کے ساتھ ہی سرزد کی گئی تھی اس لئے یقین کامل تھا کہ اس گستاخی کی بھنک تائی کو نہیں پڑے گی۔اور بھنک پڑ بھی جاتی تو کیا فرق پڑنا تھا۔خوش نصیب کی تو جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی کسی بات کی۔البتہ اس کی اماں روشن بیگم جیٹھانی کی ناراضگی کے ڈر سے ہولتی رہتیں اور ان کا ساتھ دیتی خوش نصیب کی بڑی بہن...محترمہ ماہ نور صاحبہ۔جسے اچھی شکل وصورت کے ساتھ ساتھ دنیا سے ڈر کر رہنے کا وصف کسی اعزازی ٹرافی کی طرح ملا ہوا تھا۔

تبھی وہ اپنے ڈر اور اندیشوں کو سنبھال سنبھال کر ایسے رکھتی جیسے کسی کو گولڈ میڈل مل جائے تو اس کی حفاظت کرتا پھرتا ہے۔

تو خیر بات ہو رہی تھی روشن درسگاہ کے اشتہاری بورڈ کی۔

خوش نصیب بڑی شد و مد سے دعا کر رہی تھی۔

''آپ تو جانتے ہیں اللہ جی! اس اکیڈمی کا کامیابی سے چلنا کتنا ضروری ہے....مجھے بڑا آدمی بننا ہے اور بڑا آدمی بن کر ڈھیر سارے روپے کمانے ہیں...تاکہ میں روشن امی کے لئے ان کا ایک ذاتی گھر خرید سکوں...نانی کے لئے بتیسی لونگی...وہ جو منہ میں ایڈجسٹ ہو جاتی ہے اور بار بار نکالنی نہیں پڑتی...اور ماہ نور کے لئے؟...''ذرا سوچ بچار کی پھر دوبارہ سے دعا کا سلسلہ شروع کیا۔

''ہاں...ماہ نور کے لئے میں تھوڑی سی سمجھداری خرید لاونگی...نانی بالکل ٹھیک کہتی ہیں..ماہ نور تو اللہ میاں کی گائے ہے...اور گائے میں عقل نہیں ہوتی.جس طرف کو اس کا منہ موڑ دو اس طرف چل پڑتی ہے...تو ماہ نور کے لئے تھوڑی سمجھداری اور تھوڑی ہوشیاری...''

''جب سب کے لئے کچھ نہ کچھ خرید چکو تو اپنے لئے چٹکی بھر عقل بھی خرید لانا۔''

جس وقت خوش نصیب سر پر دوپٹہ رکھے آنکھیں بند کئے،ہاتھ پھیلائے،تھوڑا سا منہ آسمان کی طرف اٹھائے بڑی لگن سے دعا کرنے میں مصروف تھی ٹھیک اسی وقت اس کا جملہ اچک کر بڑے خلوص بھرے لہجے میں کہا گیا۔

خوش نصیب کو دھچکا لگا وہ تو اکیلی اکیلی اللہ میاں سے مخاطب تھی یہ منحوس کہاں سے بیچ میں کود پڑا۔

پٹ سے آنکھیں کھولیں اور اسے آم کی سب سے اوپر والی موٹی شاخ پر نیم دراز پایا۔اف...اس کی آواز نے کیا کم موڈ خراب کیا

تھا رہی سہی کسر اسکے دیدار نے پوری کر دی۔اس پر مستزاد یہ کہ جان جلانے اکیلا نہیں آیا تھا۔اپنے چیلوں کا گینگ بھی ساتھ لایا تھا۔ شیرو، ٹیپو، ٹینکی بھی اگلی پچھلی شاخوں پر لٹکے ہوئے مطلب بیٹھے ہوئے اور دانت نکالتے نظر آرہے تھے۔

''تم....'' یہ ''تم'' انگلی اٹھا کر بطور خاص کیف کے لئے تھا پھر صدمے بھرے انداز میں سب کو دیکھا۔''تم..تم سب یہاں کیا کر رہے ہو؟'' تنک کر پوچھا۔

''اندھی ہو کیا؟...دیکھ نہیں رہی..قیلولہ فرما رہے ہیں۔'' سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا سرہانہ رکھے ایک ٹانگ دوسری پر رکھے وہ اتنے اطمینان سے لیٹا ہوا تھا جیسے اپنے کمرے کے بیڈ پر لیٹا ہو۔کمبخت کو یہ بھی فکر نہیں تھی کہ ذرا سا سرکا تو دھڑام سے نیچے ہوگا۔ اور گر ہی جاتا تو اچھا تھا۔ذرا چوٹیں ووٹیں لگتیں..کوئی ایک آدھ ہڈی کھسکتی تو خوش نصیب کو مزہ آتا۔وہ تو ہر وقت اسی تاک میں رہتا تھا کہ ذرا موقع ملے اور وہ شعلہ دکھا کر خوش نصیب کا دل جلانے کا بندوبست کرے۔

سارا گھر خوش نصیب سے خار کھاتا تھا اور خوش نصیب اس سے خار کھاتی۔

مطلب یہ کہ بدتمیزی، ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی میں اگر کوئی خوش نصیب کو compete کر سکتا تھا تو وہ صرف اور صرف کیف ہی تھا۔باقی کسی میں اتنی مجال کہاں۔

''ہائے...اف...یہ کیا کہہ دیا بھائی جان!'' ٹیپو سر پکڑ کر ادھ موا ہو گیا۔

''کیا؟'' کیف نے ادائے بے نیازی سے چیلا نمبر ایک کو دیکھا۔

''یہی...کولہا...''

''کولہا نہیں قیلولہ نالائق!....'' ڈپٹ کر تصحیح کروائی پھر جتاتی نظروں سے خوش نصیب کو دیکھا جو سر اٹھائے ان سب کو درخت پر چڑھا دیکھ رہی تھی۔''لگتا ہے روشن درسگاہ کی نالائق استانی کے شاگرد رہے ہو...اسی لئے ایک معمولی لفظ سمجھ نہیں آیا۔''

ٹیپو کسی دور میں خوش نصیب سے پڑھنے آیا کرتا تھا یہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔خوش نصیب اسے دیکھ کر یوں بھی چڑ چکی تھی یہ بات تو سر پر لگی تلووں میں جا کر بھی نہیں بجھی۔

انگلی اٹھا کر دھمکی دینے والے انداز میں بولی۔

''زبان سنبھال کر بات کرو کیف! میں قتل کر دونگی تمہیں۔''

کیف نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔گرم دوپہر میں سبز رنگ کا سوٹ پہنے شعلہ جوالہ بنی..وہ ایسی ہی لگی جیسے ماش کی پھیکی دال کے ساتھ تیکھی سی سبز مرچ۔

کیف کو دل ہی دل میں اس مثال پر گدگدی ہونے لگی۔تھوڑا اور رخ بدلا اور جمپ لگا کر اس کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔

''جو ہاتھ کیف الحسن کو قتل کر سکیں۔وہ ہاتھ ابھی دنیا کے کسی سانچے میں ڈھلے نہیں....البتہ آنکھوں سے قتل کرنے کا ارادہ ہے تو

http://kitaabghar.com

معاملہ دوسرا ہے۔۔" وہ شرارت آنکھوں میں سنبھال کر اپنی مخصوص چیلنج کرتی مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر بولا۔

خوش نصیب نے دانت کچکچائے لیکن آنکھوں کا رخ فوراً پھیر لیا۔

دنیا میں عشق کے نام پر جتنے بھی نقصانات ہوئے ہیں۔۔تاریخ گواہ ہے ان کی راہ ہموار کرنے کے لئے دل نے آنکھوں کا راستہ ہی اختیار کیا ہے۔

کیف نے دیکھا غصے کے باوجود وہ سٹپٹا گئی تھی۔اور ایسے۔۔کیف کو ہمیشہ اس پر ترس آجاتا تھا سو بات بدل کر ٹینکی کو آواز لگائی۔

"اوئے ٹینکی!۔۔کرسی سیدھی کر۔"

وہ تینوں گروجی کی ایک آواز کے ہی منتظر تھے۔دھپ دھپ کر کے چھلانگیں لگائیں اور خوش نصیب کی کرسی اٹھا کر خدمت میں پیش کر دی۔

وہ اکڑ کر بیٹھنے لگا تو خوش نصیب کو پتنگے لگ گئے۔

"خبردار۔۔اس کرسی پر مت بیٹھنا۔"

"کیوں؟۔" کیف بیٹھتے بیٹھتے ٹھٹھک کر رکا۔"اس پر کانٹے اگے ہوئے ہیں؟" معصوم سوال۔

"یہ میری کرسی ہے۔" چبا کر بولی۔

"تو کیف بھائی جان بھی تو آپ کے ہی ہیں۔۔۔۔یہ کونسا غیر ہیں۔" ٹیپو معصوم بن کر فر فر بول گیا۔

کیف کے ذومعنی زوردار قہقہے نے معمولی بات کو ذومعنی بنا کر خوش نصیب کو شرمندہ ہی کر دیا۔وہ کیف سے ہمہ وقت ناراض رہتی تھی اس وقت اور بھی بھڑک گئی۔

"ٹیپو کے بچے!۔۔۔چپ رہو۔" غرائی۔

کیف کی ہنسی تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔"بچہ ہے۔۔۔اس کے بچوں کو تو بخش دو۔"

خوش نصیب کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑا رجسٹر ہی اس کے منہ میں ٹھونس دے کسی طرح اس کی کمینی ہنسی کی آواز تو بند ہو۔

"اٹھو میری کرسی سے۔۔۔۔میرے ابو نے یہ کرسی اس لئے نہیں خریدی تھی کہ اس پر اونگے بونگے لوگ بیٹھتے پھریں۔"

"اب اگر تیرا میرا ہی کرنا ہے تو پہلے ہمارے درخت پر سے اپنی اکیڈیمی کا بورڈ ہٹاؤ۔۔۔۔" اکڑ کر بولا۔"میرے بابا نے بھی یہ درخت اس لئے نہیں لگوایا تھا کہ لوگوں کی اونگی بونگی اکیڈمیز کے بورڈ اٹھاتا پھرے۔"

یہ سیر تھی تو وہ سوا سیر۔کسی بات پر چوکنا تو سیکھا نہیں تھا ان دونوں نے۔

"تمہارے بابا میرے تایا بھی ہیں۔۔۔ان کا جو کچھ ہے وہ میرا بھی ہے۔" حالانکہ وہ دل سے جانتی تھی کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔لیکن اس وقت حقائق سے زیادہ اہم کیف کو منہ توڑ جواب دینا تھا سو اس نے دیا اور ڈنکے کی چوٹ پر دیا۔

''اور تمہارے ابو میرے چچا بھی تھے..ان کی خریدی ہوئی کرسی پر پہلا حق میرا ہے۔''

''آہا..تم آ گئے پتا نہیں کہاں سے حق جتانے.... پہلے ہی میرے ابا کے ترکے پر تم سب سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہو..ظالم،حریص..''

''خوش نصیب!....''

خوش نصیب کی آواز کا گلا روشن امی کی دھاڑ نے دبایا۔وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگئی تھی اور جذباتیت میں آواز کہاں قابو میں رہتی ہے۔ باہر آتی روشن امی جہاں اس کی آواز سن کر ششدر ہوئی تھیں۔وہیں ان کے پیچھے آتیں صباحت تائی جان کو پتنگے ہی لگ گئے۔

''اے لڑکی! زبان کو لگام دو...ہم کیوں تمہارے باپ کے ترکے پر بیٹھیں گے....'' تنک کر بولیں۔''اللہ تمہارے باپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے...لیکن مرتے ہوئے اس نے چھوڑا ہی کیا تھا جس کے بل بوتے پر اتنا اکڑ رہی ہو۔''

''میرا منہ مت کھلوائیں تائی جان!...آپ خود بھی اچھی طرح جانتی ہیں ابو نے کیا چھوڑا تھا اور کیا نہیں۔''

اسے لحاظ کسی کا نہیں تھا تڑ تڑ جواب دینا تو جیسے فرض تھا اس پر۔

''خوش نصیب! اپنی آواز بند رکھو۔'' ان کا خوبصورت چہرہ غصے اور ناپسندیدگی سے لال ہو رہا تھا۔

''اس کی آواز کیوں بند کرواتی ہو؟....ارے اس کی آواز بند ہونا ہوتی تو جس روز پیدا ہوئی تھی خود ہی مر جاتی...اس کی نحوست تو اس کے باپ کو کھا گئی...جس روز پیدا ہوئی...اگلے روز گھر سے باپ کا جنازہ نکلا...ایسے کالے کرموں والی ہے یہ۔''

خوش نصیب کا چہرہ غصے اور توہین سے سیاہ پڑ گیا۔

کیف سٹپٹا کر ماں کی طرف لپکا۔

''اوفوہ امی!...آپ کیا پرانی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہیں...چلیں میرے ساتھ اندر۔''

''پرانی باتیں کہاں...مجھے تو کل کی بات لگتی ہے...کیسا میرا شیر جوان دیور تھا...جب اس کا جنازہ اٹھا...کوئی آنکھ نہیں تھی جس سے آنسو نہ نکلے ہوں....'' وہ بولتی جا رہی تھیں کیف انہیں زبردستی لیکر اندر کی طرف چلا۔دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔خوش نصیب وہیں کھڑی کھا جانے والی نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

کیف نظر نہ ملا سکا۔جلدی سے اندر چلا گیا۔

اب کھلے صحن میں آم کے درخت کی چھایا تلے خوش نصیب اور امی روشن تنہا رہ گئی تھیں۔ٹیپو،ٹینکی اور دیگچی ماحول کو گرم ہوتا دیکھ کر پہلے ہی تتر بتر ہو چکے تھے۔

امی روشن نے لال انگارہ آنکھوں سے خوش نصیب کو دیکھا۔

''دنیا تماشہ دیکھ کر محظوظ ہوتی ہے خوش نصیب!...ہم پہلے ہی بہت بے بس ہیں...ہمیں دنیا کے لئے تماشہ مت بناؤ...''

ان کی آواز نرم لیکن دکھ سے لبریز تھی۔

خوش نصیب کا دل چاہا وہ مر ہی جائے۔

"سمیٹو یہ کاٹھ کباڑ اور اندر چلو... دوبارہ یہ بورڈ مجھے یہاں نظر نہیں آنا چاہیئے۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا اور تھکے ہوئے انداز میں چلتی اندر چلی گئیں۔

خوش نصیب کے اندر غصے اور بغاوت کا طوفان سر اٹھانے لگا۔ اس نے جھپٹ کر بورڈ درخت کے تنے سے اتارا اور زمین پر پٹخ دیا۔

اور یوں روشن درسگاہ اپنے قیام کے پہلے ہی دن ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔

☆......☆......☆

پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے لدی ڈھلتی ہوئی مٹیالی شام قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کی دوسری منزل پر اتری اور رینگتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی جو چاروں طرف سے کتابوں کی الماریوں سے آباد تھا۔ کمرہ بہت بڑا تھا کونے میں ایک میز پڑی تھی جس کے دوسری طرف ایک خوش شکل نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے میز پر بہت سے کاغذات بکھرے تھے کچھ چڑ مڑ کر کے فرش پر پھینکے گئے تھے۔ میز پر ایک ٹیبل لیمپ اور کمپیوٹر سسٹم پڑا تھا۔

وہ میز پر جھکا بڑے انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ خوبصورت پیشانی پر بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ چہرے مہرے سے بہت ذہین دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ فریم کا نظر کا چشمہ اس کے چہرے پر بھلا معلوم ہوتا تھا اور مناسب قد کاٹھ کی شخصیت کو ایک وقار بخش رہا تھا۔ داہنی ہاتھ پر ایرانی طرز کی ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس سے ڈھلتی ہوئی شام کے نارنجی رنگ ترچھے ہو کر اس کے جسم پر پڑ رہے تھے۔ اور سر کے بالوں کے سرے بھورے بھورے سے دکھائی دیتے تھے۔

جب وہ کافی دیر لکھ چکا تو اس نے پین بند کر کے کاغذات پر رکھ دیا۔ اب وہ تھکا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔ دراصل وہ ایک مصنف تھا۔ کہانیاں بننا اور لکھنا اس کا بچپن کا شوق اور جوانی کا ذریعہ معاش تھا۔ یہ اس کی زیر طبع کتاب کا آخری حصہ تھا جس کا مسودہ کچھ روز میں مکمل کر کے اسے پبلشر کو بھجوانا تھا۔ اگلے چند روز تک بشام میں بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جانے کا امکان تھا۔ اور اس دوران شہر تک جانے والے راستے لینڈ سلائیڈنگ کے ڈر سے بند کر دیئے جاتے تھے۔ اسے یہی فکر تھی کہ بارشوں سے پہلے یہ آخری حصہ مکمل ہو جانا چاہیئے۔

انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے سر پیچھے کرسی کی پشت سے لگا کر ستانے لگا۔ تھکاوٹ کے باوجود وہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"وسامہ!..."

اچانک اس کی سماعت سے اس کی بیوی کی کھنکتی ہوئی آواز ٹکرائی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جانتا تھا... تم مجھ سے لاکھ ناراض سہی.. میری خبر گیری کے لئے ضرور اوپر آؤ گی۔" آنکھیں بند کئے وہ متبسم لہجے میں بولا اور گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اگلے ہی پل وہ بری طرح چونکا مسکراہٹ اس کے چہرے سے غائب ہوئی۔ کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ اس

کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔وہ ششدر رہ گیا اس نے آئے کت کی آواز بہت واضح سنی تھی۔اس کا وہم نہیں ہوسکتا تھا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال ٹھک سے آکر گرا تو اس نے جلدی سے ہاتھ مار کر ٹیبل لیمپ جلادی۔

کمرے میں ابھی شام کے رنگ باقی تھے جو ٹیبل لیمپ جلنے سے ماند پڑ گئے۔

اس نے سرعت سے میز کے ساتھ رکھی بیساکھی اٹھائی۔اضطراب بھرے انداز میں بکل کھول کر اسے اپنی ٹانگ سے ایڈجسٹ کیا اور جلدی سے باہر نکل آیا۔

کمرے کے آگے طویل برآمدہ نما راہداری خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قلعہ فلک بوس کا اسرار بیدار ہوتی ہوئی رات کے ساتھ چاروں طرف پھیلنے لگا تھا۔

''وسامہ!.....'' قلعہ فلک بوس کی خاموشی میں آئے کت کی آواز کسی سرگوشی کی مانند ایک بار پھر وسامہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔اس بار اس کا دل دہشت سے بھر گیا۔وہ بیساکھی کے سہارے جس قدر تیز چل سکتا تھا اسی قدر تیزی کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا لیکن خوف نے جیسے اس کی ہمت سلب کرنا شروع کر دی تھی۔

ایک ان دیکھا ہیولہ سانپ کی طرح سرکتا اس کے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔

وسامہ اپنے پورے جسم کی طاقت لگا کر جس قدر تیزی سے بھاگ سکتا تھا بھاگا۔جس قدر سرعت سے گول طرز کی سیڑھیاں اتر سکتا تھا اترا۔

آخری پانچ سیڑھیوں پر وہ حواس باختہ ہو کر پھسلا اور منہ کے بل فرش پر گرا۔خوف اور تکلیف سے ملی جلی کراہیں اس کے لبوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

''وسامہ!....'' اب یہ آواز اس نے بالکل اپنے قریب سنی۔دہشت زدہ ہو کر سر اٹھایا۔آئے کت اس کے سامنے کھڑی ہکا بکا اسے فرش پر گرا ہوا دیکھ رہی تھی۔اس کی آواز اب وہم بن کر وسامہ کی سماعت سے نہیں ٹکرائی تھی بلکہ وہ مجسم اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اور اس کے عقب میں دیوار گیر کھڑکی کے باہر پوری تاریخوں کا بڑا سا طلوع ہوتا ہوا چاند دکھائی دے رہا تھا۔

اور پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے لدی ڈھلتی ہوئی مٹیالی شام جو قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کی دوسری منزل پر اتری تھی دہشت زدہ پراسرار رات میں ڈھل چکی تھی۔

☆......☆......☆

کیف اندر آکر ناراض ہوا۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں امی! کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟'' اس کا لہجہ جھنجھلایا ہوا ضرور تھا مگر بدتمیز نہیں۔زبان دراز تو وہ صرف خوش نصیب کے لئے تھا باقی سب کے لئے تو اچھا بچہ تھا۔

"ہاں تو کیوں نہ بولتی؟" وہ تنک کر بولیں۔ "اس لڑکی کی زبان نہیں دیکھی... کیسے فر فر چل رہی تھی؟"

اب اس بات کے جواب میں کیف کے پاس کافی دلائل تھے مگر چپ ہی رہا... بتایا ناں وہ اچھا بچہ تھا۔

"اب کیا کر دیا خوش نصیب نے؟" فہمینہ کتابیں اٹھائے اندر آ رہی تھی۔ کیف حیران ہوا۔

"تمہیں کیسے پتا خوش نصیب کی بات ہو رہی ہے؟"

"گھر میں ایک ہی تو لڑکی ہے... جس کی زبان فر فر چلتی ہے۔" اس نے ہنس کر اور قدرے شرارت سے کہا اور چونکہ ماں کی طرح خوش نصیب کے لئے دل میں عناد نہیں تھا سو برے طریقے سے بھی نہیں کہا۔

کیف اور وہ دونوں مل کر اس بات پر ہنسے پھر کیف نے کہا۔

"خوش نصیب کو تو خوامخواہ امی اور فضیلہ چچی نے بدنام کر رکھا ہے... گھر کی باقی لڑکیاں کسی سے کم ہیں کیا۔"

"اے لڑکے! خبردار جو میری فہمینہ کو اس لڑکی سے ملایا۔" صباحت بیگم برا ہی منا گئیں۔

"او ہو امی!... آپ بھی سیریس ہو جاتی ہیں... کیف مذاق کر رہا ہے۔"

"کوئی مذاق وذاق نہیں کر رہا۔" وہ متبسم لہجے میں لیکن قدرے سنجیدگی سے بولا۔ "منہا اور صیام بولتے ہوئے کسی کا لحاظ رکھتی ہیں کیا؟... من مانیاں کرنے میں ان سے کوئی آگے نہیں نکل سکتا... فرق صرف اتنا ہے کہ ان دونوں کی بدتمیزیوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور خوش نصیب کی ہر چھوٹی بڑی بات کو چار سے ضرب دے کر بتایا اور محسوس کیا جاتا ہے۔"

اس نے بڑا صحیح قسم کا تجزیہ سامنے رکھ دیا تھا۔ صباحت بیگم دل میں قائل ہوئیں لیکن جس تصویر کو ایک ہی رخ سے دیکھنے کی عادت برسوں پرانی ہو اس تصویر کے کسی دوسرے رخ کی نشاندہی کر بھی دی جائے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ انسان پرانی باتوں، پرانی یادوں اور پرانے تجزیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔

"کیف بالکل صحیح کہہ رہا ہے امی!..." فہمینہ نے کہا۔

"ارے بھئی... وہ دونوں جانیں اور ان کے ماں باپ... ہمیں کیا پڑی ہے کہ کسی کو سدھارتے پھریں۔" انہوں نے نظریں چرا کر کہا تھا۔

"اگر یہی بات ہے تو خوش نصیب کو بھی اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" ماں کی پیشانی کے بلوں کو کن انکھیوں سے تاڑتے ہوئے آہستگی سے کہا مبادہ وہ برا ہی منا جائیں۔

"ارے ایسے کیسے اس کے حال پر چھوڑ دیں... باپ سر پر ہے نہیں اور اس کی اماں کو معصوم بن کر ہمدردیاں بٹورنے کا اتنا شوق ہے کہ بس۔" وہ بری طرح چڑی ہوئی تھیں "... کل کلاں کو اپنی ضدی فطرت کے ہاتھوں کوئی گل کھلا بیٹھی تو دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے ہم۔"

"او ہو... پلیز امی!... آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں..." فہمینہ چڑ کر بولی۔ "گھر میں ایک اکیڈیمی ہی تو شروع کرنا

چاہ رہی ہے...اس میں کونسی قیامت آجائے گی جو آپ اور فضیلہ چچی اس کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔"

"گھر میں نت نئے لوگ آئیں گے..ہمیں نہیں پسند یہ سب....تم بتاؤ کیف! کیا میں غلط کہہ رہی ہو؟"

ان کا خیال تھا ابھی کیف نے خوش نصیب کی اکیڈمی کے inauguration (افتتاح) میں جو رخنہ ڈالا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی انہی کا ہم نوا ہے۔لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

"بالکل غلط...سو فیصد غلط..."ترنت کہا

"ہاں ہاں تمہیں تو ماں ہی غلط لگے گی۔"

"امی!...."فہمینہ نے کہنا چاہا

"اچھا بس....اب زیادہ اس کی طرف داری کرنے کی ضرورت نہیں ہے..."انہوں نے فوراً دونوں کو ہی ٹوک دیا۔"ایسے منہ بھر بھر کے ہم سب کو کوس رہی تھی۔میرا تو دل کیا زبان ہی کھینچ لوں...منحوس،کرموں جلی...."

وہ اٹھ کر اپنی چپل تلاش کر کے پاؤں میں پہننے لگیں۔

"اب کہاں جا رہی ہیں؟" فہمینہ نے پوچھا

"ذرا فضیلہ کے پاس بیٹھ کر آتی ہوں..."وہ باہر نکل گئیں۔

کیف جھنجلا گیا۔"ان کے دل میں پہلے ہی خوش نصیب کے لئے اتنی ناپسندیدگی ہے...اب فضیلہ چچی کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھ کر آئیں گی اور چار نئے اعتراضات اٹھا لائیں گی۔"

"تمہیں کیا فکر ہے؟...."فہمینہ نے جلدی سے کہا۔"امی اور فضیلہ چچی جتنے مرضی اعتراضات تیار کر لیں۔بھو تو خوش نصیب امی کی ہی بنے گی۔"اس نے شرارت سے کہا تھا۔کیف کے ہونٹوں کے کنارے کانوں تک پھیل گئے خوب زور دیکر بولا۔

"انشاءاللہ..."

پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"اچھا سنو کیف!..."وہ جانے لگا تو فہمینہ نے کہا۔"کسی وقت فارغ ہو کر ماموں سے مل آنا...آج بھی میں کتابیں لینے گئی تو تمہارا پوچھ رہے تھے۔"

کیف نے بے اختیار سر پر ہاتھ مارا۔"یار! میں بھول ہی گیا...انہوں نے پرسوں سے بلا رکھا ہے....وہ تو بہت ناراض ہونگے۔"

"فکر مت کرو...وہ عرفات ماموں ہیں...ناراضگی کا لفظ ان کی ڈکشنری میں نہیں ہے۔"مسکرا کر کہتے ہوئے وہ ساتھ لائی کتابیں بک ریک کے شیلف پر سیٹ کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک چمکیلی صبح تھی جو بروکلن ہائیٹس کے اس پارک پر جھک آئی تھی۔

پچھلی رات بارش برسی تھی لیکن اس وقت آسمان بالکل صاف ہو چکا تھا۔اور ہوا میں بارش کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

جاگنگ ٹریک خشک ہو چکا تھا لیکن گھاس میں کہیں کہیں نمی موجود تھی۔

منفرا اور فی بی (FIBI) دور سے جاگنگ کرتی ہوئی آئیں اور اپنے مخصوص بینچ کے پاس رک گئیں۔

بلکہ منفرا رک گئی۔فی بی کے پاؤں اور ہاتھ تو ابھی بھی ''حرکت جاگنگ'' میں تھے۔اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے منفرا کو دیکھا۔ تو اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

''بس....'' وہ تھک چکی تھی اس کی سانس پھول رہی تھی۔وہ جھکی اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سانس بحال کرنے لگی۔

''مام کو لگتا ہے اگر میں ایک دن جوگنگ نہیں کرونگی تو مزید موٹی ہو جاؤنگی۔'' وہ سخت بیزار لگ رہی تھی۔

''اوہ کم آن...تم موٹی نہیں ہو۔'' فی بی اب وہیں کھڑی ایکسرسائز کرنے لگی۔ہاتھوں پاؤں کو اوپر نیچے، دائیں بائیں موڑ توڑ رہی تھی۔کبھی ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دوسری طرف کو جھک جاتی اور اس حد تک اپنے جسم کو گول کر لیتی کہ تیر کمان کی کمان لگنے لگتی۔

اور کبھی ٹانگ پھیلا کر see saw کی طرح اوپر نیچے ہوتی۔

''infact you have a very good figure...'' فی بی نے بات جاری رکھی۔''کل ہی جوزف، ارنسٹ سے کہہ رہا تھا...منفرا جیسا فگر پوری کلاس میں کسی دوسری لڑکی کے پاس نہیں ہے۔''

منفرا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنی عزیز ترین سہیلی کو دیکھا۔اس طرح کرنے سے اس کی اونچی پونی ٹیل لہرائی اور اس کی گردن کے گرد بل کھا گئی۔

جس سوسائٹی کی وہ دونوں پروردہ تھیں وہاں اس طرح کے کامپلیمنٹس ملنے پر خوش ہوا جاتا ہے۔لیکن منفرا کو ماں کا ردعمل یاد کر کے ہنسی آ گئی۔

''یہ بات اگر میری امی نے سن لی تو وہ میرا کالج جانا بند کروا دیں گی۔'' اس نے متبسم لہجے میں کہا تھا

''i know....she is very conservative۔۔۔'' فی بی نے بھی روٹین کی طرح کہا تھا۔

''no she is not۔۔۔'' منفرا نے ترنت کہا۔

''وہ مشرقی معاشرے کی پیداوار ہیں اور مشرق میں ایسی باتیں تہذیب کے خلاف مانی جاتی ہیں...لیکن خیر..تم نہیں سمجھو گی...''

''کیوں؟...میں کیوں نہیں سمجھونگی؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا

''کیونکہ تم کبھی مشرق نہیں گئی۔'' منفرا نے کندھے اچکا کر کہا۔

''میں انٹرسٹڈ بھی نہیں ہوں..تمہارا پاکستان تمہیں ہی مبارک ہو۔'' چونکہ منفرا اس کی دوست تھی تو مشرق اس کے لئے بس

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

پاکستان ہی تھا۔

"اوئے.... میرے پاکستان کو کچھ مت کہنا..." منفرا نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ فی بی زور سے ہنس پڑی۔

"ساری دنیا کہہ رہی ہے... ایک میرے کچھ کہہ دینے سے کونسی قیامت آجائے گی...." پھر دوبارہ وارم اَپ کرنے لگی۔

"میں ایک اور راونڈ لگا لوں۔" اس نے بحث ہی سمیٹ دی۔

منفرا مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ فی بی نے اسے بتایا تھا اجازت تو نہیں مانگی تھی کہ جواب کا انتظار کرتی۔ وہ پہلے ہی ٹریک پر دوڑنے لگی تھی۔

منفرا ٹریک اور گھاس کے قطعہ کے درمیان پھولوں کی باڑھ عبور کر کے بینچ پر بیٹھ گئی۔

یہ ان دونوں کا اپنی کئی سالوں کی دوستی بچانے کا بہترین طریقہ تھا۔ جیسے ہی بات ملکی حدود سے نکل کر دہشت گردی اور سیاست تک پہنچتی.. دونوں میں سے کوئی بھی بات ہی بدل دیتا۔ یوں نہ بحث طول پکڑتی نہ دوستی کے شفاف شیشے میں دراڑ پڑنے کا خدشہ جنم لیتا۔

منفرا یہی سب سوچتی بینچ پر بیٹھ کر آتے جاتے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔

یہ اس کا شروع دن کا معمول تھا۔ ہمیشہ جاگنگ اور ایکسرسائز کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھ جاتی اور لوگوں کے چہرے پڑھنے کی کوشش کرنے لگتی۔ کچھ چہروں پر اسے بہت سی کہانیاں مل جاتیں۔ کچھ یونہی خاموش خاموش سے محسوس ہوتے۔ کچھ کے چہرے سے مایوسیاں جھلکتیں اور کہیں اسے خوشیوں کے رنگ بکھرے ہوئے نظر آتے۔

انسانوں کے چہروں سے ان کی نفسیاتی الجھنوں کا سراغ لگانے کی کوشش ایک ایسا مشغلہ تھا جو خود اس کی بے ضرر سی نفسیاتی گرہ بنتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھار وہ یہ خیال آنے پر محظوظ ہوتی تھی پھر سوچتی۔ وہ Cross-cultural psychology پڑھ رہی تھی۔

St._Francis_College کی ذہین اور محنتی لڑکیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ سکالرشپ پر اسے ایڈمیشن ملا تھا اگر یہ نہ ہوتا تو امی کبھی اسے اتنے مہنگے کالج میں ایڈمیشن لینے اور new york جیسے مہنگے ترین شہر میں بھجوانے پر راضی نہ ہوتیں۔ مطلب یہ کہ وہ انتہائی قابل لڑکی تھی اور قابلیت صرف اسائنمنٹس اور کتابوں تک ہی تھوڑا ہی محدود ہوتی ہے۔ عام زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ تو اس کی قابلیت یہ تھی کہ وہ چہرے پڑھنے لگی تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اس کے لگائے ہوئے اندازے 70 فیصد درست ثابت ہوتے ہیں اور اس کا خیال تھا باقی 30 فیصد پر وہ محنت نہیں کرتی۔ اگر کرتی تو اتنا مارجن بھی نہ چھوڑتی۔

یہی سب سوچتے وہ بینچ کی بیک سے ٹیک لگا کر ستانے لگی تو اسے سامنے والے ٹریک پر جاگنگ کرتا ہوا کوئی دکھائی دیا۔ منفرا غیر ارادی طور پر ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور بالکل لاشعوری طور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے گرے کلر کا اپر پہن رکھا تھا اور اپر کا ہڈ چہرہ چھپا رہا تھا۔ مگر منفرا اسے جانتی تھی۔

یہی ایک چہرہ تھا جس کی گتھی سلجھنا تو دور کی بات منفرا اس کا پتا بھی نہ لگا پائی تھی۔

وہ اکثر اسے پارک میں دیکھتی۔ جاگنگ ایکسرسائز کرتے ہوئے نظر آجاتا۔ کبھی پارکنگ میں تو کبھی ٹیلی فون بوتھ کے پاس۔ منفرا کو یقین تھا باقی لڑکیاں بھی اس کی ٹوہ میں رہتی ہوں گی۔ وہ مہنگے جوتے پہنتا تھا۔ ڈیزائنر ٹریک سوٹ ہوتا تھا اس کا۔ جس گاڑی میں آتا تھا وہ شہر کے چند امراء کے پاس ہی تھیں۔ پھر وہ ہینڈسم تھا۔ ستائیس اٹھائیس سال عمر ہوگی یا ممکن ہے بتیس، تینتیس سال کا ہو۔ بہرحال اس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ بظاہر کسی کو لفٹ بھی نہیں کرواتا تھا یعنی اس میں وہ ہر خصوصیت تھی جو لڑکیوں کو متوجہ کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔

لیکن منفرا کا point of attraction وہ اسرار تھا جو اس بندے کی شخصیت میں جھلکتا تھا۔

گو کہ اس نے ہمیشہ اسے بہت فاصلے سے دیکھا تھا پھر بھی وہ پراسرار لگتا۔

اور اسرار میں کشش ہوتی ہے۔

دو چار بار وہ سینٹ فرانسس میں بھی نظر آیا۔ بعد میں پتا چلا وہ منفرا کے کلاس میٹ اریک کے بیسٹ فرینڈ مبین کا سیکنڈ کزن تھا۔ اس کا نام معاویہ اردشیر ازی تھا۔ اریک کہتا تھا مبین کے بارے میں جو کہانی سناتا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ منفرا نے ابھی تک وہ کہانی نہیں سنی تھی لیکن اریک کہہ رہا تھا تو یقیناً اس میں کچھ دلچسپی ہوگی۔ ویسے بھی اریک بہت بہترین داستان گو تھا۔ وہ یہ کہانی سناتا تو یقیناً اسے سننے میں لطف آتا۔

وہ اس کے سامنے سے گزر کر مین گیٹ کی طرف چلا گیا تبھی فی بی واپس آگئی۔

"یہ تو اریک کا کزن ہے ناں؟" فی بی بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں...اریک کے فرینڈ کا کزن ہے۔" منفرا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کی بیوی کا کچھ پتا چلا؟" فی بی نے منفرا سے پوچھا۔

"بیوی؟" منفرا کو یہ لفظ سن کر شاک لگا یہ ایسا ہی ردعمل تھا جیسے کسی کے بارے میں کوئی غیر متوقع بات پتا چلے تو لگتا ہے۔

"is he married?"

"ہاں...اریک بتا رہا تھا. لیکن اس کی بیوی اب اس کے ساتھ نہیں رہتی...."

"کیا مطلب؟"

"یار! بڑی ٹریجڈی ہوئی ان دونوں کے ساتھ۔"

"کیسی ٹریجڈی؟"

"leave it....دوسروں کی tragedies کے بارے میں جان کر ہم کیا کریں گے... یہاں تو جس کی زندگی کھول کر دیکھ لو کوئی نہ کوئی ٹریجڈی ضرور ملے گی۔"

فی بی نے جیب سے چھوٹا سا رومال نما ٹاول نکال کر اپنی گردن اور چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی پھر بولی۔

''چلیں؟.... مجھے ٹیمی کے ساتھ clark street جانا ہے..سنا ہے وہاں تمام famous برانڈز پر flat 50% off سیل لگی ہوئی ہے... مجھے اپنے لئے کوٹ خریدنا ہے۔''

''چلو...'' منفرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب کرسی پر سر جھکائے، منہ سجائے، بازو باندھے بیٹھی تھی۔

ماہ نور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی، روشن امی پلنگ کے کنارے پر ذرا سا پہلو ٹکائے بیٹھی تھیں۔ بوڑھی بیمار نانی تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں اور پتا نہیں جاگ رہی تھیں کہ سو چکی تھیں۔

خوش نصیب کو تو صرف اتنا پتا تھا تینوں کی تینوں مسلسل اسے ملامتی نظروں سے گھور رہی ہیں۔

وہ ناراضگی کے اظہار کے طور پر چپ تھی لیکن زیادہ دیر تک چپ رہنا اس کی طبیعت کے خلاف تھا۔ سو تھک ہار کر سر اٹھایا اور سب کو دیکھا اور نروٹھے پن سے بولی۔

''اب کیا آنکھوں سے آگ نکال نکال کر آپ لوگ مجھے بھسم کر دیں گے؟.... کہہ تو رہی ہوں غلطی سے منہ سے بات نکل گئی...''

''کیسے منہ سے بات نکل گئی؟'' ماہ نور نے کہا۔ ''میرے منہ سے تو آج تک کوئی بات غلطی سے نہیں نکلتی۔'' اپنے خوبصورت نقوش کی طرح اس کا لہجہ بھی دھیمہ تھا۔

خوش نصیب نے طنز سے اسے دیکھا۔ ''تمہارے منہ سے لفظ باہر نکل آتے ہیں یہی بڑی بات ہے...''

''اب بڑی بہن سے بدتمیزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' روشن امی نے ڈپٹ کر کہا۔ ''جاؤ اور اپنی تائی جان سے معافی مانگ کر آؤ۔''

''کیوں جاؤں؟'' روکھی ہو کر بولی۔ ''ایسی کونسی بڑی بات کہہ دی میں نے.... اور اگر کچھ کہہ بھی دیا تو تائی جان نے بھی تو مجھے کتنی باتیں سنائی تھیں.. حساب برابر۔''

''وہ بڑی ہیں؟.. کہہ سکتی ہیں۔''

''بڑوں کو حق ہوتا ہے جیسے چاہے چھوٹوں کی بے عزتی کریں؟''

''کیا وہ آ کر معافی مانگیں گی تم سے؟''

''یہ میں نے کب کہا؟.... صرف یہ کہہ رہی ہوں معافی نہیں مانگوں گی۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا تھا۔ ''اور ویسے بھی زیادہ غلطی اس کیف چوہے کی ہے. رہتا نہیں کہیں کا کرائم رپورٹر.... کس نے کہا تھا آ کر میرے معاملے میں دخل دے... پتا نہیں کہاں سے آ گیا

اپنی پوری ٹیم اٹھا کے...''بڑبڑا رہی تھی۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں روشن امی! کیف جان بوجھ کے مجھے تنگ کرتا ہے...کسی دن واقعی قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔'' دانت کچکچا کر کہا تھا۔

''ٹھیک ہے...تم نہیں جاتی تو میں چلی جاتی ہوں'' روشن گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''...اس سے پہلے کہ گھر کے مردوں تک بات پہنچے...کسی نہ کسی کو تو معافی مانگنا ہی پڑے گی۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھیں خوش نصیب جلدی سے بھاگ کر ان کے سامنے آ گئی۔

''کیوں جذباتی ہو رہی ہیں...تایا ابو کے آنے تک تو تائی جان سب کچھ بھول بھی چکی ہوں گی۔''

''آج تک وہ کوئی بات بھولی ہیں جو اب بھولیں گی؟'' روشن امی نے جھنجھلاہٹ بھری بے بسی کے ساتھ کہا تھا۔ ''اور اگر وہ بھول بھی گئیں تو فضیلہ انہیں یاد دلا دیں گی...ہماری غلطیاں یاد رکھنے کے لئے اس گھر میں پورا ایک دفتر موجود ہے۔'' وہ کچھ تلخی سے کہہ گئی تھیں۔

''دیکھا...یہی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں۔'' خوش نصیب نے ہتھیلی پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔ ''جہاں صرف ہماری غلطیوں کا حساب رکھا جاتا ہے وہاں ہم کیوں رہیں...ابو کی وفات کے بعد سے کتنی خدمت کی ہے آپ نے ان سب لوگوں کی اور بدلے میں کیا مل رہا ہے؟...سوائے لعنت ملامت کے...''

''تو میں کیا کرتی؟...دو بیٹیوں کو لیکر دنیا میں اکیلی نکل جاتی؟...'' انہوں نے ناراضی سے پوچھا۔ ''لعنت ملامت مل رہی ہے تو سر پر چھت بھی تو ہے...اور یہ بھی غنیمت ہے...بھائیوں نے یہاں سے نکل کر اپنی اپنی زندگیاں بسا لیں...بوڑھی ماں کا بھی خیال نہیں کیا..میں کہاں جا کر ان سے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے لئے سوال کرتی....'' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''آپ اللہ کے بھروسے کوئی اسٹینڈ تو لیتیں...'' اس نے آہستگی سے کہا۔ ''دنیا میں جس کا کوئی نہیں ہوتا روشن امی!...اس کا بھی خدا ہوتا ہے۔''

''خدا کے بھروسے ہی بھائیوں کا گھر چھوڑ کر نکلی تھی..تمہارے تایا بھی سہارا نہ دیتے تو کہاں لے جاتی میں تم دونوں کو۔''

''آپ اس احسان مندی کے چکر سے کبھی باہر نہیں آ سکتیں۔''

''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو خوش نصیب! یہ سب ہمارے اپنے ہیں اور اپنا مارتا ہے تو بھی چھاؤں میں ہی ڈالتا ہے۔'' وہ عاجز ہو کر بولی تھیں۔

''ماشاءاللہ....'' خاصا طنز بھرا ماشاءاللہ تھا۔ ''کوئی دیکھے تو سہی...کس قدر خوبصورت چھاؤں میں ڈالا ہوا ہے ہمیں...ہمارے اپنوں نے...گھر کا سب سے گندا کمرہ ہمیں دیا گیا ہے۔بارش ایک دن ہو یا دس دن...پہلی بوند کے ساتھ چھت ٹپکنا شروع ہو جاتی ہے...معمولی سے اخراجات کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کب تایا ابو اور چچا کی جیب اجازت دے اور ہمیں بھی اپنی ضروریات پوری

http://kitaabghar.com

کرنے کا موقع ملے... مجھے نہیں یاد پڑتا روشن امی! میرے اسکول کالج کی فیس کبھی ایک دفعہ مانگنے پر ملی ہو...''

''ہاں کبھی ایک بار مانگنے پر فیس نہیں ملی... لیکن مل تو جاتی تھی۔''

''آپ کے جتنی صابر میں مرتے دم تک نہیں ہو سکتی۔'' گہری سانس بھر کر کہا اور یہ پچھتاوا نہیں تھا بلکہ اکتاہٹ کا اظہار تھا۔

''وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے میری جان!'' انہوں نے اس کا سر تھپکا اور نرمی سے بولیں۔'' جاؤ... اب معافی مانگ کر آؤ... میں جانتی ہوں صباحت آپا اور فضیلہ اسی انتظار میں بیٹھی ہوئی ہونگی... ماہ نور! خوش نصیب کے ساتھ جاؤ۔''

''چلو۔'' ماہ نور آگے بڑھی۔

''تم رہنے دو... میں خود ہی چلی جاتی ہوں... ایک میرے معافی مانگنے سے ہی ان سب کے احساس برتری کو سکون مل جائے گا۔'' اس نے تڑخ کر کہا اور پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔

روشن امی اور ماہ نور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

شام میں منفرا بھی فی بی اور ٹیمی کے ساتھ clark street جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

فی بی کو موسم آنے والے موسم کی مناسبت سے اپنے لئے گرم کوٹ خریدنا تھا جبکہ ٹیمی کا اپنے چار سال پرانے بوائے فرینڈ سے نیا نیا بریک آپ ہوا تھا۔ وہ خریداری سے زیادہ clark street جا کر ایک اچھا بوائے فرینڈ ''تاڑنے'' کا ارادہ رکھتی تھی اسی لئے اس نے لباس ایسا منتخب کیا تھا کہ منفرا نے با قاعدہ سیٹی بجا کر اسے داد دی تھی۔

منفرا اور فی بی کا چونکہ ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا سو انہوں نے اپنے کپڑوں پر کوئی خاص دھیان نہ دیا اور جیکٹس اور گرم اونی ٹوپیاں پہن کر نکل آئیں۔ ابھی بارشوں کا موسم تھا رات کو ٹھنڈی یخ ہوائیں چلتی تھیں۔

منفرا کو بوائے فرینڈ نہیں چاہیئے تھا اور گرم کوٹ خریدنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ڈیڈ montauk میں مچھلیوں کے دوسرے درجے کا بیوپاری تھے۔ ان کے پاس اپنی ذاتی کشتی تھی اور ایک چھوٹا سا دو بیڈ رومز کا اپارٹمنٹ تھا۔ مالی اعتبار سے زندگی اچھی گزر رہی تھی لیکن عیاشیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈیڈ اور منفرا کے اصرار پر امی نے اسے new york بھیج دیا تھا تو یہی بڑی بات تھی۔

لیکن ساتھ ہی انہوں نے منفرا کو روپے سمجھداری سے خرچ کرنے کی تاکید بھی کی تھی۔ وہ مہینے میں ایک بار montauk جاتی اور واپسی پر اپنا خیال رکھنے کی ڈھیر ساری تاکیدوں کے ساتھ فضول خرچی سے بچنے کی نصیحتیں بھی ساتھ لیکر آتی تھی۔

منفرا چونکہ سمجھدار لڑکی تھی سو اس نے ایسے لائف اسٹائل کو بہت سارے پاکستانی نژاد فیملیز کے بچوں کی طرح اپنا جذباتی آزار بننے نہیں دیا تھا۔ وہ برٹش نیشنل تھی اور british youth کی طرح پارٹ ٹائم ملازمت کر کے اپنے بیشتر اخراجات پورے کر لیتی تھی۔

لیکن پھر وہی بات...وہ عیاشیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔اور یہ اس کے نزدیک کوئی اتنی دلبر داشتہ ہونے کی بات بھی نہیں تھی۔سواس سال بھی اس نے اپنے تین سال پرانے کوٹ اور سوئیٹرز استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اور خود کو سختی سے تاکید کی تھی کہ مارکیٹس میں کم سے کم جائے گی تاکہ نہ نئی ورائٹی دیکھے نہ اس کا خریدنے کے لئے دل للچائے۔

اس روز بھی وہ ہاسٹل میں اکیلی رہ کر بور نہیں ہونا چاہتی تھی سوان دونوں کے ساتھ چل پڑی۔

subway تک انہوں نے پیدل جانے کا فیصلہ کیا اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ زیر زمین ٹرین میں اسے معاویہ نظر آگیا۔وہ ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور لاتعلقی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔اس کی گود میں Forbes magizine پڑا ہوا تھا اور کلائی پر TAG heuer کی گھڑی۔

یہ سمجھنا مشکل تھا کہ اتنا بہترین سوٹ پہننے والا اور اتنی قیمتی گھڑی لگانے والا شخص ٹرین سے سفر کیوں کر رہا ہے۔

بہر حال منفرا کے علاوہ ٹیمی کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی اور اتنے ہینڈسم اور امیر نظر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ خوشی سے بے قابو بھی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں...دیکھو jesus نے اسے میرے لئے بھیج دیا ہے...''اس نے اپنی جیکٹ کی زپ کھولتے ہوئے کہا اندر پہنی ہوئی کالی شرٹ کا گلا بہت گہرہ تھا۔

''میرا نہیں خیال اس سے بہتر بوائے فرینڈ مجھے مل سکتا ہے۔''اس نے غیر محسوس انداز میں گہرے گلے کو کھینچ کر کچھ مزید گہرا کیا اور آنکھ کا کونہ دبا کر شرارت سے ہنستی اس کی طرف چلی گئی۔

''تم دیکھنا...یہ چار منٹ میں بے عزتی کروا کر واپس آئے گی۔''فی بی نے ہنس کر اگلے ہی منٹ پیشن گوئی کی تھی۔

منفرا کا خیال تھا فی بی کا اندازہ غلط ہو جائے گا۔ٹیمی آج اتنی خوبصورت اور پر کشش لگ رہی تھی کہ منفرا کو یقین تھا کوئی Esthetic sense (حسِ لطافت) سے عاری انسان ہی ہوگا جو اسے اگنور کر سکے گا۔لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی جب واقعی چند منٹ بعد ٹیمی منہ لٹکا کر ان کے پاس واپس آگئی۔

''he is so rude....اسے تو یہ بھی نہیں پتا کہ لڑکیوں سے بات کیسے کی جاتی ہے۔''اس کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا تھا۔

ان لوگوں کے پاس سے ہٹ کر وہ معاویہ سے چند قدم دور کھڑی ہو گئی تھی لیکن اس رخ پر کھڑی ہوئی تھی کہ اسے واضح طور پر نظر آتی رہے لیکن جب اس نے ٹیمی کے کھڑے ہونے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تو ٹیمی نے اسے مخاطب کر کے اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی۔اس سیٹ پر معاویہ نے اپنا لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا۔

معاویہ نے اسکے مخاطب کرنے پر بالکل سرد مہری سے اسے دیکھا تھا اور لیپ ٹاپ اٹھا کر اسے جگہ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

اس کا یک لفظی انکار ٹیمی کے دماغ پر جا کر لگا تھا۔وہ غصے سے (تلملا) پیچ وخم کھا رہی تھی جبکہ فی بی اور منفرا اسکی درگت بننے پر خوب ہنسی تھیں۔

ہنستے ہوئے اور ٹیمی کا مزاق اڑاتے ہوئے ان کی آوازئیں بلند ہوگئی تھیں اور ارد گرد کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔

ہنستے ہنستے منفرا کی نظر معاویہ پر پڑی تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ منفرا سے نظریں ملتے ہی جہاں منفرا کی ہنسی کو بریک لگی تھی وہیں معاویہ نے سرد مہری سے نظریں پھیرلی تھیں اور ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

لیکن نظر ملنے کا وہ ایک لمحہ منفرا پر بڑا گراں گزرا تھا۔

اسے اس شخص کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی نظر آئی تھی۔ ہر بار اس شخص پر نظر پڑنے سے وہ اسے پر اسرار لگتا تھا لیکن اس بار بے حس لگا تھا۔

پتا نہیں کیوں لیکن منفرا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

صباحت تائی جان، فضیلہ چچی کے پورشن میں تھیں۔

فہمینہ کی نشاندہی پر وہ انہیں ڈھونڈتی وہاں چلی آئی اور سب سے پہلا ٹکراؤ صیام سے ہوا۔

وہ پاستا کی پلیٹ اٹھائے شائد نہیں یقیناً کیف پر اپنے سگھڑاپے سے زیادہ اپنی خوبصورتی کا رعب جمانے جارہی تھی۔

بینگنی رنگ سے ذرا سے ہلکے رنگ کی گھٹنوں تک آتی اسٹائلش قمیض جس کے دامن پر مردانہ جیبیں لگی ہوئی تھیں، چوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنے دوپٹے سے بے نیاز، کھلے ہوئے سلکی لمبے بال سمیٹ کر ایک کندھے پر آگے کو ڈال لئے تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے خوب ہی آفت قیامت لگ رہی تھی۔

لیکن ایک آفت قیامت وہ بھی تھی جو بے دھیانی میں سامنے سے چلی آرہی تھی اور جبراً معافی مانگنے کے لئے بھیجی گئی تھی تو موڈ بھی سخت خراب تھا۔

اب خدا جانے غلطی کس کی تھی لیکن عین دروازے کے بیچ و بیچ دونوں ٹکرائیں اور پاستا کی پوری پلیٹ صیام کی اسٹائلش قمیض کو مزید اسٹائلش بناتی زمین پر گر کر کرچی کرچی ہوگئی۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتی... پلیٹ میرے پاؤں پر لگ جاتی تو...." خوش نصیب کو اس کی قمیض سے زیادہ اپنے پیروں کی فکر تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ سارا زمانہ اپنی فکر میں ہلکان ہوتا ہے۔

صیام نے اپنی قمیض اور محنت خراب ہونے کے صدمے سے سنبھل کر اسے غضب ناک نظروں سے گھورا۔

"تم کہاں سے آگئیں؟... مصیبت.." بڑبڑائی۔

"دروازے سے..." تنک کر بولی۔ "اور یہ مصیبت کسے کہا ہے؟"

"پورے گھر میں تمہارے علاوہ اور کوئی ہے جسے یہ لقب دیا جا سکے..." اپنی محنت اور قمیض خراب ہونے کا اسے بہت ہی صدمہ پہنچا تھا خوش نصیب کو ایسی نظروں سے گھورا کہ اگر آنکھوں سے سچ مچ کی آگ نکل سکتی تو اب تک خوش نصیب جل کر بھسم ہو چکی ہوتی۔

"امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں. تم ہو ہی منحوس.. جہاں سے گزر جاؤ ممکن ہی نہیں کہ کوئی کام ٹھیک ہو جائے.."

اس نے پاؤں پٹخا اور پلٹ کر دھپ دھپ کرتی اندر چلی گئی۔

خوش نصیب ایسی باتیں بچپن سے سنتی آئی تھی کبھی موڈ آف ہو جاتا کبھی ساری کی ساری باتیں سیدھی جا کر دل پر لگتیں اور دماغ خراب کر دیتیں۔ اب بھی اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف چل پڑی۔

ٹی وی لاؤنج سے گزر کر اسے فضیلہ چچی کے کمرے تک جانا تھا۔ وہ یا اپنے کمرے میں ہوتیں یا اپنے پورشن کے پچھلے صحن میں پائی جاتیں۔ لیکن فضیلہ چچی سے پہلے اسے شاہجہان عرف مٹھو بھائی نظر آ گئے۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی کے آگے براجمان کوئی سیاسی ٹاک شو دیکھتے ہوئے خود کو بڑا انٹلکچوئیل سمجھ رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ سنجیدہ تاثرات کے باوجود چہرے سے ہونق پن ٹپک رہا تھا۔

خوش نصیب کے کانوں میں صیام کا جملہ گونجا۔ ""امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں. تم ہو ہی منحوس.. جہاں سے گزر جاؤ ممکن ہی نہیں کہ کوئی کام ٹھیک ہو جائے.."

دیو مالائی داستانوں میں جیسے آدم خور انسانی خون کی بو پا کر "آدم بو، آدم بو" کی گردان شروع کر دیا کرتے تھے ٹھیک ویسے ہی اس وقت خوش نصیب کے کانوں میں "انتقام، انتقام" کی گردان شروع ہو گئی۔

اس نے آنکھیں عیاری سے چمکائیں اور دبے پاؤں شاہجہان بھائی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

ٹی وی کی آواز بلند تھی۔ خوش نصیب نے ایک بار بلایا انہوں نے نہیں سنا۔ دوسری بار آواز دی پھر بھی کوئی رسپانس نہ ملا تو اس نے آگے ہو جھک کر دیکھا۔ سنجیدہ صورت والے مٹھو بھائی اسے ہمیشہ سے زیادہ مزاحیہ لگے تھے اس وقت۔

"طوطے بھائی! آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے؟" وہ بالکل ان کے کان کے قریب ہو کر چلائی۔

محترم انٹلکچوئیل ٹاک شو میں بری طرح غرق تھے۔ اس افتاد پر اس بری طرح ہڑبڑائے کہ اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلے اور ریموٹ نے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں کلابازی کھائی اور ٹھاہ کر کے ٹی اسکرین سے ٹکرایا۔

"کک... کیا؟.... کیا ہوا خوش نصیب؟" دھڑ دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھے وہ بس بے ہوش ہونے کے قریب تھے۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا.." اس نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن جتنی بری طرح ریموٹ ٹکرایا ہے... ہو نہ ہو... اسکرین ضرور damage ہوئی ہو گی۔"

"نہیں میں ٹی وی کا نہیں پوچھ رہا.. تم اتنی زور سے بولی کیوں؟"

''زور سے نہ بولتی تو کیا کرتی...کب سے بلا رہی ہوں لیکن آپ سن ہی نہیں رہے تھے طوطے بھائی.....''معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

طوطے بھائی نے فورا برا منا کر جملہ اچکا۔

''بات سنو لڑکی! میرا نام شاہجہان ہے...''

''اتنا مشکل نام....''اس نے بے بسی سے کہا۔''میں تو طوطے بھائی ہی کہونگی۔''ٹھنک کر کہا

''سارے گھر والے پیار سے مٹھو کہتے ہیں..تم بھی یہی کہہ لیا کرو۔ لیکن یہ طوطا مت کہو...سچ بہت برا لگتا ہے ہمیں۔''

''ہائے....''واری صدقے ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔''کتنے معصوم ہیں آپ طوطے بھائی! یہ جو آپ کے گھر والے ہیں ...کوئی پیار ویار سے مٹھو نہیں کہتے...یہ تو آپ کی طوطا ناک کی وجہ سے یہ نام رکھا ہوا ہے...ایک بار مجھے فضیلہ چچی نے خود بتایا تھا...ہائے یہ میں کیا بول گئی۔''

اف کیا زبردست اداکاری تھی۔کسی فلم ڈرامہ میں چانس ملتا تو اس سین کے لئے ضرور آسکر ایوارڈ کی نامزد ٹھہرائی جاتی۔

مٹھو بھائی کا منہ مارے صدمے کے کچھ اور ہونق لگنے لگا۔ایک تو وہ بیچارے پیدائشی ''بھولے''...اوپر سے خوش نصیب کے ہتھے چڑھ گئے...سمجھو مرے پہ سو درے والا حساب ہوا۔

''کک....کیا بتایا تھا امی نے؟''

''چھوڑیں...رہنے دیں...خوامخواہ آپ کا دل برا ہوگا۔''بڑا اپنی سی بن کر بولی۔

''نہیں نہیں...تم بتاؤ...اب ایسا بھی نازک دل نہیں ہے میرا۔''

خوش نصیب کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ ٹوہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

''چچی مجھ سے خفا ہو جائیں گی طوطے بھائی! کہ آپ کو اتنے راز کی بات کیوں بتائی۔''وہ لاچاری سے بولی۔

''ارے اب بتا بھی چکو...امی کو کون بتائے گا کہ مجھے تم نے بتایا ہے۔''وہ رونے والے ہو گئے۔

''اچھا....''اس نے سوچا پھر بولی۔''اب آپ اتنا مجبور کر رہے ہیں تو بتا ہی دیتی ہوں۔جب آپ پیدا ہوئے تو چچی فضیلہ کی سہیلیاں آپ کی ٹیڑھی ناک دیکھ کر مذاق اڑایا کرتی تھیں..کہ فضیلہ! اللہ نے پہلوٹھی کی اولاد دیکھی ٹیڑھے ناک والی دے دی ہے..اس کی ناک تو میاں مٹھو سے ملتی ہے۔ سب آپ کو مٹھو بلاتی تھیں...انکے دیکھا دیکھی صیام نے بھی آپ کو مٹھو کہنا شروع کر دیا...اب آپ کا دل رکھنے کے لئے چچی نے کچھ تو کہنا تھا...سو کہہ دیا مٹھو پیار کا نام ہے...اچھا...صباحت تائی جان کہاں ہیں...صیام کہہ رہی تھی یہی کہیں ہیں۔''

وہ صدمے سے نڈھال تھے چونک کر بولے

''امی کے کمرے میں دیکھ لو...وہیں ہونگی۔''

http://kitaabghar.com

''ٹھیک ہے...'' وہ اٹھلاتی ہوئی جانے لگی پھر رکی اور بولی۔

''آپ دل چھوٹا نہ کریں طوطے بھائی! صیام آپ کو چڑانے کے لئے مٹھو کہتی ہے تو کیا ہوا... چچی کے تو آپ بیٹے ہیں وہ تو پیار سے ہی کہتی ہونگی....'' اسے تسلی دی اور مزے سے کہہ کر چلتی بنی۔

ٹی وی کے سامنے کھڑے مٹھو بھائی نے آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں رگڑیں اور صیام کے کمرے کا رخ کیا۔

خوش نصیب نے دل ہی دل میں قہقہے لگائے۔ معافی کا کیا ہے مانگ ہی لے گی۔ بچپن سے ہر چھوٹی بڑی بات کے لئے مانگتی آئی تھی۔ لیکن اب جو صیام کے کمرے میں طوفان آنا تھا اس نے دل کی ہر خلش کو مٹا دینا تھا۔

اسے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ فضیلہ چچی کی بات پر بھی ازسرِ نو یقین آیا۔ وہ ہمیشہ کہتی تھیں۔ خوش نصیب کہیں سے گزر جائے اور وہاں کوئی طوفان نہ آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اب اتنی بڑی عمر کی خاتون کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہونگی۔

☆......☆......☆

clark street میں ونڈو شاپنگ کرتے، ٹیمی کے ساتھ مختلف کوٹ اور جیکٹس پہن پہن کر دیکھتے ہوئے بھی وہ منفرا کے دماغ سے نہیں نکلا۔ شاید یہ اس کے بارے میں اتنا زیادہ اور بار بار سوچنے کا اثر تھا کہ دو چار لوگوں پر اسے اسی شخص کا گمان ہوا۔

ایک بار ایسا لگا جیسے وہ بالکل اس کے پاس سے ہو کر گزرا ہو۔ دوسری بار وہ اسے کافی شاپ کے دوسری طرف کھڑا نظر آیا اور تیسری بار فرانسیسی طرز کے ہیٹ میں چھپا ہوا چہرہ اسی کی شباہت لئے محسوس ہوا۔

منفرا جھنجلا سی گئی اور جب ٹیمی ایک جینز ٹرائے کرنے کے لئے ٹرائے روم میں گئی تو اس نے فی بی سے پوچھا۔

''فی بی! تم اس لڑکے کے بارے میں کیا بتا رہی تھی؟''

''کونسا لڑکا؟'' فی بی کا ہینگرز میں ڈسپلے کی ہوئی شرٹس دیکھ رہی تھی۔

''وہی....جو ابھی ٹرین میں تھا...ایرک کے دوست کا کزن۔'' منفرا نے اپنے لہجے کو حتی المقدر سرسری بنا کر پوچھا تھا۔

فی بی نے کھٹک کر اسے دیکھا۔ ''کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''کوئی خاص بات نہیں... ویسے ہی پوچھا تھا۔'' منفرا نے جلدی سے کہا۔

فی بی مسکرانے لگی اسی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔ ''یہ بات تم اس سے کہو جو تمہیں جانتا نہ ہو... پہلے تو تم نے کبھی کسی کے بارے میں اتنے سوال نہیں پوچھے... کسی کے بارے میں اتنی curious (پر تجسس) نہیں ہوئی۔''

''فی بی! میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا...'' اس نے ہنس کر اور زور دیکر کہا تھا لیکن فی بی کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا وہ ایسے ہی معنی خیزی سے مسکراتی رہی۔

''...تمہیں وہ اچھا لگ رہا ہے کیا؟'' شرارت سے اسے دیکھ کر پوچھا تھا۔

منفرا جھینپ سی گئی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اوہ کم آن... تمہیں مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے منفا!'' اتنے سالوں کی دوستی کے باوجود وہ اس کا نام صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں بول پاتی تھی اسی لئے اسی لئے اسے منفا کہتی تھی۔

''مجھے خوشی ہوگی اگر تمہاری زندگی میں بھی ایک بوائے فرینڈ آجائے۔'' فی بی ابھی بھی سنجیدہ نہیں ہو رہی تھی۔

منفرا ہنسی اور بے بسی والے انداز میں وضاحت دینے لگی۔

''وہ صرف میرے دماغ سے نہیں نکل رہا...صرف اتنی سی بات ہے...میرا اسے بوائے فرینڈ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں...'' وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ ''ویل ایک بار ٹیمی سے ضرور ڈسکس کر لینا...ابھی اس کی جتنی انسلٹ ہوئی ہے میرا نہیں خیال وہ تمہیں allow کرے گی کہ اس بندے سے کوئی ریلیشن شپ بناؤ۔'' وہ مزے مشورے دیتی جا رہی تھی۔

''شٹ اَپ فی بی!'' منفرا نے ہنستے ہوئے ہاتھ میں پکڑا والٹ اُسے کھینچ مارا۔

فی بی بھی ہنسنے لگی۔ اسی وقت ٹیمی ٹرائے روم سے باہر آ گئی تو ان دونوں نے ہی موضوع بدل دیا۔

☆......☆......☆

رات تک خوش نصیب کے اٹھائے ہوئے طوفان نے سارے گھر میں اپنی تباہ کاریاں پھیلا دی تھیں۔

شاہجہان نے صیام کے سلکی بال نوچ نوچ کر کچھ جڑ سے اکھاڑ دیئے باقی جو بچے وہ خودرو جھاڑیاں دکھائی دینے لگے۔

صیام نے بے شک ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رکھی تھیں لیکن بدلہ لینے میں چوک جانا اس نے بھی نہیں سیکھا تھا سو ایسا تاک کر گلدان مارا کہ بڑے بھائی کی ناک کے معمولی سے خم کو بالکل ہی ٹیڑھا کر دیا۔

عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ خون کا فوارہ نکلا تھا متھو کی ناک سے اور پورا فرش خون وخون ہو گیا تھا۔

روشن امی، نانی اور ماہ نور کو افسوس ہوا لیکن فائدہ یہ ہوا کہ خوش نصیب کی بدتمیزی کی داستان وقتی طور پر دب گئی۔

اور جس کی یہ ساری کارستانی تھی وہ کچی اینٹوں والے ٹھنڈے کمرے میں نانی کے پلنگ پر لیٹ کر ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب پڑھتی رہی اور اونچے اونچے قہقہے لگاتی رہی۔

رات گئے اس نے آواز دبا کر لیکن خوب ہنس ہنس کر اپنا کارنامہ ماہ نور کو سنایا۔

''دنیا کے سارے شیر جوان مر گئے ہیں جو میں شاہجہان کو پیار سے کچھ کہوں؟....ہم تو بھئی...طوطے بھائی ہی کہیں گے۔''

فرش پر بچھائے ہوئے بستر میں گھسی ایک ہاتھ کی کہنی کھڑی کر کے اس پر سر رکھے لیٹی وہ جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہوئی تھی۔

ماہ نور کو ہنسی آئی لیکن حیرانی زیادہ تھی۔

خوش نصیب کا دماغ ایسے معاملات میں زرخیز تھا وہ جب چاہتی جہاں چاہتی اگلے کو تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیتی۔ ماہ نور صبر و تحمل

سے اچھے وقت کی آس میں زندگی گزار دینے پر یقین رکھتی تھی۔

''بہت ہی بدتمیز واقع ہوئی ہو ویسے تم۔''اس نے مسکراتے ہوئے بلکہ کچھ ملامتی انداز میں کہا تھا۔

''شکریہ۔''خوش نصیب ڈھٹائی سے دانت نکالتی ایک ہاتھ سے کورنش بجالائی۔

''فضیلہ چچی کو پتا چلا تو... سمجھو تمہاری خیر نہیں ہے۔''

''ارے جاؤ.... میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''اس نے ہاتھ ہوا میں لہرا کر جیسے مکھی اڑائی اور کروٹ بدل کر سیدھی چت لیٹ گئی۔

''تم نہیں ڈرتی لیکن امی ڈرتی ہیں...''ماہ نور نے نرمی سے اور آہستگی سے کہا تھا ساتھ ہی ایک نظر چپکے سے روشن امی کی طرف بھی دیکھا تھا۔کمرے کے دوسرے کونے پرنانی اور روشن امی کے پلنگ برابر برابر بچھے ہوئے تھے۔ اور دونوں ہی گہری نیند سو رہی تھیں۔

''کیوں ڈرتی ہیں؟...یہی ان کی غلطی ہے، غلطی تھی...''اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے''ہے اور تھی''پرزور دیکر کہا تھا۔

''جب وہ حق پر تھیں تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے تھا...اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنی چاہیئے تھی..اگر تب بھی حق نہ ملتا تو اسے چھین لینا چاہیئے تھا.....لیکن انہوں نے ڈر ڈر کر زندگی گزار دی۔''

''ایسے نہیں ہوتا ناں خوش نصیب!عورت کو ڈر کر ہی رہنا پڑتا ہے۔یہ اس دنیا کا اصول ہے۔''

''انسان اپنے اصول خود بناتا ہے اور ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے دنیا کے سامنے ڈٹ جاتا ہے....جو دنیا کے بنائے ہوئے اصول follow کرتا ہے میرے نزدیک وہ بزدل ہے۔''

ماہ نور کو اس کی بات سے صدمہ پہنچا۔''روشن امی کو بزدل کہہ رہی ہو...ہمارے لئے انہوں نے اپنی پوری زندگی برباد کردی...''

''دھت تیرے کی...انہیں کیسے بزدل کہہ سکتی ہوں؟...میرے جیسی بہادر بیٹی کی ماں بزدل ہو بھی نہیں سکتی...وہ تو میری آئیڈیل ہیں...ایسی بہادر ایسی عظیم کہ میرا دل چاہتا ہے ان کا مجسمہ بنوا کر شہر کے سب سے بڑے چوک میں لگوا دوں... یادگار کے طور پر....''بولتے بولتے اس کی آواز نیند کے جھونکوں میں جھولنے لگی اور پھر بولتے بولتے ہی وہ گہری نیند سو گئی۔

خدا جانے خوش نصیب نے یہ بات سیریس ہو کر کہی تھی یا مذاق میں کہہ گئی تھی۔ماہ نور سمجھ نہ سکی۔ویسے بھی خوش نصیب مذاق مذاق میں بہت کچھ کہہ جاتی تھی۔اور جو کچھ سنجیدہ ہو کر کہتی تھی وہ تو اس''بہت کچھ''سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔

ماہ نور نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔سوتے ہوئے کیسی معصوم سی لگ رہی تھی اور جاگتے میں پوری دنیا کے لئے چھل پیری بن جاتی یعنی جس کے پیچھے پڑ جاتی پھر اس کی جان آسانی سے نہ چھوڑتی۔

ماہ نور کو بے اختیار اس پر پیار آیا تو جھک کر اس کی پیشانی کو چوما اس کا لحاف درست کیا اور خود بھی سونے کے لئے لیٹ گئی تو ماضی کے کتنے ہی لمحے نیند کی دہلیز سے جھانکنے لگے۔

اس کے ابو باسط احمد کا جب انتقال ہوا تو وہ تین سال کی تھی اور خوش نصیب تین دن کی۔

ابو نے بڑی محبت سے اس کا نام خوش نصیب رکھ دیا لیکن جب ایک تیز رفتار گاڑی انہیں کچل کر نکل گئی تو دنیا نے اسے بدنصیب تصور کر لیا۔

لیکن ماہ نور کو اور روشن امی کو وہ اچھی لگتی بڑی بڑی آنکھوں اور گندمی رنگت والی گڑیا۔

لیکن ماہ نور کی طرح اس کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں تھا۔ یہ بات روشن امی ہمیشہ کہتی تھیں۔

اور وقت نے ثابت کیا ان کی بات غلط نہیں تھی۔ اس کی طبیعت میں بغاوت تھی، وہ لڑنے بھڑنے پر تیار رہتی، جو چیز چاہیئے اسے چھین کر حاصل کر لیتی لیکن دستبردار نہ ہوتی۔

پتا نہیں وہ ہر چیز کو روشن امی اور ماہ نور کی طرح جو ہے، جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیوں نہیں کر لیتی تھی۔

اس کا بس نہیں چلتا تھا پتھروں سے بھی بیر باندھ لے کہ اس کی مرضی کی شکل میں کیوں نہیں ڈھلتے۔

روشن امی کو ایک پرسکون، پرآسائش زندگی فراہم کرنا اس کی اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ بچپن میں روشن امی کو فرش پر پونچھا لگاتے ہوئے دیکھتی تو کہتی۔ ''بڑی ہو کر کام والی مائی بنوں گی تاکہ آپ کو دوبارہ پونچھا نہ لگانا پڑے۔''

ایک بار انہوں نے بتا دیا تمہارے ابو کے گھر پر چچا تایا نے قبضہ کر رکھا ہے اور ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ کسی وکیل کا بندوبست کریں جو قبضہ چھڑوا دے۔

اس روز خوش نصیب نے طے کیا وہ بڑی ہو کر وکیل بن جائے گی۔ لیکن روشن امی کی آنکھوں میں آنسو آنے نہیں دے گی۔

اب بڑی ہو گئی تھی لیکن نہ کام والی مائی بن سکی تھی نہ وکیل اور نہ ہی روشن امی کی آنکھوں کے آنسو روک پائی تھی۔ یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خلش تھی اور یہی دنیا سے اس کا سب سے بڑا جھگڑا۔

یہی سوچتے سوچتے ماہ نور بھی گہری نیند سو گئی۔

☆......☆......☆

اس رات وہ تینوں بہت لیٹ واپس آئی تھیں۔

ٹیمی کو بوائے فرینڈ نہیں ملا لیکن دو اچھے کوٹ اور ایک لیدر جیکٹ مل گئی۔ فی بی کو کوئی بھی چیز پسند نہیں آئی سو وہ آج کل میں دوبارہ clark street جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

منفرا آتے ساتھ ہی سونے کے لئے لیٹ گئی لیکن آنکھیں بند کرتی تو سامنے معاویہ کا چہرہ آجاتا اور اس کی آنکھوں کی سفاکی اسے بے چین کرنے لگتی۔

''تم نے اس کی آنکھیں دیکھیں فی بی؟....'' ٹیمی نے اچانک پوچھا وہ اپنے کوٹ پہن پہن کر دیکھ رہی تھی۔

''بہت بری آنکھیں تھیں اس کی۔'' اس سے پہلے کہ فی بی کوئی جواب دیتی خود اسی نے ناک چڑھا کر کہا۔

http://kitaabghar.com

''بری...؟'' فی بی کو حیرانی کا جھٹکا لگا۔ وہ پڑھنے کے لئے اپنی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی مڑ کر ٹیمی کو دیکھا۔''اب اس نے تمہیں لفٹ نہیں کروائی تو تم اس کی اتنی برائی تو مت کرو..اچھی خاصی اٹریکٹو آنکھیں تھیں اس کی۔''

''نہیں...ٹیمی ٹھیک کہہ رہی ہے...'' منفرا نے کہا۔''عجیب سی آنکھیں تھیں اس کی۔''

''مجھے تو ایسا لگا جیسے وہ بے جان ہوں...'' ٹیمی نے کہا۔''مشرقی مرد تو اپنی سحر انگیز آنکھوں کے لئے مشہور ہیں لیکن اتنی بے حس آنکھیں تو مرے ہوئے لوگوں کی ہی ہوتی ہیں۔''

''اوہ کم آن...'' فی بی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔''میں نے تو آج تک کسی مرے ہوئے انسان کی ایسی اٹریکٹو آنکھیں نہیں دیکھیں..'' پھر اس نے منفرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ٹیمی اسے بار بار یاد کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے...تمہیں وہ کیوں یاد آ رہا ہے؟'' اس کا انداز شرارتی تھا۔

منفرا اس کا انداز سمجھ کر مسکرا دی اور سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔

''اگلی بار وہ نظر آئے تو اس کی آنکھوں میں مت دیکھنا...مجھے ڈر ہے وہ تم پر سحر نہ پھونک دے۔''

فی بی نے ابھی بھی شرارت سے ہی کہا تھا، منفرا چھت کی طرف دیکھتی ہوئی مسکراتی رہی پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

اگلی صبح پانچ بجے، جب بیدار ہوتی صبح کی چمکیلی کرنیں کمرے کے بند دروازے کی درز سے اندر آنا شروع ہی ہوئی تھیں۔ خوش نصیب نے آنکھیں کھلتے ہی جھنجھوڑ کر ماہ نور کو جگایا۔

''تمہیں پتا ہے ماہ نور! ہماری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟'' وہ نیند سے بوجھل آواز میں پوچھ رہی تھی لحاف ابھی جسم کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔

ماہ نور نے خوابیدہ ذہن اور آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ چند لمحے سوچا اور بولی۔

''ابو کی ڈیتھ.....مجھے لگتا ہے ابو کی ڈیتھ ہماری زندگیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔''

''یہ مسئلہ تو ہر مسئلے کی جڑ ہے....'' خوش نصیب نے کہا۔''لیکن ہر مسئلے سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے.....میں بتاؤں وہ کیا ہے؟.....ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے...اگر ہمارے پاس بھی ڈھیر سارے پیسے ہوتے تو یہ سارے خاندان والے روشن امی کو یوں نوکرانی بنا کر نہ رکھتے...ہمارے ابو کے گھر میں رہ کر ہم پر احسان نہ جتاتے.....میرا خیال ہے ایک اچھی عورت روشن امی جیسی ہوتی ہے...جو شوہر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے بچوں کو پالتی ہے۔ اس کے رشتہ داروں کی باتیں سنتی ہے ان کے لئے کھانے بناتی ہے مگر زبان سے ایک لفظ نہیں کہتی...لیکن...میں ان کے جیسی نہیں بننا چاہتی..اچھے لوگوں کی اس دنیا میں کوئی قدر نہیں ہے...دنیا انہیں جھک کر ملتی ہے جو دنیا کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں.....میں بھی یہی کرونگی...ڈھیر سارا پیسہ کماؤنگی اور دنیا کو اپنی ٹھوکر سے اڑاؤنگی..تم دیکھنا ماہ نور! میں ایسا ہی کرونگی۔''

خود کلامی کے انداز میں وہ مصمم ارادے سے بولتی ہوئی اٹھی اور چپل میں پاؤں پھنساتی باتھ روم میں چلی گئی۔

ماہ نور ہونق سی بنی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر چونکی۔

"چہ چہ... بیچاری خوش نصیب... لگتا ہے اکیڈیمی بند ہونے کا اثر دماغ پر ہو گیا ہے... تبھی تو صبح صبح بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔"

ماہ نور صبح صبح افسردہ سی ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ جانتا تھا وہ سو رہا ہے۔ پھر بھی خود کو تاریکول سے اندھیرے میں کھڑا پایا تو چونک گیا۔

شائد وہ کوئی گہرا کنواں تھا یا تاریک سرنگ۔

پھر اسے دور روشنی دکھائی دی جو بصارت کو ڈگمگاتی تھی۔ اس نے بے ساختہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور اس روشنی کی طرف چلنے لگا۔

کنارے پر پہنچ کر روشنی دھند میں بدلی اور اوس بن کر اس پر برسنے لگی۔

وہ تیزی سے بھاگا تاکہ خود کو بھیگنے سے بچا سکے۔ اور تب معاویہ اردشیر ازی نے خود کو ایک بڑے سے لکڑی کے پھاٹک نما گیٹ کے سامنے کھڑا پایا۔

اس نے سر اٹھایا اور پائن کے درختوں میں گھری اس تین منزلہ پر شکوہ عمارت کو دیکھا جس پر اسرار کا سایہ محسوس ہوتا تھا۔

معاویہ نے ہاتھ بڑھایا تو پھاٹک خود بخود کھلتا چلا گیا۔ وہ اندر آ گیا۔ عمودی پہاڑ کے سینے پر لمبی سرمئی روش بچھی تھی جو سیدھی عمارت کے مرکزی عالیشان دروازے تک جاتی تھی۔ روش کے دونوں طرف اور عمارت کے چاراطراف وسیع و عریض لان تھے اور پراسرار خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

روشنی کا ایک ٹکڑا اس کے آگے آگے چلنے لگا۔

لیکن مٹے مٹے سے مناظر تھے کچھ بھی واضح نہ ہوتا تھا۔

وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر پہنچا تو مرکزی دروازہ ایسے کھلا جیسے دربان اسی کے منتظر ہوں۔

وہ جھجکا ہوا سا اندر آ گیا۔

اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ بڑی بڑی کھڑکیاں۔

بہت بڑا ہال نما گول کمرہ۔ جس کے سب اطراف سے راہداریاں نکلتی ہوئی کہیں اندر غائب ہو رہی تھیں۔ راہداریوں کے سامنے موتیوں کی لڑیوں کے پردے تھے۔ اور ان لڑیوں کے پیچھے کا منظر تاریک اور ہیبت ناک معلوم ہوتا تھا۔

سامنے آدھے دائرے کی شکل کی دوطرفہ سیڑھیاں، جو نرم قالینوں سے ڈھکی تھیں۔

درمیان میں شاہانہ صوفے بچھے تھے۔ داہنے ہاتھ لکڑی کا بڑا سا پیانو رکھا تھا۔ اوپر ایک بہت بڑا فانوس تھا۔ جو ہوا سے لرز رہا تھا

http://kitaabghar.com

اور ایک خاص طرح کا ردھم پیدا کرتا تھا۔

اچانک کوئی چیز پوری قوت سے پیانو پر آ کر گری۔ ہیبت ناک شور اس کے دماغ کو جھنجھوڑنے لگا۔

اس نے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ تو سکوت چھا گیا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو دنگ رہ گیا۔

وہ ایک تابوت میں قید تھا اور تابوت کی چھت دھیرے دھیرے اس کی طرف آ رہی تھی۔ معاویہ کا سانس گھٹنے لگا۔ چیخنا چاہا تو آواز نے حلق کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اس نے زور زور سے ہاتھ چلائے۔ کہیں سے سانس کی رمق ملے...اسے آزادی ملے لیکن....

معائیروں کے پھڑ پھڑانے کی تیز تیز آواز آنے لگی۔ روشنی پوری شدت سے اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اسے یوں لگا کہ اسے نگل ہی لے گی۔ یہ ایسا خوفناک احساس تھا کہ نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

اس کا پورا جسم پسینے سے بھگا ہوا تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل فون پچھلی رات سیٹ کئے گئے الارم کے تحت مسلسل بج رہا تھا۔

خواب کے اثر سے نکلنے میں اسے چند منٹ لگے تو اس نے دیکھا وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اپنے اپارٹمنٹ کے آرام دہ بیڈروم میں۔

یہ Brooklyn Heights تھا۔ New york کا پوش علاقہ۔ بشام سے کئی سو میل دور...

رات ورات وہ کیسے وہاں جا سکتا ہے اور تابوت میں قید ہو سکتا ہے۔

ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اس نے خود کو تسلی دی تو گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔

دونوں ہاتھوں سے اس نے چہرہ پونچھا۔ اپنی بے حس آنکھوں کو نرمی سے دبایا پھر ہاتھ بڑھا کر الارم بند کرنے کے لئے موبائل اٹھانے لگا تو بے دھیانی میں موبائل کے ساتھ رکھی سرمئی جلد والی ڈائری پر ہاتھ جا لگا۔ معاویہ نے چونک کر دیکھا اور ڈائری اٹھا لی۔

سرمئی جلد پر بریل کے ہندسوں کی طرح سیاہ رنگ سے ایک نام ابھرا ہوا تھا۔

''وسامہ طالب۔'' اس نے انگوٹھے سے ابھرے ہوئے لفظوں کو چھوتے ہوئے زیر لب نام پڑھا۔

ایک جھٹکے سے کمبل ہٹایا۔ ڈائری واپس میز پر رکھی۔ بستر سے نکلا۔ ڈائری نیچے قالین پر گر گئی۔

معاویہ نظر انداز کر کے باتھ روم میں چلا گیا۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کا الارم ابھی بھی مسلسل بج رہا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

کیف نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے مدھم سی ''ہوں'' سنائی دی تو وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

عرفات ماموں اپنی ایزی چیئر پر جھول رہے تھے اور ابن خلدون کی پانچویں جلد پڑھنے میں مصروف تھے۔

کمرے میں کتابوں کے بوسیدہ پن کی مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

عرفات ماموں نے چشمے کے اوپر سے اندر داخل ہونے والے کو دیکھا اور والہانہ استقبال کیا۔

''ارے کیف!...آیئے آیئے...آج تو ضرور سورج مغرب سے نکلا ہوگا...جو بڑے لوگ ہمارے کمرے میں تشریف لائے ہیں۔''

کیف مسکراتا ہوا ان کے پاس آ گیا اور مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں کل بھی آیا تھا...لیکن آپ پتا نہیں کہاں غائب تھے۔''

''میں ذرا چہل قدمی کرنے چھت پر چلا گیا تھا...شیرو نے بتایا تھا مجھے کہ تم آئے تھے۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے ملازم لڑکے کا نام لیا تھا۔

''چہل قدمی کرنے گئے تھے یا تانک جھانک کرنے؟'' بیٹھنے کیلئے ادھر ادھر کوئی چیز تلاش کرتے ہوئے اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا یعنی سنجیدگی سے شرارت کی۔

عرفات ماموں نے چشمے کے اوپر سے ابرو اچکا کر اسے دوبارہ دیکھا۔ ہونٹ دبا کر مسکرائے۔ ان دونوں کی عمروں میں فرق تھا لیکن حس مزاح میں بڑی مماثلت تھی سو دونوں کی بنتی بھی خوب تھی۔

''بزرگوں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی برخوردار!''

''ارے واہ...'' اس نے کرسی لا کر ان کے سامنے رکھی اور ٹھنک کر بولا۔ ''بزرگ آس پڑوس کی آنٹیاں تاڑتے نہ شرمائیں اور ہم بات کرتے ہوئے شرمائیں...کیا بات ہے آپ کی۔ کل ہی ساتھ والی نغمی آنٹی امی سے شکائت لگا کر گئی ہیں...کہ آپ کا بھائی سارا دن منڈیر سے لٹک کر ہمارے گھر کنکریاں پھینکتا رہتا ہے''

''اچھا تو کیا جواب دیا آپا نے؟'' انہوں نے دلچسپی سے پوچھا

''...امی بھی آپ ہی کی بہن ہیں کہنے لگیں...صبر کریں بہن! جس گھر میں بیری ہو وہاں کنکر تو آتے ہیں۔''

عرفات ماموں کا قہقہ بے ساختہ تھا

''کیا بکتے ہو...یہ کام تو میں نے جوانی میں نہ کیا تو اب کیا کروں گا۔''

''جانے دیں ماموں! آپ کی جوانی کے قصے میں نے امی سے کئی بار سنے ہیں...شکیلہ خالہ کی بیٹی نے آپ کیلئے اپنی کلائی کاٹ لی تھی..سارا خاندان جانتا ہے۔'' شرارت شرارت سے بولتا وہ مزے سے بولتا جا رہا تھا۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

''ارے وہ تو اس کی اپنی حماقت تھی... میں نے کوئی وعدے تھوڑا ہی کیئے تھے۔'' وہ جھینپ کر بولے۔

''ہمیں کیا معلوم۔'' کیف نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا جیسے جتا رہا ہو اسے ان کی بات پر ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔

''امی تو کہتی ہیں فیروز چچا کی بہن ایک رات گھر سے بھاگ کر آ گئیں تھیں... کہ دلہن بنونگی تو عرفات کی بنونگی... ورنہ سولی پر لٹک جاؤنگی۔'' وہ دور پرے کے رشتہ داروں کے نام لے رہا تھا۔

عرفات ماموں سن سن کر محظوظ ہوتے رہے۔

''آپا کی باتوں پر دھیان کم دیا کرو... انہیں تو یہی لگتا تھا ان کے شیر جوان بھائی کے لئے ساری دنیا کی لڑکیاں خودکشی کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔''

''شیر و جوان بھائی میں بھی تو کچھ نہ کچھ گٹس ہوں گے۔'' شرارت سے بولا۔'' وہ راحیلہ باجی والا قصہ تو مجھے بھی کچھ کچھ یاد ہے... جن کے ساتھ آپ گولا گنڈا کھاتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔'' وہ باز نہیں آ رہا تھا

''تم انسان کا بچہ ہو یا wikipedia... جس کی یادداشت سے کوئی بات نہیں مٹتی...'' انہوں نے کتاب کا صفحہ پلٹ کر نشانی لگائی اور بولے۔

''اس وقت تم جھولے میں ہو گے... جتنی پرانی یہ بات ہے۔''

''یعنی کوئی نہ کوئی قصہ تھا ضرور...'' اس نے فوراً کہا۔''بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔'' وہ ہنسا عرفات ماموں جھینپ گئے۔

''بہت ہی شیطان ہو تم... خوش نصیب بالکل ٹھیک کہتی ہے۔''

''کیا کہتی ہے خوش نصیب؟'' اس کے کان کھڑے ہوئے۔

''یہی کہ کیف جیسا خبیث ابھی تک اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔''

کیف جی بھر کے بدمزہ ہوا انگلی سے سر کھجا کر بولا۔''بس یہ بھی اسکی محبت ہے کہ ایسے کومنٹس دیتی رہتی ہے... ورنہ آج کی دنیا میں کون کسی کی تعریف کرتا ہے۔''

عرفات اس بار اپنا قہقہہ روک نہیں پائے اور جی بھر کر اس کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوئے۔

کیف بھی زیرِ لب مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا اس کی مسکراہٹ کمال کی ہے سو فیاضی سے اپنی مسکراہٹ کی کرنیں بکھیرتا رہتا۔ آنکھیں یوں بھی شرارت کی پوٹلی تھیں۔ بڑی روشن اور چمکدار۔

بات کرتا مسکرا کر، غصہ کرتا تو بھی مسکراتا ہی رہتا۔

صباحت تائی جان بتاتی تھیں وہ سوتے ہوئے بھی مسکرا رہا ہوتا ہے۔ خوش نصیب نے جب یہ سنا تو اندازہ لگایا جس روز کیف مرے گا اس روز بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوگی۔ یہ شکر ہے کہ اس بات کا اظہار اس نے کیف کے سامنے بھی اسی وقت کیا جب وہ

http://kitaabghar.com

ان کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔جواب میں نانی کی کسی مزائل کی رفتار سے اڑتی ہوئی چپل آئی اور آ کر اس کی کمر پر لگی۔

کیف دل کھول کر ہنسا۔خوش نصیب نے اس دن کے بعد سے اپنے اس نادر خیال کا اظہار کسی کے بھی سامنے کرنا چھوڑ دیا۔لیکن کیف کو اس ''کسی'' کی لسٹ سے نکال دیا۔

''مجھے یاد آیا..آپ نے مجھے بلوایا کیوں تھا؟..کوئی کام تھا۔''اسے یاد آیا تو پوچھا

''ہاں..کل پرسوں...جب بھی تمہیں فرصت ملے...جو برجی والی دکانوں کا کرایہ وصول کرنے چلے جانا...کچھ دنوں سے میری کمر میں درد ہے...میں جا نہیں پاؤنگا۔''

''آپ مجھے کرائے کے اندراج والی ڈائری دے دیں...یہ کام آج ہی کر لیتا ہوں....ہوسکتا ہے کل کو اسلام آباد چلا جاؤں۔''

''اسلام آباد کیوں؟''

''آج کل یورنیورسٹی میں چھٹیاں چل رہی ہیں۔۔تو ہم دوستوں نے سوچا تھوڑی آؤٹنگ ہی کر لی جائے۔..فہد رتی گلی میں کوئی پراجیکٹ مکمل کروا رہا ہے...کب سے دعوت دے رہا تھا میں نے سوچا چلو اسی بہانے فہد سے بھی مل آتا ہوں۔''اس نے اپنے بچپن کے دوست کا نام لیا۔

''اچھا سنو....شیرو بتا رہا تھا کل بڑا ہنگامہ ہوا؟...''عرفات ماموں نے بات چھیڑی اور جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کونسے ہنگامے کی بات کر رہے ہیں؟...جو خوش نصیب نے مچایا یا شاہجہان بھائی والے ہنگامے کی خبر ملی ہے آپ کو۔''

''خوش نصیب والی بات بتاؤ یار!...شاہجہان کا قصہ پھر کبھی سنونگا۔''تحمل سے بولے۔

کیف نے گہری سانس بھری اور ذرا سی شرمندگی کے ساتھ بولا۔

''غلطی میری ہے...نہ میں خوش نصیب کو چڑانے جاتا..نہ وہ اتنا زور سے بولتی اور نہ امی کے کان میں آواز جاتی..''

''ہوں...''عرفات ماموں نے ایسے سر ہلایا جیسے کہہ رہے ہوں میرا یہی اندازہ تھا۔پھر بولے۔

''تمہاری اماں تو بہت غصے میں ہونگی؟''

کیف نے اس بار بھی اثبات میں سر ہلایا۔''کچھ غصہ تھا کچھ فضیلہ چچی نے ان کے غصے کو ہوا دے دی...اور آپ دیکھیں ناں..خوش نصیب کو کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی..تھوڑا تو خیال رکھنا چاہیئے تھا کہ امی اس کی ہونے والی ساس ہیں۔''وہ ذرا جھنجلا رہا تھا۔

عرفات ماموں اس کے کانفیڈنس پر ہنسے اور اسے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے رشک سے دیکھا۔

''واہ...کیا کانفیڈنس ہے...وہ تمہاری شکل دیکھنے پر راضی نہیں ہوتی اور تمہیں لگتا ہے وہ تم سے شادی کرنے کیلئے تیار ہو جائے گی۔''

کیف لاپرائی سے بولا۔

''مجھ سے نہیں کرے گی تو کس سے کرے گی؟...اس پوری دنیا میں مجھ سا باحوصلہ انسان اور کوئی نہیں ہے جو اس چمچڑک (چمگادڑ) کے نخرے برداشت کر سکے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔اور جادوئی محبت اس کے چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی۔

عرفات ماموں نے اس پیارے سے لڑکے کو بڑی محبت سے دیکھا۔

''اتنی محبت کرتے ہو تو اسے بتاتے کیوں نہیں ہو؟''

''کتنی بار بتاؤں؟'' اس نے ترنت الٹا انہی سے پوچھا۔''سو دفعہ بتا چکا ہوں..وہ یقین ہی نہیں کرتی...'' معصومیت سے کہا

''تمہارا طریقہ غلط ہے۔'' انہوں نے رسان سے کہا۔''محبت کا یقین دلانا ہو تو محبت ظاہر کرنی پڑتی ہے..دل کھول کر سامنے رکھنا ہوتا ہے..کہ دیکھو یہ ہے تمہارا خانہ...یہاں لکھا ہے میں نے تمہارا نام..دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی..میں تمہارے لئے چاند تارے توڑ کر لا سکوں یا نہیں...تمہیں دنیا کی ہر مشکل گھڑی سے بچاؤنگا..'' کسی خیال کی رو میں وہ بولتے چلے گئے۔

کیف نے انہیں مسکراتے ہوئے سنا اور جب وہ چپ ہوئے تو بولا۔

''کتنا اچھا بول لیتے ہیں آپ...روشن چچی کے سامنے کبھی کیوں نہیں بولے؟''

عرفات ماموں تھم سے گئے۔ایک معمولی سے جملے نے انہیں کئی سال پیچھے پہنچا دیا تھا۔

پھر انہوں نے گہری سانس بھری اور قطعیت سے بولے۔

''یہ گئے دنوں کی بات ہے کیف!..اور میں ماضی میں زندگی بسر کرنے کے سخت خلاف ہوں..تم سے پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں...یہ ذکر مت کیا کرو میرے سامنے۔''

کیف چپ سا ہو گیا۔پھر دیر بعد بولا۔

''ٹھیک ہے...جیسے آپ خوش..لیکن مجھے مت سکھائیں؟...جس نے محبت اور عشق سے متعلق سارا فلسفہ آٹھویں کلاس میں ہی گھول کر پی لیا تھا۔'' اس نے شرارت سے آنکھیں چمکائیں۔

''خوش نصیب میری محبت پر اعتبار کرے یا نہ کرے...ایک بات آپ لکھ کر رکھ لیں..خوش نصیب صرف میرا نصیب ہے...کسی اور کا میں اسے ہونے ہی نہیں دونگا...'' جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ اس نے دعویٰ کیا تھا۔اور اس طرح کہتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے وہ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ عرفات ماموں نے بے ساختہ اس کے حق میں دعا کر دی تھی۔

''شیرو کہاں ہے؟...میں ذرا اسے چائے کے لئے کہہ کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔عرفات ماموں اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے پھر دوبارہ سے کتاب کھول لی۔

☆......☆......☆

اس صبح وہ پارک جانے کی بجائے سڑکوں پر ہی پھرتا رہا۔

بروکلن ہائیٹس پر یہ صبح بارش کا لبادہ اوڑھ کر اتری تھیں۔

معاویہ کبھی رک جاتا کبھی بھاگنے لگتا۔اسے ٹھنڈ سے فرق پڑتا تھا نہ باریک باریک بارش کے قطروں سے۔

آنکھیں ہی نہیں جیسے وجود اور دل بھی بے حس ہوتا جارہا تھا۔

وہ بھاگتا رہا وہ چلتا رہا لیکن اندر کا اضطراب کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

کچھ یادیں تھیں جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔کچھ آوازیں تھیں جو مسلسل اس کے تعاقب میں بھاگتی چلی آرہی تھیں۔

گزشتہ رات نظر آنے والا خواب پچھلے کئی خوابوں کی طرح اسکے دماغ پر سوار ہو چکا تھا۔کچھ آوازیں تھیں کچھ جملے تھے جو مسلسل اس کے دماغ پر ہتھوڑا بن کر ضربیں لگا رہے تھے۔

”مجھے خوف آتا ہے....ایسا لگتا ہے وہ ہر وقت میرے آس پاس ہے...“

”اسکی موجودگی میں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے سارے جسم پر چیونٹیاں چل رہی ہوں۔“

”اس کی انگلیاں میری گردن پر ہوتی ہیں...میں محسوس کر سکتا ہوں...اس کے ہاتھ گندے چپچپے ہوتے ہیں...مجھے گھن آتی ہے اس کے ہاتھوں سے...“

”میں اس کی آواز سن سکتا ہوں...لیکن وہ نظر نہیں آتی...کوئی مانتا ہی نہیں کہ وہ یہیں ہے...“

”مجھے بچاؤ...کوئی ہے جو مجھے یہاں سے باہر نکالے...رحم کرو...میرے حال پر رحم کرو....“

”میں کہاں ہوں...مجھے باہر نکالو...بچاؤ...کوئی ہے...یہاں بہت اندھیرا ہے...مجھے اس قبر سے باہر نکالو...بچاؤ...“

وہ brooklyn bridge سے گزرا۔کورٹ اسٹریٹ کے فٹ پاتھ پر دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔اور بھاگتے بھاگتے مقامی چرچ کے سامنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بری طرح ہانپنے لگا۔

ایک آواز کئی جملے...خوف اور بے بسی سے اٹے ہوئے۔

سارے جملے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ہر آواز دوسری پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔معاویہ کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔اس نے زور سے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور اذیت کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہوتے ہوئے تب تک ہاتھ نہ ہٹائے جب تک ساری آوازیں دم نہ توڑ گئیں۔

پھر اس نے ہاتھ کانوں سے ہٹائے اور بے دم ہو کر گھٹنوں کے بل سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وہیں سڑک کے کنارے بیٹھا وسامہ کی ڈائری کے پنوں میں گم ہونے لگا۔وہ اتنی بار اس کی ڈائری پڑھ چکا تھا کہ اپنے بھائی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک ایک بات اسے یاد تھی۔

ایک ایک لفظ اسے ازبر تھا۔خوف کے جو پل وسامہ پہ گزرے وہ معاویہ نے اس ڈائری کو پڑھتے ہوئے ہر بار اپنی ذات پر

حاوی ہوتے محسوس کیئے تھے۔ وسامہ کی بے بسی، اس کا خوف معاویہ کو اندر سے کھرچ چکا تھا پھر بھی ماند نہ پڑتا تھا۔
وہ رو نہیں رہا تھا لیکن اس کی بے حس آنکھوں میں نمی تھی اور سینہ سسکیوں کے زور سے بوجھل ہو رہا تھا۔
کیونکہ وہ جانتا تھا وہ مر جائے تب بھی وسامہ کی مدد نہیں کر پائے گا۔
یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا غم تھا یہی سب سے شدید پچھتاوا۔

☆......☆......☆

سچ تو یہ ہے کہ مرحوم باسط احمد کی خواہش نہ ہوتی تو اس کا نام کبھی خوش نصیب نہ رکھا جاتا۔
بیس سال کی ہو چکی تھی اور ان بیس سالوں میں بیس سو روائیتیں تھیں جو اس کی بد نصیبی سے منسوب کی جاتی تھیں۔ سوئے اتفاق چند ایک کو چھوڑ کر وہ تمام کی تمام روائیتیں ایسی تھیں جنہیں سن کر رونا کم اور ہنسی زیادہ آجاتی تھی۔
چار سال کی عمر میں اس نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر پالتو بکری کے ماتھے کو چوم لیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اسی دن سے بیچاری بکری نے دودھ دینا چھوڑ دیا۔
خوش نصیب نے امرود کی شاخ پر جھولا ڈالا۔ اس موسم کا سارا پھل کیڑے کھا گئے۔ گھر والوں کے حصے میں ایک بھی امرود نہ آیا۔
اس نے دادی سے برفی مانگی دادی نے دینے سے انکار کر دیا۔ چند گھنٹے بعد وہی برفی کھاتے ہوئے دادی کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر منہ سے باہر آ رہا۔ خالص دیسی گھی اور کھوئے سے بنی ہوئی برفی...کوئی بتائے..ایسی نرم مٹھائی کھاتے ہوئے بھی کسی کا دانت ٹوٹ سکتا ہے کیا؟...ثابت ہوا یہ خوش نصیب کی بدنصیبی کا سایہ تھا جو دادی کا دانت ساتھ لے گیا۔
وہ کچن کے پاس سے گزر جاتی تو اس روز سالن جل جاتا تھا۔
دلچسپ بات یہ کہ اس کے نصیب ہی نہیں زبان بھی کالی تھی اور اتنی کالی تھی کہ جو بری بات منہ سے نکال دیتی وہ تھوڑا کم تھوڑا زیادہ کے تناسب سے پوری ضرور ہوتی تھی۔ کیف ایف ایس سی کے دو سال اس کی منتیں کرتا رہا۔
"پیاری خوش نصیب! بددعا دے دو کہ فرحان کے کیمسٹری میں چار نمبر مجھ سے کم آجائیں.."
اس کے چار نمبر کم آتے تو کیف کی پوزیشن بن جاتی۔ لیکن خوش نصیب اتنی اچھی تھوڑا تھی کہ اتنے آرام سے اس کی بات مان لیتی۔ اس نے کیف کی جیب سے دو برگر کھائے۔ تین بار جوس پیا اور ایک بار مرغیوں کا ڈربہ، جو صاف کرنا اسی کی ذمہ داری تھی کیف سے صاف کروایا۔ بددعا پھر نہیں دی۔
نتیجتاً فرحان کے چار نمبر کم آنے کی بجائے آٹھ نمبر کیف سے زیادہ آگئے۔ کیف کی سیکنڈ پوزیشن بنی اور اس دن کے بعد سے کیف نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا کہ خوش نصیب کی زبان کالی ہو سکتی ہے۔
لیکن خود خوش نصیب کو اس بات پر سو فیصد یقین تھا۔ بچپن میں جب اپنی اس کوالٹی کا علم ہوا وہ تب سے سب بچوں کو دھمکاتی ہوئی

پائی جانے لگی۔

ایک بار شاہجہان سے کہتی۔"یہ لڈو مجھے دیں دیں۔نہیں تو ابھی آپ گٹر میں گر جائیں گے۔"

شاہجہان اس وقت چودہ سال کا تو ہوگا اور وہ خود چھ سال کی۔

اس نے لڈو نہیں دیا اور گٹر میں گر گیا اگلی بار سے کسی بھی بچے نے اس کا مطالبہ نہ ماننے سے توبہ کر لی۔اور یوں خوش نصیب بنا ووٹنگ کے بچوں کی اس ٹولی کی لیڈر مان لی گئی۔

گھر میں بچوں کی بہتات تھی۔جوائنٹ فیملی سسٹم کا شاخسانہ۔

پارٹیشن کے وقت جو حویلی نما مکان خوش نصیب کے دادا افضل احمد کے حصے میں آیا۔انہوں نے انڈیا سے آئے ہوئے بیشتر رشتہ داروں کو وہیں ٹھہرا لیا تھا۔اس وقت سب ہی بٹوارے کا صدمہ سہہ رہے تھے دلوں میں گنجائش بھی زیادہ تھی سو کئی افراد اسی حویلی میں سماتے چلے گئے۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور مالی اعتبار سے مستحکم ہوتے ہی بہتیروں نے اپنی راہ لی۔اور جنہیں ایک دوسرے سے زیادہ محبت تھی وہ یہیں رہ گئے۔یوں دوسری سے تیسری نسل کو جو مکان منتقل ہوا وہاں دادا جی کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی کا خاندان بھی آباد تھا۔ رشتے بھی آپس میں ہوئے سو یوں گنجلک رشتہ داریوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیواریں کھڑی کر کے پورشن الگ ضرور کئے گئے لیکن سب بچوں کا پلے ایریا گھر کا وہ پچھلا صحن تھا جہاں دادا جی نے اپنے ہاتھوں سے آم کا درخت لگایا تھا۔

صابر احمد اور شفیق احمد،مرحوم باسط احمد کے بڑے بھائی تھے۔صباحت تائی جان،صابر احمد کی بیوی اور کیف اور فہمینہ کی امی تھیں ان کی بڑی بیٹی رامین کی شادی غیر خاندان میں ہوئی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا جا چکی تھی۔

فضیلہ چچی،شفیق چچا کی نصف بہتر تھیں۔اور اپنے مضبوط مالی بیک گراؤنڈ کی بنا پر خاندان کی سب سے dominating بہو مانی جاتی تھیں۔شفیق چچا نے ان سے پسند کی شادی کی تھی اور دادا دادی کی زندگی میں ہی ان کی اہم حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ان کے چار بچے تھے۔دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔صیام اور اصفا چھوٹی تھیں شاہجہان اور شاہ میر بڑے تھے۔فضیلہ چچی کو اپنی خوبصورتی اور مالی حیثیت کا بڑا ناز تھا لیکن اللہ نے پہلی اولاد چھوٹے دماغ والی دے دی تو ان کا دل افسردہ ہو گیا اور انہوں نے اسے اللہ کی آزمائش قرار دیا۔اس وقت خوش نصیب نہیں تھی۔اگر ہوتی تو یقیناً یہ مصیبت بھی اسی کی بدبختی کے کھاتے میں ڈال دی جاتی۔

عرفات ماموں،صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی اور دادا جان کی بہن کے بیٹے تھے۔اور خوش نصیب کی امی یعنی روشن آراء ،عرفات ماموں کی خالہ زاد بہن تھیں۔یہ الگ بات ہے کہ وہ انہیں صرف خالہ زاد مانتے تھے۔نہ بہن مانا نہ ہی باسط احمد کی حیثیت سے بھابھی تسلیم کر سکے۔اب اڑتالیس کی عمر کو پہنچ چکے تھے لیکن ساری جوانی خاندان کی تاریخ میں رنگین داستانیں رقم کرنے والے عرفات ماموں نے شادی کا سوچا تک نہیں تھا۔شادی کیوں نہیں کی یہ ایک ایسا راز تھا جس کی ٹوہ میں رہنا بھی اب خاندان والوں نے چھوڑ دیا تھا۔

وہ نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک تھے۔سچے اور کھرے۔

http://kitaabghar.com

بات سمجھانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔نصیحت ایسے کرتے کہ بات سیدھی دل میں اتر جاتی۔

کیف کے وہ آئیڈیل تھے اور ایک یہی بات تھی جس پر اس کی اور خوش نصیب کی پسند ایک دوسرے سے میل کھاتی تھی۔ورنہ تو بقول نانی دونوں کا اینٹ کتے کا بیر تھا۔

خوش نصیب کے خیالات سے سارا گھر واقف تھا۔کیف کے دل میں جو تھا اس سے اس کے قریبی لوگ ہی واقف تھے۔باقی سب قیافے لگاتے رہتے۔اوا پنے اپنے حال میں خوش رہتے۔کیف نے بارہا اس سے محبت کا اظہار کیا تھا لیکن ہمیشہ مذاق کے پیرائے میں۔ایسے جیسے محض چڑانے کو بول رہا ہو۔یہ نہ بھی ہوتا تو خوش نصیب اس کی بات پر کبھی اعتبار نہ کرتی کیونکہ وہ اسے بھی خاندان کے باقی افراد کی طرح خائن سمجھتی تھی جنہوں نے اس کے بابا کے ترکے پر قبضہ کر لیا تھا۔

دراصل وہ بدگمان روح تھی۔ہر کسی سے متنفر ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

وسامہ نے دیکھا پورا چاند آئے کت کے عقب میں تھا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً آئے کت اور چاند کے حسن کا موازنہ کر کے محظوظ ہوتا اور بلا شبہ آئے کت کی خوبصورتی کو کچھ اضافی نمبر بھی دیتا کیونکہ ہم نام ہونے کے باوجود پورے چاند کی خوبصورتی آئے کت کے بیش بہا حسن کے آگے کچھ بھی نہیں تھی۔

یا شائد یہ اس کی محبت تھی جو اس کی نظر میں آئے کت سے بالاتر کسی کو ہونے ہی نہیں دیتی تھی۔

”وسامہ!..تم ٹھیک ہو..“

اس نے دیکھا گھبرائی ہوئی آئے کت تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔

کانپتا ہوا وسامہ اپنی ناکارہ ٹانگ اور اس سے لپٹی بیساکھی کو سیدھا کرتا اٹھ بیٹھا۔آئے کت نے اسے بیٹھنے میں مدد دی۔اس وقت وسامہ کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

”و...وہ...وہ آگئی ہے آئے کت!...میں نے تم سے کہا تھا ناں...وہ یہیں کہیں ہے...“ دہشت زدہ سا وہ ہکلا کر بولا۔

آئے کت اپنی ہتھیلی سے اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔اس کی بات سن کر بالکل شاکڈ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”کون؟...کس کی بات کر رہے ہیں؟“

”وہ...وہ..“اس نے ہاتھ اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا وہ اتنا خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

آئے کت نے اس طرف دیکھا جہاں وسامہ اشارہ کر رہا تھا اور جہاں میرون قالین سے ڈھکی ہوئی گول طرز کی سیڑھیاں تھی اور جو دوسری منزل تک جا کر ختم ہو جاتی تھیں۔

وسامہ کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی اس کی بات سن کر شاکڈ ہی رہ گئی۔

"وہ.....کون؟ وسامہ!.." اپنے دل میں آئے ہوئے خدشے کے رد ہو جانے کی دعا کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"وہ...وہ..بھٹکی ہوئی روح..قلعہ فلک بوس کا آسیب..." خوف سے پیلے پڑتے چہرے کے ساتھ وسامہ نے ہکلاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

آئے کت ششدر سی رہ گئی۔ قلعے کی چھت ایک آن میں جیسے اس کے سر پر آ گری تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں آئے کت!....میں کہتا تھا ناں..وہ کہیں گئی ہی نہیں تھی...وہ یہیں تھی..اسی جگہ...ہمارے آس پاس.."

خوف، ہراس، پریشانی..کیا تھا جو وسامہ کی آواز اور لہجے سے نہیں جھلک رہا تھا۔

آئے کت کو اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وسامہ کا رنگ اڑا چہرہ اور حواس باختہ کیفیت اسے اپنے ہی یقین کو جھٹلانے پر مجبور کر رہا تھا۔

بلآخر اس نے اپنے منتشر ہوتے ہوئے خیالات کو سمیٹا اور سن ہوتے ہوئے دماغ کو تسلی دیکر بہت نرمی سے وسامہ کے ہاتھ کو تھپک کر بولی۔

"میں دیکھتی ہوں..." وہ اپنا ہاتھ چھڑوا کر سیڑھیوں کی طرف جانا چاہتی تھی لیکن وسامہ نے زور سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"نہیں..." وہ اسکا ارادہ بھانپ کر مزید ہراساں ہو گیا تھا۔"میں تمہیں اوپر جانے نہیں دونگا.."

"مجھے اوپر جانے دیں وسامہ!..." اس نے نرمی سے کہا۔

"میں نے کہا ناں...میں تمہیں نہیں جانے دونگا۔...میں تمہیں نہیں جانے دونگا"

آئے کت الجھی۔ اصرار نہیں کر سکی۔

لیکن وہ متذبذب ہو گئی تھی کہ اب اسے وسامہ کو خوف کے حصار سے نکالنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔

"میں.....میں معاویہ کو جگاتی ہوں..." اسے اچانک خیال آیا لیکن اس بار بھی وسامہ نے اسے اس کے ارادے پر عمل کرنے نہیں دیا۔

"نہیں...معاویہ بہت جذباتی ہے...وہ ضرور اوپر جانے کی کوشش کرے گا..." وسامہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بول رہا تھا اور وہ سخت پریشان بھی ہو گیا تھا۔

"میرا کیا دماغ خراب ہے جو میں بائیس سال کی عمر میں اوپر جانے کی کوشش کرونگا؟"

وسامہ اور آئے کت نے بے ساختہ اس آواز پر گردن موڑ کر ہال کی اینٹرنس کی طرف دیکھا۔

گولائی کی شکل میں بنی ہوئی دیدہ زیب پارٹیشن جو خواب گاہوں کے سامنے بنی ہوئی راہداری کو اس ہال نما سٹنگ روم سے الگ کرتی تھی۔ پارٹیشن میں موتیوں کے ٹکرائے لٹک رہے تھے جنہیں کچھ دیر پہلے آئے کت نے سمیٹ کر ایک طرف کر دیا تھا۔

معاویہ کچی نیند سے بیدار ہوا وہیں کھڑا تھا۔ اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اب بیزاری سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''میں اتنی گہری نیند سو رہا تھا....آپ دونوں نے اتنا شور مچایا کہ میری نیند خراب ہوگئی..کمال ہے یار! گھر آئے مہمان کے ساتھ تم لوگ یہ سلوک کرتے ہو۔''

وہ بہت ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

آئے کت اور وسامہ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا وہ دونوں اپنی ہی کشمکش میں تھے۔

☆......☆......☆

کیف شیرو کی تلاش میں کمرے سے باہر نکل رہا تھا کہ شیرو اندر داخل ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے جیسے بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست مل گئے ہوں۔

''شیرو!...میرے دوست...'' کیف نے بازو پھیلائے۔

''ارے کیف بھائی!...''اس کی باچھیں کھل گئیں۔''آپ کب آئے؟..مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔''

کیف گھر میں سب کا پسندیدہ تھا سوائے خوش نصیب کے۔

''یار شیرو! میں کونسا تمہاری محبوبہ ہوں کہ میرے آنے کی خبر خود بخود تم تک پہنچ جائے۔''اس نے شیرو کا کندھا تھپتھپایا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان!''شیرو شرما گیا۔کیف نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی اور اس کے سر پر ایک چپت لگا کر بولا

''اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔''

''بھائی جان! چائے نہیں بن سکتی۔''شیرو نے منہ لٹکا کر کہا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے شیرو!''عرفات ماموں نے ناراضی سے کہا۔''بھائی کے لئے چائے بنا کر لاؤ۔''

''میں بتا رہا ہوں ناں سر جی! چائے نہیں بن سکتی۔''لاچاری سے کہا۔

وہ چودہ پندرہ سال کا مؤدب بچہ تھا۔ چھوٹی عمر سے عرفات ماموں نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا تھا چونکہ وہ تنہا رہتے تھے اور کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے تھے سو شیروان کے لئے خانساماں، دھوبی بن گیا۔ دو چار مہینوں کے بعد گاؤں جاتا ماں باپ سے مل کر ایک ہی دن میں واپس آجاتا۔ پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دینے کی تیاری کر رہا تھا اور خود کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کے لئے عرفات ماموں کو''سر جی'' بلاتا تھا۔ آفیشلی وہ عرفات ماموں کا ملازم تھا لیکن گھر کے دیگر افراد بھی اس کی دوڑیں لگوائے رکھتے تھے۔

''کیوں؟''عرفات ماموں نے سابقہ ٹون میں کہا

''کچن میں چھپکلی ہے...مجھے ڈر لگتا ہے چھپکلی سے۔''اس نے شرمندگی سے کہا تھا۔

''نام تمہارا شیرو ہے اور حوصلہ چوہے کے جتنا بھی نہیں ہے۔''اس بار کیف نے چپت سے کچھ زیادہ زور دار ہاتھ اس کے سر پر مارا۔''چلو...چھپکلی کو بھگاتے ہیں۔''

''نہیں بھائی جان! چھپکلی کو بھگانے کی ضرورت نہیں ہے۔...خوش نصیب باجی پہلے ہی چھپکلی کو مار چکی ہیں۔''

''ایں...'' دونوں کو حیرانی کا جھٹکا لگا۔''خوش نصیب نے کیسے چھپکلی ماردی؟''

''انہوں نے آلو گھما کر مارا..چھپکلی پھڑک کر نیچے گر پڑی۔'' وہ بڑا خوش تھا خوش نصیب کے کارنامے پر۔

''واہ...سبحان اللہ...'' کیف جھوم اٹھا اور عرفات کی طرف دیکھ کر بولا۔''ایسے ہی تو میں اس کی محبت میں پاگل نہیں ہو رہا... پورے خاندان میں..ہے ایسی کوئی بہادر لڑکی! جو آلو سے چھپکلی مار سکے؟''

''بکومت...''اسی وقت خوش نصیب اندر داخل ہوئی اور دانت کچکچا کر بولی۔''کسی روز میں ایسے ہی آلو گھما کر ماروں گی اور تمہارا قتل کر دوں گی۔''اس کے عزائم خطرناک تھے۔

''اور اس کے بعد پوری زندگی بیوہ بن کر سفید جوڑا پہننا پڑے گا...میری بات یاد رکھنا۔'' کیف نے ترنت کہا شیرو کھی کھی کرنے لگا۔

''ٹھیک ہے...''خوش نصیب نے بھی دوبدو کہا۔''مجھے بیوہ بن کر رہنا منظور ہے لیکن تمہارے ساتھ رہنا نہیں...''

اتنی بڑی بات وہ بڑے آرام سے کہہ گئی تھی اور اسے احساس تک نہیں تھا کہ اس کے اس ایک جملے نے کیف کے دل کو کتنی چوٹ پہنچائی ہے لیکن چونکہ وہ مسکرانے کا عادی تھا سو مسکراتا ہی رہا۔اور شرارت سے اسے دیکھتا رہا۔

''خوش نصیب!...بات کرتے ہوئے تھوڑا تو سوچا کرو۔''عرفات ماموں نے ناراضی سے کہا۔

''اللہ نہ کرے کہ کیف بھائی کو کچھ ہو یا آپ کو بیوہ بن کر رہنا پڑے۔''شیرو دہل ہی گیا تھا۔

کیف نے دیکھا شیرو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''یار! تیرا دل واقعی چھوٹا ہے...یہ کوئی رونے کی بات ہے۔''اس نے جلدی سے شیرو کے کندھے پر بازو پھیلا لیا اور اسے لیکر کمرے سے باہر جاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

''لوگ لکھ کر رکھ لیں...اتنی آسانی سے کسی کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں میں۔''

خوش نصیب کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اس کے کان کے پاس جھکا اور متبسم لہجے میں سرگوشی کی۔

''ویسے بھی..میرا نام کیف ہے اور میرا جادو ہمیشہ سر چڑھ کر بولتا ہے.... یاد رکھنا۔''

کھنکتا لہجے میں اس نے کہا اور کہہ کر قہقہہ لگاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

عرفات ماموں اٹھ کر اپنی کتابوں کی الماری تک چلے گئے تھے۔ابھی جو ہوا انہوں نے دیکھا نہیں۔

لیکن خوش نصیب تھم سی گئی۔نا جانے کیوں۔

اس نے دانت کچکچائے اور ایسے سر جھٹک دیا جیسے کہہ رہی ہو۔''دفعہ دور۔''

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

معاویہ نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا اور ہال نما لاؤنج کی ساری بتیاں جلا دیں صرف فانوس کو اس نے چھوڑ دیا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ نڈھال سا وسامہ اپنی بیساکھی کی قید سے آزاد ہو کر سر جھکائے اب وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ آئے کت اس سے چند قدم پیچھے کھڑی دانتوں سے انگوٹھے کا ناخن کتر رہی تھی۔ سر اس نے بھی جھکا رکھا تھا اور لگتا تھا سخت اضطراب کا شکار ہے۔

شاندار کرسٹل فانوس چھت پر بے نور لٹک رہا تھا۔ چھت اور دیواروں پر لگی ٹیوب لائیٹس اور بلبوں سے نکلنے والی روشنی کسی خاص اینگل سے فانوس کے cuts سے ٹکراتیں تو دلفریب روشنیاں نکل کر ان تینوں کے سروں پر منڈلانے لگتیں۔

معاویہ نے بے آواز ایک گہری سانس لی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان دونوں کے پاس آ گیا۔ وہ ان دونوں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اپنے چہرے پر معاویہ کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے آئے کت نے بے دھیانی میں سر اٹھایا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

معاویہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تو؟..... تم دونوں یہ کہنا چاہتے ہو... کہ فلک بوس haunted (آسیب زدہ) ہے؟ اور یہاں آیوشمتی کی روح کئی سالوں سے بھٹکتی پھر رہی ہے؟''

وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی اس کی طرف دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ معاویہ شیرازی اسوقت بڑی مشکل سے اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ رہا ہے۔

''نہیں ...میں نہیں ....'' آئے کت نے جلدی سے اور بے ساختہ کہا لیکن اگلے ہی لمحے وسامہ کی وجہ سے جھجک گئی اور بولی۔

''آ.... وسامہ کا خیال ہے... کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے۔''

اس بار معاویہ اپنا قہقہہ روک نہیں پایا۔ وہ ہنسنے لگا تو ہنستا ہی چلا گیا۔

آئے کت اسے ہنستا دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکی۔ البتہ وسامہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔

جب معاویہ دیر تک ہنس چکا تو وسامہ نے سنجیدگی اور قدرے بیچارگی سے کہا۔

''یہ سب مذاق نہیں ہے معاویہ! کہ اس پر ہنسا جائے... وہ ابھی بھی یہیں کہیں ہے... اسی قلعے میں ... ہم تینوں کے آس پاس۔''

اس کی آواز میں اب بھی خوف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''oh really....'' اس نے غیر سنجیدگی سے آنکھیں پھیلائیں۔ ادھر ادھر دیکھا اور زور سے بولا۔

''اگر ایسی بات ہے تو اسے ابھی بھی ہمارے پاس ہونا چاہیئے ... ہیلو... میڈم آیوشمتی!... کیا آپ میری آواز سن سکتی ہیں... پلیز سامنے آئیں اور آ کر مجھ سے بات کریں.... میرے بھائی نے آپ کی موجودگی کو محسوس کیا ہے... لیکن میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں... پلیز

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

سامنے آئیں...کوئی ہے؟...کوئی سن رہا ہے مجھے...''

وہ شرارت سے زور زور سے بول رہا تھا اور پورے لاؤنج میں گھوم رہا تھا۔

اس کی شرارتی آواز قلعے کی دیواروں سے ٹکرائی اور گونج بن کر ان تینوں کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

''معاویہ! پلیز...'' آئے کت نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تمہیں وسامہ کی بات کو سنجیدگی سے سننا چاہیئے۔''

وسامہ جانتا تھا آئے کت کو بھی اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا لیکن اپنے شوہر کی بات یا اس کا مذاق اڑایا جانا بھی آئے کت کی برداشت سے باہر تھا۔

لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آئے کت کا اسطرح سے معاویہ کو ٹوکنا خود معاویہ کو کتنا برا لگا ہے۔

''تمہیں مجھے instructions دینے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے بھائی کی باتیں سنجیدگی سے ہی سن رہا ہوں...'' اس نے دوٹوک آئے کت سے کہا۔

آئے کت کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ پڑ گیا۔

معاویہ نے وسامہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لیکن میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے...بچپن سے لیکر اب تک ہم نے اکثر vacations یہیں گزاری ہیں...اگر واقعی یہاں کسی بدروح کا سایہ ہے تو آج سے پہلے کبھی وہ نظر کیوں نہیں آئی۔''

''تم بھول رہے ہو...'' وسامہ نے آہستگی سے کہا۔ ''بچپن سے لیکر اب تک ہم جب بھی یہاں آئے ہیں...ہمیں اس روح کے قصے سننے کو ملے ہیں...''

''ایک منٹ...'' آئے کت نے بری طرح شاکڈ ہو کر ان دونوں کو اگلی کسی بات سے ٹوکا۔ ''کونسے قصے؟...کون سی بدروح؟...آپ نے مجھے پہلے اس بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا وسامہ؟!''

''میں نے جان بوجھ کر تم سے ذکر نہیں کیا تھا...'' وسامہ نے شرمندگی سے کہا۔ ''مجھے لگا تھا تم ڈر جاؤ گی۔''

''وہ سب محض افواہیں تھیں...'' معاویہ نے دوٹوک کہا۔ ''وادی کے لوگوں کی مشہور کی ہوئی باتوں کو تم نے اپنے دماغ پر سوار کر لیا ہے...ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے مکمل طور پر آئے کت کو نظرانداز کر دیا تھا۔

''کاش یہی بات سچ ہوتی۔'' سر جھکائے بیٹھا وسامہ روہانسا ہو گیا تھا۔

''لیکن میں اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں معاویہ!...وہ میرے آس پاس رہتی ہے...میں نے...میں نے اس کی آواز سنی ہے معاویہ!...وہ بولتی ہے...مجھے آوازیں دیتی ہے...میری بات کا یقین کرو...تم تو میری بات کا یقین کرو...''

وہ خوف زدہ تھا کوئی اس کی بات پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ دونوں باتیں مل کر اسے ہیسٹیرک کر رہی تھیں سو وہ چلا کر

بولا، منت سے بولا۔ یہاں تک کہ اسکی آنکھوں میں ہراس کے ساتھ ساتھ نمی بھی دکھائی دینے لگی۔

معاویہ خاموش سا رہ گیا۔ آئے کت کے لئے یہ بڑی نازک صورتحال تھی۔ اس نے گھور کر معاویہ کو دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کر کے وسامہ کے پیروں کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں وسامہ! اگر واقعی یہاں کوئی آسیب ہے تو ہم اسے یہاں سے بھگا دیں گے... اس عورت کی روح آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی... یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔"

وسامہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی۔

وسامہ نے اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے اپنی پیشانی سے لگا لیا۔ چند لمحے وہ اسی طرح گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آئے کت اٹھی اور آہستہ سے اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی کمرے کی طرف لے گئی۔

معاویہ اتنے بڑے لاؤنج میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

جانے سے پہلے ان دونوں نے ایک نظر بھی معاویہ کو نہیں دیکھا تھا۔ جسے ان دونوں کی بات کا اعتبار ہی نہیں اسے دیکھ کر انہوں نے کرنا بھی کیا تھا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

رات کا دوسرا پہر تھا

کاتک کی دھند نے بشام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔اونچے قد آور درخت تن کر لیکن ایسے ساکت کھڑے تھے جیسے گہری نیند میں ہوں۔کبھی کبھی ہوا کا کوئی جھونکا آتا اور پہاڑ کے سینے پر سانپ کی طرح بل در بل بچھی ہوئی پگڈنڈیوں پر گر بہ پائی سے چلتا خودرو جنگلی گھاس میں تحلیل ہو جاتا۔

تو وہ پگڈنڈیاں جن پر ہوا کا جھونکا بھی رات کا احترام کرتے ہوئے احتیاط سے چلتا تھا انہی پگڈنڈیوں پر ایک وجود خوف کے احساس سے بدحال دوڑتا ہوا دکھائی دینے لگا۔اسکے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔سنہرے لبادے سے بنی گٹھری کو اس نے سینے سے لگا رکھا تھا اور اس طرح بھاگ رہی تھی جیسے کوئی اس کے تعاقب میں ہو۔گو کہ اس کا چھریرہ بدن جوانی کی حکائیت سناتا تھا لیکن خوف سے بوجھل آنکھیں بتاتی تھی کہ خوابناک زندگی کا ہر خواب ملیامیٹ ہو چکا ہے۔

بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا نیچے، بہت دور، وادی دھند کے باعث اس کی بصارت سے اوجھل ہو چکی تھی۔پھر اس نے پیچھے دیکھا۔اس سے بہت دور قلعہ فلک بوس اپنے پورے طمطراق سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔آرائشی قمقمے جن سے پوری عمارت کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا ابھی بجھائے نہیں گئے تھے لیکن سناٹا پوری عمارت کو نگل چکا تھا۔

معاً ایک حقیقت اس کے سر پر قیامت بن کر ٹوٹی۔وہ جتنی دیر سے بھاگ رہی تھی اب تک اسے قلعہ فلک بوس کی حدود سے مکمل طور پر باہر نکل جانا چاہیئے تھا لیکن بھاگتے بھاگتے انہی راستوں پر آ گئی تھی جن کو اس کے بھاگتے ہوئے قدموں نے کچھ دیر پہلے عبور کیا تھا۔اور یہ تیسری بار ہوا تھا۔کس قدر احمق تھی وہ۔جو سوچ رہی تھی کہ قلعہ فلک بوس سے دور چلی جائے گی۔جس عمارت کے اسرار نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اس عمارت میں زندگی بیدار ہو جانے کے باوجود رات کے اس پہر اس کی حدود سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

اپنی بیوقوفی کا احساس ہوتے ہی خوف کی شدید ترین لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ذرا سا دھیان بٹا۔اور وہ منہ کے بل گری۔لبوں سے کراہ برآمد ہوئی لیکن پہاڑوں کے سناٹوں میں آوازیں گونجتی ہیں سو اس نے تکلیف کی شدت کے باوجود آواز کو دبا لیا۔ہاتھوں میں دبوچی ہوئی سنہری گٹھڑی چھوٹ کر دور جا گری تھی۔اس سے پہلے کہ وہ لپک کر اپنی قیمتی متاع اٹھاتی قلعہ فلک بوس سے پرے کہیں دور کسی جنگلی بھیڑیے نے رونا شروع کیا اور سناٹے اور دھند کے پردے میں شگاف پڑ گیا۔

اسی وقت درخت کی اوٹ سے ایک اور سایہ برآمد ہوا۔اسے دیکھ کر لڑکی کی آنکھوں میں ہراس پھیل گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک بھی لفظ زبان سے نکال پاتی سائے نے اپنی اوٹ سے ہاتھ باہر نکال کر بلند کیا۔ہاتھ میں تیز دھار خنجر تھا۔قلعہ فلک بوس کے آرائشی قمقموں کی ایک لہر خنجر کی دھار سے ٹکرائی۔خنجر ہوا میں لہرایا اور لڑکی کے عین دل کے مقام پر گر گیا۔اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل کر بشام کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

http://kitaabghar.com

عین اس وقت جب بشام اس چیخ سے لرز رہا تھا ٹھیک اسی وقت قلعہ فلک بوس کی آرائشی بتیاں ہمیشہ کے لئے بجھا دی گئیں تھیں۔

☆......☆......☆

''آپ کیف کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟''

ناراضی سے پوچھا۔

''کیا سمجھاؤں؟'' عرفات حیران ہوئے۔

''یہی کہ مجھ سے بدتمیزی نہ کیا کرے۔'' ٹھنک کر کہا۔

عرفات مزید حیران ہوئے۔ ''اس نے کب بدتمیزی کی؟''

''ابھی ابھی... آپ کے سامنے...''

''تمہیں چڑا رہا تھا وہ۔'' رسان سے بولے

''ہاں تو ایک ہی بات ہے...'' اس نے فوراً کہا۔ ''چڑانا بھی تو بدتمیزی ہی ہوتی ہے۔''

''تمہیں خوامخواہ ہی کیف سے شکایت رہتی ہے... ورنہ وہ تو اتنا اچھا بچہ ہے کہ روتے ہوئے کو ہنسا دے۔'' انہیں کیف سے بہت پیار تھا اور یہ پیار اسوقت ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

خوش نصیب بدمزہ ہوگئی۔

''ہنسا تو جوکر بھی دیتا ہے... اس میں کیا کمال کی بات ہے۔'' بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور کھڑکی کھول دی۔

کمرے میں داخل ہو تو داہنے ہاتھ پر پلنگ بچھا تھا۔

دوسری طرف کتابوں کی الماریاں اور اسٹڈی ٹیبل۔ سامنے ایک پرانی طرز کی دو پٹ والی کھڑکی، جو اس حویلی نما مکان کے مرکز میں کھلتی تھی۔ کمرہ چونکہ دوسری منزل پر تھا تو اس کھڑکی میں کھڑے ہو جاؤ تو سب کے پورشنز دکھائی دیتے تھے اور ایسی ہی کئی کھڑکیاں دروازے سبھی کے پورشنز میں تھے۔

کیف کو جب کوئی کام ہوتا تو اپنی کھڑکی سے خوش نصیب کی کھڑکی پر پتھر مارتا۔ اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات سے بھی خوش نصیب چڑ جاتی تھی لیکن اتنے بہت سے سالوں میں کیف کی عادت بدلی نہ خوش نصیب کی چڑچڑاہٹ۔

بالکل سیدھ میں تھوڑا سا بائیں طرف دیکھو تو خوش نصیب کا پورشن تھا اور جو بقول خوش نصیب اگر روشن امی کا سگھڑاپا اور نفاست پسندی کا ساتھ نہ ہوتا تو اب تک موہنجوداڑو کے کھنڈرات سے مشابہہ لگنا شروع ہو چکا ہوتا۔

تو یہ کھڑکی خوش نصیب کی پسندیدہ جگہ تھی۔ وہ ہمیشہ عرفات ماموں کے کمرے میں آتی اور کھڑکی کھول کر کھڑی ہو جاتی۔

اب بھی اس نے یہی کیا۔ کیف کے باہر جاتے ہی استحقاق سے آگے بڑھی اور کھڑکی کے پٹ وا کر دیئے۔ نیچے فضل منزل کا

http://kitaabghar.com

اُحاطہ تھا کھلا اور خالی ہو کر بھی پر رونق۔

شام کا آسمان کھلا کھلا اور پر بہار دکھائی دیتا تھا جبکہ نیچے اُحاطے کے فرش کی سرخ اینٹیں دھل دھلا کر نکھری ستھری سی لگ رہی تھیں۔

خوش نصیب نے سب کے پورشنز میں ایک اڑتی پڑتی نظر ڈالی اور گردن موڑ کر عرفات ماموں کو دیکھا۔

''آپ کو پتا ہے مجھے آپ کی یہ کھڑکی کتنی اچھی لگتی ہے؟'' اس کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا۔

عرفات اپنی مطلوبہ کتاب نکال کر واپس ایزی چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔ چشمہ لگائے، کتاب ہاتھ میں پکڑے، مدبر مدبر سے۔

اس سوال پر رخ میز کی طرف موڑتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا اور بولے۔

''بہت اچھی طرح سے...'' سنجیدگی سے بولے۔ ''اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم اس کھڑکی سے سب کے گھروں میں نظر رکھ سکتی ہو... ہے ناں؟... یہی بات؟''

خوش نصیب نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا جو اس کے دل میں ہے وہ کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ خود کو ایسا ہی ہوشیار، چالاک، ذہین اور پتا نہیں کیا کیا سمجھتی تھی لیکن ساری ہوشیاری اور ذہانت عرفات ماموں اور کیف کے سامنے دھری کی دھری رہ جاتی۔ عرفات ماموں تو پھر بھی نرم لہجے میں اپنے مخصوص مدبرانداز میں اس کے ارادوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ وہ کیف کا بچہ تو ایسے تاک کر وار کرتا کہ خوش نصیب دنوں سلگتی رہتی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی وہ پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ''اتنی اچھی لگتی ہیں مجھے یہ کھڑکیاں... اور دروازے... ایسے جیسے کوئی پرانے زمانے کی فینٹسی ہو۔''

عرفات نے جواب نہیں دیا خاموشی سے کتاب کے صفحے پلٹتے رہے۔

خوش نصیب کے دل میں چور تھا سو چپکے چپکے انہیں ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ اس کے حساب سے سب تو ڈانٹ چکے بس عرفات ماموں ہی باقی رہ گئے تھے۔ خوش نصیب چاہتی تھی وہ بھی ایک بار اسے سنا لیں تاکہ اس کے دل سے بوجھ تو کچھ کم ہو۔ ظاہر ہے ان کے سامنے تو کھل کر بولا جا سکتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے یہ بھی ایک اچھا بلکہ بہترین پلیٹ فارم تھا۔

''آپ مجھے نہیں ڈانٹیں گے؟'' بلآخر اس نے کہا

''پہلے کبھی ڈانٹا ہے؟'' انہوں نے بنا اس کی طرف دیکھے پوچھا۔

''نہیں... ڈانٹا تو نہیں ہے۔'' وہ جھینپ سی گئی۔

''پھر؟''

''سمجھائیں گے تو ضرور...'' نروٹھے پن سے بولی۔ ''میں جانتی ہوں... سب کی طرح آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ میں ہی غلط ہوں...... اور صباحت تائی جان تو آپ کی بہن بھی ہیں... وہ بھی سگی والی۔''

http://kitaabghar.com

''سوال یہ نہیں کہ سب کو کیا لگتا ہے...سوال یہ ہے کہ تم خود کو کیا سمجھتی ہو۔'' اب وہ بھی اسکول ٹیچر کی طرح شروع ہوئے۔

''مجھے تو یہی لگتا ہے کہ میں ہی صحیح ہوں....'' گردن اکڑا کر بولی۔ ''اور آپ سے تو کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے...جو کچھ بھی سارے خاندان والوں نے ہمارے ساتھ مل جل کر کیا...وہ آپ کے سامنے ہی تو ہوتا رہا ہے۔''

''بس کر دو خوش نصیب! نکل آؤ اس خود ترسی سے...'' نرمی سے کہا۔ ''تمہیں اعتراض ہے کہ تم لوگوں کو تمہارا جائز حق نہیں دیا گیا...اپنی دنیا سے باہر نکلو اور باقی دنیا میں جھانک کر دیکھو۔ انسانوں کے ایسے ایسے مسائل ہیں کہ تم سن کر ہی دنگ رہ جاؤ گی...اس پر بھی کمال یہ ہے کہ وہ شکایت کا حرف زبان تک نہیں لاتے۔''

وہ سانس لینے کے لئے لحہ بھر رکے۔ خوش نصیب کو دوبارہ سے اسٹارٹ لینے کے لئے اتنا ہی وقت کافی ہوتا تھا۔ چابی لگی گاڑی کی طرح فوراً چوتھے گیئر میں چل پڑی۔

''کوئی ولی ہوں گے وہ سب...ہم سے تو نہیں ہوتا اتنا درگزر۔''

''ٹھیک ہے...جیسے تمہاری مرضی۔'' عرفات نے سر ہی جھٹک دیا اسے سمجھانا فضول تھا۔

''اچھا اب ناراض تو نہ ہوں۔'' اسے فکر ہوئی۔

''ناراض نہیں ہو رہا....لیکن تمہارے ساتھ سر کھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں...ٹھیک ہی کہتا ہے کیف!''

خوش نصیب کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔

''کیا کہتا ہے کیف؟''

عرفات کو احساس ہوا اب یہ نیا دفتر کھول کر بیٹھ جائے گی تو بات سمیٹ کر بولے۔

''ارے کچھ نہیں کہتا...لیکن تمہیں ذرا سی بات کے لئے آپا سے اتنی بدتمیزی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔...اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میری بہن ہیں...اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ تمہاری بزرگ ہیں...بزرگوں کا احترام کرو گی تو زندگی میں کامیاب رہو گی...''

''صباحت تائی جان اور فضیلہ چچی مجھے ڈائن، چڑیل، کالی بلی، پچھل پیری اور پتا نہیں کیا کیا کہتی ہیں...'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''تم ہو؟...نہیں ناں...تو اگنور کر دیا کرو ان کی باتوں کو...کسی کے کچھ کہنے سے تم ویسی بن تو نہیں جاؤ گی ناں خوش نصیب!'' رسان سے کہا پھر موضوع بدل دیا وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

''اچھا چھوڑو...یہ بات نہیں کرتے...کوئی اور بات کرتے ہیں۔''

''اور کونسی بات؟'' اس نے آنکھیں رگڑ کر پوچھا۔

''آگے کیا ارادہ ہے؟...تم نے کہا تھا ماسٹرز کرو گی؟...ایڈمیشن کب سے شروع ہو رہے ہیں؟''

''کونسی یونیورسٹی کہاں کا ایڈمیشن...'' دل پھر بھر آیا۔ ''اکیڈمی میں دو چار اسٹوڈنٹس آگئے ہوتے تو ایڈمیشن کی فیس بھی جمع ہو

جاتی۔روشن امی تو پہلے ہی کہہ چکی ہیں اخراجات بہت ہیں..ایڈمیشن کا سوچنا بھی مت۔“

”فیس بھی مل جائے گی تم فارم منگوالو۔“انہوں نے آہستگی سے کہا۔اس بات کا مطلب خوش نصیب بخوبی جانتی تھی سو بد دلی سے بولی۔

”رہنے دیں عرفات ماموں!میں پرائیویٹ پڑھ لونگی..آپ سے پیسے لینے کے لئے روشن امی کبھی راضی نہیں ہونگی۔“

”تم فارم منگواؤ..تمہاری امی سے میں خود بات کرلونگا۔“

وہ قائل ہوئی یا نہیں چپ ضرور ہوگئی پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

”ہم یہ حویلی بیچ کیوں نہیں دیتے؟..کروڑوں میں قیمت لگے گی ایمان سے...کمرشل پلاٹ ہے...سب کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔“اپنے مخصوص انداز میں ہتھیلی پر تالی بجا کر بولی۔

”چلو...اب تم یہ نئی بحث چھیڑ کر بیٹھ جاؤ...“عرفات خفیف سا ہنس دیئے۔”تمہیں یہ گھر پسند نہیں ہے؟“

”ارے کوئی ایسا ویسا؟...“آنکھیں پھیلا کر اور ہنس کر بولی۔”مجھے تو خواب میں بھی یہی گھر نظر آتا ہے..پتا ہے عرفات ماموں!کبھی کبھی مجھے خواب آتا ہے کہ میں سفید جوڑے پر رنگین دوپٹہ اوڑھے ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہوں...کبھی صحن میں بھاگتی ہوئی...کبھی بارش ہونے لگتی ہے اور میں اس رم جھم بارش میں آم کی شاخوں پر جھولا جھول رہی ہوں...“پلنگ کا پایا پکڑے وہ جیسے اپنے خواب میں ہی کھوگئی۔

عرفات نے زیر لب مسکراتے رہے۔

”تمہارے خواب بھی تمہاری طرح دلچسپ ہیں۔“

”دلچسپ؟....اجی!احمقانہ کہیے۔“کیف کی آواز آئی۔

خوش نصیب کا خواب چھن سے ٹوٹ گیا۔برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔وہ اندر آچکا تھا اور شرارت سے مسکرا رہا تھا عقب سے نکل کر شیرو نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی۔

”تم میرا کوئی خواب پورا ہونے نہ دینا۔“لڑا کا عورتوں کی طرح بولی۔

”صرف میں ہی تو ہوں جو تمہارے سارے خوابوں کو پورا کرسکتا ہوں...لیکن تم سمجھتی ہی نہیں۔“شرارتی آنکھیں غیر سنجیدہ انداز۔

خوش نصیب جھنجھلا کر اٹھی۔اپنا چائے کا کپ اٹھایا۔

”کپ بعد میں بھجوادونگی۔“اور کیف کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی باہر نکل گئی۔

”اچھی بات ہے...ورنہ تمہارا کوئی پتا نہیں چائے کے ساتھ کپ کو بسکٹ سمجھ کر کھا جاؤ۔“

خوش نصیب نے اپنے پیچھے کیف کی آواز اور پھر قہقہہ سنا تھا۔جان جل کر خاک ہی ہوگئی۔

☆......☆......☆

وسامہ پلنگ پر تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

آئے کت نے ایک ٹیبلٹ پتے سے نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔وسامہ نے بنا کسی اعتراض کے ٹیبلٹ زبان پر رکھی اور پانی کے ایک گھونٹ کے ساتھ حلق سے اتار کر گلاس آئے کت کی طرف بڑھا دیا۔

پانی پیتے ہوئے اس نے دیکھا معاویہ جھجکا ہوا سا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

”مجھے بات کرنی ہے۔“

اس سے پہلے کہ وسامہ کوئی جواب دیتا آئے کت نے کہا۔

”ابھی نہیں معاویہ!...وسامہ کو آرام کرنے دو۔“لہجہ نرم لیکن دوٹوک تھا۔

”تم ہمیشہ میرے اور میرے بھائی کے درمیان آجاتی ہو؟“معاویہ جذباتیت سے بولا۔

آئے کت نے گردن موڑ کر اسے ناراضگی سے دیکھا۔

”یہ وقت کسی بے تکی بحث کا نہیں ہے معاویہ!..“

”بھائی!...“معاویہ نے بچوں کی طرح منہ بسور کر مدد طلب نظروں سے وسامہ کو دیکھا۔

”آئے کت ٹھیک کہہ رہی ہے معاویہ!...“وسامہ نے کہا۔”میں کچھ دیر آرام کرنا چاھتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“معاویہ نے ناراضی سے کہا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔

”لیکن تم باہر مت جاؤ...یہیں رکو...ایسا نہ ہو...وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دے۔“وسامہ کے لہجے میں ایک بار پھر ہراس نمایاں ہونے لگا تھا۔

”وہ کون؟“معاویہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔اس کا انداز کسی قدر جھنجلاہٹ والا تھا۔

”وہ آسیب....آیوشمتی کی روح۔“اس کی آواز بے حد ہلکی اور خوف سے سرسرا رہی تھی۔

”ان محترمہ سے تم خوف کھاتے رہو...میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ۔“اس نے چڑ کر کہا اور دھڑ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ان دونوں نے معاویہ کو کمرے سے جاتے دیکھا پھر وسامہ نے آئے کت سے کہا۔

”اسے سمجھاؤ آئے کت!...“وہ بے چین سا ہو رہا تھا۔

”بچہ ہے...کچھ وقت گزرے گا تو سمجھ جائے گا۔“اس نے بھی آہستگی سے کہا۔

”نہیں وہ اب ناراض ہو گیا ہے۔“اس کا لہجہ مزید بجھ گیا تھا۔”اس سے کہو!...کم سے کم وہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو۔“

”آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔“آئے کت نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔”سب راضی ہو جائیں گے آپ سے..کوئی ناراض نہیں رہے گا......“

”خدا کرے میرے مرنے سے پہلے یہ وقت آجائے۔“وسامہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

''وسامہ!...'' آئے کت نے دہل کر اسے ٹوکا۔ ''پلیز اس طرح کی باتیں مت کریں...آپ کو کچھ ہوا تو میں کیسے زندہ رہونگی۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''میں تو پہلے ہی ایک لاش ہوں...میرا کیا فائدہ ہے تمہیں۔'' وہ بہت مایوس لگ رہا تھا۔

''آپ اس طرح کی باتیں کریں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤنگی۔'' اس نے زچ ہو کر کہا۔

وسامہ نے دیکھا آئے کت کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دکھائی دے رہے تھے جنہیں پلکوں کی سرحد عبور کرنے سے روکنے کے لئے اس بیچاری کو خود پر بڑا جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے پھر بھی آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

وسامہ نے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر اپنی پیشانی سے لگا لیا۔

''میں جانتا ہوں میرا ناکارہ وجود تمہارے کسی کام کا نہیں ہے...یہ تمہاری محبت ہے اور تمہاری رحمدلی جو تمہیں میرے ساتھ رہنے پر مجبور کر رہی ہے...میں تمہارا احسان کبھی نہیں چکا سکونگا آئے کت!''

آئے کت نے ایک گہری سانس لی اور اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑوا کر نرمی سے اس کا سر سہلانے لگی۔

''آپ سو جائیں...کچھ دیر سوئیں گے تو بہتر محسوس کریں گے۔''

''ہاں میں سو جاتا ہوں...'' اس نے بھی گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے...تم یہیں رہو...کہیں آیوشمتی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے...معاویہ کو بھی بلا لو...اسے بھی اکیلے نہیں رہنا چاہیے...''

آنکھیں موندے وہ بولتا رہا... یہاں تک کہ اس کے ہاتھ کی گرفت آئے کت کے ہاتھ میں کمزور پڑنے لگی۔ لیکن وہ پرسکون تھا۔ پھر ابھی اس کا ذہن نیند میں جھول رہا تھا جب اس نے محسوس کیا کہ نرمی سے آئے کت نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا اور محتاط انداز میں وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ اور دبے قدموں کمرے سے باہر جا کر اس نے بنا آواز دروازہ بند کر دیا۔

وسامہ کے غنودگی میں ڈوبتے ذہن پر یہ بات گراں گزری۔

وہ آئے کت کو روکنا چاہتا تھا لیکن نیند میں جاتے ہوئے ذہن کے ساتھ اس کے جسم کی طاقت ختم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ آواز دینا تو دور کی بات آنکھیں بھی نہیں کھول پا رہا تھا۔

کمرے میں اکیلے رہ جانے کے خیال سے اس کا دل ایک بار پھر دہشت سے بھرنے لگا۔ اور اسے ایسا لگا جیسے دو پراسرار آنکھیں اسے گھور رہی ہوں۔ کمرے کی بند کھڑکی جس کے شیشے پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے اور جس کے باہر بشام کی خوبصورت رات چپکے چپکے بہہ رہی تھی۔ اس کھڑکی کے شیشے پر ایک غیر مرئی ہاتھ ہولے ہولے دستک دینے لگا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب کا اکیڈیمی بند ہونے کا صدمہ ماند پڑ چکا تھا لیکن مکمل طور پر ختم نہ ہوا تھا۔

http://kitaabghar.com

وہ مونگ کی دال کے ساتھ، لیموں اور سبز مرچ چھڑکی ہوئی پیاز پلیٹ میں ڈالتی۔ اچار کی قاش تازہ پھلکے پر ڈالتی، پیٹ بھر کھانا کھاتی اور پہروں اپنے خاندان والوں کی زیادتیوں اور خود پر گزرے مصائب پر کڑھتے ہوئے گزار دیتی۔

اس کے مقابلے میں ماہ نور ایک مصروف انسان تھی۔ پرائیویٹ ماسٹرز کر چکی تھی آج کل ایم فل کرنے کا سوچ رہی تھی۔ گھریلو کاموں میں طاق تھی سو روشن امی کا ہاتھ بٹا دیتی۔ سلائی میں ایسی مہارت رکھتی تھی کہ کیا ہی کوئی کامیاب اور ماہر ٹیلر ایسے ڈیزائن بناتا ہوگا جو ماہ نور بنا دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صیام اور منہا کی بھی مروتاً بہن تھی۔

صباحت تائی جان اکثر فضیلہ چچی کو دبے لفظوں میں سمجھاتیں۔ ”ان دونوں کو بھی کچھ سکھا دو۔ اور کچھ نہیں تو ایک فن ہی ہاتھ آ جاتا ہے... میرے منہ میں خاک... اگلے گھر جا کر کوئی مشکل وقت آیا تو چار پیسے کمانے جوگی تو ہونگی۔“

انہوں نے اپنی طرف سے بڑا اپنا پن جتایا تھا لیکن فضیلہ چچی تو یوں بھی مزاج کی نازک واقع ہوئی تھیں اس بات پر تو بالکل ہی برا منا گئیں اور تنک کر بولیں۔

”آپ اپنی فہمینہ کو سکھا لیں... اللہ خیر کا وقت لائے... صیام اور منہا کے ابو کی دو دو دھاگہ فیکٹریاں ہیں فیصل آباد میں... میں انہیں ایسے گھر میں بیاہ ہوں گی ہی نہیں جہاں کپڑے خود سلائی کر کے پہننے پڑیں۔“

صباحت تائی جان اپنا سا منہ لیکر خاموش ہو رہیں۔ اور فضیلہ چچی نے اتنی نخوت بھری اسٹیٹمنٹ جاری کرتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اگر کپڑے سلائی کرنا اتنا ہی نیچ کام ہے تو اب تک تو صیام اور منہا کے ابو کی دو دو دھاگہ فیکٹریاں بند بھی ہو چکی ہونی چاہیے تھیں۔

یہ ستمبر کی دوپہریں تھیں۔ گو کہ سمٹ رہی تھیں مگر جلدی ختم نہ ہوتی تھیں۔

خوش نصیب کتاب پڑھنے نانی کے پلنگ پر لیٹی۔ پڑھتے پڑھتے اونگھ آ گئی تو وہیں لمبی ہو گئی۔

جس وقت ماہ نور پریشان پریشان سی اندر داخل ہوئی خوش نصیب پلنگ پر اوندھی لیٹی دھت سو رہی تھی۔ ایک بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا کتاب نیچے فرش پر تھی اور خوش نصیب کے لیٹنے کی پوزیشن ایسی تھی کہ لگتا تھا ابھی نیچے آ گرے گی۔

ماہ نور نے اسے دیکھا اور سٹپٹا کر اسے گرنے سے بچانے کے لئے بھاگی۔

”خوش نصیب!...“

خوش نصیب ہڑبڑا کر اٹھی۔

”کیا ہوا؟... کیا ہوا؟“

”تم گر رہی تھی۔“

”ہائیں... میں گر گئی تھی؟“ وہ جاگتے ہوئے بھی کونسا حواس میں رہتی تھی جو سوتے ہوئے کوئی اچھی توقع کی جاتی۔

ماہ نور نے بے ساختہ سر پیٹا۔ ”تم گرنے والی تھی... میں نے بچا لیا۔“

''لو اور سنو...'' خوش نصیب طنز سے بولی۔ ''تم نے مجھے بچایا؟...تم نے؟؟...خوش نصیب کو کوئی نہیں بچائے گا...خوش نصیب خود اپنا سہارا بنے گی۔'' اترا کر بولی۔

ماہ نور نے چڑ کر اس کے سر پر چپت لگائی۔ ''اوفو...کبھی تو پورے ہوش میں آ کر بات کیا کرو۔''

''میں ہوش میں ہی ہوں...'' اس نے بھی دو بدو جواب دیا۔ ''ویسے بھی اتنی عالمانہ گفتگو کوئی ہوش سے بیگانہ انسان نہیں کر سکتا۔ لیکن خیر...تمہیں یہ باتیں سمجھ نہیں آئیں گی۔''

''مجھے کچھ سمجھ آئے یا نہ آئے...تم ایک بات دھیان سے سمجھ لو کہ نانی کا کچھ پتا نہیں چل رہا...صبح سے گھر سے نکلی ہوئی ہیں ابھی تک واپس نہیں آئیں۔'' اس نے پریشانی سے بتایا۔

خوش نصیب کی ساعت ہی نہیں دوبارہ نیند میں جاتی آنکھیں بھی کھل گئیں۔

''کیا کہہ رہی ہو؟...نانی گھر سے بھاگ گئیں...وہ بھی اس عمر میں...'' صدمہ، بے یقینی۔

''اوففففف.....'' ماہ نور کا دل چاہا اس کا سر ہی پھاڑ دے۔

''کبھی تو کوئی عقل والی بات کیا کرو خوش نصیب!..نانی کیوں گھر سے بھاگیں گی اور ویسے بھی....'' جھنجھلاہٹ کے باوجود وہ بات کرتے جھجک سی گئی۔ ''انہیں بھاگنا ہی ہوتا تو صحیح عمر میں بھاگتیں...اب کیا کریں گی بھاگ کر۔''

خوش نصیب نے پریشانی اور حیرانی کے باوجود اپنے مخصوص انداز میں بائیں ہتھیلی پر دائیں ہاتھ سے تالی بجائی۔

''یہی بات تو میں کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا بکومت...اور جا کر نانی کو ڈھونڈو...صبح سے اپنے بھتیجے کے گھر گئی ہوئی ہیں...امی نے منع بھی کیا تھا لیکن نانی نے ایک نہیں سنی...''

''ہاں تو ظاہر ہے سنتیں بھی کیسے...'' جلدی جلدی پیروں میں چپل پہنتے ہوئے کہا۔ ''کانوں سے تو کئی سالوں سے انہیں سنائی دینا بند ہو چکا ہے۔''

ماہ نور نے پھر اسے ناراضی سے دیکھا۔

''اور روشن امی سے کہو پریشان نہ ہوں...نانی یہیں کہیں گلیوں میں بھٹک رہی ہوں گی...میں ڈھونڈ لاتی ہوں۔''

وہ جلدی جلدی بولتی باہر نکل گئی۔

ماہ نور پریشان سی دعا کرنے لگی کہ نانی صحیح سلامت مل جائیں۔ کانوں سے کم سنائی دیتا تھا۔ آنکھیں بھی رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ہاتھ پیر البتہ مضبوط تھے۔ اچھے وقتوں کی پیداوار تھیں خالص خوراکیں کھا کر بوڑھی ہوئی تھیں سو بقول خوش نصیب مشینری پرانی ہو کر بھی چلتی جا رہی تھی۔ سو یہی بڑی بات تھی۔ خوش نصیب انہیں اینٹیک پیس بلاتی تھی۔

وہ اکثر ایسے ہی کسی دور پار کے رشتہ دار کو ملنے نکل کھڑی ہوتیں تھیں اور واپس لانے کے لئے خوش نصیب کو ہی گھر سے نکلنا پڑتا تھا۔

http://kitaabghar.com

☆......☆......☆

بروکلن ہائیٹس میں وہ کئی منزلہ عمارت تھی جو سر اٹھائے کھڑی تھی۔

کھڑکیوں کے شیشوں پر بارش کا پانی لکیریں بناتا ہوا بہہ رہا تھا۔انہی کھڑکیوں میں سے ایک کے پیچھے معاویہ سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے ہاتھوں میں سرمئی ڈائری تھی جس پر وسامہ طالب کا نام ابھرا ہوا تھا۔

کھڑکی کے پاس ایک چھوٹے سائز کا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا بس اتنی ہی روشنی تھی جو معاویہ کو ڈائری کی سطریں پڑھنے میں مدد دے سکتی تھی۔

کھڑکی سے کچھ قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹی میز پڑی تھی۔میز کے درمیان ایک بڑا سا پوسٹر نما چارٹ بچھا ہوا تھا جس کے وسط میں ایک آنکھ بنی ہوئی تھی..اردگرد مختلف زبانوں میں حروف لکھے ہوئے تھے۔قریب ہی مختلف ساخت کے چند چھوٹے بڑے پتھر، کچھ لکڑیوں کے ٹکڑے اور Tarot cards پڑے تھے۔ان سب میں سب سے دہلا دینے والی چیز وہ کھوپڑی تھی جو میز کے کونے میں اوندھی پڑی تھی۔

باقی کمرا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور خوف کے احساس کو ابھار رہا تھا۔

معاویہ نے ڈائری بند کر دی اور گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگا۔وہ عمارت کی جس منزل پر رہتا تھا اس کی کھڑکی سے سڑک دور دکھائی دیتی تھی لیکن نیویارک کی نائٹ لائف پوری طرح بیدار نظر آ رہی تھی۔

برستی ہوئی بارش اور اس سے پرے جلتی بجھتی روشنیاں۔

کھڑکی کے اس طرف اگر تاریکی کا ہراس تھا تو دوسری طرف روشنیوں کی خوبصورتی۔

کوئی عام انسان ہوتا تو اسے یہ منظر متاثر کرتا لیکن معاویہ عام انسان نہیں تھا وہ یہ بات کئی سال پہلے تسلیم کر چکا تھا اور چاہتا تھا اس سے وابستہ باقی لوگ بھی یہ بات تسلیم کر لیں۔جب انہوں نے معاویہ کی حیثیت کو قبول نہیں کیا تو وہ ان سے دور ہونے لگا۔اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

زندگی میں دو اہم ترین انسانوں سے دور ہو جانے کے بعد کسی اور کے نزدیک رہنے کی اسے خواہش بھی نہیں تھی۔

اسے نیویارک کی خوبصورتی متاثر نہیں کرتی تھی۔اس نے بہت خوبصورتی دیکھی تھی۔دنیا میں بشام سے زیادہ خوبصورتی اور کہاں ہو سکتی تھی۔معاویہ کو وہ زمین پر جنت لگتی تھی اور اگر بشام جنت نہیں تھا تو جنت کا چھوٹا موٹا ٹکڑا ضرور تھا۔

باقی جہاں تک خوف کا تعلق ہے...تو خوف..قلعہ فلک بوس سے زیادہ کہاں ہو سکتا تھا؟..جس کا مرکزی دروازہ کھلتے ہی اس آسیب کا اسرار اپنی لپیٹ میں لینے لگتا تھا جس کا نام آیو شمتی تھی۔

کھڑکی کے شیشوں سے پرے یک دم نیویارک کی روشنیاں اور بارش کی لکیریں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں اور ان کی جگہ فلک

بوس کی اس رات نے لے لی جب وہ وسامہ کے کمرے کے باہر ناراض سا کھڑا تھا۔فلک بوس کی دیواریں، کھڑکیاں، روشن دان، راہ داریاں، دریچے اور جھروکے ابھی بھی خاموشی اور رات کے سناٹے میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن بہت زیادہ نظریں گھما گھما کر دیکھ لینے کے باوجود آسیب یا بدروح جیسی کسی چیز کا شائبہ تک نظر نہ آیا تھا۔

وسامہ کے سونے کے بعد آئے کت کمرے سے نکلی۔معاویہ کو کھڑا دیکھ کر رکی پھر نظر انداز کر کے کمرے کا دروازہ بہت آہستگی سے بند کیا اور جوں ہی پلٹی معاویہ ایک دم سے اس کے سامنے آ گیا۔

''یہ سب کیا تماشہ ہے؟''

معاویہ نے کوئی اچھے طریقے سے نہیں پوچھا تھا اس کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

''مجھے نہیں پتا...'' آئے کت نے تحمل سے کہا۔''میں وسامہ کی چیخیں سن کر کمرے سے نکلی تھی...میں نے دیکھا وہ بہت بری طرح ڈرا ہوا تھا باقی ساری بات تو تمہارے سامنے ہی ہوئی ہے۔''

''میں اس ساری بات سے پہلے کی بات کر رہا ہوں۔'' معاویہ نے ناراضی سے کہا۔''اچانک وسامہ کو کیسے یہ شک پڑا کہ فلک بوس میں کوئی بدروح ہے؟...اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

''پچھلے تین چار مہینوں سے وسامہ اپنے شک کا اظہار کر رہا تھا...'' آئے کت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔''لیکن میں نے اس کی بات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔تم جانتے ہو وہ ذرا جلدی ڈر جاتا ہے...میں نے سوچا ایسی ہی کوئی بات ہوگی...لیکن آج جس طرح وسامہ نے ری ایکٹ کیا ہے...میں پریشان ہو گئی ہوں۔'' وہ الجھی الجھی سی بول رہی تھی۔

''تمہیں پریشان ہونا بھی چاہیئے۔'' معاویہ نے رکھائی سے کہا۔''تمہارا شوہر کسی psychological disorder (نفسیاتی مرض) کا شکار ہو رہا ہے۔اور تم نے اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔''

''یہ درست نہیں ہے...'' آئے کت اس کی بدگمانی پر سٹپٹا گئی۔''میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی لیکن.... ہاں...شائد تم ٹھیک کہہ رہے ہو...لیکن اس سے پہلے وسامہ کی حالت ایسی کبھی نہیں ہوئی...اف....مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

بارش کے پانی نے اس منظر کو ایک بار پھر دھندلا دیا۔

اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکی میں بیٹھے ہوئے معاویہ کو نیویارک کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ٹیبل لیمپ کی روشنی ڈائیریکٹ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔کوئی اس روشنی میں دیکھتا اس یاد نے اس کی آنکھوں کو بے تحاشہ سرخ کر دیا تھا۔اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور کنپٹی کے قریب ایک رگ پھڑ پھڑانے لگی تھی۔

معاویہ نے وحشت زدہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر لیمپ کا رخ بدل دیا۔اب اس کا وجود اندھیرے میں ڈوب گیا اور ٹیبل لیمپ سے نکلتی روشنی کا چھوٹا سا گولا میز پر پھیلی ہوئی چیزوں پر پڑنے لگا۔روشنی کے اس ٹکڑے نے اوندھی پڑی ہوئی کھوپڑی کی ہیبت کو کچھ اور

نمایاں کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے تہیہ کیا تھا کیف سے بات نہیں کرے گی لیکن جس وقت نانی کی تلاش میں نکلی۔وہ سامنے سے آ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹکے۔خوش نصیب نے منہ بگاڑ کر آگے نکلنا چاہا تو کیف کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔ وہ دانستہ پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

خوش نصیب نے دائیں طرف سے نکلنا چاہا وہ دائیں طرف ہو گیا۔بائیں سمت پکڑی تو اس طرف سے راستہ روک لیا۔

''ہٹو آگے سے...چھوڑو میرا راستہ۔''خوش نصیب کو پتنگے لگ گئے۔

''تمہارے لئے ایک اچھی خبر ہے میرے پاس...کیا یاد کرو گی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔''بلاوجہ اترا کر بولا۔ویسے بھی وہ جانتا تھا خوش نصیب کو کیسے چڑانا ہے۔پہلے اس کے شوق کو ہوا دیتا پھر چڑا کر لطف لیتا۔

''کیا؟''وہ کیف کی شکل دیکھنے لگی۔

''پہلے ہنس کر بات کرو۔''سینے پر بازو باندھتے ہوئے ڈھٹائی سے کہا۔

خوش نصیب فوراً اس کی شرارت سمجھ گئی۔''شکل دیکھی ہے اپنی...''وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔''ایسی شکل کے ساتھ کون ہنس کر بات کر سکتا ہے۔''

''چلو...ہنس کر نہ سہی..مسکرا کر ہی بات کر لو۔''اس نے بیچ کی راہ نکالی۔

خوش نصیب نے ہونٹوں کے کنارے پھیلائے لیکن مسکرائی نہیں۔دانت کچکچا کر بولی۔

''مجھے مسکرانا نہیں آتا۔''

''ہاہاہا....''وہ دل کھول کر ہنسا۔''آج پہلی بار اپنے بارے میں سچ بولا ہے۔''

''ایک تو اتنی بری شکل ہے تمہاری...اوپر سے زہر لگ رہے ہو ایسے ہنستے ہوئے...''

''آہا...اتنی اچھی شکل تو ہے میری۔''ٹھنک کر کہا۔''یورنیورسٹی کی آدھی لڑکیاں اسی شکل کے لئے وظیفے کرتی ہیں..تمہیں قدر ہی نہیں ہے۔''اترا کر بولا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اس یورنیورسٹی میں ایڈمیشن نہ لو...جہاں عقل سے پیدل لڑکیوں کو ایڈمیشن دے دیتے ہیں وہاں پڑھائی کا کیا معیار ہوگا۔''مزے سے بولی پھر ہتھیلی پر ہاتھ مار کر خود ہی زور سے ہنس پڑی۔

کیف اس کی ہنسی میں گم ہوتے ہوتے بچا۔مزاج کی چڑیل تھی لیکن اس چڑیل کی ہر ادا دل کو بھاتی تھی۔

''تم پڑھائی کے معیار کی فکر مت کرو...عنقریب مجھے گولڈ میڈل ملنے والا ہے..ادھر میری ڈگری کمپلیٹ ہوئی ادھر ہر بڑا نیوز

چینل میرے پیچھے ہوگا''۔

''کیا مطلب؟...جعلی ڈگری نکلوا رہے ہو؟...''معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

کیف بدمزہ ہوگیا۔

''تم احمق ہی رہنا''اس نے چڑ کر کہا۔''نیوز چینل والے اس لئے میرے پیچھے ہونگے تا کہ مجھ جیسے کامیاب جرنلسٹ سے اپنے چینل پر ایک زبردست سا ٹاک شو کروا سکیں...سیاستدانوں کے ایسے بخیے ادھیڑونگا..ایسے بخیے ادھیڑونگا..ایسے....''ہاتھ اٹھائے وہ کسی عوامی لیڈر کی طرح بلند و بانگ دعوے کر رہا تھا۔

''بس...بس..''خوش نصیب نے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر ٹوک دیا۔''ایسے ہی شیخ چلی کی ٹوکری گری تھی اور مرغیوں اور انڈوں کا کاروبار شروع ہونے سے پہلے ہی ٹھپ ہوگیا تھا۔''

''میں بھی کہوں...تمہاری اکیڈمی کیسے بند ہوگئی۔''اپنی طرف سے وہ دور کی کوڑی لایا۔

خوش نصیب منہ بگاڑ کر آگے بڑھنے لگی تو کیف نے پھر راستہ روک لیا۔شرارت جیسے اس کی آنکھوں اور ہونٹوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔

''واپس اسلام آباد جا رہا ہوں..دو مہینے بعد واپس آؤنگا...یاد کرو گی؟''اس نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

جب سے قائداعظم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا ہر بار جاتے ہوئے پوچھتا تھا۔اسی امید پر کہ شائد کبھی وہ کہہ دے ہاں یاد کرونگی۔لیکن ہر بار وہ ٹکا سا جواب دے دیتی۔

''میرے برے دن چل رہے ہیں کیا؟...جو تمہیں یاد کرونگی۔''

اس نے منہ بسور لیا۔''ٹھیک ہے...نہ یاد کرنا...میں بھی اپنی ہونے والی بیوی نمبر دو کے ساتھ کافی پینے جاؤنگا اور تصویریں کھینچ کھینچ کر تمہیں بھیجونگا۔''

بات خوش نصیب کے سر سے گزر گئی۔

''تم دوسری شادی کر رہے ہو؟...پہلی کب کی؟''متجسس ہو کر پوچھا۔کیف نے ماتھا پیٹ لیا پھر سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا اور دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''یا اللہ!....کسی کو ایسا کم عقل محبوب نہ دینا''

خوش نصیب پھر چڑ گئی۔

''ارے ہٹو آگے سے...''اس کا بس نہ چلتا تھا اسے اٹھا کر ہی پھینک دے۔''میری نانی گم ہوگئی ہیں تمہاری مسخریاں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔''

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

''نانی؟..'' کیف چونکا۔''کیا ہوا ہے خالہ نانی کو؟''

''ہوا کچھ نہیں ہے...لیکن صبح سے غائب ہیں...کچھ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہیں۔''

''حد ہے لاپروائی کی خوش نصیب!...یہ بات اب بتا رہی ہو...'' اسے غصہ آیا اور پریشان بھی ہو گیا۔

''تم نے مجھے بولنے کا موقع ہی کب دیا..کہ میں بتاتی۔''

''اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر لئے..اور اتنی اہم بات بتانے کے لئے تمہیں موقعے کی ضرورت تھی...''اس نے ڈپٹ کر کہا۔پھر غصے سے پلٹا۔

''صبح سے شام ہو گئی...پتا نہیں بیچاری نانی کہاں ہونگی۔'' فکرمندی سے بولتا ہوا چلا گیا۔اور وہ کاغذ، جس پر خوش نصیب کے لئے دو اسٹوڈنٹس کا نام پتا لکھ کر لایا تھا۔اس کی جیب میں ہی پڑا رہ گیا۔

خوش نصیب ہونق سی بنی کھڑی رہ گئی۔

''لو...اب نانی گم ہو گئیں تو یہ بھی میرا قصور...حق ہاہ....خوش نصیب! تو، تو ہے ہی بدنصیب...''

ماتھے پر ہتھیلی مار کے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

وسامہ گہری نیند سو رہا تھا۔

آئے کت اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر جا چکی تھی۔

معاً اسے ایسا لگا جیسے اس کی کلائی پر کوئی چیز حرکت کر رہی ہو۔اسے الجھن محسوس ہوئی۔اس نے اس چیز کو جھاڑنا چاہا لیکن وہ اپنے ہاتھ اور کلائی کو ذرا سا بھی حرکت نہیں دے سکا۔اس چیز نے اسے مزید بے چین کر دیا۔اور سوئے ہوئے وسامہ کی الجھن اور اضطراب بڑھنے لگا۔

وہ چیز نرم اور چپچپی اور لیس دار تھی۔کلائی پر حرکت کرتی ہوئی وہ چیز اب وسامہ کی گردن کی طرف بڑھ رہی تھی۔

وسامہ نے اپنی کلائی اور گردن کو جھٹکے دے کر اس چیز کو گرانا چاہا لیکن اس کے کندھے بھی جیسے جکڑے ہوئے تھے۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی دیوہیکل وجود اس پر جھکا ہوا ہو اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وسامہ کے کندھوں کو جکڑ رکھا تھا۔

وسامہ نے خود کو اس کی قید سے آزاد کرنا چاہا لیکن بے سود وہ جتنی طاقت لگاتا تھا وہ دیوہیکل وجود اس سے دوگنی زیادہ طاقت سے اس پر جھک آتا تھا۔وسامہ کا دل دہشت سے بھر گیا۔اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔اسی دوران وہ چپچپی چیز رینگتی ہوئی وسامہ کی گردن سے کان تک پہنچ گئی۔

اس نے اپنے کان میں ایک سرگوشی سنی۔یہ کسی کے سانس کی آواز تھی جیسے سانپ پھنکار رہا ہو۔

وسامہ نے پوری طاقت لگا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اپنے سر کو جھٹکا دیا لیکن اتنی کوشش کے باوجود وہ اپنے جسم کو ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ وہ ہل پا رہا تھا نہ ہی اپنے جسم کو ایک انچ بھی ہلا پا رہا تھا۔

یہاں تک کہ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مجھے چھوڑ دو۔''

''نہیں چھوڑ سکتی...'' وسامہ نے اپنے کان کے بالکل قریب سنسناتی ہوئی سرگوشی سنی۔ یہ آواز کہیں دور سے آ رہی تھی... کبھی پاس آتی کبھی دور چلی جاتی... ''کبھی نہیں چھوڑونگی... نہیں چھوڑونگی...''

وسامہ خوف اور دہشت سے کانپنے لگا۔

''میں..... میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔'' وہ سسکا۔ جواب میں اس کے کندھوں پر پڑا ہوا بوجھ ہلکا پڑ گیا۔ پھر ایک کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کی آواز اس کے کان میں گونجی۔ وسامہ کو ایسا لگا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔

''مجھے چھوڑ دو... میں سانس نہیں لے پا رہا... تمہیں اللہ کا واسطہ ہے مجھے چھوڑ دو۔'' اس کے ہونٹوں سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے۔ کیونکہ جسم کی طرح زبان ہلانا بھی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ جوں ہی اس نے جملہ مکمل کیا وہ بوجھ اس کے کندھوں اور گردن پر سے مکمل طور پر ہٹ گیا۔ اور ایک ہیولا بھاگتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر دیوار میں جذب ہو گیا۔

وسامہ نے گہرے سانس لئے۔ اس کے دل سے خوف کسی حد تک کم ہوا اور اس کا ذہن مکمل طور پر نیند، میں ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

فضیلہ چچی کو جب نانی کی گمشدگی کے بارے میں پتا چلا انہوں نے ہتھیلیاں آپس میں رگڑ رگڑ کر اپنے دکھ اور پریشانی کا اظہار کیا۔ سوئے اتفاق جس وقت وہ غم سے نڈھال روشن امی، ماہ نور اور خوش نصیب کو ان سب کی لاپرائی پر کوس رہی تھیں۔ خوش نصیب ان کی کھڑکی کے پاس سے گزر رہی تھی۔

جوں ہی کان میں اپنا نام پڑا ٹھٹک کر رکی اور عادت سے مجبور ہو کر وہیں کھڑی ہو کر سننے لگی۔

''ایک بوڑھی عورت کا خیال نہیں رکھا جاتا ان ماں بیٹیوں سے... بتاؤ.. خالہ جی کا کام ہی کتنا ہے جو ہر دوسرے دن رشتے داروں کے یہاں بھیج دیتی ہیں... دو وقت کی روٹی ہی تو پکانا ہے... کہتی ہوں روشن سے... ماں کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتیں تو مجھے بتائیں... میں اپنی طرف خالہ جی کو ٹھہرا لونگی...''

''اوہو امی! آپ کو زیادہ سخی بننے کی ضرورت نہیں ہے... بلاوجہ دوسروں کی پریشانی اپنے سر لینا چاہ رہی ہیں۔'' پاس بیٹھی صیام نے چڑ کر کہا تھا۔

''نانی کا کام ہی کتنا ہوگا کہ انہیں پریشانی گردانا جائے۔'' منہا بیٹھی پڑھ رہی تھی اس نے بھی مداخلت کی۔

"لو اور سنو... روز روز کون نانی کا کمرہ صاف کرے گا... اور روٹی کون بنا کر دے گا...؟" صیام نے اپنی خوبصورت ناک چڑھا کر کہا۔ "اور ویسے بھی وہ خوش نصیب اور ماہ نور کی نانی ہیں... ہم کس خوشی میں ان کے کام کریں۔"

منہا نے گردن موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ "دور کا ہی صحیح لیکن ابو سے بھی ان کا کوئی رشتہ ہے۔"

"اے ہٹو تم..." فضیلہ چچی برا منا گئیں۔ "ایسی دور پرے کی رشتہ داریاں نبھانے بیٹھ گئے تو تمہارے ابا کا تو خاندان ہی ختم نہیں ہوگا۔"

"چھوڑیں امی!.. آپ غصہ نہ کریں... یہ تو ویسے بھی ان سب کی ہمدرد ہے... بس نہیں چلتا اپنے جوتے کپڑوں کے ساتھ ساتھ کھانا بھی اٹھا کر انہیں ہی دے آئے۔"

"خدا کو مانو صیام!... ایک ہی بار سوٹ دیا تھا میں نے خوش نصیب کو.. اور وہ بھی نیا نہیں تھا میرا پہنا ہوا سوٹ تھا... اس نے اسکول کی پارٹی اٹینڈ کر کے مجھے واپس کر دیا تھا.. اتنی غیرت مند تو وہ بھی ہے... اور تم نے بات ہی بنا لی۔" منہا نے ناراضی سے کہا۔

صیام نے ایسے ہاتھ لہرایا جیسے منہا کی بات کو مکھی سے زیادہ اہمیت نہ دی ہو۔

"تم فکر نہ کرو صیام! میں بھی کوئی بیوقوف تو نہیں ہوں جو پرائی مصیبت سر لونگی..." فضیلہ چچی نے ماحول خراب ہوتا دیکھ کر ہنس کر کہا۔ "بس ایک دفعہ خالہ جی مل جائیں.. میں بھی روشن کو جتاؤنگی ضرور... ساری زندگی اس عورت نے سینے پر مونگ دلا ہے اور اب اس کی وہ چنڈال بیٹیاں!.. ایک کی صورت ایسی بھولی ہے کہ دیکھتے ہی پیار آتا ہے۔ مزاج بالکل ماں والا... گھنا میسنا... دوسری کا نام خدا جانے بھائی صاحب خوش نصیب کیوں رکھ گئے... میرے بس میں ہو تو اسے خوش نصیب کی بجائے پچھل پیری کہہ کر بلایا کروں۔"

فضیلہ چچی نے نفرت سے کہا۔

باہر کھڑی خوش نصیب گو کہ ان کے خود سے متعلق خیالات سے واقف تھی لیکن لفظ پچھل پیری تو جیسے دماغ پر لگا اور دماغ سنسنا اٹھا۔ یعنی کہ پچھل پیری.... پچھل پیری اور وہ....

"اس کی تو شکل بھی پچھل پیری سے ملتی ہے۔" صیام نے استہزا اڑایا۔

خوش نصیب کے تو تن بدن میں ہی آگ لگ گئی۔ کوشش کے باوجود وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ کھڑکی کا نیم وا پٹ ہاتھ مار کر پورا کھول دیا۔

اندر بیٹھی ہوئی تینوں خواتین اس دھماکے کی آواز سے ایک ایک فٹ اوپر اچھل کر کھڑی ہویں۔

"خوش نصیب!...." منہا نے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"صیام کی خیریت پوچھنے آئی تھی..." دانت کچکچا کر اور مسکرا مسکرا کر بولی۔ "کیوں صیام! سر پر کچھ بال بچے ہیں یا طوطے بھائی نے سارے جڑوں سے اکھاڑ دیئے؟"

صیام کو بری طرح تاؤ آیا..یہ بات تو بڑی چھپا کر رکھی گئی تھی خوش نصیب جیسی فسادن تک کیسے پہنچ گئی؟

''تم...تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

''اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟...میں نے تو ایک بات ہی پوچھی تھی۔''معصوم بن کر کہا کندھے اچکائے اور ناک چڑھا کر who caresوالے تاثرات چہرے پر سجا کر آگے بڑھ گئی۔

اندر منہا نے اپنی بے ساختہ امنڈتی مسکراہٹ چھپانے کے لئے پیشانی بالکل ہی کتاب سے لگا دی جبکہ صیام اور فضیلہ چچی غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ٹیبل لیمپ کا رخ اب دوسری طرف تھا۔معاویہ دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز ہو چکا تھا۔کھڑکی سے باہر نیویارک ابھی بھی تیز ہوا اور بارش سے بھیگ رہا تھا وسامہ کی ڈائری اس کے سینے سے لگی تھی۔اور اس کا ذہن کہیں فلک بوس میں بھٹک رہا تھا۔

وہ ایک چمکیلی صبح تھی جب ٹیرس کی ریلنگ سے اس نے آئے کت کو تالاب کے کنارے بیٹھے دیکھا۔وہ ہمیشہ بن سنور کر رہتی تھی لیکن اس وقت اس نے سادہ سا لباس پہنا ہوا تھا۔پھیکے رنگ کی گرم شال کندھوں کے گرد لپیٹ رکھی تھی اور بالوں کو سمیٹ کو سر پر اونچا سا باندھ لیا تھا۔چہرے پر پریشانی تھی۔اس سب کے باوجود وہ منفرد لگ رہی تھی ایک ایسا چہرہ جو ہمیشہ متوجہ کر لیتا ہے۔

معاویہ بے دھیانی میں وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔یہاں تک کہ اس کی نظروں کے ارتکاز نے آئے کت کو چونکا دیا۔

اس نے سر اٹھا کر ٹیرس کی طرف دیکھا۔معاویہ کو کھڑا دیکھ کر چونکی لیکن پھر ایسے ہی واپس سر جھکایا اور تالاب کے پانی کو انگلی کی پوروں سے چھونے لگی۔

معاویہ پچھلی رات سکون سے سو نہیں پایا تھا اس کے ذہن پر وسامہ کی ذہنی حالت اور باتیں سوار رہی تھیں۔ابھی جب اس کی آنکھ کھلی اور وہ اٹھ کر تازہ ہوا لینے کی غرض سے ٹیرس پر آیا تو اس کا ارادہ کچھ دیر مزید سونے کا تھا لیکن آئے کت کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور گرل کے پاس سے ہٹ کر نیچے آئے کت کے پاس آ گیا۔

خشک پتے اور گھاس اس کے پیروں کے نیچے چرمرائے تو آئے کت نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔

معاویہ شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔

''سوری...مجھے کل تمہارے ساتھ اتنا arrogant(مغرور)نہیں ہونا چاہیئے تھا۔''اس نے کہا۔

آئے کت نے دیکھا۔اپنے نائیٹ سوٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ سر جھکائے جوتے کی ٹو سے ایک پتے کو مسل رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں...''آئے کت سادگی سے بولی۔''اب تو اس ایروگنس کی عادت ہوتی جا رہی ہے۔''

معاویہ مزید شرمندہ ہو گیا لیکن ذرا چڑ کر بولا۔

"میرا بھائی عجیب حرکتیں کر رہا ہے... وہ کسی پریشانی کا شکار ہے... میں نارمل کیسے رہ سکتا ہوں؟"

"تمہارا بھائی میرا شوہر بھی ہے۔"

معاویہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

"تم نے مجھے وسامہ کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اب اس نے جرح کا آغاز کیا۔

"سچ تو یہ ہے کہ مجھے کبھی یہ بات اتنی پریشان کن لگی ہی نہیں۔" آئے کت نے آہستگی سے اور کمپوزڈ لہجے میں کہا۔ایک رات گزر جانے کے بعد وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔وسامہ کی پریشان کن حالت اور اس بدروح سے متعلق انکشاف نے ذہن کو جتنا بدحواس کیا تھا اب وہ اتنا ہی منظم انداز میں ان باتوں پر غور کر سکتی تھی۔

"چند مہینے پہلے وسامہ نے فلک بوس میں کچھ اثرات کا ذکر کیا تھا۔وہ اکثر رات کو ڈرنے لگا تھا لیکن ایسے ہی جیسے کبھی انسان سوتے ہوئے ڈر جاتا ہے۔کبھی اس کی حالت مجھے اتنی پریشان کن نہیں لگی تھی کہ میں تمہیں یا کسی اور کو اطلاع کرتی...ویسے بھی تم نے ہی مجھے بتایا تھا وسامہ بچپن سے تھوڑا ڈرپوک واقع ہوا ہے..وہ اکثر اندھیرے سے ڈر جاتا تھا۔اکیلے رہنے سے اسے خوف آتا تھا..لیکن یہ تو اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے..مگر جو کچھ کل ہوا....وہ اکثر لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کوئی انسان مستقل پریشانی سے تھک چکا ہوتا ہے۔پھر اس نے معاویہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اب تم مجھے بتاؤ... یہ کل تم دونوں کس آسیب کا ذکر کر رہے تھے؟...اور اگر ایسی کوئی بات تھی تو یہاں آنے سے پہلے مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا..."

معاویہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔"ان باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے...وادی کے لوگوں نے بس کچھ الٹی سیدھی باتیں مشہور کر دی ہیں اور کچھ نہیں۔"

"تم مجھے ٹال رہے ہو معاویہ!"

"نہیں ...میں ٹال نہیں رہا۔یہی حقیقت ہے...تمہیں پتا ہے یہ فلک بوس تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی عمارت ہے۔...بشام کے نواب صاحب نے میرے دادا کی خدمات سے خوش ہو کر انہیں تحفے میں دیا تھا..میرے بابا بتاتے ہیں جب دادا جان یہاں آئے اس وقت بھی مقامی لوگوں نے آیو شمتی سے متعلق کچھ کہانیاں دادا جان کو سنائی تھیں ..مگر ان کہانیوں میں کوئی صداقت نہیں ہے...نہ کبھی دادا جان کو یہاں کسی روح کا سایہ ملا نہ مجھے.....میں نے بتایا ناں...ہم نے بچپن سے لیکر اب تک کئی چھٹیاں فلک بوس میں گزاری ہیں۔"

آئے کت دھیان سے اس کی بات سن رہی تھی۔ساری بات سن کر مزید الجھ گئی۔

"تم بتاؤ..تم تقریباً دو سال سے یہاں رہ رہی ہو...کیا تم نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی جو تمہیں مافوق الفطرت لگی ہو؟" معاویہ نے پوچھا۔

آئے کت نے الجھن بھرے انداز میں نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں...میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی...نہ ہی میں نے ان اثرات کو محسوس کیا ہے جن کا ذکر وسامہ کرتا ہے۔“

”وسامہ اثرات کا ذکر کرتا تھا؟“

”ہاں...میں نے بتایا ناں...چند مہینے سے اسے عجیب عجیب چیزیں نظر آنے لگی تھیں...کبھی اسکی کوئی چیز غائب ہو جاتی تھی...... کبھی اسے چیزیں ہلتی ہوئی نظر آنے لگتیں....کبھی لیپ ٹاپ نہیں ملتا تھا..اور کبھی وہ کہتا تھا اسے سائے نظر آتے ہیں..اسپیشلی سیکنڈ فلور پر وہ شام کے بعد کبھی نہیں جاتا تھا..اسے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی...لیکن خدا گواہ ہے معاویہ! میں نے یہاں ایسا کچھ محسوس نہیں کیا...اگر واقعی یہاں اثرات ہوتے تو مجھے بھی نظر آتے۔....“

وہ ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ اندر سے وسامہ کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔

آئے کت اور معاویہ گھبرا کر سرپٹ اندر کی طرف بھاگے تھے۔

☆......☆......☆

یہ اندرون شہر تھا۔چھوٹی گلیوں اور قدیم عمارتوں کی فینٹسی سے بھرا ہوا علاقہ۔

اکثر انگریز سیاح نظر آجاتے جو گھٹنوں سے ذرا نیچے پتلونیں پہنے منہ اٹھائے ان پرانی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے خود ایک لطیفہ سا محسوس ہوتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نانی کی تلاش میں نکلی آسمان سے زمین پر اترتی شام کے رنگوں میں بادلوں کی سیاہی شامل ہونے لگی تھی۔ اور گلی محلے کے بچے آگے پیچھے بھاگے پھر رہے تھے۔پتا نہیں انہیں کس بات کی اتنی خوشی تھی جو بلاوجہ ہی ہنستے جاتے تھے۔

ہوا کے جھونکے جوں جوں تیز ہو کر آندھی کا روپ دھار رہے تھے خوش نصیب کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

بچوں کا ایک گروہ بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔

”اللہ میاں پانی دے....سو برس کی نانی دے۔“

وہ نعرے لگا رہے تھے اور آسمان پر بادل مزید سے مزید گہرے ہوتے جاتے تھے۔

خوش نصیب پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑائی۔

”ان کی سن لو ذرا...ہم سے اسّی برس کی نانی نہیں سنبھالی جا رہی...ان کو سو برس کی چاہیے...“

سامنے سے کیف آرہا تھا۔اس کے چہرے پر بھی پریشانی تھی۔خوش نصیب نے جلدی سے درمیانی راستہ عبور کیا۔

”کیف! نانی کا کچھ پتا چلا؟“

کیف نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔خوش نصیب کو جو اس کی شکل دیکھ کر تھوڑی آس بندھی تھی بالکل ہی ٹوٹ گئی۔

”ہائے میری بوڑھی نانی!...پتا نہیں کہاں ہونگی بیچاری...وہ تو بتیسی بھی گھر ہی بھول گئیں تھیں..کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا“اس کی

آنکھوں میں آنسو آنے لگے اور کیف کا دل پگھلنے لگا۔

محبوب کے آنسوؤں کی ایک عجیب تاثیر ہوتی ہے۔ وہ دن کا چین اور راتوں کی نیند غارت کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

کیف کا دل چاہا خوش نصیب کو تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر کے بتا دے نانی کو تلاش کر کے صحیح سلامت گھر پہنچا آیا ہے۔ لیکن اسی وقت ایک کالے رنگ کی vitz ادھر آن نکلی۔ گلی میں جہاں وہ دونوں کھڑے تھے ان کے بالکل پیچھے۔

ہارن پہ ہارن بجنے لگا وہ دونوں ذرا سائیڈ پر ہو گئے۔ لیکن گلی اتنی تنگ تھی کہ ایسے کھڑے رہنا اور گاڑی کا نکل جانا محال تھا۔

''یہ کہاں پھنس گیا بیچارہ... ان گلیوں سے نکلتے تو صبح ہو جائے گی اسے۔'' کیف نے کہا لیکن مسلسل بجتے ہارن سے خوش نصیب کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔ وہ یوں بھی راستہ دینے کے لئے خلاف توقع دو تین بار ادھر ادھر ہو چکی تھی۔

''تو کیا ہم نے مشورہ دیا تھا ان گلیوں میں یہ بڑی سی گاڑی لیکر گھسے...'' وہ جارحانہ انداز میں پلٹی۔

''ایک تو میری نانی نہیں مل رہیں اوپر سے اس نے ہارن بجا بجا کر سر میں درد کر دیا ہے۔''

''تم جا کہاں رہی ہو؟... خوش نصیب میری بات سنو۔''

کیف کے منع کرنے کے باوجود وہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ انگلی کی پشت سے شیشہ بجایا۔ ادھر شیشہ کھلنا شروع ہوا ادھر اس کی زبان چلنے لگی۔

''مسئلہ کیا ہے بھئی... کب سے ہارن پر ہارن بجائے جا رہے ہو... یہ نہیں کہ دیکھ ہی لو کوئی پریشان کھڑا ہے۔''

شیشہ کھل گیا'' دیکھئے میں معذرت چاہتا ہوں۔'' پھر دروازہ بھی کھلا اور وہ باہر آ گیا۔

اچھی شکل تھی۔ لیکن شکل سے اچھی گاڑی تھی۔ اس کا لباس تھا اور وہ گھڑی جو اس نے کلائی پر باندھی ہوئی تھی۔ خوش نصیب کو یقین تھا اگر آسمان پر اتنے بادل نہ ہوتے تو ضرور اس گھڑی سے شعاعیں نکلتی اور اس کی بصارت کو چندھیاتی۔

''ارے نہیں معذرت کی کیا بات ہے... گلی ہے ہی اتنی چھوٹی کہ دو لوگ کھڑے ہو جائیں تو گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

یک دم وہ پینترا بدل کر بولی۔ کیف جو اسے مسلسل منع کر رہا تھا اس طرح بولنے پر ہکا بکا رہ گیا۔

''میں پچھلے دو گھنٹوں سے انہی گلیوں میں بھٹک رہا ہوں... ہر تھوڑی دیر کے بعد گاڑی وہیں آ جاتی ہے جہاں سے میں چلا ہوتا ہوں۔'' اس نے بیچارگی سے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں یہ کیف آپ کو راستہ سمجھا دے گا... کیف! ان کی گاڑی تو نکلوا دو ذرا۔'' ایسے میٹھے پن سے کہا جیسے بڑے دوستانہ تعلقات ہوں کیف سے۔

کیف اسکی پچھلی بات کے اثر سے نہیں نکل پایا تھا کہ دوسری بات سامنے آ گئی۔ لیکن فوراً ہی اس نے اپنے تاثرات چھپا لئے۔ وہ خوش نصیب تھی کسی بھی وقت کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔ کر سکتی تھی۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com KitaabGhar.Com

کیف راستہ سمجھانے لگا تو خوش نصیب اپنے راستے چل دی لیکن جاتے جاتے...ان دونوں سے نظر بچا کر... چپکے سے..اس نے گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ پھیرا...اور دل میں ایک لمبی سی متاثر کن آہ بھری۔ یہ کالے رنگ کا لوہا نہیں کالے رنگ کا مخمل تھا جس کی نرمی میں اس کا ہاتھ ڈوبتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشام کے پہاڑوں پر سورج طلوع ہوا اور پائن کے درختوں کے پتے چمک کر مزید سبز دکھائی دینے لگے۔

چند کرنیں فلک بوس کی اس کھڑکی کے شیشے پر پڑیں جس پر پچھلی رات ایک نادیدہ ہاتھ دستک دیتا رہا تھا۔

اندر پلنگ پر وسامہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اسکی پچھلی رات بہت بے چین گزری تھی۔ پوری رات اسے مختلف آوازیں سنائی دیتی رہیں تھیں۔

اس کی آنکھ اسوقت کھلی جب معاویہ نے اسے جگایا۔ وسامہ اتنی گہری سو رہا تھا کہ معاویہ کی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ پھر اسکی نیند کا سلسلہ ٹوٹا۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے اپنا سر بیحد بھاری محسوس ہوا تھا۔

''اف...''اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ لیا۔'' لگتا ہے میں بہت دیر سویا ہوں..لیکن ابھی بھی نیند پوری نہیں ہوئی...میرا سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔''وہ چپ ہوا کہ شائد معاویہ اسے کوئی جواب دے گا لیکن معاویہ خاموش رہا۔

''اچھا ہوا تم نے مجھے جگا دیا...صبح دیر تک سوؤں تو سارا دن بیزار گزرتا ہے۔''اس نے بولتے ہوئے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف معاویہ کھڑا تھا لیکن گردن موڑتے ہی وہ بری طرح شاکڈ ہوا۔ وہ کمرے میں اکیلا تھا معاویہ کہیں نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔

اگر معاویہ وہاں نہیں تھا تو اسے کس نے جگایا تھا۔ یقیناً آیوشمتی نے۔

ڈر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ اس نے اپنی بیساکھی کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اس کی پہنچ سے دور تھی۔ وہیل چیئر بھی کافی فاصلے پر پڑی تھی۔۔۔ وسامہ بنا کسی سہارے کے ان دونوں چیزوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

لیکن حواس باختہ ہو کر اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارے بے دھیانی میں اس کا ہاتھ اپنے کان پر لگا اور درد کی تیز لہر دماغ تک دوڑ گئی۔ ساتھ ہی اسے اپنے کان پر کوئی چپچپی چیز بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وسامہ نے ہاتھ سامنے کیا تو دنگ رہ گیا اس کے ہاتھ پر خون لگا ہوا تھا اور یہ خون اس کے کان سے بہہ رہا تھا۔ وہ ہکا بکا سا مڑا۔ اس کے تکیے پر خون کے دھبے تھے۔

اور یہ بس حد تھی وسامہ خوف سے پاگل ہوتا چیخنے لگا۔ اس نے آئے کت اور معاویہ کو آوازیں دینا شروع کر دی تھیں۔

جب تک وہ دونوں تالاب کے کنارے سے بھاگتے ہوئے اس تک پہنچے۔ چیخ چیخ کر اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ وہ panic (خوف زدہ ہونے کی وہ اسٹیج جہاں انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا) ہو چکا تھا اور اسے قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"جلدی سے پانی لیکر آؤ۔" معاویہ نے وسامہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑے ہوئے آئے کت سے کہا۔

آئے کت بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"وسامہ کچھ نہیں ہے...خاموش ہو جاؤ.." معاویہ مسلسل ایک ہی بات بول رہا تھا۔

وسامہ ان دونوں کو دیکھ کر ذرا پرسکون ہوا تھا۔آئے کت پانی لے آئی۔وسامہ نے چند گھونٹ پانی پیا۔

"وہ پھر آئی تھی...آیو شمتی پھر آئی تھی...وہ رات بھر یہاں تھی...دیکھو اس نے مجھے زخمی کیا ہے..." وہ اب رونے لگا۔

معاویہ کو اس کے ہاتھ پر خون نظر آیا تو وہ بری طرح پریشان ہو گیا۔

"میں یہاں نہیں رہونگا...مجھے باہر لے چلو معاویہ!.."

"ہوں...ہاں..ہاں چلو..." وہ سہارا دیکر وسامہ کو باہر لے گیا۔آئے کت ان دونوں کے پیچھے تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں۔وہ سر اور کندھے جھکائے مایوس سی گھر میں داخل ہوئی۔

سامنے نانی بیٹھی تھیں۔گھر کی تقریباً سبھی خواتین ان کے ارد گرد جمع تھیں۔خوش نصیب کو خوشی کا جھٹکا لگا دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"نانی!...نانی!...میری پیاری نانی!"

"ائے ہٹو...کیا ننھی منی کی طرح لپٹی جاتی ہو۔" نانی نے اسکے لاڈ کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔

"کیوں کیوں؟...کیوں ہٹوں بھئی..اتنی مشکل سے ملی ہیں آپ...میں تو نہیں چھوڑونگی۔" وہ اور زور سے لپٹ گئی۔

"ارے جانے دو خوش نصیب!تمہیں کہاں سے محبت ہو گئی خالہ جی سے۔" فضیلہ چچی اس کی جان جلانے کمر کس کر میدان میں اتریں۔"ایسی پرواہ ہوتی تو اتنی بوڑھی نانی کو اکیلا نہ جانے دیا ہوتا۔"

"بوڑھے ہوں میری نانی کے دشمن..." اس نے فوراً کہا۔"ایسی چمکدار اسکن تو آپ کی صیام کی بھی نہیں ہے جیسے میری نانی کی ہے۔"

ماہ نور نے ٹھوکا دیا۔روشن امی نے آنکھیں دکھائیں کہ خاموش رہو لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار بولنے لگے اور چپ ہو جائے۔

"ہاں ہاں...پورے خاندان میں ایک تم خوبصورت ہو ایک تمہاری نانی۔" فضیلہ چچی بدمزہ ہو کر پلٹ گئیں۔

خوش نصیب نے اترا کر پیچھے سے ہانک لگائی۔"شکریہ چچی جان!" اور خود ہی ہنسنے لگی۔

صباحت تائی جان نے اسے ذرا سی ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا پھر روشن آراء سے بولیں۔

"روشن!خالہ جان کا خیال رکھا کرو...اکیلے نہ نکلنے دیا کرو گھر سے.." ان کا لہجہ نرم تھا طنز سے عاری۔"کیف بتا رہا تھا مین سڑک کے فٹ پاتھ پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں.."

"ارے میں کیا چھوٹی سی بچی ہوں کہ کسی کی انگلی پکڑ کر ہی نکلوں گھر سے۔" نانی برا منا کر بولیں۔

''بات چھوٹے یا بڑے پن کی نہیں ہے خالہ جان! لیکن آپ کی آنکھیں بھی کمزور ہو رہی ہیں ...خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو سکتا تھا۔'' صباحت تائی جان نے نرمی سے ہی کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا! لیکن اماں میری سنتی کب ہیں۔'' روشن آراء نے لاچاری سے کہا۔

''وہ تو اس لئے کیونکہ نانی کو سنائی کم دیتا ہے ...ورنہ تو اچھے بچوں کی طرح ہر ایک کی بات مانتی ہیں۔''

''تم تھوڑی دیر کے لئے خاموش نہیں بیٹھ سکتی۔'' روشن امی نے جھنجھلا کر کہا۔

''اچھا سوری۔'' وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بیٹھ گئی لیکن اگلے ہی منٹ پھر کچھ یاد آ گیا۔

''لیکن اب بس کریں ناں روشن امی! پہلے ہی نانی گم ہو کر تھک گئی ہوں گی ...ویسے بھی گم ہونا کوئی آسان کام ہے ...اچھی خاصی محنت لگتی ہے ...کیوں نانی؟'' وہ زیادہ نانی کی ہمدرد بنی۔ نانی بات سمجھیں یا نہیں اثبات میں زور و شور سے سر ضرور ہلانے لگیں۔

''آپ سو جائیں نانی!...میں آپ کی ٹانگیں دبا دیتی ہوں۔''

اس نے نانی کو لٹا دیا۔ اور ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔

صباحت تائی جان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ عجیب لڑکی تھی وہ۔ وہ مسکراہٹ چھپاتیں باہر نکل گئیں روشن بھی انکے پیچھے تھیں۔

اسی وقت کیف کمرے میں داخل ہوا۔ خوش نصیب کو نانی کی ٹانگیں دباتا دیکھ کر رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

''کوئی ایک بندہ رکھوالی کیلئے یہیں بیٹھ جائے ...اس کا کوئی پتا نہیں پاؤں دباتے دباتے گردن ہی دبا دے۔'' ماہ نور سے بولا۔

''یہ میری نانی کے پاؤں ہیں تمہارے نہیں کہ مجھے گردن دبانے کا خیال آئے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آئے ہائے ....'' کیف شرارت سے مسکراتا ہوا لہک کر بولا۔ ''اس کا مطلب خیالوں خیالوں میں تم میرے پاؤں بھی دباتی ہو ....تم سیدھی جنت میں جاؤ گی ..ابھی سے خدمت گزار بیویوں والے خیالات ہیں۔''

''پاؤں نہیں شہ رگ دباتی ہوں ...یقین کرو خواب میں تو کئی بار میں نے گڑھا کھود کے تمہیں دفن بھی کیا ہے۔''

''کس قدر ظالم لڑکی ہو تم۔'' وہ اس قدر مایوس نہیں ہوا تھا جس قدر مایوس شکل بنا کر دکھائی تھی۔

''ظالم میں ہوں یا تم؟ ....بتا نہیں سکتے تھے کہ نانی مل گئیں ہیں ...میں ایسے ہی اتنی دیر خوار ہوتی رہی۔''

کیف شرارت سے ہنستا رہا جواب البتہ نہیں دیا۔

''چھوڑ آئے اسے؟'' اچانک خوش نصیب کو یاد آیا۔

کیف نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔ ''تمہیں بڑی فکر ہو رہی ہے اس کی۔''

''ہاں تو کیوں نہ ہو ...'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔ ''اتنی اچھی گاڑی تھی اس کے پاس۔'' ایسے کہا جیسے بڑی معقول وجہ بتا رہی ہو۔

''میں اچھی گاڑی لے لوں ..تو میری بھی فکر کرو گی۔؟''

''ہرگز نہیں...'' خوش نصیب اب کی بار شرارت سے بولی۔''اسے دیکھا تھا تم نے...ایک تو گاڑی اتنی اچھی...اوپر سے وہ خود انگلش فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا۔...اور تم تو پنجابی فلموں کے ہیرو بھی نہیں لگتے۔''

''کون؟...کس کی بات ہو رہی ہے؟'' ماہ نور نے پوچھا۔

''تھا ایک۔'' جلدی سے بولی۔''...فرصت سے تمہیں بتاؤنگی..ابھی تو میں تھک گئی ہوں قسم سے...ماہ نور! ایک اچھی سی چائے تو پلا دو میری بہن!'' مطلب کے وقت لہجے کی شیرینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''لاتی ہوں...تم پیو گے کیف؟''

''نہیں...میں بس خالہ نانی کو دیکھنے آیا تھا۔''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا پھر باہر جانے سے پہلے عادتاً خوش نصیب کی طرف دیکھا۔

نانی کی ٹانگیں دباتی وہ خود بھی نیم دراز ہو چکی تھی۔اور تقریباً تقریباً نیند کی وادی میں اترنے کو تھی۔کیف باہر نکل گیا اور دروازہ تھوڑا سا کھلا رہنے دیا تاکہ برآمدے کی روشنی خوش نصیب کو تنگ نہ کرے۔

اتنا خیال، ایسی محبت....اس کا دعویٰ غلط نہیں تھا...ایسے چاہنے والوں کے لئے لڑکیاں منتیں مان لیتی ہیں۔راتوں کو جاگ کر وظیفے کرتی نہیں تھکتیں اور جس کو بن مانگے ایسی محبت مل رہی تھی وہ محبت کے ادراک سے کوسوں دور تھی۔

لاپرواہ، اپنی دنیا میں مگن، اندر کمرے میں نانی کے پلنگ پر لیٹی نیند سے پہلے کسی اور ہی خواب میں گم ہو رہی تھی جہاں پیسے کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور ایک کالی مخمل سے بنی ہوئی گاڑی تھی جس کے کھلے ہوئے دروازے سے انگلش فلموں کا ہیرو باہر نکل رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اسے قریبی ڈسپنسری لے آئے۔

ڈسپنسر نے بغور زخم کا معائنہ کیا اور بینڈ یج کر دی۔

''یہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا زخم نہیں ہے...یہ چھری یا کسی تیز دھار چیز سے کٹ لگایا گیا ہے۔'' وہ اپنی میز کے پیچھے لگی الماری سے دوائیاں نکالتے ہوئے بولا۔

معاویہ اور آئے کت پہلے بھی پریشان تھے لیکن اس انکشاف نے ان دونوں کو مزید پریشان کر دیا مگر آپس میں کوئی بات کئے بغیر انہوں نے دوائیاں وصول کیں اور وسامہ کو لیکر باہر آ گئے۔وہ اپنی بیساکھی کے سہارے اسوقت خود چل سکتا تھا اس لئے سہارے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی لیکن وہ گم صم تھا۔

جو کچھ فلک بوس میں اس کے ساتھ ہو رہا تھا وہ اچھے خاصے انسان کو چکرا دینے کے لئے کافی تھا۔

جس وقت معاویہ نے اس کے لئے جیپ کا دروازہ کھولا۔وسامہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"میں نے تم دونوں کو پریشان کر دیا ہے۔" وہ بہت زیادہ شرمندہ لگ رہا تھا۔

معاویہ نے ایک گہری سانس بھر کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اس بارے میں فلک بوس جا کر بات کریں گے۔"

وسامہ کے چہرے پر ایک دم سے خوف لہرایا۔اس نے حلق تر کیا اور بولا۔

"میں فلک بوس نہیں جاؤنگا۔" اس کا لہجہ ضدی نہیں تھا التجا آمیز تھا۔

معاویہ اور آئے کت چپ کے چپ رہ گئے۔وہ اس کی جھجک سمجھ سکتے تھے۔پھر معاویہ نے پہلے اسے جیپ میں بٹھایا۔آئے کت اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔معاویہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور پورا کا پورا اس کی طرف مڑ گیا۔

"فلک بوس میں کچھ نہیں ہے وسامہ! کوئی بدروح، کوئی آیو شمتی، کسی آسیب کا نام و نشان نہیں ہے وہاں..... یہ صرف تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا بہت نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"معاویہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے..." آئے کت نے کہا۔" آپکا وہم ہے.. جسے آپ نے دماغ پر سوار کر لیا ہے...کل میں پوری رات آپ کے پاس تھی...اگر ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور کمرے میں آیا ہوتا تو کم از کم مجھے تو پتا چلتا..."

"یہ زخم میری اس بات کی سب سے بڑی گواہی ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" وسامہ نے بے بسی سے کہا تھا۔

"کون کہہ رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" معاویہ نے جلدی سے کہا۔

"میں نے چیک کیا ہے وسامہ! یہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا نشان ہے۔"

"تم نے ڈاکٹر کی بات نہیں سنی..."

"وہ ڈاکٹر نہیں ڈسپنسر تھا..." معاویہ نے کہا۔

"اور وہ مجھے اتنا کوالیفائیڈ بھی نہیں لگا۔" اب آئے کت نے کہا۔" آپ جانتے ہیں میں نے چھ سال بطور نرس کام کیا ہے...کوئی بھی میڈیکل کی الف بے جاننے والا ایک نظر دیکھ کر ہی بتا سکتا ہے کہ یہ کسی چھری بلیڈ کا زخم نہیں ہے بلکہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا زخم ہے..."

وسامہ سر جھکائے سنتا رہا۔یہ سمجھنا مشکل تھا وہ قائل ہوا ہے یا نہیں۔

معاویہ کے اشارہ کرنے پر آئے کت نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"یہ روح، آسیب، جن، بدروح کچھ نہیں ہوتا وسامہ! ان باتوں کو اپنے ذہن پر سوار مت کریں...اگر آپ کے دل میں کوئی ڈر ہے تو ہم فلک بوس میں قرآن پڑھیں گے..اللہ کے کلام میں بڑی برکت ہوتی ہے..دیکھئے گا...سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ بہت دکھ کے ساتھ بول رہی تھی۔اسے وسامہ کی حالت تکلیف پہنچا رہی تھی۔

معاویہ نے رخ بدلا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

http://kitaabghar.com

''میں طالب ماموں سے بات کرتا ہوں...اپنی ناراضگی ختم کریں۔...تم دونوں کا فلک بوس سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔''اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور بشام کے اونچے نیچے راستوں پر سفر شروع ہو گیا۔

☆......☆......☆

موبائل کی بیپ بج رہی تھی معاویہ کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔

چونک کر فون اٹھایا پھر آف کر کے سائیڈ پر پھینک دیا۔اسے وہ رات یاد آ رہی تھی جب وسامہ کی وجہ سے وہ اور آئے کت بہت دیر تک جاگتے رہے تھے۔

وسامہ نے اپنے بیڈروم میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔وہ تینوں آتش دان والے کمرے میں آ گئے تھے۔وسامہ باتیں کرتا وہیں صوفے پر سو گیا تھا۔آئے کت نے اس پر لحاف پھیلا دیا۔خود وہ دونوں آتش دان کے قریب بیٹھ گئے۔آتش دان میں الاؤ روشن تھا اور الاؤ کی روشنی سیدھی ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

''تم نے یہ کیوں کہا کہ ہمیں فلک بوس سے چلے جانا چاہیئے؟....یہاں سے نکل کر میں اور وسامہ کہاں جائیں گے؟...ہمارے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ ایک کرائے کا گھر ہی افورڈ کر سکیں۔''

''تم نے شائد پوری بات نہیں سنی..میں نے کہا تھا میں طالب ماموں سے بات کرتا ہوں،تم دونوں انکے گھر شفٹ ہو جانا۔'' معاویہ نے کہا۔

''تم جانتے ہو یہ ممکن نہیں ہے۔'' آئے کت نے تیزی سے کہا تھا۔''تمہارے ماموں کے نزدیک پسند کی شادی اتنا بڑا گناہ ہے کہ وہ کسی صورت وسامہ سے ناراضی ختم نہیں کریں گے۔''

''ضروری نہیں ہے۔''معاویہ کافی پر امید تھا۔

''ضروری ہے...'' آئے کت نے پھر جلدی سے کہا۔وہ دونوں وسامہ کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے دانستہ آوازیں دبا کر بول رہے تھے۔''

''ان کی ناراضگی اگر ختم ہونا ہوتی تو کم سے کم اس وقت ہی ہو جاتی جب وسامہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا..بیٹا ساری زندگی کے لئے ایک ٹانگ سے معذور ہو گیا..اور وہ اسے ایک نظر دیکھنے بھی نہیں آئے۔'' وہ بدگمان سی بول رہی تھی۔

''ان سب باتوں کا ذکر کم سے کم اس وقت مت کرو۔'' معاویہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''یہ جو کچھ وسامہ کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے انہی سب باتوں اور رویئوں کا ہاتھ ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ...'' معاویہ کشنز کے سہارے نیم دراز تھا اس نے سر کے پیچھے ہاتھوں کا چھجا سا بنا رکھا تھا۔روشن دان کی چھنتی ہوئی

لکڑیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

”مطلب یہ کہ وسامہ بہت جذباتی انسان ہے۔عام سے عام بات کو بھی اتنی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ بعض دفعہ حیرت ہونے لگتی ہے کہ کوئی اتنا کیسے سوچ سکتا ہے...مجھے لگ رہا ہے طالب ماموں کی ناراضی کو اس نے دماغ پر سوار کر لیا ہے۔...ہوسکتا ہے ان کی ناراضی ختم ہونے کا خیال اس کی ذہنی رو بدل دے۔“

آئے کت نے جواب نہیں دیا خاموش ہوگئی۔

”اچھا تم بیٹھو..میں ذرا اوپر آیوشمتی سے مل کر آتا ہوں۔“ معاویہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“ آئے کت کو جھٹکا لگا۔

”مذاق کر رہا ہوں۔“ معاویہ ہنس پڑا تو آئے کت بھی اپنے ری ایکشن پر جھینپ کر مسکرا دی۔

”ذرا اوپر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں“

”اس وقت مت جاؤ معاویہ!“ آئے کت نے بے ساختہ کہا۔

”یعنی تمہیں بھی لگتا ہے آیوشمتی مجھے پکڑ لے گی۔“ اس نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔

آئے کت جھینپ کر ہنسی۔”یہ مطلب نہیں تھا میرا۔“

”میں آتا ہوں پھر...صبح سارے ملازموں کو بھی اکھٹا کرو..ویسے تو مجھے یقین ہے وسامہ کے ذہن پر ماموں کی ناراضگی کا اثر ہو رہا ہے لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو مجھے اس کی تہہ تک پہنچنا ہے۔“

کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

کیف چلا گیا اور اپنے ساتھ گھر کی رونق بھی لے گیا۔

لیکن خوش نصیب خوش تھی اسے کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ایک صبح بیدار ہوئی تو روشن امی نے کہا۔

”اپنا اور ماہ نور کا جتنا سامان اس کمرے میں ہے سمیٹ لو..اور سنو اماں کی دوائیاں احتیاط سے اٹھانا۔اتنی مہنگی دوائیاں ہیں ایک بھی شیشی ٹوٹ گئی تو خریدنے کے لئے اگلے مہینے کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

”سامان کیوں سمیٹنا ہے؟...ہمیں بڑا کمرہ دے رہے ہیں تایا جان؟“ اس نے ایک دم سے خوش ہو کر پوچھا تھا۔بڑے کمرے میں جا کر رہنے کا خواب کئی سال پرانا تھا۔

”بڑے کمرے میں نہیں جا رہے...“ روشن امی نے حسب معمول عام سے لہجے میں بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔”ہم اوپر والے پورشن میں جا رہے ہیں۔بھائی صاحب نے چھت والا کمرہ ہمیں دیا ہے۔“

http://kitaabghar.com

''اوپر والا پورشن...چھت والا کمرہ...''خوش نصیب کو شدید صدمہ پہنچا۔

چھت پر تو صرف ایک کمرہ ہے امی!..اور اس میں تو طوطے بھائی کے کبوتر رہتے ہیں۔''

''اسی کمرے کی بات کر رہی ہوں!''

''تو کبوتر کہاں جائیں گے۔''جرح کا آغاز ہوا۔

''کبوتروں کا کیا ہے؟...ڈربے میں رکھ دیں گے۔کمرہ صاف ہو جائے گا۔''

''یعنی ایک گندے کمرے سے نکال کر ہمیں دوسرے گندے کمرے میں بھیجا جا رہا ہے؟''وہ غصے میں آ گئی۔

''اب کسی بے تکی بحث کو شروع مت کرنا خوش نصیب!...''وہ ذرا جھنجھلا کر بولیں۔''اس کمرے کی ضرورت ہے ان لوگوں کو......فضیلہ کے کوئی دور پار کے رشتہ دار آ رہے ہیں۔وہی یہاں ٹھہریں گے.....اگر ہم کسی کے کام آ جائیں تو آخر اس میں برائی کیا ہے؟''

خوش نصیب جانتی تھی وہ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے باتوں میں الجھا رہی تھیں۔مشکل زندگی کو آسان بنانے والے راستے دکھا رہی تھیں۔

لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔بچپن سے لیکر اب تک روشن امی نے اسے اور ماہ نور کو اپنا دل مار کر دوسروں کی رضا میں راضی رہنا سکھایا تھا۔لیکن خوش نصیب ان کی باغی بیٹی تھی جو بات ایک عام بچے کو سمجھانا آسان ہوتا تھا اس کو سمجھاتے ہوئے وہ بھی دردِ سر بن جاتی تھی۔

''ان سے کہیں کبھی ہمارے کام بھی آ جایا کریں۔''

''تم سامان سمیٹنا شروع کرو..ماہ نور کچن میں برتن دھو رہی ہے....''

''میں نہیں سمیٹ رہی...پہلے مجھے تایا جان سے بات کرنے دیں۔''اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

''ان سے کیا بات کرو گی؟''روشن امی اس کا ارادہ بھانپ کر ٹھٹھک گئیں۔

''یہی کہ ہمیں کوئی بہتر کمرہ دیا جائے..''

''گھر میں خالی کمرے ہیں ہی کتنے خوش نصیب؟ کہ ہمیں دیا جائے؟''

''کمرہ خالی بھی تو کروایا جا سکتا ہے...آخر ہم بھی تو خالی کریں گے تبھی تو فضیلہ چچی کے مہمان ٹھہریں گے۔''اس کے پاس جواب تیار تھا۔

''کمرہ خالی کرنے کا فضیلہ نے نہیں کہا صابر بھائی صاحب نے کہا ہے۔وہ بڑے ہیں ان کی بات ٹالی تو نہیں جا سکتی۔''

''تایا جان سربراہ ہیں اس گھر کے..جب وہ فضیلہ چچی کے مہمانوں کے لئے ہمارا کمرہ خالی کروا سکتے ہیں تو ہمارا خیال کبھی کیوں نہیں آیا روشن امی!؟''

''غلطی ہو گئی مجھ سے جو سامان سمیٹنے کا تمہیں کہہ دیا..''وہ اپنا سر پکڑ کر بولیں۔''ماہ نور کو کہتی تو اب تک آدھا کام ہو بھی چکا ہوتا۔''

''روشن امی! یہ زیادتی ہے...'' پہلے غصہ، پھر ناراضی اور اب بے بسی کا احساس۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔

''طوطے بھائی کے کبوتروں کو نہیں... دراصل ہمیں ڈربے میں منتقل کیا جا رہا ہے...''

''ارے آواز آہستہ رکھو... کوئی سن لے گا تو مصیبت ہو گی۔'' وہ گھبرا گئیں۔

''سنتا ہے تو سنے...'' وہ روتے روتے زور سے بولی۔ ''جب تایا جان اوپر والے کمرے کی بات کر رہے تھے تو آپ کو احتجاج کرنا چاہیئے تھا.. ہم کیوں اپنا کمرہ چھوڑیں؟''

''میں احتجاج نہیں کر سکتی خوش نصیب!.. محتاجی میں سب سے پہلے زبان کو تالا لگانا پڑتا ہے، اعتراضات کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے.. میں تمہیں کس زبان میں سمجھاؤں... ان لوگوں کو ہماری ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیں ان کی ضرورت ہے... یہ چھت جو تمہارے بابا کے بھائیوں نے ہمیں دے رکھی ہے بہت بڑی غنیمت ہے... ان سے جھگڑا کریں گے تو سڑک پر رہنا پڑے گا اور سڑک پر رہنے والی عورت کی کوئی عزت نہیں کرتا۔''

خوش نصیب نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھا۔ ناراضی سے سر جھٹکا اور بھاگتی ہوئی باہر نکلی لیکن دروازے میں رک گئی اور پلٹ کر بولی۔

''میں اس مہمان کو یہاں سے بھگا دوں گی.. آپ دیکھیئے گا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔'' دھمکانے والے انداز میں کہتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ روشن امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

رات بھر بارش برسی۔ صبح نیویارک بیدار ہو کر پھر سے نکھرا ستھرا چاک و چوبند ہو گیا۔

سینٹ فرانسس کے کراس کلچرل سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے کیفے ٹیریا میں فی بی، منفرا، ایڈی، جین، ایرک اور ان کے کچھ مزید کلاس فیلوسر سے سر جوڑے بیٹھے اپنا اگلا پراجیکٹ ڈسکس کر رہے تھے۔ آخری تاریخیں سر پر تھیں اور ان میں سے کسی نے بھی اپنا کام پورا نہیں کیا تھا۔

اس روز سردی ضرورت سے کچھ زیادہ تھی منفرا نے اپنی لیدر جیکٹ کے ساتھ براؤن اونی ٹوپی پہنی۔ سلکی بالوں کی لیئرز کو چہرے پر دائیں بائیں پھیلی رہنے دیا تھا۔

اچانک بہت زچ ہو کر جین نے ہاتھ میں پکڑا پوائنٹر جرنل پر پھینک دیا اور اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

''اوہ گاڈ!... یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے... مجھے نہیں لگتا ہم ویکیشنز تک یہ پراجیکٹ مکمل کر پائیں گے۔''

''ایگزیکٹلی...'' پریتی نے کہا۔ ''اور اگر پراجیکٹ مکمل نہ ہوا تو ڈاکٹر ریمسن ہم سب کی بینڈ بجا دیں گے۔''

وہ سب ہی اس بات سے متفق تھے۔

''کاش! وہ دن آنے سے پہلے کوئی جن، بھوت یا بدروح مجھ پر بھی عاشق ہوجائے اور میں کچھ وقت کے لئے اس دنیا سے غائب ہوجاؤں۔'' ایرک نے منہ بنا کر کہا تھا۔

فی بی ہنسی۔''اب اگر تمہارے دوست کے کزن کی بیوی کو کوئی جن اٹھا کر لے گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا اتفاق ہوسکتا ہے۔''

اس بات پر کچھ لوگ ہنسے باقی سب نے تعجب کا اظہار کیا۔

''یہ کیا بات کر رہی ہو فی بی؟'' منفرا نے پوچھا۔

''ارے میں تو بھول ہی گئی...'' فی بی نے منفرا کو دیکھ کر شرارت سے کہا تھا۔''یہ بات منفرا کو بتانی چاہیئے تھی..اسے معاویہ شیرازی میں دلچسپی ہے اس کی کہانی میں بھی ہوگی۔''

''بکومت...مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس میں۔'' منفرا نے فی بی کی شرارت کو انجوائے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''کب تک چھپاؤ گی۔'' فی بی ہنس رہی تھی۔

''دلچسپی نہیں ہے تو اچھی بات ہے...ویسے بھی وہ اتنا suspicious (پراسرار) انسان ہے کہ کسی لڑکی کا اس میں دلچسپی نہ لینا ہی بہتر رہے گا۔''

''ایرک! منفرا کو اس کی کہانی تو سناؤ۔'' فی بی نے ٹھک سے سوفٹ ڈرنک کا کین کھولا اور ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر کہا۔''منفرا کو وہ اچھا لگتا ہے پھر وہ اس کا ہم وطن بھی ہے۔'' فی بی ابھی بھی شرارت سے باز نہیں آرہی تھی۔

منفرا نے اسے خاموش کروانے کے لئے ایک دھپ رسید کی تھی جواباً فی بی نے اپنا کین اسکی طرف بڑھا دیا۔

''ریئلی؟...ایرک سمجھا فی بی ٹھیک کہہ رہی ہے اس نے منفرا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔''اگر ایسی بات ہے پھر تو واقعی تمہیں معاویہ کی ساری حقیقت پتا ہونی چاہیئے...میں مبین سے اور پوچھونگا اس کے بارے میں۔''

''باقی سب بعد میں پوچھتے رہنا...ابھی جتنا پتا ہے وہ تو بتاؤ منفرا کو۔'' فی بی کا اصرار تھا۔

''منفرا ڈر جائے گی۔'' ایرک نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ بہادر لڑکی ہے۔'' فی بی شرارت سے مسکرائی۔

''پلیز ایرک اب بتا دو...کیونکہ جب تک تم بولو گے نہیں فی بی اسی طرح اصرار کرتی رہے گی۔'' منفرا نے مسکرا کر کہا تھا۔

''بھئی بات یہ ہے کہ معاویہ کی ہونے والی بیوی پر کوئی بدروح عاشق ہوگئی تھی...'' ابھی اس نے اتنا ہی جملہ بولا تھا کہ منفرا جو سوفٹ ڈرنک کا ایک بڑا سا سپ بھر چکی تھی اسے اتنے زور سے ہنسی آئی جسے روکنے کے چکر میں اسے بری طرح کھانسی آگئی۔ڈرنک کے کچھ چھینٹے سامنے میز پر گرے۔

http://kitaabghar.com

اب وہ کھانس رہی تھی اور ہنس رہی تھی بلکہ صرف وہ ہی نہیں باقی سب نے بھی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"کم آن یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے..." ایرک نے کہا۔ "تم سب مذاق سمجھ رہے ہو اور اس بیچارے کی پوری زندگی برباد ہو گئی۔"

"یہ کس دور کا انسان ہے بھئی... جس کی ہونے والی بیوی پر کوئی بد روح عاشق ہو گئی تھی..." ایک دوست نے کہا۔

"کہیں وہ بد روح کوئی پرانا ناکام عاشق نہ ہو۔" فی بی نے بھی محظوظ ہوتے ہوئے پوائنٹ دیا تھا۔ "اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بد روح وہ خود ہی ہو... کتنا پراسرار سا لگتا ہے وہ۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ایرک نے کہا۔ "اس بیچارے کی کہانی بہت افسوس ناک ہے۔... اسی بد روح کی وجہ سے معاویہ کے بھائی نے خودکشی کر لی تھی اور اس بھائی کی بیوی پاگل ہو گئی تھی... تم لوگوں کو ایسے مذاق نہیں اڑانا چاہیئے۔"

اب سب ہی ایک دم سے خاموش ہوئے۔ یہ دونوں باتیں ہی افسوس ناک تھیں۔

"مجھے افسوس ہوا... باقی کسی کا مجھے پتا نہیں لیکن مذاق میں ہرگز نہیں اڑا رہی... میں بس اس بد روح والی بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" منفرا نے ٹیبل پر رکھی اپنی فائلز سمیٹتے ہوئے کہا۔

"بلکہ میں حیران ہوں... اگر وہ لڑکا مسلم ہے تو ایسی باتوں پر کیسے یقین کر سکتا ہے۔"

"لیکن مسلمز کی کتاب میں نوری مخلوق کا ذکر ہے..." جین نے کہا۔ "مجھے یاد ہے بچپن میں جب ہم چرچ جاتے تھے تو فادر نے بتایا تھا۔"

"ہاں قرآن پاک میں نوری مخلوق کا ذکر ہے... لیکن اس نوری مخلوق سے مراد جن ہیں بد روح نہیں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "اللہ نے جیسے اچھے اور برے انسان بنائے ہیں ٹھیک ویسے ہی اچھے اور برے جن بھی بنا دیئے ہیں... لیکن چونکہ دنیا انسانوں کے لئے بنائی گئی تھی اس لئے انسانوں کو برے جنوں کے شر سے بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔"

"میری دادی کہتی تھیں جن آتماؤں کو اپنی کسی کوتاہی کی وجہ سے مکتی نہیں ملتی وہ پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔" پریتی ملہوترا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے معاویہ کی بیوی پر بھی کوئی ایسی ہی آتما عاشق ہو گئی ہو۔" فی بی نے پھر نیم سنجیدہ انداز میں کہا تھا۔

"ساری بات اعتقاد کی ہے۔" منفرا نے کہا۔ "میری مام کہتی ہیں۔ دنیا میں ہر وہ چیز موجود ہے جس پر آپ یقین رکھتے ہیں...... خیر یہ ایک لمبی بحث ہے... اور مجھے ابھی کلاس اٹینڈ کرنی ہے۔"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر کی طرف چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب رو کر گھر سے نکلی تھی بلا وجہ چلتی چلی گئی۔

ناراضگی اتنی شدید تھی کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔رو چکی تھی اب رونے کی خواہش نہیں تھی لیکن سینے میں سسکیاں سی ڈوب ابھر رہی تھیں۔ بس نہ چلتا تھا کچھ کر ڈالے۔کچھ ایسا کہ دل کو سکون ملے۔

چھوٹی چھوٹی گلیوں سے نکلی تو سامنے بیری والے پیر کا مزار آ گیا۔خوش نصیب کو کوئی کام تو نہیں تھا پھر بھی سر پر دوپٹہ رکھا۔جوتی اتار کر مزار کے اندر گئی۔صحن میں چاروں طرف پیروں فقیروں کا ڈھیر لگا تھا۔کہیں تعویذ گانٹھ کر دیئے جا رہے تھے اور کہیں جادوئی پانی کا استعمال سمجھایا جا رہا تھا۔کہیں چینی اور نمک کی پڑیاں شوہر قابو کرنے،اور ساس نندوں کے کس بل نکالنے جیسے تیر بہدف نسخوں کے طور پر بانٹی جا رہی تھیں۔خوش نصیب سیدھی بابا جی کی قبر کے سامنے گئی۔فاتحہ پڑھی۔باہر آ کر مرکزی دروازے کے دائیں بائیں لگے بیری کے درختوں سے مٹھی بھر میٹھے بیر توڑے اور ایک بار پھر چل پڑی۔

کہیں چلی،کہیں رکی۔دل سے عناد البتہ نہ نکل سکا تب تھک کر فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھ گئی۔جو اللہ سے شکوے شکایتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رکنے کا نام نہ لیا۔اسی اثنا میں کالی vitz سامنے آ کر رکی۔

خوش نصیب کا دل جلا ہوا تھا گاڑی پر دھیان نہ دیا۔پہلے وہ منتظر رہا پھر جب دیکھا وہ منہ بسورے بیٹھی ہے تو باہر نکل آیا۔

پاس آ کر کھنکھار کر گلا صاف کیا۔خوش نصیب متوجہ ہوئی تو وہ خوشدلی سے بولا۔

''ہیلو۔''

''ارے آپ؟....''وہ اپنی جگہ سے بے ساختہ کھڑی ہوئی۔

''آج کیا آپ راستہ بھول گئی ہیں؟''وہ ہنس کر پوچھ رہا تھا۔

خوش نصیب نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آیئے میں ڈراپ کر دیتا ہوں؟''

''نہیں شکریہ....میں چلی جاؤنگی۔''

''اچھا..''وہ مایوس سا ہو گیا۔''میں نے سوچا تھا آپ ساتھ ہونگی تو میری گاڑی نکلوا دیں گی...اتفاق سے میں آج پھر راستہ بھول گیا ہوں۔''اس نے خفیف سی شرارت کے ساتھ کہا تھا۔

خوش نصیب کو بھی ہنسی آ گئی۔''آخر آپ کو جانا کہاں ہے جو ہر دوسرے روز یہاں گاڑی پھنسا کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''کچھ کام ہوتا ہے یہاں...لیکن اللہ بھلا کرے کیف جیسے لوگوں کا...جو صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

کیف کے ذکر پر خوش نصیب کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''...لیکن خیر چلتا ہوں...کوئی نہ کوئی تو کیف کے جیسا نرم دل انسان مل ہی جائے گا...''وہ گاڑی کی طرف مڑا پھر بولا۔''بائی دا

وے آئی ایم شامیر..."

خوش نصیب نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔اسے تو مخملیں گاڑی سے غرض تھی وہ خود شامیر تھا یا شاہ میر..کسے پرواہ تھی۔

☆......☆......☆

میں آیو شمتی ہوں۔

اور لوگ سمجھتے ہیں میں ان کا وہم ہوں۔

ایک غلط فہمی۔

میں ان کو چھو کر گزروں تو ہوا کی سرسراہٹ۔

بات کروں تو سانپ کی پھنکار۔

کسی چیز کو گرا کر متوجہ کرنا چاھوں تو دہشت کا منبر۔

فلک بوس کے باسی...مجھ سے ڈرتے ہیں،خوف کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تو وہ بھی مجھے نظر نہیں آتے۔

حالانکہ میں وہ ہوں..جو ان کے رازوں کی امین ہوں۔

میں نے وہ سب سنا جو کسی نے نہیں سنا۔میں نے وہ سب دیکھا جو کبھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا گیا اور کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیا۔

وہ میری کہانیاں نگر نگر بیان کرتے ہیں لیکن میں نے ان کے راز آج تک فاش نہیں کیے۔

کیوں نہیں کیا؟...پتا نہیں...شائد اس لئے کیونکہ میں آیو شمتی ہوں...ہمیشہ زندہ رہنے والی...اور زندہ رہنے کے لئے بڑے کشٹ اٹھانے پڑتے ہیں۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

اس روز جب سورج طلوع ہوا اور سورج کی کرنیں بشام کے پہاڑوں کی اوٹ سے فلک بوس کی اونچی چمنیوں سے ٹکراتی ہوئی نیچے اتریں اور تالاب کے پانی پر نازک قدموں سے رقص کرنے لگیں تو چند کرنیں کھڑکی کے شیشے سے چھلانگ لگا کر اندر داخل ہوئیں اور صوفہ کم بیڈ پر بے سدھ سوئے ہوئے وسامہ کے چہرے پر کھیلنے لگیں۔

وسامہ پچھلی رات بہت پرسکون ہو کر سویا تھا۔ کرنوں کی شرارت سے وہ کسمسایا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے پردے کی درز سے ایک روشن چمکدار دن اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ صبح دم کی تازگی لئے مسکراتا ہوا اٹھ کر بیٹھا۔ پچھلے دو روز کے پریشان کن واقعات کی یاد ابھی اس کے ذہن میں تازہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے خوب بازو پھیلا کر رات کی تھکن اتاری۔ انگڑائی لیتے ہوئے اس کی نظر آئے کت پر پڑی۔ وہ ایک سنگل صوفے پر سمٹی سمٹائی سی سو رہی تھی۔ سر ایک طرف کو لڑھکا ہوا تھا۔ گرم لحاف کا کچھ حصہ آئے کت کے گرد لپٹا تھا اور کچھ سرکتا ہوا نیچے غالیچے پر پھیل گیا تھا۔

وسامہ کو ایک دم سے وہ تمام واقعات یاد آئے جو پچھلی دو راتوں میں اس پر بیتے تھے۔ اس یاد کے نقوش کے ساتھ اس کا دل سہم گیا اور اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکیوں کے پردے اگرچہ برابر تھے لیکن کمرے میں دن کا اجالا پھیل چکا تھا اور وہاں صرف دو نفوس تھے وہ اور آئے کت۔ آتش دان میں رات بھر لکڑیاں سلگ سلگ کر راکھ بن چکی تھیں اور اب ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی تھی۔

آہستہ آہستہ اس کا ڈر ختم ہونے لگا۔ دن کی روشنی میں یوں بھی یہ احساس کم رہتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ پیر نیچے رکھے سرہانے کی سائیڈ پر رکھی بیساکھی اٹھا کر ٹانگ سے جوڑی اور بنا آواز چلتا ہوا کھڑکی تک آ گیا۔

باہر دن پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ وسیع و عریض باغیچہ اور اس کے پیڑ پودے مسرور سے دکھائی دیتے تھے۔ تالاب کے وسط میں اپنے پنکھ پھیلائے سفید پری سنہری دھوپ کا لطف لے رہی تھی۔ یہاں سے دور فلک بوس کے مرکزی پورٹیکو میں معاویہ ملازمین کو اکٹھا کیے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ نائیٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ موسم کے پیش نظر اس نے وسامہ کی لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں موٹی چھڑی تھی۔ یہ ایسی ہی ایک چھڑی تھی جو جنگل کی طرف جاتے ہوئے وہ سب جنگلی جانوروں کے حملے کے پیش نظر احتیاطاً پکڑ لیتے تھے۔ معاویہ صبح خیز لوگوں میں سے نہیں تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ وہ اتنی صبح کیسے بیدار رہا ہوا اور جنگل کا چکر بھی لگا آیا تھا۔

وسامہ نے وہاں سے دھیان ہٹایا اور پردے کی درز کو برابر کر کے واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ بیساکھی کا بکل اس نے ڈھیلا کر دیا تھا اور اب ٹانگ پھیلا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ وہ کمرے کی محرابی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ رونما ہونے والے تمام تر واقعات پر غور کرنے لگا۔

☆......☆......☆

بیری پیر کے مزار کی کرامات یوں تو دور دور تک مشہور تھیں لیکن سب سے بڑی اٹریکشن وہ کھٹے میٹھے بیر تھے جن کے درخت

مزار کے بڑے محرابی دروازے کے دائیں بائیں لگے ہوئے تھے۔

زائرین جوق در جوق آتے، دربار میں داخل ہونے سے قبل دائیں ہاتھ والے بیری کے درخت کے نیچے بیٹھے پھولوں والے سے پھولوں کی پتیاں، حسب حیثیت قبر پر چڑھانے کی چادر، نیاز کی بوندی اور مکھانے خریدتے۔ پھر بائیں ہاتھ والے بیری کے نیچے اپنی اپنی چپلیں اتار کر ٹوکن لیتے اور با آواز بلند قبر میں سوئے ہوئے بابا جی کو سلام کرتے اندر داخل ہو جاتے۔ اندر دربار کا کھلا اور وسیع احاطہ تھا۔ جہاں فقیروں اور زائرین کا ملا جا سا رش لگا ہوتا۔

اب آنے والے لائن سے چلتے ہوئے آتے جاتے قبر کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے، رو رو کر گڑگڑا کر اور کچھ تو باقاعدہ قبر کو سجدہ کرتے ہوئے قبر میں استراحت فرما رہے بابا جی سے اپنی خواہش پوری کرنے کی ڈیمانڈ کرتے۔ پھر چادر چڑھاتے، قبر کے متولی کو چپکے سے نذر کے پیسے پکڑاتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ باہر نکل جاتے۔ احاطے میں فقیروں کے درمیان بوندی اور نمک پاروں کی نیاز تقسیم کی جاتی۔ اور باہر جاتے جاتے مٹھیاں بھر بھر کر بیروں سے جیبیں اور ساتھ لائے لفافے بھر لیے جاتے تھے۔

کہنے والے کہتے تھے کہ یہ بابا جی کی بابرکت کرامات کا نتیجہ ہے کہ سارا سال ان درختوں سے پھل ختم نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں وہ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ یہ جو بیر اتنے میٹھے ہیں یہ بھی بابا جی کی کرامات کا ہی نتیجہ ہے۔

خوش نصیب کو بیری والے مرحوم بابا جی سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی ان کی کسی کرامت پر وہ یقین رکھتی تھی اس کا سارا انٹرسٹ ان بیروں میں تھا جو ہر بار مزار کے سامنے سے گزرنے پر اسے للچانا شروع کر دیتے تھے۔

سو بیری پیر کے مزار سے اس کا پرانا دوستانہ تھا جو بچپن سے چلا آرہا تھا۔ اور جو اسوقت تک قائم رہنا تھا جب تک یہ بیر کے درخت یہاں موجود تھے۔ وہ سب انہی گلیوں میں کھیلتے کودتے شرارتیں کرتے بڑے ہوئے تھے۔ سب بچے یہاں مزار تک ریس لگاتے تھے جس میں بیشتر وقت وہ اور کیف ہی جیت جاتے کیونکہ ان دونوں کو ان پرانی اور تنگ چھوٹی گلیوں کے سارے شارٹ کٹس معلوم تھے۔ باقی بچوں کے یہاں پہنچنے تک وہ دونوں کچے بیروں سے جیبیں بھر لیتے اور پھر باقیوں کو تاک تاک کر مارتے۔

بچپن گزر گیا قیمتی یادیں چھوڑ گیا۔

واپسی پر خوش نصیب کے ذہن میں بہت سی باتیں گھوم رہی تھیں۔ گھر جانے سے پہلے اسے بیر چاہیئے تھے۔ گلی نمبر سات کے چوراہے پر فریحہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے اپنی امی اور بڑی بہن ثمرین کے ساتھ آرہی تھی۔ خوش نصیب کی بچپن کی سہیلی اور پڑوسن بھی تھی۔

”ارے خوش نصیب!...“

”ارے فریحہ!...“ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہو۔

http://kitaabghar.com

"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟" خوش نصیب نے مسکرا کر تینوں کو دیکھا۔

"ہم مزار والے بڑے بابا جی سے ثمرین باجی کے لئے تعویذ لکھوانے جا رہے ہیں۔" فریحہ ایکسائیٹمنٹ میں بتا گئی پھر فوراً ہی ثمرین پر نظر پڑی وہ دانت کچکچا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ فریحہ نے سٹپٹا کر پہلے تھوک نگلا اور جلدی سے بولی۔

"نہیں.. نہیں... ہم تو مزار پہ دعا مانگنے جا رہے ہیں۔" بہن کی ناراضی دیکھ کر جلدی سے بات بنائی تھی۔

"اب کیا فائدہ ایسے بولنے کا..." ثمرین نے تنگ کر کہا اور ماں سے آواز دبا کر بولی۔ "میں نے آپ سے کہا بھی تھا اس کو ساتھ لے کر نہ آئیں... خوش نصیب کے سامنے بول دیا ہے سارے محلے کو خبر مل جائے گی اب.."

خوش نصیب کو یوں بھی کان لگا کر بات سننے کا شوق تھا ثمرین نے آواز دھیمی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریحہ اگر خوش نصیب کی سہیلی تھی تو ثمرین کا یارانہ صیام سے تھا۔ جتنا صیام اسے ناپسند کرتی تھی اتنا ہی ثمرین بھی اس کے بارے میں ناپسندیدگی کے خیالات رکھتی تھی۔

"فکر نہ کریں ثمرین باجی! ارے محلے کو میں نہیں بتاتی صرف صیام کو بتا دونگی... وہ تو آپ کی دوست ہے... اسے تو پتا ہونا چاہیئے آپ تعویذ بنوا رہی ہیں۔" خوش نصیب نے سادگی سے کہا تھا۔

"ہائے اللہ... یہ غضب مت کرنا۔" ثمرین نے سٹپٹا کر کہا پھر جھنجھلا کر بولی۔ "تم تو سارے محلے میں اعلان کرو گی.. وہ تو پورے شہر کو ہی بتا دے گی۔" دوستی ضرور تھی لیکن دوستی سے جڑی ہوئی مخصوص قسم کا عناد اور مقابلے بازی کی فضا بھی خوب گرم رہتی تھی دونوں کے درمیان۔

"ارے جانے بھی دیں ثمرین باجی!..." خوش نصیب نے نرمی سے کہا۔ "کیا ہوا جو شکل سے ہی خرانٹ لگتی ہے لیکن دل کی اچھی ہے صیام۔"

"بڑی اچھی طرح جانتی ہوں میں اس دل کی اچھی صیام کو... مجال ہے جو کسی کی خوشی برداشت ہو جائے۔" خوش نصیب کی باتوں میں آ کر وہ بولتی چلی گئی۔ "مجھے تو پہلے ہی شک ہے صیام کی ہی نظر لگی ہے میری شادی شدہ زندگی کو..." وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"اب بس بھی کر دے ثمرین! تو تو پورا دفتر ہی کھول کر بیٹھ گئی ہے..." اماں جھنجھلا کر بولیں پھر خوش نصیب سے کہنے لگیں۔

"اے بیٹی! تم اس بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا... اپنی چچی اور صیام کو جانتی ہو ناں.. واقعی پورے محلے میں مشہور کر دیں گی۔"

"فکر مت کریں خالہ! کسی سے نہیں کہونگی۔" وہ ہنسی اور شرارت سے ثمرین باجی کو دیکھ کر بولی۔ "وہ تو میں ثمرین باجی کو تنگ کر رہی تھی۔"

ثمرین نے "ہونہہ" کر کے منہ موڑ لیا۔

خوش نصیب اور فریحہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ پھر خوش نصیب نے کہا۔

"میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں... مجھے مزار پہ جانا ہے۔"

''ہاں ہاں ..کیوں نہیں۔'' اماں نے کہا لیکن ثمرین اس بات سے خوش نظر نہیں آ رہی تھی اس نے ناک چڑھالی اور خوش نصیب کو گھور کر اماں کے ساتھ آگے آگے چل دی۔

''تمہاری بہن کی ناک میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' پیچھے آتی خوش نصیب نے بڑی ہمدردی سے فریحہ سے پوچھا تھا۔

''نہیں ..مسئلہ نہیں ہے...اس کی by default سیٹنگ ہی ایسے ہوگئی ہے کہ ناک ہر وقت چڑھی ہوئی لگتی ہے۔'' فریحہ نے بھی اسی کے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے زور سے ہنس پڑیں۔

☆......☆......☆

یہ چند مہینے پہلے کی بات ہے جب وسامہ نے فلک بوس میں عجیب وغریب اثرات کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

ایک شام فلک بوس کے اندرونی حصوں میں دیکھ ریکھ کے خیال سے گشت کرتے ہوئے اسے بہت تیز بدبو کے بھبھکوں نے رکنے پر مجبور کر دیا۔ اسے سخت ناگواری محسوس ہوئی لیکن بدبو کی سمت کا تعین کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نے ملازم لڑکے پاشا کو بلوا کر تحقیق کروائی تو پتا چلا یہ بدبو تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے سے آ رہی ہے۔ کچھ اور تحقیق کی گئی تو انہیں مری ہوئی گلہریوں کا ایک ڈھیر ملا جن کے جسم اس وقت تک گل سڑ چکے تھے اور بدبو پیدا کر رہے تھے۔ یہ ایسا کراہیت والا منظر تھا کہ وسامہ کا دل برا ہوگیا اس نے بمشکل خود کو ابکائی لینے سے روکا اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

''یہ کیا ہے؟... یہاں کتنے عرصے سے صفائی نہیں ہوئی پاشا؟'' وسامہ نے ناگواری سے کہا۔

''مجھے اس بارے میں پتا نہیں صاحب!... آپ جانتے ہیں میں کل ہی شہر سے آیا ہوں۔'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''کبیر بابا کو بلاؤ۔'' وسامہ نے ہیڈ سرونٹ کا نام لیا جو پاشا کے والد بھی تھے۔

''وہ شہر گئے ہوئے ہیں...دو دن بعد ان کی واپسی ہے۔'' پاشا نے وسامہ کے ناپسندیدگی والے تاثرات دیکھ کر ذرا احتاط لہجے میں کہا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ صاحب کا موڈ خراب ہو چکا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ فلک بوس میں رہائش اختیار کرنے کے بعد سے یہ جگہ وسامہ کی ذمہ داری تھا اور اپنے تئیں وہ یہ ذمہ داری بہ احسن نبھا بھی رہا تھا لیکن صفائی کا ناقص انتظام دیکھ کر اسے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

پاشا سے وسامہ نے وہ جگہ صاف کرنے کے لئے کہا ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ جب تک وہ یہاں ہے صفائی ستھرائی کے کاموں کی نگرانی کرے۔ پاشا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔

مری ہوئی گلہریوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔ فنائل چھڑک کر تہہ خانے کا راستہ صاف کیا گیا اور تیز خوشبو وہاں چھڑکی گئی تاکہ دوبارہ یہاں سے گزرتے ہوئے ناگواری محسوس نہ ہو۔

لیکن اتنی اچھی خوشبو کے باوجود وسامہ کا موڈ ٹھیک نہ ہوسکا۔ آئے کت نے اس بارے میں دریافت کیا تو وسامہ نے سارا قصہ من عن اس کے گوش گزار کر دیا۔ ساری بات سن کر آئے کت کو ناگواری محسوس ہوئی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

"یخ..." اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں بھی سوچ رہی تھی تہہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اتنی گندی سمیل کیوں آتی ہے۔"

"تم تہہ خانے میں گئی تھی؟..."

"ہرگز نہیں..." آئے کت نے فوراً کہا۔ "تم جانتے ہو میں کبھی وہاں اکیلی جانے کی غلطی نہیں کرتی..فلک بوس کے اس حصے میں عجیب سی وحشت ہوتی ہے مجھے۔" اس نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا تھا۔

وسامہ اس کے انداز پر ہنسا۔ "ڈرپوک..."

"ڈرپوک ہوں تو ڈرپوک ہی سہی..." وہ کندھے اچکا کر لیکن لاپرائی سے بولی۔ "لیکن اکیلی تہہ خانہ تو کیا فلک بوس کے کسی حصے میں گھومنے کی ہمت نہیں کر سکتی میں.."

"ارے ایسی کیا بات ہے یہاں؟"

"اتنی پرانی عمارت ہے یہ...اور بہت عرصہ غیر آباد بھی رہی ہے...سنا ہے ایسی جگہوں پر بھوت پریت، روحیں بسیرا کر لیتی ہیں... اگر کسی روز کوئی جن میرے سامنے ہی آ کر کھڑا ہو گیا تو میں تو ایک منٹ میں بے ہوش ہو جاؤنگی۔" آئے کت نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا لیکن وسامہ چونک سا گیا۔

اسے بے ساختہ بچپن میں سنی ہوئی اس ہندو عورت کی کہانیاں یاد آئی تھیں جسے ڈیڑھ سو سال پہلے فلک بوس کے تہہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ قتل کا سبب اس عورت کے کردار کا داغدار ہونا تھا اور افواہ مشہور تھی کہ اس عورت کی روح قلعہ فلک بوس میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ گو کہ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں تھا نہ ہی کسی نے اب تک اس عورت کو فلک بوس میں پھرتے دیکھا تھا۔ کچھ من گھڑت سی افواہیں تھیں جو مقامی آبادی کے لوگ ہمیشہ سے فلک بوس کے بارے میں سناتے رہے تھے۔

وسامہ کو ان افواہوں پر کبھی بھروسہ نہیں آیا دراصل اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ زندگی میں ہم بہت ساری چیزوں اور باتوں پر اس وقت تک غور نہیں کرتے جب تک ان سے واسطہ نہیں پڑ جاتا تو یہ بھی اس کے لئے ایک ایسی ہی بات تھی۔ لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرنے کے بعد روحوں کے دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے کے فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔

اس وقت اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو رفع دفع کر دیا۔ کبیر بابا کی واپسی دو دن بعد ہوئی اور وسامہ کے باز پرس کرنے پر کبیر بابا نے کہا۔

"اس گندگی کی یہاں وجودگی حیران کن بات ہے کیونکہ کوئٹہ جانے سے پہلے میں نے اپنی نگرانی میں صفائی کروائی تھی..." بابا کبیر نے الجھن زدہ انداز میں کہتے ہوئے اس جگہ کو دیکھا جہاں مری ہوئی گلہریوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

"ممکن ہے آپ اس حصے کو صاف کروانا بھول گئے ہوں۔" وسامہ نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھ سے ایسی کوتاہی سرزد نہیں ہو سکتی..." بابا کبیر نے کہا۔ "میں ہر ہفتے نیچے وادی سے لوگوں کو اجرت پر بلوا کر قلعے کی صفائی

کرواتا ہوں..وہ سب میری پہچان کے لوگ ہیں لیکن چونکہ انہیں دنوں کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے تو ان کے کام کی نگرانی بھی میں کڑی کرتا ہوں...کوئی حصہ مجھ سے نظر انداز ہو جائے...ایسا ہو نہیں سکتا۔" اس نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

"قلعہ اتنا بڑا ہے بابا!...کئی پوشیدہ راستے اور راہ داریاں ہیں یہاں..ہو سکتا ہے آپ کی نظر چوک گئی ہو۔" پاشا نے کہا۔

"پاشا ٹھیک کہہ رہا ہے..." وسامہ نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔"فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں نے بھی کئی کمرے نہیں دیکھے... بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا تیسری منزل کی طرف جانے کے چار راستے ہیں۔"

اب وہ تینوں ہی الجھے ہوئے نظر آنے لگے۔پھر پاشا نے کہا۔

"بابا! جب تک میں یہاں ہوں صفائی کی نگرانی میں کرونگا۔" اسے اپنے والد کی پریشانی کی فکر تھی سو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں پھر وسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔" آپ بےفکر ہو جائیں سر! دوبارہ آپکو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"شکایت کی بات نہیں ہے..بس میں اپنے اردگرد گندگی برداشت نہیں کر سکتا۔" وسامہ نے نرمی سے کہا لیکن اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔بابا کبیر معاویہ کے خاندان کے پرانے ملازمین میں سے تھے اور معاویہ بچپن سے ان سے بہت مانوس رہا تھا۔آئے کت اور وسامہ کے فلک بوس شفٹ ہو جانے کے بعد معاویہ کے ایماء پر بابا کبیر اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ یہاں آ گئے تھے۔خدمت گزاری کے لئے پچھلے دو سال سے یہ چھوٹا سا خاندان ان کے ساتھ فلک بوس میں موجود تھا۔

وسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا"اسی لئے میں اس روز غصے میں کچھ زیادہ بول گیا تھا...جبکہ یہ مقامی بچوں کی شرارت بھی ہو سکتی ہے...چوکیدار بتا رہا تھا بہت شریر بچے ہیں اس علاقے کے۔"

اب وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ان کے پیچھے تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے کی راہداری کچھ دیر ان کے جوتوں اور باتوں کی آواز سے گونجتی رہی پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔

اگلے دن سے فلک بوس کی صفائی ستھرائی کا کام مزید جانفشانی سے ہونے لگا اور وسامہ کے نزدیک بات ختم ہو گئی۔لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔پریشان کن واقعات کا ایک سلسلہ تھا جو مری ہوئی گلہریوں کے اس ڈھیر سے شروع ہو چکا تھا۔

لیکن مری ہوئی گلہریوں کا ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں تھی۔فلک بوس سے چند کوس دور بشام کا جنگل تھا۔جنگل گھنا تھا اور وہاں پہاڑی جنگلی جانور بھی پائے جاتے تھے لیکن وہ کوئی ایسے خونخوار جانور نہیں تھے کہ ان کے خوف سے انسان ڈر کر گھر میں دبک کر بیٹھ رہے یا جنگل کی طرف جانا ہی چھوڑ دے۔ڈیڑھ سو سال پہلے جب فلک بوس کے اصلی مالک نواب صاحب یہاں رہائش پذیر رہے ہونگے ممکن ہے اس دور میں خونخوار جنگلی جانوروں کی دہشت پھیلی رہی ہو غالباً اسی لئے فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً دس فٹ اونچا جنگلہ لگا کر جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لئے پیش بندی کر دی گئی تھی۔اس کے باوجود بدلتے موسموں خصوصاً برسات کے دنوں میں جنگلی چوہے اور گلہریاں اندر گھس آتے تھے۔اور وافر مقدار میں خوراک نہ ملنے کے باعث یا کبھی باہر نہ نکل پانے کی وجہ سے اندر ہی دم توڑ

http://kitaabghar.com

دیتے تھے۔اس لئے مری ہوئی گلہریوں کا ملنا کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی۔انہونی ان گلہریوں کے کٹے ہوئے سر اور منہ تھے جو کم و بیش ایک ہی انداز میں کٹے ہوتے تھے۔دوسری اہم بات یہ تھی کہ مرے ہوئے یہ چھوٹے جانور وسامہ کو ہی ملتے تھے۔آئے کت اور فلک بوس کے چند ملازمین میں سے کبھی کسی نے آکر مری ہوئی گلہری یا چوہے کے ملنے کی نشاندہی نہیں کی تھی۔

پہلے پہل وسامہ نظرانداز کرتا رہا لیکن جب یہ واقعات بڑھے تو وسامہ چونک گیا۔اب گلہریوں کے جسم گلے سڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے جسم پر خون بہہ بہہ کر خشک ہو چکا ہوتا تھا۔وسامہ کا قیاس تھا ضرور فلک بوس میں کوئی جنگلی کتا یا بلی گھس آتی ہے اور درختوں پر پھدکتی گلہریوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔

ایک روز وہ اور آئے کت لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔موسم خوشگوار تھا اور گھاس خوب چمک رہی تھی۔جب آئے کت ایک چھوٹی سی لیکن ہراساں چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔وسامہ بری طرح چونکا۔درخت کی کھوہ میں سر کٹی گلہری پڑی تھی اور کٹی ہوئی گردن سے بہتا ہوا خون کچی مٹی میں جذب ہو چکا تھا۔

”ڈرو مت آئے کت! یہ ضرور کسی بلی کا کام ہے۔“ وسامہ نے ادھر ادھر اپنے اندازے کی درستی کے لئے نظریں دوڑائیں۔

اس وقت تک آئے کت کا ڈر کم ہو چکا تھا۔اس نے فاصلے سے لیکن بغور گلہری کو دیکھا۔

”میرا نہیں خیال...بلی کا کام ہوتا تو وہ یوں گلہری کو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتی. آخری ہڈی بھی بھنبھوڑ کر رکھ دیتی...یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی درندے نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لئے اس بیچاری گلہری کا سر کاٹا ہو۔“ وہ پرسوچ انداز میں بول رہی تھی۔

وسامہ کا دل ایک منٹ کے لئے بری طرح سکڑ کر پھیلا۔اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔اب غور کرنے لگا تو آئے کت کی بات درست لگی۔

”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گلہریوں کا قتل آیوشمتی کر رہی ہو۔“ پاشا آئیوری کی باڑھ کے پیچھے سے نکلا۔وہ دونوں ابھی تک اس کی وہاں موجودگی سے ناواقف تھے۔

”تم یہاں کب آئے پاشا!!!؛ ہم نے تمہیں نہیں دیکھا۔“ آئے کت نے کہا۔

”میں پچھلی کیاری کی گوڈی کر رہا تھا...نیچے بیٹھا ہوا تھا اس لئے آپ کو نظر نہیں آیا۔“ پاشا نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کھرپی ان کے سامنے کی۔اس کے ہاتھ اور کھرپی مٹی میں لت پت تھے۔

”اور یہ تم کیا کہہ رہے تھے...گلہریوں کے بارے میں؟“

پاشا کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔”معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی...“

”کوئی بات نہیں...“ وسامہ نے کہا۔”لیکن تم کیا کہہ رہے تھے؟“ اسے تجسس ہو رہا تھا۔

”میں کہہ رہا تھا ہو سکتا ہے ان گلہریوں کو آیوشمتی مار رہی ہو...سنا ہے اس کی روح فلک بوس میں کئی سالوں سے بھٹک رہی ہے۔“

http://kitaabghar.com

"کیا کہہ رہے ہو تم؟..." آئے کت کو اس کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا اسی لئے اس نے پاشا کی بات کو مذاق میں لیا۔ دونوں میں سے کسی نے وسامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جس کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا۔

"اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں... الٹا سیدھا بولنے کی عادت ہے اسے۔" بابا کبیر کہیں سے برآمد ہوئے اور کہا۔ لیکن ساتھ پاشا کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ پاشا سٹپٹا گیا۔

"کہانی دلچسپ لگ رہی ہے.. مجھے سننے تو دو۔" آئے کت نے بابا کبیر سے کہا۔

"تمہیں ہر الٹی بات میں دلچسپی ہوتی ہے۔" اچانک وسامہ نے کہا اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ "چلو اندر چلتے ہیں... کبیر! مجھے دوبارہ کوئی مرا ہوا جانور یہاں نظر نہیں آنا چاہیئے۔" وہ اندر کی طرف مڑ گیا کسی نے بھی محسوس نہیں کیا کہ وسامہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا ہے۔

جس وقت وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک پہنچے لان میں کھڑے پاشا کو بابا کبیر سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

آئے کت نے دور سے ان دونوں کو دیکھا پھر وسامہ سے کہا۔

"اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے... مجھے اس عورت کے بارے میں اور جاننا تھا۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا تھا۔

"ہر چیز کے بارے میں جاننا ضروری نہیں ہوتا۔" وسامہ نے ناراضی سے کہا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو۔"

وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا آئے کت کے دل میں تجسس بیدار ہو چکا ہے۔ دو دن بعد وہ نیچے وادی میں گھومنے پھرنے گئی اور واپس آئی تو سنی سنائی کہانیوں کا ایک انبار تھا اس کے پاس۔

"یہاں تو آیو شمتی بہت مشہور ہے... تم نے بتایا ہی نہیں مجھے۔" وہ اپنی برساتی اتارتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔

آج بارش کا دن تھا۔ وقفے وقفے سے کئی بار بارش برسی اور رکتی رہی۔ ابھی بھی کن من جاری تھی اور ٹھنڈی ہوائیں کھڑکیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"یہ کس نے کہا تمہیں؟" وسامہ نے پوچھا

"نیچے وادی میں اکثر لوگ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اکثر رات کے اندھیرے میں آیو شمتی کی روح کو فلک بوس میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے... تمہیں دلچسپ بات بتاؤں.. وادی میں تو ایسی ایسی باتیں مشہور ہیں کہ لوگ ڈر کے مارے شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے بھی نہیں گزرتے... اور ایک لڑکا ہے سرخرو نام ہے اس کا... ایک رات اسے فلک بوس کے سامنے سے گزرنا پڑا تو آیو شمتی کی روح نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس بیچارے کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔" آئے کت اسے بتاتی چلی گئی۔

"سنی سنائی باتیں ہیں ساری... ورنہ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔" وسامہ نے اپنے دل کے ڈر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے ایک عورت تھی اور عورتیں فطری طور پر زیادہ ڈرپوک ہوتی ہیں۔ وسامہ نہیں چاہتا تھا کہ آئے کت ڈر جائے کیونکہ اس صورت میں ان دونوں کو فلک بوس سے جانا پڑتا اور وسامہ اسے کہیں اور لیکر نہیں جا سکتا تھا۔

http://kitaabghar.com

"میں نہیں مانتی۔۔۔" آئے کت نے کہا۔

"تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے... ہم اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہے ہیں.. ہمیں تو کبھی آیوشمتی نظر نہیں آئی"

"ہوسکتا ہے وہ ہمیں متوجہ کرنے کے لئے گلہریوں اور چوہوں کے سرکاٹ کر پھینکتی ہو۔"

"کیسی بیوقوفی کی باتیں کررہی ہو؟"

"اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آجکل وہ سامنے نہ آتی ہو...." آئے کت نے پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "ایک عورت بتارہی تھی آیوشمتی صرف غیر آباد دنوں میں نظر آتی ہے..یعنی جب کوئی یہاں رہائش پذیر نہ ہو تبھی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔"

"کچھ عجیب سی روح نہیں ہے...جسے اپنا دیدار کروانے کے لئے تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"وسامہ! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم ڈر رہے ہو؟" آئے کت نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وسامہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"are you sure؟" وہ شرارت سے باز نہیں آرہی تھی۔

"مجھے تنگ مت کرو آئے کت! مجھے آج یہ ڈرافٹ پورا کرنا ہے۔" اس نے زور دیکر کہا۔

لیکن جواب میں آئے کت زور سے ہنس پڑی۔ اسے پہلی بار پتا چلا وسامہ ایسی باتوں سے خوف کھاتا ہے۔ اور یہ بڑی دلچسپ بات تھی۔ اسے وسامہ کو چڑانے کا ایک بہانہ مل گیا تھا۔

☆......☆......☆

دربار پر معمول کا رش تھا۔

فریحہ کی امی اور بہن نے پھولوں کی دکان سے پھول اور چادر خریدی۔ نیاز کا سامان خریدا تب تک فریحہ اور خوش نصیب نے بیروں سے دوپٹوں کے پلو بھر لئے۔ فاتحہ اور چادر چڑھانے کے بعد وہ سب واپس مزار کے احاطے میں آ گئیں جہاں کئی فقیر سادھوں کا سا حلیہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک بابا جی کے آگے کئی زائرین جمع تھے۔ اماں اور ثمرین بھی لائن میں لگ گئیں۔ پیچھے فریحہ اور خوش نصیب تھیں۔ بیر کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ یہ طے کرنا مشکل تھا وہ بول زیادہ رفتار سے رہی ہیں یا کھا زیادہ تیز رہی ہیں۔

"خوش نصیب! تم تعویذ لکھوانے آئی ہو؟" اماں نے مڑکر پوچھا۔

"توبہ کریں خالہ جان! میری امی بہت برا مناتی ہیں ان باتوں کا۔"

"ہاں تمہاری ماں اور مزاج کی ہے...ورنہ تمہاری تائی چچی تو بہت مانتی ہیں ان بابا جی کو۔"

"ہاں جی... پتا ہے مجھے۔" اس کا دھیان بیروں کی طرف تھا۔

"اے میں تو کہتی ہوں تعویذ نہ سہی... دعا ہی کروالو.. بڑی تاثیر والی دعا ہے بابا جی کی۔۔" فریحہ کی امی ایسی اعلیٰ پرموشن کررہی

تھیں مذکورہ بابا جی کی کہ کوئی بھی ہوتا دعا کروانے پر مجبور ہو جاتا۔

خوش نصیب نے ہاں میں جواب دیا نہ ناں ہی کی۔ صرف بابا جی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں ان کی باری آ گئی۔ فریحہ کی امی اور ثمرین بابا جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر مؤدبانہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ فریحہ نے بھی گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔ پھر خوش نصیب کے ساتھ پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تم سلام نہیں کرو گی؟"

"کیا تو ہے..."

"چچ... گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر کرو ناں.. ورنہ بابا جی برا منا جاتے ہیں۔" فریحہ نے آواز دبا کر کہا۔

"مناتے ہیں تو منائیں۔" خوش نصیب نے بابا جی کو دیکھتے ہوئے ناک چڑھا کر اور آواز دبا کر کہا۔ "میری روشن امی کو پتا چلا کہ میں نے کسی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا ہے تو وہ میرے ہی گھٹنے کاٹ دیں گی..." پھر اور فریحہ کے کان میں گھس کر بولی۔

"شکل سے لگتی نہیں ہیں... لیکن بڑی جلاد صفت ہیں۔ مجھے اور ماہ نور کو انہوں نے ایسے پالا ہے کہ کیا ہلاکو خان نے اپنے بچے پالے ہونگے۔"

"اچھا سر تو ڈھک لو..." فریحہ نے پھر کہا اس کا خون نہ جانے کیوں خشک ہوا جا رہا تھا۔

"یہ پلو میں بیر ڈالے ہوئے ہیں ناں... ان کے وزن سے دوپٹہ ٹک نہیں رہا۔" اس نے عذر دیا۔

"ایسے نہ کرو خوش نصیب! بابا جی برا منا جاتے ہیں۔" اس نے بیچارگی سے کہا۔

"ارے کمال ہے... بڑے نازک مزاج بابا جی ہیں... ہر بات پر برا منا جاتے ہیں۔" اس نے کس کے دوپٹہ اوڑھ لیا۔

ثمرین رو رو کر بابا جی کو اپنی غم کی داستان سنا رہی تھی۔

"میری ساس اور نندیں بڑی سخت مزاج کی ہیں... ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی اور انہوں نے میرے شوہر کو میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے... ہائے بابا جی!... (یہ لمبی دہائی تھی دردناک) ایسے ہی حالات رہے تو "وہ" مجھے اپنے ساتھ دبئی لیکر نہیں جائیں گے۔" اسے بڑا رونا آ رہا تھا۔

ثمرین نے افسردگی سے خوش نصیب کو دیکھا۔

"ثمرین کا مسئلہ بہت بڑا ہے... آجکل سارا وقت روتی رہتی ہے.. اگر بابا جی کو کوئی بات بری لگ گئی تو ہرگز تعویذ لکھ کر نہیں دیں گے اور تعویذ نہ ملا تو ثمرین کے مسئلے کبھی حل نہیں ہونگے..."

وہ خود بھی اتنی افسردہ لگ رہی تھی کہ خوش نصیب نے مزید کس کر دوپٹہ لے لیا۔

"اللہ پہ بھروسہ رکھو فریحہ!... میری روشن امی کہتی ہیں یہ سب کمزور ایمان کی باتیں ہوتی ہیں..."

''اچھا پلیز.. تم اپنا درس یہاں مت شروع کرو..'' فریحہ نے اسے منت سے ٹوک دیا۔ خوش نصیب کے لئے خاموش رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا لیکن اسوقت خاموش رہنا مجبوری بھی تھی سو دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی۔ لیکن اب اس نے بابا جی کو غور سے دیکھا۔ انہوں نے ہرے رنگ کا ایک لمبا اور بے انتہا میلا سا چغہ پہن رکھا تھا سر پر چغے کا ہم رنگ اور اتنا ہی میلا ایک رومال باندھا ہوا تھا جس کی سائیڈوں سے گندے میلے بالوں کی لٹیں نکل رہی تھیں۔ موٹی موٹی لٹیں اس قدر آپس میں چپکی ہوئی تھیں کہ لگتا تھا مدتوں سے ان بالوں کو پانی نصیب نہیں ہوا۔ صرف بال ہی نہیں چہرہ بھی گندہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں من من سرمے کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں۔

خوش نصیب سمجھنے سے قاصر تھی اتنے میلے آدمی سے ثمرین اور اس کی اماں کو اتنی عقیدت کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ جبکہ بابا جی کے چہرے پر کوئی ایسا نور بھی نہیں ٹپک رہا تھا جو ان کی روحانیت کا ثبوت ہی دے دیتا۔

اسی وقت بابا جی نے داہنے ہاتھ پر رکھے اپنے میلے ترین صندوق سے ایک پڑیا نکالی۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پڑیا پر پھونک کر ثمرین کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ نمک کسی چیز میں ملا کر اپنی ساس کو کھلا دینا۔'' آواز گھٹی ہوئی جسے اپنی طرف سے اور گمبھیر بنانے کے چکروں میں اور عجیب سا کر دیا تھا۔

پھر دوسری پڑیا اٹھائی یہ پچھلی والی سے وزن اور سائز میں بڑی تھی اسے کھولا اندر چینی تھی۔ بابا جی نے اس پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا تھوڑی سی چینی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔ اگلے ہی لمحے بابا جی پڑیا پر جھکے اور اور منہ سے ساری چینی پڑیا میں باقی ماندہ چینی میں اگل دی۔

''یہ شکر اپنی نندوں کو کھلانا... ساری زندگی بری نظر سے تمہیں نہیں دیکھیں گی...''

خوش نصیب کا دل بری طرح متلایا۔ خود کو ابکائی لینے سے روکنے کیلئے اس نے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر سختی سے رکھ لئے۔ دوپٹے کے پلو میں جمع کئے ہوئے سارے بیر اس کے پیروں میں بکھر گئے۔ ارد گرد کھڑے سبھی لوگ حتیٰ کہ بابا جی بھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ خوش نصیب سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ فریحہ حواس باختہ ہوگئی، کچھ سمجھ نہیں آیا کیا کرے تو خود بھی اس کے پیچھے دوڑ گئی۔

مجمع میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں۔

بابا جی نے بغور صورتحال کا جائزہ لیا تھا۔ ایک گمبھیر سی ''ہوں'' کی آواز نکالی اور فریحہ کی اماں کی طرف جھک کر قدرے رازداری سے بولے۔

''لڑکی کے دل پر گہری چوٹ آئی.. اس سے پہلے کہ غم سے نڈھال ہو کر یہ خودکشی کر لے.. کسی وقت اسکو لے کر آنا میرے پاس۔''

مزار کے باہر بیری کے درخت تلے خوش نصیب بیزار سی بیٹھی تھی۔ اتنی بری طرح دل متلایا تھا کہ طبیعت کا ستیاناس ہی ہو گیا۔

فریحہ بوکھلائی بوکھلائی سی دوڑی چلی آئی۔

''اف خوش نصیب! یہ تم نے کیا کیا؟... اب اگر بابا جی ناراض ہو گئے تو...'' وہ سخت پریشان تھی۔

http://kitaabghar.com

"ارے ہوتے ہیں تو ہو جائیں ناراض..." وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ "گندے مارے غلیظ بابا جی.."

"آواز آہستہ رکھو....کسی نے سن لیا تو اور مصیبت ہو جائے گی.." اس بیچاری کی روح فنا ہو رہی تھی۔ "تمہیں بتایا تو ہے ثمرین کے مسائل بہت ہیں...اس کی ساس نندیں گھور گھور کر دیکھتی ہیں ثمرین کو.."

"بس...خاموش.." اس نے ڈپٹ کر فریحہ کو بولنے سے روک دیا۔ "تمہارے ان بابا جی کے نمک چینیوں سے کچھ نہیں ہونا... ثمرین سے کہو مٹھی بھر سرخ مرچیں جا کر ان کی آنکھوں میں ڈال دے..آنکھیں بچیں گی تو اسے گھور گھور کر دیکھیں گی...ہونہہ...آئیں بڑی ..بابا جی سے تعویذ لینے والی...اس سے تو اچھا تھا ثمرین میرے پاس آ گئی ہوتی.ساس نندوں سے نمٹنے کے ایک سو ایک طریقے بتا دیتی کم سے کم یہ گندی چینی تو نہ دیکھنے کو ملتی...اونہہ..."

جھنجھلاہٹ اور ناراضی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

آئے کت اب اکثر آیو شمتی کا ذکر کر کے وسامہ کو چڑانے لگی۔ وہ ہر دوسرے دن آیو شمتی کا کوئی قصہ وادی سے نکال کر لاتی اور مزے لے لے کر وسامہ کو سناتی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے ہرگز احساس نہیں تھا مذاق میں کی جانے والی یہ باتیں آنے والے دنوں میں اس کے اور وسامہ کے لئے کتنا بڑا خطرہ بننے والی ہیں۔ اگر اس کی چھٹی حس کوئی اشارہ دے دیتی تو یقیناً وہ یہ ذکر کرنا چھوڑ دیتی۔

چند روز یہ مذاق چلتا رہا پھر اس کا لطف دم توڑ گیا۔ انہی دنوں معاویہ نے آئے کت کے لئے knitting machine (سوئیٹر بننے کی مشین) بھجوا دی۔ آئے کت knitting کا بہت بہترین کام جانتی تھی۔ یہ کام اس نے اپنی مرحوم ترک ماں سے سیکھا تھا۔ جب سے وسامہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ دونوں معاشی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار ہوئے تھے آئے کت اپنے اس ہنر کے ذریعے پیسہ کمانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ بدقسمتی سے ان دونوں کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی استعمال شدہ knitting machine ہی خرید لیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی معاویہ انکے کام آیا تھا اور اس نے مشین، اون اور ضرورت کا دیگر سامان بھجوا دیا تھا۔

آئے کت اور وسامہ دونوں ہی معاویہ کے بیحد مشکور ہوئے جس نے ہر برے وقت پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ وسامہ کے لئے وہ سگے بھائی سے بڑھ کر مددگار ثابت ہو رہا تھا۔ آئے کت مشین کے آتے ہی پہلے دن سے کام میں جت گئی۔ وہ کم وقت میں زیادہ ڈیزائین تیار کرنا چاہتی تھی تا کہ جلد از جلد کوئی ڈیلر تلاش کیا جا سکے اور اسکے بنائے ہوئے ڈیزائینز کو فروخت کے لئے مارکیٹ میں بھیجا جا سکے۔ اپنی مہارت کی بنا پر وہ پُر یقین تھی کہ یہ کام وہ جلد ہی کر لے گی۔ معاویہ سے اس بارے میں اس کی بہت تفصیل سے بات چیت ہوئی تھی اور معاویہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کا مینجر بہت جلد آئے کت کے اس چھوٹے سے کاروبار کے لئے ڈیلرز ڈھونڈ دے گا۔ معاویہ کی یقین دہانی کے بعد سے وسامہ اور آئے کت بہت پر یقین ہو گئے تھے۔

آئے کت کے مصروف ہونے سے قبل ہی مری ہوئی گلہریوں کے ملنے میں کمی آ گئی تھی لیکن وسامہ کے دل میں خدشہ سا بیٹھ گیا

http://kitaabghar.com

تھا وہ ہر دوسرے دن پورے فلک بوس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا۔ اس کی راہداریوں میں گھومتا پھرتا کمروں میں جھانکتا تھا۔ لیکن لاشعوری طور پر اس نے گھومنا پھرنا کم کر دیا۔ اس نے کبھی کسی سے کہا نہیں لیکن بچپن میں سنے اور پڑھے ہوئے جن بھوتوں کے قصے کہانیاں اس کے ذہن و دل پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ چکی تھیں کہ ان کا اثر ستائیس سال کی عمر میں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مرے پر سو درے یہاں ایک اصلی روح کا ذکر ہو رہا تھا جس کے بارے میں وادی کے چند لوگوں کا دعویٰ تھا وہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اپنے ڈر کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے بزدل سمجھا جانے لگتا اور یہ بات اس کی مردانگی کو ہرگز گوارا نہ تھی۔

اس نے اپنے دل میں بیٹھ چکے اس ڈر کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دوسرے تیسرے کچھ نہ کچھ ایسا ہونے لگا کہ ڈر کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

کیف نے دور سے دیکھا۔ خوش نصیب بیری پیر کے مزار کے باہر درخت کے نیچے جھنجھلائی ہوئی بیٹھی تھی۔

اس کے لبوں سے سکون کی ایک سانس برآمد ہوئی۔ اسے پا کر سر سے مانو ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے اس کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں فریحہ کی نظر اس پر پڑی اس نے کیف سے بھی زیادہ سکون کی سانس لی۔

''شکر ہے کیف! تم آ گئے... سنبھالو اس مصیبت کو... ہر ایک کے بنتے کام بگاڑ دیتی ہے۔'' وہ بھی جھنجھلا گئی تھی کہہ کر اندر چلی گئی۔

خوش نصیب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم کب آئے؟'' حیرانگی سے پوچھا۔

کیف نے جواب دینے کی بجائے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''کہاں تھی تم؟...''

''یہیں تھی... میں نے کہاں جانا ہے؟'' وہ منہ بنا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے کتنے گھنٹوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہو تم... روشن چچی اور ماہ نور کتنا پریشان ہیں تمہارے لئے... ان دونوں کا کیا قصور ہے کہ کبھی نانی کے لئے پریشان ہوں تو کبھی تمہارے لئے۔'' وہ بہت سنجیدہ بہت ناراض لگ رہا تھا۔

خوش نصیب نے نظریں بھی نہیں ملائیں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھی۔

''اب کیا ساری رات یہیں گزارنی ہے؟'' کیف نے اس بار غصے سے کہا تھا۔ ''اٹھو... گھر چلو۔'' ڈپٹ کر بولا۔

''مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔'' خوش نصیب نے نروٹھے پن سے کہا۔

''گود میں اٹھا کر نہیں لے کر جاؤں گا میں۔'' کیف نے صفاچٹ جواب دے دیا۔ ''اپنا وزن دیکھو اور میری صحت دیکھو... محبت

اپنی جگہ لیکن خود پہ ظلم نہیں کر سکتا میں۔" یہ آخری جملہ اس نے بڑبڑاہٹ والے انداز میں کہا تھا۔

خوش نصیب نے بدمزہ سی ہو کر اسے دیکھا۔ سنجیدہ سنجیدہ ناراض سا نظر آتا تھا۔

"اوہو... یہ مطلب نہیں تھا میرا..." وہ خود شرمندہ ہو گئی۔ "پہلے بوتل پلاؤ... دل گھبرا رہا ہے میرا... ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔"

کیف نے دیکھا اس کی رنگت واقعی زرد ہو رہی تھی۔ وہ جا کر قریبی بیکری سے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ ڈھکن کھول کر اسے دیا۔ وہ غٹ غٹ آدھی بوتل چڑھا گئی۔

"ہائے... شکریہ کیف! ایمان سے اس وقت اتنے اچھے لگ رہے ہو کہ کیا بتاؤں... کولڈ ڈرنک کی بہت ضرورت تھی مجھے۔"

وہ کسی بھی وقت کچھ بھی بول دیتی تھی اس لئے ذہنی حالت پر شک کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن کیف حیران ہو رہا تھا۔

"ہوا کیا ہے تمہیں؟"

"بس کچھ نہ پوچھو میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہو رہی ہے..." اس نے ناک چڑھائی دل دوبارہ متلانے لگا تھا سو جلدی سے دو گھونٹ مزید بھر لئے۔

کیف اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر اس کے ساتھ ہی درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

مزار پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا سو اس طرح کسی کا بیٹھا رہنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

"تم واپس کیوں آ گئے؟" اس نے دوبارہ سوال کیا اور پلاسٹک کی بوتل اس کی طرف بڑھا دی۔

"کیونکہ میں جانتا تھا تمہیں میری ضرورت ہے۔" اس نے بوتل منہ سے لگا لی۔

خوش نصیب خاموش ہی رہی۔

کیف نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھر کر ڈھکن بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا غصہ..." سوال تھا یا غیر معمولی رویئے کی نشاندہی۔ جو بھی تھا بس یہ تھا کہ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

خوش نصیب کی ناراضی بھی ماند پڑنے لگی۔

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے..." اس نے زور دے کر لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ "پورے پورشن کے نام پر وہ ایک بڑا کمرہ ہی تھا ہمارے پاس.. وہ بھی فضیلہ چچی کے مہمان کے لئے خالی کروا لیا گیا... سب مل کر زیادتی پر زیادتی کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔"

کیف کچھ دیر خاموش ہی رہا خوش نصیب کی بات غلط نہیں تھی۔

"تم اوپر کے کمرے میں نہیں رہنا چاہتی؟" اس نے پوچھا۔

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے..؟" اس نے طنز سے ہنس کر کہا۔ "ہوگا تو وہی جو باقی سب فیصلہ کر چکے ہیں... مجھے یقین ہے اب تک تو روشن امی اور ماہ نور نے وہ کمرہ صاف کر کے ہمارا سامان وہاں پہنچا بھی دیا ہوگا۔"

کیف کو اس بار بھی خاموش رہنا پڑا کیونکہ خوش نصیب کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

وہ کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا تھا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل کو دونوں ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"تم ایسا کرو میرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد کیف نے کہا۔ "چار لوگوں کے حساب سے وہ تھوڑا چھوٹا کمرہ ہے لیکن کسی طرح ایڈجسٹ کر لینا... کم سے کم اوپر والے کمرے سے تو کہیں بہتر ہوگا۔"

خوش نصیب نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "اور تم؟"

"میں تو پہلے ہی یہاں کم رہتا ہوں.. فائنل پراجیکٹ کے سلسلے میں اگلے دو مہینے آنا اور بھی مشکل ہوگا... اور دو مہینے بعد تو فضیلہ چچی کا مہمان چلا ہی جائے گا۔"

خوش نصیب کو یہ آئیڈیا مناسب لگا وہ غور کرنے لگی۔

"لیکن..." کن انکھیوں سے کیف کو دیکھا۔ "لیکن یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم دو مہینے گھر ہی نہ آؤ... اور جب آؤ گے تو کہیں نہ کہیں تو رہنا ہوگا..."

"یار خوش نصیب! پورا گھر میرا ہے.. کسی بھی کمرے میں رہ لونگا۔" اس نے قدرے جھنجھلا کر کہا تھا۔

خوش نصیب کو بے ساختہ اس پر رشک آیا۔ کتنا پر اعتماد تھا وہ۔ کیسے حق سے کہہ رہا تھا کہ کسی بھی کمرے میں رہ لے گا۔ جبکہ وہ کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ فضل منزل میں رہتے ہوئے کبھی اسے اور ماہ نور کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ حق جتا پاتیں۔

کیف اپنی دھن میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

"..... اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے... کہیں اور جگہ نہ ملی تو فہمینہ کے کمرے میں میٹرس ڈال لونگا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا..." خوش نصیب نے پرسوچ انداز میں کہا اب وہ پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"اب مسئلہ حل ہو گیا تو گھر چلیں؟" کیف نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن.... روشن امی نہیں مانیں گی کیف!" اسے پھر مایوسی نے گھیر لیا۔

کیف نے بے ساختہ اپنی ہتھیلی پیشانی پر ماری۔ "انہیں میں منا لونگا... فی الحال تم تو گھر چلو... کسی کو نہیں پتا تم گھر سے غائب ہو... روشن چچی نے رازداری سے مجھے بھیجا ہے۔"

"اوہ ہاں... چلو چلو...." اس نے کھڑی ہو کر جلدی جلدی پاؤں میں سلیپر ڈالے اور اسکے ساتھ چل دی۔

"ویسے ایک بات ہے کیف!" اچانک پھر سے کچھ یاد آیا تو تھم سی گئی۔

کیف جھنجھلا کر مڑا۔ "اب کیا ہے؟"

"تم اتنے "برے" نہیں ہو جتنے شکل سے لگتے ہو۔" ایسے کہا جیسے بڑی پتے کی بات بتائی ہو اور وہ بھی بنا کسی شرمندگی کے۔

کیف نے اسے گھور کر دیکھا زیر لب مسکرایا اور بولا۔ ''اور تم بھی اتنی ''اچھی'' نہیں ہو جتنی شکل سے لگتی ہو۔''

خوش نصیب کو زور سے ہنسی آ گئی سو وہ دل کھول کر اور اپنی ہتھیلی پر ہاتھ مار کر ہنسی۔ کیف کی ذرا ذرا مسکراہٹ گہری ہنسی میں ڈھل گئی۔

یوں حساب برابر ہوا اور دونوں اچھے بچوں کی طرح گھر کی طرف چل پڑے۔

☆......☆......☆

بشام کا موسم زیادہ تر سرد رہتا تھا لیکن راتیں بہت یخ بستہ ہوتی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن بارش ہو جاتی تیز ہواؤں کا طوفان پہاڑوں سے سر ٹکراتا پھرتا۔ صبح سورج نکلتا پانی سے خالی باقی ماندہ بادل سورج کی تپش سے پگھل جاتے اور چمکتی دھوپ چنار کے درختوں کے پتوں کو اور بھی سرسبز شاداب کر دیتی۔

اس رات بھی طوفان آیا۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے برس رہے تھے اور تیز ہوائیں در و دیوار سے سر ٹکراتی پھرتی تھیں۔ وسامہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ طوفان کے شور سے لبریز پراسرار رات فلک بوس کے دالان میں اتر آئی تھی۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور ٹی وی دیکھنے کے ارادے سے دوسری سمت میں بڑھا۔ لیکن ابھی اس نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ کھڑکی پر دستک ہوئی۔

وسامہ چونک کر پلٹا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بری طرح حیران ہوا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا آگے ہو کر بند شیشے سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اب بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔

اس نے پردہ برابر کیا اور واپس ہوا اس بار پھر اس کے پلٹتے ہی شیشے پر دستک ہونے لگی۔

وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بار وہ پردہ ہٹائے۔ لیکن دستک بڑھتی جا رہی تھی۔ وسامہ نے ہمت جمع کی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ پردہ سرکا دیا۔ پردہ ہٹتے ہی دستک بند ہو گئی۔ صرف یہی نہیں باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وسامہ کا دل بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی اور ہوا تیز تیز پیڑ پودوں سے سر پٹخ رہی تھی۔

وسامہ کا ایک ہاتھ ابھی تک پردے کو پکڑے ہوئے تھا وہ جوں ہی پیچھے ہٹنے لگا بند شیشے کے دوسری طرف ایک دم سے پاشا سامنے آ گیا۔ یہ سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وسامہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔

دل کی دھڑکن کو نارمل ہونے میں چند سیکنڈ لگے۔ پاشا باہر زور زور سے کچھ بول رہا تھا شیشہ بند ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آ رہی تھی۔ وسامہ کو اس پر غصہ آیا اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ پاشا کھڑکی کے پاس سے گھوم کر دروازے کی طرف آ گیا تو وسامہ نے ناراضی سے کہا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟... تم کیوں بار بار کھڑکی بجا رہے تھے۔'' اس نے غصے سے کہا۔

پاشا برآمدے سے آیا تھا لیکن تیز ہوا نے بارش کی بوچھاڑ سے اس کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ اندر آکر جلدی جلدی اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا اس سوال پر ہونق سا بن کر وسامہ کو دیکھنے لگا۔

''میں نے کھڑکی نہیں بجائی۔۔۔'' اس نے کہا

''جھوٹ مت بولو۔۔۔تم مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔'' وسامہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔

دوسری جانب پاشا بری طرح سٹپٹا گیا۔

''نن۔۔نہیں صاحب!۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔بابا نے مجھے آپ کے بیڈروم کی کھڑکی کی چوکھٹ کی لکڑی درست کرنے بھیجا تھا۔۔۔میں آیا تو آپ کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ اس لئے میں سیدھا کھڑکی کی طرف آ گیا۔۔۔میں قسم کھاتا ہوں میں نے دستک نہیں دی۔۔۔میں تو ابھی آیا ہوں۔۔۔'' وہ وضاحتیں دینے لگا۔

''جاؤ جا کر لکڑی ٹھیک کرو۔۔'' وسامہ کو پاشا کی باتوں پر اعتبار نہیں تھا سو اس نے ناراضی سے کہا۔

''اور سنو۔۔'' پاشا نے جوں ہی قدم بڑھائے وسامہ نے کہا۔ پاشا رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''لکڑی ٹھیک کر کے اسی راستے سے واپس جانا۔۔میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔''

''جی بہتر۔۔'' وہ جلدی سے آگے چلا گیا۔

وہ گیا تو آئے کت آ گئی۔ وسامہ نے ساری بات اسے بتائی اور کہا۔

''میں تو اسے اچھا لڑکا سمجھی تھی لیکن یہ تو بہت شرارتی نکلا۔۔تم کل اسکی شکایت بابا کبیر کو لگانا۔'' آئے کت نے بھی ناراضی سے کہا۔

''ہاں۔۔۔میں ایسا ہی کرونگا۔'' وسامہ نے کہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ بے ارادہ نظر اٹھا کر دیکھا تو آئے کت صوفے کی ہتھی پر کہنی ٹکائے ہتھیلی پر چہرہ سجائے شرارت سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟۔۔۔ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔'' اس کی شرارتی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''کیا؟'' وہ چونکا۔

''یہی کہ تم کتنے ڈرپوک ہو۔'' اس نے کہا۔ لحہ بھر کا توقف کیا اور اگلے ہی لمحے زور سے ہنس پڑی۔

وسامہ جھینپ کر ہنس دیا۔ وہ ڈرپوک تھا اس میں تو کوئی شک نہیں تھا۔

لیکن اگلے روز بابا کبیر سے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جو بھی اس رات ہوا پاشا باپ کو اس کے بارے میں آگاہ کر چکا تھا۔ وسامہ سے سامنا ہوتے ہی وہ وضاحتیں دینے لگا۔ اس کا کہنا تھا وہ رات کو پاشا کے ساتھ آیا تھا لیکن چونکہ اندر اس کا کوئی کام نہیں تھا اس لئے وہ کچھ فاصلے پر ہی رک گیا تھا اور جس وقت وسامہ نے اندر سے پاشا کے لئے دروازہ کھولا بابا کبیر کچھ فاصلے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اگر

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
KitaabGhar.com

http://kitaabghar.com

پاشا نے مسلسل کھڑکی پر دستک دی ہوتی تو ضرور یہ بات اس کے نوٹس میں آ جاتی۔

وسامہ کو اس کی باتوں کا یقین کرنا ہی پڑا۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ بیچارہ بہت گھگھیا کر بول رہا تھا اس لئے بھی کیونکہ وہ معاویہ کے پرانے اور قریبی ملازمین میں سے تھا۔ اور معاویہ اسے بہت احترام دیتا تھا۔

''میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پاشا نے کھڑکی پر دستک نہیں دی تو وہ کون تھا جو مسلسل دستک دے رہا تھا۔'' وسامہ نے اپنی الجھن اس کے سامنے رکھی۔

''ہوا تیز ہو تو کھڑکیاں دروازے بجنے لگتے ہیں... ہو سکتا ہے وہ ایسی ہی کوئی آواز ہو جسے آپ دستک سمجھتے رہے ہیں۔''

''نہیں... وہ ہوا کی آواز نہیں تھی.. میں پہچان سکتا ہوں کوئی ہاتھ سے مسلسل کھڑکی بجا رہا تھا۔'' وسامہ کی آواز میں اب پریشانی جھلک رہی تھی۔

''صاحب! میں ایک بات کہوں؟'' کبیر کی بیوی خاتون بی بی جو وہیں کہیں موجود تھی اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور کبیر کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آپ خود پڑھے لکھے ہیں ایسی باتیں خوب سمجھتے ہیں لیکن بہتر ہو گا آپ اور آئے کت بی بی آیت الکرسی اور درود شریف کثرت سے پڑھا کریں.. بہت سی بلاؤں کو ٹالنے کا ذریعہ ہیں یہ دونوں چیزیں۔''

'خاتون! چپ رہو۔'' کبیر نے اسے ناراضی سے کہا۔

لیکن وسامہ نے بری طرح کھٹک کر اسے دیکھا۔

''اس بات کا کیا مطلب ہے کبیر!''

''اس کی بات کا کوئی مطلب نہیں ہے صاحب! آپ جانتے ہیں عورت کم عقل ہوتی ہے۔'' اس نے بیوی کو غضبناک نظروں سے گھورتے ہوئے وسامہ سے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

خاتون بی بی شوہر کے تیور دیکھ کر دبک گئی۔

''اسے بولنے دو کبیر!'' وسامہ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بولو خاتون! تم کیا کہہ رہی تھی۔''

اب مجبوری یہ تھی کہ خاتون بی بی کو بولنا ہی تھا۔ صاحب کی بات ٹالی تھوڑا جا سکتی تھی۔ بابا کبیر دانت پیس کر رہ گیا۔ خاتون بی بی ڈری ڈری سی بولتی چلی گئی۔

''...میں نے سنا ہے جس عورت کو تہہ خانے میں قتل کیا گیا تھا اس کی روح یہاں قبضہ کر کے بیٹھ گئی ہے... اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑنے والی وہ۔''

وسامہ بری طرح شاکڈ ہو گیا۔ اس کے دماغ پر جیسے کوئی وزنی چیز آ کر لگی تھی۔

''جن بھوت، آسیب بڑی خطرناک چیزیں ہوتی ہیں صاحب! اور سنسان جگہوں پر بسیرا بھی کر لیتی ہیں... آپ کے آنے سے پہلے اور اس سے بھی پہلے... یعنی جب آپ اور معاویہ بیٹا چھوٹے تھے... تب.. کئی کئی سال یہاں کوئی نہیں آتا تھا... فلک بوس کئی سال ویران سنسان رہا ہے صاحب!...'' خاتون بی بی کبیر کی طرف دیکھتی ڈرتی ڈرتی بھی بولتی جا رہی تھی۔

کبیر کا بس نہ چلتا تھا اسے کچا ہی چبا ڈالے۔

''تم... تم نے دیکھا ہے اسے... میرا مطلب ہے اس... اس عورت کی روح کو۔'' وسامہ کا رنگ بالکل سفید پڑ چکا تھا۔

''آپ کس کی باتوں میں آ رہے ہیں صاحب!... چھوٹی عقل چھوٹی بات ہی کرے گی... دیوار پر کسی جانور کا سایہ نظر آ گیا ہوگا جسے اس نے روح بنا دیا۔'' کبیر نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

''میں نے نہیں دیکھا... وادی میں کچھ عورتوں نے دیکھا ہے... اور ایک لڑکا بھی تھا... سرخرو...''

''میں اس لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں کبیر!'' وسامہ نے چند منٹ بعد کہا۔

''صاحب!... آپ کیوں....''

''میں نے جو کہا ہے وہ کرو...'' وسامہ نے دوٹوک کہا۔ ''شام تک وہ لڑکا یہاں موجود ہونا چاہیئے۔''

کبیر صاحب کی اونچی آواز سے ڈر گیا۔ ''جی صاحب!...'' اس نے سر جھکا کر مؤدبانہ کہا۔

وسامہ اپنی بیساکھی ٹیکتا اندر چلا گیا لیکن اس کا جھکا ہوا سر گہری سوچ کی عکاسی کرتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ دونوں جس وقت فضل منزل میں داخل ہوئے مرکزی صحن میں سناٹا چھا چکا تھا۔ ماہ نور ان دونوں کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

خوش نصیب نے اسے بڑا مسکرا کر دیکھا لیکن ماہ نور نے ناراضی سے منہ پھیر لیا اور کیف سے بولی۔

''اس سے پہلے کہ کسی کو پتا چلے کہ خوش نصیب اتنی دیر سے گھر آئی ہے جلدی سے اوپر چلے جاؤ...''

''دیکھا کیف! ماہ نور بھی روشن امی کی طرح چاہتی ہے میں بزدل بن کر رہوں... اب اگر تھوڑا سا دیر سے گھر آ بھی گئی تو اس میں کونسی بڑی بات ہے...'' اس کا وہی خود کو ہمیشہ سے بڑا عقل مند سمجھنے والا انداز۔

کیف نے ان سنی کر کے اس کا ہاتھ گھسیٹا اور جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اوپر چھت پر رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ستاروں بھرا آسمان جھکا چلا آ رہا تھا۔ کبوتروں کے ڈربے پلاسٹک شیٹ سے ڈھک دیئے گئے تھے۔ اندر کمرے میں داخل ہوئے خوب کھلا سا کمرہ جس میں ان کا سارا ہی سامان بڑے آرام سے سیٹ ہو چکا تھا۔ چھت، دیواریں، فرش ہر چیز صاف ستھری نکھری دکھائی دے رہی تھی۔ ماہ نور اور روشن امی کے ہاتھوں نے کمرے کی اتنی اچھی شکل نکال دی تھی کہ شائبہ بھی نہ گزرتا تھا کہ یہ کمرہ کبھی کبوتروں کا مسکن رہا ہوگا۔ بس یہ تھا

کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک مخصوص سی بدبو ناک میں گھستی تھی جو عجیب بھی محسوس ہوتی لیکن پھر پانچ چھ منٹ گزرنے کے بعد ماند پڑ جاتی تھی۔

جس وقت وہ دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے روشن امی نانی کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھیں ان دونوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سے بے ساختہ کھڑی ہوئیں۔خوش نصیب کے دل میں چور تھا اس نے ویسی ہی مسکراہٹ اچھالی جیسی ماہ نور کو دیکھ کر پاس کی تھی۔اور جواب میں روشن امی کی طرف سے اسے ویسا ہی ری ایکشن دیکھنے کو ملا جیسا ماہ نور کی طرف سے ملا تھا۔

ایسی سنجیدگی جس کے عقب سے ناراضی جھانک رہی تھی۔

خوش نصیب دل ہی دل میں شرمندہ سی ہوگئی۔پھر اس نے ذرا سا سوچا اور اگلے ہی پل ''روشن امی، روشن امی'' کرتی ان سے لپٹ گئی۔

''ارے ہٹو..کیا پاگل پن ہے۔''انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

''پہلے آپ اپنی ناراضگی ختم کریں۔''اس نے اور زور سے ان سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کب سے کسی کی ناراضگی کی پرواہ ہونے لگی۔''وہ اس کے بازو زبردستی اپنے گلے سے نکال کر بولیں۔

''ارے واہ ... پرواہ کیوں نہیں ہے...''اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ نچا کر بولی۔''پوری دنیا میں میں ہی ہوں جسے آپ کی ناراضی کی پرواہ ہے۔''

''ایسی بات تھی تو تم اتنی رات تک گھر سے باہر نہ رہتیں۔''روشن امی نے ناراضی اور غصے سے کہا تھا۔''زندگی نے پہلے کم پریشانیاں دی ہیں خوش نصیب! جو تم اور بڑھا رہی ہو۔''

''اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی چچی!''اچانک سے کیف نے کہا ساتھ ہی اسے آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کرنے لگا کہ بات سمجھ جائے۔لیکن وہ ہونقوں کی طرح کیف کو دیکھنے لگی تھی۔

''فریحہ کے گھر رکی ہوئی تھی..اگر طبیعت نہ خراب ہوتی تو کب کی گھر واپس آ چکی ہوتی۔''وہ آنکھوں میں اشارے کرتا بولتا چلا گیا۔

روشن امی نے پریشان ہو کر خوش نصیب کو دیکھا جس کے چہرے پر طبیعت خرابی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔

''ہیں...کیا کہہ رہے ہو؟....اوہ ہاں ہاں...میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی روشن امی! ابھی تک سر چکرا رہا ہے۔اتنی زور کی چوٹ لگی مجھے... ہائے...''ایک دم سے کیف کی بات سمجھ کر اس نے جو سر پکڑ کر کراہنا شروع کیا تو روشن امی کو تو یقین آیا سو آیا۔کیف کے لئے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانا مشکل ہوگیا۔اس بیچارے نے رخ بدل کر اپنی امنڈتی ہنسی چھپائی تھی۔

''چوٹ؟''روشن امی نے تعجب، ناسمجھی اور فکرمندی سے دوہرایا اور سوالیہ نظروں سے کیف کو دیکھا۔اس سے پہلے کہ کیف سے کوئی جواب بن پاتا خوش نصیب جلدی سے بولی۔

''موٹر سائیکل نے ٹکر ماردی تھی. فٹ پاتھ پہ سر لگا میرا۔'' جھوٹ میں سچائی کے رنگ بھرنے کیلئے اسنے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

''کیا ہو گیا ہے خوش نصیب!'' روشن امی فکر مندی سے جلدی سے آگے بڑھیں اور سہارہ دیکر اسے چار پائی پر بٹھایا۔ تشویش سے سر اور ماتھے کا جائزہ لیا اور الجھ کر بولیں۔

''چوٹ کا کوئی نشان تو نظر نہیں آرہا...''

کیف بھی سٹپٹایا لیکن اس بار بھی فراٹے سے جواب خوش نصیب نے ہی دیا تھا۔

''آ...آ.......وہ...اندرونی چوٹ ہے ناں... باہر سے کیسے نظر آئے گی..بس مجھے بہت زور زور سے چکر آرہے ہیں...''

''ہائے میری بچی!...''

''فکر مند نہ ہوں روشن امی! میں ٹھیک ہوں اب...'' اس نے آواز میں نقاہت بھر کر کہا۔ ''لیکن یہ سامنے والا دروازہ کیوں گھوم رہا ہے؟''

''دروازہ نہیں گھوم رہا تمہیں چکر آرہے ہیں اس لئے گھومتا ہوا لگ رہا ہوگا۔ تم لیٹ جاؤ۔''

انہوں نے زبردستی اسے لٹانے کی کوشش کی۔

''دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا تم نے...اب بھی کیا وقت ہو گیا ہے...کمزوری سے چکر آرہے ہونگے۔'' وہ فکر مندسی بول رہی تھیں۔

''کمزوری تو بہت ہو رہی ہے... ہائے...ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی مجھے یخنی اور دیسی انڈہ کھلانا ہے... ہائے....'' وہ ہائے ہائے کرتی پلنگ پر ڈھے ہی گئی۔ کوئی دیکھتا تو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اسے واقعی چوٹ لگی ہے یا ڈرامہ کر رہی ہے۔

''فکر ہی نہ کرو میری بچی!...میں دیسی مرغی کی یخنی بھی بنا کر دونگی تمہیں...'' وہ اپنی ناراضگی بھول بھال کر فکر مند ہو گئی تھیں۔

کیف کے لئے اب مزید اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ ''چچی! میں صبح آؤنگا۔'' کہہ کر جلدی سے باہر نکل گیا اور باہر جا کر خوب ہنسا۔ اس روز کیف نے اعتراف کیا وہ خوامخواہ خوش نصیب کو لطیفہ کہتا تھا وہ تو لطیفوں کی پوری کتاب تھی۔

تھوڑی دیر بعد روشن امی کی ہدایت پر ماہ نور اسے خود چمچ بھر بھر کے یخنی پلا رہی تھی۔ خوش نصیب بیمار بنی تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ چہرے پر اس نے خوب کمزوری والے تاثرات سجا رکھے تھے۔ روشن امی دورنانی کے پلنگ پر بیٹھیں ان سے باتیں کر رہی تھیں۔

دوسرے تیسرے چمچ پر خوش نصیب جھنجھلا کر لیکن آواز دبا کر بولی۔ ''کیا چمچ بھر بھر کے صرف یخنی پلاتی جا رہی ہو...تھوڑی بوٹی بھی ڈال دو... پتا بھی ہے خالی پانی جیسی یخنی میرے حلق میں پھنس جاتی ہے۔''

''دنیا کی تم واحد انسان ہو جس کے حلق میں یخنی پھنس جاتی ہے۔'' ماہ نور نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں تو میں منفرد جو ہوں...'' بڑے انداز سے گردن ہلا کر بولی۔ ''داون اینڈ اونلی...دنیا میں ہے کوئی ایسا جو خوش نصیب کا مقابلہ کر سکے..''

ماہ نور نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ ”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں کوئی چوٹ ووٹ نہیں لگی... ذرا سی خراش لگ جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتی ہو... سچ مچ ایکسیڈنٹ ہوا ہوتا تو چار دن تمہارے آنسو نہیں رکنے تھے۔“

”کس قدر ذہین ہو تم ماہ نور!“ مصنوعی رشک آمیز انداز میں مسکرا کر اس نے ماہ نور کو دیکھا۔

ماہ نور نے چمچ پیالے میں پٹخا اور اسے ایک چپت لگا کر بولی۔

”اور کس قدر کمینی ہو تم... گھنٹہ بھر سے مجھے اپنی خدمتوں میں لگا رکھا ہے.. کبھی یہ چیز لاؤ.. کبھی وہ چیز کھلاؤ... بتا نہیں سکتی تھی کوئی ایکسیڈینٹ نہیں ہوا۔“

”بیٹا! ابھی تو تمہیں میں اور تنگ کرونگی... کیسے مجھے دیکھ کر منہ بنایا تھا... آئی بڑی خوش نصیب کو نخرے دکھانے والی۔“ اس نے دانت پیس کر اپنے عظائم کا اظہار کیا۔

ماہ نور نے اس کی ڈھٹائی پر اپنا ہی سر پیٹ لیا۔ ”بجائے اس کے کہ تھوڑا سا شرمندہ ہو لیا جائے.. تم مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہی ہو؟“

”ماہ نور! تم بہت بولتی ہو۔“ اس نے اپنا سر پکڑا۔ ”پتا بھی ہے میں بیمار ہوں... پھر بھی پٹر پٹر بولے جا رہی ہو... اف سر میں درد کر دیا ہے...“

”بہانے بنانا بند کرو اور اٹھ کر برتن دھو... کمرہ صاف کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔“ ماہ نور نے کہا۔

”میری بلا سے...“] وہ ناک چڑھا کر بولی۔ ”ویسے بھی ڈاکٹر نے مجھے برتن اور کپڑے دھونے سے منع کیا ہے۔“

”کیوں؟“ اس بات پر ماہ نور کو شاک سا لگا تھا۔

”میرے سر پر چوٹ لگی ہے اور دماغ کا ڈائریکٹ تعلق ہاتھوں سے ہوتا ہے... اس لئے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں بالکل صحتیاب نہیں ہو جاتی نہ کپڑے دھوؤں نہ برتن۔“ اپنی طرف سے بڑی سائنس جھاڑی تھی اور کسی کا متفق ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔

”اچھا اب باتیں کم کرو اور یخنی میں اور بوٹی ڈال کر لے کر آؤ... پتا نہیں ہے مجھے کتنی ویک نیس ہو رہی ہے۔“ اس نے دوبارہ آواز میں نقاہت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ماہ نور ایسے سر ہلا کر رہ گئی جیسے کہہ رہی ہو خوش نصیب تیرا کوئی علاج نہیں۔

☆......☆......☆

وسامہ کی وہ رات بہت بے چینی میں گزری۔ وہ جلد از جلد سرخرو نامی اس لڑکے سے ملنا چاہتا تھا جس کے بارے میں مشہور تھا وہ روح شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے گزرنے کے جرم کی پاداش میں اس پر حملہ کر چکی ہے۔ لیکن وہ لڑکا اپنے خاندان کے باقی افراد کے ساتھ بشام سے نقل مکانی کر چکا تھا۔ وسامہ سے ملاقات اس کی قسمت میں نہیں تھی۔

جس وقت کبیر نے وسامہ کو یہ ساری بات بتائی وسامہ لان میں کین کی کرسی پر فکرمند سا بیٹھا تھا۔

http://kitaabghar.com

''اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار تو ضرور ہوگا بشام میں...'' وسامہ نے کہا۔

''میں نے پتا کیا ہے...لیکن سب لوگ جا چکے ہیں...''

''سرخرو کے بارے میں پتا کرنا تھا...کیا واقعی اس پر...فلک بوس کے آسیب نے حملہ کیا تھا۔'' وسامہ معصوم سا لگ رہا تھا اس وقت۔

کبیر ملازم تھا ایک بار اس سے جھاڑ کھا چکا تھا لیکن اس بار پھر ہمت کر کے بولا۔

''میں نے یہ بھی پتا کروایا ہے...وادی میں اس کے متعلق بھی کئی کہانیاں ہیں۔کوئی کہتا ہے سرخرو اپنی محبوبہ سے ملنے رات گئے یہاں آیا کرتا تھا۔جنگل کے کسی بھیڑیئے نے اس پر حملہ کر دیا۔سرخرو بچ تو نکلا لیکن اتنا خوفزدہ ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھا...پاگل پن کی حالت میں وہ کبھی بھیڑیے کا نام لیتا تھا کبھی آیوشمتی کا...لیکن کوئی بھی بات واضح نہیں ہوئی تھی۔''

''اگر ایسی ہی بات ہے تو سرخرو کے گھر والے بشام سے کیوں چلے گئے؟...''

''کم پڑھے لکھے کمزور اعتقاد کے مالک ہیں صاحب!..جو انہیں ٹھیک لگا وہ انہوں نے کیا....آدھی سے زیادہ آبادی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے..ان کے یہاں تو ویسے بھی مانا جاتا ہے کہ جن روحوں کو مکتی نہیں ملتی وہ ساری زندگی پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں...جبکہ ہم مسلمان ہیں ہماری روحوں کو مکتی ملے یا نہ ملے قیامت تک قبر میں ہی رہنا پڑے گا۔'' آخر میں اس نے ذرا ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

وسامہ بھی مسکرا دیا لیکن بات اس کے ذہن سے نکلی نہیں تھی۔

اسے ہر وقت ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور یہ احساس شام کے بعد سے بڑھنا شروع ہو جاتا تھا۔وہ جس راہ داری سے گزرتا جس جگہ جا کر بیٹھتا اسے ایسا لگتا تھا جیسے دو آنکھیں مستقل اس کے چہرے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک جنبش کو نوٹ کر رہی ہیں۔ایک بار پھر وسامہ نے اسے اپنے دماغ کا خلل سمجھا اور خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب اس کا وہم ہے لیکن یہ خیال اس کے ذہن میں زور پکڑ گیا جب آئے کت نے بھی اس کے وہم کی تائید کر دی۔وہ اپنے knitting کے کام میں بیحد مصروف رہتی تھی لیکن اس دوران اسے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔

''...ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے...عجیب سی وحشت ہونے لگی ہے...ایسا پہلے نہیں ہوتا تھا وسامہ!...'' وہ بڑی نڈھال اور اداس سی لگ رہی تھی۔'' کاش!اللہ ہمیں اولاد سے نواز دے تو یہ وحشت خود بخود ختم ہو جائے گی...'' وہ اپنے مسئلے اور اس کے حل سے بھی واقف تھی لیکن وسامہ کا مسئلہ اولاد نہیں تھا۔اس کی الجھنیں کچھ اور تھیں اور جو دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

فلک بوس قلعہ نما بہت وسیع و عریض عمارت تھی جہاں بیک وقت کئی خاندان سما سکتے تھے۔معاویہ کے مشورے پر جب آئے کت اور وسامہ نے یہاں آ کر رہنا شروع کیا تو انہوں نے پورے فلک بوس میں رہائش اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پورے فلک بوس پر تسلط رکھتے۔اس لئے انہوں نے ایک الگ تھلگ حصے کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا۔صرف دوسری منزل کی اسٹڈی میں وسامہ چلا جاتا تھا اور اکثر صبح سے شام وہاں بیٹھ کر لکھتا رہتا تھا۔

http://kitaabghar.com

لیکن کسی کے خود پر نظر رکھنے کا احساس جوں جوں زور پکڑتا گیا وسامہ نے اسٹڈی میں جانے کے اوقات بھی گھٹا دیئے۔شام ہوتے ہوتے اسے وہاں عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی اور یہ چیز اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔وہ پبلشر کو اپنی زیرِطبع کتاب کے ہفتے میں دو ڈرافٹ بھجواتا تھا اب دو ہفتوں میں ایک ڈرافٹ بھجوانے لگا۔اور یہ بات خاصی پریشان کن صورتحال اختیار کرتی جا رہی تھی کیونکہ وسامہ کے معاشی معاملات کا دارومدار انہی پیسوں پر تھا جو اسے مختلف جرائد اور پبلشرز کے لئے لکھتے ہوئے ملتے تھے۔انہی معاملات سے پریشان ہو کر اس نے اپنا دھیان بٹایا اور زیادہ سے زیادہ وقت کتب بینی کو دینے لگا۔مختلف کتابوں کے مطالعے سے اس کا ذہن کھلتا چلا گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ لکھنے کے لئے تحریک ملنے لگی۔وسامہ اس چیز سے خوش ہو گیا۔

لیکن یہ خوشی چند روزہ تھی۔ایک سہہ پہر اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے اس نے کسی چیز کے سرکنے کی دھیمی سی آواز سنی۔اسٹڈی کی خاموشی میں یہ باریک آواز نمایاں ہو کر اعصاب پر لگ رہی تھی۔کتاب پڑھتا ہوا وسامہ پہلے متوجہ ہوا پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔غور کرنے سے اسے اندازہ ہوا یہ آواز لکڑی کی سطح پر کسی چیز کے گھسیٹے جانے سے پیدا ہو رہی ہے۔یہ خیال آتے ہی اس کی سیدھی نظر اپنی ٹیبل پر گئی اور وہ یہ دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا کہ میز پر پڑا ہوا تانبے کا آرائشی پیالہ اوندھا پڑا ہوا ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا۔یہ حرکت اتنی معمولی اور غیر واضح تھی کہ اگر ارد گرد اتنی خاموشی نہ ہوتی اور آواز بلند نہ ہو رہی ہوتی تو وسامہ کا دھیان بھی اس طرف نہ جاتا۔اب ایک طرح سے اس حرکت کو لرزش کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔اس کے دل میں ڈر کا ہلکا سا شعلہ دہکنے لگا۔وسامہ اس پیالے کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ آیا وہ واقعی ہل رہا ہے یا اس کی نظریں دھوکہ کھا رہی ہیں۔کوئی بھی جواب واضح نہیں ہو پا رہا تھا۔تبھی اچانک وسامہ نے جیسے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھایا اور اس پیالے کے الٹے پیندے پر زور سے رکھ دیا۔پیالہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔چند سیکنڈ وہ اسی طرح پیالے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ ہٹا لیا۔نظریں چوکنے انداز میں پیالے کو فوکس کیئے ہوئے تھیں۔ایسے جیسے ہاتھ ہٹتے ہی اس کی حرکت کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہوں لیکن ہاتھ ہٹنے کے بعد بھی پیالہ ساکت ہی رہا۔

وسامہ کا خوف کم ہو گیا پریشانی بڑھ گئی۔

اسی وقت آئے کت اس کے لئے چائے لیکر آئی۔اس وقت تک وسامہ پیالے سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔

"وسامہ! میں کہہ رہی تھی...آج ہمیں نیچے وادی کا چکر لگانا چاہیئے...." وہ بولتی ہوئی اندر آئی وسامہ کو پیالے کی طرف دیکھتا پایا۔

"کیا بات ہے؟...آپ پریشان کیوں ہیں؟" اس نے قریب آکر چائے کا کپ سامنے میز پر رکھ دیا۔

"آں...؟...ہاں...یہ پیالہ..." وسامہ جیسے اس پیالے کی حرکت کے ٹرانس میں آ چکا تھا اس ٹرانس سے نکلنے میں اسے چند سیکنڈ لگے تھے۔

"یہ پیالہ ابھی ہل رہا تھا..."

"ہائیں...ہل رہا تھا۔" آئے کت نے حیران ہو کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔پیالہ ساکت تھا۔

''خود بخود ہل رہا تھا؟'' آئے کت نے پیالے کو حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر وسامہ کی آنکھوں اور لہجے میں خوف کی جو رمق تھی وہ اسے چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''ہاں۔''

''آپ کا وہم ہوگا وسامہ! بھلا پیالہ خود بخود کیسے ہل سکتا ہے؟''

''اسی لئے تو میں زیادہ حیران ہو رہا ہوں۔۔۔''

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی اور باریک بینی سے پیالے کی طرف دیکھتے رہے لیکن اس بار پیالے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

''اچھا چھوڑیں ناں...آپ کا وہم تھا اور کچھ نہیں....آپ جلدی جلدی یہ چیپٹر پورا کر لیں پھر ہم وادی کی سیر کیلئے جائیں گے۔'' آئے کت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کہا۔

''ہاں ..ٹھیک ہے...جیسے تم خوش رہو۔'' وسامہ نے دھیان پیالے سے ہٹا کر کہا۔ آئے کت اپنی چودھویں کے چاند کی کرنوں جیسی مسکراہٹ اچھال کر باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی وسامہ کا دھیان دوبارہ پیالے کی طرف لگ گیا۔ وہ اسی طرح ساکت و صامت پڑا تھا لیکن وسامہ کو لگ رہا تھا ابھی اس میں حرکت نمودار ہو جائے گی۔ چند لمحے اور گزرے اور پیالے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو وسامہ نے ارتکاز دوبارہ کتاب کے پنوں کی طرف لگانے کی کوشش کی۔ اسی وقت...ٹھیک اسی وقت پیالہ پھر لرزا۔ اس بار اس کی حرکت میں شدت تھی۔ وسامہ کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل پیالے کی حرکت کے ساتھ ساتھ لرز رہا تھا۔

اچانک وسامہ کو پتا نہیں کیا ہوا اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ اٹھا لیا۔ نیچے سے ایک موٹا چوہا قید سے آزاد ہوا اور چھلانگ لگا کر وسامہ کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وسامہ بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا لیکن اس کوشش میں اس کی کرسی پیچھے الٹ گئی۔ وہ سر کے بل کرسی سمیت پیچھے گرا۔ چوہا تیزی سے پھدکتا کہیں غائب ہو گیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوا تھا۔ دم بخود سا وسامہ زمین پر گرا ہوا تھا۔

کبیر وہیں کہیں کسی کام میں مصروف تھا شور کی آواز سن کر دوڑا چلا آیا لیکن جوں ہی وہ کمرے میں پہنچا دنگ رہ گیا۔

زمین پر کرسی سمیت گرا ہوا وسامہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر چکا تھا اور ایسا لگتا تھا اس کی ہنسی قابو میں ہی نہ آ رہی ہو اور یوں اتنے دنوں سے فلک بوس پر چھائی ہوئی خوف کی فضا چھٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

بروکلن کا پارک اسی طرح پر رونق اور آباد تھا جس طرح ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔

جاگنگ ٹریک پر دوڑتی ہوئی منفرا نظر آ رہی تھی آج اس نے سبز رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کی اونچی پونی ٹیل دور سے ہی آگے پیچھے ہلتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے آج ٹریک کے دو چکر لگائے تھے۔ تیسرا چکر پورا کر کے وہ گھاس کے قطعے پر اتر آئی اور چلتی ہوئی آ کر بینچ پر بیٹھ گئی۔ جاگنگ کرنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور خوشگوار موسم کے باوجود اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

بینچ پر بیٹھ کر اس نے اپنے کانوں سے ہیڈ فون اتارے۔ موبائل فون پر لگا ہوا ٹریک بند کیا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بینچ کی پشت پر سر رکھ کر ستانے لگی۔ سفیدے کے درختوں کے سائے میں خاموشی سے اس طرح بیٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر اسی طرح گزری پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں سے پورا پارک دکھائی دیتا تھا۔ منفرا نے تمام ٹریکس پر متلاشی نظریں دوڑائیں۔ پارک کی مین اینٹرنس اور پچھلی طرف کا چھوٹا گیٹ بھی دیکھا لیکن معاویہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا اور آج دسواں دن تھا معاویہ اسے نظر نہیں آیا تھا اور یہ حیران کن بات تھی۔ مارکیٹ اور subway پر نظر آ جانا ایک اتفاق ہو سکتا تھا لیکن پارک ایک ایسی جگہ تھی جہاں منفرا کی طرح وہ بھی روزانہ آنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔ اکثر ہی آمنا سامنا ہو جاتا ایسے میں اس کا نظر نہ آنا یقیناً حیرانی کی بات تھی یا کم سے کم منفرا کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

بہر حال معاویہ کا پارک نہ آنا منفرا کو عجیب سی فکر مندی میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان گزرے ہوئے دس دنوں میں بھی اس نے معاویہ کی کمی کو محسوس کیا تھا اور بارہا اس کے بارے میں سوچا تھا۔ مگر اس بار وہی تمام باتیں سوچتے ہوئے وہ جھنجلا گئی اور اس نے دل ہی دل میں خود کو ٹوکا۔

''میں فی بی سے کہتی ہوں مبین سے معاویہ کے بارے میں پوچھے ۔لیکن نہیں...فی بی میرا مذاق اڑائے گی۔'' اس نے خود ہی اپنا خیال رد کر دیا۔

''لیکن وہ اتنے دن سے پارک نہیں آیا..مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے...ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کسی مشکل کا شکار ہو...اوہ...what the hell (کیا مصیبت ہے) اسے تو میرا نام بھی معلوم نہیں ہوگا اور میں اس کے بارے میں فکر مند ہو رہی ہوں...یہ بیوقوفی کی انتہا ہے۔''

سوچتے ہوئے اس نے اپنے سر پر چپکے سے ایک چپت بھی لگائی۔ پھر سر جھٹکتی ہوئی اٹھی اور جاگنگ کرتی ہوئی پارک کے بیرونی راستے کی طرف چلی گئی۔

چند دن مزید سرک گئے معاویہ نے پارک کا رخ نہیں کیا۔

منفرا نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ معاویہ کے بارے میں نہ سوچے اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی۔ اور جب اسے یقین ہو گیا معاویہ اس کے ذہن سے نکل چکا ہے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ وہیں پارک کے جاگنگ ٹریک پہ۔

منفرا کے دل نے بے ساختہ ایک بیٹ مس کی۔ پتا نہیں کیوں لیکن معاویہ کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بھی تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔ اور اتنے دن کی غیر حاضری کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔

وہ دونوں ایک ہی جاگنگ ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے مخالف سمتوں سے ایک دوسرے کی طرف آ رہے تھے۔ عنقریب ان دونوں کا آمنا سامنا ہونا تھا۔ اس خیال نے منفرا کے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی۔ خیر سگالی جذبات کے تحت وہ کچھ اور خوبصورتی سے مسکرانے لگی۔ اس کی پونی ٹیل زور زور سے ہل رہی تھی اور پونی کا سرا اس کی گردن سے بار بار ٹکرا رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں وہ جملہ بھی تیار کرلیا جو آمنے سامنے پہنچنے پر اسے معاویہ کے سامنے ادا کرنا تھا اور جس کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ لیکن جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچی معاویہ لاتعلقی سے ایک بھی نظر اس پر ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا۔

منفرا کی مسکراہٹ پہلے حیرانی میں ڈھلی اور پھر جھینپ کر بالکل ہی غائب ہو گئی۔

کافی عرصے سے وہ دونوں اس پارک میں آرہے تھے اکثر ہی ایک ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے آمنا سامنا ہو جاتا تھا ایسے میں جان پہچان نہ سہی۔ آنکھوں میں شناسائی تو نظر آ ہی جاتی ہے لیکن معاویہ نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہ سوچ سوچ کر منفرا کو اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جتنی شرمندگی اسے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح فضل منزل کے مرکزی کچن میں رونق لگی ہوئی تھی۔ سب کے پورشن میں الگ الگ کچن تھے لیکن وہ کچن صرف چائے پانی جیسے کاموں کے لئے استعمال ہوتے تھے باقی سارے ناشتے کھانے جیسے بڑے کام اسی کچن میں انجام دے لئے جاتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نیند کے بوجھل پن سے آنکھیں ملتی اندر داخل ہوئی گھر کی آدھی عوام ناشتے سے فارغ ہو چکی تھی جبکہ اسوقت کوئی ''تازہ خبر'' زیر بحث تھی اور جب عورتیں بحث کرنا شروع کرتی ہیں تو کان پڑی آواز سنائی دینا مشکل ہوتا ہے۔

خوش نصیب نے کسی کو بھی ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیف اور عرفات ماموں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ سیدھی ان کے پاس ہی آ گئی۔

''السلام علیکم ماموں!''

وعلیکم السلام...جیتی رہو..''

'' مجھے بھی سلام کرو..بڑا ہوں تم سے۔'' کیف کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا اسے چڑانے کا۔

''السلام علیکم...'' ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام جھاڑا۔

اس تابعداری پر جہاں ماموں عرفات حیران ہوئے وہیں کیف ہنس دیا۔

''خیریت تو ہے؟..تم اور کیف کی بات اتنے آرام سے مان لو...کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکل آیا آج۔'' انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''ہاہاہا...مغرب سے کیوں نکلے گا سورج...مشرق سے ہی نکلا ہے..اور یہ آپ نے کیسی بات کہہ دی؟...میں تو ہمیشہ کیف کی ہر بات مان لیتی ہوں...یہ ہے ہی اتنا اچھا...ہمیشہ صحیح بات کرتا ہے۔'' وہ واری صدقے جانے والی نظروں سے کیف کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ اب کیف سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ عرفات بھی اس کے ساتھ ہنسے تھے۔

خوش نصیب پہلے تو مسکراتی رہی پھر ان دونوں کی ہنسی کا مطلب سمجھ کر جھینپ سی گئی۔ اور اپنی کیفیت چھپانے کیلئے روکھا ٹوسٹ اٹھا کر کھانے لگی۔

''اب اصل بات بتادو...صبح صبح کس لئے کیف کی اتنی تعریفیں ہو رہی ہیں؟'' عرفات ماموں نے کہا۔

''خوش نصیب اب اکثر میری تعریف کیا کرے گی۔'' کیف نے خوش نصیب کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپکو نہیں پتا..ہماری دوستی ہوگئی ہے۔''

''واقعی؟...'' وہ ہنسے۔ ''یہ حادثہ کب ہوا؟''

''ہائے ہائے...حادثہ تو نہ کہیں...آپ کو تو پتا ہے میں کتنی سیدھی سادھی اور معصوم سی ہوں...جھگڑا تو ہمیشہ یہ کیف...مم...میرا مطلب ہے کیف تو جھگڑا کرتا ہی نہیں ہے..میں ہی کرتی ہوں...اب سے وہ بھی نہیں کرونگی....'' دانت نکال کے بولی۔

''بالکل بالکل..تم دونوں سے زیادہ صلح جو تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔'' وہ اپنی چائے کا کپ لیکر کھڑے ہوگئے اور کیف سے بولے۔ ''جب فرصت ملے حقیقت حال سے آگاہ کر جانا...اتنا امن مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔''

وہ مسکرا کر بولے تھے۔ دھیما سا تبسم لبوں پر سجائے باہر نکل گئے۔ کیف البتہ ان کی بات سمجھ کر زور سے ہنس دیا اور اثبات میں سر بھی ہلا دیا۔ اور جب وہ چلے گئے تو خوش نصیب کو دیکھنے لگا۔ مسکراتا ہوا، چمکتی ہوئی معنی خیز آنکھوں کے ساتھ۔

''نہار منہ جھوٹ بولنے پر سارا دن طبیعت خراب رہ سکتی ہے...اس لئے سوچ سمجھ کے بولا کرو۔''

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا...بولوں گی بھی کیوں؟''

''اچھا؟....'' اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ کہنی میز پر اور بند مٹھی تھوڑی کے نیچے جمائی اور اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''اچھا؟....تو کھاؤ اپنے سر کی قسم کہ دوبارہ مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گی۔''

خوش نصیب کی جان مشکل میں آگئی۔ سٹپٹا ہی گئی۔

''اس سے تو اچھا تھا یہ ساری زندگی ساتھ جینے مرنے کی قسم لے لیتا...اب جھگڑا نہ کرنے کی قسم کون کھائے؟'' وہ بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ ''تمہارے سر کی قسم کھا لیتی ہوں؟''

''اتنا فالتو نہیں ہے میرا سر۔ کہ تمہاری جھوٹی قسموں کی نذر ہو۔'' کیف نے فوراً آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

''اوفوہ...'' وہ جھنجلا گئی۔ ''کہہ جو دیا ہے کہ نہیں کرونگی جھگڑا تو بس نہیں کرونگی..لیکن تم کیوں مجھے ایسے دیکھ رہے ہو؟...توبہ ہے ...ایک تو کسی کو میری بات پر یقین نہیں آتا۔''

''یقین وہ کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو...'' وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''لیکن خیر مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے...مجھ سے جتنے مرضی جھگڑے کرو..کرتی رہو...میں تو ماضی قریب کا نقشہ دیکھ رہا ہوں بلکہ سمجھو فلم چل رہی ہے میری آنکھوں کے سامنے...'' خلا میں دیکھتا وہ جیسے واقعی مستقبل کا کوئی منظر دیکھنے لگا تھا۔

خوش نصیب پہلے حیران ہوئی پھر اس کے اندر کا تجسس جاگا۔

"کیسی فلم؟...کیا بات کر رہے ہو کیف؟"

"وہ دیکھو..."اسی طرح خلا میں دیکھتے ہوئے خوابناک آواز میں اس نے دور کہیں خلا میں ہی اشارہ کیا تھا۔

خوش نصیب اس طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

"وہ دیکھو...آج سے چند سال بعد...لیکن اسی گھر کا منظر ہے۔میں ایسے ہی گھبرو جوان ہینڈسم سا لیکن سر جھکائے کھڑا ہوں.. تھوڑی دور ایک پانچ چھ سال کی بچی بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔۔اب دوسری طرف آجاؤ..نہیں رائیٹ سائیڈ پر نہیں لیفٹ سائیڈ پہ....تم وہاں کھڑی ہو...ہاں وہیں...دروازے کے پاس...موٹی تازی.جیسے گول مٹول سی فٹ بال...پاس کاٹ میں منا سو رہا ہے..اور تم .تم مجھ سے جھگڑا کر رہی ہو...پورا محلّہ تمہاری آواز سن رہا ہے..میں ہینڈسم لیکن مسکین معصوم شوہر کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوں...اور تم جھگڑالو..نک چڑھی بدزبان بیوی کی طرح.....واوووو...ایک پرفیکٹ فیملی کا سین ہے..."وہ اس سین میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ ایسا لگتا تھا وہیں پہنچ گیا ہے۔

خوش نصیب پہلے تو سمجھی نہیں اور جب سمجھ گئی تو اس کا چہرہ ایسے لال ہونے لگا جیسے کارٹون موویز میں تھرمامیٹر کا درجہ حرارت بڑھنے سے پارہ لال ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے تھرمامیٹر پھٹ جاتا ہے تو خوش نصیب بھی پھٹنے کے قریب تھی۔

کیف نے اسکی طرف دیکھا اور ڈر گیا۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"

"تم...تم...انتہائی فضول انسان ہو۔"اس نے دانت اس حد تک کچکچائے کہ ایسا لگا دانت ٹوٹ ہی جائیں گے اور وہ اسقدر زور سے بولی تھی کہ سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہوا؟..."سب کی زبان پر ایک ہی سوال ابھر آیا۔

کیف ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔

"خوش نصیب کو چند سال بعد کا منظر بتا رہا تھا...اس نے ابھی سے سین create کرنا شروع کر دیا..."اس کی ہنسی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی اور خوش نصیب کا بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔وہ اٹھی اور پاوں پٹختی کچن سے باہر نکل گئی۔

"کیسا سین؟"جملہ خواتین حیران۔ان دونوں کو کیا ہوا؟

ہنستے ہنستے کیف کی آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

"کچھ نہیں....آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔"وہ ابھی بھی ہنس ہی رہا تھا اور واقعی ماضی کا وہ منظر دیکھ رہا تھا جہاں ان دونوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہونے والے تھے۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com Kitaabghar.com

کچھ دیر گزرنے کے بعد منفرا خود ہی اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

"...تم میری عقل چیک کرو... اتنا مسکرا مسکرا کر اس کے پاس جا رہی تھی جیسے پتا نہیں ہماری کتنی پرانی شناسائی ہو..." اس نے اپنی عقل کے اس عظیم مظاہرے پر ہنستے ہوئے اور ظاہر ہے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

فی بی اس کی بات پر ہنسنے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"....اب میں نے اسے نوٹس کیا ہوا ہے تو ضروری تھوڑا ہے کہ اس نے بھی مجھے نوٹس کیا ہو... پارک میں لوگ واک کرنے آتے ہیں اس بات کا خیال رکھتے نہیں کہ وہاں کون آ رہا ہے کون نہیں۔" فی بی کو بتاتے ہوئے وہ خود اپنے آپ پر ہنس رہی تھی۔

فی بی ابھی اپنے لئے کپ نوڈلز بنا کر لائی تھی اور اب کاؤچ پر نیم دراز چائینیز اسٹکس کے ساتھ مزے سے کھا رہی تھی۔ منفرا کے خاموش ہونے پر اس نے بڑا سا نوالہ کھاتے ہوئے ابرو اچکا کر منفرا کو دیکھا۔ وہ دوسرے کاؤچ پر بیٹھی نیچے کو جھکی اپنے جوگرز کے تسمے کھول رہی تھی اور مسلسل خود پر ہنس رہی تھی اور بول رہی تھی۔

"....انفیکٹ ...وہ بندہ اتنا لاتعلق اور سرد مہر لگتا ہے کہ اس نے میری تو کیا پارک میں آنے والے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کو بھی محسوس نہیں کیا ہوگا... ایسا سوچنا بھی حماقت تھا..." وہ خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے اٹھی اور وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

فی بی اس کی پشت پر نظریں جمائے جیسے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ کا محور منفرا اور معاویہ ہی تھے۔

"ٹیمی صحیح کہتی ہے... وہ esthatic sense (حسِ لطیف) سے عاری انسان ہے۔"

"لیکن وہ ہینڈسم ہے... کسی بھی لڑکی کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھول سکتا ہے۔" فی بی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بات ٹیمی کو بتاؤ.. میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھولا ہو۔" اس نے وارڈروب بند کر دی۔

فی بی اسے پرسوچ نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

کیف چائے کا کپ ہاتھ میں لئے خوش نصیب کے پیچھے آیا۔

"نصیبن!... اری او میری نصیبن!..."

وہ رک بھی گئی اور پلٹ کر اسے گھورا بھی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے اسطرح مت بلایا کرو... خوش نصیب نام ہے میرا۔"

"اتنا لمبا نام لیتے میرا منہ تھک جاتا ہے.. اس لئے پیار سے نصیبن کہہ دیتا ہوں... کیوں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" اس نے گھور کر دیکھا۔

''اچھا...جا کہاں رہی ہو...بات تو سنو۔''اس نے ہنسی دبائی۔

''کیا تکلیف ہے؟''پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''تکلیف تو دل میں ہے...وہ کیا کہتے ہیں اسے؟...ہاں دردِ محبت۔''وہ چائے گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا تیز تیز اس کے پاس آ گیا۔

''کیف!..میں تمہیں قتل کر دونگی....''اس نے انگلی اٹھا کر، دانت کچکچا کر کہا۔''تم دیکھ لینا میں کسی دن واقعی تمہیں قتل کر دونگی۔''

''پہلے ابو سے بات کر لینے دو..اس کے بعد بے شک قتل کر لینا۔''اب وہ ذرا سنجیدہ ہوا۔''اچھا سنو..ابو اور امی کو میں راضی کر لونگا کہ جتنے دن فضیلہ چچی کا مہمان یہاں رہے گا تم لوگ ہمارے پورشن میں رہو گے...روشن چچی کو منانا تمہاری ذمہ داری۔''

''ان کی فکر تم نہ کرو...میں منا لونگی۔''وہ بھی جھگڑا بھول گئی۔''اور روشن امی کیوں نہیں مانیں گی؟..تمہارے کمرے میں میلی جرابوں کی بدبو آتی ہے لیکن کبوتروں کی سمیل والے کمرے میں رہنے سے تو یہ سو درجے بہتر ہوگا۔''پر سوچ انداز کیف نے اسے گھور کر دیکھا۔

''ایسی بات ہے تو ابو اور امی کو بھی تم ہی منا لو۔''

''ہائے ہائے..تم تو برا ہی منا گئے...میں تو مذاق کر رہی تھی۔تمہارے کمرے سے تو خوشبو آتی ہے..وہ بھی چوبیس گھنٹے۔''اُس نے دانت نکالے۔

کیف اسے گھور کر بولا۔

''تم باہر ہی رہنا..میں ابو کے پاس جا رہا ہوں۔''

صابر احمد برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔کیف چائے لیکر ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

خوش نصیب کی طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ٹوہ لیتی اندر ٹی وی لاونج میں آ گئی۔یہاں سے ایک کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اس نے کھڑکی کا پٹ سرکایا اور پردے کی اوٹ میں ہو کر باہر کی آوازوں پر کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔

کیف نے اسے اندر ہی رہنے کی تاکید کی تھی لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار میں کہی ہوئی بات مان لے۔

نرم گرم سی دھوپ برآمدے کی چھت کے ڈیزائن سے چھن چھن کر آ رہی تھی اور فرش پر کھیل رہی تھی۔منی پلانٹ کی بیلیں ستونوں سے لپٹی ہوئی تھیں اور دھوپ سے خوب چمک کر تر و تازہ محسوس ہوتی تھیں۔

صابر احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایک نظر کیف کو دیکھا۔

''تم کوئی بات کرنا چاہ رہے تھے؟''

کیف نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا لحظہ بھر کو سوچا پھر بولا۔''جی ابو!..''

''ہاں بولو...''وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے۔''خیریت تو ہے ناں...پیسے چاہیے؟''

''نہیں... پیسے بہت ہیں میرے پاس...''

''ہاں بھئی...اب تو خود کمانے لگ گئے ہو...اب تمہیں باپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کی کیا ضرورت ہے۔''انہوں نے شرارت سے کہا کیف ہنس دیا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے..جتنے میں کماتا ہوں وہ آپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا..ہاں بس دل کو تسلی ضرور رہتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے...بہت اچھی بات ہے۔''انہوں نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اسے سراہا۔''میں اپنے دوستوں کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں...کچھ تو تم سے بڑی عمر کے ہیں لیکن احساس ذمہ داری نام کو بھی نہیں ہے...لیکن تم ماشاءاللہ میرے بہت لائق اور سمجھدار بیٹے ہو...''

صابر احمد کے منہ سے نکلنے والے تعریفی جملوں کے ساتھ ساتھ کیف کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب دانت پیسنے لگی۔

''ہاں ٹھیک ہے میری مدد کر رہا ہے مگر اب کوئی ایسا بھی لائق سمجھدار نہیں ہو گیا یہ کیف کا بچہ...کہ تایا ابو تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے...اونہہ...''جوش جذبات سے وہ ذرا آگے ہوئی۔

''ابو!...میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا..اگر آپ کو برا نہ لگے تو...''

''ہاں...ہاں بولو....''

اسی وقت کیف جو صابر احمد کے سامنے تمہید باندھ رہا تھا اس کی نظر خوش نصیب پر پڑ گئی۔وہ گڑبڑا کر اپنی جگہ سے دو فٹ اوپر اچھلا۔اسے خوش نصیب سے ایسی دلیری کی توقع نہیں تھی۔

''وہ...وہ ابا...مم...میں...''بیچارہ بھول ہی گیا کیا کہنے آیا تھا۔صابر احمد اس معاملے میں سخت مزاج تھے اگر انہیں بھنک بھی پڑ جاتی کہ خوش نصیب ان کی اور کیف کی باتیں سننے کی غرض سے کھڑی ہوئی ہے تو خوش نصیب کی بنا ٹکٹ باری آ جانی تھی۔ایسی اس کی طبیعت صاف کرتے کہ لگ پتا جاتا۔

''کیا ہوا تم کھڑے کیوں ہو گئے...؟''تعجب سے پوچھا۔''بیٹھ کر آرام سے بات کرو۔''

''...پھر کبھی ابو!...''وہ بری طرح سٹپٹایا ہوا تھا خوش نصیب اسے اشارے کر رہی تھی کہ وہ بیٹھ جائے اور بات جاری رکھے۔کیف کو فکر تھی اگر خوش نصیب کی یہاں موجودگی سے کوئی واقف ہو گیا تو ایک منٹ میں بات بنالی جائے گی کہ وہ کیف کو سمجھا بجھا کر اپنے حق میں کرتی ہے۔فضیلہ چچی تو ایسے موقعوں پر''قابو میں کیا ہوا ہے''ٹائپ جملے بولنے سے بھی نہیں چوکتی تھیں۔جبکہ کیف خوش نصیب کے لئے مزید کسی ذہنی آزار کا باعث بننا نہیں چاہتا تھا وہ اسے زندگی میں آسانیاں دینا چاہتا تھا۔

خوش نصیب یہ بات نہیں سمجھتی تھی وہ من مانی کر کے بنتے کام بگاڑ دینے کی ماہر تھی۔

کیف گھبراہٹ میں مسلسل کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا صابر احمد کھٹک گئے انہوں نے کیف کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا خوش نصیب ایک دم سے اوٹ میں ہوگئی۔

''بات کیا ہے کیف!'' صابر احمد نے اب اخبار سمیٹ کر ایک طرف کر دیا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کک...کوئی بات نہیں ہے ابو!''

''میں تمہارا باپ ہوں میرے باپ بن کر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو...یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ'' انہوں نے ایک منٹ میں اس کے سارے دلائل رد کر دیئے تھے۔

کیف ناچار بیٹھ گیا۔دل میں دعا کرتا کہ خوش نصیب کوئی بیوقوفی نہ کرے۔

''میں آپ سے روشن چچی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں بولو...کیا ہوا ہے روشن کو؟''

''نہیں...روشن چچی کو کچھ نہیں ہوا....'' اس نے کہا۔'' ابو! آپ کو نہیں لگتا ان کا پورشن خالی کروا کے ہم سب ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔''

صابر احمد نے دائیں ٹانگ بائیں پر رکھ لی اور سنجیدگی سے بولے۔

''نہیں..مجھے ایسا نہیں لگتا۔''

کیف مایوس ہوا لیکن وہ ایسے ہی جواب کی توقع کر رہا تھا۔

''فضیلہ چچی کو اپنے مہمان کو اپنے پورشن میں ٹھہرانا چاہیئے...اور پھر ایک مہمان کیلئے پورا پورشن خالی کروانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''مہمانوں کے لئے ہمیں ایک گیسٹ روم بنوانا ہی تھا...اب باسط کے پورشن کو ری نیو کروا لیں گے...شفیق نے کہا ہے وہ اپنی ذمہ داری میں پورا پورشن ری نیو کروائے گا۔''

''لیکن ابو! اوپر والے کمرے کی حالت تو ایسی نہیں ہے...کہ وہاں روشن چچی، ماہ نور، خوش نصیب اور نانی رہ سکیں۔'' اس نے احترام کے ساتھ کہا۔''میں سوچ رہا تھا کیوں نہ وہ چاروں میرے کمرے میں شفٹ ہو جائیں۔''

''ہوں...'' صابر احمد نے کچھ دیر سوچا۔'' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے...لیکن میرا خیال ہے تمہاری ماں راضی نہیں ہوگی۔''

''آپ مان گئے تو امی کو میں منا لونگا۔''

''کیوں اپنے لئے اتنے دردسر مول لیتے ہو کیف!...''

''دردسر نہیں ہے ابو! احساس ذمہ داری ہے...''

وہ اثبات میں سر ہلانے لگے جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے ہوں پھر مسکرانے لگے اور بولے۔

''میں تمہارے احساس ذمہ داری کی قدر کرتا ہوں کیف! لیکن میرا خیال ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ روشن اور اس کی بیٹیوں کے لئے اوپر کا وہ ایک کمرہ ہی کافی ہے۔'' انہوں نے بیحد آرام سے کہہ دیا۔

کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب ایک دم سے مایوس ہوئی۔ یہی صورتحال کیف کی تھی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ آیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے گی۔

''لیکن ابو!....'' اس نے کہنے کی کوشش کی۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں... ان لوگوں کی ضروریات ہی کتنی ہیں کہ انہیں پورا پورشن دیا جائے... جہاں تک ہمارے پورشن میں رہنے کی بات ہے تو ہر ایک کی اپنی پرائیوسی ہوتی ہے میرا نہیں خیال روشن بھابھی بھی یہاں آ کر رہنا چاہیں گی۔''

''میں ان سے بات کرلونگا...''

''ذرا فہمینہ سے کہنا مجھے ایک کپ چائے دے جائے۔'' انہوں نے دوبارہ اخبار کھول لی یہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ اب دفع ہو جاؤ۔

خوش نصیب کا دل ہی ٹوٹ گیا اگلے ہی پل اس نے ناراضی اور غصے سے پردہ چھوڑ دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

کیف مایوس سا سر جھکا کر اندر سے نکلا۔

☆......☆......☆

اس روز منفرا بیدار ہوئی تو بروکلن ہائیٹس پر ایک اور چمکتا ہوا دن طلوع ہو چکا تھا۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو طبیعت پر چھائی ہوئی سستی دور ہو گئی۔ وہ پارٹ ٹائم میں ایک گروسری اسٹور پر کام کرتی تھی پچھلی رات اس کی نائیٹ شفٹ تھی اسلئے صبح اپنی روٹین کے برعکس وہ لیٹ بیدار ہوئی تھی اب لیٹ اٹھی تھی جاگنگ پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس روز اس کا ارادہ میوزیم جانے کا بھی تھا۔ اور ایک چمکتے ہوئے دن کے لئے یہ ایک اچھا پروگرام ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات اسے ڈاکٹر ریمسن کا پیغام ملا تھا۔ وہ شہر کے بہترین سائیکا ئیٹرسٹ اور ان کے ڈپارٹمنٹ کے ڈین تھے۔ انہوں نے کہا تھا چونکہ آج وہ اپنی سائیکا ئیٹری سے وابستہ مصروفیات کی وجہ سے کالج نہیں آ سکیں گے اس لئے اگر منفرا کو وقت نہ ہو تو وہ ان کے پاس ان کے سائیکا ئیٹرک کلینک آ جائے۔ تاکہ مزید وقت ضائع کیے بنا اس کے فائنل ائیر کے ریسرچ ورک کو ڈسکس کر لیا جائے۔ منفرا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے راستے گننا شروع کیئے تو اندازہ ہوا ڈاکٹر ریمسن کی سائیکا ئیٹری میوزیم کے راستے میں ہی ہے۔ منفرا نے سوچا وہ ایک ساتھ دو کام نمٹا لے گی۔

اس مقصد کے لئے اس نے فی بی کی سائیکل بھی ادھار لے لی۔

جس وقت وہ تیار ہو کر ہاسٹل سے نکلی۔ اپنا کراس بیگ کمر پر لٹکائے اونچی پونی ٹیل جھلاتی ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ ذرا

سی دیر میں سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی تبھی اس کے موبائل کی بیپ بج اٹھی۔ اس نے مشاقی سے سائیکل چلاتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا۔ مام کی کال تھی۔ منفرا نے پہلے ہیڈ فون کانوں میں ٹھونسا پھر کال اٹینڈ کر کے موبائل دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ اور سارا راستہ مام سے باتیں کرتے ہوئے عبور کیا۔ ان کا اصرار تھا منفرا کچھ دن کے لئے مونٹوک آئے اور ان کے پاس قیام کرے وہ اداس ہو رہی تھیں اور ارادہ رکھتی تھیں کہ منفرا کی آمد پر اس کی پسند کی ہر چیز بنائیں گی۔

منفرا نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے ویک اینڈ پر ضرور مونٹوک آئے گی۔ مام سے بات کرنے کے دوران اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا جب اس نے فون بند کیا تو وہ اپنے طے شدہ وقت سے بیس منٹ لیٹ ہو چکی تھی اور یہ اس کی سنگین کوتاہی تھی جسے پروفیسر ریمسن جیسا وقت کا پابند انسان یقیناً معاف کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ منفرا گویا ہوا سے باتیں کرتی ہوئی سائیکل چلانے لگی۔

ڈاکٹر ریمسن کی سائیکائیٹری، ایڈمز ٹاور کی دوسری منزل پر تھی۔ منفرا نے سائیکل پارکنگ میں لگائی اور بذریعہ لفٹ دوسری منزل پر پہنچی۔ سائیکائیٹری میں اس روز زیادہ رش نہیں تھا۔

"آپ لیٹ پہنچی ہیں میم!" ریسپشنسٹ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"جانتی ہوں..." منفرا نے ناک چڑھا کر کہا۔ "کیا اگلا پیشنٹ اندر جا چکا ہے؟" اس نے بڑی امید سے پوچھا کہ شائد جواب نہ میں ملے گا۔

"نہیں۔"

"یس... یہ ہوئی ناں بات۔" وہ خوش ہو گئی۔ "کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟"

"مسٹر ریمسن! ابھی مصروف ہیں... آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔" ریسپشنسٹ نے مسکرا کر اس سے کہا منفرا پہلے بھی دو چار بار یہاں آ چکی تھی اس لئے ریسپشنسٹ جانتی تھی وہ ڈاکٹر ریمسن کے پسندیدہ اسٹوڈنٹس میں سے ہے۔

منفرا مایوس سی ہو گئی۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگلے پیشنٹ سے پہلے مجھے پروفیسر سے بات کرنے کا موقع مل جائے؟" منفرا نے اپنی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے لجاجت سے پوچھا تھا

"یہ ممکن نہیں ہے میم! آپ جانتی ہیں مسٹر ریمسن اپنے پیشنٹس کے معاملے میں کتنے پکے ہیں۔"

منفرا کو مایوسی ہوئی لیکن اب انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ناچار وہ ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گئی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ اسے انتظار کرنا پڑا یہ وقت اس نے جمائی لیتے ہوا گزارا پھر ریسپشنسٹ نے اسے اندر جانے کا عندیہ دیا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوئی اور ایسے اندر داخل ہوئی جیسے گیٹ بند ہو جانے کا خطرہ ہو۔

"گڈ مارننگ پروفیسر! امید کرتی ہوں میرے دیر سے پہنچنے کا آپ نے برا نہیں منایا ہو گا۔" وہ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے بولتی چلی گئی۔

''ہرگز نہیں...کیونکہ مجھے اب عادت ہو چکی ہے۔'' پروفیسر ریمسن نے خیر سگالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

منفرا کھلکھلا کر ہنسی۔ ''آفٹر آل میں آپ کی سب سے لائق اور ذہین اسٹوڈنٹ ہوں۔''

''آف کورس...'' پروفیسر صاحب متانت سے مسکرائے پھر بولے۔ ''اوہ میں آپ لوگوں کا انٹروڈکشن کروا دوں...''

اس بات پر پہلی بار منفرا کو اندازہ ہوا کمرے میں پروفیسر اور اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس نے اس تیسرے شخص کی طرف دیکھا اور اس کا دل ایک لمحے کے لئے تھم کر بحال ہوا۔

''ان سے ملو مس منفرا! یہ معاویہ شیرازی ہیں. انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ اتنی سی عمر میں بزنس میں بہت نام کما لیا ہے...اور تمہیں پتا ہے پچھلے سال ان کی کمپنی کو بہترین کارکردگی پر stevie award ملا تھا...'' پروفیسر ریمسن بڑے متاثر کن انداز میں اسے بتا رہے تھے۔

معاویہ ان کی بات سن کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی سرد مہر آنکھیں جیسے کہیں غائب ہو چکی تھی اور وہ بڑی خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے نقوش پارک والے معاویہ سے ملتے تھے آنکھوں کے تاثرات نہیں۔ منفرا نے دل میں سوچا۔

''کم آن ڈاکٹر! آپ میری بہت تعریف کر رہے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا لیکن انداز میں جھینپ بھی تھی۔

''وہ اس لئے کیونکہ میں تم سے بہت متاثر ہوں...اتنی سی عمر میں اتنی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں کہ میری عمر کے لوگ تم سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ہیں۔'' اس بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر منفرا کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''ھیلو...آئی ایم معاویہ!...'' اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ منفرا نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معاویہ نے خیر سگالی کے تحت اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور منفرا کو ایسا لگا اس کی ساری جان سمٹ کر ہتھیلی میں قید ہو گئی ہو۔ صرف یہی نہیں معاویہ کی مسکراہٹ منفرا کے دل پر اوس بن کر برسنے لگی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی اور پرسکون کر دینے والی۔

''ھیلو...میں منفرا ہوں...منفرا اسکندر...'' اس نے خود ہی کو کہتے سنا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس سکندر!'' وہ بہت باوقار طریقے سے مسکرایا تھا۔

''مجھے بھی۔'' منفرا مسکرائی لیکن اس نے محسوس کیا یہ مسکراہٹ فطری نہیں تھی پتا نہیں کیوں لیکن مسکرانے کے لئے اسے خود کو مجبور کرنا پڑ رہا تھا۔اس کے چہرے پر حیرانی کے تاثرات زیادہ لپک لپک کر آ رہے تھے۔

''منفرا کے بارے میں بتا تا چلوں۔ سینٹ فرانسس کی چند بہترین اسٹوڈنٹس میں سے ایک ہے بس اس نے ایک کام غلط کیا...میری بات مان کر گریجویشن میں سائیکالوجی کے دو میجرز لئے ہوتے تو عنقریب اس کا شمار امیریکہ کے بہترین سائیکالوجسٹس میں ہوتا۔'' ڈاکٹر ریمسن نے اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں کہا تھا۔

''میں ذہانت کی قدر کرتا ہوں... بلاشبہ ان کا تعارف مجھ سے پہلے ہونا چاہیئے تھا۔'' معاویہ نے بے ساختہ کہا اور متاثر کن انداز میں منفرا کو دیکھا۔ ڈاکٹر ریمسن اور منفرا دونوں بے ساختہ اس کی بات پر ہنسے تھے۔ معاویہ بے شک دلچسپ حس مزاح رکھتا تھا۔

''لیکن سائیکالوجی منفرا کی پسندیدہ فیلڈ نہیں ہے... یہ ہمیشہ سے پینٹر بننا چاہتی تھی۔''

معاویہ اس بار پہلے سے زیادہ متاثر نظر آیا۔اس نے ایسے منفرا کو دیکھا جیسے یہ کوئی بہت بڑی خصوصیت ہو۔

''واقعی؟...سن کر اچھا لگا... مجھے بھی پینٹنگ میں دلچسپی ہے..میں چاہوں گا ڈاکٹر ریمسن! آپ مس سکندر کو بھی میرے آفس لے کر آئیں اور یہ میری پینٹنگز کا کولیکشن دیکھیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں...'' ڈاکٹر ریمسن منفرا کی طرف ایسے دیکھا جیسے گیند اس کے کورٹ میں ڈال رہے ہوں۔

''یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہوگی مسٹر شیرازی!..میں کبھی ضرور آپ کی کالیکشن دیکھونگی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے باوقار انداز میں کہا۔

''مجھے اب اجازت دیں ڈاکٹر ریمسن! آپ سے ملاقات اچھی رہی....'' معاویہ نے اب ڈاکٹر ریمسن کو دیکھا۔''امید ہے اگلی بار ہم میرے آفس میں ملیں گے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' ڈاکٹر ریمسن مسکرائے۔ معاویہ نے ڈاکٹر ریمسن سے ہاتھ ملایا منفرا پر الوداعی مسکراہٹ اچھالی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ منفرا کی نظروں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے معاویہ کا تعاقب کیا۔اس کی چال باوقار اور غیر متزلزل تھی۔ایسی چال مضبوط قوت ارادی کے حامل افراد کی ہوتی ہے۔منفرا نے دل میں سوچا۔

ابھی اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ڈاکٹر ریمسن کو کچھ یاد آیا اور انہوں نے معاویہ کو پکارا۔

''اپنا prescription (نسخہ) لیتے جاؤ۔''

''اوہ ہاں...اس بارے میں تو میں بھول ہی گیا۔'' معاویہ واپس آیا۔

http://kitaabghar.com

"تمہیں کچھ دن یہ دوائیں استعمال کرنی چاہیئے..تم بہتر محسوس کرو گے۔" ڈاکٹر ریمسن بات کرتے ہوئے اپنی میز پر ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے انہیں جیسے کسی چیز کی تلاش تھی جو انہیں مل نہیں رہی تھی۔

"پتا نہیں میں نے وہ نسخہ کہاں رکھ دیا۔" ڈاکٹر ریمسن نے ایک دو فائلز کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہا پھر جب وہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنا نسخوں والا نوٹ پیڈ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تمہیں دوسرا نسخہ لکھ دیتا ہوں۔" انہوں نے نسخہ لکھ کر معاویہ کی طرف بڑھا دیا۔

نسخہ لیکر بھی وہ متذبذب دکھائی دیتا تھا۔"آپ کو لگتا ہے یہ دوائیاں کام کریں گی؟"

"بالکل....." ڈاکٹر ریمسن نے کہا۔"تم بے فکر ہو کر انہیں استعمال کرو۔.."

"شکریہ ڈاکٹر..." وہ چلا گیا۔

تب منفرا جیسے کسی خواب سے جاگ کر ڈاکٹر ریمسن کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"بتایا تو ہے..وہ انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے منسلک ہے..اور میں اس کی کمپنی کے چند شیئرز کا مالک ہوں۔" ڈاکٹر ریمسن کی چہیتی اسٹوڈنٹ تھی وہ۔

"یہاں کس لئے آیا تھا۔" پتا نہیں منفرا کو کیوں اتنا تجسس ستا رہا تھا۔

"وہ پرائمری انسومینا (primary insomnia) (نیند نہ آنے کی بیماری) کا شکار ہے...اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"انسومینیا..." وہ حیران ہوئی۔"اسے دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ یہ انسومینیا کا مریض ہوگا۔"

"پرائمری انسومینیا" ڈاکٹر ریمسن نے تصحیح کروائی"..یعنی ہر سات دن میں دو راتیں بے خواب گزرتی ہیں۔"

"آپ نے اس سے وجہ نہیں پوچھی؟"

"ڈراؤنے خواب....اسے ڈراؤنے خواب جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

"اس کی فیملی ہسٹری پتا کرنا چاہیئے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔"آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ اور بتائیں۔"

"ایک اچھا سائیکائٹرسٹ اپنے پیشنٹس کے راز کبھی کسی دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا۔" ریمسن مسکرائے۔"تمہیں یاد ہے؟....میں یہ بات ہمیشہ کہتا ہوں۔"

"منفرا جھینپ سی گئی۔"جی یاد ہے۔"

"اگرچہ معاویہ میرا پیشنٹ نہیں ہے پھر بھی میں اس کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرونگا۔ وہ یہاں کسی کاروباری معاملے کے

سلسلے میں آیا تھا۔ بات برائے بات اس کی شب خوابی کا ذکر آ گیا تو میں نے اسے دوائیاں لکھ دیں۔...اب اگر تم اپنی انکوائری پوری کر چکی ہو تو پراجیکٹ کے بارے میں بات کر لیں؟'' ڈاکٹر ریمسن نے اتنا اچانک کہا کہ منفرا بری طرح جھینپ گئی اور اس کے گال سرخ ہو گئے۔ ایسے وہ اور زیادہ خوبصورت لگنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''خوش نصیب!...خوش نصیب!...میری بات سنو..''

کیف اس کے پیچھے دوڑا آیا۔ وہ رکی نہ پلٹی۔ سیڑھیوں کے عین سامنے کیف اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''بات تو سنو میری۔'' وہ منت سے کہہ رہا تھا۔

خوش نصیب نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ غصے سے خون کھول رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں سنوں گی میں...ہٹو میرے آگے سے۔...مجھے پتا تھا یہی ہوگا..اس سے پہلے کبھی کسی نے ہمارا ساتھ دیا ہے جو اب کچھ ہوتا...پتا نہیں میں تمہاری باتوں میں کیوں آ جاتی ہوں۔''

''میں نے تو اپنی سی پوری کوشش کی ہے۔'' وہ بیچارگی سے بولا۔ ''اب ابو نہیں مان رہے تو میں کیا کروں؟''

''نہیں منا سکتے تھے تو بڑھ بڑھ کر بول کیوں رہے تھے۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''میں مدد کرنا چاہتا تھا۔'' وہ جیسے شاکڈ ہو کر بولا تھا۔

''اگلی بار کوشش بھی نہ کرنا۔'' وہ تڑخ کر بولی اور جانے لگی۔ کیف ایک دم سے سامنے آیا۔

''غصہ جانے دو۔ جذباتی پن سے معاملات بگڑتے ہیں۔'' تحمل سے سمجھایا۔

''کون سے معاملات؟...وہ جو کبھی ہمارے حق میں تھے ہی نہیں۔'' وہ جذباتی بھی تھی اور اس کا دل بھی چھوٹا تھا آنکھوں میں تیرتے موٹے موٹے آنسوؤں نے اس بات پر مہر ثبت کی۔

کیف پہلے ہی شرمندہ شرمندہ سا تھا آنسو دیکھ کر بالکل ہی بے بس ہو گیا۔

''اب رو تو مت۔'' منت سے کہا۔

''روئیں میرے دشمن۔'' ہاتھ کی پشت سے اس نے ناک رگڑی اور انگلی اٹھا کر بولی۔ ''تم دیکھنا...ایک دن میں تم سب کو رلاؤں گی...اپنے ساتھ ہونے والی ایک ایک زیادتی کا بدلہ لونگی۔'' لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ اس نے غضب ناک انداز میں کہا سرعت سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیوں چڑھ گئی۔

کیف صمٌ بکمٌ کھڑا تھا۔

عرفات کسی کام سے باہر آئے تھے کیف کو یوں ہونق سا بنا کھڑا دیکھا تو قریب آ گئے پہلے تو اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ سر

http://kitaabghar.com

اٹھائے سیڑھیوں میں کیا تلاش کر رہا ہے پھر گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

کیف نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا؟....شاہجہان کا کبوتر تمہارا رقعہ لانے والا تھا جو اس طرح انتظار میں کھڑے ہو؟"

کیف نے انہیں دیکھا اور بیچارگی سے بولا۔"خوش نصیب ناراض ہوگئی ہے۔"

"تو کونسا پہلی بار ہوئی ہے؟....ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں اور جہاں تک میری معلومات ہیں چھ دن وہ تم سے ناراض ہی رہتی ہے۔"

"ماموں! آپ تو ایسے نہ کہیں۔" وہ منہ بسور کر بولا۔"پہلے ہی میرا دل عجیب سا ہو رہا ہے۔"

"یار! تمہاری عمر میں بیک وقت مجھ سے دو، دولڑکیاں ناراض ہو جایا کرتی تھیں...میں نے کبھی پرواہ نہیں کی......تم ایک کی ناراضی سے گھبرا گئے۔" وہ ہرگز بھی سنجیدہ نہیں تھے کیف کو بھی ہنسی آ گئی۔

"میں دو تو کیا چار کو ناراض کر کے پانچویں کے ساتھ خوشی خوشی ڈیٹ پر جا سکتا ہوں لیکن خوش نصیب تو خوش نصیب ہے...آپ جانتے ہیں اس جیسی دوسری کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"اس میں بھی کیا شک ہے۔" وہ متبسم لہجے میں بولے۔

"اچھا سنو...یہاں کھڑے رہنے سے وہ مان نہیں جائے گی نہ ہی اس کی ناراضی اسقدر شدید ہوتی ہے کہ جا کر چھت سے چھلانگ ہی لگا دے..."اس لئے بے فکر ہو کر میرے ساتھ چلو..."اس بار کیف زور سے ہنس دیا۔

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں۔"

وہ عرفات کے ساتھ چل دیا۔

☆......☆......☆

ایک چمکیلی صبح فلک بوس کے دالان میں اٹھکیلیاں کرتی پھرتی تھی۔آسمان روشن اور چمکدار تھا۔

آئے کت نے ایک گہری سانس لی اور قدرت کی ساری تازگی کو اپنے اندر اتار لیا۔پھر آنکھیں کھولیں اور مسکراتے ہوئے پھولوں کو دیکھنے لگی۔اس کے ہاتھ مشاقی سے سلائیوں کے ذریعے پیٹرن بننے میں مصروف تھے۔گود اور پیروں کے قریب پڑی باسکٹ میں دھنک رنگ اون رکھی تھی۔

ساتھ والی کرسی پر وسامہ بیٹھا تھا اور اخبار کی شہ سرخیوں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔آئے کت کا دل اس بات سے خوش ہوا۔عورت جس مرد سے محبت کرتی ہے اس کا ذہنی سکون بھی عورت کے لئے بہت بڑی مسرت کا باعث بنتا ہے۔تو آئے کت بھی خوش تھی کیونکہ وسامہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔اس کی خوشی کی دو وجوہات اور بھی تھیں ایک تو یہ کہ معاویہ کی بھجوائی ہوئی نٹنگ مشین

http://kitaabghar.com

کے ذریعے اس نے اتنے پیٹرن تیار کر لئے تھے کہ انہیں با آسانی مارکیٹ میں بھجوایا جا سکتا تھا دوسری اور سب سے اہم بات اسے یقین تھا اس بار اللہ اس پر کرم کرے گا اور اس کی گود ضرور بھر دے گا۔ یہ وہ واحد خواہش تھی جس کا ذکر وہ وسامہ کے سامنے نہیں کرتی تھی مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی خواہش بڑھتی جا رہی تھی۔

''آئے کت! اگر تم کچھ فارغ ہو تو تھوڑی دیر تک نیچے وادی میں جائیں گے..مجھے سٹیشنری کا کچھ سامان خریدنا ہے۔''

آئے کت کی سوچوں کے سلسلے کو وسامہ کی آواز نے توڑ دیا تھا۔ وہ وسامہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''ہاں کیوں نہیں..یہ آخری پیٹرن ہے۔ میں پورا کر لوں پھر چلتے ہیں۔''

وسامہ نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تم بہت محنتی ہو...اللہ تمہیں کامیاب کرے...میں معذور نہ ہوا ہوتا تو تمہیں کبھی اتنی محنت نہ کرنی پڑتی۔'' اس کے چہرے پر تاریک سایہ لہرایا تھا۔ آئے کت کے دل کو کچھ ہوا۔ وسامہ ایسا نہیں تھا وہ برے سے برے حالات میں بھی مایوسی کا ذکر نہیں کرتا تھا وہ ہمیشہ پر امید رہتا تھا۔ لیکن جب سے حادثے کا شکار ہوا تھا ہر کچھ دن کے بعد اسی طرح مایوسی کی باتیں کرنے لگتا تھا۔ ایسے میں آئے کت کو کڑی محنت کرنا پڑتی۔ وہ زندگی کے اچھے پہلو نکال کر وسامہ کو دکھاتی اور ثابت کرنے کی کوشش کرتی کہ وہ ناکام نہیں ہے۔

''آپ معذور نہ ہوئے ہوتے میں تب بھی اتنی ہی محنت کرتی...کیونکہ اپنا کاروبار کرنا ہمیشہ سے میرا خواب رہا ہے۔'' آئے کت نے خوبصورتی سے بات کو ایک الگ رخ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہیں یاد ہے آئے کت! ہم پہلی دفعہ کہاں ملے تھے؟'' وسامہ نے گزرے دنوں کی ایک یاد کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے پوچھا وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''بہت اچھی طرح سے...'' آئے کت نے سلائیوں پر نیلے رنگ کی اون چڑھاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ ''ہم اس ہاسپٹل کے کاریڈور میں ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے جہاں میں ملازمت کرتی تھی۔ آپ زخمی ہو کر آئے تھے اور بضد تھے کہ پولیس کی مداخلت سے پہلے آپ کو ٹریٹمنٹ دیا جائے۔''

''نہیں....وہ دوسری ملاقات تھی...اس سے پہلے میں نے تمہیں پھولوں کی نمائش میں دیکھا تھا..بہت سارے سرخ اور سفید للّی کے پھولوں کے درمیان تم بھی مجھے ایک خوبصورت پھول لگی تھیں۔''

آئے کت نے خوشگوار سی حیرانی کے ساتھ اسے دیکھا۔

''یہ بات آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟...میں نے اپنی ایک سہیلی کے ساتھ مل کر اس نمائش میں ایک اسٹائل لگایا تھا..انشرح کو اسسٹنٹ کی ضرورت تھی....اگر وہ مجھے مجبور نہ کرتی تو میں کبھی اس نمائش میں نہ جاتی۔''

''یہ ممکن نہیں تھا کہ تم وہاں نہ جاتی..اللہ ہمیں ملوانا چاہتا تھا اس لئے اس نے اس ملاقات کی راہ ہموار کی تھی۔''

''لیکن ہم وہاں نہیں ملے...ہم تو ہاسپٹل میں...''

''میں نے بتایا ناں وہ دوسری ملاقات تھی۔''اب وسامہ شرارت سے مسکرانے لگا۔''ہاسپٹل تو میں تمہارے پیچھے آیا تھا۔''

آئے کت خوشگوار انداز میں شاکڈ ہوئی۔''کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں یہی سچ ہے...مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی...میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔معاویہ نے تمہارے where abouts کا پتا لگایا..اور مجھ کو زخمی ظاہر کر کے ہاسپٹل جانے کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا...تمہیں یاد ہے اس روز معاویہ اور اس کے دوستوں نے ہاسپٹل میں کتنا شور مچایا ہوا تھا...''

''بہت اچھی طرح یاد ہے...''وہ یاد کر کے ہنسی۔''اور یہ بھی کہ معاویہ چاہتا تھا آپ کو میں ہی بینڈیج کروں..وہ تو شکر ہے وہاں ڈاکٹر نعمان آ گئے اور انہوں نے سب کو بھگا دیا۔''

''اس کے بعد ہم کہاں ملے؟''وہ یاد کرنے لگا۔

''اب یہ بھی میں یاد دلاؤں۔''وہ مصنوعی انداز میں آنکھیں نکال کر بولی پھر ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔وسامہ اسے دیکھتا رہا آئے کت کو ہنستے کھلکھلاتے دیکھنا ہمیشہ اس کے لئے ایک دلچسپ منظر ہوتا تھا۔وہ بیوی بھی تھی محبوبہ بھی۔اس کا عشق بھی تھی عزت بھی۔اس کے لئے وسامہ نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا ان کی ناراضگی برداشت کر لی تھی اس عورت کے بغیر رہنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ہنستے ہوئے آئے کت کو عجیب سا احساس ہوا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔اس کے سلائیوں کو حرکت دیتے ہوئے ہاتھ رک گئے اور ہنسی بھی جیسے تھم سی گئی۔لاشعوری طور پر اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا لیکن دور دور تک فلک بوس کا سبزہ زار پھیلا تھا اور اس کے اور وسامہ کے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''یہ ضرور میرا وہم ہوگا۔''اس نے سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑوایا تھا۔

''وسامہ!میں یہ اون سلائیاں اندر رکھ آتی ہوں پھر وادی چلتے ہیں۔''اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''خاتون بی بی سے کہو...وہ اندر رکھ دے گی۔''

''خاتون بی بی کا کواٹر یہاں سے اتنا دور ہے کہ اس سے کچھ کہنے کے لئے بھی مجھے ایک لمبا راستہ طے کرنا ہوگا...اس سے بہتر ہے میں خود رکھ آؤں..کبھی کبھی میں سوچتی ہو وسامہ!فلک بوس میں ہم کسی مشکل کا شکار ہوئے تو فوری طور پر ایک دوسرے کی مدد کے لئے بھی نہیں پہنچ سکیں گے...ایک تیز رفتار گاڑی ہونی چاہیئے تھی جسے فلک بوس کے اندر استعال کیا جاتا۔''وہ مذاق کر رہی تھی وسامہ نے اس کے مذاق کو انجوائے کیا۔

''پتا نہیں معاویہ کے دادا جان نے کیا سوچ کر اتنی وسیع و عریض عمارت بنوائی ہوگی؟۔''

''بشام کے نواب صاحب نے ان کی خدمات کے عوض فلک بوس انہیں انعام میں دیا تھا..تمہیں پتا ہے تہہ خانے میں ایک قید

خانہ بھی ہے...سنا ہے نواب صاحب وہاں خطرناک مجرموں کو رکھتے تھے۔بعض کا تو انتقال بھی اسی قید خانے میں ہوا تھا۔“

”توبہ کیسی ڈرا دینے والی ہسٹری ہے اس قلعے کی۔“

”ہاہاہا...اب تم ڈر رہی ہو۔“ وہ بدلہ لینے لگا اور آئے کت سمجھ گئی وسامہ اسے چڑا رہا تھا کیونکہ وہ اسے چڑاتی رہی تھی۔وہ ہنس دی۔

”یہ پیٹرن مکمل ہو گیا؟“

”ہاں...بس اندر کی سلائی باقی ہے۔“

”تمہارے ہاتھ میں بہت مہارت ہے...اس پیڑن کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی ماہر کا کام نہیں ہے...“ وسامہ نے پیٹرن کے کونے کو چھوتے ہوئے کہا۔

”شکریہ...کاش میں آپ کو اپنی ماماجان کے ہاتھ کے ڈیزائن دکھا سکتی..میرا کام تو ان کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔“

دونوں ہی کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئے جیسے ایک دل دکھا دینے والا موضوع ان کے درمیان آ گیا ہو۔

”میں دعا کرتا ہوں.تمہارے ماں باپ کو اللہ جنت میں جگہ دے۔“

”آمین....“اس نے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور باسکٹ اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

وسامہ نے اسے سر جھکائے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب اوپر آئی چھت صبح کی دھوپ سے بھری ہوئی تھی۔اس نے غصے میں جا کر کبوتروں کے ڈربے کھول دیئے۔

آن کی آن چھت مختلف رنگوں کے کبوتروں سے بھر گئی۔اور کبوتروں کی مخصوص آوازوں کا شور مچ گیا۔اس شور سے اس کے غصے کا گراف بڑھنے لگا۔

اس نے باجرے کا لفافہ الٹ دیا۔کبوتر اپنی مخصوص آوازیں نکالتے دانہ چگنے لگے۔

”سب کے سب جھوٹے ہیں ....سب....غاصب،یتیموں کا حق مارنے والے۔“ اس نے غصے سے کبوتروں کی پانی والی کنالیوں کو ہاتھ مارا۔ساری کی ساری دھڑام سے نیچے گریں اور ٹکڑوں میں بٹ گئیں۔کبوتر سہم کر اڑ گئے۔کچھ یہاں وہاں منڈیروں پر جا بیٹھے کچھ ہوا میں قلابازیاں کھانے لگے۔

خوش نصیب نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑے پاؤں پٹخے اور منڈیر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔اسے ابھی دیر تک اپنا دل جلانا تھا اور خون تو پہلے ہی کھول رہا تھا۔

شور کی آواز سن کر کمرے سے روشن آراء باہر آئیں۔اور سر پیٹ لیا۔

”یہ کیا کیا تم نے؟“

http://kitaabghar.com

''جو مجھے ٹھیک لگا وہ میں نے کیا۔'' ناراضی سے بولی۔

''خوش نصیب! پہلے کیا کم پریشانیاں ہیں جو تم نے یہ اور مصیبت اٹھا دی۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔

تبھی کبوتروں کی آوازیں سن کر طوطا دوڑا آیا اور اپنے کبوتروں کی شامت دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

''یہ کیا ہوا ہے؟...میرے کبوتروں کو کس نے کھولا...اور..اور یہ کنالیاں کیسے ٹوٹ گئیں؟''

''میں نے کھولے کبوتر...میں نے توڑیں کنالیاں۔'' تڑخ کر بولی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟'' اس کا صدمے سے برا حال تھا۔

''سارے کبوتر اڑا دیے میرے...''

''شاہجہان بیٹا! تم ناراض مت ہو...کبوتر آجائیں گے۔'' روشن آراء شاہجہان کے ردعمل سے زیادہ اس کی اماں کے ردعمل کا سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں۔

''کیسے آجائیں گے چچی!...یہ آپ کی بدتمیز بیٹی...'' وہ غصے سے بولا

''ایک منٹ...ایک منٹ۔'' خوش نصیب کمر کس کر میدان میں آئی۔ ''یہ بدتمیز کسے کہا ہے؟...اور میری روشن امی سے ذرا آہستہ آواز میں بات کریں۔''

''ایک تو تم نے میرے کبوتر اڑا دیئے اوپر سے ایسے بات بھی کر رہی ہو۔''

''کبوتر تو کیا..میں تو سارے طوطے بھی اڑا سکتی ہوں۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی۔

''خوش نصیب! تم خاموش رہو۔'' روشن آراء آگے آئیں مبادہ بات نہ بڑھ جائے۔

''آپ مجھے کیوں خاموش کروا رہی ہیں ابھی تو میں کچھ بولی ہی نہیں۔''

''جاؤ اور جا کر نیچے سے باجرہ لیکر آؤ۔'' شاہجہان نے سختی اور ناراضی سے کہا۔

''ملازمہ نہیں ہوں میں آپ کی...جائیں اور خود لیکر آئیں۔'' وہ پلٹی۔

''خوش نصیب! بھائی جو کہہ رہا ہے وہ کرو۔'' روشن امی نے سختی سے کہا۔

''کون بھائی؟ کس کا بھائی؟''

''چپ چاپ جاؤ اور باجرہ لیکر آؤ۔'' اب روشن امی نے اتنے غصے سے کہا کہ خوش نصیب کی ساری اکڑ نکل گئی۔ لیکن غصہ نہ گیا۔ شاہجہان کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

روشن امی شاہجہان سے کہہ رہی تھیں۔

''خوش نصیب کی حرکت کے لئے میں معافی چاھتی ہوں شاہجہان بیٹا!...''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

خوش نصیب کے پیروں پر لگی تلووں میں جا کر بھی نہ بجھی۔

''اونہہ...معافی چاہتی ہوں...انہی معافیوں تلافیوں نے ان سب کو سر چڑھا رکھا ہے...'' وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر گئی۔

☆......☆......☆

آئے کت گول طرز کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اس کے ایک ہاتھ میں باسکٹ تھی جس کے اندر کئی رنگوں کی اونیں موجود تھیں۔ سیڑھیوں پر سرخ رنگ کا قالین بچھا تھا جس کے نرم ریشے میں چاپ ابھرنے سے پہلے معدوم ہو جاتی تھی۔

سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے آئے کت کی نظر فانوس پر پڑی۔ کرسٹل کا فانوس ہولے ہولے لرز رہا تھا اور اس کے ایک گلوب پر ایک ننھا سا چوہا بیٹھا اپنے ہاتھ سونگھ رہا تھا۔ آئے کت کے دیکھتے ہی دیکھتے چوہے نے چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا لیکن چوہے کی حرکت سے فانوس کچھ اور زور سے ہلنے لگا یہاں تک کہ اس کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔

''اتنی تاکید کے باوجود فلک بوس میں صفائی کا انتظام تسلی بخش نہیں ہو رہا...مجھے اس بارے میں وسامہ سے بات کرنی ہوگی۔ ایسا نہ ہو یہ چوہے گلہریاں فلک بوس کے قیمتی سامان کو کوئی نقصان پہنچا دیں۔''

وہ سوچتے ہوئے اس کمرے میں آ گئی جہاں نٹنگ مشین رکھی تھی۔ بہت دنوں سے وہ یہاں کام کر رہی تھی اس لئے کمرے کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بنیادی طور پر آئے کت صفائی پسند طبیعت کی مالک تھی اسلئے کمرے میں گندگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ہاں بکھراوا بہت تھا۔ اون، سلائیاں، نٹنگ مشین کے مختلف پرزے پڑے ہوئے تھے ایک طرف ترتیب سے وہ تمام پیٹرن رکھے تھے جو ان دنوں میں آئے کت نے دن رات کی محنت سے تیار کئے تھے۔

آئے کت باسکٹ رکھ کر جانے لگی تو اسے یاد آیا نٹنگ مشین میں ایک پیٹرن کی پتری جوں کی توں لگی چھوڑ دی تھی اس نے۔ وادی جانے سے پہلے اس پرتی کو صاف کر دینا چاہیئے یہی سوچ کر وہ مشین کی طرف آ گئی اور مہارت سے پتری نکالنے لگی۔ دراصل ہر ڈیزائن کی پتری کو ساتھ کے ساتھ صاف کر کے اس پر مشین کا مخصوص تیل لگانا ضروری ہوتا تھا ورنہ اون کے باریک ذرات ان پتریوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے تھے۔ آئے کت یہ کام کر رہی تھی جب اچانک اسے ایسا لگا جیسے دروازے کے سامنے سے کوئی گزرا ہو۔ اس نے بے ساختہ اس طرف دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آئے کت اپنا وہم سمجھ کر پھر سے مشین کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن یہ چند سیکنڈ کی بات تھی دوبارہ اسے ایسا لگا جیسے کوئی دروازے کے سامنے سے تیزی سے بھاگتا ہوا گزرا ہو۔ اس بار آئے کت چونک کر دروازے کی طرف بھاگی۔

''کون ہے؟...کون ہے وہاں؟'' وہ دروازے سے باہر نکلی اور زور اور ناراضی سے آواز دیکر پوچھا۔ جواب میں اسے خاموشی اور سناٹا ملا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا کاریڈور دور تک خالی پڑا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

خوش نصیب دھپ دھپ کر کے سیڑھیاں اتری، صحن عبور کیا اور فضیلہ چچی کے پورشن میں آ گئی۔ سناٹا چھایا ہوا تھا وہ سیدھی چچی کے پاس گئی تاکہ ماجرے کے متعلق معلوم کر سکے۔ اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

خوش نصیب کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ موڈ ہی بہت خراب تھا پھر بھی اپنا نام سن کر ٹھٹکی اور کان لگا کر سننے لگی۔

''بس اس بات کا خیال رکھنا۔ روشن اور اس کی بیٹیوں کو اس بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیئے۔'' یہ فضیلہ چچی کی آواز تھی۔

''اوہو امی! آپ ہر وقت ایسی باتیں ہی کیوں کرتی رہتی ہیں... وہ بھی تو ہماری اپنی ہیں۔'' یہ منہا کی آواز تھی۔

''اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا میری بیٹی!'' فضیلہ چچی نے کہا۔

''اور ویسے بھی امی کونسا اپنے فائدے کے لئے کہہ رہی ہیں؟.. رشتہ تو تمہارا ہی کرنا ہے۔'' صیام نے کہا۔

''مجھے تو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی صیام سے پہلے آپ کو میرے رشتے کی فکر کیوں پڑ گئی؟'' منہا نے چڑ کر کہا تھا۔

''اس لئے کیونکہ صیام کے رشتے کی تو کوئی فکر ہی نہیں ہے.. امی خود بتاتی ہیں آٹھویں کلاس میں تھی میں۔ جب سے رشتے آ رہے ہیں۔'' صیام نے اترا کر کہا تھا۔ ''اور ایک تو تمہاری شکل ایسی ہے اوپر سے یہ کالے فریم کے نظر کی عینک لگا کر اور ہونق لگنے لگتی ہو... کون کرے گا تم سے شادی؟'' وہ تو ایسی ہی تھی بہن کو بھی نہیں بخشتا تھا۔

''کوئی نہ کوئی کر ہی لے گا...'' منہا غصے سے بولی۔

''غلط فہمی...'' صیام نے کہا۔

''ارے تم دونوں لڑنا تو بند کرو۔'' فضیلہ چچی چڑ کر بولیں۔ ''جب دیکھو تم دونوں لڑ ہی رہی ہوتی ہو... یہ نہیں کہ ماں کی بات ہی سن لو۔''

''آپ نے کونسا عالمانہ بیان دینے ہیں امی! کہ ہر وقت آپ کی سنی جائے۔'' منہا نے کہا۔

''ذرا بک بک کم کیا کرو اور اب کان کھول کر میری بات سنو... میں چاہتی ہوں فاطمہ کے بیٹے سے منہا کا رشتہ طے ہو جائے... صیام کے لئے تو کیف ہی ٹھیک رہے گا...''

''ارے واہ منہا سے آپکو زیادہ پیار ہے ناں جو آسٹریلیا پلٹ سے اس کا رشتہ کروا رہی ہیں۔'' صیام کو جوش آیا۔

''صیام! پیچھے نہ پڑ جایا کر... خود ہی تو کہتی تھی شادی کرونگی تو کیف سے۔'' فضیلہ چچی نے کہا۔

''تو وہ تو پرانی بات تھی ناں امی!... اس وقت مجھے یہ تھوڑا ہی پتا تھا کہ آپ کی کوئی سہیلی آسٹریلیا میں رہتی ہیں اور کبھی نہ کبھی ہمارے گھر آ سکتی ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے... اسی کا رشتہ کروا دیں...'' منہا نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''مجھے تو ویسے بھی ایم فل کرنا ہے... اتنی جلدی شادی کا سوچونگی بھی نہیں۔''

http://kitaabghar.com

''ارے بھئی ان لوگوں کو آنے تو دو... پھر دیکھی جائے گی کہ کون کسے پسند کرتا ہے۔'' فضیلہ چچی تڑخ کر بولیں۔

''میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ روشن اور اس کی بیٹیوں کو اس بات کی کان وکان خبر نہیں ہونی چاہیئے ۔..نہ ہی ان سب کو مہمانوں کے سامنے زیادہ آنے دینا ہے...فاطمہ میری دور پار کی رشتے دار ہے تو روشن کی بڑی اچھی سہیلی بھی تھی۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں...میں فاطمہ آنٹی اور ان کے بیٹے پر اپنا ایسا تاثر جماؤنگی کہ کوئی لاکھ سامنے آجائے انہیں میرے سوا کوئی نظر ہی نہیں آئے گا۔''

''اے شاباش میری بچی!'' فضیلہ چچی نے اس کی بلائیں ہی لے ڈالیں۔

باہر کھڑی خوش نصیب کی آنکھیں چمک اٹھیں۔مکارسی مسکراہٹ اس نے لبوں پر سجالی۔اور چٹکی بجا کر دل میں خود سے بولی۔

''اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے..دیکھنا بچو! میں تم لوگوں سے کیسا بدلی لیتی ہوں۔'' ایک جھٹکے سے دوپٹہ کندھے پر ڈالا ادا سے گردن لہرا کر پلٹی اور اچھلتی کودتی خوش ہوتی چلی گئی۔دل میں لگی ہوئی آگ پچاس فیصد تو بدلہ لے لینے کے خیال سے ہی بجھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

پہاڑ کے سینے پر سڑک بل در بل بچھی تھی۔پائن کے درخت ان پر سایہ کرتے تھے اور کناروں پر خودرو گھاس اور پہاڑی پھولوں کی بہتات دکھائی دیتی تھی۔وسامہ اور آئے کت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے چڑھائی عبور کر رہے تھے۔ان سے بہت دور پہاڑ سینے پر پورے طمطراق سے قلعہ فلک بوس سر اٹھائے کھڑا تھا یہاں سے فلک بوس کی چمنیوں کے سرے دکھائی دیتے تھے۔

آئے کت کو ایک دم خیال آیا اب اسے ان سڑکوں پر چہل قدمی کرنا ترک کر دینا چاہیئے۔وادی کی طرف جاتے ہوئے قدم تیزی سے پڑتے تھے کیونکہ سڑک نیچے کی طرف بہتی تھی اور واپس آتے ہوئے پیروں کو جما کر اور محنت سے رکھنا پڑتا تھا جس سے تھکن ہوتی تھی۔اگر وہ واقعی حاملہ ہو چکی تھی تو اتنی مشقت اسے نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتی تھی۔لیکن خیر ابھی کچھ بھی واضح نہیں تھا اور جب تک پریگنینسی کنفرم نہ ہو جاتی کوئی بھی پیش بندی نری حماقت کہلاتی۔آئے کت نے اس وقت فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اپنے ٹیسٹ کروائے گی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اچانک وسامہ کی آواز نے اس کے خیالات کے سلسلے کو منقطع کر دیا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' اس نے سڑک کے کنارے سے ایک زرد رنگ کا پھول توڑتے ہوئے کہا

''پھر بھی...کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''معاویہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے بات بنائی۔

''کیا سوچ رہی تھی معاویہ کے بارے میں؟''

''بہت دنوں سے آیا نہیں۔''

''پڑھائی میں مصروف ہوگا۔''

''تھوڑا ضدی ہے معاویہ!''

''اچھا؟...''وسامہ حیران ہوا۔''یہ کیسے لگا تمہیں؟''

''خود ہی بتا رہا تھا جو چیز مجھے اچھی لگ جائے اسے حاصل ضرور کرتا ہوں...چاہے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔''

''ہاں...یہ تو بالکل سچ کہا اس نے۔''وسامہ یہ بات سن کر ہنسا جیسے بڑی دلچسپ بات سنی ہو۔

''بلکہ صرف یہی نہیں بچپن میں تو وہ ایسی چیزوں کو توڑ دیا کرتا تھا جو کسی وجہ سے اسے نہیں مل پاتی تھیں۔''

''میرے خدا!...میں تو اسے سلجھے ہوئے مزاج کا لڑکا سمجھی تھی۔''

''وہ سلجھے ہوئے مزاج کا ہی ہے لیکن زندگی میں جو حالات اس نے دیکھے ہیں ان حالات میں کوئی اور ہوتا تو یقیناً بہت بگڑا ہوا ہوتا...''

''آپ کو معاویہ سے بہت محبت ہے اس لئے اسے justify کر رہے ہیں۔''آئے کت نے ذرا ناراضی سے کہا۔''ورنہ اس کی بیشتر عادتیں غصہ چڑھانے والی ہیں۔''

''ہاں مجھے معاویہ سے بہت محبت ہے..وہ میرے لئے کزن نہیں چھوٹے بھائیوں کی طرح ہے...دنیا میں صرف وہ ہے جس کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔''

''اوہ پلیز...اب اس طرح کی باتیں مت کریں...میں حسد میں مبتلا ہو جاؤں گی۔''

''ہاہاہاہاہا.....معاویہ یہ سنے تو خوب ہنسے۔

آئے کت معاویہ کے ردعمل کا سوچ کر مسکرانے لگی۔

''معاویہ کی ماما اس سے ملتی ہیں؟''

''ہاں...اکثر وہ آتی ہیں...لیکن معاویہ ان سے ملنا پسند نہیں کرتا۔''

''کیوں؟''حیران۔

''وہ سات سال کا تھا...جب پھپھو کی دوسری شادی ہو گئی۔شادی سے پہلے کے عرصے میں بھی معاویہ کی پرورش میں ان کا کوئی خاص عمل دخل نہیں رہا..میری امی نے ہی اسے پالا ہے۔''

''ایسا کیوں؟''

''دیکھو تم غلطی سے بھی کبھی معاویہ کے سامنے اس بات کا ذکر مت کرنا...وہ ہرٹ ہوگا۔''وسامہ نے کہا۔

''دراصل معاویہ کی پیدائش سے پہلے اس کے فادر کسی دوسری عورت کے ساتھ انوالو ہو گئے تھے..وہ فارن سروس میں تھے اور ان کا ذاتی کاروبار مختلف ممالک میں پھیلا ہوا تھا..جب دولت بے تحاشہ ہو اور زندگی میں ہر طرح کا سکون بھی حاصل ہو تو انسان اخلاقیات کے سبق بھول جاتا ہے..معاویہ کے فادر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا..لیکن معاویہ کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی یہ بات پھپھو کو

پتا چل چکی تھی اس چیز نے ان کو اتنا بڑا جذباتی شاک دیا کہ کسی حد تک ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔معاویہ کے فادر نے انہیں ڈائیورس دے دی تو بابا نے پھپھو کی دوسری شادی کروا دی۔معاویہ کو انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا ویسے بھی پھپھو کو معاویہ کی پرواہ نہیں رہی تھی۔اس کے فادر نے اسے فائنشلی سپورٹ کیا لیکن وہ اسے ساتھ رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے یہی حال پھپھو کا تھا...ان سب باتوں کا معاویہ نے کافی اثر لیا...اپنی زندگی کی کمی کا بدلہ دوسروں سے لینے لگا..بہت destructive ہو گیا تھا کھلونے بری طرح توڑ دیتا تھا کلاس فیلوز کو مارتا پیٹتا تھا...''

''اف توبہ...عجیب بات بتائی آج آپ نے....معاویہ کو دیکھ کر نہیں لگتا وہ کبھی ایسا رہا ہوگا۔''

''ہر انسان بند کتاب کی طرح ہوتا ہے آئے کت! جب تک کتاب کو کھول کر نہ دیکھو اس کے راز واضح نہیں ہوتے۔''وسامہ ذرا دکھی سا لگ رہا تھا۔

''مجھے معاویہ سے بہت محبت ہے۔اس بیچارے کی قسمت میں مشکلات آئی بھی بہت ہیں۔''

''دراصل قسمت کچھ انسانوں کو چن لیتی ہے اور تحفوں کی طرح انہیں پریشانیوں اور مشکلات سے نوازتی رہتی ہے...برا کرتی ہے قسمت۔''آئے کت نے کہا۔''جیسی زندگی میں نے گزاری میں کبھی نہیں چاہونگی کہ کوئی دوسرا گزارے..بس قسمت نے ایک مہربانی کی مجھے آپ سے ملوا دیا۔''پیار سے وسامہ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں محبت،نرمی اور شکرگزاری تھی۔

وسامہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم میرے لئے قدرت کا بہترین تحفہ ہو۔''وہ خوبصورتی سے مسکرایا محبت اس کے چہرے پر الوہی جذبے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

''میں دعا کرتا ہوں معاویہ کو مزید مشکلات نہ دیکھنی پڑیں زندگی میں۔''

''آمین۔''انہوں نے دیکھا فلک بوس قریب آگیا تھا اور چمنیوں کے اوپر غروب ہوتے سورج کی نارنجی کرنیں جھلملا رہی تھیں۔ بشام میں ایک سرد شام اترنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

رات اس نے لحاف میں گھس کر ساری بات خوب آنکھیں گھما گھما کر ماہ نور کو بتائی۔

اس نے وہیں کانوں کو ہاتھ لگا لیا۔''کیوں سنتی ہو کسی کی باتیں؟....سو دفعہ سمجھایا ہے اللہ ایسی عورتوں کو ناپسند کرتا ہے جو چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں۔''

''عورتیں...''اس نے برا سا منہ بنایا۔''توبہ..کتنا خوفناک لفظ ہے۔''

''اصل بات کی طرف دھیان دو۔''ماہ نور نے ڈپٹ کر کہا۔

''میں کب سنتی ہوں؟''وہ فوراً مکر گئی۔''اب خود بخود کان میں آواز پڑ جائے تو میں کیا کروں؟''

''کان بند کر لو...یا وہاں سے ہٹ جاؤ۔''ماہ نور ناراضی سے بولی۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

''اچھا چھوڑو ناں اس بات کو۔'' خوش نصیب جلدی سے بولی۔ ''یہ سوچو کہ امی نے ہم سے اپنی کسی سہیلی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟''

''یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے...'' ماہ نور نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے بہت قریبی سہیلی ناں ہوں...اور فضیلہ چچی کی وہ رشتہ دار ہیں ...رشتہ داری کے نمبر ہمیشہ دوستی سے زیادہ ہوتے ہیں۔''

''اونہہ....'' زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''بات دل کو لگی نہیں۔''

''ہوسکتا ہے امی کو پتا ہی نہ ہو کہ ان کی کوئی سہیلی گھر آنے والی ہیں...''

''لیکن ماہ نور!...'' اس کی تان وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اب بس کردو خوش نصیب!...نیند آرہی ہے مجھے۔'' وہ لیٹ گئی۔

''اچھا یہ تو بتادو میرا پلان کیسا لگا؟''

''خبردار...'' اس نے فوراً کہا۔ ''......جو تم نے اپنے کسی اوٹ پٹانگ پلان پر عمل کیا...میں سچ بتارہی ہوں میں ابھی امی کو بتادونگی۔''

''اووففففف....'' خوش نصیب نے دانت کچکچائے۔ ''میں کیسے بھول گئی کہ تم کوئی بہادری والا کام کرہی نہیں سکتی...پیدائشی بزدل۔''

''بزدل ہوں تو بزدل ہی سہی...لیکن ایسا کوئی کام میں کبھی نہیں کرونگی جو روشن امی کے لئے پریشانی کا باعث بنے۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''تو تمہیں کیا لگتا ہے میں روشن امی کی پریشانیاں بڑھانا چاہتی ہوں؟...میں تو ان تمام پریشانیوں کا بدلہ لینا چاہتی ہوں جو اب تک ہماری روشن امی نے اکیلے جھیلی ہیں...اس گھر کے کسی بندے کو میں سکون سے نہیں رہنے دونگی۔''

''سکون دینے والی اللہ کی ذات ہے...ہمارے لئے اگر کسی نے پریشانیاں کھڑی کی ہیں تو اللہ ہی ان سے حساب لے گا...انتقام لیکر کبھی کوئی خوش نہیں رہ سکتا...معافی کی بڑی فضیلت ہے۔''

''میں اکثر سوچتی ہوں جب اللہ نے تمہیں اور روشن امی کو اتنا صابر بنایا تھا تو مجھے بھی بنا دیتا.....کم سے کم تمہاری باتیں تو نہ سننی پڑتیں۔'' نرمی سے بولتے بولتے اس نے ٹون بدلی۔

ماہ نور نے اسے گھور کر دیکھا۔

''جو حرکت تم کرنا چاہ رہی ہو ناں...اس کے بعد صرف میری نہیں سارے گھر کی باتیں سننا پڑیں گی۔ میری بات یاد رکھنا۔''

''تم خود تو بزدل ہو سو ہو...مجھے بھی کبھی کوئی بہادری کا کام نہ کرنے دینا۔'' اس نے چڑ کر کہا اور دانت کچکچاتی ہوئی سر تک لحاف اوڑھ لیا۔

ماہ نور چند لمحے خاموشی سے لیٹی رہی پھر سر جھٹک کر منہ موڑ کر سوگئی۔

☆......☆......☆

جس وقت وہ دونوں فلک بوس پہنچے شام کے نارنجی رنگوں میں رات کی سیاہی گھلنے لگی تھی اور آسمان اودا سا دکھائی دیتا تھا۔

خاتون بی بی شام کی چائے تیار کر چکی تھی لیکن بابا کبیر ایک بری خبر کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔

''فلک بوس کی دوسری منزل پر کچھ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں اور کچھ قیمتی آرائشی سامان غائب ہے۔''

''کیا؟'' وسامہ اور آئے کت پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ وہ تیزی سے دوسری منزل پر آئے۔ ایک کمرہ جو فلک بوس کے مرکز میں تھا اور جس میں کوئی ایسا کھڑکی یا دروازہ نہیں تھا جو باہر سے متصل ہو یا جسکے ذریعے فلک بوس کے بیرونی حصے سے براہ راست اندر آیا جا سکے۔ لیکن اس کی کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے الماریوں کا سب سامان یہاں وہاں بکھرا پڑا تھا، دیواروں پر لگی ہوئی دو قیمتی پینٹنگز اور کچھ دیگر سامان غائب تھا۔

''یہ سب کب ہوا؟'' وسامہ نے پریشانی سے پوچھا

''اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا.. میں کسی کام سے اوپر آیا تھا جب میں نے یہ سب دیکھا۔'' بابا کبیر نے کہا۔

''کبیر! فلک بوس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔'' وسامہ نے ناراضی سے کہا

''آپ کی بات درست ہے۔ لیکن فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں اکیلا ہر طرف نظر نہیں رکھ سکتا..'' بابا کبیر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''میں نے آپ سے کہا تھا ہمیں کچھ اور ملازمین کی ضرورت ہے یا کم سے کم ایک چوکیدار تو ضرور ہونا چاہیئے۔''

وسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ پریشانی سے سب طرف بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پولیس سے رابطہ کرنا چاہیئے۔'' آئے کت نے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وسامہ نے کہا

''تم بس یہ کرو کہ کسی گارڈ کا انتظام کرو جسے فلک بوس کی اینٹرنس پر تعینات کیا جا سکے... اگر باہر سے آکر کسی نے یہ حرکت کی ہے تو وہ لازمی طور پر گیٹ کی طرف سے ہی آیا ہوگا۔''

''جی... بہتر۔''

''اور اس سامان کو ایسے ہی پڑا رہنے دو.. پولیس کو انکوائری کے لئے شواہد چاہیئے ہونگے۔''

''چلو..'' وسامہ نے آئے کت سے کہا۔ دونوں باہر آگئے۔

''آپ کے خیال میں یہ کس کی حرکت ہوگی؟'' آئے کت نے باہر آکر پوچھا

''کوئی بھی چور اچکا ہو سکتا ہے.... مجھے فکر اس بات کی ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھا آج ایک کمرے پر ہاتھ صاف کیا ہے کل باقی کمروں تک پہنچ سکتا ہے... یہاں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اینٹیک کہلاتی ہیں اور ان کی قیمت ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہوگی۔''

''آپ فوراً پولیس سے رابطہ کریں۔''

''ہاں میں کرتا ہوں۔''

وسامہ نے فون کیا کچھ دیر میں مقامی پولیس کے تین نمائندے پہنچ گئے۔وسامہ مشہور مصنف تھا ادبی حلقوں میں اس کا بڑا چرچا تھا۔اس لئے بھی اس کی بات کو اہمیت دیا جانا ضروری تھا پھر فلک بوس کے ساتھ اردشیرازی کا نام جڑا ہوا تھا جو سیاست سے وابستہ تھے سرکاری حلقوں میں ان کا بڑا نام تھا۔

”یہ کاروائی صرف اسی کمرے میں ہوئی ہے یا فلک بوس کا کوئی اور سامان بھی غائب ہے؟“

”میں نے تہہ خانے کو چھوڑ کر باقی سب طرف دیکھ لیا ہے...ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے..کہیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔“ کبیر نے کہا

”عجیب بات ہے....ایسا لگتا ہے جیسے چور کو کسی خاص چیز کی تلاش تھی اور وہ جانتا تھا مطلوبہ چیز اسے اسی کمرے میں ملے گی۔“ ایس ایس پی نے کہا۔

”یہ معاویہ کا کمرہ ہے...معاویہ، میرا پھوپھوزاد بھائی...لیکن مستقل اس کے استعمال میں بھی نہیں رہتا کبھی کبھار آتا ہے وہ اور اسی کمرے میں بیٹھ کر کچھ میوزک انسٹرومنٹس بجاتا ہے..“

”صرف اسی کمرے میں بجانے کی کوئی خاص وجہ؟“ ایس ایس پی نے پھر پوچھا۔

”یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے...اندر کی آواز باہر نہیں جاتی۔“ معاویہ نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے ہم ایف آئی آر درج کر رہے ہیں۔لیکن انکوائری کے لئے ہمیں کچھ وقت درکار ہوگا۔“

”پلیز ٹیک یور ٹائم۔“ وسامہ نے کہا اور کبیر کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں شواہد تلاش کرتے دیکھنے لگا۔ایس ایس پی نے ایک نمائندے کو شواہد اکھٹے کرنے کا کہا دوسرا الماریوں کی تلاشی لینے لگا۔ایس ایس پی دوبارہ ان دونوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

”میں ایک دفعہ سارے فلک بوس کا جائزہ لینا چاہوں گا۔“

”ضرور کیوں نہیں۔“ وسامہ نے کہا۔”لیکن میرا مشورہ ہے آپ یہ کام دن کے اوقات میں کریں..کچھ حصوں میں لائٹ کا انتظام پورا نہیں ہے...آپ کو دقت ہوگی۔“

”لیکن یہ ضروری ہے مسٹر وسامہ!..“

”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی...آیئے۔“

”مشتاق! تم اس حصے میں دیکھو۔“ وسامہ نے مشتاق نامی اردلی کے ساتھ کبیر کو کر دیا اور خود ایس ایس پی کے ساتھ ہو لیا۔وہ ایک ایک کمرے میں جھانکتے رہے وہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہا تھا۔اس دوران ایس ایس پی وسامہ سے چھوٹے چھوٹے سوالات پوچھتا رہا۔

”آپ یہاں کب سے رہ رہے ہیں؟“

”تقریباً دو سال سے۔“

”کیا پہلے بھی ایسا ہوا ہے؟“

http://kitaabghar.com

"جی نہیں؟"

"مجھے تو یہاں ایسی کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آرہی جس سے اندازہ لگایا جاسکے یہ کسی باہر والے کا کام ہے...."

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

ایس ایس پی وسامہ کا سوال سن کر ہنسا جیسے کوئی مزاحیہ بات اس کے دماغ میں آئی ہو ابھی وسامہ ایس ایس پی سے اس کی بے تکی ہنسی کا سبب پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ بابا کبیر تیز تیز چلتا ہوا آیا۔

"صاحب آپ لوگ اس طرف آئیں۔" وہ حواس باختہ لگ رہا تھا۔

ایس ایس پی اور وسامہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکے۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر ریمسن کے آفس میں جتنی دیر منفرا موجود رہی لاشعوری طور پر معاویہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ ہر بار یہ احساس اسے حیرانی سے دوچار کرتا رہا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی کا جھٹکا اسے اس وقت لگا جب اس نے ڈاکٹر ریمسن کا لکھا ہوا نسخہ لفٹ کے فرش پر مڑا تڑا ہوا پایا۔ وہ اپنا پین اٹھانے کے لئے جھکی تھی جب اس کی نظر اس کاغذ پر پڑی۔ کاغذ ہاتھ میں لئے وہ بری طرح شاکڈ ہوگئی۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس کاغذ پر معمولی نوعیت کی ادویات لکھی ہوئی تھیں۔ لیکن جیسے اضطراب سے معاویہ نے وہ نسخہ وصول کیا تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اس نسخے کا یہ حشر کرنے والا ہے۔

منفرا فوری طور پر فیصلہ نہیں کر پائی کہ اسے اس بارے میں ڈاکٹر ریمسن کو مطلع کرنا چاہیئے یا نہیں۔ نسخہ اس نے اپنے کراس بیگ میں رکھا اور اسی شش و پنج میں ہاسٹل واپس آگئی۔ فی بی کسی پارٹی میں جانے کے لئے تیار ہورہی تھی۔

منفرا نے بیگ ٹیبل پر اچھال دیا اور ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹی۔

"میں آج معاویہ سے ملی.... ڈاکٹر ریمسن کی سائیکائیٹری میں۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کسی خواب کے اثر میں بول رہی ہو۔

"سائیکائیٹری میں؟" فی بی نے گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کی طرف پلٹی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا... وہ psychopath (نفسیاتی مریض) لگتا ہے۔" اسے اپنے اندازے کی درستی پر خوشی ہورہی تھی۔

"وہ ٹریٹمنٹ کے لئے نہیں آیا تھا۔" منفرا نے سابقہ انداز میں کہا پھر ایک دم سے فی بی کی طرف مڑی۔ "وہ بزنس مین ہے اسے مسکرانا بھی آتا ہے فی بی! وہ بات بھی کرتا ہے اور اس نے مجھ سے ہاتھ بھی ملایا۔"

فی بی نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ "تو تمہارا کیا خیال تھا وہ zombie ہے؟"

منفرا کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے آہستگی سے کہا۔ "ہاں... کسی حد تک...." پھر وہ ایک دم سے ہنسنا شروع ہوگئی۔ اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا معاویہ کو عام انسان بنا دیکھ کر وہ کیا محسوس کررہی ہے۔ فی بی اسے ہنستا دیکھ کر ہنس دی۔

"پاگل ہوگئی ہو تم؟"

http://kitaabghar.com

''پتا نہیں۔''اس نے کندھے اچکا دیئے۔''کہیں جا رہی ہو؟''

''ہاں...رونالڈ مجھے ڈیٹ پر لے جا رہا ہے...''فی بی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اوہو...لکی لیڈی!۔''منفرا نے شرارت سے کہا۔

''میں دعا کرونگی کسی دن معاویہ بھی تمہیں ڈیٹ پر لے جائے۔''فی بی نے بھی شرارت کا جواب شرارت سے دیا۔

''اوہ کم آن...اس کے ساتھ ڈیٹ پر جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے مجھے۔''اس نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا ایسے جیسے انسان کسی بات سے حظ بھی اٹھا رہا ہو اور اسے رد بھی کرنا چاہے۔

''جیسے تم اسے عام انسانوں کی طرح بات کرتا دیکھ کر اور مسکراتا دیکھ کر خوش ہوئی ہو...اس سے تو کچھ اور ہی لگتا ہے۔''فی بی نے پھر شرارت سے کہا۔

''جو بھی لگتا ہے وہ غلط لگتا ہے۔''اس نے اصرار کیا تو فی بی نے کندھے اچکا دیئے۔

''اس بات کا فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں۔''

''آل رائیٹ...''منفرا خوش دلی سے مسکرا دی۔اور کراس بیگ الماری میں رکھ دیا جس کی اندرونی جیب مین ڈاکٹر ریمسن کا لکھا ہوا نسخہ چڑ مڑ پڑا تھا۔

☆......☆......☆

بابا کبیر کے پیچھے وہ اس کمرے میں آئے۔ جہاں آئے کت کی نٹنگ مشین اور دیگر سامان رکھا ہوا تھا اور وہ وہاں اپنا نٹنگ کا کام کرتی تھی۔

آئے کت شاکڈ سی دروازے کے پاس کھڑی تھی اور ہکا بکا ہوئی اپنے کمرے کا حال دیکھ رہی تھی۔وہ دونوں پینٹنگز جو پچھلے کمرے سے غائب ہوئی تھیں ٹوٹی پھوٹی حالت میں نٹینگ مشین پر پڑی تھیں۔ایسا لگتا تھا انہیں مشین پر مار مار کر توڑا گیا ہو مشین پر ضربیں موجود تھیں اور صرف یہی نہیں آئے کت کے بنائے ہوئے تمام سوئیٹر اور پیٹرن پھٹے ہوئے تھے۔انہیں ادھیڑ دیا گیا تھا یا ایسا لگتا تھا کسی تیز دھار چیز سے کاٹ دیا گیا ہو۔

آئے کت شاک سے زیادہ بے بسی کا شکار ہوئی تھی اس کی اتنی محنت پر پانی پھیر دیا گیا تھا۔

''آپ کے خیال میں یہ کون کر سکتا ہے؟''

''مجھے نہیں پتا۔''وہ روہنکھی ہو کر بولی۔''لیکن میری ساری محنت برباد ہو گئی پچھلے ڈھائی مہینوں میں میں نے دن رات اس کنسائنمنٹ کو مکمل کرنے کی تیاری کی تھی...سب ختم ہو گیا۔''وہ بے بسی سے رونے لگی۔

''مجھے افسوس ہے مسز وسامہ!لیکن آپ بے فکر رہیں..یہ جس نے بھی کیا ہے ہم جلد اس کا پتا لگا لیں گے۔''

وسامہ بھی خاموش تھا وہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا کہے۔

"کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟" ایس ایس پی نے کھڑکیاں دروازے چیک کرتے ہوئے کہا۔ یہاں بھی ایسا کوئی راستہ موجود نہیں تھا جس کے ذریعے کوئی باہر سے آ کر یہ تباہی مچاتا۔

"ہم شک کا اظہار کیسے کر سکتے ہیں... ہم تو یہاں کسی کو زیادہ جانتے بھی نہیں ہیں۔" وسامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے... ہم اس بارے میں جلد پتا چلا لیں گے۔" ایس ایس پی نے کہا پھر جاتے ہوئے وسامہ سے کہا۔

"آپ چاہیں تو آج کی رات ایک کانسٹیبل فلک بوس کے باہر تعینات کیا جا سکتا ہے؟"

"میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار رہونگا۔" وسامہ نے ایس ایس پی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کانسٹیبل اسلم آج رات یہاں ڈیوٹی دے گا۔" ایس ایس پی نے ساتھ آئے ہوئے کانسٹیبل سے کہا۔ اس کا خون خشک ہو گیا۔

"یس سر۔" اس نے سلیوٹ کیا۔

وسامہ نے کانسٹیبل کا فون نمبر نوٹ کر لیا۔ "کسی مشکل صورتحال میں آپ فون کر سکتے ہیں۔"

پولیس والے مرکزی دروازے سے لکڑی کے پھاٹک کی طرف بڑھ گئے تو وسامہ کے کہنے پر کبیر نے اندرونی دروازہ بند کر دیا۔ اندر کا رابطہ باہر سے منقطع ہو گیا۔

مرکزی دروازے سے ایک طویل روش لکڑی کے پھاٹک تک جاتی تھی۔ وہ تینوں ساتھ ساتھ اسی روش پر چلتے خودکار پھاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"کچھ عجیب سا کیس لگ رہا ہے یہ مجھے..." ایس ایس پی نے کہا۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر! دونوں کمروں میں ایسا کوئی دروازہ کھڑکی نہیں ہے جس سے کوئی باہر سے اندر داخل ہوا ہو.. ایسا لگتا ہے یہ کسی اندر کے بندے کا ہی کام ہے۔"

"اور مجھے لگتا ہے میں اس اندر کے بندے کو جانتا ہوں... ہاہاہاہاہا۔" ایس ایس پی اور دوسرا ساتھی ہنسنے لگے۔

اسلم کا حلق خشک ہو رہا تھا اس نے بدقت تھوک نگلا۔ وہ تینوں ہی بشام کے پرانے باسی تھے اور فلک بوس سے متعلق افواہوں سے واقف تھے۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا سر جی! کہ آج رات فردوس کو بھی میرے ساتھ یہاں تعینات کیا جائے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اس بات پر وہ دونوں اور زور سے ہنسنے لگے اور ایسے ہی باتوں باتوں میں جیپ میں سوار ہو گئے۔

"پولیس فورس میں آ کر بڑے سے بڑے مجرم سے مقابلے کی قسم کھائی تھی تم نے... ایک بدروح کے قصوں سے ڈر گئے..."

"مجرموں سے مقابلہ کرنا تھا سر جی! بدروح سے تو نہیں۔" اس نے بیچارگی سے کہا۔

"سنی سنائی باتیں ہیں ساری۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے سر!" اس کا بس نہ چلتا تھا کسی طرح ان کے ساتھ جیپ میں سوار ہو جائے۔

لیکن وہ دونوں اسے لفٹ کروانے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"اگر رات کو وہ بدروح تمہارے پاس آجائے تو میرا اسلام کہہ دینا... چل اب پھاٹک کھول۔" وہ ہنستے ہنستے چلے گئے پیچھے کانسٹیبل اسلم نے پھاٹک بند کیا اور سہمے ہوئے انداز میں پلٹ کر دیکھا طویل روش کے اختتام پر ہلکی دھند کے عقب میں فلک بوس سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اردگرد لگے ہوئے لیمپ پوسٹس کی روشنیاں براہ راست اس پر پڑ رہی تھیں اور کثیف دھند کے مرغولے فلک بوس کی چمنیوں سے لپٹے ہوئے تھے۔

کانسٹیبل نے اپنی گن پر ہاتھ مضبوط کیے اور سہما سہما سا جا کر چوکیدار کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

"یہ کیا ہو رہا ہے... مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

اندر آئے کت سر پکڑے بیٹھی تھی۔ خاتون بی بی اور بابا کبیر سامنے مؤدبانہ انداز میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

وسامہ آ کر آئے کت کے ساتھ بیٹھ گیا اور تسلی دینے کے لیے بولا۔

"فکر مت کرو... یہ جس نے بھی کیا ہے اس کا جلدی پتا چل جائے گا۔"

"جب آپ لوگ یہاں موجود تھے تو فلک بوس میں اتنا بڑا کام کیسے ہو گیا؟" آئے کت نے ناراضی سے بابا کبیر کو دیکھا۔

"ایس ایس پی صاحب کہہ رہے تھے ایسے کوئی شواہد موجود نہیں ہیں کہ یہ کسی نے باہر سے آ کر کیا ہے۔"

"اگر باہر سے آ کر کسی نے نہیں کیا تو کیا کوئی جن یا بدروح آ کر کر گئی یہ کام۔" وسامہ نے غصے اور ناراضی سے ایک دم سے کہا پھر خود ہی چپ ہو گیا اسے ایک دم سے احساس ہوا تھا کہ کیا کہہ دیا ہے اس نے۔

"مم... میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔" خاتون بی بی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"تم تو خاموش ہی رہو..." آے کت نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم کیا کہو گی کہ یہ اسی بدروح... کیا نام تھا اس کا؟... ہاں آیوشمتی کا کام ہے... اسی کا کام ہے... ایسی بیوقوفانہ باتیں کسی اور کے سامنے کرنا۔" پھر اس نے وسامہ کی طرف دیکھا۔

"جو ہونا تھا ہو گیا لیکن ہمیں انکوائری کروانی چاہیئے کہ یہ کیا کس نے ہے؟... بلکہ مجھے یاد آیا۔" وہ ایک دم پرجوش ہو کر بولی۔

"میں نے کسی کو دیکھا تھا... ہاں مجھے یاد آیا.. میں نے صبح اس کمرے کے باہر کسی کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا لیکن پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہے..." اس کے انداز میں پریشانی تھی

وسامہ اس کی بات سن کر مزید پریشان ہو گیا۔

"تمہیں اس بارے میں پولیس کو بتانا چاہیئے تھا۔"

"اسوقت مجھے یاد نہیں آیا..." وہ کف افسوس ملنے لگی۔ "سچ بات تو یہ ہے کہ میں اسے اپنا وہم سمجھی تھی۔

"ممکن ہے وہ جو کوئی بھی تھا ابھی بھی فلک بوس کے اندر ہی کہیں چھپا ہوا ہو۔" وسامہ نے خیال ظاہر کیا

"پاشا کو تیز بخار ہے.. کوارٹر میں بیہوش سا پڑا ہے... ورنہ اس کے ساتھ مل کر میں پورے فلک بوس کو چھان سکتا تھا۔"

''صاحب! اب رات کے اسوقت ہم کچھ نہیں کر سکتے.... بہرحال ہمیں صبح کا انتظار کرنا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''آپ لوگ کھانا کھالیں ۔اس کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ اچھی طرح لاک کرلیں تاکہ خدانخواستہ اگر فلک بوس میں کوئی موجود بھی ہے تو آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔'' وسامہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کھڑا ہوگیا۔

''میں آج رات گول کمرے میں پہرہ دونگا... انشاءاللہ صبح ہم اس بندے کو تلاش کرلیں گے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے کبیر!.. اگر وہ کوئی عام چور اچکا ہوتا تو ان پینٹنگز کو یہاں نہ چھوڑ کر جاتا تم نے دیکھا نہیں اس نے صرف چیزیں تباہ کی ہیں۔... مجھے فکر ہے کہیں وہ کسی کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچا دے۔''

''میں پہرہ دونگا صاحب!''

''نہیں بھئی... تمہاری جان بھی ہمیں عزیز ہے۔'' وسامہ نے کہا۔'' تم لوگ بھی اپنے کوارٹر کا دروازہ اچھی طرح بند رکھو... یہ رات خیریت سے گزر جائے.. صبح دیکھتے ہیں پھر کیا ہوسکتا ہے۔''

وہ دونوں آپس میں بات کر رہے تھے آئےکت نے چپکے سے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ اوپری منزل پر ہر طرف سناٹا اور عجیب سی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں کوئی ذی روح نہیں تھا بے شک اس نے خاتون بی بی کو خاموش کروادیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی وسامہ کے دل میں کوئی شک سر اٹھائے لیکن..... پہلی بار.....آئےکت کو فلک بوس میں رہتے خوف محسوس ہوا تھا معاً اوپری منزل کے ستون جو اس وقت نیم اندھیرے کی زد میں تھا اس ستون کے عقب میں آئےکت کو کسی ہلچل کا احساس ہوا۔ وہ بری طرح کھٹک گئی ذرا غور کیا تو ایسا لگا جیسے کوئی ہیولہ جھانک رہا ہو۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ یہ چند سیکنڈز کی بات تھی کسی کو پتا بھی نہیں چلا کہ آئےکت پر کیا قیامت گزری ہے۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چند قدم آگے بڑھی لیکن اس سے پہلے کہ اسے واضح طور پر کچھ دکھائی دیتا، ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا اور ستون کی متوازی سمت میں لگا پردہ اڑ کر نگاہوں کے سامنے لہرا گیا۔ آئےکت کے لبوں سے سکون کی سانس برآمد ہوئی اور اپنی بیوقوفی پر وہ مسکرانے لگی پھر جلدی سے وسامہ کے پیچھے چلی گئی۔ گول کمرہ خالی ہوگیا۔

اسی وقت ستون کی اوٹ سے وہ ہیولہ ذرا سا آگے آیا اور اس نے جاتی ہوئی آئےکت کو دیکھا پھر سامنے کی دیوار میں مدغم ہوگیا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول دشت جنوں ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

گھر کا بڑا کچن وہ مرکز تھا جس کے گرد روشن آراء کی پوری کی پوری زندگی گردش کرتی تھی۔

صبح آنکھ کھلنے کے ساتھ جو کام شروع ہوتا تو سارا دن ہی کھانے بنانے اور سمیٹنے میں نکل جاتا تھا۔

اس روز بھی جب گھر کا آخری فرد بھی ناشتہ کر کے اور میز پر جھوٹے برتن چھوڑ کر جا چکا تو انہوں نے کچن سمیٹنا شروع کیا۔سارے برتن اکھٹے کر کے سنک میں رکھے۔پلیٹوں میں بچا ہوا کھانا ایک طرف کیا۔چولہے صاف کئے اور جب تک وہ ان کاموں سے فارغ ہوئیں ماہ نور دو کپ چائے اور ایک ہی پراٹھے پر اچار کی پھانک رکھ کر ان کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

ہر مشقت بھرے کام میں ان کی سنگی ساتھ۔ان کی پیاری ماہ نور۔

وہ سامنے آ کر بیٹھیں تو واضح طور پر انہوں نے محسوس کیا۔ماہ نور کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔روشن آراء کے آ کر بیٹھنے کا نوٹس بھی نہ لے سکی اور حسب عادت کاموں کی اس نہ ختم ہونے والی بیگار سے ان کا دھیان ہٹانے کے لئے کوئی اور موضوع بھی نہ چھیڑا۔وہ خوش نصیب کی طرح بغیر کو ما فل اسٹاپ کے بولنے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کی دھیمی آواز اور نرم لہجہ اپنی ایک حیثیت رکھتا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' انہوں نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بنا ماہ نور کو مخاطب کئے سوال داغا۔''کوئی پریشانی ہے کیا؟''

ماہ نور اس سوال پر گڑبڑا گئی۔جو بحث اس کے ذہن میں چھڑی ہوئی تھی اس کا خیال تھا اس کا عکس بھی چہرے پر دکھائی نہیں دے رہا ہوگا لیکن سامنے روشن آراء تھیں اس کی پیاری روشن امی۔جو بنا کہے دل کا حال جان لیا کرتی تھیں۔اور ماہ نور آج تک یہ گتھی سلجھا نہیں پائی تھی کہ وہ کیسے اسے اتنا اندر دل کی گہرائیوں تک جانتی ہیں۔

''نہیں...کوئی..کوئی پریشانی نہیں۔'' وہ فوری طور پر ڈھنگ سے جھوٹ بھی نہیں بول پائی تھی

''اچھا...'' روشن آراء نے اگلا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔''اگر ایسی ہی بات ہے تو اب کی بار پراٹھے کا نوالہ توڑ لو۔تم پچھلے تین منٹ سے دستر خوان کا نوالہ توڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔''

انہوں نے جتنے آرام سے کہا تھا ماہ نور اتنی ہی بری طرح چونکی اور دیکھا تو پتا چلا واقعی اپنے دھیان میں گم وہ دستر خوان کو پراٹھا سمجھے نوالہ توڑنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

وہ جھینپ کر مسکرائی۔روشن آراء اسے مسکراتا دیکھ کر مسکرائیں۔

''اماں کو ناشتہ کروا دیا؟'' وہ اب چائے کا کپ اٹھا رہی تھیں۔

''ناشتہ کروانے گئی تھی لیکن نانی کا دل نہیں چاہ رہا تھا اس لئے وہیں رکھ آئی ہوں...''

''خوش نصیب اٹھ گئی؟''

''پتا نہیں...میں جگا کر تو آئی تھی...یہ بھی کہا تھا کہ نانی کو تھوڑی دیر تک ناشتہ کروا دے۔''

http://kitaabghar.com

''خوش نصیب کو کہا ہے... بس پھر تو ہو چکا کام۔''

''روشن امی!...''

''ہوں؟''

''ایک بات ہے....'' وہ الجھن آمیز انداز میں بولی جیسے طے نہ کر پا رہی ہو کہ بتائے یا نہیں۔

روشن آراء مسکرائیں۔ اپنے اندازے کی درستی پر۔

''کہو۔''

''پہلے آپ وعدہ کریں آپ ڈانٹیں گی نہیں۔''

انہوں نے الجھ کر ماہ نور کو دیکھا۔ ''تمہیں تو کبھی ڈانٹنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی... یہ تو خوش نصیب کا خانہ ہے۔''

ماہ نور کو اس بات پر بے ساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ بات سو فیصد درست تھی۔

''اسی لئے تو مجھے زیادہ ڈر لگ رہا ہے کہ آپ اسے ڈانٹیں گی۔''

''اب کیا کارنامہ انجام دیا ہے خوش نصیب نے۔'' وہ چائے کا سپ لے رہی تھیں دہل کر کپ ہی واپس رکھ دیا۔

''ابھی تک تو کچھ نہیں کیا...'' وہ انگلی کی پور سے پیشانی مسلتے ہوئے بولی۔ ''لیکن ارادہ کئے بیٹھی ہے.. کہ کوئی نہ کوئی کارنامہ کرے گی ضرور...''

''کیا مطلب؟... مجھے پوری بات بتاؤ ماہ نور۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا

''پوری بات مجھے نہیں پتا.. لیکن کل وہ کہہ رہی تھی... کمرے سے نکالے جانے پر سب سے بدلہ لے گی... کچھ ایسا کرے گی کہ ...سب کو اپنی نانی یاد آ جائے گی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے بالکل خوش نصیب کے الفاظ دہرا دیئے۔

روشن آراء سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ پھر گہری سانس بھر کر بولیں۔

''پہلے تو اس لڑکی کو میں اس کی نانی یاد دلاتی ہوں۔''

''امی!... امی!... پلیز... اسے ڈانٹیے گا مت۔'' وہ منت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی کیونکہ جانتی تھی خوش نصیب کو ڈانٹ پڑ جانے کے بعد کا بھگتان بھی اسے ہی بھگتنا پڑے گا۔

''اس پر میری کسی ڈانٹ کا اثر ہوتا تو ایسے ارادے باندھتی ہی نہیں۔'' وہ زچ ہوئے انداز میں بولیں۔

ماہ نور کو ماں کی ناراضی اور خوش نصیب سے متعلق جھلاہٹ بھی تکلیف پہنچا رہی تھی۔

''آپ اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کیوں نہیں دلوا دیتیں۔'' ماہ نور نے مسئلے کے حل کے طور پر کہا۔ ''فارغ دماغ شیطان کا کارخانہ یونہی تو نہیں مشہور.. مصروف ہو جائے گی تو سب سے لڑنا جھگڑنا بھی چھوڑ دے گی۔''

''تم بھی تو اسی ماحول میں رہی ہو ماہ نور! تمہیں بھی میں نے اسی طرح پالا ہے جس طرح خوش نصیب کو... پھر کیا وجہ ہے کہ تم دونوں کی سوچ اور طرزِ عمل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔

''ہر انسان کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے..تربیت کا ایک کلیہ اگر ایک انسان پر سو فیصد درست ثابت ہوا ہے تو ضروری نہیں کسی دوسرے پر بھی ٹھیک رہے... یہ آپ خود ہی تو کہتی ہیں۔'' وہ خوبصورتی سے مسکرا کر بولی تو روشن آراء نے آنکھوں میں محبت سمو کر دیکھا اور دل سے اسے اچھے بخت کی دعا دی۔

''کتنی صابر بیٹی ہو تم..ایسی اچھی اولاد ضرور میری کسی نیکی کا صلہ ہے۔اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے...آمین۔''

میری اتنی تعریف نہ کریں...اگر جو ابھی خوش نصیب نے سن لیا تو گھر کے باقی افراد کے ساتھ ساتھ ہم دونوں سے بھی ناراض ہو جائے گی۔'' وہ ہنس کر شرارت سے بولی۔

''ہونے دو...اس کی بدگمانی تو کسی طور ختم نہیں کی جاسکتی۔'' وہ تھوڑا جھنجھلائی ہوئی تھیں۔ ''نہ کسی کام کو ہاتھ لگاتی ہے نہ کوئی ڈھنگ کی بات کرتی ہے... ہاں لڑائیاں جتنی مرضی کروالو... ہر ایک سے بیر باندھے رکھنے کی عادت نجانے کہاں سے آگئی اس لڑکی میں۔''

''روشن امی! اب ایسے بھی نہ کہیں... اکیڈمی کھولنے کا ارادہ تو بڑے خلوص سے کیا تھا اس نے۔'' ماہ نور نے فوراً بہن کی سائیڈ لی۔

''اور کیا وہ نہیں جانتی تھی اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کتنے محاذوں پر لڑنا پڑے گا؟... یہ جو ہم کمرہ بدر کیئے گئے ہیں... سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک سزا ہے۔'' ان کے نرم لہجے میں تلخی سی گھل رہی تھی۔

ماہ نور کو افسوس سا ہوا۔

''اچھا چھوڑیں ناں اس بات کو... خوش نصیب کے ایڈمیشن کا بتائیں۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''ایڈمیشن کراونے جتنے وسائل ہوتے میرے پاس تو ہرگز دیر نہ کرتی۔'' وہ افسردہ سی ہوگئی تھیں۔ ''تمہیں خود بھی پتا ہے تمہارے تایا چچا یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرنے جتنی رقم فراہم نہیں کریں گے ہمیں۔''

''لیکن امی!... ہر مہینے تو تایا ابو رقم دیتے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ بچایا بھی تو جاسکتا ہے۔''

''اس رقم میں سے بیشتر کی تو کمیٹیاں ڈال رکھی ہیں میں نے..کل کلاں کو تم دونوں کو بیاہنا بھی ہے..اور فی زمانہ صرف خاندانی شرافت اور اچھی شکل کی بنیاد پر رشتے نہیں ہوتے..اور بھی بہت کچھ چاہیئے ہوتا ہے۔'' وہ دوٹوک لہجے میں کہتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''خوش نصیب کو سمجھا دینا... بدلہ ودلہ لینے کا خیال دل سے نکال دے... ایسا بھی کوئی ہماری جائیداد پر قبضہ نہیں کرلیا ان لوگوں نے کہ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں سوچی جائیں۔''

انکا اچھی خاصی ناراضی سے بھرا ہوا لہجہ ماہ نور کو اتنی اجازت نہیں دیتا تھا کہ آگے سے کچھ کہے سو خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

کانسٹیبل اسلم نے اپنی گن پر ہاتھ مضبوط کیئے اور سہما سہما سا جا کر چوکیدار کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ڈر کے مارے دل بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا اور رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔اس نے فوراً سے پیشتر با آواز بلند آیت الکرسی کا ورد کرنا شروع کیا اور اس کے ساتھ اسے جو بھی قرآنی آیات یاد آئیں وہ پڑھتا چلا گیا۔

دھند کے مرغولوں میں چھپی ہوئی وہ رات...ایک مشکل رات تھی۔

اور وہ چاہتا تھا جلد از جلد اس رات کی صبح ہو جائے لیکن ظاہر ہے یہ بھی اتنی جلدی ممکن نہ تھا۔

اس نے بیٹھے بیٹھے محتاط انداز میں چاروں طرف نظر ڈالی۔لیمپ پوسٹ کی روشنی میں جتنی دور تک نگاہ جا سکتی تھی اس نے دیکھا۔فلک بوس کا بیرونی حصہ سناٹے اور اسرار کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔کانسٹیبل کچھ اور سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا پھر اسے کچھ خیال آیا تو اس نے اٹھ کر لکڑی کا پھاٹک کھول دیا۔اور اپنی کرسی گیٹ کے بالکل قریب رکھ کر بیٹھ گیا۔یہ پیش بندی تھی۔اگر اندر سے اسے کسی ان دیکھی مخلوق کا حملہ برداشت کرنا پڑتا تو وہ یقیناً آرام سے راہ فرار حاصل کر سکتا تھا۔لیکن اس پیش بندی سے بھی اس کی دل کی حالت پر کوئی خاص فرق نہ پڑا الٹا بس یہ ہوا کہ قرآنی آیات کے ورد سے اس کے ڈر میں قدرتی طور پر کمی واقع ہونے لگی اور اس نے خود کو قدرے پرسکون محسوس کیا۔

پرسکون ہوتے ہی اس کا ذہن اس کے کھانے کے بارے میں سوچنے لگا جو دوپہر میں اس نے کھایا تھا۔مسور کی خشک دال کے ساتھ بڑے لذیذ چاول تھے جن پر اس کی بیوی نے بھرے ہوئے بینگن کا سلاد بنا کر بھجوایا تھا۔واہ...کیا لذیذ کھانا تھا۔اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ دوپہر کے بعد سے وہ بھوکا ہے اور اس نے دوبارہ کچھ نہیں کھایا۔اس کی نظر فلک بوس کی طرف گئی۔مکینوں کو کم سے کم اس سے رات کے کھانے کے متعلق تو پوچھ لینا چاہیئے تھا۔

لیکن جتنی بڑی عمارت تھی اتنے چھوٹے دل کے مکین۔اسے باہر بٹھا کر وہ لوگ تو جیسے بھول ہی گئے تھے۔مرے پر سو درے اسی وقت سوائے ایک کو چھوڑ کر باقی تمام لیمپ پوسٹ بجھا دیئے گئے۔فلک بوس کے لان مکمل تاریکی میں ڈوب گئے اور پائن کے درخت مزید قد آور اور خوفناک لگنے لگے۔کانسٹیبل اسلم کا دل ایک بار پھر ان دیکھے آسیب کے خوف سے کانپنے لگا ذرا سی ہوا چلی سوکھے پتے لرزے تو وہ پورا کا پورا لرز گیا لیکن اگلے ہی پل وہ اپنی بیوقوفی پر جھینپ کر ہنسنے لگا۔

"یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں...آج تک اس بدروح کو دیکھا کس نے ہے جو میں اتنا ڈر رہا ہوں...او ہمت کر یار!۔"اس نے خود کو حوصلہ دلایا بندوق کو احتیاط سے گود میں رکھا اور کرسی سے ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔گو کہ اس کے دل میں ابھی بھی خوف کی ہلکی سی رمق باقی تھی لیکن بظاہر وہ خود کو پرسکون ظاہر کر رہا تھا۔اور ظاہر کرنے سے زیادہ وہ خود کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ ڈر نہیں رہا۔

رات دھند کے لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔اسلم نے یونیفارم کے اوپر ایک گرم کوٹ اور گرم ٹوپی پہن رکھی تھی۔ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ہڑبڑا کر اس نے نیند کو بھگایا اور چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔لیکن یہاں سب کچھ روٹین کے مطابق ہی لگنے

لگا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ خوف کا عنصر جو اسے فلک بوس کی حدود سے دور رہنے کی تلقین کر رہا تھا ماند پڑنے لگا تھا اور اسے اونگھ آ گئی۔

آنکھوں کے مکمل بند ہو جانے تک وہ دیکھ نہیں سکا فلک بوس کی آرائشی گھنی باڑھ کے پیچھے اس سے کوئی سات فرلانگ کے فاصلے ایک سایہ دبے پاؤں، بالکل ایسے جیسے پانی پر تیرتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کانسٹیبل اسلم کا شک صحیح تھا آج کی رات واقعی اس کی زندگی کی ایک بری رات ثابت ہونے والی تھی۔

آسمان پر بجلی کڑکی اور گھنے بادلوں میں شگاف پڑ گیا کانسٹیبل اسلم کی آنکھ کسی عجیب سے احساس سے کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے ایسا لگا جیسے اس کے پیچھے ہلچل سی ہوئی ہو۔ اس نے تیزی سے پیچھے دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ روش پر بکھرے سوکھے پتے ہوا سے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ بادلوں کی سفیدی نے اتنی روشنی پھیلا رکھی تھی کہ وہ دور تک غیر واضح مناظر دیکھ سکتا تھا۔

اس جگہ سے بہت دور وہاں جہاں تالاب کے بیچ و بیچ سفید پری پنکھ پھیلائے کھڑی تھی۔ وہیں کوئی اور بھی تھا۔

جس وقت بجلی کڑکی اور پورا ابشام آسمان سے کوندتی ہوئی اس تیز روشنی میں نہا گیا۔ اسلم نے واضح طور پر وہاں کسی کو دیکھا۔ لمبا سفید چغہ، جھکا ہوا چہرہ اور چہرے کے اطراف میں پھیلے کندھوں سے نیچے تک جاتے ہوئے بال۔

ایک بجلی آسمان پر کڑکی ایک اس کے اعصاب پر گری۔

یہ منظر اتنا دہشت زدہ کر دینے والا تھا کہ وہ بے ساختہ کھڑا ہوا۔ گود میں رکھی بندوق اس کے پیروں میں گری لیکن وہ اتنا حواس باختہ ہو چکا تھا کہ اسے بندوق اٹھانے کا خیال نہیں آیا۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ جیسے ہی وہ پیچھے ہٹا سفید چغہ پوش نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اسلم کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر اس کے وجود میں حرکت نمودار ہوئی۔ اس کا پورا وجود اپنی جگہ سے چند انچ اوپر ہوا میں اٹھا اور ہوا پر تیرتا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اسلم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس کا دل جیسے حلق میں آ گیا۔ وہ تیزی سے گیٹ کی طرف پلٹا۔ ہیجانی انداز میں باہر آ کر اس نے گیٹ بند کیا لیکن گیٹ مکمل طور پر بند نہیں ہوا۔

اسلم نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا۔ وہ بھول گیا وہ اس وقت ڈیوٹی پر ہے یاد رہا تو صرف اتنا کہ اسے فلک بوس کے آسیب سے اپنی جان بچانی ہے۔ وہ بھاگتے ہوئے قدموں کے ساتھ تیز تیز ڈھلوانی سڑک پر چلنے لگا۔ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے فلک بوس کا آسیب اس کے تعاقب میں ہی ہو۔

اچانک وہ ٹھٹھک کر رکا۔ اسے غرانے کی آواز سنائی دی تھی اور آواز واضح طور پر درختوں کی طرف سے آ رہی تھی معاً گھنے درختوں کے جھنڈ سے ایک جست لگا کر ایک جنگلی جسیم کتا اس کے عین سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اب دانت نکوس کر غرا رہا تھا۔

اسلم کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ وہ واپس نہیں جا سکتا تھا اور آگے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے منہ سے آوازیں نکال کر کتے کو بھگانے کی کوشش کی لیکن یہ جنگلی کتا تھا کوئی عام کتا نہیں کہ اس کی معمولی آوازوں سے گھبرا کر رستہ چھوڑ دیتا۔ وہ ذرا سا نیچے جھکا اپنے پنجے مٹی پر رگڑے اور جسم کی پوری طاقت کے ساتھ اسلم پر حملہ آور ہوا۔ اسلم نے دہشت زدہ

ہو کر بھاگنا چاہا لیکن اس کوشش میں منہ کے بل گرا۔ گرتے ہوئے اس نے دیکھا سفید چغہ پوش فلک بوس کے پھاٹک نما گیٹ کے باہر ہوا میں معلق تھا۔

کتے کے پنجے اور دانت ایک ساتھ اسلم کی کمر میں اترے تھے اور اس کی چیخوں سے بشام کا جنگل لرز اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

تھوڑی دیر بعد خوش نصیب آنکھیں ملتی کچن میں آئی تب تک سارا ہی کام سمیٹا جا چکا تھا۔

''ناشتہ دے دیں۔'' وہ کرسی پر ڈھے گئی اور بازو پھیلا کر بولی۔ ''اُف... آج سو کر اتنی تھکن ہو رہی ہے کہ بس....''

''تھکن اتارنے کے لئے تھوڑی دیر اور سو جانا تھا..'' روشن امی نے طنز سے کہا۔ خوش نصیب نے فوراً کھٹک کر ماں کو دیکھا اور سادگی سے پوچھا۔

''طنز کر رہی ہیں؟''

''نہیں نہیں... میری اتنی مجال کہاں۔'' انہوں نے اور بھگو کر لگائی۔

خوش نصیب نے کن انکھیوں سے ماہ نور کو دیکھا وہ تندہی سی پتیلی مانجھ رہی تھی اور دانستہ خوش نصیب کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔

''کیا بات ہے روشن امی!... آپ اس طرح کیوں بات کر رہی ہیں؟'' اس نے ڈرے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ماں نرم لہجے میں بات کرنے کی عادی تھیں لیکن دونوں بیٹیوں پر رعب بہت تھا ان کا۔

''اس طرح بات نہ کروں تو کس طرح کروں؟... تم میں کوئی احساس ذمہ داری ہے یا نہیں..'' وہ ڈپٹ کر بولیں۔

''جب دیکھو تم کسی نہ کسی اوٹ پٹانگ کام میں مگن ہی ملتی ہو.. کبھی دیواریں پھلانگ رہی ہو کبھی درختوں پر ٹنگی ہوئی ملو گی اور کچھ نہیں تو سارے گھر کو زچ کرنے کے نت نئے بہانے سوچتی رہتی ہو.. تم نے کبھی سوچا ہے خوش نصیب! سارے گھر کو تم سے کتنی شکائیتیں ہیں؟''

نت نئے بہانوں والی بات پر خوش نصیب نے فوراً ماہ نور کو دیکھا اس نے اور بھی رخ موڑ لیا۔ خوش نصیب فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔ پکا سا منہ بنا کر بولی۔

''مجھے کسی کی شکائیتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا... کیا اس گھر کے کسی فرد نے کبھی سوچا ہے مجھے ان سے کتنی شکائیتیں ہیں؟''

''تمہیں فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے پڑتا ہے... ہم سب کو پڑتا ہے۔'' وہ بہت ہی ناراض تھیں۔

''شاہجہان کے کبوتر اڑا دیئے کبوتروں کی کنالیاں توڑ دیں۔ اتنا بدلہ لینا کافی ہے... ماہ نور نے مجھے بتایا کوئی کھچڑی پک رہی ہے تمہارے دماغ میں... ایک بات میری کان کھول کر سن لو... اب تم نے کوئی اوٹ پٹانگ حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''جی!۔'' اتنی زور سے ڈانٹ پڑی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔ آنسو چھپانے کے لئے اٹھ کر کچن سے جانے لگی تو

روشن امی نے مزید ڈپٹ کر کہا۔

"اب نخرے کرنا بند کرو اور چپ چاپ بیٹھ کر ناشتہ کرو..ملازم نہیں ہے کوئی تمہارا کہ ناشتے کی ٹرے سجا کر پیچھے لے کر پھرے۔"

وہ بیٹھ گئی آنسو چھپانے کے لئے زور زور سے آنکھیں جھپکیں ہونٹ بھی زور سے بھینچ لئے اور ایسے کرتے ہوئے بالکل چھوٹی سی بچی لگنے لگی۔

ماہ نور کو افسوس ہوا خوامخواہ بیچاری کو نہار منہ ڈانٹ پڑوادی۔

اس نے سفارتی تعلقات بحال کرنے کے لئے تازہ پراٹھا بنا کر سامنے رکھا زیادہ دودھ اور تیز چینی والی کڑک چائے بھی بنائی لیکن خوش نصیب نے آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔

وہ سچ مچ ناراض ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

فلک بوس کے اندر یہ چیخیں سب سے پہلے آئے کت کی سماعت سے ٹکرائی تھیں۔ وہ پریشان ہو کر وسامہ کے پاس آئی۔

"یہ... یہ کیسی آوازیں ہیں وسامہ؟"

وسامہ اپنی پریشانی کم کرنے کی غرض سے آتش دان کے قریب ایزی چیئر پر بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے آئے کت؟"

"یہ کیسی آوازیں ہیں..جیسے کوئی زور زور سے چیخ رہا ہو۔" آئے کت نے پریشانی سے کہا۔

وسامہ نے کان لگا کر سنا۔

"ہاں...کوئی چیخ رہا ہے۔" وہ پریشان ہو کر بیساکھی کے سہارے کھڑا ہوا۔

"ہمیں باہر جا کر دیکھنا چاہیئے۔" آئے کت تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وسامہ نے اسے روک دیا۔

"پاگل مت بنو...ہم اسوقت باہر نہیں جا سکتے۔"

آئے کت شاکڈ ہوئی۔"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...یہ انسانی چیخوں کی آواز ہے۔کوئی مشکل میں ہے...اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"باہر جا کر ہم خود کسی مشکل میں پھنس سکتے ہیں" اس نے آئے کت کا ہاتھ جھٹک کر کہا اور بیساکھی ٹیکتا ہوا تیزی سے کھڑکی کی طرف گیا۔اس نے پردے کا کونہ ذرا سا سرکا کر احتیاط سے باہر جھانکا۔باہر اندھیرا ہر طرف حاوی دکھائی دیتا تھا۔

"میں بابا کبیر کو بلاتی ہوں۔"

"کبیر سے کہو...دروازہ ہرگز نہ کھولے۔"

http://kitaabghar.com

”لیکن وسامہ!...“

”جو کہہ رہا ہوں وہ کرو آئے کت!“ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ آئے کت کو اس کے ایسے لہجے کی عادت نہیں تھی وہ روہانسی سی ہو کر باہر نکل گئی اور چند لمحے بعد بابا کبیر کے ساتھ واپس آئی۔

اس دوران وسامہ مستقل باہر دیکھتا رہا تھا۔

”مجھے باہر جا کر دیکھنے دیں صاحب! یہ آوازیں جنگل کی طرف سے آ رہی ہیں...ضرور کوئی مشکل میں ہے۔“ بابا کبیر نے منت سے کہا۔

لیکن کھڑکی کے پاس وسامہ جیسے شاکڈ سا کھڑا تھا ابھی جب بجلی چمکی اس نے بھی اس سفید لبادے میں لپٹے ہوئے وجود کو دیکھا تھا جو چلتا نہیں تھا ہوا میں تیرتا ہوا آگے بڑھتا تھا۔

جسے پہلی نظر میں اپنا گمان سمجھ کر وسامہ نے نظر ہٹانی چاہی اسے اپنا وہم سمجھا لیکن اسی وقت بجلی چمکی اور منظر واضح ہوتا چلا گیا۔ وہ دم بخود رہ گیا لیکن جوں ہی آسمانی بجلی کا زور کم ہوا ہر منظر اپنا روپ گنوا بیٹھا۔

وسامہ ہکا بکا وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ پردہ ہی برابر کر دے۔

”کیا بات ہے وسامہ!...کیا ہوا ہے آپ کو؟“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”وہ...وہاں...وہ...وہاں...کک...کوئی تھا...اب...ابھی دیکھا میں نے۔“ وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔

آئے کت اور بابا کبیر تیزی سے کھڑکی کی طرف آئے لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ کوئی نظر نہیں آیا۔

”مجھے تو کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔“

”وہ غائب ہو گیا...وہ...وہ سایہ...غائب ہو گیا۔“ وسامہ کانپتی ہوئی ٹانگوں سے جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

”آپ کا وہم ہے...باہر کوئی بھی نہیں تھا۔“

”میں نے خود دیکھا ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا اس کی یہ ہیجانی چیخ فلک بوس کی دیواروں سے ایسے ٹکرائی جیسے بہت سی چمگادڑیں مل کر چیخی ہوں۔ بابا کبیر اور آئے کت چپ ہی رہ گئے۔

”اٹھو...جلدی کرو آئے کت!...ہم...ہم یہاں نہیں رہیں گے...وہ آ گئی ہے۔ اس کی روح فلک بوس میں بھٹکتی پھرتی ہے۔“ وہ پاگل سا ہو رہا تھا۔

آئے کت پریشان ہو گئی۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو وسامہ!“

”مجھے کچھ نہیں ہوا...لیکن اگر ہم یہاں رہے تو ضرور کچھ ہو گا...کچھ ایسا جس کا مداوا ہم دونوں نہیں کر سکیں گے۔“ اس نے سہمے

ہوئے انداز میں آئے کت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

وسامہ کا انداز آئے کت کو مزید پریشان کر گیا۔

''ہم اسوقت یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں؟'' وہ روہنکھی ہو کر بولی۔

''آپ جانتے ہیں رات کے وقت اس پہاڑی علاقے میں سفر کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

وسامہ کا اصرار ماند پڑ گیا اسے جیسے اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔

''صاحب!'' بابا کبیر کی آواز پر وہ دونوں اس کیطرف متوجہ ہوئے۔''یہاں آیئے صاحب۔'' وہ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اور کھڑکی سے باہر ان دونوں کو کچھ دکھانا چاہتا تھا۔

''وہ دیکھیئے ..درخت کی شاخ سے ایک سفید چادر لٹک رہی ہے...شائد اسے ہی آپ بدروح سمجھے ہوں۔''

اور وسامہ دم بخود رہ گیا درخت کی شاخ سے واقعی ایک چادر لٹکی ہوئی تھی اور ہوا سے لہرا رہی تھی۔

''یہ...یہ کیسے ہو سکتا ہے؟...میں نے خود یہاں کسی کو چلتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''آپ کا وہم ہوگا صاحب! ایسے موسم اور ایسی جگہوں پر اکثر نظریں دھوکہ کھا جاتی ہیں...وہم ہو جاتے ہیں۔'' بابا کبیر نے نرمی سے کہا تھا۔

وسامہ ششدر سا کھڑا دیکھتا رہا۔اس کے لئے سمجھنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا واقعی اسے وہم ہوا تھا یا واقعی کچھ دیر قبل وہاں کوئی تھا۔چیخوں کا اسرار خود بخود دم توڑ گیا اب وہ نئی الجھن میں پھنس گیا۔

اسی وقت بجلی ایک بار پھر کڑکی اور تیز ہوا سے چادر کا شاخ میں پھنسا ہوا کونہ آزاد ہو کر ہوا میں لہراتا گھاس پر جا گرا۔آئے کت نے آگے ہو کر کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

جس وقت وہ دونوں چھت پر آئیں۔پوری چھت تیز دھوپ سے زرد ہو رہی تھی۔

داہنی ہاتھ والی دیوار کے ساتھ ساتھ رکھے کبوتروں کے بند ڈربے ہری ترپال سے ڈھانپے گئے تھے لیکن کسی نہ کسی ڈربے میں کوئی کبوتر ذرا سا بولتا تو اس کی آواز کسی بھولی بسری یاد کی طرح محسوس ہوتی۔

''ہائے کتنی گرمی ہے یہاں ..تم لوگ کیسے رہو گے خوش نصیب!'' فریحہ کو چھت سے گزر کر کمرے میں جانے تک کی مختصر مدت میں ہی غش آنے لگے تھے۔

''جیسے نیچے والے کمرے میں رہتے تھے ویسے ہی اس کمرے میں بھی رہ لیں گے..وہاں کونسے ڈھائی ٹن کے سپلٹ اے سی لگے ہوئے تھے ہمارے لئے۔'' وہ حلق تک کڑوی تھی اور یہ کڑواہٹ اگلنے کا بس بہانہ ہی چاہیئے ہوتا تھا سو اس وقت بھی پورے جی جان سے متنفر

لہجے میں بولی۔

”میری مانو..ایک چکر تم بھی باباجی کے پاس لگا ہی لو۔“ کمرے میں اس کے پیچھے داخل ہوتے ہوئے فریحہ نے کہا۔کمرے میں گویا اسباب زندگی ،نانی سمیت سبھی موجود تھے۔چھت پر ٹنگا پنکھا بھی پوری طاقت سے گھوم رہا تھا مگر ہوا کا زور بتا تا تھا پنکھا اپنے آخری دموں پر ہے۔پھر بھی باہر کی بانسبت کمرے میں سکون تھا اور اس کی واحد وجہ روشن امی کی وہ عقلمندی تھی جو گندم کی خالی خس کی بوریوں کو پانی میں بھگو کر کھڑکیوں میں لٹکانے کا سبب بنی تھی۔ہوا جب ان چٹائی نما بوریوں سے گزرتی تو تراوٹ کا ایک احساس کمرے میں پھیل جاتا تھا۔

”تایا ابو نے کہا ہے پنکھا تو نیا لگوا دیں گے۔“ فریحہ کو منہ اٹھائے پنکھے کی طرف دیکھتا پا کر خوش نصیب نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔گو کہ اپنے چچا تایا کے ناروا سلوک اور حق تلفیوں کے متعلق جتنی گل افشانیاں وہ اب تک کر چکی تھی اس کے بعد کسی justification کی ضرورت رہ تو نہیں جاتی تھی۔پھر بھی اس وقت اسے بہت سے بھی کچھ زیادہ ہی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

”میرا تو نہیں خیال...“ فریحہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔”اب تک تم لوگوں کے پاس جو کچھ تھا وہ تمہارے تایا چچا نے لیا ہی ہے..نئی کوئی چیز کہاں لیکر دے سکیں گے۔“

خوش نصیب اب کی بار خاموش ہی رہی لیکن اس کے تاثرات بتاتے تھے فریحہ سے سو فیصد متفق ہے۔

”تم باباجی کے پاس کیوں نہیں جاتی۔“ وہ دھپ سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔پرانے زمانے کا پلنگ تھا سو طرح کی موسیقی سنا کر خاموش ہوا۔

”کونسے باباجی؟“

”وہی..بیری پیر والے...“

”وہ نمک اور گندی چینی والے باباجی؟“ خوش نصیب کو وہ قصہ یاد آتے ہی ابکائی آنے لگی۔

”ایسے بدتمیزوں کی طرح ناک چڑھا کر مت بولو باباجی کے لئے...وہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔کوئی پتا نہیں ان کا کوئی موکل یہیں آس پاس ہی موجود ہو۔“

”میں ایسے موکلوں کی ٹانگیں توڑ سکتی ہوں جو اتنے کم ہمت تھے کہ ان گندے چوڑے باباجی تک کے قابو میں آ گئے...بتاؤ۔ان باباجی کی طرف دیکھنے کا دل نہیں کرتا ان کے منہ کی گندی چینی کون کھائے گا۔“ اس نے نفرت سے کہا

”اسی گندی چینی کی کرامت ہے کہ ثمرین کی ساس نندیں تیر کی طرح سیدھی ہو گئی ہیں۔کل ہی امی کو فون پر کہہ رہی تھیں کہ رخصتی کی تاریخ طے کرنے جلدی ہی آئیں گی..ثمرین تو اتنی خوش ہے کہ بس۔“ فریحہ نے کہا

”ثمرین سے کہو خوامخواہ خوش ہو کر اپنا وزن نہ بڑھائے..گندی چینی ساس نندوں کو کھلانے کی بجائے ہر روز چار لفظ شیرینی میں ڈوبے ہوئے زبان سے ٹپکا لیتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی....اونہہ.تم دیکھ لینا یہ تیر ایک دن ثمرین کو ضرور لگے گا...“

”فٹے منہ تمہارا...انسان بات ہی اچھی کر لیا کرے۔“ فریحہ کی جان ہی جل کر خاک ہو گئی ایک تو ایسا اعلیٰ مشورہ دیا اوپر سے خوش

نصیب کی باتیں۔

''ارے اچھی بات کرنے کے چکر میں کیا انسان سچ بھی نہ بولے؟'' اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔ ''اچھا بتاؤ... کچھ کھاؤ گی؟... ویسے نہ ہی کھاؤ تو اچھا ہے کیونکہ اتنی دھوپ سے گزر کر مجھے نیچے کچن میں جانا پڑے گا... اور دوبارہ دھوپ میں جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے.. ویسے بھی تم بے شک میری دوست ہو لیکن اب مجھے اتنی بھی عزیز نہیں ہو کہ میں بار بار تمہارے لئے دھوپ کے چکر لگاؤں۔''

''اللہ معاف کرے مجھے.. لیکن سچ تو یہ ہے کہ تم جیسی کام چور لڑکی نہ میں نے آج تک دیکھی ہے نہ اس کے بارے میں سنا ہے...'' اس نے شرمندہ کرنا چاہا لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو آرام سے قابو میں آ جائے۔

''اور میرے جیسی کوئی تمہیں ملے گی بھی نہیں... میں ون اینڈ اونلی ہوں'' ہاتھ نچا کر بڑے فخر سے بولی۔

''... میرے بارے میں ہی تو علامہ اقبال نے کہا تھا.. بڑی مشکل سے ہوتی ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''

''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔'' فریحہ نے لفظوں پر زور دیکر کہا۔

''... اکثر لوگ غلط پڑھتے ہیں یہ مصرعہ... اصل مصرعہ تو یوں ہے... بڑی مشکل سے ہوتی ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔'' اصرار دم توڑنے کا نام نہ لے رہا تھا۔

''بس کر دو.. میرے کان پک گئے تمہاری تعریفیں سنتے سنتے۔'' فریحہ چڑ کو بولی۔

''اور باباجی کے پاس چکر لگاؤ.. بڑی کرامات ہیں ان کی۔ بگڑے کام بنا دیتے ہیں...''

''ہاں... باباجی ادھر عمل شروع کریں گے اور ڈھائی ٹن کا اے سی خود چل کر میرے گھر پہنچ جائے گا ناں؟''

''اب یہ مجھے نہیں پتا.. صرف یہ پتا ہے کہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔''

''اچھا...'' وہ ایک دم کچھ سوچنے لگی۔ ''اگر اتنے ہی پہنچے ہوئے ہیں تمہارے باباجی تو چلو میرے ساتھ.. تمہارے باباجی کی ''پہنچ'' چیک کرتے ہیں۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے باہر کی طرف لپکی تھی۔ فریحہ بھی نہ سمجھی سے ارے ارے ہی کرتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح جب وادی کے لوگوں کا گزر فلک بوس اور جنگل کی درمیانی سڑک سے ہوا تو انہیں اس سڑک پر کانسٹیبل اسلم کی بھنبھوڑی ہوئی لاش ملی۔ وادی میں جیسے کہرام سا مچ گیا۔ ستر فیصد مقامی آبادی کا خیال تھا یہ فلک بوس کے آسیب کا کام ہے۔ تیس فیصد میں عقل باقی تھی اور چونکہ اسلم کی لاش کے پاس کتے کے نشانات بھی ملے تھے اس لئے انہوں نے تحقیقات کا نتائج آنے تک کوئی بھی رائے دینے سے گریز کیا۔

کچھ کا کہنا تھا کانسٹیبل اسلم نے فلک بوس کے بیرونی حصے کی گشت شروع کی تو ایک ان دیکھی طاقت نے اس کے ہاتھ سے بندوق لیکر فلک بوس کے اندر ہی چھوڑ دی۔ اس کے بعد کانسٹیبل اسلم خود بخود چلتا ہوا باہر آیا۔ گیٹ کے باہر آیو شمتی کھڑکی تھی اس کے تھوڑی

http://kitaabghar.com

تک لٹکتے ہوئے لمبے دانت اور چار چار انچ تک لمبے ناخن تھے۔ کانسٹیبل اسلم کسی جادو کے اثر سے گیا اور جا کر آیو شمتی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا یہاں تک کہ آیو شمتی نے اس کا یہ حال کر دیا۔

کچھ کہتے آیو شمتی کو اسلم کا فلک بوس کے سامنے پہرہ دینے والی بات پسند نہیں آئی۔ اس نے رات کے تیسرے پہر کانسٹیبل کو ایک ہاتھ پر اٹھایا اور فلک بوس سے باہر پٹخ دیا نتیجتاً اس کی موت واقع ہو گئی۔

غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی افواہیں بشام میں گردش کرنے لگیں۔ فلک بوس کے مکینوں کا بشام کے لوگوں سے کوئی اتنا ملنا ملانا نہیں تھا اس لئے یہ ساری افواہیں ان تک مکمل صورت میں نہ پہنچ سکیں۔ لیکن انہیں انکوائری بھگتنا پڑی اور چونکہ اسلم کو فلک بوس کے باہر تعینات کیا گیا تھا اور فلک بوس کے اندر جانے یا اندر سے کسی کے باہر آنے کے ایسے کوئی واضح ثبوت بھی نہ مل سکے تھے اس لئے کانسٹیبل اسلم کی موت کے کیس کو حادثہ قرار دیکر اس کی فائل ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔

فلک بوس کے سامنے والی سڑک پر سرخرو پر کئے گئے حملے کے بعد یہ دوسرا بڑا حادثہ تھا جس کا مجرم فلک بوس کے آسیب یعنی آیو شمتی کو ٹھہرایا جا رہا تھا۔ وادی میں کچھ عرصہ افواہیں گردش کرتی رہی اور پھر ظاہر ہے ان افواہوں کا زور قدرے ماند پڑ گیا۔ لیکن سب کی باہمی رائے یہی تھی کہ اس سے پہلے کہ وہ آسیب فلک بوس کے مکینوں کو کوئی نقصان پہنچائے انہیں وہاں سے چلے جانا چاہیئے۔

جو بھی ہوا وہ معمولی بات نہیں تھی۔ خبر اردشیر ازی تک بھی پہنچ گئی۔ وہ ملک کی ایک نامور سیاسی پارٹی سے وابستہ تھے کچھ عرصہ وزیر اطلاعات بھی رہے تھے۔ فلک بوس ان کی جاگیر کا ایک معمولی سا حصہ تھا لیکن چونکہ فلک بوس ان کے والد کو بطور انعام دیا گیا تھا سو اس سے کئی یادیں جڑی ہوئی تھیں۔ وہ اس سے دستبردار بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری جانب وہ اپنی سابقہ بیوی اور اس کے گھر والوں کے لئے کوئی اچھے جذبات بھی نہ رکھتے تھے۔ جس وقت معاویہ نے ان سے وسامہ کو فلک بوس میں ٹھہرانے کی اجازت مانگی گو کہ وہ اس بات کے حق میں نہیں تھے لیکن اتنی معمولی چیز کے لئے انکار کر کے وہ معاویہ کو ایک بار پھر ناراض بھی نہیں کر سکتے تھے پہلے ہی اس کے دل میں ان کے لئے بہت شکائیتیں تھیں انکار کر کے وہ ان شکائیتوں کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔

لیکن کانسٹیبل اسلم کی موت کی خبر سن کر انہوں نے معاویہ کو بلوایا۔ معاویہ اپنی کسی اسائمنٹ کے سلسلے میں مصروف تھا اس نے آنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے معاویہ کو ساری حقیقت بتائی اور اس سے کہا کہ وہ خود بشام جا کر اس معاملے کی تحقیقات کرے۔

''سیدھا سادھا جنگلی کتے کے حملے کا کیس ہے... میں اب وہاں جا کر کیا تحقیقات کروں؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''معاویہ وہ تمہاری پراپرٹی ہے.. وہاں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں تمہیں اس بارے میں سب پتا ہونا چاہئے۔'' وہ تحمل سے بولے گو کہ وہ اتنے تحمل کے عادی نہ تھے۔

''بابا! ابھی فوراً میں وہاں نہیں جا سکتا۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''ٹھیک ہے پھر تم وسامہ کو فون کر کے کہو فلک بوس خالی کر دے...میں اسے ہوٹل بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''انہوں نے اب سنجیدگی سے کہا۔

معاویہ نے ایک دم ان کو حیران ہو کر دیکھا۔

''آپ کا پہلے تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''نہیں...میں کافی عرصے سے اس پلان پر غور کر رہا ہوں۔''

''لیکن آپ نے پہلے ذکر نہیں کیا...؟''اس نے زور دیکر کہا۔

''میں نے ضروری نہیں سمجھا ہوگا۔''انہوں نے آرام سے کہا۔

معاویہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''فلک بوس کو آپ بہت پہلے میرے نام کر چکے ہیں...وہاں وسامہ رہے گا یا وہاں ہوٹل بنے گا یہ میں ڈسائیڈ کرونگا۔''

اردشیر ازی نے غور سے بیٹے کو دیکھا اور انہیں احساس ہوا وہ بہت پہلے اپنے بیٹے کو کھو چکے تھے۔وہ ان سے زیادہ اپنے ماموں طالب حسین کا بیٹا تھا وہ وسامہ طالب کا بھائی تھا۔انہوں نے کیسے سوچ لیا وہ ان کے کسی ارادے کو وسامہ پر فوقیت دے سکتا ہے۔

انہوں نے خود کو سمجھایا اور مسکرا کر معاویہ کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے...فلک بوس کے بارے میں تم ہی فیصلہ کرو گے...لیکن بہتر ہوگا کہ تم ابھی بشام جاؤ اور ساری صورتحال کا جائزہ لو...میں نے اپنے کانٹیکٹس کے ذریعے کیس بند کروا دیا ہے۔''

''آپ انکوائری ہونے دیتے...پورا ایک انسان مارا گیا ہے چھان بین تو ہونی چاہیئے تھی۔''معاویہ کو جیسے ان کی ہر بات رد کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔

''تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے اگر اس معاملے کی بھنک میڈیا کو پڑ جاتی تو ہمارے خاندان کو کیا کچھ برداشت کرنا پڑ سکتا تھا۔''اردشیر ازی نے گہری سانس بھر کر کہا۔

معاویہ نے ایسے سر جھٹکا جیسے اسے کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔

''بہر حال تم بشام جاؤ...اور اس کانسٹیبل کے گھر والوں سے ملو..تھوڑی بہت مالی امداد کر کے ان کے منہ بند کرواؤ۔جتنا نامور خاندان ہوتا ہے اتنے دشمن تاک میں ہوتے ہیں...میں نہیں چاہتا کسی کو الٹی سیدھی بات کہنے کا موقع ملے۔''

انہوں نے دوٹوک کہہ کر فون اٹھا لیا۔

معاویہ ناراضی سے انہیں دیکھ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

مزار پر معمول کا رش تھا زائرین کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں فریحہ ہمیشہ ذوق وشوق سے آتی تھی صرف اس لئے نہیں کیونکہ اسے مزار والے مرحوم بزرگ یا وہاں پیر صاحب بن کر بیٹھے ہوئے کسی ڈھونگی بابا جی سے عقیدت بہت تھی صرف اس لئے کیونکہ اس نے اپنی اماں، بہن اور گھر کے تمام بزرگوں کو ایسے ہی عقیدت اور محبت سے یہاں آتے ہوئے دیکھا تھا۔

یہ عقیدت نسل در نسل منتقل ہوئی تھی سو اس سے پیچھا چھڑوانا مشکل تھا۔لیکن خوش نصیب آج گھر سے تہیہ کر کے نکلی تھی ڈھونگی بابا جی کا راز فاش کرے گی۔فریحہ کے سامنے انہیں ایسا نیچا دکھائے گی کہ دوبارہ کبھی فریحہ ان کا نام بھی لینے کی روادار نہ رہے گی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کر کیا رہی ہو؟''

جس وقت خوش نصیب لوگوں کے جمگھٹے میں پھنسی پنجوں کے بل اوپر اوپر ہو کر بابا جی تک رسائی کا راستہ تلاش کر رہی تھی فریحہ نے چڑ کر پوچھا۔

''اگر تمہیں اسپلٹ اے سی کے لئے تعویز ہی چاہیئے تھا تو ہم شام کو بھی آ سکتے تھے...اتنی دوپہر میں آنا ضروری تو نہیں تھا۔'' وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

''کیوں؟...دوپہر میں کیا تمہارے بابا جی کی ''پہنچ'' میں کمی آ جاتی ہے یا ان کے موکل کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں؟'' وہ اوپر اوپر سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اف...خدارا خوش نصیب! آہستہ بولو...کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تمہارے گلے میں اسپیکر فٹ ہے...خوامخواہ محلے والے مرگ کا اعلان کروانے مسجد جاتے ہیں...تمہیں ہی بتا دیا کریں ساری طرف خبر پہنچ جائے گی۔'' اس نے کان پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب کے ذہن میں جیسے کوئی گھنٹی بجی۔

''ارے واہ...مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔کتنا منافع بخش کام ہو سکتا ہے یہ...ہر اعلان کے بدلے میں دو چار سو روپے بھی وصول کر لیا کروں گی۔'' اس نے بالکل ایسے خوش ہو کر کہا جیسے شیخ چلی اپنی پہلی مرغی خریدتے ہوئے خوش ہوا ہو گا۔

فریحہ نے اسے گھور کر دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''تم نہیں سدھر سکتی۔''

''اس میں سدھرنے کی کیا بات ہے۔'' ہتھیلی پر ہاتھ مار کر حسب عادت وہ زور سے ہنسی۔''میں تو تمہیں اپنے بزنس میں پارٹنر شپ بھی آفر کرنے والی تھی..آرڈرز تم ہی نوٹ کیا کرنا۔''

اس دوران وہ لوگوں کے ہجوم میں کھسکتی ہوئی بابا جی تک پہنچ گئی تھیں۔

فریحہ نے اسے ٹہوکا دیا۔

''کوئی بدتمیزی نہ کرنا..میری اماں کو خبر ہوگئی کہ بابا جی کی شان میں کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہے تو مجھے جان سے ماردیں گی۔'' وہ اسکے کان میں گھسی۔

خوش نصیب نے سر ہلا کر اسے تسلی دی اور بابا جی کے سامنے احترام سے بیٹھ گئی یہ الگ بات ہے کہ اس کا بناوٹی احترام صاف ظاہر ہورہا تھا۔

فریحہ نے بابا جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔

''بابا جی! یہ میری سہیلی ہے خوش نصیب۔'' آہستگی سے بولی۔ بابا جی نے اپنی میلی آنکھیں اٹھا کر ذرا کی ذرا خوش نصیب کو دیکھا پھر انکھیں بند کرلیں اور بارعب آواز میں کہا۔

''حق اللہ....حق۔''

''بابا جی! میرا ایک مسئلہ ہے۔'' خوش نصیب جلدی سے بولی۔ فریحہ نے زور سے اس کی پنڈلی پر چٹکی بھرلی۔

''آ.....'' خوش نصیب بلبلا اٹھی۔ ''کیا تکلیف ہے تمہیں؟''

فریحہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کان میں گھس کر دانت کچکچا کر بولی۔

''یہ صاحب ولائت بزرگ ہیں. تمہاری گلی سے گزرنے والا کوئی عام فقیر نہیں جوان سے ایسے بات کررہی ہو۔''

خوش نصیب نے کھینچ کر اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا اور چڑ کر بولی۔

''اب اگر تم نے مجھے ٹوکا ناں..تو یقین کرو انہیں بابا جی سے عمل کروا کے تمہیں مکھی بنا کر دیوار سے چپکا دوں گی۔...''

''خوش نصیب!....'' فریحہ کو بری طرح تاؤ آیا لیکن اس سے پہلے کہ جملہ مکمل کرپاتی بابا جی کی سرور میں ڈوبی آواز نے اسے خاموش کروادیا۔

''نہ میری بٹی! نہ...اسے نہ ٹوک...''

خوش نصیب نے بابا جی کی آواز پر گردن اکڑا کر فریحہ کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ اب بول کر دکھاؤ لیکن بابا جی کی اگلی بات نے اسے چونکا دیا۔

''۔۔اس نمانی نے ابھی زندگی میں بڑا لمبا سفر طے کرنا ہے....بہت کچھ جھیلنا ہے..بہت کچھ برداشت کرنا ہے..اسے ہمت جمع کرنے دے...ابھی سے خاموش کرا دیا تو اس کا حوصلہ آدھے سے بھی کم رہ جائے گا..اسے بولنے دے...ہر غم سے دل کی جھولی خالی کرنے دے۔''

بھکشوؤں والا نارنجی میلا جھبلا پہنے گندا میلا بابا ایک لے میں بولتا چلا گیا تھا۔ نہ اس کی شکل بدلی، نہ لباس نہ گندے میلے بال۔ لیکن کہیں کوئی ایسی تبدیلی ضرور آئی تھی جو واضح نہیں کی جاسکتی تھی مگر محسوس ہوتی تھی۔

''آپ کو کیسے پتا میں نے زندگی میں لمبا سفر کرنا ہے؟'' خوش نصیب متاثر نہیں ہوئی تھی صرف چونکی تھی۔

باباجی کے چہرے پر پراسرار، معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ انہوں نے آنکھیں موندیں اور ذرا سا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر بولے۔

''مجھے تو یہ بھی پتا ہے تیرے ذہن کی الجھن تجھے یہاں کھینچ لائی ہے ...تجھے بابے کی باتوں پر اعتبار نہیں لیکن بابا سب جانتا ہے...تیرے دل اور دماغ کی ہر جنگ سے واقف ہے۔''

بابا نے آنکھیں کھولیں اور اپنی میلی آنکھیں خوش نصیب کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

خوش نصیب کو ایسا لگا جیسے اردگرد یک لخت سناٹا چھا گیا ہو اس بھری دنیا میں وہ اکیلی کھڑی تھی اور باباجی شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

باباجی مسکرائے اور آنکھیں دوبارہ بند کرلیں۔

خوش نصیب کے اردگرد پھیلا غبار چھٹ گیا وہ ایسے چونکی جیسے انسان گہری نیند سے جاگتا ہے۔ بے ساختہ اس نے اردگرد دیکھا۔ وہ مزار پر تھی اور اس کے اردگرد زائرین کا انبار۔ اس نے کہا نہیں لیکن وہ شاکڈ ہوئی۔ وہ کہاں تھی کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ یہ چند لمحے پہلے جو واردات اس پر گزری وہ کیا تھی؟ وہ سمجھنے سے قاصر ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا سر جھٹکا اور اس سے قبل کہ کچھ بولتی بابا نے کہا۔

''جا چلی جا.... بابا کی دعا ہے آج تیرے من کی مراد پوری ہوگی..''

خوش نصیب اٹھی اور ایک معمول کی طرح چلتی دربار کے احاطے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

فریحہ اس کے پیچھے دوڑی چلی آئی لیکن خوش نصیب چلتی چلی جا رہی تھی۔

''خوش نصیب!...خوش نصیب!...''

فریحہ کی آواز کافی دیر بعد اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی تب جب فریحہ بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آگئی تھی۔

خوش نصیب عجیب سے انداز میں چونکی۔

''تم کہاں جا رہی ہو خوش نصیب؟'' وہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''پتا نہیں۔'' خوش نصیب نے اس سے زیادہ حیران ہو کر کہا وہ اپنی حالت سمجھنے سے قاصر تھی پھر جیسے اس کے سر پر انکشاف کا بھاری پتھر آن گرا اس نے بے ساختہ اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کہاں جا رہی ہوں..کیا کر رہی ہوں؟...تمہارے ان باباجی نے جادو کیا ہے کیا مجھ پہ؟'' وہ سر پکڑ کر وہیں ایک مکان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا باباجی کا مذاق مت اڑاؤ...وہ ضرور ناراض ہوگئے ہیں تبھی تمہاری یہ حالت ہو رہی ہے...ورنہ باباجی

کے پاس جا کر تو اتنا سکون ملتا ہے...ایسے لگتا ہے انسان سارے جہان کی پریشانیوں سے آزاد ہو گیا ہو۔'' فریحہ کی اپنی فلاسفی تھی لیکن خوش نصیب بری پھنسی تھی۔ گو کہ اسے فریحہ کی کسی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا اور یقین کرنے کی کوشش بھی وہ نہ کرتی اگر وہ کالی گاڑی اسے نظر نہ آ جاتی جس نے کئی روز تک اس کی نیند اڑائے رکھی تھی۔

اس تنگ گلی کے اختتام پر چوبرجی کی طرف جانے والا چوراہا تھا اور وہیں اسے کالی گاڑی کے پاس کھڑا شامیر نظر آ گیا۔

اب صحیح خوش نصیب کے سر پر آسمان گرا۔ اس کے کانوں میں بابا جی کی آواز گونج رہی تھی۔

''جا چلی جا....بابا کی دعا ہے آج تیرے من کی مراد پوری ہو گی...''

اور من کی مراد پوری ہو گئی۔ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا کرتی۔ ڈھونگی بابا کا راز فاش کرنے آئی تھی لیکن اس روز جب دربار کی حدود سے نکلی تو اس کا اپنا عقیدہ ڈگمگا چکا تھا۔

☆......☆......☆

''معاویہ آ رہا ہے۔'' وسامہ نے فون بند کرتے ہوئے آئے کت کو بتایا۔

آئے کت اس وقت خاتون بی بی کو رات کے کھانے کے لئے ہدایات دے کر باہر آئی تھی اس کے ہاتھ گیلے تھے جنہیں وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے پونچھ رہی تھی۔

''اچھا ہے...'' آئے کت نے فوراً کہا۔ ''معاویہ آئے گا تو آپ بہتر محسوس کریں گے...مجھے ایسا لگ رہا ہے آپ اس حادثے کے اثر سے نکل نہیں پا رہے۔'' وہ آ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

وسامہ نے اپنی وہیل چیئر اس کی طرف موڑی اور عجیب سے انداز میں بولا۔

''معاویہ کو آیو شمتی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلنا چاہیئے۔''

آئے کت حیران رہ گئی۔

''لیکن کیوں؟...فلک بوس اس کی ملکیت ہے اور اسے پتا ہونا چاہیئے یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔'' اس نے زور دیکر کہا۔

''میں نہیں چاہتا وہ یہاں سے پریشان ہو کر واپس جائے۔'' اس نے بیچارگی کہا۔

''آپ اس سے بات کریں گے تو آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' اس بار آئے کت نے بہت نرمی سے کہا تھا۔

''مذاق ایک طرف لیکن جس بری طرح آپ اس آسیب کے خیال سے ڈرنے لگے ہیں یہ باتیں میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں..میں سارے فلک بوس میں پھری ہوں مجھے یہاں ایسا کوئی اثر محسوس نہیں ہوا جس کی بنیاد پر ہم سارا وقت کانپ کانپ کر گزار دیں۔'' وہ بیزار سی ہوئی لگ رہی تھی۔

''اسی لئے میں آپ سے کہہ رہی ہوں معاویہ سے اس بارے میں خود بات کریں یا مجھے کرنے دیں...وہ ضرور کوئی نہ کوئی حل

نکال لے گا...اور کچھ نہیں تو ہمیں یہاں سے نکال کر کہیں اور لے جا سکتا ہے...اتنی پراپرٹی ہے اسکی۔ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ ہمیں دے دینے سے کونسی کمی ہو جائے گی اس کی جائیداد میں۔"

"اس کے مجھ پر پہلے ہی بہت احسانات ہیں..." وسامہ رونے کے قریب تھا۔"میں اسے اور زیر بار نہیں کر سکتا..."

"تو ٹھیک ہے...اس کا احسان نہ لیں...ہم یہاں سے چلتے ہیں۔"

"یہاں سے نکلیں گے تو کہاں رہیں گے؟...ابو بھی مجھے نہیں رکھیں گے اور میں تمہیں بھی مزید خوار کرنا نہیں چاہتا۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر بولا۔

"آپ یہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں۔اللہ کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنا دے گا...اتنی بڑی دنیا ہے اللہ کی۔ہمیں بھی ضرور کوئی ٹھکانہ مل جائے گا۔" آئے کت نے دو ٹوک کہا۔

"مجھے اس بارے میں سوچنے دو...لیکن پلیز معاویہ سے آیو شمتی کے بارے میں کوئی بات مت کرنا...اسے میری ریکوئیسٹ سمجھ لو۔"

آئے کت ناراضی سے اسے دیکھ کر رہ گئی اتنا ڈرنے کے باوجود اتنی احتیاط پسندی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔لیکن اس نے دل میں ٹھان لی تھی وہ معاویہ سے بات ضرور کرے گی وہ یہ نہیں جانتی تھی تقدیر ان تینوں کے لئے کوئی اور ہی ارادہ کئے بیٹھی ہے۔

☆......☆......☆

اس شام جب خوش نصیب ذرا ستانے کے لئے لیٹی (اور اس کام کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتی تھی) تو اسے خیال آیا یہ عجیب واقعہ تھا جو اسکے ساتھ سرزد ہوا۔

وہ زکوٹا جن.... ہاں یہ درست نام ہے۔۔۔اس نے سوچا۔۔تو وہ زکوٹا جن جیسے فقیر بابا کی ہرگز ہرگز عقیدت مند نہیں بن سکتی تھی نہ اسے بابا کی کسی کرامت پر بھروسہ تھا لیکن اس ایک نظر نے کوئی نہ کوئی گڑبڑ کی ضرور تھی۔اور اس ایک نظر سے بھی زیادہ گڑبڑ شامیر نامی اس بندے کی ایک جھلک نے کر دی تھی۔

خوش نصیب صبح بیدار ہونے کے بعد سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔نجانے کیوں وہ خود اور اس کی وہ لاجواب گاڑی اسے بار بار یاد آتی رہی تھیں۔کہیں دل کے کسی کونے میں انجانے میں ہی اس نے یہ بھی خواہش کی تھی کہ وہ اسے کہیں نظر آ جائے لیکن یہ دعا اتنی شدت آمیز نہیں تھی۔یہ بس ایسی ہی دعا تھی کہ کسی کو یاد کر لیا اور اس کے بارے میں سوچتے ہوئے "کاش" کا لفظ بول دیا۔

سوال یہ تھا کہ بابا نے اسے دعا کیسے دے دی اور انہیں کیسے پتا چلا کہ وہ شامیر کے بارے میں سوچتی رہی ہے۔یہی سب سوچتے سوچتے وہ سو گئی اور ایسی گہری نیند سوئی کہ اگلی صبح ہی ماہ نور کے جھنجھوڑ کر جگانے پر اس کی آنکھ کھلی۔

پوری طرح بیدار ہونے تک وہ پچھلے روز کا واقعہ بھول بھال چکی تھی۔

ماہ نور نے بستر سمیٹتے ہوئے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔اس کی ناراضی بھی بڑی مہنگی پڑ جاتی تھی اور پھر وہ ماہ نور کو عزیز بھی بہت

تھی سو طویل مدت کی ناراضگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' ماہ نور نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

خوش نصیب نے سستی سے اسے دیکھا پھر گردن موڑ کر بولی۔

''نہیں... بہت خوش ہوں میں تم سے... روشن امی کی چمچی بن کر ہر بات انہیں جا کر بتا دیتی ہو...'' روکھے پن سے کہا۔

''اسی میں تمہاری بھلائی ہے خوش نصیب!'' ماہ نور نے رسان سے کہا

''کیا بھلائی ہے میری؟...'' وہ اب ناراضی سے بولی۔ ''بدلہ لیکر دل کو سکون آ جاتا...''

''ایسے وقتی سکون کا کیا فائدہ جو لانگ ٹرم پریشانیوں کا باعث بنے۔''

''تمہاری اور روشن امی کی لاجکس میری سمجھ سے باہر ہیں...'' اس نے سر پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

''لیکن یہ جو تم نے روشن امی کو بتا کر میرے ساتھ دشمنی مول لی ہے ناں... یاد رکھنا معاف میں ہرگز نہیں کرونگی۔''

ماہ نور کو زور سے ہنسی آ گئی۔ خوش نصیب کا بچپنا کسی طور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''پورے گھر میں کسی کو تو چھوڑ دو جس کا تم پر کوئی نہ کوئی قرض نہ ہو اور جس سے بدلہ لینے کی تم نے دل میں نہ ٹھان رکھی ہو۔''

''باقی سب کو تو پھر بھی چھوڑ دونگی تمہیں اب نہیں چھوڑونگی.. تم تو آستین کا سانپ نکلیں... میر جعفر کا فی میل ورژن female version''

وہ اتنے غصے میں تھی لیکن ماہ نور کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''کروگی کیا... یہ تو بتاؤ۔''

''ہنس لو.. ہنس لو بیٹا! ہنس لو... میں ابھی جا کر سب کو بتاتی ہوں کہ تم طوطے بھائی کے جان لیوا عشق میں گرفتار ہو... اور نہ صرف چھپ چھپ کر انہیں دیکھتی ہو بلکہ فلمسٹار شبنم کی طرح ان کے لئے آہیں بھی بھرتی ہو۔'' وہ انتقامی جذبہ کے تحت اٹھتے ہوئے بولی۔

ماہ نور کی ہنسی ایسے گم ہوئی جیسے کوئی جادو کی چھڑی گھمائی گئی ہو۔

''کس قدر جھوٹی ہو تم خوش نصیب۔'' وہ بیچاری ہکا بکا ہی رہ گئی تھی۔

''اب جھوٹی ہوں یا جو بھی ہے... خبر تو میں سب کو ضرور دونگی۔'' ہونٹوں کے کنارے پھیلا کر دانت نکال کر وہ کمینگی سے بولی۔

''اور جب تک تمہاری شادی طوطے بھائی سے نہیں کروا دیتی مجھے سکون نہیں ملے گا... وہ طوطا تم ان کی طوطی... اوہ سوری مینا.... اور تم دونوں کے بچوں کا نام رکھونگی میں... بڑا بیٹا ہوگا مکاؤ اور چھوٹے والا افشر... اللہ نے کرم کیا تو انشاءاللہ پہلے چار سال میں ہی پرندوں کا پورا خاندان تیار ہو جائے گا۔''

پورے کمرے میں گھومتی وہ پلاننگ کر رہی تھی اس کی آواز تکیے کی زوردار ضرب نے بند کروائی جو ماہ نور نے اسے کھینچ مارا تھا۔

"طوطے بھائی کے عشق میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے میں خودکشی کرلوں۔"

خوش نصیب نے دیکھا دوسرا تکیہ پکڑے ایک ہاتھ کمر پر رکھے ماہ نور بڑی ہی جذباتی ہوئی کھڑی تھی۔لیکن یہ جذباتی پن اسے خوش نصیب کے عتاب سے ہرگز نہیں بچا سکتا تھا۔

اس نے بھی تکیہ اٹھایا اور علی علی کرتی ماہ نور پر چڑھ دوڑی۔ذرا دیر میں ان دونوں نے سارے تکیے بستر اپنی جگہوں سے ہلا چھوڑے تھے اور کمرہ میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگا تھا اور اس میدان جنگ میں سب سے دلفریب ان دونوں کی وہ ہنسی تھی جو بیک گراؤنڈ میوزک کی طرح گونج رہی تھی۔

زندگی اتنی بھی بری نہیں تھی جتنی بعض اوقات لگنے لگتی تھی۔

☆......☆......☆

ایک سنہری صبح معاویہ فلک بوس پہنچا۔

آئے کت اور وسامہ اس کے استقبال کے لئے مرکزی دروازے تک آ گئے۔لکڑی کے خودکار پھاٹک سے جیپ اندر داخل ہوئی اور ڈھلوانی روش پر بڑھتی ان کے سامنے آ کر رکی۔جیپ کے دروازے کھلے ڈرائیونگ سیٹ سے بابا کبیر اترا دوسری طرف سے معاویہ۔

لمبا قد، بھرپور جسامت، مضبوط ہاتھ پیر۔وہ وجاہت میں تو کمال تھا سو تھا۔اپنی عمر سے بڑا بھی دکھائی دیتا تھا لیکن وہ بے مثال مسکراہٹ جو اس کے چہرے کا حصہ تھی اس کا راز کھولتی تھی۔شریر بچوں کا سا تاثر دیتی تھی۔زندگی سے بھرپور آنکھیں تھیں اس کی۔

تھوڑا سا سنجیدہ تھوڑا سا لاابالی۔زندگی کے اس مقام پر یہ تھا معاویہ شیرازی کا مکمل اور بھرپور تعارف۔

آئے کت نے دیکھا اس سنہری صبح میں وہ سیاہ رنگ کی جیکٹ میں ملبوس تھا۔لمبے سفر نے اسے تھکا دیا تھا لیکن جوان عمری کا جوش اسے نڈھال ہونے نہ دیتا تھا۔وہ وسامہ کی طرف ذرا سا جھکی اور سرگوشی میں بولی۔

"تمہارا بھائی حسن کے دیوتا کا دوسرا روپ معلوم ہوتا ہے..مجھے فکر ہے..کہیں آیوشمتی کی بھٹکتی روح اس پر عاشق نہ ہو جائے۔"

نظریں معاویہ پر ٹکائے وسامہ کی طرف جھکی وہ شرارت سے گویا ہوئی تھی۔

وسامہ نے اس بات پر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ اسے سرزنش کر پاتا معاویہ والہانہ انداز میں بازو پھیلائے ان کے سر پر پہنچ گیا۔

"تم لیلیٰ مجنوں ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا کرو۔" وسامہ کو آئے کت کی طرف دیکھتا پا کر اس نے جو بھی مطلب اخذ کیا اس کا اظہار اسی طرح کیا تھا۔

وہ تینوں ہی اس بات پر ہنس پڑے تھے اور معاویہ وسامہ کے گلے لگ گیا تھا۔

"یا اللہ..تم پہلے سے زیادہ منہ پھٹ ہو گئے ہو۔" آئے کت نے ہنس کر معاویہ سے کہا۔

''اور تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔'' معاویہ نے بھی دوبدو کہا۔

''لیکن یہ تعریف ہے اور میں اس بات پر خوش ہوں۔'' آئے کت مصنوعی انداز میں اترا کر بولی۔

''دنیا کی کونسی بیوقوف عورت ہے جو ایسی باتوں پر خوش نہیں ہوتی ہوگی۔'' معاویہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

اس بات پر وہ تینوں ایک بار پھر ہنسے تھے۔ پھر معاویہ نے وسامہ کو دیکھا بغور دیکھا۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے دور نہیں ہوئی لیکن آنکھوں میں الجھن کا عکس پھیل گیا۔

''کیا بات ہے؟... اتنے کمزور کیوں ہو رہے ہو؟.. تم نے میرے بھائی کا خیال نہیں رکھا۔'' اس نے آئے کت کو دیکھا۔

آئے کت بوکھلا گئی۔ تو وسامہ نے جلدی سے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آئے کت میرا بہت خیال رکھتی ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کتنا خیال رکھتی ہے۔'' معاویہ سر جھٹک کر بولا۔ ''خیال رکھتی تو تمہارا یہ حال نہ ہوتا۔'' اس نے خشمگیں نظروں سے آئے کت کو دیکھا تھا۔

''تم بالکل مڈل کلاس ساسوں کی طرح ری ایکٹ کر رہے ہو۔'' آئے کت نے ناک چڑھا کر کہا۔ معاویہ جھینپ سا گیا اور اس نے ناراضی سے آئے کت کو دیکھا۔ وسامہ البتہ ہنس پڑا۔ چند سیکنڈ بعد وہ تینوں ہنس رہے تھے۔

''ساری باتیں کیا یہیں ہونگی۔ اندر نہیں چلنا کیا؟.... بابا کبیر! معاویہ کا سامان اس کے کمرے میں پہنچا دیں... اور خاتون بی بی کہیں معاویہ کے لئے فریش جوس لے آئیں۔'' آئے کت نے ہدایات جاری کیں۔

وہ تینوں باتیں کرتے اندر کی طرف چل پڑے۔

کچھ دیر تک معاویہ فریش ہو کر آ گیا تو وسامہ اور آئے کت سٹنگ روم میں اس کے منتظر تھے۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟'' معاویہ اپنا جوس کا گلاس لیکر ابھی بیٹھا بھی نہیں تھا جب وسامہ نے بے قراری سے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں۔''

''تم گئے تھے ساہیوال؟''

''ہاں... پچھلے مہینے دو دن کے لئے گیا تھا... زیادہ دن نہیں رک سکا کیونکہ یونیورسٹی میں مڈ ٹرم اسٹارٹ ہو گئے تھے۔'' معاویہ نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''مجھے ذرا جلدی جلدی اس حادثے کے بارے میں بتاؤ۔۔ بابا نے مجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ میں خود معلومات لوں۔'' وہ ذرا بیزار لگ رہا تھا

''لیکن کیس تو بند کر دیا گیا ہے ناں؟'' آئے کت نے سوالیہ نظروں سے وسامہ کو دیکھا تو معاویہ بولا۔

http://kitaabghar.com

''بے شک بند کر دیا گیا ہے لیکن بابا کو کون سمجھائے..انہیں لگتا ہے اس حادثے نے ان کی ساکھ کو نقصان پہنچایا ہے اور اب اس کانسٹیبل کی فیملی کو فائنشلی سپورٹ کر کے وہ اس نقصان کی تلافی کرنا چاہتے ہیں...اچھا خاصا میں اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پلان کر رہا تھا کہ بابا نے یہ نیا آرڈر دے دیا...حالانکہ میں نے سمجھانے کی کوشش بھی کی...مرنے والا مر گیا اب بار بار ایک ہی بات کو دوہرانے کا کیا فائدہ ہے۔''

وہ بہت بیزاری سے بول رہا تھا۔

آئے کت کو اس کے انداز سے ناگواری کا احساس ہوا۔

''کسی کا مرجانا اتنی معمولی بات نہیں ہوتی معاویہ! کہ تم اتنا (for granted) لو۔''

''یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے۔'' معاویہ نے ابھی بھی لاپروائی سے کہا تھا۔''دنیا میں روزانہ لاکھوں لوگ مرجاتے ہیں ان لاکھوں لوگوں میں سے ایک وہ کانسٹیبل بھی تھا۔''

آئے کت کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وسامہ نے بات بدل دی۔

''وہاں سب کیسے ہیں؟...مجھے یاد کرتا ہے کوئی؟'' وسامہ نے حسرت سے پوچھا

معاویہ اور آئے کت دونوں نے اس وقت اس کی اداسی کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔

''تم دونوں باتیں کرو..میں ذرا ناشتے کا انتظام دیکھ لوں۔'' آئے کت نظریں چرا کر وہاں سے چلی گئی۔وسامہ کو دکھ ہوا آئے کت اس کی زندگی میں آئی ہر حسرت کی وجہ خود کو سمجھتی تھی۔یہ غلط تھا لیکن کہیں نہ کہیں درست بھی تھا۔

''ہاں سب یاد کرتے ہیں۔'' معاویہ نے کہا تو وسامہ کا دھیان آئے کت سے ہٹ گیا۔

''جھوٹ...تم جھوٹ بول رہے ہو ناں؟'' وسامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟...سچ کہہ رہا ہوں سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں...ہاں ماموں اپنے منہ سے نہیں مانتے لیکن یاد تو وہ بھی تمہیں کرتے ہیں۔'' معاویہ اسے یقین دلانے میں مصروف تھا۔

کچن میں کھڑی آئے کت بڑی ناگواری سے خاتون بی بی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ معاویہ بہت عجیب انسان ہے...جسے انسانی زندگی کی قدر ہی نہیں معلوم...اس سے کسی اچھائی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔''

اسے دراصل معاویہ کے رویئے سے بڑا دکھ پہنچا تھا۔

خاتون بی بی چپ ہی رہی۔وہ یوں بھی سیدھی سادھی خدمت گزار عورت تھی اسے ایسی باتوں کی سمجھ نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''...اس سے آگے تو پھر آپ خود سمجھدار ہیں..لیکن...'' کیف نے ایک لے میں بولتے بولتے ایک دم سے سر اٹھا کر دیکھا

عرفات ماموں اس حد تک کتاب پڑھنے میں مگن تھے کہ ایسا لگا انہوں نے کیف کی کوئی بات سنی ہی نہیں ہوگی۔

کیف کو سخت مایوسی ہوئی۔

"...میں اتنی دیر سے بول رہا ہوں؟..آپ نے میری کوئی بات سنی بھی ہے یا میں نے اپنی ایزجی ہی ضائع کی ہے؟" اس نے سخت ناراضی والے انداز میں پوچھا۔

عرفات ماموں نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ذرا سا گڑبڑائے کہ دوست جیسے بھانجے کو ناراض کرنے کی غلطی وہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے اور پھر بولے۔

"کمال کرتے ہو یار! ایک ایک لفظ سنا ہے تمہارا۔"

"اچھا تو بتائیں...اتنی دیر سے میں کیا بول رہا تھا" وہ امتحان لینے پر ہی آمادہ ہو گیا۔

"کلاس روم میں سرپرائز ٹیسٹ لینے سے پہلے بھی پانچ منٹ تیاری کے لئے دے ہی دیئے جاتے ہیں۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"وہ پانچ منٹ نالائق اسٹوڈنٹس کے لئے ہوتے ہیں...اور آپ....نالائق ہرگز نہیں ہیں۔"

کیف کرسی پر ذرا سا آگے ہوا ان کے ہاتھ سے کتاب لیکر بند کی اور میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

عرفات ماموں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"دیکھو...یہ سیدھا سادھا ہائی کورٹ کا معاملہ ہے...اور ہائی کورٹ...تم جانتے ہو...اس گھر کے ہائی کورٹ کی فاضل جج تمہاری والدہ ماجدہ ہیں...لہذا میں بھی اس میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"یوں نہ کہیں ماموں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کیونکہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں ہائی کورٹ کی فاضل جج کی جان جس پرندے میں ہے...وہ آپ ہیں...کیونکہ آپ میری والدہ ماجدہ کے چھوٹے لاڈلے بھائی ہیں۔" وہ مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا تھا۔

"یار کیف! کیوں مشکل میں ڈالتے ہو یار!" وہ بے بسی سے بولے۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے آپا سخت برا مناتی ہیں اگر میں روشن یا اس کی بیٹیوں کے معاملے میں بولوں....انہیں لگتا ہے ابھی بھی میرے دل میں روشن کے لئے کوئی نہ کوئی جذبہ باقی ہے۔"

"تو اس میں غلط کیا ہے؟" وہ حیران ہوا۔ "جو محبت وقت کے ساتھ ختم ہو جائے وہ پھر محبت تو نہ ہوئی نہ...."

"خدا نہ کرے کہ محبت کے سفر میں میں جن حالات سے گزرا ہوں ان سے تمہیں گزرنا پڑے۔" انہوں نے سادگی لیکن صدق دل سے کہا۔ "....لیکن اگر کبھی ایسا ہوا تو تم ضرور سمجھ جاؤ گے...جس عمر میں میں ہوں اس عمر میں محبت کی یاد بھی ملامت بن جاتی ہے۔"

"کیسی عجیب بات کر رہے ہیں ماموں!" وہ چڑ کر بولا۔ "کیا ہوا ہے آپ کی عمر کو؟...وقت سے پہلے بڑھاپا طاری نہ کر لیا ہوتا تو

Kitaabghar.com http://kitaabghar.com

یقین کریں تو میں خود آپکا روشن چچی سے نکاح کروادیتا...''

''بکومت۔'' وہ ڈپٹ کر بولے۔''یہ فضول بات اب کہہ دی ہے دوبارہ کسی کے سامنے منہ سے مت نکالنا...میں تو پھر بھی جیسے تیسے کسی نئی بحث سے بچ جاؤنگا روشن کی جان مصیبت میں آجائے گی۔''

''اتنی فکر ہے آپکو ان کی...پھر بھی کہتے ہیں امی یہ نہ سمجھیں آپ کے دل میں ان کے لئے کوئی فیلنگ ہے؟'' وہ جیسے ہاتھ دھوکر ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

''کیف!'' انہوں نے گھور کر دیکھا۔''اٹھو..نکل جاؤ میرے کمرے سے...'' وہ سخت ناراض ہوگئے تھے۔

''جسے دیکھو مجھ سے ناراض ہو رہا ہے...پہلے ابو، پھر خوش نصیب اور اب آپ...'' وہ دلبرداشتہ سا کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

عرفات ماموں نے پھر بے بسی سے اسے دیکھا۔سچ تو یہ ہے کہ وہ واقعی اسے ناراض نہیں کرسکتے تھے۔

''اچھا...بیٹھ جاؤ...کچھ سوچتے ہیں۔'' ذرا نرمی سے کہا

''سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں ماموں!..صرف ایک ہی حل ہے کہ امی کو راضی کیا جائے وہ روشن چچی وغیرہ کو ہمارے پورشن میں شفٹ ہونے دیں...''

''آپا سے بات کرنا ایسا ہی ہے جیسے میں خود جاؤں اور کہوں...آ بیل مجھے مار۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''یعنی میں یہ سمجھوں...آپ امی ڈرتے ہیں؟'' وہ ناراضی سے بولا اپنی طرف سے بڑا انہیں غیرت دلانے کا ارادہ کیا تھا۔

''بیل سے تو ہر کوئی ڈرتا ہے میرے دوست!'' انہوں نے بے ساختہ کہا اور ہنسی دبا کر کہا۔

''کون ہے جو تمہاری امی سے نہیں ڈرتا۔تمہارے ابو، میں...اور خود تم بھی...'' وہ جتا کر بولے پھر دونوں نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا اور ہنس دیئے۔تھوڑی دیر دونوں ہی اپنی جھینپ مٹانے کو ہنستے رہے پھر کیف ہی بولا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم کسی بھی طرح روشن چچی والوں کی مدد نہیں کرسکتے۔میرا خیال تھا امی کی بجائے ابو سے بات کروں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کردیا...اب امی سے بھی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں...کوئی ایک بھی فرد ذرا لچک دکھا دیتا تو معاملہ سنبھالا جا سکتا تھا لیکن اب....'' ہنسنے کے باوجود وہ بہت ہی دل گرفتہ نظر آرہا تھا۔

''وہ اس لئے کیونکہ ایسے معاملات کبھی بھی گھر کے کسی ایک فرد پر انحصار نہیں کرتے۔'' اب کی بار وہ نرم اور اثر انگیز لہجے میں بولے تھے۔

نہ تمہاری امی اس حق میں ہیں کہ روشن ان کے پورشن میں شفٹ ہوں نہ تمہارے ابو...اور وہ دونوں ایسا اس لئے نہیں کرسکتے کیونکہ شفیق اور فضیلہ بھابھی ایسا ہونے نہیں دیں گے..یہ تو سیدھا سیدھا ان سے بغاوت والی بات ہوجائے گی۔''

''ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی ہمارے بزرگ شفیق چچا اور فضیلہ چچی سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔'' وہ بری طرح چڑ گیا تھا۔

''دیکھو ڈرتا کوئی نہیں ہے...''عرفات ماموں نے فوراً کہا وہ نہیں چاہتے تھے کیف کے دل میں ماں باپ کیلئے کوئی بدگمانی سر اٹھائے۔

''بس ایک بھرم ہوتا ہے جسے انسان اپنے سے چھوٹوں کے ہاتھوں ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا...''

''میں یہ لاجکس سنتے سنتے پک چکا ہوں...''اس نے بیزاری سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''اور میں بننے چلا ہوں اینکر پرسن ...اپنے گھر والوں کو تو حق بات پر قائل کر نہیں سکتا...دنیا کے بخیئے خاک ادھیڑونگا...''وہ بہت ہی مایوس ہو گیا تھا۔

''اس لئے تم یہ خیال اپنے دل سے ہی نکال دو...تمہاری جگہ اینکر پرسن میں بن جاتی ہوں..''خوش نصیب کمرے میں داخل ہوئی اور خوب دانت پھیلا کر کہا۔

''بات تو سہی ہے۔''عرفات ماموں پرسوچ انداز میں بولے۔''خوش نصیب کسی کو قائل کر سکی یا نہیں...چپ ضرور کروا دیا کرے گی۔''

''بالکل سہی....''وہ اپنی ہتھیلی پر ہاتھ مار کر بولی۔''آج تک جتنے ٹاک شوز میں نے دیکھے ہیں ان کے اینکر پرسن صرف یہی تو کر رہے ہوتے ہیں...''

کیف مسکرا بھی نہیں سکا۔اسے سخت برا لگ رہا تھا یہ سوچ کر کہ ابو کو راضی نہیں کر پایا۔

''میں چلتا ہوں۔''اس نے عرفات ماموں کو دیکھا۔

''اتنی جلدی؟''وہ حیران ہوئے۔''چائے تو پیتے جاؤ..خوش نصیب بنائے گی چائے۔''

''ایسی لاجواب چائے بناؤنگی کہ ساری زندگی میں نہیں پی ہو گی۔''اس کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوشگوار ہو رہا تھا۔

''اس کے ہاتھ کی چائے پینے سے اچھا ہے میں زہر ہی پی لوں۔''کیف نے کہا

''چلو مرضی ہے تمہاری۔''کندھے اچکا کر بولی۔''شادی کے بعد جو صیام کے ہاتھ کی چائے پینا پڑے گی اس سے تو یہی بہتر ہے کہ شادی سے پہلے ہی زہر پی لو۔''وہ ٹھٹھا لگا کر ہنسی۔

''بکومت۔''کیف بدک کر بولا وہ اکثر اسے چڑاتی تھی۔

''میں پھر آؤنگا ماموں!''

''اسلام آباد کب جانا ہے؟''انہوں نے پوچھا

''کچھ کہہ نہیں سکتا..شاید کل یا پرسوں چلا جاؤں۔''وہ بیزار لگ رہا تھا۔

''ویسے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔''خوش نصیب پرسوچ انداز میں بولی۔''تم گئے پھر واپس آ گئے...اب دوبارہ جانے کی بات کر رہے ہو؟...جب واپس ہی آنا تھے تو گئے کیوں تھے؟...''

''مجھے لگا تھا کسی کو یہاں میری ضرورت ہے۔''وہ سادگی سے بولا۔

"تمہیں کیوں لگا تھا؟" وہ جرح کرنے لگی۔

"میرے دل نے کہا تھا۔" وہ زور دیکر بولا۔

"اگلی بار دل کی نہ سننا.. ایسے ہی خوار کیئے رکھے گا تمہیں۔" وہ مزے سے کہہ کر کرسی پر بیٹھ گئی اور کیف اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر بولا

"میں چلتا ہوں۔"

"میں ابھی آئی۔" عرفات ماموں سے کہہ کر وہ کیف کے پیچھے دوڑی۔

برآمدے میں ستمبر کی ڈھلتی ہوئی دھوپ پھیلی تھی۔ اور ستون سے لپٹی بیل اداس سی لگتی تھی۔

"سنو کیف!"

وہ رک گیا اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

"دل میں بدگمانی لیکر مت جاؤ.. تم نے ہماری مدد کرنے کی کوشش کی تھی... اب اللہ کو نہیں منظور کہ ہم اس کمرے سے نکلیں تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔ بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے تو ہمارا احساس کیا۔" وہ سادگی سے بولی اور واپس چلی گئی۔

کیف تھوڑا حیران تھوڑا بے یقین سا رہ گیا۔ وہ عجیب پہیلی سی لڑکی تھی۔ کبھی اتنی بدگمان کہ شکل تک دیکھنے کی روادار نہ ہوتی اور کبھی اتنی صابر کہ روشن چچی کا پرتو لگتی۔

وہ آہستگی سے ہنسا اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

مرکزی گول کمرے کے بیچ و بیچ چھت سے لگا ہوا فانوس ہولے ہولے لرز رہا تھا اور معاویہ کی آواز سارے فلک بوس میں گونج رہی تھی۔ وسامہ کے ساتھ اس کی باتیں کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ زندگی سے بھرپور آواز جس نے فلک بوس کے سناٹوں کو توڑ دیا تھا۔

وسامہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا معاویہ کے آنے سے فلک بوس میں جیسے زندگی بیدار ہو جاتی تھی ان دونوں کی آپس میں دوستی بھی بہت تھی۔ بچپن سے اب تک معاویہ جب تک اپنی سکول کالج یونیورسٹی کی ہر بات اس کے گوش گزار نہیں کردیتا تھا اسے سکون نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ وسامہ کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا تھا۔ آئے کت کے وسامہ کی زندگی میں آجانے کے بعد اس معمول میں الجھاؤ آ گیا تھا اور اس چیز سے معاویہ سخت جھنجلایا بھی تھا۔ جب وسامہ نے آئے کت میں دلچسپی لینا شروع کی اس وقت معاویہ نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا حتیٰ کہ آئے کت سے کورٹ میرج کو بھی صحیح فیصلہ قرار دیا تھا لیکن بعد میں وہ اس سے چڑنے لگا تھا۔ اور آئے کت کے لئے اپنی ناپسندیدگی کو چھپا بھی نہیں پایا تھا۔ یہ سب آئے کت بھی جانتی تھی وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ وہ اس بات پر کبھی بہت افسردہ ہو جاتی تھی اور کبھی ہنس کر ٹال دیتی تھی اور اکثر معاویہ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ اگر وہ اسے ناپسند کرتا ہے تو آئے کت خود بھی ایسی کچھ خاص پسند نہیں کرتی۔ ایسے بگڑے ہوئے لڑکے کو کوئی پسند کر بھی کیسے سکتا ہے۔

معاویہ کو بھی اس بات کی کچھ خاص پرواہ نہیں تھی یعنی کل ملا کر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے ناپسندیدہ اور نا قابل برداشت تھے۔ وسامہ ان دونوں کی اس بات پر ہنستا تھا اور ایک دوسرے کے لئے ناپسندیدگی کو ان کا بچپنا گردانتا تھا۔

بہر حال وہ معاویہ کی آمد سے خوش تھا لیکن پھر وہ ہوا جس نے ذہنی طور پر وسامہ کے پرخچے اڑا دیئے۔ اسے یقین ہو گیا فلک بوس میں ہونے والے عجیب و غریب واقعات آیوشمتی کی موجودگی کا نتیجہ ہیں۔ یہ سب سننے میں عجیب اور کمزور اعتقاد کی نشانی معلوم ہوتا ہے لیکن اس نے آیوشمتی کی موجودگی کو باقاعدہ محسوس کیا تھا۔ وہ اس کی انگلیوں کے لمس، سانس کی آواز تک کو پہچاننے لگا تھا۔

وہ جانتا تھا اب نہیں تو کچھ روز بعد سب اسے پاگل قرار دینے لگیں گے یہاں تک کہ آیوشمتی اپنی موجودگی کا احساس انہیں بھی نہ دلا دے۔ وہ اکثر سوچتا ممکن ہے یہ سب اس کا وہم ہی ہو وہ بچپن سے ذرا ڈرپوک واقع ہوا تھا اندھیرے سے اسے فطری طور پر خوف آتا تھا لیکن آیوشمتی کی موجودگی اس کا وہم تھا تو کان پر لگا ہوا زخم کس چیز کی علامت تھا؟ کیا وہ کسی ایسے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو چکا ہے جس میں خود کو جسمانی ایذا پہنچانا انسان کو سکون دیتا ہے؟

ایک بار پھر وہ یہ سب سوچ سوچ کر ہلکان ہونے لگا۔

اسی وقت سنگل صوفے پر سکڑ سمٹ کر سوئی ہوئی آئے کت کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور وسامہ کو دیکھا پھر اسے جاگتا پا کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اٹھ گئے آپ؟... اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور آ کر وسامہ کے پاس بیٹھ گئی۔

وسامہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ اور پیار سے اس کے چہرے سے بال ہٹائے۔ وہ اسکی محبت کا پہلا چہرہ تھی۔ اسکے عشق کا جنون۔ اپنے لئے اسے فکر مند دیکھنا وسامہ کو تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں وسامہ!... آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" وسامہ کی خاموشی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تو... اسطرح کیوں بیٹھے ہیں؟" وہ الجھی ہوئی تھی ٹھیک سے سوال بھی نہ پوچھ سکی۔

وسامہ ہنس دیا۔ "تو کس طرح بیٹھوں؟" یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔

آئے کت یکدم مزید الجھ گئی اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور صوفے کی بیک سے کندھا لگا کر نیم دراز سی ہو کر وسامہ کو دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"آپ کو پتا ہے میں آپ کی وجہ سے کتنی پریشان ہوں۔"

وسامہ نے شرمندگی سے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن اس کے انداز میں بے بسی تھی۔ آئے کت اسے دیکھتی رہی پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھی اور اس نے وسامہ کے کندھے سے اپنا سر لگا دیا۔ وسامہ نے ذرا سی گردن جھکا کر اسے دیکھا پھر جھک کر اس کے سر کو

چوما اور اپنی کل کائنات کو اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

اس کی محبت اس کے ساتھ تھی زندگی سے اس سے بڑھ کر کسی عنایت کی توقع اور کی بھی کیسے جا سکتی تھی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب واپس آئی تو عرفات ماموں اسی کے منتظر بیٹھے تھے۔

''اچھا ہوا تم خود ہی آ گئی... میں شیرو کو بھیجنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ تمہیں بلا کر لائے۔''

''اور میں کب سے سوچ رہی تھی کہ آپ کے پاس چکر لگا کر آؤں... بہت دن ہوئے آپ سے بات نہیں ہو سکی اور جو پتا ہوتا کیف بھی یہیں ہے تو بہت پہلے آ چکی ہوتی۔'' وہ فلور کشن گھسیٹ کر ان کے پاس لائی اور ان کی کرسی سے کچھ دور ہی بیٹھ گئی۔

''خیریت تو ہے... آج کیف پر اتنی مہربانی کیوں؟'' انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا تو خوش نصیب ہنس دی۔

''آپکا یہ دوست... خود کو بڑی چیز سمجھتا ہے... لیکن دراصل ہے نہیں۔'' وہ جملے کو توڑ مروڑ کر اسی طرح لفظوں پر زور دیکر بولی تھی۔

''اچھا...'' وہ اس کے انداز سے پر متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔

''تمہیں ایسا کیوں لگا؟''

''آپ نے دیکھا نہیں... کیسے ایک ذرا سے معاملے میں جذباتی ہوا پھر رہا ہے... آپ دیکھئے گا... ابھی یہ اپنی امی سے بھی جھگڑا کرے گا۔'' وہ سو فیصد پر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی ایسے جیسے کیف کی رگ رگ سے واقف ہو۔

''یہ تو پھر بری بات ہو گی۔''

''بہت بری بات ہو گی۔'' وہ بڑے مدبرانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''روشن امی کہتی ہیں اپنے ماں باپ سے جھگڑا کرنے والے سیدھے جہنم میں جاتے ہیں.. اور کیف کے کھاتے میں تو پہلے ہی کوئی نیکیاں نہیں ہیں اماں ابا کو بھی ناراض کر دے گا تو آخرت بھی ہاتھ سے جائے گی۔''

عرفات ماموں اس کی بات پر بے ساختہ اور زور سے ہنسے کہ خود خوش نصیب کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی لیکن وہ سمجھنے سے قاصر تھی ایسی کیا بات کہہ دی جو ماموں اتنی زور زور سے ہنس رہے ہیں۔ اس کے حساب سے تو آج وہ بڑی اچھی باتیں کر رہی تھی۔ بس دل میں ایک الجھن تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ مزار والے زکوٹا بابا جی، شامیر اور اسکی گاڑی کسی طور دماغ سے نکلتے ہی نہ تھے۔ ماہ نور کو بتانے کا مطلب تھا سیدھا روشن امی کی عدالت میں پیشی۔ اور اب وہ مزید کسی پیشی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

سو عرفات ماموں کے پاس چلی آئی لیکن زبان کھولے تو کس طرح؟۔ اسے خدشہ تھا دربار پر جانے کی اطلاع ہر ایک کو ناگوار لگے گی سوائے فضیلہ چچی اینڈ فیملی کے۔

جب وہ دیر تک ہنس چکے اور آنکھوں کا پانی پونچھ رہے تھے تو خوش نصیب نے انہیں کن انکھیوں سے دیکھا۔ دل ہی دل میں سوچا اور ہونقوں کی طرح بولی۔

"آپ اتنا کیوں ہنس رہے ہیں؟... کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی۔"

ارے ہرگز نہیں۔" وہ جلدی سے بولے مبادہ کہ برا ہی منا جائے۔ "اٹھو ذرا... وہ سامنے میز پر ایک لفافہ پڑا ہے وہ اٹھا کر مجھے دو۔"

خوش نصیب مستعدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور لفافہ اٹھا لائی۔

"یہ مجھے مت دو... یہ تمہارے لئے ہے۔"

"لیکن اس میں ہے کیا؟" خوش نصیب نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"میری خواہش تھی کہ تم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو اور اپنے خواب پورے کرو.. لیکن میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں.. یونیورسٹی کے اخراجات تمہاری اماں تمہیں مجھ سے لینے نہیں دیں گی۔ اس لئے پرائیویٹ ایڈمیشن فارم منگوا دیا ہے... کم سے کم پرائیویٹ امتحان کی فیس تو تم مجھ سے لے سکتی ہوناں۔" انہوں نے سادہ سے لہجے میں کہا تھا لیکن خوش نصیب ششدر سی رہ گئی۔ فوری طور پر اسے یقین ہی نہیں آیا کہ جو وہ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔

"میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے تھے خوشی کے مارے۔

عرفات ایک بار پھر ہنس دیئے اور اسکے سر پر چپت لگا کر بولے۔

"آئندہ اپنی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دینا.. اس سے بڑا شکریہ اور کوئی نہیں ہو گا میرے لئے۔"

☆......☆......☆

"میں نے سارے فلک بوس کا جائزہ لیا ہے... تمام ملازمین سے بھی انکوائری کی ہے... مجھے یہاں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ یہاں کوئی آسیب وسیب بھی رہائش پذیر ہے۔" ناشتے کی میز پر معاویہ نے ان دونوں کو اطلاع دی۔

وسامہ کا دل فوراً ہی ناشتے سے اچاٹ ہو گیا۔ وہ ہاتھ روک کر بے بسی سے معاویہ کو دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے تم دونوں میرے ساتھ چلو... اسلام آباد میں ہم کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے..."

"مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے۔" وسامہ نے ہیجانی انداز میں اس کی بات کاٹی۔

"لیکن مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے.. میں سچ کہہ رہا ہوں میں نے آیو شمتی کی موجودگی کو محسوس کیا ہے... وہ یہیں ہے ہمارے آس پاس... اسی جگہ۔"

"وسامہ! میری سنو.."

معاویہ نے نرمی سے کہنا چاہا لیکن وسامہ کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ وہ جیسے ایک دم ہر چیز سے بیزار ہو گیا تھا۔

http://kitaabghar.com

"تمہیں یاد ہے...ایک بار بچپن میں بھی تمہیں وہم ہو گیا تھا کہ کوئی تمہاری آس پاس رہتا ہے..تم ایک عجیب سا نام لیتے تھے اس مخلوق کا کہ یہ میرا دوست ہے اور مجھ سے ملنے آتا ہے؟..." معاویہ نے رسان سے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"شروع شروع میں ماموں جان، ممانی جان اور ہم سب اس بات پر ہنستے تھے کہ تم نے ایک فرضی دوست بنا رکھا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمہاری اس ان دیکھے دوست سے متعلق باتیں بڑھتی چلی گئیں تو سب کو پریشانی ہونے لگی تھی...ماموں تمہیں اس وقت بھی سائیکاٹرسٹ کے پاس لیکر گئے تھے..." معاویہ بولتا چلا جا رہا تھا اور آئے کت کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"وہ بچپن تھا معاویہ!" وسامہ نے جھنجھلا کر کہا تھا۔"بچپن میں ہر دوسرے بچے کے ایسے خیالی دوست ہوتے ہیں..تم بھول رہے ہو نہ میں بچہ ہوں نہ وہ بدروح میرے دوست کا کردار نبھا رہی ہے...وہ میرے پیچھے لگی ہوئی ہے وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔"

معاویہ نے جیسے لاجواب ہوتے ہوئے وسامہ کو دیکھا پھر بولا۔

"تمہیں یہ کیوں لگتا ہے وہ نقصان ہی پہنچائے گی؟...اگر واقعی اس کا کوئی وجود ہے تو کیا پتا وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہو۔"

معاویہ نے تصویر کا ایک نیا رخ اسے دکھایا۔

آئے کت کو غصہ آیا بجائے کہ وسامہ کو اس سارے عذاب سے نکالا جاتا معاویہ اسے نئی راہ پر ڈال رہا تھا۔

وسامہ بھی حیران ہو کر معاویہ کو دیکھ رہا تھا اس نے اس نہج پر نہیں سوچا تھا۔

"میں جن بھوت، روح بدروح، آسیب وغیرہ جیسی باتوں کو نہیں مانتا..لیکن تمہارا اعتقاد ہے..شائد اسی لئے وہ روح تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہو...ہوسکتا ہے وہ تم تک کوئی پیغام پہنچانا چاہتی ہو۔میری بات مانو وسامہ! اگر اگلی بار تمہیں اس روح کی موجودگی محسوس ہو تو ڈرنے کی بجائے اس سے بات کرنے کی کوشش کرنا...مجھے یقین ہے کوئی نہ کوئی پوزیٹو بات ضرور سامنے آئے گی۔" معاویہ نے بے حد سنجیدگی سے باری باری ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو میرے ساتھ سائیکاٹرسٹ کے پاس چلو..مجھے یقین ہے جس پریشانی سے تم خود نہیں نکل پا رہے ایک بہترین سائیکاٹرسٹ کے ساتھ تین چار سیشنز ضرور نکال دیں گے۔"

وسامہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی لیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

آئے کت بیزار بیٹھی تھی۔معاً وسامہ نے سر اٹھا کر معاویہ کی طرف دیکھا۔

"معاویہ!"

"ہوں؟" وہ رغبت سے چھری کانٹے کی مدد سے فرینچ آملیٹ کھا رہا تھا۔

"اگر مجھے کچھ ہو گیا تو آئے کت کا خیال رکھنا۔" اس نے کہا اپنی وہیل چیئر کے وہیلز گھمائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ دونوں ششدر سے رہ گئے تھے وسامہ کے کمرے سے نکل جانے کے کچھ دیر بعد تک بھی جیسے صم بکم بیٹھے رہے پھر آئے کت

http://kitaabghar.com

نے ہاتھ میں پکڑا کانٹا پلیٹ میں پٹخ دیا۔

''مجھے لگا تھا تمہارے آنے سے وسامہ کے ذہنی حالت میں کچھ بہتری آئے گی...لیکن تم نے اسے نیا راستہ دکھا دیا ہے۔'' وہ سخت ناراض ہوگئی تھی۔

''دیکھو...مجھے تو اس مسئلے سے نمٹنے کا یہی راستہ سمجھ آیا ہے..یا اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے چلو یا اسے اپنا علاج خود کرنے دو۔'' معاویہ نے ابھی بھی رسان سے کہا تھا۔

''لیکن یہ کیسے ہوگا؟....پہلے وہ آیو شمتی کی موجودگی سے خائف تھا اب اس پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا کہ اس منحوس روح سے بات کیسے کی جائے۔''

''تم وسامہ کے لئے پریشان مت ہو...'' معاویہ نے کہا۔''وسامہ جب تمہارے جیسی چڑیل کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کا فیصلہ کرسکتا ہے تو اس روح سے بات بھی کرلے گا...مجھے یقین ہے اسے زیادہ وقت نہیں ہوگی۔'' اس نے سنجیدگی اور بے ساختگی سے کہا تھا۔

آئے کت کو اس کی بات سمجھنے میں چند سیکنڈ لگے اور پھر اس نے ناراضی سے کانٹا اٹھا کر معاویہ کو کھینچ مارا۔

معاویہ نے اس کانٹے کو ہنستے ہوئے کیچ کرلیا تھا۔

''وسامہ کی حالت بلاشبہ پریشان کن ہے لیکن یہ وقتی phase ہے...گزر جائے گا...اگرچہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے لیکن تم اتنی پریشان ہو اس لئے بتا رہا ہوں...وسامہ کو بچپن سے لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا شوق رہا ہے اور اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لئے وہ اکثر من گھڑت کہانیاں سنایا کرتا تھا....آج میری ماموں سے بات ہوئی تھی انہوں نے ہی مجھے یہ بات یاد دلائی ہے...''

آئے کت کے لئے یہ ایک اور دھچکا تھا وہ سمجھتی تھی وسامہ اس کے لئے کھلی کتاب کی طرح ہے لیکن اب آکر اسے احساس ہو رہا تھا اس کھلی کتاب کے کئی چیپٹرز پڑھنا ابھی باقی تھا۔

''اور کان کے اس زخم کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''تمہیں یاد نہیں...تم نے خود کہا تھا وہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا زخم تھا۔'' معاویہ نے اسے یاد دلایا۔

''معاویہ!'' آئے کت نے یکدم جھجکتے ہوئے کہا۔''میں نے صرف وسامہ کی پریشانی دور کرنے کے لئے ایسا کہا تھا۔وہ زخم واقعی کسی تیز دھار چیز کے کاٹنے سے بنا تھا۔''

اب معاویہ کو دھچکا لگا۔وہ یکدم پریشان ہوا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وسامہ نے خود کو خود ہی زخم پہنچایا ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھو اس وقت کمرے میں وسامہ اکیلا تھا...بعض نفسیاتی مریض ایسا کرتے ہیں وہ خود کو ایذا پہنچاتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے

http://kitaabghar.com

انہیں سکون ملتا ہے۔"

"کیا تم نے وسامہ کے مزاج میں کچھ اور بھی تبدیلیاں نوٹ کی ہیں؟"

"میں واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی...میں خود الجھی ہوئی ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "فکر مجھے اس بات کی ہے کہ کہیں اس روح سے بات کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ خود کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچا لے۔"

"ایسا نہیں ہوگا...انشاءاللہ۔" معاویہ نے پر یقین لہجے میں کہا۔ "میں اسلام آباد جا رہا ہوں وہاں کسی سائیکاٹرسٹ سے وسامہ کا کیس ڈسکس کرونگا۔ تب تک تمہیں وسامہ کا خیال رکھنا ہے۔ سائے کی طرح اس کا خیال رکھنا ہوگا تا کہ وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"میں پوری کوشش کرونگی۔" وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے اور راہ داری کے دروازے کے پیچھے رکا ہوا وسامہ سوچ رہا تھا اس کے اتنے قریبی لوگ اسے پاگل کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

منفرا پارک کا تیسرا چکر لگا کر اپنے مخصوص بینچ پر آ کر بیٹھی تو اسکا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ بینچ پر بیٹھ کر اس نے اپنا پسینہ پونچھا اور کمر کے گرد بندھی بیلٹ کے ساتھ جڑی بوتل کو کھول کر اس سے پانی کے چند گھونٹ اپنے حلق میں اتارے۔ ساتھ ساتھ وہ پارک میں یہاں وہاں بھی نظریں دوڑا رہی تھی اور ذہن میں ان سب چیزوں کو ترتیب دے رہی تھی جو اسے اپنے ساتھ مونٹوک لے جانی تھیں۔

سینٹ فرانسس میں سمسٹر ختم ہونے کے بعد سات دن کی چھٹی کا اعلان کیا گیا تھا اور منفرا یہ چھٹیاں مونٹوک میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ فی بی اس کے ارادے سے کچھ خاص خوش دکھائی نہیں دیتی تھی وہ ہاسٹل میں رہ کر ان چھٹیوں کو پر لطف بنانا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس نے پہلے سے پورا پلان تیار کر لیا تھا یہ پلان گھومنے پھرنے، شاپنگ کرنے اور موویز دیکھنے پر مشتمل تھا۔ لیکن منفرا نے مونٹوک جانے کا ارادہ کر کے اس کا سارا پلان خراب کر دیا تھا۔

"میں ضرور رک جاتی لیکن اس بار میں مام کو منع کرنا نہیں چاہتی.. پہلے ہی کئی ہفتوں سے میں انہیں ٹال رہی ہوں۔" منفرا نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ فی بی تھوڑی سی ناراضگی دکھا کر مان گئی ویسے بھی وہ منفرا کی اتنی اچھی دوست تھی کہ ایک دوسرے کو راضی رکھنے کے لئے ان دونوں کو ایک دوسرے کو لمبی چوڑی وضاحتیں نہیں دینا پڑتی تھیں۔

بہر حال منفرا ان چیزوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اسے ساتھ لے جانی تھیں۔ یوں بھی اگلے ہفتے میں مام اور بابا کی اینورسری تھی اور منفرا اس تقریب کو یادگار بنانے کی تیاری بروکلن سے کر کے جانا چاہتی تھی اپنی پارٹ ٹائم جاب سے اس نے اتنے پیسے جمع کر لئے تھے کہ لانگ آئس لینڈ پر سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی سرپرائز پارٹی کا اہتمام کر سکتی تھی۔ مام کے لئے اس نے ایک خوبصورت پتھر کا نیکلس خریدا تھا۔ وہ کوئی قیمتی پتھر نہیں تھا لیکن اس کی خوبصورتی دیدہ زیب تھی۔ بابا کے لئے اس نے گرم اونی ٹوپی لی تھی اور ایڈم، اس کا چھوٹا بھائی، اسے وہ مونٹوک سے ہی شاپنگ کروانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

مونٹوک جانے کے لئے اس نے جتنے پیسے جمع کئے تھے وہ کافی تھے واپسی پر اسے دقت ہر گز نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ یہ بہار کا موسم شروع ہونے والا تھا اور بہار مونٹوک میں سیاحوں کا موسم مانا جاتا تھا۔ واپسی کے لئے وہ مونٹوک آئے ہوئے سیاحوں کے ساتھ بطور گائیڈ کچھ وقت گزار کر بھی پیسے جمع کر سکتی تھی اور ظاہر ہے کچھ نہ کچھ روپے اسے بابا بھی دے ہی دیتے۔

یہی سب سوچتے ہوئے اسے سامنے والے ٹریک پر معاویہ نظر آیا۔ منفرا بے ساختہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ کم سے کم آج تو معاویہ کو اس سے خوش اخلاقی سے ملنا چاہیئے۔

منفرا نے سوچا اور اس کی سوچ منہ کے بل زمین پر آ گری جب معاویہ ایسے ہی اجنبی انداز میں جاگنگ کرتا ہوا اس کے سامنے سے گزر گیا۔

منفرا کا دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اسے کھینچ مارے۔ پتا نہیں وہ معاویہ نامی اس عفریت سے اتنی زیادہ امیدیں کیوں وابستہ کر لیتی تھی۔ وہ بندہ نہ اسے دیکھتا تھا نہ وہ اسے دیکھنے میں دلچسپی رکھتا تھا ڈاکٹر ریمسن کے آفس میں بھی وہ بس ایسے ہی مسکرا کر اس سے ملا تھا جیسے کسی کے متعارف کروانے پر انسان ہنس کر دیکھ لیتا ہے۔ ہر بار جب منفرا نے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنائیت بھری نظروں سے اسے دیکھے گا یا اس کی آنکھوں میں کہیں منفرا کو اپنے لئے پہچان کے رنگ ہی نظر آ جائیں گے اسے مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس بار بھی ایسا ہی ہوا تو وہ بیزار ہو کر اٹھی۔ اٹھتے ہوئے اس نے دیکھا معاویہ وہاں سے بہت دور پارک کی ایک مستقل وزٹر خاتون ایلسی سے بات کر رہا تھا اور بڑا ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا۔ نجانے کیوں منفرا کو اپنا نظر انداز کئے جانے سے بھی زیادہ بری بات لگی یہ۔

اس نے سر جھٹکا اپنا ورزش کے ساز و سامان والا بیگ اٹھایا اور پارک کے بیرونی گیٹ کی طرف آ گئی۔ اس دوران وہ حتی المقدور کوشش کرتی رہی کہ معاویہ کو اپنے ذہن سے جھٹک دے اور اپنا نظر انداز کیا جانا اپنی بے عزتی تصور نہ کرے مگر اس کے لئے یہ آسان نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ شخص اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے پارکنگ میں اس نے ایک گاڑی کے بیک ویو مرر میں ذرا چپکے سے اپنا چہرہ دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچی وہ اچھی خوش شکل لڑکی تھی بقول فی بی وہ خوبصورت چہروں میں شمار کی جا سکتی تھی اور جب وہ بات کرتی تھی تو اسکی شخصیت اور زیادہ سحر انگیز لگنے لگتی تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ معاویہ اسے مستقل نظر انداز کر رہا تھا۔

"شائد فی بی کا تجزیہ درست ہے؛؛؛ وہ مغرور اور انا پرست معلوم ہوتا ہے... اگر کبھی وہ میرے سامنے آیا تو میں بھی اسے ایسے ہی نظر انداز کروں گی جیسے وہ مجھے کرتا ہے۔" اپنی سائیکل اسٹینڈ سے نکالتے ہوئے اس نے پکا تہیہ کر لیا تھا لیکن جوں ہی وہ سائیکل لے کر مڑی اس کا خود سے کیا ہوا عہد منہ کے بل زمین پر جا گرا کیونکہ اس کے بالکل پیچھے معاویہ کھڑا تھا اور منفرا کو دیکھ کر خیر سگالی انداز میں مسکرا رہا تھا۔

منفرا ایسا چونکی کہ اس کے ہاتھوں سے سائیکل لڑکھڑا گئی۔ اگر سائیکل کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر معاویہ اسے نہ روکتا تو یقیناً سائیکل اس سے ٹکرا جاتی۔

"ہیئے ڈاکٹر!..." وہ مسکرایا اور ایسا پیارا مسکرایا کہ بہت ہی پیارا لگا۔

http://kitaabghar.com

''ھیلو...'' منفرا نے دل ہی دل میں اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کیسی ہیں آپ ڈاکٹر!...خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔ میں اکثر یہیں آتا ہوں۔''

منفرا کو اب پھر دل میں مایوسی ہوئی کہ معاویہ نے اسے پہلے کبھی نوٹس نہیں کیا۔

''میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' وہ تکلفاً مسکرا کر بولی۔

''اوہ آئی ایم سو سوری....'' وہ ایک دم شرمندہ ہو کر بولا۔

''اس روز ڈاکٹر ریمسن کے آفس میں ملاقات ہوئی تھی تو میرے ذہن میں رہ گیا آپ بھی ڈاکٹر ہیں...ہر روز ہم اتنے لوگوں سے ملتے ہیں ذہن نشین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس پروفیشن سے تعلق رکھتا ہے۔'' اس نے شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

منفرا کا دل اور تڑخا۔ تھوڑا تو وہ باقی ملنے ملانے والوں سے اسے اوپر کا درجہ دے سکتا تھا۔ پھر اس نے اپنے دل کو ایک تھپڑ لگایا اور ذرا تمیز اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہوئے بولی۔

''کوئی بات نہیں...ایسی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ (اب میں تمہیں کیا بتاؤں..پہلی بار دیکھنے پر تم مجھے کیا لگے تھے)'' وہ مسکرائی اور اس نے دل میں سوچا۔

''بائے داوے...آپ کا prescription میرے پاس ہے...اس روز ڈاکٹر ریمسن کی سائیکائیٹری سے نکلتے ہوئے مجھے لفٹ کے فرش پر پڑا ملا تھا۔''

''کیا واقعی؟'' وہ اتنا زیادہ بے یقین اور خوش بیک وقت ہوا کہ کسی ایک تاثر کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔

''شکر ہے خدا کا کہ پریسکرپشن مل گیا...میں اسی غلط فہمی میں آپ کے پاس آیا تھا کہ ممکن ہو تو مجھے دوائیاں لکھ دیں...ڈاکٹر ریمسن شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں اور میری بے خوابی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔'' وہ بڑا شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔

منفرا کو یک دم کچھ خیال آیا اس نے اپنا بیگ کھول کر اس کی چھوٹی جیب سے چند ٹیبلٹس نکالیں اور معاویہ کی طرف بڑھا دیں۔

''میں ڈاکٹر نہیں ہوں اس لئے دوائیاں لکھ کر نہیں دے سکتی.آپ کسی وقت آ کر مجھ سے اپنا پرسکرپشن لے جائیں..تب تک ...اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ میڈیسن کھا سکتے ہیں..یہ آپ کے مسلز کو پرسکون کرے گی اور بہتر نیند آنے میں مدد دے گی۔''

معاویہ نے جھجکتے ہوئے گولیاں اس سے لے لیں اور اسی انداز میں بولا۔

''لیکن...ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر میں انہیں کیسے استعمال کر سکتا ہوں؟''

''میں نے اسی لئے پہلے کہا...اگر آپ مناسب سمجھیں تو...'' وہ مسکرائی۔''ویسے ڈاکٹر ریمسن نے مجھ سے آپ کی کیس ہسٹری ڈسکس کی تھی.اور میں نے آپ کا prescription بھی پڑھا تھا...میں لکھ کر نہیں دے سکتی لیکن دوائیاں suggest تو کر سکتی ہوں۔''

معاویہ نے ذرا مطمئن ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور وہ پر سکرپشن؟''

''آپ کسی بھی وقت آ جائیں...'' اس نے ہاسٹل کا پتا بتاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ نہیں ہوسکتا آپ کل صبح وہ نسخہ یہیں پارک میں لے آئیں؟...میں آپ سے لے لونگا۔''

''اوہ ضرور...کیوں نہیں۔''

''تھینکیو....کیا میں آپ کو کہیں ڈراپ کر دوں؟''

''نہیں شکریہ...میں چلی جاؤنگی۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کو گڈ بائے بول کر اپنے اپنے راستے چل دیئے تھے۔لیکن منفرا اب مسکرا رہی تھی اور خود کو ایک ایسے بیوقوف کی طرح لگ رہی تھی جو اپنے مفروضوں کی بنیاد پر افسردہ اور خوش ہوتا رہتا ہے۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول
عشق جانے طور آمد
آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔
http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول
جنونِ عشق کی روٹھی رُت
مکمل ناول کتاب گھر کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے، پڑھنے کے لیے ابھی وزٹ کریں۔
http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

وہ جانتا تھا، جلد یا بدیر سب اسے پاگل سمجھنے لگیں گے۔اور یہی ہو رہا تھا۔

معاویہ واپس تو چلا گیا لیکن کوئی خاص خوش نہیں تھا وہ..گو کہ اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا لیکن وسامہ جانتا تھا معاویہ کا رویہ ہر چیز واضح کر رہا تھا۔

وہ وسامہ کے ساتھ اس طرح پیش آ رہا تھا جس طرح وسامہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس کے ٹھیک ہونے کی امید بھی باقی نہ رہے۔

اور یہ بات وسامہ کو عجیب الجھن اور بیزاری میں مبتلا کر رہی تھی۔

اس نے خود کو کئی بار یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو کچھ وہ محسوس کرتا ہے وہ اس کی غلط فہمی ہے اور آیو شمتی جیسی کسی چیز کا کوئی وجود ہے ہی نہیں۔لیکن ہر بار جب وہ خود کو باور کروا چکا ہوتا تو کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی جو یقین دلا دیتی ہے کہ وہ آسیب ہے اور بالخصوص اسی کے تعاقب میں ہے۔

ایک اچھا خاصا انسان، جو ضعیف الاعتقاد بھی نہ ہو، معاشرے میں ایک مضبوط حیثیت بھی رکھتا ہو وہ جب اس طرح کے حالات کا شکار ہوتا ہے تو اسے ایک عام آدمی سے زیادہ ذہنی و جذباتی توڑ پھوڑ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔وہ دوسروں کی ذہنی کنجیاں کھول کر رکھ دیتا تھا اب اس کا اپنا ذہن مقفل ہو چکا تھا اور اس قفل کو توڑنے کا کوئی طریقہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

جن، بھوت، آسیب کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔عموماً ان سے متعلقہ جو کہانیاں دنیا والوں نے بن رکھی ہیں جھوٹ اور فریب پر مبنی رہی ہیں۔سوال یہ نہیں تھا کہ فلک بوس آسیب زدہ تھا یا نہیں۔سوال یہ تھا کہ وہ آسیب اس کے پیچھے ہی کیوں پڑ گیا تھا؟ اور بالفرض محال یہ اس کا وہم بھی تھا تو وہم ختم کیوں نہیں ہو پا رہا تھا؟

یہ اور اسی طرح کے اور بہت سے سوال اسے مزید سے مزید ذہنی ابتری کا شکار بنا رہے تھے۔

معاویہ نے جانے سے پہلے اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن زندگی میں پہلی بار وہ اس ڈھنگ سے بات نہیں کر سکا۔اس بات کا اسے افسوس بھی ہوا لیکن وہ کیا کرتا اپنی ذہنی حالت جیسے اس کے قابو میں ہی نہیں رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا سب کو کیسے اپنی بات کا یقین دلائے۔

معاویہ نے واپس جاتے ہی ملک کے مشہور و معروف سائیکا ئیٹرسٹ سے اپائنٹمنٹ لی لیکن جب یہ بات وسامہ کو پتا چلی تو وہ بیزار ہو گیا۔

"تم اپنا وقت اور پیسہ دونوں برباد کرو گے...مجھے کسی سائیکا ئیٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے...میں تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ تمہیں ضرورت نہیں ہے لیکن کیا تم میری اور آئے کت کی خوشی کیلئے

سائیکا ئیٹرسٹ سے نہیں مل سکتے؟'' معاویہ نے جذباتی ہتھیار پھینکا۔

وسامہ چپ سادھ گیا اس بات کے بعد وہ انکار نہیں کر سکتا تھا لیکن اقرار خود اسکی self estem کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا۔

''مجھے معاف کرنا معاویہ! لیکن میں نہیں جاؤنگا۔''

''او بھائی! ایک بار بات کر لینے میں کیا جاتا ہے؟'' اس نے اصرار کیا۔

''دنیا کا کوئی سائیکا ئیٹرسٹ میرا مسئلہ سمجھ نہیں سکتا.. وہ آسیب... عقل سے ماورا چیز ہے.. مافوق الفطری چیزیں سائیکالوجی کو سمجھ نہیں آتیں۔'' وسامہ جیسے جذباتی ہو کر بولا تھا۔

''زیادہ سے زیادہ کوئی سائیکا ئیٹرسٹ کیا کرے گا؟... مجھے ذہن اور اعصاب کو پر سکون کرنے کی دوائیاں دے دے گا؟.... اس سے میں کچھ دیر کے لئے اس پریشان کن صورتحال سے کٹ جاؤنگا..؛ لیکن ان ادویات کے استعمال کے بعد کیا وہ آسیب بھی فلک بوس سے نکل جائے گا... کیا اس کا اثر میری زندگی پر ختم ہو جائے گا؟...''

معاویہ کوئی جواب نہیں دے پایا وسامہ نے تھک کر فون ہی بند کر دیا۔

ابھی فون بند کیا ہی تھا کہ وسامہ کے پبلشر کا فون آ گیا۔ وہ کتاب کے آخری ڈرافٹ کا تقاضہ کر رہا تھا۔ وسامہ نے اس سے وعدہ کیا کہ آخری ڈرافٹ وہ جلد ہی مکمل کر لے گا لیکن فون بند کر کے اس نے خود سے اعتراف کیا جن حالات میں وہ رہ رہا تھا آخری ڈرافٹ لکھنا اتنا بھی آسان نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو اب تک یقیناً وہ ڈرافٹ مکمل کر چکا ہوتا۔

فوری طور پر دوسرا خیال جو اسے آیا وہ یہ تھا کہ وہ ملک کے ادبی حلقوں کا ایک مایہ ناز نام تھا۔ جہاں چاہنے والے تھے وہیں ایک بڑی تعداد اس کے حاسدین کی بھی تھی ایسے میں اس کی ذہنی حالت کی ابتری کی خبر ایک فلک بوس سے نکلتی تو جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی اور اس کے نام کو زک پہنچانے کا باعث بنتی۔

اپنے نام کو خراب ہونے سے بچانے کا ایک یہی طریقہ ہو سکتا تھا کہ اس کی نئی کتاب جلد منظر عام پر آتی اور مخالفین اور حاسدین کا منہ بند کروا دیتی۔

وسامہ نے دل کڑا کر کے خود سے عہد کیا کہ اپنے ذہن کو آسیب کے خوف سے نکال کر وہ جلد لکھنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس روز اور اس سے اگلے روز اور پھر اس سے اگلے بھی روز وہ اپنا عہد پورا نہیں کر پایا۔ وہ ذہنی یکسوئی جو تخلیقی کام کے لئے ضروری ہوتی ہے وسامہ کو مل ہی نہیں پا رہی تھی۔

انہی دنوں معاویہ نے اسے کچھ ادویات بھجوا دیں جن کے بارے میں معاویہ کا کہنا تھا اس نے کسی سائیکا ئیٹرسٹ سے وسامہ کا کیس ڈسکس کر کے حاصل کی ہیں۔ وسامہ دوائیوں کے اس لفافے کو دیکھ کر عجیب سی ذہنی حالت کا شکار ہوا لیکن اپنے سکون کے لئے اس نے ان ادوائیات کا استعمال شروع کر دیا۔

ان ادوائیات کے استعمال کے ساتھ ہی وہ گھنٹوں سویا رہتا۔لیکن یہ نیند دیکھنے والوں کے لئے تھی خود اسے عجیب بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی تھی اور ایسا لگتا تھا وہ سوئی جاگی کیفیت کا شکار ہے۔سارا ہی وقت اسے عجیب عجیب خواب اور مناظر نظر آتے رہتے۔کبھی وہ خود بھاگ رہا ہوتا اور کبھی کوئی اسکے تعاقب میں ہوتا۔سوتے ہوئے ایسا لگتا کوئی ہیولا اس کے ساتھ آکر بیٹھا ہے اسے ہاتھ لگا رہا ہے آنکھ کھل جاتی تو غنودہ ذہن کے ساتھ یہ سائے اسے خود پر لپکتے ہوئے محسوس ہوتے۔

وہ سو رہا ہوتا تو دل چاھتا اٹھ بیٹھے اور جاگ جاتا تو ذہن مزید سونے کی ترغیب دینے لگتا۔سر بھاری اور آنکھیں سرخ رہنے لگیں۔ اور وہ بیچارہ جو یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کچھ لکھ پائے گا ان چار حرفوں کو لکھنے سے بھی گیا جو اس سے پہلے لکھ پا رہا تھا۔

"آپ کی بات صحیح تھی ان دوائیوں سے اور کچھ نہیں ہو رہا.صرف آپ سو رہے ہیں۔"اس روز آئے کت نے اس کی حالت سے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

وسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ خاموش رہا۔اب اکثر ایسا ہوتا تھا آئے کت اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی وہ خاموش رہتا بلکہ صرف یہی نہیں وہ پہروں خاموش بیٹھ کر گزار دیتا تھا اور آئے کت کو اس کی ایسی کیفیت سے خوف آتا تھا۔اس نے دو چار بار وسامہ سے بات کرنے اور اس کا دھیان بٹا کر رکھنے کی کوشش کی پھر اس کے بعد مایوس ہو کر اٹھ گئی۔

اس شام فلک بوس میں عامل بابا تشریف لائے جن کا دعویٰ تھا وہ ہر قسم کے شرارتی جن اور آسیب کو قابو کرنے کا گر جانتے ہیں۔ جس طرح ضدی سے ضدی محبوب کو قدموں میں لایا جا سکتا ہے اسی طرح بھوت اور بدروحوں کو بھی زیر کرنے کے طریقے موجود ہیں بس آپ کو عمل آنا چاہیئے۔

یہ عامل بابا آئے کت کی دریافت تھے۔وہ انہیں وادی سے لے کر آئی تھی اور صرف اس امید پر ڈھونڈ کر لائی تھی کہ ان کے عمل سے وسامہ بہتر محسوس کرنے لگے گا۔اس کا خیال تھا وسامہ عامل بابا کو دیکھ کر ری ایکٹ کرے گا لیکن وسامہ ان دنوں بیزاری کا شکار ضرور تھا لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارہ کے مصداق اس نے عامل بابا کو فلک بوس میں عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ایک تو یہ کہ وہ کوئی معمولی عامل نہیں لگ رہے تھے ان کا حلیہ عامل کے حلیے سے یکسر مختلف تھا۔انہوں نے عام سا شلوار قمیض پہن رکھا تھا اور عام عاملوں کی طرح داڑھی رکھنے کی بجائے کلین شیو تھے دوسرے عامل بابا کا پہلا جملہ ہی اسے چونکا گیا تھا۔

"یہ بچہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے..یہ قلعہ بدروح کے اثرات سے بھرا ہوا ہے۔"انہوں نے ادھر ادھر کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔آئے کت اور وسامہ نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آپ....آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"وسامہ نے پوچھا۔

"میں اس بدروح کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں۔"عامل بابا نے سنجیدگی اور قدرے فکرمند لہجے میں کہا ساتھ ساتھ وہ گہرے گہرے سانس لے رہے تھے اور ان کے چہرے پر فکرمندی بڑھتی جا رہی تھی۔

وسامہ یہ سن کر ایک دم سے پرجوش ہوا کہ کوئی اور بھی ہے جو اس کے علاوہ آیو شمتی کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہے۔

"یہ دیکھو... دیکھو میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ بدروح یہیں ہمارے آس پاس ہے..." عامل بابا اب سارے کمرے میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اور منہ اٹھائے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کسی لے میں بول رہے تھے فرق صرف یہ ہے کہ ان پر آیو شمتی کی موجودگی کو محسوس کر کے وسامہ والی کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی۔

پھر عامل بابا چلتے چلتے رک گئے اور آنکھیں بند کر کے زیر لب کوئی ورد کرنے لگے۔ ورد کرتے ہوئے ان پر عجیب سی کیفیت چاری ہو گئی ایسے جیسے وہ بے چین ہو رہے ہوں۔ چہرے پر کرب ناک تاثرات آ گئے۔ وہ اپنا سر ادھر ادھر مارنے لگے۔

"جا چلی جا.. نکل جا فلک بوس سے... چھوڑ دے اس کا پیچھا" وہ سر ادھر ادھر مارتے ہوئے زور زور سے بولنے لگے۔

آئے کت اور وسامہ سہم کر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے لیکن بول ایک لفظ بھی نہ سکے۔

عامل بابا نے آنکھیں کھولیں۔ ان کی آنکھیں ڈرا دینے کی حد تک لال ہو رہی تھیں۔

چند منٹ لگے انہیں اپنی اصل کیفیت میں واپس آنے میں۔

"بہت طاقت ور آسیب ہے... اسے بھگانے کے لئے مجھے پوری رات عمل کرنا پڑے گا لیکن آپ بے فکر ہو جائیں... اگرچہ اس عمل کو کرتے ہوئے میری جان کو خطرہ لاحق رہے گا لیکن میں عمل اس وقت تک ختم نہیں کرونگا جب تک وہ آسیب آپ کا پیچھا چھوڑ نہیں دیتا۔" عامل بابا کا انداز بڑا تسلی آمیز تھا۔

"لیکن آپ کی جان کو تو ہم خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔" وسامہ نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"میری فکر نہ کریں... میں نے اس سے زیادہ طاقت ور جنوں اور بدروحوں کو زیر کیا ہے... مشکل ہو گا لیکن میں کر لونگا" عامل بابا بہت پر یقین تھے۔

"اور بدلے میں... ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟" آئے کت نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ایک بار اس بدروح کو میرے قابو میں آ لینے دیں.. اس کے بعد سب کچھ طے کر لیں گے۔" عامل بابا نے مسکرا کر کہا۔

آئے کت تذبذب کا شکار ہوئی لیکن پھر جلدی سے بولی۔

"آپ کا عمل کتنی دیر میں مکمل ہو گا؟... اور کیا آپ یہ عمل فلک بوس میں کریں گے؟"

"جی ہاں... عمل تو فلک بوس کے اندر رہ کر ہی کرنا ہو گا... اور کتنا وقت لگے گا اس کے بارے میں میں حتمی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا.. چوبیس گھنٹے تو لازمی لگیں گے اور اس سے زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں۔"

"سامان میں لکھ دیتا ہوں... مجھے یہ سب منگوا دیں۔" عامل بابا نے ایک پرچی سی آئے کت کے ہاتھ میں تھما دی جس پر لوبان کی

http://kitaabghar.com

لکڑی، قینچی، ایک سات گز لمبی رسی، دیسی انڈے، ایک سو سوئیاں ٹائپ چیزیں لکھی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے...میں ملازم سے یہ سب چیزیں منگوا دیتی ہوں۔"

"مجھے فلک بوس کا کوئی ایسا کمرہ دکھائیں جو عمارت کے بالکل درمیان میں ہو...جو عمل میں کرنے والا ہوں وہ عمارت کے درمیان میں ہی ہوسکتا ہے۔"

وسامہ خاموشی سے عامل بابا کو اس جگہ لے گیا جسے فلک بوس کا درمیان کہا جا سکتا تھا۔ آئے کت نے عامل بابا کو ان کا مطلوبہ سامان منگوا دیا اور پرُامید دلوں کے ساتھ بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ مغرب سے پہلے تک عامل بابا نے عمل کی تیاری کی اور مغرب کے بعد عمل شروع کیا جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ وہی عمل جب شروع ہوا تو آئے کت کی بدقسمتی نے انہیں چوبیس تو کیا چار گھنٹے بھی نکالنے نہیں دیئے۔ ایسی درگت بنائی عامل بابا کی اور اس سے اتنا خوفزدہ ہو کر بھاگے عامل بابا کہ پلٹ کر فلک بوس کی طرف نہیں دیکھا۔ سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے اور....اور وسامہ کی یہ امید بھی ٹوٹ گئی۔

☆......☆......☆

عامل بابا اتنی بری طرح خوفزدہ ہوا تھا کہ اس رات خود پر بیتی ہوئی کیفیت کے بارے میں بتا بھی نہیں پا رہا تھا۔

وسامہ نے بڑی دقت سے اسے بولنے پر مجبور کیا تھا۔

"وہ...وہ بہت بھیانک چہرہ تھا....ایسے عمل کے دوران کانوں میں آوازیں ضرور آتی ہیں لیکن آنکھیں اور کان بند رکھ کر عمل مکمل کرنا ہوتا ہے...آج سے پہلے کبھی میں نے ایسی کسی آواز پر آنکھیں نہیں کھولیں...لیکن کل... پتا نہیں کیوں ان آوازوں سے میں ڈر گیا اور میں نے آنکھیں کھول دیں...وہ چہرہ بالکل میرے سامنے تھا...اور ایسا کریہہ تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا...اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور ایک ہاتھ پر اٹھا کر دیوار پر دے مارا...اگر میں وہاں سے بھاگ نہ گیا ہوتا تو وہ مجھے جان سے مار دیتی۔"

اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا..صاف پتا چلتا تھا اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ وسامہ نے دیکھا اس کے چہرے اور بازوؤں پر مار پیٹ کے نشان تھے۔ دیوار سے ٹکرانے کی وجہ سے سر پھٹ چکا تھا جس پر اس وقت پٹی بندھی تھی۔

وسامہ کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

"کوئی اور پیر فقیر، تانترک رہ گیا ہے تو اسے بھی لے آؤ...تاکہ سب آئیں اور اس آسیب کے شر کا شکار ہو کر میری پریشانی میں اضافہ کرتے رہیں۔" وسامہ نے بے بسی بھرے غصے کے ساتھ آئے کت سے کہا تھا۔

آئے کت نے اسے بے بسی سے دیکھا۔

"ان سب باتوں کے باوجود...میرا دل یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ یہاں آسیب جیسی کوئی چیز ہے۔" وہ جیسے یہ سب برداشت کرتے کرتے تھک چکی تھی اور آج بڑا تھک ہار کر ہی بولی تھی۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' وسامہ بھڑک اٹھا۔

''تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں یا اب تک آیوشمتی کی موجودگی کی وجہ سے جو بھی حادثات ہوئے ہیں وہ فرضی تھے؟....''

''میں نے یہ نہیں کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں..'' وہ جلدی مگر تحمل سے بولی۔ ''لیکن وہ تمام حادثات جو فلک بوس میں رونما ہوئے...اگر غور کریں تو محض حادثات بھی ہو سکتے ہیں...ہم کیوں انہیں آیوشمتی سے منسوب کرنے پر تلے ہوئے ہیں جبکہ ہم نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں۔''

''کانسٹیبل اسلم کی موت کا کوئی جواز ہے تمہارے پاس؟'' وسامہ کی ناراضی میں اضافہ ہوا۔ ''اور اب اس عامل پر ہونے والا حملہ؟''

''ممکن ہے وہ عامل عمل کے دوران ڈر گیا ہو...جو ایسی عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔'' آئے کت نے جھلاہٹ آمیز پریشانی کے ساتھ کہا۔

''ہر چیز کو ہم فرض نہیں کر سکتے آئے کت!....میں تمہیں بتا رہا ہوں...میں نے اس عورت کی موجودگی کو محسوس کیا ہے..تم دیکھ لینا ..جلد یا بدیر وہ خود بھی سامنے آ کر کھڑی ہو جائے گی....اور وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔'' وہ ایک ٹرانس میں بولنے لگا تھا۔

''آپ ایسی باتیں کیوں سوچتے ہیں۔'' وہ دہل گئی۔

''ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں وسامہ!..سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔''

''ہم یہاں سے نہیں جا سکتے...یہاں رہنا تمہاری خواہش تھی۔''

آپ سے بڑھ کر کوئی خواہش عزیز نہیں ہے مجھے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''سارے فساد کی جڑ یہ فلک بوس ہے...نہ میں یہاں رہنے کی ضد کرتی نہ یہ سب کچھ ہوتا...پہلے آپ کا ایکسیڈینٹ...اور پھر یہ آسیب...''

''تم کیوں ایسا سوچتی ہو...تمہاری غلطی نہیں ہے۔'' وسامہ نے تڑپ کر کہا تھا لیکن آئے کت رونے لگی اس کا پچھتاوا بڑھنے لگے تھے لیکن وسامہ نے طے کیا وہ لوگ وہاں سے چلے جائیں گے۔ یقیناً یہ ایک اچھا فیصلہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہی سن رکھا ہے آسیب جس جگہ قابض ہو وہاں کسی کو بسنے نہیں دیتا تو ممکن ہے آیوشمتی اسی لئے وسامہ کو تنگ کرتی ہو کہ وہ دونوں فلک بوس کو چھوڑ کر چلے جائیں۔

وسامہ نے طے کیا وہ فلک بوس سے چلے جائیں گے اور دوبارہ کبھی یہاں نہیں آئیں گے اور یہ بھی کہ وہ معاویہ کو قائل کرے گا وہ فلک بوس کو بیچ دے اور دوبارہ کبھی یہاں نہ آئے۔

یہ طے کرتے ہی وہ قدرے پرسکون ہوا لیکن اس روز بھی سونے کے لئے اسے نیند کی ایک سے زیادہ گولیوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ نیند جیسے اس سے روٹھ ہی گئی تھی۔

☆......☆......☆

بشام میں اس رات گرج چمک کے ساتھ بارش ہو رہی تھی۔

آئے کت سارے کام سمیٹ کر سونے کے لئے لیٹ گئی وسامہ اس کے ساتھ لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔

"آپ سو کیوں نہیں جاتے؟"

"نیند نہیں آ رہی۔" اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"سونے کی کوشش کریں وسامہ!"

"تم سو جاؤ... میں بھی تھوڑی دیر میں سو جاؤں گا۔"

آئے کت نے بڑھ کر اس کے بازو پر سر رکھا اور چند منٹوں میں ہی سو گئی۔ اس روز وہ تھکی ہوئی تھی سو نیند بھی خوب جم کر آئی۔ وسامہ جب کافی دیر تک کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تو اس نے اٹھ کر نیند کی گولیاں کھائیں۔ دو، چار،... اور وہ جانتا تھا وہ حماقت کر رہا ہے۔ لیکن نیند تھی کہ آ کر نہ دے رہی تھی ویسے بھی اسے اب عادت پڑ چکی تھی نیند کی دوائیاں کافی مقدار میں کھانے کی۔

بہر حال اس کے بعد اسے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

وہ گہری نیند سو رہا تھا جب اسے ایسا لگا جیسے کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھا ہو۔ اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے جاگنے کے لئے کہہ رہا ہو۔ وسامہ کی نیند میں خلل پڑ گیا ویسے بھی گہری نیند میں بھی اسے عجیب عجیب خواب نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف خون ہی خون دکھائی دے رہا تھا۔

"وسامہ!... وسامہ!..." ایک خوبصورت آواز اسے پکار رہی تھی۔ وسامہ نے بدقت تمام آنکھیں کھولیں اور بدک کر پیچھے ہٹا کیونکہ ایک بھیانک چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ وسامہ نے چیخ کر آئے کت کو مدد کے لئے پکارنا چاہا لیکن کریہہ ہاتھ اس کے ہونٹوں پر مضبوطی سے جم گیا۔ اب وسامہ کی جان لرز گئی۔ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مر جانے کی حد تک کانپتے ہوئے دل کے ساتھ اس نے پورے جسم کی طاقت لگا کر خود کو آزاد کروایا۔ اور گرتا پڑتا وہ بیڈ سے اٹھا اور گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف بھاگنے لگا۔

بیساکھی اس کے ہاتھ میں نہیں تھی لیکن وہ اتنا خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اپنی جان بچانے کے خیال سے سارے جسم میں ایک الگ ہی قوت بیدار ہو گئی تھی۔

خود کو گھسیٹ کر چلتے ہوئے وہ بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا اس کے پلنگ سے اترتے ہی وہ آسیب بھی اٹھا اور ہوا پر تیرتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔

وسامہ کی رفتار میں تیزی آ گئی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

سارا فلک بوس رات کی خاموشی اور اسرار میں ڈوبا ہوا تھا باہر بارش تڑ تڑ برس رہی تھی اور خوب گرج چمک کے ساتھ شائد صبح تک جاری رہنے والی تھی۔ وسامہ کو سمجھ نہیں آیا وہ خود کو اس آسیب سے بچانے کے لئے کہاں لیکر جائے۔ بلآخر اسکے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ وہ تیزی سے تہہ خانے کی طرف بڑھا اور جیسے تیسے تہہ خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ یہاں اور بھی خاموشی اور اسرار پھیلا

ہوا تھا۔ایک انسان اضطراب میں جیسی حرکتیں کر سکتا ہے وسامہ بھی بالکل ویسے ہی کر رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ خود کو کیسے بچائے اسے صرف اتنا پتا تھا وہ آسیب اس کے تعاقب میں ہے۔اور اسے خود کو اس آسیب کے شر سے بچانا تھا۔تہہ خانہ میں ایک تابوت نما الماری پڑی ہوئی تھی۔وسامہ نے ایک آخری سہارے کے طور پر خود کو اس الماری میں چھپا لیا۔

الماری کا دروازہ خود کار تھا جو ہی اندر داخل ہو کر وسامہ نے دروازہ بند کیا لاک لگ گیا۔

کانپتا ہوا وسامہ الماری کی دیوار کے ساتھ گھسیٹتا ہوا نیچے بیٹھ گیا۔اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور دل بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا لیکن وہ خود کو یہاں محفوظ محسوس کر رہا تھا۔چند سیکنڈ وہ ایسے ہی ٹیک لگائے بیٹھا رہا پھر اس کا ذہن نیند میں ڈوبنے لگا۔وہ بیچارہ نہیں جانتا تھا اس کا ذہن وقتی نیند میں نہیں بلکہ ابدی نیند میں ڈوب رہا ہے۔

☆......☆......☆

بروکلن کے اس خوبصورت کمرے میں بیٹھے ہوئے معاویہ کی آنکھیں بے حد لال ہو رہی تھیں۔

وسامہ کی ڈائری کی داستان وہاں ختم ہو جاتی تھی جہاں سے نیند کی گولیوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا باقی کی ساری باتیں معاویہ کی اپنی خود کی اخذ کردہ تھیں۔سارے مفروضے تھے جو وسامہ کی موت کے بعد بطور نتیجہ جمع کئے گئے تھے۔لیکن سو باتوں کی ایک بات معاویہ کے لئے وسامہ کا اس دنیا سے چلے جانا ایک ایسا حادثہ تھا جس نے اس کی ساری شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس کا بھائی اس کا دوست چلا گیا۔معاویہ کے لئے اس سے بڑا غم اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں تھا۔اسے بار بار یہ پچھتاوا ستاتا کہ کاش اس نے وسامہ کی بات کا اعتبار کر لیا ہوتا۔اگر وسامہ کہہ رہا تھا فلک بوس میں آسیب ہے تو وہ مان کیوں نہیں گیا۔

اگر وسامہ کہہ رہا تھا کوئی چیز اسے خوفزدہ کرتی ہے تو اس نے یقین کیوں نہیں کیا؟..کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ بروقت وسامہ کو سائیکائیٹرسٹ کے پاس لے گیا ہوتا۔اور اگر یہ نہیں تو کم سے کم اسے فلک بوس سے ہی اپنے ساتھ لے گیا ہوتا۔

زندگی میں ان گنت پچھتاوے تھے۔لیکن ان پچھتاووں سے بھی زیادہ سوال تھے جن کے جواب وہ کئی سالوں سے ڈھونڈ رہا تھا اور جواب اسے ملتے نہ تھے۔

وہ انسومیا کا مریض یونہی نہیں بن گیا تھا۔زندگی میں بہت حادثات دیکھے تھے۔اپنے قریبی عزیزوں کو خود سے دور ہوتے دیکھا تھا ان سے بچھڑنے کا دکھ سہا تھا۔اس طویل سفر میں وہ وہ نہیں رہا تھا جو تھا۔اور جو بن گیا تھا ویسا کبھی بننا نہیں چاہتا تھا۔

دنیا کے لئے وہ ایک راز بن چکا تھا جو کسی پر کھلتا نہ تھا اور بہت سے راز تھے جن کا سراغ وہ تلاش نہ کر پایا تھا۔

اس وقت بھی اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔وہ سونا چاہتا تھا لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی معاً اسے کچھ خیال آیا تو وہ اٹھا اور اپنے اپارٹمنٹ سے باہر آ گیا اس کا رخ ایڈمز اسٹریٹ کی طرف تھا۔وہ جگہ جہاں منفرا کا ہاسٹل تھا۔

☆......☆......☆

مونٹوک جانے کے لئے منفرا جتنی پرجوش ہورہی تھی اس صبح معاویہ سے ملاقات کے بعد اس سارے جوش وخروش پر جیسے پانی گر گیا۔

وہ خود نہیں جانتی تھی ایسا کیوں ہوا لیکن اب وہ پہلے کی طرح تیاریاں نہیں کررہی تھی۔

پارک سے واپس آکر اس نے اطمینان سے شاور لیا۔ چیز اور چکن سے بنا ہوا ڈبل پیٹی سینڈوچ کھایا۔ اس سینڈوچ کو بنانے میں اس نے جان بوجھ کر ایک گھنٹہ صرف کیا تھا۔ سینڈوچ کے ساتھ بہت اسٹرونگ سی کپیچینو بنائی۔ ٹی وی لگا کر جب وہ اس کے سامنے بیٹھی اپنا سینڈوچ کھارہی تھی اور کافی کے سپ لے رہی تھی تو ایسا لگتا تھا دنیا میں اس سے زیادہ فارغ انسان اور کوئی نہ ہوگا اور یہ بھی کہ اس ڈائیٹنگ کے دوران اس قدر ہائی کیلری ناشتہ اس کے وزن میں کتنے پاؤنڈز کا اضافہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ وہ بلا وجہ خوش تھی اور اس خوشی کی اصل وجہ اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی منفرا نے ڈاکٹر ریمسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ بڑا سنبھال کر رکھا تھا ایسے جیسے وہ نسخہ نہ ہو کوئی مقدس صحیفہ ہو۔ اس روز چار بار بغیر کسی وجہ کے یہ نسخہ نکال کر اس نے دیکھا اور تسلی کرکے اپنی الماری میں رکھ دیا۔

شام میں اسے مارکیٹ جانا پڑا جہاں اسے معاویہ کی کال موصول ہوئی وہ اس کے ہاسٹل کے باہر کھڑا تھا اور اپنا پرسکرپشن لینے آیا تھا۔

یہ سنتے ہی کہ معاویہ ہاسٹل آیا ہوا ہے منفرا کے اندر جیسے بجلی سی بھر گئی۔ اس کے حساب سے نسخہ اسے صبح معاویہ کے حوالے کرنا تھا اس طرح اچانک سے اس کا ہاسٹل پہنچ جانا خاصی حیران کن بات تھی وہ بھی اس صورتحال میں جبکہ اس نے بے حد سرسری انداز میں ہاسٹل کا ایڈریس اسے بتایا تھا۔

بہرحال منفرا نے اس سے چند منٹ انتظار کرنے کا کہا (چند منٹ اس نے اپنی ایکسائٹمنٹ میں کہہ دیا تھا جبکہ ہاسٹل کم سے کم بھی آدھا گھنٹے کی مسافت پر تھا) اس نے بھاگم بھاگ اپنا بل ادا کیا اور اگلا کام پارکنگ سے اپنی سائیکل نکال کر ہوا کی رفتار سے چلانے کا تھا۔

اس سے زیادہ تیز سائیکل شائد ہی اس نے زندگی میں کبھی چلائی ہو لیکن اس کے باوجود اس کے پہنچنے سے پہلے معاویہ فی بی سے نسخہ لیکر جا چکا تھا اور یہ بات منفرا کے لئے کسی صدمے سے کم نہیں تھی۔

''اسے جلدی تھی.. بار بار تمہیں بلانے کے لئے کہہ رہا تھا تو مجبوراً میں نے پرسکرپشن اسے دے دیا..'' فی بی نے بھی معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا وہ منفرا کی ایکسائٹمنٹ دیکھ چکی تھی اور جانتی تھی منفرا اپنے منہ سے تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن وہ معاویہ میں دلچسپی لے رہی تھی اور یہ بات اسے کچھ خاص پسند نہیں آرہی تھی۔

معاویہ عجیب معمہ سا انسان تھا۔ اس کے ماتھے پر لکھا تھا وہ کبھی نہ سلجھنے والی پہیلی ہے اور فی بی نہیں چاہتی تھی منفرا اس پہیلی میں الجھے۔ خصوصاً تب جب وہ اس حالیہ ملاقات میں معاویہ کے بارے میں کچھ اور اندازے بھی لگا چکی تھی۔

''تم اتنی مایوس کیوں لگ رہی ہو؟... کیا میں یہ سمجھوں تمہیں میرا پرسکرپشن اسے دینا برا لگا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' منفرا نے سست سے انداز میں کہا

فی بی اس کے انداز سے خفیف سی ہوگئی۔

http://kitaabghar.com

"میں نہیں چاہتی تم اس میں دلچسپی لو؟... مجھے لگتا ہے وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا۔"

"کم آن فی بی! میں صرف اس پر تھوڑی ریسرچ کرنا چاہتی ہوں... وہ ایک اچھا پراجیکٹ ثابت ہوسکتا ہے... اور اس سے آگے میں کچھ نہیں سوچ رہی۔" منفرا نے کہا۔

"آر یو شیور؟" فی بی جانے کیوں مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

"سو فیصد..." منفرا مسکرائی۔ "میں نوڈلز لائی ہوں... چلو ذرا پیٹ پوجا کا بندوبست کرتے ہیں۔"

محض فی بی کو چیئر اپ کرنے کے لئے اس نے کہا تھا اپنا دل تو بجھ سا گیا تھا۔

☆......☆......☆

کیف نے اپنا بیگ پیک کر کے رکھا اور ایک طرف بیٹھ کر بڑی خاموشی سے ان چار گھنٹوں کے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ چار گھنٹے بعد اسے اسلام آباد کے لئے روانہ ہونا تھا۔

"کیف بیٹا!"

"جی امی؟"

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو کر جا رہے ہو؟"

"نہیں امی! میری اتنی مجال کہاں۔"

"شکر ہے خدا کا۔ اس نے ایسی تابعدار اور احترام کرنے والی اولاد سے نوازا ہے۔" صباحت بیگم نے ہاتھ اٹھا کر رب کا شکر ادا کیا۔

تو کیف نے انہیں ناراضی سے دیکھا یعنی اس کے لہجے کی اتنی رکھائی کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ امی کے نزدیک صرف یہ اہم تھا کہ وہ ہنستا ہوا بات کرتا ہوا نظر آتا رہے دل میں جو ہے وہ رہے۔

"جی ہاں.. نہ صرف تابعدار، احترام کرنے والی اولاد سے نوازا ہے بلکہ بہت ہی بیوقوف اولاد سے بھی نوازا ہے۔" وہ جل کر بولا تھا۔

کچھ دور بیٹھی فہمینہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"دیکھو.. تمہاری ناراضی اپنی جگہ درست صحیح۔ لیکن مجھے بیوقوف کہنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے مذاق کیا۔

صباحت بیگم نے حیرانی سے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا جن کی کوئی بھی بات کم سے کم ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"میں تمہیں نہیں خود کو کہہ رہا ہوں۔" کیف اور جھلا کر بولا جس کی کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی یا شائد کوئی سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"اچھا.... پھر ٹھیک ہے۔" وہ دوبارہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ارے کوئی مجھے بھی بتائے گا آخر یہاں ہو کیا رہا ہے؟" صباحت بیگم نے کہا۔

http://kitaabghar.com

"یہاں کچھ نہیں ہو رہا... میں صرف یہ بتانا چاھتا ہوں کہ اب تک آپ نے اور ابو نے مجھے بیوقوف بنا کر رکھا ہوا تھا۔ بچپن سے یہی کہتے آئے ہیں کہ کیف ہمارا لاڈلا اکلوتا بیٹا ہے... اس کی کوئی بات نہیں ٹالی جا سکتی... مجھے اب پتا چلا میری کوئی بات آپ لوگ مان ہی نہیں سکتے۔"

صباحت بیگم نے گہری سانس بھر کر پہلو بدلا اور بولیں۔

"جس چیز پر خود اب روشن کو ہی اعتراض نہیں ہے تم نے اس کو ضد کیوں بنا لیا ہے؟..."

"بات ضد کی نہیں ہے امی!, آپ لوگوں نے مجھے ہرٹ کیا ہے... کیا گھر کے اکلوتے بیٹے کی اتنی سی بھی بات نہیں مانی جا سکتی تھی؟... اور کس مان سے جا کر میں نے خوش نصیب کو کہا تھا کہ وہ لوگ میرا کمرہ لے سکتی ہیں۔" اسے سخت قلق ستا رہا تھا۔

"اے ہائے... ایک تو یہ منحوس ماری خوش نصیب!...." صباحت بیگم بھڑک کر بولیں۔

"خوش نصیب کو کچھ مت کہیں... وہ آپ کی مستقبل قریب کی بہو ہے... ایسا کوئی لفظ نہ بولا کریں اس کے لئے.. جس کے لئے بعد میں آپکو پچھتاوا ہو۔" اس نے نروٹھے پن سے مگر اطمینان سے کہا اور باہر نکل گیا۔

فہمینہ جو کب سے کتابوں میں سر دیئے بیٹھی تھی اس بات پر ایسے چونکی جیسے جانتی ہو کم بخت جنگ کا بگل بج گیا ہے۔

صباحت بیگم ہکا بکا۔ کیف جا چکا تو چند منٹ بعد بولنے کے قابل ہوئیں اور ایسے جیسے انسان عظیم ترین صدمے سے نکل ہی نہ پا رہا ہو فہمینہ سے بولیں۔

"اے.. اے فہمینہ! یہ کیا کہہ گیا ہے؟" ان کی آواز صدمے اور بے یقینی سے لرز رہی تھی۔

"کک.. کچھ نہیں امی!... آپ جانے دیں..." اس نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ارے اسے بتا دو فہمینہ! میں مرتی مر جاؤں گی لیکن اس پچھل پیری کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔" یکدم وہ بھڑک کر بولی تھیں۔

"اوہو... آپ کس کی باتوں پر دھیان دے رہی ہیں... جانتی تو ہیں کیف کی مذاق کرنے کی عادت ہے۔" وہ بیچاری کنفیوژ ہو گئی کہ کیسے بات سنبھالے۔

"ارے ہاں... مذاق ہی کر رہا ہوگا..." صباحت بیگم نے ایسے کہا جیسے اس بات پر بھی یقین نہ ہو لیکن خود کو یقین دلانا چاھتی ہوں۔

"مذاق ہی کر رہا تھا امی!... آپ خوامخواہ جذباتی ہو گئیں... خود سوچیں کہاں ہمارا لاکھوں میں ایک، شہزادوں جیسا کیف... اور کہاں وہ پچھل پیری، کالی کلوٹی، موٹی ناک والی خوش نصیب!"

صرف ماں کا بلڈ پریشر نارمل کرنے کے لئے وہ ہر وہ لفظ بولتی چلی گئی جو خوش نصیب کا ذکر کرنے کے لئے ان کا من پسند ہو سکتا تھا۔ حالانکہ نہ تو خوش نصیب کی ناک موٹی تھی نہ رنگ کالا۔

"اور چال دیکھی ہے اس کی... ایسے لہرا کر چلتی ہے جیسے دائیں بائیں چار چیزیں اپنی جگہ سے ہلا کر چھوڑے گی۔" صباحت بیگم نے قدرے مطمئن ہو کر کہا ساتھ ہی بولی۔

http://kitaabghar.com

''اے فہمی! شام تک فضیلہ کا مہمان نہ آرہا ہوتا تو میں خود ہی پوچھ لیتی لیکن اب وقت نہیں ہے..تو کیف سے نزدیک ہے...بڑی باتیں کرتے ہو تم دونوں بہن بھائی۔ ذرا سن گن لیتی رہنا...ایسا نہ ہو کیف کے دل میں وہ بدبخت ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہو اور ہمیں کان و کان خبر نہ ہو..''

''آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں امی! میں کہہ تو رہی ہوں۔ کیف مذاق میں کہہ گیا ہے۔''

''تمہیں جیسا کہا ہے ویسا کرو...کل کو سر پکڑ کر رونے سے بہتر ہے ابھی سد باب کر لیا جائے۔ ویسے بھی بڑی سائیڈ لیتا پھرتا ہے خوش نصیب کی...کب کھوپڑی گھوم جائے کچھ پتا نہیں۔...مرد کی نرم دلی بعض اوقات بڑے مسائل کھڑے کر دیتی ہے اور یہ ہمارا کیف تو ہے بھی معصوم..اس چلتر کی باتوں میں آکر کوئی انتہائی قدم ہی نہ اٹھا لے۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئیں اور فہمینہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

فضیلہ چچی کا مہمان نہ ہوا کہیں آسمان سے اترا ہوا کوئی شہزادہ ہو گیا۔ جس کی سواری باد بہاری سیدھی کوہ قاف سے فضل منزل میں اترنے والی تھی۔

فضیلہ چچی نے کچھ ایسا ہی نقشہ کھینچ دیا تھا کہ سبھی کی منتظر نگاہیں بار بار مرکزی دروازے تک آ کر پلٹ جاتی تھیں۔

کچن ہائی الرٹ تھا۔ روشن آراء کو ایسی لمبی فرمائشی کھانوں کی لسٹ تھمائی گئی تھی کہ سارا ہی گھر انواع واقسام کی خوشبوؤں سے بھر گیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک تو ذائقہ بھی بہت تھا پھر کچھ کھانا بناتی بھی بہت نیت سے تھیں۔ ذائقہ خود بخود دو چند ہو جاتا تھا۔ ماہ نور ان کی مدد کو موجود تھی منہا اور رصیام کو صبح سے ہی تیار رہنے کا حکم ملا ہوا تھا۔ فہمینہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی سو اس سے ایسی ایکٹوٹیز میں مدد کی توقع ذرا کم کم ہی رکھی جاتی تھی۔ باقی بچی خوش نصیب۔ تو اسے اپنی روشن امی اور ماہ نور کے صبح سے کچن میں گھسے ہونے کا ایسا زبردست افسوس لاحق تھا کہ اس نے کچن میں جھانک کر بھی نہ دیکھا۔ کہ نہ دیکھے گی نہ دل جلے گا۔

سارا ہی وقت اوپر اپنے کمرے میں گھسی کبوتروں کی غٹرغوں سنتی رہی اور دل جلاتی رہی۔

شکر ہوا جب بارہ بجے کے قریب فریحہ آگئی۔ خوش نصیب کو اتنی زیادہ خوشی فریحہ کے آنے سے نہیں ملی تھی جتنی وہ فریحہ کے ہاتھوں میں پکڑی لاہوری چرغے کی پلیٹ کو دیکھ کر خوش ہوئی۔

''اُوف...قسم خدا کی...اتنی اچھی تم مجھے کبھی نہیں لگی جتنی اسوقت لگ رہی ہو۔'' خوش نصیب نے خوب گہری سانس کھینچ کر چرغے کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔

''ثمرین کے سسرال والے آرہے ہیں۔ اسی نے ان کے لئے بنایا تھا...میں نے سوچا تمہیں بھی چکھا دوں۔''

''ہائے...ماں صدقے جائے..تم کبھی کبھی کتنا اچھا سوچ لیتی ہو فریحہ!'' وہ نثار ہوتی نظروں سے فریحہ کو دیکھ کر بولی۔ فریحہ کو ہنسی آگئی۔

''پاگل ہی ہو۔''

''اچھا اس طرف آ جاؤ۔'' وہ فریحہ کو کمرے سے منسلک اس گیلری میں لے گئی جو فضل منزل کے صحن کی طرف کھلتی تھی۔ سامنے کی دیوار میں ساتھ ساتھ تین جھروکے بنے ہوئے تھے۔ جن پر فی الوقت چقیں لٹک رہی تھیں۔ جھروکوں سے آگے دو چار پائیاں بچھی تھیں جن پر خوش رنگ چادریں پھیلائی گئی تھیں۔ چار پائیوں کے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ تھا کہ ایک انسان باسہولت کھڑا ہو سکے۔

خوش نصیب نے آگے بڑھ کر چقوں کی ڈوریاں کھینچیں یہاں تک کہ چقیں چھت سے جا لگیں۔ اور باہر سے چھن چھن کر آتی روشنی مٹھی بھر دھوپ کے ساتھ ساری گیلری میں پھیل گئی۔

خوش نصیب نے فریحہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسری چار پائی پر بیٹھ کر چرغے سے انصاف کرنے لگی۔

فریحہ متاثر کن انداز میں ساری گیلری کو دیکھ رہی تھی۔

''واہ... بڑا اچھا سیٹ کر لیا ہے سب کچھ۔''

''سارا روشن امی اور ماہ نور کے سگھڑاپے کا کمال ہے۔'' خوش نصیب نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''یہ چقیں دیکھ رہی ہو؟... ان دونوں نے مل کر بنائی ہیں اور وہ بھی صرف سات دن میں۔''

فریحہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''نہ کرو... اتنا خوبصورت کام انہوں نے کیسے کر لیا؟'' وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک چق کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے متاثر کن انداز میں بولی۔

خوش نصیب نے ذرا دیر کو ہاتھ روک کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟... میری امی اور بہن کوئی خوبصورت کام نہیں کر سکتیں کیا؟...''

''اُئے.. ہائے...'' فریحہ نے سر پیٹ لیا۔ ''تمہیں تو سوال بھی پورے سیاق و سباق کے ساتھ سمجھانا پڑتا ہے... مجال ہے جو آدھے جملے سے بات سمجھ لو۔''

''ہاں ..تو میں ٹھہری سیدھی سادھی معصوم لڑکی.. تمہاری طرح چالاک تھوڑا ہی ہوں جو ایک جملے سے پوری داستان اخذ کر لے۔'' اترا کر بولی۔

''لو اور سنو... کہہ کون رہا ہے۔'' فریحہ نے مذاق اڑایا۔ ''پورا محلّہ واقف ہے تمہاری معصومیت اور سیدھے سادھے پن سے۔''

''اچھا اب ایک چرغہ کھلا کر اتنی باتیں مت سناؤ۔'' خوش نصیب نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ ''روشن امی اور ماہ نور کا کام پسند آیا یا نہیں۔''

''ایسا بہترین کام ہے کہ کیا بتاؤں۔'' اس نے بڑے دل سے سراہ کر کہا۔ ''میں تو سوچ رہی ہوں ثمرین سے کہوں روشن خالہ سے ایسی چقیں بنوا کر اپنے جہیز میں رکھ لے... قسم سے شان نکل آئے گی جہیز کی۔''

''ہاں بنوا لے... روشن امی کو ویسے بھی لڑکیوں کے جہیز کی چیزیں بنانے کا بہت شوق ہے... یاد نہیں... پچھلی گلی والی نغمانہ کے لئے کیسی بہترین کروشیے کی چادر بن کر دی تھی...''

http://kitaabghar.com

"یاد ہے...بہت نرم دل ہے روشن خالہ کا...ماہ نور بھی بالکل ان کے جیسی ہے...تم پتا نہیں کس پہ چلی گئی؟"

"زیادہ بک بک مت کرو...ہمارے گھر آج فضیلہ چچی کا کوئی مہمان آرہا ہے...مہمان ایک ہے لیکن دعوت کا کھانا ایسے بن رہا ہے جیسے کسی کا چھوٹا سا ولیمہ منعقد ہونے جارہا ہو...تم نے زیادہ زبان چلائی تو میں ایک بھی چیز تمہارے گھر نہیں بھجواؤنگی۔"

"بیٹا! فضیلہ چچی کا مہمان ہے...انہوں نے تمہیں ہی کھانے کو دے دیا تو بڑی بات ہوگی۔" فریحہ خوب ٹھٹھا لگا کر ہنسی تھی۔

خوش نصیب مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"اچھا سنو۔" فریحہ نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا جیسے اس بات کا یقین کررہی ہو کہ کوئی ان کی بات نہیں سن رہا۔

"بیری والے پیر بابا جی نے تمہارے لئے پیغام بھیجا ہے۔" وہ کھسکتی ہوئی جا کر خوش نصیب کے ساتھ بیٹھ گئی اور سرگوشی کی سی آواز میں بولی۔

"بیڑہ غرق۔" خوش نصیب کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔ آنکھیں صدمے سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ منہ بند کرنا بھی بھول گئی۔

"ابھی ایک ملاقات ہوئی نہیں اور بابا جی نے پیغام بھی بھجوا دیا۔ بڑے ہی کوئی "ڈیش" قسم کے بابا جی ہیں...اور کچھ نہیں تو کم سے کم میری اور اپنی عمر کا فرق ہی دیکھ لیتے...اونہہ...میں تمہیں صاف بتارہی ہو فریحہ! میں کوئی ان سے شادی وادی نہیں کرونگی۔"

فریحہ ہکا بکا رہ گئی۔

"کک...کیا بول رہی ہو خوش نصیب!..تمہاری شادی کیوں ہونے لگی بابا جی سے؟"

"ارے...تم نے خود ہی تو کہا...بابا جی نے پیغام بھیجا ہے۔" تنک کر بولی۔

"فٹے منہ تمہارا۔" فریحہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"پیغام بھجوانے کا مطلب صرف یہ تھوڑا ہوتا ہے کہ شادی کا پرپوزل بھیجا ہے۔"

"اچھا..." اس نے آنکھیں پٹپٹائیں اور معصومیت سے بولی۔ "اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا؟...پھر کیا مطلب ہوتا ہے فریحہ!"

"ارے وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں..." اس نے جھلا کر کہا۔ "کوئی ضروری بات بتانا چاہتے ہیں۔"

خوش نصیب اسے چڑا رہی تھی بس۔ لیکن اسوقت ذرا چپ سی رہ گئی۔

"نہیں فریحہ!..میں اب بابا جی کے پاس نہیں جاؤنگی۔" اس نے سنجیدگی اور قطعیت سے کہا تھا۔

"لیکن خوش نصیب!..."

"یار! لیکن ویکن کچھ نہیں...روشن امی کو کان و کان بھی خبر ہوگئی کہ میں مزار پر جاتی ہوں تو وہ بہت برا ناراض ہوجائیں گی..میں دنیا میں ہر چیز برداشت کرسکتی ہوں روشن امی کی ناراضگی نہیں۔"

"لیکن اگر تم نہیں جاؤ گی تو بابا جی ناراض ہوجائیں گے۔" فریحہ نے کہا۔ "میری امی کہتی ہیں یہ اللہ لوک ہوتے ہیں ان کی دوستی سے جتنا مرضی فائدہ اٹھاؤ لیکن کبھی انہیں یا کسی بھی ایسے بزرگ کو ناراض نہ کرنا ورنہ بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" اپنی طرف سے بڑا اچھا بن کر سمجھا رہی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے..'' خوش نصیب الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ ''لیکن اس روز بابا جی سے مل کر میری بڑی عجیب طبیعت ہوگئی تھی۔ سارا وقت ایسا لگتا رہا تھا جیسے سر گھوم رہا ہے۔''

''وہ کسی اور وجہ سے ہوا ہوگا۔'' فریحہ نے پریقین لہجے میں کہا۔ ''میں اتنے عرصے سے بابا جی کے پاس حاضری دینے جا رہی ہوں... میرے ساتھ تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''عجیب بات ہے... پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' وہ کھانا کھا کر بھول گئی۔

''اچھا چھوڑو ناں...'' فریحہ نے اس کا دھیان بٹایا۔ ''شام کو چلیں پھر؟''

خوش نصیب نے ذرا دیر کو سوچا پھر بولی۔

''گھر میں مہمان آ رہے ہیں... شام کو گھر سے نکلی تو فضیلہ چچی کے ساتھ ساتھ روشن امی بھی برا منائیں گی۔'' اس نے عذر تراشا۔

''ٹھیک ہے... جیسے تمہاری مرضی۔''

''اچھا تم تو ناراض مت ہو۔''

''بات ناراضی کی نہیں ہے...'' فریحہ نے کہا۔ ''بابا جی نے کہا ہے کہ تم سے ملنا ہے تو تمہیں وہاں جانا ہی ہوگا... ورنہ دیکھ لینا بابا جی تمہیں اپنے طریقے سے بلوا لیں گے۔'' یہ دھمکی نہیں تھی لیکن خوش نصیب کو دھمکی کی طرح ہی لگی۔

''ایسا کیا کریں گے تمہارے بابا جی؟''

''یہ تو مجھے پتا نہیں... لیکن بلوا لیں گے... یہ یقین ہے مجھے۔''

''اچھا...'' اس نے لحظہ بھر سوچا۔ ''ایک کام کرتے ہیں... اگر آج بھی مجھے شامیر کی گاڑی نظر آ گئی تو میں تمہارے ساتھ بابا جی کے پاس چلونگی۔'' اس نے بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔

''شامیر کون؟''

''ہے کوئی...'' اس نے جلدی سے بات ہی بدل دی۔ ''ثمرین کو بتانا چرغہ بہت اچھا بنا تھا۔''

''ہائے توبہ... تم سارا کھا گئی... اس میں ماہ نور کا بھی حصہ تھا۔''

''ماہ نور میری بہن ہے... میں نے کھایا اس نے کھایا... ایک ہی بات ہے۔'' اس نے فریحہ کو تسلی دی تھی۔

☆......☆......☆

فہمینہ اسے ڈھونڈتی ہوئی عرفات ماموں کے پورشن میں آئی وہ صباحت بیگم کا سکون برباد کر کے اطمینان سے عرفات ماموں کے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھا ریڈیو پر گانے سننے میں مصروف تھا۔ بہن نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورا۔ وہ آنکھیں بند کئے سر دھن رہا تھا۔ فہمینہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کانوں سے ہیڈ فون اچک لئے۔

''تمہیں کس نے کہا تھا امی کے سامنے اول بول بک کر جاؤ۔''

''اب میں نے کیا کر دیا؟'' وہ حیران۔

''امی کے سامنے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ خوش نصیب کو ان کی بہو بننا ہے؟''

''اوہ...اچھا۔'' کیف خفیف سا ہو گیا۔ ''جو بات چند سال بعد انہیں پتا چلنی ہے وہ ابھی کیوں پتا نہ چلے۔''

''ہر بات کو کرنے کا ہر وقت نہیں ہوتا میرے بھائی!...ہر بات کے لئے ایک وقت مناسب ہوتا ہے۔''

''اور وہ مناسب وقت کب آئے گا؟'' کیف نے الٹا اسی سے پوچھا۔ ''مجھے تو نہیں لگتا ایسا مناسب وقت کبھی آئے گا جب میں خوش نصیب کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر سکوں۔''

فہمینہ نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا اور چوکڑی لگا کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے...تم نے بھی تو وہاں دل لگایا ہے جہاں کوئی جھگڑہ نہیں لگا تا۔'' معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

''کوئی جھگڑہ اس لئے نہیں لگا تا کیونکہ جھگڑے میں خوش نصیب سے کوئی نہیں جیت سکتا...دل کے معاملات میں وہ اناڑی ہے...محبت میں مجھ سے نہیں جیت سکے گی۔'' وہ زیر لب مسکرایا آنکھوں میں یقین بھر کے۔

''تم اور تمہاری خوش فہمیاں۔'' فہمینہ نے دل میں آمین کہا لیکن منہ سے یہ بولی۔

''امی اپنا بلڈ پریشر ہائی کیئے بیٹھی ہیں...اب جا کر خود ہی سنبھالو۔''

''تمہیں ایم بی بی ایس کس لئے کروا رہے ہیں؟'' کیف نے ابرو اچکا کر پوچھا۔ ''ایک ہائی بلڈ پریشر کا مریض نہیں سنبھال سکتی۔ آئی سی یو میں ڈیوٹی لگے گی تو کیا کرو گی؟''

''کیف پاگل پن کی باتیں مت کرو۔'' وہ بولی تبھی صباحت بیگم بھی اسے تلاش کرتی وہیں آ گئیں۔

کیف کو دیکھ کر شاد ہوئیں اور جلدی سے قریب آ کر بولیں۔

''اے کیف! چل...میرے سر کی قسم کھا کہ دوبارہ ایسی بات نہیں کرے گا۔'' وہ جذباتی ہو رہی تھیں۔

''امی!...دونوں بہن بھائی ہی جھلا گئے۔

''ہاں تو کیوں؟...ایسی فضول بات کی ہے کہ میرے دماغ میں گھنٹیاں بج رہی ہیں۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھے بول رہی تھیں۔

''امی! مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ اتنا اوورری ایکٹ کیوں کر رہی ہیں۔'' فہمینہ جھنجلا گئی۔

''ویسے تو کیف مذاق ہی کر رہا تھا۔لیکن اگر اس کی بات سچی بھی تھی تو اس میں کونسی بڑی بات ہے...خوش نصیب اتنی اچھی لڑکی تو ہے۔''

''اے بیٹی! اچھی وہ صرف تمہاری نظر میں ہے...میرا تو بڑھاپا گلا کر رکھ دے گی۔'' وہ متنفر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''ایسی نحوست ہے اس لڑکی کی کہ بنتے کام بگاڑ دیتی ہے..میں اپنا بیٹے داؤ پر نہیں لگا سکتی۔'' وہ بڑا جذباتی ہو کر بولنے لگ گئی تھیں۔

''اے کیف! چل میرا لال!..کھا میرے سر کی قسم۔''

کیف بری طرح جھنجلا گیا۔

"قسم وسم تو میں نہیں کھاؤنگا۔" اس نے صاف ہی کہہ دیا اس کے باوجود کہ فہمینہ مسلسل اسے امی کی بات ماننے کے اشارے کر رہی تھی۔ اور اس کا جواب سنتے ہی صباحت بیگم کو ہول اٹھنے لگے تھے۔

"ارے... تو کیا میں سمجھوں؟... وہ بات درست تھی۔" وہ دہل ہی گئیں تھیں۔

"امی! کیف کی بات تو پوری سن لیں۔" فہمینہ ان کے اتنے جذباتی پن سے جہاں چڑ رہی تھی وہیں اسے کیف پر بھی غصہ آ رہا تھا جو معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا تھا۔

اس نے امی کو اپنے بازو کے حصار میں لیا ساتھ ہی نظر بچا کر ایک ٹھوکر کیف کے پاؤں پر رسید کی تا کہ اسے کو ڈورڈ میں بات سمجھا سکے۔

کیف چڑ گیا۔ جھنجلا گیا پھر ماں کی حالت کے آگے جیسے ہار مان کر بجھے ہوئے لاچار دل کے ساتھ بولا۔

"مذاق کر رہا تھا میں... دوبارہ ایسی بات نہیں کرونگا۔" اس نے منہ موڑ کر بچوں کی طرح کہا۔

"کھا میرے سر کی قسم۔" صباحت بیگم نے فٹ سے کہا۔

"یہ قسمیں وسمیں کھانے کی باتیں مجھ سے مت کیا کریں..." وہ چڑ کر بولا۔ "کہہ دیا ناں دوبارہ ایسی بات نہیں کرونگا تو نہیں کرونگا۔"

وہ جھنجلا کر اٹھا اور وہاں سے بھی چلا گیا۔

صباحت بیگم کا دل مزید ہول کھانے لگا۔

"میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا فہمی! تو مان نہ مان... کوئی بات ضرور ہے کیف کے دل میں۔"

"خدا کو مانیں امی! وہ کہہ تو رہا ہے مذاق کر رہا تھا۔"

"اس چڑیل کا کیا پتا... ڈورے ڈال کر میرا بیٹا قابو کر لیا تو؟"

"وہ چڑیل آپ کے بیٹے کی طرف دیکھ کر راضی نہیں ہے... آپ پتا نہیں کیا کیا وہم پالے بیٹھی ہیں۔" وہ چڑ کر بولی اور یہ بات صباحت بیگم کے سر پر لگی تلووں میں جا کر بجھی۔

"ائے کیا کمی ہے میرے کیف میں... وہ تو میرا بیٹا ہی اس مرن جوگی کو گھاس نہیں ڈالتا ورنہ کب کی میری بہو بن کر بیٹھی ہوتی۔" اچانک ان کے اندر کی بیٹے کی ماں جاگ اٹھی تھی۔

فہمینہ نے جھنجلا کر سر پر ہاتھ مارا اور ان کے پیچھے چل پڑی۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

شام کا وقت تھا آسمان ڈھلتے ہوئے سورج کے رنگوں سے سجا اپنے مرکز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

خوش نصیب چھت کی منڈیر پر کہنیاں ٹکائے بیزاری سے نیچے جھانک رہی تھی۔

یہاں سے دیکھنے پر فضل منزل کا ایک حصہ صاف دکھائی دیتا تھا حتیٰ کہ بیرونی دروازہ جو پرانی طرز کا اور بہت بڑا تھا۔ وہ نہ صرف اندر سے دکھائی دیتا تھا بلکہ اس کا بیرونی حصہ اور گلی بھی کسی قدر نظروں میں آجاتی تھی۔

دروازے کے دونوں طرف پیپل کے گھنے اور اونچے درخت کھڑے تھے جن کا سایہ بیحد گھنا تھا۔

خوش نصیب کے پاس منڈیر پر ایک تام چینی کی پلیٹ پڑی تھی جس میں گھر کے بنے ہوئے فرینچ فرائز کا پہاڑ سا بنا ہوا تھا۔ یہ چپس اس نے آدھ گھنٹہ ماہ نور کا سر کھا کر حاصل کئے تھے۔ گو کہ ماہ نور نے اسے سمجھانے کی کافی کوشش کی تھی کہ اتنے زیادہ چپس کھا کر خود اپنے آپ سے دشمنی مول نہ لے لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو کسی کی بات ماننے پر تیار ہو جائے۔ اسے صرف ان آلوؤں کا صفایا کرنا تھا جن کے متعلق تھوڑی دیر پہلے فضیلہ چچی کو کہتے سن چکی تھی کہ وہ ماہ نور سے کباب بنوانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

دل تو چاہ رہا تھا اس ارادے سے پہلے ہی فضیلہ چچی کا قیمہ بنا کر ان کے کباب بنا دے لیکن ایک تو وہ عمر میں بڑی تھیں دوسرے ایسی باتیں صرف سوچی جا سکتی ہیں۔ تکمیل کے مراحل میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ دن بھر کی کچن مہم کے بعد اب آلو کے کباب بنانے سے ماہ نور اور روشن امی کو صرف اسی صورت بچایا جا سکتا تھا کہ آلو ہی صفحہ ہستی سے غائب کر دیئے جائیں سو اس نے یہی کیا اور چپس بنوا کر اوپر آگئی۔

اب چپس کی بھری ہوئی پلیٹ تھی اور زندگی کا عمیق فلسفہ۔ جسے سلجھانے کے لئے خوش نصیب بی بی کے پاس بڑا فارغ ٹائم تھا۔ ایک ایک چپس اٹھا کر کترتی جاتی اور زندگی کی تلخیاں یاد کر کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی جاتی۔

ویسے ٹھنڈی آہ بھرنے کے لئے ایک یہ غم بھی بہت تھا کہ چپس کے ساتھ کوک نہیں ملی۔ اگر مل جاتی تو اس اچانک والی ٹریٹ کا لطف دوبالا ہو جاتا۔

خیر اسی وقت اس نے دیکھا فضیلہ چچی کی معیت میں ایک پورا جلوس مرکزی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہو نہ ہو وہ مہمان جس کی آمد کی خوشی میں ان سے ان کا پورشن چھینا گیا اور جس کے لئے صبح سے اس کی روشن امی اور ماہ نور کچن میں مغز ماری کر رہی تھیں۔ اب پہنچنے ہی والا تھا۔ خوش نصیب نے حلق کے اندر سے ایک بھرپور "ہوں" کیا اور جی جان سے آنے والے مہمان پر لعنت بھیجی۔

اسے نہ مہمان سے دلچسپی تھی نہ مہمان کے میزبانوں سے۔ لیکن اسی اثناء میں فضل منزل کے بڑے دروازے کے پاس آکر کالے رنگ کی گاڑی رکی۔

نظر پڑتے ہی خوش نصیب چونکی۔ دل زور سے دھڑکا (نہیں نہیں.. آپ سب غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ یہ وہ دھڑکن نہیں تھی جو کسی کا نام سنتے ہی "مس" ہو جاتی ہے) آنکھیں سکوڑیں۔ ماتھے پر لکیریں نمودار ہوئیں۔ بینائی کا پورا زور لگا کر پہچاننے کی کوشش کی اور لیجئے

صاحب! وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ فرنٹ ڈور کھلا اور اندر سے "انگلش فلموں کا ہیرو" برآمد ہوا۔ خوش نصیب نے حیرانی کے شدید جھٹکے کے زیراثر ایک زوردار "ہائے" کی آواز نکالی اور ہاتھ ہونٹوں پر رکھا لیکن یہ عمل اسقدر بے ساختہ تھا کہ کہنی منڈیر پر رکھی تام چینی کی پلیٹ سے جا ٹکرائی۔ خوش نصیب نے حواس باختہ ہوکر پلیٹ سنبھالنا چاہی لیکن اس سے پہلے ہی پلیٹ اس کی دسترس سے نکلتی چلی گئی۔

اور یوں فضل منزل کی چوتھی منزل سے پلیٹ گری اور نیچے سے خوشی خوشی گزر کر جاتے شفیق چچا کے سر کو چھوتی ہوئی فرش پر گر کر پاش پاش ہوگئی۔ چپس گرے یہاں وہاں۔ اور سب کے سر گردن سمیت چھت کی طرف اٹھ گئے۔

اگر جو خوش نصیب فوراً ہی نیچے نہ بیٹھ گئی ہوتی تو یقیناً اب تک اہل خانہ کی نظروں سے نکلے تیر اسے اس جہان فانی سے کوچ کرنے پر مجبور کر چکے ہوتے۔ ابھی تو وہ منڈیر کے سائے میں دبکی بیٹھی تھی اور نیچے فضل منزل کے صحن میں سب ہی ہکابکا صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ حیران مہمان تھا۔ مہمانوں پر پھول برسائے جاتے ہیں ایسا سنا تھا آلو کے چپس برستے پہلی بار دیکھے۔ عجیب ہی رواج تھا۔ شامیر سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وسامہ جب تک زندہ رہا اس کی ذہنی الجھنیں ایک معمہ بنی رہیں۔ مرنے کے بعد بھی وہ اپنے پیچھے سوالوں کا ایک سلسلہ چھوڑ گیا ایسے سوال جن کے جواب کسی کے پاس بھی نہیں تھے۔

بہتر گھنٹے وہ لاپتا رہا۔ چھتیس گھنٹے اسے تلاش کیا جاتا رہا۔ اور جب تہہ خانے کی اس سال خوردہ الماری سے اسے مردہ حالت میں نکالا گیا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتا چلا ابتدائی چوبیس گھنٹوں کے دوران حرکت قلب بند ہونے سے اس کی موت واقع ہو چکی تھی اس کے علاوہ اس کے خون میں خواب آور ادویات کی بھاری مقدار کی آمیزش بھی ملی تھی۔

وسامہ نامور ادیب تھا اس کی موت کا ادبی حلقوں میں بڑا چرچا ہوا۔ لیکن چونکہ وہ کوئی بہت سوشل انسان نہیں تھا نہ ہی ادبی حلقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں سوائے چند ایک کے کوئی اسے بہت قریب سے جانتا تھا سو اس کی ناگہانی موت ایک سوال تو بنی لیکن اس سوال کو بہت اچھالا نہیں گیا۔

وسامہ کی موت کا دکھ اس کے چند انتہائی قریبی لوگوں پر اثر انداز ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ، چھوٹی بہن، معاویہ اور آئے کت۔

ماں باپ اسے پسند کی شادی کے جرم میں بے دخل کر چکے تھے یہ اس کا ایسا گناہ تھا جسے کسی صورت نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"ایک لاوارث لڑکی کو لاکر ہمارے سر پر بٹھا رہا ہے وسامہ! کوئی خود رو جھاڑ بھی ہو تو اس کی کوئی نہ کوئی جڑ ہوتی ہے... یہ کیسی لڑکی ہے جس کے آگے پیچھے کا ہی کچھ نہیں پتا۔" یہ وسامہ کی ماں کے الفاظ تھے اس وقت جب وہ آئے کت سے شادی کرنے کے لئے ڈٹا ہوا تھا۔

وسامہ آئے کت کے آگے پیچھے کی ساری معلومات لے آیا۔ وہ ایک یتیم خانے میں رہ کر پلی بڑھی تھی کیونکہ اس کی ترک ماں اسے پاکستانی باپ کے پاس چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی۔ دس سال کی عمر تک آئے کت اپنے باپ کے پاس رہی اس دوران اس کی ماں کبھی

کبھاراس سے ملنے آجاتی تھی اور کبھی اسے اپنے ساتھ لے جاتی تھی۔باپ کے انتقال سے ایک سال پہلے ماں نے آنا چھوڑ دیا اور باپ کے گزر جانے کے بعد ان کے ایک دوست نے آئے کت کو یتیم خانہ بھجوادیا۔بس یہی تھا اس کا ماضی۔

لیکن وسامہ کے قریبی لوگوں میں سوائے معاویہ کے کوئی بھی ان باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔اور اگر اعتبار تھا بھی تو وہ ایسی لڑکی کو ہرگز اپنی بہو بنانے کے لئے تیار نہیں تھے اور اسے رد کرنے کے لئے ان کے پاس سو بہانے موجود تھے۔

وسامہ نے شادی کر لی اور ماں باپ نے ناراضگی اختیار کر کے اس کی شکل نہ دیکھنے کا عہد کیا۔حتیٰ کہ ایک حادثے میں جب وسامہ اپنی ٹانگ سے محروم ہوا اور زندگی اور موت کی کشمکش سے بچ نکلا تب بھی اس کے والد کا دل نرم نہ ہوسکا۔

یہ والد وسامہ کی ناگہانی موت پر تڑپ تڑپ کر روئے تھے۔انہوں نے سر پٹخ پٹخ چلائے کہ کسی طرح گزرا وقت واپس آجائے تو وہ وسامہ کو ہرگز خود سے دور جانے نہ دیں گے۔لیکن...گزرا وقت کبھی واپس آیا ہے کیا؟

آئے کت اپنے حواس کھو بیٹھی۔ماں اور باپ کے بعد اس نے جس شخص سے بے پناہ اور بے انتہا محبت کی بلآخر اسے بھی کھو دیا تھا۔وسامہ کے بے روح جسم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وہ اس کی موت کا یقین کر لینے پر تیار نہیں تھی۔

وہ پوری پوری رات اپنے اردگرد وسامہ کے کپڑے اور ضروریات کا دیگر سامان پھیلا کر بیٹھی رہتی اور ان سے ایسے باتیں کرتی جیسے ان چیزوں میں اسے وسامہ نظر آرہا ہو۔صبح ہوتے ہی وہ وسامہ کی پسند کا لباس پہن کر ننک سک سے تیار ہوتی اور سارے فلک بوس میں اسے آوازیں دیتی پھرتی۔پھر ایک روز اس کا سکتہ ٹوٹ گیا اور وہ اس بری طرح سے روئی اس نے ایسے بین ڈالے کہ فلک بوس کی دیواریں بھی دکھ سے لرزنے لگیں۔

وسامہ کی والدہ نے آئے کت کو اپنی بازؤں میں سمیٹ لیا اور وہ دونوں مل کر اس شخص کے لئے روتی رہیں جس کی زندگی میں وہ ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے کا تہیہ کر چکی تھی لیکن اب ان کا غم ایک تھا اور اس غم نے انہیں زندگی بھر ساتھ ہی رکھنا تھا۔

باقی بچا معاویہ تو وہ بیچارہ کھل کر رو بھی نہ سکا۔دوستوں جیسے بھائی کی موت کا یقین آتا تو روتا۔اپنا ہر چھوٹا بڑا غم ہر پریشانی اس نے ہمیشہ وسامہ سے شیئر کی تھی۔اب وہی نہیں تھا تو کس کو جا کر بتاتا کہ دیکھو کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے میرا۔

وہ ایک بروکن چائلڈ تھا۔جس کے ماں باپ باہمی جھگڑوں سے تنگ آکر علیحدگی اختیار کرنے پر راضی ہوئے اور اپنے راستے الگ کرتے ہوئے انہوں نے ایک بھی بار معاویہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ماں باپ کے جھگڑوں نے اسے ذہنی طور پر بے اعتباری کا شکار کر دیا تھا۔ایسے میں وسامہ تھا جو آگے بڑھا اور اس نے معاویہ کو ایک بھائی اور دوست بن کر اس ذہنی پراگندگی سے باہر نکالا۔

وسامہ معاویہ کے لئے کیا حیثیت رکھتا تھا وہ کبھی لفظوں میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا مختصراً یہ کہ معاویہ کو اپنے بھائی وسامہ طالب سے عشق تھا۔

جو اس کا سگا بھائی نہیں تھا لیکن بھائیوں سے بڑھ کر تھا۔

وہ اس کا دوست نہیں تھا لیکن ساری زندگی اس نے معاویہ کو دوست کی کمی محسوس ہونے نہیں دی تھی۔

وسامہ صلح جو انسان تھا لیکن معاویہ اس کے لئے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔

وسامہ اگر دن کو رات کہتا تو معاویہ بھی یہی کہتا تھا۔

وہ دونوں اکھٹے سوتے جاگتے تھے۔ایک ساتھ انہوں نے کئی خواب دیکھے تھے۔ایک ساتھ شرارتیں کی تھیں۔ایک ساتھ ڈانٹیں سنیں تھیں۔کئی بار اسے وسامہ نے سزا ملنے سے بچایا تھا۔معاویہ کو یہ بھی افسوس تھا وہ وسامہ کے اتنے احسانات کے بدلے میں اسے ایسی ابتر موت سے نہیں بچا سکا۔

موت جو ایک حقیقت ہے۔زندگی کا سب سے بڑا اور کڑا سچ۔

اور موت بھی ایسی جس کا کوئی سراغ ہی نہ ملے۔

پولیس آئی۔لیکن تحقیقات پوری طرح شروع ہونے سے پہلے ہی معمہ حل ہو گیا۔

کسی نے کہا وسامہ نے خودکشی کی ہے۔ایسی الماری جسے صرف باہر سے کھولا جا سکتا تھا۔میں کوئی جا کر کیوں بیٹھے گا جبکہ وہ یہ بات بھی جانتا ہو کہ اندر سے اس الماری کا دروازہ کھلنا ناممکن بات ہے۔پھر الماری کے دستے پر وسامہ کے فنگر پرنٹس موجود تھے۔پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس کے خون میں نشہ آور دوائیوں کا اثر ملا تھا۔یقیناً اس نے نیند کی گولیاں کھا کر خود کو الماری میں محبوس کر لیا ہو گا اور وہیں اس کی موت واقع ہو گئی ہو گی۔

قیاس کے اس دراز ہوتے سلسلے پر پولیس کی حتمی رپورٹ نے فل اسٹاپ لگا دیا تھا۔اس رپورٹ سے صرف وسامہ طالب کی موت کے کیس کو ہی بند نہیں کیا اس رپورٹ نے بشام کی وادی میں پھیلی ہوئی فلک بوس کی نحوست پر مبنی کہانیوں پر بھی مہر ثبت کر دی تھی۔

معاویہ کو وسامہ کی موت نے شدید دکھ سے ہمکنار کیا تھا۔لیکن اسکے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ بیٹھ کر فلک بوس کی نحوست کی کہانیاں سنے اور وہاں بھٹکتے آسیب کے قصوں سے لطف اندوز ہو۔اس نے اپنی نگرانی میں لیکن بددلی کے ساتھ فلک بوس کے سارے کھڑکیاں دروازے بند کروائے۔کانپتے ہاتھوں اور بوجھل دل کے ساتھ وسامہ کا سارا ساز و سامان سمیٹا۔

اس کی کتابیں، اس کا کمپیوٹر سسٹم، اس کی رائیٹنگ ٹیبل۔اور اس کی زیرِ طبع کتاب کا وہ آخری ڈرافٹ جسے اب کبھی مکمل نہیں ہونا تھا۔

طویل کاریڈور میں وہ دیر تک بوجھل اور سست قدموں سے چلتا رہا۔لان سے سوکھے پتے اڑ اڑ کر اس کے قدموں سے لپٹتے رہے۔سامنے تالاب پر سفید پری اپنے پنکھ پھیلائے اداس کھڑی تھی۔معاویہ کمر کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا بے سبب اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔

خزاں نے پہاڑوں پر بکھرے سبزے پر اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔لیکن اس جگہ کی خوبصورتی جوں کی توں تھی۔یہ پرشکوہ عمارت ابھی بھی ایسی ہی طمطراق لئے کھڑی تھی کہ کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

لیکن ہر طرف خاموشی تھی اور اتنا اجاڑ پن تھا۔اتنی ویرانی تھی ہر طرف۔جو آج تک اس نے فلک بوس میں نہیں دیکھی تھی۔

http://kitaabghar.com

ایسا لگتا تھا وسامہ ساری رونق اپنے ساتھ سمیٹ کر قبر کی تاریکیوں میں لے گیا ہے۔

وہاں سے دور روش پر ایک پک اپ کھڑی تھی جس پر وسامہ اور آئے کت کا سامان لوڈ کیا جا رہا تھا۔ معاویہ کے حلق میں آنسوؤں کی نمی شامل ہونے لگی۔

سینے میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھی اور آنکھیں ایسے ہوگئیں جیسے شدت گریہ سے نڈھال انسان کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

اس نے رخ بدلا۔ آنکھوں کو زور زور سے جھپکا۔

لیکن دل کا غم جب آنکھوں کی حدود سے باہر نکلنے کو بے چین ہونے لگا تو وہ تیز تیز قدموں سے چلتا روش تک آیا اور فلک بوس کی حدود سے نکلتا چلا گیا۔

فلک بوس کے آگے ڈھلوانی سڑک تھی۔ اس سے آگے جنگل۔

وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے چلتا چلا گیا۔ جنگل اداس تھا اور قد آور درختوں کے پتوں سے دھوپ چھن چھن کر آتی تھی۔ وہ خودرو گھاس اور پتھروں کو روندتا چلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جنگل میں بہت دور نکل آیا۔

ایک جگہ ٹھٹھک کر رکا۔ ایک بڑا گول پتھر جو اپنی وضع کے اعتبار سے ہمیشہ ہی نظروں میں آجاتا تھا۔ معاویہ کے سامنے آگیا۔

معاً منظر بدلا اور بچپن کی ایک یاد مجسم اس کی آنکھوں کے سامنے روشن ہوگئی۔

وہ اور وسامہ...اس گول پتھر کے گرد بھاگ رہے تھے اور آپس کے کسی مذاق پر ہنس ہنس کر ان کے پیٹ میں درد ہوگیا تھا۔ پھر تھک کر اسی پتھر پر بیٹھ گئے۔ جب سانس بحال ہوئی تو وسامہ کو جانے کیا خیال آیا وہ بیٹھے بیٹھے اپنا اور معاویہ کا قدم ناپنے لگا۔

''تم مجھ سے چھوٹے ہو...لیکن قد تمہارا زرافے کی طرح بڑھ رہا ہے۔'' اس نے معاویہ کو بتایا تھا۔

''اس کا مطلب...میں بڑا ہو کر زرافہ بنوں گا؟'' چھوٹا سا معاویہ ہونق بن کر پوچھ رہا تھا۔

وسامہ بے ساختہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ بشام کا جنگل اس کی ہنسی کی آواز سے جاگ اٹھا تھا۔

معاویہ کی آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں نے یاد کا منظر دھندلا دیا۔

وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھا اور...اور وہ چیخ چیخ کر رو دیا۔ دھاڑیں مار مار کر...بالکل بچوں کی طرح۔

بشام کے جنگل نے اسے نوحہ کناں دیکھا تو دکھ سے آنکھیں بھینچ لیں۔ درختوں نے دم سادھ لیا اور ہوا اپنی جگہ تھم سی گئی تھی۔

فلک بوس کی کھڑکیاں اس روز تاریکی اوڑھے کھڑی تھیں اور اس کی چمنیاں سکتہ زدہ اس بھرپور جوان کو روتے ہوئے دیکھ رہی تھیں جس کا نقصان اتنا شدید تھا کہ اس کا ازالہ کیا جا ہی نہیں سکتا تھا۔

☆......☆......☆

مہمان کے سامنے نہ جانے کی ایسی کوئی پابندی تو فی الحال نہ لگائی گئی تھی لیکن اس کی آمد پر جو کچھ ہوا اس کے بعد خوش نصیب نے

http://kitaabghar.com

یہی مناسب سمجھا کہ کمرے میں دبکی بیٹھی رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ پلیٹ والا حادثہ نہ ہوا ہوتا تو کوئی مائی کا لال اسے مہمان کے سامنے جانے اور فضیلہ چچی اینڈ فیملی کی ساری پلاننگ برباد کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

بہر حال شام سے رات ہو گئی جب ماہ نور نے کمرے میں جھانکا۔ اور خوش نصیب اس کے چوڑے فریم پر جھکا دیکھ کر چونک گئی۔ ماہ نور کی طرح خوش نصیب کے ہاتھ میں بھی بہت صفائی تھی لیکن اس صفائی سے فائدہ اس وقت حاصل ہو سکتا تھا جب خوش نصیب اسکی مدد کرنے پر راضی ہوتی۔ اسے تو بس ہر کام سے جان چھڑوا کر دوسروں کے لئے پریشانیاں کھڑی کرنے کا شوق تھا اور اپنا یہ شوق وہ بڑی تندہی سے پورا کرتی بھی تھی۔

بہر حال ماہ نور نے کمرے میں جھانکا اور خوش نصیب کو مصروف پا کر چونک گئی۔

"آج سورج مغرب سے نکلا ہے کیا؟"

"اس وقت سورج کہاں سے نکل آیا؟..." سنجیدگی سے پوچھا گیا۔ "ذرا بالکنی سے باہر دیکھو... پوری رات ہے.. ہاں شائد کہیں چاند نکلا ہو۔" بڑے مصروف انداز میں فرمایا گیا اور ایسی ادائے بے نیازی برتی گئی جیسے ماہ نور کا طنز سمجھی نہ ہو۔

"چاند تو نکلا ہو یا نہ نکلا ہو... ذرا نیچے چل کر دیکھو شفیق چچا کے سر پر ایک آلو بخارہ ضرور نکل آیا ہے۔"

"ہائیں... کیا مطلب؟..." ناسمجھی سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"اللہ رے معصومیت..." ماہ نور اسے جانتی نہ ہوتی تو ضرور عش عش کر اٹھتی۔ "زیادہ بنو مت.. جیسے تم جانتی ہی نہیں۔" اس نے ڈپٹ کر کہا۔

"کیا نہیں جانتی؟... اور تم کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو ماہ نور! کسی کے سر پر آلو بخارہ کیسے نکل سکتا ہے؟"

"اتنے سارے سوال اگر تم کرو گی تو شفیق چچا اور فضیلہ چچی کیا کریں گے؟"

"اپنے مہمان کو entertain کریں گے اور کیا۔" بے ساختہ کہہ گئی اور ساتھ ہی زبان دانتوں میں دبا لی۔

ماہ نور نے البتہ فوراً ہی سر پیٹ لیا۔ اب کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔

"شامیر سونے چلا گیا یا اس کے سامنے ہی کلاس ہو گی؟" خوش نصیب نے روکھی ہو کر پوچھا۔

"کب کا سونے چلا گیا..." ماہ نور نے کہا اور دروازے کی طرف پلٹی لیکن اگلے ہی پل حیران ہو کر اس کی طرف پلٹی۔

"تم تو مہمان سے ملی بھی نہیں.. پھر تمہیں کیسے پتا اس کا نام شامیر ہے؟"۔

"تمہیں پتا نہیں؟... مجھے سب پتا ہوتا ہے۔" اس نے معصوم سا منہ بنا کر کہا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

☆......☆......☆

بشام میں بادلوں سے تر شام اتر رہی تھی۔ آسمان کا رنگ سیاہی مائل نیلا دکھائی دینے لگا تھا۔

http://kitaabghar.com

معاویہ دیر تک رونے اور اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد وادی کی طرف نکل آیا۔ وادی کی اکلوتی مارکیٹ جاگنا شروع ہوگئی تھی۔ جگہ جگہ عارضی قمقمے جلائے گئے تھے۔ وہ ایک اسٹال نما دکان پر کھڑا ہو کر گرم دستانے دیکھنے لگا۔

اسی وقت بارش کا پہلا قطرہ زمین کی ہتھیلی پر گرا اور آن کی آن جذب ہوگیا۔

پھر دوسرا اور تیسرا اور اس کے بعد لاتعداد قطرے برستے چلے گئے۔

مارکیٹ میں کھلبلی سی مچ گئی۔ شیڈ لگائے جانے لگے۔ اسٹال سمیٹ دیئے گئے۔

معاویہ دیگر افراد کی طرح بھاگا اور ایک دکان کے شیڈ میں پناہ لی۔ بارش نے زور پکڑ لیا تھا۔ وہ رک کر انتظار کرنے لگا۔ آج کی رات فلک بوس میں اس کی آخری رات تھی۔ صبح اسے واپس چلے جانا تھا۔

''فلک بوس تو اجڑ گیا۔''

''فلک بوس اجڑ گیا یا فلک بوس نے اجاڑ دیا؟''

''اجاڑا تو فلک بوس کے آسیب نے ہے..''

معاویہ نے ان آوازوں پر بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا۔ قریب کھڑے دو مقامی افراد ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ معاویہ نے نادانستہ اپنا رخ موڑ کر ان کی طرف پیٹھ کر لی تاکہ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''کسی نے کیوں کہنا ہے..؟... یہ بات تو سب جانتے ہیں۔'' دوسرا بولا۔ ''اس آسیب نے آج تک کسی کو ٹکنے دیا ہے فلک بوس میں؟.. ہو نہ ہو.. اس قتل کی ذمہ دار بھی وہی بدروح ہے۔ سنا ہے....'' وہ آدمی ذرا سا اپنے ساتھی کے قریب ہوا اور اس کوشش میں نادانستگی میں منہ موڑ کر کھڑے معاویہ کے بالکل ہی قریب ہوگیا۔ اور سرگوشی میں بولا یہ جانے بغیر کہ معاویہ پورا کا پورا سماعت میں ڈھل چکا ہے۔

''سنا ہے.... جس رات وسامہ طالب کی موت ہوئی اس رات اس بدروح کو فلک بوس میں بھٹکتے ہوئے کئی لوگوں نے دیکھا ہے...''

''افواہ ہوگی.... کیونکہ میں نے تو سنا ہے اس نے خودکشی کی ہے...''

معاویہ کا حلق خشک ہوگیا اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اور اسے وہ سب باتیں یاد آنے لگیں جو وسامہ کے قتل کی تفتیش کے دوران سامنے آتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

شفیق چچا کے ماتھے پر کم و بیش ایک انچ کی خراش آئی تھی اور اس خراش سے ذرا اوپر پلیٹ ٹکرانے سے ایک بڑے سائز کا آلو بخارہ سا نمودار ہوگیا تھا۔ اور اس حالت میں وہ ایسے مضحکہ خیز لگ رہے تھے کہ ان پر پہلی نظر پڑتے ہی خوش نصیب اپنی بے ساختہ امنڈتی

ہنسی روک ہی نہیں پائی۔ اگر جو ساتھ ماہ نور نہ ہوتی اور فوراً ہی اسے ٹھوکا دے کر اپنے دانت اندر کرنے کا اشارہ نہ کیا ہوتا تو یقیناً اب تک اس پر ایک اور فردِ جرم عائد ہو چکی ہوتی۔

ویسے بھی جس وقت مہمان نے گھر میں قدم رکھا، خوش نصیب اس جلوس میں شامل نہیں تھی جو مہمان کے استقبال کے لئے دروازے تک گیا دوسرے چھت کا واحد کمرہ بھی اسی کے زیرِ استعمال تھا سو خود بخود یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ چپس کی پلیٹ والا خودکش حملہ خوش نصیب کی کارستانی ہے۔

یوں بھی اس طرح کی شرارتوں.. بلکہ تخریب کاریاں کہنا زیادہ مناسب رہے گا تو اس طرح کی تخریب کاریوں میں خوش نصیب اتنی شہرت حاصل کر چکی تھی کہ جب بھی ایسا کوئی کام ہوتا جس کا مجرم ثابت نہ ہو رہا ہوتا تو قرعہ فال خود بخود ہی خوش نصیب کے نام پر نکل آتی تھی۔ اب تو پھر بھی اس کا جرم کسی حد تک ثابت ہو رہا تھا۔

”ہاں بھئی.. یہ کیا تماشہ لگایا ہے آج؟“ شفیق چچا بالکل ہی مختلف تھے اس وقت اپنے زخمی ماتھے پر تیوریاں ڈالے بیٹھے تھے اور ان تیوریوں کو گننے کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں ان کی نصف بہتر.. یعنی فضیلہ چچی جن کے غالباً نام کی بدولت انہیں افضل تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ساتھ ان کی ساری آل اولاد بھی خوش نصیب کی درگت بنتے دیکھنے کے خیال سے وہیں موجود تھی۔ صیام کی تو کمینی مسکراہٹ ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ شاہجہان اپنی ہونق شکل کے ساتھ بھی معتبر تاثرات سجائے بیٹھا تھا تا کہ گھر کا بڑا بیٹا ہونے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے خوش نصیب کے کان کھینچ سکے۔

ہاں منہا ذرا سہمی بیٹھی تھی اور سب کے عقب میں کھڑے ہو کر اس نے باقاعدہ خوش نصیب کو اشارے بھی کیئے تھے کہ وہ ہر چیز سے صاف مکر جائے۔ لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو کسی کی بات مان لے۔

”تماشہ؟... آپ کا مہمان کیا بندر کا تماشہ بھی دکھاتا ہے؟“ مزے سے بولی۔ وہ دراصل ڈھٹائی کے اس دور میں داخل ہو چکی تھی جہاں کسی کے زبان سے نکلے ہوئے لفظ دل پر چاہے سو چرکے لگائیں۔ کسی کے سامنے دھیمہ پڑ جانا اس کی شان کے خلاف تھا۔

”اے لڑکی! زبان کو لگام دو۔“ فضیلہ چچی ڈپٹ کر بولیں۔ ”خبردار جو شامیر کے بارے میں ایک بھی غلط لفظ بولا۔“

”میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا... چچا نے خود ہی...“

”خبردار جو آگے ایک لفظ بھی کہا۔“ شفیق چچا جلال میں آ گئے۔

”یہ جو حرکت آج تم نے کی ہے... اس کی کوئی وضاحت ہے تمہارے پاس؟“

”میں نے کچھ نہیں کیا۔“

”اچھا.. تو چھت پر کیا آجکل کسی جن بھوت نے بسیرا کر لیا ہے جو ایسے پلیٹیں کھینچ کھینچ کر مارتا ہو؟“ وہ اور غصے سے بولے۔

”ارے.. توبہ ہے چچا!... پلیز اس طرح کی باتیں نہ کریں.. آپکو پتا بھی ہے مجھے ایسی باتوں سے کتنا ڈر لگتا ہے۔“

''لو اور سنو...'' فضیلہ چچی ٹھٹھا لگا کر بولیں۔'' سارے زمانے کو ڈرانے والی خود ڈرنے لگی...اللہ کی قدرت ہے۔''

خوش نصیب نے منہ بنا کر انہیں دیکھا۔کوئی جواب بھی دینا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی شفیق چچا غصے سے بولے۔

''تمہاری بدتمیزیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں خوش نصیب!...اگر یہ سب ایسے ہی چلتا رہا تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔'' مذاق ایک طرف لیکن ان کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کمرے سے باہر تک بھی جاتی۔

ماہ نور...ازلی بزدل...اس کا دل تو فوراً ہی کانپنے لگا۔

خوش نصیب اونچے لہجوں اور ایسی دھمکیوں کی عادی ہو چکی تھی ضرور پلٹ کر کوئی جواب دیتی اگر دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے شامیر کو نہ دیکھ چکی ہوتی۔

وہ نائیٹ سوٹ میں ملبوس تھا اور غالباً کسی کام سے اندر آ رہا تھا شفیق چچا کی دھاڑ سن کر چوکھٹ پر ہی رک گیا۔

لیکن خوش نصیب کی عزت افزائی جس انداز سے ہو رہی تھی وہ سن چکا تھا۔

خوش نصیب کا تو وہ حال ہوا جیسے بدن میں خون ہی نہ بچا ہو۔دل کا کڑھنا ایک طرف لیکن اگر وہ اپنے نام کے برعکس سیاہ بخت تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ہر کوئی فضل منزل میں اسکے رتبے سے آگاہ ہوتا۔

''ارے شامیر بیٹا!...'' فضیلہ چچی کی نظر بھی پڑ چکی تھی سو فوراً لہجہ بدل کر بولیں اور ساتھ ہی چپکے سے میاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

میاں بھی انہی کے تھے سو فوراً سمجھ گئے۔

''اب جاؤ...پھر بات کریں گے۔''

شامیر دروازے میں کھڑا تھا اور خوش نصیب کو وہیں سے گزر کر جانا تھا۔اس نے کہیں پڑھا تھا ناکامی یہ نہیں ہوتی کہ آپ اس ناکامی کے بوجھ سے اپنے کندھوں کو کتنا جھکا ہوا محسوس کرتے ہیں ناکامی یہ ہوتی ہے کہ ناکامی سے روشناس ہونے کے باوجود آپ کتنا سر اٹھا کر جینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

اور اس میں بلند حوصلے کی کمی نہیں تھی۔دل میں چاہے خود کو جتنا مرضی ناکام تصور کرے کوئی اور اسے ناکام سمجھے یہ اسے ہرگز منظور نہیں تھا۔لہٰذا دل ہی دل میں اس نے ایک گہری سانس لی۔تصور میں اپنا کندھا تھپتھپایا اور گردن اکڑا کر شامیر کے پاس سے باہر نکلتی چلی گئی۔

راج ہنس جیسی اٹھی ہوئی گردن اور اس پر سے اس کی شان بے نیازی۔

شامیر نے گردن موڑ کر اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

☆......☆......☆

معاویہ فلک بوس واپس آیا اور عجیب اضطراب کی کیفیت میں سارے فلک بوس میں پھرتا رہا۔

عجیب وحشت کے عالم میں اس نے فلک بوس میں آیو شمتی کو تلاش کیا۔اس آسیب کا پتا لگانے کی کوشش کی جس کا خوف اس کے

بھائی کو نگل گیا تھا۔ لیکن فلک بوس خالی تھا۔ وہاں خاموشی، اداسی اور وحشت کا عنصر ضرور تھا لیکن کسی بدروح کا کوئی وجود نہیں تھا۔

گو کہ معاویہ اس سے پہلے بھی جانتا تھا کہ آیوشمتی محض وسامہ کا واہمہ ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وسامہ کوئی نفسیاتی مریض بن چکا تھا۔

حالانکہ وہ جب تک زندہ رہا معاویہ خود اسے یقین دلاتا رہا کہ آیوشمتی اس کا ذہنی عارضہ ہو سکتی ہے حقیقت نہیں۔ لیکن اب اس کے گزر جانے کے بعد وہ خود ہی مخمصے میں پڑ گیا تھا۔

اس نے اپنے بھائی کا بے روح جسم دیکھا تھا۔

اس کے چہرے پر اس کے اپنے ہی ناخنوں کی کھرونچیں تھیں۔ جسم سے زندگی نکل جانے کے باوجود اس کے چہرے پر ڈر کی جو تحریر لکھی تھی اس سے نظریں چرانا ناممکن تھا۔

وہ بار بار سوچتا بار بار الجھتا۔ اسے اپنے سوالوں کے جواب چاہیئے تھے۔

وسامہ نے اگر خودکشی کی تو کیوں؟ اس کا دل یہ بات ماننے پر راضی نہیں ہو رہا تھا کہ محض کسی آسیب یا بدروح کے خوف نے اسے زندگی کی قید سے آزاد ہونے کی ترغیب دی ہو سکتی ہے۔

اور اگر اس نے خودکشی نہیں کی...تو؟...وہ کون تھا جس نے وسامہ کو اس حال تک پہنچا دیا؟۔

ایک بار پھر وہ تھک کر بیٹھا اور لاچار اور بے بس ہو کر بیٹھا رہ گیا۔

☆......☆......☆

''آ گئی ڈانٹ کھا کے؟...کبھی تو شرارت سے باز آ جایا کرو خوش نصیب!'' وہ جوں ہی کمرے میں داخل ہوئی روشن امی نے حسب معمول ناراضی سے کہا۔

خوش نصیب نے منہ بنا لیا۔

''آپ کو کیسے پتا میں ڈانٹ سن کر آئی ہوں؟''

''آج تک تم نے ایسا کوئی کام کیا ہے کہ اس گھر کے کسی فرد نے تمہیں شاباش دینے کے لئے بلایا ہو؟''

سوال میں جان تھی لیکن خوش نصیب ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

''میں نے کوئی شرارت نہیں کی۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' وہ اسی کی والدہ تھیں اور اس کی نس نس سے اچھی طرح واقف تھیں۔

خوش نصیب ایک اور گہری سانس بھر کر بولی۔ ''اگر ایک آپ مجھ پر بھروسہ کرنا شروع کر دیں. تو باقی ساری دنیا کو میں اپنی جوتی کی نوک پر رکھوں۔''

http://kitaabghar.com

''جیسے ابھی تم نے اپنی جوتی کی نوک پر نہیں رکھا ہوا ساری دنیا کو۔'' وہ اور طنز اور ناراضی سے بولیں۔

''اور یہ وہ کام ہے جو آپ ساری زندگی نہیں کرسکیں..دیکھ لیں ابھی تک کتنا ڈر ڈر کے زندگی گزارنا پڑ رہی ہے۔'' ترنت بولی۔

''بکومت اور اٹھ کر بستر ٹھیک کرو۔'' ڈپٹ کر بولیں۔خوش نصیب منہ بناتی ہوئی اٹھی اور بستر جھاڑنے لگی۔روشن آراء نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''یہ کیا حرکت کی تھی آج تم نے؟...کم سے کم مہمان کا تو خیال کیا ہوتا۔''

''جان بوجھ کر نہیں گرائی...غلطی سے پلیٹ گر گئی تھی۔'' وہ چڑ کر بولی۔''اور مہمان کا خیال میں کیوں کرتی؟...ہمارا مہمان ہے کیا؟''

''جب اکٹھے رہتے ہیں تو ہمارا تمہارا کچھ نہیں ہوتا...وہ مہمان ہے تو ہم اس کے میزبان...''

''یہ پرانے سبق آپ مجھے نہ پڑھایا کریں پلیز...بچپن سے یہی ساری باتیں سنتی بڑی ہوئی ہوں میں۔'' اس نے چادر جھاڑی تکیے صحیح جگہ پر رکھے اور پھر ماں کو دیکھ کر بولی۔''لیکن ایک بات آپ میری کہیں بھی لکھ کر رکھ لیں۔آج وہ پلیٹ غلطی سے گری تھی۔اگلی بار ایسا نہیں ہوگا۔''

روشن آراء ہکا بکا رہ گئیں۔

''میں جب تک اس مہمان کے بچے کو یہاں سے بھگا نہیں دیتی یا کم سے کم فضیلہ چچی کو مزہ نہیں چکھا دیتی سکون سے نہیں بیٹھونگی۔'' بہت سنجیدگی اور مستحکم لہجے میں وہ کہتی چلی گئی۔

وہ ہمیشہ سے منہ پھٹ رہی تھی۔وہ ہمیشہ سے بڑے بڑے دعوے کرنی کی عادی تھی لیکن اتنی بدلحاظ کبھی نہیں ہوئی تھی کہ یوں منہ بھر کر اپنے ارادوں کا ذکر ماں کے سامنے کردے۔

روشن آراء اس کے دیئے ہوئے شاک سے نکل کر ایک دم غصے میں آئیں اور انگلی اٹھا کر بولیں۔

''مہمان کو تو جب گھر سے نکالو گی سو نکالو گی...ابھی اپنا بستر اٹھاؤ اور کمرے سے باہر نکل جاؤ۔''

اب شاکڈ ہونے کی باری خوش نصیب کی تھی۔اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دریچے کی طرف دیکھا۔آسمان سے لپٹی ہوئی سیاہ رات دریچے سے اندر آنے کے لئے سر پیر مار رہی تھی۔خوش نصیب نے تھوک نگل کر خشک ہوتا حلق تر کیا۔اور بولی۔

''اس وقت کیوں نکال رہی ہیں؟..میں سوؤنگی کہاں؟''

''یہ اپنے ارادے باندھنے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔'' روشن آراء ناراضگی سے بولیں۔

''اتنی بڑی چھت ہے سونے کے لئے۔کہیں بھی بستر ڈال لینا اور تب تک کمرے میں واپس مت آنا جب تک یہ بدلہ لینے کا خناس تمہارے دماغ سے نکل نہ جائے۔''

''روشن امی!...'' وہ روہانسی ہو کر بولی تھی لیکن روشن امی اپنا فیصلہ بدلنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھیں۔

☆......☆......☆

فلک بوس وہ جگہ تھی جو وسامہ کو اپنے خوابوں کا مسکن لگتی تھی۔ وہ ہمیشہ وہاں مستقل رہنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ بشام کی دلکش وادی، فلک بوس کا سکون اس جیسے creative minded بندے کو بہت haunt (متوجہ) کرتی تھی۔

شادی کے بعد پہلی بار جب وہ آئے کت کو وہاں لے کر گیا تو آئے کت نے بھی ایسی ہی خواہش کا اظہار کر دیا۔ وسامہ کے لئے اس خواہش کو پورا کرنا ناممکن تھا۔ لیکن جب طالب ماموں نے اسے گھر سے نکالا تو معاویہ نے بڑی فیاضی سے اسے فلک بوس جا کر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ گو کہ معاویہ کے والد اردشیرازی اس بات کے خلاف تھے لیکن معاویہ نے ان کی ایک نہیں سنی تھی۔ اسے اپنے بھائی کی خوشی عزیز تھی سو اس نے یہ خوشی پوری کر کے چھوڑی تھی۔

بشام سے نکل کر وہ ماموں ممانی کے گھر ایبٹ آباد آ گیا۔ اس کا اور ان لوگوں کا غم ایک تھا۔ گو کہ وہ ذہنی اور جذباتی طور پر ان لوگوں سے قریب رہا تھا لیکن وسامہ کی موت کے بعد وہ ان لوگوں کے اور بھی قریب ہو گیا تھا۔ ان کے ساتھ رہتے ہوئے اسے سکون ملتا تھا۔ دراصل جب غم ایک ہو جاتا ہے تو اس غم کا بوجھ بھی تقسیم ہو جاتا ہے۔ سو معاویہ اپنا غم بانٹنے ایبٹ آباد آ گیا تھا۔

لیکن اس کے اس فیصلے سے اردشیرازی خوش نہیں تھے۔ انہوں نے فون پر اچھی خاصی ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

"تم یہاں رہ کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہو... تمہیں چاہیئے جلد از جلد واپس جاؤ اور اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔"

"مجھے وسامہ کے قتل کے کیس کی انکوائری کروانے دیں... میں واپس چلا جاؤں گا..." اس نے تحمل لیکن دوٹوک لہجے میں کہا۔ اسوقت وہ اردشیرازی سے ڈرتا تھا ابھی اتنا بہادر نہیں ہوا تھا کہ ہر بات کا جواب منہ پر دے سکتا۔ غم نے ویسے ہی لہجے کی ٹون ہلکی کر دی تھی۔

"وسامہ نے خودکشی کی ہے معاویہ! اور خودکشی کے کیس کی کیا انکوائری کرواؤ گے؟.. اس نے موت کو خود اپنے لئے پسند کیا۔" وہ بے حس لہجے میں بولے۔

معاویہ کو ان کے اس لہجے سے نفرت تھی لیکن وہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ اسطرح بات مت کریں۔ باپ سے سو شکوے لیکن ان کے آگے بولنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا وہ۔

"یہ سچ نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اسے قتل کیا گیا ہے... وہ الماری باہر سے بند کی گئی تھی۔"

"اگر ایسا ہے تو یہ کام ضرور اس کی بیوی نے ہی کیا ہوگا مجھے اس کا کردار کبھی قابل بھروسہ نہیں لگا۔" اردشیرازی نے سگار سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

"آئے کت پر الزام تراشی بند کریں۔"

"میں الزام نہیں لگا رہا..." وہ اطمینان سے بولے۔ "لیکن وہ جس طرح کے کردار اور بیک گراؤنڈ کی مالک ہے اس سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ جس کی کوئی پہچان نہیں جس کی کوئی بنیاد نہیں تھی... پہچان اسے وسامہ سے شادی کر کے مل گئی تھوڑا بہت پیسہ بھی مل گیا ہوگا

اب اپاہج شوہر کو رکھ کر اس نے کیا کرنا تھا۔‘‘

آ ئے کت کے بارے میں اس طرح بات مت کریں۔‘‘ وہ جھنجھلا کر بولا۔’’وسامہ نے اسے پسند کیا تو کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا..اور مجھے اس کی پسند پر فخر ہے۔‘‘

’’وہ کرپٹ لڑکی ہے معاویہ! تم سمجھتے کیوں نہیں؟‘‘

’’آپ مجھے نہ سمجھائیں..صرف اجازت دیں کہ میں فلک بوس میں انکوائری شروع کرواسکوں‘‘

’’تم جانتے ہو میں فلک بوس کو بیچنا چاہتا ہوں۔اور ایسی باتیں اس کی ساکھ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔‘‘

’’میرا بھائی چلا گیا..اور آپ کو اپنی اور فلک بوس کی ساکھ کی پڑی ہوئی ہے۔‘‘اس نے صدمے سے کہا۔

’’دیکھو معاویہ!‘‘ وہ تحمل سے بولے۔’’جس دور میں ہم جی رہے ہیں یہاں سگے رشتوں کی اہمیت آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے وہاں ان سیکنڈ ریلیشنز کو تم کتنی اہمیت دلواسکو گے۔‘‘

’’یہ بات آپ جیسا خود غرض انسان نہیں کہے گا تو کون کہے گا...‘‘اس نے تلخی سے دل میں سوچا اور بولا۔’’بابا پلیز...‘‘

’’معاویہ! مجھ سے بحث مت کرو..‘‘ وہ اب کڑک کر بولے۔معاویہ اگلا ایک جملہ نہیں بول سکا۔وسامہ کے قتل کیس کی انکوائری کروانے کے سلسلے میں اس کی آخری امید بھی دم توڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح خوش نصیب کا منہ خوب سوجا ہوا تھا۔

پتا نہیں روشن امی اتنی ظالم کیوں تھیں۔ہر وہ کام جو خوش نصیب پورے جی جان سے کرنا چاہتی اسی کے راستے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی کر دیتی تھیں۔

ناراض ناراض سی وہ ساری فضل منزل میں گھومتی رہی یہاں تک کہ اس احاطے میں پہنچی جہاں شامیر کی کالی ’’اوڈی‘‘ پارک کی گئی تھی۔

ہائے....ساری ہی ناراضگی اڑن چھو ہوگئی۔نرم پوروں سے اس نے اس کالے مخمل کو چھوا اور شیشے سے اندر جھانک کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ان آرام دہ اور نرم گرم سیٹوں پر بیٹھ کر کیسا لگتا ہوگا۔

تصور کی آنکھ سے اس نے خود کو گاڑی کی سیٹ پر کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ سیاہ گاگلز لگائے ایک شان اور اسٹائل سے گردن اکڑا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔یہ ایسا سہانہ اور دلفریب منظر تھا کہ وہ اس منظر کی خوبصورتی میں غرق ہونے لگی۔

ایک تو تصور ایسا اوپر سے دور کسی اونچے چبارے کی کھڑی میں رکھا ریڈیو گیت سنانے لگا۔

’’آج پھر جینے کی تمنا ہے...

آج پھر مرنے کا ارادہ ہے...‘‘

ایک ہاتھ گاڑی پر رکھے وہ آنکھیں بند کیے جھومنے کا ارادہ کر رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ گاڑی کے دوسری طرف برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا شامیر اسے دیکھ چکا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی سمجھ میں نہ آنے والی حرکتوں کو اب بڑی دلچسپی سے دیکھتا چلا جا رہا ہے۔ ایک ہاتھ میں تہہ کیا ہوا اخبار پکڑے اور دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی مسکراتے ہوئے لبوں پر سجائے وہ بڑے شوق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

خوش نصیب آنکھیں بند کیے گاڑی پر ہاتھ پھیرتی پورا چکر لگا کر جب عین اس کے سامنے پہنچی تو غالباً نظر کے ارتکاز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ جوں ہی آنکھ کھلی سامنے شامیر کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

وہ جو خیالوں ہی خیالوں میں اوڈی کی ٹیسٹ ڈرائیو کے مزے لے رہی تھی یوں حواس میں آتے ہی بدکی کہ پہلے کچھ کم ہونق لگ رہی تھی جو گڑبڑاہٹ میں ہونق پن کی چوٹیوں کو ہی چھو گئی۔ منظر سے غائب ہو جانے کے خیال سے وہ تیزی سے مڑی تھی لیکن اس سے بھی پہلے شامیر نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے اسے مخاطب کر لیا۔

''گڈ مارننگ۔''

''ہائے ہائے...کہاں کی گڈ مارننگ..بھاڑ میں جھونکو ایسی گڈ مارننگ...یہ کہاں سے آگیا...وہ بھی سویرے سویرے۔'' حواس باختہ ہو کر منہ ہی منہ میں بدبدائی۔

''آپ نے کچھ کہا؟...میں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''نہیں نہیں...بالکل نہیں...ہرگز نہیں۔'' جلدی سے بولی۔ ''اور آپکی تعریف؟...میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' بنا اس کی طرف دیکھے بولی۔ بڑی زبردست کوشش کر رہی تھی کہ اس کا حواس باختہ پن شامیر دیکھ نہ پائے۔

اس سوال پر شامیر کی پیشانی پر استعجاب سے بل پڑ گئے اور آنکھوں میں حیرانی اور بے یقینی نظر آنے لگی۔

''کیا سچ؟...لیکن میں تو آپ کو پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔''

''ظاہر ہے...میں ہوں ہی اتنی خوبصورت...کوئی مجھے بھول ہی نہیں سکتا۔'' خوش فہمی جسے وہ خوش شناسی گردانتی تھی اس میں بدتمیزی کی حد تک بھری ہوئی تھی گردن اکڑا کر بولی۔

شامیر اس کے جملے سے اتنا لطف اندوز ہوا کہ اپنی بے ساختہ امنڈتی مسکراہٹ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

''میری تو مسیحا ہیں آپ..راہبر...بھٹک جاتا اگر جو آپ نے راہ نمائی نہ کی ہوتی...یقین کیجئے آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا میں۔'' اتنا شکر گزار لہجہ تھا کہ خوش نصیب پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

وہ خلوص سے بول رہا تھا لیکن خوش نصیب نے پر سوچ انداز میں ماتھے پر تیوریاں ڈال کر اسے دیکھا۔

''اگر فضل منزل ہی آنا تھا تو اتنے دن سے گلیوں میں گھومتے کیوں پھر رہے تھے؟'' بڑا تھانیدارنی والا انداز تھا۔

شامیر محظوظ ہوا اور اخبار سمیت بازو سینے پر باندھتے ہوئے بولا۔

''ایک ضروری کام سے آتا تھا لیکن آج پتا چلا... کشش کچھ اور تھی۔''

خوش نصیب کچھ سمجھی کچھ نہیں۔ ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ وہ لمبا تھا اور بیحد وجیہہ۔ اوپر سے مسکراتا بھی دھیمہ دھیمہ تھا۔

ابھی وہ کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچی تھی کہ صیام وہاں آ گئی۔ شامیر اور خوش نصیب کو آمنے سامنے کھڑے دیکھ کر منہ بنایا لیکن امی کی خاص تاکید یاد آ گئی۔ یہی کہ شامیر کے سامنے نرم لہجے میں بات کرنی ہے۔ دراصل نرم لہجہ وہ تیر ہوتا ہے جس سے مرد کا دل سب سے پہلے گھائل ہوتا ہے۔ اور فضیلہ چچی ایسے تمام تیروں سے واقف تھیں جو مرد کے دل پر سیدھا وار کرتے ہیں۔ صیام انہی کی تو بیٹی تھی۔ سو اس نے ساری ناگواری کو ڈالا دل کے اس کونے میں جہاں سے بوقت ضرورت اسے نکالا جا سکتا تھا۔ اور دماغ کی بات کو مانتے ہوئے مسکرا کر شامیر سے بولی۔

''آیئے شامیر! ناشتہ تیار ہے۔''

شامیر مسکرا کر آگے بڑھا پھر رک کر خوش نصیب سے بولا۔

''تشریف لایئے۔''

''جی نہیں... شکریہ... میں ناشتہ کر چکی ہوں۔'' روکھا سا انداز تھا اُس کا۔

''ٹیبل پر ہمارا ساتھ دیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔'' وہ بھرپور مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ بڑی جان لیوا تھی۔

''آپ کو خوش کرنے کے لئے ٹیبل پر اور بہت سے لوگ موجود ہونگے.. میری طرف سے معذرت قبول کیجئے۔'' یکا یک وہ ایک الگ ہی خوش نصیب بن گئی۔ اس خوش نصیب سے وہ خود واقف تھی یا کیف۔ جو اس وقت یہاں موجود ہوتا تو ضرور چونک جاتا۔

شامیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ پرسوچ، چچی تلی مسکراہٹ۔ لیکن اس نے اپنی نظریں خوش نصیب کے چہرے سے ہرگز نہ ہٹائیں۔ ایسے جیسے کسی کھوج میں ہو۔

پھر وہ بھرپور مسکرایا سر کو ذرا سا خم کیا اور مسکراہٹ کی اشرفیاں خوش نصیب پر لٹاتا صیام کے ساتھ چلا گیا۔

سچ تو یہ ہے لڑکیوں کے لئے ایسے لڑکے بڑے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں جو دھیمہ دھیمہ مسکرا کر دیکھیں۔ جنہیں ذومعنی جملے بولنے میں ملکہ حاصل ہو۔ آنکھوں سے سب کچھ کہہ جائیں اور لبوں سے ایک واضح جملہ تک کہنے کے روادار نہ ہوں۔ لیکن.... لیکن ابھی خوش نصیب اس ادراک سے کوسوں دور تھی۔ اور گمان کے کسی اور ہی دیس میں تھی۔

☆......☆......☆

کیف واپس اسلام آباد جا رہا تھا۔ اوپر آیا تا کہ نانی خالہ کو خدا حافظ کہہ سکے۔

پرانی طرز کا تنگ سا زینہ چڑھ کر جوں ہی چھت کا دروازہ عبور کیا تیز چمکتی دھوپ نے آنکھیں چندھیا دیں۔ اس نے بے ساختہ آنکھوں کے آگے ہتھیلی کا چھجا سا بنا لیا۔ زینے سے آگے بھی کوئی تیس قدم دور کمرہ تھا۔ وہاں تک جاتے وہ پسینے میں نہا گیا تو اور بھی دل میں

http://kitaabghar.com

شرمندہ ہوا۔سارا خاندان ہی ان لوگوں کے بارے میں بے حس بن چکا تھا۔اپنے اپنے کمروں میں اسپلٹ اے سی کی کولنگ میں بیٹھے اس سال پڑنے والی گرمی پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے ہوئے کسی کو بھی رتی بھر بھی احساس نہیں ہوا ہوگا کہ کتنے لوگ اوپر اس تندور میں سلگ رہے ہیں۔اس کا دل اور بھی شرمندگی سے بھر گیا۔غصہ آیا سو الگ۔بندہ بے حس خاندان میں پیدا ہو تو سینے میں احساس مند دل لیکر ہرگز پیدا نہ ہو۔زندگی مشکل ہو جاتی ہے یار!

اس نے سوچا۔اور ماتھے سے بہتے پسینے کے ساتھ وہ ملال بھی پونچھ ڈالا جو اس وقت اسے بڑی شدت سے محسوس ہو رہا تھا۔

دستک دے کر اندر آیا۔

خوش نصیب نانی کے پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی اور گردن موڑ کر دروازے پر دستک دینے والے کو دیکھ رہی تھی،ماتھے پر ذرا سی جھلاہٹ کی شکنیں تھیں،کیف کو دیکھ کر بولی۔

''تم اس وقت؟...خیریت؟''

''میں جا رہا ہوں۔۔خدا حافظ نانی خالہ!''

وہ آگے بڑھا۔اور نانی کا بوڑھا ہاتھ نرمی سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔

ضعیف نانی خالہ دعائیں دینے لگیں۔ان کی زبان تو اب صاف نہ رہی تھی لیکن جذبہ جوں کا توں تھا۔کانوں سے کم سنائی دیتا تھا لیکن جس عمر میں وہ تھیں وہاں لفظوں سے زیادہ تیور کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

خوش نصیب نے دیکھا کیف کا انداز سادہ تھا مگر جملے کی بنت اور لہجے کا اتار چڑھاؤ بتاتا تھا اس کا دل بوجھل ہے۔

کیف کان لگا کر نانی کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لو...ایسا ہو سکتا تھا بھلا؟...ایسا پہلے کبھی ہوا ہے کہ آپ سے ملے بغیر چلا جاؤں؟...''وہ مسکرا رہا تھا اور نانی کو بچوں کی طرح بہلا رہا تھا۔ایسے مسکراتا ہوا وہ ہمیشہ ہی اچھا لگتا تھا۔

''نانی خالہ! آپ نے میرے لئے بہت سی دعائیں کرنی ہیں اور ہاں کھانا بھی ضرور کھانا ہے...میں فون کر کے پوچھونگا...''

وہ واقعی ان سے بچوں کی طرح باتیں کر رہا تھا۔خوش نصیب پتا نہیں کیوں لیکن تھوڑی کے نیچے بند مٹھی جما کر اسے دیکھتی گئی۔اور جب وہ نانی کو الوداع کہہ کر پلٹا تو ترنت بولی۔

''محاذ پر جا رہے ہو کیا؟..اور منہ تو ایسے لٹکا رکھا ہے جیسے کبھی واپس ہی نہیں آؤ گے....دعا کرنا میرے لئے۔''اس کی نقل اتار کر سر جھٹکا۔

''میری بات لکھ کر رکھ لو کیف! کوئی لڑکی کبھی تم پر عاشق نہیں ہو سکتی۔''اس نے وثوق سے کہا۔''لڑکیاں کبھی ایسے لڑکوں کو پسند نہیں کرتیں جو ذرا ذرا سی بات پر اداس ہو جاتے ہوں..اور چھپکلی مارتے ہوئے جن کی جان نکلتی ہو۔''

"مجھ پر عاشق ہونے والی لڑکیوں کی تعداد اگر کبھی گنوانے لگا ناں..تو تمہاری گنتی ختم ہو جائے گی لڑکیاں ختم نہیں ہونگی۔" اکڑ کر بولا۔

"ائے ہائے...رہتے نہیں تم..کہیں کے حسن کے دیوتا۔" ناک چڑھا کر بولی۔

"حسن کا نہیں وجاہت کا دیوتا۔" اس نے فوری طور پر تصیح کروائی۔ ""حسن کا لفظ لڑکیوں کے لئے مناسب لگتا ہے۔"

"بات تو ایک ہی ہے.."

"کیا مطلب؟"

"تم بھی تو لڑکیوں جیسے لڑکے ہو۔" مزے سے بولی۔

"بکومت۔" وہ بھڑک اٹھا۔ محبت اپنی جگہ اہم صحیح لیکن یہ مردانگی پر حرف برداشت سے باہر تھا۔

"ارے اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟...سینے میں لڑکیوں جیسا نرم دل لیکر گھوم رہے ہو۔ ہاسٹل جاتے ہوئے ایسے اداس ہوتے ہو کہ کیا ہی کوئی لڑکی میکے سے سسرال جاتے ہوئے منہ لٹکاتی ہوگی..اگر میں نے حسین کہہ دیا تو کونسی قیامت آ گئی۔" خوش نصیب نے جلدی سے کہا۔

کیف کا غصہ ذرا کم ہوا۔ بات درست تھی اس کی لیکن اب اتنی بھی نہیں۔

"ایک تو مجھے آج تک اس معیار کی سمجھ نہیں آئی جس پر لڑکا اور لڑکی کے جذبات کو پرکھا جاتا ہے.." مدلل انداز میں بولا۔

"لڑکا اگر روئے تو اس پر لڑکی ہونے کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ اداس ہو تو یہی بات..بھئی کیوں؟...کیا لڑکوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا، کیا اللہ نے انہیں بناتے ہوئے شرط رکھی تھی کہ سارے آنسو لڑکیاں ہی بہائیں گی...ہم روئے تو زلزلہ آ جائے گا..ہم اداس ہو گئے تو سونامی آ جانے کا خطرہ بڑھ جائے گا؟..."

"خیر یہ تو نہیں کہا میں نے..." ذرا سا رخ موڑتے ہوئے بولی۔ "لیکن مرد کو مضبوط اعصاب کا مالک ہونا چاہیئے ہر بڑی سے بڑی بات کر ہنس کر سہہ جائے..یہ نہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اُداس شکل بنا لے.." سوچ سوچ کر بول رہی ہے جیسے اپنے خیالات میں مزید اضافہ کرنے کی خواہشمند ہو لیکن سمجھ نہ پا رہی ہو اور کن نقاط کا اضافہ کرے۔

"رہنے دو نصیبن!..تمہارے خیالات کے حساب سے مردانگی کو جانچا جانے لگا تو عنقریب تم کہو گی..لڑکوں کو چھپکلی اور لال بیگ بھی جیب میں رکھ کر گھومنا چاہیئے۔ تا کہ وہ سب پر ثابت کر سکیں انہیں کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔" کڑھ کر بولا تھا۔

"اور تم میں اتنا حوصلہ کہاں؟....مجھے آج بھی یاد ہے کیسے ایک بار بچپن میں تم چوہا دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔" مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

"پہلی بات تو یہ کہ اس وقت میں صرف چھ سال کا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ چوہا تھا بھی تو ایک بڑی بلی کے سائز کا۔" وہ اپنی بات پر قائم تھا۔ "تم جیسی لومڑی سے ساری زندگی سر کھپانے کا ارادہ کئے بیٹھا ہوں...اس سے زیادہ حوصلہ مندی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

خوش نصیب نے ایسے سر جھٹکا جیسے مکھی اڑا رہی ہو۔ کیف مسکرایا ایسے ہی جیسے وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ یعنی شرارت سے، ذومعنی انداز میں اور خوش نصیب کو ایسے ہی دیکھا جیسے ہمیشہ دیکھتا تھا۔

یعنی محبت سے، چاہ سے، لگن سے۔

''اور جہاں تک یہاں سے جاتے ہوئے اداس ہونے کی بات ہے... یہ دل والوں کی رمزیں ہیں.. تم نہیں سمجھو گی۔'' اس نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

''ہمیں ایسا دل چاہیئے بھی نہیں.. جو ذرا ذرا سی باتوں پر منہ لٹکانے پر مجبور کر دے۔'' سر جھکا کر نانی کے لئے اگلا لقمہ بناتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا تھا۔

''میری ایک بات لکھ کر رکھ لو نصیبن! اپنی ان ساری بڑی بڑی باتوں پر تم ایک دن ضرور پچھتاؤ گی۔'' اس نے چڑ کر کہا تھا۔

اور خوش نصیب ہمیشہ ہی اس نام پر چڑ جاتی تھی ابھی بھی دانت کچکچا کر بولی۔

''پچھتائیں میرے دشمن!''

''جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تو ضرور ہوگی اور اتفاق سے ان ایک ہزار میں سے تین چوتھائی تو اسی گھر میں موجود ہیں۔'' وہ دوبدو بول رہا تھا۔

''وہ شائد قیامت کا دن ہی ہوگا جب تمہیں یقین آ جائے گا کہ اس گھر میں کوئی بھی تمہارا دشمن نہیں ہے۔''

''کم سے کم اب تو یہ بات مت کہو...'' خوش نصیب نے سنجیدگی اور جلدی سے کہا۔ ''جبکہ خود دیکھ بھی چکے ہو ایک معمولی کمرے کے لئے کیسے ہماری حیثیت کو رد کیا گیا ہے۔''

یہ صاف طنز تھا۔ کیف چپ سا رہ گیا۔ پھر بولا۔

''وہ بے حسی ہو سکتی ہے دشمنی ہرگز نہیں۔''

''مجھے لفظوں کے ہیر پھیر میں مت الجھایا کرو کیف! تمہیں پتا ہے میں سادہ سی انسان ہوں... گھماؤ پھراؤ والی باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں۔''

یہ ایسی عاجزی کا اظہار تھا کہ کیف اپنا بے ساختہ قہقہہ روک ہی نہیں سکا۔

خوش نصیب کی پیشانی پر بل پڑ گئے اس نے کھا جانے والی نظروں سے کیف کو گھورا اور انگلی اٹھا کر بولی۔

''نکلو یہاں سے۔''

''جا رہا ہوں.. جا رہا ہوں۔'' وہ ہنس ہنس کر آنکھوں میں آیا پانی پونچھتے ہوئے بولا۔

''کہنے صرف یہ آیا تھا کہ اب جا رہا ہوں تو جلدی واپس نہیں آؤں گا۔۔.. زیادہ یاد نہ کرنا مجھے۔'' آنکھوں میں شرارت اور لبوں پر

دل جلانے والی مسکراہٹ سجا کر بولا۔

خوش نصیب کھول اٹھی۔

"ایسے بھی بُرے دن نہیں آئے میرے..کہ تمہیں یاد کروں۔"

"ظاہر ہے...جس کا خیال ہر وقت دل و دماغ میں رہتا ہو اسے یاد کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے.... ہاہاہاہا.."اس نے قہقہ لگایا۔

"اچھا سنو.." پھر جاتے جاتے پلٹا۔لیکن بات کرتے کرتے مخمصے میں پڑ گیا کہ کہے یا نہیں۔

خوش نصیب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔"اب بول بھی چکو.."

"وہ جو...فضیلہ چچی کا مہمان ہے..."

"ارے ہاں...تم نے دیکھا کیف!" اسے ایک دم سے یاد آیا۔"یہ تو وہی ہے...مخمل کی گاڑی والا...جسے راستہ بتایا تھا۔"

"یاد ہے مجھے.." ناک چڑھا کر بولا۔"یار! بات یہ ہے کہ..." وہ جو سوچ رہا تھا کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا پہیلیاں ڈال رہے ہو...اب بول بھی دو۔"

"نہیں کچھ نہیں..." اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ خاموش رہنا ہی مناسب رہے گا۔"تم اپنا خیال رکھنا...چلتا ہوں۔" باہر نکل گیا۔

"لو اور سنو...اپنا خیال رکھنا تو ایسے کہہ کر گیا ہے جیسے میں مٹی کھاتی ہوئی پکڑی گئی ہوں...یہ کیف بھی ناں۔چوّل ہی ہے۔"

وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

جس وقت فریحہ فضل منزل میں داخل ہوئی۔صیام خوب بن ٹھن کر شامیر کی گاڑی کے پاس کھڑی مختلف پوز بنا بنا کر تصویریں کھنچوا رہی تھی۔کبھی بونٹ پر ہاتھ رکھتی کبھی دروازے سے ٹیک لگا لیتی۔کبھی گاڑی کی چھت پر ایک ہاتھ ٹکا کر دوسرا ہاتھ ہونٹوں پر رکھتی اور آسمان کی طرف ایسے آنکھیں پھیلا کر دیکھتی جیسے کوئی اڑن طشتری نظر آ گئی ہو۔اور تو اور ایک دو بار اس نے ہوا کو بوسہ دینے والا منہ بھی بنایا۔اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے ایسا کرتے ہوئے اس کا چہرہ آم کی سوکھی گٹھلی جیسا دکھائی دینے لگا تھا۔

سونے پر سہاگہ تصویریں کھینچنے کے لئے جس ماہر فوٹو گرافر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں انہیں باقی سارا گھر پیار سے اور خوش نصیب غصے سے طوطا بھائی کہتی تھی۔فریحہ کے دیکھتے ہی دیکھتے طوطے بھائی نے صیام کو تصویر کھنچوانے کے ایسے ایسے اسٹائل بنا کر دکھائے کہ بیچاری فریحہ پریشان ہی ہو گئی۔

وہ تو شکر ہے اسی وقت خوش نصیب آ گئی اور چونکہ اس کے لئے صیام اور طوطے بھائی کی یہ ایکٹوٹی کوئی نئی بات نہیں تھی سو ذرا بھی اہمیت نہ دی الٹا فریحہ کی پریشان شکل دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

فریحہ جواب تک طوطے بھائی اور صیام کو دیکھ کر اب پریشانی اور حیرانی سے فوت ہونے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ بڑی مشکل سے خوش نصیب کو ایک نظر دیکھ کو بولی۔

"مجھے چھوڑو... انہیں دیکھو... انہیں کیا ہوا ہے۔" آواز دبا کر اس نے طوطے بھائی کی طرف اشارہ کیا جواب صیام کو ایک نیا اسٹائل سمجھا رہے تھے۔ ذرا سا ترچھا کھڑا ہو کر دونوں بازو دور تک پھیلا لئے تھے اور ایک پاؤں کو ذرا سا اوپر اٹھا لیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا ابھی کے ابھی مغرب کی طرف اڑان بھر لیں گے۔ لیکن چہرے کے تاثرات تکلیف سے بھرپور تھے۔ کوئی بہت ہی عجیب و غریب کنٹراسٹ بن گیا تھا۔

"انہیں کیا ہوا ہے؟... اچھے بھلے تو ہیں۔" خوش نصیب طوطے بھائی کو دیکھ کر لاپروائی سے بولی۔

"تم مانو نہ مانو... انہیں مرگی کا دورہ پڑنے والا ہے.. جلدی کسی کو بلاؤ انہیں ہاسپٹل لیکر جائے۔" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"تم فکر نہ کرو.. ان کی شکل بائے ڈیفالٹ ایسی ہے۔" اس نے اتنے آرام سے کہا تھا کہ فریحہ کو ہنسی آ گئی۔

"میں سمجھتی تھی اس گھر میں صرف تم نمونہ ہو... لیکن ان دونوں نے تو تمہیں بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔"

"جی ہاں... نمونوں میں ہمارا خاندان خود کفیل ہے.." بڑے فخر سے بولی۔

فریحہ اس کی بات پر ہنسی اسی وقت اندر سے شامیر نکلا۔ اسے دیکھتے ہی خوش نصیب نے سنجیدہ سی شکل (بقول فریحہ پکی شکل) بنا لی۔ لیکن شامیر نے اپنی ملین ڈالر سمائل بے دریغ سب پر لٹائی اور صیام کے پاس جا کر اس کا سمارٹ فون ہاتھ میں لیکر ایک بہترین سی سیلفی کھینچنے لگا۔

خوش نصیب کو نجانے کیوں بہت ہی برا لگا۔ اس نے فریحہ کا ہاتھ پکڑا اور فضل منزل سے باہر نکل آئی۔

"کیوں ایسے کھینچ رہی ہو مجھے؟..." اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی فریحہ جھنجلا کر بولی۔

"اللہ کی مہربانی سے اگر تمہارے گھر میں کوئی اچھی شکل وصورت کا نوجوان نظر آ ہی گیا ہے تو مجھے جی بھر کے دیکھ تو لینے دو... ویسے بھی اماں کو میری شادی کی بڑی فکر ہے.. کہہ رہی تھیں کوئی اچھا لڑکا مل جائے ثمرین کے ساتھ ہی مجھے بھی رخصت کر دیں گی۔" وہ بڑا الجھا کر بتا رہی تھی۔

"ثمرین کے ساتھ ہی کیوں؟... اس کے نخریلے سسرال والوں کے لئے کوئی بچت پیکج نکالا ہے کیا تمہاری اماں نے... کہ ایک بیٹی لیں گے تو دوسری ساتھ میں مفت ملے گی؟"

فریحہ نے بدمزہ ہو کر اسے ایک زوردار دھپ رسید کی تھی۔ لیکن وہ خوش نصیب تھی ایک آدھ ہاتھ نے اس کا کیا بگاڑ لینا تھا۔ کندھا سہلاتے ہوئے بولی۔

"اور شامیر کی طرف تو دیکھنا بھی مت... خیر سے ہمارے اپنے گھر میں ہی اتنی لڑکیاں ہیں کہ پرچیاں ڈالی جا سکتی ہیں.." وہ خوش نصیب تھی اس نے ثابت کیا۔

"تم نے کیف کی مرتبہ بھی یہی کہا تھا۔" فریحہ نے بدمزہ ہو کر یاد دلایا۔

"ہاں تو کیوں نہ کہتی؟... سب کہتے ہیں ہیرا ہے وہ ہمارے خاندان کا۔" جلدی سے بولی۔ "، مجھے یقین ہے جب کیف کی شادی کی باری آئے گی تو صباحت تائی جان سچ مچ پرچیاں ڈالیں گی لڑکیوں کے ناموں کی۔... ظاہر ہے بھئی۔ اپنے جگر کے ٹوٹے کے لئے وہ کوئی عام لڑکی تو لائیں گی نہیں۔" لاپروائی سے بول رہی تھی۔

"فریحہ! تم ایسا کرو...." ایک دم کوئی خیال آیا تو جوش سے بولی۔ "تم ایسا کرو۔ تم طوطا بھائی لے لو... ان سے شادی کرنے پر کوئی لڑکی تیار نہیں ہوتی... تم راضی ہو جاؤ۔ اللہ ثواب بھی دے گا۔"

"یہ ثواب تم کیوں نہیں کما لیتی۔" اس کی جان جل کر خاک ہو گئی تھی۔

"میں تو راضی ہو بھی جاؤں... طوطے بھائی کو کون راضی کرے گا.. وہ تو میری شکل دیکھتے ہی سہم جاتے ہیں۔" خوب ٹھٹھا لگا کر ہنسی تھی کیونکہ اپنی کارکردگی سے اچھی طرح واقف تھی۔

فریحہ مسکرانے لگی پھر بولی۔ "اچھا چھوڑو ساری باتیں... یہ لڑکا کون تھا؟"

"فضیلہ چچی کا کوئی دور پار کا رشتہ دار ہے..." وہ گلی میں چلتے ہوئے بات کر رہی تھیں۔ اندرون شہر کی چھوٹی لیکن صاف ستھری گلیاں۔

"آسٹریلیا سے آیا ہے۔ سکھ چین میں اپنا گھر بنوا رہا ہے.. گھر بن جائے گا تو اپنی فیملی کو بھی یہیں بلوا لے گا.. اور جب تک گھر بن نہیں جاتا یہیں رہے گا۔" ادھر ادھر سے جتنی معلومات اکٹھی ہو سکی تھیں۔ وہ بتاتی چلی گئی۔

"شادی شدہ ہے؟" فریحہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ خوش نصیب نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تمہیں کیا فکر ہے؟"

"بتا دو گی تو کونسی قیامت آجائے گی۔" فریحہ چڑ کر بولی۔ "مجھے تو لگتا ہے خوش نصیب تمہاری خود اپنی نظر ہے۔"

"بکومت... کسی نے سن لیا تو میری اور بھی شامت آجائے گی... اور سب سے پہلے تو فضیلہ چچی میری آنکھیں ہی باہر نکالیں گی۔"

"تم عجیب ہو خوش نصیب! کبھی ذرا ذرا سی بات کی فکر میں ہلکان ہوئی پھرتی ہو... اور کبھی بڑی سے بڑی بات کو بھی اہمیت نہیں دیتی۔"

"اور اسکے بعد جو روشن امی مجھے سزا دیتی ہیں۔" چڑ کر بولی۔

"کل بھی مجھے چھت پر سونا پڑا۔" بڑا دکھی منہ بنا کر کہا۔

"نہ کر..." فریحہ کو بڑی گدگدی ہوئی۔ "کیا واقعی؟"

"اور نہیں تو کیا..." جل کر بولی اور ساری داستان فریحہ کے گوش گزار کر دی۔

فریحہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

http://kitaabghar.com

"خود کو بڑا اپھنے خان سمجھتی ہو.. لیکن بستی (بے عزتی) تمہاری ہر بار ٹکا کر ہوتی ہے۔"

"فریحہ کی بچی! آستین کا سانپ... کیسے مزے آرہے ہیں تمہیں.. دانت اندر کرو ورنہ یاد رکھنا اگلی بار تمہیں تمہاری اماں کے عتاب سے ہرگز نہیں بچاؤ نگی۔"

"اچھا... اچھا.. میں نہیں ہنستی.... ناراض کیوں ہوتی ہو۔" اس نے بمشکل ہنسی قابو کی اسی وقت اسے ایک پتے کی بات یاد آئی تو جوش سے بولی۔

"ارے... تو یہ ہے وہ شامیر.. جس کے نظر آنے پر تم نے باباجی کے پاس حاضری دینے جانا تھا؟"

"ہاں... یہی ہے وہ شامیر۔"

"لیکن یہ انگلش فلموں کا ہیرو تو نہیں لگتا۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"اچھا تو پھر؟"

"یہ تو حمزہ علی عباسی لگتا ہے۔" اس نے مشہور زمانہ ٹی وی آرٹسٹ کا نام لیا تھا۔

"جانے دو..." خوش نصیب نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "وہ تو تمہیں اس سے محبت بہت ہے اسی لئے ہر طرف وہ اداکار ہی نظر آتا ہے۔"

"ہائے.... حمزہ... میری پہلی محبت۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبی "ہائے" کی تھی۔

"ویسے اس کا مطلب میرا اندازہ بالکل صحیح تھا۔"

"کونسا اندازہ؟"

"یہی کہ تمہاری اپنی نظر ہے شامیر پر۔"

"کیا بکتی ہو۔" جھلا کر بولی۔ "اتنی چھوٹی چھوٹی تو گلیاں ہیں یہاں کی۔ ایسے ہی بس راہ چلتے ملاقات ہوگئی تھی..."

"اور راہ چلتے ان ملاقاتوں میں معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اسے بار بار دیکھنے کی خواہش کرنا شروع کر دی تم نے۔" فریحہ آنکھیں نچا کر بولی تھی۔

"توبہ ہے فریحہ!.. تمہیں کوئی بات سمجھانے سے بہتر ہے بندہ دیوار سے سر مار لے.... اس سے زیادہ آسانی سے تو طوطے بھائی کو بات سمجھ آجاتی ہے.... اوبھئی کوئی خاص بات نہیں تھی.. بس ویسے ہی کہہ دیا تھا میں نے۔"

"ہوں... لیکن اب جو بھی ہے باباجی کی بات تو ماننا ہی پڑے گی...." اس نے جانچتی نظروں سے خوش نصیب کو دیکھا۔ "چلو پھر دربار پہ حاضری دے آتے ہیں۔"

"حاضری کس خوشی میں؟"

"یاد نہیں باباجی نے تمہیں بلوایا تھا اور تم نے کہا تھا شامیر نظر آگیا تو ضرور جاؤ گی۔"

http://kitaabghar.com

"ایسے ہی مذاق میں کہہ دیا ہوگا.."

"خوش نصیب ! پاگل پن مت کرو.. تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی۔ یہ جولڑکا ہے شامیر۔ یہ ایسے اچانک سے تمہارے گھر رہنے کیوں آ گیا ہے؟... یہ آیا نہیں ہے اسے دراصل بھیجا گیا ہے۔"

"کیا مطلب!" وہ حیران ہوئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں.. اگر خود بابا جی سے ملنے نہیں جاؤ گی تو وہ تمہیں اپنے طریقے سے بلوا لیں گے... دیکھو لو بلوانے کا انتظام تو کر ہی لیا ہے انہوں۔ ورنہ یہ وہی شامیر ہے جو اب تک انہی گلیوں میں بھٹکتا پھرتا تھا... اور کبھی اس نے تمہارے گھر کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا..." جھلی فریحہ قابل غور نقطہ بیان کرتی چلی گئی۔

اور خوش نصیب ...وہ بالکل چپ چاپ ہوگئی تھی۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امائیہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اِک فسوں تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

''تم مانو یا نہ مانو یہ سب باباجی کی کرامات کا نتیجہ ہے... مجھے پتا ہے تم اور تمہاری روشن امی پیروں فقیروں کو نہیں مانتے لیکن ہمارے خاندان میں کئی سالوں سے پیروں فقیروں کی قدر کی جاتی ہے۔ ہم انہیں اللہ لوک مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ ہمیں ان ہی کے فضل سے عطاء کرتا ہے۔'' فریحہ بولتی جا رہی تھی۔

''اللہ معافی...'' خوش نصیب ایک دم ہوش میں آ کر بولی۔

''کس قدر کمزور ایمان ہے تمہارے خاندان والوں کا۔ میں مانتی ہوں اس دنیا میں اللہ کے نیک بندے موجود ہیں لیکن ان ڈھونگی بابوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر جو میری روشن امی نے یہ بات سنی ہوتی تو ضرور تمہیں ایک زوردار تھپڑ لگا تیں۔''

''اور اگر میری اماں نے ان کے پیر کے بارے میں تمہارے خیالات سن لئے تو وہ صرف ایک تھپڑ نہیں لگائیں گی۔ پاؤں سے چپل اتار لیں گی اور ایسی پٹائی کریں گی کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔'' فریحہ بھی جذباتی ہو کر بولی تھی۔

''آہاہ... جیسے تمہاری اماں میری پٹائی کریں گی اور میں تمہیں بخش دونگی؟... یاد رکھنا میں پتھر کا جواب اینٹ سے دینے کی قائل ہوں۔'' وہ بھی خوش نصیب تھی اور کبھی نہیں چوکتی تھی۔

فریحہ اس کی بچپن کی سہیلی تھی اور اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ جانتی تھی کہہ رہی ہے تو بدلہ ضرور لے گی۔ سو دل میں ذرا سا سہم گئی پھر مصلحت آمیز لہجے میں بولی۔

''ایک تو تم غصہ بڑی جلدی کر لیتی ہو۔''

''میں غصہ نہیں کر رہی۔ لیکن مجھے واقعی حیرانی ہوتی ہے تم جیسے لوگ کیسے ان بابوں پر یقین کر لیتے ہو۔''

''ہم یقین کیسے نہ کریں۔ کوئی پریشانی کوئی مسئلہ ہو ایک بار باباجی کے پاس آ کر عرض کرنے کی دیر ہوتی ہے۔ وہ تعویز لکھ دیتے ہیں یا گندم، چینی، نمک وغیرہ دم کر کے دے دیتے ہیں۔ دنوں میں مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔''

''مسئلہ اس لئے حل ہو جاتا ہے کیونکہ تم لوگوں کا اعتقاد بہت مضبوط ہو جاتا ہے۔ یقین کرو یہی اعتقاد اگر اللہ سے رکھو۔ اور صرف اسی سے مانگو۔ تم دیکھنا کیسے تمہاری پریشانیاں، تمہارے مسائل حل نہیں ہوتے۔''

''اگر ایسی ہی بات ہے تو صرف اللہ سے دعائیں کر کر کے تمہارے مسائل آج تک ختم کیوں نہ ہو گئے خوش نصیب!'' اچانک سے فریحہ نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آج تک تمہیں، ماہ نور اور تمہاری امی کو جو بھی پریشانیاں لاحق رہی ہیں۔ ان کے لئے تم لوگوں نے دعائیں ہی کی

ہیں...وہ دعائیں قبول کیوں نہیں ہوئیں؟...اس لئے کیونکہ تم نے کسی نیک برگزیدہ بندے کو اللہ سے مانگنے کا وسیلہ نہیں بنایا..''

''جی نہیں..ہمیں اللہ سے کچھ مانگنا ہو تو ہم ڈائریکٹ ڈائلنگ کرتے ہیں...کسی تیسرے چوتھے کو انوالو کرنا پسند نہیں کرتے۔'' منہ بنا کر بولی۔

''اور کیا پتا تمہیں دُعا مانگنے کا سلیقہ ہی نہ آتا ہو۔'' فریحہ بضد تھی۔

''مجھے نہیں آتا ہو گا لیکن کیا روشن امی اور نانی کو بھی نہیں آتا ہو گا؟...یہ کیسے ممکن ہے وہ دونوں تو تہجد گزار بھی ہیں''

''میں شائد اپنی بات تمہیں سمجھا نہیں پا رہی۔ یہ بڑی لمبی بحث ہے۔ ہمارے امی ابو نے تو ہمیں بچپن سے اب تک یہی سکھایا ہے کہ اللہ سے بھی مانگنا ہے تو نیک بندوں کے ذریعے سے مانگو۔ ان کی برکت سے ہی اللہ ہمیں نوازتا ہے...لیکن تم نہیں سمجھو گی..میں ابو سے کہوں گی کسی دن تمہیں سمجھائیں''

''معاف کر دو مجھے...ایسی سمجھیں اللہ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو ہی مبارک کرے۔'' خوش نصیب نے چڑ کر کہا۔

فریحہ برا منا گئی۔

''نہیں تو نہ سہی..میں نے تو سوچا تھا اب تک زندگی میں تمہیں کچھ اچھا نہیں ملا تو کم سے کم تم اپنا مستقبل ہی محفوظ کر لو لیکن تم جیسے لوگ کبھی عقل سے کام نہیں لیتے خوش نصیب!...جا رہی ہوں میں...اور خبردار۔ جواب دوبارہ ایک بھی لفظ تم نے ہمارے پیر صاحب کے بارے میں کہا...اماں تو پٹائی بعد میں کریں گی پہلے میں ہی تمہیں سیدھا کر دوں گی۔'' اس نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی اور تن فن کرتی چلی گئی۔

خوش نصیب اس کی گستاخی پر پہلے حیران ہوئی۔ پھر اسے آواز دے کر روکنے کی کوشش کی لیکن اگلے ہی پل اس کی بے نیازی عود کر آئی اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر جھٹکا پیر پٹخا اور فضل منزل کی طرف پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

اس روز صبح بیدار ہوئی تو آسمان کے چہرے پر دھند کا عکس پھیلا تھا۔

یہ ڈوبتے ہوئے اکتوبر کے دن تھے اور درختوں کے پتے تازہ سردی کے بوجھ سے اپنے آپ میں سمٹتے اور جھکتے تھے۔

مکان کے داخلی دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے معاویہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ طالب ماموں کے اس دو منزلہ چھوٹے سے گھر پر اترنے والی آج کی صبح ہمیشہ جتنی روشن ہرگز نہیں تھی۔

اس کا بوجھل دل اور بھی اداسی سے بھر گیا۔ حلق میں آنسوؤں کا کڑوا پن اترا تو اس نے دو تین گہرے سانس لئے آنسوؤں کو اپنے دل میں اتارا اور خود کو جی بھر کر لتاڑا۔ وہ یہاں آنسو بہانے نہیں آیا تھا۔ ان پیارے لوگوں سے ملنے آیا تھا جو سامہ سے وابستہ تھے۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے سے زیادہ ان کے دلوں کا بھاری پن اپنے کندھوں پر اٹھانے کا ارادہ کر کے نکلا تھا۔

http://kitaabghar.com

لیکن اسے لگا۔عین اس وقت جب وہ دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بھی بجا چکا تھا۔تو اسے ادراک ہوا وہ اتنا بہادر ہرگز نہیں تھا۔کسی کے آنسو صاف کرنے کے لئے اپنے آنسو پینے پڑتے ہیں۔صبر کی تلقین کرنے سے پہلے خود صبر کرنا پڑتا ہے۔اس بیچارے سے تو اپنا ہی غم نہیں سنبھالا جا رہا تھا کسی کو کیا دلاسہ دیتا۔

اسکا دل چاہا واپس پلٹ جائے اور اس نے ایسا کیا بھی۔آنکھ میں آنسو لیکر جوں ہی واپسی کیلیئے پلٹا اسی وقت دروازہ کھل گیا۔

معاویہ کے پلٹتے قدم جیسے دہلیز نے جکڑ لئے تھے۔آنسو اس کی آنکھ سے پھسل کر گال پر بہتا چلا گیا۔

آئے کت ششدر سی اسے دیکھے گئی۔دونوں خاموش تھے۔ان دونوں کے دل زخمی تھے وسامہ کی موت کا زخم جسے کبھی مندمل نہیں ہونا تھا۔

لیکن یکا یک آئے کت کی آنکھوں میں سرد مہری سی جاگ اٹھی۔اس نے دروازے سے ہاتھ ہٹایا واپسی کا قصد کیا ہی تھا کہ عقب سے صاعقہ ممانی کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے آئے کت؟" وہ پوچھنے کے ساتھ اس کے پیچھے بھی آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"معاویہ" ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ سرعت سے آئے کت کے عقب سے نکلیں اور ننھے بچوں کی طرح معاویہ کو خود سے لپٹا لیا۔

"وسامہ بھی چلا گیا..تم نے بھی آنا چھوڑ دیا۔" وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹے بچوں کی طرح ہی سسک رہی تھیں۔

معاویہ نے پرواہ نہیں کی۔وہ بھی رونے لگا یہ دیکھے بنا کہ آئے کت اس پر ایک زہر خند اچھال کر واپس مڑ گئی ہے۔اس کے آنسوؤں کی یہی قدر تھی آئے کت کی نظر میں۔

"آؤ..اندر آؤ..ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ممانی اسے اندر لے آئیں۔وسامہ کی موت کے تین مہینے بعد آیا تھا وہ تین صدیاں بعد نہیں کہ گھر کے اندر تک بلانے کے لئے اسے باقاعدہ دعوت دی جاتی۔اس گھر کے چپے چپے سے واقف تھا بچپن کا بیشتر حصہ اس نے یہیں گزارا تھا۔وسامہ کے ساتھ۔طالب ماموں اور صاعقہ چچی کا بیٹا بن کر۔

لیکن اب وسامہ نہیں رہا تھا تو جیسے ہر چیز اس کے لئے اجنبی ہو گئی تھی۔

صاعقہ ممانی اسے لئے اندر آئیں۔طالب ماموں ٹی وی کے سامنے چپ چاپ بیٹھے اس ٹاک شو میں دھیان لگانے کی کوشش کر رہے تھے جو اب تقریباً ختم ہونے والا تھا اور ماموں کا چہرہ صاف بتا تا تھا انہیں ایک بھی لفظ سمجھ نہیں آیا۔

معاویہ آگے بڑھا اور چپ چاپ ان کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

طالب ماموں چونکے اور پھر ساکت سے ہو گئے۔چند لمحے بعد انہوں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ معاویہ کے سر پر رکھا پھر آہستہ سے

جھکے اور اس کے بالوں پر ایک شفقت بھرا بوسہ دیا اور اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک نہیں سکے۔ اور بنا آواز روتے چلے گئے۔

اسی وقت آئے کت اندر آئی۔ اس کے چہرے پر سرد مہری تھی لیکن طالب ماموں کو روتا دیکھ کر آنکھوں میں غصہ بھر گیا۔

''اس سے اچھا تھا تم یہاں کبھی نہ آتے....'' اس نے بنا اسے مخاطب کئے کہا۔ لہجہ پر تپش تھا۔

''ان تین مہینوں میں ہمیں وسامہ کے بغیر رہنے کی عادت ہوگئی ہے کچھ دن اور گزرتے تو سب تمہیں بھی بھول جاتے۔''

''اللہ نہ کرے...کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' صاعقہ ممانی دہل کر بولیں۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں..یہ نہ آتا یہاں...کم سے کم آپ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تو نہ آتے..'' اس نے تلخی سے کہا تھا

''میں شرمندہ ہوں۔'' معاویہ نے کہا۔

''کیا فائدہ اس شرمندگی کا...وسامہ تو واپس نہیں آ سکتا۔'' اس نے کڑوے لہجے میں کہا ایک چھلکتی ہوئی نگاہ معاویہ پر ڈالی اور پلٹ کر سرعت سے باہر نکل گئی۔

کمرے میں موجود تینوں نفوس اس کی بات پر ساکت رہ گئے تھے۔ انہیں آئے کت کی بات کے اثر سے نکلنے میں چند سیکنڈ لگے۔ پھر صاعقہ ممانی نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ تو وہ چونکا۔

''مجھے بھوک لگی ہے۔'' اس نے کسی بچے کی معصومیت سے کہا۔ ممانی مسکرا دیں۔

''تم فریش ہو جاؤ۔ میں کھانا لاتی ہوں۔''

وہ اٹھا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

فضل منزل میں داخل ہوتے ہی اس کی مڈبھیڑ شامیر سے ہوگئی۔

شام کے قرمزی رنگ رات کی سیاہی میں گھلنے لگے تھے اور مسجدوں سے مغرب کی آذان کی صدائیں سنائی دینے لگی تھیں اور سیاہ پڑتے آسمان پر شام کے سبھی پرندے اپنی آخری اڑانیں بھر رہے تھے۔

خوش نصیب دبے قدموں اور احتیاط سے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اتنی دیر سے واپس آنے پر ڈانٹ تو پڑنا ہی تھی (دیر سے واپس آنے پر نہ پڑتی تو کسی اور بات پر پڑ جاتی۔ اسے ڈانٹنے اور کوسنے کے لئے اب گھر والوں کو کسی بہانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ خوش نصیب کو یقین تھا جب کسی کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہوتا تو وہ اسے ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے۔ کہ چلو تھوڑی دیر کے لئے اچھا ٹائم ہی پاس ہو جائے گا۔ یوں ڈانٹ ڈپٹ اور کوسنے معمول کی بات تھی جو وہ بچپن سے سنتی آ رہی تھی اور جیسی اس کی حرکتیں تھی کوئی بھی مستقبل کی پیشن گوئی کرنے والا بتا سکتا تھا اگلے کئی سال بھی اس کے ساتھ یہی ہونا ہے) ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ دیر سے گھر واپس آنے پر اسے ڈانٹ

پڑسکتی تھی۔لیکن کیا پتا آج کوئی معجزہ ہوجائے اور وہ ڈانٹ کھانے سے بچ جائے۔اس نے بڑی رجائیت سے سوچا۔اور کبھی کبھی وہ ایسی رجائیت پسندی کا مظاہرہ کرہی لیتی تھی۔

لیکن جوں ہی بڑا دروازہ عبور کرکے اندرداخل ہوئی۔شامیر اسے احاطے میں چہل قدمی کرتا ہوا نظر آ گیا۔وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا اور اس کا رخ مخالف سمت میں تھا۔خوش نصیب نے موقع غنیمت جانا اور دبے قدموں وہیں سے بغلی گلی کا راستہ اختیار کیا جہاں سے بنا شامیر کی نظر میں آئے وہ اوپری منزل تک جاسکتی تھی۔

اسی وقت شامیر پلٹا اور خوش نصیب کو دیکھ کر اس کے لب مسکرا اٹھے۔

لیکن اگلے پل وہ کھٹکا۔خوش نصیب کی گربہ پائی سمجھ سے بالاتر تھی۔اس نے چند لمحے صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کی پھر زور سے گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔خوش نصیب اس آواز پر یوں بدک کر پلٹی جیسے بے دھیانی میں بجلی کے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔

''ھیلو۔''شامیر خوبصورتی سے مسکرایا۔

خوش نصیب نے سر کے اشارے سے اس کے ھیلو کا جواب دیا۔اپنے ہونق تاثرات چھپانے کی تگ ودو میں اور بھی ہونق لگنے لگی تھی۔

''گڈ آفٹرنون۔''وہ بات کرنا چاہتا تھا۔

خوش نصیب نے پھر سے سر کو خفیف سا جھکا دیا اور دانتوں کو یوں مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمایا کہ کہیں غلطی سے بھی کھل نہ جائیں۔

شامیر اس کے تاثرات سے تھوڑا سٹپٹا گیا۔سمجھ نہیں پارہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔

''آ...چائے پئیں گی آپ؟''

خوش نصیب نے اب غور کیا۔وہیں برآمدے کی میز پر چائے کے برتن پڑے تھے اور یہ وہ ٹی سیٹ تھا جو فضیلہ چچی خاص الخاص مہمانوں کی آمد پر ہی نکالتی تھیں۔ایک بار خوش نصیب کو کسی بات پر اتنا غصہ آیا تھا کہ اس نے اس ٹی سیٹ کی ایک ساسر نکال کر چھپا دی تھی۔کئی دن تک وہ دل ہی دل میں پلان بناتی رہی کہ اس ساسر کو کس طرح توڑا جائے۔سب سے بہترین طریقہ جو اسے سمجھ آیا وہ یہی تھا کہ ساسر کو چھت پر لیجا کر اینٹ مار کر توڑ دیا جائے۔اس سے اس کے جذبات کو بھی سکون ملتا۔اس کے علاوہ بھی اس نے کئی پلان بنائے لیکن کسی بھی پلان پر عمل درآمد نہیں کیا جاسکا کیونکہ خوش نصیب ہمیشہ سے پلان بنانے میں ماہر رہی تھی ان پر عمل درآمد کرنے میں نہیں۔

ابھی بھی ٹی سیٹ دیکھ کر اسے وہ پچھلا واقعہ یاد آ گیا اور پچھلے سارے زخم ہرے ہوگئے۔

اسے احساس تک نہ ہوسکا جس دوران وہ برتنوں کو دیکھ کر دانت پیس رہی ہے شامیر بڑی گہری نظروں سے اسکا جائزہ لے رہا ہے۔

''آپ اگر میرا ساتھ دیں گی تو مجھے خوشی ہوگی۔''

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

"شکریہ... میں چائے نہیں پی..." ابھی جملہ بے ساختگی سے یہیں تک پہنچا تھا کہ سارے زخم ہرے ہوگئے۔ کچھ عین اسی وقت فضیلہ چچی اور صیام کی انٹری بھی ہوئی تھی۔ اور فضیلہ چچی نے خوش نصیب کو دیکھتے ہی بڑا برا سا منہ بھی بنایا تھا۔

"خوش نصیب چائے نہیں پیتی۔" صیام نے جلدی سے کہا۔

"کیا واقعی؟" شامیر نے اسے دیکھا۔

اسی پل خوش نصیب کی انتقامی حس جاگ اٹھی۔ وہ ہونٹ پھیلا کر مسکرائی اور خوش اخلاقی کی حد کرتے ہوئے بولی۔

"چائے نہیں پیتی تو کیا ہوا؟... مہمان کو انکار تو نہیں کیا جاسکتا ناں۔" جہاں اس کی مسکراہٹ سیدھی شامیر کے دل پر گری وہیں فضیلہ چچی اور صیام کی مسکراہٹیں غائب ہوگئیں۔

اس سے قبل کے فضیلہ چچی اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں قتل کرتیں خوش نصیب بڑے اعتماد سے آگے بڑھی اور کرسی گھسیٹ کر شامیر کے مدمقابل بیٹھ گئی۔

ضد بعض اوقات انسان سے وہ کام بھی کروالیتی ہے جنہیں نہ کرنے کا وہ تہیہ کرچکا ہوتا ہے۔

"صیام! ایک کپ میرے لئے بھی بنا دینا پلیز۔" بڑا مسکرا کر کہا۔ صیام کے پاس دانت پیسنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن شامیر کی موجودگی میں یہ نہیں کیا جاسکتا تھا سو اس مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق کپ میں چائے انڈیلنا شروع کی۔

دوسری طرف شامیر بچہ نہیں تھا کہ فریقین کے درمیان چل رہی کھینچا تانی کو سمجھ نہ سکے۔ صیام فضل منزل کی بیوٹی کوئین تھی اور خوش نصیب... وہ کیا تھی اب تک شامیر فیصلہ نہ کرسکا تھا۔ لیکن ہاں جب بھی وہ سامنے آتی شامیر مسکرانے لگتا تھا۔ خود کو پھنے خان سمجھنے والی یہ لڑکی دل میں گدگدی سی کرتی تھی۔

اور ایسی لڑکیاں ہمیشہ اس جیسے لڑکوں کو بڑا اٹریکٹ کرتی ہیں۔ جو آسانی سے بات کرنے پر راضی نہ ہوں۔ جب دیکھیں تو چیلنج کرتی ہوئی محسوس ہوں۔ اس کے مقابلے میں صیام تو بڑی عام سی لڑکی تھی۔ خزاں کے موسم میں سوکھے پتے کی طرح جھاڑ سے ٹوٹ کر گود میں آگرنے والی لڑکی۔

فضیلہ چچی سے جب کچھ نہ بن سکا تو وہیں بیٹھ رہیں۔

خوش نصیب بھول گئی شامیر کو اگنور کرنے کا عہد کرچکی ہے اس وقت اس نے ساری خوش اخلاقی اور زمانے بھر کے موضوعات پر گفتگو کرنے کا تہیہ کرڈالا اور پھر جب بولنا شروع ہوئی تو اسے چپ کروانا مشکل ہوگیا۔

اور یوں ایک ڈھلتی ہوئی شام خوش نصیب کے انتقام کی پہلی قسط کی نذر ہوگئی۔

☆......☆......☆

کمرے کے دروازے پروہ تھم سا گیا۔اس گھر میں جگہ جگہ وسامہ کی یادیں بکھری ہوئی تھیں اوران یادوں سے پیچھا چھڑوانا ناممکن تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اوراپنا دل مضبوط کیااور ہینڈل گھما کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں دن کا اجالا نیم تاریکی کی شکل میں ٹھہرا ہوا تھا۔معاویہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو صبح کی ساری روشنی چھلانگ لگا کر اندر آئی اور سب طرف پھیل گئی۔

یہ طالب ماموں کے گھر میں اس کا اور وسامہ کا کمرہ تھا۔ان دونوں کے سنگل بیڈ ساتھ ساتھ بچھے تھے۔درمیان کی چھوٹی تپائی پر اب بھی وہی ٹیبل لیمپ رکھا تھا جو وسامہ کے زیر استعمال رہتا تھا۔اس کی اسٹڈی ٹیبل اس کی کرسی اس کی الماری۔

معاویہ ایک ایک چیز کو ہاتھ لگا تا اپنی سسکیاں روک رہا تھا کتنی ہی یادیں ماضی کی کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔اس سے قبل کہ وہ زمین پر بیٹھ جاتا اور آنسوؤں کو بہہ جانے دیتا کمرے کا دروازہ کھلا۔معاویہ نے جھٹکے سے گردن موڑ کر دیکھا۔آئے کت اپنی جھونک میں اندر داخل ہو رہی تھی جوں ہی معاویہ پر نظر پڑی اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"یہ میرا کمرہ ہے۔"اس سے نظریں ملائے بغیر بولا۔

"یہ وسامہ کا کمرہ تھا۔"غصے سے کہا۔

"ہم دونوں کا تھا۔"وہ تحمل سے بولا۔

"تھا...اب نہیں ہے۔"سختی کچھ اور بڑھ گئی۔"اس گھر پر،اس کمرے پر،وسامہ سے وابستہ کسی بھی چیز اور فرد پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔"اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔

معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔آگے بڑھا اور الماری کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس سے پہلے کہ کھول پاتا آئے کت نے الماری کے پٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہٹو آگے سے۔"ذرا جھنجلا کر بولا۔

"یہ میرے بھائی کا کمرہ ہے اور تم مجھے یہاں کسی چیز کو ہاتھ لگانے سے نہیں روک سکتی۔"

"یہ تمہارے بھائی کا کمرہ تھا...اب یہ میرا کمرہ ہے۔"وہ دانت کچکچا کر بولی۔

"اوراب یہ میرا بھائی میرا بھائی کرنا بند کرو...اب تو بیچارہ اس دنیا میں بھی نہیں رہا...آخر کب تک یہ محبت کا ڈھونگ رچاتے رہو گے۔"اس نے اتنی نفرت سے کہا تھا اتنی ہی تیزی سے معاویہ کے ماتھے پر پڑے بلوں میں اضافہ ہوا تھا۔اوراس کے دونوں ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچ گئی تھیں عین ممکن تھا اگر آئے کت عورت نہ ہوتی تو اب تک معاویہ ایک پنچ مار کر اس کے دو تین دانت تو ضرور توڑ چکا ہوتا۔

''تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی۔'' اس نے تقریباً غرا کر کہا تھا۔

''میرے سامنے اونچی آواز میں بات مت کرنا معاویہ! تمہاری اصلیت میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' اس نے معاویہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنا ڈرے کہا تھا۔

آئے کت کا اعتماد معاویہ کی آنکھوں میں ہراس بن کر پھیل گیا۔

یکا یک ان دونوں کے اردگرد سے ہر منظر غائب ہونے لگا اور کھڑکیاں دروازے سب اڑنچھو ہو گئے اور ان دونوں نے خود کو فلک بوس میں کھڑے پایا۔ وہی اسرار جو دھند کی مانند رگ و پے میں اترتا تھا اس وقت بھی معاویہ کے خون میں دوڑنے لگا۔

''معاویہ!...''

صاعقہ ممانی کی آواز ان دونوں کو فلک بوس سے کھینچ لائی تھی۔ ان دونوں نے ہی جیسے اس لمحے کسی راز کی پاسداری کی تھی کہ اپنے تاثرات بدل لئے تھے۔

''معاویہ! کھانا کھالو۔'' آواز دوبارہ آئی۔

''آرہا ہوں۔'' اس نے آواز لگائی ایک تیز نظر آئے کت پر ڈالی اور انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔

''میری اصلیت کی بات دوبارہ مت کرنا... تمہارا اصلی چہرہ تو میں سب کو دکھاؤں گا۔''

آئے کت نے زہر خند اچھال کر رخ بدل لیا تھا۔

☆......☆......☆

رات سوتے ہوئے خوش نصیب کو بڑا مزہ آیا۔ وہ خود بخود مسکرا رہی تھی بلکہ باقاعدہ ہنس رہی تھی۔

''تمہیں ہوا کیا ہے؟'' ماہ نور نے چڑ کر پوچھا۔

''صیام اور فضیلہ چچی کی شکل دیکھنے والی تھی۔'' اس نے ہتھیلی پر تالی بجائی اور خوب قہقہہ لگا کر بولی۔

''اب کیا نیا کارنامہ کر آئی ہو؟'' ماہ نور اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

خوش نصیب کو ہمہ وقت کوئی نہ کوئی سامع درکار ہوتا تھا۔ منٹوں میں ساری روداد کہہ سنائی۔

ماہ نور نے ساری بات غور سے سنی اور زیر لب مسکراتی رہی۔

''اب دیکھنا... اس پر بھی فضیلہ چچی ایک ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔'' اس نے مسکرا کر پیشن گوئی کی تھی۔

''انہیں اور آتا ہی کیا ہے۔'' وہ لاپرائی سے بولی۔

http://kitaabghar.com

ماہ نور کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"لیکن محتاط رہا کرو خوش نصیب! ان لوگوں کو ناراض کر کے ہم بھی مطمئن نہیں رہ سکتے۔"

"نہیں ہم رہ لیں گے... مطمئن اور خوش رہنے کا ایک نیا طریقہ پتا چلا ہے مجھے۔" وہ لحاف جھاڑتے ہوئے بولی۔

"سنا ہے بڑا کارآمد ہے۔"

"کونسا طریقہ؟" ماہ نور کونشس ہو کر بولی خوش نصیب کی ہر نئی بات کسی نئے اندیشے میں مبتلا کر دیتی تھی۔

"وہ فریحہ ہے ناں...وہ کہہ رہی تھی پیر صاحب سے تعویز لے لو...سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

"اب تم اس نئے جھنجھٹ میں مت پڑ جانا۔"

"لو... جھنجھٹ کیسا؟..." وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "سارا زمانہ تعویز لیتا ہے۔ ہم بھی لے لیں گے تو کونسی قیامت آ جائے گی۔"

"ہمیں کیا پتا وہ پیر صاحب جو تعویز لکھ کر دیں گے اس کے اندر کیا لکھا ہوگا۔" ماہ نور نے کہا۔

"ہاں تو تعویز لیں گے تو پتا چلے گا ناں۔"

"تم رہنے دو..." اس نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ لہرایا۔

"ایک بار تو میں ضرور لونگی۔" وہ ماہ نور کو چڑانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ "سنا ہے بڑے کارآمد ہوتے ہیں ایسے تعویز۔ دشمن کا دل فوراً نرم ہو جاتا ہے اور پتھر سے پتھر دل محبوب بھی موم بن جاتا ہے۔"

"میں صبح روشن امی کو بتاؤنگی۔"

"ایک تو میری کامیابی کے راستے میں تم سب سے بڑی رکاوٹ ہو۔" خوش نصیب نے چڑ کر کہا۔ "جب کوئی بہادری کا کام کرنے کا سوچوں تم جا کر مخبری کر دیا کرو۔"

"تم الٹے کام سوچتی ہی کیوں ہو؟"

"کیونکہ مجھ سے سیدھے سیدھے کام سوچے ہی نہیں جاتے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "اب یہی دیکھ لو۔ شام سے دل مچل رہا ہے کہ پیر صاحب کے آستانے پر جا کر حاضری دوں اور دو چار تیر بہدف تعویز لکھوا کر لاؤں پھر انہیں فضیلہ چچی کے پورشن کی دہلیزوں میں چھپا دوں۔" وہ آنکھیں گھما گھما کر ماہ نور کا خون خشک کر رہی تھی۔

"اور اس سے ہوگا کیا؟"

"وہی ہوگا جو فضیلہ چچی کے چھپائے ہوئے تعویزوں سے ہوتا ہے... یعنی سب ہمارے اثر میں آ جائیں گے اور سارے خاندان میں ہماری بات بھی ایسے ہی مانی جانے لگے گی جیسے فضیلہ چچی کی مانی جاتی ہے.... تم مانو یا نہ مانو ماہ نور! کوئی نہ کوئی کرامت تو ہوتی ہے ان

تعویزوں کی۔۔۔ایسے ہی تو سارا خاندان نہیں ڈرتا فضیلہ چچی سے۔“

”تو تم کیا چاہتی ہو؟۔۔۔سب تم سے بھی ڈریں؟۔۔۔ایسا مرتبہ کس کام کا خوش نصیب! جو صرف آپکو آپ کے ڈر کی وجہ سے دیا جائے۔ایسی عزت کیا کرنی کسی نے۔“ وہ نرمی سے بول رہی تھی۔

”عزت ہو تو عرفات ماموں جیسی ہو۔۔۔دل خود بخود ان کی طرف مائل ہو۔۔۔یہ نہیں کہ کوئی ڈر خوف ان کے پاس جا کر بیٹھنے باتیں کرنے پر مجبور کر دے۔“

”بات تو صحیح ہے۔“ وہ سوچنے لگی پھر ایک دم کوئی خیال آیا تو بولی۔

”ماہ نور! یہ شامیر تمہیں کیسا لگا؟“

”یہ کیسا بے تکا سوال ہے؟“ ماہ نور نے گھور کر اسے دیکھا۔

”تم بتاؤ تو۔“ وہ بضد ہوئی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔اچھا ہے۔۔۔میرا مطلب۔“ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔”ارے یار! میں نے اسے اتنے غور سے دیکھا ہی نہیں ہے کہ بتاؤں کیسا ہے۔۔۔ویسے بھی فضیلہ چچی اسے اپنے پروں سے باہر نکلنے دیں گی تو پتا چلے گا کیسا ہے۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔

”چار دن ہو گئے ہیں اسے آئے ہوئے۔۔۔ہر وقت یا تو صیام اس کے ساتھ چپکی بیٹھی ہوتی ہے یا فضیلہ چچی اس پر پہرہ دے رہی ہوتی ہیں۔۔۔“

”پہرہ تو دینا ہی پڑے گا۔۔۔صیام کی بجائے اگر اس نے کسی اور کو پسند کر لیا تو۔۔۔؟“ خوش نصیب چسکا لیکر بولی پھر ایک دم سے کچھ خیال آیا تو بولی۔

”ماہ نور! کتنا مزہ آئے۔اگر واقعی شامیر صیام کی بجائے کسی اور کو پسند کر لے۔“

”اچھا۔۔۔مثلاً کسے؟“ وہ بھی ذرا دلچسپی لیکر بولی۔

”مثلاً تمہیں۔۔۔۔یا مجھے۔“ اس کی بات میں ذرا بھی سنجیدگی نہیں تھی۔

”اللہ نہ کرے۔“ ماہ نور دہل کر بولی۔”ایسا ہوا تو فضیلہ چچی کو ہم سب کے سر پر ایک اور طوفان اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔“

”ارے ایسے کئی طوفان آئے اور گئے۔۔۔پرواہ کسے ہے؟“ وہ حسب سابق لاپرواہی سے بولی تھی۔

”نہیں خوش نصیب! ایسا سوچنا بھی مت۔“ ماہ نور فوراً ہی سنجیدہ ہو گئی۔

”میرا دل چاہتا ہے روشن امی اور نانی اب ہر پریشانی سے دور رہیں۔اور اگر خدانخواستہ شامیر نے ہم دونوں میں سے کسی کا نام

لیا تو ان کے لئے ایک نہ ختم ہونے والی پریشانی کا آغاز ہو جائے گا... بلکہ اچھا ہوا تم نے یہ بات کردی... مجھے تو اب تک ایسا کوئی خیال بھی نہیں آیا تھا۔"

خوش نصیب چونکہ اسکی کسی بات سے متفق نہیں تھی سو برے منہ بنا بنا کر اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کے چپ ہوتے ہی بولی۔

"ہاں دراصل تم میرے جیسی ذہین نہیں ہو نا ں..اس لئے تمہیں ایسا کوئی خیال نہیں آیا۔" اس نے کروٹ لی اور سر تک لحاف تان لیا۔

ماہ نور اس کی بے ساختگی پر اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں پائی۔ ایک چپت اس کے کندھے پر لگائی اور خود بھی سونے کے لئے لیٹ گئی۔

دوسری طرف لحاف کے اندر گو کہ خوش نصیب کی آنکھیں بند تھی لیکن نیند میں جانے سے پہلے دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اور ہر غلط کام کا آغاز کرتے ہوئے اس کا دماغ ایسے ہی تیزی سے کام کرنے لگتا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ بددلی سے کھا رہا تھا اور صاعقہ ممانی خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"بہت کمزور ہو گئے ہو... کھانا نہیں کھاتے کیا؟" فکرمندی سے پوچھا۔

معاویہ ایک دم کھاتے کھاتے رکا۔ اس کا دل چاہا انہیں بتائے اسے کھانے سے رغبت نہیں رہی۔

"بابا کا کک آپ کے جیسا اچھا کھانا نہیں پکاتا... میں سوچ رہا ہوں کچھ دن اسے آپ کے پاس بھیج دوں... دو چار اچھے کھانے ہی پکانا سکھا دیں اسے۔" صرف انہیں دکھانے کو وہ اب جلدی جلدی کھانے لگا تھا۔

"یہ چکن بہت اچھی بنی ہے... آپ شام میں میرے لئے اسپیگٹی بنا دیں گی؟ آپ جیسی اچھی سپیگیٹی کوئی نہیں بنا سکتا۔ اٹلی کا کوئی ماہر شیف بھی نہیں۔"

صاعقہ ممانی اداسی سے مسکرائیں۔

"تمہاری یہ عادت بالکل وسامہ جیسی ہے... وہ بھی مجھے خوش کرنے کے لئے ایسے ہی میری جھوٹی تعریفیں کیا کرتا تھا۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا... آپ واقعی..."

"وسامہ بہت ناراض تھا ہم سے .ناراضگی لئے ہی دنیا سے چلا گیا۔" یکا یک وہ رونے لگیں۔ معاویہ نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔

"وہ ناراض نہیں تھا۔"

"اگر ناراض نہیں تھا تو گھر واپس کیوں نہیں آیا؟"

"اسے تو ماموں نے گھر سے نکالا تھا... آپ سے ناراض ہونے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ۔"

"آ جاتا... باپ کے پیروں میں گر جاتا... وہ معاف کر ہی دیتے... آئے کت کو بھی تو اب کیسے سینے سے لگا کر رکھا ہے۔" وہ دکھی

تھیں، نالاں تھیں اور اس لئے بھی زیادہ پچھتا رہی تھیں کہ اب جتنی مرضی کوشش کر لیتیں۔ وسامہ کو واپس نہیں لا سکتی تھیں۔ موت وہ آخری حد ہے جس سے گزر جانے کے بعد کسی کے واپس آنے کی توقع ہی پاگل پن ہے۔

معاویہ کے تاثرات ایک دم سے سخت ہو گئے۔ اس نے ممانی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''اس سارے فساد کی جڑ ہی آئے کت تھی... نہ وہ وسامہ کی زندگی میں آتی۔ نہ ماموں وسامہ کو گھر سے نکالتے نہ اسے فلک بوس جا کر رہنا پڑتا اور نہ...'' ایک دم غصے سے بولتا وہ چپ ہو گیا۔ صرف شک کی بنیاد پر وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

''اور نہ؟'' ممانی اس کے لفظوں میں الجھ گئی تھیں۔

''کچھ نہیں...'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا'' یہ سب ایسے ہی ہونا تھا ممانی! یاد ہے بچپن میں آپ نے ہی مجھے قسمت کا فلسفہ سمجھایا تھا۔''

انہوں نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ معاویہ نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ چند منٹ بعد صاعقہ ممانی کی حالت سنبھلی تو بولیں۔

''معاف کرنا... میں تمہیں بتانا بھول گئی... وہ کمرہ اب آئے کت کے زیرِ استعمال ہے۔''

''کوئی بات نہیں... لیکن آپ کو وہ کمرہ اسے نہیں دینا چاہیئے تھا۔'' معاویہ نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔'' وسامہ چلا گیا لیکن مجھے تو واپس آنا ہی تھا۔''

''اس نے بہت منت سے پوچھا تھا معاویہ! میں انکار نہیں کر سکی۔''

معاویہ نے غور سے ان کی بات سنی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں وہ منت سے ہی پوچھتی ہے۔'' اس نے زیرِ لب کہا اور رغبت سے کھانا کھانے لگا۔

☆......☆......☆

صبح وہ دیر سے اٹھی۔ تھوڑی دیر چھت پر پھرتی ادھر ادھر گھروں میں جھانکتی رہی۔ پھر نیچے آئی تو شامیر ابھی کچن ٹیبل پر بیٹھا ناشتہ کرنے میں مشغول تھا ساتھ ساتھ اخبار پڑھ رہا تھا۔

ماہ نور چولہے کے پاس کھڑی بدتمیزی کی حد تک سنجیدہ شکل بنائے دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کر چکی تھی۔

شامیر، خوش نصیب کو دیکھ کر وہ حسبِ عادت مسکرایا، اور ساتھ ناشتے کی دعوت دی۔

''کیا وجہ ہے کہ ہمارے کھانے کے اوقات اکثر ہی ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں؟''

''محض اتفاق ہے۔ کوئی خاص وجہ نہیں۔'' اس نے ہر لفظ پر زور دے کر کہا۔ اپنا آملیٹ پراٹھے میں رول کرتے ہوئے ماہ نور کو

http://kitaabghar.com
KitaabGhar.com

آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا اور شامیر کو بری طرح اگنور کرتی باہر نکل گئی۔

شامیر نے زیر لب مسکراتے ہوئے آنکھیں سکوڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔لڑکی دلچسپ تھی۔اس نے سوچا اور یونہی گردن موڑتے ہوئے ماہ نور پر نظر پڑی تو وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔شامیر چونکا ماہ نور نے سٹپٹا کر نظریں پھیر لیں اور جلدی جلدی سبزی کاٹنے لگی۔

''یہ آپ کی بہن!...سب کو ہی ایسے اگنور کرنے کی عادی ہیں یا یہ رویہ بطور خاص میرے لئے ہے؟''

ماہ نور کو سخت شرمندگی ہوئی۔پتا نہیں یہ خوش نصیب ہمیشہ شرمندہ کرنے والے کام ہی کیوں کرتی تھی۔

اور وہ بھی کیسا منہ پھٹ تھا۔سیدھا ہی منہ پر مارا سوال۔یہ نہیں کہ انسان مروتاً ہی نظر انداز کردے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے..آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''اس نے جلدی سے کہا۔

''میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ماہ نور بی بی!کہ رویوں کو محسوس نہ کرسکوں۔''وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''لیکن خیر...آپ کہہ رہی ہیں تو غلط نہیں ہوگا...خوبصورت چہرے ویسے بھی جھوٹ کے فن میں طاق نہیں ہوتے۔''اس نے سادگی سے کہا اخبار جھاڑا اور شہہ سرخیوں میں گم ہوگیا۔

ماہ نور بیچاری ہڑبڑاہٹ کے عالم میں پیاز کے ساتھ ساتھ اپنی انگلی بھی کاٹ بیٹھی۔

☆......☆......☆

کھانا کھا کر معاویہ اس کمرے میں آگیا جو صاعقہ ممانی نے اس کے لئے تیار کیا تھا۔

وہ تھکا ہوا تھا اور ذہن پر بوجھ بھی تھا اسی لئے فوراً ہی سونے کے لئے لیٹ گیا۔لیکن نیند کہیں آنکھوں کی دہلیز پر اٹکی ہوئی تھی۔وہ کروٹیں بدل بدل کر بھی تھک گیا۔تو یہ کوشش ہی ترک کردی اور چت لیٹ کر چھت پر گول گول گھومتے پنکھے کو دیکھنے لگا۔موسم بدل گیا تھا اب پنکھا چلانے سے خنکی بڑھتی تھی لیکن معاویہ کو اس موسم کی عادت نہیں تھی۔وہ آسائشات کا عادی تھا جو اس گھر میں ہرگز اسے میسر نہیں آسکتیں تھیں۔

جہاں اسے آسائشات ملتی تھیں وہ اس کے باپ کا گھر تھا اور جو چیز باپ کے گھر میں نہیں ملتی تھی وہ ذہنی سکون تھا۔اسی ذہنی سکون اور محبتوں بھری فضا کی تلاش اسے اس گھر میں کھینچ لاتی تھی۔لیکن اب یہاں بھی سکون نہیں تھا۔

وسامہ نہیں تھا تو جیسے کچھ بھی نہیں تھا۔

پنکھا سست روی سے چل رہا تھا۔صاعقہ ممانی اس کی عادات سے واقف تھیں اسی لئے پنکھا چلا گئی تھیں انہیں پتا تھا اس کے بغیر وہ سو نہیں پائے گا۔لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں پنکھا چلا کر بھی اسے نیند نہیں آئے گی۔جب پنکھے کو دیکھ دیکھ کر بھی وہ تھک گیا تو اس نے کروٹ بدل لی۔مزید کچھ دیر کی تگ ودو کے بعد بلآخر اسے نیند آگئی۔کئی گھنٹے سونے کے بعد اس کی آنکھ اپنے سیل فون کی مدھم بیپ کی آواز سے کھلی

تھی۔اس نے آنکھیں مسل کر سرہانے کے دائیں بائیں ہاتھ مار کر موبائل فون تلاش کیا۔نیند بھری آنکھوں سے نمبر چیک کیا۔اسکرین پر جو نمبر فلیش ہو رہا تھا وہ بابا کا تھا۔معاویہ نے بیزار سا منہ بنایا لیکن بابا کی کال کو اگنور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس لئے مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے کال اٹینڈ کر لی۔

"السلام علیکم بابا!"

"تم کہاں غائب ہو؟" اس کے سلام کا جواب دیئے بنا انہوں نے رکھائی سے پوچھا اور اتنی رکھائی کو وہ ان کا حق سمجھتا تھا۔انہیں بنا اطلاع دیئے آ گیا تھا اور ایسا کر کے بلاشبہ اس نے ان کی ناراضی میں اضافے کا سبب تیار کیا تھا۔

"میں ماموں کے پاس آ گیا ہوں..." اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔"مجھے کچھ دن یہیں رہنے دیں۔" التجا کر رہا تھا۔

"تم لاہور میں ہو؟" انہیں جیسے سن کر اچنبھا ہوا تھا۔"اور تم نے وہاں جانے کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔" اب ان کی آواز میں درشتی تھی۔

"میں پہلے بھی یہاں آتا تھا...کوئی پہلی بار نہیں آیا کہ آپ کی اجازت لینا پڑتی۔"

"پہلے کی بات اور تھی۔..اس وقت وسامہ تھا وہاں..."

"اب ماموں ہیں ممانی ہیں اور...اور آئے کت ہے۔"

"اسکا نام نہ لو میرے سامنے۔" انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔"وہ کرپٹ لڑکی مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔...بہتر ہو گا تم جلد از جلد..."

معاویہ نے کال ڈسکنکٹ کی اور فون سرہانے کے سائیڈ پر ڈال دیا۔بابا جب بھی آئے کت کو برا بھلا کہتے تھے معاویہ چپ ہو جاتا تھا اسے نہ اچھا لگتا تھا نہ برا۔لیکن اسوقت اس سے سنا نہیں گیا تو اس نے بابا کے ردعمل کی پرواہ کئے بنا کال کاٹ دی۔

دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے سوچنے کی کوشش کی کہ وہ کتنی دیر تک سوتا رہا ہے تبھی کھڑکی کے باہر بادل زور سے گرجے تو وہ چونک گیا اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گیا۔پردہ ہٹایا تو دن کا آسمان گھرے کالے بادلوں کی زد میں تھا اور بارش تڑا تڑ برس رہی تھی۔معاویہ نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا۔شام کے ساڑھے پانچ بجے تھے ابھی۔اور باہر دیکھو تو لگتا تھا رات بس زمین پر اترنے کو ہے۔اس نے پردہ برابر کیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

صحن میں بارش خوب زور شور سے برس رہی تھی۔اور سارے گھر میں پکوڑوں کی خوشبو پھیلی تھی۔

معاویہ سیدھا کچن میں آ گیا۔صاعقہ ممانی پکوڑے تل رہی تھیں جوں ہی وہ کچن میں داخل ہوا اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

"میں بس تمہیں جگانے آ ہی رہی تھی۔"

"آپ کے پکوڑوں کی خوشبو نے جگا دیا۔" وہ پاس آیا اور پلیٹ سے اٹھا کر پکوڑا کھانے لگا۔"ساتھ چائے بھی مل جائے تو کیا

http://kitaabghar.com

بات ہے۔"

"بیٹھو...میں بنا رہی ہوں۔"

وہ پکوڑوں کی پلیٹ اور رائتہ لیکر کچن ٹیبل پر بیٹھ گیا اور مزے سے کھانے لگا یکایک اسے احساس ہوا کھانے سے بے رغبتی کی ایک وجہ واقعی یہ بھی تھی کہ بابا کے کک کے ہاتھ میں صاعقہ ممانی کے ہاتھ والا ذائقہ ہی نہیں تھا۔

"ماموں کہاں ہیں؟"

"عصر کی نماز پڑھنے مسجد گئے تھے۔اب میرا خیال ہے بارش کے رکنے کا انتظار کر رہے ہونگے۔"

"اور...آئے کت کہاں ہے؟" وہ پوچھنا نہیں چاہتا تھا نا جانے کیوں پوچھ بیٹھا۔

"یہیں کہیں ہوگی..اس نے کہاں جانا ہے۔" وہ گہری دکھ بھری سانس بھر کر بولیں۔"بڑی مشکل سے اس نے اس حقیقت کو قبول کیا ہے کہ وسامہ اب اس دنیا میں نہیں رہا....مجھے افسوس ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ ہم اس لڑکی کو پہچان کیوں نہیں سکے۔آئے کت تو بہت اچھی ہے معاویہ! وسامہ سے بہت محبت تھی اسے۔" وہ بڑے دکھ سے بول رہی ہیں۔

معاً وہ معاویہ کو کچن کے دروازے سے باہر ذرا فاصلے پر برآمدے میں کھڑی نظر آ گئی۔اسکن کلر کے سادہ سوٹ پر اس نے کالی چادر اس طرح اوڑھی ہوئی تھی جیسے خود کو چھپا لیا ہو۔

معاویہ بلاوجہ اسے دیکھتا چلا گیا۔

"میرا خیال تھا یہ اپنی ماما کے پاس چلی گئی ہوگی۔" اچانک اس نے کہا۔

"تمہیں نہیں پتا..آئے کت کی ماں کا تو چند مہینے پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو چکا ہے۔"

معاویہ نے بالکل شاکڈ ہو کر ممانی کو دیکھا۔"یہ کب کی بات ہے؟...مجھے اس بارے میں بالکل نہیں پتا۔"

"افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آئے کت کو بھی اس بارے میں نہیں پتا تھا۔" ممانی چائے لیکر دوسری کرسی پر آ بیٹھیں۔

"جب ہم بشام سے واپس آئے تو تمہارے ماموں نے آئے کت کی ماں کو فون کیا تھا۔لیکن وہ ٹریس نہیں ہو پا رہی تھی۔بڑی کوشش کے بعد کسی پرانی لینڈ لیڈی نے بتایا اس کا تو انتقال ہو چکا ہے۔"

"اوہ...افسوس ہوا۔"

"آئے کت کی حالت بہت بری تھی...پہلے شوہر اور پھر ماں کی ایسی ناگہانی موت کی اطلاع۔نقصان ہمارا بھی چھوٹا نہیں ہے لیکن آئے کت کی تو پوری دنیا ہی ویران ہو گئی ہے...وہ ابھی تک سنبھل نہیں پا رہی۔"

معاویہ نے تاسف سے اسے دروازے کے باہر دیکھا۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

اس کا چہرہ کا ایک رخ بتا تا تھا ابھی بھی رو رہی ہے لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ کچھ لوگوں سے ہمیں جتنی مرضی ہمدردی محسوس ہوتی رہے ان کے دکھ دور کرنے کے لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

☆......☆......☆

خوش نصیب ایسے ہی پوری فضل منزل میں گھومتی فضیلہ چچی کے پورشن میں آنکلی۔ برآمدے میں ٹیلی فون سیٹ پڑا ہوا نظر آرہا تھا۔ ایک ہاتھ سے پراٹھا رول کھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی میں کھجلی ہونے لگی۔ اس نے احتیاط سے گردن گھما گھما کر سب طرف دیکھا جب یقین ہو گیا کہ کوئی بھی موجود نہیں ہے تو جست لگا کر فون ریک تک پہنچی۔ فون سیٹ اٹھا کر گود میں رکھا اور وہیں برآمدے کے فرش پر پھسکڑہ مار کر بیٹھ گئی۔

جلدی جلدی فریحہ کا نمبر ڈائل کیا اور کال اٹینڈ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ رات بھر فریحہ کی ناراضی کے خیال سے اسے عجیب عجیب خواب آتے رہے تھے۔ کبھی ایسا لگتا فریحہ اس کے ساتھ ناراض ہو کر کسی پل سے چھلانگ لگا کر خود کشی کر رہی ہے۔ خوش نصیب اسے بچانے بھاگتی ہے لیکن تب تک فریحہ چھلانگ لگا چکی ہوتی ہے۔

کبھی فریحہ کو ناراض شکل کے ساتھ بیری پیر کے درختوں پر مرے ہوئے کوے کی طرح الٹا لٹکا ہوا پایا۔ اور چونکہ یہ خوش نصیب کے خواب تھے تو ان سے کسی قسم کی سنجیدگی کی توقع فضول ہی تھی۔

خیر بیل جاتی رہی لیکن فون اٹینڈ نہ ہوا تو خوش نصیب نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا۔ لو بتاؤ۔ اتنا رسک بھی لیا اور فائدہ بھی کوئی نہ ہوا۔

ابھی فون سیٹ واپس رکھ کر اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

خوش نصیب اتنی بری طرح سٹپٹائی جیسے وہ چوری کرتے ہوئے پکڑی جا رہی ہو۔ اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ھیلو...''

''آہاااا....کیا بے سری آواز ہے لیکن یقین کرو۔ کال ملانے سے پہلے میں سوچ ہی رہا تھا کتنا مزہ آئے اگر آج کی تاریخ میں تمہاری آواز سننے کو مل جائے۔''

''اوہ...تم۔'' اس نے پہچان کر برا سا منہ بنایا۔ ''تمہیں یہاں سے جا کر بھی سکون نہیں آیا؟''

''سکون تو شاید مرتے دم تک نہ آئے...بشرطیکہ تم میرے ساتھ نہ ہوئی تو...'' وہ کیف تھا چوک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم ہمیشہ یہ مرنے مرانے کی باتیں اس لئے کرتے ہو...تا کہ میں فلمی ہیروئنوں کی طرح دہل کر کہوں... ہائے اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتے ہو وغیرہ وغیرہ...اور تمہیں میرا مذاق اڑانے کا موقع مل جائے۔''

وہ سن کر زیر لب مسکرانے لگا۔

http://kitaabghar.com

''تم کہہ کر تو دیکھو..کیا پتا میں مذاق نہ اڑاؤں۔''

''لو اور سنو...''اس نے صاف مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔''قیامت کا دن ہی ہوگا وہ...''

''تم مجھ سے اتنی بدگمان کیوں رہتی ہو۔''وہ ہنس کر پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بدگمانی کیسی۔''وہ لاپرواہی سے بولی پھر سوچا اور بولی۔''اچھا سنو کیف! تمہارا کیا خیال ہے...یہ جو پیر فقیر ہوتے ہیں ...یہ کتنے سچے ہوتے ہیں؟''

''ہیں، ہیں، ہیں..تم کیا کسی پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والی ہو؟''

''پہلے میرے سوال کا تو جواب دے دو۔''وہ چڑ کر بولی کیونکہ کیف کا لہجہ اس کا سوال سنتے ہی غیر سنجیدہ ہوگیا تھا اور اسی بات سے خوش نصیب کو چڑ تھی۔

''دیکھو میں پیروں فقیروں کو نہیں مانتا......میرا ذاتی خیال ہے کہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہوتے ہیں ان کا احترام کرنا چاہیئے لیکن یہ درباروں پر حاضری دینا،قبروں پر چادریں چڑھانا اور جھولیاں پھیلا پھیلا کر ان سے مدد کی درخواست کرنا میرے نزدیک کفر ہے۔''اس نے ذرا سنجیدہ ہوکر دوٹوک کہا۔

''لیکن کیف!...جو اتنے لوگ ان پیروں،فقیروں کو مانتے ہیں..آخر کچھ نہ کچھ تو ہوگا ناں ان کے پاس..کوئی تو ایسی کرامت ہو گی جو انہیں بھاگ بھاگ کر ایسے بابوں کے پاس لے جاتی ہے۔''وہ الجھن بھرے انداز میں بول رہی تھی۔

''تم نے دیکھا ہے کبھی۔ایسے عاملوں نے اپنے بڑے بڑے بورڈ بنا رکھے ہوتے ہیں اور ان پر کیسی کیسی باتیں لکھی ہوتی ہیں..سخت سے سخت دل دشمن بھی آپ کے آگے جھک جائے گا،محبوب آپکے قدموں میں اور....''

''یار! میں تو پہلے ہی اپنے پورے دل سمیت تمہارے قدموں میں ہوں اور کسی کو جھکا کر کیا کرو گی؟''اس نے ایک دم سے بہت سنجیدگی سے کہا اور ساتھ ہی بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔یہ ہنسی ایسی تھی جیسے وہ اپنے قہقہے کو روک نہ پایا ہو۔

خوش نصیب حسب معمول فوری طور پر تو سمجھی نہیں اور جب سمجھی تو اس کا پارہ ایک دم سے سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

''کیف کے بچے! تم.تم...''ایسا لگتا تھا اس کا نام نہیں اس کی گردن دانتوں سے چبا رہی ہے۔

''ارے کیوں ان معصوموں کو کوس رہی ہو..کیسی ظالم ماں ہو یار!۔''اس نے پھر سابقہ انداز میں کہا۔

اور عین اس وقت جب خوش نصیب غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی صیام وہاں آ گئی۔

''یہ تم ہمارے فون کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟''اس نے چیخ کر کہا۔

خوش نصیب کھڑی ہوئی اور صیام کا ہاتھ پکڑ کر ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"کیف کی کال ہے...مبارک ہو صیام! کیف نے تم سے اظہار محبت کرنے کے لئے فون کیا ہے۔"

صیام کی آنکھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔دوسری طرف کیف کے سر پر جیسے پہاڑ گرا تھا۔وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا اور خوش نصیب مزے سے کھسک لی۔

☆......☆......☆

اس روز رات گئے تک بارش برستی رہی۔

اتنا سو لینے کے بعد اب نیند معاویہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

وہ آنکھیں بند کرتا تو ایسا لگتا وسامہ اسے مدد کے لئے پکار رہا ہے۔معاویہ بے چین ہو کر آنکھیں کھول دیتا۔جب کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تو اٹھ بیٹھا اور ٹی وی آن کر کے ایک بورنگ سا ٹاک شو دیکھنے لگا۔ٹی وی دیکھتے بھی اسے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب ایسا لگا دروازے پر دستک ہوئی ہو۔

"کون ہے؟...آ جاؤ" معاویہ نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا۔اس کی آواز اتنی بلند تو ضرور تھی کہ باہر کھڑا ہوا فرد با آسانی سن لے لیکن دروازہ کھلنے کی بجائے ایک بار پھر دستک دی گئی اور اس بار آواز زیادہ واضح تھی۔

معاویہ قدرے حیران ہوا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"کون ہے بھئی۔آ جاؤ۔" اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ٹیرس کا اندھیرا منہ کھولے اسے تک رہا تھا۔معاویہ بے ساختہ تھوڑا آگے ہوا اور اس نے ذرا دروازے سے باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ٹیرس دور تک سنسان اور رات کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

بارش رک چکی تھی لیکن ٹیرس پر جگہ جگہ بارش کا پانی کھڑا تھا جبکہ آسمان ابھی بھی بادلوں کی تہہ تلے دبا تھا۔

گیلی ہوا کی سرسراہٹ معاویہ نے اپنے کانوں پر محسوس کی تھی۔

"مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے دل میں خود سے کہا اور واپس کمرے کی طرف مڑا اسی وقت اسے سیڑھیوں کی جانب سے کوئی چیز گرنے کی آواز سنائی دی۔ساتھ ہی سیڑھیوں پر کسی نے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔

معاویہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔سرعت سے سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔سیڑھیاں اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں لیکن نیچے والے لاؤنج کے زیرو پاور بلب کی روشنی اتنی تو تھی کہ سیڑھیوں کے اختتام پر اس نے کسی کو مڑتے ہوئے اور دوسری طرف غائب ہوتے دیکھا۔وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آیا۔اور باہر گیٹ کی طرف بھاگا لیکن یہ دیکھ کر وہ ششدر ہی رہ گیا کہ گھر کی اینٹرنس اور گیٹ کے درمیان والا دروازہ لاکڈ تھا۔اس دروازے کو اندر سے لاک کیا جا سکتا تھا۔

اس کا مطلب جو کوئی بھی تھا ابھی گھر سے باہر نکل نہیں پایا تھا وہ اسی گھر میں اور وہیں کہیں موجود تھا۔

معاویہ چوکنا ہو کر مڑا اور اس نے ہوشیاری سے بنا گردن گھمائے ادھر ادھر نظر ڈالی۔ ساتھ ہی اس نے کارنس پر پڑا لوہے کا اینٹیک گلدان بھی اٹھا لیا تھا۔

گلدان پر اپنی گرفت مضبوط کئے وہ چوکنے انداز میں آگے بڑھنے لگا ساتھ ساتھ ادھر ادھر کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا تاکہ پورے گھر میں جہاں بھی کوئی مشکوک چیز نظر آئے فوراً اسے دبوچ لے۔

معاً ایک وجود اسے کچن کے ادھ کھلے دروازے سے اندر حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا اس نے جیسے دروازے کی اوٹ لی تھی۔

معاویہ نے دونوں ہاتھوں کی گرفت اور مضبوط کی اور محتاط قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آہستہ سے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا سلیب کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اتنے پرسکون انداز پر معاویہ کو ذرا دیر کے لئے تعجب ہوا۔ وہ اگر کوئی چور اچکا ہوتا تو اسے یہاں سے بھی فرار ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کا پرسکون انداز معاویہ کو کشمکش میں مبتلا کر رہا تھا۔ بہرحال اس نے گلدان پر گرفت مضبوط کی دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور دبے پاؤں اس کی طرف چلنے لگا۔

اس دوران اس کا ذہن مختلف وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کا رخ اپنی طرف موڑتا۔ آئے کت اپنی جھونک میں اس کی طرف پلٹی اور معاویہ کو ایسے اپنے اتنے قریب کھڑا دیکھ کر اس نے چیخ ماردی۔

معاویہ نے بوکھلا کر اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔ اپنی اپنی جگہ وہ دونوں ہی گھبرا بلکہ سٹپٹا گئے تھے۔

معاویہ کو فکر تھی آئے کت کی چیخ سن کر ماموں یا ممانی جاگ نہ جائیں۔ اور آئے کت کو ڈر تھا معاویہ ہاتھ میں پکڑا گلدان اسے نہ کھینچ مارے۔ وہ بند منہ کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے معاویہ کو دیکھ رہی تھی۔

چند منٹ بعد صورتحال واضح ہوئی تو معاویہ نے اس کے ہونٹوں سے ہاتھ ہٹا دیا لیکن اس سے پہلے دھمکانا ضروری سمجھا۔

''میں ہوں... آواز مت نکالنا۔''

اس کا ہاتھ منہ سے ہٹتے ہی آئے کت بدک کر پیچھے ہٹی اور اس سے اپنا تنفس بحال کرنے کو چند گہرے سانس لئے۔ اس دوران وہ معاویہ کو بڑی متنفر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' معاویہ نے ناراضی سے اور الجھن بھرے انداز میں پوچھا۔

''اپنے لئے کافی بنانے آئی تھی... لیکن ''تم'' اسوقت یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے معاویہ کے ہاتھ میں پکڑے گلدان کی طرف دیکھتے ہوئے مزید ناراضی سے پوچھا۔

http://kitaabghar.com

اس کے پوچھنے پر ایک دم معاویہ کو احساس ہوا اگر بروقت آئے کت نہ پلٹی ہوتی تو یقیناً معاویہ وہ گلدان اس کے سر پر مار چکا ہوتا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی اس نے گلدان کچن سلیب پر رکھ دیا تھا۔

''کچھ نہیں...وہ بس...''

''ہوں۔'' آئے کت نے ایک تیکھی نظر اس پر ڈال کر اپنا مگ اٹھایا اور جانے لگی۔ معاویہ کو ایک دم سے کچھ خیال آیا تو اس پکار بیٹھا۔

''اوپر میرے کمرے کے دروازے پر کیا تم نے دستک دی تھی؟''

آئے کت نے اس سوال پر ایسے اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو یہ کیسا سوال ہے۔

''کس قدر احمقانہ سوال ہے۔ رات کے اس پہر میں تمہارے دروازے پر کیوں دستک دونگی؟''

''لیکن دستک کی آواز بہت واضح تھی...میں نے سیڑھیوں پر کسی کو بھاگتے ہوئے بھی دیکھا۔'' معاویہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا تھا۔

''ضرور فلک بوس کا آسیب ہوگا...وہ بدروح...وسامہ کے بعد ممکن ہے اب وہ تمہارے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' آئے کت نے طنز سے کہا سر جھٹکا اور کچن سے باہر نکل گئی۔

معاویہ کے ماتھے پر ان گنت الجھنیں تھیں جو تہہ در تہہ بچھی تھیں۔

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ بیدار ہوا تو ناشتے سے پہلے وہ سارے گھر میں پھرتا رہا۔

طالب ماموں کا گھر کوئی بہت وسیع وعریض نہیں تھا مشکل سے پندرہ مرلے کا ہوگا۔ فلک بوس کی طرح نہیں کہ شروع ہو تو ختم ہونے کا نام ہی نہ لے۔ لہٰذا یہاں کوئی ایسا کونہ بھی نہیں تھا جو اس کی نظروں سے پوشیدہ رہ گیا ہو۔ ویسے بھی اس کا بیشتر بچپن یہیں گزرا تھا وہ اس گھر کے چپے چپے سے واقف تھا۔ ایسے میں اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ رات کو اگر گھر میں کوئی داخل ہوا اور اس نے معاویہ کے دروازے پر دستک بھی دی تو پھر وہ اچانک سے غائب کہاں ہو گیا۔

گھر میں داخل ہونے کا راستہ بھی ایک ہی تھا۔ جو پوری رات مقفل رہتا تھا۔

پورے گھر کا تین بار جائزہ لے لینے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ تھی ضرور۔ لیکن کیا...یہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''رات مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے دروازہ ناک کیا ہو۔ لیکن جب میں باہر نکلا تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔'' ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے اس نے طالب ماموں اور صاعقہ ممانی کو بتایا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' ماموں نے کہا

''میں بھی غلط فہمی سمجھتا اگر میں نے کسی کو سیڑھیوں پر بھاگتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' صاعقہ ممانی ایک دم سے پریشان ہو گئی تھیں۔''اس کا مطلب رات کو کوئی گھر میں گھسا تھا..یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے۔''

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ممانی! میں سارا گھر چیک کر چکا ہوں۔نہ تو کوئی چوری کے آثار ہیں نہ کسی کے بھاگ نکلنے کے... باہر کے دروازے کو ویسے ہی لاک لگا ہوا ہے جیسے رات آپ نے لگایا تھا۔''

''پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟'' طالب ماموں فکرمندی سے بولے ان کے لہجے میں الجھن تھی۔

''ہو سکتا ہے آیو شمتی ہو۔'' آئے کت نے آملیٹ کی پلیٹ میز کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے آسیب بہت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں...کیا پتا وہ بھی فلک بوس سے یہاں آ گئی ہو۔''

معاویہ نے اسے گھور کر دیکھا۔آئے کت کو یہ بات ماموں اور ممانی کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے تھی۔کم سے کم معاویہ کا یہی خیال تھا۔

''وسامہ کے بعد اب وہ معاویہ کے پیچھے ہو گی۔آئی تھنک معاویہ! تمہیں کسی عامل کے پاس جانا چاہیئے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اندازہ لگانا مشکل تھا وہ طنز کر رہی ہے یا نہیں۔

''تم تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہو گی؟'' معاویہ نے سختی سے کہا۔

''نہیں۔'' چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے آئے کت نے ترنت کہا۔

''فلک بوس تمہارا ہے تو وہاں رہنے والے آسیب کا سب سے زیادہ حق بھی تم ہی پر ہے......وسامہ بیچارے تو غلط فہمی میں مارے گئے۔''

''آئے کت! اس طرح کی باتیں مت کرو۔'' صاعقہ ممانی اس کے تیور پہچان کر منت سے بولی تھیں۔

''میں اس طرح کی باتیں کیوں نہ کروں۔آپ اس دن پوچھ رہی تھیں ناں وسامہ کیوں چلا گیا دُنیا سے...میں بتاتی ہوں آپکو۔وہ اس لئے چلا گیا کیونکہ معاویہ نے اسے موت کے منہ میں دھکیلا۔'' وہ ایک دم سے پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی تھی۔

معاویہ کے سر پر جیسے آسمان آ گرا تھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔'' وہ غضبناک ہو کر گرجا۔

''کاش یہ بکواس ہوتی..کاش میں بکواس ہی کر رہی ہوتی۔...لیکن یہی سچ ہے مسٹر معاویہ شرازی!...ایسا سچ جو تم کبھی کسی کے سامنے آنے نہیں دو گے۔...تم اچھی طرح جانتے تھے فلک بوس آسیب زدہ ہے...اس کے باوجود..اس کے باوجود تم نے مجھے اور وسامہ کو

وہاں جانے دیا۔تم نے ہمیں خود مجبور کیا کہ وہاں جا کر رہیں جہاں کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔" وہ زور سے بولا۔

"یہ سچ ہے۔" وہ بھی چلائی۔"تم جلتے تھے وسامہ سے۔تم ہمیشہ اس جیسا بننا چاہتے تھے... یاد کریں انکل! یہ بات آپ نے خود مجھے بتائی تھی کہ معاویہ بہت چھوٹی عمر سے وسامہ کو فولو کیا کرتا تھا۔وہ ہمیشہ کہتا تھا میں وسامہ جیسا بننا چاہتا ہوں۔اور جب یہ ویسا نہیں بن سکا...ویسا ہر دلعزیز نہیں بن سکا تو اس نے وسامہ کو فلک بوس بھجوا دیا...کیونکہ یہ جانتا تھا وہ آسیب کسی کو بھی وہاں ٹکنے ہی نہیں دے گا۔"

"اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے وسامہ کی موت کا ذمہ دار مجھے مت ٹھہراؤ۔" معاویہ چیخ کر بولا تھا۔

"سچ تو یہ ہے کہ وسامہ کی موت کی ذمہ دار تم ہو...محبت کی شادی کرنے کے باوجود تم کبھی اسے وہ خوشی دے ہی نہیں پائیں جو اس جیسا اچھا انسان ڈیزرو کرتا تھا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"اچھا...میں اسے خوشی نہیں دے پائی اس لئے میں نے وسامہ کو...اپنے شوہر کو قتل کر دیا...واؤ وؤ...کس قدر بے تکا الزام ہے۔" آئے کت نے سلگ کر کہا۔

"مجھے نہیں پتا کیا ہوا کیا نہیں...میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کی موت میں کہیں نہ کہیں تمہارا ہاتھ ہے..."

"ٹھیک ویسے ہی جیسے میں مانتی ہوں وسامہ کے اس دنیا سے چلے جانے کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔" وہ سابقہ انداز میں بولی۔

"تم نے محبت کے نام پر اسے موت کے گھاٹ اتارا..." وہ غرایا۔

"اور تم نے بھائی بن کر۔" وہ بھی چلائی۔

کچھ دیر کے لئے ڈائننگ روم میں سناٹا چھا گیا پھر طالب ماموں نے شاک سے نکلتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔؟...کیوں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔"

"کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں ۔...جب تک زندہ رہیں گے اسی طرح ایک دوسرے کو ذلیل کرتے رہیں گے۔" آئے کت نے دوٹوک انداز میں کہا۔ایک چھبھتی ہوئی نگاہ معاویہ پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

معاویہ نے اپنا غصہ دبانے کے لئے دانت بھینچ لئے۔مٹھیاں کس لیں۔اس کی کنپٹی پر ایک رگ مسلسل پھڑک رہی تھی۔اس نے ایک نظر صاعقہ ممانی اور طالب ماموں پر ڈالی۔وہ دونوں ہی عجیب طرح کے تاثرات کا شکار ہو گئے تھے۔

"میں اسے قتل کر دونگا...میری بات لکھ کر رکھ لیں...میں واقعی اسے قتل کر دونگا۔" اس نے ہاتھ مار کر میز پر پڑے برتن گرا دیئے اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

http://kitaabghar.com

"معاویہ!...معاویہ!...میری بات سنو..." طالب ماموں اپنی جگہ سے اٹھے لیکن گھبراہٹ میں فوری طور پر اٹھا نہیں جا رہا تھا۔

"اسے روکیں...کہیں غصے میں کچھ کر نہ بیٹھے۔" صاعقہ ممانی حواس باختہ اس کے پیچھے دوڑی تھیں۔

☆......☆......☆

معاویہ سیدھا کچن میں آیا۔ اسے تیز دھار چھری یا کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی جس سے آئے کت کو قتل کر سکے۔

اس نے ہیجانی انداز میں الماریاں دراز یں کھولنا شروع کر دی تھیں۔ لیکن فوری طور پر اسے کچھ بھی نہیں مل رہا تھا۔

اسی اثنا میں صاعقہ ممانی اور طالب ماموں تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے آئے۔

"معاویہ!..بیٹا! تم کیا کر رہے ہو؟" صاعقہ ممانی کی آواز گھبراہٹ کے مارے کپکپا رہی تھی۔

"میں آئے کت کو زندہ نہیں چھوڑونگا۔" وہ جیسے غصے سے پاگل ہوتا یہاں وہاں ہاتھ مار رہا تھا۔

"غصہ تھوک دو معاویہ! وسامہ جا چکا ہے...اس طرح جذباتیت کا مظاہرہ کر کے وہ واپس نہیں آ جائے گا۔" طالب ماموں نے اسے پکڑ کر روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

معاویہ نے زبردستی اپنا آپ ان سے چھڑوا لیا۔

"مجھے چھوڑ دیں ماموں! مجھے روکنے کی کوشش مت کریں...آپ صحیح کہتے تھے آئے کت اس قابل نہیں تھی کہ وسامہ جیسا لڑکا اس سے شادی کرتا...ہم اسی وقت روک لیتے وسامہ کو تو آج وہ ہمارے درمیان ہوتا..." وہ ہیجانی انداز میں زور زور سے بول رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں نہ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں اور ان سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا معاویہ کو اس بارے میں علم نہیں ہے۔

وہ غم و غصہ سے پاگل ہو رہا تھا۔ اسے تیز دھار چھری مل گئی تھی۔ اسے لئے وہ باہر کی طرف لپکا۔

طالب ماموں نے اسے زبردستی پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

"تمہارے پاس ثبوت ہے؟" وہ اسے باہر نکلنے سے روکنے کی تگ و دو کر رہے تھے اور ہلکان ہو رہے تھے۔

"تمہارے پاس ثبوت ہے معاویہ! کہ وسامہ کو آئے کت نے قتل کیا ہے؟"

شور کی آواز سن کر آئے کت دوڑی چلی آئی۔ اور یہاں کا منظر دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"مجھے چھوڑیں ماموں! میں اسے زندہ نہیں چھوڑونگا..." ان کی بات سنے بغیر وہ خود کو چھڑوا کر تیزی سے آئے کت کی طرف بڑھا۔ عین ممکن تھا وہ اسے چھری سے زخمی کر دیتا۔ طالب ماموں نے سرعت سے اسے پکڑ کر اپنی طرف رخ موڑا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر لگایا۔ اس ایک تھپڑ نے جیسے pause کا بٹن دبا کر ساری کائنات کو still کر دیا تھا۔

آئے کت نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کو روکا۔ صاعقہ ممانی الگ صم بکم کھڑی تھیں۔ جبکہ معاویہ پر جیسے ہیجان کا غلبہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ ایک تھپڑ کھا کر پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا۔

''تمہارے پاس گواہ ہے جس کی گواہی یہ ثابت کرے کہ آئے کت وسامہ کی قاتل ہے؟..کوئی ایسا ثبوت جو آئے کت کو سزا دلوانے کا سبب بن سکے؟..نہیں..کچھ نہیں ہے تمہارے پاس..صرف شک کی بنیاد پر دوسروں کو سزائیں نہیں سنائی جاتیں معاویہ!اور اگر صرف شک کی بنیاد پر کوئی فیصلہ صادر کرنا ہے تب تو ہمیں آئے کت کی بات بھی مان لینی چاہیئے..وہ سمجھتی ہے وسامہ کو تم نے موت کے منہ میں دھکیلا تھا اس حساب سے کوئی نہ کوئی فردِ جرم تو تم پر بھی عائد ہوتی ہے..ایک کے شک کو سچ ماننے کا مطلب ہے دوسرے کے شک کو بھی سچ مان لیا جائے..تمہیں شک ہے تو ثبوت لیکر آؤ.اس کے جرم کو ثابت کرو.اس کے گناہ پر سے پردہ اٹھاؤ..یہ نہیں کہ خود سے سزا دینے نکل کھڑے ہو۔'' وہ جیسے غصے سے بولتے بولتے ہانپنے لگے تھے۔ ذرا غصہ ماند پڑا تو انہوں نے ایک نظر معاویہ اور آئے کت پر ڈالی اور بولے۔

''میں اور ساعقہ کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں کہ سمجھ نہ سکیں..صاف نظر آرہا ہے تم دونوں کے درمیان وجہ اختلاف صرف وسامہ کی موت نہیں ہے...جھگڑے کی بنیاد کچھ اور ہے...تم دونوں لڑو۔ ایک دوسرے کے سر پھاڑ دو یا ایک دوسرے کو قتل ہی کر دو..گزارش صرف اتنی سی ہے کہ ہماری زندگیوں میں اپنے بیٹے کے بعد کچھ بھی نہیں بچا۔ ہم پہلے ہی غم سے نڈھال ہیں ہمیں اور پریشانیوں میں مت دھکیلو..سکون دے نہیں سکتے تو رہا سہا سکون برباد بھی مت کرو۔'' آخری جملہ بولتے بولتے ان کی آواز آنسوؤں سے رندھ گئی تھی۔

انہوں نے صاعقہ ممانی کا ہاتھ پکڑا اور کچن سے باہر نکل گئے۔

معاویہ ایسے ہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا چھری والا ہاتھ پہلو میں تقریباً بے جان سا گرا ہوا تھا۔

آئے کت نے معاویہ کو دیکھا اور سر جھکا کر نظریں چرا کر پلٹ گئی۔

معاویہ نے ہاتھ اٹھا کر اس تیز دھار چھری کو دیکھا۔ بے بسی کا احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گیا اس نے چھری کو فرش پر پھینک دیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ہونے تک خوش نصیب ذہنی طور پر اتنا تھک چکی تھی کہ ساری خودداری ایک طرف رکھ کر فریحہ کے گھر پہنچ گئی۔ دل کو یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ بچپن کی سہیلی کو ناراض نہیں رکھا جا سکتا۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ کہ فریحہ کے چھوٹے بھائی کو گول گپے لے جاتے دیکھ لیا تھا۔ اب تو جب تک پوری پلیٹ نہ ہضم کر لیتی ناراض رہا جا ہی نہیں سکتا تھا۔

سو پہنچ گئی فریحہ کے گھر۔ اور خوب باہنیں پھیلا کر لاڈ جتا کر فریحہ کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کی۔

''تم ایسے ہی منہ پھلا کر بیٹھی ہوئی ہو ورنہ سچ بات ہے میں تمہارے پیر صاحب کے خلاف تو نہیں ہوں۔''

''لیکن تم انہیں مانتی بھی نہیں ہو۔'' فریحہ ناراضی سے بولی۔

''جیسی ان کی شکل ہے وہ خود اپنے آپ کو مان لیتے ہیں یہی بڑی بات ہے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔

''دیکھو میں انہیں پیرومرشد نہیں مان سکتی۔ مر جاؤنگی لیکن ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرونگی۔ لیکن تم کہو گی تو ان کے آستانے پر چلی جاؤنگی۔ ان سے تمیز سے بات بھی کرلونگی..لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' اس نے دوٹوک کہا۔ اور ایک بڑا سا گول گپا چن کر پانی سے بھرا اور منہ میں ٹھونس لیا۔

''تم تو ایسے شرطیں گنوار ہی ہو جیسے پیر صاحب سے شادی کرنے کی بات کردی ہو میں نے۔'' فریحہ منہ بنا کر بولی۔

''توبہ...میں کیوں کروں تمہارے پیر صاحب سے شادی...میرے لئے تو کوئی شہزادہ آئے گا۔'' وہ اترا کر بولی۔

''فکر ہی نہ کرو..وہ شہزادہ بھی آتے ہی تمہیں دیکھ کر بھاگ جائے گا۔'' فریحہ نے دانت نکال کر کہا۔

''ارے وہ تو شکرانے کے نفل پڑھے گا کہ مجھ جیسی لڑکی اس سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوگئی ہے..ابھی بھی بیچارہ پتا نہیں کہاں بیٹھا میرے لئے دن رات وظیفے کرتا ہوگا۔'' اس نے تصور کی آنکھ سے اس شہزادے کو دیکھا جو ابھی پتا نہیں کہاں تھا۔

''تمہاری یہ جو خوش فہمیاں ہیں ناں...دیکھ لینا ایک دن مروائیں گی تمہیں۔'' فریحہ نے کہا

''اچھا بابا ناراض ہو کر بد دعائیں تو مت دو۔''

''نہیں دیتی...لیکن خدارا! تم یہ گول گپے کھانا تو بند کرو...میں نے اپنے لئے منگوائے تھے سارے تم ہڑپ کر گئی ہو...''

''ارے اگر دو چار کھا ہی لئے تو کونسی قیامت آگئی...آخر میں تمہاری دوست ہوں اور...''

''اور میں کھاؤں یا تم..ایک ہی بات ہے۔'' فریحہ نے اس کا جملہ اچک کر لقمہ دیا۔ بجائے شرمندہ ہونے کے خوش نصیب مسکرانے لگی اور بولی۔

''کیا ہوا جو تم بدصورت ہو..لیکن ہو ذہین۔'' ایسی تعریف خوش نصیب ہی کر سکتی تھی۔

''ہونہہ...'' فریحہ نے ناک چڑھائی۔

''تم ایک بار پیر صاحب کے پاس چلو تو سہی۔ ایسی اچھی باتیں کرتے ہیں کہ تم اگلی بار خود کھنچی جاؤ گی۔'' فریحہ خوش ہی ہوگئی تھی۔ دراصل عام انسانی نفسیات ہے ہم جسے عزت دیتے ہیں جس کی عقیدت میں مبتلا ہوتے ہیں چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اس کی چاہ میں مبتلا ہو جائیں۔ عشق میں بے شک دوئی کا تصور نہیں ہے عقیدت میں ہے۔

تو خوش نصیب نے اطمینان سے گول گپے کھائے اور فریحہ کے ساتھ بیری پیر آگئی۔

گھر سے نکلتے ہوئے فریحہ نے اپنی اماں کو اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''ہم مزار پر جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔''

''ہاں ہاں ضرور جاؤ.. لیکن آدھ گھنٹہ رک جاتیں تو میں بھی کاموں سے فارغ ہو کر تمہارے ساتھ ہی چلتی۔''

''مجھے مغرب سے پہلے گھر واپس جانا ہے خالہ جی!'' خوش نصیب نے کہا۔

''آپ بعد میں آجانا اماں! یہ تو کھڑا ہے مزار۔ ہم چلی جائیں گی۔'' فریحہ نے کہا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔'' وہ راضی ہوگئیں۔

''وہ... خالہ جی!'' خوش نصیب نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''اگر میرے گھر سے کوئی مجھے پوچھنے آئے تو انہیں یہ مت بتایئے گا میں مزار پر گئی ہوں... میری روشن امی کو پسند نہیں ہے۔''

''ہاں جانتی ہوں.. تمہاری اماں کو ہر وہ کام ناپسند ہے جو سارا زمانہ کرتا ہو... صحیح کہتی ہے تمہاری چاچی۔ اسے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کا شوق رہتا ہے۔'' ناک چڑھا کر بولیں لیکن اس سے زیادہ ناک خوش نصیب نے چڑھالی۔ غلط خیالات تھے یا صحیح۔ اسے اپنی روشن امی کے خلاف کچھ بھی سننا ناپسند تھا۔

فریحہ اگر اپنی اماں کی بیٹی تھی تو خوش نصیب کی سہیلی بھی تھی۔ فوراً صورتحال بھانپ گئی۔

''ہم جارہے ہیں... چلو خوش نصیب۔'' جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

''اچھا سنو...'' اچانک ساتھ ساتھ چلتے خوش نصیب نے کہا۔

''اپنی اماں سے کہنا میری روشن امی کے بارے میں اس طرح بات مت کیا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ ہم پیروں فقیروں کو نہیں مانتے تو نہیں مانتے...'' اسے بہت ہی برا لگ گیا تھا۔

''چھوڑو اس بات کو.. تمہیں پتا ہی ہے میری اماں کا۔'' فریحہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''ویسے تو تمہاری امی کی پکی سہیلی ہیں لیکن تمہاری فضیلہ چچی کو پیر بہن مانتی ہیں اور ہمارے یہاں سگے رشتوں کے ساتھ ساتھ پیروں سے وابستگی کی بنا پر بننے والے رشتوں کو بھی بہت اہمیت دی جاتی ہے۔''

''ہائیں... اب ان رشتہ داریوں کا کیا مطلب ہے؟'' اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ اسی اثناء میں وہ دونوں مزار کے قریب پہنچ گئیں۔

''بیری پیر کے مجاور بڑے پیر صاحب ہیں۔ ان کا گاؤں ساہیوال سے آگے ہے۔ کبھی کبھار وہ بیری پیر بھی تشریف لاتے ہیں تو ہم لوگ اماں ابا کے ساتھ ان کی خدمت میں سلام پیش کرنے جاتے ہیں... ابھی تم بابا جی سے ملو۔ کبھی بڑے پیر صاحب تشریف لائے تو میں تمہیں ان سے ملوانے بھی لے جاؤں گی۔'' دربار میں داخل ہوتے ہوئے فریحہ اسے بتا رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

''اگر بڑے پیر صاحب کوئی اور ہیں تو یہ بابا جی کون ہیں جن کے پاس تم اس روز بھی مجھے لے گئی تھی؟'' خوش نصیب نے پوچھا

''یہ جوگی بابا ہیں۔ دربار میں ایسے بہت سے جوگی بیٹھتے ہیں جنہوں نے پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے...ان جوگیوں کی کرامات بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔'' فریحہ بڑی سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔

''اگر ایسی بات ہے تو اپنے بابا جی سے کہنا مزار کے کسی فقیر سے سے سر کے بل رقص کروا کر دکھائیں...''

فریحہ نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔ تو جلدی سے بولی۔

''نہیں..میرے کہنے کا مطلب تھا سر کے بل رقص کروانا بھی تو کسی کرامت سے کم تو نہیں ہے۔''

فریحہ مسلسل اسے غضبناک نظروں سے گھور رہی تھی خوش نصیب نے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

مزار پر زائیرین کا معمول کا رش لگا ہوا تھا۔ پیر صاحب کے آستانے کے بالکل سامنے وہ بابا جی براجمان تھے جن کی فریحہ اور اس کی اماں معتقد تھیں۔

سادھوؤں والا چولا، گندے میلے کسیلے بال۔

خوش نصیب کو دیکھ کر بابا جی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دوسری جانب خوش نصیب کو ابکائی سی آنے لگی۔ بابے کا حلیہ تھا ہی اتنا گندا۔ اگر فریحہ ساتھ نہ ہوتی تو خوش نصیب برملا اس بات کا اظہار کرتی۔

''السلام علیکم بابا جی!'' فریحہ نے حسب عادت گھٹنوں کو ہاتھ لگایا۔ ساتھ ہی ٹھوکہ خوش نصیب کو بھی دیا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی الٹا داہنا ہاتھ ماتھے تک لیجا کر اور سر کو ذرا سا خم دے کر بابا جی کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی ذمہ داری ادا کر دی تھی۔

''اللہ تمہارا مالک ہے...اللہ...تمہاری حفاظت کرے...اللہ ھو...حق اللہ...''

سادھو بابا نے سلام کا جواب کچھ اس طرح دیا کہ دُعاؤں کا انبار لگا دیا اور سر کو اتنی زور سے جھٹکا دے دے کر ''اللہ'' بول رہے تھے کہ ایک منٹ کے لئے خوش نصیب کو شک گزرا اب بابا جی چکر کھا کر گرے تو تب گرے۔

''آپ نے خوش نصیب کو بلایا تھا ناں بابا!...میں اسے لے آئی ہوں۔'' فریحہ نے اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

''کوئی اپنی مرضی سے نہیں آتا۔ بندے کی ضرورت اسے کھینچ لاتی ہے....اللہ کھینچ لاتا ہے۔'' بابا جی نے ایک بار پھر سر دھنتے ہوئے جیسے اپنی طرف سے بڑی ''پہنچی ہوئی بات'' کی تھی۔

خوش نصیب نے بابا کو پرکھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اور اپنی اس ''پرکھ'' پر اسے ہمیشہ سے ہی بڑا اعتماد رہا تھا دوسرے اسے ہمیشہ سے ایسے سچ بولنے کا شوق رہا تھا جو اگلے بندے کو شرمندہ کر کے رکھ دے۔ تو اسوقت، پیر صاحب کے آستانے کے صحن میں کھڑے ہو کر اس نے عہد کیا وہ پیر صاحب کا راز فاش کرے گی اور فریحہ اور اس کی اماں کو ان بابا جی کی عقیدت کے چنگل سے آزادی دلوائے گی۔ سو

وہ باباجی کے سامنے سر اُٹھا کر بیٹھ گئی اور ایسے باباجی کی طرف دیکھا جیسے آنکھوں سے ان کی حقیقت کا پتا چلانا چاھتی ہو۔

''بول بچی! کیا چاھتی ہے... بابا تیرے من کی ہر مراد پوری کرے گا۔'' بابا نے اپنی چنی منی سی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں اور ایک پل میں خوش نصیب اس دنیا سے ماورا ہوگئی۔ ایسے جیسے خلا میں بھٹک رہی ہو۔ بظاہر وہ وہیں بیٹھی تھی وہ سب سن رہی تھی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ جو خود کو تیس مار خان، ذہین وفطین اور پتا نہیں کیا کیا سمجھتی تھی اس وقت بالکل ایک ڈمی سی بن گئی تھی۔

بات یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ اعتماد بھی انسان کو لے ڈوبتا ہے اور شاید خوش نصیب بھی ڈوبنے کو تھی۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسوں تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

"مانگ لے...آج بابا دینے کا ارادہ کئے بیٹھا ہے...بتا کیا چاھتی ہے..." ملنگ بابا اپنا سر ہولے ہولے ہلا رہا تھا۔

"مم...میں چاھتی ہوں...شامیر سے میری شادی ہو جائے...کک...کچھ...ایسا کر دیں بابا جی!...وہ...وہ میرے علاوہ...کسی مرن جوگی کو نہ دیکھے۔"

ادھر لرزتے ہوئے لب خوش نصیب کے ہونٹوں سے ادا ہوئے ادھر عقیدت مندی سے سر جھکائے بیٹھی فریحہ کے سر پر بم پھوٹا اور ایسا پھوٹا کہ اس کے پرخچے ہی اڑ گئے۔ وہ ہکا بکا ہو کر خوش نصیب کو دیکھنے لگی۔ لیکن اگلا جھٹکا اس سے بھی زیادہ شدید ثابت ہوا کیونکہ خوش نصیب وہ نہیں لگ رہی تھی جو کہ اصل میں وہ تھی۔

گو کہ اس کا چہرہ، بات کرنے کا انداز، اس کا لباس سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا لیکن کہیں کوئی تبدیلی آئی تھی کوئی ایسی تبدیلی جسے فریحہ جیسی ناسمجھ لڑکی فی الحال کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

وہ آنکھیں کھولے بابا کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا سر ہولے ہولے لرز رہا تھا بالکل غیر محسوس انداز میں۔ آنکھوں کی پتلیاں بار بار سکڑ کر پھیل رہی تھیں۔

ویسے اس سے تو اچھا تھا خوش نصیب کے سر پر سینگ ہی نکل آئے ہوتے۔ کم سے کم فریحہ کو ایسا زوردار جھٹکا تو نہ لگتا اور یقیناً پہچاننے میں بھی آسانی ہو جاتی کہ اصل میں تبدیلی آئی کہاں ہے۔

"مایا ہے...سب مایا ہے۔" ملنگ بابا نے اپنے پیلے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کر ڈالی اور ایسے کہا جیسے اپنی طرف سے بڑی بات کی ہو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بابا جی کی اس بات پر سر دھننے والے وہاں بہت سے لوگ موجود تھے۔

"کیوں اس مایا دنیا کے پیچھے بھاگتی ہے...خود کو برتر کر لے...دنیا تیرے پیچھے آئے گی..."

"اتنی محنت نہیں ہوتی مجھ سے..." ہپناٹائز ہو کر بھی وہ خوش نصیب ہی تھی اس نے ثابت کیا۔

"محنت کرنے سے ڈرتی ہے؟"

"محنت سے نہیں ڈرتی۔ محنت کا پھل نہ ملنے سے ڈرتی ہوں...آج تک محرومیاں ہی دیکھی ہیں اب زندگی میں سکون چاہیئے...ایسا سکون جو ہر چیز ہر پریشانی سے چھٹکارے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔" وہ رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا اپنی قوت گویائی پر وہ خود قادر نہ رہی ہو۔ اور الفاظ کو اس کے اندر سے باہر آنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہو۔

"مجھے شامیر چاہیئے بابا!...کسی بھی طرح...کسی بھی قیمت پر۔" بولتے بولتے وہ ایک طرف کو لڑھک گئی۔

فریحہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ بری طرح حواس باختہ ہو گئی۔

http://kitaabghar.com

''خوش نصیب!....خوش نصیب!...''

بابا کا خاص بندہ جلدی سے آگے بڑھا اور فریحہ کے ساتھ مل کر خوش نصیب کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ارد گرد کھڑے لوگ بھی مدد کے لئے آگے آ رہے تھے۔ اس نے سب کو پیچھے ہٹایا اور سہارا دیکر وہاں سے کچھ دور خوش نصیب کو ایک ستون کے سہارے بٹھا دیا۔ خوش نصیب کا بے ہوش ہو جانا فریحہ کے لئے باعث پریشانی تھا۔ وگرنہ یہاں ایسے بہت سے لوگ تھے جن کے ساتھ ایسے معاملات ہو رہے تھے۔

''خوش نصیب! آنکھیں کھولو...'' فریحہ نے اسے ستون کے سہارے بٹھا کر اس کا گال تھپتھپایا لیکن خوش نصیب ایک طرف کو لڑھک گئی۔ فریحہ نے اسے جلدی سے دوبارہ سنبھالا۔

''مجھے لگتا ہے یہ مر گئی ہے۔'' وہ فکرمندی سے پیلی پڑ گئی۔

''او نئیں بی بی!۔''

لیکن بی بی کو کہاں کا سکون۔ پٹر پٹر بولنے والی خاموش، ہوش و خرد سے بیگانہ نظر آ رہی تھی اتنے تو ریڈیو پر بیک ٹو بیک گانے نہیں چلتے ہونگے جتنا اکیلی خوش نصیب ایک وقت میں بول لیتی تھی۔ قیاس تھا کہ سوتے میں بھی اس کی زبان کو سکھ کا سانس نصیب نہیں ہوتا ہوگا۔ تو معاملہ کچھ یوں تھا کہ خوش نصیب بیہوش تھی اور خاموش تھی اور فریحہ کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح اسے آنکھیں اور زبان کھولنے پر مجبور کر دے۔ دو تین بار تو وہ جھک کر اس کے دل کی دھڑکن بھی سن چکی تھی۔

''دس پندرہ منٹ تک ہوش آ جائے گا۔ اتنی وی کوئی پریشانی دی گل نئیں (اتنی بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں)'' وہ بولا۔

''بب... بابا سے کہو... اسے ہوش میں لائیں۔''

''بابا بیہوش کر سکتے ہیں... ہوش اسے اپنے وقت پر ہی آئے گا۔''

''اس دن تو بابا کہہ رہے تھے۔ مردے میں جان ڈال سکتا ہوں ... یہ تو پھر بے ہوش ہوئی ہے۔''

''بی بی! بحث نہ کر۔'' معتقد خاص آئیں بائیں کرنے لگا۔ ''یہ تعویز ہے۔ دروازے کی چوکھٹ میں دبا دینا۔ اور یہ چینی... اگلے پندرہ دن کسی چیز میں ڈال کر کھلانا ہوگی۔''

''یہ تو بات نہیں کر رہی۔ تعویز والی میٹھی چیز کھانے کے لئے منہ کہاں کھولے گی۔'' حواس باختہ فریحہ بولی۔

''اوہو...'' اس نے سر پیٹ لیا۔ ''یہ چینی اسے کھلانی ہے جس کا ابھی نام لے رہی تھی... جس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

''اچھا اچھا سمجھ گئی۔'' فریحہ نے جلدی سے پڑیاں لے کر دوپٹے کے پلو سے باندھیں۔ اسی وقت خوش نصیب کسمسانے لگی۔ فریحہ کے ہاتھ پیر میں جان آ گئی۔

''اٹھو خوش نصیب!..آنکھیں کھولو۔''

''میں...میں کہاں ہوں؟''اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہم بیری پیر آئے تھے خوش نصیب!...تم ..تم ٹھیک ہو ناں۔''وہ جب تک اس کے منہ سے سن نہ لیتی اسے سکون نہیں آنا تھا۔خوش نصیب کی سہیلی تھی اور اس سے کچھ کم بھی نہیں تھی۔

خوش نصیب نے پورا زور لگا کر آنکھیں کھول دیں تو بیری پیر کے صحن کی محرابی چھت آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ذرا دیر گھومتی رہی پھر ٹھہر گئی۔اسی مدت میں خوش نصیب کو یاد آ گیا وہ یہاں آئی تھی اور کس مقصد کے لئے آئی تھی۔سب یاد آتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''میں زندہ ہوں۔''ایسی خوشی سے کہا جیسے اپنے تئیں مر ہی چکی ہو۔

''تم نے تو ڈرا ہی دیا تھا...میں سمجھی واقعی مر مرا گئی ہو۔''فریحہ نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کہا اور ایسے پرسکون ہو کر بیٹھ گئی جیسے بڑی دیر تک سولی پر ٹنگی رہی ہو۔

''فٹے منہ تمہارا...انسان کوئی اچھی بات ہی سوچ لیتا ہے۔''وہ کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔''اب چلو..تمہارے پیر بابا سے پھر کبھی مل لیں گے ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''اس نے قدم بڑھا دیئے۔

''ہائیں۔''فریحہ کو اس کی بات سن کر ایک اور جھٹکا لگا۔کیا اسے یاد نہیں بے ہوشی سے پہلے وہ بابا سے مل چکی ہے۔اس نے جاتی ہوئی خوش نصیب کو دیکھا جو ایسی لاپروائی سے دربار سے نکل گئی تھی جو اس کی شخصیت کا شیوہ رہا تھا۔

''خوش نصیب!میری بات تو سنو۔''وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

☆......☆......☆

طالب ماموں کے ایک تھپڑ نے کافی کام کیا۔معاویہ غصے میں گھر سے نکلا اور واپس آنے کا سوچا تک نہیں۔غصہ پہلے ناراضی میں ڈھلا پھر پچھتاووں نے گھیر لیا۔

بارش بھی اس روز وقفے وقفے سے برستی رہی۔وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے سڑکوں پر پھرتا رہا قسم کھائی تھی مڑ کر وہاں نہیں جائے گا جہاں ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا گیا اسے جھوٹا قرار دیا گیا تھا۔لیکن ایسی جذباتیت کی قسموں کی مدت کم ہی ہوتی ہے سو شام ڈھلے جب وہ واپس پلٹا تو نہ صرف غصہ اتر چکا تھا بلکہ دل میں دبے غم کا منہ زور طوفان بھی اپنا زور کم کر چکا تھا۔

طالب نگر جو بظاہر ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا اس وقت خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔اتنا سناٹا تھا لگتا تھا کبھی یہاں کسی کی ہنسی کی آواز گونجی ہی نہیں ہو گی۔

اس نے دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن اس سے بھی پہلے گیٹ کھلتا چلا گیا۔صاعقہ ممانی کی آنکھیں جہاں اب ہمہ وقت

http://kitaabghar.com

اداسی ڈیرے ڈالے رکھتی تھی اسے دیکھتے ہی ایسے روشن ہوئیں جیسے دل کی زمین پر سکون اتر گیا ہو۔

"میں کب سے انتظار کر رہی ہوں... کہاں چلے گئے تھے تم۔" انہوں نے بیقراری سے پوچھا۔

معاویہ چھوٹے بچوں کی طرح آگے بڑھا اور ان سے لپٹ گیا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟... مجھے معاف کر دیں.. آپ کو یاد ہے ممانی! آپ ہمیشہ کہا کرتی تھیں معاویہ کا قد لمبا ہوتا جا رہا ہے لیکن اس میں عقل چھوٹے بچوں جیسی ہے.. آپ سمجھیں میں بچہ ہی ہوں.. پلیز.. میری صبح والی بدتمیزی کو اگنور کر دیں..." وہ آہستہ آہستہ لیکن لجاجت سے بولتا چلا گیا۔

صاعقہ ممانی پہلے حیران ہوئیں پھر جیسے ان کی حیرانی کے رنگ جھڑ گئے اور وہ ساری بات سمجھ گئیں۔

"میں نالائق ہوں ممانی! ہمیشہ ہر بات مجھے وسامہ ہی سمجھاتا تھا۔ میں نے انسانوں کو اب تک اس کی نظروں سے دیکھا تھا... دنیا کو اس کے پوائنٹ آف ویو سے سمجھنے کی کوشش کی تھی... اب وہ نہیں ہے تو میں خود کو بھٹکا ہوا محسوس کرتا ہوں.. مجھے ایسا لگتا ہے میں خلا میں معلق ہوں.. میں نے کیا کرنا ہے.. کہاں جانا ہے مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا... مجھے تو یہ بھی یقین نہیں آتا وسامہ اس دنیا میں نہیں رہا..." اب وہ رونے لگا اس کی آنکھوں سے چپکے چپکے آنسو بہہ رہے تھے۔

"آپ اور ماموں بھی مجھ سے ناراض ہو گئے تو میں کہاں جاؤنگا.." وہ بلک بلک کر رونے لگا تھا۔

صاعقہ ممانی نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"کون ناراض ہے تم سے؟.. کون چھوڑ رہا ہے تمہیں؟... ہمیں تو تمہاری اتنی فکر تھی۔ تمہارے ماموں ابھی بھی تمہیں ڈھونڈنے باہر نکلے ہوئے ہیں۔"

معاویہ نے ذرا چونک کر ان سے الگ ہوتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"ماموں ناراض نہیں ہیں؟"

"پتا نہیں... میں نے نہیں پوچھا۔" وہ قدرے بیزاری سے اور جان چھڑوانے والے انداز میں بولی تھیں۔

"تم اندر آؤ... کپڑے بدلو۔ ٹھنڈ لگ جائے گی تو بیمار ہو جاؤ گے۔"

معاویہ قدرے ہلکا پھلکا ہو کر اندر آ گیا۔ گھر خالی تھا۔ جب تک اس نے کپڑے تبدیل کئے ممانی اس کے لئے تازہ بیک کئے ہوئے چیز پیزا اور کافی بنا لائیں۔ جب تک وہ کھاتا رہا ممانی اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ اس کے بعد اسے کچھ دیر سونے اور آرام کرنے کی تلقین کر کے چلی گئیں۔

معاویہ کے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔ ممانی کے دل میں اس کے لئے شکایت نہیں ہے یہ بات اسے پرسکون کرنے کے لئے

کافی تھی۔

وہ بے سدھ ہو کر سویا جب دوبارہ آنکھ کھلی تو شام گہری رات میں بدل چکی تھی۔ اور پورے چاند کی روشنی کھڑکی کے شیشے سے اندر تک آرہی تھی۔ اس نے اٹھ کر پردے برابر کیئے اور باہر آ گیا۔ نیچے لاؤنج سے کسی کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ذرا آواز واضح ہوئی تو پتا چلا ٹی وی پر خبر نامہ نشر مقرر کیا جا رہا تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ تینوں افراد وہیں موجود تھے لیکن غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور خاموش۔

معاویہ نے کن انکھیوں سے طالب ماموں کو دیکھا۔ وہ بری طرح منہمک دکھائی دیتے تھے۔ آئے کت سنگل صوفے پر پیر اوپر کیئے ہتھیلی پر چہرہ رکھے بیٹھی تھی۔ اس کے براؤن سنہری سے دکھائی دینے والے بال بے ترتیبی اور لاپروائی سے بندھے تھے۔

معاویہ نے اسے بری طرح نظر انداز کیا اور گلا کھنکھار کر ماموں کو متوجہ کیا۔ جوں ہی انہوں نے اس کی طرف دیکھا معاویہ استحقاق سے آگے بڑھا اور ماموں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

وہ آہستہ سے مسکرائے پھر ان کا داہنہ ہاتھ معاویہ کے سر پر آرکا۔ اب وہ بھی انہماک سے ٹاک شو سن رہا تھا۔

آئے کت نے ناراضی سے بھرپور نظر اس پر ڈالی اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ محبت کے یہ مظاہرے اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''مجھے اتنی زیادہ نیند آرہی ہے کہ میری آنکھیں خود بخود بند ہو رہی ہیں... مجھے ایسا لگتا ہے میں گر جاؤں گی۔''

چھوٹی گلی سے نکل کر وہ مین روڈ کے کنارے آئیں تو خوش نصیب نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔ اس سڑک کو عبور کر کے سامنے کی لین میں کچھ آگے جا کر ان کے گھر تھے۔ اور گھر ابھی کافی دور ہی تھے۔

''آؤ یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔'' وہ اسے لیکر ایک گھر کے باہر بیٹھ گئی۔

''تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا تھا خوش نصیب!''

''اچھا؟... واقعی؟''

''لو یہ کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے۔'' فریحہ برا منا گئی۔ ''مذاق تو وہ تھا جو تم نے میرے ساتھ کیا؟''

''اب میں نے کیا کر دیا؟'' اس کا سر چکرا رہا تھا اوپر سے ایسی باتیں۔

''بابا جی سے بات کرتے کرتے ایک دم سے بے ہوش ہو گئی... قسم سے۔ میرے تو ہاتھ پیر ہی پھول گئے تھے۔''

''میں بے ہوش ہو گئی تھی؟'' اس نے ذہن پر زور ڈالا۔

''صرف یہی نہیں۔ تم نے تو بابا جی کو یہ بھی بتایا کہ تم شامیر سے شادی کرنا چاہتی ہو۔'' جو بم فریحہ کے سر پر پھوٹا تھا وہ اسکے بچے

کھچے ٹکڑے جمع کر کے فریحہ نے اسی شدت سے خوش نصیب کے سر پر دے مارا۔اور نتائج بھی حسب منشا حاصل کر لئے۔

خوش نصیب اپنی جگہ سے دو فٹ اچھل کر دوبارہ بیٹھی تھی۔

''یہ کس نے کہا تم سے؟''اس کی آنکھیں شدت کے جھٹکے سے پھٹنے کے قریب ہوگئی تھیں۔یہ بالکل ایسی ہی بات ہوئی تھی جیسے آپ کے دل کی بات دوسرے کی زبانی ادا ہونے لگے۔

''تم نے...اور کس نے۔''فریحہ تنک کر بولی۔

''اور تم ایسی بدتمیز سہیلی ہو کہ مجھے بتایا تک نہیں...میں ناراض ہوں تم سے۔''

''کیا نہیں بتایا؟''وہ گم صم سی پوچھ رہی تھی۔شکل پر ایسے تاثرات تھے جیسے بس ابھی رو دے گی۔

''یہی کہ تم شامیر کی محبت میں ناک تک ڈوب چکی ہو...''

''یہ سچ نہیں ہے۔''وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''ہائیں...اگر سچ نہیں ہے تو بابا جی کے سامنے اقرار کیوں کیا تھا..''وہ ناک چڑھا کر بولی۔''انہوں نے تو تعویز بھی لکھ دیا ہے اور چینی پر دم بھی کر دیا ہے...''

''چینی....اخ تھو..''خوش نصیب کو سنتے ہی کراہیت آئی۔''بات سنو...مجھ سے ذرا دور ہو کر بیٹھو...ایسی گندی چیز ہاتھ میں پکڑے بیٹھی ہو میرے ساتھ بھی نہ لگنا۔''وہ کھسک کر ذرا دور ہوگئی تھی۔

فریحہ نے دانت کچکچائے۔اسے ایسے گھورا جیسے آنکھوں سے ہی کچا چبا جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔لیکن ابھی وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔کیونکہ اسے اس راز کی حقیقت معلوم کرنا تھی جو اس سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اور خوش نصیب کسی اور ہی کیفیت میں دی گریٹ بابا جی کے سامنے اگل آئی تھی۔

''مجھے بتاؤ..آخر معاملہ کیا ہے؟..''

''کوئی معاملہ نہیں ہے۔''اس نے یکا یک آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

''اچھا اب مجھ سے جھوٹ مت بولو...''اسے اب یقین ذرا مشکل سے ہی آنا تھا''میں تو سمجھتی تھی تم کیف سے ہی شادی کرو گی۔''

خوش نصیب نے ناراضی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تم اور تمہاری سمجھ...میں کیوں کرنے لگی کیف سے شادی...ایسا کرو..''ماتھے پر انگلی رکھ کر ذرا دیر کو سوچا۔''تم کر لو۔''

''ہیں؟...سچ؟''فریحہ تو خوشی سے مرنے والی ہی ہوگئی۔''دیکھو....بعد میں مکر تو نہیں جاؤ گی؟''

خوش نصیب کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

''اتنا اچھا لگتا ہے تمہیں؟''

''وہ ہے ہی اچھا... کس کو برا لگ سکتا ہے۔؟...'' وہ شرارت سے ہنسی۔

''اچھا...'' خوش نصیب نے پھر سوچا اور بولی۔ ''اگر تم کہو تو میں اس سے تمہارے لئے بات کروں؟''

''ہرگز نہیں۔'' فریحہ کے جواب نے اسے حیران کر دیا تھا۔ ''کیف مجھے اچھا لگتا ہے لیکن میں نے اس سے شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا.. ویسے بھی....'' وہ جان بوجھ کر بولتے ہوئے رک گئی، خوش نصیب کا کیا پتا۔ ناک پر مکا ہی دے مارے۔

''ویسے بھی کیا؟'' وہ متجسس ہوئی۔

''کیف کی آنکھوں میں تمہارا عکس ہے... وہ تمہارے علاوہ ساری زندگی کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔'' یکدم فریحہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

خوش نصیب نہ چونکی نہ حیران ہوئی۔ بس چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔

''بالفرض تمہارے علاوہ کیف کی زندگی میں کوئی لڑکی شامل ہوئی تو یہ اس لڑکی کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہو جائے گی... کیف تمہارے علاوہ کسی سے محبت نہیں کر سکے گا... ساری زندگی۔''

خوش نصیب یکدم ہنس دی۔

''لو... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔'' فریحہ نے ناک چڑھالی۔

''مذاق کرنا کیف کی عادت ہے... اسے مجھ سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے...'' اس نے جیسے بڑے راز سے پردہ اٹھایا تھا۔

''اور اگر ایسا کچھ ہے...'' اس نے ایک ڈرامائی سا توقف کیا تھا۔ ''تو وہ اپنے ساتھ بہت ناانصافی کر رہا ہے... سمجھو... سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے... ہمارے خاندان والے اسے کبھی مجھ سے شادی نہیں کرنے دیں گے۔ میں اگر دنیا میں رہ جانے والی آخری لڑکی بھی ہوئی تو کیف کو مجھ سے شادی کرنے سے روک دیا جائے گا۔ اتنا ہی ناپسند کرتے ہیں مجھے سب.. سوخوش نصیب باسط، کیف بن حسان کے لیے ایک سراب ہے۔ صحرا میں پانی کی طرح نظر آتا ہوا سراب... جس کی تمنا میں اس کے پیچھے ہلکان ہوا جا سکتا ہے لیکن اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

اسی وقت پورب سے آندھی کا تیز بگولہ اڑا اور آن کی آن سارے آسمان پر پھیل گیا۔ زمین سے آسمان تک مٹی کی چادر تننے لگی۔ وہ دونوں موسم کے تیور دیکھ کر گھبرائی نہیں لیکن گھر جانے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

فریحہ کے ماتھے پر سوچ کی پرچھائیں نظر آتی تھیں۔ وہ جیسے دکھی سی ہو گئی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا۔'' خوش نصیب نے اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر پوچھا۔

''تم پسندیدہ کیوں نہیں بن جاتی خوش نصیب!..میں کیا بتاؤں تم اور کیف ساتھ ساتھ کھڑے کتنے اچھے کتنے پیارے لگتے ہو۔'' وہ کتنی اچھی کتنی پیاری سہیلی تھی۔خوش نصیب کو اس کے خلوص پر پیار آیا لیکن بات پر ہنسی۔

''یہ ممکن نہیں ہے...میرے پیدا ہوتے ہی میرے ماتھے پر ناپسندیدگی کا ٹیگ لگا دیا گیا تھا..جب ایک چھوٹی سی بچی پر کسی کو رحم نہیں آیا تو اب کوئی کیوں مجھے پسند کرے گا...دوسری بات میں نے کبھی کوئی ایسی کوشش بھی نہیں کی کہ کسی کی پسندیدگی کی لسٹ میں میرا نام شامل ہوسکتا...مجھے ہمیشہ سے یقین رہا ہے۔ایسی ہر کوشش ناکام ہی رہے گی۔'' وہ لاپرائی سے بول رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے..میری عادت ہے..میں کسی ایسے کام کو کرنے کی کوشش نہیں کرتی جس میں کامیابی کا مجھے یقین نہ ہو..اس لئے میں نے کبھی کیف کی باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا..''

''کیف پر دھیان کیسے دیتی تم...سارا دھیان تو شامیر کی طرف لگا ہوا ہے۔'' فریحہ کو جیسے بڑا برا لگ رہا تھا اس کا ذکر۔

''وہ تو اب آیا ہے...لیکن خیر تم نہیں سمجھو گی۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی اور تیز ہوا سے چہرے پر آتے بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑھستی آگے بڑھی۔فریحہ سرعت سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

''میرا دل کہتا ہے وہ تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔'' وہ فکرمند ہو رہی تھی۔

''لیکن اس کی دولت میرے لئے اچھی ہے...اور مجھے وہی چاہیئے۔'' خوش نصیب نے گہری سانس بھر کر جیسے ہر راز سے پردہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو...مجھے نہیں پتا یہ بات میں پیر بابا کے سامنے کیسے بول گئی۔شائد مجھے ہپناٹائز کیا گیا ہوگا..میں نے سنا ہے۔ہپناٹزم کے ذریعے کسی بھی انسان کے دل کا حال اس کی زبان سے جانا جاسکتا ہے...لیکن مجھے شامیر کی دولت میں دلچسپی ضرور ہے میں اس سے شادی بھی کرنا چاہتی ہوں کیونکہ ایک یہی راستہ ہے جو مجھے اس سارے ماحول سے باہر نکال سکتا ہے...میری محرومیوں کا ازالہ کرسکتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے میں ہر حد تک جانے کا ارادہ بھی کر چکی ہوں...لیکن محبت۔محبت نہیں ہے مجھے شامیر سے۔''

فریحہ چپ سی رہ گئی۔اسے یہ باتیں ہرگز سمجھ نہیں آرہی تھیں۔

اسی وقت آندھی نے زور پکڑ لیا اور درختوں اور بل بورڈز کو زور زور سے ہلانے لگی۔راہ چلتے لوگ بھی جلدی جلدی اپنی منزلوں کی طرف بڑھنے لگے۔

''جلدی چلو۔'' خوش نصیب نے فریحہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا لیکن ہوا اتنی زور آور تھی کہ وہ دو قدم آگے بڑھتی تھیں تو چار قدم پیچھے آتی تھیں۔لباس ہوا سے بے قابو ہو رہے تھے الجھن سی الجھن تھی۔دھول مٹی آنکھوں میں گھس رہی تھی۔

کالی اوڈی کے ٹائر عین ان کے عقب میں چرچرائے تو دونوں ہی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔شامیر انہیں اندر بیٹھنے کا اشارہ کر رہا

تھا۔خوش نصیب نے فریحہ کا ہاتھ کھینچا اور غڑپ سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

شامیر نے گیئر بدلا۔بریک سے پاؤں ہٹا کر ریس پر رکھا اور زن سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

لڑکیوں کو اپنی ناکوں، آنکھوں اور کپڑوں سے مٹی جھاڑنے میں کچھ وقت لگا۔

خوش نصیب نے مٹی سے چھٹکارہ حاصل کر کے گاڑی کی طرف دھیان دیا۔ہائے...اف..کس قدر نرم سیٹ تھی...اچھا تو اس گاڑی میں بیٹھ کر ایسا لگتا ہے...واہ۔یونہی دل ہی دل میں جھومتے ہوئے نظر بیک ویو مرر پر پڑی اور وہ سٹپٹا گئی۔

شامیر مسکراہٹ ہونٹوں کے کناروں میں دبائے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔نظر ملنے پر نہ وہ سٹپٹایا نہ نظر پھیری۔الٹا خوش نصیب نے ہی رخ بدل لیا۔اور اس طرح دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی جیسے شامیر کی نظروں کی دسترس سے دور نکل جانا چاہتی ہو۔

☆......☆......☆

ایک بوجھل بیزار اور ڈپریشن سے بھرپور دن گزار کر وہ اسوقت کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔طالب ماموں، صاعقہ ممانی اس سے خفا نہیں تھے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔باقی بچی آئے کت تو اس کی اسے کوئی خاص پرواہ ہی نہیں تھی۔ہاں... بار بار وہ خود کو یہی باور کروا رہا تھا۔

ماموں مامی کے ساتھ بیٹھ کر اس نے ڈھیروں باتیں کی۔گزرے دنوں کو یاد کیا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ ماضی کو دہرایا جاتا اور اس ماضی میں وسامہ کا ذکر نہ ہوتا۔پرانی باتیں پرانی شرارتیں۔ایک دوسرے کو ہنسانے کے لئے ان تینوں نے اپنی یادداشت میں محفوظ سارے لطیفے ایک دوسرے کو سنا ڈالے تھے۔

پھر صاعقہ ممانی کو کچھ خیال آیا تو ہڑبڑا کر اٹھیں۔انہیں رات کے کھانے کی فکر ستانے لگی تھی۔معاویہ نے کہا کہ انہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ کھانا باہر سے لے آئے گا لیکن صاعقہ ممانی نے صاف منع کر دیا۔

''میں اور تمہارے ماموں تو باہر کا کھا لیں گے لیکن آئے کت نہیں کھائے گی۔''

''وہ نہیں کھائے گی تو اسے کہیں اپنے لئے خود کچھ بنا لے...آپ اس کی ملازمہ نہیں ہیں کہ اس کے کھانے کے لئے فکرمند ہوتی پھریں۔'' اس نے اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں کہا تھا۔

''اس نے مجھے کھانا بنانے کے لئے نہیں کہا معاویہ! میں اپنی خوشی سے بناتی ہوں۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

''چلیں پھر آج میری خوشی کے لئے باہر کا کھا لیں۔'' وہ بضد ہوا

''اچھا ٹھیک ہے...تم ہم تینوں کے لئے باہر سے لے آؤ...لیکن آئے کت کے لئے میں گھر میں ہی کچھ بنا لونگی۔'' اس کی ضد کے آگے ہار مانتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''پھر وہی بات۔'' وہ ناراض ہی ہو گیا۔

''ایک تو تم خفا بہت ہوتے ہو۔'' وہ ہنس کر بولیں جیسے معاویہ چھوٹا سا بچہ ہو۔ ''بھئی اس حالت میں آئے کت کے لئے باہر کی خوراک اچھی نہیں ہے۔'' انہوں نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''اس حالت میں؟... کس حالت میں؟'' وہ نا سمجھی اور تسلسل سے بولا اس پر ممانی اور ماموں دونوں ہی ہنس دیئے تھے۔ اس کے بعد ممانی کچن میں چلی گئیں۔ ماموں نے ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا۔ معاویہ نا سمجھی سے بیٹھا رہا اور اس بات پر غور کرتا رہا پھر سر جھٹک کر اٹھا اور مارکیٹ چلا گیا۔ کھانا لیکر آنے تک وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسی ایک بات پر غور کرتا رہا تھا۔ کھانا لیکر آیا تو ممانی کے ساتھ آئے کت بھی کچن میں تھی اور کچن ٹیبل پر بیٹھی بددلی سے کھانا کھا رہی تھی۔ ممانی اسے پیار سے مزید کھانا کھانے اور اپنا خیال رکھنے کی تلقین کر رہی تھیں۔

''وسامہ کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا آئے کت! مجھے دیکھو ماں ہوں اس کی لیکن دل پر صبر کی سل رکھ لی ہے۔ اللہ نے تمہیں اس بچے کی صورت میں جینے کی آس دی ہے.. آنے والا بچہ وسامہ نہیں ہو گا لیکن اس کا پرتو تو ہو گا.... بیٹا! ایسے مایوسی کی باتیں کر کے اللہ کو ناراض نہ کرو۔''

اوہ... تو یہ بات ہے۔ معاویہ کو جیسے ہر بات سمجھ آنے لگی اور وہ دروازے کی اوٹ میں ہی رک گیا تھا۔ دروازے کی جالی سے اس نے دیکھا آئے کت نے خود کو پورا ایک کالی چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔

سر جھکائے آئے کت گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے سامنے کھانا رکھا تھا۔ صاعقہ ممانی ہاتھ بڑھا کر اس کا سر تھپتھپانے لگیں۔

معاویہ اندر آیا اور کھانے کا سامان اس نے شیلف پر رکھ دیا۔

''میں کھانا لے آیا ہوں ممانی!''

اس کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔ آئے کت نے تیزی سے آنکھیں صاف کیں اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا کر سرعت سے کچن سے نکل گئی۔ اس کا انداز صاف بتا تا تھا وہ معاویہ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔

صاعقہ ممانی نے گہری سانس بھری اور اٹھ کر شیلف کے پاس آ گئیں۔

''یہ تو بہت سارا کھانا اٹھا لائے ہو تم۔ ہم تین افراد کتنا کھا سکتے ہیں۔''

معاویہ ابھی تک گردن موڑے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے ایک آن میں آئے کت غائب ہوئی تھی۔ اس نے ممانی کی بات پر ذرا چونکتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور ان کی بات سمجھنے میں اسے کچھ وقت لگا۔

''آ... جو کھانا بچ جائے وہ صبح کام والی ماسی کے گھر بھجوا دیجئے گا۔''

''ہاں... یہ ٹھیک ہے۔'' وہ کھانا پلیٹوں میں نکالنے لگیں۔ تبھی ان کی نظر میز پر پڑی جہاں پانی کا گلاس جوں کا توں رکھا تھا۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

"یہ پانی کا گلاس تو یہیں رہ گیا۔میں آئے کت کو دے کر آتی ہوں۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا۔معاویہ نے ان کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

"میں دے آتا ہوں۔"

"معاویہ!"

"جی؟" وہ دروازے کے قریب رک کر پلٹا۔

"بیٹا! کوئی تلخ بات مت کرنا۔" صاعقہ ممانی نے منت سے کہا۔"آئے کت پریگنیٹ ہے۔اس حالت میں پہلے ہی بہت صدمے اٹھا چکی ہے...اب رحم کرو اس پر۔"

معاویہ کا دل ایک دم سے جیسے خالی ہو گیا تھا۔

"جی۔" اس نے گہری سانس بھر کر کہا اور باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

فریحہ کے گھر کے سامنے جب کالی اوڈی رکی۔تو خوش نصیب بھی فریحہ کے ساتھ ہی اتر گئی۔

شامیر نے کھڑکی سے جھانک کر ذرا سنجیدگی سے کہا۔

"میں فضل منزل جا رہا ہوں...اتفاق سے آپ کی اور میری منزل ایک ہی ہے۔تشریف رکھیے۔" اس نے آٹومیٹک شیشے چڑھا دیئے اور اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجاتے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگا۔

اب اتنی عقل تو خوش نصیب میں بھی تھی کہ عام بات اور طنز کا فرق سمجھ سکتی۔ایک بار پھر شرمندہ ہو گئی۔البتہ فریحہ نے خوب ہی ناک منہ چڑھائی۔

"توبہ کتنا نخرہ ہے اس میں۔" خود کلامی پھر خوش نصیب کو دیکھ کر بولی۔"مجھے یہ ایک آنکھ بھی اچھا نہیں لگ رہا...تم کیف کے بارے میں ہی سوچو۔"

"اور تم سوچو میری شادی میں کس رنگ کا جوڑا پہنو گی۔" وہ اتنی پراعتماد ہو رہی تھی کہ شائد اب تک زندگی میں کبھی ایسی نہ ہوئی ہو گی۔

فریحہ نے بڑے دکھی دل سے اسے دیکھا۔"کوئی تو ایسا راستہ ضرور ہو گا کہ اس کا خیال تمہارے دل سے نکل جائے۔"

"صرف ایک۔" اس نے شہادت کی انگلی کھڑی کر کے کہا۔"یا تو اسکی ساری دولت کسی دریا میں بہہ جائے یا کیف کے پاس اتنا روپیہ آجائے کہ اس کے علاوہ مجھے کوئی دکھائی ہی نہ دے۔" ہنس کر کہا۔

فریحہ دل مسوس کر رہ گئی پھر چونکہ خوش نصیب اسے پیاری بھی بہت تھی سو دوپٹے کے پلو سے پیر بابا کی دی ہوئی پڑیاں اور تعویز

کھولتے ہوئے بولی۔

''تعویز اس کے کمرے کی چوکھٹ میں دبا دینا اور یہ چینی پندرہ دن تک اسے کھلانی ہوگی۔''

''تعویز تو میں پھر بھی لے لوں... لیکن اس گندی چینی کو دور کرو مجھ سے۔'' اسے گھن آرہی تھی۔ ''میں تو کہتی ہوں گٹر میں بہا دو۔''

''ہائے توبہ... تم تو سیدھی دوزخ میں جاؤ گی... کیسی فضول باتیں کرتی ہو۔'' فریحہ چڑ گئی۔

''یہ گند بلا کھانا بھی تو خودکشی کرنے جیسا ہی ہے اور خودکشی کی تب بھی تو دوزخ میں ہی جانا پڑے گا... اس لئے بہتر ہے کہ تم ہی رکھو۔'' اس نے تعویز لیکر مٹھی میں دبایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

شامیر نے فوراً ہی گاڑی چلا دی۔

خوش نصیب گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایسی اعلیٰ سواری اور پھر اے سی کی کولنگ سے بھرپور۔ آندھی کے زور سے گرتے پڑتے لوگ چیونٹیوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔

بند شیشوں کے اس پار پورا شہر آندھی کی مٹی سے لبالب بھرا ہوا تھا اور مٹیالا سا دکھائی دیتا تھا۔ عجیب فینٹسی تھی جو لگژری گاڑیوں میں بیٹھ کر ہی تخلیق ہو سکتی تھی۔ خوش نصیب کے لب خود بخود مسکرانے لگے۔ یعنی شامیر کے متعلق کیا ہوا اس کا فیصلہ کسی صورت بھی گھاٹے کا سودا ثابت نہیں ہوگا۔

وہ شامیر سے شادی کرے گی۔ شامیر اپنا سارا پیسہ اسے دے دے گا۔ وہ امی، ماہ نور اور نانی کو اپنے محلوں جیسے گھر میں لے جائے گی اور ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔

گئے زمانوں کی بات ہے سنا ہے ایک شیخ چلی ہوا کرتا تھا۔ اس نے اپنے سر پر انڈوں کی ٹوکری رکھ کر کچھ ایسے ہی مستقبل سے ساز باز کی تھی۔ وقت کو فکر لاحق ہوئی کہیں آنے والے دور میں خوش نصیب کو شیخ چلی نہ پکارا جانے لگے۔

وقت کے تفکر سے دور سوچ سوچ کر اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شامیر کی کھنکھار نے اسے متوجہ کر لیا۔

''تم نے میری انسلٹ کی ہے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

خوش نصیب نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ ''اچھا؟... یہ کب کی بات ہے؟'' اس نے سوچا۔

''گھر میں تم مجھے اگنور کرتی ہو... thats ok...its not a big deal (ٹھیک ہے۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے) لیکن ابھی میں نے تمہاری اور تمہاری سہیلی کی مدد کی۔ کم سے کم تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا لیکن تم گاڑی سے اتر گئیں اور ایسے اجنبی بن کر کھڑی ہو گئیں جیسے مجھے جانتی ہی نہ ہو... کیا تم نے مجھے کوئی ٹیکسی ڈرائیور سمجھ لیا ہے جو ہر کسی کو اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی دعوت دیتا رہتا ہے...'' اس کا لہجہ تیز اور تلخ تھا۔

http://kitaabghar.com

خوش نصیب پہلے کچھ بول ہی نہیں سکی۔ پھراس نے تھوک نگل کر اپنا سوکھتا ہوا حلق تر کیا۔ کھنکھار کر اپنی آواز بحال کی بالکل ایسے جیسے مائیک پر بولنے سے پہلے ون، ٹو، تھری کے بعد "ہیلو، ہیلو ٹیسٹنگ" بولا جاتا ہے اور پھر بولی۔

"آااااا.... مجھے نہیں لگتا میرا ایسا کوئی ارادہ تھا۔"

"تو تم نے غیرارادی طور پر ایسا کیا ہوگا... یہ تو اور بھی بری بات ہے۔" اس کا موڈ بحال نہیں ہو رہا تھا۔

"سائیکالوجی کہتی ہے ہم غیرارادتاً بھی وہی کام کرتے ہیں جن کا ذکر ہمارے لاشعور میں کبھی نہ کبھی ہوا ہوتا ہے..اس کا مطلب تم نے کبھی نہ کبھی میرے ساتھ مس بی ہیو کرنے کا ارادہ تو کیا ہوگا۔" وہ جیسے قائل ہونے کو تیار ہی نہیں تھا۔

"ایک بات بتاؤ... کیا تم واقعی آسٹریلیا سے آئے ہو؟" خوش نصیب نے الجھ کر پوچھا۔

"ہاں۔" وہ اس سے زیادہ الجھ گیا۔ "لیکن میں اور بھی ممالک میں رہا ہوں.. پورا بچپن امریکہ میں گزرا ہے... میں تمہیں اپنا پاسپورٹ بھی دکھا سکتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

اور خوش نصیب کے دل میں پھلجھڑیاں چھوٹنا شروع ہوگئیں۔ اپنا مستقبل روشن بنانے کے لئے اس نے غلط بندے کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ سیٹ پر ذرا سا ترچھا ہو کر خوش نصیب نے خود کو چیکے سے لیکن پرجوش طریقے سے thumbs up کیا اور بولی۔

"پاسپورٹ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے... میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں پورا بچپن امریکہ میں گزار کر بھی تم اتنی مشکل اردو کیسے بول لیتے ہو... میں اگر ایسے لفظ بولوں تو دو دن تک میری زبان دکھتی رہے گی۔" اس نے اتنی بے چارگی سے کہا تھا کہ پہلے شامیر نے اسے تعجب سے دیکھا اور اگلے ہی پل ہنس دیا۔ ہنستے ہوئے وہ جیسے دل ہی دل میں خوش نصیب کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

خوش نصیب نے انتظار کیا کہ وہ جی بھر کر ہنس لے تو اگلی بات کی جائے۔ لیکن شامیر کی ہنسی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ دراصل اسے ان تمام لطیفوں پر ہنسی آنے لگی تھی جو فضل منزل آنے کے بعد سے لیکر اب تک سن چکا تھا اور بہت سوں کا عملی مظاہرہ بھی اسی کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

وہ ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا یہاں تک کہ پہلے خوش نصیب کے ہونٹوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر ہنسی میں بدلی جسے چھپانے کے لئے اس نے رخ بھی موڑا لیکن پھر ان دونوں کی ہنسی ایسی پھلجھڑیوں میں بدل گئی جو ایک بار شعلہ پکڑ لے تو جلدی بجھنے کا نام نہیں لیتی۔

جب وہ دونوں دیر تک ایک بے تکی سی بات پر جی بھر کر ہنس چکے تو شامیر نے اپنا تنفس بحال کرتے ہوئے گیئر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

"میں کچھ عرصہ چائنا کے شہر shenzhen میں بھی رہا ہوں اور وہاں کے مقامی لوگ کہتے ہیں جب دو لوگ کسی ایک بات پر ہنستے ہیں تو الگ ہونے سے پہلے انہیں دوستی کا اعتراف کر لینا چاہیئے کیونکہ ماضی قریب میں ان کے درمیان دوستی کی بنیاد رکھی جا رہی ہوتی ہے۔" اس کی مسکراہٹ پرکشش اور دل موہ لینے والی تھی۔ حصار کھینچ کر بے بس کر دینے والی۔

خوش نصیب مسکرائی لیکن اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن شائد صیام اور فضیلہ چچی کو اچھا نہ لگے۔" اس نے اپنی طرف سے بڑی ہوشیاری سے پتا چلا تھا۔

"کیا اچھا نہ لگے؟"

"تمہارا مجھ سے دوستی کرنا۔" وہ دوبارہ مسکرائی۔ "آفٹر آل.. تم ان کے مہمان ہو۔"

"میں ان کا مہمان ضرور ہوں لیکن ان کی پسند ناپسند کو follow کرنے کا پابند نہیں۔" اس نے دوٹوک کہا تھا اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ویسے ایک بات مجھے اب تک سمجھ نہیں آئی... یہ سب لوگ.. تمہارے اتنا خلاف کیوں ہیں۔؟"

خوش نصیب کو جھٹکا لگا۔

"کیا کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

وہ ہنس دیا۔ "ہرگز نہیں... لیکن میں بچہ نہیں ہوں کہ رویوں کو محسوس نہ کرسکوں۔"

خوش نصیب اپنے آپ میں چور سی بن گئی اور دبک کر بیٹھ گئی۔

"بتاؤ گی نہیں؟" وہ جان بوجھ کر اس سفر کو طویل بنا رہا تھا۔

"لمبی کہانی ہے۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی۔

"کیوں نہ یہ لمبی کہانی کسی آئس کریم پارلر میں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے ہوئے سنی جائے۔" اس نے آنکھیں چمکا کر ایسے کہا جیسے چھوٹے سے بچے کو لالچ دی جا رہی ہوتی ہے۔ اور اس سے پہلے کہ خوش نصیب کوئی جواب دیتی اس نے گاڑی کا رخ موڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ اسے سارے گھر میں ڈھونڈتا ہوا باہر نکلا۔ آئے کت لان سے منسلک برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اب رو نہیں رہی تھی لیکن آنکھیں بوجھل دکھائی دیتی تھیں۔ چھوٹی سی ستواں ناک کچھ سردی اور کچھ رونے سے لال ہو رہی تھی۔ براؤن بال جنہیں دیکھ کر ہمیشہ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے مٹھی بھر سونا اس کے سر پر پھینک دیا ہو اس وقت ڈھیلے سے جوڑے کی صورت میں پشت پر پڑے تھے۔ کچھ بال چہرے پر پھیل گئے تھے۔ وہ ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایسے کہ لان میں لگے ہوئے لیمپ پوسٹ کی روشنی اس کی پشت پر بکھر رہی تھی اور دور سے دیکھنے پر بالوں کا سنہرہ پن اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ننھے منے کئی جگنو اس کے بالوں پر آنکھ مچولی کھیلنے آ گئے ہوں۔

یہی سنہرہ پن اس کی بے تحاشہ سفید رنگت میں بھی تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی اور بالوں کی رنگت سے میل کھاتی تھیں۔ پلکیں اتنی گھنی اور سیاہ تھیں کہ ایسا لگتا تھا قدرت نے آنکھوں کی حفاظت کے لئے باڑھ لگا دی ہو۔ بھوئیں کمان کی طرح تنی ہوئی تھیں اور پیشانی

چھوٹی لیکن قابل رشک تھی۔

معاویہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا چلا گیا اور اس لمحے رات کے اس ادھورے اور بے مطلب پہر میں اس نے اعتراف کیا وسامہ اگر اسے دیکھ کر دیوانہ ہوا تھا تو یہ کوئی اتنی انہونی بات بھی نہیں تھی۔ وہ اتنی خوبصورت اور دلکش تھی کہ اس کے لئے کوئی بھی دیوانہ ہو سکتا تھا۔

آئے کت کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا معاویہ کو پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر اسے عجیب سا لگا اس لئے نہیں کہ وہ اس کے لئے پانی لایا تھا اس لئے کیونکہ وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنے گرد لپیٹی چادر سمیٹی۔ اور قریب رکھی پلیٹ اٹھا کر جانے لگی۔

معاویہ نے اب غور کیا کھانا پلیٹ میں جوں کا توں رکھا تھا باہر آ کر بھی اس نے یقیناً ایک بھی لقمہ نہیں کھایا تھا۔

''کیا ہم تھوڑی دیر یہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟'' گلا کھنکھار کر صاف کرتے ہوئے معاویہ نے قدرے جھجک آمیز انداز میں کہا۔

آئے کت نے ذرا حیرانی سے اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئی۔

معاویہ اس سے کچھ فاصلہ پر ایک دوسری سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ خاموشی ان دونوں کے درمیان کچھ دیر حائل رہی پھر معاویہ نے پانی کا گلاس آئے کت کے قریب رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''کانگریچولیشنز...وسامہ ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔'' اس نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا تھا حالانکہ جس سوسائٹی اور معاشرت میں وہ پلا بڑھا تھا وہاں ایسی باتوں کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ انہیں openly discuss کیا جاتا ہے۔

''تھینکیو...'' آئے کت نے ذرا دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ''یقیناً وہ بہت خوش ہوتا...اسے اولاد کی بہت خواہش تھی۔'' دکھ ہوا کے جھونکے کی طرح ان دونوں کے درمیان آ کر ٹھہر گیا تھا۔

''ممانی صحیح کہتی ہیں...تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیئے۔'' معاویہ نے اس کی پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کوشش کر رہی ہوں۔'' اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل ہو گئی تھی۔

''لیکن میرا دل نہیں چاہتا معاویہ!...مجھے بھوک نہیں لگتی۔ پیاس نہیں لگتی...مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ وسامہ مجھے چھوڑ کر جا چکا ہے...مجھے ایسا لگتا ہے کسی روز میں سو کر اٹھونگی تو وہ میرے سامنے کھڑا ہو گا۔ مسکراتا ہوا...اور کہے گا...دیکھو آئے کت! میں نے تمہیں بیوقوف بنا دیا...کاش!...کاش! وہ مجھے بیوقوف ہی بنا رہا ہو...کاش! کسی روز وہ مجھے آ کر نیند سے جگا دے...کاش! کاش!.''

وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ آنسوؤں کے ساتھ، سسکیوں اور آہوں کے ساتھ۔

معاویہ کے سینے میں سسکیاں اودھم مچانے لگیں۔ آنسو آنکھوں کے کنارے آن لگے تھے لیکن اس نے ضبط کیا وہ دل سے تسلیم کر چکا تھا۔ آئے کت کا دُکھ بہرحال اس کے دکھ سے بڑا اور نا قابل برداشت ہے۔ لیکن پھر ضبط کے باوجود اس کے آنکھوں سے بھی آنسو بہنے

http://kitaabghar.com

لگے۔فرق صرف اتنا تھا کہ آئے کت بلک بلک کر رو رہی تھی اور وہ گھٹ گھٹ کر۔

آسمان ستاروں سے سجے تھال کی طرح خاموشی سے ان پر جھکا ہوا تھا اور وقت رک کر انہیں اداسی سے تکتا تھا۔بلاشبہ ان دونوں نے ایک ایسی عزیز ہستی کو کھو دیا تھا جس سے ان دونوں کو ہی بے تحاشہ محبت تھی ایسی محبت جس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ایک دوسرے کو اول دن سے ناپسند کرنے کے باوجود انکے دل گداز ہو چکے تھے مشترکہ دکھ نے انہیں ایک دوسرے کیلئے قابل برداشت بنا دیا تھا۔

دیر تک دونوں روتے رہے پھر انہوں نے آنسو پونچھ دیئے۔اور دل ہی دل میں خود کو صبر کی تلقین کرتے آنے والی زندگی کے متعلق سوچنے لگے۔

''مجھے معاف کر دو...غصے میں، میں کافی کچھ الٹا سیدھا بول گیا تھا..'' معاویہ نے شرمندگی سے کہا۔

''تمہیں پتا ہے جب ہم دکھی ہوتے ہیں تو بہت کچھ بول دیتے ہیں...دل، دماغ اور زبان انسان کے قابو میں نہیں رہتی...مجھے نہیں پتا اس بارے میں سائیکالوجی کیا کہتی ہے...لیکن ایسا ہوتا ہے...ہمیشہ ہوتا ہے۔'' وہ اناڑی پن سے بول رہا تھا۔

اس کی بات پر بے ساختہ آئے کت ہنس دی۔معاویہ نے دیکھا سنہری رنگت میں سفید دانتوں کی قطار اتنی ہی خوبصورت دکھائی دی جتنا کہ چاند کے گرد ہالہ دکھائی دیتا ہے۔

''میں جانتی ہوں...میں نے بھی غصے میں کافی کچھ بول دیا تھا...سوری۔'' وہ واقعی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''تم نے بھی سوری بول دیا...میں نے بھی...کیا میں یہ سمجھوں ہماری درمیان دشمنی ختم ہوئی۔'' معاویہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

''اسے دشمنی کہہ کر تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو...وہ ہم دونوں کی جذباتیت تھی..اور کچھ نہیں۔''

''وہ دشمنی ہی تھی آئے کت!..اگر ماموں نہ روکتے...تو شائد میں تمہیں قتل کر چکا ہوتا...یا ایک آدھ گھاؤ تو ضرور لگا دیا ہوتا۔'' وہ جھجکتے ہوئے لیکن سچائی کے ساتھ بولا تھا۔

آئے کت گہری سانس بھر کر بولی۔''میں پھر بھی یہی کہونگی ہم کبھی ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے۔''

''ہم دوست بھی نہیں تھے۔'' اس نے ترنت کہا۔

''میں نے تم سے دوستی کرنے کی کوشش کی تھی..تم نے بہت بری طرح دھتکارا تھا مجھے۔'' آئے کت نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

ماضی کی ایک یاد چپکے سے ان دونوں کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی اور آنکھیں پٹپٹا کر ان دونوں کو دیکھنے لگی۔یادوں کو اپنا دوہرایا جانا پسند ہے۔گزرے لمحوں کو یاد کر کے معاویہ چپ سا رہ گیا پھر اس نے سر جھٹک کر کہا۔

''اس بات کو...اس وقت کو بھول جاتے ہیں...آؤ ہم اپنی کہانی کو ایک نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا۔''ویسے بھی وسامہ کہتا تھا کوئی کہانی کبھی ختم نہیں ہوتی۔بلکہ جہاں کوئی کہانی ختم ہوتی ہے وہیں

سے کوئی دوسری کہانی شروع ہو رہی ہوتی ہے... بس یہ ہے کہ ہمیں اس آغاز کا پتا تھوڑی دیر سے چلتا ہے۔"

اس کے منہ سے وسامہ کا ذکر سن کر آئے کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ننھا سا خوبصورت ہاتھ رکھ دیا۔ اور... مسکراتے مسکراتے رو دی۔

"...میں معاویہ کو مارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی... اگر قدرت مجھے موقع دیتی تو میں اپنی زندگی اسے دے دیتی لیکن اس کی سانسوں کا تسلسل ٹوٹنے نہ دیتی۔" وہ بڑے دکھی انداز میں اور روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

معاویہ پھر افسردہ ہو گیا اس کے دل پر بھاری سل آرکی تھی۔

"ہم سب یہی کرتے آئے کت!... لیکن قدرت موقع نہیں دیتی.. کبھی نہیں دیتی۔" معاویہ نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ آسیب..." آئے کت نے کہنا چاہا۔ معاویہ نے بات کاٹ دی۔

"اس آسیب کی حقیقت اتنی سی ہے کہ ہم نے بچپن میں اس کی کئی کہانیاں سنی تھیں... جھوٹ اور سچ پر مبنی.. من گھڑت. مجھے نہیں لگتا فلک بوس آسیب زدہ ہے..."

"لیکن وسامہ کو اس آسیب پر یقین تھا..." وہ افسردہ ہو گئی۔

"ہم دوبارہ اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔" وہ ہر حال میں اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

"ہاں... ہم نہیں کریں گے۔"

تبھی ایک جگنو کہیں سے اڑتا ہوا آیا اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے جھومنے لگا۔ معاویہ کے دل میں جانے کیا سمائی۔ اس نے سرعت سے ہاتھ لہرایا اور جگنو کو مٹھی میں قید کر لیا اور ایک آنکھ ہتھیلی کی درز سے لگا کر اندر دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بند مٹھیاں آئے کت کے سامنے کر دیں۔ اشارے سے وہ اسے بھی اندر جھانکنے کا کہہ رہا تھا۔ آئے کت کو یہ بچگانہ کھیل دلچسپ لگا۔ معاویہ کے اکسانے پر اس نے بھی ایک آنکھ بند کر کے دوسری کھلی آنکھ سے معاویہ کی بند مٹھیوں کی درز سے اندر جھانکا۔

تاریک کوٹھڑی میں جیسے امید کی لو جگمگا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس روز جب خوش نصیب فضل منزل واپس آئی تو اس کی مٹھی میں بیری پیر کے ملنگ بابا کا دیا ہوا تعویز دبا تھا اور مستقبل کے خوش نما خواب آنچل سے بندھے تھے۔

شامیر کے آنے کا سن کر اسکے ذہن نے کوئی پلاننگ نہیں کی تھی لیکن جب فضیلہ چچی اور دیگر اہل خانہ کو محتاط ہوتے دیکھا اور یہ بھی

دیکھا کہ اسے شامیر سے دور رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جارہی ہے تو اس کے اندر کی جذباتی خوش نصیب جو کافی دنوں سے اونگھ رہی تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے سوچا وہ جی جان سے شامیر کو اپنی طرف متوجہ کرے گی اور اس سے شادی کر کے سارے خاندان کو سر پیٹنے پر مجبور کر دے گی۔ جب ساری زندگی وہ سب مل کر بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے تو اب وہ کیوں ان کا فائدہ ہو جانے دے۔ وہ انہیں نقصان ہی پہنچائے گی اور اس طرح اسے دو فائدے حاصل ہونے والے تھے۔

نمبر ایک۔ اسے امیر لڑکے سے شادی کر کے اس کی دولت مل جاتی۔

نمبر دو اب تک اپنے ساتھ کی گئی زیادتوں کا حساب بھی صاف ہو جاتا۔

بدلہ لینے کے لئے پیٹھ پیچھے سے حملہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ ذہین اور بہادر انسان وہ ہوتا ہے جو مدمقابل کھڑا ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ صرف حملہ کرتا ہے بلکہ ایک ہی وار میں اگلے پچھلے حساب بھی بے باک کر دیتا ہے۔ خوش نصیب بھی کچھ ایسا ہی ارادہ کئے بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی جب صیام کی بجائے شامیر اس کا نام لے گا تو پورے خاندان میں ایک قیامت ہی آجائے گی۔ اسے وہی قیامت درکار تھی۔ اس میں بڑی بات بھی کونسی تھی چھوٹی چھوٹی قیامتیں تو آتی ہی رہتی ہیں تو چلو اب کی بار بڑی ہی سہی۔

لیکن ابھی وہ کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی سو احتیاطاً فضل منزل سے کچھ دور ہی گاڑی سے اتر گئی تھی۔ چونکہ اپنے حالات زندگی شامیر کے گوش گزار کر چکی تھی سو اسے بھی تاکید کر دی تھی کہ گھر جا کر کسی کو نہ بتائے۔

شامیر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ خوش نصیب کے ارادوں سے بے خبر اس نے خوش نصیب کو دوست بنایا تھا اور وہ دوستوں کے لئے ہر طرح کی مدد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنے والوں میں سے تھا۔

خوش نصیب محتاط ہو کر فضل منزل میں داخل ہوئی۔ فضیلہ چچی اور صباحت تائی جان وہیں صحن میں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اسے آتے دیکھا لیکن کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ خوش نصیب پہلے نارمل انداز میں چلی پھر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"تم دیکھ لینا صباحت بھابھی! جتنی روشن نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے یہ خوش نصیب کوئی نہ کوئی چاند ضرور چڑھائے گی۔" پیچھے فضیلہ چچی نے تنفر کے ساتھ کہا تھا۔

صباحت بیگم کو فوراً سے بھی پیشتر اپنا کیف یاد آ گیا۔

"اللہ کرے کوئی نہ کوئی چاند چڑھا ہی دے... میرے کیف کی تو جان چھوٹے گی۔" انہوں نے دل مسوس کر سوچا تھا۔

خوش نصیب نے چاند تو پتا نہیں چڑھانا تھا یا نہیں۔ لیکن سیڑھیاں ضرور بھاگتی ہوئی چڑھ گئی۔

کمرے میں پہنچی تو پسینے پسینے ہو رہی تھی اور دل بے ہنگم ہو کر دھڑک رہا تھا۔ مٹھی میں بند تعویز نم ہو چکا تھا۔

"سلام نانی!" اس نے بھاگتے دوڑتے نانی کو سلام کیا اور گیلری میں آ گئی۔ گیلری میں بالکونی کی طرز کی کھڑکی سے روشنی پوری

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

کی پوری اندر آرہی تھی اور چار پائیوں پر سندھی ایپلک بچھی چادروں پر پھیل گئی تھی۔ یہ ماہ نور کے سگھڑ ہاتھوں کا کمال تھا اور خوش نصیب کو یقین تھا اس کی بہن کسی اچھے (مطلب امیر اور قدر دان) خاندان میں پیدا ہوئی ہوتی تو اب تک فیشن انڈسٹری میں اپنا نام ضرور منوا چکی ہوتی۔ اندرون شہر کے ان گلی محلوں میں ایسے ٹیلنٹ کی بس اتنی ہی قدر تھی کہ کپڑا اور دھاگے فراہم کر کے اپنا مطلوبہ ڈیزائن بنوا لیا جاتا تھا۔ لیکن خیر یہ ایک الگ قصہ ہے۔

تو خوش نصیب افتاں وخیزاں نانی کو سلام جھاڑ کر آئی اور گیلری میں آکر اپنی سانس بحال کی ساتھ ہی مٹھی سامنے کر کے کھولی تو ہتھیلی پر ننھا سا تعویز رکھا تھا۔ سلور پتری میں لپٹا ہوا کہ کھول کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا اندر کیا لکھا ہے۔

"جب اللہ میری مدد کر رہا ہے.. تو میں غیر اللہ کی مدد لینے کیوں جاؤں..اچھا بابا جی! آئندہ کے لئے رب راکھا..فریحہ ناراض ہوتی ہے تو ہوتی رہے..." ہتھیلی پر رکھے تعویز کو دیکھتی وہ دل ہی دل میں بول رہی تھی کہ اچانک اسے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ ایسے جیسے کوئی چپکے سے اس کے عقب سے آگے جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ خوش نصیب نے مٹھی بند کی اور تڑپ کر پلٹی۔

صیام جو اس کے کندھے سے اچک اچک کر دیکھنے کی کوشش میں تھی بدک کر چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" خوش نصیب نے غصے سے پوچھا۔

"پہلے تم بتاؤ...تم آ کہاں سے رہی ہو؟" وہ بھی سوا سیر تھی۔ رعب سے پوچھا۔

خوش نصیب ایک پل کیلئے سٹپٹا گئی لیکن بس ایک ہی پل کیلئے۔ پھر تعویز والی مٹھی اور مضبوطی سے بند کی اور گردن اکڑا کر بولی۔

"تم سے مطلب؟...اور تم کون ہوتی ہو مجھ سے ایسے سوال کرنے والی؟"

صیام نے ایک انداز سے بازو سینے پر باندھے اور جانچتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے خوش نصیب! تم کچھ چھپا رہی ہو۔"

خوش نصیب نے رخ بدل لیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ذرا اپنا ہاتھ تو دکھاؤ۔"

خوش نصیب کو غصہ آنے لگا۔ وہ پلٹی اور طمانچہ مارنے والے انداز میں داہنا ہاتھ لہرا کر بولی۔

"یہ دیکھو...اگر چاہو تو میں تمہیں اپنے پیر بھی دکھا سکتی ہوں۔...وہ بھی جوتے سمیت۔"

صیام کو غصہ آیا اور فوراً ہی سوا نیزے پر پہنچ گیا۔ وہ سرعت سے آگے بڑھی اور زبردستی خوش نصیب کا بایاں ہاتھ اپنے سامنے کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"دکھاؤ مجھے کیا ہے اس ہاتھ میں۔"

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

''فکر مت کرو... کم سے کم تمہاری گردن نہیں ہے۔'' اس نے پورا زور لگا کر اپنا بازو اس کے لمبے ناخنوں والے شکنجے سے چھڑوانے کی تگ ودو کی۔ لیکن آج صیام کسی اور ہی موڈ میں تھی۔ پیچھے ہٹنا اسے منظور نہیں تھا۔

''میں کہتی ہوں دکھاؤ مجھے...''

''اور میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ یہاں سے... چھوڑو میرا ہاتھ۔''

ایسی کھینچا تانی ہوئی کہ مٹھی میں دبا کوہ نور خوش نصیب کے ہاتھ سے چھوٹا اور اڑتا ہوا بالکونی کے چھجے میں پڑے کاٹھ کباڑ میں غائب ہو گیا۔

دونوں دم بخود۔ ''ہاہ'' کی صورت ایک بے یقین سانس خوش نصیب کے لبوں سے نکلی اور گیلری کی حبس زدہ فضا میں مدغم ہو گئی۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے صیام کو گھورا جو اسوقت موقع واردات سے بھاگنے کے لئے پر تول رہی تھی۔ لیکن خوش نصیب اس پر پل پڑی۔ بال کھینچے۔ دو چار گھونسے بے دریغ اس کے پیٹ اور کمر پر جڑ دیئے۔

صیام کی چیخوں نے ساری فضل منزل سر پر اٹھالی۔

کمرے میں کہیں فہمینہ، منہا اور ماہ نور بھی موجود تھیں۔ خوش نصیب ایسے بھاگی آئی تھی کہ دیکھا ہی نہیں۔ پوری پلٹن آئی بیٹھی ہے۔ ان دونوں کی آوازوں پر وہ تینوں ہی دوڑی چلی آئیں۔ اور دنگ رہ گئیں ساتھ ہی ان دونوں کو اس کھینچا تانی سے نکالنے آگے بڑھیں۔

''ارے ہٹو... چھوڑو ایک دوسرے کو...''

گیلری لڑکیوں کی آوازوں سے بھر گئی۔ منہا، صیام کو منع کر رہی تھی۔ فہمینہ اور ماہ نور، خوش نصیب کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دراصل سب ہی خوش نصیب کے ٹیلنٹ سے واقف تھے۔ دو چار مکے وہ رسید کر چکی تھی اب کوئی پتا نہیں نرخرہ بھی دبا دیتی۔ بچپن میں مار کٹائی والے کاموں میں وہ ایسے کئی کارنامے انجام دے چکی تھی جن پر اب تک فخر کرتی ہوئی پائی جاتی تھی۔

بہر حال دونوں میں سے کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ صیام نے اس کے بال کھینچ کر جڑ سے اکھاڑ دینے کی پوری کوشش کی۔ اس نے صیام کا چہرہ اپنے چھوٹے چھوٹے ناخنوں سے بھی ایسا کھسوٹا کہ کیا ہی کھسیانی بلی کسی کھمبے کو نوچتی ہو گی۔

''ہائے... میری سکن... تم سمجھتی کیا ہو خود کو... میں دیکھ لونگی تمہیں۔''

''ہاں ہاں دیکھ لینا... بلکہ میں اپنی تصویر بھجوا دیتی ہوں کمرے میں ہی لگا لینا... پھر صبح شام دیکھنا۔'' بال کھنچوا کر بھی اسے سکون نہیں آیا تھا۔

چند منٹ بعد یہ لڑائی اپنے اختتام کو پہنچی اور صیام اپنا کھرونچیں لگا چہرہ لیکر روتی ہوئی رخصت ہوئی۔ اور خوش نصیب نے بال کھنچوا کر بھی ایک آہ تک نہ کی اور یوں وہ فاتح مان لی گئی۔ منہا بہن کے پیچھے ہی دوڑ گئی یہ الگ بات کہ پورا قصہ جانے بنا اس کی ہمدردیاں صیام

کے کھاتے میں جانے والی نہیں تھیں۔

ماہ نور ابھی تک شاکڈ کھڑی تھی لیکن فہمینہ نے صیام اور منہا کے جانے کا انتظار بھی مشکل سے کیا اور جوں ہی وہ دونوں گیلری سے نکلیں وہ چارپائی پر گری اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر لوٹ پوٹ ہوگئی۔ ایسی مزے دار لڑائی... ہاہاہاہاہاہا...

''تمہیں ہنسی آرہی ہے؟... یہ کوئی ہنسنے کی بات ہے۔'' ماہ نور نے ناراضی اور صدمے سے فہمینہ کو دیکھا جس کے قہقہے قابو میں ہی نہیں آرہے تھے۔

''تو کیا رونے کی بات ہے؟...'' اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھے بمشکل کہا۔ ''مجھے تو فخر محسوس ہو رہا ہے خوش نصیب پر.. اچھی درگت بنائی اس صیام کی۔ ہر ایک کے معاملے میں بولتی ہے۔''

''دیکھا اااا...'' وہ جو اپنے صیام کی لگائی کھرونچوں کو ٹٹول رہی تھی اور اس جھگڑے سے خود بھی سخت بیزار ہوئی تھی اس نے جتا کر کہتے ہوئے ماہ نور کو دیکھا تھا۔

''یہاں تو کسی کو میرے ٹیلنٹ کی قدر ہی نہیں ہے۔''

''تم نے اپنے ٹیلنٹ کا مظاہرہ کر لیا... اب دیکھنا اس مظاہرے پر کیسی قیامت کا ردعمل سامنے آتا ہے۔'' وہ چڑ کر اور فکرمندی سے بولی۔

''میری بلا سے۔'' اس نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔ ''صیام کو تھوڑی سزا تو ملنی ہی چاہیے تھی... پتا نہیں تعویز کہاں گرا ہوگا'' بالکل دھیمی آواز میں بڑبڑاتی ہوئی وہ بالکونی کے چھجے پر خطرناک حد تک آگے جھک گئی اور نیچے کاٹھ کباڑ میں سے تعویز کی تلاش میں نظریں گھمانے لگی۔ لیکن اس جگہ سے تعویز برآمد کر لینا ایسا ہی تھا جیسے کوئی بھوسے کے ڈھیر سے سوئی ڈھونڈ نکالے۔ یا آٹے کی پرات میں غوطہ لگا کر نمک نکال لائے۔۔

''لیکن تم چھپا کیا رہی تھی؟'' ماہ نور نے پوچھا

''کچھ نہیں بھئی...'' وہ بیزار ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

''میں کیف کو بتاؤنگی... دیکھنا اسے بھی تم پر ضرور فخر ہوگا۔'' فہمینہ نے کہا تو خوش نصیب ہنس دی۔ ماہ نور البتہ ایسے ہی سنجیدہ اور پریشان سی شکل بنائے کھڑی رہی۔

☆......☆......☆

وسامہ کا بھلایا جانا آسان نہیں تھا لیکن اس رات کے بعد ان دونوں کی دوستی ہوگئی۔

معاویہ اپنی کہی ہوئی باتوں اور اپنی طرف سے لگائے گئے الزامات پر اس قدر شرمندہ تھا کہ اس شرمندگی سے نکلنے کا اسے ایک ہی

راستہ سجھائی دیا۔اور وہ آئے کت کے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگا۔وہ دونوں اکثر شام کو واک کے لئے نکل جاتے اور تین چار گھنٹوں تک واپس آتے۔دیر رات تک باہر برآمدے یا ٹی وی لاؤنج میں کوئی موضوع چھڑ جاتا اور بڑی دیر تک صحت مند بحثیں ہوتی رہتی۔اس نشست میں طالب ماموں اور صاعقہ ممانی بھی ان دونوں کے ساتھ شامل رہتے۔

کبھی وہ دونوں مل کر وسامہ کو یاد کرنے لگتے اور یادیں آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات چھوڑ کر رخصت ہو جاتیں۔تب معاویہ موضوع بدل دیتا۔اسے شدت سے وسامہ سے کیا ہوا وہ عہد یاد آنے لگتا جو اس نے آئے کت کا خیال رکھنے کے حوالے سے معاویہ سے لیا تھا۔

آئے کت جانتی تھی معاویہ، وسامہ کو کتنا عزیز تھا اور معاویہ جانتا تھا آئے کت، وسامہ کے لئے کیا تھی۔غیر محسوس انداز میں وہ دونوں محض وسامہ کی خواہش پوری کرنے کے لئے ایک دوسرے کا خیال رکھتے رہے اور خیال رکھنے کے اس کھیل میں ان دونوں کے درمیان ایک بے نام سا تعلق پیدا ہونے لگا۔جو بظاہر دوستی لگتا تھا لیکن دوستی سے کچھ بڑھ کر تھا۔

اردشیر ازی اسے کئی بار کال کر کے واپس جانے اور اپنی پڑھائی پر توجہ دینے کا کہہ چکے تھے۔زیادہ تر معاویہ نے ان کی کالز ریسیو نہیں کیں اور دو چار کالز جو اس نے اٹینڈ کیں ان کی ساری باتوں کو نظر انداز کر دیا۔

”یہ تمہاری ماں کے غریب رشتے دار آخر کب تمہارا پیچھا چھوڑیں گے...“ایک دن انہوں نے فون پر غصے سے کہا۔وہ خود اتنے دولتمند تھے کہ انہیں اپنے آگے ہر کوئی غریب ہی لگتا تھا۔پہلی بیوی کے رشتہ داروں سے تو ویسے بھی پرانی ٹسل تھی ان کی۔

”میری ماں کے ان غریب رشتہ داروں نے مجھے اس وقت سہارہ دیا تھا جب آپ مجھے چھوڑ کر دوسری شادی کر چکے تھے اور آپ کو یاد بھی نہیں تھا کہ آپکا کوئی بیٹا بھی ہے۔“ کچھ عرصہ سے وہ منہ پھٹ ہوتا جا رہا تھا اس وقت بھی اس نے بڑا straightforward ہو کر ایک تلخ سچائی ان کے منہ پر کھینچ ماری تھی۔

وہ جسے ہم سچ کہتے ہیں بسا اوقات دوسرے کو ذلیل کرنے کی ہماری ننھی منی سی ایک کوشش ہوتی ہے۔معاویہ نے بھی اسوقت سچ بول کر ایسی ہی ایک کوشش کی تھی۔

اس کی کوشش کامیاب رہی اردشیر ازی بھڑک اٹھے تھے۔

”میں نوٹ کر رہا ہوں..کچھ عرصہ سے تم منہ پھٹ اور بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔“

”میں پہلے بھی ایسا ہی تھا۔“اس نے تحمل سے کہا۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہارے منہ میں کس کی زبان بول رہی ہے...میں خود بات کرونگا طالب سے۔“

اس نے فون ہی بند کر دیا انہیں زچ کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہی آتا تھا اسے۔

پھر انہی دنوں جب معاویہ واپس جانے کا خیال جیسے بالکل فراموش کر چکا تھا تو ایک روز شام کو چہل قدمی کرتے ہوئے آئے

کت نے اس سے ایک بات کرنے کی اجازت مانگی۔

اس روز موسم عجیب ہو رہا تھا۔آسمان پر بکھرے بکھرے سے کالے، سفید اور بھورے سے بادل اڑتے پھر رہے تھے۔ایک سفید بادل کا ٹکڑا ان دونوں کے سر پر آن ٹھہرا اور دھوپ کی آنکھ مچولی شروع ہو گئی۔

''تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے...جو کہنا ہے بلا جھجک کہو۔'' معاویہ نے سرسری انداز میں ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں... پہلے تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم ناراض نہیں ہو گے۔'' وہ بہت زیادہ ڈر رہی تھی بات کرتے ہوئے۔دھوپ سے بچنے کیلئے اس نے آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجا سا بنا لیا تھا۔دھوپ کے ذرات اس کے بالوں کے سنہری پن کو نمایاں کر رہے تھے۔

''اچھا ٹھیک ہے...میں وعدہ کرتا ہوں ناراض نہیں ہوؤں گا۔''

''بات یہ ہے کہ...'' وہ بہت زیادہ جھجک کر بول رہی تھی اور ایسے بول رہی تھی جیسے دل ہی دل میں خود کو معاویہ کے ردعمل کے لئے تیار کر رہی ہو۔

''آئے کت! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے...تم اپنی بات مکمل کرو۔''

''دراصل...میرے دل میں کچھ شک ہے۔''

''کیسا شک؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''وسامہ کی موت سے چند روز پہلے...تمہارے فادر نے وسامہ کو فون کیا تھا۔'' بالآخر اس نے کہہ دیا اور معاویہ واقعی حیران سا رہ گیا۔

''بابا نے؟...لیکن کیوں؟...مجھے نہیں یاد پڑتا انہوں نے پہلے کبھی وسامہ کو فون کیا ہو۔''

''یہی زیادہ حیرانی کی بات ہے۔'' آئے کت نے کہا۔

''ان کی کال کے بعد وسامہ بہت پریشان رہنے لگا تھا۔'' اس نے پھر کہا

''ایسی کیا بات ہوئی تھی ان دونوں کے درمیان؟'' معاویہ حیرانی کی ریت میں دھنسنے لگا۔

''میں نہیں جانتی...میرے پوچھنے کے باوجود وسامہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا..لیکن معاویہ! میرا دل کہتا ہے وسامہ کی موت سے...تمہارے بابا کی کال کا..کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔'' جھجکتے ہوئے اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی۔

معاویہ کی پیشانی پر بل ایسے پڑ گئے جیسے پہاڑی علاقوں میں تہہ در تہہ سڑکیں بچھی ہوتی ہیں۔

☆......☆......☆

''بیڑہ غرق ہو جائے خوش نصیب کا...ککھ نہ رہے جنم جلی کا..کیڑے پڑیں منحوس کو....کیا حال کر دیا ہے میری بیٹی کے چہرے کا۔''

ہر بار صیام کے چہرے پر نظر پڑتے ساتھ فضیلہ بیگم کی زبان ایسے ہی کوسنے دینے لگتی تھی۔

''صرف چہرہ ہی نہیں...یہ گردن پر بھی ناخن مارے ہیں اس نے۔'' صیام نے ایک بار پھر رونکھی ہو کر بتایا بلکہ ساتھ ہی آگے ہو کر ماں کو گردن بھی دکھائی جس پر زخم تو نہیں تھے لیکن خراشیں بہرحال نظر آ رہی تھیں۔

''تو صبر کر جا صیام!...فکر ہی نہ کر کسی بات کی...جب تک ایسی خراشیں اب خوش نصیب کے نہیں لگیں گی مجھے بھی سکون نہیں آئے گا...'' فضیلہ بیگم نے ultimate کٹنی عورتوں کی طرح منہ پر ہاتھ پھیر کر اور دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

''ایسا بدلہ لوں گی کہ تینوں ماں بیٹیاں بیٹھ کر روتی رہ جائیں گی۔''

''بس کر دیں اب۔'' منہا نے بالآخر چڑ کر کہا وہ ان دونوں کے پاس بیٹھی تھی اور جیسے مجبوراً یہ کوسنے اور تباہ و برباد کر دینے کے بلند و بانگ دعوے بھی سن رہی تھی۔

''غلطی تو صیام کی بھی ہے...جب خوش نصیب ہاتھ میں پکڑی چیز نہیں دکھانا چاہ رہی تھی تو اس نے کیوں زورزبردستی شروع کی۔''

''تم اپنا منہ بند ہی رکھو...جب دیکھو خوش نصیب کی طرف داری کر رہی ہوتی ہو۔'' صیام پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''میں طرف داری نہیں کر رہی. صرف تمہیں تمہاری غلطی بتا رہی ہوں۔'' وہ سیدھے سبھاؤ بولی۔ ''دوسروں کے معاملات میں جا کر ٹانگ پھنساؤ گی تو یہ سب تو ہوگا...خوش نصیب نے صرف ناخن مارے ہیں اس کی جگہ میں ہوتی تو شائد تمہاری ٹانگ ہی توڑ دیتی...''

''امی!...سن رہی ہیں آپ اس کی باتیں۔'' وہ رونے والی آواز بنا کر ماں کی طرف پلٹی۔

''سو دفعہ سمجھا چکی ہوں تم دونوں کو...آپس میں لڑ لڑ کر مر جاؤ گی...اور فائدہ دوسرے اٹھائیں گے۔'' ان کی اپنی منطق تھی۔

''ہاں..ہم تو سلطان سلیمان کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں...آپس میں لڑ لڑ کر مر جائیں گی اور شاہی تخت کسی اور کو مل جائے گا۔'' منہا نے میٹھے انداز میں طنز کیا تھا

''تو کبھی سیدھی بات نہ کرنا منہا!'' ان کی منہا کی صاف گوئی سے زیادہ بنتی نہیں تھی۔

''اور آپ اپنی اس لاڈلی بیٹی کو کبھی کوئی سیدھا سبق نہ پڑھایئے گا...اسے سکھائیں کہ انکے معاملات میں دخل نہ دیا کرے... روشن چچی والوں کی ٹوہ میں رہنا آپ نے ہی سکھایا ہے اسے۔'' وہ سختی سے تجزیہ کر گئی۔

''اچھا زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ فوراً ہی برا منا گئیں۔

''چل اٹھ میرے لئے چائے بنا کر لا...اور صیام! تو میری بات سن۔''

منہا منہ بنا کر چلی گئی، جانتی تھی وہ دونوں اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیں گی۔

''مجھے بتا کیا دیکھا تھا تو نے خوش نصیب کے ہاتھ میں۔'' دونوں ماں بیٹیاں کان سے کان جوڑ کر بیٹھ گئیں اور اندازہ لگانے لگیں

وہ کیا چیز ہوسکتی ہے جسے خوش نصیب اتنی تندہی سے چھپا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ محض دو دن بعد ارد شیرازی خود معاویہ کو لینے آ گئے۔ پتا نہیں وہ اس کی مستقل مزاجی سے خائف ہوئے تھے یا زبان درازی سے۔

''میں بشام جا رہا ہوں... سوچا تم سے ملتا ہوا چلا جاؤں۔'' جوان بیٹے سے بات کرنے کے لئے انہیں اب جس تحمل کی ضرورت تھی وہ اسی کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ اس کے بدلے ہوئے انداز تو فون پر ہی بھانپ چکے تھے۔

''آپ نے اچھا کیا... میں بھی آپ سے ملنے کا سوچ رہا تھا۔'' سنجیدگی سے کہتا وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس وقت وہاں طالب ماموں اور صاعقہ ممانی بھی موجود تھیں۔

''واہ یہ خوب بات ہوئی... ہم دونوں باپ بیٹا کو ایک ساتھ ایک ہی خیال آیا۔'' انہوں نے بڑا خوش ہو کر اور ہنس کر کہا ساتھ ہی اپنی بات کی تائید کے لئے سب کی طرف دیکھا

ان کی ہنسی اور خوش مزاجی کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے معاویہ نے روکھے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''کیا آپ مجھے بتائیں گے... وسامہ سے آپ کی فون پر کیا بات ہوئی تھی؟''

معاویہ نے اس سوال پر ارد شیرازی کو چونکتے ہوئے دیکھا بے ساختہ انہوں نے اپنی ٹائی کو غیر محسوس انداز میں ڈھیلا کیا تھا۔

''میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''کیا اس کے انتقال سے چند روز پہلے آپ نے اسے کال نہیں کی تھی؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''مجھ سے اس انداز میں سوال مت کرو معاویہ! باپ ہوں میں تمہارا۔'' یکدم وہ ناراضی سے بولے۔

''میرے انداز کو فی الحال چھوڑ دیں۔ صرف یہ بتائیں کس لئے کال کی تھی آپ نے؟''

''مجھے کام تھا اس سے۔'' انہوں نے بات سمیٹی۔

''کیا کام؟'' وہ جرح پر آمادہ تھا

''مجھے فلک بوس کے بارے میں بات کرنا تھی۔'' وہ چڑ کر بولے۔

''کونسی بات؟''

وہ بری طرح جھنجھلا گئے۔ ''میں چاہتا تھا وہ فلک بوس کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔''

''آپ نے وسامہ سے فلک بوس چھوڑنے کی بات کی؟'' وہ جیسے شاکڈ ہو کر بولا تھا۔ ''میرے منع کرنے کے باوجود؟''

http://kitaabghar.com

''تمہارے منع کرنے سے کیا فرق پڑتا تھا معاویہ! فلک بوس میری ملکیت ہے میں اسے بیچنا چاہتا تھا اور وسامہ کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا...اسلئے میں نے اس سے کہا وہ فلک بوس کو خالی کردے۔'' وہ سکون سے بولے۔

''فلک بوس آپکی نہیں میری ملکیت ہے بابا!...آپ بھول رہے ہیں دادا نے بطور امانت آپ کو دیا تھا'' وہ صدمے سے بولے۔

''اور فلک بوس وسامہ کو کتنا پسند تھا...وہ ہمیشہ وہاں رہنا چاہتا تھا۔''

''انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہوسکتی..مجھے افسوس ہے....وسامہ کی خواہش بھی ادھوری رہ گئی۔'' اردشیرازی نے کہا۔

''اس کی خواہش اس لئے ادھوری رہ گئی کیونکہ آپ نے اس کی خواہش کو پورا ہونے نہیں دیا۔'' معاویہ نے ناراضی سے کہا تھا۔

اردشیرازی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اب یہ مت کہنا کہ وسامہ نے اسی غم میں خودکشی کرلی۔'' ان کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''اس کے عمل کو justify کرنے کی یہ بڑی بودی لوجک ہوگی۔'' وہ ذرا غیر سنجیدگی سے بولے تھے۔

''آپ صحیح سمجھے...میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''اوہ کم آن معاویہ!...تمہیں مان لینا چاہیئے وسامہ اتنا ہی بزدل تھا کہ اس نے ایک آسیب کے ڈر سے خودکشی کرلی۔''

"بار بار ایک ہی بات مت دوہرائیں...آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں اس نے خودکشی نہیں کی..اسے قتل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے انکوائری ہونے دی ہوتی تو اب تک ہمیں قاتل کا سراغ بھی مل چکا ہوتا۔''

''چلو ٹھیک ہے...ہم وسامہ کی موت کو خودکشی نہیں مانتے ایک اتفاق ہوسکتا ہے کہ وہ الماری میں جا کر بیٹھ گیا...لیکن اگر شک کی بنیاد پر ہی کسی کو نامزد کرنا ہے...تو میں آئے کت پر شک کا اظہار کرتا ہوں۔'' انہوں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''آخری وقت میں جو انسان وسامہ کے سب سے قریب رہا وہ آئے کت ہی ہے...اس لئے پہلا شک اسی پر جاتا ہے۔''

''وسامہ کی موت کا بہت افسوس ہے مجھے۔میری کاروباری مصروفیات سے تو تم واقف ہو...فوری طور پر تعزیت کے لئے آنا ممکن نہیں تھا میرے لئے۔'' وہ طالب ماموں سے بولے۔

''آپ نے جو کرنا تھا کر دیا۔اب جائیں یہاں سے۔میرا بھائی ایک پریشانی لیکر دنیا سے چلا گیا میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کرونگا۔''

''اپنے بابا سے اسطرح بات مت کرو معاویہ! طالب ماموں نے جھڑک کر کہا تھا۔لیکن اردشیرازی کے ماتھے پر ان گنت بل پڑ گئے تھے۔انہیں سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔

''ابھی تم جذباتی ہو رہے ہو...جب اس جذباتیت کا بھوت اتر جائے تو مجھ سے بات کرنا۔''

"میں کبھی آپ سے بات نہیں کرونگا...ساری زندگی نہیں کرونگا...آپ چلے جائیں یہاں سے۔" اس نے چلا کر کہا۔

اردشیرازی نے خفت سے سب کو دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ چند لمحے بعد ان کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی آئی تھی۔ معاویہ بڑے دن کے بعد ایک بار پھر رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

اردشیرازی چلے گئے معاویہ نے ان سے لاتعلقی اختیار کرلی۔ وہ اس بارے میں بات کرتا تھا نہ کسی کو کرنے دیتا تھا۔

"تم کم سے کم اپنی پڑھائی تو مکمل کرلو۔"

ایک روز طالب ماموں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا انہیں معاویہ کے اپنے گھر میں رہنے سے دقت نہیں تھی۔ یہ اس کا اپنا گھر تھا وہ جب تک چاہتا وہاں رہ سکتا تھا لیکن وہ اپنی زندگی خراب کررہا تھا۔ وسامہ کی موت کا صدمہ دل سے لگا کر اس نے اپنی ذاتی زندگی کو بالکل ہی فراموش کردیا تھا۔ وہ نہ اپنی پڑھائی کی فکر کررہا تھا نہ کاروبار کی۔

باپ سے بھی وہ لاتعلقی اختیار کرچکا تھا ممکن تھا وہ کسی دن اسے اپنی جائیداد سے عاق کرنے کا لیگل نوٹس ہی دے دیتے۔

وہ اپنے ساتھ کیا کررہا تھا اس بارے میں واضح طور پر کچھ بھی کہنا ممکن نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ بس وقت گزار رہا ہے۔ بے مصرف بے مطلب۔ نہ مستقبل کا کوئی لائحہ عمل ترتیب دیا تھا نہ مستقبل کا کوئی خواب اس کی آنکھوں میں باقی رہا تھا۔

صرف ایک چیز تھی جس کی اسے فکر تھی اور وہ چیز آئے کت تھی یا اس کا آنے والا بچہ۔

گوکہ اس نے اس بات کا اظہار کبھی زبان سے نہیں کیا تھا لیکن کچھ باتیں اور چیزیں صرف زبان سے کہنے سے نظر نہیں آتیں نہ محسوس کی جاسکتی ہیں۔

آئے کت اور معاویہ کی بڑھتی ہوئی دوستی پر سب سے پہلے صاعقہ ممانی چونکیں جب معاویہ نے ان سے آئے کت کا چیک اَپ کروانے کی بات کی۔ وہ اس کے متعلق چیک اَپ اور دوائیوں کے لئے فکر مند ہو رہا تھا اور چاہتا تھا صاعقہ ممانی شہر کی بہترین گائناکالوجسٹ کے پاس آئے کت کو لیکر جائیں۔

"میں خود بھی کسی اچھی گائنی کی تلاش میں ہوں...میں جلد ہی آئے کت کو چیک اَپ کے لئے لے جاؤنگی۔" انہوں نے اپنے دل میں اٹھتے وسوسوں سے نظر چراتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے ممانی!...وسامہ ہوتا تو یقیناً یہ کام بہت پہلے کرچکا ہوتا۔" وہ انہیں ان کی کوتاہی نہیں جتا رہا تھا بس ایک خیال کا اظہار کررہا تھا۔ دراصل وہ خود اس بات پر شرمندہ تھا کہ آئے کت کو ابھی تک ایک اچھا میڈیکل چیک اَپ بھی فراہم نہیں کیا جاسکا۔

"معاویہ!..." وہ جانے لگا تو ممانی نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"جی؟"

''تمہیں یاد ہے ناں...آئے کت...وسامہ کی بیوہ ہے؟'' کسی انجان خدشے سے ان کا لہجہ لرز رہا تھا۔
معاویہ چونک گیا۔گڑبڑا گیا۔شہہ رگ کے قریب سے ایک سنسنی کی لہر سی اٹھی اور خون کے ساتھ سارے جسم میں پھیل گئی۔پھر اس نے آہستگی سے کہا۔
''وسامہ نے مجھ سے آئے کت کا خیال رکھنے کا وعدہ لیا تھا...مجھے صرف اتنا ہی یاد ہے...میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا ممانی!''
اس نے نظریں چرا کر کہا تھا اور تیزی سے کچن سے نکل گیا تھا کیونکہ وہ اپنے جواب سے مطمئن تھا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسوں تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر جمعرات کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

سہ پہر کا رُکا رُکا سا وقت تھا۔

پوری فضل منزل جاتی گرمیوں کی خنکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پچھلے صحن کی سیڑھیوں میں بیٹھی خوش نصیب نے سر اٹھا کر دیکھا آسمان ابھی بھی سورج کی تپش سے سلگ رہا تھا اور شام کے پرندے شام سے پہلے نچلی پروازیں بھرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اس کے دل کو کچھ ہوا۔ جلدی سے اٹھی۔ ڈھونڈ ڈھانڈ کر ٹوٹے ہوئے گھڑے کا پیندا اس قابل ملا کہ پانی بھر کر رکھا جا سکے۔ پولیتھن کی تھیلی میں جا کر چپکے سے طوطے بھائی کا باجرہ بھر لائی اور صحن کی منڈیر پر آزاد پرندوں کے لئے رکھ دیا۔

بیچارے معصوم پرندے۔ کھا پی کر اور کچھ نہیں تو دعا ہی دے دیں گے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی اور منہ اٹھائے سامنے دیوار کی طرف دیکھ رہی تھی کہ عقب سے آ کر شامیر اس کے بالکل پیچھے رک گیا۔ اس کی نظریں خوش نصیب کے بے ترتیب بالوں پر تھیں جو کمر تک آتے تھے کالے سیاہ، ریشمی اور چمکدار.. اور اتنے موٹے کہ لگتا نہیں تھا انہیں مٹھی میں جکڑا جا سکتا ہے۔

وہ بال کم ریشم کے تار زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ خود بخود دل الجھتا تھا ان میں۔ اور ایسا الجھتا تھا کہ پھر پھسلنے کا نام نہ لیتا تھا۔

وہ دلکش قد کاٹھ کی مالک تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور بالکل سیاہ جن پر گھنی پلکوں کا سایہ تھا۔ رنگت گندمی لیکن چمکدار تھی۔ پتا نہیں اسے کسی نے بتایا تھا یا نہیں لیکن مجموعی طور پر وہ خوبصورت چہروں میں شمار ہوتی تھی بشرطیکہ... بشرطیکہ ایسا اول جلول حلیہ بنا کر نہ پھرا کرتی۔ انگلش فلموں کا یہ ہیرو ہماری اس پنجابی مٹیار کا پورا ہی دیوانہ بن چکا ہوتا اگر جو وہ محترمہ تھوڑا سا دھیان اپنے حلیے پر بھی دے لیتیں۔

اس کی گردن کسی راج ہنس کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ جلد بالکل بے داغ اور شفاف۔ شامیر کا دل چاہا چھو کر دیکھے۔ لیکن خوش نصیب سے کچھ بھی بعید نہیں تھا کہ ایک جھانپڑ ہی رسید کر دیتی۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اس سے چار گنا زیادہ بیوقوف تھی اور اس بیوقوفی کی سب سے بڑی میراث ہے حد سے زیادہ پر اعتماد ہونا اور پر اعتماد خوش نصیب بھی تھی۔

اور پر اعتماد لوگوں کا اعتماد جیتنا مشکل ہوتا ہے سو وہ صبر کرے گا کم سے کم اسوقت تک جس وقت تک وہ اس لڑکی کو اپنا گرویدا نہیں بنا لیتا۔

اور ہاتھ بڑھا کر چپکے سے خوش نصیب کے کان کی لو کو چھوا۔ وہ اپنی جھونک میں تھی تڑپ کر مڑی۔

شامیر خوبصورتی سے مسکرا رہا تھا۔ ''کیا میں نے تمہیں ڈرا دیا؟''

خوش نصیب اپنی سٹپٹاہٹ چھپا کر مسکرا دی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'

''آسمان پر کیا ڈھونڈا جا رہا ہے؟'' وہ دوسرے پلر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ''کیا قسمت کے ستارے؟''

وہ بات سے بات نکالنے کا فن جانتا تھا۔

"دن میں کیسے ستارے مل سکتے ہیں؟"

"مجھے تو مل گئے۔" اس نے اپنی جادوئی مسکراہٹ سمیت خوش نصیب کی آنکھوں میں جھانکا۔"کبھی کسی نے تمہیں بتایا.. تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔"

فضل منزل پر اترتی شام کے سائے میں وہ اس کے گرد حصار بنانے لگا۔ اپنی آنکھوں سے، اپنی مسکراہٹ سے اور اپنی گفتگو سے۔

"میری آنکھیں؟" وہ سوچ میں مبتلا ہوئی پھر ایک دم سے بولی۔

"ہاں.. کیف اکثر کہتا ہے کہ میری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ بس مجھے اندھیرے میں نہیں جانا چاہیئے کیونکہ اندھیرے میں میری آنکھیں بلی کی طرح چمکنے لگتی ہیں اور کسی بھی انسان کو ڈرانے کا باعث بن سکتی ہیں۔" منہ بنا کر بولی۔

شامیر خوب محظوظ ہو کر ہنسا۔

"ویسے یہ کیف... دلچسپ انسان ہے۔"

"کہاں؟" دوبارہ منہ کا زاویہ بگاڑ کر بولی تھی۔"ایک نمبر کا بیکار انسان ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں پتا نہیں اللہ نے اسے کیوں زمین پر بھیج دیا۔"

"تمہیں وہ پسند نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اچھا تو... تمہیں کون پسند ہے؟"

وہ جھجک کر خاموش ہو رہی۔

"کیا میں سمجھوں.. وہ خوش نصیب انسان میں ہو سکتا ہوں؟"

وہ اب بھی خاموش رہی۔ بھلے ہی پھنے خان بنی پھرتی تھی لیکن تھی تو لڑکی ذات۔ ایسے سوال کا جواب دیتے تھوڑا سا تو لحاظ آہی رہا تھا۔

"تم چپ کیوں ہو؟... کیا میں سمجھوں تم ٹپیکل مشرقی لڑکیوں کی طرح شرما رہی ہو؟"

"اس میں کوئی برائی ہے کیا؟..." اسے چڑا کر بات کرنے پر آمادہ کرنا سب سے آسان کام تھا۔"میرا مطلب ہے مشرقی لڑکی ہونے میں؟"

"یہ میں نے کب کہا؟"

"تم نے ابھی کہا۔" وہ بضد ہوئی۔

''نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' وہ سٹپٹا کر بولا۔

''اس سے اچھا ہے تم مجھے پرتھ کے جنگلات میں گرمی کی شدت سے لگنے والی آگ کا قصہ سناتے۔'' وہ دل ہی دل میں اس کے سٹپٹانے سے مزہ لیتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔

''پرتھ کے جنگلات میں تقریباً ہر دوسرے سال گرمی کی شدت سے آگ بھڑک اٹھتی ہے... یہ کوئی ایسی قابل ذکر بات نہیں ہے کہ اسے بار بار دوہرایا جائے۔'' اسے پتا نہیں کیوں لیکن خوش نصیب کا ردعمل برا لگا تھا۔

''خیر تم ویوا انجوائے کرو... پھر بات کریں گے۔''

''ارے بات تو سنو...'' جتنی دیر میں خوش نصیب سمجھ پائی وہ جا بھی چکا تھا۔

''یہ لو... یہ تو ایسے ناراض ہو گیا کہ کیا ہی نئی نویلی دلہنیں ناراض ہوتی ہونگی۔'' اس نے جھنجھلا کر اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور اس کے پیچھے دوڑی۔ مرکزی راہداری میں شیرو سے ٹکرا گئی۔ وہ بیچارہ اس حادثے کی تاب نہ لا سکا اور سر کے بل گر فرش پر۔

''آ... میرا سر!''

''تم کہاں سے آ گئے بیچ میں۔'' خوش نصیب ذرا جو شرمندہ ہوئی ہو۔ بازو سے کھینچ کر اسے اٹھا کر بٹھایا۔ اور اپنی طرف یہ بھی بڑا احسان عظیم کیا تھا ورنہ اسے کوئی ڈر تھوڑا تھا کسی کا۔ آرام سے یونہی اسے گرا اور تڑپتا چھوڑ کر کھسک جاتی۔

''بیچ میں؟...'' شیرو جو سر پکڑے بری طرح کراہ رہا تھا تڑپ ہی اٹھا۔

''میں کب آیا بیچ میں؟... میں تو اچھا بھلا ایک طرف چل رہا تھا آپ ہی آ کر خودکش مزائل کی طرح ٹکرا گئیں۔'' روانکھا ہو رہا تھا بیچارہ۔

''کیا مطلب؟... کیا مطلب؟... یعنی میری غلطی ہے۔'' شیرو کے سر پر لگی ہوئی چوٹ کی پرواہ کئے بغیر اس کا کان اس زور سے مروڑا کہ وہ بیچارہ ازسرِنو بلبلا اٹھا۔

''آآآآآآ.... میری غلطی ہے میری غلطی ہے۔'' وہ چلایا۔

''ہوں... یہ ہوئی ناں بات۔'' اس نے کان چھوڑ دیا۔

''ایمان سے خوش نصیب باجی! آپ میں اور پاکستان کی پولیس میں رتی بھر بھی فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی بکری کے منہ سے ہاتھی ہونے کا اعتراف کروا سکتے ہیں۔'' وہ سر کو بھول کر اب کان سہلا رہا تھا جو بری طرح سرخ ہو رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا تیز آنچ پر دھرا ہو۔

''اچھا بکومت... تم تو عرفات ماموں کے ساتھ قصور گئے ہوئے تھے.. اچانک کہاں سے ٹپک پڑے؟'' اس نے جھاڑ کر پوچھا۔

''یہ لو... ہم کوئی آم ہیں جو ٹپک پڑیں گے؟'' نروٹھے پن سے ٹھنک کر بولا تھا۔ خوش نصیب نے آنکھیں دکھائیں تو جلدی سے بولا۔

''آج صبح ہی واپس آئیں ہیں... آتے ہی سو گئے.. تھکن بہت ہو گئی تھی۔''

http://kitaabghar.com

"ہاں... پرانے زمانے کی طرح عرفات ماموں کی گاڑی کے آگے تم جتے ہوئے ہو گے... اسی لئے اتنا تھک گئے۔"

شیرو برا ہی منا گیا۔

"آپ مجھے گھوڑا کہہ رہی ہیں یا بیل؟"

"میں کیا پاگل ہوں جو تمہیں ان دو جانوروں سے تشبیہ دونگی.. بیل تو اچھا خاصا کارآمد جانور ہے جبکہ گھوڑا.. اپنا یہ ساڑھے تین فٹ کا قد دیکھو.. اور اس کالی سیاہ رنگت پر غور کرو... پھر دل پر ہاتھ رکھ کر کہو... کیا تم گھوڑے جیسے اعلیٰ شان جانور کہلائے جانے کے قابل ہو؟.."

وہ جو منہ کھولے بغور اسکا بیان سن رہا تھا اس بات پر اور بھی برا منا گیا۔

"نہ گھوڑا نہ بیل.. تو اس کا مطلب... اس کا مطلب آپ مجھے گدھا کہہ رہی ہیں... دیکھیں خوش نصیب باجی! میں اچھا خاصا برا منا سکتا ہوں اس بات کا۔"

"لو..." وہ ٹھٹھا لگانے کے انداز میں ہنسی۔ "اور گدھا تو کب کا برا منا بھی چکا۔"

شیرو نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اپنا غصہ دبوچ دباچ کر دل میں کہیں دھکیلا۔ پاؤں پٹخا اور جاتے جاتے بولا۔

"آپ... آپ خوش نصیب باجی! اتنی بری ہیں... اتنی بری ہیں کہ دل دکھاتے ہوئے ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوچتیں... اللہ کرے..." ایک منٹ کو سوچا پھر بولا۔ "اللہ کرے آپ کی شادی کیف بھائی سے ہی ہو جائے.. لیکن نہیں... یہ تو کیف بھائی کے لئے بددعا ہو گئی۔" وہ بیچارہ اپنا غم بھول کر نئی پریشانی میں مبتلا ہوا۔

"آئے ہائے... تمہیں اتنی خوش گمانی کب سے ہو گئی کہ تمہاری دی ہوئی بددعا اگلے بندے کو لگ بھی جائے گی؟" تمسخرانہ انداز، جیسے کسی بڑی فخر والی بات کا حوالہ دے رہی ہو

"ابھی جا کر منا لیتی اسے.. تم نے بلی کی طرح راستہ کاٹ کر سارا کام بگاڑ دیا۔" وہ بری طرح جھنجلا رہی تھی۔

"بھاگ جاؤ اب یہاں سے... ورنہ دعا کر کے تمہاری شادی چمارن کی کانی بیٹی سے کروادونگی۔"

شیرو اس بات پر صحیح سٹپٹایا اور سر پر پیر رکھ کر دوڑا۔

"عرفات ماموں سے مل لیں... آپ کو یاد کر رہے ہیں... انہی کا پیغام لیکر آیا تھا۔" وہ جاتے جاتے بھی پیغام پہنچا گیا تھا۔

خوش نصیب نے پہلے سوچا پھر سر جھٹک کر بڑبڑائی۔

"پہلے اس سے تو مل لوں جو میرے روشن مستقبل کی چابی ہے۔" وہ اس طرف چل دی جس طرف گیسٹ ہاؤس بنایا گیا تھا اور جو اولاً اس کا اپنا مسکن تھا۔

☆......☆......☆

یار کے غم کو عجب نقش گری آتی ہے

پور پور آنکھ کی مانند بھری جاتی ہے

زندگی کیسے بسر ہوگی کہ ہم کو تابش!

صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

طالب نگر پر اس روز جو شام اتری وہ پچھلی کئی شاموں کے برعکس اداس معلوم ہوتی تھی۔

رکا رکا سا وقت اور ٹھہرا ہوا سا غم۔ آسمان پر بارش کے بعد والے بادلوں کا ملگجا سا اندھیرا، اور شام کے پرندوں کی اُڑتی ہوئی قطاریں۔

کچھ موسم کا اثر تھا کچھ دل کی دنیا اجڑی تھی۔ آئے کت کی نمناک آنکھیں ہر ان کہی بات کا جواب تھیں۔

طالب ماموں اور صاعقہ ممانی نے تو یوں بھی دل پر صبر کی بھاری سلیں رکھ لی تھی لیکن ہر بار وسامہ کی یاد آنے پر یہ سلیں جیسے اپنی جگہ سے کھسک جاتی تھیں اور آنکھیں برسنے لگتی تھیں۔

باقی بچا معاویہ... تو وہ سب کو صبر کی تلقین کرتا اور خود کمرے میں چھپ کر روتا تھا۔ وسامہ سے وابستہ ان تین افراد کو خوش کرنے اور زندگی کی طرف واپس لانے کے لئے جیسے اس نے ہر کوشش کر لی تھی۔ وہ انہیں لطیفے سنا سنا کر ہنساتا رہتا۔ آؤٹنگز کے نت نئے پلان بناتا۔ انہیں کھانے بنا بنا کر کھلاتا۔ وہ ان تین افراد کو ہنستا ہوا اور خوش دیکھنا چاہتا تھا اور بس۔

اس روز بھی آئے کت کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کی کیفیت سمجھنے کے باوجود چڑ ہی گیا۔

''آخر تم رونا چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟'' اس نے اتنا چڑ کر اور بدتمیزی سے کہا تھا کہ آئے کت کے آنسو لحظہ بر کو تھم سے گئے۔

''ان آنسوؤں پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔'' پھر اس نے رخ موڑ کر کہا۔

''ٹھیک ویسے ہی جیسے وسامہ کی یاد پر میرا اختیار ختم ہو چکا ہے۔''

''ہم میں سے کسی کے دل سے وہ کبھی نہیں نکلے گا لیکن آنسو بہانا ہمیں چھوڑنا ہوگا۔'' وہ منت سے بولا جیسے کہہ رہا ہو اب بس کرو۔

''یہ ممکن نہیں ہے معاویہ! کم سے کم میرے لئے تو بالکل ممکن نہیں ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''میں جتنا اسے بھولنے کی کوشش کرتی ہوں وہ اتنا ہی مجھے یاد آتا ہے... میں کیا کروں کیسے اسے بھولوں۔''

''تم مجھے بتاؤ.. میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ روہانسا سا ہو کر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا

''میں نے وسامہ سے وعدہ کیا تھا میں تمہارا خیال رکھوں گا.. تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دونگا۔.. تم روتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے آئے کت!.. یا رونا چھوڑ دو... یا میرے سامنے آنا چھوڑ دو۔''

http://kitaabghar.com

آئے کت کی آنسو بہاتی آنکھوں میں جیسے تعجب سا ٹھہر گیا پھر وہاں ایک روشنی کا کوندا لپکا۔

''تم مجھے بشام لیکر جا سکتے ہو معاویہ؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''بشام؟'' وہ حیران رہ گیا۔''بشام جا کر کیا کرو گی؟''

''مجھے فلک بوس جانا ہے...پلیز مجھے وہاں لے چلو۔'' وہ روتے ہوئے منت سے کہہ رہی تھی۔

''میں تمہیں لے جاؤں گا...لیکن تم وہاں کیوں جانا چاہتی ہو؟'' الجھ کر پوچھ رہا تھا۔

''میں وہاں اس آسیب کو تلاش کرونگی...'' آئے کت نے ایک دم سے پھٹ پڑنے کے انداز میں کہا تھا۔

''مجھے اس سے پوچھنا ہے وسامہ کی کیا غلطی تھی جو اسے مار دیا..وسامہ کو ہم سے چھین کر کیا ملا اس آسیب کو۔'' اب وہ پاگلوں کی طرح زور زور سے رونے لگی تھی۔

معاویہ بالکل صم بکم ہو گیا۔دکھ کا زہر بجھا خنجر سیدھا اس کے دل میں اترا تھا۔

''تمہیں یقین ہے فلک بوس میں واقعی کوئی آسیب ہے؟'' اس نے الجھ کر پوچھا تھا۔''تم نے مجھے کہا تھا وہ سب وسامہ کا وہم تھا...اور تم نے کسی آسیب کی موجودگی کو کبھی محسوس نہیں کیا۔''

آئے کت بہت رو چکی تھی اس کی آنکھیں اب بوجھل ہو رہی تھیں۔

اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''یہی سچ ہے...فلک بوس میں کچھ بھی نہیں ہے..میں جذباتی ہو جاتی ہوں تو ایسی باتیں سوچنے لگتی ہوں جو ناممکنات میں سے ہیں۔''

''تو پھر تم وہاں کیوں جانا چاہتی ہو؟'' معاویہ گہری سانس بھر کر بولا۔

''وہاں وسامہ کی آخری قیام گاہ ہے...میں اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنا چاہتی ہوں...وہاں وسامہ کی یادیں ہیں معاویہ!...میں نے وہاں جو وقت وسامہ کے ساتھ گزارا وہ میری زندگی کا سرمایہ ہے..مجھے وہ سرمایہ چاہیئے۔'' اس نے دکھی لہجے میں کہا تھا۔

معاویہ نے ذرا دیر کے لیے سوچا اور بولا۔

''ٹھیک ہے...میں تمہیں وہاں لے چلتا ہوں۔''

بے یقینی آئے کت کی خوبصورت آنکھوں میں جیسے تھم سی گئی۔

''کیا سچ؟''

''بالکل سچ۔'' وہ مسکراتے ہوئے زمین سے کھڑا ہو گیا۔''وسامہ کے لئے تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔آئے کت نے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور شکر گزاری سے مسکراتی

ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

اداس شام آسمان کے کناروں پر چپکے سے ڈوب گئی تھی۔

☆......☆......☆

دروازے کے باہر وہ کچھ دیر چپ چاپ کھڑی سوچتی رہی۔سیلف ریسپکٹ نام کا کیڑا دل ہی دل میں کلبلانے لگا تھا۔لیکن اگلے ہی پل اس نے ایک چپت لگائی دل کو اور اس کیڑے کو کان سے پکڑ کر دل کی چار دیواری سے باہر پھینک دیا جو دل کو بھی بغاوت پر اکسا رہا تھا۔

اچھے مستقبل کے لئے بعض اوقات وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جنہیں نہ کرنے کے انسان نے خود سے کئی عہد کئے ہوتے ہیں۔سو اس نے دل ہی دل میں اپنا کندھا تھپتھپایا اور ہاتھ اٹھا کر دروازے پر دستک دی۔یہ دستک ایسے ہی ہوا میں تحلیل ہو گئی جیسے سرف کا بلبلا ہوا میں چند منٹ تیر کر غائب ہو جاتا ہے۔

دوسری مرتبہ دستک دینے سے لیکر ہاتھ باندھ کر انتظار میں کھڑے ہو جانے تک خوش نصیب کے دل کی دھڑکن اس خیال سے تیز ہو چکی تھی کہ اگر اس نے دروازہ کھولا ہی نہیں تو کس قدر سبکی ہو جائے گی۔لیکن خیر جب وہ دروازہ کھولے گا ہی نہیں تو اسے کیا پتا کس نے کھٹکھٹایا تھا دروازہ...مجھ سے کسی نے پوچھا تو صاف کہہ دونگی...صیام یا طوطا بھائی ہونگے..ان دونوں بہن بھائی کو ہی ایسے دروازوں پر دستکیں دے کر بھاگ جانے کی ”چھچھوری عادت“ ہے۔ہونہہ...میں تو بچپن سے ہی اتنی ڈیسنٹ رہی ہوں مجال ہے جو کبھی کسی کے گھر کی گھنٹی بجا کر بھاگی ہوں....ہاں فضیلہ چچی کے دروازے پر پتھر مار کر منظر سے غائب ہو جانا اور صباحت تائی جان کے پیچھے جلتا ہوا پٹاخہ چھوڑ دینا الگ باتیں ہیں۔

ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ دروازہ کھل گیا۔سامنے شامیر آرام دہ ٹراؤزرز اور ہلکے رنگ کی ٹی شرٹ میں کھڑا تھا۔ہاتھ میں پکڑے ٹاول سے منہ پونچھ رہا تھا۔

”خوش نصیب کو دیکھ کر بس ایک پل کے لئے حیران ہوا تھا۔

”تم یہاں؟“ ٹاول سے منہ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

”اف...“ زبان بند کئے خوش نصیب اس ادا پر نثار ہی ہو گئی۔کیسے اچھے طریقے سے منہ تھپتھپا کر پونچھ رہا تھا۔ایک وہ زمانے بھر کا جاہل کیف ہے..ایسے رگڑ رگڑ کر منہ صاف کرتا ہے جیسے چہرے کے نقوش بھی تولیے سے کھرچ کھرچ کر صاف کر دے گا۔

کیف کی یاد آنے سے خوش نصیب بدمزہ ہی ہو گئی تب جلدی سے سر جھٹک کر اسکی نالائق یاد سے پیچھا چھڑوایا اور جلدی سے بولی۔

”وہ میں سوری بولنے آئی تھی؟“ جلدی سے بولی۔

"سوری کس لئے؟" وہ حیران ہوا۔

"پرتھ کے جنگلات میں لگنے والی آگ کا قصہ جو دوہرا دیا تھا..."

"میں نے پرتھ کے محکمہ جنگلات میں کچھ عرصہ نوکری ضرور کی ہے لیکن ان جنگلات سے ایسی کوئی محبت نہیں ہے مجھے کہ کوئی ان میں لگنے والی آگ کا ذکر کرے اور میں اتنا برا منا جاؤں کہ اسے مجھ سے ایکسکیوز کرنے کے لئے آنا پڑے..." وہ ذرا حیران ہو کر بول رہا تھا

"...اور وہ بھی ایسے وقت میں جب میں کچھ دیر آرام کرنا چاہ رہا تھا۔"

سبکی سے خوش نصیب کی رنگت ماند پڑ گئی۔ بھاڑ میں گیا اچھا مستقبل۔ ایسے نک چڑھے لڑکے سے شادی کرنے کا خواب دیکھنے سے اچھا تھا کہ وہ ساری زندگی کیف کی بیوہ بن کر ہی گزار لیتی۔

"سوری... میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا..." بڑی سنجیدگی سے کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑ گئی۔

"لیکن میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ تمہارا اس طرح سے آنا مجھے برا لگا ہے۔" اس نے پیچھے سے آواز لگائی۔

خوش نصیب کے اٹھتے قدم تھم گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شامیر آنکھوں میں شرارت سموئے اسے دیکھ رہا تھا

"انفیکٹ مجھے اچھا لگا کہ تم اتنا concerned ہو رہی ہو..."

"کنسرنڈ تو ہونا ہے... مہمان ہو تم ہمارے۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"مجھے لگا ہم دوست ہیں..." شامیر نے فوراً کہا۔

خوش نصیب کا دل چاہا انکار کا لفظ اس کے منہ پر مارے لیکن ایک دم سے مصلحت آمیزی نے اس کا دامن پکڑ لیا اور وہ خاموش رہی لیکن سنجیدگی سے اور ایسی سنجیدگی سے جس میں ناراضی جھلکتی تھی اس نے نظریں موڑ لیں۔

شامیر بھی کوئی بچہ نہیں تھا کہ اس کے انداز سمجھ نہ پاتا۔ مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

"اچھا چلو... مہمان ہی سہی.. چائے پر تو میرا ساتھ دو۔"

خوش نصیب نے سرعت سے اسے دیکھا فوراً انکار کر دینا چاہتی تھی لیکن اس سے بھی پہلے شامیر بولا۔

"دیکھو انکار مت کرنا.. مجھے اکیلے چائے پینے کی عادت نہیں ہے اور اسوقت ایک بہترین چائے ہی میری تھکن اتار سکتی ہے۔" اس کا انداز ایسا منت بھرا تھا اور ایسا دلکش تھا کہ خوش نصیب کا انکار دل کے اندر ہی دم توڑ گیا۔

"چائے لاتی ہوں۔" احسان کرنے والے انداز میں کہا لیکن اس سے قبل کے مڑ کر کچن کا رخ کرتی شامیر نے کہا۔

"یہاں چائے بنائی جا سکتی ہے... سارا سامان موجود ہے۔"

خوش نصیب اس بات پر جتنا حیران ہوتی وہ کم تھا۔ شامیر نے اس کے چہرے پر آمادگی دیکھ کر جلدی سے دروازے سے ہٹ کر

http://kitaabghar.com

اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ وہ جھجکی پھر اندر آ گئی۔ اور اندر پہنچ کر جو جھٹکا لگا اس کے بعد تو سنبھلنے میں اسے بہت ہی وقت لگ گیا۔

یہ وہ پورشن تھا جسے ان سے چھین کر گیسٹ روم کی شکل دی گئی تھی۔ خوش نصیب ایک بار یہاں سے ہجرت کر کے گئی دوبارہ ناراضی کے اظہار کے طور پر پلٹ کر بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی لیکن آج آکر پتا چلا اندر کا تو پورا نقشہ ہی بدلا جا چکا تھا۔ ایک بڑے سے ہال نما کمرے کے درمیان میں دیوار اٹھا کر دو کمرے بنا دیئے گئے تھے امیریکن اسٹائل کا کچن جہاں ضرورت کی تقریباً ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ سٹنگ روم میں ایسے نرم صوفے رکھوائے تھے فضیلہ چچی نے کہ جنہیں دیکھتے ہی خوش نصیب کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔ دل چاہا دادی کے زمانے کا برف توڑنے کا سوا لیکر آئے اور صوفے پر مار مار کے حشر نشر کر دے۔

دیواروں پر ایسے دیدہ زیب وال پیپرز لگائے گئے تھے کہ نظر پڑتے ہی دل خوش ہو جاتا بشرطیکہ وہ خوش نصیب کا دل نہ ہوتا۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس کے خیالات سے بے نیاز شامیر نے کہا۔

''آج تم میری مہمان ہو... چائے میں بناتا ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ خوش نصیب نے مروتاً بھی اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ دل ایسا ہی جل کر خاک ہوا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور جتنی دیر میں شامیر چائے بنا کر لے نہیں آیا وہ دل ہی دل میں تاؤ کھاتی رہی اور ارد گرد کا جائزہ لیتی رہی۔

''مجھے پتا ہوتا آج چائے پر تم میرا ساتھ دینے والی ہو تو ضرور تمہارے لئے فریش چوکلیٹ چپ کوکیز بیک کرتا۔'' شامیر نے خوش نصیب کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

خوش نصیب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ چہرے سے جلاپا ہٹایا۔

''تم بیکنگ بھی کر لیتے ہو؟''

''دنیا کا وہ کونسا کام ہے جو شامیر نہیں کر سکتا۔'' اس کا انداز بہت عام تھا۔

''ہماری پانی کی موٹر کا پمپ کافی دن سے خراب ہے... زحمت نہ ہو تو اسے ٹھیک کر دینا.. ہمارے پیسے بچ جائیں گے۔'' اس نے اتنی سرعت اور سادگی سے کہا تھا کہ شامیر کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

خوش نصیب نے البتہ اپنی ہنسی کو قہقہے میں ڈھلنے نہ دیا۔ شامیر کے سامنے وہ یوں بھی ذرا امپریشن بنا رہی تھی اور منہ کھول کھول کر ہنسنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں... دھرم پورہ کی گلیوں میں کیوں بھٹکتے پھرتے تھے؟'' اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''تم پیروں فقیروں کو مانتی ہو خوش نصیب؟'' خوش نصیب کے سوال کے جواب میں شامیر نے سوال کیا تھا۔

خوش نصیب چائے کا سپ لے چکی تھی سوال سن کر ایسا برا جھٹکا لگا کہ حلق میں پھندہ لگتے لگتے رہ گیا۔

''ہہ... ہرگز نہیں... لیکن تت... تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' وہ اپنی گھبراہٹ چھپا نہیں پائی۔

http://kitaabghar.com

”یہ جو بیری پیر کا مزار ہے اسی کی وجہ سے میں بھٹکتا رہا ہوں ان گلیوں میں ...تمہیں یاد ہے تم نے پوچھا بھی تھا میں گاڑی کیسے پھنسالیتا ہوں ان تنگ گلیوں میں ..“ وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

”دراصل میری ماما بیری پیر کی بہت بڑی معتقد ہیں۔ میں پاکستان آیا تو انہوں نے وعدہ لیا تھا میں جب تک پاکستان رہونگا ہر جمعرات کو مزار پر دیا جلانے جایا کرونگا..اور جب تک میرا گھر نہیں بن جاتا...میں مزار کے سائے میں ہی رہونگا..تاکہ بری بلائیں مجھ سے دور رہیں..“ وہ صاف مذاق اڑانے والے انداز میں بتا رہا تھا ایسے جیسے اسے اپنی ماں سے ان تمام باتوں پر سخت اختلاف رہا ہو۔

”اور مزار کے سائے میں تو فضیلہ آنٹی کا گھر ہی تھا سو...یہ طے ہوا کہ جب تک میرا گھر مکمل نہیں ہو جائے گا..میں یہیں رہونگا.....میرا کوئی اعتقاد نہیں ہے ان پیروں فقیروں پر۔لیکن اپنی ماما کو میں ناراض نہیں کر سکتا..وہ بہت عزیز ہیں مجھے۔“

”اچھی بات ہے...کسے اپنی مائیں عزیز نہیں ہوتیں...میرے بس میں ہوتا تو میں اس پورشن سے کبھی اپنی روشن امی کو نکلنے نہ دیتی.. یہاں کی ایک ایک چیز کو انہوں نے بڑی محبت سے رکھا ہوا تھا چاہے وہ سیلن زدہ دیواریں ہوں یا بارش سے ٹپکتی ہوئی چھت۔“

وہ یکدم سنجیدہ ہو کر بولا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اپنے پورشن سے نکلنا پڑا...بٹ ڈونٹ وری..میں زیادہ دن نہیں رکونگا..میرے گھر کا تھوڑا ہی کام باقی ہے میں جلد ہی چلا جاؤنگا۔“

خوش نصیب اس دوران بالکل چپ ہی رہی۔اس کے پاس کچھ نہیں تھا کہنے کے لئے۔ایک دم سے دل بڑا بوجھل سا ہو گیا تھا۔ اس نے کپ رکھ دیا اور کھڑی ہو گئی۔

”چائے کے لئے شکریہ...میں چلتی ہوں اب۔“

”کیا میں نے بہت بری چائے بنائی ہے..تم نے آدھی چھوڑ دی۔“ اس نے کپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

”ایسی کوئی بات نہیں ہے...بس میرا چائے پینے کا دل نہیں چاہ رہا۔“

”تمہارے موڈ بہت جلدی بدلتے ہیں۔“ وہ الجھ کر کہہ رہا تھا۔

خوش نصیب نے کندھے اچکا دیئے۔”میں ایسی ہی ہوں۔“

”اور مجھے تم ایسی ہی پسند ہو۔“ وہ خوبصورتی سے مسکرانے لگا تھا۔

خوش نصیب کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے۔وہ جتنی محنت شامیر پر کر رہی تھی جانتی ہی تھی یہ وقت ضرور آئے گا جب وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوگا لیکن اتنی جلدی..اتنی جلدی...اس نے ہرگز نہیں سوچا تھا۔

”تم بہت سادہ مزاج ہو خوش نصیب! بہت معصوم...مجھے ایسا لگتا ہے تمہاری تلاش میں اب تک میں پھرتا رہا ہوں..دنیا میں

بھٹکتا رہا ہوں۔" وہ نرم اور اثر انگیز لہجے میں بولتا رہا یہاں تک کہ خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل ہو گی۔ نیم وا دروازے کے پیچھے شام اتر آئی تھی اور محبت خاموشی سے ان دونوں کے درمیان اپنا جال بننے لگی تھی تبھی شامیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گال چھونا چاہا۔

باہر شاید آوارہ بلی نے منڈیر سے چھلانگ لگائی تھی۔ کہ دیوار کے ساتھ ساتھ رکھے گملے زوردار آواز سے آپس میں ٹکرائے اور ان دونوں کے مابین حائل سحر کا اثر توڑ کر خاموش ہو گئے۔

خوش نصیب کی ساری ہوشیاری دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ چونک کر الٹے قدموں پیچھے ہٹی اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"خوش نصیب!...خوش نصیب! میری بات سنو۔"

شامیر بے چین ہو کر اس کے پیچھے دوڑا لیکن خوش نصیب جا چکی تھی۔ دروازہ ابھی تک لرز رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشام جانے کا پلان سن کر صاعقہ ممانی نے فوراً منع کر دیا۔

"کم سے کم بھی آٹھ گھنٹے کا سفر ہے بشام تک..اور آئے کت کے لئے اتنا طویل سفر بالکل بھی مناسب نہیں رہے گا۔" انہوں نے قطعیت سے کہا تھا۔

"آئے کت دودھ پیتی بچی نہیں ہے کہ احتیاط سے کام نہ لے..." طالب ماموں نے کہا۔ "میرا خیال ہے اسے جانے دو...اور کچھ نہیں تو اس کا سٹریس ہی کسی حد تک کم ہو جائے گا۔"

"وہ دودھ پیتی بچی بے شک نہیں ہے لیکن ماں بننے کے مرحلے سے پہلی بار ہی گزر رہی ہے...اور لڑکیوں کو بہت سی چیزیں نہیں پتا ہوتیں۔" صاعقہ ممانی نے کہا۔

"او بھلی عورت! کچھ نہیں ہوگا آئے کت کو۔ کچھ چیزیں اللہ کے بھروسے بھی چھوڑ دینی چاہیں۔"

"اللہ پہ بھروسہ ہے مجھے۔ لیکن آئے کت کا ابھی چیک آپ تک نہیں ہوا...اس ہفتے میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے والی تھی..میرا خیال ہے اتنے لمبے سفر سے پہلے ڈاکٹر سے کنسلٹ لازمی کر لینا چاہیئے۔"

ان کا خیال غلط نہیں تھا سو طالب ماموں نے خاموشی اختیار کر لی گو کہ وہ بھی بشام جانا چاہتے تھے اور وسامہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنا چاہتے تھے۔

معاویہ کو اپنا اس معاملہ میں زیادہ بولنا مناسب نہیں لگا سو وہ چپ ہی رہا۔ لیکن آئے کت کی بے چینی ہر روز بڑھتی چلی گئی۔ اپنی حالت اور آنسوؤں پر جیسے اس کا اختیار نہیں رہا تھا۔

رونے لگتی تو گھنٹوں بیٹھ کر روتی رہتی۔ معاویہ کی فکر مندی بڑھتی چلی گئی اور ساتھ ہی صاعقہ ممانی کی بھی۔

''میں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں..لیکن آئے کت کا رونا ختم ہی نہیں ہو رہا...اس حالت میں اتنا سٹریس ٹھیک نہیں ہے اس کیلئے۔''

انہوں نے معاویہ کے سامنے فکرمندی سے کہا تھا۔

''آپ اسے ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں لے جاتیں؟'' معاویہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''جس گائنا کالوجسٹ کے پاس میں لے جانے کا سوچ رہی تھی وہ چند دن کے لئے کوئی کانفرینس اٹینڈ کرنے ملک سے باہر گئی ہوئی ہے..جیسے ہی واپس آئے گی میں اسے لے جاؤں گی۔''

''مجھے لگتا ہے شائد فلک بوس جا کر آئے کت بہتر محسوس کرے۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''بشام بہت دور ہے معاویہ!''

''چاند سے تو قریب ہے ممانی!...لوگ تو وہاں بھی چلے جاتے ہیں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا پھر دونوں ہی ایک ساتھ ہنس دیئے۔

''میری مانیں۔آئے کت کو بشام جانے دیں...وہ جا کر تھوڑا فریش ہی ہو جائے گی اور تب تک آپ کی ڈاکٹر بھی واپس آجائے گی...''

صاعقہ ممانی سوچ میں پڑ گئیں۔

''آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ آپ اور طالب ماموں بھی ساتھ ہی چلیں...اسی بہانے آیو شمتی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' وہ صرف ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے ایسی باتیں بول رہا تھا۔

صاعقہ ممانی نے گردن موڑ کر مضمحل نظروں سے اسے دیکھا۔

''اسی لئے تو میں وہاں جانا نہیں چاہتی..میرے بیٹے کو اس آسیب کا خوف کھا گیا۔'' ان کی آنکھوں میں نمی دکھائی دینے لگی تھی۔

معاویہ نے ان کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر کے انہیں اپنے قریب کر لیا۔کسی کے آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ بے چین ہو جاتا تھا۔اسے نہیں پتا تھا روتے ہوئے انسان کو کیسے دلاسہ دیا جاتا ہے۔وہ گردن موڑ کر بے بسی سے دور کھڑی آئے کت کو دیکھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب عجلت میں اوپر آئی اور سر تک چادر اوڑھ کر دیر تک لیٹی رہی۔

بات کچھ بھی نہیں تھی۔لیکن کہیں دماغ کے کونے میں ایک آواز تھی جو اسے مسلسل لتاڑ رہی تھی۔وہ کچھ دیر ایسے ہی لیٹی رہی پھر کروٹ بدل کر سو گئی۔جب آنکھ کھلی تو شام رات میں بدل چکی تھی اور شیر و عرفات ماموں کا پیغام لیکر دوبارہ سر پر موجود تھا۔

''سر جی کہہ رہے ہیں...آپ نہیں آسکتیں تو کیف بھائی کا فون نمبر کسی کاغذ پر لکھ دیں...ان کے موبائل سے ڈیلیٹ ہو گیا ہے۔''

http://kitaabghar.com

"میں کیوں نہیں آسکتی؟...ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں کیا میری؟" وہ اسی پر الٹ پڑی۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"ہوناں تم کیف کے چیلے...وہ بھی جو زبان سے نہیں کہتا اس کی آنکھیں کہہ دیتی ہیں۔" پتا نہیں کیوں اتنا غصہ آرہا تھا۔

"خوش نصیب باجی! آپ کیف بھائی کی آنکھوں میں دیکھتی ہی کیوں ہیں؟...آنکھوں میں جھانکنا تو سنا ہے...محبت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔" وہ جھجک کر بولنا شروع ہوا تھا پھر فراٹے سے بولتا چلا گیا۔

"بکومت۔" وہ تڑخ کر بولی۔ شیرو دبک کر کھڑا ہو گیا۔

"عرفات ماموں سے کہو میں آرہی ہوں...اور تم بات سنو۔"

وہ جو مودب بن کر سر ہلاتا ہوا جا رہا تھا رک کر اسے دیکھنے لگا مبادا کوئی اگلا اعتراض جڑ دے۔

"انڈین فلمیں ذرا کم دیکھا کرو بھاگ جاؤ اب.....ہونہہ....محبت کی نشانی۔"

شیرو جلدی سے بھاگ گیا۔

خوش نصیب ایسے ہی جھنجلاتی ہوئی اٹھ کر چپل میں پیر پھنسانے لگی۔

☆......☆......☆

اور یوں آئے کت کی خواہش پوری کرنے وہ سب ایک بار پھر بشام آگئے۔

بشام، کرہ عرض پر خوبصورتی کا دھڑکتا ہوا دل۔

وہ ویسا ہی تھا۔ دنیا میں جنت کے نظارے جیسا۔

بشام پر جھکے آسمان پر جو بادل گھر کر آتے تھے ویسے بادل کہیں اور نہ جاتے ہوں گے۔

جیسی بارشیں بشام میں برستی تھیں کہیں اور نہ برستی ہوں گی۔

جیسی خوش رنگ گھاس اس سرزمین پر لہلہاتی تھی ممکن ہی نہیں کہ ویسی نرمی کہیں اور پیروں کے تلوں کو گدگدائے۔

جیسی خوشبو وہاں اڑتی پھرتی تھی کہیں اور نہ مہکتی ہو گی

اونچے اونچے سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ، بل در بل بچھی ہوئی سڑکیں، منہ زور جھرنے، شفاف ٹھنڈے میٹھے پانی کی خاموش ندی، پرندوں کی دلکش بولیوں سے گونجتا ہوا جنگل اور....اور عالی شان فلک بوس۔

جب دھند کے مرغولے چمنیوں سے لپٹتے اور دھواں سا ہر طرف پھیل جاتا تو فلک بوس کی خوبصورت بڑھ جاتی۔

وہ آسیب زدہ تھا لیکن دل سے قریب لگتا۔ اسرار کے پنجے دل کو دہلاتے لیکن کشش ایسی جو انسان کو ملنے نہ دیتی تھی۔

تو وہ سب وہاں آ گئے۔ جہاں قدرتی خوبصورتی کی بہتات تھی اور اسرار کا لہراتا ہوا سایہ اور وسامہ کی یادیں۔

بشام کے پہاڑ پر بچھی بل دار سڑکوں پر جوں جوں انکی جیپ فلک بوس کی طرف بڑھ رہی تھی انکے دل مٹھی میں جکڑے جاتے تھے۔

وہ سب ایسے خاموش تھے اور ایسے باہر کھڑکیوں کے شیشوں سے دیکھتے تھے جیسے ایک دوسرے کی موجودگی سے ناواقف ہوں۔

اسی راستے پر آگے بڑھتے ہوئے جب فلک بوس کے کنگرے دکھائی دینے لگے تو خون کے ساتھ ایک حرارت کی تیز لہر رگوں میں دوڑ گئی۔

جیپ فلک بوس کے مرکزی پھاٹک پر رکی۔ بابا کبیر پہلے ہی ان کا منتظر تھا اس نے معاویہ کو دیکھتے ہی بڑی خوش دلی سے ہاتھ سر تک لے جا کر سلام کیا اور جھٹ پٹ پھاٹک کھول دیا۔

جیپ رینگتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور ایک فراٹے سے روش کو روندتی فلک بوس کے مرکزی داخلی دروازے سے کچھ دور ہی جا کر ٹھہر گئی۔

معاویہ نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو اسے احساس ہوا اس کے ہاتھ میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ آخری بار جب وہ فلک بوس سے نکلا تو اس کے کندھوں پر وسامہ کی موت کا دکھ اس کی میت کی طرح دھرا ہوا تھا۔ اس نے عہد کیا تھا واپس مڑ کر اس جگہ کا رخ نہیں کرے گا اور اب آ گیا تھا صرف اور صرف آئے کت کی خوشی کے لئے۔

''سلام صاحب!'' فلک بوس کے ملازم ان کے استقبال کے لئے مرکزی دروازے پر موجود تھے۔ خاتون بی بی اور بابا کبیر سے تو معاویہ واقف ہی تھا باقی چہرے نئے تھے۔ سب بڑھ کر مالکان کو سلام کرنے لگے۔

''سلام صاحب!'' بابا کبیر بھی دوڑا آیا اس کی سانس پھول رہی تھی لیکن معاویہ کی آمد کی خوشی اس کے چہرے اور آنکھوں سے صاف جھلکتی تھی۔

''واعلیکم اسلام... کیسے ہیں بابا!'' وہ مسکرایا ضرور لیکن یہ مسکراہٹ اتنی مصنوعی اور بے رنگ تھی کہ ایک پل میں اپنا راز کھول گئی۔

''میں ٹھیک ہوں صاحب!... آپ نے آکر بہت اچھا کیا... فلک بوس میں پھر سے رونق ہو جائے گی۔'' بابا کبیر کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دور جاتی آئے کت کو دیکھنے لگا وہ گاڑی سے اترتے جیسے بے دھیانی میں گھاس کے قطعے پر چلنے لگی تھی اور اس طرف بڑھ رہی تھی جس طرف تالاب اور سفید پری نصب تھے۔

وہ بے بس سی دکھائی دیتی تھی۔ کرب اس کی آنکھوں سے جھلکتا تھا اور زندگی کا عظیم سرمایہ کھو دینے کا دکھ اس کے ماتھے پر تحریر تھا۔

''آیئے صاحب! آپ لوگوں کے لئے کمرے تیار کروا دیئے ہیں۔''

''ماموں! ممانی! آپ لوگ اندر چل کر آرام کریں۔'' معاویہ نے بابا کبیر کو ان دونوں کا سامان اندر لیجانے کا اشارہ کیا۔ بابا نے

فوراً دیگر ملازمین کو ساتھ لگا کر سامان اٹھانا شروع کر دیا۔

''میں ....میں فلک بوس کا ایک چکر لگانا چاہتا ہوں۔'' دکھ ماموں طالب کی آنکھوں میں بھی کم نہیں تھا۔ان کی بات پر معاویہ فوراً سمجھ گیا وہ بھی اس آسیب کا پتا لگانا چاہتے تھے جس کی دہشت ان کے بیٹے کے حواس مفلوج کر گئی تھی۔

''آپ دونوں کچھ دیر آرام کر لیں۔دو دن تک ہم یہیں ہے...میں خود آپ کے ساتھ فلک بوس کا چکر لگاؤ نگا۔'' معاویہ نے کہا ساتھ ہی بابا کو اشارہ کیا۔

''کبیر بابا! ماموں اور ممانی کو ان کا کمرہ دکھائیں۔'' کہہ کر وہ آئے کت کی طرف بڑھ گیا۔

وہ گھاس کے قطع پر چہل قدمی کرنے کے انداز سے قدم دھرتی یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔یہاں اتنی خوبصورتی تھی جو نظر کو باندھتی تھی لیکن آئے کت کے لئے یہ خوبصورتی اپنا اثر کھو چکی تھی۔اسے وسامہ کی یادیں چاہیئے تھیں۔وہ وسامہ کو نہیں بچا سکی تو اس کی یادوں کو ہی ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔

معاویہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس کے پاس آ گیا اور برآمدے کے قریب لیکن تالاب سے دور اور بالکل اس کی سیدھ میں آئے کت کے ساتھ کھڑا ہو کر اسی سمت میں دیکھنے لگا جس طرف آئے کت دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔

''ہم...اکثر وہاں تالاب کے پاس بیٹھا کرتے تھے...میں اور وسامہ...'' معاویہ کے قریب جا کر کھڑے ہوتے ہی آئے کت نے کہا اس نے نہ گردن موڑ کر معاویہ کو دیکھا نہ آواز سنی۔

''...خاص کر رات میں ..تم نے کبھی رات کو بشام کا آسمان دیکھا ہے معاویہ؟..وہ آسمان جو فلک بوس پر جھکتا ہے؟..نہیں دیکھا؟..کبھی دیکھنا...یہ کوئی الگ آسمان ہوتا ہے...اتنا خوبصورت اتنا دلکش...ستارے نہیں ہوتے اس وقت آسمان پر..موتی ہوتے ہیں ...ہیرے ہوتے ہیں جو چمکتے ہیں تو آنکھوں کو خیرہ کر دیتے ہیں...پتا نہیں وسامہ کے بغیر یہ آسمان اتنا خوبصورت لگے گا یا نہیں۔''

بولتے بولتے وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔وہاں شام کے ابتدائی رنگوں میں ڈوبے آسمان پر پہاڑی پرندے اونچی اونچی اڑانیں بھر رہے تھے۔

آئے کت نے مایوسی سے سر جھکا کر معاویہ کو دیکھا۔آئے کت کی آنکھوں کے کنارے کنارے نمی کی لکیر ابھر آئی تھی۔

''وسامہ کیوں چلا گیا معاویہ! اس نے تو زندگی بھر میرے سارے غم اٹھانے کا وعدہ کیا تھا...خود ہی مجھے زندگی کا سب سے بڑا غم دے گیا۔'' آنسو اس کے گال سے پھسلتے ہوئے تھوڑی سے ٹپکنے لگے تھے اور بشام کی شام ان آنسوؤں کے ساتھ تاریک ہوتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب نیچے آئی تو شامیر سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

صحن میں کرسیاں بچھائے فضیلہ چچی اینڈ فیملی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔صیام دائیں ہاتھ ایسے شامیر کی کرسی پر استحقاق سے ہاتھ رکھے بیٹھی تھی جیسے شامیر کے اٹھ کر کہیں بھاگ جانے کا خطرہ ہو۔

منہا سامنے والی کرسی پر بیٹھی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔بے شک اس نے شامیر کو نظرانداز کرنے اور صیام کے اچھے مستقبل کے لئے اسے لفٹ نہ کروانے کا عندیہ دیا تھا لیکن اپنے بزی شیڈول سے کچھ وقت نکال کر وہ شامیر کو کمپنی دے ہی دیتی تھی۔شائد اسے بھی پرتھ کے جنگلات کی آگ کے قصوں سے دلچسپی ہو چلی تھی۔

پاکستان میں رہتے ہوئے بیشتر عوام کی طرح ان سب کو بھی یہی لگتا تھا کہ جیسی قیامت خیز گرمی پاکستان میں پڑتی ہے ایسی گرمی صرف جہنم میں ہی پڑتی ہوگی۔ایسے میں یہ خبر ان سب کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھی کہ کرہ عرض پر کوئی ایسا خطہ بھی ہے جہاں کے رہنے والوں کی رنگت گوری اور انداز فرنگی ہوتے ہیں لیکن سال کے کچھ مہینوں میں سورج اس ملک کے اتنا قریب آجاتا ہے کہ پرتھ کے درختوں میں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور حکومت کی جانب سے کی جانے والی ہزار ہا کوششوں کے باوجود اس آگ پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

طوطا بھائی کو شائد فضیلہ ممانی نے غالباً مروتاً وہاں بٹھا لیا تھا۔کیونکہ وہ اسوقت ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ہنس رہے تھے۔خوش نصیب کو یقین تھا جو لطیفہ ابھی سنایا گیا ہے اور جس پر دیگر اہل خانہ ہنس ہنس کر پاگل ہو رہے ہیں اس لطیفے کا آدھا حصہ بھی طوطے بھائی کی عقل شریف تک نہیں پہنچا ہوگا۔

وہ ان سب کو دیکھ رہی تھی۔نہیں شائد انہیں گھور رہی تھی کہ معاً شامیر اور اس کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔خوش نصیب نے فوراً نظروں کا رخ پھیرا اور عرفات ماموں کے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔سوئے اتفاق وہ کچن میں موجود تھے اور کچن ٹیبل پر بیٹھے غالباً ماہ نور سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

خوش نصیب نے انہیں کچن کی کھڑکی سے دیکھا اور وہیں آ گئی۔فہمنہ اور ماہ نور دونوں ہی وہاں موجود تھیں۔

''السلام علیکم عرفات ماموں!''اس نے پیچھے سے جا کر ان کی گردن میں بازو حمائل کر دیئے۔

''وعلیکم السلام...لو بھئی بلآخر عید کا چاند نظر آ ہی گیا۔''وہ شرارت سے بولے ساتھ ہی اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔خوش نصیب جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑی تھی۔

''ایسے تو مت کہیں...مانا کہ میں خوبصورت ہوں..لیکن اب اتنی بھی نہیں کہ چاند سے ہی تشبیہ دے دی جائے۔''شرارت سے بولی۔

عرفات ماموں ہنس دیئے۔

''حاضر جوابی کم نہیں ہوئی تمہاری۔''اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولے۔

"..میں سوچ رہا تھا.خالہ جان سے ملنے کے لئے مجھے اوپر تو آنا ہی تھا..تم سے بھی وہیں ملاقات کرلیں گے۔" اب وہ شکوہ کر رہے تھے۔

خوش نصیب نے اپنے کان پکڑ لئے۔

"ناراض کیوں ہوتے ہیں؟...میں ذرا مصروف تھی..اسی لئے آنے میں دیر ہوگئی۔"

"ہاں.تمہاری مصروفیت کی خبریں تو مل ہی چکی ہیں مجھے۔" انہوں نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا۔

خوش نصیب کے دل میں چور تھا کھٹک سی گئی۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے ماموں کو تمہارے اور صیام کے جھگڑے کا بتایا ہے..." فہمینہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اف...کاش! ماموں آپ اسوقت وہاں موجود ہوتے..ان دونوں نے تو اعلیٰ پائے کے ریسلرز کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔"

عرفات ماموں محظوظ ہوتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا چیز ہو تم۔"

خوش نصیب ڈھٹائی سے دانت نکل رہی تھی۔ان کی طرف جھک کر رازداری سے بولی۔

"صیام نے جلدی ہار مان لی اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئی..ورنہ میرا پورا ارادہ تھا مکا مار کے کم سے کم اس کا ایک دانت ضرور توڑونگی۔"

عرفات ہنس دیئے۔

"کیوں کرتی ہو یہ لڑائی جھگڑے؟.."

"میں کب کرتی ہوں؟...لوگوں کو مجھ سے جھگڑے کرنے کا شوق ہے...وہ محاورہ سنا ہے ناں آپ نے...آ بیل مجھے مار..."

"اس محاورے میں بیل خوش نصیب باجی کو ہی کہا گیا ہے۔" شیرو نے دانت نکوسے۔

"تم پھر آگئے...کیف کے چچے!"

"اونہہ...بری بات ہے خوش نصیب!"

وہ منہ کے زاویئے بگاڑنے لگی۔فہمینہ اور ماہ نور اپنی باتوں میں مصروف ہوچکی تھیں۔تب عرفات ماموں نے اس سے پوچھا۔

"صرف جھگڑے کرنے میں ہی مصروف رہی ہو یا کوئی ڈھنگ کا کام بھی کیا ہے؟"

اس نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا...

http://kitaabghar.com

ڈھنگ کا کام؟...مطلب؟“

”ایڈمشن فارم لایا تھا تمہارے لئے...“انہوں نے یاد دلایا خوش نصیب نے زبان دانتوں تلے دبالی۔وہ چہرہ دیکھ کر سمجھ گئے۔

”وہ...وہ تو میں بھول ہی گئی۔“

”بتانے کی ضرورت نہیں ہے...تمہارے چہرے پر لکھا ہوا دیکھ چکا ہوں میں۔“ناراضی سے بولے۔

”ایسی لاپرائی کے ساتھ تو تم اپنا مستقبل کبھی روشن نہیں کر پاؤ گی خوش نصیب!...پتا نہیں دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔“

”ہوجائے گا سب...فکر نہ کریں آپ۔“لاپروائی سے ہاتھ لہرا کر بولی۔”مستقبل روشن کرنے کا ایک اور طریقہ ڈھونڈ لیا ہے میں نے۔“

”اور کیا ہے وہ طریقہ؟“انہوں نے قدرے ناراضی سے پوچھا۔”ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے۔“

”یہ ابھی نہ پوچھیں...“لجاجت سے بولی۔”جب اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گی تو سب سے پہلے آپ کو ہی خوش خبری سناؤنگی۔“

عرفات ماموں نے خاموشی کے ساتھ اسے گہری جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔وہ جیسے اس کا ذہن پڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔
خوش نصیب کی نظر پڑی تو چونک گئی۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟۔“

عرفات ماموں نے گہری سانس بھرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا جیسے بات بدل رہے ہوں۔

”تمہارے جو بھی ارادے ہوں...بس کچھ ایسا مت کرنا جو تمہیں نقصان پہنچانے کا باعث بنے۔“

خوش نصیب نے انہیں دیکھا اور مسکرادی۔

”اچھا لگتا ہے جب آپ میرے لئے اسطرح فکر مند ہوتے ہیں...کوئی تو ہے اس گھر میں۔جسے میری فکر رہتی ہے۔“

کرسی کی پشت پر پہلوانوں کے سے سٹائل میں بازو پھیلائے بڑے شکر گزار انداز میں بولی تھی۔

عرفات ماموں کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

”کوئی اور بھی ہے اس گھر میں۔جسے ہر وقت تمہاری فکر رہتی ہے۔“

”اوپلیز...اب کیف کا نام مت لیجئے گا۔“اتنا منہ بنا کر کہا تھا اس نے۔

”اور آپ بے فکر ہوجائیں...صرف اپنا آنے والا کل سنوار رہی ہوں..اور میرا روشن مستقبل کسی کو تاریکیوں میں نہیں دھکیلے گا..یہ وعدہ ہے میرا۔“سامنے میز پر پڑی باسکٹ سے سیب اٹھا کر اس نے اپنی آستین سے رگڑ کر صاف کیا اور دانت کھڑچ کی آواز کے ساتھ

http://kitaabghar.com

سیب میں گاڑ دیئے۔

☆......☆......☆

اپنے مالکان کی آمد کی خوشی میں بابا کبیر اور خاتون بی بی نے رات کا کھانا بطور خاص تیار کیا تھا۔اور اتنا اہتمام کر دیا تھا کہ ڈائننگ ہال خوشبوؤں سے بھر گیا تھا۔ان چاروں نے محض ان معصوم لوگوں کے دل رکھنے کیلئے لقمے زہر مار کر لئے تھے ورنہ بھوک کسی کو بھی نہیں تھی۔

ان کے دل اتنے بوجھل تھے کہ نوالے حلق سے اترتے ہی نہ تھے۔

''میری بیوی اور میں نے بڑی محنت سے کھانا بنایا ہے...آپ لوگ پیٹ بھر کر کھائیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔'' بابا کبیر نے ادب و احترام سے کہا۔

''آپ نے بہت کھانا بنالیا ہے بابا! ہمیں بھوک ہی نہیں ہے۔'' طالب ماموں نے کہا۔

''گستاخی کی معافی چاھتا ہوں صاحب! لیکن جو جا چکا ہے...اپنی جان پر ظلم کرنے سے وہ واپس نہیں آجائے گا۔'' بابا کبیر نے سابقہ انداز میں کہا۔

طالب ماموں خاموش رہے پھر ایک گہری سانس بھر کر نیپکن میز پر رکھ دیا۔

''میں سونا چاھتا ہوں۔'' جاتے جاتے انہوں نے بابا کبیر کا کندھا تھپتھپایا اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔صاعقہ ممانی کی پلیٹ بھی جوں کی توں پڑی تھی۔

''کل کچھ نہ بنوایئے گا کبیر! یہی کافی رہے گا...کھانے کی بے حرمتی ہوتی ہے۔'' وہ سادہ مزاج عورتوں کی طرح بچا ہوا کھانا ایک پلیٹ میں جمع کرنے لگیں۔

''جی بہتر!'' بابا کبیر کو مایوسی ہوئی تھی سب کے رویئوں سے۔

''کبیر بابا! باہر تالاب کے پاس وسامہ نے اپنے ہاتھوں سے کچھ پودے لگائے تھے...میں دیکھ رہی تھی وہ اب وہاں نہیں ہیں ...'' آئے کت نے پوچھا۔

''وہ سوکھ گئے تھے بی بی! مالی نے انہیں نکال کر پھینک دیا۔''

آئے کت کی خوبصورت پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کس سے پوچھ کر نکالا مالی نے؟...وہ وسامہ نے لگائے تھے۔انہیں وہیں لگے رہنے دینا چاہیئے تھا۔'' اس نے ناراضی سے کہا۔

''وہ پودے تیز دھوپ میں رکھنے کے نہیں تھے بی بی! مالی نے وسامہ صاحب کو منع بھی کیا تھا۔'' بابا کبیر نے کہا۔

''آپ وہی پلانٹس دوبارہ منگوائیں۔مجھے وہ پودے اسی جگہ پر چاہیئے جو جگہ وسامہ نے ان پودوں کے لئے پسند کی تھی..سوکھ

جائیں تو دوبارہ لا کر لگا دیں...وسامہ کی کوئی یاد فلک بوس سے مٹنی نہیں چاہیئے۔"

"لیکن بی بی!...."

"آئے کت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بابا!...وسامہ کی کوئی یاد فلک بوس سے مٹنی نہیں چاہیئے۔" معاویہ نے ان کی بات کاٹ کر قطعیت سے کہا تھا۔

بابا کبیر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن معاویہ کے تیور دیکھ کر خاموش ہو رہے۔

"جی بہتر۔" احترام سے کہا۔

"اور برآمدے میں جو کرسیاں رکھی رہتی تھیں؟" آئے کت نے دوبارہ پوچھا۔

"باہر پڑی خراب ہو رہی تھیں...میں نے اٹھوا کر اندر رکھوا دی ہیں۔"

"انہیں بھی واپس لا کر رکھیں..یہ چند روز جو ہم فلک بوس میں ہیں...اس دوران مجھے فلک بوس ویسا ہی چاہیئے جیسا وسامہ کی موجودگی میں تھا۔"

"جی بہتر۔"

☆......☆......☆

خوش نصیب پچھلے صحن میں آم کی موٹی شاخ پر ڈالے جھولے پر بیٹھی مستقبل کے خواب دیکھنے میں مگن تھی کہ شیرو دوڑا دوڑا آیا۔

"خوش نصیب باجی!...خوش نصیب باجی!..." سانس پھول رہی تھی ہاتھ میں عرفات ماموں کا موبائل تھا۔ بھاگا بھاگا آیا اور قریب رک کر کمر پر ہاتھ رکھ کر سانس بحال کرنے لگا۔

خوش نصیب نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

"تم پھر آ گئے میرا سر کھانے؟"

"لو۔آپ کے دماغ میں کیا رکھا ہے جو میں کھاؤں گا۔" وہ الٹا چڑ کر بولا۔

"توبہ...ایسے بولتے ہوئے بالکل کیف کی فوٹو لگتے ہو۔" تیوری چڑھا کر بولی۔

فون کے دوسری طرف کیف نے ساری بات سن تھی اس کا الگ منہ بن گیا۔

"کیف جیسا کوئی نہیں ہو سکتا...اونہہ...نالائق نصیبن!" لیکن ابھی اس کی کون سنتا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ سے باتیں کرنے کا...وہ تو کیف بھائی کی وجہ سے آپکے پاس آ گیا ہوں۔" شیرو نے تنک کر کہا۔

"یہ پکڑیں موبائل...کیف بھائی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

http://kitaabghar.com

''اوہو.... کہا تو ایسے ہے جیسے کیف نہ ہو گیا کہیں کا شہزادہ ہو گیا۔'' جھپٹ کر فون لیا۔

''ہاں تو کیف بھائی کسی شہزادے سے کم تھوڑا ہی ہیں۔'' وہ ہر وقت کیف کی طرف داری کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔اس کی آواز موبائل کے دوسری طرف بھی سنی گئی تھی اور بس نہ چل رہا تھا کہ شیرو کی بلائیں ہی لے ڈالے۔

''ھیلو...''

''اتنی سریلی آواز ہے تمہاری.. کیا ہی برا ہو کہ ذرا پیار سے بھی بات کر لیا کرو۔''

''جس روز میں نے تم سے پیار سے بات کر لی سمجھ لینا تم خواب دیکھ رہے ہو یا میں مرنے کے قریب پہنچ چکی ہوں... اس کے علاوہ تو کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی جس کی بنا پر میں تم سے پیار سے بات کروں۔'' اترا کر بولی تھی۔

''اس بات پر شرط لگا لو.. تم مجھے ماضی قریب میں ''میرے پیارے کیف جی'' کہہ کر بلایا کرو گی.. میں ہار گیا تو میں تمہیں جان من کہہ کر بلا لیا کرونگا۔'' جھٹ سے بولا۔

خوش نصیب کے گال تمتما اٹھے۔کیف، کمینہ، واہیات انسان۔

''اور جس دن تم نے ایسا کہا میں تمہارا منہ توڑ دونگی۔''

''اس پر بھی شرط لگا لیں؟'' وہ متبسم لہجے میں بولا۔

''فون کیوں کیا ہے؟'' اس سے کوئی بات نہ بن پڑی تو تلملا کر پوچھا۔

''تمہاری یاد میں مرنے والا ہو گیا تھا... سوچا دیدار نہیں کر سکتا تو آواز ہی سن لوں۔'' ایسے کہا تھا جیسے کسی اور کے بارے میں بتا رہا ہو یعنی سرسری انداز۔ اچھے انداز سے کہتا تب بھی کونسا خوش نصیب نے یقین کر لینا تھا ابھی بھی موبائل کان سے ہٹا کر ایک لحظہ کے لئے دیکھا پھر بولی۔

''کھاؤ اپنے سر کی قسم۔''

''تمہارے سر کی قسم۔'' جھٹ جواب آیا۔

''اپنے سر کی قسم کھاؤ۔'' اس نے زور دیکر کہا۔

''یار! آج اپنے سر کی قسم سے کام چلا لو... میرے سر میں بہت درد ہے آج۔'' معصوم سا بن کر بولا تھا خوش نصیب تلملا ہی گئی۔

''تو میرا سر فالتو آیا ہے کہ تمہاری جھوٹی قسموں کی نذر ہوتا رہے... بچپن میں بھی تم میرے سر کی جھوٹی قسمیں کھا کر سچے بن جایا کرتے تھے۔'' اسے پرانی باتوں پر از سر نو غصہ آیا تھا۔

وہ یاد کر کے ہنسنے لگا۔''انہی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا چاھتا ہوں... ساری زندگی کے لئے تمہارا بے دام غلام بن کر رہونگا۔ جورو کی غلامی کے اب تک کے سارے تاریخی ریکارڈ نہ توڑ دیئے تو میرا نام بدل دینا...'' کھنکتا ہوا متبسم لہجہ۔ شرارت سے بھرا ہوا۔

خوش نصیب کا منہ اپنے اصل زاویئے سے اتنا زیادہ بگڑ گیا کہ شائد کیف سامنے ہوتا تو پہچان بھی نہ پاتا۔

''لگتا ہے تم اس روز والا انتقام بھول گئے... بلاتی ہوں ابھی صیام کو۔''

''ارے ایسا غضب نہ کرنا'' وہ جلدی سے بولا۔''

اس روز بھی فوراً فون بند کر دیا تھا میں نے... ورنہ صیام تو پیچھے پڑ جاتی۔.. مانا میں لاکھوں میں ایک ہوں۔لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ہر دوسری لڑکی میری محبت میں مبتلا ہو۔''

خوش نصیب نے چڑ کر کال ہی کاٹ دی۔

''فارغ آدمی...ہونہہ...''

وہ دوبارہ جھولا جھلاتے ہوئے مستقبل کے خواب بننے لگی۔

☆......☆......☆

نیند پوری کرنے کے لئے وہ بلاشبہ ایک بیزار رات تھی۔اپنے اپنے کمروں میں ان چاروں نے کروٹیں بدلتے رات گزار دی تھی۔ہر وہ جگہ جہاں انسان نے اچھا وقت گزارا ہو اور خوبصورت یادوں کا منبع ہو وہاں غم کے انتہائی دور میں رہنا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔تو فلک بوس میں ان کا مختصر قیام مشکل وقت تھا۔

صبح کے قریب معاویہ کو نیند کے جھونکے آنے لگے لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ایسا لگا جیسے کمرے کی اونچی چھت بڑی تیزی سے اس کی طرف گر رہی ہو۔وہ ہراساں ہو کر اٹھ بیٹھا۔اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔چھت، دیواریں سب اپنی جگہ سلامت تھے۔اس نے سانس بحال کی اور آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو دیکھا صبح کے چہرے پر ابھی رات کا مہین پردہ پڑا تھا اور اس ادھ کھلی صبح میں بشام کا جوبن اپنے عروج پر دکھائی دیتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے جوگرز پہنے اور اپر پہن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔فلک بوس سناٹے کی زد میں تھا۔کمروں کے دروازے ابدی خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے جبکہ مرکزی ہال کا وہ بڑا سا فانوس ہولے ہولے عادتاً لرز رہا تھا۔

معاویہ نے منہ اٹھا کر اوپر دیکھا اوپری ہال رات کی ہلکی روشنیوں میں بڑا پراسرار سا لگتا تھا۔اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھا۔آئے کت کے کمرے کا دروازہ بند تھا وہ چند لمحے جیسے بے اختیار دروازے کے باہر رکا۔دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن پھر یہ سوچ کر ہاتھ گرا دیا کہ شائد وہ بھی شب بیداری کے بعد ابھی سوئی ہو۔

یہی سوچتا وہ باہر نکل آیا۔فلک بوس کے باہر رات کے سرکتے ہوئے پردے کی اوٹ میں بشام سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔معاویہ نے بے اختیار ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور بے وجہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد سرونٹ کوارٹر والی سائیڈ سے اس نے بابا کبیر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

"سلام صاحب!...آپ بڑی جلدی اٹھ گئے۔ میرا خیال تھا دیر تک سوئیں گے۔" بابا کبیر ہمیشہ ماتھے تک ہاتھ لیجا کر سلام کرنے کا عادی تھا اور اسے ہمیشہ معاویہ کی فکر رہتی تھی۔

"نیند نہیں آئی بابا!..." معاویہ نے بیزاری سے کہا۔ "ساری رات عجیب عجیب خیال آتے رہے.... شائد..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"شائد تھکن کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا۔" بابا کبیر نے جلدی سے اس کا جملہ مکمل کیا۔

معاویہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"یا شائد اس آسیب کی وجہ سے؟...." خدشہ تھا لہجے میں۔

بابا کبیر نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ نظریں جھکا کر بولے۔

"وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے صاحب!..لیکن اللہ کے حکم کے بغیر یہ نوری مخلوق ہماری دنیا میں دخل نہیں دے سکتی۔"

معاویہ نے جیسے اچنبھے سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"کیا دوبارہ کچھ ہوا ہے؟.." اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "کیا کسی نے دوبارہ اس عورت کی روح کو دیکھا ہے؟"

"دو ایک مقامی لوگوں نے بات کی ہے کہ انہوں نے اسے رات کے اندھیرے میں یہاں دیکھا ہے۔.." بابا کبیر نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن بشام میں ایسی باتیں گردش کرتی رہتی ہیں۔ ان پر دھیان نہ دیں۔"

"مجھے لگا وہ وسامہ کا وہم ہوگا. لیکن اگر کسی نے دوبارہ ذکر کیا ہے تو اس بات میں کوئی تو حقیقت ہوگی۔" وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"صاحب! بشام کی آدھی سے زیادہ آبادی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ انہیں چلتے پھرتے اپنے دیوی دیوتا نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ روحیں اور جن بھوت بھی نظر آنے لگیں۔" بابا کبیر نے ذرا بیزار لیکن احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم مسلمان ہیں ہمیں اس ناری مخلوق کے معاملے میں بھی اللہ کے حکم کو مدنظر رکھنا چاہیئے....آپ فلک بوس آئے ہیں تو ہر فکر سے ذہن کو آزاد کر دیں...اور اتنے ہی پرسکون رہیں جیسے پہلے آیا کرتے تھے۔" انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔

معاویہ کی پیشانی پر الجھن آمیز بل پڑ گئے۔ بہت کچھ واضح ہو کر بھی اس کے لئے غیر واضح تھا۔

"آپ کے لئے ناشتہ بناؤں؟" بابا کبیر نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں..." معاویہ نے کہا۔ "میں سب کے ساتھ ناشتہ کرونگا..اٹھ جانے دیں سب کو۔"

"آئے کت بی بی تو کافی دیر پہلے سے جاگ رہی ہیں۔"

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com KitaabGhar.Com

اس بات پر معاویہ نے حیران ہو کر بابا کبیر کو دیکھا۔

”آئے کت جاگ چکی ہے...لیکن کہاں ہے؟...میں نے اسے نہیں دیکھا۔“

”وہ فاتحہ خوانی کے لئے قبرستان گئی ہیں..“

”قبرستان؟...اتنی صبح۔“ وہ پریشان ہو گیا۔”اتنی دور اسے اکیلے نہیں جانا چاہیئے تھا۔“

”وہ اکیلی نہیں ہیں...میں نے خاتون بی بی کو ان کے ساتھ بھیجا ہے۔“ بابا کبیر نے اپنی بیوی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”یہ اچھا کیا آپ نے۔“ معاویہ نے گہری سانس بھر کر کہا تھا اس کے ذہن سے جیسے بوجھ ہٹ گیا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسون تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہو گی، یہ اقساط
ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہو گی، یہ اقساط
ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

فلک بوس سے کافی دور جنگل سے ذرا ہٹ کر بشام کا قبرستان تھا۔

پائن کے قد آور درختوں میں گھرا۔ خاموش چپ چاپ سا قبرستان۔

یہاں خاموشی تھی، وحشت تھی اور موت کا سایہ لیکن اسرار نہیں تھا۔ وہ اسرار جو فلک بوس کی میراث تھا اور لکڑی کا پھاٹک نما گیٹ عبور کرتے ہی پیچھے رہ گیا تھا۔

اونچی نیچی ڈھلوان پر مضبوطی سے قدم جماتے ہوئے معاویہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قبرستان کی حد بندی کے لئے بنائی گئی باڑھ اس سے چند قدم دور رہ گئی تھی۔ اس نے لمبے ڈگ بھرے اور باڑھ عبور کر کے اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹی بڑی کچی پکی قبروں پر اجل کا فرشتہ اپنا سایہ پھیلا کر جا چکا تھا۔ جنگلی پھولوں کی خوشبو کہیں پیچھے دم توڑ چکی تھی اور قبرستان کی حدود میں ایک سرد سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

بشام کے پہاڑ سے کئی میل دریائے کنہار کے دوسرے کنارے جو پہاڑ تھے ان کے عقب سے بیدار ہوتے سورج کی کرنیں سر نکال رہی تھیں اور ایسا ملگجا اجالا پھیل رہا تھا کہ نظر بدقت دور تک دیکھ سکتی تھی۔

قریب ہی ایک درخت سے ٹیک لگا کر خاتون بی بی اونگھ رہی تھی۔ معاویہ کی موجودگی کا احساس کر کے اس نے آنکھیں کھولیں اور سٹپٹا کر اٹھ بیٹھی۔ معاویہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کا کہا۔

”آئے کت کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا

”وہ..“ خاتون بی بی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

تو اس ملگجے اجالے کی مستعار لی ہوئی بصارت سے معاویہ نے دیکھا دور وسامہ کی قبر کے پاس اپنی کالی چادر میں لپٹی آئے کت سر جھکائے مٹی پر بیٹھی تھی اور ایسے بیٹھی وہ ایک گٹھری سی معلوم ہوتی تھی۔

معاویہ کے دل میں ایک جانا پہچانا سا دکھ سر اٹھانے لگا اس نے ایک گہری سانس بھر کر اپنی متزلزل ہوتی ذہنی طاقت کو جمع کیا جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھ گیا۔

خاتون بی بی واپس درخت سے ٹیک لگا کر ستانے لگی۔

قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا یا رات میں بارش برسی تھی کچی مٹی کی بھینی سی خوشبو ہر طرف اڑتی پھر رہی تھی۔

درختوں کے نم پتے، سوکھی ہوئی لیکن نم سے ٹہنیاں ارد گرد بکھری ہوئی تھیں۔

معاویہ کی موجودگی کا احساس تھا یا پیر کے نیچے آ کر کوئی پتا کسمسایا تھا۔ آئے کت نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ہاتھ اٹھائے آنکھیں بند کئے دعا مانگ رہا تھا۔ دعا پوری کر کے اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور آنکھیں کھول دیں۔ آئے کت نے دیکھا اس کی آنکھوں کے

کنارے نمی تیر رہی تھی۔

اس نے سر جھکایا اور تھوڑی اپنے گھٹنوں پر لپٹے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"میں ابھی کچھ دیر اور یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں۔"

اس ایک جملے میں ہٹ دھرمی یا فیصلہ کن انداز نہیں تھا بس التجا تھی گزارش تھی۔

معاویہ نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا اور پلٹ کر مخالف سمت میں قدم بڑھا دیئے۔

کچھ دور قبروں کی حدود سے کوئی ساٹھ قدم آگے پہاڑ کا سینہ بے آب و گیاہ پڑا تھا۔ یہ جگہ غالباً مزید انسانوں کی آخری آرام گاہ کے طور پر چھوڑی گئی تھی۔ ذرا آگے پہاڑ کی آخری حد تھی۔ معاویہ اس کنارے آ کر بیٹھ گیا۔

نیچے بہت نیچے سندھ کا دریا صبح کے احترام میں قدرے پرسکون ہو کر بہتا تھا۔ سامنے جو پہاڑ تھے اور جن کے عقب سے سورج جلوہ گر ہونے کو تھا۔ اتنے دور تھے کہ نا قابل رسائی معلوم ہوتے تھے۔

معاویہ بہت دیر بیٹھا رہا پھر سر کے بل لیٹ کر اس نے بازو پھیلا دیئے۔ اب صبح کا تر و تازہ آسمان اس کے عین سامنے تھا جہاں سورج کی نو مولود کرنوں کی پاکیزگی اور پہاڑی پرندوں کی اونچی اونچی اڑانیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بادلوں کے مہین گالے سے تھے جو مختلف شکلیں بناتے بگاڑتے رہے۔ ان بادلوں میں کبھی اسے وسامہ دکھائی دیتا کبھی وہ لکڑی کی الماری جس میں دم گھٹنے سے وسامہ کی موت واقع ہوئی تھی۔ ایک بار یہ بادل تیز تیز گھومے اور انہوں نے اس گول پتھر کی شکل اختیار کر لی جس کے گرد بھاگتے اور کھیلتے ہوئے معاویہ اور وسامہ کا بچپن گزرا تھا۔ اگلی بار اسے ان بادلوں میں فلک بوس کی خوبصورت راہداریاں اندھیرے میں ڈوبی ہوئی نظر آئیں یہاں تک کہ اس کا ذہن نیند میں ڈوب گیا۔

پتا نہیں پھر کتنی دیر گزری۔ سورج کی کرنیں اس کے چہرے پر پھیل گئی تھیں جب اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھا آئے کت اس سے کچھ فاصلے پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے چپ چاپ بیٹھی تھی اور سامنے دیکھ رہی تھی۔

معاویہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسکی آنکھوں پر دیر تک سونے کا بوجھل پن طاری تھا لیکن ذہن کہتا تھا ابھی آنکھیں کھول دی ہیں۔

سورج سامنے والے پہاڑ سے کافی اوپر آ چکا تھا اور روشنی نے پوری طرح بشام کو گھیر لیا تھا۔ ہوا بھی تیز ہو چلی تھی اور دریا اب تیز بہتا تھا۔

آئے کت تو اپنی کسی جھونک میں تھی اس نے گردن موڑ کر معاویہ کو دیکھا۔

"امید کرتی ہوں تم اچھی نیند سوئے ہو گے۔" وہ آہستہ سے مسکرا رہی تھی۔

"پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی... یہ زمین کافی سخت ہے۔" معاویہ نے قدرے شرمندگی سے کہا قبرستان کے پاس اسے سونا تو نہیں

چاہیئے تھا۔ یہ غلط کر دیا اس نے۔

''اس سخت زمین پر بھی تم کافی دیر سے سو رہے ہو۔''

''ہاں... وہی ناں... پتا نہیں کیسے سویا میں۔''

''رات کو تمہیں بھی پرسکون نیند نہیں آئی ہو گی... میں بھی نہیں سو سکی...'' آئے کت نے ایک بار پھر گردن سامنے کی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا۔

معاویہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلیں؟... سب لوگ ناشتے پر ہمارا انتظار کر رہے ہونگے۔'' اس نے اپنے کپڑے اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ لیٹنے کی وجہ سے اس کی کمر پر کافی مٹی اور گھاس پھونس لگ چکی تھی۔

آئے کت خاموشی سے اٹھی اور معاویہ سے چند قدم آگے چلنے لگی۔

غیر ہموار زمین پر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ قبرستان کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اچانک آئے کت رک گئی اور اس نے گردن موڑ کر حسرت سے کچھ دور وسامہ کی قبر کو دیکھا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور چہرے پر ایک زبردست اضطراب دکھائی دینے لگا۔ آنکھوں میں عجب بے رونقی سی تھی۔

اس نے گردن موڑ کر معاویہ کو دیکھا۔

''کیا ہم فلک بوس میں مزید کچھ دن رک سکتے ہیں؟''

معاویہ فوراً کوئی جواب نہیں دے سکا پھر اس نے آہستگی سے کہا۔

''ماموں راضی نہیں ہونگے... وہ پہلے ہی اس جگہ نہیں آنا چاہتے تھے۔''

''میں جانتی ہوں تم انہیں منا لو گے۔'' آئے کت نے یقین سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ گردن موڑی سر جھکایا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔

معاویہ کے دل نے تہیہ کر لیا وہ ماموں کو کچھ دن مزید قیام کے لئے منا لے گا۔

قبرستان کے سب سے اونچے درخت پر بیٹھے کسی پہاڑی پرندے نے اسی وقت اڑان بھری تھی کہ فضا میں ایک جلترنگ سا بج کر خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

پتا نہیں کیوں لیکن کبھی کبھی یہ ساری ریاضت، وہ جو اپنی چھوٹی سی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کرتی تھی، رائیگاں سی لگنے لگتی تھی۔

http://kitaabghar.com

فضل منزل کے پچھلے صحن میں آم کے گھنے سائے تلے بیٹھ کر اس نے بیزاری اور مایوسی سے سوچا تھا۔

ہوا کچھ یوں کہ اس روز صبح ہی صبح فضیلہ چچی سے ناشتہ بنانے کی بات پر اس کی بحث ہوگئی۔ روشن امی کی طبیعت ناساز تھی۔ کل سے زکام نے سر میں درد کر چھوڑا تھا ساتھ میں تھوڑا تھوڑا سا بخار بھی تھا۔

ماہ نور نے چند روز پہلے ہی عرفات ماموں کے اصرار پر ایک قریبی آرٹ اینڈ کرافٹ انسٹیٹیوٹ جوائن کرلیا تھا۔ بمشکل ایک مہینے کا کورس تھا بارہ ہزار فیس۔ عرفات ماموں چپکے سے جا کر اس کا نام درج کروا آئے اور فیس بھی بھر دی۔ اب کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی کہ ماہ نور انسٹیٹیوٹ جا کر اپنے ٹیلنٹ کو پالش نہ کرتی۔

باقی گھر والوں نے حسب توقع بھرپور مخالفت کی۔ گھر میں کاموں کا رونا رویا گیا لیکن اس بار عرفات ماموں کے ساتھ ساتھ صباحت تائی جان بھی ماہ نور کی ہمنوا ہوگئیں تو اپوزیشن کو خاموش ہی ہونا پڑا اور یوں ماہ نور خوشی خوشی انسٹیٹیوٹ جانے لگی۔ بس ایک مسئلہ ہوا اور وہ یہ کہ روشن امی پر گھرداری کا بوجھ بڑھ گیا پہلے وہ تمام کام جو ماہ نور بھاگ بھاگ کر کرلیا کرتی تھی اب روشن امی کے سر آگئے۔ وہ بیچاری اپنی ہمت سے زیادہ کرتی رہیں اور بیمار پڑ گئیں۔

ایسے میں خوش نصیب کو ہوش آیا کہ گھر والوں اور خاندان والوں سے پنگے لینے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ روشن امی کی گرتی ہوئی صحت کا خیال کیا جائے۔ لہذا اس صبح اس نے انہیں بستر سے اٹھنے نہیں دیا اور خود ناشتہ بنانے پہنچ گئی۔

''آپ بس آرام کریں... ایک دن اگر سب کو روٹین سے ہٹ کر ناشتہ کھانے کو مل جائے گا تو کونسی قیامت آجائے گی... سب کو شکر ادا کرنا چاہیئے کم سے کم بنا بنایا کھانے کو تو مل رہا ہے۔'' اس نے حسب عادت ہر پہلو کو جوتی کی نوک پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تم نہیں سمجھتی ناں خوش نصیب!!'' روشن امی نے نقاہت سے کہا تھا۔

''مجھے ضرورت بھی نہیں ہے۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''گھر میں مہمان موجود ہے... اور مہمان بھی وہ جو چند دن تک رخصت ہونے والا ہے۔ اگر ایک بھی دن ہماری طرف سے کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی تو فضیلہ بہت برا منائیں گی۔''

''خدا کو مانیں روشن امی! آپ کتنا ڈریں گی ان لوگوں سے۔'' خوش نصیب کا میٹر ہی گھوم گیا تھا اس نے ان کے لاکھ اصرار کے باوجود ایک نہ مانی اور اس کی بات نہ ماننے کی صورت میں دوپہر کے کھانے میں چپکے سے جمال گھوٹا ملانے کی دھمکی دے کر انہیں لیٹے رہنے پر مجبور کیا اور کچن میں آگئی۔

اب آتو گئی تھی لیکن چونکہ کچن میں صرف کھانے پینے کے لئے ہی آتی تھی سو آج تو گھوم ہی گئی کہ شروع کہاں سے کرنا ہے۔ ماہ نور کی ہی طرح روشن امی نے اسے بھی سگھڑ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن چونکہ اس کے مزاج میں مستقل مزاجی نہیں تھی سو وہ ماہ نور کی طرح ہر

کام میں طاق نہ ہوسکی تھی البتہ گزارے لائق کھانا بنا ہی لیتی تھی۔

ابھی بھی تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے مطلوبہ سامان مل گیا تو اس نے سب کے لئے بڑا بیل بیل کر لچھے دار پراٹھے بنائے۔ ساتھ میں ہری مرچ اور پیاز کا خوب پھولا ہوا اور سنہری سنہری سا آملیٹ۔ بازو تھک گئے پراٹھے بیل بیل کر اور آملیٹ کے لئے پیازیں کاٹ کاٹ کر۔ ایسی اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں کہ اس کا اپنا ہی دل بے چین ہونے لگا کہ اب بیٹھ جائے اور ڈٹ کر ناشتہ کرے۔ لیکن پھر روشن امی کا خیال آ گیا کہیں ایسا نہ ہو اس کے پہلے ناشتہ کر لینے سے فضیلہ چچی خفا ہی ہو جائیں۔ سو محض روشن امی کو ذہنی اذیت سے بچانے کے لئے اس نے ناشتے میں پہل نہیں کی اور خود پہ ضبط کئے کاموں میں لگی رہی۔

چائے دم پر رکھی تھی جب فضیلہ چچی نے کچن میں جھانکا اور اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''تم اسوقت یہاں کیا کر رہی ہو؟... اور تمہاری اماں کہاں ہیں؟.. ناشتہ تیار ہوا یا نہیں؟''

''روشن امی کی طبیعت خراب ہے چچی!... وہ آرام کر رہی ہیں۔'' اس نے اپنی ناگواری کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''چلو اب صبح صبح طبیعت خراب ہو گئی۔'' چچی نے ناک چڑھا کر کہا۔ ''ایک تو تمہاری اماں کے نخرے ختم نہیں ہوتے... بھئی ذرا ناشتہ ہی تو بنانا تھا۔ پتا بھی ہے گھر میں مہمان آیا ہوا ہے اس پر سے ایسی ڈرامے بازیاں..'' خود کلامی کے انداز میں بولتی وہ خوش نصیب کو نظر انداز کرتی وہ چولہے کی طرف بڑھی تھیں۔

اور گو کہ چچی کا ایسا ردعمل متوقع تھا لیکن پھر بھی خوش نصیب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ ابھی کچن میں آنے سے پہلے وہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ چچی اور صیام کے تیکھے جملوں کا کوئی جواب نہیں دے گی۔ لیکن اسوقت سارے عہد خاک میں مل گئے کیونکہ چچی کا انداز بڑا تحقیر آمیز تھا۔ خوش نصیب اپنے لئے پھر بھی ان کے جیسے تیسے جملے برداشت کر لیتی تھی لیکن روشن امی کے لئے کوئی ایسا انداز اور بات کہے اس کے لئے سہہ جانا آسان نہیں تھا۔

''آج تک روشن امی نے آپ لوگوں کی خدمت گزاری کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پھر آپ نے کیسے سوچ لیا وہ اب کوئی ڈرامے بازیاں کریں گی۔'' اس نے ترخ کر کہا تھا۔

چچی نے اسے گھور کر دیکھا اور بولیں۔

''ارے جاؤ یہاں سے.. پہلے ہی ناشتے میں اتنی دیر ہو چکی ہے۔ شامیر آتا ہی ہوگا۔'' انہیں اب کاموں کی فکر تھی جو روشن امی کی موجودگی میں خود بخود ہو جایا کرتے تھے۔

''ناشتہ میں نے بنا دیا ہے۔'' خوش نصیب نے کہا۔

''ارے کیا واقعی؟'' وہ ایک دم خوش ہوئیں پھر احساس ہوا خوش نصیب کے سامنے اس طرح خوش ہو کر وہ اس کا دماغ ساتویں

آسمان پر نہ پہنچا دیں۔ سو فوراً سے پہلے اپنی خوشی چھپا گئیں اور پکا سامنہ کر کے بولیں۔

''تم نے تو بنا دیا... لیکن وہ اس قابل تو ہرگز نہیں ہوگا کہ مہمان کے سامنے رکھا جا سکے۔''

''پھر آپ صیام یا منہا کو بلا لیں اور ان سے کہیں کہ اپنے ہاتھوں پر بٹھائے ہوئے بٹیرا اڑا کر کسی کام میں آپ کا ہاتھ بٹا دیں...''

خوش نصیب نے سنجیدگی سے طنز کیا۔

فضیلہ چچی کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف پلٹیں۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟...'' انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے خوش نصیب کو گھورا تھا۔

''میں دیکھ رہی ہوں دن بدن تمہاری زبان کچھ زیادہ ہی چلنے لگی ہے۔''

''زبان ہی چلنے لگی ہے..اس میں کوئی نقصان کی بات تو نہیں ہے چچی!'' اس نے اطمینان سے چائے کے کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے چچی کو سلگایا تھا۔

''کاش کہ کچھ لوگوں کے ہاتھوں اور ذہنوں کا زنگ بھی اتر جائے اور وہ بھی کام کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں۔''

''اے لڑکی! یہ کیا صبح صبح کاموں کے طعنے دینے شروع کر دیئے ہیں..چار روٹیاں پکا کر تم اور تمہاری ماں بہن ہمارے سر پر احسان دھرتی ہو... بات کرتی ہوں میں آج روشن سے۔'' چچی کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا

ان دونوں کو پتا ہی نہیں چلا کب پیچھے کچن کے دروازے سے صیام اور شامیر اندر داخل ہوئے اور ان دونوں کے مابین ہو رہی گرما گرمی نے وہیں ان دونوں کے پیر جکڑ لئے۔

''آپ کو جس سے بات کرنی ہے کر لیں۔ میں اپنی بات سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں، ماہ نور اور روشن امی آپ لوگوں کے ملازم نہیں ہیں کہ ہر وقت ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر آپ کے مہمانوں کی خدمتیں کرتے رہیں۔'' اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

لیکن چچی کا اطمینان وہ غارت کر چکی تھی انہیں اتنا غصہ آیا کہ بڑھ کر چولہے پر رکھی چائے کی کیتلی ہی الٹ دی۔ کیتلی زوردار آواز کے ساتھ لڑھکتی ہوئی زمین پر گری۔ آن کی آن سارا گرم کھولتا ہوا چائے کا قہوہ چولہے، شلیف اور نیچے فرش پر پھیل گیا۔

چچی کے ارادوں سے بے خبر خوش نصیب اگر اچھل کر اپنا بچاؤ کرنے کے لئے پیچھے نہ ہٹی ہوتی تو یقیناً اس کے پیر جل چکے ہوتے۔ یا کیتلی لگنے سے ماس ضرور پھٹ گیا ہوتا۔

''ارے پھوہڑ لڑکی! یہ کیا کیا تم نے۔'' چچی کی صدمے سے بھرپور آواز سنائی دی۔

خوش نصیب نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

دور کھڑی صیام دوڑی آئی۔

"ہائے امی! آپ پر تو نہیں گرا قہوہ۔۔۔خوش نصیب کس قدر جاہل ہو تم۔" خوش نصیب اور روشن امی کو ڈرامہ بازیوں کے طعنے دینے والی دونوں ماں بیٹی ڈرامہ تیار کر چکی تھیں۔

"مم۔۔۔میں نے کچھ نہیں کیا۔۔چچی نے کیتلی گرائی ہے۔" وہ سٹپٹا ہی گئی تھی۔

"اللہ معافی۔۔۔اب جھوٹ بھی بول رہی ہو۔" چچی اپنے گال پیٹنے لگیں۔

سٹپٹائی ہوئی خوش نصیب نے دیکھا پیچھے شامیر بھی کھڑا تھا اور پریشانی سے ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔اس پر منوں پانی آن گرا۔ہر بار حق پر ہونے کے باوجود بے عزت ہونا اس کا مقدر ہی کیوں ٹھہرایا جاتا تھا۔جھنجلاہٹ میں اسنے ڈسٹر شیلف پر پھینکا اور بھاگتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔جاتے جاتے اس نے سنا۔چچی کہہ رہی تھیں۔

"دیکھا تم نے شامیر! کس قدر جاہل اور بدتمیز لڑکی ہے یہ خوش نصیب! آج بات کرتی ہوں میں طوطے کے ابا سے۔اس منحوس ماری کے تو کس بل نکالیں۔"

تو منحوس ماری آکر پچھلے صحن میں بیٹھ گئی اور اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔کاش کہ کوئی جادو کی چھڑی گھومے اور فضل منزل سے دور چلی جائے۔

☆......☆......☆

فلک بوس کا مرکزی پھاٹک کھول کر جوں ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔صاعقہ ممانی انہیں برآمدے میں بے چینی سے ٹہلتی نظر آ گئیں لیکن درمیانی راستہ اتنا تھا کہ وہیں سے آواز دیکر ان کی بے قراری کی وجہ نہیں پوچھی جا سکتی تھی۔

صاعقہ ممانی نے انہیں دیکھا تو ٹھہر گئیں پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتیں ان کی طرف آئیں تا کہ درمیانی راستہ جلدی ختم ہو۔

"تم دونوں کہاں چلے گئے تھے ۔۔میں کب سے تم دونوں کا انتظار کر رہی ہوں.اور معاویہ! تم اپنا موبائل ساتھ لیکر کیوں نہیں جاتے؟" وہ بہت فکرمند اور جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے یہاں موبائل کے سگنلز کام نہیں کرتے۔۔پھر ساتھ ساتھ لیکر پھرنے کا کیا فائدہ؟" معاویہ نے نرمی سے کہا۔

"تم دونوں تھے کہاں؟۔۔۔کچھ اندازہ بھی ہے میں کس قدر پریشان رہی ہوں۔" وہ رونکھی ہو رہی تھیں۔

"راستے میں کچھ مسئلہ ہو گیا تھا۔۔۔وہیں دیر ہو گئی۔" معاویہ نے بات بنائی اور ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"کک۔۔کیا مسئلہ؟" صاعقہ ممانی مزید پریشان ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ممانی! آپ بس چھوڑ دیں اس بات کو۔" معاویہ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟...سب خیریت ہے ناں...اور...''اس نے ڈھلوانی لان پر دور تک نظر دوڑائی۔

''ماموں کہاں ہیں؟''

''یہاں سے چلو معاویہ! مجھے بڑی وحشت ہو رہی ہے۔''انہوں نے بیچارگی سے کہا۔

ایک لحظہ کیلئے بالکل خاموش کھڑی آئے کت اور معاویہ کی نظریں ملیں تو آئے کت نے فوراً ہی دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

''ابھی نہیں جا سکتے ممانی!''اس نے سرعت سے کہا۔

''کیوں؟''انہوں نے مایوس سی ہو کر پوچھا۔

''کچھ کام باقی ہے یہاں۔جب تک ختم نہیں کر لیتا...واپس نہیں جا سکتا۔''اس نے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

''تم نے پہلے تو کسی کام کا ذکر نہیں کیا تھا۔''وہ الجھ کر بولیں۔

''ذہن میں نہیں رہا ہوگا...''اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا تھا اور ان کے ساتھ روش پر قدم بڑھا دیئے تھے۔آئے کت بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

''اچھا بتائیں؟...پریشان کیوں ہیں؟...شام کو میں آپ کو نیچے وادی میں لے جاؤں گا؟.آپ کو یاد ہے آپ کو وادی جانا کتنا پسند ہوا کرتا تھا۔''وہ انہیں ماضی یاد دلا رہا تھا۔

''وہ کوئی اور وقت تھا معاویہ! جب مجھے وادی میں جا کر گھومنا پھرنا اچھا لگتا تھا...تب میرا اوسامہ میرے ساتھ ہوتا تھا..اور جب وہ ساتھ تھا تو فلک بوس بھی روشن لگتا تھا...اب تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے...نہ خوبصورتی نہ سکون....یہ عمارت میرا بیٹا کھا گئی۔''آنسو بھری آنکھوں سے وہ سامنے دیکھنے لگیں۔

روش کے بالکل سامنے فلک بوس کی عمارت تھی۔پرشکوہ لیکن پراسرار۔جنگل میں برگد کے گھنے پیڑوں سے ایسے چمگادڑیں نہ لٹکتی ہوں گی جیسے فلک بوس کے در و دیوار سے ہیبت اور وحشت لٹکتی محسوس ہوتی تھی۔

''وسامہ نہیں ہے ماما جان! ورنہ تو سب ویسے کا ویسا ہی ہے۔''آئے کت نے بوجھل لہجے میں کہا تھا۔صاعقہ ممانی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

''پاپا دکھائی نہیں دے رہے۔''اب آئے کت نے ادھر ادھر طالب حسن کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہمارے کمرے سے مری ہوئی گلہری ملی ہے۔وہ اسی کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہیں۔''صاعقہ ممانی نے ذرا خفیف سے لہجے میں کہا تھا۔معاویہ اور آئے کت نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں ان دونوں کے دماغوں نے ایک ہی نہج تک اڑان بھری تھی اور وہ دونوں ایک ساتھ اندر کی طرف بہت تیزی سے بڑھے تھے۔

☆......☆......☆

ان چند دنوں میں شامیر وہ تمام رویئے دیکھ اور سن چکا تھا جو فضل منزل میں خوش نصیب کے ساتھ برتے جاتے تھے۔

کئی بار اسے افسوس بھی ہوا لیکن فطرتاً وہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینے والا انسان نہیں تھا سو خاموش ہی رہا۔سب سے بڑی بات وہ یہاں چند دن کا مہمان تھا اور کسی بھی معاملے میں مداخلت کر کے اپنا امپریشن بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔لیکن اس روز کچن میں جو کچھ ہوا۔اسے دیکھ اور سن کر بھی وہ خاموش ہی رہتا اگر جو فضیلہ آنٹی کو جان بوجھ کر چائے کی کیتلی الٹاتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہوا...'' ناشتے کی میز پر بیٹھے جب فضیلہ آنٹی اور صیام نے نان اسٹاپ خوش نصیب کو کوسنا شروع کیا تو بڑے تحمل اور خاموشی سے سب سنتے شامیر کے منہ سے بے ساختہ یہ لفظ پھسل گئے۔وہ اسوقت پینٹ بٹر لگے سلائس کا کنارہ کتر رہا تھا اور سامنے بھاپ اڑاتی کافی کا بہترین مگ رکھا تھا جب اس کے کہے ہوئے لفظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند صیام اور فضیلہ آنٹی کی سماعت سے ٹکرائے۔

ان دونوں نے کچھ ایسے صدمے سے شامیر کی طرف دیکھا تھا کہ شامیر کو آن کی آن اپنے کہے لفظوں کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا۔

''مم...میرا مطلب ہے...گرم قہوے کا اس طرح گرنا...کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔''اس نے جلدی سے بات سنبھالنے کی ایک نالائق سی کوشش کی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...لیکن اس خوش نصیب کو کون سمجھا سکتا ہے۔''فضیلہ آنٹی نے ترنت کہا۔

''ان کے باوا زندہ ہوتے تو شائد کچھ سمجھا لیتے۔لیکن نہ بھیا! باپ کیا گیا دنیا سے۔یہ لڑکی تو ہاتھوں سے ہی نکل گئی۔''وہ بڑا افسوس کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اچھا...ہاتھوں سے نکل گئی ہے لڑکی؟''شامیر نے بس یوں ہی کہہ دیا۔

''اور نہیں تو کیا؟...جو لڑکیاں بزرگوں کے کنٹرول میں ہوتی ہیں وہ ایسی ہوتی ہیں کیا؟''صیام نے بھی خوب سر ہلا کر کہا تھا اسی وقت منہا کچن میں داخل ہوئی۔

''مجھے کیا پتا...میں نے کبھی لڑکیوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش نہیں کی۔''اس نے جلدی سے کہا۔

''ظاہر ہے شامیر کو کیسے پتا ہو سکتا ہے۔''فضیلہ چچی نے صیام کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا پھر شامیر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''ابھی جو تم نے خوش نصیب کی بدتمیزیوں کا مظاہرہ دیکھا ہے وہ تو کچھ بھی نہیں ہے...کیا بتاؤں تمہیں بچپن سے اس لڑکی نے ناک میں دم کر رکھا ہے...ہم یتیم سمجھ کر لحاظ کرتے رہے اور یہ ہر گزرتے دن کے ساتھ سر چڑھتی چلی گئی....''آگے خوش نصیب کی شرارتوں اور بدتمیزیوں کا نا ختم ہونے والا ایسا بیان تھا جو بلاواسطہ کئی بار شامیر سن چکا تھا وہ تو شکر ہے منہا کچن میں آ گئی تو فضیلہ چچی کے قصوں کو

بریک لگی۔ وہ دودھ والے کی آمد کا پیغام ساتھ لائی تھی۔

''امی! باہر دودھ والا آیا ہے... کہہ رہا ہے مہینے کا حساب کر دیں۔'' وہ بیزار سی لگ رہی تھی۔

''اے ہائے... اس نگوڑ مارے کو بھی ابھی آنا تھا۔'' وہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے جھنجھلا کر اٹھیں تھیں۔

''آؤ منہا! ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔'' شامیر نے اسے بھی دعوت دی۔

''نہیں شکریہ... ڈور بیل کی آواز نے نیند خراب کر دی... ورنہ میرا ابھی اور سونے کا ارادہ ہے... روشن چچی پتا نہیں کہاں ہیں آج۔ کم سے کم کوئی اٹھ کر دروازہ تو کھول ہی سکتا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تب شامیر نے صیام کی طرف دیکھا۔ وہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجائے شامیر کو دیکھ رہی تھی۔

شامیر نے اسے اس طرح اپنی طرف دیکھتے پایا تو کندھے اچکا کر وجہ دریافت کی گو کہ اس کی ذہنی حالات کے نالائق پن سے اچھی طرح واقف تھا وہ دیکھنے میں جتنی خوبصورت اور طرحدار لگتی تھی ذہنی اعتبار سے اتنی ہی چغد ثابت ہوئی تھی۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''اگر میں منع کروں گا تو کیا آپ نہیں پوچھیں گی؟... نہیں ناں؟... تو پوچھیے؟'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

حسب توقع بات صیام کے سر سے گزر گئی یا اپنی ایکسائٹمنٹ میں اصل بات کو ہی اس نے نظرانداز کر دیا تھا۔

''یہ خوش نصیب کیسی لگتی ہے آپ کو؟'' معاً رازداری سے لیکن معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پوچھا۔

شامیر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ''یہ کیسا سوال ہے؟'' اس کے انداز میں تھوڑی سی ناگواری بھی تھی۔

صیام اس کے انداز سے ٹھٹک گئی اور فوراً ہی محتاط ہو کر بولی۔

''میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ آپ کو پہلے ہی محتاط کر دوں۔ دیکھیں کوئی نقصان اٹھانے سے بہتر ہے انسان احتیاط کر لے۔'' بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

''میں سمجھا نہیں؟... کیسی احتیاط؟ کیسا نقصان؟'' وہ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔

''ابھی امی نے جتنا آپ کو بتایا ہے... دراصل خوش نصیب اس سے کہیں زیادہ بری ہے۔'' اپنی کرسی سے شامیر کی طرف جھکتے ہوئے اس نے رازداری سے کہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر بھی دیکھا تھا کہ کسی اور کی غیر موجودگی کا اطمینان کر لے۔

''منحوس تو خیر وہ بچپن سے ہی ہے.. جس بھی اچھے اور نیک کام کے وقت پہنچ جاتی ہے وہ خراب ہو جاتا ہے لیکن آجکل اس نے تعویذ بھی کرنے شروع کر دیئے ہیں...''

''کیا؟... تعویذ؟'' اسے بری طرح جھٹکا لگا تھا۔

''اور نہیں تو کیا...'' صیام آنکھیں گھما کر بولی۔ ''اور مجھے تو یہ بھی پتا چلا ہے کہ وہ آپ پر تعویذ کروا رہی ہے۔''

شامیر کا قہقہہ اتنا بے ساختہ تھا کہ صیام سٹپٹا ہی گئی اس بیچاری نے تو بڑی محنت اور اخلاص کے ساتھ اسے اس کی طرف آنے والے خطرے سے آگاہ کیا تھا لیکن شامیر کے قہقہوں نے اسے شرمندہ ہی کر کے رکھ دیا۔

''آپ کو شائد لگ رہا ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔''

شامیر کے قہقہے جب ذرا کنٹرول میں آئے تب تک نازک مزاج صیام اچھی خاصی سبکی محسوس کر کے ٹھیک ٹھاک برا منا چکی تھی۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' شامیر نے اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ خوش نصیب مجھ پر تعویذ کیوں کروائے گی؟''

''کس کا دل نہیں چاہتا کہ دنیا کی ہر اچھی چیز اسے مل جائے۔'' صیام نے بے ساختہ کہا ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبالی کیونکہ شامیر کی ہنسی معنی خیز مسکراہٹ میں بدل چکی تھی۔ اس نے جیسے بڑا انجوائے کیا تھا صیام کی بات کو۔

''وہ.. میرا مطلب ہے.... میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ سٹپٹا کر کہتی ہوئی جلدی سے اٹھی اور کچن سے باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی.. ایک مری ہوئی گلہری کے ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟.. کسی بلی نے کھا کر پھینک دیا ہو گا اسے۔''

طالب حسن نے معاویہ اور آئے کت کے اس مرحوم گلہری کے متعلق پے در پے سوالوں پر حیران ہو کر کہا تھا۔

''آپ ہمیں وہ گلہری دیکھنے تو دیں۔'' بالآخر معاویہ نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''کبیر سے کہہ کر میں نے اسے باہر پھنکوا دیا ہے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''اب کیا تم دونوں میں سے کوئی مجھے بتائے گا آخر ایک مری ہوئی گلہری کو تم لوگ کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟''

معاویہ اور آئے کت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر آئے کت آہستگی سے بولی۔

''مری ہوئی اور سر کٹی گلہریاں وسامہ کو ملنی شروع ہوئی تھیں.. اس کے بعد اس نے کہنا شروع کر دیا کہ فلک بوس کا آسیب اسے دکھائی دیتا ہے۔''

''اور اب تم دونوں کو لگ رہا ہے کہ یہ مری ہوئی گلہری اسی آسیب یا بد روح کی واپسی کا انڈی کیشن ہے؟..'' انہوں نے سنجیدگی سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

''اور وہ روح وسامہ کی جان لینے کے بعد ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے؟... کیوں اپنا وقت اس چیز کے پیچھے گنوا رہے ہو جس کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہے۔'' وہ جیسے تھک چکے تھے اور عاجز آ کر بول رہے تھے۔

http://kitaabghar.com

''وسامہ نے کچھ فیل کیا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ سچائی تو ضرور ہو گی ماموں!'' معاویہ رونکھا ہو کر بولا۔

''وہ آسیب اس کا وہم تھا معاویہ! اور کچھ نہیں۔'' دکھی لہجے میں بولتے وہ کرسی پر ڈھے سے گئے۔ چند لمحے وہ اسی طرح سر جھکا کر بیٹھے رہے پھر نظر کا چشمہ اتار کر انگلیوں کی پوروں سے دونوں آنکھیں دیر تک مسلتے رہے۔

''بچپن سے وسامہ کو کہانیاں بننے کا شوق تھا...وہم پالنے کا عارضہ لاحق تھا..جسمانی لحاظ سے وہ ہم سب کے ساتھ رہتا تھا لیکن بیشتر زندگی اس نے اپنے کرداروں کے ساتھ گزاری تھی..تم کیوں یہ سب باتیں بھول جاتے ہو؟... غلطی ہماری ہے۔اس کے مسئلے کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اگر بہت پہلے اسے کسی ماہر نفسیات کے پاس لے گئے ہوتے تو شائد....'' وہ رک گئے۔ تھم کر روحانی آنکھ سے اس شائد کے بعد کا منظر ذہن میں ترتیب دینے لگے۔ پھر ایک دم سے ہوش میں آئے اور بولے۔

''آئے کت بھی وسامہ کے ساتھ فلک بوس میں رہتی رہی ہے..اگر وہ آسیب واقعی کوئی حقیقت تھا تو آئے کت کو کبھی دکھائی کیوں نہیں دیا...چلو دکھائی دینا تو دور کی بات ہے۔ کیا کبھی آئے کت نے اس آسیب کی موجودگی کو محسوس کیا؟...نہیں۔'' انہوں نے خود سوال کر کے خود ہی جواب دیا تھا۔

''اس لئے کیونکہ وسامہ psychotic تھا آئے کت نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ان کے لہجے میں دکھ بولتا تھا۔

معاویہ نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

''پچھلے دنوں میں نے ایک کتاب پڑھی ہے...survival of bodily death ...اس میں لکھا تھا روح تو ہوتی ہے...'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ صدمے کا مارا ہوا انسان طویل بحث نہیں کر سکتا خصوصاً اس شخص کے سامنے تو بالکل بھی نہیں جس سے محبت اور احترام دونوں کا رشتہ جڑا ہو۔

''تو روح کے وجود سے کس کو انکار ہے میرے بچے!..جو چیز اللہ نے بنا دی اس کے وجود سے انکار کی ہزار دلیلیں لے آؤ تم...میں تب بھی نہیں مانوں گا کہ وہ نہیں ہے..روح تو اصل ہے انسان کا۔ یہ خاکی جسم تو روح کی حفاظت کے لئے بنایا تھا خدا نے۔''

''وسامہ کی لائبریری میں جا کر دیکھو۔ تمہیں ایسی کئی کتابیں مل جائیں گی جن میں حیات بعد الموت پر بحث کی گئی ہے۔ ایسی ایسی تھیوریز پڑھنے کو ملیں گی کہ تم دنگ رہ جاؤ گے کہ اس خاکی جسم سے نکل کر بھی ایک ایسی دنیا آباد ہے جس تک ہم زندگی کی رمق کے ساتھ نہیں پہنچ سکتے۔ دنیا کی کوئی بھی زبان اٹھا کر دیکھ لو۔ اس موضوع پر اتنی ریسرچ ہو چکی ہے اتنے بحث و مباحثے ہو چکے ہیں اتنی تائید اور انکار ہو چکے ہیں کہ اب کسی نئی بحث کو چھیڑنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔...لیکن چونکہ ہمارا دکھ نیا ہے تو ہم اس موضوع کو کھول کر اپنے ہی زخموں کو ہرا کرتے رہنا چاہتے ہیں۔'' وہ دکھ سے ہنسے تھے۔

''یہ خود اذیتی پتا نہیں کب ہمارے اندر سے نکلے گی۔ جب اللہ نے کہہ دیا صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو تو ہم صبر کر کیوں نہیں

لیتے۔" وہ ان دونوں سے زیادہ جیسے خود سے بات کر رہے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے ان کی ذہنی رو بار بار بھٹک رہی ہو۔

"کسی بے اعتقاد سے بات کرو... وہ بھٹکی ہوئی روح کو دیوی دیوتا کا درجہ دے دے گا۔ ضعیف العتقاد کو یہ مجذوب کا نعرہ لگتی ہے۔ اور لیٹیسٹ ٹیکنالوجی اسے سائنٹفک فارمولوں کی ردوبدل سے ایسی خودکار مشین بنا دینا چاہتی ہے جو بٹن دبا کر مطلوبہ روح کو بلائے اور اپنے مسائل کا حل نکلوا کر اسے چلتا کرے۔ ہم انسانوں نے ہر چیز کو کاروبار بنا لیا ہے ہمیں ہر چیز سے پیسہ کمانے کی فکر لاحق ہے۔... تم دونوں تھک تو نہیں گئے؟... پتا نہیں آج میں اتنا کیوں بول رہا ہوں.. دل چاہتا ہے میں بولتا ہی رہوں۔"

جوان اولاد کو کھو دینے کے بعد وہ مزید بوڑھے لگنے لگے تھے۔

"آپ بولتے رہیئے..." آئے کت نے سامنے والی کرسی پر نشست سنبھالتے ہوئے شوق سے کہا۔

"وسامہ سے آپ کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے..."

وہ چونکے۔ ایک ایسا خوش کن سا احساس تھا جس میں دکھ بھی شامل ہوتا ہے۔ "وہ میرے بارے میں بات کرتا تھا؟"

"آپ اس سے ناراض تھے پاپا! وہ نہیں۔" آئے کت نے بھی دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

معاویہ کو اس پر غصہ آیا کیا ضرورت تھی ابھی یہ بات جتانے کی۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پیروں میں بیٹھ گیا ایسے جیسے دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

"پھر کبھی معاویہ!..." انہوں نے ٹالنا چاہا لیکن معاویہ ضد پر آمادہ ہو چکا تھا۔

"نہیں ابھی۔" پھر گردن موڑ کر آئے کت سے بولا۔ "بابا کبیر سے کہو ناشتہ یہیں لے آئیں۔"

آئے کت نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ اسکے گزرنے سے راہداری کا پردہ ذرا سا لرزا اور لرز کر ساکت ہو گیا۔

معاویہ نے گردن واپس موڑی اور ماموں کو دیکھنے لگا۔ وہ اسے بچپن سے جانتے تھے سو سمجھ گئے وہ اب پوری بات سن کر ہی ٹلے گا۔

"میں کہہ رہا تھا...روح کا وجود تو بلاشبہ ہوتا ہے لیکن کوئی روح بھٹک کر عالم ارواح تک پہنچنے کی بجائے دنیا میں جیتے جاگتے انسانوں کو تنگ کرنے لگے... اس بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا... بالفرض اگر دنیا میں ایسا ہونا ممکن ہے بھی تو...." جوش خطابت سے ان کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ ذرا دیر کے لئے رک کے پھر جلدی جلدی بولنے لگے۔

"...تو ہم اتنے وثوق سے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وسامہ کی موت کی ذمہ دار وہ بدروح ہی تھی.. دیکھو جنات اچھے یا برے ہو سکتے ہیں اس چیز کا تو قرآن پاک میں بھی ذکر ہے سب سے بڑی بات یہ کہ شیطان کوئی فرشتہ نہیں بلکہ ایک جن تھا جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ محض خاک کا ایک پتلا ہی تو ہے۔"

"لیکن روحیں تو اللہ پاک نے اچھی ہی پیدا کی تھیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ اچھی اور کچھ بری روحیں پیدا کر دی گئی ہوں۔ جہاں

تک میرا خیال ہے سب روحیں اچھی اور نیک ہی ہونگی باقی انہیں صحیح راستے سے بھٹکانے والا شیطان ہوتا ہے....انسان کو اچھا یا برا بنانے میں اس کے ماحول، تربیت اور اس کی زندگی میں آنے والی آزمائشوں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ہم کچھ دیر کے لئے یہ ضرور مان سکتے ہیں کہ ایک اچھے انسان کو ورغلا کر شیطان نے غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔جب انسان غلط راستے پر گیا تو اثر اس کی روح پر بھی پڑتا ہے۔تو جب وہ انسان مرا تو اس کی روح چونکہ شیطان کے زیر اثر آ چکی ہوتی ہے تو وہ دنیا میں بھٹکتی رہتی ہے اور پھر انسانوں کو تنگ کرنے لگتی ہے...''

''دوسرا آپشن یہ ہے کہ کسی انسان نے اس دوسرے انسان کو کوئی تکلیف پہنچائی اور مرنے کے بعد اس دوسرے انسان کی روح بھٹکتی رہ گئی اور اپنا بدلہ لینے اس انسان کو تنگ کرنے پہنچ گئی۔.یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس عورت کا تقریباً سو سال پہلے فلک بوس میں قتل کیا گیا اس کی وسامہ سے ایسی کیا دشمنی پیدا ہوگئی کہ اس نے وسامہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا یہانتک کہ اس کی جان ہی لے لی....؟''

وہ بڑے مدلل انداز میں بول رہے تھے اور معاویہ ایسے ہمہ تن گوش ہوا انکے سامنے بیٹھا تھا جیسے چھوٹا سا بچہ کہانی سننے بیٹھتا ہے۔

''تو...آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟...وہ سب جو وسامہ نے محسوس کیا...وہ اس کا وہم تھا؟'' معاویہ نے الجھ کر پوچھا تھا۔

''بالکل۔'' ترنت کہتے ہوئے انہوں نے اپنے بائی فوکل گلاسز اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے دا ہنی ٹانگ بائیں ٹانگ سے اتار کر پاؤں زمین پر رکھا اور دونوں گھٹنوں پر کہنیوں کے سہارے آگے ہو کر بولے۔

''....اپنے بیٹے کے بارے میں یہ سب باتیں کرتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے لیکن میرا خیال ہے معاویہ! ہمیں یہ مان لینا چاہیئے کہ وسامہ ایک نارمل انسان نہیں تھا..تم جانتے ہو وہ بچپن سے بہت زیادہ imaginative تھا..جو سوچتا تھا اسے visualized کر لیا کرتا تھا۔تمہیں یاد ہے وہ کہا کرتا تھا مجھے اپنے کردار اپنے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں؟..تو وسامہ کی وہی mental state یہاں اپلائے کر کے دیکھو...سارا معاملہ تم پر واضح ہوتا چلا جائے گا۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے بیچارگی سے کہا تھا۔

''وسامہ نے فلک بوس کے آسیب کی باتیں سن رکھی تھیں۔'' وہ مزید سمجھانے والے انداز میں بولے۔

انہی باتوں کو سنتے اس کے ذہن نے ایک کہانی بنی ہوگی اور کہانی کا مرکزی کردار اس عورت کی روح تھی جس کا وسامہ ذکر کرنے لگا تھا..اس نے اس روح یا آسیب کے بارے میں اتنا سوچا کہ وہ اس کے ذہن پر سوار ہو کر رہ گئی یہاں تک کہ اسے اپنے آس پاس چلتی پھرتی نظر آنے لگی اور راتوں کو آ کر ڈرانا بھی شروع کر دیا۔دیکھو معاویہ! مصنفین عام انسانوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔وہ ہر چیز کو میرے اور تمہارے جیسے انسانوں سے کئی گنا زیادہ گہرائی میں جا کر محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی طرح انہیں عام انسانوں سے گئی گنا زیادہ depression اور anxiety کا سامنا کرنا پڑتا ہے...یہ ڈپریشن اور اینگزائٹی کب انہیں خیالی دنیا میں دھکیل کر schizophrenia کا مریض بنا دے، کوئی کیا کہہ سکتا ہے...ہم سب جانتے ہیں وسامہ کس قدر ڈپریشن کا شکار رہتا تھا..پچھلے چند

سالوں میں اس کے تین ناولز ناکام ہو چکے تھے۔ اسے اچھے ریویوز نہیں مل سکے۔ اس کی کتابوں کے تمام ایڈیشن دیمک کھا گئی یا ردی کی نذر ہو گئے... اور پھر... میں نے اس اسے گھر سے نکال دیا تھا.. تم یوں سمجھو۔ میری ناراضی اس کے نفسیاتی مرض میں تابوت کا آخری کیل ثابت ہوئی ہوگی۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن ہر مصنف نفسیاتی مریض تو نہیں ہوتا ماموں!"

"بیشک... میں نے یہ کہا بھی نہیں ہے۔ لیکن کئی نامور مصنف اس mental disorder کا شکار رہے ہیں۔ اس حقیقت کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے۔" انہوں نے پھر ٹھوس مدلل انداز میں کہا۔

"اور اس نفسیاتی مرض میں مبتلا افراد میں خودکشی کا تناسب بھی عام انسانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے..."

معاویہ الجھن آمیز انداز میں سر جھکا کر بیٹھ گیا اور ان تمام باتوں پر غور کرنے لگا جو طالب حسن اسے سمجھانا چاہ رہے تھے۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور بے چارگی سے انہیں دیکھ کر بولا۔

"ان تمام باتوں کے باوجود... میں یہ نہیں مان سکتا کہ وسامہ نے خودکشی کی نیت سے تہہ خانے میں جا کر خود کو اس الماری میں بند کیا ہوگا۔" وہ ایسے الجھن آمیز انداز میں بولا تھا جیسے انسان اپنا مافی الضمیر سمجھا نہ پا رہا ہو۔

"وہ imaginative تھا.. اپنے خیالات کو visualized کر لیتا تھا... بچپن میں اس کا ایک خیالی دوست بھی تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود... وہ ہر بات مجھ سے شیئر کرتا تھا ماموں!.. وہ ناکام انسان ہرگز نہیں تھا نہ اپنے کریئر کی ناکامی کو اس نے ذہن پر اتنا سوار ہونے دیا تھا کہ خودکشی ہی کر لے۔"

"میں نے فلک بوس کا جائزہ لیا ہے۔" طالب حسن نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"ہم پہلے بھی کئی بار یہاں آ چکے ہیں۔ ہاں میں مانتا ہوں یہ عمارت بڑے عرصے سے خالی رہی ہے لیکن یہاں کسی آسیب کے کوئی اثرات نہیں ہیں... کہا جاتا ہے جو عمارتیں آسیب زدہ ہوتی ہیں وہاں ایک مخصوص قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے... تم غور کرو فلک بوس میں تنہائی کی خوشبو ضرور ہے لیکن بدبو ہرگز نہیں ہے۔"

معاویہ نے سر جھٹکا اس کے ماتھے پر الجھن کی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

طالب حسن نے بازو بڑھا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور شفقت سے بولے۔

"وسامہ جا چکا ہے معاویہ! اور جن بھی وجوہات کی بنا پر اس کی موت واقع ہوئی انہیں تم چھوڑ کر اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ اب سب کچھ بے فائدہ ہے.. کوئی آسیب ہے یا نہیں؟ اس کی کھوج سے ہمیں کچھ حاصل نہیں وہ سکے گا... میں اپنا ایک بیٹا کھو چکا ہوں تمہیں اس ٹوٹی بکھری حالت میں میں نہیں دیکھ سکتا۔"

http://kitaabghar.com

انہوں نے نرمی اور منت سے کہا تھا معاویہ انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

اور وہ سمجھتا تھا اپنا دکھ چھپا کر وہ ان سب کو سہارا دے رہا ہے یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا دکھ تو اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ دنیا سے وہ دکھ چھپا سکتا ہے اپنوں سے نہیں۔

دروازہ دھیمی سی آہٹ کے ساتھ کھلا تھا۔ صاعقہ ممانی، آئے کت اندر داخل ہوئیں ان کے پیچھے ٹرالی دھکیلتی خاتون بی بی اور ٹرے اٹھا کر آتے بابا کبیر تھے۔

معاویہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ لوگ ناشتہ کریں... میں کچھ دیر آرام کرونگا۔''

''ناشتہ تو کرو معاویہ!''

''بھوک نہیں ہے ممانی!'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ سب خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

موسم بدل رہا تھا۔ آم کے درخت کے سارے پتے زرد ہو کر جھڑنے لگے تھے۔ دن میں کئی بار جھاڑو لگانے کے باوجود ہر تھوڑی دیر کے بعد صحن میں پتوں کا ڈھیر لگ جاتا جو بدلتے موسم کی خنک ہوا کے ساتھ سارے صحن میں اڑتے پھرتے تھے۔

کچن میں طوفان اٹھا کر خوش نصیب وہیں بیٹھی تھی اور بددل تھی۔ بیزار تھی اور ساری دنیا کو فنا کر دینا چاہتی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر گزری کہ اسے اپنے پیچھے گلا کھنکھارنے کی آواز سنائی دی۔

خوش نصیب نے گردن کو ذرا سی جنبش دی۔ پلٹ کر نہیں دیکھا۔

شامیر چند سیکنڈ کھڑا رہا پھر جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ خوش نصیب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی دونوں ہی چند لمحے خاموش رہے پھر شامیر نے کہا۔

''گرم قہوہ تمہارے پاؤں پر تو نہیں گرا؟''

خوش نصیب نے آہستہ سے نفی میں گردن ہلائی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

''اگر فضیلہ چچی اور صیام کو اعتراض نہ ہو تو...'' اس نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں پہلے بھی بتا چکا ہوں... اپنے معاملات میں میں خود مختار ہوں... کسی کی پسند نہ پسند سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بیٹھ گیا۔

''بائے داوے... ابھی جو کچن میں ہوا مجھے اس کا افسوس ہے... فضیلہ آنٹی کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔''

http://kitaabghar.com

''آپ کے افسوس کرنے سے وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آجائیں گی اس لئے آپ اپنی ایزجیز ویسٹ نہ کریں۔''اس نے روکھے پن سے زیادہ بیزاری سے کہا تھا۔

''مجھ سے کیوں خفا ہو؟''

''میں کسی سے خفا نہیں ہوں۔''

''روتی رہی ہو کیا؟''

''خوش نصیب کو رلانے والا ابھی دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا...البتہ لوگوں کو رونے پر کیسے مجبور کرنا ہے یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''اس نے اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

شامیر بے ساختہ ہنس دیا۔''آئی لائیک یور کانفیڈنس...''پھر اچانک اس نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور ایک چھوٹا سا ڈبہ خوش نصیب کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ میں تمہارے لئے لایا تھا۔''

خوش نصیب نے چونک کر پہلے شامیر کے ہاتھ میں پکڑے ڈبے کو دیکھا پھر اسے دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''اسٹابیری فلڈ چوکلیٹس ہیں...مجھے اچھی لگیں تو تمہارے لئے لے آیا۔''

''تھینکیو...لیکن.....''وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''لے لو خوش نصیب! کوئی اتنا بڑا خزانہ نہیں دے رہا تمہیں کہ تمہیں اتنا سوچنا پڑ رہا ہے۔''اس نے ہنس کر دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

خوش نصیب نے جھجکتے ہوئے ڈبہ لے لیا۔''تھینکیو۔''

''ویلکم...ویسے میں تمہیں ایک اور بات بھی بتانا چاہ رہا تھا۔''وہ شرارت سے مسکرا کر بولا۔

خوش نصیب استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اگر میں تمہیں اچھا لگتا ہوں.تو تم مجھے ویسے بھی بتا سکتی ہو...مجھ پر تعویذ کروانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔''اس نے مسکرا کر کہا تھا لیکن خوش نصیب کے سر پر جیسے آسمان ہی آگرا۔

''تت.تعویذ؟...کک..کونسے تعویذ؟''

شامیر نے مسکرا کر جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''صیام مجھے غلط خبر نہیں دے سکتی۔''

http://kitaabghar.com
KitaabGhar.com

''صیام....وہ تو ایک نمبر کی جھوٹی لڑکی ہے۔''

''اچھا؟..تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔''

''ماننا ہی پڑے گا...میں کیوں کسی پر تعویز کروں گی۔ میں ایسی لڑکی ہی نہیں ہوں...جس نے بھی بتایا ہے غلط بتایا ہے آپ کو۔''

وہ کسی بھی طرح اپنی بات کا یقین نہیں دلا پا رہی تھی۔ سٹپٹائے ہوئے انداز میں اٹھی اور تیز تیز بولتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

''ارے سنو تو...'' شامیر آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔ لیکن خوش نصیب راہداری کے کنارے پہنچ کر مڑی اور جوں ہی اسے یقین ہوا وہ شامیر کی نظروں سے دور ہو چکی ہے سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے تین گھنٹے معاویہ بے مصرف فلک بوس میں پھرتا رہا۔

اونچی چھتوں والے کمرے، طویل راہداریاں، چھوٹے بڑے خوبصورت لکڑی سے بنے دروازے، اونچی اونچی فرانسیسی طرز کی منقش کھڑکیاں، لکڑی کے ستون اور برآمدے، قدیم طرز تعمیر کا منہ بولتا ثبوت آگے کو نکلی ہوئی بالکونیاں اور ان پر جھکے ہوئے دلکش چھجے۔ خوبصورت زینے ایرانی قالینوں سے ڈھکے ہوئے فرش اور تنہائی کی وہ خوشبو جو پرانی عمارتوں میں ایک فینٹسی کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ اب آسیب زدہ تھا یا منحوس۔ جو بھی تھا لیکن فلک بوس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

ایسے ہی پھرتا پھراتا معاویہ، وسامہ کی لائبریری میں آ گیا۔ جو کہ دوسری منزل پر تھی۔ یہیں سے وہ آسیب ایک ہیولے کی صورت وسامہ کے تعاقب میں آیا تھا اور وسامہ سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔

معاویہ بھاری دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تو دروازہ کھلنے سے ہلکی سی گرد اڑ کر فضا میں پھیل گئی۔ کمرہ کھلا اور روشن تھا۔ بڑی سی کھڑکی جو اسٹڈی ٹیبل کے بالکل سامنے تھی اور جہاں سے دھوپ براہ راست میز پر پڑتی تھی اس پر اسوقت بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل اور دیگر فرنیچر کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ فضا میں گرد کی ہلکی سی مہک رچی بسی محسوس ہوتی تھی لیکن ناگوار بالکل نہیں تھی۔ فرش اور قالین پر گرد کی تہہ جمی ہوئی واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ پروں کے پھڑ پھڑانے کی دھیمی سی آواز پر معاویہ نے سر اٹھا کر دیکھا کمرے کا ایک اونچا روشن دان تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا جس کے آگے چھوٹے سے چڑیا نما پہاڑی پرندے نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ ایک لحظہ میں کمرے میں موجود گرد کی وجہ معاویہ کو سمجھ آ گئی۔

اس نے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ایک جھٹکے سے ہٹایا تو روشنی کی موٹی سی لہر کمرے میں داخل ہو کر پھیل گئی۔ معاویہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی بھی تھوڑی سی کھول دی۔ سامنے لیکن دور بشام کی وادی تھی اور اونچے ہرے بھرے پہاڑ تھے۔ نیچے فلک بوس کا ڈھلوانی لان تھا اور سفید پری کا تالاب۔ جس کا شفاف پانی تیز دھوپ کی کرنوں سے چمک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا باہر دیکھتا رہا پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا کتابوں

کی الماریوں کی طرف آ گیا جو کمرے کے تین اطراف میں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں بہت سی کتابیں تھیں جو بیشتر معاویہ کے مرحوم دادا جان کی ملکیت تھی اور جنہیں بعد میں معاویہ نے بخوشی وسامہ کو دے دیا تھا۔ فلک بوس کی ایک اٹریکشن یہ کتابیں بھی تھیں جن کا شوق وسامہ کو یہیں رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ دنیا جہان کے موضوعات پر لکھی ہوئی ان کتابوں کی تعداد اتنی تو ضرور تھی کہ انہیں فلک بوس سے نکال کر کہیں اور رکھنے کے لئے ایک چھوٹے موٹے مکان کی ضرورت پڑتی۔ وسامہ ساری زندگی میں اتنا روپیہ جمع نہیں کر سکا تھا کہ اپنی رہائش کے لئے ایک مکان خرید سکتا تو ان کتابوں کو کہاں رکھ سکتا تھا۔ سو فلک بوس میں آ کر رہنے لگا اور فلک بوس کے آسیب نے اس کی جان لے لی۔

معاویہ ہاتھ جھاڑتا کتابیں دیکھنے لگا۔ اس ڈھیر میں سے پڑھنے کے لئے کوئی ایک کتاب منتخب کرنا بھی بہرحال ایک کام ہی تھا۔

طالب ماموں کی بات درست تھی کتابوں کے اس ذخیرے میں حیات مابعد الموت پر کافی مواد موجود تھا۔ لیکن پڑھنے کے لئے اس نے ڈاکٹر کرنگٹن کی invisible world کا انتخاب کیا اور کتاب لیکر اسی طرح کھڑے ہو کر پڑھنے لگا۔ کچھ پل سرکے۔ معاً اسے اپنے پیچھے سرسراہٹ سی محسوس ہوئی وہ سرعت سے پلٹا۔ پیچھے آئے کت کھڑی تھی۔

”تم؟...“ وہ چونک گیا۔

آئے کت کی پیشانی سے فکر مندی کی سلوٹیں چھٹ گئیں۔

”میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔“ وہ جیسے اسے سامنے پا کر پرسکون سی ہو گئی تھی۔

”لیکن تم اندر کیسے آئی؟“ معاویہ کی پیشانی پر سلوٹوں کا جال بچھ گیا۔

”دروازے سے۔“ اسکا انداز آئے کت کو ہراساں کر گیا تھا۔

”لیکن دروازہ تو بند تھا۔“ اس نے سرسراتے لہجے میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا دروازہ بس اتنا سا کھلا تھا کہ ہوا کا گزر ہو سکے۔ کسی انسان کا گزر پانا مشکل تھا۔ اس کے دل میں شک کا ناگ کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

آئے کت سٹپٹا سی گئی تو جلدی سے بولی۔

”نہیں معاویہ! دروازہ کھلا ہوا تھا... یہ جو اتنا سا بند ہو گیا ہے وہ بھی اندر آتے ہوئے مجھ سے بے دھیانی میں ہوا ہے۔“ اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

شک کا ناگ پوری شدت سے پھنکارنے لگا لیکن آئے کت کی بات کا یقین نہ کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ بھی نہیں تھی۔

”تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟... کیا تمہیں مجھ پر شک ہے؟“ اس نے مجروح لہجے میں کہا تھا۔

معاویہ شرمندہ سا ہو گیا۔ پتا نہیں وہ دل کی کیفیت کو چہرے پر آنے سے روک کیوں نہیں پاتا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے رخ موڑا اور کتاب واپس الماری میں رکھ دی۔

"تمہیں مجھ سے کوئی کام تھا؟"

آئے کت کو بلاشبہ معاویہ کے رویئے سے تکلیف پہنچی تھی۔اس نے گہری سانس بھر خود کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔"

"بتاؤ؟"

"کیا ہم اس کمرے سے باہر جا کر بات کر سکتے ہیں؟" آئے کت نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"اس کمرے میں وسامہ کا بہت وقت گزرا ہے اب وہ یہاں نہیں ہے تو...." درودیوار کو دیکھتے اور اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے اس نے جیسے بے بسی سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور مدد طلب نظروں سے معاویہ کو دیکھا تھا۔

معاویہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے چلنے کا عندیہ دیا۔آئے کت دروازے کی طرف بڑھی اور وہ دونوں آگے پیچھے چلتے کمرے سے باہر آ گئے۔

معاویہ نے بڑی احتیاط سے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔کمرے کے سامنے کوئی چھ فٹ چوڑا برآمدہ تھا جس کے کنارے پر ساگوان کی لکڑی کا چھجا بنا ہوا تھا۔جو نیچے گول لاؤنج نما کمرے کی طرف جھکتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے تھے۔چلتے چلتے معاویہ اردگرد بھی نظریں دوڑا رہا تھا۔اور برآمدے کے گول چکر کے ساتھ ساتھ اس کی نظریں گھوم رہی تھیں۔

"میں نے وہ مری ہوئی گلہری دیکھی ہے..اس کا سر بھی ٹھیک اسی انداز میں کٹا ہوا ہے جیسے ان گلہریوں کا سر کٹا ہوتا تھا جو وسامہ کو ملتی تھیں۔" پریشانی، بے بسی سے آئے کت نے کہا تھا۔

معاویہ کے سر پر جیسے فلک بوس کی چھت آ گری تھی۔

"اس کا مطلب؟...."

"مجھے نہیں پتا اس کا کیا مطلب ہے۔" آئے کت نے بے بسی سے کہا تھا۔

"یہ محض ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے...اور...اور نہیں بھی۔" وہ حد درجہ الجھن زدہ لگ رہی تھی۔

"میں عجیب کشمکش میں پھنسی ہوئی ہوں معاویہ! کبھی میرا دل چاہتا ہے میں یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں اور مڑ کر کبھی فلک بوس کی شکل نہ دیکھوں۔لیکن جیسے ہی میں یہاں سے جانے کا سوچ لیتی ہوں کوئی طاقت میرے قدم جکڑ لیتی ہے...اور میرا دل کہتا ہے جہاں وسامہ کی یادیں ہیں مجھے وہیں رہنا چاہئے..." ابھی اس نے یہیں تک کہا تھا کہ معاویہ تیزی سے برآمدے کی گرل تک چلا گیا۔

اسی برآمدے کے سامنے والے حصے میں اسے کوئی ہیولہ سا دکھائی دیا تھا۔کالے ملبوس میں لپٹے ہوئے کسی وجود کو اس نے خود

http://kitaabghar.com

پردے کی اوٹ سے نکل کر راہداری کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

''اے کون ہے وہاں؟'' معاویہ نے وہیں سے بے اختیار چلا کر کہا تھا۔معاویہ کی آواز نے فلک بوس پر چھائی خاموشی کو توڑ دیا تھا اوراس کی آواز سارے میں پوری شدت سے گونجی تھی۔جوں ہی اس کی آواز بلند ہوئی وہ ہیولہ تیزی سے بھاگا اور راہداری کے سرے پر غائب ہوگیا۔معاویہ کے جسم میں ایک انجانی سی طاقت بھر گئی تھی۔وہ پوری قوت سے اس ہیولے کے تعاقب میں بھاگا۔

آئےکت ہکا بکا سی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔''معاویہ رکو۔میری بات سنو...''

لیکن وہ بھاگتا ہوا اس راہداری تک پہنچ گیا جہاں اسے ہیولہ دکھائی دیا تھا۔لیکن اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔راہداری دور دور تک ویران پڑی تھی۔

آئےکت اس کے قریب پہنچ کر ہانپنے لگی۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟...کیوں پاگلوں کی طرح بھاگ رہے تھے۔؟''

''میں نے ابھی یہاں کسی کو دیکھا تھا..'' اس نے پریشانی سے کہا۔''یہاں کوئی تھا...میں نے خود دیکھا ہے۔''

آئےکت دم بخود رہ گئی۔

''لیکن مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟...ہم دونوں ایک ہی جگہ کھڑے ہوئے تھے..وہ یہاں سامنے سے گزرا اور...'' ہیجان کے عالم میں بولتا بولتا وہ ایک دم سے رک گیا تھا کھٹ سے آ کر ذہن کے دالان میں ایک خیال گرا تھا۔

''میں سمجھ گیا..'' اس نے بیقراری سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا تھا۔''میں سمجھ گیا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟..''

وہ ایسے بولتا ہوا نارمل نہیں لگ رہا تھا اس کا چہرہ تر تھا اور غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔

شور سن کر طالب ماموں اور صاعقہ ممانی بھی وہاں آ گئے تھے۔

''کیا ہوا معاویہ!تم چیخ کیوں رہے تھے؟'' وہ دونوں سخت پریشان تھے۔

''معاویہ نے ابھی یہاں پر کسی کو دیکھا ہے؟...لیکن ہمارے آنے سے پہلے ہی وہ بھاگ گیا۔'' آئےکت نے پریشانی کے عالم میں انہیں بتایا۔

''بھاگا نہیں ہے...غائب ہوا ہے۔ایسے جیسے دھوئیں کا کوئی بادل ہو..'' معاویہ نے کہا۔

طالب ماموں اور صاعقہ ایک ساتھ چونکے۔

''اس کا مطلب...وسامہ غلط نہیں کہتا تھا...کچھ تو ہے جو فلک بوس میں گردش کرتا ہے۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''کبیر سے کہیں ڈرائیور کو بلوا کر گاڑی تیار کروا دے...ہم شام سے پہلے یہاں سے نکل جائیں گے۔'' صاعقہ ممانی نے سرسراتے لہجے میں طالب حسن سے کہا تھا۔

''کوئی یہاں سے نہیں جائے گا۔'' معاویہ نے تیزی سے کہا۔

''جب تک میں اس آسیب کا پتا نہیں چلا لیتا کوئی یہاں سے جانے کا نام نہیں لے گا ممانی!'' اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا زینہ عبور کر گیا۔

وہ تینوں پیچھے پریشان کھڑے رہ گئے۔

''معاویہ کو سمجھائیں ...وہ تو پاگل ہو رہا ہے۔ مافوق الفطرت قوتوں سے کون لڑ سکتا ہے بھلا۔'' صاعقہ ممانی سب سے زیادہ خوفزدہ ہوگئی تھیں۔

''کیوں پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو...میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ آسیب جیسی کوئی چیز نہیں ہے یہاں۔ وسامہ کا وہم تھا بس....'' طالب حسن ناراضی سے بولے تھے۔

آئے کت جواب تک اس طرف دیکھ رہی تھی جس طرف معاویہ گیا تھا اس نے کہا

''اور اب یہی وہم معاویہ کے دل میں بیٹھ گیا ہے۔'' اس کا لہجہ فکرمندی سے سرسرا رہا تھا۔

''وسامہ نے بھی ایسی ہی باتیں کرنی شروع کر دی تھیں...اسے بھی اٹھتے بیٹھتے سائے دکھائی دیتے تھے...آوازیں سنائی دینے لگی تھیں...''

''ہمیں واقعی یہاں سے چلے جانا چاہیے...اس سے پہلے کہ قسمت مزید کوئی نقصان ہمارے کھاتوں میں ڈال دے۔'' اس کا مبہم خوف میں ڈوبا ہوا لہجہ و انداز ان دونوں کو ہی بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اوپر چھت پر آ کر وہ بیقراری سے ٹہلنے لگی۔

''یہ کیا غضب ہو گیا...اس کمینی صیام کو کیسے پتا چلا میں نے عامل بابا سے تعویذ لیا ہے؟...'' وہ یہاں سے وہاں ٹہلتی جا رہی تھی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

''اور اگر پتا چل ہی گیا تھا تو شامیر کو بتانے کی کیا ضرورت تھی... ہائے وہ کیا سوچتا ہوگا میرے بارے میں...تیرا بیڑہ ترے صیام!...ہو نا ں ہو اس چڑیل نے بالکونی کی تلاشی لی ہوگی...بندہ پوچھے جو تعویذ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر بالکونی کے کاٹھ کباڑ میں گرا اور خود مجھے ہی دکھائی نہیں دیا اس تک وہ صیام کیسے پہنچ سکتی ہے...اس کی نازک طبیعت نے اسے اس کاٹھ کباڑ میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت کیسے دی ہوگی... ہائے میں کیا کروں؟...اگر صیام کو پتا ہے تو ممکن ہی نہیں فضیلہ چچی کو خبر نہ ہو...اور اگر فضیلہ چچی بھی یہ بات جانتی ہیں تو...تو اس

کا مطلب عنقریب میری شامت آنے والی ہے.... میری بے عزتی کروانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے تو نہیں دے سکتیں۔''

گھبراہٹ، بے چینی اور شرمندگی سے اس کا برا حال تھا۔

اپنی ہی جھونک میں ٹہلتے اسے پتا ہی نہیں چلا کب کمرے سے روشن امی نکلیں اور اسے خود سے باتیں کرتا دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گئیں۔ خوش نصیب ان کے قریب پہنچ کر ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''یہ اکیلی کس سے باتیں کر رہی ہو؟'' انہوں نے الجھ کر پوچھا آواز میں نقاہت اور چہرے کی رنگت میں زردی گھلی تھی۔

''کک... کسی سے بھی نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''تم کسی سے تو بات کر رہی تھی خوش نصیب! میں تمہاری آواز سن کر ہی باہر نکلی ہوں۔'' انہوں نے حیرانی سے پوچھا کیونکہ واقعی اس کی آواز تو آ رہی تھی۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی روشن امی! میں تو یہاں اکیلی ہوں... اور اکیلے میں کون باتیں کرتا ہے۔'' وہ دانت نکال کر بولی اور صاف ہی مکر گئی۔

''اور آپ کو میں نے کہا بھی تھا کہ آج سارا دن آپ بستر سے نہیں نکلیں گی... چلیں چلیں... واپس جا کر لیٹیں۔'' وہ زبردستی انہیں اندر لے جانے لگی۔

''میں بیماری میں بھی اتنی دیر نہیں لیٹ سکتی خوش نصیب! تمہیں پتا ہے مجھے دیر تک فارغ رہنے کی عادت نہیں ہے۔'' انہوں نے لاچاری سے کہا۔

''عادت نہیں ہے تو اب عادت ڈال لیں۔'' اس نے روشن امی کو کندھوں سے پکڑ کر ان کا رخ کمرے کی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا اور پھر ان کے ہزار اعتراضات کے بعد بھی اس نے انہیں دوبارہ بستر پر لٹا کر ہی چھوڑا تھا۔ اور خود ان سے دوپہر کے کھانے کے لئے ہدایتیں لیکر باہر آ گئی تھی۔ ناشتہ بنانے پر کچن میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر وہ سرے سے ہی گول کر چکی تھی۔ آج دراصل اس کے پاس بہت اہم معاملات تھے جن پر غور کرنا اور ان کا کوئی مناسب حل نکالنا اس کے لئے ازحد ضروری تھی۔

کمرے سے باہر آ کر اس نے کچھ دیر سوچا۔

''صیام سے جا کر کچھ بھی کہنے سے بہتر ہے میں سیدھا شامیر کے پاس جاؤں اور تعویز والی بات سے صاف مکر جاؤں...'' اچانک سے اسے ایک بہتر حل نظر آنے لگا تھا۔

''بالفرض اگر تعویز صیام کے ہاتھ لگا بھی ہے تو کونسا اس پر میرا نام لکھا ہوگا کہ وہ کوئی ثبوت پیش کر سکے...'' اس نے چٹکی بجا کر سوچا اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔آخری تاریخوں کا ایک چوتھائی چاند قوس کی طرح آسمان کے شفاف سینے پر دمک رہا تھا۔ ستارے دھیرے دھیرے قریب ہو رہے تھے۔

ہوا دھیمے سروں سے دبے پاؤں چلتی تھی۔جنگل کی طرف سے جانوروں کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئی تھیں۔

فلک بوس خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا ایسے میں معاویہ کے کمرے کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا۔اندر سے اس نے سر باہر نکال کر احتیاط سے دائیں بائیں دیکھا۔کمروں کے آگے بنی ہوئی راہداری دور تک ویران پڑی تھی۔سامنے والے کمرے میں طالب ماموں اور صاعقہ ممانی سکونت پذیر تھے۔سامنے کی ہی داہنے ہاتھ آئے کت کا کمرہ تھا۔

سر پر پہنی ہوئی پی کیپ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور گربہ پائی سے چلتا راہداری سے باہر نکل آیا۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا جس کی بناوٹ ایسی تھی جیسے اس میں کوئی ٹھوس چیز رکھی گئی ہو۔

ایک راہداری سے نکل کر وہ دوسری میں داخل ہوتا چند ثانیے کے لئے رک کر دور تک نظریں دوڑاتا پھر اگلا قدم اٹھاتا تھا۔ راہداریاں،دالان اور ایسے ہی کئی راستے عبور کرتا وہ فلک بوس کے درمیانی حصے میں پہنچ گیا یہ وہی جگہ تھی جہاں وسامہ کی زندگی میں ایک عامل صاحب نے بیٹھ کر آسیب کو بھگانے کے لئے چلہ کاٹا تھا اور خود اس آسیب کے ہاتھوں مار کھا کر واپس بھاگ گئے تھے۔

پرانے زمانے کے مکانات کے صحنوں کی طرح کا یہ گول سا احاطہ تھا جس کا فرش مضبوط پتھروں سے بنا ہوا تھا جس کے سب طرف برآمدے کی سیڑھیاں آتی تھیں بالکل درمیان میں ایک آرائشی پودا لگا ہوا تھا جس کے گرد پکی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔یہ ہندوانہ طرز تعمیر تھا کسی دور میں شاید یہاں مورتیاں بھی رکھی جاتی تھیں۔فلک بوس جن نواب صاحب کی ملکیت رہا تھا ان کی ایک زوجہ محترمہ ہندو بھی تھیں اور فلک بوس کا یہ حصہ شائد انہیں کے زیرِ تصرف رہا ہوگا۔

فلک بوس کا حق ملکیت معاویہ کے دادا کے پاس آنے کے بعد یہاں کافی تبدیلیاں کروادی گئی تھیں غالباً اسی دور میں وہ مورتیاں بھی ہٹادی گئی ہوں گی جن کا یہ استھان اس صحن میں تعمیر کیا گیا تھا۔فلک بوس سے جڑی ہوئی ایک روایت یہ بھی تھی کہ اس ہندو عورت کو بھی یہیں قتل کیا گیا تھا جس کی روح اب فلک بوس پر قابض ہوئی بیٹھی تھی۔

بہر حال ستون کی آڑھ میں رک کر معاویہ نے وہ چھوٹا سا بیگ کھولا اور اس میں سے جدید ٹیکنالوجی کا ایک ہاتھ کے برابر کیمرہ برآمد کیا۔اس کیمرے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کچھ تاریں بھی تھیں۔معاویہ نے اپنی پی کیپ میں نصب چھوٹی سی ٹارچ نما لائیٹ جلائی اور احتیاط کے ساتھ ان تاروں کو کیمرے میں جوڑنے لگا۔

اپنا کام کرتے ہوئے وہ مستقل ادھر ادھر بھی دیکھتا جا رہا تھا۔معاً اس کے پیچھے کسی نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔معاویہ اپنی جگہ

سے اچھل کر پلٹا کیمرہ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا تھا۔

معاویہ کے ڈرنے پر پیچھے کھڑی آئے کت کے لئے اپنی بے ساختہ امڈتی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔فلک بوس کے سناٹے میں اس کی مدھر ہنسی کسی جھرنے کا سر بن کر گونجنے لگی۔

''سوری۔'' وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے جیسے اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

معاویہ جو خفت کے مارے ٹھیک ٹھاک ناراض ہونے کا ارادہ رکھتا تھا یک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا۔کسی کی ہنسی اتنی مدھر بھی ہو سکتی ہے؟ کوئی ہنستے ہوئے اتنا خوبصورت بھی لگ سکتا ہے؟

''سوری معاویہ! میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتی تھی۔'' وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی اور اس مسکراہٹ کو چھپانے کی تگ و دو میں ہلکان ہوئی جاتی تھی۔

معاویہ نے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں اور سنجیدگی سے کیمرے کے وائرز جوڑتے ہوئے بولا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''یہی سوال میں تم سے پوچھنے والی تھی۔'' آئے کت نے اس کا موڈ بھانپ کر اب قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''فلک بوس میں تو دن کی روشنی میں اکیلے گھومتے ڈر لگنے لگا ہے...تم بڑے جی دار ہو جو اتنی رات کو اکیلے پھر رہے ہو۔''

معاویہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولا۔

''مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا...اس آسیب کا تو میں بہت برا حشر کرنے والا ہوں۔'' وہ جذباتیت سے بولا تھا۔

آئے کت نے اسکی بات پر ایک گہری سانس لی اور ایسے لی جیسے انسان کہہ رہا ہو وقت تمہیں سب سمجھا دے گا پھر ذرا اس سے قریب ہو کر ہاتھ میں پکڑے کیمرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ ڈیجیٹل کیمرہ ہے...''

''وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے لیکن تم اس کے ساتھ کر کیا رہے ہو؟''

''اسے میں یہاں لگا رہا ہوں۔'' کیمرے میں تاریں جوڑ کر اس نے کیمرے پر لگا چھوٹا سا ہک بند کر دیا اب کیمرہ ایک چھوٹی سی چمگادڑ کی طرح دکھائی دینے لگا تھا۔اس کے بعد معاویہ نے اپنے چھوٹے سے بیگ سے ایک لیدر بیلٹ جیسی چیز برآمد کی اس کا ایک سرا اپنی کمر کے گرد لپیٹا اور دوسرا ستون سے باندھ دیا ایک ہاتھ سے کیمرہ پکڑے دوسرے ہاتھ سے بیلٹ کا سہارہ لئے وہ ستون پر رینگتا ہوا چڑھا۔اور دس منٹ کی محنت کے بعد چمگادڑ کی شکل کا وہ کیمرہ اس نے ستون کے ساتھ نصب کر دیا۔کیمرہ اس نے ایسے لگایا تھا کہ جہاں

http://kitaabghar.com

آئے کت کھڑی تجسس سے سر اٹھائے معاویہ کو اپنا کام کرتے دیکھ رہی تھی وہاں سے کیمرہ ہرگز نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

معاویہ نے احتیاط سے نیچے اتر کر ہاتھ جھاڑے۔

کیمرے کو مہارت سے لگا دینے پر وہ خوش اور پر جوش نظر آ رہا تھا۔

''اس بھٹکی ہوئی روح کا راز عنقریب کھلنے والا ہے...'' اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اوراوپر کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے ایسے ہی کیمرے فلک بوس کے کچھ اور حصوں میں بھی لگا دیئے ہیں۔ان کی ریکارڈنگ میرے لیپ ٹاپ پر شو ہوتی رہے گی۔اوراگر واقعی کوئی آسیب بن کر پہلے وسامہ کو اور پھر ہمیں ڈرا رہا ہے تو میں اسے دیکھ لوں گا۔''

''میرا خیال ہے تمہیں اپنی کامیابی کا اتنا یقین نہیں رکھنا چاہیئے۔'' آئے کت نے آہستہ سے کہا تھا۔

''اگر وہ کوئی انسان ہے تو یقیناً ریکارڈنگ ہو جائے گی لیکن اگر وہ واقعی کوئی سپر نیچرل چیز ہوئی تو....؟'' اس کا لہجہ اب خوف سے سرسرا رہا تھا

''اول تو مجھے یقین ہے وہ کوئی انسان ہی ہے...'' معاویہ نے کہا۔

''اوراگر ایسا نہیں ہے..تو بھی ہمیں پتا چل جائے گا..اس کیمرے میں بڑے پاور فل لینز لگے ہوئے ہیں۔جو روشنی کی تیز سے تیز لہر کو بھی کیچ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' معاویہ نے پر جوش لہجے میں لیکن دبی ہوئی آواز میں اسے بتایا۔

''خدا تمہیں کامیاب کرے۔'' آئے کت نے صدق دل سے دعا دی ایک نظر کیمرے کی طرف دیکھا اور وہ دونوں اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔

ایک چھوٹا سا جگنو روشنی کی ننھی سی کرن بن کر فلک بوس کے تاریک صحن میں چکر کاٹنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب اب شامیر کے کمرے کے باہر متذبذب سی کھڑی تھی۔اس کے ایک ہاتھ میں وہ ڈبہ تھا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل شامیر نے اسے بطور تحفہ دیا تھا اور دوسرا ہاتھ بار بار دستک کے ارادے سے اٹھ کر دوبارہ پہلو میں گر جاتا تھا۔کسی کو جا کر اپنی صفائی پیش کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ہوتا ہے اور خوش نصیب یہ کام کرنے چلی آئی تھی۔

بہرحال اس نے ہمت مجتمع کی اور دروازے پر ہلکی سی دستک دے ڈالی۔اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔

لیکن دوسری طرف خاموشی ہی رہی۔ایسا لگتا تھا اندر کوئی موجود ہی نہیں ہے۔اگلی بار خوش نصیب نے زیادہ زور سے دستک دی۔

دروازہ لاک نہیں تھا سو ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔خوش نصیب نے ذرا سی اندر نظر ڈالی۔اندر نیم تر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

''شائد شامیر موجود نہیں ہے..میں چاکلیٹس اندر میز پر رکھ دیتی ہوں۔''

http://kitaabghar.com

یہی سوچ کر اس نے دروازے کو دھکیلا اور اندر چلی آئی۔ اندر نیم تاریکی میں آتی سردیوں کی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ خوش نصیب رائیٹنگ ٹیبل کے پاس آئی اور کرسی کے بالکل سامنے کچھ اس رخ پر چوکیلٹ کا ڈبہ رکھا کہ اندر آتے ہی شامیر کو نظر آ جائے۔ اس نے ڈبے کا اینگل دو تین بار درست بھی کیا پھر جوں ہی مطمئن ہو کر پلٹنے لگی میز پر داہنے ہاتھ پڑی ایک کتاب اس کی نظر میں آ گئی۔

خوش نصیب بری طرح چونک گئی۔ کتاب کے سرورق پر ایک خوفناک چہرہ بنا ہوا تھا ایسا لگتا تھا اس چہرے میں آگ بھڑک رہی ہے۔ نیچے کتاب کا ٹائٹل لکھا تھا Demons The Angry Spirits۔

اس نے بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر وہ کتاب اٹھا لی اور اس چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ کتاب اٹھاتے ہی اس میں سے چند صفحات نیچے گر گئے۔ خوش نصیب کو کتاب کے سرورق پر بنے چہرے کو دیکھ کر خوف آ رہا تھا اس نے کتاب جلدی سے رکھ دی اور جھک کر وہ صفحات اٹھانے لگی جو زمین پر گرے تھے۔ لیکن برا ہو اس وقت کا۔ جب اس نے شامیر سے ملنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ صفحات بھی اس نے بے دھیانی میں کھول کر دیکھے اور اسے ایک بار پھر ایسا لگا جیسے آسمان اس پر ٹوٹ کر گر رہا ہو۔ کاغذ پر گول دائروں کی صورت میں کوئی گراف بنا ہوا تھا جس میں اردو، انگلش اور کسی نامعلوم رسم الخط میں اعداد لکھے ہوئے تھے۔ گراف کے درمیان میں ایک عجیب سا چہرے کا اسکیچ بنا ہوا تھا ایسا لگتا تھا جیسے کوئی انسانی چہرہ پوری قوت سے چیخنے کی کوشش کر رہا ہو اور وہیں اس کا چہرہ اسٹل کر دیا گیا ہو۔

خوش نصیب کے دل میں ایک دم سے بڑی تیز اور زور آور لہر پیدا ہوئی۔ کچھ غلط ہونے کا احساس بہت شدید تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“

جب وہ میز پر کسی اور چیز کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی اسے اپنے کان کے بالکل قریب شامیر کی آواز سنائی دی۔ وہ اچھل کر پلٹی ڈر کے مارے وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور لہراتا ہوا پیروں میں گر کر ساکت ہو گیا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو خوش نصیب؟“

شامیر اپنی بے تحاشہ لال آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑے کھڑا تھا۔ خوش نصیب کا دل بے ہنگم دوڑنے لگا اور حلق اتنا خشک ہو گیا کہ کانٹے سے چبھتے محسوس ہونے لگے۔

”وہ... مم... میں... میں...“ وہ اتنا ڈر چکی تھی کہ بول بھی نہیں پا رہی تھی۔

”تم ڈر کیوں رہی ہو؟“ اپنی لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ وہ ذرا سا مسکرایا۔

خوش نصیب اپنے پیچھے میز پر دونوں ہاتھوں کے سہارے مزید پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہی تھی اسی اثنا میں اس کا ہاتھ کتاب سے جا ٹکرایا۔ بے ساختہ اس نے وہ کتاب اٹھا لی۔

”یہ... یہ کیا ہے؟“ ڈرتے ڈرتے اس نے کتاب شامیر کے سامنے کی۔

شامیر نے کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی لیکن اپنی آنکھوں کو ایک پل کے لئے بھی خوش نصیب کے چہرے سے ہٹنے نہ دیا۔ بلکہ خوش نصیب کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پلکیں بھی نہیں جھپک رہا۔ اور یک ٹک اسے دیکھ رہا ہے۔

''یہ راستہ ہے.. میری منزل تک پہنچنے کا۔'' شامیر نے ہلکی آواز میں اور اتنے اجنبی لہجے میں کہا تھا جیسے وہ شامیر نہ ہو بلکہ کوئی اور ہی ہو۔

''کیسا راستہ؟...کونسی منزل؟''

''جنات تک پہنچنے کا راستہ...'' وہ اس کے کان کے بالکل قریب جھک آیا اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''تم چلو گی میرے ساتھ؟...اس راستے پر؟...'' وہ سرگوشی کر رہا تھا اور نیم تاریک ماحول میں خوش نصیب کا معصوم سا دل خوف کے دلدل میں دھنستا چلا گیا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امائیہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اِک فسون تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط
ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط
ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

''تم چلوگی میرے ساتھ؟...اس راستے پر؟...'' وہ سرگوشی کر رہا تھا اور نیم تاریک ماحول میں خوش نصیب کا معصوم سا دل خوف کے دلدل میں دھنستا چلا گیا تھا۔

اس کی ساری تیزی طراری دھری کی دھری رہ گئی تھی اور اب سامنے ایک ہونق اور حواس باختہ لڑکی کھڑی تھی۔

''مم..مجھے جانا ہے۔'' گھبراہٹ اور ڈر کے مارے اس کی آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔

شامیر اس کا رنگ اڑا چہرہ دیکھ کر دلفریبی سے مسکرایا اور ایک طرف کو ہٹ گیا۔

''جاؤ...''

خوش نصیب کو آزادی کا پروانہ ملا تھا وہ سر پر پیر رکھ کر دوڑی۔ دروازے میں رک کر ایک بار شامیر کو دیکھا۔ وہ زیرلب مسکراتا ہوا اپنی میز پر رکھی چیزوں کی ترتیب درست کرنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے کچھ روز بشام میں مطلع صاف رہا اور ان سب کو فلک بوس سے نکل کر گھومنے پھرنے کا موقع ملتا رہا۔

کبھی ماموں اور ممانی بھی ساتھ ہوتے بیشتر وقت معاویہ ہی آئے کت کو باہر لے جاتا رہا۔ بشام معصوم لوگوں کا ٹھکانہ تھا مقامی آبادی بمشکل ڈیڑھ دوسو مکانات پر مشتمل ہوگی۔ اور فلک بوس بشام کا دل تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا فلک بوس کے مکینوں سے بشام کے لوگ واقف نہ ہوں۔ لیکن ان دونوں کو ہمہ وقت ساتھ ساتھ دیکھ کر چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں۔ ان دونوں میں دوستی بھی بہت ہوگئی تھی۔ وسامہ کا دکھ وہ مرکز تھا جس کے گرد معاویہ اور آئے کت کی زندگی گردش کرتی رہتی تھی اور اسی گردش کے دوران وہ دونوں ایک دوسرے کے نزدیک آگئے تھے۔ یہ بات خود ان دونوں نے محسوس کی یا نہیں لیکن دنیا کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔

اڑتی پڑتی یہ اطلاع فلک بوس میں چند دن کی مہمان بن کر آئی صاعقہ ممانی کے کانوں تک بھی پہنچ گئی کہ فلک بوس کا مالک معاویہ شیرازی عنقریب اپنے مرحوم ماموں زاد بھائی کی بیوی سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ صاعقہ ممانی کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ معاویہ کا آئے کت کی طرف بڑھتا ہوا جھکاؤ انہیں بھی ایسی ہی غلط فہمی کا شکار بنا چکا تھا۔

بیٹے کو گزرے ابھی چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ایسی باتیں شروع ہوگئی تھی وہ جتنی بھی اعلیٰ ظرف ہوتیں لیکن بہو کی دوسری شادی کا خیال ہی ان کے دل پر پتھر بن کر برسنے لگا تھا۔ ان کے دل سے ابھی یہ ناراضی بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ آئے کت نے عدت کے دن گھر کے اندر رہ کر اور پورے مذہبی احکامات کو مانتے ہوئے نہیں گزارے۔ وہ ایک بڑی چادر سے اپنا آپ ڈھانپ کر ضرور رکھتی تھی لیکن نامحرموں کے سامنے آنے میں احتیاط ہرگز نہیں کرتی تھی۔ عدت کے متعلق احکامات کو وہ مانتی ضرور تھی لیکن ان احکامات کا مطلب اس

نے اپنے حساب سے سیٹ کر رکھا تھا جن سے صاعقہ ممانی جیسی مذہبی خیالات کی مالک خاتون کو خاصا اعتراض بھی تھا۔انہوں نے کئی بار سوچا کہ آئے کت کو معاویہ سے بھی پردہ کرنے کی تلقین کریں لیکن آئے کت کے دکھ کا احساس کر کے وہ خواہش کے باوجود اسے منع نہیں کر پائی تھیں۔اب جب بشام کی چہ مگوئیاں ان کے کانوں میں پڑیں تو انہوں نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔کیا تھا جو وہ آئے کت کو پہلے ہی منع کر دیتیں۔ اللہ نے ایام عدت عورت کو پردے میں رہنے کی تلقین کی ہے تو اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ مصلحت ہوگی۔

بہرحال انہوں نے طالب حسن سے اس بارے میں بات کی تو وہ ان کی پیشانی پر سوچ کے بل نمودار ہو گئے۔

''یہ اچھا خیال ہے...اگر معاویہ راضی ہو جائے تو آئے کت اور معاویہ کی شادی کی جا سکتی ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ....بھابی لگتی ہے آئے کت معاویہ کی۔وہ کیسے اس سے شادی کرنے پر راضی ہو سکتا ہے۔'' صاعقہ ممانی نے تڑپ کر کہا تھا۔

''وسامہ کا انتقال ہو چکا ہے صاعقہ!اس حقیقت کو تم قبول کر لو تو بہتر ہوگا۔''انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔

''آئے کت کی ابھی عمر ہی کیا ہے...وسامہ اس دنیا میں رہا نہیں ہے۔آگے پیچھے کوئی اس کے ہے نہیں۔پہاڑ جیسی زندگی وہ اکیلی کیسے گزارے گی۔.تم خود سوچو آج نہیں تو چند سال بعد آئے کت کسی نہ کسی سے تو شادی کرے گی تو اگر معاویہ سے ہی کر لے تو اس میں کیا برائی ہوگی؟..''

صاعقہ ممانی سوچ میں پڑ گئیں۔

''اور اسطرح وسامہ کے آنے والے بچے کو بھی تحفظ مل جائے گا۔''

بات معقول تھی لیکن صاعقہ ممانی قائل ہو کر نہ دیں۔ان کے اعتراضات اپنی جگہ جوں کے توں قائم رہے۔

آئے کت اور معاویہ کو پتا چلا تو کچھ دیر کے لئے وہ دونوں ہی دنگ رہ گئے۔پھر معاویہ کو اس زور کی ہنسی آئی کہ ہنستے ہنستے اس کی سانس اکھڑنے لگی۔آئے کت اسے ہنستا دیکھ کر عجیب سے دکھ میں گھر گئی۔پھر اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

''پہلے مجھے یہ بتائیں۔یہ احمقانہ باتیں آپ کے دماغ میں ڈالتا کون ہے؟''اس نے آنکھوں کا پانی پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''آج خاتون بتا رہی تھی وادی میں کچھ عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ تم دونوں کی جوڑی کتنی پیاری لگتی ہے...ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تم دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔''

''وہ ان پڑھ دیہاتی عورتیں ہونگی ممانی!یہاں بشام میں یہ رواج ہے۔ایک بھائی کے مر جانے پر اس کی بیوی کی شادی دوسرے بھائی سے کر دی جاتی ہے۔.تو ان عورتوں نے اسی حساب سے بات کی ہوگی۔سوال یہ ہے ممانی!انہوں نے کہا اور آپ نے یقین کر لیا...کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔''

"بات بھروسے کی نہیں ہے..." وہ قدرے جھنجلا کر بولیں

"پھر کیا بات ہے؟"

"تمہارے ماموں کا خیال ہے اس شادی میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے...اگر تم اور آئے کت راضی ہو جاؤ تو..."

"ممانی پلیز!" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔"یہ بات اب کی ہے دوبارہ مت کیجئے گا..میں آئے کت کی بہت عزت کرتا ہوں وسامہ کے حوالے سے وہ بہت قابل احترام ہے میرے لئے...بھائی کو مرے ہوئے چند مہینے بھی نہیں گزرے اور آپ لوگ چاہتے ہیں میں اس کی بیوی سے شادی کے بارے میں سوچنے لگوں...بے غیرت نہیں ہوں میں۔"

وہ بہت ہی برا منا گیا تھا اس بات کا۔

"میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے..تم..." صاعقہ ممانی نے کہا

"میں تمہیں صرف وارن کرنا چاہ رہی تھی کہ باہر نکلتے ہوئے احتیاط کیا کرو۔تم دونوں کو ساتھ ساتھ گھومتا پھرتا دیکھ کر لوگ اپنی مرضی کے مطلب نکال رہے ہیں۔"

"کوئی میرے سامنے یہ بات کہے...میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔" وہ ناراضی اور غصے سے بولا۔

ساعقہ ممانی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"مجھے بھی یہ خیال آیا تھا لیکن عدت کے دوران ایسی بات کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا مجھے۔تمہارے ماموں کے نزدیک یہ سب سے بہتر آپشن ہو سکتا ہے..اس طرح آئے کت اور اس کا ہونے والا بچہ دونوں بے گھر ہونے سے بچ جائیں گے۔"

"میرے نزدیک سب سے بہتر آپشن یہ ہے کہ دوبارہ اس بارے میں بات ہی نہ کی جائے۔" اس نے ناراضی سے کہا اور باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب نے کچن میں آ کر غٹا غٹ دو گلاس پانی کے چڑھائے اور گہرے گہرے سانس بھر کر اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی۔

ماہ نور اور صیام کچن میں پہلے سے موجود تھی۔ماہ نور کھانا بنا رہی تھی جبکہ صیام کچن ٹیبل پر فرنچ فرائز کی پلیٹ رکھے اس میں مزید چپس کا ڈھیر لگا رہی تھی۔

خوش نصیب کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور ان تمام باتوں پر غور کرنے لگی جو ابھی شامیر کے منہ سے سن کر آئی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے خوش نصیب! طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ماہ نور اسے دیکھ کر چونک گئی تھی فکرمندی سے کہتی ہوئی قریب آئی اور اس

کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔

خوش نصیب کسی اور ہی دھیان میں تھی بری طرح سٹپٹا گئی بلکہ کسی حد تک ڈر ہی گئی۔

صیام بھی اسے حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اتنا زرد چہرہ؟

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' صیام کی وجہ سے اس نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''لگ تو نہیں رہا۔'' صیام نے کہا۔ ''رنگت تو تمہاری ایسے پیلی ہو رہی ہے جیسے پیچھے کوئی جن پڑ گیا ہو۔''

گو کہ اس نے ازراہ مزاق کہا تھا اور ٹھٹھا لگا کر کہا تھا لیکن خوش نصیب کو ایسا لگا گویا اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ سٹپٹا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاہاہاہا... لو بتاؤ... خوش نصیب کے پیچھے کوئی جن کیسے پڑ سکتا ہے... اس کے شر سے تو جن بھی پناہ مانگتے ہوں گے۔'' وہ اپنے اس درجہ اعلی کے مذاق پر خود ہی جی بھر کر محظوظ ہو رہی تھی بس کندھا تھپکنے کی کسر رہ گئی تھی۔

اور گو کہ خوش نصیب ڈر گئی تھی اس کے حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور شامیر کا انکشاف اس کے دماغ کے پرزے ہلا گیا تھا لیکن نام اس کا ابھی بھی خوش نصیب ہی تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ جن بھی میرے شر سے پناہ مانگتے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو جنوں کا پورا خاندان میرے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑا ہوتا۔'' ہوائیاں اڑے چہرے کے ساتھ بھی لفظ جیسے خود بخود اس کی دو دھاری تلوار جیسی زبان سے پھسلتے چلے گئے تھے۔

''ایں؟... جنوں کا پورا خاندان...'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ''تم نے پہلے کبھی بتایا ہی نہیں خوش نصیب۔'' اس کی آواز انجانے خوف سے سرسرا رہی تھی۔

''لے...'' اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''بتانے کی کیا ضرورت ہے... تم اس خاندان کو اچھی طرح جانتی ہو.. کیونکہ اس خاندان کی سربراہ بھی کوئی جن نہیں بلکہ ایک چڑیل ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' صیام سوچ میں پڑ گئی۔ ایک دم سے دماغ کی بتی جلی تھی اس نے غصے سے خوش نصیب کو گھورا۔

''بدتمیز! تم میری امی کو چڑیل کہہ رہی ہو... رک جاؤ ابھی بتاتی ہوں امی کو۔''

''جو بھی کہا ہے تم نے ہی کہا ہے...'' وہ گڑبڑا کر اٹھی اور دروازے کی طرف پلٹی۔

''مم... میں اوپر کمرے میں جا رہی ہوں۔'' جلدی سے باہر کی طرف لپکی۔ ''واللہ! کس قدر ذہین ہے یہ صیام۔'' وہ دل ہی دل میں عش عش کرتی ہوئی گئی تھی۔

''صیام! تم خوش نصیب کی باتوں کا برا مت مناؤ... تمہیں پتا ہے اسے اوٹ پٹانگ ہانکنے کی عادت ہے۔'' ماہ نور نے جلدی سے

صیام کا غصہ دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ اوٹ پٹانگ ہانکنے کی عادتیں پتا نہیں کب ٹھیک ہونگی اس کی۔" صیام نے ناراضی سے بولتے ہوئے ماہ نور کے الفاظ اسے لوٹائے۔

"میں نے ہی غلط بول دیا تھا کہ کوئی جن اس کے پیچھے پڑا ہوگا۔ جن بھوتوں کے گھر والے تو کہتے ہوں گے۔ اپنے بچے شام کو ہی کمروں میں بٹھا لیا کرو... کہیں ان کے پیچھے خوش نصیب نہ پڑ جائے... ہونہہ..." وہ اپنی کڑاہی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

ماہ نور نے سر جھٹک کر اس دوہری پریشانی سے دھیان ہٹایا۔ اور دروازے کی طرف دیکھا اسے خوش نصیب کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"اسے آخر ہوا کیا ہے؟" ماہ نور سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

باہر آ کر اس نے دیکھا آئے کت فلک بوس کی دوسری منزل کے ٹیرس پر کھڑی تھی اور دور خلاؤں میں دیکھ رہی تھی۔

سنہری دھوپ نے اس کے بالوں کے رنگ کو مزید خوش رنگ بنا دیا تھا۔ اور وہ سنگ مرمر کا ایسا مجسمہ معلوم ہوتی تھی جسے بنانے کے لئے مجسمہ ساز نے بڑی دلجمعی سے کام لیا ہو۔

چادر جسے وہ وسامہ کے بعد ہر وقت اوڑھے ہوئے نظر آتی تھی اس وقت کندھے پر ایک طرف پڑی تھی۔ بالوں کے بے ڈھب انداز میں دوسرے کندھے پر آگے کی طرف ڈال رکھا تھا۔ ایک کہنی ٹیرس کی باؤنڈری وال پر ٹکی تھی۔ عقب میں فلک بوس کی قدیم عمارت کا فسوں تھا اور عمارت کے کنگروں سے جھانکتے آسمان پر پرندوں کی اڑان تھی۔

قدرت کی صناعی پر پورٹریٹ کا گمان ہوتا تھا۔

معاویہ غیر ارادی طور پر اسے دیکھتا چلا گیا۔ فلک بوس کی مین روش پر کھڑا یوں منہ اٹھائے آئے کت کو تکتا ہوا معاویہ۔

دور سے دیکھو تو یوں کھڑا وہ ایک مجذوب سا معلوم ہوتا تھا جو قدرت کے عشق میں مبتلا ہو کر سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔

یکدم وہ چونکا۔ اور اپنے دل میں سر اٹھاتے خیالات سے سٹپٹا گیا۔

"پتا نہیں لوگ اتنی عجیب باتیں کیسے سوچ لیتے ہیں..." اس نے ناراضی سے ہی دل ہی دل میں کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب اوپر اپنے کمرے، میں آ گئی اور حسب عادت جا کر اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔ اس کا دماغ جیسے سائیں سائیں کر رہا تھا اور کچھ بھی واضح نہ ہوتا تھا۔

کیا حقیقت تھی شامیر کی؟ پتا نہیں وہ سچ بول رہا تھا یا جھوٹ؟ اگر یہ مذاق تھا تو بھی انتہائی گھٹیا درجے کا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ شامیر اس کے ساتھ ایسا مذاق کیوں کرے گا؟
یکایک اسے گیلری کی کھڑکی پر ٹنگی ہوئی چک ہلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔خوش نصیب کا ننھا سا دل حلق میں آ گیا۔وہ ہمت کر کے اٹھی ہاتھ بڑھا کر چک ہٹانے لگی تو ایسا لگا جیسے چک کے پیچھے سے دو بڑی بڑی آنکھیں جھانک رہی ہوں۔وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔اور الٹے قدموں بھاگتی ہوئی گیلری سے باہر نکل گئی اور ایسے ہی بھاگتی ہوئی نانی کے بستر میں گھس گئی۔

''نانی! نانی! پلیز مجھے بچالو۔'' وہ ان سے ایسے لپٹ گئی کہ کیا ہی گرم کمبل کو ٹھنڈ کا مارا ہوا انسان خود سے لپٹاتا ہوگا۔
نانی بیچاری کی ابھی آنکھ لگی تھی۔اس افتاد پر سٹپٹا ہی گئیں۔اوں آں کی آوازیں بھی حلق سے نکلیں لیکن خوش نصیب اتنا ڈر چکی تھی کہ نانی کی بے لفظ التجاؤں پر دھیان ہی نہ دے سکی۔
جس وقت ماہ نور کمرے میں داخل ہوئی بیچاری بوڑھی بیمار نانی خوش نصیب کی مضبوط گرفت کے ہاتھوں بس آخری ہچکی لینے کے لئے پرتول رہی تھیں۔اور ان کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔
ماہ نور نے دیکھا تو دیوانہ وار ان دونوں کی طرف دوڑی۔
''خوش نصیب! ہٹو... پیچھے ہٹو۔'' اس نے پوری قوت سے خوش نصیب کو پرے ہٹایا اور نانی کے گلے سے ان کا اپنا ہی دوپٹہ نکالا جو خوش نصیب کے ساتھ لپٹنے سے نانی کے گلے سے لپٹ کر ٹائیٹ ہو گیا تھا اور نانی کی جان لے کر ٹلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
دوپٹہ نکلتے ہی نانی کی جان میں جان آئی۔خوش نصیب نے ان کی حالت دیکھی تو اس کے صحیح معنوں میں چھکے چھوٹ گئے۔ جلدی سے لا کر انہیں پانی پلایا اور مری ہوئی سی آواز میں بولی۔
''سوری نانی۔'' نانی بیچاری نے کیا جواب دینا تھا ذرا سا ہاتھ اٹھایا سر ہلایا اور آنکھیں موند لیں۔وہ جیسے بے دم سی ہو رہی تھیں۔
ماہ نور نے ان کا لحاف درست کیا اور خوش نصیب کو لیکر کمرے کے دوسرے کونے میں جہاں بستر زمین پر بچھے تھے وہاں چلی آئی۔
''نانی کی حالت دیکھو خوش نصیب!..کبھی تو کوئی عقل والا کام کر لیا کرو۔'' اس نے ڈپٹ کر کہا تھا۔
''میں...میں ڈر گئی تھی۔'' اس نے انگلیاں مسلتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔
''ڈر گئی تھی تو اسکا مطلب نانی کی جان لے لی جاتی۔'' وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔
''اور کس سے ڈر گئی تھی تم؟... یہاں کون سے جن بھوت آ گئے ہیں جن سے بچنے کیلئے تم نے نانی کی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔''
''خدارا! جن بھوتوں کا نام نہ لو۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی دو قدم ماہ نور کے قریب بھی ہو گئی۔
''خوش نصیب! ہوش کے ناخن لو...کیوں پاگلوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو۔''
خوش نصیب متذبذب سی نیچے بیٹھ گئی اور ہاتھ مسلتے ہوئے سوچنے لگی کہ ماہ نور کو بتایا جائے یا نہیں۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''میں تمہیں ہی دیکھنے آئی تھی۔صیام کے سامنے بھی اوٹ پٹانگ بول کر آئی ہو۔تمہارے اٹھائے ہوئے ایک طوفان کا اثر ختم نہیں ہوتا خوش نصیب کہ تم کوئی نیا شوشہ چھوڑ دیتی ہو۔اب دیکھنا صیام ایک کی چار کر کے فضیلہ چچی کے کانوں میں ڈالے گی۔''

''ارے تم چھوڑو صیام اور چچی کو۔یہاں بیٹھ کر میری بات سنو۔''اس نے ہاتھ پکڑ کر ماہ نور کو پاس بٹھایا۔

''وہ میں...شامیر کے کمرے میں گئی تھی۔''اس نے جھجکتے ہوئے بتایا کیونکہ جانتی تھی ڈانٹ تو پڑے گی اور حسب توقع ماہ نور کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''شامیر کے کمرے میں؟...وہاں کیا کرنے گئی تھی؟''

''وہ میں...شامیر نے مجھے جو نیکلیس گفٹ کی تھیں..میں وہی واپس کرنے گئی تھی۔''

ماہ نور نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا اور اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ دراصل کہنا کیا چاہ رہی ہے۔

''اچھا تو پھر...؟''

''مجھے اس کے کمرے میں ایک کتاب ملی ماہ نور!اس کتاب کے ٹائٹل پہ ایک خوفناک چہرہ بنا ہوا تھا۔''خوف اور ناسمجھی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہ بتا رہی تھی۔

''اور...اور شامیر نے مجھ سے کہا...وہ کتاب...راستہ ہے...جنات تک پہنچنے کا۔''جملے کے آخر تک آتے آتے اس کے حلق میں آواز جیسے بالکل ہی گھٹ گئی تھی اور آنکھیں ڈر اور خوف سے پھیل گئی تھیں۔

ماہ نور جو بغور اس کی بات سن رہی تھی اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی ایسے ہمہ تن گوش میں بیٹھی تھی جیسے انتظار میں ہو ابھی بلی تھیلے سے باہر نکلے گی۔لیکن خوش نصیب کے خاموش ہو جانے کے بعد اس کے چہرے پر حیرانی نظر آئی اور جب اسے بات سمجھ آئی تو اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ شامیر جن ہے؟''اس نے ہنس کر پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔''اس نے جھنجھلا کر کہا۔''لیکن میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ جو شامیر نے کہا ہے کوئی مجھے اس کا مطلب سمجھا دے۔''

''پاگل لڑکی!وہ مذاق کر رہا ہوگا۔''ماہ نور نے اس کے سر پر چپت لگا کر کہا۔''مذاق کرنا اس کی عادت ہے...تمہیں بھی ایسے ہی چڑا رہا ہوگا تم خوامخواہ گھبرا گئی۔''

''لیکن...کوئی ایسا مذاق کیوں کرے گا۔''وہ الجھ کر بولی۔''اور پھر وہ کتاب...''

''کتابیں تو عرفات ماموں کے پاس بھی بہت ہیں...تم جا کر دیکھو ان کے پاس بھی ایسی بہت سی کتابیں ہونگی جن میں بھوتوں کا

ذکر ہوگا۔‘‘

’’نہیں ماہ نور! تم مانو یا نہ مانو...کوئی نہ کوئی تو گڑبڑ ہے۔‘‘

’’اچھا؟...مثلاً کیا؟‘‘

’’یہ مجھے نہیں پتا۔‘‘ وہ پرسوچ انداز میں بولی۔’’لیکن میں چند دنوں میں پتا چلا لونگی۔ میرا دل کہہ رہا ہے شامیر وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔‘‘

’’ہاں وہ خود کوئی جن بھوت ہوگا. یا کوئی عامل اور تانتری...جو موکل اکھٹے کرتا پھرتا ہے۔‘‘ ماہ نور نے اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تھا۔

’’وہ تو جادوگر بھی ہے۔کبھی اس کے پاس بیٹھ کر اسکے کرتب دیکھنا۔اپنی مٹھی میں سکہ بند کرکے سامنے والے کی جیب سے نکالتا ہے۔بنا دیکھے تاش کا پتا بتا دیتا ہے اور کل تو اس نے چٹکی بجا کر موم بتی بھی جلا دی تھی۔ ہو نہ ہو..موکل ہی ہونگے اس کے پاس۔جو یہ سب کام منٹوں میں کر دیتے ہیں...وہ ہنستی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔

خوش نصیب کی پیشانی پر الجھن آمیز بل پڑ گئے۔وہ یہ سب بھی کرتا ہے؟ اسے کیوں خبر نہ مل سکی۔

’’اب اپنی ننھی سی عقل پر زور ڈالنا بند کرو۔کھانا لا رہی ہوں میں ....اور سنواب دوبارہ نانی کے اوپر مت چڑھ جانا.‘‘ وہ باہر نکل گئی خوش نصیب جلدی سے دوبارہ نانی کے لحاف میں گھس گئی۔

☆......☆......☆

بشام پر ایک خوبصورت صبح طلوع ہوئی تو قبرستان والی چوٹی پر کھڑا معاویہ دکھائی دینے لگا۔اس نے آج اپنی کالی لیدر جیکٹ پہنی تھی اور سر پر چترالی ٹوپی پہن رکھی تھی۔نم ہوا میں کپکپا دینے والی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔اس کا چہرہ بالخصوص ناک سردی سے لال ہو رہی تھی۔

معاویہ کی پیشانی پر بل پڑے تھے اور آنکھوں میں مایوسی کی لہر تیرتی دکھائی دیتی تھی۔وہ گردن جھکائے نیچے دریا کی روانی کو دیکھ رہا تھا لیکن بظاہر وہ کہیں اور دیکھ رہا تھا۔اس کا دماغ فلک بوس کی راہداریوں میں گردش کرتا پھرتا تھا۔

وہ راز جو اس سے کھلتا نہ تھا اور جسے کھولنے کی کنجی بھی فلک بوس کے تہہ خانے میں دبی رہ گئی تھی۔تو یہ راز اب ایک ذہنی آزار بن کر اس کا سکون برباد کر رہا تھا۔

کافی فاصلے پر وسامہ کی قبر تھی جس کے سرہانے اکڑوں بیٹھی اور کالی چادر میں لپٹی آئے کت قبر پر پھیلے سوکھے پتے اور ٹہنیاں ہٹا رہی تھی۔وہ نرمی اور سست روی سے یہ کام کر رہی تھی۔ایسے ہی وہ وسامہ کے بال سہلایا کرتی تھی۔اس نے ہاتھوں سے ہی قبر کے احاطے کو

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

صاف کیا تھا۔

دور سے ہی اس نے معاویہ کو دیکھا۔ وہ ابھی تک نیچے دیکھ رہا تھا معاً اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ کی کرنیں دکھائی دینے لگیں۔ پھر اسے نے دایاں ہاتھ جیکٹ کی جیب سے نکالا اور wave کرنے لگا۔

آئے کت نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعا مانگی، چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے قبر پر الوداعی نگاہیں ڈالیں اور بوجھل قدموں سے چلتی معاویہ کے پاس آ گئی۔

نیچے لب دریا چند مقامی بچے اپنے پالتو جانور چراتے ہوئے آگے جا رہے تھے۔ وہ خوش تھے اور اپنے کھیل میں مگن۔

آئے کت چپ چاپ معاویہ کے ساتھ کھڑی نیچے دیکھنے لگی۔ چند منٹ خاموشی سے سرک گئے۔

''تم نے کیمرے کی ریکارڈنگ چیک کی؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''صبح اٹھتے ہی یہی کام کیا تھا۔'' معاویہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''کوئی سراغ ملا؟'' آئے کت نے دبے دبے سے جوش کے ساتھ پوچھا۔

معاویہ نے مایوسی سے نفی میں گردن ہلا دی۔ آئے کت کا سارا جوش دھویں کا بادل بن کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ اس کاریڈور میں کوئی بھی نہیں تھا۔ تمہیں وہم ہوا ہوگا۔''

''میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں آئے کت!''

''وسامہ بھی یہی کہتا تھا۔'' آئے کت نے کسی قدر بیزار لہجے میں کہا تھا۔

''واپس چلتے ہیں معاویہ! ہمیں یہاں کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ بابا جان صحیح کہہ رہے تھے۔ ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں.. ہوا کا تعاقب کرنے والے کسی کھائی میں تو گر سکتے ہیں ہوا کو قید نہیں کر سکتے۔ وہ آسیب وسامہ کا وہم تھا یا کوئی حقیقت... اصل بات یہ ہے کہ وسامہ کے بعد اب ہم تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ چونک کر بولا۔ ''میری جان کو فلک بوس میں کیسے خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔''

''وسامہ بھی ایک وقت پر تمہاری طرح ہی باتیں کرنے لگا تھا۔ مجھے ڈر ہے وہ آسیب... اب تمہارے حواس پر قبضہ نہ جما لے۔'' اس نے خائف سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''عجیب باتیں کر رہی ہو۔'' وہ چڑ کر بولا۔ ''کبھی تم کہتی ہو فلک بوس میں کوئی آسیب نہیں ہے۔ وہ سب وسامہ کا وہم تھا اور کبھی تمہیں میری فکر ہونے لگتی ہے...''

''تمہاری فکر صرف اس لئے ہوتی ہے کیونکہ وسامہ کو تم سے بہت محبت تھی۔ تمہیں کچھ ہوا تو یقیناً وسامہ کو تکلیف ہوگی۔ مرے

ہوئے انسان کو کیا تکلیف پہنچانی۔'' آئے کت نے تیزی سے اور بیزاری سے کہا تھا لیکن صاف پتا چلتا تھا وہ اپنے ذہن کے کسی خیال کو رد کرنے کے لئے ایسے بول رہی ہے اور اپنے ہی کسی خیال سے تنگ ہو رہی ہے۔

معاویہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور بغور دیکھا۔ کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہو گیا۔

''میں نے سوچ لیا ہے۔ میں واپس استنبول چلی جاؤں گی۔'' آئے کت کہہ رہی تھی۔

''وہاں جا کر کیا کرو گی؟'' معاویہ اس کے ارادے پر حیران ہوا۔ ''بہن بھائی کوئی تھے نہیں۔ فادر کا کچھ پتا نہیں اور ماں کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ جہاں تمہارا کوئی نہیں ہے وہاں جا کر اب کیا کرو گی؟''

''میرا تو اب یہاں پر بھی کوئی نہیں ہے۔'' آئے کت نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پلٹ کر واپسی کے رستے پر قدم بڑھا دیئے۔

معاویہ چند سیکنڈ اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆......☆......☆

رات بھر وہ آدھی سوئی آدھی جاگی کیفیت میں کروٹیں بدلتی رہی۔ بار بار کانوں میں نامانوس سی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ کبھی لگتا کوئی چپکے چپکے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اس کا دل حلق میں آ کر ٹھہر جاتا کان لگا کر سننے کی کوشش کرتی تو پراسرار خاموشی کی بازگشت رہ جاتی۔ آنکھ لگتی تو آگ اور سیاہی سے بنی شکلیں آ کر ڈرانے لگتیں۔ یعنی کل ملا کر سکون اسے رات بھر نصیب نہ ہو سکا۔

فجر کی اذان کے وقت جا کر دل کو ذرا تسلی ہوئی تو ذہن بھی نیند کی وادی میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر روشن امی اور ماہ نور نے بھتیری آوازیں دیں لیکن وہ تو مُردوں سے شرط لگا کر سوئی تھی۔ کسمسائی بھی نہیں۔ دن چڑھے کہیں جا کر آنکھ کھلی وقت دیکھا تو گیارہ بجے تھے بے اختیار اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا کیونکہ جانتی تھی اب روشن امی سے نماز کے لئے نہ اٹھنے پر ڈانٹ پڑے گی۔ لیکن خیر آنکھیں مسلتی نیچے آ گئی۔

روشن امی اپنے ہیڈ کوارٹر مطلب کچن میں موجود تھیں ماہ نور غالباً جا چکی تھی۔

''ہو گئی تمہاری صبح؟'' اسے دیکھتے ہی روشن امی نے کہا۔

''نماز کے لئے تو اٹھا کرو خوش نصیب!'' انہوں نے سرزنش کی تو وہ آنکھیں مسلتے ہوئے بولی۔

''روز تو اٹھتی ہوں روشن امی! کل رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ صبح جا کر کہیں آنکھ لگی تھی۔''

''اچھا تو اب قضا ہی پڑھ لو۔''

''ہوں... پڑھتی ہوں۔'' وہ سست سی ہو رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔

''میں سوچ رہی ہوں تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہی دلوا دوں۔ گھر میں بیٹھ کر مکھیاں اڑانے سے بہتر ہے آگے پڑھ ہی لو۔'' روشن امی کہہ رہی تھیں۔

"جب میں نے کہا تھا تو آپ راضی نہیں تھیں۔ اب تو پورا سال بھی ضائع ہو گیا میرا۔"

"اس وقت ہاتھ تنگ تھا۔ تمہارے ابا کے حصے کی دکانیں کرائے پر چڑھ گئی ہیں سوچ رہی ہوں اشفاق بھائی صاحب سے بات کروں۔ ان دکانوں کا کرایہ ہمیں دے دیا کریں تو وہ کرایہ تمہاری پڑھائی کی مد میں خرچ کر لیں گے۔" وہ خاصی خوش امید نظر آ رہی تھیں اور ان کا خیال تھا ہر وقت اپنا حق مارے جانے کا رونا رونے والی خوش نصیب کم سے کم یہ سن کر بہت خوش ہو گی۔

"ابھی آپ بات کریں گی... اور تایا جان مانیں گے یا نہیں اس بات کی گارنٹی کون دے سکتا ہے۔"

اس کے جواب میں مایوسی جھلکتی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کہتی کہ کرائے کے پیسے لڑ جھگڑ کر حاصل کرے گی اور روشن آرا کو بھی اکساتی لیکن اس بار اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا اور یہی بات روشن آرا کو چونکا گئی تھی۔

"اتنی چپ چپ کیوں ہو؟... طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"میں ایک بات سوچ رہی تھی روشن امی!" اس نے میز کی سطح کھرچتے ہوئے جواب دیا۔

"کونسی بات؟"

"یہی کہ...." اس نے جان بوجھ کر جملے کو لمبا کیا کیونکہ تذبذب کا شکار تھی۔ اور بیوقوفی میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

یہی کہ... جن بھوت... دنیا میں کہیں ہوتے بھی ہیں یا نہیں؟"

"اب یہ بیٹھے بٹھائے جنوں بھوتوں کی یاد کہاں سے آ گئی؟"

چولہے پر رکھے پتیلے میں پیاز براؤن ہو چکی تھی روشن امی نے کٹی ہوئی لہسن میں پانی ملا کر پیاز پر ڈالا تو تڑکے کی تیز مزے دار خوشبو اور تیز آواز سارے کچن میں پھیل گئی۔

"وہ دراصل... رات میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا تھا... اسی لئے پوچھ رہی تھی۔" اس نے بات بنائی۔

"آیت الکرسی اور رات کو سونے کی دعا پڑھ کر نہیں سوئی تھی؟"

خوش نصیب نے بے اختیار سر کھجایا۔

"سمجھ گئی... بھول گئی تھی ناں؟... پتا نہیں تم کب ہوش مندی سے کام کرنا شروع کرو گی۔" روشن امی نے حسب عادت سرزنش بھی کر ڈالی تھی۔

"اچھا... جنوں کا تو بتائیں ناں۔"

"جس چیز کا قرآن پاک میں ذکر ہے اس سے ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔"

"لیکن روشن امی!...." اس نے پرسوچ انداز میں کہنا شروع کیا لیکن اسی وقت پچھلے دروازے سے شامیر اور عرفات ماموں کچن

میں داخل ہوئے۔

"کس چیز کا قرآن میں ذکر ہے؟" عرفات ماموں نے بس اتنا ہی سنا تھا سو آتے ہوئے سوال کیا۔

شامیر اور خوش نصیب کی آنکھیں ملیں۔ شامیر کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ خوش نصیب نے سٹپٹا کر آنکھیں پھیر لیں۔

"یہ کہ جن بھوت کا وجود دنیا میں ہے یا نہیں۔" روشن امی نے انہیں بتایا۔ "خوش نصیب نے رات کوئی ڈرؤانا خواب دیکھا ہے اب اسی کے بارے میں پوچھ رہی ہے۔"

"خوش نصیب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈر جاتی ہے؟.. میں تو سمجھا یہ بہادر لڑکی ہے۔" شامیر نے اسکے عین سامنے والی کرسی گھسیٹتے ہوئے اور اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

عرفات ماموں پھلوں کی باسکٹ سے ایک صحت مند سیب نکال کر اب چھری لینے شیلف تک چلے گئے تھے۔ روشن امی پہلے ہی اپنے کھانے کی طرف متوجہ تھیں۔ ان دونوں کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں تھا۔

"ہماری خوش نصیب تمہاری سوچ سے بھی زیادہ بہادر ہے۔" عرفات ماموں نے اس کا مورال ہائی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور آکر دوسری کرسی پر بیٹھ گئے۔ ساتھ ہی پلیٹ چھری اور سیب خوش نصیب کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کاٹ دو۔" اور خوش نصیب جو وہاں سے کھسکنے کے لئے پر تول رہی تھی ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔

"روشن کی بات بالکل درست ہے... جب قرآن میں اللہ پاک نے فرما دیا کہ اس نے ناری مخلوق پیدا کی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جھٹلا نہیں سکتی۔ سب سے بڑی بات شیطان بھی ایک جن ہی تھا فرشتہ نہیں تھا۔" عرفات ماموں نے بات جاری رکھی۔

"لیکن میں نہیں مانتی..." خوش نصیب نے نظریں جھکائے سیب کاٹتے ہوئے کہا دراصل وہ شامیر پر ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ ڈرتی نہیں ہے۔ خود کو بہادر ثابت کروانا جیسے اس کی سیلف ریسپکٹ کا معاملہ بن گیا تھا۔

"کیا جن بھوتوں کو کسی نے دیکھا ہے؟... اس بارے میں صرف مفروضے ہی بیان کئے جاتے ہیں۔"

"قرآن سے جنوں کی موجودگی واضح ہے۔" شامیر نے کن انکھیوں سے خوش نصیب کو دیکھتے ہوئے کہا تھا"... لیکن میں اس مخلوق پر یقین نہیں رکھتا۔"

خوش نصیب نے چونک کر شامیر کو دیکھا۔ کل جو کچھ اس نے کہا آج کی بات اس سے سو فیصد مختلف تھی۔

"اچھا!!!..." عرفات ماموں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے تم سے اس موضوع پر ایک صحت مندانہ بحث ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مجھے اس موضوع میں کافی دلچسپی رہی ہے۔ خصوصاً! حیات بعد الموت پر کافی کچھ پڑھ رکھا ہے میں نے۔ سنا ہے روحوں، جن اور فرشتوں کا ٹھکانہ cosmic world (عالم اثیر) ہے۔

روحیں اسی دنیا سے آئی ہیں اور وہیں واپس جائیں گی۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن مجھے قائل کرنا مشکل ہے۔۔" شامیر نے دوٹوک کہا۔"میں ہر چیز کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہوں اور جو چیز یا بات scientifically prove نہیں ہو سکتی میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔" وہ دوٹوک کہہ رہا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو ہم اسے scientifically ثابت کئے دیتے ہیں۔"عرفات ماموں نے مسکرا کر کہا تھا جواباً شامیر بھی مسکرایا اور ہاتھ سے ایسے انہیں اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو پلیز شروع کریں۔

"اگر آپ میرے خیالات بدل دیں مجھے خوشی ہوگی۔" وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

خوش نصیب بھی دلچسپی سے ان کی بات سننے لگی۔

"روح ایک ابدی حقیقت ہے لیکن جن یا موکل ایسی مخلوق ہیں جن سے بہت روایتیں جڑی ہوئی ہیں۔لوگ ان کے وجود کا انکار بھی کرتے ہیں اور اقرار بھی۔"

"دیکھو ہم انسان جن کیمیاوی مادوں سے مل کر بنے ہیں پوری کائنات کو بنانے کے لئے وہی ایٹم، گیس اور عناصر استعمال کئے گئے ہیں۔پھر ہم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ صرف دُنیا نامی اسی سیارے پر ہی زندگی کی تخلیق ممکن ہوئی ہوگی۔زمین کی تمام زندہ مخلوقات ایک قسم کے ایٹموں سے مل کر بنی ہیں ایک ہی قسم کی کیمیاوی تبدیلیوں کے دور سے گزرتی ہے۔اور انیرجی حاصل کرنے اور خارج کرنے کے لئے ایک سے ذرائع استعمال کرتی ہے۔.ممکن ہے اس کائنات میں کسی اور سیارے پر زندگی کے سروائیول کا فارمولا ہی کچھ اور ہو۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں...ذرا تفصیل سے بتایئے۔"شامیر نے کہا۔

عرفات ماموں نے تھوڑا توقف کیا اور بولے۔

"رکو...میں سمجھاتا ہوں...." انہوں نے داہنی ٹانگ بائیں پر منتقل کی اور کہنے لگے۔

"میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا اور ہم سب بھی جانتے ہیں کہ...زمین پر آکسیجن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔لیکن ہم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جہاں آکسیجن نہیں ہے وہاں زندگی کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔آکسیجن کے حصول کے سب سے بڑے ذرائع پودے، درخت اور سبزہ ہیں۔لیکن ایک وقت تھا زمین پر پھول پودے بھی نہیں تھے۔لیکن اسوقت بھی ایسی مخلوقات موجود تھیں جو آکسیجن کے بغیر زندہ رہ سکتی تھیں۔تو جب ایسی مخلوق اسی دنیا میں موجود ہے جو اپنی زندگی کے سروائیول کے لئے آکسیجن کی محتاج نہیں ہے۔تو کسی دوسرے سیارے پر کسی دوسری مخلوق کے پیدا ہونے کے چانسز کو ہم کیسے اگنور کر سکتے ہیں...ممکن ہے وہ سیارہ مریخ ہو، زحل یا کوئی اور سیارہ ہو۔" انہوں نے سوچتے ہوئے کہا

"مریخ پر زندگی کا کوئی چانس نہیں ہے۔" شامیر نے زیرِ لب مسکرا کر کہا۔"وہاں اتنی ٹھنڈ ہے کہ کسی قسم کی زندگی کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔“

”جس مخلوق کی تخلیق ہی آگ سے کی گئی ہے اسے ٹھنڈ سے کیا فرق پڑ سکتا ہے...“ عرفات ماموں نے مسکرا کر کہا اور گیند جیسے اپنے کورٹ میں ڈالی۔

”ویسے بھی سائنس کہتی ہے کائنات میں زندگی کئی شکلوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ عین ممکن ہے زندگی کا ایک چہرہ یا لباس وہ ہو جو ہمیں جن، بھوت، پری یا فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔“ عرفات ماموں اپنی بات پر بضد تھے۔

”لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے جنوں کی دنیا کوئی اور ہے۔“ خوش نصیب نے بے ساختہ کہا۔ ”ہماری دنیا میں ان کا کیا کام؟“

”بالکل۔“ روشن امی نے بھی کہا۔

”اماں کہا کرتی تھیں جنوں بھوتوں کی الگ دنیا ہوتی ہوئی۔ جیسے انسانوں کو ان کی دنیا میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے ویسے ہی جنوں کو انسانوں کی دنیا میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔“

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ آنٹی!“ شامیر نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ بحث سمیٹی۔ پھر اس نے عرفات ماموں کی طرف دیکھا اور کہا۔

”میں آپ کی بات مان لیتا ہوں کہ جن بھوت کا وجود ہوتا ہے لیکن اس بات کو بھی ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ان کی دنیا میں مداخلت کیئے بغیر وہ ہماری دنیا کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

وہ اتنا پُراعتماد نظر آرہا تھا کہ خوش نصیب اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پتا نہیں اس کا کون سا چہرہ اصلی تھا وہ جو کل رات اسے دکھائی دیا یا یہ جو اب ناری مخلوق کے وجود سے ہی انکاری نظر آرہا تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن خوش نصیب کو ایسا لگا جیسے وہ کسی بڑی مشکل میں پھنسنے والی ہے۔ اس وقت سب کے درمیان بیٹھے اس نے تہیہ کیا وہ دوبارہ شامیر کی باتوں میں نہیں آئے گی۔ اچھے مستقبل کے حصول کا یہ طریقہ جو خوش نصیب اختیار کرنے جارہی تھی۔ وہ اپنے پورے کلیئے سمیت ناکام ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

قبرستان سے واپسی پر وہ سیدھا فلک بوس آنے کی بجائے وادی میں پھرتے رہے اور وادی کی مارکیٹ میں بے سبب دکانیں چھانتے ہوئے انہوں نے کچھ وقت گزارا۔ ایسے پھرتے ہوئے ان دونوں کے ہی ذہن میں وہ تمام باتیں گونجنے لگیں جن کے بارے میں پتا چلا تھا وادی میں ان دونوں کے بارے کی جارہی ہیں معاویہ کو تو خیر ان باتوں کی زیادہ پرواہ نہیں تھی سو اس نے سر جھٹک کر ان خیالات کو رفع کر دیا۔ آئے کت البتہ محتاط ہو چکی تھی۔ اس نے معاویہ سے کہا۔

”ہمیں واپس چلنا چاہیئے... ایسا نہ ہو پھر کسی کو کچھ کہنے کا موقع مل جائے۔“

''کیا مطلب؟...کیسی باتیں؟'' وہ سمجھ گیا تھا لیکن پھر بھی لاتعلقی سے پوچھا۔

''وہی جو...ماما جان کہہ رہی تھیں۔'' وہ جھجک کر بولی۔''ہم لوگوں کے ذہنوں کو سوچنے اور زبانوں کو باتیں بنانے سے نہیں روک سکتے۔میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ماما جان اور بابا کو تکلیف نہ پہنچے...وہ دونوں...شائد عدت پوری نہ کرنے پر مجھ سے ناراض بھی ہیں۔'' اس نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا تھا۔

معاویہ نے اسے دیکھا اور ایک گہری سانس بھر کر اس کی ساری احتیاط پسندی کو ہوا میں اڑا دیا۔

یخ ہوا کہیں سے بادلوں کے ٹکڑے اڑا لائی تھی اور ہوا کے ہی زور سے بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔معاویہ نے اپنی جیکٹ کے کالر کی زپ کھول کر کالر کو کانوں تک چڑھا لیا۔

آئے کت نے چھتری کھول کر سر پر تان لی لیکن سردی کی شدت سے اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔اسے دیکھ کر ایک ٹی سٹال پر معاویہ چائے پینے بیٹھ گیا۔

''بارش کو رک جانے دو۔پھر چلتے ہیں۔''اس نے اطمینان سے کہا۔

آئے کت جلد از جلد واپس جا کر اپنا سامان سمیٹنا چاہتی تھی لیکن ناچار اسے رکنا پڑا۔معاویہ اتنا ضدی تھا کہ اس کی نہ کو ہاں میں بدلا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

ٹی اسٹال ایک چھوٹی سی دکان کے اندر بنا ہوا تھا۔دکان کے مالک نے انہیں بیٹھنے کے لئے لکڑی کا بینچ فراہم کیا اور گرما گرم چائے کی بھاپ اڑاتی پیالیاں پیش کیں ساتھ میں بسکٹ جیسے کچھ سنیکس کی پلیٹ وہ لیکر آیا ان سنیکس پر سفید تل لگے ہوئے تھے اور ان کی خوشبو اتنی دلفریب تھی کہ وہ دونوں کھانے سے انکار کر ہی نہیں سکے۔وہ دونوں چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے باہر دیکھنے لگے۔بارش موتیوں کی طرح برس رہی تھی۔ڈھلوانی سڑک بھیگ کر اپنا اصل رنگ کھو چکی تھی اور صبح کی تر و تازہ روشنیوں کو بادلوں کے مٹیالے پن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

کچھ دیر میں بادل گرجنے لگے اور بجلی کی کڑک سے بشام گونج اٹھا۔

''مجھے لگ رہا ہے...استنبول جانے کا تمہارا فیصلہ غلط ہے۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد معاویہ نے خاموشی کے اس حصار کو توڑا جو ان دونوں کو بار بار اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔لیکن اس نے اپنی آواز بیحد مدھم رکھی کیونکہ دکان کے اندر ان دونوں کے علاوہ بھی چند لوگ موجود تھے جو اس بے وقتی بارش سے پناہ لیکر وہاں آ گئے تھے۔اور آپس میں باتیں کرتے ،سردی سے ہاتھ آپس میں رگڑتے بارش کو دیکھ رہے تھے۔ان سب کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔

آئے کت نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''میں یہاں رہ کر بھی کیا کروں گی معاویہ! وسامہ تھا تو میری ہر خوشی اسی سرزمین سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی تھی... لیکن اب۔'' وہ پھر سے باہر دیکھنے لگی۔

''سچ کہوں تو ایک آخری سہارا یہ بچہ ہی ہے.. ورنہ وسامہ کے بعد تو زندہ رہنے کی کوئی لا جک ہی نہ بچتی میرے پاس۔'' وہ بہت دکھی ہو کر کہہ رہی تھی۔

''پھر تم ڈلیوری کے بعد چلی جانا... اکیلے جا کر تمہیں دقت ہو گی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''تم بات نہیں سمجھے۔ زندہ رہنے کی لا جک ہے میرے پاس۔ لیکن زندگی گزارنے کے اسباب تو مجھے خود بنانے ہونگے۔ اپنا اور اس بچے کا پیٹ بھرنے کے لئے پیسہ کمانا ہے گھر تلاش کرنا ہے۔ اور یہ سب کام جتنی جلدی شروع کرلوں اتنا ہی بہتر ہو گا۔''

''تم ان سب چیزوں کی کیوں فکر کر رہی ہو۔'' معاویہ نے جھنجھلا کر خالی پیالی میز پر رکھی۔ ''جب تک میں ہوں تمہیں کسی چیز کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہارا احسان لینا نہیں چاھتی۔'' اس نے دو ٹوک کہا۔

''یہ احسان نہیں ہے۔ وسامہ کے بعد تم میری ذمہ داری ہو اور میں یہ ذمہ داری آخری دم تک نبھاؤنگا۔'' وہ چھوٹا سا لڑکا بہت بڑی بات بول رہا تھا۔

آئے کت نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا اور سمجھنے کی کوشش کی کہ اس کی بات کا کیا مطلب ہے۔

''اور یہ ذمہ داری تمہیں کس نے سونپی ہے؟''

''وسامہ نے۔'' اس نے ترنت کہا۔ آئے کت چپ سی رہ گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''وسامہ نے جذباتیت میں ایک بات کہہ دی ہو گی لیکن میں تم پر بر ڈن نہیں ڈالنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں تم بے فکری سے اپنی زندگی جیو.. اور... اور میرے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دو۔'' وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر کی طرف بڑھی۔

معاویہ پہلے حیران ہوا پھر لپک کر اس کے پیچھے آیا۔ ''ابھی بارش رکی نہیں ہے تم کہاں جا رہی ہو؟''

''بارش ہلکی ہو گئی ہے.. لیکن بادلوں کو دیکھ کر لگتا ہے ابھی تھوڑی دیر میں دوبارہ تیز بارش شروع ہو جائے گی.. اس سے پہلے میں فلک بوس پہنچنا چاہتی ہوں۔'' اس نے ہاتھ باہر نکال کر چھتری کھولی سر پر تانی اور سڑک کی چڑھائی پر مضبوطی اور احتیاط سے قدم رکھنے لگی۔

معاویہ نے جھنجھلا کر اس کی عقل کو۔ جس نے ایسے موسم میں بنا سوچے سمجھے اسے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ کو سات سلام بھیجے اور بگلے کی طرح گردن کندھوں میں دھنسا کر اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆......☆......☆

ذرا دوپہر ڈھلے وہ فریحہ کی طرف چلی آئی۔ ذہن پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ اس کیفیت سے جان ہی نہیں چھڑوا پا رہی تھی۔ لیکن یہاں آ کر پتا چلا فریحہ کچھ روز کے لئے اپنے آبائی گاؤں گئی ہوئی تھی۔ خوش نصیب منہ بنا کر باہر نکل آئی۔

اب کس سے بات کرے؟ چالاک تھی، ہوشیار تھی (بقول اس کے) کالی زبان والی تھی لیکن تھی تو انسان اور دیگر انسانوں کی طرح دل کا بوجھ کم کرنے کے لئے اسے بھی کسی انسان کی ہی ضرورت تھی جو بیٹھ کر اس کی بات سنے۔

بے ساختہ اسے کیف یاد آنے لگا۔ وہ چڑاتا تھا، تنگ کرتا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب خوش نصیب کی سننے کے لئے کوئی موجود نہیں ہوتا تھا تب بھی کیف موجود رہتا تھا۔ وہ اس کی بات نہ صرف سنتا تھا بلکہ باتوں ہی باتوں میں اس کی برین واشنگ بھی کر دیتا تھا بالکل ایسے جیسے کوئی ماہر نفسیات اپنی باتوں سے مریض کو ہلکا پھلکا کر دیتا ہے اور بچپن کی دشمنی کے زیر اثر خوش نصیب نے کبھی منہ سے یہ بات تسلیم نہیں کی مگر دل سے وہ کیف کی اس صلاحیت کی معترف تھی۔

ایسے ہی بیزار بیزار سی وہ فضل منزل کی طرف چلی جا رہی تھی کہ کالی اوڈی نے اس کا راستہ روک لیا۔ خوش نصیب نے دیکھا اسٹیئرنگ سنبھالے شامیر مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ ایسے ہی مسکراتا ہوا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا اور خوش نصیب کے لئے دروازہ کھول دیا۔

''بیٹھو۔''

متذبذب سی خوش نصیب دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''نن..نہیں...میں۔''

''بیٹھ جاؤ خوش نصیب! اتنا سوچنے کی کیا بات ہے۔'' وہ حیران ہوا۔ ''ویسے بھی سب لوگ دیکھ رہے ہیں ایسے بیچ راستے میں کھڑے رہنا مناسب نہیں لگتا۔''

خوش نصیب نے ادھر ادھر دیکھا۔ ذرا دیر سوچا پھر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

شامیر نے اپنی سیٹ سنبھال کر ریس پر پاؤں رکھ دیا۔

''تم ڈر گئی ہو؟...''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو خوش نصیب! ہم سب کی زندگیوں میں کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور ہوتی ہیں جنہیں ہم سب سے چھپا کر رکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہر راز ہم ہر ایک کے سامنے تو نہیں کھول سکتے۔ لیکن تم میری زندگی میں خاص جگہ رکھتی ہو..مجھے لگا میرے سیکرٹس میرے انٹرسٹس تمہیں پتا ہونے چاہئیں ...اور چونکہ میں خود تمہارے ساتھ اتنا honest ہوں تو میں ایسی ہی honesty کی امید تم سے بھی رکھتا ہوں..محبت اتنا حق تو دو لوگوں کو ضرور دیتی ہے کہ وہ اپنا ہر راز ایک دوسرے سے شیئر کریں۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بہت سنجیدگی سے بول

رہا تھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ....." خوش نصیب ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"کون دو لوگ؟ کس کی محبت؟...دیکھو شامیر! تمہیں کوئی بہت ہی بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں نے دو بار ہنس کر تم سے بات کیا کر لی۔ تم نے پتا نہیں کیا کیا فرض کر لیا...دیکھو میں ایسی ہی ہوں۔ ہر ایک سے ہنس کر بات کر لیتی ہوں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم مجھے اپنی محبت میں مبتلا سمجھو۔" اس نے ایک منٹ میں فیصلہ کیا کہ شامیر کو ہر طرح کی خوش فہمی سے نکال باہر کیا جائے۔

اب ہکا بکا ہونے کی باری شامیر کی تھی۔

"کک...کیا؟...کیا کہہ رہی ہو تم؟" اس کی پرسنیلٹی کے سارے رنگ تپش پر رکھی موم کی طرح پگھلتے چلے گئے تھے اور اس وقت وہ انگلش فلموں کا ہیرو کم پنجابی فلموں کا وہ مسخرہ دوست لگنے لگا تھا جس کے گول چہرے کو کیمرہ فریم میں رکھ کر سب سے زیادہ مزاحیہ سین پکچرائز کیئے جاتے ہیں۔

"بب...بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے سخت سے تاثرات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور جان بوجھ کر شامیر کی طرف سے نظریں پھیر لیں مبادہ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے خیالات بدل ہی نہ دے۔

"تم ہمارے مہمان ہو اور مہمانوں کے ساتھ ہم ایسے ہی دوستانہ انداز میں پیش آتے ہیں ذات کے راجپوت ہیں مہمان نوازی تو سمجھو ختم ہے ہم پر۔" گردن اکڑا اور اترا کر بولی۔

شامیر چپ چاپ سامنے دیکھنے لگا لیکن اس کا چہرہ ابھی ایسے غم کی داستان سنا رہا تھا جس نے اس کی ساری شخصیت کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا ہو۔

خوش نصیب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور آنسہ ہوشیار کا دل پسیج کر رہ گیا۔ بڑا ہی دکھ ہوا اسے شامیر کو اُداس دیکھ کر۔

"دیکھو شامیر!...ایم سوری اگر تم ہرٹ ہوئے ہو تو...." اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن سچ یہی ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو صرف صیام اور فضیلہ چچی کو چڑانے کے لئے تمہارے ساتھ کچھ زیادہ فرینک ہو کے بات کر رہی تھی۔" اس نے کہہ تو دیا لیکن ڈرتے ڈرتے۔ کیونکہ دل سے جانتی تھی اس نے غلط کیا ہے۔

شامیر سر پکڑے بیٹھا تھا اس کا وہ حال تھا جیسے سمجھ ہی نہ پا رہا ہو اب کیا کہے اور کیا نہیں۔

"مجھے پتا ہے میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے...لیکن..."

"پلیز اب کچھ مت کہو۔" شامیر نے بوجھل آواز میں منت سے کہا اور گیئر بدلتے ہوئے بولا۔

"یہ صدمہ بہت شدید ہے...مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"شامیر!...میں تو..."

"پلیز خوش نصیب! میں نے تم سے کہا ناں اب کچھ مت کہو۔" اس نے اس بار جھنجھلاہٹ آمیز منت کے ساتھ کہا تھا۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم میرے فیلنگز کے ساتھ کھیل رہی ہو۔۔۔"

"اللہ معافی...میں کیوں کھیلوں گی؟...مجھے تو ویسے ہی گیمز میں دلچسپی نہیں ہے۔" وہ دل ہی دل میں منمنائی تھی۔

"برا کیا ہے تم نے...بہت ہی برا۔" وہ جیسے روانکھا ہی ہو گیا تھا۔

"زندگی میں پہلی بار کسی کو میں نے اپنے راز میں شریک کیا تھا...مجھے لگا صرف تم ہو جو مجھے سمجھ سکتی ہو اور تم...." وہ جذباتی ہو رہا تھا

"راز؟" اسے یاد آیا۔ "وہ جنات والا؟"

شامیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کوئی نہیں جانتا کہ میرے پاس موکل ہیں میں غیر انسانی مخلوق سے نہ صرف بات کر سکتا ہوں بلکہ ان کے ذریعے کوئی بھی کام کروا سکتا ہوں..." وہ بولتا جا رہا تھا اور خوش نصیب کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا اور ڈر کے مارے اس کی آنکھیں بھی پھیل رہی تھیں۔

"....یہ ایسا راز ہے جس سے میرے انتہائی قریبی لوگ بھی واقف نہیں ہیں حتیٰ کہ میرے پیرنٹس بھی نہیں..."

"اور یہ...یہ موکل..تمہیں ملے کہاں؟..." خوش نصیب کی آواز حلق میں ہی گھٹ رہی تھی۔

"میری ماما ایک پیر صاحب کی پیروکار رہ چکی ہیں۔ بچپن میں وہ مجھے ہر جمعرات کو لیکر پیر صاحب کے آستانے پر جایا کرتی تھیں۔"

"تم تو ساری زندگی یورپین کنٹریز میں رہے ہو..وہاں بھی کیا پیر اور ان کے آستانے ہوتے ہیں؟"

"بہت زیادہ۔" شامیر نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ "پاکستانی اور انڈین نژاد پیروں فقیروں کو بہت مانتے ہیں اور ان کا بہت احترام بھی کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پر ایسے آستانے نہیں بنے ہوتے جیسے میں یہاں پاکستان میں دیکھ چکا ہوں۔ خیر...انہی پیر صاحب کی دعا کے طفیل وہ موکل یا جن کہہ لو میرا دوست بن گیا۔ اس کا نام جبار ہے اور وہ بیشتر وقت میرے ساتھ ہی رہتا ہے...اسوقت بھی وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔" اتنا کہنے کی دیر تھی کہ گاڑی کی چھت خوش نصیب کے سر پر آن گری۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ حلق میں سانس اٹک گئی اور دل تیز گام کی رفتار سے دوڑنے لگا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے بدقت گردن موڑ کر پیچھے دیکھا لیکن یہ کیا۔ وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پوری کی پوری سیٹ خالی پڑی تھی۔

خوش نصیب کی ذرا جان میں جان آئی۔

"لیکن پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"جبار ہر ایک کو نظر نہیں آتا۔" شامیر نے ایک بار پھر آرام سے کہا اور ایک بار پھر خوش نصیب کا ڈر کے مارے برا حال ہو گیا۔

''پپ..پلیز شامیر! گاڑی روک دو...مم...میں اترنا چاہتی ہوں۔'' خوف کے مارے کانپتے دل اور لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ اس نے التجا کی۔

''کیا تم ڈر رہی ہو؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا پھر بولا۔''پریشان مت ہو میرے دوستوں کو جبار کچھ نہیں کہتا۔''

''نن..نہیں...تم پلیز گاڑی روک دو۔'' وہ بضد تھی خدا جانے جو نظر نہیں آ رہا تھا وہ پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر اس کا گلا ہی دبا دیتا۔ جو نظر آئے کم سے کم انسان اس کی طرف سے محتاط تو رہتا ہے۔

''اچھا ایک منٹ...'' اس نے گاڑی روک دی۔

''جبار! خوش نصیب کو ڈر لگ رہا ہے...تم پلیز گاڑی سے اتر جاؤ۔'' شامیر نے پیچھے گردن موڑ کر کہا اور اگلا لمحہ خوش نصیب کے لئے اور بھی تعجب خیز تھا اس کی آنکھیں ایک بار پھر کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں کیونکہ شامیر کی بات کے فوراً بعد گاڑی کا پچھلا دروازہ خود بخود کھل گیا تھا۔ چند سیکنڈ کا توقف ہوا اور پھر دروازہ باہر سے دھکیل کر بند کر دیا گیا۔ اس سارے عمل کے دوران نہ کوئی ٹھوس وجود خوش نصیب کو دکھائی دیا تھا نہ اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

شامیر نے مڑ کر دوبارہ اسٹیئرنگ سنبھالا اور کھڑکی سے منہ نکال کر جبار سے بولا۔

''سنو...تم سیدھے فضل منزل چلے جاؤ اور خوش نصیب کے تایا جان سے بات کر کے اس کا مسئلہ حل کروا دو۔'' ساتھ ہی گاڑی سے باہر اس نے کسی کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ بھی کہا تھا۔

خوش نصیب ہونقوں کی طرح منہ کھولے کبھی شامیر کو تو کبھی گاڑی سے باہر اس نادیدہ مخلوق کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جس کا نام جبار تھا اور خدا ہی جانے وہ تھا بھی یا نہیں تھا۔

گاڑی جوں ہی آگے بڑھی اس نے بدقت تھوک نگل کر اپنا خشک ہوتا حلق تر کیا اور سکڑ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اگر چند منٹ کے لئے یہ تصور کر لیا جائے کہ شامیر کی باتوں میں صداقت تھی تو سچ بات تو یہی ہے بھائی! کہ شامیر ایک خطرناک انسان تھا۔ اور خوش نصیب کو بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ غلط بندے سے پنگا لے بیٹھی ہے۔ یہی اس کی جگہ کیف ہوتا تو کوک کے ساتھ شامی کباب والا برگر کھا کر بھی راضی ہو جاتا۔ بیچارہ معصوم لڑکا۔

لیکن ایک منٹ۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ شامیر سچ ہی بول رہا تھا۔ یکایک خوش نصیب کو اپنے بونگے پن کا احساس ہوا اور وہ گردن اکڑا کر بیٹھ گئی۔

''میں سمجھ گئی...'' اس نے کہا۔''تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔''

وہ دنگ رہ گیا۔''میں تمہیں کیوں بیوقوف بناؤں گا؟''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

"یہ مجھے نہیں پتا.." وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی تھی۔ضدی ہٹ دھرم بلا کا پر اعتماد لہجہ۔

"لیکن اتنا بتادوں تم مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ہاں البتہ یہ کوشش صیام کے ساتھ کی ہوتی تو کامیابی ضرور تمہارے قدم چوم سکتی تھی۔"

"میں تمہیں کیوں بیوقوف بناؤنگا...محبت نہیں کرنی مت کرو کم سے کم میری فیلنگز کو جھوٹا تو مت کہو۔" وہ برا منا کر بولا تھا۔

"میں تمہاری فیلنگز کو کچھ نہیں کہہ رہی میں تو اس جبار نامی ڈرامے کی بات کر رہی ہوں۔" وہ تنک کر بولی تھی۔

"میں نہیں مانتی تمہارے پاس کوئی جن ون ہو سکتا ہے...یہ سب دھوکہ ہے۔محض نظر کا دھوکہ۔" وہ بضد تھی۔

شامیر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"دھوکہ؟...نظروں کا ہیر پھیر؟...ابھی جب جبار جا کر تمہارے تایا کو راضی کرے گا کہ تمہارے ابا کی دکانوں کا کرایہ تمہیں دیا کرے تو تمہیں جبار کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔"

"ایک بار پھر خوش نصیب کے سر پر آسمان گرا۔

"تمہیں یہ کرائے والی بات کیسے پتا چلی؟" اس نے شاکڈ ہو کر پوچھا۔

"جبار مجھے سب کچھ بتا چکا ہے۔" شامیر نے کہا۔"انفیکٹ مجھے تو جبار نے یہ بات بھی پہلے ہی بتا دی تھی کہ تم نے مجھ پر تعویذ کروائے ہیں۔لیکن جب صیام نے بتایا تو میں نے openly یہ بات کر کے تمہیں شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا.."

خوش نصیب تھوڑی سی دیر کے لئے شرمندہ ہوئی پھر ہٹ دھرمی سے بولی۔

"میں پھر بھی یہی کہونگی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"جو مرضی سمجھو...لیکن اگلے کچھ روز کے لئے میں نے جبار کی ڈیوٹی لگا دی ہے...وہ تمہارے پرابلمز سولو کرواتا رہے گا.."

خوش نصیب نے ایسے سر جھٹکا جیسے کہہ رہی ہو مجھے ابھی بھی یقین نہیں آیا۔

"ہمارے پرابلمز تو ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہے ہیں...دنیا کی کوئی طاقت انہیں حل نہیں کرا سکتی۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

بارش کی وجہ سے سڑک پر پیر جمانا مشکل ہو رہا تھا۔وہ چار قدم آگے بڑھتے تو لگتا دو قدم پیچھے پھسل رہے ہیں۔

فلک بوس سے ذرا پہلے معاویہ نے ایک ذیلی پگڈنڈی کی طرف رخ موڑ لیا۔ایک طرف کھائیاں تو دوسری طرف یہاں درختوں اور خودرو جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔دور دور تک ان دونوں کے سوا کوئی ذی روح دکھائی نہ دیتا تھا۔

"یہ شارٹ کٹ ہے...ہم جلدی پہنچ جائیں گے۔" اس نے آگے بڑھ کر آئے کت کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔اور قدم آگے

http://kitaabghar.com

بڑھادیئے۔ چند قدم آگے جا کر احساس ہوا وہ اکیلا ہی آگے بڑھ رہا ہے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آئے کت وہیں متذبذب سی کھڑی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"یہاں بہت کیچڑ ہے معاویہ! ...ہم پھسل سکتے ہیں۔" وہ فکرمندی سے داہنے ہاتھ پر منہ کھولے کھڑی کھائیوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

معاویہ الٹے قدموں واپس آیا اور بایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ آئے کت نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو بولا۔

"میں تمہیں گرنے نہیں دونگا۔"

آئے کت ایک بار پھر متذبذب ہوئی لیکن پھر اس نے اپنا ہاتھ معاویہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اب وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ معاویہ نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور درختوں اور خودرو جھاڑیوں کو راستے سے آئے کت کی سہولت کے لئے ہٹاتا جا رہا تھا۔ آئے کت ایک ہاتھ سے چھتری پکڑے اور دوسرے ہاتھ سے معاویہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے اوپر چڑھ رہی تھی۔

اس کی سانس بھی پھول چکی تھی۔

"تمہارے اس کورس کا کیا ہوا؟" اوپر چڑھتے ہوئے آئے کت نے پوچھا۔

"کونسا کورس؟" معاویہ نے ایک نظر اسے گردن موڑ کر دیکھا

"وہ جو تم کیلیفورنیا یونیورسٹی سے کرنا چاہتے تھے؟...کیا نام تھا اس کا۔" آئے کت نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے صرف اتنا یاد ہے تم اس سال کے آخر تک کوئی کورس کرنے کے لئے جانا چاہتے تھے۔" اس نے نام یاد نہ آنے پر ناکام ہو کر کہا۔

"اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے...اس سال کے آخر تک میں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ "کچھ اور" کیا ہے۔" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے وسامہ کی موت کا معمہ حل کرنا ہے...ہر حال میں۔" وہ سنجیدگی سے اور دوٹوک انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کاش میں تمہارا ساتھ دے سکتی۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد آئے کت نے کہا تھا۔

معاویہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"تم میرا ساتھ دے سکتی ہو۔" اس کا انداز سادہ تھا۔ لیکن لہجے میں اصرار بولتا تھا۔

آئے کت اسوقت اس کا ہاتھ پکڑے ایک بڑے پتھر پر پیر جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بارش کی کن من میں شدت آ گئی تھی اور

http://kitaabghar.com

چھتری ہٹ جانے سے آئے کت بھی بھیگ گئی تھی۔ان دونوں کی نظریں ملیں۔معاویہ کی آنکھوں میں اصرار تھا تو آئے کت کی آنکھیں لاچاری کے بوجھ سے جھک گئیں۔

"تم جانتے ہو یہ ممکن نہیں ہے۔."

"دنیا میں ناممکن کچھ نہیں ہوتا...اور یہ تم بھی بہت اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ آگے چل پڑا۔

"تم ماموں اور ممانی کے ساتھ واپس چلی جاؤ...میں ابھی کچھ دن اور فلک بوس میں رکوں گا۔"

"لیکن معاویہ!"

".میں فیصلہ کر چکا ہوں اور کسی کی کوئی بات میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔"

تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ بے دھیانی میں اس نے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔یہ بالکل غیر ارادی حرکت تھی۔آئے کت اپنی جھونک میں اور کسی قدر معاویہ پر انحصار کرتے ہوئے پیر آگے بڑھا رہی تھی۔معاویہ کے ہاتھ کو جھٹکنے پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔سنبھلنے کے لئے اس نے چٹان کا سہارہ لینا چاہا لیکن اس کوشش میں اس کے پیروں کے نیچے سے پتھر پھسلتے چلے گئے۔اوران پھسلتے پتھروں کے ساتھ وہ خود بھی تقریباً دس فٹ گہری کھائی میں پھسلتی چلی گئی۔

"معاویہ!" آئے کت کی چیخ بادلوں کی گرج کے ساتھ وادی میں گونجی۔

"آئے کت!" معاویہ نے حواس باختہ ہوتے ہوئے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں وہ منہ کے بل نیچے کیچڑ میں گرا۔اس کے باوجود اس کے حواس اتنے بحال رہے کہ اس نے آئے کت کو بچانے کی کوشش ترک نہیں کی اور آئے کت کی آستین کا کنارہ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

"میرا ہاتھ پکڑو...جلدی کرو میرا ہاتھ پکڑو۔"

وہ کیچڑ کے ساتھ ناہموار چٹان پر مسلسل نیچے کھسکتا جا رہا تھا۔وہ اپنے پیروں کو تیز تیز حرکت دے رہا تھا اسے کسی ایسے سہارے کی ضرورت تھی جس کے ذریعہ خود کو نیچے کھائی میں گرنے سے بچا سکے۔دوسری جانب وہ آئے کت کی آستین کو مسلسل کھینچتا اس کا ہاتھ یا کلائی قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آئے کت کے لئے کھائیوں میں موت کا اژدھا منہ کھولے کھڑا تھا کہ اب وہ اپنی زندگی بچانے کی تگ ودو ترک کرے اور کب اس کا لقمہ بنے۔جیسے ہوا میں معلق آئے کت کا خون ہی خشک ہو چکا تھا۔بارش اسے اوپر معاویہ کی طرف دیکھنے نہ دیتی تھی اور نیچے گہری ناہموار کھائیوں کی دہشت اسے مرنے سے پہلے ختم کر دینا چاہتی تھی۔

"معاویہ!...مجھے بچاؤ....میں مرنا نہیں چاہتی۔" موت کے خوف نے جیسے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔وہ رو رہی تھی اور چلا رہی تھی

اور اپنی زندگی بچانے کے لئے مسلسل ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

"مم..میں تمہیں...کک...کچھ نہیں ہونے دوں گا..." وہ پوری جان کی طاقت لگا کر چلا رہا تھا۔ بلآخر اس کے پیروں نے ایک ٹھوس سطح کو چھوا معاویہ نے فوراً سے پیشتر اپنے پیر اس سطح میں پھنسائے اور دونوں ہاتھوں کو آگے کی طرف لٹکا کر سڑک کے کٹاؤ سے نیچے لٹک گیا۔

پوری مضبوطی سے اس نے آئے کت کی دونوں کلائیوں کو قابو کیا اور جتنی طاقت سے اسے اوپر کھینچ سکتا تھا کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔ بارش کی وجہ سے گرفت رکتی نہ تھی اور ان دونوں کے ہاتھ بار بار چھوٹ رہے تھے۔

پتا نہیں کتنی دیر کی اذیت اور محنت کے بعد وہ اسے اوپر لانے میں کامیاب ہو سکا تھا اور پھر وہ دونوں جیسے بے دم سے ہو کر وہیں کیچڑ زدہ زمین پر گر گئے تھے۔

موت کا سامنا بہرحال مر جانے سے زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

خوش نصیب اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا ماہ نور کے ساتھ فہمینہ بھی وہیں موجود تھی۔ روشن کروشیہ اور دھاگے سامنے رکھے کوئی ڈیزائن بنانے میں مصروف تھیں اور نانی حسب توقع تکیہ سے ٹیک لگائے نیم دراز بیٹھی تھیں۔

ماہ نور اور فہمینہ کے سامنے کینو کی باسکٹ رکھے ساتھ ساتھ کینو چھیل چھیل کر کھا رہی تھیں ساتھ ساتھ باتیں ہو رہی تھیں۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا ان کے ہاتھ زیادہ تیزی سے کینو چھیل رہے ہیں یا زبانیں زیادہ تیزی سے چل رہی ہیں۔

"یہاں تو پارٹی ہو رہی ہے...کینو کھانے کے لئے کسی نے میرا انتظار ہی نہیں کیا۔" وہ اندر آتے ہوئے بولی۔

"تم گھر پر ٹک کر بیٹھو تو کوئی تمہارا انتظار کرے۔" روشن امی نے حسب عادت اسے سرزنش کی۔ "تھی کہاں تم اب تک؟"

"اس نے کہاں جانا ہے۔ فریحہ کی طرف ہی گئی ہوگی۔" ماہ نور نے کہا۔

"جی ہاں...ملا کی دوڑ مسجد تک اور ہماری خوش نصیب کی دوڑ فریحہ کے گھر تک۔" فہمینہ شرارت سے بولی وہ دونوں مل کر اسے چڑا رہی تھیں۔ خوش نصیب نے اسے منہ چڑایا اور جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ غصے کے اظہار کے طور پر فہمینہ کے ہاتھ سے کینو جھپٹ لیا۔

"جی ہاں۔فریحہ کی طرف گئی ہوئی تھی میں...لیکن یہ پارٹی کس خوشی میں ہو رہی ہے؟"

"ارے اصل پارٹی تو تمہاری طرف سے ہوگی...وہ بھی تب جب یونیورسٹی میں تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا...بات سنو میں لارج سائز پزا کھاؤں گی۔"

"اللہ معافی...تم اپنی صحت دیکھو فہمی! اور اپنی خوراک پر دھیان دو..جتنا تم ایک وقت میں کھاتی ہو نارمل سائز کے چار لوگ اتنا

کھانا کھا سکتے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"ارے چپ کرو کیوں بچی کی صحت کو نظر لگا رہی ہو۔"

"اس بچی کا بھائی ہمیشہ میرے کھانے پینے پر نظر رکھتا ہے...تب تو آپ کو اعتراض نہیں ہوتا۔" اس نے ٹھنک کر روشن امی کو دیکھا۔

"بھائی سے یاد آیا۔" فہمینہ رازداری سے اس کی طرف جھکی اور شرارت سے بولی۔

"فون آیا تھا اس کا۔ بہت یاد کر رہا تھا تمہیں۔" فہمینہ کوئی مزے دار سا جواب سننے کی امید رکھتی تھی لیکن خوش نصیب نے کہا تو صرف اتنا۔

"یاد تو میں بھی کر رہی تھی اسے۔"

"کیف نے سنا تو خوشی کے مارے بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔"

"اسے کہو میرا ایک کام کر دے...اس کے بعد بھلے سے بے ہوش ہوتا پھرے یا کوما میں ہی چلا جائے۔"

"فٹے منہ تمہارا۔ کبھی تو کوئی اچھی بات کیا کرو۔" فہمینہ جل کر بولی تھی خوش نصیب قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"اچھا سنو...اگلی بار کیف سے بات ہو تو کہنا مجھ سے بھی بات کرے..ایک ضروری کام ہے مجھے اس سے۔"

"ایسا کونسا ضروری کام پڑ گیا کیف سے..ہمیں بھی تو بتاؤ۔" اس نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"فریحہ کی ایک کزن ماس کمیونیکیشن میں ایڈمیشن لینا چاہ رہی ہے...اسی کے بارے میں معلومات چاہیئے تھیں۔" اس نے ایک موٹی سی پھانک منہ میں رکھتے ہوئے بات بنائی۔

"اچھا کہہ دونگی...لیکن اب تو تم اپنے ایڈمیشن کا سوچا۔"

"ایڈمیشن کا ابھی کچھ پتا تو ہے نہیں۔"

"پتا کیوں نہیں ہے...روشن امی تمہارے ایڈمیشن کے لئے راضی ہو گئی ہیں۔" ماہ نور نے پرجوش انداز میں اسے خوش خبری سنائی۔

"ایڈمیشن تو تب ہوگا ناں جب ایڈمیشن کے لئے پیسے ہمارے پاس آئیں گے۔"

"پیسوں کی اب تم فکر مت کرو۔" روشن امی نے دھاگے لپیٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"میں نے صبح تمہیں دکانوں کے کرائے کی بات بتائی تھی ناں؟...اشفاق بھائی صاحب وہ سارا کرایہ ہمیں دینے پر راضی ہو گئے ہیں۔"

وہ اتنا خوش تھیں اس بات پر کہ خوشی ان کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''دیکھا...کتنے اچھے ہیں میرے ابو۔''فہمینہ نے دانت نکال کر کہا۔

اور خوش نصیب بجائے اس بات پر خوش ہونے کے مخمصے میں پڑ گئی۔روشن امی گیلری کی الماری میں کروشیہ اور دھاگے رکھنے گئی تھیں وہ تیزی سے اٹھ کر ان کے پیچھے آئی۔

''روشن امی! یہ کیا معاملہ ہوا ہے؟...تایا جان تو ایک کمرہ ہمیں دینے پر راضی نہیں ہو رہے تھے یہ اتنے سارے پیسے دینے کی ہامی کیسے بھر لی۔؟''

''میں تو خود حیران ہوں۔'' وہ الماری بند کر کے اس کی طرف پلٹیں تو بہت خوش لگ رہی تھیں۔

'تمہارے جانے کے بعد اشفاق بھائی صاحب نے مجھے بلوایا اور کہا کہ تمہارے ابا کی دکانوں کا سارا کرایہ اگلے مہینے سے وہ ہمیں دیا کریں گے۔صرف یہی نہیں پچھلے دو مہینوں کا کرایہ بھی انہوں نے مجھے دیا ہے...دیکھو تو خوش نصیب! تم ہمیشہ ان سب سے متنفر رہتی ہو...لیکن ان سب کو ہمارا کتنا خیال رہتا ہے...''روشن امی اور بھی بول رہی تھیں ایک چھوٹی سی فیورل جانے کے بعد ان کا دل خاندان والوں کے لئے اور بھی گداز ہو گیا تھا جبکہ خوش نصیب ششدر سی کھڑی رہ گئی تھی۔اسکے کانوں میں شامیر کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں۔

''میں نے جبار سے کہہ دیا ہے...وہ تمہارے سارے پرابلمز حل کروا دے گا۔''

اس کے دماغ میں جیسے چیونٹیاں سی چلنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

مونٹوک کے بے بادل آسمان پر ایک خوبصورت شام رات میں ڈھل رہی تھی۔ساحل سمندر کی طرف سے آنے والی ہوائیں خنک اور دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ایسے میں اس دو کمروں کے کاٹیج کی تمام بتیاں جلا دی گئی تھیں اور کھلی ہوئی کھڑکیوں سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔سامنے کی طرف چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں ایک طرف درخت کی شاخ سے پرانے ٹائر کا جھولا لگایا گیا تھا۔ٹائر کو خوبصورت رنگوں کی رسیوں کی گرہوں سے سجایا گیا تھا۔باغیچے سے برآمدے کی سیڑھیاں متصل تھیں جن کی تعداد چار سے زیادہ نہیں تھی سیڑھیوں کے دونوں طرف برآمدے کی گرل تھی۔

برآمدے میں دو دروازے کھلتے تھے۔ایک کاٹیج کا داخلی دروازہ تھا دوسرا دروازہ کاٹیج کے پچھلی طرف جانے والی گلی کی طرف لے جاتا تھا۔دروازے سے اندر داخل ہوں تو بالکل سامنے ٹی وی لاؤنج پلس سٹنگ روم تھا سامنے کی دیوار پر ایک بڑا فیملی پورٹریٹ لگا ہوا تھا۔تصویر تقریباً بیس سال پہلے کھینچی گئی ہو گی لیکن اتنے سالوں نے بھی چہروں کی خوبصورتی کو ماند نہیں کیا تھا۔مسٹر اینڈ مسز جمال (جو مانٹوک میں مسٹر اینڈ مسز جیک کے نام سے جانے جاتے تھے) اس وقت جوان تھے اور ان کے چہرے زندگی کی رعنائیوں کی عکاسی کرتے تھے۔ننھا آدم مسز جمال کی گود میں اپنی فرشتوں جیسی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ چار سالہ منفرا مسٹر جمال کی بائیں بازو کے گھیرے

http://kitaabghar.com

میں کھڑی بالوں کو دو پونیوں میں باندھے پورے دانت نکالے مسکرا رہی تھی۔ یہ اتنا خوبصورت فیملی فوٹو تھا کہ جو بھی دیکھتا سراہے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

اس بڑے پورٹریٹ کے ساتھ دیوار پر جا بجا چھوٹے بڑے فریم لگے ہوئے تھے جن میں منفرا اور آدم کی بچپن سے لیکر اب تک کی کئی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ بڑے فیملی فوٹو کے ساتھ نسبتاً درمیانے سائز کا ایک اور فریم لگا ہوا تھا جس میں ایک درمیانی عمر کی عورت کی بلیک اینڈ وائیٹ تصویر تھی۔ عورت کی عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی اس کا چہرہ بیضوی اور نقوش خوبصورت لیکن دیہاتی پن کا نقش لئے ہوئے تھے۔ یہ مسٹر جمال کی والدہ کی تصویر تھی اور پرانی یادوں کی وہ آخری کڑی تھی جسے انہوں نے اب تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی کے ساتھ ساتھ ضرورت کا کچھ اور سامان بھی موجود تھا جو پنجابی ثقافت کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ وہ تمام اشیاء تھیں جنہیں مسز جمال نے جمع کر رکھا تھا وہ ایسی ہر چیز کو گھر میں لانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں جن سے انہیں پاکستان سے جڑے رہنے کا احساس ہوتا رہے۔

داہنے ہاتھ ماسٹر بیڈ روم تھا۔ دوسری طرف کچن کا دروازہ تھا جس سے کچن میں کھانے کا اہتمام کرتی مسز جمال اور منفرا نظر آ رہی تھیں۔ دروازے کی جگہ کھلی ہوئی تھی وہاں صرف دروازے کا فریم لگا ہوا تھا۔ کچن کے بالکل ساتھ سیڑھیاں اوپر کی منزل کی طرف جاتی تھیں۔ اوپر ایک بیڈ روم اور ایک چھوٹا اسٹڈی روم تھا یہ کمرہ منفرہ کے بعد زیادہ تر آدم کے زیر استعمال رہتا تھا۔ کمرے کے سامنے چھوٹا سا ٹیرس تھا جہاں کھڑے ہو کر ساحل سمندر کو دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ لکڑی کا بنا ہوا یہ بلاشبہ ایک خوبصورت کاٹیج تھا۔

سٹنگ روم کی پورٹریٹ وال کے سامنے مسٹر جمال کھڑے تھے اور اپنی والدہ کے چہرے کو حسرت سے تک رہے تھے۔ منفرا نے کچن سے انہیں دیکھا اور باہر آ کر ان کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی تھوڑی بھی ان کے کندھے سے لگا دی۔

"ڈیڈ!" اس نے پیار سے انہیں پکارا تو وہ جیسے کسی گہرے خیال سے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں کے کنارے نم تھے اور پتلیوں میں درد کا ایک جہان آباد تھا۔

منفرا ان کا درد محسوس کر سکتی تھی لیکن اس درد کا مداوا کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نے ہولے سے ان کے کندھے تھپتھپا دیئے۔

"ڈنر ریڈی ہے ڈیڈ!"

مسٹر جمال نے نظر کا چشمہ آنکھوں سے ہٹا کر آنکھوں کے کنارے پونچھے اور اسکے ساتھ کچن میں آ گئے۔

"اتنے دنوں کے بعد منفرا آئی ہے کم سے کم آج تو سب لوگ وقت پر ڈنر کے لئے آ جائیں... یہ آدم بھی پتا نہیں کہاں رہ گیا؟"

مسز جمال چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر لزانیہ کی ٹرے رکھ رہی تھیں انہوں نے مسٹر جمال کا چہرہ دیکھا تو چونک گئیں۔ اور آنکھوں کے

اشارے سے منفرا سے سبب پوچھا۔ منفرا نے چپکے سے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا اور مسٹر جمال کے لئے کرسی کھینچ کر انہیں بیٹھنے میں مدد دینے لگی۔

''مجھے بہت بھوک لگی ہے... اچھا ہوا جو ڈنر جلدی تیار ہو گیا۔'' منفرا نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے کہا تھا۔

''کیا ہی اچھا ہو کہ آدم بھی وقت پر پہنچ جائے... آدم! آ جاؤ بھئی۔'' مسز جمال نے اونچی آواز میں کہا تھا۔

''کیا کسی نے مجھے یاد کیا ہے؟'' آدم خوش دلی سے کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ انیس بیس سال کا ایک بھرپور نوجوان تھا۔ چہرے مہرے سے معصوم معلوم ہوتا تھا لیکن قد کاٹھ اتنا تھا کہ منفرا کا بڑا بھائی لگتا۔ صبح میں وہ کالج جاتا تھا اور شام میں مسٹر جمال کے ساتھ مچھلیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا لیکن یہ کام اسے کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ وہ بچپن سے ہی سمندر کے عشق میں مبتلا رہا تھا اور scuba diver بننا چاہتا تھا۔ اور سمندر کی تہہ میں چھپے ہوئے رازوں سے پردے اٹھانا چاہتا تھا۔

''یہ وائیٹ ساس لزانیہ آپ نے منفرا کے لئے بنایا ہے۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کبھی نہ بناتیں۔'' آدم نے کھانے کا جائزہ لیتے ہوئے مسز جمال کو سنجیدگی سے چڑایا تھا۔

''وہ اتنے دنوں کے بعد آئی ہے... کھانا تو اسی کی پسند کا ہونا چاہیئے تھا۔'' مسٹر جمال خوش دلی سے منفرا کو دیکھ کر بولے تو منفرا خوش ہو کر آدم کو دیکھنے لگی۔

''اس کی صحت دیکھیں... میرا خیال ہے اسے دو سال کا روزہ رکھنا چاہیئے... آپ لوگوں کو نہیں لگ رہا کہ یہ پہلے سے زیادہ موٹی ہو کر آ گئی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے منفرا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا بظاہر سنجیدہ تھا لیکن صاف پتا چل رہا تھا مذاق کر رہا ہے۔

''جی نہیں.. میں موٹی نہیں ہوئی۔'' منفرا نے ناراضی سے کہا تھا۔

''یہ تو تم صرف اپنا دل بہلانے کے لئے کہہ رہی ہو ورنہ اپنے موٹاپے کا خود تمہیں بھی احساس ہے۔'' وہ حاضر جوابی سے بولا تھا۔

مسٹر اور مسز جمال ہنسنے لگے۔

''اچھا اب اسے کھانا کھانے دو... تنگ مت کرو میری بیٹی کو۔'' مسز جمال نے پیار سے منفرا کو دیکھتے ہوئے کہا تو منفرا آدم کو منہ چڑا کر اپنی پلیٹ میں لزانیہ نکالنے لگی۔

''تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟''

''اچھی چل رہی ہے... آج کل میں ایک تھیسز پر کام کر رہی ہوں اور اس کے لئے اکثر ڈاکٹر ریمسن کی سائیکاٹری بھی جاتی ہوں۔'' اس نے خوشی خوشی سب کو بتایا تھا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔۔لیکن تمہاری پڑھائی ختم کب تک ہو جائے گی۔'' مسز جمال نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

''میری پڑھائی ختم ہو جائے گی مام!...لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ پاکستانی کمیونٹی میں اب کس لڑکی کی شادی ہوئی ہے جو آپ کو ایک دم سے میری پڑھائی ختم ہونے کا خیال آ رہا ہے۔'' منفرا نے شرارت سے پوچھا تو مسز جمال ناراضی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اگر کسی کی شادی کا سن کر تمہاری شادی کی فکر ہو رہی ہے تو اس میں غلط کون سی بات ہے؟۔ تمہارے ساتھ کی ساری لڑکیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ کم سے کم ہمارے سرکل میں تو سب کی ہو گئی ہے۔'' انہوں نے ناراضی سے اور ذرا سوچ کر کہا تھا۔

''منفرا کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...میری بیٹی کے لئے کوئی شہزادہ آئے گا۔'' مسٹر جمال نے مسکرا کر منفرا کو دیکھا تھا وہ بچپن سے اسے یہی کہا کرتے تھے کہ تمہارے لئے کوئی شہزادہ آئے گا۔ اور وہ کوئی عام آدمی نہیں ہوگا۔

''اور جب تک وہ شہزادہ آ نہیں جاتا...اسے اس کی پڑھائی مکمل کر کے کریئر پر دھیان دینے دو۔'' انہوں نے اب سنجیدگی سے کہا تھا۔

''پتا نہیں آپ اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟...کیا آپ کو منفرا کی فکر نہیں ہے۔ زمانہ اتنا خراب ہو گیا ہے امیریکن سوسائٹی میں تو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں نجانے کیا کیا کرتی پھر رہی ہیں۔ منفرا تو پھر...'' ان کے خدشات تھے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

''شائستہ!.....'' مسٹر جمال نے انہیں سنجیدگی سے ٹوک دیا۔ ''جن لڑکیوں کی بات تم کر رہی ہو وہ اسی ماحول کی پروردہ ہیں۔ اور ان کے پاس تمہاری جیسی مائیں بھی نہیں ہیں جو ان کی تربیت کر سکیں اور انہیں اچھے برے اور غلط صحیح کا فرق سمجھا سکیں...کم سے کم تمہیں اپنی تربیت پر ضرور بھروسہ ہونا چاہیئے۔''

''ڈیڈ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' منفرا نے ماں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''...اور میں نے آپ سے پرامس کیا ہے کبھی آپ کو let down نہیں کرونگی مام!''

مسز جمال گہرا سانس بھر کر خاموش ہو رہیں اور بیٹی کو دیکھ کر مسکرانے بھی لگیں۔ منفرا نے بات ہی بدل دی۔

''ڈیڈ! آپ کا پاکستان جانے کا پلان کہاں تک پہنچا؟''

اس سے پہلے کہ مسٹر جمال کوئی جواب دیتے آدم نے کہا۔

''وہ پلان میری وجہ سے مکمل نہیں ہو پا رہا...دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں پاکستان نہیں جاؤنگا۔'' ایک بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

مسٹر جمال کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''آخر تمہیں وہاں جانے میں تکلیف کیا ہے؟'' وہ پھٹ پڑنے والے انداز میں بولے تھے۔

''وہ ملک ہے ہمارا۔تم لوگوں کے اچھے مستقبل کے لئے میں یہاں رہنے پر راضی ہوا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ساری زندگی وہاں کا منہ نہ دیکھوں..میرے اپنے تو وہیں پر ہیں جنہیں اچھے مستقبل کی تلاش میں میں پیچھے چھوڑ آیا تھا..خدا معلوم اب سب کہاں ہوگے کہاں نہیں....جہاں انسان کی بنیادیں ہوتی ہیں جانا تو وہیں ہوتا ہے...''

''پہلی بات تو یہ کہ یہاں آ کر آباد ہونا آپ کی چوائس تھی ڈیڈ!اس کے لئے کسی نے آپ کو فورس نہیں کیا تھا...اور دوسری بات یہ کہ آپ کی بنیادیں وہاں ہوسکتی ہیں .لیکن ہم یہاں پیدا ہوئے یہیں بڑے ہوئے ہیں ..اینڈ لیس آئی ایم اے پراوڈ امیریکن...میں پاکستان جا کر کیا کرونگا؟''اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''تمہیں بس ہر اس بات سے اختلاف کرنا ہے جو میں کہہ رہا ہوں..تم ایک نالائق اور نافرماں بردار اولاد کے سوا کچھ نہیں ہو۔'' مسٹر جمال ایک دم سے غصے میں آ کر بولے تھے۔آدم کا چہرہ بے عزتی کے احساس سے لال ہوگیا اس نے شکوہ کناں انداز میں ماں اور بہن کو دیکھا جن دونوں کے چہرے بیزاری اور الجھن سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے پھر اس نے پلیٹ کو ہاتھ مار کر پرے دھکیلا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھا اور دھپ دھپ کر کے وہاں سے چلا گیا۔

''آدم رکو...کھانا کھا کر جاؤ۔''مسز جمال تیزی سے آدم کے پیچھے لپکی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد کچن میں چند منٹ کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔مسٹر جمال کا تنفس تیز ہو رہا تھا اور چہرہ غصے اور پچھتاوے سے لال ہوگیا تھا۔

''تم نے دیکھا منفرا! یہ کتنا بدتمیز ہوگیا ہے.تم لوگوں کے لئے میں نے اپنی سرزمین اپنے لوگ چھوڑ دیئے...کیا اس لئے ان سب کو چھوڑا تھا کہ کل کو میری اولاد میرے فیصلوں کو غلط قرار دے؟...اصل میں یہ زمین ہی خراب ہے...اس ملک کی آب و ہوا ہی نوجوان نسل کو باادب بننے نہیں دیتی.مشرقی مرد اس سرزمین پر آ کر اچھا مستقبل تو بنا سکتا ہے لیکن اچھی اولاد نہیں بنا سکتا....پتا نہیں ہم مشرقی لوگ ایسی فاش غلطیاں کیوں کرتے ہیں۔؟....''

ان کے پچھتاوے ان کے غم ان تمام مشرقی لوگوں جیسے ہی تھے جو کئی سال پہلے اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آئے اور آباد ہوگئے تھے۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

وہ دونوں ہی زخمی ہوئے تھے معاویہ کی داہنی کہنی کی ہڈی اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ دونوں کے ہی چہرے اور بازوؤں پر خراشیں آئی تھیں۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اتنے خوفناک حادثے سے وہ بچ نکلے تھے اور دکھ اس بات کا تھا کہ جان بچ جانے سے بھی بڑا نقصان ہو گیا تھا۔

وسامہ کے بعد جو زندہ رہنے کی ایک آخری وجہ آئے کت کے پاس موجود تھی وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔

آئے کت اتنا تڑپ تڑپ کر روئی اس نے ایسے بین کیا کہ کیا ہی وسامہ کی موت پر روئی ہو گی۔

اس روز فلک بوس پر ایک بار پھر ماتم کی سیاہی چھا گئی تھی اور بشام کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برسے تھے۔

معاویہ کا دل جیسے بند ہو رہا تھا۔ دکھ کی لہر تیز دھار آلے کی طرح اسے کاٹ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا آئے کت کے سر پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دے۔ وہ اس مقصد کے لئے اپنے زخموں کو بھول کر اسکے کمرے تک گیا بھی تھا۔ اور اندر سے آتی آوازوں نے جیسے اس کے قدم جکڑ لئے تھے۔

''صبر کرو آئے کت! اللہ کو یہی منظور تھا۔'' صاعقہ ممانی کہہ رہی تھیں ان کی آواز میں بھی آنسوؤں کی نمی شامل تھی۔

''میں کتنا صبر کروں ماما جان!... اللہ صرف مجھ سے ہی صبر کیوں چاہتا ہے۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''میں نے وسامہ کو کھو دیا۔ اس بچے کو کھو دیا جس کے سہارے مجھے زندگی گزارنا تھی۔۔۔ اس سے تو اچھا تھا معاویہ نے مجھے گر جانے دیا ہوتا۔۔۔ میں بھی مر گئی ہوتی تو یہ دکھ تو نہ سہنا پڑتا۔۔۔ کوئی مجھے یہ نہ کہتا کہ صبر کروں۔۔۔''

اس کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

باہر کھڑے معاویہ نے دیوار سے ٹیک لگا کر اپنا سر دیوار سے لگا دیا۔ اس کا دل جیسے دکھ سے پھٹ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ شامیر اس کے لئے ایک معمہ بنتا جا رہا تھا۔

پتا نہیں اس کے قبضے میں واقعی کوئی جن تھا یا یہ محض اس کا دھوکہ تھا جسے اس نے بڑی مہارت سے مکڑی کے جالے کی طرح خوش نصیب کے گرد بن دیا تھا۔ لیکن جو بھی تھا اس کی کہی ہوئی باتیں درست ثابت ہونے لگی تھیں۔ دکانوں کے کرائے کے بعد گھر والوں کی طرف سے ان لوگوں کو مزید کافی سہولیات فراہم کر دی گئی تھیں۔ روشن امی کی مدد کی غرض سے ایک فل ٹائم ملازمہ بھی رکھ لی گئی تھی۔ صرف یہی نہیں ان لوگوں کو ان کا پورشن اس کمرے سمیت واپس کر دیا گیا تھا جو شامیر کی آمد کی وجہ سے ان سے چھین لیا گیا تھا۔ شامیر کے مکان کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی اور چند روز میں وہ اپنے نئے گھر میں شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

خوش نصیب کے ایڈمیشن کے معاملے میں اشفاق چچا خود دلچسپی لے رہے تھے۔ وہ ہر روز اس سے ایڈمیشن کے متعلق پوچھتے تھے۔

شامیر جو موکل رکھنے کا دعوے دار تھا اس کے پاس اور بھی کئی صلاحتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دوسرے کی آنکھوں کے سامنے لا کر ایسے گھماتا تھا کہ ہاتھوں کی ہتھیلی میں اپنی سوچ کا عکس دکھائی دینے لگتا تھا۔ وہ کسی سے ایک سادہ کاغذ پر کسی کو کوئی ہندسہ یا بچپن کے دوست کا نام لکھنے کے لئے کہتا آنکھیں بند کر کے وہ اس کی انگلی کو چھوتا اور کاغذ پر لکھا ہوا نام یا ہندسہ بتا دیتا۔

ایک بار سب فضیلہ چچی کے پورشن میں جمع تھے۔ فضل منزل کے مرکزی دروازے پر بڑی زور سے دستک ہوئی تو شامیر نے وہیں بیٹھے بتا دیا باہر صباحت تائی جان کی پرانی سہیلی آئی ہیں جو کئی سال پہلے ان کو چھوڑ کر شہر کے پوش ایریا میں شفٹ ہو چکی ہیں۔ اس کی بات درست ثابت ہوئی۔ دروازے پر وہی خاتون تھیں۔

سب ہکا بکا رہ گئی جب اس نے آنکھوں کے زور سے موم بتی جلا کر دکھا دی۔ طوطا بھائی تو اتنے متاثر ہوئے کہ باقاعدہ ضد لگا لی وہ شامیر سے یہ آرٹ سیکھ کر ہی رہیں گے۔ شامیر نے ہنستے ہوئے اسے یقین دلایا وہ اسے بھی سکھا دیں گے۔ یہ سب نظروں کا دھوکہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ خوش نصیب بھی اس کی بات پر ایمان لے آتی اگر اسے موکل والی بات نہ پتا ہوتی۔ شامیر اپنے کرتب یا جو ہر ہر ایک کو دکھا رہا تھا لیکن موکل والی بات اس نے خوش نصیب کے علاوہ کسی کو نہیں بتائی تھی۔ خوش نصیب کو بھی اس نے باقاعدہ تاکید کر دی تھی کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرے ورنہ جبار ناراض ہو کر اسے کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ گو کہ خوش نصیب نے جبار کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا لیکن وہ مخمصے میں ضرور پڑ گئی تھی۔ کبھی اس کا دل اور دماغ شامیر کی کہی ہوئی باتوں کو سچ مان لیتا اور کبھی وہ آنکھوں دیکھی سچائی بھی جھٹلانے لگ جاتا تھا۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود عجیب وغریب واقعات کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا تھا اور ان واقعات نے خوش نصیب کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کبھی وہ آدھی رات کے وقت خود کو چھت کے عین بیچ و بیچ کھڑا ہوا پاتی۔ کبھی اسے ایسا لگتا وہ اپنے کمرے میں سب کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے لیکن ایسا صرف جسمانی لحاظ سے ہوتا تھا ذہنی طور پر وہ کبھی کسی سبزہ زار میں تو کبھی کسی صحرا میں پھر رہی ہوتی تھی۔ اسے ہوش آتا تو اس کے پیر گھاس کی نمی سے تر ہوتے یا صحرا کا آگ اگلتا سورج اس کا جسم پسینے سے شرابور کر چکا ہوتا۔

ایک دو بار تو ایسا بھی ہوا کہ وہ کچھ دیر کے لئے ذہنی طور پر غائب ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو شامیر کے کمرے کے سامنے کھڑا ہوا پایا۔ اب خوش نصیب بری طرح پریشان ہو گئی اس کا دل چاہتا تھا وہ اس بارے میں ماہ نور یا روشن امی کو ہی بتا دے۔ لیکن کوئی بھی اس کی بات کو سنجیدگی سے سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ سب کو یہی لگتا اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ایک بار پھر کوئی جھوٹا سچا قصہ سنا رہی ہے۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر موجود ہے اور ذہنی طور پر غائب ہو جائے۔ ایسی کونسی ولایت نصیب ہو گئی

http://kitaabghar.com

تھی اسے کہ روحانیت کے ان سلسلوں کو اس کی شخصیت کا حصہ سمجھ لیا جاتا۔

ناچار اسے شامیر سے ہی مدد لینا پڑی۔ مدد کیا لینی تھی وہ برس ہی پڑی اس پر۔

لیکن شامیر خود لاعلم تھا بلکہ کسی قدر حیران بھی کہ یہ سب خوش نصیب کے ساتھ کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔

''میرا خیال ہے جبّار کسی بات پر ناراض ہو گیا ہے۔۔۔ ہو نہ ہو یہ سب وہی کر رہا ہے۔'' اس نے خیال ظاہر کیا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا جبار۔ لیکن اب اگر میرے ساتھ کچھ ایسا ہوا تو میں بہت برا حشر کرونگی تمہارا۔''

''مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہو۔۔۔ جو بھی کیا ہے جبار نے کیا ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا تھا۔

''اپنے جبار کو سامنے لاؤ میرے۔۔۔ دانت توڑ دونگی میں اس کے۔'' وہ حسب عادت جذباتی ہو کر بولی تھی۔

''ایسے مت کہو۔۔۔ جس طرح تم بات کر رہی ہو تم جبار کو ناراض کر دو گی۔'' شامیر نے فوراً کہا۔

خوش نصیب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''ہوتا ہے تو ہو جائے۔۔۔ میری پھپھی کا بیٹا لگتا ہے کہ میں اس کی پرواہ کرونگی۔'' تنک کر بولی تھی۔

''یہ جن بھوت بہت خطرناک ہوتے ہیں خوش نصیب! ایک بار جس کے پیچھے پڑ جائیں آسانی سے اس کی جان نہیں چھوڑتے اسی لئے میں تمہیں محتاط رہنے کا کہہ رہا ہوں۔'' اس نے خلوص نیت سے کہا تھا۔

''یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ یہی فضول عادت ہمارے کیف میں بھی ہے۔۔۔ کسی کے پیچھے پڑ جائے تو بس پھر پڑا ہی رہتا ہے۔۔۔ اور کیف کو تو میں منٹوں میں انگلیوں پر نچا لیتی ہوں یہ جبار کیا چیز ہے۔'' خود اعتمادی تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''مرضی ہے پھر تمہاری۔ میں تو سمجھا ہی سکتا ہوں۔'' وہ قدرے بیزاری سے بولا تھا۔

''دیکھو اول تو مجھے یقین ہی نہیں ہے کہ جبار نامی کسی مخلوق کا وجود ہے لیکن یہ جو عجیب و غریب واقعات میرے ساتھ ہو رہے ہیں انہوں نے دماغ خراب کر دیا ہے میرا۔۔۔''

''تو اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''میری وجہ سے جبار نے تمہیں تنگ کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ غلطی تمہاری نہیں میری ہے۔ تمہاری بے تکلفی کو میں ہی محبت سمجھ بیٹھا تھا لیکن اسے لگتا ہے تم نے بیوقوف بنایا ہے مجھے۔۔۔ اسی بات کا بدلہ لے رہا ہے وہ۔''

''میں کسی جن ون کو نہیں مانتی۔۔ بلکہ مجھے یقین ہے یہ تم ہی اپنا کوئی کرتب مجھ پر آزما رہے ہو۔''

''کرتب؟۔۔ کیسا کرتب؟''

''اب یہ میں کیا بتا سکتی ہوں۔۔۔ اگر تم بغیر ہاتھ لگائے موم بتی جلا سکتے ہو تو کسی کا ذہن کنٹرول کرنا تمہارے لئے کیا مشکل

ہوگا۔‘‘اس نے بڑی آنکھیں مٹکا کر کہا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔دیکھا بچو! پہچان لیا ناں تمہیں۔

شامیر نے سر پیٹ لیا۔

’’میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں بھی اس معاملے میں بے بس ہو گیا ہوں۔‘‘

’’تم اپنے جبار کو میرے سامنے لیکر آؤ۔۔۔میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔‘‘اس نے بڑا سنجیدہ ہو کر کہا۔

شامیر ہکا بکا رہ گیا۔’’تم جبار سے ملنا چاہتی ہو؟۔۔کیا ہو گیا ہے خوش نصیب! وہ کوئی عام انسان نہیں ہے کہ تم آسانی سے اس سے مل سکو۔‘‘

’’اب آسانی ہو یا مشکل۔۔۔لیکن اس سے ملاقات کروانا تمہاری ذمہ داری ہے۔۔۔اور یاد رکھنا اگر تم نے ٹال مٹول کی تو میں سب کو بتا دونگی۔۔۔‘‘

’’نہیں خدارا! یہ غضب مت کرنا۔۔۔‘‘اس نے جلدی سے کہا۔

’’میں جبار سے بات کرتا ہوں۔۔۔تم سے ملنے پر راضی کرونگا اسے۔‘‘

’’ہوں۔‘‘وہ گردن اکڑا اکر چلی گئی۔

’’اونہہ۔۔۔آیا بڑا موکل رکھنے والا ہر فن مولا۔۔۔‘‘

☆......☆......☆

دکھ عظیم تر تھا مداوا کوئی نہیں۔

لیکن چونکہ جنازہ نہیں اٹھا سو دکھ کی ندی چند روز میں طغیانی دکھا کر خاموشی سے بہنے لگی۔آئے کت کا اصرار تھا اسے جانے دیا جائے۔ماموں اور ممانی نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کی بات سننے ہر راضی ہی نہ تھی۔

’’مجھے اس جگہ،اس عمارت سے نفرت ہو گئی ہے۔اپنی زندگی کے عظیم ترین دکھ مجھے یہیں آکر ملے ہیں۔میں دوبارہ یہاں کبھی نہیں آونگی۔معاویہ کے فادر سے کہیں فلک بوس کو گرادیں یہ عمارت ہی منحوس ہے کسی انسان کو اب تک ہنستا بستا نہیں دیکھ سکی۔۔۔یہاں سے آگے بھی دکھ ہی ملیں گے۔‘‘

صاعقہ ممانی نے خاتون بی بی کے ساتھ مل کر سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔آئے کت کی ضد کے آگے اب کسی کی نہیں چل سکتی تھی۔

معاویہ نے سنا تو چپ سارہ گیا۔پتا نہیں کیوں لیکن دل و دماغ سن سے محسوس ہونے لگے تھے۔جانے سے پہلے اسنے ایک بار آئے کت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو صاعقہ ممانی نے اسے صاف منع کر دیا۔

’’آئے کت اپنے نقصان کا ذمہ دار تمہیں سمجھتی ہے۔۔۔وہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔‘‘

http://kitaabghar.com

''مجھے ایک بار اس سے بات کرنے دیں ممانی! میں اسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس حادثے میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔'' وہ اتنے دن کی ذہنی وجذباتی کشمکش سے تھک چکا تھا اور روانکھا ہو کر کہہ رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے تم کہو گے اور وہ تمہاری بات کا یقین کرلے گی؟'' صاعقہ ممانی نے دکھ سے پوچھا۔

''وہ سو فیصد پر یقین ہے کہ تم جان بوجھ کر اسے اس خطرناک راستے پر لیکر گئے تھے اور۔۔۔اور یہ بھی کہ تم نے اس سے کسی پرانی چپقلش کا بدلہ لیا ہے۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

معاویہ کے دماغ پر جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے ایک زوردار کوڑے کی ضرب رسید کی تھی۔

''وہ بیوقوف ہے جو ایسا سوچ رہی ہے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا۔

''بیوقوف ہے یا عقلمند۔۔۔لیکن وہ تم سے ملنے پر راضی نہیں ہے۔'' وہ دکھ سے کہتی معاویہ کے قریب آ گئی تھیں۔

''جس روز سے وہ حادثہ ہوا ہے اس روز سے آئے کت کہہ رہی ہے وہ تم سے نفرت کرتی ہے کیونکہ۔۔فلک بوس نے وسامہ کو اس سے چھین لیا اور فلک بوس تمہاری ملکیت ہے اور تم نے۔۔۔تم نے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کا بچہ چھین لیا۔۔۔اب وہ کس کے سہارے زندگی گزارے گی؟۔۔۔وہ تو دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔''

معاویہ انہیں دیکھتا رہا دل ہی دل میں الفاظ ترتیب دیتا رہا۔ پھر اس نے رک رک کر اور نرمی سے کہا۔

''آپ آئے کت سے کہیں۔۔۔وہ دنیا میں اکیلی نہیں ہے۔۔۔میں مرتے دم تک اس کا ساتھ نبھاؤنگا۔۔۔میں اس سے شادی کرونگا۔''

وہ مستحکم ارادہ کر چکا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ کا پیغام سن کر آئے کت نے بالکل ہی اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ بھی کہلوا بھیجا کہ جب تک وہ فلک بوس میں ہے اس پر مہربانی کرے اور اپنی شکل دکھانے کی غلطی نہ کرے۔

کچھ عرصہ پہلے جیسے حالات ہوتے تو معاویہ اس پیغام کا بڑا برا مناتا لیکن اب وقت گزر چکا تھا اور حالات کافی بدل گئے تھے۔ لہذا معاویہ نے اسے دوسری منزل کی برآمدہ نما راہداری میں جا لیا جو فلک بوس کے لان کی طرف کھلتی تھی اور جہاں آئے کت شام کی چائے تپائی پر رکھے اپنا سر اس حد تک جھکائے کہ اس کی تھوڑی سینے سے جا ملی تھی۔ چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔

جب وہ آخری کونے تک جا کر واپس پلٹی اپنی جھونک میں معاویہ سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

وہ پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا دونوں کی آنکھیں ملیں اور آئے کت کی شفاف پیشانی پر بل پڑ گئے۔

وہ کترا کر جانے لگی تو معاویہ نے فوراً اسے پکارا۔ ”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

”لیکن مجھے نہیں کرنی۔“ رکھائی سے کہا

”آئے کت! تم مجھے اس غلطی کی سزا نہیں دے سکتی، جو میں نے کی ہی نہیں ہے۔“ وہ بیچارگی سے کہہ رہا تھا۔

”میں نے صرف شارٹ کٹ ہونے کی وجہ سے وہ راستہ اختیار کیا تھا۔ مجھے پتا ہوتا ایسا بھیانک حادثہ ہو جائے گا تو۔۔۔ تو ہرگز ۔۔ ہرگز تمہیں وہاں نہ لے جاتا۔“

”جھوٹ مت بولو۔“ وہ پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی تھی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں تم نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔۔ میں نے تو تم سے معافی بھی مانگ لی تھی معاویہ! پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟“ آنسو اس کی پلکوں سے موتیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

ایک راز چپ چاپ ان دونوں کے مابین آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنی عیار آنکھوں سے ان دونوں کو تکنے لگا تھا۔

”یہ غلط ہے۔۔۔ میں نے کوئی بدلہ نہیں لیا۔۔۔ میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔“ وہ جذباتی پن سے بولا۔

”جھوٹی قسمیں مت کھاؤ۔“ وہ زور سے چلائی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں میرے معافی مانگ لینے کے باوجود تمہارے دل سے چپقلش دور نہیں ہوئی تھی۔ اپنے بابا کی طرح تم بھی مجھے ایک بد کردار عورت سمجھتے تھے۔۔۔“

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی اور دکھ اور خود اذیتی کے شدید ترین بوجھ تلے دبی وہ بولتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔

فلک بوس کی دیواروں نے اسے روتا دیکھ کر کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

معاویہ کا دل جیسے دکھ سے پھٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے روتا ہوا دیکھتا رہا۔ بڑی دیر آئے کت ایسے ہی بلک بلک کر روتی رہی ۔ پھر اسکے رونے کی شدت میں کمی آ گئی اس نے چہرہ پونچھا اپنا کمزور پڑتا حوصلہ پھر سے بحال کیا اور گود میں رکھے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں بولتی چلی گئی۔

”ایسی بات نہیں ہے آئے کت! میں نے تمہیں کبھی بد کردار نہیں سمجھا۔۔۔۔ میں نے کبھی بابا کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا۔۔ اگر میں ان کا اعتبار کرتا تو تم سے شادی کا ارادہ بھی نہ کرتا۔“

آئے کت کے اعصاب تن گئے اس نے ناراضی سے معاویہ کو گھورا۔

”یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو۔۔“ اس نے رگڑ کر چہرہ پونچھا اور کھڑی ہوتی مخالف سمت میں چل پڑی۔

”میں نے وسامہ سے وعدہ کیا تھا تمہارا ہر حال میں خیال رکھونگا۔“ اسے جاتا دیکھ کر معاویہ نے آواز لگائی تھی اس کی آواز میں

منت بھری التجا تھی۔ وہ وسامہ کو خود سے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آئے کت نے مڑ کر ناراض آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"مرے ہوئے لوگوں سے کئے وعدے پورے کرنے سے بہتر ہے۔۔۔زندہ لوگوں کے جذبات کا خیال کرلو۔" اس نے کہا اور مڑ کر چلی گئی۔

معاویہ نیم تاریک راہداری میں تن تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اور خوش نصیب کا خیال تھا جبار سے ملاقات کرنے کی بات کر کے اس نے شامیر کے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں۔لیکن خود اس کے اپنے چودہ طبق روشن ہو گئے جب اسے یہ پتا چلا کہ جبار اس سے ملنے کے لئے راضی ہو گیا ہے۔

"لیکن وہ تم سے فضل منزل آ کر نہیں ملے گا۔۔۔وہ چاہتا ہے تم کہیں اور اس سے ملو۔" شامیر نے اسے بتایا۔

"کیا مطلب؟۔۔۔کسی پارک یا ریسٹورینٹ میں ملوں اس سے؟" وہ تنک کر بولی تھی۔"یا مووی دیکھنے سینما چلے جائیں ہم؟"

شامیر کو بھی غصہ آ گیا۔

"دیکھو۔۔۔میں نے پہلے بھی کہا تھا وہ انسان تو ہے نہیں کہ ہم اسے انسانوں والے طریقے سے ہی سمجھانے کی کوشش کرتے رہیں۔وہ جن ہے جن۔مٹی سے نہیں آگ سے بنا ہے اور آگ کی تاثیر جانتی ہو تم۔۔۔جلا کر رکھ کر دیتی ہے یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے راستے میں آنے والی چیز کتنی نازک ہے کتنی سخت۔۔۔اس کا کام بس جلا کر بھسم کرنا ہے۔۔۔جبار کو غصہ ہے تم پر۔اور یہ غصہ اس وقت تک دور نہیں ہو گا جب تک تم اس سے معافی نہیں مانگ لیتی۔"

"معافی کس بات کی؟" اب اس نے تڑخ کر کہا تھا۔

"جبار میرا دوست ہے۔وہ جان دیتا ہے مجھ پر۔۔۔اور اسے لگتا ہے تم نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔اس بات کا بدلہ لینے کے لئے ہی وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے۔"

"تو تم جا کر اسے بتا کیوں نہیں دیتے کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔میرا مطلب۔۔۔میں نے دل نہیں دکھایا تمہارا۔۔۔تم بتاؤ جبار کو کہ تمہیں ہی غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

شامیر چپ سا ہو گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔پھر اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"ہرٹ تو کیا ہے تم نے مجھے۔۔۔اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

شرمندہ ہونے کی باری اب خوش نصیب کی تھی۔اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔کس مصیبت میں پھنس گئی تھی۔بہر حال اس نے

جبار نامی اس بلا سے ملاقات کے لئے فضل منزل سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔شامیر نے اسے سمجھانے کی کافی کوشش کی کہ اس کا فیصلہ اس کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔لیکن خوش نصیب کو چونکہ جبار کے وجود پر اعتبار ہی نہیں تھا سو اس نے شامیر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے مرضی ہے تمہاری۔۔۔لیکن اس کے بعد جو بھی ہو گا اس کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"شامیر نے اتنا کہہ کر جیسے ہر چیز سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔خوش نصیب بھی سر جھٹک کر ہر معاملے سے بے نیاز ہو گئی۔

لیکن پھر اس رات وہ ہوا جس نے صرف خوش نصیب کو ہی نہیں فضل منزل کے ہر فرد کو ہکا بکا کر دیا تھا۔خوش نصیب عرف مرن جوگی فضل منزل کی چھت سے آدھی رات کے وقت خودکشی کی کوشش کرتے ہوئے پائی گئی تھی۔

☆......☆......☆

آئے کت نے جو ارادہ کیا تھا پھر اسے پورا کر کے ہی چھوڑا۔صاعقہ ممانی اور طالب ماموں نے پوری جان لگا کر کوشش کی کہ اسے روک لیا جائے لیکن آئے کت نے ان کی بات مان کر نہ دی۔اپنا گنا چنا سامان سمیٹتے ہوئے وہ اتنا روئی کہ اس کی آنکھیں اگلی صبح تک بھی سوجی ہوئی سی محسوس ہوتی رہیں اور آنکھوں کے کنارے اتنے سرخ رہے کہ لگتا وہاں باقاعدہ رنگ لگایا گیا ہے۔

وسامہ کی کچھ کتابیں اس نے اپنے ساتھ رکھ لیں اور کچھ معاویہ کے حوالے کر دیں۔

"یہ وسامہ کی یادیں ہیں۔۔وہ جتنا مجھے عزیز تھا اتنا ہی۔۔۔یا شائد اس سے کچھ زیادہ تمہیں عزیز تھا۔۔آدھی یادیں تم رکھ لو۔"

معاویہ نے چپ چاپ وہ کارٹن پکڑ لیا جس میں وہ وسامہ کی یادیں لائی تھی۔

آئے کت کھڑی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتی رہی وہ جیسے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اتنی ہمت جمع نہیں کر پا رہی تھی کہ کچھ بول سکے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"معاویہ نے پوچھا

آئے کت نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"معاویہ!۔۔۔کیا میں امید رکھوں۔۔۔تم نے مجھے معاف کر دیا ہو گا؟"

"معافی کس بات کی؟"اس نے الجھ کر پوچھا۔

آئے کت نے آنکھیں بھینچ لیں اور اسے ایسا لگا جیسے سانس اس کے حلق میں اٹک رہی ہو۔

"تم جانتے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔۔۔کیوں مجھے بار بار میری ہی نظروں میں ذلیل کر دیتے ہو معاویہ!"اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور بری طرح گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"میرے دل پر اتنا بوجھ ہے۔۔۔میرا ضمیر مجھے اتنی ملامت کرتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں۔۔کاش کاش۔۔۔اس روز بشام کی کھائیاں مجھے نگل گئی ہوتیں۔"

معاویہ پر شرمساری کی پھوار برسنے لگی اس کا دل بوجھل سا ہو گیا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا آئے کت!۔۔۔میں نے تو کبھی بھی کچھ نہیں کہا۔۔۔" وہ بیچارگی سے بولا تھا۔

"تم نے ایک بار معافی مانگی تھی اور میں اس بات کو بھول بھی گیا تھا۔۔۔قسم کھا کے کہتا ہوں دوبارہ کبھی میں نے اس بات کو یاد بھی نہیں کیا۔۔تم ہمیشہ میرے لئے وسامہ کی بیوی کی حیثیت سے قابل احترام رہی ہو۔"

قریب سے گزرتی ہوا نے ان دونوں کو دیکھا۔اداسی سے مسکرائی اور ماضی کی ایک یاد کو وقت کے ہاتھوں سے چھین کر ان دونوں کے درمیان لا کھڑا کیا۔بشام کا فلک بوس بصارت کے پردوں پر ایسے لہلہاتا ہوا نمودار ہوا جیسے پانی پر لہریں ہوا کے زور سے لحظہ بھر کو حرکت کرتی ہیں اور پھر ساکت ہو جاتی ہیں۔

تو یہ فلک بوس پر اترتی ایک شام کا منظر تھا۔آئے کت تالاب کے کنارے سفید پری کے سائے تلے رخ موڑے کھڑی تھی۔اس نے بالوں کو پورا کا پورا اوپر اٹھا کر جوڑا سا بنا رکھا تھا جس سے اس کی گردن کی خوبصورتی نمایاں ہو رہی تھی۔اس کی رنگت میں چاندنی کرنیں گھلی ملی سی محسوس ہوتی تھیں۔کانوں کی لو سے ننھے ننھے آویزے جھول رہی تھی۔آویزوں کے سفید موتی سر کی خفیف سی حرکت سے جھولنے لگتے تھے اور ان موتیوں کے ساتھ وسامہ کا دل بھی۔

لیکن اسوقت اس کے مقابل معاویہ کھڑا تھا اور آئے کت کی بات سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔اس کا دل چاہا تھا اس خوبصورت عورت کے چہرے پر اتنے تھپڑ مارے کہ دوبارہ وہ کسی کو اپنا چہرہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہے۔

ہوا کا ذرا تیز جھونکا آیا اور یاد کے اس منظر کو اپنے ساتھ اڑا تا لیتا چلا گیا۔راز، راز ہی رہے تو بھلا۔

معاویہ جھرجھری لیکر جیسے ہوش میں آیا تھا۔

"بھول جاؤ اس بات کو۔۔۔میں نے معاف کر دیا تھا تمہیں۔" معاویہ نے کہا۔

"تم نے معاف کر دیا تھا لیکن میں نے تو خود کو معاف نہیں کیا۔۔۔" آئے کت دکھ سے بولی۔

"اللہ نے بھی مجھے معاف نہیں کیا ہو گا تبھی مجھے ایسی بڑی سزا ملی ہے۔۔۔نہ شوہر رہا نہ اولاد۔اگر وسامہ کو پتا چلتا تو وہ کیا کرتا میرے ساتھ۔۔۔شاید مجھ پہ تھوک دیتا۔" وہ جیسے کسی اور ہی کیفیت میں تھی اور بولتی جا رہی تھی۔

"تم ایسا مت سوچو۔۔۔خدارا! تم ایسا مت سوچو۔۔۔جب میں نے ہی تمہیں معاف کر دیا تو اللہ تمہیں کیوں سزا دے گا۔"

"میں کیسی گھٹیا عورت نکلی جس نے شوہر کی موجودگی میں کسی دوسرے مرد کے لئے سوچا۔۔۔میں مر کیوں نہیں گئی تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے۔۔یقین کرو معاویہ! اگر مجھے موقع ملا تو اس گناہ کے لئے میں خود کو سنگسار کرنا مناسب سمجھوں گی۔۔۔" وہ رو رہی تھی سسک رہی تھی اپنے اس گناہ کے لئے شرمسار ہو رہی تھی جس کا اس نے صرف ارادہ کیا تھا اس پر عمل درآمد سے پہلے ہی اللہ نے اسے

http://kitaabghar.com

ہدایت دے دی تھی اور وہ شوہر کی طرف پلٹ گئی تھی۔

کیا اس سے اعلیٰ منصب، با کرہ اور کوئی عورت ہو سکتی تھی جو اپنے دل میں آئے ایک نامناسب خیال کے لئے بھی خود کو آگ میں جھونک دینے جیسی بڑی سزا کی حقدار قرار دیتی ہو۔ معاویہ کے دل میں اس کا منصب بڑھ گیا۔

اگر چہ وہ ایک بوجھ تلے سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ بیچاری پہلے ہی اپنے ضمیر کی ملامت سہہ رہی تھی۔ اور اس کا پچھتاوا معاویہ کے دل کا بوجھ بڑھا رہا تھا۔ وہ اس سے تسلی اور ہمدردی کے دو بول بولنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان نے بھی جیسے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس روز آئے کت وہاں سے روتے ہوئے اور پچھتاوے کا بوجھ لئے معاویہ کے سامنے سے چلی گئی لیکن سچ تو یہ تھا کہ وہ کبھی گئی ہی نہیں۔

معاویہ دن رات وسامہ کو یاد کرتا اور اس یاد کے ساتھ آئے کت اس کے ذہن میں بازگشت بن کر گونجتی رہتی۔ وہ استنبول چلی گئی اور معاویہ لاہور چلا گیا۔ لیکن دل وہیں کہیں رہ گئے دونوں کے۔ وہیں بشام کے فلک بوس میں تالاب کے کنارے۔

☆......☆......☆

اس روز شام سے ہی بادل گھر گھر کر آنے لگے تھے اور سر شام ہی ٹھنڈی ابر آلود ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ شاہجہان المعروف طوطے بھائی کو جس وقت اپنے کبوتروں کا خیال آیا رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور گھر کے سب ہی افراد سو چکے تھے۔ جب سے روشن چچی اور ان کی بیٹیاں اوپر شفٹ ہوئی تھیں کبوتروں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان پر منتقل ہو گئی تھی لیکن کبھی کبھار طوطے بھائی کی کبوتروں کے لئے دیرینہ محبت جاگ اٹھتی تھی اور اس رات بھی یہی ہوا تھا۔ لحاظہ اس نے چادر لپیٹی اور ٹارچ جلا کر اوپری منزل کا رخ کیا۔

بارش کا پہلا قطرہ گرتے ہی واپڈا کی مہربانی سے بجلی بند ہو گئی تھی۔ بجلی نہ بھی گئی ہوتی تو رات کے وقت فضل منزل کے بہت سے حصوں کی بتیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ کسی کی نیند خراب نہ ہو اس لئے وہ ٹارچ لیکر ہی نکلا۔ آگے آگے ٹارچ سے نکلتا ہوا روشنی کا گولہ تھا پیچھے پیچھے طوطا بھائی۔

اوپر والی سیڑھی پر جوں ہی پیر رکھا ٹارچ کی روشنی سیدھی سامنے منڈیر پر پڑی اور طوطا بھائی کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ دل جیسے بند ہو کر رواں ہوا۔ منڈیر کے پاس سر جھکائے خوش نصیب کھڑی تھی اور اپنے بے جان ہاتھ پیر مارتی منڈیر پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یقین کامل تھا کہ وہ خودکشی کی کوشش کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

پھر وقت گزرنے لگا۔ دن پر دن گزرے اور راتیں چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ آتی جاتی رہیں۔

وہ رات بھر سکون سے سوتا۔ یونیورسٹی جاتا دوستوں سے ملتا۔ ویک اینڈ پارٹیز اور آؤٹنگز میں گزارتا۔ بابا کہتے تو کبھی آفس بھی چلا جاتا۔ ہفتے میں دوبار طالب ماموں اور صاعقہ ممانی کو فون کرتا اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہتا۔ انہی سے آئے کت کی خیر خیریت بھی

معلوم ہو جاتی۔ ان چند مہینوں میں وہ دو بار پاکستان کا چکر لگا چکی تھی اور وسامہ کے بوڑھے ماں باپ سے مل کر گئی تھی۔ ادھر معاویہ اور ادھر آئے کت ان دونوں کو اپنے اپنے پاس بلانے کے لئے زور لگاتے رہے لیکن وہ دونوں ہی اپنا گھر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

معاویہ کے دل کا ایک کونہ وسامہ کے نام سے آباد تھا۔ بالکل ایسے جیسے قبرستان میں ایک قبر آباد ہو جاتی ہے۔ آپ جب جب اس کونے کا رخ کریں دل روتا ہے۔ آہیں اور سسکیاں جان کو آنے لگتی ہیں۔

جبکہ دوسرے کونے میں ارادے کی شمع روشن تھی۔ ایک نرم سا جذبہ اس شمع کی لو سے ایک کرن ادھار لیکر پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھار اپنے خیالات پر عجیب سی بے چینی کا شکار ہو جاتا تھا لیکن پھر اسے وسامہ سے کیا ہوا عہد یاد آنے لگتا اور اس کا ارادہ مزید پختگی اختیار کر لیتا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ اسے آئے کت سے کوئی افلاطونی محبت ہو گئی تھی۔ بس انسیت تھی جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی رہی تھی۔ وہ اس کے لئے فکر مند رہتا تھا نتیجتاً وہ ہر رات اسے یاد کرتے ہوئے سوتا اور صبح جاگنے پر پہلا خیال اسی کا آتا تھا۔

اگر آپ نے کبھی محبت کی ہے تو آپکو اندازہ ہوگا۔ محبت کا آغاز اکثر ایسے ہی واقعات سے ہوتا ہے جو پہلے پہل چونکا دیتے ہیں اور پھر حیرانی کا شکنجہ گلے میں ڈال کر اپنے ساتھ دوڑائے پھرتے ہیں۔

دو تین بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے آئے کت کو خیریت معلوم کرنے کے لئے کال بھی کی۔ کوئی بہت دوستانہ انداز میں باتیں نہیں کرتے تھے وہ بس ایسے جیسے دو واقف کار کچھ عرصہ بعد آپس میں بات چیت کر لیتے ہیں تو ایسے ہی ان کے درمیان باتیں ہوتیں اور پھر وہ فون بند کر دیتے۔ ان کی ملاقات کچھ مہینوں بعد ہی ممکن ہو سکی تھی۔

صاعقہ ممانی کے چھوٹے بھائی کے بیٹے اور بیٹی کی شادی تھی۔ گو کہ معاویہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا لیکن جب اس کی ماما کا انتقال ہوا اور اردشیر ازی اسے طالب ماموں کے حوالے کر کے اپنی نئی بیوی کے ساتھ ایران چلے گئے تو معاویہ ان سب میں ایسے گھل مل گیا تھا جیسے انہی کا حصہ رہا ہو۔ وسامہ کے دوست اس کے دوست بن گئے۔ وسامہ کے کزن اس کے کزن تھے۔ درحقیقت وسامہ نے معاویہ کے ساتھ صرف اپنے ماں باپ ہی نہیں ہر وہ رشتہ ہر وہ چیز شئیر کی تھی جس سے اسے کسی بھی طرح کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ تو خیر بلال اور اس کی بہن شازمہ کی کی شادی تھی اور انہوں نے بطور خاص معاویہ کو انوائیٹ کیا تھا۔ پھر صاعقہ ممانی کا اصرار بھی تھا وہ اسے دیکھنے کے لئے بے چین تھیں۔ کل ملا کر کوئی ایک بھی ایسی وجہ نہیں تھی جو معاویہ کو اس شادی پر جانے سے روک سکتی۔

ہاں ایسی بہت سی وجوہات تھیں جو اسے شادی میں جانے کے لئے اکسا رہی تھی اور ان میں سے ایک وجہ سے جاتے ہی اس کا سامنا ہو بھی گیا تھا۔

وہ ہلکے زرد رنگ کے لباس میں ملبوس ایک لمبے دوپٹے کو کندھوں پر ڈالے ایک ایسے زرد پھول کی طرح معلوم ہوتی تھی جو

مرجھانے کے قریب ہو۔اس کی رنگت کملا چکی تھی۔وزن اتنا گھٹ گیا تھا گالوں کے قریب ہڈیاں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔آنکھوں کے گرد حلقے بن گئے تھے۔اور آنکھوں کے ڈورے ویران لگتے تھے۔ریشمی بال کھردرے اور بدرنگ سے معلوم ہوتے تھے۔اس کے ہونٹ مسکراتے تو آنکھیں اس کا ساتھ نہ دیتی تھیں۔

اسے دیکھ کر معاویہ کو دکھ سا ہوا۔

''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔۔تم ایسی تو نہیں تھی آئے کت۔'' وہ اپنے تاثرات چھپا نہیں پایا تھا۔

''ایسی؟۔۔۔۔کیسی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دھیما سا مسکرائی تو آنکھوں کے کناروں پر لکیریں سی نمایاں ہو گئیں۔

''ایسی۔۔۔اتنی بے رنگ۔۔'' وہ اپنی بات سمجھانے کے لئے مناسب الفاظ تلاش نہیں کر پا رہا تھا سو یہی کہہ دیا۔

''جس کی ذات سے میری زندگی کے سارے رنگ جڑے تھے۔۔۔جب وہی نہیں رہا تو خود کو رنگوں سے سجا کر کیا کرونگی۔'' وہ اداسی سے بولی۔یہ اداسی معاویہ کے دل کی سرزمین پر پھیل کر اسے بے آب و گیاہ بنا گئی۔

''تم بہت کمزور بھی ہو گئی ہو۔۔۔اب پلیز یہ مت کہنا کہ جو تمہیں اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلاتا تھا وہ ہی اس دنیا سے چلا گیا تو میں کھانا کیسے کھاؤنگی۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

آئے کت فوری طور پر سمجھ نہیں سکی۔اس نے قدرے حیرانی سے معاویہ کو دیکھا اور پھر ایک دم سے ہنس دی۔اسے ہنستا دیکھ کر معاویہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

اس وقت دلہن کو مایوں لگائے جانے کا ہنگامہ اٹھا کم و بیش سبھی لڑکیاں خواتین زرد لباس پہنے یہاں وہاں پھرتی دکھائی دے رہی تھیں۔دلہن کے تخت کے پاس آ گئیں۔معاویہ دانستہ ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا ایسی زنانہ تقریب میں بھلا اس کا کیا کام ہو سکتا تھا۔لیکن اس کی نظریں وہیں رہیں تخت کے آس پاس کیونکہ آئے کت وہیں تھی اور معاویہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

دور سے بھی اسنے دیکھ لیا جب دلہن کو مایوں لگایا جا رہا تھا اور سب مہمان قریبی عزیز اسے کسی شہزادی کا سا پروٹوکول دے رہے تھے تو آئے کت جو مسکرا رہی تھی اس کی آنکھوں میں حسرت دکھائی دیتی تھی۔پھر رقص شروع ہوا تو لڑکیوں نے آئے کت کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ شامل کر لیا۔ایک طرف لڑکے دوسری طرف لڑکیاں۔دلہن کے تخت کے ارد گرد وہ سب دائرے میں گھوم رہے تھے اور اپنے سروں سے اوپر اور نیچے گھٹنوں کے پاس ہاتھ لے جا کر ایک لے میں تالیاں بجا رہے تھے۔دھکم پیل کے دوران ایک دوبارہ وہ ساتھ ساتھ بھی آ گئے اور ایک دوسرے کو ایسے گھومتا دیکھ کر بڑی خوبصورتی سے مسکرانے لگے۔

سب نے باری باری دلہن اور دلہن کے بھائی کو تیل اور ابٹن لگایا موتی چور سے منہ میٹھا کروایا اور روپے ان کے سر پر وار کر اٹھتے چلے گئے۔جب آئے کت کی باری آئی تو ایک بڑی عمر کی خاتون نے اسے منع کر دیا۔

"دلہا دلہن کو سہاگنیں مایوں مہندی لگاتی ہیں۔۔۔تم سہاگن نہیں ہو۔اپنا سایہ اس نئے جوڑے کی خوشیوں سے دور رکھو۔"

انہوں نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

آئے کت نے شرمندہ سی ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔مہمانوں کی ٹولی میں کھلبلی مچ گئی۔دور کھڑے معاویہ نے بھی سنا تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آئے کت کے عقب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ذکیہ آنٹی! آپ کیسی پرانے زمانے کی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔"اس کے ایک ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا گلاس تھا دوسرے ہاتھ کو اس نے پینٹ کی جیب میں گھسا رکھا تھا۔

"بیٹا! یہ پرانے زمانے کی باتیں بڑی عقل والی باتیں ہوتی ہیں۔۔۔سہاگن ہونا خوش بختی کی علامت ہے۔۔۔اور نئے دلہا دلہن پر صرف نیک سائے پڑنے چاہیئے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو آپ سب آئے کت کو بھی دعائیں دیں۔۔۔عنقریب یہ دوبارہ سہاگن ہو کر خوش بختوں کی فہرست میں شامل ہونے والی ہے۔۔۔"

معاویہ کی اس بات پر ایسا ردعمل جاگا جیسے روشنی کی تیز لہر سرعت سے سفر کرتی ہے اور چاروں اور اجالے کو قابض کر دیتی ہے۔خود آئے کت بھی تعجب سے معاویہ کی شکل دیکھنے لگی لیکن اس کی پہلی بات نے کیا سب کو حیران کیا تھا جو اگلی بات نے کر دیا۔

"اگلے مہینے ہم دونوں شادی کر رہے ہیں۔۔۔شادی کی تقریبات فلک بوس میں ہونگی۔۔۔آپ سب لوگ ضرور آیئے گا۔"

اس نے مسکرا کر اور کچھ ایسی مسرت سے یہ خبر سب کو سنائی کہ سب ہی کو حیران کر کے رکھ دیا خود آئے کت بھی ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں تو بڑے چھپے رستم نکلے۔۔۔اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔"کسی نے کہا۔

"خبر دینے کے لئے بھی کسی مناسب موقعے کی تلاش تھی ہمیں۔۔۔"وہ مستقل خوبصورتی سے مسکرا رہا تھا۔

"بہت مبارک ہو۔۔۔خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔"کسی دوسری بزرگ خاتون نے کہا تھا اور پھر سب ہی ان دونوں کو مبارک دینے لگے۔

معاویہ مبارک بادیں وصول کرتا آئے کت کے عقب میں کھڑا ذرا سا آگے جھکا۔سامنے میز پر رکھے تھال سے ابٹن اپنی انگلیوں میں بھر کر آئے کت کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

آئے کت کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ کچھ سمجھ پاتی۔حتیٰ کہ معاویہ کی چمکتی آنکھیں بھی اسے سمجھا نہیں پا رہی تھیں پھر معاویہ نے ہی اسے ٹھوکہ دیا تو وہ ذرا سا گڑبڑائی اور چونکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر دلہن کو مایوں لگانے لگی۔

دلہن کے پاس سے اٹھی تب تک معاویہ دوسری طرف جا چکا تھا۔اگلے دو ڈھائی گھنٹے ان دونوں کو آپس میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔پھر جب وہ ذہنی کشمکش سے بالکل تھک گئی تو کھانا شروع ہونے کے کچھ دیر بعد معاویہ، جو اس وقت اپنی پلیٹ پکڑے کھڑا تھا اور ساتھ وسامہ کے کزن سے باتیں کرنے میں مصروف تھا اس کا ہاتھ پکڑ اکر اسے ایک طرف لے گئی۔

"یہ کیا بکواس کی ہے تم نے ابھی؟" اس نے غصے سے ماتھے پر تیوریاں ڈالے ہوئے پوچھا۔

"کونسی بکواس؟" اس نے ایسے آئے کت کو دیکھا جیسے بالکل ہی لاعلم ہو۔آئے کت کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"ایسے پوزمت کرو جیسے تمہیں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔" اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

"میں مانتی ہوں تمہاری مذاق کرنے کی عادت ہے۔۔لیکن نہ ہی میری زندگی اور نہ ہی شادی کرنے جیسا اہم فیصلہ کوئی مذاق ہے کہ تم کہیں بھی کھڑے ہو کر کچھ بھی کہہ دو اور میں چپ چاپ برداشت کرتی رہوں۔" وہ بہت غصے سے بول رہی تھی۔

معاویہ سکون سے کھڑا اس کی بات سن رہا تھا۔

"میں نے مذاق نہیں کیا۔۔۔میں واقعی اگلے مہینے تم سے شادی کر رہا ہوں۔" آئے کت کے خاموش ہوتے ہی اس نے اتنے ہی سکون سے کہا جتنا سکون اس کے چہرے پر نظر آرہا تھا۔اور کہہ کر دائیں ہاتھ میں پکڑے کانٹے پر چکن کا ایک ٹکڑا لگا کر مزے سے کھانے لگا۔

وہ کتنے اعتماد سے بات کر رہا تھا بالکل ایسے جیسے اسے آئے کت کے کسی بھی فیصلے کی پرواہ نہ ہو۔آئے کت کا غصہ چند لحظہ کے لئے تعجب میں بدل گیا۔اور پھر یہ تعجب طیش میں بدل گیا۔

"اور مجھ سے شادی کرنے سے پہلے اگر ایک بار مجھ سے بھی پوچھ لیا جائے کہ میں تم سے شادی کر رہی ہوں یا نہیں۔۔۔تو کیسا رہے گا۔" اس نے بازو سینے پر باندھتے ہوئے سرد سے طنز کے ساتھ کہا تھا۔

معاویہ کے اطمینان میں چندا فرق نہ آیا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے پوچھوں۔۔تو پوچھ لیتا ہوں۔۔۔آئے کت! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟۔۔۔" اس نے سراسر مزاق اڑانے والے انداز میں پوچھا تھا اور پھر ساتھ ہی کہا تھا۔

"ویسے اس سوال سے کوئی خاص فرق تو نہیں پڑے گا۔۔۔کیونکہ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو۔"

"کیا بکتے ہو؟" وہ چڑ کر بولی تھی۔"میں کسی قیمت پر تم سے شادی نہیں کرونگی معاویہ!"

"قیمت چیزوں کی لگائی جاتی ہے۔۔۔جذبوں کی نہیں۔" اب اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مجھ سے شادی نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟۔۔۔ایسے ہی ساری زندگی وسامہ کی یادوں کو سینے سے لگائے پھرتی رہو گی؟۔۔۔

ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔ایسا کرو جاؤ اور اندر جا کر اعلان کر دو کہ ابھی معاویہ نے جو بات کہی وہ سراسر جھوٹ ہے۔۔ہم کبھی ایک دوسرے سے شادی نہیں کریں گے۔۔پھر وہاں سب تمہیں رحم بھری نظروں سے دیکھنے لگیں گے۔۔۔تم انہیں دیکھنے دینا۔۔۔جب تمہیں بیوہ اور اجڑی ہوئی کہہ کر دلہا دلہن کے پہلو سے اٹھا دیا جائے تو وہاں سے اٹھ جانا۔۔۔لیکن اپنی ان آنکھوں کو دکھ سے بھرنے نہ دینا۔۔۔تمہاری خوشی کے لئے میں تم سے دستبردار ہو سکتا ہوں آئے کت! لیکن تمہاری ان آنکھوں میں تیرتے دکھ کو نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ اتنی سچائی اور اتنے اخلاص کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ آئے کت تعجب کے مارے کچھ بول بھی نہ سکی۔

معاویہ اب حد سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔وہ سانس لینے کے لئے ذرا رکا پھر اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"وسامہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑونگا۔۔وسامہ سے کیا ہوا عہد تو ہر حال میں پورا کرنا ہی تھا مجھے۔۔۔لیکن ہاں یہ سب ایسے کرنے کا ارادہ نہیں تھا میرا۔۔۔میں نے سوچا تھا تم سے بات کرونگا۔پھر جو تمہارا فیصلہ ہوگا میں اس کا احترام کرونگا۔۔۔تم ابھی بھی انکار کر سکتی ہو آئے کت! میں ابھی بھی تمہارے فیصلے کو ہی اہمیت دونگا۔۔لیکن وہاں سب کے درمیان بیٹھ کر تمہیں شرمندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا میں۔۔۔افلاطونی محبت کا دعویٰ نہیں مجھے۔لیکن۔۔۔لیکن میں تمہیں خوش رکھونگا اور دنیا کے کسی دکھ کو تمہارے قریب بھی نہیں آنے دونگا۔اور یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ رخ دوسری طرف کیئے ایسے بولتا چلا گیا جیسے رٹا رٹایا سبق سنا رہا ہو۔

"گینداب تمہارے کورٹ میں ہے۔۔۔اپنا فیصلہ سناؤ آئے کت!"

"معاویہ! میں۔۔۔" اس نے کہنا چاہا لیکن الجھن بھرے انداز میں بول نہ سکی۔

"لفظوں میں نہ تم مجھے الجھا سکتی ہو نہ مجھے ہرا سکتی ہوں۔۔۔مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہیئے۔" وہ اس کی طرف پلٹا۔

"میں اپنے بھائی کی بیوہ کو دنیا میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔دنیا مجھے اجازت نہیں دے گی کیونکہ دنیا ہمدردی کے رشتوں کو بہت سے غلط ناموں سے یاد رکھتی ہے۔۔۔البتہ مذہب مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اس ہمدردی کے رشتے کو شرعی تعلق میں تبدیل کر لوں اور کسی کو خود پر انگلی اٹھانے نہ دوں۔"

"تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن۔۔۔لیکن میں تم سے شادی نہیں کر سکتی معاویہ!" وہ روانکھی ہو گئی تھی اس نے منت سے کہا۔

"کیوں؟" وہ جرح پر آمادہ ہوا

"کیونکہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" اس نے آنکھیں اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔جھوٹ بولنے کے لئے انسان کو جو ہمت درکار ہوتی ہے وہ شائد اسی طرح حاصل ہو سکتی تھی۔

''شادی کرنے کے لئے پہلے محبت کرنا اتنا ضروری بھی نہیں ہوتا۔۔۔ساتھ رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔'' اس کے پاس آئے کت کے ہر اعتراض کا خاطر خواہ جواب موجود تھا۔ پھر وہ اس کے بالکل سامنے آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اپنی پلیٹ اس نے ایک طرف زمین پر رکھ دی اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور آخر یہ جھوٹ ہم کب تک ایک دوسرے سے بولتے رہیں گے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؟۔۔ وسامہ کے دکھ نے ہی سہی۔۔۔ ہم دونوں کے دلوں کو ایک دھن پر دھڑکنا تو سکھا ہی دیا ہے۔''

وہ ہولے سے مسکرایا اور اپنی خوبصورت آنکھوں سے اس نے آئے کت کو دیکھا۔

وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ رو رو کر آنکھیں اور ناک لال ہو رہی تھیں اور وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ حقیقت کی بجائے دیو مالائی داستان کا کردار معلوم ہوتی تھی۔

معاویہ کو ایسا لگا اس کا دل ہی آئے کت کی آنکھوں میں ٹھہرے پانی میں ہچکولے کھانے لگا ہے۔

''افلاطونی محبت ابھی تک ہے تو نہیں۔۔۔ لیکن مجھے لگتا ہے عنقریب میں تمہاری محبت میں دیوانہ ہونے والا ہوں۔''

اس نے انگلی کی پور سے آئے کت کی ناک کو چھوا اور دلکشی سے مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ نے آئے کت سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا آئے کت کی طرف سے اسے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن صاعقہ ممانی اور طالب ماموں بھی اس شادی کے خلاف ہوں گے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''مجھے لگا تھا آپ دونوں کو میرے اس فیصلے سے خوشی ہو گی۔ لیکن یہاں تو آپ دونوں ہی منہ پھلا کر بیٹھ گئے ہیں۔۔۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر ہو کر بولا تھا۔

''ہم منہ پھلا کر نہیں بیٹھے۔ بس تمہاری نسبت ہم حالات و واقعات کو زیادہ حقیقت پسندی سے دیکھ رہے ہیں۔'' صاعقہ ممانی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اور کیا کہتی ہے آپ کی یہ حقیقت پسندی؟'' وہ صوفے پر بیٹھا تھا سینے پر بازو باندھتے ہوئے اس نے ممانی کو ایسے دیکھا جیسے ان کے ہر اعتراض کا قلع قمع کر دینے کا ارادہ کر چکا ہو۔

صاعقہ ممانی نے طالب حسن کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہے تھے لیکن ان کی خاموشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان کا جھکاؤ کس کی طرف ہے۔ بالآخر انہوں نے خود ہی بات کرنے کی ٹھانی۔

''یہ بڑی بے جوڑ شادی ہو گی معاویہ! اگر ابھی تم جذباتیت میں آئے کت سے شادی کر بھی لو تو بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔''

وہ سارے پہلو اس کے سامنے رکھ دینا چاہتی تھیں۔

''بے جوڑ کیسے؟''

''تمہاری اور آئے کت کی عمر میں چار سال کا فرق ہے۔۔'' انہوں نے ایسے کہا جیسے کہہ رہی ہوں یہ اتنی بڑی بات ہے۔

''چار سال کا فرق ہے چار صدیوں کا تو نہیں۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔

''یہ معمولی بات نہیں ہے معاویہ!''

''اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے ممانی!'' اس نے حیرانی سے کہا۔'' آپ بھی تو ماموں سے چھ سال چھوٹی ہیں۔۔لیکن عمر کے اس فرق نے آپ دونوں کی شادی کو تو نا کام نہیں ہونے دیا۔میرے حساب سے آئیڈیل میرڈ لائف گزاری ہے آپ لوگوں نے۔'' اس نے تائید کے لئے طالب حسن کو دیکھا تو انہیں زیرلب مسکراتے ہوئے پایا۔

''عورت کا مرد سے کم عمر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔لیکن عورت کو بڑی عمر کا نہیں ہونا چاہیئے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی تھیں۔

''لڑکا؛لڑکی کوایڈجسٹ کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔''

''میں اس مفروضے کو غلط ثابت کر کے دکھاؤنگا۔''

وہ جھنجھلا کر بھی تھک سی گئیں۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو۔۔وہ وسامہ کی بیوی ہے۔تمہارے بھائی کی بیوی۔اس سے کیسے شادی رک سکتے ہو تم۔''

''آئے کت وسامہ کی بیوہ ہے۔۔اور معاویہ کا اس سے شادی کا ارادہ کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔۔۔مجھے خوشی ہے کہ معاویہ اسے سہارہ دینے کا سوچ رہا ہے۔'' انہوں نے سراہتی نظروں سے معاویہ کو دیکھا تھا۔

''میں نے وسامہ سے وعدہ کیا تھا آئے کت کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑونگا۔۔۔مجھے میرا وعدہ پورا کرنے دیں ممانی!'' معاویہ انہیں اپنی سائیڈ لیتا دیکھ کر جلدی سے بولا۔

''دیکھو۔۔مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔'' طالب حسن نے فورا کہا تھا۔''اور جہاں تک میرا خیال ہے صاعقہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا بشرطیکہ۔۔۔'' انہوں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''بشرطیکہ؟۔۔''

''تمہارے باپ کو اعتراض نہ ہو۔'' طالب حسن نے اب بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ایسی کونسی بات ہے جس پر آج تک انہوں نے اعتراض نہ کیا ہو؟'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''میرا آپ لوگوں کے پاس رہنے کا decision ہو یا کسی پاکستانی انسٹی ٹیوٹ سے ڈگری لینے کا ارادہ۔۔۔زندگی میں ہر

فیصلے پر بابا کے اعتراضات ہی سنے ہیں۔۔ جہاں اب تک سن رہا ہوں ہیں ایک اور سہی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا اسے رتی بھی پرواہ نہیں تھی۔

"میری ماں کو ذہنی طور پر بیمار بنا کر جتنا نقصان کیا ہے انہوں نے میرا۔۔۔اس کے بعد تو مجھے ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں نفرت نظر آ رہی تھی۔

"اس بات کو اب کئی سال گزر چکے ہیں معاویہ! اپنے باپ کی غلطیوں کو تم بھول کیوں نہیں جاتے۔" طالب حسن نے کہا۔

"میں نہیں بھول سکتا۔۔آپ جانتے ہیں مجھے اپنے نقصان کبھی نہیں بھولتے۔" سامنے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

صاعقہ اور طالب حسن ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"آئے کت کیا کہتی ہے؟" صاعقہ ممانی نے پوچھا ساتھ ہی بولیں۔ "میرا نہیں خیال وہ اس شادی پر راضی ہو گی۔تم سے بڑی عمر کی ہے عقل بھی تم سے زیادہ ہو گی اس میں۔۔۔ایسی بے جوڑ شادی پر کبھی رضامندی نہیں دے گی وہ۔" انہیں جیسے یقین تھا۔

معاویہ نے بے ساختہ انہیں دل میں سراہا کہ ان کا اندازہ ہی درست تھا۔آئے کت کو اپنی اور معاویہ کی عمر کا تو پتا نہیں لیکن دنیا کی باتوں کا ڈر بہر حال تھا۔

"اسی لئے میں نے آئے کت سے پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔۔۔میں نے بس اسے بتا دیا ہے کہ میں اس سے شادی کرنے والا ہوں۔" اس نے اتنے اطمینان سے اور اتنے اعتماد سے کہا تھا کہ صاعقہ ممانی ہکا بکا رہ گئیں اور طالب حسن اپنا قہقہہ روک نہیں پائے تھے۔

"شاباش میرا شیر! یہ کی ہے ناں صحیح مردوں والی بات۔۔۔عورت سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے وہ راضی ہے یا نہیں۔جو ارادہ کر لیا سو کر لیا۔" وہ بڑا خوش ہو کر سراہ رہے تھے اسے، لیکن سنجیدہ نہیں تھے۔

صاعقہ ممانی نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"اس کا پہلے ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔آپ ایسی باتیں کر کے اور شہہ دیں اسے۔"

وہ ہنسنے لگے۔ "میں شہہ نہیں دے رہا۔۔بس ایک نیک ارادے پر سراہ رہا ہوں۔"

"اس میں کیا نیکی ہے۔۔۔مجھے یہ بتائیں۔" وہ ناراضی سے بولیں۔

"آئے کت اچھی خاصی ہے۔۔کسی سے بھی شادی کر سکتی ہے۔"

"تو وہ کسی میں کیوں نہیں ہو سکتا؟" وہ ہنس کر بولا تھا۔ "اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ کو آخر اعتراض کس بات پر ہے۔۔آئے کت کے شادی کرنے پر یا میرے اس سے شادی کرنے پر۔"

صاعقہ ممانی اپنے غصے اور ناراضی کے باعث فوری طور پر کچھ بھی بول نہیں سکیں۔ پھر انہوں نے دبی دبی سی ناراضی کے ساتھ کہا۔

''تمہیں وہ اچھی لگتی ہے؟''

''بہت۔'' وہ زیر لب مسکراتا زور دیکر بولا۔

صاعقہ ممانی کی ناراضی میں اضافہ ہو گیا۔

''کیسی لڑکی ہے آئے کت۔ پہلے میرا بڑا بیٹا پھانس لیا اور اب چھوٹا بھی۔''

معاویہ اور طالب حسن دونوں ہی سنجیدہ ہو گئے۔

''آپ آئے کت سے بدگمان نہ ہوں۔۔۔ وہ تو میں ہی اس کے پیچھے پڑا ہوں۔ وہ تو اب تک راضی نہیں ہوئی مجھ سے شادی کرنے پر۔''

''وہ راضی نہیں ہوئی تو کیا خود بخود تمہارے دل میں یہ خیال آ گیا؟۔۔۔ میں اچھی طرح ایسی لڑکیوں کو جانتی ہوں۔۔۔ ایسے ہی معصوم بن کر اور ادائیں دکھا دکھا کر معصوم اور سیدھے سادھے لڑکوں کو پھنسا لیتی ہیں۔'' وہ حد درجہ بدگمان ہوئی بیٹھی تھیں۔

''کاش اس نے مجھے ادائیں ہی دکھالی ہوتیں تو میں بھی آپ کی طرح بدگمان ہو کر بول لیتا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جاکران کے پاس بیٹھ گیا۔

''میں صرف وسامہ کی خواہش پوری کر رہا ہوں ممانی! آئے کت کو میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ وسامہ کی یاد میں اپنی زندگی برباد کر لے گی لیکن کسی سے شادی نہیں کرے گی۔۔۔ آپ خود بتائیں کیا وسامہ کو یہ اچھا لگے گا کہ آئے کت اس کے لئے خوشیوں سے منہ موڑے رہے؟۔۔۔''

اب وہ سب خاموش ہو گئے صاعقہ ممانی کو معاویہ کی لاجک درست لگ رہی تھی۔

''خوشی کوئی پیسوں سے خریدی جانے والی چیز تو ہے نہیں ممانی! کہ میں دھڑا دھڑ خرید کر لاتا رہوں اور آئے کت کی جھولی میں ڈالتا چلا جاؤں۔۔۔ اسے خوش رکھنے کا اسے زندگی کی طرف لانے کا ایک یہی طریقہ مجھے تو سمجھ آیا ہے کہ اس سے شادی کر لوں۔۔۔ باقی یہ میرا فیصلہ ہے جو آپ کو مناسب لگے وہ مجھے بتا دیجئے گا۔۔۔ اگر آپ چاہتی ہیں میں آئے کت سے شادی نہ کروں تو۔۔۔ تو میں ابھی بھی اپنا ارادہ بدل سکتا ہوں۔'' اس نے اپنی بات مکمل کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''کیوں معاویہ کی خوشیوں کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو رہی ہو؟۔۔۔'' طالب حسن نے چند منٹ کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

''میں دیوار نہیں بن رہی۔۔۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں معاویہ، وسامہ یا آئے کت کی ہمدردی میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے جسے

آنے والی زندگی میں نبھانا اس کے لئے مشکل ہو جائے۔"

"وسامہ نے جب آئے کت سے شادی کا فیصلہ کیا۔۔۔اسوقت میں نے بھی یہی حماقت کی تھی۔ مجھے لگا تھا وسامہ اپنے لئے درست فیصلہ نہیں کر سکتا۔اور جب میں اسے قائل نہیں کر سکا تو میں اس سے ناراض ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے صاعقہ!۔۔تم کیوں معاویہ کے ساتھ وہ سب کرنا چاھتی ہو جو میں نے وسامہ کے ساتھ کیا تھا۔" وہ بڑے دکھ سے کہہ رہے تھے۔

"آپ وسامہ اور معاویہ کے حالات کو آپس میں مت ملائیں۔۔وسامہ محبت کرتا تھا آئے کت سے۔معاویہ ہمدردی میں یہ فیصلہ کر رہا ہے۔" انہوں نے زور دیکر کہا تھا۔

طالب حسن مسکرا دیئے۔

"تم دنیا کی سب سے بڑی بیوقوف ہو گی اگر معاویہ کی آنکھوں میں آئے کت کے لئے نظر آتی پسندیدگی کو نہ پہچان سکو۔۔"

"لیکن اس نے ابھی خود ہی تو کہا ہے۔۔"

"شادی کے ذریعے ہی آئے کت کو خوشی پہنچانی ہے تو اس کی شادی کسی سے بھی کروائی جا سکتی ہے۔۔معاویہ خود کیوں اس سے شادی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے؟"

وہ مسکرا رہے تھے۔صاعقہ کی پیشانی پر سوچ کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

☆......☆......☆

مسٹر جمال کا فشار خون اس حدتک تیز ہو گیا تھا کہ وہ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھا پا رہے تھے پاکستان جانا نہ جانا ایک ایسا موضوع تھا جس پر ہر وقت وہ بحث و مباحثے کے لئے تیار رہتے تھے۔

چہرہ بری طرح لال ہوا نظر آ رہا تھا۔لیکن غصے کے باوجود انہوں نے کھانا کھانے کا مشغلہ ترک نہیں کیا تھا وہ اسی رغبت سے کھاتے رہے تھے جس سے پہلے کھا رہے تھے فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ کھانے کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی غصے کے مارے وہ اتنی تیزی سے چبا رہے تھے کہ ان کی کنپٹی کے قریب ایک رگ پھڑ پھڑاتی ہوئی صاف نظر آنے لگی تھی۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔۔آدم راضی ہو یا نہ ہو۔۔اگلے مہینے ہم سب پاکستان جائیں گے۔۔وہیں ہے ہم سب کی بنیاد۔۔۔انسان جتنی مرضی ترقی کر لے اپنے اصل کو اسے نہیں بھولنا چاہیئے۔" انہوں نے اعلان کرنے والے انداز میں بات مکمل کی اور پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

مسز جمال ان کے اس فیصلے پر بے آب مچھلی کی طرح پھڑک کر رہ گئیں۔۔بے ساختہ انہوں نے منفرا کی طرف دیکھا وہ بیزار سی نظر آ رہی تھی اور کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔

http://kitaabghar.com

"آدم جانے کے لئے کبھی راضی نہیں ہوگا۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے کہہ دیا تھا۔

"اس کا تو باپ بھی راضی ہوگا۔" مسٹر جمال بھڑک کر بولے۔

سوئے اتفاق اسی وقت آدم اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس لینے واپس اندر آ رہا تھا اس نے مسٹر جمال کا جملہ سن لیا اور فوراً لقمہ دینے والے انداز میں کہا۔

"باپ تو بالکل راضی ہے۔۔۔ وہ جب چاہے جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے جانے کے لئے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔" اس کا انداز سراسر آگ لگانے والا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ تمہاری بدتمیزیوں سے تنگ آ کر کسی دن قتل کر دوں گا میں تمہیں۔" انتہائی طیش سے انہوں نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

"اچھا ہوا جو آپ نے مجھے اپنے ارادوں کی خبر دے دی۔۔۔ میں جلد ہی آپ پر اقدام قتل کا کیس فائل کروا دوں گا۔" وہ مزے سے بولا۔

"باپ پر کیس کرو گے۔۔۔ مجھے جیل بھجواؤ گے۔۔۔ تھوڑی شرم کرو۔" وہ ہکا بکا ہو کر بولے۔

"آپ میرے قتل کا ارادہ کرتے نہ ڈریں اور میں کیس کرتے ہوئے شرما جاؤں۔۔۔ کم آن ڈیڈ! دس از ناٹ فیر۔"

منفرا جو چپ چاپ ان دونوں کو سن رہی تھی زچ ہی ہو گئی۔ اس نے نرمی سے کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا اور نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتا ہوتا اتنے دن کے بعد واپس آ کر بھی آپ لوگوں کو جھگڑتے ہوئے ہی دیکھنا پڑے گا تو میں اور زیادہ دن لگا کر آتی۔" وہ آہستگی سے کرسی گھسیٹ کر اٹھی اور مایوس اور خفا سی چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ارے رکو منفرا۔۔۔ آدم کے بچے! دیکھا تمہاری وجہ سے وہ ناراض ہو گئی۔" یکا یک مسٹر جمال کے تاثرات بدل گئے اور غصے کی جگہ ان کے چہرے پر حواس باختگی دکھائی دینے لگی۔

"آدم کے بچے کی وجہ سے نہیں۔۔۔ وہ آپ کی وجہ سے ناراض ہو کر گئی ہے ڈیڈ!" اسے بھی افسوس ہو رہا تھا۔

"اب تم دونوں ایک دوسرے کو الزام دیتے رہو۔۔۔" مسز جمال نے ناراضی سے کہا۔ "وہ بیچاری اتنے دن کے بعد آئی ہے اور تم باپ بیٹا کی ڈرامے بازیاں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔"

"کم آن مام! ہم صرف اسے تنگ کر رہے تھے۔" آدم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ اور ایسے ہی اس نے مسٹر جمال کو دیکھا تھا۔

"اور نہیں تو کیا۔۔۔ ہم دونوں باپ بیٹا کی تو اتنی دوستی ہے کہ ایک دوسرے سے اختلاف کا سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔ میں جانتا ہوں میری طرح آدم بھی جلد از جلد پاکستان جانا چاہتا ہے کیوں آدم؟" انہوں نے بچوں کی طرح جوش سے کہتے ہوئے آدم کے کندھے پر

ہاتھ مارا تھا آدم کی مسکراہٹ بھک سے غائب ہوگئی۔

''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔''ان دونوں میں دوبارہ سے بحث چھڑ گئی تھی۔

''کون پاکستان جائے گا کون نہیں۔۔۔آپ دونوں اسی بات پر بحث کرتے رہیں۔۔۔میری ساری محنت بیکار گئی منفرا نے کوئی بھی چیز ڈھنگ سے نہیں کھائی۔''انہیں اسی بات کا غم کھائے جا رہا تھا۔اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ منفرا کے لئے پلیٹ تیار کرنے لگیں اور آدم اور مسٹر جمال کو انہوں نے ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جن کا کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کب ایک دوسرے کے دوست بن جائیں کب دشمن۔

☆......☆......☆

اردشیر ازی کو پتا چلا تو ان کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔انہوں نے اپنے سیکریٹری سے معاویہ کو فون کروایا اور کہا کہ وہ ان سے آکر ملے۔

معاویہ چلا گیا وہ جانتا تھا اردشیر ازی اس شادی کی سب سے زیادہ مخالفت کریں گے۔ایک بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہو جاتی تو بہتر تھا بار بار کے اعتراضات سے جان چھوٹ جاتی۔یہی سوچ کر معاویہ ان سے ملنے چلا آیا۔

اردشیر ازی اس وقت کانفرنس روم میں تھے اور کسی میٹنگ میں مصروف تھے۔معاویہ کو ان سے ملنے کے لئے تھوڑا انتظار کرنا پڑا اور اس انتظار نے اسے مزید متنفر اور بدلحاظ کر دیا۔ساری زندگی وہ اس پر اپنے فیصلے مسلط کرتے رہے تھے۔ساری زندگی انہوں نے اسے اپنی زندگی میں ثانوی حیثیت پر رکھا تھا کم سے کم وہ اب انہیں اپنے ساتھ یہ نہیں کرنے دے سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد اردشیر ازی نے اسے کانفرنس روم میں ہی بلا لیا۔وہ لمبی میز کی سربراہ کرسی پر براجمان تھے اور ان کی گردن مخصوص نخوت سے اکڑی ہوئی تھی۔مجموعی طور پر وہ بڑے ہینڈسم انسان تھے۔وجاہت ختم تھی ان پر۔اور معاویہ نے وجاہت وراثت میں اپنے باپ سے ہی وصول کی تھی۔

لیکن اردشیر ازی کی پیشانی چھوٹی تھی جو ان کی تنگ دلی کا پتا دیتی تھی۔

جوں ہی وہ اندر داخل ہوا اردشیر ازی نے اسے ایک نظر دیکھا اور دوبارہ سے اپنے سامنے کھلے ہوئے لیپ ٹاپ کی اسکرین کی طرف دیکھنے لگے۔ان کے چہرے کے عضلات کھنچے ہوئے تھے اور وہ بیحد سنجیدہ نظر آرہے تھے بلکہ کسی حد تک ناراض۔

لیکن معاویہ کو فرق نہیں پڑتا تھا۔وہ ان کی متوقع ناراضی کو پہلے ہی پس پشت ڈال چکا تھا۔

''آپ نے مجھے بلوایا۔''اس نے وہیں کھڑے ہوئے پوچھا۔

اردشیر ازی نے اس بار نظر اٹھا کر بھی اسے نہیں دیکھا اور ہاتھ سے ہی دائیں کرسی کی طرف اشارہ کر دیا۔''بیٹھو۔''

وہ بیٹھ گیا لیکن ان کے ساتھ والی کرسی پر نہیں بلکہ ان کے مقابل رکھی ہوئی سربراہ کرسی پر۔یہ سرکشی اور بغاوت کا اظہار تھا۔اردشیر ازی چونک سے گئے۔

http://kitaabghar.com

''یہ میں کیا سن رہا ہوں؟۔۔۔شادی کرنے جیسا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہو تم۔''انہوں نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے بات شروع کی۔

''میں نے اپنی شادی کا فیصلہ کیا ہے۔۔اپنی شادی کا فیصلہ میں خود نہیں کرونگا تو کون کرے گا؟''وہ سہولت سے کندھے اچکا کر بولا تھا۔

''تم ابھی صرف بائیس سال کے ہو۔۔۔اتنی جلدی شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''انہوں نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔

''بائیس سال کی عمر میں شادی کرنے پر پابندی تو نہیں ہے۔''اس نے مصنوعی سی حیرانی کے ساتھ کہا تھا۔

''اپنی پڑھائی مکمل کرو بزنس پر دھیان دو۔۔۔اس کے بعد شادی کرتے رہنا۔''

''پڑھائی اور بزنس تو میں شادی کے بعد بھی کر سکتا ہوں۔''

''لیکن شادی کے بعد سو اور جھمیلے شروع ہو جائیں گے۔۔۔تم ان دونوں میں سے کسی چیز پر بھی کانسنٹریٹ نہیں کر سکو گے۔''

''میں کرلونگا بابا!۔۔بے فکر رہیں آپ۔''اس نے چیلنج کرتی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

''معاویہ!میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''آپ کو نہیں لگتا بڑا بے تکا اعتراض اٹھایا ہے آپ نے۔''وہ بات کیا سمجھتا جھنجلا کر بولا تھا۔

''تو ٹھیک ہے میں مناسب اعتراض اٹھاتا ہوں۔۔۔آئے کت سے کیسے شادی کر سکتے ہو تم۔وہ لڑکی تمہارے قابل نہیں ہے۔''انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

معاویہ کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے۔

''کیا برائی ہے اس میں؟۔۔۔یا ایسی کونسی کمی ہے جس کی بنا پر وہ میری بیوی نہیں بن سکتی۔''

''وسامہ کی بیوہ ہے وہ۔''

''اسلام مجھے بیوہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔''

''اسلام کا حوالہ کم سے کم تم اس لڑکی کے لئے تو مت دو جس کے اپنے مذہب کا کچھ پتا نہیں ہے۔''انہوں نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

''آئے کت کے ماں باپ آتش پرست تھے لیکن انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔آئے کت مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی ہے اور مسلم ماں باپ نے ہی اس کی پرورش کی ہے۔یہ بات تو وسامہ کی شادی کے وقت ہی معلوم ہو گئی تھی ہمیں۔''اس کا لہجہ اردشیر ازی سے بھی زیادہ تیز ہو گیا تھا۔

''کوئی ثبوت ہے؟''وہ تمسخر سے بولے۔''کوئی گواہ ہے اس بات کا کہ اس کے ماں باپ نے اسلام قبول کیا تھا۔۔جس لڑکی

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

کے ماں باپ کی ہی کوئی خیر خبر نہیں اس کے بارے میں کوئی گواہی کیسے دے سکتا ہے۔"

معاویہ کی پیشانی پر اتنے بل پڑ گئے کہ اس کی جلد پر جال سا بچھا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس نے غصے سے جبڑے بھینچ لئے تھے۔

"آپ بھی تو صرف کلمہ گو مسلمان ہی ہیں۔۔۔ ورنہ مسلمانوں والے کونسے کام کیئے ہیں آپ نے۔۔۔" اچانک سے اس نے کہا۔

اردشیر ازی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "کیا بکتے ہو؟" انہوں نے غرا کر کہا تھا۔

"سود آپ لیتے ہیں۔ جھوٹ آپ بولتے ہیں۔ ہر طرح کی ہیرا پھیری آپ کے کاروبار میں جائز ہے۔۔۔ عملاً اس ملک کی سیاست میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے لیکن سیاستدانوں سے تعلقات قائم کر کے اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں آپ کا کتنا حصہ ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ دانت بھینچ کر غرائے تھے۔

"تمہارا دماغ تمہاری ماں کے رشتہ داروں نے خراب کر دیا ہے۔۔۔ جیسی تمہاری ذہنی پرورش ہوئی ہے یہ تمہیں کبھی ترقی نہیں کرنے دے گی۔"

"اگر اتنی ہی فکر تھی آپ کو۔ تو مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے تھا۔۔۔ کیوں مجھے میری ماں کے رشتہ داروں کے کندھوں پر ایک بوجھ کی طرح ڈال کر چلے گئے تھے۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تھا۔

"میں مجبور تھا۔۔۔ تم اتنے چھوٹے تھے کہ میں تمہاری دیکھ بھال نہیں کر سکتا تھا۔" انہوں نے فوراً کہا تھا۔

"میں مجبور نہیں ہوں۔۔۔ نہ ہی چھوٹا رہا ہوں کہ آپ ہر وقت میری ہی دیکھ بھال میں لگے رہیں۔۔۔" اس نے دوٹوک کہا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔۔۔ شادی میں آئے کت سے ہی کرونگا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ہماری شادی کی تقریبات فلک بوس میں ہونگی۔۔۔ ارینجمنٹس کروا دیجئے گا۔"

"اپنے ساتھ دشمنی مت کرو معاویہ! وہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ تمہاری بیوی بنے۔" انہوں نے اب منت سے کہا تھا۔ "اس نے پہلے وسامہ کو اپنے جال میں پھنسایا اب وہ تمہارے ساتھ بھی یہی کر رہی ہے۔۔ اس کا پچھلا ریکارڈ بھی کوئی ایسا صاف ستھرا نہیں ہے۔۔۔ کئی افیئر تھے اس کے۔"

"پلیز بابا! میں آئے کت کے بارے میں ایک لفظ نہیں سنونگا۔" اس نے فوراً ہی ٹوک دیا تھا۔

"اس کا ماضی کیا تھا میں جاننا نہیں چاہتا۔ وسامہ کو اس نے کیسے پھنسایا مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے شادی پر راضی نہیں ہے۔۔۔ یہ میں ہوں جو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔۔"

اردشیر ازی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہی ہو رہا ہے۔۔۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ "اگر آپ کی بات پر یقین کرتے ہوئے میں آئے کت کے کردار پر شک کر بھی لوں۔۔ تو اسے مجھ سے بھی شادی کے لئے فوراً راضی ہو جانا چاہیئے تھا۔۔۔ جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ آپ کا ایک مفروضہ تو یہیں غلط ثابت ہو گیا ہے بابا!"

"میں نہیں مانتا۔۔۔ میرا اتنا سالوں کا تجربہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔۔۔ میں کسی کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"اس لڑکی کے ماتھے پر لکھا ہے کہ وہ دولت کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔"

"دولت کے پیمانوں پر انسانوں کے کردار کو پرکھنا چھوڑ دیں بابا!" معاویہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کو میری آئے کت سے شادی پر اعتراض ہے تو آپ شادی میں مت آیئے گا۔۔۔ میں محبت کرتا ہوں اس سے اور اس کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔" صاف صاف کہہ کر وہ دروازے کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"تمہیں اس لڑکی سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ باپ کے شادی میں آنے نہ آنے سے تمہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" وہ صدمے سے چور لہجے میں بولے تھے لیکن صدمہ اتنا نہیں تھا جتنا ان کے لہجے میں تعجب جھلک رہا تھا۔

"یہ کیسی محبت ہے جو اتنا آناً فاناً ہوئی ہے اور اس نے تمہارے دل و دماغ پر قبضہ ہی جما لیا ہے۔۔۔ تم ایسے تو نہیں تھے معاویہ!"

"اگر ایسا نہیں تھا تو اب ہو گیا ہوں۔۔۔ مجھے واقعی آپ کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔"

بے رحمی سے کہتا وہ باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ اس نے مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اردشیر ازی کا چہرہ کیسا سیاہ پڑ گیا ہے۔

☆......☆......☆

"تمہارے بابا کا فون آیا تھا۔۔۔ وہ چاہتے ہیں میں تم سے شادی کرنے سے انکار کر دوں۔" فون پر آئے کت نے اسے بڑے خراب موڈ کے ساتھ بتایا تھا۔

"بابا کی بات ماننے کی غلطی مت کرنا۔۔ کیونکہ تمہارے لئے میں انہیں چھوڑنے کا ارادہ کر چکا ہوں لیکن ان کے لئے تمہیں ہرگز نہیں چھوڑونگا۔" جتنا آئے کت کا موڈ خراب تھا اتنا ہی معاویہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے معاویہ! یہ ہر گزرتے دن کے ساتھ کیسی عجیب باتیں کرنے لگے ہو تم۔" اس نے بڑی حیرانی سے کہا تھا یہاں تک کہ معاویہ کو ہنسی آ گئی۔

''محبت ہوگئی ہے تم سے۔۔۔اور اس محبت نے دیوانہ بنا دیا ہے مجھے۔'' وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں لگ رہا تھا۔

''ہوش میں آجاؤ تو بہتر رہے گا۔۔۔ایسا نہ ہو یہ دیوانگی تمہیں لے ڈوبے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''وہ محبت ہی کیا جو انسان کے ہوش سلامت رہنے دے۔'' اس نے لگاوٹ سے کہا تھا۔ آئے کت چپ سی رہ گئی پھر رک رک کر بولی۔

''میں اچھی طرح جانتی ہوں۔۔۔تمہیں مجھ سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔۔۔تم صرف وسامہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہو۔''

''اب کیا محبت کا یقین دلانے کے لئے مجھے سر کے بل کھڑا ہونا پڑے گا۔'' اس نے معصومیت سے سوال کیا تھا آئے کت کو ہنسی آ گئی۔

''معاویہ! میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔۔۔لیکن۔۔۔میں وسامہ کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تھا

''وہ اس دنیا سے جا چکا ہے۔۔۔اسے اس بات سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی کہ تم اس کی جدائی میں سنیاس لیتی ہو یا نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔اگر تم خوش رہو ایک نئی زندگی شروع کرو تو یقیناً اس کی روح کو خوشی حاصل ہوگی۔''

''روح کو؟''

''ہاں۔۔۔روح کو؟۔۔۔آئے کت! مجھے ابھی خیال آیا۔۔۔کیا پتا وسامہ کی روح بھی فلک بوس میں پھرتی ہو۔۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''ہاں ناں۔۔۔تم خود سوچو۔۔اگر آیوشمتی کی روح وہاں بھٹک سکتی ہے تو کیا پتا۔۔۔۔'' جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

آئے کت نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''جب تمہارا انداق کا موڈ نہ ہو تب مجھے فون کرنا۔۔جب شادی کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو تیاریاں بھی تو کرنی ہونگی۔'' اس نے فون بند کر دیا اور معاویہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بلآخر وہ اسے رضامند کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول دشت جنوں ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

Kitaabghar.com http://kitaabghar.com

بشام میں بہار کا آغاز ہوا تو ہر طرف ہریالی چھا گئی اور زرد پھول ہر طرف دکھائی دینے لگے۔
لمبی دم والے اور قوس قزح کے رنگوں سے سجی دُموں والے پرندے جب اپنی سریلی آوازوں میں گنگناتے تو ساری وادی پر خوشی کے رنگ پھیل جاتے تھے۔
ایسی ہی ایک سہ پہر صاعقہ بیگم، خاتون بی بی اور پاشا کے ہمراہ وادی کے بازار میں گھومنے پھرنے کی غرض سے فلک بوس سے نکل آئیں۔ دونوں خواتین آپس میں باتیں کرتی رہیں اور پاشا وادی کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کرتا رہا۔ جب سے وہ پڑھائی کی غرض سے شہر گیا تھا اس کی بصارت اس خوبصورتی کے جلووں سے محروم ہو گئی تھی اور اس بات کا خاصا قلق تھا اسے۔
پھر وہ گھومتا گھوماتا انہیں دریا کے کنارے لے آیا اس بات سے بے خبر کہ کچھ مقامی عورتیں دریا کے کنارے جمع ہو کر فلک بوس میں عنقریب منعقد ہونے والی شادی کی تقریب پر باتیں کر رہی ہیں۔
”تمہیں کیا لگتا ہے؟۔۔ یہ شادی ہو جائے گی؟“
”اگر اردشیرازی کے بیٹے نے ارادہ کیا ہے تو وہ شادی ضرور کرے گا۔۔ ویسے بھی بیوہ بھابھی کو سہارہ دینا اس کا فرض بنتا ہے۔“ دوسری نے کہا تو صاعقہ بیگم نہ چاہتے ہوئے بھی کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگیں۔
”فرائض کو چھوڑ دو۔۔۔ سنا ہے وہ تو محبت کرتا ہے اس سے۔“
”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔۔۔ وہ بہت خوبصورت بھی ہے کوئی بھی مرد اس کی محبت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔۔۔“ ایک اور نے کہا۔
”لیکن مجھے نہیں لگتا یہ شادی ہو پائے گی۔“
”کیوں؟۔۔۔“ ایک اچنبھے سے بولی۔ ”ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟“
”فلک بوس میں آج تک کوئی خوش رہا ہے؟۔۔۔ نہیں ناں؟۔۔۔ تو اب تاریخ کو کون بدل سکے گا؟۔۔۔ تم دیکھ لینا فلک بوس کا آسیب، وہ بدروح یہ شادی بھی نہیں ہونے دے گی۔“
”کہتی تو تم ٹھیک ہو۔۔۔ فلک بوس میں آج تک کوئی بھی خوش نہیں رہ سکا۔۔“
ایسی منحوس بات سن کر صاعقہ بیگم کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ پریشانی ان کے چہرے سے جھلکنے لگی تو پاشا نے ناگواری سے سر جھٹک کر کہا۔
”ان سب کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔۔۔ تو ہم پرستی کی ماری ہوئی جاہل، کمزور عقیدہ عورتیں ہیں۔۔۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔“
”آمین۔“ صاعقہ بیگم نے صدقِ دل سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

اور جس جس نے سنا ہکا بکا ہی رہ گیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خوش نصیب خودکشی کرنے کا سوچنے لگے۔

''اس میں ناممکن کیا ہے؟'' صیام نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

''کیا پتا خوش نصیب کو تھوڑی عقل آ گئی ہو اور اس نے ہم سب کی زندگیوں کو پرسکون بنانے کے لئے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہو۔'' انداز سنجیدہ تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا وہ مذاق ہی اڑا رہی ہے۔

''نہ بھئی نہ۔۔۔ میں نہیں مانتی۔'' فضیلہ چچی ساری بات سن کر بولیں۔

''اماں اس میں نہ ماننے کی کونسی بات ہے۔'' طوطا بھائی برا ہی منا گئے۔

''میں بتا تو رہا ہوں خود اپنی ان گنہگار آنکھوں سے خوش نصیب کو دیوار پر چڑھتے ہوئے دیکھا تھا میں نے۔ اگر جو میں نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر نہ کھینچا ہوتا تو اس وقت ہم سب اس کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کر رہے ہوتے۔''

''بیڑہ غرق ہو آپ کا مٹھو بھائی! کیا ضرورت تھی اس حاضر دماغی کے مظاہرے کی۔۔۔ چھلانگ لگا رہی تھی تو لگانے دی ہوتی بد بخت کو۔۔۔ ہم سب کی جان چھوٹ جاتی اس مصیبت سے۔'' صیام بگڑ کر بولی تھی۔

''تمہارے جیسا پتھر کا دل تو ہے نہیں میرا۔ کہ کوئی انسان میری آنکھوں کے سامنے مرنے کا ارادہ کر رہا ہو اور میں اسے روکوں بھی نہیں۔'' طوطا بھائی مزید بگڑ کر بولے۔

''آئے ہائے۔۔۔ یہ دل خوش نصیب کے لئے آج کل کچھ زیادہ ہی نرم نہیں پڑ رہا۔'' وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ ''ذرا اپنے بڑے بیٹے پر دھیان دے لیں امی! ایسا نہ ہو جس کی طرف آپ کا دیکھنے کا بھی دل نہیں چاہتا اسی کو آپ کے سر پر بہو بنا کر بٹھا دے۔''

مٹھو بھائی نے اس بات پر اس بری طرح صیام کو گھورا کہ صیام ان کی سگی بہن نہ ہوتی اور ان کی ہر بات کو چٹکیوں میں اڑانے کی عادی نہ ہوتی تو ان نظروں کی تاب نہ لا کر اب تک مر ہی گئی ہوتی۔

''اے تیرے منہ میں خاک صیام! مجال ہے جو کبھی کوئی اچھی بات کر لے بے غیرت۔'' فضیلہ چچی نے خوب ہی اس کے لتے لے ڈالے تو صیام منہ بگاڑ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

''شاہجہان! میرے لال!۔۔ تو مجھے شروع سے بتا۔ اصل میں رات ہوا کیا تھا؟'' انہوں نے بہلا کر پچکار کر طوطے بھائی کو دوبارہ ان کے ٹریک پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو اماں! ایک ہی بات کو اور کتنی دفعہ سنو گی۔'' وہ چڑ کر بولے

''اے تو میں کونسا خود سننا چاہ رہی ہو یہ تو منہا ابھی آ کر بیٹھی ہے۔۔۔ خوش نصیب کی سب سے بڑی حامی۔۔۔ اسے بھی تو پتا چلے خوش نصیب بیگم رات ورات کیا گل کھلانے چلی تھی۔''

منہا ابھی سو کر اٹھی تھی اور آتے ساتھ ہی سوئے سوئے سے انداز میں صوفے پر گر سی گئی تھی۔

''نہیں پلیز۔۔۔ مجھے کسی کے گل بوٹوں کے بارے میں نہیں سننا۔'' اس نے فوراً ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

''پہلے ہی پوری رات میں نے ٹیسٹ کی تیاری میں گزار دی ہے۔۔۔ اب تھوڑا آرام کرنے دیں مجھے۔''

''ارے خاندان بھر کی زبان پر خوش نصیب کے کارنامے گردش کر رہے ہیں اور تجھے اپنی نیند کی پڑی ہوئی ہے۔'' وہ ڈپٹ کر بولیں۔

''تو آپ کیا چاہتی ہیں۔ میں اور صیام بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ کریں کہ سب کی زبانوں پر ہمارا ہی نام ہو۔؟''

''ارے فٹے منہ۔۔۔ کبھی کوئی ڈھنگ کی بات نہ کرنا۔۔۔ ہر بات کا آگے سے الٹا جواب دو گی۔۔۔ یہ سارا اس خوش نصیب کی صحبت کا اثر ہے۔ وہ خود تو ایسی تھی ہی میری معصوم بچیوں کو بھی اپنے جیسا منہ پھٹ بنا دیا ہے۔۔۔''

''پلیز پلیز امی!۔۔۔ یہ صیام کا مجھے پتا نہیں لیکن میرا یہ بالکل ذاتی ٹیلنٹ ہے۔۔ پلیز آپ اسے خوش نصیب کے کھاتے میں مت ڈالیں۔'' منہا نے تنک کر کہا تھا ساتھ ہی کچھ فاصلے پر بیٹھی صیام کو آنکھ بھی ماری تھی لیکن صیام نے فوراً ہی برا سا منہ بنا کر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔ وہ مذاق میں بھی خوش نصیب کا حوالہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

فضیلہ چچی ہکا بکا بیٹی کو دیکھ کر رہ گئیں اس سے پہلے کہ یہاں گھمسان کا رن پڑتا طوطا بھائی نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ لیا اور فضیلہ چچی کی فرمائش کے عین مطابق سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے منقطع کیا تھا۔ کیونکہ ''اصل بات'' کو فرمائش کے مطابق از سر نو دوہرانا بھی ضروری تھا کہ اماں کو ناراض نہیں کیا جا سکتا تھا وہ اس گھر میں ان کی سب سے بڑی سپورٹ جو تھیں۔

''اچھا تو ہوا کچھ یوں کہ جب میں ٹارچ پکڑ کر چھت پر پہنچا تو اسی وقت بادل زور سے گرجے اور بجلی اتنی کڑا کے دار آواز کے ساتھ چمکی کہ میرا ننھا سا دل اچھل کر حلق میں ہی آ گیا۔۔۔''

بات یوں بھی کچھ کم پر اسرار نہیں تھی لیکن طوطا بھائی نے اپنے زورِ بیان سے اسے کچھ زیادہ ہی پر اسرار بنانے کی ٹھان لی تھی لیکن ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ منہا نے جملہ اچک لیا۔

''یعنی دل نہ ہوا کھجور کی گٹھلی ہو گئی۔ اچھلی اور حلق میں آ گئی'' منہا اپنے موبائل سے کھیلتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

طوطا بھائی بالکل ہی برا منا گئے۔

''تم بول لو میں پوری بات پھر کبھی بتا دوں گا۔''

''آپ نہ ہی بولیں تو اچھا رہے گا۔'' منہا تنک کر بولی ''اور امی! آپ بھی بس کریں۔ پکڑ کر بات کا تبنگڑ ہی بنا دیا ہے آپ لوگوں نے۔''

''اے ہم نے کونسا بتنگڑ بنایا ہے۔'' فضیلہ بیگم کی نازک مزاجی تو یوں بھی ہر وقت برا منانے کیلئے تیار ہی رہتی تھی سو وہ بھی تنک کر بولیں۔ ''پوچھو ذرا شاہجہان سے۔ کیا اس نے خوش نصیب کو آدھی رات کے وقت دیوار سے چھلانگ لگاتے نہیں دیکھا۔''

''ہوسکتا ہے طوطے بھائی کو غلط فہمی ہوگئی ہو۔'' وہ بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''غلط فہمی کا ہے کی؟''

''چھوڑیں بھی امی! آپ کس کے ساتھ سر کھپا رہی ہیں۔۔۔ یہ ہم سے زیادہ خوش نصیب کی پکی سہیلی ہے۔۔ ہماری باتوں پر کہاں یقین آئے گا اسے۔'' صیام نے منہ بنا کر کہا تھا۔

منہا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''اچھا۔۔۔'' اس نے سیز فائر کرنے والے انداز میں کہا۔ ''اچھا۔۔۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے خوش نصیب نیند میں چل رہی ہو۔۔ ذرا خود سوچیں وہ خودکشی کیوں کرے گی؟۔۔۔ خوش نصیب تو ایسی لڑکی ہے جو دوسروں کو خودکشی کرنے پر مجبور کرسکتی ہے البتہ خود کبھی ایسی حماقت نہیں کرے گی۔'' اس کی بات میں وزن تھا فضیلہ بیگم کے سارے مفروضے دم توڑ گئے۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو۔''

''میں تو ہمیشہ ہی ٹھیک کہتی ہوں بشرطیکہ آپ کبھی میری پوری بات سن لیا کریں۔۔۔ اور اپنے ان دونوں ہونہار سپوتوں کی باتوں سے نکل آیا کریں۔'' اس نے طوطے اور صیام کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

صیام دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا گئی طوطے بھائی نے ہونہہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔ جبکہ فضیلہ بیگم منہا کی پوری بات سے متفق ہو کر اب کسی اور ہی رخ سے اس سارے واقعے کو دیکھنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

دور سے دیکھو تو فلک بوس زندگی سے بھرپور، سجی سجائی عالیشان عمارت کی طرح دکھائی دینے لگا تھا۔

اردشیر ازی نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی کے لئے فلک بوس کا کونہ کونہ سجا دیا تھا اور اس مقصد کے لئے ملک کے بہترین اور نامور ایونٹ آرگنائزرز کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ فلک بوس یوں بھی فن تعمیر کا شاہکار تھا اگر اسرار اس کے کونوں کھدروں میں جنم نہ لیتا اور آسیب کی من گھڑت کہانیاں اس کی خوبصورتی کو گہن نہ لگاتیں تو فلک بوس ایک بہترین مقام تھا۔ لیکن اب معاویہ کی شادی کی خبر نے فلک بوس کی راہداریوں میں زندگی سی دوڑا دی تھی۔ ایونٹ آرگنائزرز نے اسے اتنا سجایا کہ دیواروں کے اصل رنگ تو کہیں کھو ہی گئے۔

فلک بوس کے سر سے لیکر پیر تک جو آرائشی لائیٹیں لگائی گئی تھیں وہ سر شام ہی جلا دی جاتیں اور فلک بوس بشام کے سینے پر جگر جگر کرتا۔

ملک کی نامور شخصیات، سیاستدان، دور قریب کے سبھی رشتہ دار اس تقریب میں شریک ہونے کئی دن پہلے سے فلک بوس پہنچ چکے تھے۔ملک کی کریم تھی جو اردشیرازی جیسے بزنس ٹائیکون کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے یہاں جمع ہوئی تھی۔اب اتنی نامور شخصیات یہاں موجود تھیں تو اسی حساب سے سیکیورٹی کا بھی بڑا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔اردشیرازی کی دوسری بیوی اور تینوں بچے بھی آئے تھے۔معاویہ کی ان تینوں کے ساتھ اچھی سلام دعا تھی اور اس نے ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔مہندی، بارات اور ولیمہ کے روز پوری وادی کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی گئی تھی۔اردشیرازی نے کہہ دیا تھا اس روز وادی کے کسی گھر میں چولہا نہیں جلے گا۔

معاویہ کو خوشی ہوئی۔اس کے بابا نے اپنی ناراضی ختم کر کے اسکی شادی میں شرکت کا ارادہ کر لیا تھا۔

"تم میرے بڑے بیٹے ہو۔۔۔یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ہی تمہاری شادی میں شریک نہ ہوتا۔" انہوں نے شاید پہلی بار اس کا گال پیار سے تھپتھپا کر کہا تھا معاویہ جذباتی ہو کر ان سے لپٹ گیا تو وہ اس کے بچکانے پن پر ہنسنے لگ تھے۔

"ایک بیوہ کو سہارے دینے کی غرض سے نکاح کرنا ایک اچھا فیصلہ ہے۔۔۔میں دعا کرونگا اللہ تمہیں اپنی نیک نیتی کا صلہ دے اور کبھی تمہیں مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" وہ سنجیدہ ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ کے دل سے آئے کت کے لئے ابھی تک بدگمانی نہیں گئی ناں؟" اس نے مسکراہٹ لبوں سے جدا کئے بنا پوچھا۔

"اگر تم اس کے ساتھ خوش رہے تو شاید یہ بدگمانی دور بھی ہو جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" اس نے مسکرا کر پورے یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"آپ باقی گیسٹس کو کمپنی دیں۔۔۔میں ابھی تھوڑی دیر میں آپکو جوائن کرتا ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتا ہوا چلا گیا تو اردشیرازی اپنے سرکل کی طرف آ گئے۔

"میری مانیئے اپنے اس فلک بوس کو ہوٹل میں بدل دیں۔۔۔بشام اتنی خوبصورت جگہ ہے اگر مناسب طریقے سے کام کیا جائے اور ٹھیک ٹھاک پرموشن ملے تو ٹورسٹس کے لئے بڑی اٹریکشن ہے یہاں۔۔۔" اردشیرازی کے ایک ایم این اے دوست نے فلک بوس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

دیکھا دیکھی دوسرا بولا۔

"بالکل بالکل۔۔۔میں حیران ہوں ابھی تک حکومت کو خیال کیوں نہیں آیا اس طرف دھیان دینے کا۔"

آپ کے ایک چھوٹے سے عمل سے ملک میں ٹوئرازم کو بھی فروغ ملے گا اور آپ کی جیب بھی بھرتی رہے گی۔" اس بات پر ایک زبردست قہقہ بلند ہوا تھا پھر اردشیرازی نے کہا۔

"میرا بھی کچھ ایسا ہی ارادہ ہے۔۔۔دیکھئے کب تک پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔" انہوں نے قریب سے گزرتے ویٹر کے ہاتھ

سے ڈرنک لیتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

وہیں سے کچھ فاصلہ پر طالب حسن اپنے کچھ جاننے والوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے اسی اثنا میں صاعقہ بیگم وہاں آ گئیں اور مہمانوں سے معذرت کرتے ہوئے طالب حسن کو بات کرنے کی غرض سے ایک طرف لے گئیں۔

"ایسی کونسی بات ہے جس کے لئے سب کے درمیان سے مجھے اٹھانا ضروری تھا" مجمع سے ہٹ کر وہ خفا ہوئے۔"فردوسی صاحب اسٹیبلشمنٹ میں ہیں۔۔۔میرے بزنس کو کتنا فائدہ مل سکتا ہے۔۔۔"

"سگا بیٹا اس دنیا میں رہا نہیں۔۔۔اب اس کاروبار کو بڑھا کر کیا کرنا ہے آپ نے۔" ذرا چڑ کر بول گئیں۔

"میرا دل اتنا پریشان ہو رہا ہے۔۔۔اور آپ کو اپنے بزنس کی پڑی ہوئی ہے۔"

"کیوں پریشانی کیسی؟"

"آج وادی میں عورتیں کہہ رہی تھیں۔۔۔فلک بوس کا آسیب یہ شادی نہیں ہونے دے گا۔" فکرمندی سے بتائیں گی تو طالب حسن نے سر پیٹ لیا۔

"آخر تم کب اس آسیب کے وہم سے نکلو گی؟"

"کچھ نہ کچھ تو ہے طالب! تبھی تو لوگ بات کرتے ہیں۔" ان کا لہجہ سرسرا رہا ہے۔

"ایک طرف نماز قرآن کی پابندی بھی کرتی ہو دوسری طرف کمزور عقیدہ لوگوں کی طرح وہم بھی پال رکھے ہیں۔۔۔او خدا کی بندی آسیب جیسی کوئی چیز نہیں ہے یہاں۔۔۔کتنی بار سمجھاؤں۔۔۔لیکن تم بھی بشام کی جاہل عورتوں سے کم تھوڑا ہی ہو۔"

"آہستہ تو بولیں۔۔کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔۔ایک بات کہہ دی۔۔۔آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے۔" ناراضی سے کہے گئیں۔

"تمہیں زیادہ وہم ستا رہے ہیں تو نظر کی دعائیں اور چاروں قل پڑھ کر معاویہ اور آئے کت کے گرد حصار بناتی رہو۔۔۔اور تھوڑا بھروسہ اللہ پر بھی رکھو۔۔۔وہ سب بہتر کرے گا۔"

"ہاں انشاءاللہ۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی تھیں۔

☆......☆......☆

"نہ میں پوچھتی ہوں ایسی کونسی افتاد آ گئی خوش نصیب پر کہ خودکشی کرنے چھت کی دیوار پر ہی چڑھ گئی۔کھاتی ہے پیتی ہے۔۔۔کیا کمی ہے اس کی زندگی میں۔۔۔اور تو اور سارے گھر والوں کی زندگیوں کا سکون بھی رج کے ہی برباد کئے رکھتی ہے۔۔۔پھر بھی ایسا کیا ہوا کہ خودکشی کرنے کی سوجھی۔۔۔تم مانو نہ مانو بھابھی معاملہ کچھ اور ہے۔۔۔"

دوپہر تک جب اس قصے کو خوب خوب دوہرا لیا گیا اور کسی کے بھی ہاتھ کوئی چٹپٹی بات نہ لگ سکی تو فضیلہ بیگم اپنی اون سلائیاں اٹھا

کر کیف کی امی کے پاس پہنچ گئیں۔ جب انہیں لمبی چغلیاں کرنی ہوتیں تھیں تو اون سلائیاں وہ ساتھ ہی لاتی تھیں کہ ہاتھ بھی نہ رکیں اور زبانیں بھی چلتی رہیں۔

صباحت بیگم سبزی کی ٹوکری آگے رکھے فٹافٹ کریلے چھیلنے میں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ کچھ فضیلہ بیگم کی بات سے قائل ہو ہی گئیں۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو۔۔لیکن یہ الگ معاملہ کیا ہوسکتا ہے؟'' انہوں نے پرسوچ انداز میں کہا۔''فہمینہ تو کہہ رہی تھی ایسا سب انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خواب میں انسان چلنے لگتا ہے تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔'' وہ سادگی سے بولیں وہ ویسے بھی سادہ مزاج خاتون ہی تھیں۔ اور اسی لئے فضیلہ بیگم کی چالبازیوں میں بھی آجاتی تھیں۔

''تو نیند میں چلنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔۔۔ یہ تو ذہنی عارضہ ہوتا ہے۔۔۔ اگر خوش نصیب بیمار ہے تو کسی ذہنی امراض کے ڈاکٹر کو دکھا لینا چاہیئے۔۔لو اب یہ نیا خرچہ تیار۔'' وہ ٹھونک بجا کر بولتی بولتی اپنا سر ہی پیٹ گئیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہو فضیلہ! اللہ نہ کرے کہ اسے کوئی عارضہ لاحق ہو۔'' صباحت بیگم تھوڑا جھنجلا کر بولیں کہ فضیلہ بیگم کی انہی عادتوں سے انہیں چڑ تھی کم سے کم کسی کی بیٹیوں کے لئے بات کرتے ہوئے تھوڑا بہت سوچ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

''جیسی ہماری بیٹیاں ہیں ویسی ہی خوش نصیب ہے۔ ہاں میں مانتی ہوں اس میں کچھ بری عادتیں ہیں لیکن اس طرح ایک دم سے اسے ذہنی مریض ثابت کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔'' وہ خود بھی فضیلہ بیگم کی زبان کے چرکوں سے تنگ رہتی تھیں تبھی احتیاطاً نپے تلے لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔

''اے رہنے دو بھابھی! اللہ ہماری معصوم بچیوں کو خوش نصیب کے شر سے بچا کر رکھے۔۔۔ اور آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ کیسے منہ بھر کر کہہ دیا کہ ہماری بیٹیوں جیسی ہے خوش نصیب! توبہ توبہ اللہ معاف کرے اس کی تو زبان ہی گز بھر کی ہے۔''

''تم سمجھی نہیں فضیلہ! میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔'' وہ سٹپٹا کر بولیں۔

''آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا میں صاف بتائے دے رہی ہوں۔۔۔ یہ جو خوش نصیب خودکشی کی کوشش کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔۔ یا تو یہ کوئی ذہنی عارضہ ہے یا پھر کسی لڑکے کا معاملہ ہے۔'' وہ ٹھونک بجا کر بولی تھیں۔

صباحت بیگم اتنا حیران خوش نصیب کا آدھی رات کے وقت منڈیر پر چڑھے ہونے کا سن کر حیران نہیں ہوئی تھیں جتنا اس بات پر ہوئیں لیکن اس حیرانی میں ناگواری کا عنصر زیادہ تھا۔ انہوں نے چپکے سے سر جھٹکا اور اپنی سبزی کی ٹوکری اٹھا کر کھڑی ہوگئیں۔

''کیف کے ابو آتے ہونگے۔۔۔ میں ذرا یہ سبزی روشن کو دے دوں۔'' وہ کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔ فضیلہ بیگم نے ناگواری سے ناک چڑھالی۔

اسی وقت وہیں کہیں سے خوش نصیب گزر رہی تھی فضیلہ بیگم اسے دیکھتے ہی جلدی سے بولیں۔

http://kitaabghar.com

"اے لڑکی! ادھر آؤ ذرا۔"

خوش نصیب رک گئی پھر ان کے پاس بھی آ گئی لیکن یہ اندازِ تخاطب اسے سخت زہر لگتا تھا۔ سو برا سا منہ بنا لیا۔

"نہ یہ آدھی رات کو تم منڈیر پر چڑھی کیا کر رہی تھیں؟"

"طوطے بھائی نے بتایا نہیں آپ کو؟۔۔۔ خودکشی کرنے چڑھی تھی۔۔" وہ بھی پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

فضیلہ چچی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا گویا طوطے کی کہی ہوئی بات ہی درست تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ صبح سے دماغ کھا لیا ہے سب نے۔۔۔ پتنگیں لوٹنے گئی تھی میں منڈیر پہ۔۔۔ کسی کو فکر ہے نہیں میری۔ خالی خولہ زبان کے چسکے پورے ہو رہے ہیں۔۔۔ ظالم لوگ۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی مڑ کر ایک بھی بار فضیلہ چچی کو نہیں دیکھا۔

☆......☆......☆

"آپ کیسے ہیں بابا کبیر!۔۔"

"میں ٹھیک ہوں چھوٹے صاحب! آپ کیسے ہیں؟"

"میں جب سے آیا ہوں دیکھ رہا ہوں۔۔ آپ کے چہرے پر خوشی نظر نہیں آ رہی مجھے۔" سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے معاویہ نے شکوہ کناں انداز میں کہا تھا۔

"کیا میں یہ سمجھوں میری شادی کی خبر نے خوش نہیں کیا آپ کو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے چھوٹے صاحب!" بابا کبیر نے ہڑبڑا کر کہا تھا۔ "مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ سن کر کہ آپ آئے کت بی بی سے شادی کر رہے ہیں۔۔۔ اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر ضرور دے گا۔ وادی میں سب کہہ رہے ہیں آپ بھائی کی بیوہ سے شادی کر کے بہت بڑی نیکی کما رہے ہیں۔"

"اپنی نیک دلی کی دھاک جمانے کے لئے میں یہ شادی نہیں کر رہا۔" وہ قدرے چڑ کر بولا تھا پھر جھنجلاہٹ بھرے انداز میں بات ہی پلٹ دی۔

"اچھا۔۔۔ چھوڑیں اس بات کو۔۔۔ مجھے پتا چلا پاشا بھی آیا ہوا ہے؟۔۔۔ کہاں ہے دکھائی نہیں دیا اب تک۔" اس نے بابا کبیر کے بیٹے کے متعلق پوچھا تو بابا قدرے چڑچڑے لہجے میں بولے۔

"یہیں کہیں ہوگا۔۔۔ یا نیچے وادی میں چلا گیا ہوگا۔۔ پڑھائی چھوڑ کر بشام آ گیا ہے۔۔ کہتا ہے شادی کرو میری۔ ورنہ واپس نہیں جاؤں گا۔"

معاویہ نے اس بات پر محظوظ ہوتے ہوئے ایک قہقہہ لگایا تھا۔

''تو کروا دیں اس کی شادی۔اس میں کونسی بڑی بات ہے۔''

''نیچے وادی میں جو موہن داس ہے اسی کی بیٹی سے محبت ہوگئی ہے اسے۔۔۔آپ خود سوچیں صاحب! ہندو لڑکی سے کیسے شادی کروا سکتا ہوں اس کی۔''

اس سے پہلے کہ معاویہ کوئی جواب دیتا اسے دور کسی راہداری میں مڑتی آئے کت دکھائی دے گئی۔

''بابا! میں آپ سے تھوڑی دیر میں بات کرتا ہوں۔'' وہ کہہ کر تیز تیز چلتا آئے کت کے پیچھے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ فضیلہ بھی بعض دفعہ حد کر دیتی ہے۔'' صباحت بیگم جس وقت اندر آئیں فہمینہ بیٹھی پڑھ رہی تھی۔اس نے ایک نظر ماں کو دیکھا۔

''اب کیا کہہ دیا فضیلہ چچی نے؟'' وہ اسٹڈی ٹیبل پر جھکی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

''وہ کہتی کب ہے۔۔۔شوشے چھوڑتی ہے۔'' وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہتیں فہمینہ کے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی تھیں۔

فہمینہ کو ہنسی آ گئی۔''اچھا تو کونسا شوشا چھوڑ دیا چچی نے۔''

''فرماتی ہیں۔۔۔خوش نصیب کی خودکشی کی کوشش کے پیچھے کسی لڑکے کا معاملہ ہے۔۔۔'' بلی تھیلے سے پھدک کر باہر نکلی۔

''کیا؟'' فہمینہ کو بے یقینی کا زبردست جھٹکا لگا پھر اس کے منہ سے قہقہہ ابل پڑا۔یہاں تک کہ صباحت تائی جان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''ذرا سوچیں امی! کوئی لڑکا اگر ہماری خوش نصیب میں دلچسپی لینے کی کوشش کرے گا تو خوش نصیب اس کا کیا حال کرے گی۔''

فہمینہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے مزہ لے رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔

''اور نہیں تو کیا۔۔۔خوش نصیب کی تو شادی ہی ہو جائے خیر خیریت سے تو بڑی بات ہوگی۔۔'' مسکراتے ہوئے کہیں گی۔

''مجھے تو فکر ہے جس گھر میں یہ دلہن بن کر جائے گی وہاں رہنے والوں کا کیا حشر کرے گی۔ہر روز لڑائیاں ہوا کریں گی۔'' وہ مستقبل کا سوچ سوچ کر ہنس رہی تھیں۔

فہمینہ کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔''اور اگر جو امی کو پتا چل جائے کہ کیف خوش نصیب کو انہی کی بہو بنانے کا ارادہ کئے بیٹھا ہے تو بھلا کیا ہوگا۔'' اس نے چپکے سے سوچا اور ذہن کی آنکھ سے امی اور خوش نصیب کو ساس بہو کے روپ میں لڑتے ہوئے دیکھ بھی لیا ساتھ ہی اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کے لئے منہ بھی جھکا لیا۔

''میں نے تو صاف کہہ دیا فضیلہ سے۔خوش نصیب میں سو برائیاں سہی لیکن یہ لڑکوں وڑکوں کے معاملات میں پڑنے والی لڑکی نہیں خوش نصیب۔اور کوئی اچھائی میں مانوں یا نہ مانوں لیکن اس معاملے میں، میں روشن کی تربیت کو ضرور مانتی ہوں۔۔۔جب سے

تمہارے چچا کا انتقال ہوا ہے نہ اس عورت نے خود نظر اٹھا کر کسی مرد کی طرف دیکھا نہ اپنی بیٹیوں کو ایسے سبق پڑھائے۔۔ حالانکہ بھرپور جوانی میں بیوہ ہوئی تھی۔ مشکل سے تین دن کی ہوگی ابھی خوش نصیب۔ جب وہ حادثہ تمہارے چچا کی جان لے گیا۔۔۔ یہ بھی کوئی عمر ہوتی ہے عورت کی کہ سفید چادر اوڑھ کر بیٹھ رہے۔۔۔" وہ تاسف سے اس وقت کو یاد کر رہی تھیں جب چھوٹے دیور کی میت فضل منزل کے صحن میں رکھی گئی اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس جوان موت پر اشکبار نہ ہوئی ہو۔

"ویسے امی! اتنی کم عمر تھیں روشن چچی۔ آپ سب نے مل کر چچی کی شادی کا کیوں نہ سوچا۔" فہمینہ نے کب سے ذہن میں اٹھ رہا سوال پوچھ ڈالا تھا۔

"ارے ہم نے تو بہتیرا سمجھایا تھا روشن کو۔ لیکن وہ اپنی ضد کی ایسی پکی نکلیں کہ مان کر نہ دیں۔" صباحت بیگم آج پرانے قصے دوہرانے کے موڈ میں تھیں سو بولتی چلی گئیں۔

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو بیوگی کا بھی ایسا روپ چڑھا تھا روشن پر کہ نظر ہٹتی نہ تھی۔ ایک تو کم عمری پھر حسن بھی ایسا کہ کہیں ہزاروں میں ایک لڑکی ایسی نظر آجائے تو بڑی بات ہے۔ شکل وصورت میں ماہ نور بالکل روشن کا پرتو ہے۔ تم خود ہی اندازہ لگا لو جوانی میں کتنی خوبصورت رہی ہونگی۔ دور پار کے رشتہ داروں نے سہارہ دینے کی غرض سے نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔۔۔ اور تو اور تمہارے عرفات ماموں بھی بڑا پیچھے پڑے رہے لیکن روشن نے ایک نہ سنی۔ کہتی تھیں میرے آگے دو بیٹیاں ہیں آج دوسرا نکاح کرونگی تو کل انہیں کیا جواب دونگی۔۔ بس پھر آہستہ آہستہ سب نے کہنا ہی چھوڑ دیا۔"

"اچھاااا۔۔۔۔ تو عرفات ماموں نے جو شادی نہیں کی اس کے پیچھے بھی یہی وجہ ہوگی۔" وہ اپنی طرف سے جیسے دور کی کوڑی لائی تھی۔

"تمہارے ماموں کے دماغ میں تو بچپن کا فتور تھا لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ جوڑیاں تو آسمانوں پر ہی بنتی ہیں۔ تو جب روشن کا جوڑ ان کے ساتھ تھا ہی نہیں تو کیسے شادی ہو جاتی۔۔۔ کم عقل لڑکا اسی روشن کے لئے بن باس لیکر بیٹھ گیا جو اس کی طرف دیکھ کر راضی نہ ہوتی تھی۔ شکل میں اگر ماہ نور ماں کے جیسی ہے تو عادت خوش نصیب نے ماں والی لی ہے۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہیں امی! کہاں خوش نصیب کی تنک مزاجی اور کہاں روشن چچی کی سلجھی ہوئی طبیعت۔" وہ ماننے سے انکاری ہوگئی۔ روشن چچی تو بولتی ہی اتنے دھیمے سروں میں تھیں کہ لگتا کانوں میں جلترنگ ہی بج اٹھی ہے۔ جبکہ خوش نصیب۔۔۔ وہ تو مانوں پھٹا ڈھول تھی۔

"ارے بیٹا! وقت ہر مزاج کو نرم کر دیتا ہے۔۔۔ بیچاری کو قسمت کی مار بھی تو ایسی پڑی ہے کہ سارا تنتنا نکل گیا۔ جوانی میں تو روشن بالکل خوش نصیب کی طرح باتیں کرتی تھی ویسے ہی تنک تنک کر جواب دینا۔ سب کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھنا۔ خود کو عقل کل سمجھنا۔۔۔ لیکن بیوگی کی چادر اوڑھتے ہی ان کا مزاج بدل گیا۔ اس کے بعد کم سے کم میں نے تو روشن کو کسی کے سامنے نظر اٹھا کر بات

کرتے نہیں دیکھا۔ہاں ضد ہے اس میں۔جو جوں کی توں قائم ہے۔۔تم نے دیکھا نہیں خوش نصیب کو کیسے سمجھاتی ہے۔۔۔صرف اس لئے کہ وہ اپنا حال دیکھ چکی ہے اور نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ کل کلاں کو خوش نصیب کا تنتنا بھی ایسے ہی ختم ہو جیسے خود اس کا ہوا ہے۔۔۔"

"اچھا۔۔۔چھوڑیں اس بات کو۔"

"ہاں۔۔۔ان باتوں کو دوہرا کر ہم نے کیا کرنا ہے۔۔۔میں تو تمہیں بتا رہی تھی فضیلہ نے اب نیا شوشہ چھوڑ دینا ہے۔۔۔"

"خدا ہی سمجھائے گا فضیلہ چچی کو بھی۔نیند میں چلنا کوئی ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے کہ اتنا تماشہ کھڑا کر لیا جائے۔۔۔اور پھر کیا خوش نصیب سے کسی نے پوچھا ہے وہ اتنی رات گئے دیوار پر چڑھی کیا کر رہی تھی۔"

"نہیں۔۔۔۔میرا نہیں خیال۔" وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

"بس پھر پہلے تو خوش نصیب سے ہی پوچھیں۔طوطا بھائی تو ویسے بھی ماں بہنوں کے ساتھ رہتے رہتے آدھی لڑکی ہی بن چکے ہیں۔۔فساد ڈلوانے میں بھی خاصے ماہر ہیں۔۔۔"

"ارے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں۔"طوطے کی بات پر یقین کر کے بیٹھ گئے سب کہ خوش نصیب خودکشی کرنے ہی منڈیر پر چڑھی ہوئی تھی۔۔۔کیا پتا اس وقت طوطا خود بھی نیند میں تھا پورے ہوش میں تھا۔"

"اور نہیں تو کیا۔۔۔پر کا کوا بنا دیتے ہیں طوطا بھائی۔اور فضیلہ چچی ایمان لے آتی ہیں ان کی باتوں پر۔"

"خدا ہی سمجھے ان سب کو۔" وہ دل کی بھڑاس نکال کر اٹھ گئیں۔لیکن فہمینہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے موبائل اٹھایا اور کیف کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆......☆......☆

برآمدہ نما راہداری جس کے داہنے ہاتھ کمروں کی عقبی دیواریں تھیں اور دوسری طرف بشام کی وادی کا حسن ایک ڈھلوانی چٹان کی طرح دکھائی دیتا تھا۔تو اسی لمبی راہداری میں آئے کت اپنے دھیان میں چلی جا رہی تھی۔اس نے لمبی زرد قمیض کے ساتھ سفید چوڑی دار پاجامہ پہنا تھا اور زرد ہی دوپٹے کے پلو اس کے گھٹنوں کو چھوتے تھے۔سرخ بالوں کی ریشمی سیدھی چوٹی اس کے داہنے کندھے پر آگے کی طرف پڑی تھی کلائیوں میں کہنیوں تک سفید اور زرد چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں کانوں میں لمبے آویزے تھے جن کے کناروں سے موتی لٹک رہے تھے۔وہ قدم آگے رکھتی تو آویزے آگے پیچھے جھولتے اور اس کے گالوں کو چھونے لگتے۔پیروں میں نازک زرد پٹی والی چپل تھی۔

وہ تیز تیز لیکن بنا آواز چل رہی تھی۔یہاں تک کہ معاویہ نے دبے قدموں اسے جا لیا۔پہلے داہنے کندھے کو پیچھے سے چھوا وہ پلٹی تو معاویہ ذرا سا اوٹ میں ہو گیا پھر داہنے کندھے کو چھوا۔آئے کت پوری کی پوری گھوم گئی تو معاویہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"تم ہمیشہ مجھے پہچان لیتی ہو۔"

آئے کت مسکرائی۔"ابھی بھی نہیں پہچانوں گی تو کب پہچانوں گی۔ویسے تم سے پہلے تمہارے پرفیوم کی خوشبو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔"

"پرفیوم چینج کرلونگا۔۔اور پھر تمہاری محبت کا امتحان لوں گا۔" وہ چڑا رہا تھا

آئے کت نے مسکراہٹ لبوں کے کناروں میں دبا کر اسے دیکھا۔"لیکن میں نے یہ کب کہا مجھے تم سے محبت ہے؟"

"تم نہ کہو۔۔۔بے شک نہ کہو۔۔لیکن میں ساری دنیا کو بتا دینا چاہتا ہوں مجھے تم سے محبت ہے۔۔نہیں محبت نہیں عشق ہے۔۔" وہ بازو پھیلا کر چہرہ اوپر اٹھا کر آہستہ آہستہ ایسے گول گول گھومنے لگا ایسے جیسے کوئی مجذوب ہو۔عشق میں دیوانہ۔

"نہیں یہ عشق بھی نہیں ہے۔۔۔یہ کچھ اور ہے۔۔۔عشق سے آگے اگر کوئی اور منزل ہے تو میں اس منزل تک پہنچ گیا ہوں۔"

"میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے تمہارا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔۔۔میں آنکھیں کھولتا ہوں تو میرا ذہن تمہارے خیالات سے نکل نہیں پاتا۔۔ان چند مہینوں میں میں نے تمہیں اتنا سوچا ہے آئے کت!۔۔کہ میں، میں نہیں رہا۔۔شائد تم ہو گیا ہوں۔۔۔"

بازو پھیلائے گول گول حرکت کرتا وہ اتنے جذب سے بول رہا تھا کہ آئے کت ہکا بکا ہی رہ گئی۔اتنی محبت اتنی چاہت۔

"لیکن معاویہ!۔۔" وہ سہم کر بولی محبت کی اس بلندی نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔جنہیں محبت دیر سے ملتی ہے وہ وہمی بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

"میں نے واقعی کبھی نہیں کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"کہنے کی کیا ضرورت ہے؟۔۔" وہ رکا اور ایک دم سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہے میری محبت۔۔تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ میرے عشق نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔تمہاری پیشانی پر بس ایک ہی تحریر ہے کہ معاویہ شیرازی میرے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

وہ مسکرا رہا تھا اس کے ہونٹ اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور ایسے مان و یقین بھرے میں لہجے میں بولتا وہ کوئی دیوانہ سا محسوس ہوتا تھا۔

آئے کت کا چہرہ گلنار ہو گیا محبت نے اسے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا۔

"کچھ زیادہ ہی شاعرانہ موڈ نہیں ہو رہا جناب کا؟" اپنی لرزتی پلکوں سے جھلکتا اعتراف کا راز چھپانے کے لئے اس نے چہرہ ہی دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ایسے ہی ہنستا ہوا وہ برآمدے کی گرل پر کہنیاں ٹکا کر نیچے وادی میں جھانکنے لگا۔

"میں سوچ رہا تھا اچھی شادی ہو رہی ہے ہماری۔۔میں تو تمہاری شکل دیکھنے کو ہی ترس گیا ہوں۔"

"شادی ہو جانے دو۔۔۔بس پھر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے ہی وقت گزرا کرے گا۔" وہ شرارت سے گویا ہوئی اور جا کر اس

http://kitaabghar.com

کے ساتھ ہی کھڑی ہو گی۔

”سوچتا ہوں تم میری دلہن بن کر کیسی لگو گی؟“

”ویسی ہی جیسی سب دلہنیں لگتی ہیں۔“

”نہیں۔۔۔تم عام دلہن نہیں ہو۔۔۔تم بہت خاص ہو۔۔۔تمہیں اس کرہ ارض پر سب سے حسین نظر آنا ہے۔۔۔“

معاً آئے کت چونک کر ایک طرف دیکھنے لگی۔اس کا دل سہم گیا اور یہ ہراس اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے لگا۔

”کیا ہوا؟“معاویہ نے اس کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے لگا میں نے وہاں کسی کو دیکھا ہے؟“اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

”لیکن وہاں پر تو کوئی بھی نہیں ہے آئے کت!“

”نہیں معاویہ!۔۔۔مجھے دھوکہ نہیں ہو سکتا۔۔۔وہاں پر ابھی کوئی تھا اور چھپ کر ہمیں دیکھ رہا تھا“اس کی آواز میں ان دیکھا سا ڈر تھا۔

”ہو سکتا ہے آیو شمتی ہماری شادی میں شرکت کرنے پہنچ گئی ہو۔“معاویہ نے بظاہر سنجیدگی سے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں شرارت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

”پلیز معاویہ!بی سیریس۔“وہ چڑ کر بولی۔معاویہ ہنسنے لگا۔

”تمہارا وہم ہو گا یار!۔۔لیکن تمہیں یقین نہیں ہے تو چلو۔۔۔ہم خود جا کر دیکھ لیتے ہیں۔“وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف چلنے لگا جس طرف آئے کت کو کسی کی موجودگی کا گمان ہوا تھا۔

”نہیں۔۔۔نہیں رہنے دو۔“آئے کت نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔

”میرا وہم ہی ہو گا۔“اس کی آواز اور لہجہ گو کہ اس کی بات کا ساتھ نہیں دے رہے تھے اسے یقین تھا اس نے وہاں کسی کو دیکھا ہے۔

معاویہ نے اس کی بات کا اعتبار کر لیا۔جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی باتوں کا اعتبار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔یہ ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا جس محبت میں اعتبار نہ ہو وہ محبت نہیں غلط فہمی ہوتی ہے۔

”میرا برائیڈل ڈریس آ گیا ہے۔۔۔آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔“

وہ معاویہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلنے لگی لیکن مڑ مڑ کر راہداری کے کونے کی طرف دیکھتی رہی۔جہاں ابھی بھی ایک ہیولہ اسے حرکت کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔اور آئے کت کی الجھن بڑھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

مونٹوک کے ساحل پر ایک خوبصورت رات دھیمے سروں سے بہتی تھی۔ستارے اس رات اتنے چمکدار اور بڑے دکھائی دے رہے تھے کہ ان کا عکس پانی میں دکھائی دیتا تھا۔

منفرا کاٹیج کے ٹیرس پر گرل پر کہنیاں ٹکائے کھڑی تھی اور بڑے دن بعد فرصت سے اس منظر کا نظارہ کر رہی تھی۔اسی اثنا میں آدم ٹیرس پر آیا اور منفرا کو دیکھ کر شرارت سے مسکرانے لگا۔منفرا نے بھی دروازہ کھلنے کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا تھا اور پھر ایسے ہی گردن واپس موڑ لی تھی۔

''میری بہن اتنے دن کے بعد آئی ہے اور آتے ہی ناراض ہوگئی ہے۔۔۔بھئی یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔''

وہ شرارت سے کہتا ہوا اس کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا تھا اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کے دو گلاس تھے ایک اس نے منفرا کی طرف دوستانہ انداز میں بڑھا دیا تھا۔

''میری اتنی مجال کہاں؟۔۔۔ویسے بھی تمہارے اور ڈیڈ کے اختلافات ختم ہوں تو کسی دوسرے کے ناراض ہونے کی باری آئے۔''نروٹھے انداز میں کہتے ہوئے اس نے گلاس پکڑ لیا تھا۔

''میرے ڈیڈ کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہیں۔''وہ گرل سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اگر وہ پاکستان نہ جانے والی میری بات مان لیں تو بلیو می۔۔۔وہ بڑے اچھے فادر ثابت ہو سکتے ہیں۔''سنجیدگی سے اس نے کہا لیکن آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔

''منفرا کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اپنی بات سے ہٹنے کو وہ کسی صورت تیار نہیں تھا۔

''تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے۔''

''منا لوں گا۔''وہ بڑا پر اعتماد دکھائی دے رہا تھا اور وہ سب ایسے ہی تھے سامنے سامنے اگر لڑتے بھی تھے تو دل ایک دوسرے کی محبت سے سرشار تھے۔

''خیر چھوڑو اس بات کو۔۔۔یہ بتاؤ تمہیں کوئی اچھا لڑکا ملا۔''

''اچھا لڑکا کوئی تمہارا گمشدہ آئی پیڈ تو ہے نہیں کہ کسی روز میں الماری کھولوں اور وہاں پڑا ہوا مل جائے۔''اس نے مسکرا کر کہا۔

جواب میں آدم قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا اس نے منفرا کی بات کو بڑا انجوائے کیا تھا۔

''اینڈ بائے دا وے۔۔۔یہ لڑکا ملنے والی بات مام یا ڈیڈ کے سامنے مت کر دینا۔۔۔میں بوائے فرینڈ بناؤں یا نہ بناؤں ان دونوں کو چکر ضرور آ جائیں گے۔''وہ مسکرا کر ہی کہہ رہی تھی۔

''اوہ کم آن۔۔۔یہ ہماری زندگی ہے ہم جیسے چاہے اسے گزاریں۔۔۔''

''یہ غلط بات ہے آدم! ہمارا مذہب اور ہمارا کلچر ہمیں ان باتوں کی اجازت نہیں دیتے۔''اس نے تحمل سے کہا۔

''مذہب کی بات کرو۔۔کلچر کی نہیں۔۔ہم کوئی ڈیڈ کے ملک میں نہیں رہتے کہ وہاں کے کلچر کو فالو کریں۔''اس نے ناگواری سے کہا تھا۔

''میں شاید تمہارے ویوز کبھی چینج نہیں کر پاؤں گی۔''وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''لیکن ایک بات طے ہے۔۔مام ڈیڈ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔۔۔میں کبھی بوائے فرینڈ بھی نہیں بناؤں گی۔''

''اوہ ریئلی۔''وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

''اور اس سٹوپڈ شامیر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

منفرا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''شامیر کے بارے میں کیا خیال ہونا ہے؟۔۔۔وہ بچپن کا دوست ہے میرا اور بس۔۔۔''

''پسند کرتا ہے وہ تمہیں۔''آدم نے شرارتی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے جیسے انکشاف کیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔''منفرا نے اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔

''شامیر باؤنڈریز میں رہنے والا انسان ہی نہیں ہے۔۔وہ آزاد منش انسان ہے۔۔آج یہاں تو کل وہاں۔۔۔اب یہی دیکھ لو تقریباً آٹھ ماہ سے ہم دونوں کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔شادی کر کے گھر بار سیٹ کرنے کے بارے میں وہ کیسے سوچ سکتا ہے۔۔۔ہم دونوں کی تو مینٹل اپروچ ہی ایک جیسی نہیں ہے ریلیشن شپ کیسے بنا سکتے ہیں ہم لوگ۔''اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا ان مختصر جملوں میں اس کی زندگی کا سارا فلسفہ موجود تھا

''بائی داوے۔۔۔تمہاری ملاقات ہوئی ہے شامیر سے؟''

''نہیں۔۔۔کافی عرصے سے نہیں ہوئی۔۔''وہ کندھے اچکا کر بولا تھا

''بس میں کسی ایسی انسان سے شادی نہیں کروں گی جس کے آج اور کل کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔۔۔جو اتنا unpredictable ہو کہ اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہا ہی نہ جا سکے۔''

''لیکن شامیر ڈیڈ کو بھی پسند ہے۔۔میرا خیال ہے وہ تمہاری شادی اسی سے کرنا چاہیں گے۔''

''جب شادی کی باری آئے گی تب سوچیں گے۔''اس نے کندھے اچکا کر بات ہی ختم کر دی۔

''اچھا۔۔۔ایک چیز تو دیکھو۔''آدم نے اپنی شرٹ کی آستین کو فولڈ کرتے ہوئے جوش سے دکھایا کندھے سے ذرا نیچے عقاب کا ٹیٹو بنا ہوا تھا۔منفرا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''تم نیو ہارلم گئے تھے؟''اس نے شاکڈ ہو کر پوچھا۔

آدم نے مسکراہٹ دبائے زور زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ابھی چند روز پہلے ہی گیا تھا۔۔۔ یہ ٹیٹو وہیں سے بنوایا ہے میں نے۔" اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"تھوڑی عقل کرو آدم! ڈیڈ کو ایسی چیزیں بالکل پسند نہیں ہیں انہیں پتا چلا کہ تم نے ٹیٹو بنوایا ہے تو بہت ناراض ہوں گے۔"

آدم نے جھنجھلا کر آستین نیچے کر لی۔

"ہر وہ چیز جو مجھے اچھی لگتی ہے وہ ڈیڈ کو بری لگنے لگ جاتی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ لیکن ٹیٹوز بنوانے کو وہ مذہبی اعتبار سے غلط سمجھتے ہیں۔" اس نے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اوہ کم آن۔" وہ چڑ گیا تھا۔۔۔ "اور ویسے بھی ڈیڈ کو کون بتائے گا۔۔۔ چلو نیچے چلتے ہیں۔۔۔ مجھے اب بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ موضوع ہی ختم کرتا نیچے چلا گیا تھا منفرا گہری سانس بھرتی اس کے پیچھے چل دی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب سر پکڑے بیٹھی تھی۔ جتنی پریشان کن صورتحال وہ دیکھ رہی تھی اسکا ذاتی خیال تھا اب اس سے بڑی پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوال پر سوال جنم لے رہے تھے جواب کوئی ملتا نہ تھا۔ رات جو کچھ بھی ہوا وہ خود اس کے لئے ایک معمہ بن کر رہ گیا تھا کیونکہ اسے خود نہیں پتا تھا وہ بستر سے نکل کر چھت کی منڈیر پر آدھی رات کو کونسی پتنگیں لوٹنے چڑھی تھی۔ وہ تو بھلا ہو طوطے بھائی کا۔ بروقت اسے کھینچ کر دیوار سے اتار لیا ورنہ ذرا سا پیر کھسکتا اور وہ فضل منزل کے ذہن میں کھلے ہوئے دماغ کے ساتھ پڑی ہوئی نظر آتی۔

"تم مجھے صرف یہ بتا دو۔ ایسی کونسی قیامت ٹوٹی ہے تم پر۔ کہ خودکشی کرنے چھت پر پہنچ گئیں؟" روشن امی نے بے حد غصے سے اس سے پوچھا تھا۔

"لوگ اس سے بڑے بڑے مصائب دیکھتے ہیں لیکن اف تک نہیں کرتے۔ ایک تم ہو جو ذرا سی پریشانی سے گھبرا گئیں۔۔۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں روشن امی! خودکشی کرنے نہیں چڑھی تھی میں۔" اس نے پریشانی سے منہ پھلا کر کہا۔

"اور جب سے آپ کو پتا چلا ہے آپ مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔ حالانکہ اتنا تو آپکو میرے بارے میں پتا ہونا چاہیئے۔۔۔ لاکھ چیخ چلا لوں۔ لاکھ اعتراض کر لوں لیکن اتنا مایوسی کو کبھی اپنے سر پر سوار نہیں ہونے دیتی میں کہ خودکشی کا ہی سوچنے لگوں۔"

وہ بولنے لگی تو روشن امی خاموش ہو گئیں اس کی بات میں دم تو تھا۔

"اور یہاں ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ کونسا نئی بات ہے۔۔۔ یہ سب تو ہمیشہ سے ہی ہوتا رہا ہے۔ ان سب زیادتیوں کے لئے خودکشی جیسا بڑا قدم کیوں اٹھاؤں گی میں۔۔۔"

"تو پھر طوطے نے یہ کیوں کہا کہ تم خودکشی کرنے والی تھیں؟" وہ الجھ کر پوچھ رہی تھیں۔

"کیونکہ طوطے بھائی کی عقل ان کے قد سے کہیں چھوٹی ہے۔" وہ چڑ کر بولی "میری جان بچالی۔احسان کیا لیکن یہ خودکشی والی بکواس کرکے دماغ خراب کردیا ہے میرا۔۔۔اب اس احسان کی وجہ سے انہیں ایک مکا مار کرانہیں مزہ بھی نہیں چکھا سکتی۔" سیدھے ہاتھ کو بھینچ کر بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے کہے گی۔

"بکومت۔" روشن امی ڈپٹ کر بولیں۔

"پہلے تم کوئی کم بڑی مصیبت تھیں جو نیند میں چلنا بھی شروع کر دیا۔۔اب رات کو میں دروازے پر تالہ لگا کر سویا کرونگی۔" بڑبڑانے کے انداز میں ڈانٹ رہی ہیں۔

"اور خبردار جو تم نے طوطے سے کچھ کہا۔وہ بیچارہ معصوم انسان تمہاری جان بچا کر مزید مشکل میں آگیا ہے۔"

"ارے اس طوطے کی جان تو میں پچی (گردن) دبا کر نکالونگی۔۔۔مفت میں بدنام کر دیا مجھے۔۔۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر خاموش ہوگئی پھر کچھ سوچ کر نیچے آئی تو فہمینہ فون ہاتھ میں لئے اسی کے پاس آرہی تھی۔

"اچھا ہوا تم مجھے یہیں مل گئی۔۔۔یہ فون پکڑو۔۔کیف بات کرنا چاھتا ہے۔"

خوش نصیب نے منہ بنایا تو فہمینہ نے زبردستی اسے فون پکڑا دیا۔

"بات کر کے میرے کمرے میں فون دے جانا۔" خود چلی گئی۔

"ھیلو۔۔۔لگتا ہے تمہیں بھی اطلاع مل گئی۔" فون کان سے لگاتے ہی اس نے بیزاری سے کہا تھا۔

"مجھے تو رات ہی بذریعہ خواب اطلاع مل گئی تھی۔۔۔" کیف بولا۔"میں نے دیکھا تم دیوار پر چڑھی میرا نام لے کر پکار رہی ہو اور زور زور سے کہہ رہی ہو۔کیف اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے تو میں چھت سے کود کر اپنی جان دے دوں گی۔" وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"بیڑہ غرق ہو طوطے بھائی کا۔۔۔پھر تو مجھے کود ہی جانے دیا ہوتا۔" وہ ترنت بولی کیف کو ایسے ہی کسی جواب کی امید تھی سو ذرا بھی طبیعت مکدر نہ ہوئی۔

"ہائے داوے۔۔۔تم دیوار پر کیا کرنے کے لئے چڑھی تھی؟"

"ستارے توڑ کر لانے تھے۔۔۔سوچا تھا چھلانگ لگاؤں گی اور ایک جست میں مٹھی بھر کر تارے لے آوں گی۔۔۔میاں مٹھو نے ساری پلاننگ ہی خراب کر دی۔"

"تو تم نے مجھ سے کہا ہوتا۔۔۔مٹھی بھر کیا۔میں اپنی جھولی بھر کر تمہیں ستارے لا دیتا۔" درحقیقت وہ سارا معاملہ سن کر پریشان ہوگیا تھا اسی لئے جذب سے کہہ رہا تھا۔لڑائی جھگڑے ایک طرف۔لیکن وہ پچھل پیری اسے عزیز بہت تھی۔

''جو کام تم کر نہیں سکتے۔۔۔اسکا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟'' وہ تکلفاً بھی دل رکھنے کی عادی نہ تھی۔

''کیونکہ دعویٰ ارادے کی علامت ہے۔۔۔اور ارادہ کامیابی کی پہلی شرط۔'' وہ فوراً بولا۔

''ایسے دعوے تم اپنی سہیلیوں سے کیا کرو۔۔کیونکہ میں ایسے دعووں سے متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''انہی دعووں سے اپنا بناؤں گا تمہیں۔۔یہ میرا بھی وعدہ ہے۔'' اس کا لہجہ اتنا مستحکم تھا کہ ذرا دیر کو خوش نصیب چپ سی رہ گئی۔اگلے ہی پل کیف نے بات پلٹ دی۔

''اچھا سنو۔۔اور پوری سنجیدگی سے سنو۔۔میرے ساتھ آئیں بائیں شائیں مت کرنا۔۔۔معاملہ کیا ہے مجھے صرف یہ بتاؤ۔''

''کوئی معاملہ نہیں ہے۔'' وہ اس بار قدرے تحمل سے بولی تھی۔''نیند میں شائد چل رہی تھی۔طوطا بھائی کا تو تمہیں پتا ہے۔۔۔بات کا بتنگڑ بنا ڈالا۔''

''تمہارے حریفوں کو خیال ہے تم نیند میں نہیں چل رہی تھیں بلکہ کسی لڑکے کا معاملہ ہے۔۔۔سچ بتاؤ خوش نصیب! وہ لڑکا میں ہی ہوں ناں۔'' وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں تھا لیکن اتنی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا کہ خوش نصیب کو ہنسی ہی آ گئی پھر اس ہنسی پر ناراضی کا غبار چھا گیا۔

''یہ کونسے حریف ہیں۔۔۔ان کا نام لو ذرا۔۔۔''

''ارے جانے دو۔۔۔جتنے منہ اتنی باتوں والا حساب ہے۔۔۔تم اپنا خیال رکھنا۔میں دو تین دن میں چکر لگاؤں گا پھر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔'' اس نے فون بند کر دیا۔خوش نصیب وہیں سے شامیر کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

شامیر کے کمرے کے باہر رک کر اس نے دھڑ ادھڑ دروازہ بجایا۔غصے سے برا حال تھا۔اچھی بھلی سکون سے گزر رہی تھی کہ بیچ میں یہ شامیر ٹپک پڑا۔پھر اس کے پیچھے پیچھے وہ جن ٹپک پڑا۔ستیاناس ہو سب کا۔

وہ بھلا مانس سو رہا تھا ہڑ بڑا کر اٹھا اور سٹپٹا کر دروازہ کھول دیا۔

''خوش نصیب تم؟'' وہ حیران ہوا۔

''اپنے اس موکل سے کہو میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''کیا؟'' شامیر حیران پریشان۔

''ہاں۔۔۔اور اسے یہ بھی کہو کہ انسان کا بچہ ہے۔۔۔نہیں میرا مطلب ہے جن کا بچہ ہے تو میرے سامنے آ کر بات کرے۔۔۔یہ کیا کہ چھپ چھپ کر مجھے زچ کرنے پر تلا ہوا ہے۔میں نے بڑوں بڑوں کو سیدھا کیا ہے۔۔اس جن کو بھی دیکھ لوں گی۔۔۔'' اس نے غصے سے کہا اور وہیں سے واپس پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

مہندی کی رات فلک بوس میں ستاروں کے جھرمٹ کی رات تھی۔

http://kitaabghar.com

اتنے رنگ اتنے قہقہے فلک بوس میں سمٹ آئے تھے کہ ان درو دیوار نے ایسی رونق شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ موسیقی، کھٹا کھٹ تصویریں کھینچتے کیمرے، مشروبات، مہمانوں کی تواضع کا ہر انتظام موجود تھا۔ اردشیر ازی نے جیسا کہا تھا بڑے بیٹے کی شادی کو اتنا ہی یادگار بنا رہے تھے۔

مہندی کی دلہن کو پالکی میں بٹھا کر اسٹیج تک لایا گیا۔ وہ اتنی دلکش لگتی تھی کہ آسمان کے چاند کو بھی شائد اس سے حسد محسوس ہوتا ہوگا۔ دلہا اتنا خوش تھا ایسی روشنیاں پھیلی تھیں اس کے چہرے پر کہ محبت اسے دیکھ دیکھ کے خود پر فخر کرتی تھی۔ روئے زمین پر اگر آج کی تاریخ میں کوئی خوش قسمت تھا تو بس وہی تھا۔ ممکن ہے آج کی رات کوئی اور بھی نوازا گیا ہو لیکن اسے تو بس خود پر ناز تھا۔

وہ اپنی ہی قسمت پر اترا رہا تھا۔ ہوگا کوئی ایسا۔ اس زمین پر۔ جو محبت کرے اور ایسے ہی اسے پالے جیسے خواب میں ہر ناممکن چیز ممکن ہو جاتی ہے۔

آسمان کی بلندیاں پیروں تلے محسوس ہوتی ہیں۔

تو وہ اتنا ہی خوش تھا جیسے محبت کی معراج حاصل کر کے انسان خوش ہو سکتا ہے۔ اس کی آنکھیں آئے کت کو دیکھتی نہ تھیں اس کی پرستش کرتی تھیں۔

جب وہ پالکی سے اتری اور اس نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ شہزادوں کی سی آن بان والا اس کے استقبال کے لئے ہاتھ باندھے، مسکراہٹ لبوں کے کناروں میں سمیٹے دلہن کے استھان کے قریب کھڑا اسے ایسے دیکھتا تھا جیسے وہ کوئی دیوی ہو۔ اور عشق کے منبر پر اس کی مورتی سجائی جا رہی ہو۔

خوش باش، پرسکون، اور پور پور محبت میں ڈوبا ہوا۔

وہ سہج سہج کر قدم دھرتی اس کی طرف بڑھی جب قریب پہنچی تو وہ اردگرد کی پرواہ کئے بنا اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھ سے زیادہ قسمت کا دھنی کون ہوگا آج اس زمین پر۔"

سب طرف شور مچ گیا خوب ہو ہا ہوئی کہ دلہا نے دلہن کے کان میں کیا کہا ہے۔ لیکن وہ مسکراتا رہا اور غلطی سے بھی اپنے اس راز کا پتہ کسی کو نہ دیا۔

دلہن نے شرما کر نظروں کو کچھ اور جھکا لیا۔ پھر رسم شروع ہوئی اور دیر تک ان پر نظریں اور روپے وارے جاتے رہے۔ انہیں مہندی اور ابٹن میں شرابور کر دیا گیا۔ اتنی خوشی اور رنگوں کے بیچ معاً دلہن کی نظریں اٹھیں اور وہ دھک سے رہ گئی۔ بہت اوپر، فلک بوس کی چھت کے کنارے مصنوعی روشنی کی کرنوں سے دور ایک تن تنہا ہیولہ نجانے کب سے کھڑا ان دونوں کی خوشیوں کو اپنی نظر بد سے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔

"معاویہ!" اس نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ معاویہ نے اسے دیکھا اور چونک سا گیا کیونکہ آئے کت کا چہرہ ابٹن سے بھی زیادہ زرد دکھائی دیتا تھا اس نے آئے کت کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا اور ہکا بکا رہ گیا۔

ضروری نہیں ہیں کہ ہر وہ خوشی جو انسان کو اپنی خوش قسمتی کا پتا دے۔ وہ اسے راس بھی آئے۔

☆......☆......☆

شہر کے پوش علاقے میں بنگلے کے عین سامنے ایک جھٹکے سے رکشہ رکا تو خوش نصیب کنفیوز ڈسی اتر آئی۔ اتنا بڑا عالیشان بنگلہ۔ وہ تو ایک نظر میں ہی متاثر ہوگئی تھی۔ یہاں آ تو گئی تھی لیکن عجیب کشمکش کا شکار تھی گو کہ جبران سے ملنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر بھی دل میں کوئی پن سی چبھ رہی تھی اور اسے بے چین کر رہی تھی۔ ذہن پر الگ بوجھ تھا روشن امی یا ماہ نور کو اس نے اس سارے معاملے کی بھنک بھی نہ پڑنے دی تھی آخر کو وہ اتنی ذہین اور معاملہ فہم لڑکی تھی بہتر سمجھا اس نے کہ اس معاملے کو بھی خود ہی سنبھال لے اور روشن امی کو مزید پریشانیوں سے بچا لے۔

بس یہی سوچ کر وہ شامیر کے دیئے ہوئے ایڈریس پر اور مقررہ وقت پر پہنچ گئی تھی۔

"ہاں بھیا! کتنے پیسے؟" پلٹ کر اس نے رکشہ والے سے پوچھا اسے مطلوبہ رقم فراہم کی اور اندر جانے کے لئے پر تولنے لگی۔ رکشہ ایک زوردار آواز سے شور مچاتا اس کے عقب سے نکل گیا تھا۔ خوش نصیب اس عالیشان بنگلے کو دیکھتی متذبذب سی کھڑی تھی۔ پھر دل کو ذرا مضبوط کر کے اس نے آگے بڑھ کر ڈور بیل پر ہاتھ رکھا لیکن ڈور بیل بے جان سی محسوس ہو رہی تھی تب اس نے جھجکتے ہوئے گیٹ سے منسلک چھوٹے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ تو دروازہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دروازہ اسی کے انتظار میں کھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔

خوش نصیب جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ داہنے ہاتھ چھوٹا سا لان تھا جس کی گھاس تر و تازہ اور بہترین محسوس ہوتی تھی۔ سامنے صاف پتھروں کی غیر پالش شدہ روش تھی جو بنگلے کے داخلی دروازے تک جاتی تھی۔ بائیں ہاتھ شامیر کی اوڈی پارک کی گئی تھی اور کار کے دوسری طرف اینٹوں کا ڈھیر اور سیمنٹ کی بوریاں نظر آ رہی تھیں۔ بنگلہ ابھی تعمیر کے مراحل میں تھا اور بہت سے کام ابھی یہاں نامکمل دکھائی دے رہے تھے۔

ابھی وہ وہیں کھڑی تھی کہ معاً اندر کا دروازہ کھلا اور شامیر باہر نکلا۔ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔

"شکر ہے تم آگئی۔۔۔" اس نے جیسے سکون کی سانس لی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں۔ میں تو سمجھا تم نہیں آؤ گی۔"

"میں تو کب سے آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سب گھر والے صحن میں جمع تھے۔۔۔ پتا ہے ابھی بھی میں اتنی مشکل سے نکلی ہوں۔" خوش نصیب نے کہا

'یہ بات میں سمجھ سکتا ہوں۔۔۔ تم سمجھ سکتی ہو۔۔۔ جبران تو نہیں سمجھے گا۔" شامیر نے فکر مندی سے کہا تھا۔

"کیوں؟۔۔۔ کیوں نہیں سمجھے گا۔؟" خوش نصیب تنک کر بولی تھی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''تم بھول گئی۔۔۔وہ کوئی عام انسان نہیں ہے کہ ہمارے مسائل سمجھے۔۔۔''

''ہاں ہاں۔۔۔جانتی ہوں۔۔جن ہے وہ۔۔یہی جن گلے پڑ گیا ہے۔''وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔

''اچھا سنو۔۔۔وہ آ گیا ہے کیا؟''

''ہاں۔۔۔کب کا۔''

''دیکھنے میں کیسا ہے؟۔۔۔میرا مطلب۔۔۔زیادہ ڈراؤنا تو نہیں ہے ناں؟''اس نے ڈرے ڈرے لہجے میں پوچھا تھا۔

شامیر سوال سن کر ہنس پڑا۔

''اندر آ کر خود دیکھ لو۔''اس نے دروازہ کھول دیا۔خوش نصیب نے تھوک نگل کر حلق تر کیا اور اندر داخل ہو گئی۔شامیر اسے سیدھا ایک کمرے میں لے آیا۔یہ کمرہ باقی بنگلے کی نسبت کچھ سامان سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ایک صوفہ ایک سنگل بیڈ اور ایک سنٹرل ٹیبل اور دو کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔فرنیچر سارا ہی نیا اور لیٹسٹ اسٹائل کے مطابق تھا۔سامنے دیوار پر ایک بڑا سا آرائشی شیشہ نصب تھا۔خوش نصیب جا کر صوفے کے پاس کھڑی ہوئی تو اس نے دیکھا وہ اور شامیر پورے کے پورے سامنے شیشے میں نظر آ رہے تھے۔

''تم یہاں بیٹھو۔۔۔میں جبران کو بلاتا ہوں۔''وہ جانے لگا تو خوش نصیب نے جلدی سے کہا۔

''سنو شامیر!۔۔۔''وہ رک گیا اور مڑ کر دیکھا تو بولی۔''تم بھی ساتھ آنا۔۔۔اسے اکیلے مت بھیجنا۔''وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کا ڈر اور گھبراہٹ چہرے پر دکھائی نہ دے۔لیکن اتنی کوشش کے باوجود اس کی شکل دیکھتے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے دل میں کیا چل رہا ہے۔

شامیر کے چہرے پر، مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن خوش نصیب کی ناراضی کے ڈر سے اس نے جلدی سے مسکراہٹ چھپا لی۔

''تم پریشان نہ ہو۔۔۔وہ ایسا بھی کوئی بدشکل نہیں ہے۔۔۔اچھا خاصا ہینڈسم ہے میرا دوست۔''

''تمہارے اس ہینڈسم دوست کا رشتہ نہیں لینا میں نے جو یہ بتا کر امپریس کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔۔''حسب عادت تنک کر بولی تھی۔

''میں بلاتا ہوں جبران کو۔''شامیر جلدی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

خوش نصیب تھوڑی دیر کھڑی کمرے کا جائزہ لیتی رہی پھر صوفے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگی سارا ہی وقت اس نے آیت الکرسی کا ورد اس نے جاری رکھا تھا اور نانی کی کالے دانوں والی تسبیح بھی وہ پرس میں رکھ کر ساتھ لائی تھی۔کافی دیر جب اسے ایسے ہی بیٹھے گزر گئی تو دروازے پر کھٹکا سا سنائی دیا۔

خوش نصیب سیدھی ہو کر بیٹھی اور اس نے آیت الکرسی کی تسبیح مزید خشوع و خضوع سے پڑھنا شروع کر دی تھی۔

دروازہ کھلا۔خوش نصیب بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

http://kitaabghar.com

پہلے شامیر اندر داخل ہوا۔خوش نصیب کی پیشانی پر ڈر اور گھبراہٹ کے مارے پسینہ چمکنے لگا۔شامیر نے اندر آ کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر دروازہ پورا کھول دیا۔

''آؤ'' وہ ذرا سا دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو اندر آنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

خوش نصیب کا دل اگر اسوقت باہر نکالا جاتا تو وہ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگ چکا ہوتا۔اس کا حلق خشک ہو چکا تھا اور پیشانی پر اتنا پسینہ تو دکھائی دے ہی رہا تھا کہ ایسا لگتا ابھی چہرہ دھو کر آئی ہے۔دروازے کے باہر ذرا سی حرکت دکھائی دی اور جبران مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔خوش نصیب کا دل جیسے ایک پل کے لئے بند ہو کر دوبارہ رواں ہوا تھا اور ڈر کے مارے جو چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلنے کا ارادہ رکھتی تھی وہیں پر دم توڑ گئی۔بلکہ اس کی جگہ آنکھوں میں ایسا تعجب چمکا کہ آنکھیں جگر جگر کرنے لگیں۔

وہ ایک خوفناک چہرے اور عجیب الخلقت مخلوق کی توقع کر رہی تھی لیکن اس کے سامنے جو کھڑا تھا وہ اتنے خوبصورت چہرے کا مالک تھا کہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا مشکل لگتا تھا۔ہاں آنکھیں اور دیکھنے کا انداز کچھ پراسرار سا معلوم ہوتا تھا لیکن چہرہ ایسا ہرگز نہ تھا جیسا وہ اب تک سوچ چکی تھی۔کہانیوں، فلموں اور ڈراموں نے جن بھوتوں سے متعلق ایک جو واضح شکل ہمیں فراہم کی ہے وہ سو فیصدی ڈر اور خوف کے عنصر پر ہی مبنی ہوتی ہے سو خوش نصیب بھی ایک خوفناک چہرے کی ہی منتظر تھی لیکن اندر آنے والا نہ صرف وجیہہ تھا بلکہ اس کی وجاہت عام مردانگی کے پیمانوں سے کچھ آگے کی چیز معلوم ہوتی تھی۔

''یہ خوش نصیب ہے۔''شامیر نے اسے بتایا تو اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے اسی بل دار پیشانی کے ساتھ اپنی آنکھیں خوش نصیب کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''خوش نصیب ہوتی تو یہاں کیوں آتی۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوا اور اس کی آواز سن کر خوش نصیب کو ایسا لگا جیسے اب تک کی سنی ہوئی ساری ہی آوازیں، لہجے بے معنی سے تھے۔

''اسے پتا ہے؟'' پھر اس نے پوچھا۔

''لاعلمی پہلی شرط تھی۔''شامیر مسکرایا۔

''اچھا۔۔۔'' وہ الجھا ہوا سا خاموش ہو گیا ایک نظر خوش نصیب کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

شامیر نے ایک نظر خوش نصیب کو دیکھا اور مسکراتا ہوا باہر نکل کر کمرے کو لاک لگا دیا۔اس سے پہلے کہ خوش نصیب ہڑبڑا کر جا کر دروازہ دھڑ دھڑاتی شامیر دروازے کو لاک لگا کر جا چکا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

وہ دونوں پریشان بلکہ کسی حد تک حواس باختہ ہی بیٹھے تھے۔

''یہ نہیں ہوسکتا...آسیب جیسی کوئی چیز یہاں پر ہے ہی نہیں...کوئی ضرور ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔'' آئے کت کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔اس کا خون بالکل خشک ہورہا تھا۔

''لیکن اس بار ہمارا وہم نہیں ہوسکتا.ہم دونوں نے اسے دیکھا ہے۔'' معاویہ نے فکرمندی سے کہا۔

''نظروں کا دھوکہ بھی ہوسکتا ہے...بعض دفعہ آنکھوں دیکھی چیزیں بھی سچ نہیں ہوتیں۔'' اس نے چڑ چڑے پن سے کہا تھا۔

''یہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آسیب اور بدروح جیسا کچھ نہیں ہے فلک بوس میں...یہ وسامہ کا ذہن تھا جس نے من گھڑت کہانیاں بنالی تھیں...سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جو ہمیں آسیب کا جھانسہ دے کر بیوقوف بنا رہا ہے۔'' وہ اتنے پریقین لہجے میں کہہ رہی تھی کہ کچھ دیر کے لئے معاویہ اس کا چہرہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

''مجھے لگتا ہے ہم نے پھر غلطی کردی...شادی کرنے کے لئے ہمیں فلک بوس آنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔'' معاویہ نے کہا

''نہیں...فلک بوس آنا ہماری غلطی نہیں ہے...ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم اپنے دشمن کو ایک بار پھر کھلا چھوڑ رہے ہیں۔'' آئے کت نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں نے بھی وسامہ کے ساتھ فلک بوس میں دو سال گزارے ہیں..ان دو سالوں میں وہ آسیب مجھے کبھی دکھائی نہیں دیا نہ ہی میں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا ہے۔وہ وسامہ کا وہم تھا اور کچھ نہیں...لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ آسیب ہے ہی نہیں.تو فلک بوس میں ایسا کون ہے جو ہمیں آسیب بن کر ڈرانا چاہتا ہے۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔اسے دیکھ کر لگتا تھا اس کا ذہن تیزی سے کام کررہا ہے اور وہ ان تمام پہلوؤں پر غور کررہی ہے جو ممکنات میں سے تھے۔آسیب کی موجودگی اس کے اندر ڈر کو جنم دے سکتی تھی لیکن دشمن کا احساس پریشانی کا سبب بن رہا تھا۔

''آسیب اسی صورت میں ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے جب ہم پر اسکا کوئی قرض واجب الادا ہو..تم خود سوچو جو عورت ایک سو سال پہلے مرچکی ہے بالفرض اگر اسکی روح فلک بوس میں بھٹکتی بھی پھرتی ہے تو وسامہ نے اس کا کیا بگاڑا ہوگا کہ اپنا بدلہ پورا کرنے کے لئے اس نے وسامہ جیسے اچھے انسان کو ہی مار دیا..وہ زیادہ سے زیادہ ڈرا سکتی تھی۔جسمانی طور پر چوٹ پہنچا سکتی تھی..لیکن قتل کیوں کرے گی وہ اس کا؟...تم مانو یا نہ مانو...کوئی نہ کوئی ایسا ہے جو ہم سب کو مارنا چاہتا ہے..اور وہی ہمیں اس آسیب کا نام لیکر اس کا سایہ دکھا کر ڈرا رہا ہے...''

وہ پریشان تھی اور پریشانی میں ہی بولتی جارہی تھی۔

http://kitaabghar.com

معاویہ پریشانی سے اسے دیکھتا گیا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کہے۔

''اتنے گیسٹس انوائیٹڈ ہیں یہاں۔ مجھے فکر ہے وہ آسیب مہمانوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچادے۔''

''پھر وہی بات...تم کیوں آسیب آسیب بولتے جارہے ہو؟''پریشانی میں وہ تڑپ کر بولی تھی۔

''کیونکہ اسی آسیب نے میرے بھائی کی جان لی ہے۔''معاویہ اس سے زیادہ تڑپ کر بولا۔

''اور میں نہیں چاہتا وہ آسیب یہاں مزید کسی کو کوئی نقصان پہنچائے۔''

''اگر تم میری بات مانو گے تو کچھ نہیں ہوگا...یقین کرو میری بات کا۔''وہ منت سے بولی تھی۔

''کیا چاہتی ہو تم کیا کروں میں۔''وہ ذرا حیران ہو کر بولا تھا۔

''مجھے چھت پر جانے دو۔''اس نے ایک دم سے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ سایہ جو ہم نے چھت پر دیکھا...جب تک میں اس کا پتا نہ چلا لوں..سکون سے نہیں بیٹھونگی۔''اپنے لہنگے کی فال کو دونوں طرف سے انگلیوں سے ذرا سا اٹھاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی لیکن اگلا قدم اٹھنے سے پہلے معاویہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔

''پاگل پن مت کرو...میں تمہیں اوپر جانے نہیں دونگا۔''وہ قطعیت سے بولا تھا۔

''پاگل پن میں نہیں تم کر رہے ہو۔ڈر کر بیٹھے رہیں گے تو وہ جو کوئی بھی ہے اسے اور شہہ ملے گی۔''

''اور وسامہ کے بعد اگر اس نے تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچایا تو..؟''اس نے جان بوجھ کر جملے کے آخر میں ایک سوالیہ نشان چھوڑ دیا تھا۔

''میں تو زندہ رہ کر بھی مرے ہوؤں سے بدتر ہو جاؤنگا آئے کت!..اسے کھونے کے بعد اب تمہیں بھی گنوا دینے کا حوصلہ نہیں ہے میرے اندر۔''وہ بہت منت اور بیچارگی سے بول رہا تھا۔

''دنیا میں چند ہی لوگ ہیں جن سے میں نے محبت کی ہے۔اور وہی چند لوگ میری زندگی میں باقی نہیں رہتے...پہلے ماں، پھر وسامہ اور اب تم بھی...''

وہ جذباتیت کی انتہا پر تھا۔اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔آئے کت کا دل ویسے ہی پگھلا جیسے تب پگھلا تھا جب وہ شادی کے لئے ہاں کہنے پر منت کر رہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوگا معاویہ!..میری بات کا یقین کرو۔''ایک آخری کوشش کے طور پر اس نے منت سے کہا لیکن اتنی ہی شدت سے معاویہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

http://kitaabghar.com Kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

''ہرگز نہیں...لیکن اگر تمہیں شک ہے تو ہم گارڈز کو بلا کر فلک بوس کی تلاشی کروا لیتے ہیں..اگر وہ واقعی کوئی آسیب نہیں جیتا جاگتا انسان ہے تو اتنی ٹائیٹ سیکیورٹی میں چھپ کر بھی نہیں رہ سکتا...ابھی سب پتا چل جائے گا۔''

انہوں نے سیکیورٹی انچارج کو بلوا کر سارے فلک بوس کو چھان مارا۔ایک ایک کمرہ،ایک ایک راہ داری اور ایک ایک گپت راستہ تک دیکھ لیا،یہاں تک کہ تہ خانہ بھی نہیں چھوڑا۔(مہمانوں کو جنگلی جانور کے اندر گھس آنے کا خدشہ کہہ کر ٹال دیا)لیکن کوئی ہوتا تو ملتا۔عجیب لوگ تھے جو ہوا کا تعاقب کرنے لگے تھے۔بھلا تاریکیوں میں بھی کبھی سائے ملے ہیں وہ تو سورج ڈھلتے ہی رات کی سیاہی میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

خوش نصیب کو گھر سے نکلے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔جب روشن امی کو اس کی فکر لاحق ہوئی۔

''میں ذرا شیرو کو بھیجتی ہوں کہ فریحہ کے گھر پتا کر کے آئے۔یہ خوش نصیب پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔''

''آجائے گی خوش نصیب!آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔''ماہ نور نے کہا وہ انسٹی ٹیوٹ سے آج جلدی گھر آ گئی تھی اور اب کچن ٹیبل پر چائے کا کپ رکھے پیر اوپر کرسی پر جمائے فرصت سے بیٹھی ماں کو دن بھر کی روداد سنا رہی تھی۔

''پہلے بھی تو اکثر خوش نصیب فریحہ کے گھر اتنا اتنا ٹائم لگا کر آتی ہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے...لیکن میرا دل پتا نہیں کیوں بہت گھبرا رہا ہے۔''وہ فکرمندسی کہہ رہی ہیں۔

''اچھا آپ ایسا کریں تھوڑی دیر جا کر لیٹ جائیں...رات کا کھانا میں بنا لونگی۔''وہ ان کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر جلدی سے بولی تھی۔نہ صرف یہ بلکہ کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس بھی آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''نہیں...تم دن بھر کی تھکی ہوئی آئی ہو..یہ سب کہاں کرتی پھرو گی..''

''پہلے بھی تو کرتی تھی امی!''نرمی سے بولی۔

''اچھا اب جائیں ناں...فضیلہ چچی نے کچن میں کھڑے دیکھ لیا تو مزید چار کام انہیں یاد آ جائیں گے جو آپ کا کرنا ہی ضروری ہونگے۔''

''ماہ نور!''

''جی روشن امی!''

''تم سے ایک ضروری بات بھی کرنا تھی۔''

''ساری باتیں اب رات کو ہونگی..آپ جا کر لیٹ جائیں بس...''ماہ نور نے انہیں زبردستی کچن سے نکالا اور خود ہنڈیا بنانے کے

لئے سبزی کاٹنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب خوفزدہ، ہراساں اور پریشان سی دروازہ زور زور سے کھٹکھٹا رہی تھی۔

"شامیر!..شامیر دروازہ کھولو...پلیز کوئی ہے...میری مدد کرو..." وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لئے پکار رہی تھی اور بے بسی کے شدید ترین احساس کے زیر اثر رو رہی تھی۔فوری طور پر تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور جب تک سمجھ آیا بہت دیر ہو چکی تھی۔خود کو عقل کل سمجھنے کی عادت بلآخر اس کے گلے پڑ گئی تھی۔

دروازے سے مایوس ہو کر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف آئی لیکن پردے کے پیچھے جو بڑی سی کھڑکی تھی اسے مضبوط سلاخوں سے بند کیا گیا تھا خوش نصیب نے سلاخوں کو کھینچ کر خوب زور لگا کر توڑنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بے کار ہی تھی۔مایوس ہو کر وہ وہاں سے بھی ہٹ گئی اور کمرے کے درمیان کھڑی ہو کر سوچنے کی کوشش کرنے لگی کہ یہاں سے بچ نکلنے کا اسے کیا راستہ نکالنا چاہیئے لیکن ذہن بالکل ماؤف سا ہو رہا تھا کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

"یہ سب کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ...آخر شامیر کیا چاہتا ہے؟...یا اللہ مجھ پہ رحم کر دے...میں نے کسی کا دل دکھایا ہو تو مجھے معاف کر دے...میں دوبارہ کبھی گھر سے نہیں نکلوں گی میں کبھی کسی کی بات کا بھروسہ نہیں کروں گی۔"

خوف اور پریشانی نے جیسے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ہی ختم کر کے رکھ دیا تھا۔پریشانی کے مارے بالکل ہیسٹیریکل ہوتے ہوئے اس نے ایک بار پھر دروازے بجانا شروع کر دیا تھا۔لیکن باہر کوئی ہوتا تو اس کی التجا سنتا۔

معاً اس کے دل میں نجانے کیا سمائی۔وہ سیدھی واش روم میں گئی اور وہاں کوئی روشن دان وغیرہ تلاش کرنے لگی جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی ذریعہ بن سکے۔روشن دان تھا لیکن وہ اتنا چھت کی قربت میں اور اتنا اونچا تھا کہ خوش نصیب چاہ کر بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

مایوس سی ہو کر وہ باہر نکلی اور کمرے میں ادھر ادھر چکر کاٹنے لگی۔تبھی اس کی نظر کمرے کی دیوار گیر الماری پر پڑی۔الماری کے ایک دروازے سے پانی کی ایک باریک سی دھار باہر آ رہی تھی۔وہ چونک سی گئی الماری سے پانی کیسے نکل سکتا ہے۔کچھ چونک کر اور کچھ محتاط انداز میں وہ الماری کی طرف بڑھی اور الماری کھول دی۔اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا جسے وہ الماری سمجھ رہی تھی دراصل وہ ایک تنگ اور تاریک سا راپیسج بنا ہوا تھا۔اس راستے سے گزر کر لازمی طور پر بنگلے کا کوئی پوشیدہ پورشن وغیرہ تھا اور نکاس کے ناقص انتظام کی وجہ سے پانی باہر نکل آیا تھا اندر ایک بدبو سی بھی مستقل محسوس ہو رہی تھی۔

خوش نصیب نے دوپٹے کا پلو ناک پر رکھا اور دل کڑا کر کے اندر داخل ہو گئی۔

اسے کچھ علم نہیں تھا یہ راستہ اسے کس طرف لیکر جانے والا ہے۔ذرا آگے جا کر پیسج ایک راہداری میں مڑ جاتا تھا جوں ہی خوش

نصیب اس دوسرے راستے میں داخل ہوئی سامنے اسے ایک دروازہ نظر آیا جو ادھ کھلا سا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور احتیاط سے دروازے کی درز سے اندر جھانکا اور اندر نظر ڈالتے ہی اس کے ہونٹوں سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ پلو والا ہاتھ بڑی مضبوطی سے اس نے اپنے لبوں پر جما لیا تھا۔

سامنے ایک عجیب منظر اس کا منتظر تھا۔ کمرے میں دھواں سا پھیلا ہوا تھا اگر بتیاں جل رہی تھیں۔ سامنے دیواروں پر شیطان کی شبیہات ٹنگی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ عین درمیان میں آمنے سامنے چٹائیاں بچھائے شامیر اور بیری پیر کے مزار کا ملنگ بابا آنکھیں بند کئے بیٹھے یوگا کے انداز میں کوئی آسن جمائے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان میں کسی جانور کی ہڈیاں، تازہ گوشت، ناریل اور تیز خنجر پڑے دکھائی دے رہے تھے۔ شامیر نے کالے رنگ کا عجیب وغریب وضع کا چغہ سا پہن رکھا تھا گلے میں پتھروں کی مالائیں پہنی ہوئی تھیں اور چہرے پر کالے رنگ سے عمودی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ ایک نظر میں تو خوش نصیب اسے پہچان بھی نہیں پائی تھی۔ سامنے دیوار کے ساتھ اسے جران کھڑا ہوا دکھائی دیا وہ سینے پر بازو باندھے ماتھے پر بل ڈالے کھڑا شامیر اور ملنگ بابا کو دیکھ رہا تھا۔

خوف سے مرنے کے قریب پہنچی ہوئی خوش نصیب اپنی چیخ روکے درز سے جھانک رہی تھی معاً اس کا ہاتھ دروازے پر لگا اور شور سا پیدا ہوا۔ جران نے فوراً سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں خوش نصیب کھڑی تھی۔

اس کی فراغ پیشانی پر بل پڑ گئے اور کنپٹی کے قریب ایک رگ زور زور سے حرکت کرنے لگی۔

خوش نصیب ترنت وہاں سے ہٹی اور الٹے قدموں چلتی ہوئی وہاں سے بھاگی۔ کمرے میں پہنچ کر اس کا دل جیسے پھٹنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ کس قدر بڑی مصیبت میں پھنس چکی تھی اس کا اندازہ اسے از سر نو ہونے لگا تھا۔

کون لوگ تھے یہ اور آخر خوش نصیب سے کیا چاہتے تھے؟... یہ سوال اژدھے کی طرح اسے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔

اس کی ٹانگوں سے جیسے جان نکل رہی تھی اور سارے جسم پر کپکپی سی طاری تھی۔ لیکن اس نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا اور سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا ہے اور کیسے یہاں سے نکلنا ہے لیکن کمرے سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسی اثنا میں کمرے کے دروازے کے باہر کچھ کھٹ پٹ سی ہوئی ایسا لگا جیسے لاک کھولا گیا ہو۔ خوش نصیب نے سٹ پٹا کر ادھر ادھر دیکھا اور کوئی ایسی چیز تلاش کرنے کی کوشش کی جسے وہ اپنے تحفظ کے لئے استعمال کر سکے۔ جلد ہی اسے ایک آرائشی گلدان نظر آیا جو کمرے کے ایک کونے میں رکھا گیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر گلدان اٹھایا اور ایسے پوزیشن لیکر کھڑی ہوگئی جیسے اندر آنے والے کا اندر داخل ہوتے ہی سر ٹھونک دینے کا ارادہ ہو۔ گرفت میں مضبوطی لیکن چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ٹانگیں بھی باقاعدہ کانپ رہی تھیں۔

لاک ٹھک کی آواز کے ساتھ کھلا اور جران کی شکل دکھائی دی اس کے اعصاب کھنچے ہوئے تھے اور خوبصورت چہرہ پر طیش نظر آتا تھا۔

خوش نصیب الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی لیکن گلدان پر اس نے گرفت مزید مضبوط کر لی تھی۔

''ہٹو... پیچھے ہٹو... میرے پاس مت آنا۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس واز کو رکھو اور جلدی چلو میرے ساتھ۔" اس نے بہ عجلت کہا۔

"تت۔۔تم نے سنا نہیں۔۔تت۔۔تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" اس کے سننے کی صلاحیت بھی جیسے خوف کے زیر اثر آ چکی تھی۔

اس کی پیشانی پر کئی بلوں کا اضافہ ہوا۔

"کم عقل لڑکی! میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔۔۔اپنی خیریت چاہتی ہو تو جلدی چلو میرے ساتھ۔" اس نے ڈانٹ کر کہا۔

خوش نصیب کو چند منٹ لگے اس کی بات سمجھنے میں۔اور ساتھ ہی گلدان پر گرفت بھی قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔

"کک۔۔۔کیا کہہ رہے ہو؟"

"تم لڑکیوں کی عقل اتنی چھوٹی کیوں ہوتی ہے؟۔۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"وہ ملنگ اور شامیر ابھی چلہ کاٹ رہے ہیں۔۔۔جب تک قربانی اور حاضری کے لئے وہ لوگ تمہیں لینے آئیں گے میں تمہیں یہاں سے نکال چکا ہوں گا۔۔۔"

"قق۔۔قربانی؟۔۔حاضری؟۔۔۔یہ تم کیا بول رہے ہو۔۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔"شامیر تو مجھے یہاں تم سے ملوانے کے لئے لیکر آیا تھا۔"

"دیکھو۔۔۔مجھے نہیں پتا شامیر کیا بتا کر تمہیں یہاں لیکر آیا ہے۔۔۔لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ یہاں تمہارے ساتھ اگلے ایک آدھ گھنٹے میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بعد تم کسی کو تو کیا خود کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔۔۔وہ تم پر جن کی حاضری کروائیں گے اور اس کے بعد اپنے شیطانوں کے قدموں میں تمہاری بھینٹ چڑھا دیں گے۔۔۔ایسے سننے پر یہ باتیں شاید عجیب سی لگ رہی ہوں لیکن وہ لوگ یہی سب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

خوش نصیب کے جسم پر جیسے سارے ہی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"جن، بھوت، آتما، آسیب۔۔۔ان سب کا دنیا میں کوئی وجود ہے یا نہیں۔لیکن اس مخلوق کے نام پر دنیا میں بہت دھوکے ہوتے ہیں اور تم مانو یا نہ مانو لیکن ان میں سے ہی ایک دھوکہ تمہارے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔"

"اب اپنی خیریت چاہتی ہو تو چلو میرے ساتھ۔۔۔" یہ آخری بات اس نے قدرے غرانے والے انداز میں کہی تھی۔

خوش نصیب کی جیسے جان ہی نکل رہی تھی لیکن اسے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہیں۔

"اب چلو۔۔۔کھڑی کیا سوچ رہی ہو؟" وہ جھنجلایا۔

"میں۔۔۔میں تم پہ کیسے بھروسہ کر سکتی ہوں۔۔۔تت۔۔تم کونسا انسان ہو۔" بے ساختہ خوش نصیب کے منہ سے پھسلا اور اس کا چہرہ ناگواری سے بھنچ گیا۔

''مرضی ہے تمہاری... کسی بھروسہ مند انسان کے انتظار میں بیٹھی رہو.. میں چلتا ہوں...'' بے مروتی سے کہتا وہ جانے لگا تو خوش نصیب کو ہوش آیا۔

''رکو... رکو... میں آتی ہوں تمہارے ساتھ۔'' وہ تقریباً سر پر پیر رکھ کر اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

☆......☆......☆

سیکیورٹی چیکنگ کے بعد ان دونوں کو مطمئن ہو جانا چاہیئے تھا لیکن آئے کت کا دل عجیب طرح سے پریشان ہو گیا تھا تو دوسری طرف معاویہ کے ذہن ودل میں شکوک اور خدشات جنم لے رہے تھے۔ شادی کی رسومات کو ابھی کئی دن تک چلنا تھا لیکن معاویہ کے اصرار پر نکاح کی رسم اگلے ہی دن طے کر لی گئی۔ ہر ایک نے اس سے اس عجلت کا سبب پوچھا لیکن وہ محبت کا بہانہ بنا کر ٹالتا رہا۔ صرف آئے کت جانتی تھی وہ کسی بدمزگی کے خدشے کے تحت یہ جلدی مچا رہا تھا اور نکاح کے فوراً بعد فلک بوس سے نکل جانا چاہتا تھا۔

نکاح سے کچھ دیر پہلے وہ آئے کت سے ملنے اس کے کمرے میں گیا۔ بیوٹیشن اور اس کی مددگار لڑکیاں اسے سجانے سنوارنے میں مصروف تھی۔

''ہم آپ کو دلہن سے ملنے نہیں دیں گے...'' بیوٹیشن نے اسے دیکھ کر دروازے پر ہی شوخی سے کہا تھا۔

''کہتے ہیں اگر دلہا نکاح سے پہلے دلہن کو دیکھے تو اس پر روپ نہیں آتا۔'' ایک دوسری لڑکی نے شوخی سے کہا تھا۔

معاویہ کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔ دور سنگھار میز کے سامنے آئے کت بیٹھی ہوئی تھی اس کی کمر دروازے کی طرف تھی اور وہ ذرا سا گردن اور چہرے کو موڑے معاویہ کی باتوں پر کان لگانے کی کوشش کر رہی تھی اس کوشش میں اس کے چہرے کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اونچے جوڑے کی وجہ سے صراحی دار گردن کا خم کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔

''میں ایسی کسی بات پر یقین نہیں رکھتا...'' اس نے مسکراہٹ چھپا کر ذرا سنجیدگی سے کہا۔

''آگے سے ہٹیں اور مجھے اندر آنے دیں۔''

وہ سب فوراً محتاط ہو کر آگے سے ہٹیں اور معاویہ اندر آ گیا۔ اندر آتے ہی اس نے ان سب کو باہر جانے کا حکم دیا تو وہ آگے پیچھے باہر نکل گئیں۔ معاویہ آئے کت کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ بولنے کا ارادہ تھا لیکن اس پر نظر پڑتے ہی ہر لفظ بھول گیا۔ اس کی بات آئے کت کے حسن کی نذر ہو گئی۔

اس کا شاہی لباس، اس کے زیورات اور اس کی آرائش... کیا چیز تھی جو اس پر اس کے وجود کا حصہ نہ معلوم ہوتی ہو۔

آئے کت نے بت بنے اسکو خود کو دیکھتے پایا تو اس کی آنکھوں میں چمکتی ستائش کو حق کی طرح وصول کرتے ہوئے مسکرائی اور سنگھار میز کے آئینے میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" گو کہ اس کے سوال میں سوال نہیں۔ پورا ایک جواب پنہاں تھا وہ جانتی تھی وہ اسوقت دنیا کی سب سے خوبصورت دلہن لگ رہی ہے۔ اس کے حسن کو کسی کے لفظوں کی ضرورت نہیں۔ محبوب کی آنکھیں جب ستائش کے رنگوں سے بھر جاتی ہیں تو محبّ کا دل لفظوں کی قید سے آزاد ہو کر دھڑکنے لگتا ہے۔

"میں نے دنیا میں اس سے خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا.. تم اب تک کہاں تھی؟" وہ جیسے اس کے حسن کے سحر میں گم صم سا بول رہا تھا۔

"یہیں تھی... لیکن تمہیں کبھی دکھائی ہی نہیں دی۔" وہ شرمیلی مسکراہٹ لبوں میں دبا کر بولی۔

وہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا یہانتک کہ اسکی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

آئے کت نے حیران ہو کر اسے دیکھا تو بولا۔

"کاش! تم مجھے پہلے دکھائی دے گئی ہوتی آئے کت!... کاش!..."

وہ نہ اس کی ہنسی کا مطلب سمجھی نہ بات کا۔

"مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی معاویہ!"

"میں ٹھیک ہوں... بس پریشان ہو گیا ہوں... وقت بڑی ظالم شے ہے... کہیں تمہیں بھی مجھ سے چھین نہ لے۔"

"ہمیں کوئی ایک دسرے سے چھین نہیں سکتا اب۔ اپنے اپنے حصے کے مصائب اپنے اپنے حصے کی مجبوریوں کا بوجھ اٹھا چکے ہیں ہم... اب ہم اپنی زندگی جئیں گے... اپنی خوشیوں سے جھولیاں بھریں گے۔" وہ پریقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں ایسا ہی ہوگا..." وہ گہری سانس بھر کر اس کی طرف پلٹا۔

"میں نے اپنی محبت کا حصار باندھ دیا ہے... اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" وہ مسکرایا ذرا سا جھکا اس کے سر پر بوسہ دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

آئے کت گردن موڑے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہ گئی۔

معاویہ چلا گیا اور باہر آ کر خود بھی تیار ہونے لگا۔ دنیا کی سب سے خوبصورت دلہن کے لئے اسے دنیا کا سب سے جاذب نظر دلہا بننا تھا لیکن وہ بھول گیا تھا محبتوں کے حصار آنے والے مصائب کا راستہ کب روک سکتے ہیں۔ محبت تو ایک بے کار سا جذبہ ہے جو انسان کو طوفان سے ٹکرانے کا حوصلہ تو دے سکتا ہے لیکن محبوب کو ناگہانی سے نہیں بچا سکتا۔

بشام کے سینے پر دل کی طرح دھڑکتے فلک بوس کا قصہ مختصر۔

نکاح خواں گواہان کی معیت میں جب نکاح نامے پر سائن کروانے دلہن کے کمرے میں پہنچے تو کمرہ خالی تھا اور دلہن اس ہیولے کی طرح غائب ہو چکی تھی جس کے تعاقب میں پھر ساری زندگی معاویہ اردشیر ازی دوڑتا رہا لیکن اس کا سراغ نہ پا سکا۔

اور یوں معاویہ اردشیرازی اور آئے کت کی محبت کی کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔

بشام کی جاہل، کمزور عقیدہ عورتوں کی بات درست ثابت ہوگئی اور فلک بوس کا آسیب ایک اور محبت کو نگل گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ جبران تھا یا عبدالجبار۔کوئی عام انسان تھا یا ناری مخلوق۔

خوش نصیب صرف اتنا جانتی تھی وہ اسکا محسن تھا جو اسے موت کے منہ سے نکال لایا تھا۔جب تک سوسائٹی کی حدود سے نکل کر گاڑی مین روڈ پر نہیں آ گئی خوش نصیب چپ چاپ بیٹھی اپنی منتشر کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔وہ فرنٹ سیٹ پر دروازے کے بالکل ساتھ چپک کر بیٹھی ہوئی تھی اور بار بار کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو دانت بھینچے سامنے دیکھتا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

جب خوش نصیب تھوڑا سنبھل گئی تو اس نے گلا کھنکھار کر اور ڈرتے ڈرتے بات کرنا شروع کی۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ...تم نے مجھے اتنی بڑی مشکل سے نکال دیا۔“

وہ خاموش ہی رہا۔

”اگر تمہارے دل میں انسانیت نہ جاگتی تو..تو یقیناً اب تک میری بھینٹ چڑھائی جا چکی ہوتی۔“ اپنی بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے تھے۔

اس نے گردن موڑ کر خوش نصیب کو دیکھا اور شاید اس کی روئی ہوئی شکل دیکھ کر اسے تھوڑا ترس آ گیا تبھی قدرے نرم لہجے میں بولا۔

”تمہیں تمہارے بڑوں نے یہ نہیں سکھایا کہ اجنبیوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے؟...میں حیران ہوں تم شامیر جیسے انسان پر بھروسہ کیسے کر سکتی ہو۔“

”شامیر جیسا انسان...مطلب؟“

”اس کے ماتھے پر لکھا ہے وہ کتنا بڑا فراڈ ہے...کسی کی شکل وصورت اچھی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کا دل بھی صاف ہی ہوگا..تم لڑکیاں اچھی شکل اور پرسنیلٹی دیکھ کر ہمیشہ متاثر کیوں ہو جاتی ہو۔“ وہ بے رحمی سے تبصرے کر رہا تھا۔

خوش نصیب کی نازک طبیعت ایسی پوزیشن میں نہیں تھی کہ برا مناتی اور اپنے محسن کی باتوں کا تو ہرگز نہیں۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے...“ خوش نصیب نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

”وہ اجنبی نہیں ہے...میری چچی کا رشتہ دار ہے..کئی دنوں سے ہمارے گھر رہ رہا ہے۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ باتیں کسی پر اعتماد کرنے کے لئے کافی تو نہیں ہیں..تم اس کے ساتھ اکیلے گھر میں چلی گئیں...مجھے یہ بات کافی عجیب لگ رہی ہے...جبکہ تمہیں دیکھ کر یہ بھی پتا چل رہا ہے کہ تم کردار کی بری لڑکی نہیں ہو۔“

http://kitaabghar.com

''اس کامپلیمنٹ کے لئے شکریہ۔'' اس نے گال پونچھ کر کہا۔

''یہ کامپلیمنٹ نہیں ہے...صرف کامنٹ ہے۔'' وہ ناگواری سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

خوش نصیب نے ذہنی بوجھ سے تنگ آ کر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو...میں اتنی بڑی بیوقوفی کیسے کر سکتی ہوں..میری روشن امی نے ہم بہنوں کو اپنی عزت کی حفاظت کرنا سکھایا ہے..اپنی سیلف ریسپکٹ کو ہمیشہ اولیت کے درجے پر رکھنے کا درس دیا ہے..پھر میں شامیر کی باتوں میں کیسے آ گئی...'' وہ ایک دم سے الجھ گئی تھی اس کا ذہن بالکل خالی ہو رہا تھا اور برازورڈالنے کے باوجود اسے یاد نہیں آ رہا تھا اس نے شامیر کی باتوں پر بھروسہ کیسے کر لیا۔

''میرا خیال ہے میں سمجھ سکتا ہوں'' تمہارے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''شامیر ہپنوٹزم کا ماہر ہے...تمہارے ساتھ جو بھی ہوا ہے یا ہوتا رہا ہے وہ یقیناً شامیر ہپناٹائز کر کے کرواتا رہا ہوگا...''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ شاکڈ ہوئی۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں...شامیر ہپناٹزم کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا اچھا mind reader (ذہن پڑھنے والا) بھی ہے...اور تم شکل سے ہی ایک بیوقوف لڑکی لگتی ہو۔ یقیناً اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تم اسے سب سے آسان ہدف محسوس ہوئی ہوگی۔ لیکن خیر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...شامیر کوئی اتنی بھی توپ چیز نہیں ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔''

خوش نصیب کو لفظ بیوقوف پر اچھا خاصا اعتراض تھا لیکن یہ وقت کسی قسم کے اعتراضات کے لئے مناسب نہیں تھا۔

''شامیر نے تو مجھ سے کہا تھا اس کے پاس کوئی موکل ہے..جو مجھے تنگ کرتا رہا ہے اور اسی جن سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں یہاں آئی تھی۔''

''تمہیں جن سے چھٹکارہ چاہیئے تھا اور مجھے ایک روح کی تلاش نے شامیر سے ملوا دیا تھا۔ اپنے کچھ بہت عزیز رشتوں کو کھو دیا تھا میں نے...کچھ سوالوں کے جواب چاہیئے تھے جن کی تلاش میں، میں شامیر سے آ ملا اور یہاں آ کر مجھے احساس ہوا وہ کس قدر جھوٹا انسان ہے...نہ اس کے پاس کوئی موکل ہے نہ وہ روحوں کو بلوا سکتا ہے... ہاں وہ انسانوں کو بھٹکاتا ضرور ہے''

''لیکن وہ جن....'' وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''اس نے ضرور ایسا ہی کہا ہوگا...لیکن کوئی موکل وکل نہیں ہے اس کے پاس... ہاں البتہ وہ اللہ کی ناری مخلوق کو قابو کرنے کی کوششوں میں جتا ہوا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ مزاروں اور ملنگوں کے پاس بھی جاتا ہے...جو کہ سراسر بیوقوفی ہے...تم دیکھنا اس کے ارادے ایک دن اسے مروائیں گے۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ جنات انسانوں پر قابو پائیں یا انسان جنات کو اپنے زیر اثر رکھیں تو وہ ہماری دنیائیں بھی ایک ہی بناتا۔ تمہیں پتا ہے جنات کو انسانوں کی دنیا میں دخل دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے..نہ ہی انسان جنات کی دنیا میں دخل

اندازی کر سکتے ہیں۔۔لیکن جو ایسا کرتا ہے وہ پھر اس کا نقصان بھی اٹھاتا ہے۔"

"اگر شامیر ایک بار مجھے ہپناٹائز کر سکتا ہے تو بار بار کر سکتا ہے۔۔۔ایک بار میں اسکے چنگل سے نکل گئی۔۔لیکن دوبارہ ایسا ہوا تو۔۔۔"اس نے پریشانی سے کہا

"تم اگلی بار ایسی نوبت ہی نہ آنے دینا۔" وہ تحمل سے بولا۔

"ایسے لوگوں کا سب سے اہم ہدف آنکھیں ہوتی ہیں۔تم دوبارہ نہ شامیر کی بات غور سے سننا نہ اس کی آنکھوں میں جھانکنا۔۔۔وہ تمہارے دماغ پر کبھی قابو نہیں پا سکے گا۔۔اور ہاں۔۔۔"اس نے گاڑی خوش نصیب کے بتائے ہوئے مقام پر روک دی۔

"اللہ کے کلام میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔۔۔جب بھی تمہیں ایسا محسوس ہو کہ کوئی غیر مرئی طاقت تم پر قابض ہو رہی ہے قرآن پڑھ لیا کرنا۔۔۔اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔"

اس نے بٹن دبا کر خود کار دروازہ کھول دیا تھا۔خوش نصیب چونکی۔

"تم نے میری اتنی مدد کی۔۔لیکن ابھی تک میرا نام بھی نہیں پوچھا۔"

"نام پوچھ کر کیا کرو گی۔۔تمہاری جان انسانیت کے ناتے بچائی ہے اور انسانیت کے معاملات میں نام نہیں پوچھے جاتے۔"وہ کندھے اچکا کر بولا تھا

"لیکن تم تو جن ہو۔۔تمہارا انسانیت سے کیا کام۔" وہ ہونق سی شکل بنا کر بولی۔تو اس کا دل چاہا اپنا سر ہی پیٹ لے۔

"یقین مانو۔جتنی تم شکل سے بیوقوف لگتی ہو اس سے ہزار گنا زیادہ بیوقوف ہو۔۔۔شامیر نے اگر تمہیں اپنے مزموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی تو بالکل صحیح کیا۔۔تم مرکھپ جاتیں اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔میں کوئی جن ون نہیں ہوں بی بی!۔۔ایک عام انسان ہوں۔۔مٹی سے بنا ہوا۔۔۔بالکل ویسے ہی جیسے تم ہو۔بس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے سر میں جو دماغ ہے وہ ٹھیک ٹھاک کام کرتا ہے۔"وہ بہت چڑ کر بولا تھا۔

خوش نصیب نے شرمندہ سی ہو کر اپنا سر جھکا لیا اور گاڑی سے اتر گئی۔پھر کھڑکی میں جھکی اور شرمندہ سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میں اپنے محسن کو ساری زندگی یاد رکھنا چاہتی ہوں۔۔۔اگر تم جن نہیں ہو تو۔۔تو پھر کون ہو؟"اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"معاویہ۔۔۔معاویہ اردشیر ازی۔"اس نے سنجیدگی سے کہا اور گیئر پر ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"امید کرتا ہوں ہم دوبارہ کبھی نہیں ملیں گے۔"

وہ گاڑی زن سے بھگا لے گیا۔اڑتے ہوئے بالوں اور دوپٹے کے ساتھ خوش نصیب تھکی ہاری سی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

تین دن گزر گئے لیکن وہ بخار جو خوش نصیب کو چڑھا اس نے اترنے کا نام نہ لیا۔

اس کا رنگ خوف سے پیلا پڑ گیا اور آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ گئے۔

اگر شاہ جنات کے نام سے وہ فرشتہ صفت انسان اسے اس دلدل سے نہ نکالتا تو اب تک وہ تباہ و برباد ہو چکی ہوتی۔ بلکہ اپنی بربادی کا ماتم منانے کے لئے زندہ بھی نہ ہوتی۔ جان بچا کر واپس تو آ گئی لیکن ایسے آئی کہ اس کی ذہنی دنیا بدل چکی تھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا خود کو عقل کل سمجھ کر وہ کتنی بڑی غلطی کرتی رہی ہے۔ اب تک زندگی میں وہی سب کیا تھا جو اسے ٹھیک لگا تھا۔ روشن امی جتنی مرضی بار سرزنش کرتی رہی ہوں۔ ماہ نور نے تحمل اور برداشت کے جتنے مرضی اسباق پڑھائے ہوں۔ خوش نصیب نے وہی کیا جو اسے ٹھیک لگا اور زندگی میں ہمیشہ اس نے نقصان بھی اٹھائے تھے یہ الگ بات ہے کہ کبھی اتنی بے بسی اور ذلت اور ڈر محسوس نہیں کیا تھا۔

شامیر کے عظائم پورے ہو جاتے تو اب تک یقیناً وہ ایک جیتے جاگتے انسان سے ایک کٹی پھٹی لاش بن چکی ہوتی۔

خوش نصیب کو رہ رہ کر افسوس ہوتا کہ کیوں شامیر کی باتوں میں آ گئی۔ کیوں اس کی امارت اور اچھی شکل پر ریجھ گئی۔ اسے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ وہ لڑکا جو اچانک سے اٹھ کر اس سے محبت کا دعوے دار ہو رہا ہے اس کی عام سی شکل و صورت پر کیسے فریفتہ ہو سکتا ہے۔ آخر ایسا تھا ہی کیا اس میں۔ نہ صیام جیسی روشنیاں بکھیرتی رنگت، نہ منہا جیسی غزالہ آنکھیں۔ نہ فہمینہ جیسا قد بت۔ حتٰی کہ اس کے پاس تو ماہ نور جیسا ٹھنڈا میٹھا لب و لہجہ بھی نہیں تھا جو اس کی ساری خامیوں کو دبا دیتا۔

اس کے پاس تو بس دوسروں کا منہ توڑتے ہوئے جوابات تھے۔ ذہنی پریشانیاں تھیں جو وہ تڑا تڑ دوسروں پر وارتی رہتی تھی اور اپنے تئیں خوش ہوتی تھی کہ دیکھا۔ کیسا چپ کرایا انہیں۔

سوال یہ تھا کہ اس نے کیوں نہیں سوچا شامیر اسے محبت کا نام لیکر بیوقوف بنا سکتا ہے؟؟؟

یہ حادثہ اسے سر سے پیر تک بدل گیا تھا اور مزے کی بات یہ کہ اس کی خاموشی کو فضل منزل کے ایک ایک فرد نے نوٹس بھی کر لیا تھا۔

پتا نہیں وہ سچ مچ خاموش ہو گئی تھی یا خاموش ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ مرے پر سو درے اسی اثنا میں شامیر بھی واپس آ گیا۔

خوش نصیب کو دیکھتے ہی وہ دوستانہ انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ خوش نصیب نے نخوت سے منہ موڑ لیا۔

شامیر نے اس کے سامنے آ کر راستہ روکا تھا۔

"ناراض ہو؟..."

"ناراض دوستوں سے ہوا جاتا ہے۔ میں تمہیں اتنی بھی اہمیت نہیں دیتی۔" خوش نصیب نے غرا کر کہا تھا۔ "اپنی بہتری چاہتے ہو تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ سب کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی۔"

"ارے میں تو ڈر گیا... دیکھو میری تو ٹانگیں بھی کانپنے لگی ہیں۔" سنجیدگی سے بولتا وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''تم واقعی خوش نصیب ہو..ورنہ مجھ سے بچ کر نکلنا آسان نہیں تھا..اب میری ایک بات کان کھول کر سنو۔اپنی جان پیاری ہے تو اپنی زبان بند رکھنا۔ضروری نہیں ہے کہ ایک بار تم مجھ سے بچ نکلی ہو تو دوسری بار بھی قسمت تمہارا ساتھ دے...میری بات سمجھ گئی ناں۔''

خوش نصیب کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ یہ وہ شامیر نہیں تھا جسے اب تک وہ جانتی تھی اور ملتی رہی تھی۔یہ کوئی اور تھا۔اس کی آنکھیں لال انگارہ تھیں اور بولتے ہوئے وہ ایسا لگتا تھا جیسے آگ اگلتا ہو۔

خوش نصیب بات سمجھی یا نہیں لیکن خاموش ضرور رہی۔شامیر مڑ کر چلا گیا۔

خوش نصیب کا تنفس اور دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی بس نہ چلتا تھا اس کا منہ ہی نوچ ڈالے۔

☆......☆......☆

یہ اس سے چند روز بعد کی بات ہے۔دوپہر کے بعد جب صباحت بیگم،فضیلہ چچی کے پورشن میں جا کر بیٹھیں۔فضیلہ بیگم اس وقت پرانی اون کا سوئیٹر ادھیڑنے کی کوششوں میں تھیں۔جیٹھانی کو دیکھ کر ساری اون سمیٹی ایک طرف اور ان کے کان میں گھس کر رازداری سے بولیں۔

''کیوں آپا!پھر کچھ پتا چلا؟؟''

صباحت تائی جان نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''میں سمجھی نہیں کس بارے میں پوچھ رہی ہو؟؟''

''ارے خوش نصیب کی بات کر رہی ہوں۔...کچھ پتا چلا خودکشی کیوں کر رہی تھی؟''وہ مزید رازداری سے آنکھیں مٹکا کر پوچھ رہی تھی صباحت بیگم گہری بیزار کن سانس بھر کر رہ گئیں۔

''خودکشی نہیں کر رہی تھی...وہ نیند میں چل رہی تھی...اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے کہ کئی دن اسے یاد رکھا جائے اور بار بار دوہرایا جائے۔''نرمی سے کہیں گی۔

''نیند میں چلنا معمولی بات نہیں ہوتی آپا!صیام بتا رہی تھی یہ ذہنی بیماری ہوتی ہے...وہ کیا کہتے ہیں اسے؟...ہاں یاد آیا سائیکالوجیکل ڈس آرڈر...اچھا خاصا لگ رہا ہوتا ہے انسان لیکن دماغ میں بیماری کی جڑیں پھیلتی چلی جاتی ہیں...اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو خوش نصیب تو پہلے ہی مجھے نفسیاتی مریضہ لگتی ہے...ایسے ہی تو ہر ایک کی زندگیاں عذاب نہیں کیئے رکھتی۔''ناک چڑھا کر کہیں گی۔

''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو...میری معلومات اصل میں کافی کم ہیں۔''وہ فضیلہ بیگم کی زبان کی دھار سے ڈرتی تھیں اس لئے قائل ہوں یا نہیں عموماً ہاں میں ہاں ملا کر رکھنا ہی بہتر سمجھتی تھیں۔

''کیا پکا رہی ہو؟؟...میں تو کالے چنے ہلکی آنچ پر رکھ کر آئی ہوں..تمہارے بھائی صاحب کو کالے چنوں کا شوربہ بڑا پسند

ہے۔'' انہوں نے موضوع بدلنے کی شعوری سی کوشش کی تھی۔

''اسی لئے تو بتا رہی ہوں آپکو کہ خوش نصیب کی بیماری کو معمولی نہ سمجھیں۔'' فضیلہ بیگم نے گفتگو کی گاڑی کو اسی ٹریک پر لاتے ہوئے کہا۔

''کل کلاں کو اسی نیند کے چکر میں کوئی اور گل کھلا آئی تو دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے ہم۔''

''توبہ ہے فضیلہ! تم بھی بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو..'' وہ چڑ ہی گئی تھیں۔

''میں آپکو صاف بتا رہی ہوں آپا! روشن سے کہیں یا خوش نصیب کا علاج کروائے یا پھر کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر شادی کر دے...سنا ہے لڑکیوں کے بہت سے ذہنی مسائل بھی شادی کے بعد دب جاتے ہیں۔...اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو مجھے تو یہ بھی شک ہے کہ یہ کسی لڑکے کا ہی معاملہ ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں۔کتنا چپ چپ رہنے لگی۔پہلے کیسے تڑخ تڑخ کر جواب منہ پر مارتی تھی...آجکل جو مرضی کہہ لو۔آواز نہیں نکلتی اس کی۔''

''اسمیں کونسی بڑی بات ہے ماں نے سمجھا دیا ہوگا۔''

''صدقے جاؤں میں آپ کی سادگی کے۔پہلے بھی تو یہی ماں تھی....اس سے پہلے کیوں نہ سمجھانے کا خیال آیا۔'' طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''تم آخر اس بات کو بھول کیوں نہیں جاتیں...خوش نصیب بھی ہماری اپنی بچی ہے..ایسی معمولی باتوں کو اچھالیں گے تو چھینٹیں خود پر بھی گریں گے۔'' نرمی سے کہیں گئی۔

''ہائے ہائے ہماری بچی کیوں ہونے لگی۔بھئی مجھے تو دو بیٹیاں ہی کافی ہیں البتہ آپکا اسے گود لینے کا ارادہ بن رہا ہے تو آپ کی مرضی۔'' تنک کر بولیں اور آنکھیں پھیر لیں۔

''میں تو سوچ رہی تھی آج صیام کے ابو سے بھی بات کروں گی۔کسی اچھے ذہنی امراض کے ڈاکٹر کو دکھائیں خوش نصیب کو...ویسے بھی یتیم بچیاں ہیں ہم خیال نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔''

''ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔''

''آپ بھی میری ایک بات سن لیں آپا! کیف کے لئے جب بھی لڑکی دیکھنے کا ارادہ ہو میری بچیوں کا خیال بھی رکھیے گا...گو کہ ماں ہو کر یہ اپنے منہ سے یہ بات کہنا مناسب تو نہیں لگتا لیکن کیا کریں مجبوری ہے...اللہ نے خاندان بھی ایسا دیا ہے ہمیں۔جنہیں خود سے ہماری مجبوریاں نظر ہی نہیں آتیں...لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے ہمیں کسی کا منہ دیکھنے کا محتاج نہیں رکھا۔صیام کی شادی تو میں شامیر سے ہی کرونگی...''

''اچھا...شامیر کی والدہ نے ایسی کوئی بات کہی ہے کیا؟؟ خوش ہو کر پوچھنے لگیں۔

http://kitaabghar.com

''باضابطہ طور پر تو نہیں۔ لیکن اشارتاً وہ کئی بار مجھے کہہ چکی ہے... ویسے بھی آپ نے دیکھا نہیں شامیر کا جھکاؤ صیام کی طرف کتنا ہے۔''

''ہاں یہ تو غور کیا ہے میں نے۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔ دل تو چاہ رہا تھا صاف کہہ دیں۔ شامیر کا جھکاؤ ہے یا صیام کا؟ لیکن نقص امن کا خدشہ تھا سو چپ ہی رہیں۔

''بس پھر آپ کیف کے لئے منہا کو ذہن میں رکھئے گا... ایسا نہ ہو بالا ہی بالا رشتہ طے کر کے بیٹھ جائیں اور ہمیں کان و کان خبر نہ ہو۔''

''بھئی کیف کی شادی کا ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے ہمارا۔'' زچ ہو کر کہیں گی۔

''ارادہ بنتے کونسا دیر لگتی ہے آپا!''

''میں ذرا ہنڈیا دیکھ لوں۔'' صباحت بیگم سٹپٹا کر کہنے لگیں اور جلدی سے اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

اسی شام کیف کی آمد ایسے ہی ثابت ہوئی جیسے گرم دوپہروں کے بعد شام ڈھلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں۔

وہ باغ و بہار بھی ایسا تھا آتے ہی فضل منزل میں رونق دوڑا دی۔ ہنسی مذاق، قہقہے؛؛؛ ایسا لگا سوئی ہوئی زندگی جاگ اٹھی ہو۔

پتا نہیں کیوں لیکن خوش نصیب کو اس کی آمد سے بڑی تسلی ہوئی ایسا لگا دل کو قرار سا آ گیا ہو۔

وہ بھی اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر جان گیا۔ کوئی بات ہے جو اسے پریشان کر رہی ہے۔ رات گئے جب پچھلے صحن میں فضل منزل کی ساری ینگ جنریشن اکٹھی ہو کر بیٹھی تو ان میں شامیر بھی شامل تھا۔ خوش نصیب نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور اپنے کمرے میں آ کر کروٹیں بدلنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا شامیر کو فضل منزل سے کیسے بھگائے۔ جو اسے استعمال کر سکتا ہے وہ کل کو کسی بھی دوسری لڑکی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ کوئی اتنی بھی معمولی بات نہیں تھی کہ اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ لیکن وہ جانتی تھی کوئی بھی اس کی بات کو اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ اپنی زبان درازی سے خود کو ناقابل اعتبار بنا چکی تھی اور شامیر کا راز فاش کرنے کے لئے کسی ٹھوس بنیاد کی ضرورت تھی۔

اگلے روز اسے کیف سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ کچن سے ناشتے کے نام پر چائے کا ایک کپ لیکر نکل رہی تھی کہ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا بات ہے؟... اتنا برا منہ کیوں بنایا ہوا ہے؟؟؟ تم بیمار رہی ہو کیا؟؟'' سیدھے انداز میں سیدھا سوال تو ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اتنی سی بات پوچھنے کی دیر تھی کہ خوش نصیب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ خود کو اتنا کمزور اور بے بس محسوس کر رہی تھی۔

کیف چونک گیا۔

''کیا بات ہے خوش نصیب! سب خیر تو ہے ناں؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''سب خیر نہیں ہے کیف!.. مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کس سے بات کروں۔'' اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔

''مجھے بتاؤ...کیا مسئلہ ہے؟...کسی نے کچھ کہا ہے؟''اس کا بس نہ چلتا تھا اس کی ساری پریشانی سمیٹ لے۔

''ت،...تم اعتبار کرو گے میرا؟''

''کم سے کم تمہیں مجھ سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیئے تھا۔''وہ ذرا سی ناراضی کے ساتھ بولا تھا۔

دنیا میں جب کوئی ایک انسان بھی ایسا نہ ہو جو تمہارا اعتبار نہ کرے تو پھر بھی کیف تمہارا اعتبار کرے گا...افسوس تو اس بات کا ہے کہ تمہیں کبھی میری محبت کا یقین ہی نہیں آیا۔''

وہ کیا کہہ رہی تھی یہ کیا کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے...میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں...''خوش نصیب نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا لیکن اسی وقت صباحت تائی جان آ گئیں۔

''کیف!ذرا میرے ساتھ نزہت کے گھر چلو...ایک بڑا ضروری کام ہے۔''وہ چادر اوڑھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''امی!پلیز ابھی نہیں..''

''ارے دس پندرہ منٹ کا کام ہے...موٹر سائیکل پر بٹھا کر لے جاؤ گے تو کونسی قیامت آ جائے گی۔''چڑ کر کہنے لگیں۔

''چلو چلو...''اس کا بازو پکڑ کر لے جانے لگیں۔کیف نے جاتے جاتے خوش نصیب کو اشارہ کیا کہ بعد میں بات سنتا ہوں لیکن خوش نصیب کی آنکھوں میں مایوسی پھیل گئی۔کیونکہ اس کا دل کہہ رہا تھا...یہ پھر...دوبارہ نہیں آ سکے گا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

گو کہ یہ گرمیوں کے دن تھے لیکن اس روز حبس بھری دوپہر کا زور کہیں شام سے ذرا پہلے ٹوٹ گیا۔

آسمان پر پھیلی مٹی ہوا کے دو تین جھونکوں سے رفع ہو گئی لیکن جاتے جاتے کچے صحنوں میں اپنے نقش چھوڑ گئی۔ ماہ نور نے پانی کا پائپ نلکے کے منہ سے لگایا اور بانس کی جھاڑو اٹھا کر چھپا چھپ صحن کی سرخ اینٹوں پر پھیلی مٹی سمیٹتی چلی گئی۔ فہمینہ نے کنالیاں صاف کر کے باجرے اور پانی سے بھر کر منڈیروں پر رکھ دیں یہاں تک کہ شام کے پرندے اونچی اڑانوں سے تھک کر نیچی پروازیں بھرتے فضل منزل کے صحن میں اپنے پر پھڑ پھڑانے لگے۔

صیام کو سیلفیاں کھینچنے کے لئے بڑا مناسب موقع مل گیا جلدی سے اس نے اپنا نیا نکور زرد رنگ کا جوڑا نکال کر پہنا جس کے گلے اور آستینوں پر سندھی کڑھائی سے نفیس پھول کاڑھے گئے تھے۔ اور جس کی خوش رنگی صیام کے چہرے کی رنگت سے میل کھاتی تھی۔ بالوں کو اس نے سیدھے پراندے میں قید کیا اور پیروں میں باریک اسٹریپ والی نازک سی چپل پہن کر ساری کدورت بھلائے ان سب کے ساتھ آ کر گھل مل گئی۔

منہا کو جانے کیا سوجھی۔ کہیں سے ایک مضبوط رسی ڈھونڈ کر لائی اور ہارسنگھار کی اونچی اور موٹی شاخ سے جھولا ڈال کر اونچا اونچا جھلانے لگی۔ اوپر سے اپنی بے سری آواز میں برسات کے ایسے ایسے گیت گائے کہ ان سب کے قہقہے تھمتے نہ تھے۔

صحن میں اینٹوں پر پانی بہائے جانے کی سوندھی سی خوشبو بکھری تھی۔ یہاں سے وہاں تک پانی ہی پانی۔ اور جا بجا ان چاروں کے بے فکرے قہقہے تھے۔

برآمدے کی سیڑھیوں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھی خوش نصیب نے انہیں دیکھا ہولے سے مسکرائی اور اپنے جلتے ہوئے پیر سرخ اینٹوں پر بہتے پانی میں رکھ دیئے۔ آہ.... جلتے ہوئے تلوں کو سکون سا آ گیا۔

پتا نہیں کیوں لیکن اسے اپنا آپ ایک ان دیکھی آگ میں جلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ ہر وقت حلق سوکھتا رہتا وہ گلاس بھر بھر کر پانی پیتی لیکن پیاس تھی کہ بجھنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ ذہن پر ہر وقت عجیب سی غنودگی چھائی رہتی تھی لیکن رات کو سونے کے لئے آنکھیں بند کرتی تو عجیب عجیب سی شکلیں دکھائی دینے لگتیں وہ ڈر کر آنکھیں کھول دیتی اور اس کے بعد ساری رات یونہی آنکھوں میں کٹ جاتی۔

گندمی رنگت دن بدن سانولا رہی تھی۔ بھوک جیسے بالکل ختم ہو چکی تھی اور جسم ہر گزرتے دن کے ساتھ سوکھتا جا رہا تھا۔ پتا نہیں کسی اور نے اس کے اندر آنے والی ان تبدیلیوں کو نوٹ کیا تھا یا نہیں۔ لیکن خوش نصیب جانتی تھی۔ کچھ غلط تھا اس کے ساتھ ضرور کچھ غلط ہو رہا تھا۔ لیکن اس سارے چکر سے کیسے نکلنا تھا وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ اس سوال پر آ کر اس کا دماغ کام کرنا بالکل بند کر دیتا تھا۔

منہا نے اسے الگ تھلگ بیٹھے دیکھا تو وہیں سے آواز لگائی۔

"خوش نصیب وہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو... یہاں آؤ ناں... تم تو سب سے اونچا جھولا جھلاتی ہو۔" اس کی آواز میں جوش تھا خوش نصیب نے مسکرا کر وہیں سے انکار میں ہاتھ ہلا دیا۔ وہ سب اپنی شرارتوں میں اور ایک دوسرے پر پانی اچھالنے میں اتنی مگن تھیں کہ کسی نے بھی اس کی پژمردگی پر دھیان نہ دیا۔ خوش نصیب نے مسکراتے ہوئے یونہی گردن موڑی تو گیسٹ روم کی اینٹرنس پر اسے شامیر کھڑا دکھائی دیا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ سے کندھا اٹکائے ٹانگوں کو قینچی کے اسٹائل میں موڑے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا ٹن پکڑا کھڑا تھا اور گہری نظروں سے خوش نصیب کو دیکھ رہا تھا۔

جوں ہی دونوں کی نظریں ملیں وہ خیر سگالی انداز میں مسکرایا۔ وہی انگلش فلموں کے ہیرو جیسی چمکتی دمکتی قیمتی مسکراہٹ۔

خوش نصیب کے دل میں ہراس ایسے پھیلا جیسے مکڑی کے جالے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ بظاہر نازک لیکن اتنا مضبوط کے ہراس کی اس باریک تہہ سے آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی اور دل دہشت زدہ ہو کر دھڑکنے لگا۔ اس نے گردن موڑ لی اور ایسے ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

شامیر سمجھ گیا اس کی مسکراہٹ میں کمینگی نے پھیل کر وہی کام کیا جو پانی سے لبالب بھری ہوئی بالٹی میں نیل کے چند قطرے کرتے ہیں۔ وہ چوکھٹ سے ہٹ گیا۔ اور خوش نصیب اپنے خشک ہوتے حلق اور دہشت زدہ ہو کر دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی جب ناکام ہوئی تو وہاں سے ہٹ گئی۔

جب وہ تیزی سے اٹھ کر لیکن جھکے سر اور ڈھلے ہوئے قدموں کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی تو اسی وقت سامنے سے کیف آ رہا تھا اس نے خوش نصیب کو دیکھ کر بات کرنے کی غرض سے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ ہوا کی سی تیزی سے اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔

کیف کا بات کرنے کے لئے کھلا ہوا منہ شرمندہ ہو کر بند ہو گیا اور آنکھوں میں حیرانی اور ناسمجھی سی سمٹ آئی۔

یہ وہ خوش نصیب نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا یہ کوئی اور تھی۔ بدلی بدلی سی۔

وہ تو چلتی تھی تو گردن ایسے اکڑا کر رکھتی تھی جیسے دنیا فتح کرنے جا رہی ہو اور دنیا والے اس کے جوتے کی نوک پر ہوں۔ ہوا بعد میں چلتی ہو گی کہ اس کے چلنے سے پیڑ پودے یہاں تک کہ دیواریں بھی ہلنے لگتی تھیں۔

لیکن یہ... یہ تو کوئی اور ہی خوش نصیب تھی۔ بجھی بجھی سی۔ مایوس اور دلگرفتہ۔

وہ جب اپنے تئیں کھوج لگا لگا کر تھک گیا تو فہمینہ کو جا لیا۔

"سنو۔ گھر میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"بات؟... کیسی بات" وہ ناسمجھی سے پوچھنے لگی۔

"مطلب خوش نصیب کو کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟..."

''خوش نصیب کو تو سب ہی کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں...اس میں کونسی نئی بات ہے..اور ویسے بھی وہ کسی کی سنتی ہی کب ہے؟؟اس نے لاپروائی سے کہا تھا۔

''نہیں..بتم سمجھ نہیں رہی۔'' وہ ذرا الجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

''اس بار کچھ الگ بات ہوئی ہے... ہاں میں جانتا ہوں..یہ میری غلط فہمی نہیں ہوسکتی۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' وہ بھی الجھ کر بولی تھی

''مجھے دس دن ہو چکے ہیں یہاں آئے ہوئے..دس دن میں پچاس بار اسے جلی کٹی سنا چکا ہوں..پچاس ہی بار اسے بھڑکانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مجھ سے جھگڑہ کرے لیکن وہ تو بولتی ہی نہیں ہے نہ آگے سے کوئی الٹا جواب دیتی ہے جھگڑہ کیا خاک کرے گی۔''

فہمینہ کو اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔

''کیا محبت ہے بھئی...کچھ زیادہ ہی فکر نہیں رہنے لگی خوش نصیب کی۔''

''پتا نہیں محبت ہے یا کچھ اور...لیکن مجھے واقعی اس کی فکر ہو رہی ہے۔''

''تو جا کر اس سے پوچھ لو ناں۔''

''کوشش کی تھی...لیکن وہ کچھ بولتی ہی نہیں ہے۔''

''ویسے ایک بات بتاؤں؟...خوش نصیب کافی دن سے ایسے ہی ری ایکٹ کر رہی ہے۔نہ کسی سے بات کرتی ہے ایسے ہی گم صم سی بیٹھی رہتی ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ تب سے ہو رہا ہے جس روز سے وہ بیمار ہوئی ہے۔''

کیف کی پیشانی پر فکرمندی سے بل پڑ گئے۔

''تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''تم خود ہی یہاں آ گئے تھے...مجھے لگا تمہاری اس بارے میں بات ہو گئی ہوگی۔''

''نہیں...میری کوئی بات نہیں ہوئی....مجھے تو اپنی ڈاکیومنٹری کے سلسلے میں یورنیوسٹیز، لائبریریز اور اسائٹمز کے چکر لگانے سے فرصت ملے تو کسی سے کوئی بات کروں...'' اکتا کر بولا۔

''قسم سے..میرے کسی پراجیکٹ نے مجھے اتنا نہیں تھکایا جتنا اس فائنل پرجیکٹ کے سلسلے میں تھک گیا ہوں میں۔''

''تم تو ہمیشہ اپنے کام کو انجوائے کرتے ہو..اس بار کیسے تھک گئے؟''

''اس بار ٹاپک ہی ایسا سیلکیٹ کیا ہے کہ کام کر کر کے نانی اماں مرحوم یاد آ گئی ہیں...سوچا تھا فائنل پراجیکٹ ہے ایک دھواں دھار قسم کی ڈاکیومینٹری بناؤں گا تو پریکٹیکل فیلڈ میں بھی کافی مدد مل جائے گی لیکن مدد ملنا تو دور کی بات ہے ابھی اپنی ضرورت کی عمارتیں

http://kitaabghar.com

ڈھونڈنے میں ہی مجھے اور میرے گروپ ممبرز کو دن میں تارے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔"

"ایسا کیا خطرناک ٹوپک چن لیا ہے بھئی؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"چھوڑو... تمہیں سمجھ نہیں آئے گا۔" وہ ناک سے مکھی اڑا کر بولا۔

"ایک ذہین وفطین ڈاکٹر سے کہہ رہے ہو کہ اسے کوئی چیز سمجھ نہیں آئے گی ء۔" فہمینہ نے ناک چڑھا کر پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

"ہمارے ایجوکیشنل سسٹم کی زبوں حالی کی اس سے بڑھ کر اعلیٰ مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم جیسی لڑکی کا نام بھی میرٹ لسٹ پر آ گیا تھا..." وہ چڑا کر بولا تو فہمینہ منہ بنا کر بولی۔

"ٹاپک بتاؤ... باتیں نہ بناؤ۔"

"یار!!!!..." اس نے ایک منٹ کے لئے سوچا پھر جیسے ہار مانتے ہوئے اسے اپنے پراجیکٹ اور فائنل پروف ڈاکیومنٹری کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہمیں ایک سو ایسے پیشنٹس کو تلاش کرنا ہے جنہوں نے ایکسٹریم لیول کے سائیکلوجیکل ڈس آرڈرز (شدید نوعیت کے نفسیاتی امراض) سے سروائیو کیا ہو اور اس کے بعد کارآمد ممبرز کے طور پر سوسائٹی کو سرو کر رہے ہوں۔"

"تو اس میں کیا مشکل بات ہے کسی بھی عام پاگل خانے یا نفسیاتی امراض کے ہسپتال میں چلے جاؤ.. تمہیں ایک سو تو کیا ایک ہزار مریضوں کے کھاتے بڑے آرام سے مل جائیں گے۔" اس کے لئے یہ معمولی بات تھی۔

کیف اسکی کم عقلی پر ہنس دیا۔

"دیکھا... میں نے کہا تھا ناں تمہیں سمجھ نہیں آئے گا... او میری کم عقل بہن! مریضوں کے پتے نکلوانا اہم چیز نہیں ہے۔ اہم چیز ان مریضوں سے سچ اگلوانا ہے۔ انہیں یہ بتانے کے لئے قائل کرنا ہے کہ کیسے اپنے ذہنی امراض سے نمٹ کر اس پوزیشن تک پہنچے ہیں ...لوگ دراصل بیماری کا مقابلہ کر لیتے ہیں لیکن دنیا کی زبانوں سے ڈر جاتے ہیں اس بات سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ ٹھیک ہونے کے باوجود انہیں نفسیاتی مریض کہہ کر پکارا جائے گا... اور ان کے صحیح عمل کو بھی غلط تناظر میں دیکھا جائے گا۔"

"مجھے کم عقل کہنے کی بجائے مجھے تھوڑا وقت دو.. مجھے لگتا ہے میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

"سو نہ صحیح لیکن دس ایسے مریضوں کی فہرست تو میں تمہیں نکلوا ہی دوں گی جو اپنے خیالات شیئر کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

"میں کافی محنت کر چکا ہوں... لیکن اب تم پر بھی بھروسہ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com
Kitaabghar.com

مونٹوک کے ساحل پر ایک خوبصورت شام سجی تھی۔ مسٹر جمال اور مسز جمال کے بچوں نے ان کی شادی کی سالگرہ منانے کے لئے لانگ آئی لینڈ کے کنارے ایک بہترین گیٹ ٹوگیدر کا انتظام کیا تھا۔ گول دائرے میں سفید اور ہرے رنگوں سے سجی کرسیاں رکھی تھیں۔ جن پر تمام قریبی احباب سفید لباس میں ملبوس بیٹھے تھے اور ایک ایک کر کے شادی کے پچیس سال کامیابی سے اور محبت سے بسر کرنے والے جوڑے سے وابستہ نیک تمناؤں کا اظہار کر رہے تھے۔ خوشگوار یادوں کو دوہرا رہے تھے یہاںتک ہر کچھ دیر بعد سب کے قہقہے گونجنے لگتے تھے۔

کچھ فاصلے پر ایک میز پر تحائف اور سفید پھولوں کے گلدستے رکھے تھے۔ اس سے کچھ دور الاؤ روشن کرنے اور باربی کیو کا انتظام کیا گیا تھا۔

سورج ڈوب رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا ان سب کے مزاج کو مزید خوشگوار بنا رہی تھی۔ کچھ دیر تک اسی طرح باتیں چلتی رہیں پھر کیک کاٹا گیا اور اس کے بعد سب نے ہم آواز ہو کر خوشی کے گیت گائے۔ پھر سب چھوٹی چھوٹی دھڑیوں میں بٹ کر باتیں کرنے لگے۔ آدم اپنے دوستوں کو لیکر ایک طرف چلا گیا۔ اور وہ سب ریت پر بیٹھ گئے۔ آدم اپنے گٹار پر انہیں ایک خوبصورت دھن اور محبت کا دلفریب گیت سنانے لگا۔

منفرا گیلی ریت پر چہل قدمی کرتی اسکا گیت غور سے سننے لگے۔

"اے محبوب! تم مجھ سے دور ہو

اور میں تمہارے ہجر کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہوں۔"

وہ رک کر بغور اسکا گیت سننے لگی۔ پتا نہیں آدم نے اتنا اچھا گٹار بجانا کہاں سے سیکھ لیا تھا لیکن جو بھی تھا وہ بڑی خوبصورت اور دلفریب دھن بجا رہا تھا۔

منفرا نے اس روز سفید رنگ کا گھٹنوں سے ذرا نیچے بغیر استینوں کا فراک پہنا تھا جس کے کندھے پر سفید ہی پھول ٹنگا تھا۔ اس کے سنہری بال کھلے تھے اور ان پر پھولوں سے سجا گول نازک سا تاج نما بینڈ لگا ہوا تھا۔ ساحل کی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ وہ اتنی نازک اور دلکش لگ رہی تھی کہ کوئی بھی پتھر سے پتھر دل بھی اس کی محبت میں مبتلا ہو سکتا تھا لیکن وہ پتھر دل کہاں تھا جس کا انتظار منفرا کو تھا؟

وہ ایک جسے دیکھ کر دل دھڑکنا بھول جائے جسے دیکھ کر دماغ اور کسی کے خیال میں مبتلا ہونے کا ہی نہ سوچ سکے۔

یہ سوچتی وہ دوبارہ چہل قدمی کرنے لگی معاً اسے دور سے آتا ہوا کوئی دکھائی دیا۔ منفرا کی طرح وہ بھی ریت پر چہل قدمی کرتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔ منفرا نے دیکھا اور ٹھٹھک سی گئی۔ سورج اب مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔ روشنی نامکمل سی باقی رہ گئی تھی ایسی۔ دور الاؤ روشن ہو چکا تھا اور الاؤ کی نارنجی سے آگ کا عکس چہار سو پھیلا تھا۔

تو اس نامکمل روشنی میں منفرا کو وہ ہیولہ سا دکھائی دیا جو جانا پہچانا بھی لگتا تھا اور اجنبی بھی۔

لیکن نجانے کیا کشش تھی جانے انجانے وہ اسے دیکھتی چلی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ آنکھیں سکوڑ کر اسے پہچاننے کی کوشش کرنے

http://kitaabghar.com

لگی۔ یہانتکہ وہ بالکل اس کے قریب پہنچ گیا اور منفرا اسے اپنے سامنے پا کر حیران رہ گئی۔اور اسوقت وہ اور زیادہ حیران رہ گئی جب اُس نے اِسے اُس کے اصل نام سے پکار کر مخاطب کیا۔

''ھیلو مس منفرا! آپ کیسی ہیں؟؟''

اُس کی آواز منفرا کو حیرانی اور بے یقینی کے اس بھنور سے کھینچ لائی جس میں وہ ڈوبتی چلی جارہی تھی۔

''مم...میں ٹھیک ہوں۔..آپ کیسے ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں...آپ کی دی ہوئی میڈیسن سے کافی آفاقہ ہوا ہے...اب تو مجھے نیند بھی اچھی آتی ہے۔''

'گڈ...وری گڈ۔''

اب وہ خاموش ہو کر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا بات کرے۔

''یہاں آتے ہوئے مجھے امید نہیں تھی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔''اسی نے بات چھڑی۔

''مجھے بھی امید نہیں تھی۔...ویسے آج میرے پیرنٹس کی ویڈنگ اینورسری ہے...ہم سب اسی سلسلے میں یہاں اکھٹے ہوئے ہیں۔''

''اوہ کونگریچولیشنز...''

''can you please join us?''

وہ جھجکا اور پھر اسنے کہا۔

شیور۔''

''میں آپکو اپنے سب دوستوں سے ملواتی ہوں۔''

وہ معاویہ شیرازی کو لیکر اس طرف چل پڑی جس طرف سبھی دوست احباب موجود تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

☆......☆......☆

اگلی صبح دس بجے کے قریب خوش نصیب کچن میں آکر اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ کچن غیر معمولی طور پر خالی پڑا تھا فضل منزل میں اتنی عوام بستی تھی کہ دن کے اوقات میں یوں کچن کا خالی مل جانا بھی ایک حیرانی کی بات معلوم ہوتی تھی۔

خیر وہ چائے رکھ کر جوش آنے کا انتظار کرنے لگی لیکن وہیں کھڑے کھڑے جیسے کسی ٹرانس میں چلی گئی۔ ایسا لگا جیسے اس کے اردگرد موجود ہر چیز ایک گہری دھند میں چھپ گئی ہو۔کان سماعت سے عاری ہو گئے یہانتکہ اسے اپنا آپ خلا میں تیرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ معاً اس کے نتھنوں سے جلنے کی تیز بدبو ٹکرائی اسے فوری طور پر یاد آیا کہ یہ بدبو کہاں سے آسکتی ہے۔اس نے چولہا بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن ہاتھ لوہے کے وزنی شکنجے کی طرح محسوس ہونے لگا تھا۔اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں کلائی پکڑ کر ہاتھ چولہے تک

لے جانا چاہا لیکن بے سود۔ یہانتک کہ اسنے جسم کی پوری طاقت لگا کر ہاتھ کو اٹھانے کی کوشش کی تو اسی وقت اس کا ٹرانس ٹوٹ گیا اور وہ باؤنس ہوئی گیند کی طرح پیچھے کی طرف لڑکھڑا گئی۔

اگر پیچھے سے کسی نے اس کے کندھوں کو پکڑ کر سہارہ نہ دیا ہوتا تو وہ ضرور بہت بری طرح پچھلے شیلف سے ٹکراتی۔ اس کے حواس قابو آنے میں کچھ وقت لگا اور قدرے ہوش میں آتے ہوئے جب اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو شاکڈ رہ گئی۔ پیچھے شامیر کھڑا تھا اور خوبصورتی سے مسکرا رہا تھا۔ خوش نصیب کے اعصاب تن گئے اسنے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا اور جا کر جلدی سے چولہا بند کر دیا۔ ساس پین میں چائے کڑھ کر پیندے سے جا لگی تھی اور کنارے بری طرح جل چکے تھے۔

''مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔میں کچھ مدد۔۔۔۔'' وہ نرم لہجے میں کہتا آگے بڑھا۔

''مجھے کسی کی مدد لینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔ ''تم تشریف لے جاؤ یہاں سے۔''

بنا شامیر کی طرف دیکھے سختی سے دانت بھینچے وہ ڈسٹر اٹھا کر چولہے پر سوکھ کر جل چکی ہوئی چائے صاف کرنے لگی۔

شامیر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اطمئنان سے پانی کا گلاس بھرا اور گھونٹ گھونٹ پانی پیتا اس سے چند قدم دور جا کر کھڑا ہو گیا اور دوستانہ انداز میں بولا۔

''ایک بات ابھی تک سمجھ نہیں آئی۔۔نہ تم کوئی حور پری ہو، نہ کوئی ذہانت میں جھنڈے گاڑھ رکھے ہیں نہ ہی کوئی خاص مال و دولت ہے تمہارے پاس۔۔غرور کس بات کا ہے تمہیں۔''

اس کا انداز اتنا استہزائیہ تھا کہ خوش نصیب کو آگ ہی لگ گئی۔

''ہاں ہے مجھے غرور۔۔اور کس بات کا ہے یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟۔۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

شامیر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ سنا ہے ایک سانپ ہے جو اپنے شکار کو سالم نگل جاتا ہے اور نگلنے سے پہلے اپنی آنکھوں سے اسم پھونک دیتا ہے کہ شکار بے بس ہو کر رہ جاتا لیکن اپنے دفاع میں کچھ نہیں کر پاتا۔ وہ سانپ کیا شامیر سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا؟؟ جس کی آنکھیں سامنے کھڑے اپنے شکار کو سالم نگلنے سے پہلے اس پر اسم پڑھ کر پھونک رہی تھیں اور شکار ان آنکھوں کے جادو کے آگے کمزور پڑنے لگا تھا۔

معاً خوش نصیب کا ہاتھ گرم برنر سے ٹکرا گیا اور وہ اس نے چونک کر نظریں موڑ لیں۔ اس کا دل بے ہنگم ہو کر دھڑک رہا تھا۔

''مجھ سے دوستی کر لو۔۔۔اس میں تمہارا فائدہ ہے۔''

''اور تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔۔کیونکہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔''

''تمہیں لگتا ہے میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا؟۔۔۔یہ جو تمہارے ماتھے پر تل ہے ناں۔۔یہ شیطان کے سائے کی علامت

ہے۔اور شیطان جنہیں اپنے سائے میں رکھتا ہے انہیں اتنی آسانی سے چھوڑتا نہیں ہے۔..میں پھر ایک بار کہہ رہا ہوں مجھ سے دوستی کرلو...ہم اپنے دوستوں کا نقصان ہونے نہیں دیتے...۔"

خوش نصیب کا ہاتھ بے ساختہ اپنے ماتھے تک چلا گیا۔اس نے تو کبھی اپنے چہرے کے نقوش پر بھی اتنا غور نہیں کیا تھا کجا کہ کسی تل کا پڑتا لگانا۔

"کسی غلط کام سے ملا ہوا فائدہ نہیں چاہیئے مجھے...خدارا میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے...مجھے اپنے آقا کو خوش کرنا ہے...اور وہ میں کرلونگا..تم نہیں تو کوئی اور سہی.."

اس نے عام انداز میں کہا اور کچن سے باہر نکل گیا۔خوش نصیب کا دل و دماغ عجب اضطراب نے جکڑ لیا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ ان سب کے ساتھ ایسے گھل مل گیا تھا جیسے ان سب کو پہلے سے جانتا ہو۔لیکن اس میں زیادہ کمال انہی سب کا تھا وہ سب کے سب اتنے زندہ دل اور اتنے خوش مزاج تھے کہ کسی کو بھی زیادہ دیر تک ریزروڈ ہو کر رہنے کا موقع مل ہی نہیں سکتا تھا۔

جب کھانا شروع ہوا تو آدم کو اس کے ساتھ کچھ دیر اکیلے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔وہ سب اپنی اپنی پلیٹیں پکڑے معاویہ کا انٹرویو لینے لگے تھے۔

"تو معاویہ!تم کرتے کیا ہو؟؟"

"چھوٹا موٹا بزنس ہے ہمارا۔"اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اور وہ چھوٹا موٹا بزنس کیا ہے...کیا تم یہ ہمیں بتانا پسند نہیں کروگے۔"آدم کی دوست فینی نے پوچھا

"ایسی کوئی بات نہیں ہے..."وہ ہنسا۔

"انڈسٹرئل مشینری بنانے کے کارخانے ہیں ہمارے۔"اس نے اتنے عام لہجے میں کہا تھا جیسے یہ بڑی ہی کوئی معمولی بات ہو لیکن ان سب کے منہ کھلے کے کھلے ہی رہ گئے تھے۔

"انڈسٹریل مشینری..."فینی نے ایک بار دوہراتے ہوئے یقین کرنا چاہا آیا کہ وہ یہی کہہ رہا ہے یا اسے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"ہاں انڈسٹریل مشینری...ساتھ میں ہم نمک کا کاروبار بھی شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں...اسی سلسلے میں میں مونٹوک آیا ہوں۔"

"cool۔"آدم نے متاثر کن انداز میں کہا تھا۔

"اس کا مطلب تم کافی rich person ہو.."

''نہیں میں نہیں ہوں... ہاں میرے فادر ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور سب نے اس کی بات کو مزاق سمجھتے ہوئے قہقہ لگایا تھا۔

''لیکن میں ایک بات ضرور کہونگا...امیروں والا attitude نہیں ہے تمہارے اندر....'' جنسن نے اسے سراہتے ہوئے کہا تو منفرا نے دل میں کہا۔

''مجھ سے پوچھو۔''

معاویہ نے اس کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔ پھر وہ بہت دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔ تقریب کے اختتام پر اس نے مسٹر جمال اور مسز جمال کو مبارک دی اور ساتھ میں معذرت کی کہ وہ ان کے لئے کوئی تحفہ نہیں لا سکا تھا۔ تو اس کی معذرت کو کھلے دل سے قبول کیا گیا اور مسز جمال نے اسے دوبارہ گھر آنے کی دعوت دی۔ جسے اس نے قبول کر لیا لیکن منفرا جانتی تھی وہ پراسرار انسان دوبارہ آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔

''کیا ہم کچھ دیر چہل قدمی کر سکتے ہیں؟'' جانے سے پہلے وہ منفرا کے پاس آیا اور اس نے بڑی تمیز سے پوچھا۔

''کیوں نہیں...ضرور...مام! میں تھوڑی دیر میں واپس آ رہی ہوں۔''

وہ اسکے ساتھ چل پڑی۔ منفرا پہلے ہی ننگے پاؤں تھی معاویہ نے اپنے شوز اتار کر ہاتھ میں پکڑ لئے۔ چاندنی بڑی خوبصورتی سے لہروں پر جگمگا رہی تھی۔ ہوا میں نمی اور کسی خوبصورت دھن کا ترنم تھا۔ وہ دونوں بڑی دیر تک ساتھ ساتھ لیکن خاموشی سے چلتے رہے پھر معاویہ نے کہا۔

''کیا یہاں کا موسم ہمیشہ ایسے ہی خوشگوار رہتا ہے؟؟''

''ہاں ..ایسا ہی خوشگوار رہتا ہے بلکہ نہیں ...کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے..مونٹوک دنیا کے نقشے پر جنت ہے۔'' اس کے لہجے میں اپنے مونٹوک کے لئے بیحد محبت اور فخر تھا۔

''نہیں...دنیا میں ایک اور بھی جنت ہے....''

''اچھا؟؟؟....اور وہ کونسی جگہ ہے؟؟'' وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

''بشام۔'' وہ مسکرایا۔

''بشام۔'' منفرا نے زیر لب دوہرایا۔ ''یہ کہاں پر ہے؟؟''

''زمین پر ہی ہے۔'' وہ ہونٹوں کے کناروں پر مسکراہٹ سجا کر بولا۔ تو منفرا قہقہ لگا کر ہنسی۔

''میں تمہیں مونٹوک دکھاؤنگی...تب تمہیں پتا چلے گا اس جنت کے آگے زمین کی کوئی اور جنت نہیں ٹھہر سکتی۔''

''اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں بشام دکھاؤنگا...تم خود اعتراف کرو گی کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو بس وہ بشام ہی ہے۔''

اب وہ دونوں مسکرا رہے تھے اور آسمان پر ٹنگا چاند انہیں آنکھیں پٹپٹا کر دیکھ رہا تھا۔اف وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوئے کتنے خوبصورت لگ رہے تھے۔

''بہر حال...اتنی خوبصورت شام میں مجھے شامل کرنے کا شکریہ...میں کبھی نہیں بھولونگا کہ ایک لڑکی نے مجھے نہ جانتے ہوئے بھی اپنی گیٹ ٹو گیدر میں شریک کیا تھا۔''

''تم میرے لئے اجنبی تو کبھی نہیں تھے۔''

''لیکن ہم دوست بھی تو نہیں ہیں۔''

اس نے کہا مسکرایا اور واپسی کے لئے پلٹ گیا۔چاندنی کے سائے تلے منفرا نے دیکھا وہ چلتا گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔یہاںتک کہ ساحل کی ریت پر اس کے قدموں کے نشان باقی رہ گئے۔جنہیں چند منٹوں میں لہروں نے ایسے مٹا دیا جیسے کبھی یہاں کوئی نشان بنا ہی نہ ہو۔

وہ پراسرار تھا چھلاوا نہیں تھا لیکن اچانک سے آیا اور غائب ہو گیا،لیکن اسے معاویہ کی آمد اچھی لگی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ دیر بعد وہ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے ماتھے پر موجود اس کالے سیاہ تل کو شاکڈ ہو کر دیکھ رہی تھی جس کی موجودگی کا آج تک اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا بلکہ شائد اس نے خود کو کبھی اتنے غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔

پریشانی کی تیز لہر ایک بار پھر اس کے دل و دماغ میں سر اٹھانے لگی۔گو کہ وہ تہیہ کر چکی تھی نہ شامیر کی بات سنے گی نہ اس پر غور کرنے کی کوشش کرے گی پھر بھی یہ عجیب و غریب واقعات اسے پریشان کئے رکھتے تھے لیکن اب پانی سر سے بلند ہونے لگا تھا اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اکیلی اس معاملے کو سنبھال نہیں پائے گی اسے کسی کے ساتھ کسی کے اعتماد کی ضرورت تھی۔اور ایسا شخص صرف ایک ہو سکتا تھا جو اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے کے لئے تیار ہو سکتا تھا اور وہ تھا کیف۔

اس نے فی الفور فیصلہ کیا اور کیف کے پاس پہنچی اسوقت وہ لیپ ٹاپ کھولے اپنے پراجیکٹ سے متعلق کوئی ڈیٹا ڈھونڈ رہا تھا کہ خوش نصیب نے جا کر اسے ایک ایک بات بتا دی جسے سن کر کیف ہکا بکا رہ گیا۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ شامیر...''خوش نصیب کی بتائی ہوئی باتیں اتنی ناقابل یقین تھیں کہ کیف کی زبان لڑکھڑا کر رہ گئی۔

''ہاں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ شامیر ایک ناقابل بھروسہ انسان ہے...وہ اللہ کی ناری مخلوق پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا ہے وہ کالا جادو کرتا ہے اور ہپناٹائز کر کے لوگوں سے اپنی مرضی کے کام کرواتا رہتا ہے...اپنے آقا کو خوش کرنے کے لئے اسے نے میری بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی وہ تو شکر ہے میں کسی طرح بچ کر وہاں سے نکل بھاگی ورنہ...''وہ خوف کے زیر اثر بولی تو بولتی چلی گئی۔

کیف نے سنجیدگی اور خاموشی سے اس کی پوری بات سنی۔لیکن جوں ہی خوش نصیب خاموش ہوئی وہ اپنی سنجیدگی برقرار نہیں رکھ سکا اور قہقہے اس کے لبوں سے یوں پھوٹے جیسے آتش بازی کے انار سے پھلجھڑیاں چھوٹنا شروع ہوجاتی ہیں۔

خوش نصیب ہکا بکا رہ گئیں پھر اس کی پیشانی پر غصے کے بل پڑ گئے اور آنکھوں میں دنیا جہاں کی ناراضی سمٹ آئی۔

''تم...تم میرا اعتبار نہیں کر رہے..تمہیں لگ رہا ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' صدمے اور بے یقینی اور ناراضی سے اس نے پوچھا گو کہ یہ پوچھنے والی بات نہ تھی۔

''تم پر بھی اعتبار نہیں کروں گا تو کس پر کروں گا؟..تمہاری ایک ایک ادا پر جان دیتا ہوں...بچپن سے مرتا ہوں میں تم پہ..اور یہ جو تمہارے ماتھے کا تل ہے ناں؟...کیا بتاؤں کتنے سالوں سے اس پر نظر ہے میری۔اگر شامیر نے کسی شیطان کا ذکر کیا ہے تو یقیناً وہ شیطان میں ہی ہوؤں گا...اس لئے تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...''

''کیف!تم سمجھ نہیں رہے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''سمجھ رہا ہوں..بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں....لیکن...لیکن کہانی تو کوئی ایسی سنائی تھی جسے دل بھی مانتا..کونسی الف لیلیٰ اٹھا لائی ہو یار!'' وہ ہنس ہنس کر دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں کیف!خدا کا واسطہ ہے میرا اعتبار کرو۔'' وہ رونکھی ہوگئی۔

''اچھا...اچھا...میں نے کرلیا اعتبار۔'' اس نے ہنس ہنس کر آنکھوں میں جمع ہوا پانی پونچھا۔

''اب بتاؤ کیا کرنا ہے اس شامیر کا؟...لیکن یار!کوئی ایسا آئیڈیا بتانا کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے...کیا پتا غصے میں آکر مجھے جادو کے زور سے گدھا بنا کر ریڑھی میں جوت دے۔''

وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک رہا تھا۔کیونکہ خوش نصیب کی بات پر رتی بھر بھی اسے اعتبار نہیں آیا تھا۔

خوش نصیب کا جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

''ریڑھی میں جوتنے کے لئے جادو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟...'' اس نے غصے سے کہا پیر پٹخا اور وہاں سے دھپ دھپ کرتی ہوئی چلی گئی۔

''ارے سنو تو...'' کیف آوازیں ہی دیتا رہ گیا اس کی آواز میں ہنسی کا تاثر تھا جو نہ ہوتا تو شائد وہ رک بھی جاتی۔کمرے میں آکر خود سے لڑنے لگی۔کیف سے بھی کیوں ذکر کیا...ایسے ہی خامخواہ کہہ کر اپنی بات گنوائی۔اس نے تہیہ کیا اب نہیں بولے گی۔کوئی اور حل تلاش کرے گی لیکن فضل منزل میں کسی سے مدد نہیں مانگے گی۔

ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ منہا دوڑی چلی آئی۔

http://kitaabghar.com

"تم یہاں گھسی بیٹھی ہو.. باہر نکلو یہاں سے.. نیچے چلو... ایک خوش خبری ہے۔" وہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ ہیڈ لائن سنا کر جلدی سے نیچے بھاگ گئی۔ خوش نصیب بھی تجسس کے مارے اسی وقت نیچے گئی۔ صحن میں پوری فضل منزل کی عوام جمع تھی۔ فضیلہ چچی کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا اور سب سے حیران کن منظر وہ تھا جو خوش نصیب نے جاتے ہی دیکھا۔

صحن کے بیچ و بیچ دادا ابا کے زمانے کے جھولے پر شامیر اور صیام سب کی موجودگی میں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ صیام سر جھکائے بناوٹی انداز میں زبردستی شرمانے کی کوشش کر رہی تھی اور شامیر نے مسکراتے ہوئے گردن اکڑا رکھی تھی۔ اب کسی بھی وضاحت کی ضرورت تو باقی نہیں بچی تھی لیکن خوش نصیب کو یوں لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو کیونکہ اس کی سیدھی نظر صیام کے ماتھے پر پڑی تھی جہاں شہابی رنگت پر ایک سیاہ تل جگمگا رہا تھا۔ شامیر نے بالکل درست کہا تھا اپنے عظائم پورے کرنے کے لئے اسے خوش نصیب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کسی اور کے ذریعے بھی اپنے عظائم پورے کر سکتا تھا۔

"ااا.. ایک منٹ.. یی.. یہ شادی نہیں ہو سکتی۔"

جس وقت شامیر صیام کا مرمریں ہاتھ پکڑ کر نازک سی انگلی میں انگوٹھی پہنانے لگا لفظ خوش نصیب کے لبوں سے خود بخود پھسلتے چلے گئے۔ اس کی آواز کیا تھی مانو صور اسرافیل پھونک دیا تھا اس نے۔

سب کی گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں۔ حیرانی بے یقینی اور کیا کچھ تھا سب کی آنکھوں میں۔

کیف نے بے ساختہ چپکے سے اپنا ماتھا پیٹا۔ اور بات سنبھالنے کے لئے جلدی سے ہنس کر بولا۔

"یہ تو فلمی ڈائیلاگ ہو گیا.." اس نے مصنوعی انداز میں ہنس کر کہا تھا بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ جانتا تھا اب سب کا غصہ ناگہانی بن کر خوش نصیب پر گرے گا۔

"یہ فلمی ڈائیلاگ میرے بجائے تمہیں بولنا چاہیئے تھا.." خوش نصیب نے جلدی سے کہا تھا "لیکن میرا خیال ہے تم کبھی اتنی جرات جمع نہیں کر پاؤ گے کہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرو.." وہ مسکرا مسکرا کر بول رہی تھی اور سب اس پر غصہ ہونے کے باوجود منتظر تھے کہ وہ اگلی بات کیا کرتی ہے۔

"چچا جان، فضیلہ چچی. کیف آپ لوگوں کے سامنے کبھی زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرے گا... دراصل یہ صیام کو پسند کرتا ہے.. اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے... خدارا! شامیر سے صیام کو منسوب کر کے کیف کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔"

باقی سب کے سروں پر تو اس نے انکشاف کا بم پھوڑا سو پھوڑا۔

کیف بیچارہ تو وہیں بھسم ہو گیا تھا۔۔ نصیبن! او نصیبن! تیرا بیڑہ غرق۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

اگلی روز وہ خوش رنگ پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ ہاتھوں میں لئے مسز جمال کے دروازے پر کھڑا تھا۔

مسز جمال نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر خوشدلی سے مسکرائیں تو معاویہ نے پھول انہیں پکڑا دیئے۔

''گریس فل لیڈی کے لئے خوبصورت پھولوں کا تحفہ۔''

''تھینکیو سو مچ...لیکن تم نے تکلف کیا۔'' وہ خوشدلی سے بولیں

''کل خالی ہاتھ آپ کی تقریب میں شامل ہو جانے کی بدتہذیبی کے بعد اتنا تکلف تو مجھ پر واجب تھا۔''

وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیں اور اسے اندر آنے کی دعوت دی لیکن معاویہ نے معذرت کر لی۔

''مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔''

''ایک کپ کافی پینے میں کتنا وقت لگ سکتا ہے۔''

''میں ضرور آپ کے ہاتھ کی کافی پیتا مسز جمال! لیکن یقین کیجئے مجھے واقعی ایک ضروری کام سے جانا ہے..'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''لیکن یقین رکھئے میں کسی دن کافی پینے ضرور آؤنگا۔''

''میں انتظار کرونگی۔''

معاویہ چلا گیا تو مسز جمال دروازہ بند کر کے اندر آ گئیں۔اسی وقت منفرا بھاگم بھاگ سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔

''میں نے ٹیرس سے دیکھا...معاویہ آیا تھا کیا؟؟''

''ہاں آیا تھا اور اب چلا بھی گیا۔''

منفرا ناسمجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''وہ میرے لئے پھول لایا تھا..وہی دے کر چلا گیا۔'' پھولوں کو ڈائننگ ٹیبل پر سیٹ کر کے وہ کچن میں جانے لگیں پھر کچھ خیال آنے پر منفرا سے پوچھا۔

''منفرا!...کیا یہ لڑکا تمہارا بوائے فرینڈ ہے؟'' ان کا لہجہ سرسری نہیں رہا تھا جیسا کہ عموماً ایسے خدشات میں پڑ کر سرسرانے لگتا تھا۔ان کا لہجہ عام سا تھا۔

''ناٹ ایٹ آل۔'' وہ جلدی سے بولی۔''میں تو اسے ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں۔''

''ہوں...'' مسز جمال نے ایک پرسوچ ہنکارہ بھرا اور کچن میں چلی گئیں۔منفرا تیزی سے ان کے پیچھے گئی اور انہیں بتانے لگی کہ معاویہ سے اس کی پہلی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

کیف کا بس نہیں چل رہا تھا۔خوش نصیب کہیں سے اسے مل جائے اور وہ اس کا گلا دبا کر منٹوں منٹوں میں قصہ ہی تمام کر دے یا فضل منزل کی آخری منزل پر اسے بہلا پھسلا کر لے جائے اور وہیں سے رات کے اندھیرے میں نیچے دھکا دے دے۔

لو بتاؤ ذرا۔پوری دنیا میں محبت کرنے کے لئے اسے یہی منہ پھٹ لڑکی ملی تھی جسے بولنے سے پہلے سوچنے کی عادت ہی نہیں تھی۔بلکہ سوچنے سمجھنے کا تو لفظ ہی اسکی ڈکشنری سے غائب تھا۔عجیب بات یہ ہوئی زندگی بھر خوش نصیب کی باتوں کو قابل درخود اعتنا نہ گردانے والے فضل منزل کے بزرگوں نے نہ صرف اسی وقت اس کی بات کا اعتبار کر لیا تھا بلکہ فی الفور کیف اور صیام کی منگنی بھی کر دی تھی۔

صیام کو صدمے سے غش آ رہے تھے لیکن فضیلہ چچی نے کان میں سمجھا دیا گھاٹے کا سودہ یہ بھی نہیں ہے۔صیام وقتی طور پر چپ ہو گئی لیکن دل سے آسٹریلیا کے سبزہ زار اور کینگرو نکلتے نہ تھے۔سو وہ ماں کے کہنے پر جلدی اپنے کمرے میں چلی گئی۔شامیر نے مسکرا کر اور کھلے دل کے ساتھ صیام اور کیف کو مبارک باد دی۔اور شکر ادا کیا کہ بروقت خوش نصیب نے ان دونوں کا راز فاش کر دیا ورنہ وہ بیچارہ دو محبت کرنے والوں کے درمیان آنے کا قصوروار ٹھہرتا۔

صباحت بیگم کے دل میں رہ رہ کر ہول اٹھ رہے تھے۔اکلوتی بہو اور وہ بھی صیام جیسی۔اللہ توبہ۔

وہ مٹھائی کا ٹوکرا جو شامیر اور صیام کی منگنی کی خوشی میں لایا گیا تھا اسی میں سے چن چن کر کیف کا منہ میٹھا کروایا جاتا رہا۔اور یوں شادی طے پا گئی۔

کیف نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی خوش نصیب کو جالیا۔غصے سے اسے کندھے سے کھینچ کر اپنی طرف موڑا اور غضب ناک انداز میں بولا۔

”شکر کرو تم اتنی بڑی ہو چکی ہو...اگر جو چند سال پہلے کی بات ہوتی تو یقین کرو خوش نصیب! میں اب تک تمہارے منہ پر چار تھپڑ مار چکا ہوتا۔“

خوش نصیب شرمندہ سی ہو کر بولی۔

”میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کیف!..میرا یقین کرو شامیر اچھا انسان نہیں ہے۔“

”ہاں...وہ اچھا انسان نہیں ہے...اچھا انسان تو صرف میں ہوں..کہ کسی کو بھی اٹھ کر مجھ سے منسوب کر دیا جائے اور میں اس اچھے پن کا تمغہ اپنے سینے پر لگانے کے لئے چپ رہ جاؤں۔“ تڑخ کر بولا۔

”مجھے نہیں پتا میں کیسے بول گئی...میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ شامیر صیام سے شادی کر کے اس کے ساتھ وہی سب کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو وہ میرے ساتھ کرنا چاھتا تھا....وہ اس کی قربانی کرتا اور اس کا خون شیطان کو خوش کرنے کے لئے بہاتا رہتا..“

”ویسے تو ہر وقت صیام کے خون کی پیاسی بنی رہتی ہو...اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟“ جھلا کر بولا۔

"میری صیام سے دشمنی اپنی جگہ...لیکن میں اسے کسی غلط انسان کے ہتھے چڑھنے نہیں دے سکتی۔" وہ جذباتی ہو کر بولی تھی

"تم اسے کسی غلط انسان کے ہتھے چڑھنے نہیں دو گی لیکن تم نے میری زندگی خراب کر دی. تم جانتی تھی خوش نصیب میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم نے..." دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ وہ جملہ مکمل بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

خوش نصیب کی آنکھوں میں کرب ٹھہر گیا اسے پہلی بار ایسا لگا جیسے کیف سچ کہہ رہا ہو۔

"کسی کی محبت کو اتنا نہیں آزماتے خوش نصیب!...میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا...کبھی نہیں۔" وہ دکھ سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

خوش نصیب کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ہاں..اور پہلی بار اس نے اپنے دل کو کیف کے لئے دھڑکتے محسوس کیا تھا لیکن.....

وہ ہولے سے پلٹی پھر بدک کر پیچھے ہٹی۔ شامیر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا اپنی عیار آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"ویری سمارٹ...میں بہت متاثر ہوا ہوں۔" وہ تعریفی انداز میں کہہ رہا تھا لیکن انداز میں طنز تھا۔

"میرے راستے سے ہٹو شامیر!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"راستے میں تو تم آئی ہو میرے..بلکہ کالی نحوست کی طرح میرا راستہ کاٹا ہے تم نے...اب تو کھلی جنگ ہو گی۔ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔ دھمکانے والے انداز میں کہا اور چلا گیا۔

خوش نصیب کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اس شام منفرا اور آدم قریبی مارکیٹ آئے تو انہیں معاویہ دکھائی دیا۔ منفرا اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آدم نے بڑھ کر معاویہ کو مخاطب کر لیا۔ معاویہ خوشدلی سے ملا۔

وہ کچھ محفوظ شدہ کھانے خریدنا چاہ رہا تھا لیکن دو تین پراڈکٹس میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ منفرا نے ایک برانڈ کی طرف اشارہ کر کے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"تم جو یہ پریزروڈ کھانے (محفوظ شدہ خوراک) خریدتے پھر رہے ہو تو ہماری طرف ہی کھانا کھا لو...میری مام ویسے بھی بہت اچھی کوکنگ کرتی ہیں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا انہیں بہت پسند ہے۔" آدم نے معاویہ سے کہا تھا۔

"اوہ نہیں شکریہ...میں کسی کو بھی اپنی وجہ سے تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"کم آن...اس میں تکلیف کی کیا بات ہے.....مجھے لگتا ہے تم پہلی بار مونٹوک آئے ہو تمہاری خاطر ہمارا فرض بنتا ہے۔"

معاویہ نے اس بات پر مسکرا کر اس کی دعوت قبول کر لی۔

"میرا خیال ہے تمہیں کل شام کو میرے ساتھ scuba diving کے لئے چلنا چاہیئے۔۔۔تم بہت انجوائے کرو گے۔"

"نہیں شکریہ۔۔مجھے سکوبا ڈائیونگ کا ایسا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔" معاویہ نے کہا

"شوق نہیں ہے یا گہرے پانیوں میں جانے سے ڈرتے ہو۔" آدم شرارت سے بولا

معاویہ نے قہقہہ لگایا۔۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم نے پہلے کبھی یہ ٹرائے کیا ہے؟" منفرا نے پوچھا،

"نہیں۔"

"پھر مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں معاویہ کو اپنے ساتھ لیکر جانا چاہیئے۔۔۔یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔۔۔یہ تو ہر ایک کو اپنے شوق کے لئے گہرے پانیوں میں گھسیٹ لیتا ہے۔" منفرا نے دہل کر کہا تھا۔

معاویہ نے آنکھیں سکوڑ کر منفرا کو دیکھا اور زیرِ لب مسکرا کر بولا

"اور مجھے خطرناک کام کرنا پسند ہے۔۔۔میں کل ضرور آؤنگا آدم!"

معاویہ نے مسکرا کر آدم سے ہاتھ ملایا تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا منفرا اس خیال سے ہی کتنا سہم گئی ہے کہ کل معاویہ آدم کے ساتھ سکوبا ڈائیونگ کے لئے جانے والا ہے۔

☆......☆......☆

"فضیلہ چچی کی بات بالکل درست تھی۔۔خوش نصیب کو واقعی کسی ذہنی امراض کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

کیف صوفے پر آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا۔

سامنے فہمینہ اور صباحت بیگم بیٹھی تھیں اور جانتی تھیں کہ اس کا موڈ بیحد خراب تھا۔خوش تو وہ بھی نہیں تھیں لیکن چپ رہنا مجبوری تھی کہ گھر کے مردوں نے آپس میں سب کچھ طے کر لیا تھا اب ان کے اعتراضات کسی کام نہ آتے۔

"لیکن اب ان باتوں کا کیا فائدہ ہے۔۔اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" صباحت بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپکا؟" وہ شاکڈ سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"میں بتا رہا ہوں امی! صیام سے شادی میں ہرگز نہیں کرونگا۔" اس نے دوٹوک کہا

''اُئے تو مجھے وہ کہاں پسند ہے..لیکن تمہارے ابو سے کون بات کرے گا۔وہ تو بہت خوش ہیں کہ سگی بھتیجی بہو بن کر گھر میں آ رہی ہے۔''

''ابو سے کہیں اس منگنی کو ختم کریں...ان کی باقی سگی بھتیجیاں بھی تو اسی گھر میں رہتی ہیں۔''چڑ کر بولا تھا

''منہا کی بات کر رہے ہو؟''وہ چونک کر بولیں۔

''جی نہیں...خوش نصیب کی بات کر رہا ہوں۔''اس نے آرام سے بم پھوڑا۔

صباحت بیگم کا تو منہ ہی کھلا کا کھلا رہ گیا۔''خ...خوش نصیب۔''

''اب پلیز یہ مت کہیئے گا کہ وہ بھی آپکو پسند نہیں ہے۔''

''کیف! پاگل تو نہیں ہو گیا۔''وہ بیچاری صدمے سے فوت ہونے والی ہو رہی تھیں۔

''اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے امی!..اچھی لگتی ہے وہ مجھے...بچپن سے چاہتا ہوں میں اسے۔''وہ منہ موڑ کر لیکن جھلاہٹ والے انداز میں ہی بولا تھا

''ہائے میں مرگئی...''وہ سینے پر ہاتھ مار کر ایک طرف کو ڈھے گئیں۔فہمینہ نے انہیں سنبھالا۔

''صدمہ شدید ہے لیکن صبر سے کام لیں امی! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

کیف نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو منہ موڑ گئی۔ ہر دو طرح کی صورتحال میں اسے تو مزہ ہی آ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا بس...جیسے بھی ممکن ہو اس منگنی کو ختم کروائیں...میں اس سے ہرگز شادی نہیں کر سکتا.میری آدھی تنخواہ تو صیام میک آپ خریدنے میں ہی لگا دیا کرے گی...''اس نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور اٹھ کر دھپ دھپ کرتا چلا گیا۔

''اُئے فہمینہ! یہ کیا کہہ گیا ہے...''وہ سدمے سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

''کچھ نہیں کہہ گیا....آپ اٹھیں سونے کی تیاری کریں۔''

''سو تو میں جاؤنگی...لیکن اب صیام سے منگنی ختم نہیں ہونے دونگی...خوش نصیب اور میری بہو بنتی..نہ بھئی نہ..ہمیں تو صیام بھی ٹھیک ہے...''

انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر صیام پر ہی شکر کا کلمہ پڑھ لیا تھا

☆......☆......☆

منفرا کا فکر مندی سے برا حال تھا اسے رہ رہ کر آدم پر غصہ آ رہا تھا۔اور صرف آدم پر ہی نہیں اسے معاویہ پر بھی غصہ آ رہا تھا جس نے آدم کی سکوبا ڈائیونگ کی دعوت قبول کر لی تھی۔

"تم سے بڑا چغد میں نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا.. بولنے سے پہلے اگر تم تھوڑا سوچ سمجھ لیا کرو تو ہم سب کے لئے آسانی ہو جائے گی۔"

"میں نے کیا کیا ہے جو تم مجھ سے لڑ رہی ہو۔" آدم نے میکرونی کا ایک بڑا نوالہ منہ میں بھرتے ہوئے قدرے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔

"ہاں منفرا! آدم نے کیا کیا ہے جو تم اسے اتنا خفا ہو رہی ہو۔" مسز جمال نے بھی حیرانی سے پوچھا تھا۔

"یہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے آپ اس گدھے سے پوچھیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟؟؟" وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔

"یہ کل معاویہ کو اپنے ساتھ سکوبا ڈائیونگ کے لئے لیکر جا رہا ہے.. پتا نہیں اسے سوئمنگ آتی بھی ہے یا نہیں اور یہ عقلمندوں کا سردار اسے سطح سمندر سے ایک سوفٹ گہرائی میں لیکر جانے کا ارادہ رکھتا ہے اسے۔" منفرا نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"اونہہ۔۔۔ غلط۔ میں معاویہ کو ایک سو بیس فٹ گہرائی میں لیکر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آدم نے سنجیدگی سے منفرا کے سر پر ایک اور بم پھوڑا تھا۔

"سن رہی ہیں آپ اس کی باتیں۔" اس نے ناراضی سے ماں کو دیکھا تو وہ رسان سے بولیں۔

"یہ غلط بات ہے آدم! اس بیچارے لڑکے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔" انہوں نے فوراً سرزنش کی تو آدم جلدی سے بولا۔

"نقصان تو تب پہنچے گا جب میں اس کا ساتھ چھوڑ وں گا۔. اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ دونوں اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہیں.. وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے کہ میں سمندر کی گہرائی میں لیجا کر اسے کوئی نقصان پہنچا دوں گا۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں کوالیفائیڈ سکوبا ڈائیونگ انسٹرکٹر ہوں... چار سال سے کوچنگ کر رہا ہوں... آج تک کسی ایک ڈائیور کو بھی نقصان نہیں پہنچا ہے تو اب معاویہ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔" وہ ناراضگی سے کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے... اگر ایسی بات ہے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گی۔" منفرا نے سینے پر بازو باندھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تم پاگل ہو..." وہ جھنجھلا کر بولا۔ "تم کیا کرو گی ہمارے ساتھ۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے منفرا! تم لڑکوں کے ساتھ جا کر کیا کرو گی ویسے بھی تمہیں کونسا سوئمنگ آتی ہے۔" مسز جمال نے بھی حیرانی سے کہا تھا۔

"میں سمندر میں جانے کی بات نہیں کر رہی... لیکن میں باہر رہ کر تم لوگوں کا ویٹ تو کر سکتی ہوں۔"

"بہت ہی بیوقوفانہ خیال ہے۔"

"بیوقوفانہ ہے یا جو بھی ہے... لیکن معاویہ میرے ریفرنس سے تم سے ملا ہے... خدا نہ کرے اسے گہرے پانی میں کوئی نقصان پہنچا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔"

اس نے قطعیت سے کہہ دیا تھا اور بنا آدم کی طرف دیکھے وہاں سے چلی گئی تھی۔

آدم نے بھی بنا دیکھے بھائی والی مخصوص لاپروائی سے ہاتھ لہرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے روز مقررہ وقت پر منفرا آدم اور اس کے دو دوستوں کی ہمراہی میں طے شدہ مقام پر پہنچ گئی۔ اور اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ معاویہ وہاں پہلے سے موجود تھا صرف یہی نہیں وہ گہرے سمندر میں تیراکی کے لئے استعمال ہونے والے special equipments بھی ساتھ لایا تھا۔

منفرا کو حیرانی ہوئی کیونکہ معاویہ اس کی توقع سے بڑھ کر پر جوش نظر آرہا تھا۔

آدم نے معاویہ کو ٹریننگ دینا شروع کی تو منفرا بیزاری سے ایک اونچے پتھر پر جا کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟ تم وہاں جا کر کیوں بیٹھ رہی ہو؟... کیا تم دیکھنا نہیں چاہو گی کہ میں معاویہ کو کیسے ٹریننگ دے رہا ہوں۔'' آدم نے اسے چڑانے کے لئے شرارت سے پوچھا تو وہ سر جھٹک کر چلی گئی۔ معاویہ سمیت آدم کے سارے دوست ہنسنے لگے تھے۔

تین گھنٹے کی ٹریننگ کے بعد آدم نے معاویہ کو زبانی سرٹیفکیٹ دے دیا اور ان سب نے پانی کی تہہ میں اترنے کا فیصلہ کیا۔

معاویہ کا چہرہ ان دیکھے مناظر کی دید کے شوق میں دہک رہا تھا۔ اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر منفرا سے پوچھا۔

''کیا تم مجھے گڈ لک نہیں کہو گی؟''

منفرا مسکرائی اور اس نے وہیں سے ہاتھ اٹھا کر اسے گڈ لک کہہ دیا۔ وہ سب ایک ایک کر کے پانی میں اترتے چلے گئے تھے آدم اور جیسن معاویہ کے دائیں بائیں رہے تا کہ کسی بھی غیر متوقع صورتحال میں اسے بروقت سپورٹ فراہم کی جا سکے

ادھر وہ سب پانی میں اترے ادھر منفرا کا دل بیٹھنے لگا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے جتنا ممکن ہو سکتا تھا خدا سے دعائیں مانگ ڈالیں۔ پھر بھی دل کو سکون نہیں ملا تو فی بی کو کال ملائی۔

''فی بی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے؟''

''کیا وہ بہت خوفناک لگ رہا ہے؟؟''

''نہیں بیوقوف!... معاویہ کو پانی میں اترے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔۔۔ مجھے فکر ہو رہی ہے۔''

''کیا وہ اکیلا ہے؟''

''نہیں۔''

''کیا ایڈم نے اس کو ٹریننگ نہیں دی؟؟''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
KitaabGhar.Com

''ایسی کوئی بات نہیں ہے...'' وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

''پھر مجھے سمجھ نہیں آ رہا تم اس کے لئے اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہو؟؟

''مجھے خود نہیں پتا مجھے اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے۔'' وہ سادگی اور سچائی سے بولی تھی۔

اسی وقت دور پانی کی سطح پر اسے معاویہ اور آدم نمودار ہوتے ہوئے دکھائی دیئے۔ان کے چہرے خوشی اور جوش سے تمتما رہے تھے۔آدم وہیں اپنے دوستوں کے پاس رک گیا اور معاویہ کچھ فاصلے پر ریت پر گر سا گیا۔

منفرا نے موبائل فون جیب میں رکھا اور بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔معاویہ دونوں بازو دائیں بائیں پھیلائے آنکھیں بند کئے چت لیٹا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔منفرا کا دل بیٹھنے لگا۔

''تم ٹھیک ہو معاویہ؟''

معاویہ نے یونہی لیٹے لیٹے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اسکے لب مسکرا رہے تھے۔

''میں اتنا ٹھیک ہوں جتنا آج سے پہلے کبھی نہیں تھا...میں اتنا سکون محسوس کر رہا ہوں ...جتنا آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔...میں اپنے سارے دکھ اپنی ساری پریشانیاں...اپنے سارے خدشات...سمندر کی تہہ میں چھوڑ آیا ہوں منفرا!...میں نے زندگی میں پہلی بار صحیح فیصلہ کیا تھا...مجھے بہت پہلے سمندر کی تہہ میں اتر جانا چاہیئے تھا۔''

وہ ایک خوابناک آواز میں بول رہا تھا ایسے جیسے کسی اور ہی جہاں کے سرور میں ہو۔

پھر اس نے آنکھیں کھول کر خود پر جھکے ہوئے آسمان کو دیکھا۔اس ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کیا جو اسے زندگی کے ہر بوجھ سے آزاد کرتی تھی۔اور کھل کر مسکرا دیا۔

منفرا جو ذرا سا اس پر جھکی ہوئی اس کے لئے فکرمندی سے زرد پڑ رہی تھی ایک دم سے سیدھی ہوئی اور کھلکھلا کر بولی۔

wellcome to montauk۔(مونٹوک میں خوش آمدید)

ساحل پر اترتی شام منفرا کے لہجے کی کھنک سے جھوم اٹھی تھی۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

"خوشی کی بات تو ہے اماں! صیام اور کیف کی جوڑی اچھی بھی بہت لگ رہی ہے...میں نے تو تعریف کرتے ہوئے بھی جان بوجھ کر بار بار ماشاء اللہ بولا تھا. فضیلہ کی عادت تو آپ جانتی ہیں کل کلاں کو بات ہی بنا لیتی کہ نظر لگا دی۔"

روشن امی نانی کو کھانا کھلاتے ہوئے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔اور خوش نصیب چٹائی پر لگے بستر پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی کھلی کتاب گھٹنوں پر رکھے یہ تاثر دے رہی تھی کہ وہ بری طرح پڑھائی میں مصروف ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کتاب کی اوٹ میں کان پوری طرح روشن امی کی باتوں کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

"ارے جانے دیں...ایسا پہلے کبھی ہوا ہے کیا؟...آپ بھی کمال باتیں کرتی ہیں اماں!"

روشن امی ذرا سا ہنس کر کہہ رہی تھیں۔یہ بھی ان کا ہی خاصا تھا کہ نانی کی غوں غاں سے ان کی اصل بات کا متن سمجھ کر معنی اخذ کر لیتی تھیں۔ابھی بھی نانی نے غالباً کوئی مزاق کیا تھا جس پر روشن امی حسب عادت بنا آواز ہولے ہولے ہنس رہی تھیں۔اگر جو خوش نصیب اپنے ذہنی آزار کا شکار نہ ہوتی تو اس منظر کو خوب انجوائے کرتی۔کہ روشن امی عرصے بعد ہنس رہی تھیں۔وہ تو ہر اس بات پر بھی آہستہ سے مسکرا کر پہلو تہی کر لیتی تھیں جس پر قہقہہ فرض ہو جاتا تھا۔

"اچھا یہ لیں...آپ منہ تو میٹھا کریں..ایسی اعلیٰ مٹھائی منگوائی ہے فضیلہ نے.." وہ گلاب جامن اٹھا کر نانی کو کھلانے لگیں تو ماہ نور جو اسی وقت کمرے میں داخل ہو رہی تھی انہیں ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

"نانی کو تو میٹھا مت کھلائیں روشن امی!...شوگر نہ ہائی ہو جائے۔"

"بیٹا!...ذرا سی ہی تو کھلا رہی ہوں..خوشی کو موقع ہے...اماں کو بھی منہ میٹھا کرنے دو۔"

"چلیں...جو آپ مناسب سمجھیں۔" وہ اپنی چادر تہہ لگا کر الماری میں رکھنے لگی۔

"ویسے آناً فاناً ہی سب کچھ ہو گیا...میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کیف، صیام کو پسند کرتا ہو گا۔"

اس نے کن انکھیوں سے خوش نصیب کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔نجانے کیوں لیکن وہ اسے اداس اداس اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خاموش محسوس ہو رہی تھی۔گو کہ اس کیف اور صیام کی محبت (اگر واقعی محبت تھی تو) کو منگنی جیسے مضبوط رشتے میں ڈھالنے میں اسی فیصد اسی کا ہاتھ تھا اور جیسا وہ چاہتی تھی ویسا ہو بھی گیا تھا تو پھر اس اداسی کا سبب کیا تھا۔

ماہ نور نے اپنے دل میں کلبلاتے اس سوال کو کسی اور وقت کے لئے سنبھال کر رکھ دیا اور اپنے لمبے بال کھول کر ان میں بہتا پسینہ سکھانے کے لئے پنکھے کے عین نیچے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں واقعی..سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا۔" روشن امی بولیں

"نہ ہی کبھی مجھے ایسا لگا کہ کیف، صیام کو پسند کر سکتا ہے... دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" پرسوچ انداز۔

اب خوش نصیب چپ نہ رہ سکی اور فوراً بولی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے روشن امی! مجھے کیف نے خود بتایا تھا کہ وہ صیام کو پسند کرتا ہے..."

"لیکن تم نے پہلے کبھی تو ذکر نہیں کیا اس بات کا۔" ماہ نور الجھن آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

خوش نصیب سٹپٹا گئی۔

"کیسے ذکر کرتی... کیف نے منع جو کر رکھا تھا۔"

"اچھا چلو جو بھی ہوا وہ بہتر ہوا... بس اب اللہ کیف اور صیام کو خوش رکھے۔" روشن امی نے روٹی کی قندوری کے ساتھ ساتھ بات بھی سمیٹنا چاہی۔

.سچ تو یہ ہے کہ شامیر بھی برا لڑکا نہیں ہے۔ سلجھا ہوا، تمیزدار باادب بچہ ہے.. بات کرتے ہوئے لگتا ہی نہیں کہ اتنا عرصہ ملک سے باہر گزار کر آیا ہے. لیکن کیف کے آگے اسے تو اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی.."

وہ بولتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں تو خوش نصیب وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ کتاب کو اس نے یونہی سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔

ماہ نور نے کن انکھیوں سے اس کی کیفیت پھر جھجک آمیز لہجے میں بولی۔

"سنو... مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ کیف اور صیام کی منگنی سے تم کچھ خاص خوش نہیں ہو۔"

"تمہارا دماغی فتور ہے ورنہ اور تو کوئی بات نہیں ہے... میں تو اتنی خوش ہوں کہ میرے بس میں ہوتا تو پورے محلے میں مٹھائی بنٹواتی۔"

چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے حسب عادت ترنت کہا تھا لیکن ہزار ہا کوشش کرے باوجود اپنے لہجے کا پھیکا پن چھپا نہیں پائی تھی۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو خوش نصیب! اور ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔"

ماہ نور نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف موڑا تو خوش نصیب جھلا ہی گئی۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی۔"

"میں تو نہیں ہوئی لیکن مجھے لگ رہا ہے تم ضرور ہو گئی ہو... میں فہمینہ، منہا حتکہ تم خود بھی جانتی تھی کہ کیف تمہیں پسند کرتا ہے... پھر ایک دم سے یہ صیام کو پسند کرنے کا شوشہ کیوں چھوڑ دیا تم نے؟"

http://kitaabghar.com

''کیف مجھے پسند کرتا ہے یہ مجھ سمیت تم سب کا اندازہ تھا..اس نے کبھی اپنے منہ سے تو نہیں کہا ناں..اور ویسے بھی جنہیں پسند کیا جاتا ہے یا محبت کی جاتی ہے کیا ان سے ایسا سلوک کرتے ہیں جیسا کیف میرے ساتھ کرتا تھا۔''

وہ نظریں چرا کر بولی تھی

''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کیف نے کچھ برا کیا ہو۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا تمہارے دماغ میں فتور ہے..پتا نہیں بات کو کہاں سے کہاں لیکر جا رہی ہو۔'' وہ دانستہ چڑ کر بولی تھی۔

''ہٹو..مجھے سونے دو۔''

''نہیں..تم پہلے میرے سوالوں کا جواب دو۔'' وہ بضد ہوئی۔

''اوفو..کونسے جواب چاہیئں تمہیں؟..میں ے کہا ناں کیف صیام کو پسند کرتا تھا...مجھے نہیں.تم کو دوسو چو...وہ کوئی دودھ پیتا بچہ تھوڑا ہی ہے کہ میں نے اس کا اور صیام کا نام لیا اور اس نے چپ چاپ منگنی کروالی۔...''

وہ بڑے مدلل لہجے میں کہہ رہی تھی اور فضل منزل کی دوسری منزل پر عرفات ماموں کے کمرے میں کیف منہ پھلائے کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

''آنکھیں خوابوں کے الزام اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہیں۔

قدم ہجرتوں کے بوجھ سے لڑکھڑانے لگے ہیں۔

منزلیں رفتہ رفتہ مسافتوں میں ڈھلنے لگی ہیں۔

آہ۔

یہ سب و روز کی گردشیں اور میں۔

شامیں تاریکی کا لباس اوڑھنے سے اکتا کیوں نہیں جاتیں۔

دن روشنی میں نہانے سے بیزاری کا اعلان کیوں نہیں کرتے۔

بادل دھوپ کیوں نہیں لاتے۔

کیوں...سمندر صحرا نہیں بن جاتے۔

میرا دماغ فرسودہ نظام حیات کو جینے سے انکار کرتا ہے۔

میں اوپر بلندیوں میں اڑنا چاہتا ہوں.سورج کی روشنیاں جہاں تک سفر کرتی ہیں۔

میں آواز اور روشنی کی رفتار چاہتا ہوں۔

میں خیال اور تخیل کی چھلانگ مانگتا ہوں۔

میں زماں و مکاں کی قید سے بہت دور ایک بستی بسانا چاہتا ہوں۔

سوختہ جاں روح کو اپنے ہاتھوں سے چھونا چاہتا ہوں۔

میں نہ ختم ہونے والا وصال چاہتا ہوں۔

پر یہ سب مجھے اذیت میں مبتلا کرتا ہے۔

میری سوچ میرا ہی مزاق اڑاتی نظر آتی ہے۔

میرے تصور میں میرا ہی وجود چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔

میں یہ سب کیسے پا سکتا ہوں؟؟؟

یہ سوال دماغ پر دستکیں دیتا ہے۔

اور میں....

میں اوپر نیلے آسمان کو دیکھنے لگتا ہوں۔

اس کے کناروں تک میری نظر سفر کرتی ہے۔

وہاں سے آگے میری روح قدم رکھتی ہے۔

تب میں خود کو گہری تاریکی میں پاتا ہوں۔

ایک ایسی تاریکی میں، جس پر کبھی کبھی روشنی کا گمان ہوتا ہے۔

پھر ہر احساس خاموشی کی گہری جھیل میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

میں گہری وسعتوں میں کھو جاتا ہوں۔

جہاں بدن جسم نہیں رہتا پر خیال ٹھوس ہو جاتے ہیں۔

میں اپنے غیر مرئی جسم کے ساتھ ان خیالات کو چھوتا ہوں۔

ان کو ٹٹول کر ان سے اپنا وجود نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

لیکن ہمیشہ ناکام ہو جاتا ہوں۔"

(دشت تخیل از ابن عبداللہ)

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
KitaabGhar.Com

جس روز آئے کت فلک بوس سے لاپتا ہوئی ٹھیک اسی روز فلک بوس کی روشنیاں ہمیشہ کے لئے گل کر دی گئی تھیں۔ وہ عمارت ایسی سنسان اور رونق کی رمق سے عاری ہوئی کہ دوبارہ بشام والوں نے فلک بوس میں کسی زندہ انسان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

اسی رات جب فلک بوس کی روشنیاں غم کے بوجھ سے گل کی جا رہی تھیں۔ آسمان کھل کر رو رہا تھا اور بشام کے بھیگتے جنگل کی سفاکی میں ایک انجان لڑکی بہیمانہ طریقے سے قتل کر دی گئی تھی۔ ایک تیز دھار خنجر اس کے سینے میں دل کے مقام پر تین انچ تک گڑھا ہوا تھا اور شہہ رگ کے پاس گہرا گھاؤ تھا۔ صرف یہی نہیں اس کا چہرہ بے دردی سے خنجر کے پے در پے وار کر کے بری طرح مسخ کر دیا گیا تھا۔ اس کی پہچان مشکل ہوتی اگر اس کے تن پر وہ عروسی لباس نہ ہوتا جو معاویہ نے آئے کت کے ساتھ جا کر بطور خاص اس دن کے لئے منتخب کیا تھا۔

پہلے ماں، پھر وسامہ اور اب آئے کت بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ معاویہ جذباتی طور پر ریت کی بے بنیاد دیوار کی طرح ڈھے چکا تھا لیکن ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے آئے کت کو تلاش کرنے کی ڈھانی۔

لیکن آئے کت کی اس پر اسرار گمشدگی نے کئی مفروضوں کو جنم دیا تھا۔ بشام کے ناخواندہ اور ضعیف العقیدہ لوگ ایک ہی بات پر بضد تھے کہ آئے کت کو فلک بوس کا آسیب لے اڑا ہے۔ لیکن جنگل سے ملنے والے شواہد آئے کت کی موت کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ ایک عام قیاس یہ تھا کہ آئے کت کو اس آسیب نے اپنے اثر میں کر کے فلک بوس سے نکالا ہو گا اور جنگل کے ہولناک سناٹے میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔

وادی کے کچھ بچے اس بات کے گواہ تھے کہ انہوں نے ڈھلتی ہوئی شام کے ملگجے اجالے میں ایک ہیولے کو ایک بڑی چادر میں لپٹے اور ایک گٹھڑی نما چیز دبوچے تیزی سے جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو وادی کی پگڈنڈیوں پر اس وجود کے قدموں کا کھوج بھی لگایا جا سکتا تھا لیکن افسوس۔ صد افسوس.. بارش نے ہر نشان مٹا دیا تھا۔

معاویہ ان میں سے کسی بھی مفروضے پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن اس کا دل اور دماغ کہتے تھے آئے کت نہ صرف زندہ ہے بلکہ کسی بڑی مشکل کا شکار بھی ہے۔ یہ اسی آسیب کی کارستانی تھی جس نے وسامہ کی جان لی تھی۔ اب محبت کا تقاضہ تھا کہ اب وہ اسے تلاش کرے اور اس مشکل سے چھٹکارہ بھی دلوائے۔

لیکن اردشیر ازی نے سنا تو بھڑک اٹھے۔

”اچھا تو اب تم کیا کرو گے؟...اس آسیب کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی تانترک کو بلاؤ گے یا خود کسی غار میں سنیاس لیکر بیٹھ جاؤ گے اور تب تک بیٹھے رہو گے جب تک وہ آسیب آئے کت کو آزاد نہیں کر دیتا؟“

انہوں نے بڑے گہرے طنز اور کٹیلے لہجے میں پوچھا تھا۔

”مجھے نہیں پتا میں کیا کروں گا... مجھے بس اسے تلاش کرنا ہے۔“ اس نے نظریں جھکا کر لیکن دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

''اور اسے تلاش کرنے کے لئے مجھے جس بھی حد تک جانا ہوا میں جاؤنگا۔''

''تمہیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی کہ وہ لڑکی تمہیں بیوقوف بنا کر اپنے کسی چاھنے والے کے ساتھ فرار ہوگئی ہے۔۔''

''آپ اتنے وثوق سے کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں؟'' وہ تڑخ کر بولا تھا۔

''کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے جو آئے کت کو بدکردار ثابت کردے۔''

''میرے پاس ایک نہیں کئی ثبوت ہیں اور وہ ثبوت میں نے تمہیں اسوقت بھی دکھانے کی کوشش کی تھی جب تم آئے کت سے شادی کا بیوقوفانہ فیصلہ کر رہے تھے...لیکن تمہیں میری کسی بات کا یقین ہی نہیں تھا...تم نے نہ صرف اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ میری مرضی کے بغیر اپنے اکاؤنٹس کا سارا بیلنس بھی اس کے اکائنٹس میں ٹرانسفر کرتے چلے گئے۔۔میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں ترکی اور پاکستان کے ہر بینک میں موجود آئے کت کے اکاؤنٹس اب تک نہ صرف کلوز کئے جا چکے ہونگے...بلکہ ان میں موجود رقم بھی نکلوا لی گئی ہونگی۔''

معاویہ نے پتا کروایا۔اردشیرازی کی بات درست ثابت ہوئی۔

معاویہ کا دماغ ماؤف ہوگیا۔

''اب بھی کہہ دو کہ تمہیں میری باتیں بے بنیاد لگ رہی ہیں۔میں پہلے دن سے کہہ رہا ہوں۔آئے کت ٹھیک لڑکی نہیں تھی...نہ وسامہ کے لئے نہ تمہارے لئے...اس جیسی شاطر عورت نے تم دونوں بھائیوں کو صرف دولت کے حصول کے لیئے ٹریپ کیا تھا...جب اس کا مقصد پورا ہوگیا تو وہ یہاں سے نکل بھاگی۔''

''میں...میں آپکی باتیں نہیں مان سکتا۔اگر اکاؤنٹس فریز ہوئے ہیں یا رقم نکلوائی گئی ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی ریزن ہوگا..مجھے اس کیس کی پیروی کرنے دیں بابا!...مجھے آئے کت کے مجرم کا کھوج لگانا ہے۔''

اس نے بڑی منت سے کہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اردشیرازی کی دولت اور سیاسی پہنچ کے بغیر وہ کچھ نہیں کر پائے گا۔وہ اردشیرازی کا بیٹا تھا اور کسی بھی سسٹم میں اپنی بات منوانے کے لئے اسے اردشیرازی کے نام کا حوالہ درکار تھا۔یہانتکہ وہ محنت کرکے اس مقام تک نہ پہنچ جاتا جہاں آج اسکا باپ کھڑا ہوا اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنے بیٹے کی ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہو۔

''اس کا مطلب تم میری بات نہیں مانو گے...اب بھی نہیں مانو گے جب اتنا کچھ ہو چکا ہے وہ لڑکی بھری محفل میں تمہارے منہ پر کالک مل کر جا چکی ہے...میری سوسائٹی میں ایک ساکھ ہے ایک پہچان ہے معاویہ!اور وہ ساکھ تمہاری اس آئے کت کی وجہ سے خراب ہوئی ہے..کوئی یہ نہیں کہے گا ایک لڑکی لاپتا ہوگئی۔سب یہی کہیں گے اردشیرازی کے اکلوتے بیٹے کی ہونے والی بیوی..عین نکاح کے وقت کہیں غائب ہوگئی..یہ بھوت آسیب کے قصے کئی صدیوں پہلے تو سچ مانے جا سکتے تھے لیکن آج کل کے دور میں تم کسی کو یقین نہیں دلاسکو گے کہ آئے

کت کو کسی نام نہاد آسیب نے غائب کیا ہے..''

''ٹھیک ہے پھر تمہاری مرضی...اس نام نہاد آسیب سے نمٹنے کے لئے کسی پیر فقیر یا تانترک کے پاس جاؤ۔مزاروں اور جعلی پیروں کے آستانوں پر حاضریاں دو یا جنگل میں ملنے والی اس لاش کا ڈی این اے کرواتے پھرو..لیکن مجھ سے کسی تعاون کی امید مت رکھنا معاویہ! میں اپنا پیسہ اور وقت اس لڑکی پر برباد نہیں کرسکتا جس کی دھوکہ دہی صاف ظاہر ہے...اور نہ ہی میں تمہیں اپنا پیسہ ضائع کرنے دوں گا۔''

''دوسری بات فلک بوس میں آج کے بعد کوئی انکوائری نہیں ہوگی۔یہاں پولیس کے جتھے یا پرائیویٹ انویسٹیگیٹرز نہیں آئیں گے..جلد یا بدیر میں اس عمارت کو فائیو اسٹار ہوٹل کی شکل دینا چاہتا ہوں اور تمہاری وجہ سے فلک بوس کا نام مارکیٹ میں خراب ہو یہ مجھے ہرگز منظور نہیں ہے..''

انہوں نے انتہائی لاتعلقی اختیار کرلی۔اور معاویہ کے پاس کوئی چارہ نہ بچا کہ خاموشی اختیار کرلے۔لیکن اسی دن اسے ایسا لگا وہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔

جسم میں روح تھی لیکن زندہ رہنے کی رمق نہیں۔

سینے میں دل تھا لیکن دھڑکنے کی جستجو سے عاری۔

موت سے زیادہ سفاک چیز زندگی ہے۔موت تو اپنا شکار دبوچ کر آگے بڑھ جاتی ہے زندگی ایسا وار کرتی ہے کہ پھر انسان زندوں میں رہتا ہے نہ مردوں میں۔

☆......☆......☆

''اگر میں اپنے حق میں کچھ بھی کہتا تو..خوش نصیب کی بات غلط ثابت ہو جاتی... پہلے ہی سب لوگ اس کے خلاف رہتے ہیں اس بات کے بعد اور ہو جاتے۔''

وہ بچوں کی طرح ہی منہ پھلا کر کہہ رہا تھا۔کوشش کے باوجود عرفات ماموں اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں سکے۔

''اس سے ناراض بھی ہو اور اس کے امپریشن کی فکر بھی ہے...خوب۔''

''کیا کروں؟....اس سے محبت کرنا چھوڑ تو نہیں سکتا ناں..'' وہ بے بسی سے بولا

''پھر اب کیا سوچا ہے تم نے؟..صیام سے شادی کرلو گے؟''

''مر جانا اس سے کہیں زیادہ بہتر رہے گا۔'' اس نے ترنت ناراضی سے کہا تھا

''لیکن پھر یہ صیام کے ساتھ بھی زیادتی ہوگی۔''

''میں کیا کروں عرفات ماموں! ہر ایک کی بھلائی سوچنا میری ذمہ داری ہی تو نہیں ہے ناں۔''

''پہلے تو تم ریلیکس ہو جاؤ...اس طرح ہائپر ہونے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''خوش نصیب نے بہت زیادتی کی ہے...اسے میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دینا تھا تو مت دیتی لیکن کم سے کم یہ تو نہ کرتی۔ منگنی توڑتا ہوں تو صیام ہرٹ ہو جائے گی۔ خاندان بھر کی باتیں سننا پڑیں گی الگ...اور اگر اس رشتے کو نبھاتا ہوں...تو اپنے دل کے ساتھ ظلم کرنے والی بات ہو گی۔''

وہ دکھ بھرے انداز میں کسی قدر بیزاری کے ساتھ کہہ رہا تھا

''تم کہو تو میں خوش نصیب سے بات کروں؟''

عرفات نے ہمدردی سے پوچھا تھا کیف آج بہت بدلا ہوا سا لگ رہا تھا اداس بیزار۔ اور اس کا یہ انداز عرفات کو ہرگز پسند نہیں آ رہا تھا۔

ان کا سوال سن کر اپنی دھن میں مگن اندر داخل ہوتی خوش نصیب کے پیر دہلیز نے جکڑ لئے تھے۔

اندر وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا فائدہ ہو گا؟...وہ محترمہ تو اپنی نام نہاد عقلمندی میں میرا کباڑہ کر ہی چکی ہیں....ویسے عرفات ماموں! مجھے احساس ہو رہا ہے اپنے دل کے ہاتھوں میں مجبور ہو گیا تھا۔ ورنہ خوش نصیب جیسی لڑکی سے محبت کرتے ہوئے تو دوبار سوچنا چاہیئے تھا.....اس سے تو اچھا تھا میں نے صیام سے ہی محبت کر لی ہوتی۔ اچھی شکل کے ساتھ ساتھ کہیں تو اپنی عقل بھی استعمال کرتی ہے۔''

وہ بڑا اداس اداس سا بول رہا تھا خوش نصیب سے اور برداشت نہ ہوا تو اندر چلی آئی۔

کیف اسے دیکھ کر چونکا پھر خفگی سے منہ موڑ لیا۔

''میں چلتا ہوں ماموں! پھر آؤنگا۔''

وہ عرفات ماموں سے مخاطب خوش نصیب کے قریب سے گزر کر جانے لگا تو خوش نصیب بولی۔

''میری وجہ سے جا رہے ہو؟''

کیف نے اسے اتنی خفگی سے گھورا کہ خوش نصیب نظریں ہی چرا گئی۔

''تمہارے لئے جو میں کر رہا ہوں ناں...اسے ہی بہت سمجھو...اور مزید کسی فیور کی تو امید بھی مت رکھنا۔'' اس نے دانت کچکچا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

خوش نصیب جو پہلے ہی جذباتی قسم کے ذہنی بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اس بات پر مزید اس کا سر جھکنے لگا۔

''اب منہ لٹکانے کا کیا فائدہ؟...پہلے ہی سوچ سمجھ کر بول لیا ہوتا تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔''

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

عرفات ماموں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''آپ بھی مجھے ہی غلط سمجھتے ہیں؟'' اس قدر اداسی تھی اور تنہا رہ جانے کا پچھتاوا تھا اس کے لہجے میں کہ کچھ دیر کے لئے عرفات احمد بھی خاموش ہی رہ گئے۔ لیکن کب تک خاموش رہا جا سکتا تھا۔

''نہیں..'' عرفات احمد گہری سانس بھر کر بولے۔

''کیونکہ تم نے غلطی نہیں کی... یہ تو سراسر بیوقوفی تھی خوش نصیب؟.. اپنے پیر پر کلہاڑی ماری سو ماری۔ کیف کا مستقبل بھی خراب کر دیا۔''

''اس میں کیف کا مستقبل خراب ہونے کی کیا بات ہے.. یہ تو طے ہے کہ مجھے اس کے ساتھ کسی حال میں شادی نہیں کرنی تھی۔''

ہاں تو مت کرتی.. لیکن تمہیں یہ حق کس نے دیا تھا کہ صیام کو اس کے ساتھ نتھی کرتی... کیف نے تو ہر برے بھلے وقت میں تمہارا ساتھ دیا ہے خوش نصیب! اس کے ساتھ کون سی دشمنی نکالی ہے تم نے...''

وہ الجھے الجھے سے بول رہے تھے۔

''ایسے مت کہیں... میں کیوں دشمنی نکالوں گی اور... اور صیام میں اخر برائی ہی کیا ہے جو کیف ایسے ری ایکٹ کر رہا ہے۔''

''جہاں دل راضی نہ ہو... وہاں ہزار خوبیاں ہوں تب بھی انسان خوش نہیں رہ سکتا۔''

''میں نے جو کیا اسی میں صیام کی بھلائی ہے...'' وہ زور دے کر بولی تھی۔

''صیام کی بھلائی کے لئے کیف کی بھلائی کو نظر انداز کر دیا۔''

تو عرفات احمد الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''اور پھر صیام کی کیسی بھلائی؟... اس ک لئے تو شامیر بھی بہتر ہی تھا۔''

''آپ کو کچھ نہیں پتا..'' اپنی بات منوانے کی کوشش میں نڈھال سی ہو کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''لیکن کیف کو تو میرا اعتبار کرنا چاہیئے تھا.. وہ تو ساری حقیقت جانتا تھا۔'' خود کلامی۔

کیا مطلب؟... کیسی حقیقت؟'' وہ الجھن آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

خوش نصیب نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ اب بس یہی ایک راستہ بچا تھا کہ وہ عرفات ماموں کو شامیر کی حقیقت بتا کر انہیں اپنا ہم نوا بنا لیتی۔

''کیا آپ میرا اعتبار کریں گے؟'' اس نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

عرفات احمد نے آج سے پہلے اسے کبھی اتنا بے بس نہیں دیکھا تھا۔ وہ لڑتی تھی جھگڑتی تھی اور اپنی بات منوانے کے لئے جی جان کی بازی لگا دینے کی قائل تھی آخر اب ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ اتنی بے بس نظر آ رہی تھی۔

''کیوں اعتبار نہیں کروں گا؟...آخر اس سے پہلے بھی تو تمہاری ہر بات مانتا رہا ہوں۔''

انہوں نے بڑے حوصلہ افزا انداز میں کہا تھا۔

خوش نصیب کا دل حوصلہ مندی سے بھر گیا۔

☆......☆......☆

اور یوں معاویہ زندوں میں رہا نہ مردوں میں۔

اردشیر ازی کے خلاف جانا اس کے لئے ممکن نہ تھا سو آئے کت کی تلاش کو اس نے ترک کر دیا۔ مردہ دل کے ساتھ دنیا والوں کے ساتھ گزارا کرنا مشکل تھا سو وہ تنہا سے تنہا ہوتا چلا گیا۔ بظاہر ایک کامیاب لیکن تنہا انسان بنتا چلا گیا۔

مزاروں، پیروں فقیروں کے آستانوں پر حاضریاں دیتے وہ تھکتا نہ تھا۔ ہر وہ جگہ جہاں اسے امید ہوتی کہ اس ہندو عورت کی روح سے بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے معاویہ اردشیر ازی پہنچ جاتا تھا اور ہر بار ناکام ہو کر لوٹتا تھا۔ سات آٹھ سال کی اس مدت میں وہ ایک جذباتی نوجوان سے بھرپور مرد بن چکا تھا اتنا ہی اس کا عقیدہ روحوں اور اس دوسری دنیا کی مخلوق کے متعلق مظبوط بھی ہوا تھا۔

اردشیر ازی اس کے باپ ضرور تھے لیکن ذہنی اور جذباتی طور پر کبھی بھی اس کے قریب نہ ہو سکے تھے۔ نہ انہوں نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ اب بھی اسے زندگی کی طرف آتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے کہ وہ آئے کت کا دیا ہوا زخم بھول رہا ہے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔

آئے کت کو تلاش کرنے کی جستجو میں وہ نہ صرف خود تنہا ہوتا چلا گیا تھا بلکہ اس کی نیند چین بھی مکمل طور پر اس سے روٹھ چکے تھے۔ وہ سو رہا ہوتا تو سامہ کی بے بسی اسے جگا دیتی۔ جاگ رہا ہوتا تو آئے کت کی یادیں اسے بے چین کئے رکھتیں۔

وہ کم گو اور پھر تلخ مزاج ہوتا چلا گیا۔ آدم بیزاری اس کی پیشانی پر بلوں کی طرح نمودار ہو چکی تھی۔ لوگ اس کے بارے میں تجسس محسوس کرتے لیکن اس کے قریب آنے سے ڈرتے تھے۔

کبھی وہ لوگوں سے رابطہ بڑھا لیتا پھر کہیں سے ماضی کی یاد کا ایک کنکر آ کر اس کے ذہن سے ٹکراتا اور وہ بے بسی سے ان یادوں کو چن چن کر اپنے اردگرد جمع کر لیتا جن سے بس اسے تلخی ہی مل سکتی تھی۔

اسے پرواہ نہیں تھی کہ کوئی اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ اردگرد والوں نے اس کے متعلق کتنی کہانیاں اخذ کر لی ہیں ۔۔۔اسے تو بس ایک جستجو تھی ایک دھن تھی جو اس کی رگ جاں کو کاٹتی تھی۔ اسے کسی پل سکون نہ لینے دیتی تھی۔

اس کے اندر ایک آگ تھی جو بجھتی نہ تھی۔ اور اس آگ کو مونٹوک کے ساحل کے شفاف پانی کی گہرائی نے بجھا دیا تھا۔

وہ پانی کی نرمی کو کاٹ کر نیچے اترتا رہا۔۔ نیچے، بہت نیچے... یہاں تک کہ بس اس کے اردگرد صرف پانی رہ گیا۔ تب اس نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ پیر چلانا چھوڑ دیئے اور خود کو پانی کے بہاؤ کے حوالے کر دیا۔

اس کا وجود ہر غم سے آزاد ہو کر پانی کے ساتھ ایک تنکا بن کر بہنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اتنا تنہا اتنا لاچار تھا وہ۔ کہ اب شائد دنیا میں کوئی بھی اس کا اپنا نہیں تھا۔ اور اس تنہائی نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

لانگ آئی لینڈ کے ساحل کے کنارے اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اپنی زندگی کے کئی سال سوچتا چلا گیا تھا۔ ڈھلتی ہوئی شام کی تیز ہوا بدلتے موسم کی پیشن گوئی کر رہی تھی لیکن یہاں کھڑا معاویہ جیسے ہر چیز سے لاپرواہ ہو چکا تھا۔ آج وہ اتنا پرسکون تھا کہ اسے کسی بھی چیز سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

گہرے پانیوں میں اترنے کے بعد نہ اسے وسامہ کی ڈائیری یاد رہی تھی نہ آئے کت کی ہنسی کی کھنک۔ اس نے ہر تلخی کو پانی کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی اور شائد کامیاب بھی رہا تھا۔ ساحل کے کنارے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تنہا کھڑا وہ بے وجہ ہی مسکرا رہا تھا۔ اور ایسے مسکراتا ہوا وہ چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا۔

پرسکون بے ریا۔

ساحل سمندر سے کچھ دور مسٹر جمال کے اپارٹمنٹ کی بتیاں جلا دی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

یہ ایک سر چکرا دینے والی داستان تھی جو خوش نصیب نے عرفات احمد کو سنائی۔ نتیجتاً وہ سر پکڑے ہی بیٹھے تھے۔

''تم کیا کہہ رہی ہو؟... مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

''شروع شروع میں مجھے بھی یہ ساری باتیں عجیب سی لگی تھیں.. اتنی ہی نا قابل فہم جتنی اس وقت آپ کو لگ رہی ہیں.. کاش کاش.. میں اپنا دماغ کھول کر دکھا سکوں... ایک ہی وقت میں کہیں پر موجود رہتے ہوئے میں کسی اور دنیا میں پہنچ جاتی ہوں جہاں میرے ساتھ عجیب عجیب واقعات ہوتے ہیں... کبھی مجھے لگتا ہے میں پانی کی تہہ میں سانس لے رہی ہوں... اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ریت کا طوفان مجھے اپنے ساتھ اڑائے پھر رہا ہے...''

خوش نصیب بڑی بیچارگی کے ساتھ بولتی چلی جا رہی تھی۔

''کیف میرا یقین نہیں کرتا نہ کرے... لیکن آپ کو تو میرا اعتبار کرنا ہو گا عرفات ماموں!.. آپ جانتے ہیں میں جتنا مرضی کسی سے لڑوں جھگڑوں... لیکن میں نے جھوٹ کبھی نہیں بولا..''

''میں صیام کو شامیر کے چنگل سے بچانا چاہتی تھی اور اس کے سوا مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا کہ شامیر کی بجائے کیف سے اس کا رشتہ طے کر دیا جائے... میرا یقین کریں اگر میں ایسا نہ کرتی تو شامیر صیام کا بہت برا حال کرتا..''

اسی وقت جب خوش نصیب بڑا جذباتی ہو کر بول رہی تھی کیف واپس آیا اس نے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے ہو کر اس کی

ساری بات سنی تھی اور بگڑا ہوا موڈ کچھ اور بگاڑ لیا تھا۔

"اس کی الف لیلیٰ سن لی ہو تو ذرا آ کر ابو کی بات بھی سن لیں....انہوں نے آپکو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔"

وہ ناراض ناراض سا گویا ہوا اور کہہ کر چلا گیا۔ جانے سے پہلے کڑکتی نظریں خوش نصیب پر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

خوش نصیب نے آس بھری نظروں سے عرفات ماموں کو دیکھا تو وہ الجھن زدہ سے بیٹھے نظر آئے۔

"ماموں!!!"

"اس بارے میں پھر بات کرتے ہیں..میں ذرا بھائی صاحب کی بات سن لوں۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے اور خوش نصیب کے چہرے کی جوت بجھ گئی اس پر ایک بار پھر مایوسی کا بادل چھا گیا تھا۔

☆......☆......☆

منفرا نے مسز جمال کے ساتھ مل کر کھانا میز پر چن دیا اور وہیں کچن کی کھڑکی سے دور ساحل پر جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسا کر کھڑے معاویہ کو دیکھا۔اور مسکرائی۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ اس قدر اجنبی دکھائی دینے والا شخص کسی روز اس کے گھر میں بیٹھ کر کھانا کھا رہا ہوگا۔یہی سوچتے ہوئے اس نے مسز جمال کو بتایا اور اپنی کیپ شال کو اچھی طرح کندھوں کے گرد پھیلاتی باہر نکل آئی ۔لیکن چند قدم چل کر اسے حساس ہوا اسے کیپ شال ے علاوہ بھی کوئی گرم کپڑا اوڑھ لینا چاہیئے تھا۔ساحل کی طرف سے آنے والی ہواؤں میں اچھی خاصی خنکی محسوس ہو رہی تھی۔

پتا نہیں اتنی دیر سے معاویہ اتنے سکون کے ساتھ وہاں کیسے کھڑا ہوا تھا یہی سوچتے ہوئے منفرا اس کے قریب پہنچ گئی اور چند قدم کے فاصلے پر جا کر رک گئی۔

"تم اندر کیوں نہیں آجاتے...میرے خدا! یہاں سردی بہت بڑھ گئی ہے۔"

اس کی آواز پر معاویہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ ساحل کی ہوا جیسی دلکش لڑکی پنک کلر کی کیپ شال اوڑھے سردی سے باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔اس کی چھوٹی سی ناک سردی سے لال ہو چکی تھی اور اسوقت بڑی مزاحیہ لگ رہی تھی۔معاویہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے لے لئے غیر محسوس انداز میں چہرے کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا..لیکن مجھے تو کوئی خاص سردی نہیں لگ رہی۔"

"اوہ ہاں ..." منفرا بے ساختہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔"میں کیسے بھول گئی کہ تم اس معاملے میں تھوڑے بے حس ہو ..پارک میں بھی تم ہر روز ایک باریک سا اپر پہن کر آجاتے تھے اور تمہیں دیکھ کر میں اور فی بی ٹھنڈ سے کپکپایا کرتے تھے۔"

''ہاں..موسم کی شدت کا مجھے کبھی ایسے احساس نہیں ہوتا جیسے عام لوگوں کو ہوتا ہے۔'' جھینپے ہوئے انداز میں اس نے کہا۔

منفرا ہنس دی۔

''میرا خیال تھا تم نہیں مانو گے۔''

''اچھا....وہ کیوں؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''arrogant persons (مغرور لوگ) اتنے آرام سے اپنی خامیوں کا اعتراف نہیں کرتے۔''

معاویہ اس کے اندازے پر بے ساختہ ہنسا تھا۔

''ویسے مجھے اندازہ نہیں تھا.تم نے اور تمہاری سہیلی نے بہت ریسرچ کی ہے مجھ پر۔''

''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی اور اس کی مسکراہٹ میں ایسا عنصر تھا جیسے انسان کسی بات کا لطف بھی لے رہا ہوتا ہے اور اسے رد بھی کر رہا ہوتا ہے۔

''تم پارک میں آتے جاتے ہوئے نظر آجاتے تھے تو نوٹس کر لیتے تھے ہم....ورنہ ہم نے کبھی لڑکوں پر دھیان نہیں دیا۔''

''اوہ رئیلی..'' وہ بھی شرارت سے گویا ہوا اور ایسے کہا جیسے کہہ رہا ہو میں ان اچھی طرح جانتا ہوں۔

''اور...وہ اس روز ٹیوب (زیر زمین ٹرین) میں کیا ہوا تھا...جب تمہاری سہلی میرے ساتھ بیٹھنے کے لئے بلاوجہ میرے ساتھ ضد کرنے لگی تھی...'' وہ مسکراہٹ ہونٹوں کے کناروں میں دبائے مزے سے پوچھ رہا تھا۔اور اس کی بات سن کی منفرا ہکا بکا ہی رہ گئی تھی۔وہ اتنا لاتعلق دکھائی دینے والا شخص اس وقت بھی اسے اور اس کی سہیلیوں کو نوٹس کر چکا تھا۔یہ ایک حیران کن انکشاف تھا۔اور اس نے کتنی مہارت سے اگلی کئی ملاقاتوں میں اپنے تاثرات چھپائے رکھے تھے۔

منفرا بے ساختہ اس بات کا اظہار کیئے بنا نہ رہ سکی۔جس پر معاویہ ہنس دیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے جان بوجھ کر اپنے تاثرات چھپائے...بس آپ ہر وقت ایک طرح ری ایکٹ نہیں کر سکتے۔ہوسکتا ہے اس کے بعد جب بھی تم میرے سامنے آئی میں کسی اور موڈ میں ہوں...اور میں نے تمہیں پہچاننا ضروری نہ سمجھا ہو...''

''تم موڈی لگتے تو نہیں ہو۔''

''چھوڑو...تم نہیں سمجھو گی۔'] معاویہ نے سر جھٹک کر کہا تھا۔''چلو..کھانا کھاتے ہیں۔مسز جمال نے ضرور آج بھی کوئی مزے دار چیز بنائی ہو گی۔''

منفرا جو اسکی بات سے الجھ سی گئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ چل دی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

عرفات احمد، خوش نصیب کے پاس سے اٹھے تو بڑے بہنوئی کے کمرے میں چلے آئے۔انہیں آبائی دکانوں اور زمینوں کے حساب کتاب سے متعلق کچھ معلومات درکار تھیں۔جو عرفات احمد نے انہیں فراہم کر دیں۔تقریباً ڈھائی گھنٹے وہ ان کے پاس بیٹھے رہے چائے پی۔باتیں کیں لیکن سچ تو بس یہی ہے کہ ایک منٹ کے لئے بھی خوش نصیب کی کہی ہوئی باتیں ان کے دماغ سے نہیں نکل سکی تھیں۔

وہ دراصل ان لوگوں میں سے تھے جو کچھ زیادہ ہی پڑھے لکھے ہونے کی بنا پر بہت سی ایسی مافوق الفطرت چیزوں کے وجود پر بھی یقین رکھتے ہیں جن کا یقین عام انسان کے فہم سے بالاتر ہوتا ہے۔وپ پیروں فقیروں کے آستانوں پر بھی جاتے تھے۔ان کی قبروں پر فاتحہ خوانی بھی کرتے تھے چادر بھی چڑھاتے تھے لیکن عقیدت میں جہالت کے مرتبے تک وہ کبھی نہیں پہنچے تھے۔

وہ ہر بات ہر نظریئے، ہر عقیدے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے پر یقین رکھتے تھے شائد یہی وجہ تھی کہ جادو ٹونا، ناری مخلوق کے وجود سے وہ کبھی بھی انکاری نہیں ہوئے تھے۔

خوش نصیب کی باتوں نے انہیں مخمصے میں ڈال دیا تھا۔نہ وہ پوری طرح اس کی بات کی سچائی کو رد کر پا رہے تھے نہ ہی قبول کرنے کی پوزیشن میں تھے۔

جس وقت وہ اشفاق صاحب کے کمرے سے نکلے شامیر سے مڈبھیڑ ہوگئی وہ تابعدار لڑکا تھا انہیں دیکھ کر خوشدلی سے مسکرایا اور حال احوال دریافت کرنے لگا۔باتوں باتوں میں عرفات احمد نے اسے رات کا کھانا اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے ڈالی۔جسے شامیر نے ہنس کر قبول کر لیا تھا۔

جب کیف کو پتا چلا تو وہ الگ منہ بنا کر بولا۔

”یعنی آپکو خوش نصیب کی داستان پر یقین آ ہی گیا...کم آن ماموں!“

وہ خوش نصیب کے ہاتھوں تازہ تازہ نقصان کا شکار ہوا تھا سو بیزاری سے بولا۔

”یقین آیا ہے یا نہیں...لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی۔“

”چلیں...اس بار آپ کا یہ مان تو ٹوٹا۔“

”تمہیں کیوں لگتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے؟“

”تاکہ مجھ سے پیچھا چھڑوا سکے۔“ وہ بیزاری سے بولا۔

”یہ سچ نہیں ہے کیف!“ انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔

”آپ تو اس کا ساتھ ہی دیں گے۔“ بچوں کی طرح ناراض ہی ہو گیا تھا تو عرفات ماموں نرمی سے بولے۔

”خوش نصیب سچ کہہ رہی ہے یا نہیں..اسی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے تو شامیر کو بلایا ہے۔اور میں چاہتا ہوں تم بھی اسوقت

میرے ساتھ موجود رہو۔۔"

"چھوڑئیں بھی...اس کا تو فائدہ ہی ہو گیا...صیام جیسی مصیبت کو ساری زندگی بھگتنے سے بچ جو گیا ہے۔"

"یعنی میں یہ سمجھوں کہ تم نہیں آؤ گے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" ان کی ناراضی کے ڈر سے کیف نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے تھے

"چلو ٹھیک ہے پھر...رات کے کھانے پر ملاقات ہوتی ہے۔"

وہ اسکا کندھا تھپک کر چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

کھانا کھانے کے مسز جمال اور منفرا کچن کا بکھرا وا سمیٹنے لگیں جبکہ مسٹر جمال، آدم عرف ایڈم اور معاویہ سٹنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ بلکہ مسٹر جمال اور آدم ہی زیادہ تر بولتے رہے معاویہ نے بہت کم باتیں کی اور زیادہ کام اپنی مسکراہٹ سے چلایا۔

کافی بنانے کے لئے دودھ کو ساس پین میں منتقل کرتے ہوئے منفرا نے دیکھا۔ معاویہ چپ چاپ مسکراتا ہوا بڑی دلچسپی سے مسٹر جمال کے جدوجہد کی کہانی سن رہا تھا۔

وہ پتا نہیں کیوں... مسکرا دی۔

"... پاکستان سے آتے ہوئے میں بھی بہت سے خواب اپنی آنکھوں مین سجا کر آیا تھا.لیکن جتنی مشقت بھری زندگی میں نے گزاری ہے اس کی توقع ہرگز نہیں تھی مجھے...وہاں رہتے ہوئے تو ایسا لگتا تھا امیر یکہ خوابوں کی سرزمین ہے... مجھے اب تک اپنی ماں کی وہ منتیں یاد آتی ہین جو انہوں نے مجھے یہاں آنے سے روکنے کے لئے کی تھیں؛..وہ کہتی تھیں...جمال احمد! ایک بار چلا گیا تو تو لوٹ کر نہیں آئے گا۔ میں جانتی ہوں میں دوبارہ تیری شکل نہیں دیکھ سکونگی...اب سوچتا ہوں..ماؤں کو الہام ہوتے ہیں اس لئے ان کی باتیں مان لینی چاہیئں ..میں نے اپنے خواب تو پورے کر لئے لیکن ماں کی آنکھوں میں انتظار چھوڑ آیا۔۔"

اپنی نظر کی عینک اتار کر انہوں نے آنکھوں کے کنارے پونچھے تو معاویہ کا دل بوجھل سا ہو گیا۔ آدم جلدی سے جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور بازو ان کے کندھوں پر پھیلاتے ہوئے بولا۔

"جہاں اتنا کچھ بتا رہے ہیں وہاں معاویہ کو یہ بھی تو بتائیں کہ امیریکہ آ کر آپ کو سب سے بڑا فایدہ کیا حاصل ہوا ہے؟..."

مسٹر جمال کا موڈ بحال کرنے کے لئے وہ کچھ زیادہ ہی ڈرامائی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اچھا آپ نہیں بتائیں گے.تو میں بتا دیتا ہوں...امیریکہ آنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ڈیڈی ملاقات میری ایور بیوٹی فل (ہمیشہ خوبصورت) مام سے ہو گئی...دونوں میں زبردست افیئر چلا اور کئی مراحل طے کرنے کے بعد نانا نے انہیں مام سے شادی کی

http://kitaabghar.com

اجازت دی۔تھنک اوورات ڈیڈ!اگر آپ امیریکہ نہ آتے تو مام سے نہ ملتے اور مام سے نہ ملتے تو اللہ آپ کو اتنا خوبصورت بیٹا کیسے دیتا۔"

اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا کہ مسٹر جمال اور معاویہ ہی نہیں امیریکن اسٹائل کچن میں کھڑی منفرا اور مسز جمال بھی بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"تم پریشان مت ہونا معاویہ!میرے بیٹے کو بات بے بات اپنی تعریف کرنے کی عادت ہے۔"

مسز جمال نے خوش دلی سے کہا تھا

"اب کوئی تعریف نہ کرے تو کیا میں خود بھی نہ کروں..." وہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولا تھا

"آدم کی بات کسی حد تک صحیح ہے...میں جتنا مرضی دکھی ہولوں لیکن ایک بات کا دل سے قائل ہو چکا ہوں اور وہ یہ کہ ہر ہجرت انسان کو کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور دیتی ہے..پھر وہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک کی ہجرت ہو...یا ایک انسان سے دوسرے انسان تک کی...ہاں..دل سے پچھتاوؤں کو ہم نہیں نکال سکتے.."

معاویہ نے اس بات پر چونک کر مسٹر جمال کو دیکھا تھا۔وہ تو بس بات برائے بات بول رہے تھے لیکن اس کے دل و دماغ میں جیسے کوئی پن اٹک سی گئی تھی۔

اسی پل منفرا نے کچن کی پارٹیشن سے ان سب کو مخاطب کیا۔

"کافی کون کون پیئے گا۔؟"

"بھئی میں تو اب سوؤنگا.تم بچے انجوائے کرو۔" مسٹر جمال نے کہا تو معاویہ بھی معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"میں بھی چلونگا اب۔"

"کم آن...ہم تمہاری پہلی dive کو سیلیبریٹ کر رہے ہیں...کچھ دیر تو اور رکو.منفی!کافی ٹیرس پر لے آنا۔" آدم نے اتنے مان اور خلوص سے کہا تھا کہ معاویہ انکار نہیں کر سکا۔

☆......☆......☆

گیلری کی دوہرے کواڑ والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے آسمان دکھائی دے رہا تھا اور آسمان کے سینے پر ڈھلتے ہوئے چاند کی ماند پڑتی چاندنی میں رات چپکے چپکے بہہ رہی تھی۔

نینداس کی آنکھوں سے اتنا ہی دور تھی۔جتنا وہ چاند

جب اس کی آنکھیں آسمان کو دیکھتے تھک چکیں تو اس نے کروٹ بدل کر ماہ نور کا کندھا ہولے سے ہلا دیا۔

"ماہ نور!ماہ نور!...."

http://kitaabghar.com

ماہ نور نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے خوش نصیب؟"

"اٹھو ناں.. مجھ سے باتیں کرو.. مجھے نیند نہیں آ رہی اور پتا نہیں کیوں عجیب سی وحشت ہو رہی ہے۔" اس نے الجھے ہوئے سے لہجے میں بے بسی سے کہا تھا۔

ماہ نور نے پوری آنکھیں کھول کر ذرا حیرانی سے اسے دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟"

خوش نصیب نے کروٹ بدلی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

"طبیعت ٹھیک ہے.. قسمت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہوا کیا ہے تمہیں؟"

"پتا نہیں۔"

"محبت وحبت تو نہیں ہوگئی۔" ماہ نور نے ذرا سیدھے ہو کر ایک ہاتھ کا سہارہ سر کو دیا اور شرارت سے پوچھنے لگی۔

"کاش محبت ہی ہوگئی ہوتی... کم سے کم اپنی محبت کی خود غرضی میں مجھے یہ تو نظر نہ آتا کہ میں کیف کے ساتھ زیادتی کر گئی ہوں۔" اس نے دل میں سوچا اور انگلی کی پور سے آنکھ کے کنارے جمع ہو کر بہہ نکلنے کے لئے بیتاب سی نمی کو پونچھ ڈالا تھا۔ اور ماہ نور سے بولی۔

"نہیں محبت نہیں ہوئی.. اگر کبھی ہوئی تو سب سے پہلے تمہیں بتاؤ نگی۔"

"پتا ہے.. ہم سب کو لگتا تھا.. کیف اور تم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔"

"پتا نہیں یہ غلط فہمی کیوں تھی سب کو... ہم تو ایک دوسرے سے اتنا جھگڑتے رہے ہیں۔"

"اسی لئے تو لگتا تھا۔" ماہ نور آواز دبا کر لیکن کھلکھلا کر ہنسی تو خوش نصیب نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟.."

"بھئی جہاں محبت ہوتی ہے جھگڑے بھی تو وہیں زیادہ ہوتے ہیں ناں۔"

"بڑی بونگی لاجک ہے۔" اس نے گردن موڑی اور واپس چھت کو دیکھنے لگی۔

"ہاں ... ہے تو..." ماہ نور نے کروٹ بدلی اور بالکل خوش نصیب کے انداز میں لیٹ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔ معنی خیز خاموشی ان دونوں کے درمیاں چپکے چپکے بہتی تھی۔

"خوش نصیب!"

http://kitaabghar.com

''ہوں؟''

''ایک بات بتاؤں؟''

''بتاؤ؟''

''ڈانٹو گی تو نہیں؟''

''تمہیں کب سے میری ڈانٹ کی فکر ہونے لگی؟'' خوش نصیب نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔ جواباً ماہ نور ہنسنے لگے اس کی سریلی ہنسی کا ترنم ہی جدا تھا۔

''پتا ہے خوش نصیب!... مجھے ہمیشہ سے لگتا تھا... اللہ نے میری قسمت بہت خاص بنائی ہے..''

ماہ نور اٹھ کر بیٹھی اور تکیہ جھولی میں دبوچ کر کہنے لگی۔ خوش نصیب نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''آفرین ہے بھئی تم پہ... جو فضل منزل میں رہتے ہوئے اور خاندان بھر کی زیادتیاں سہنے کے باوجود اتنا مثبت سوچتی رہی ہو۔''

''اوہو پوری بات تو سنو ناں۔'' وہ جھلا کر بولی پھر مسکرائی اور خواب سے لہجے میں بولی۔

''تو مجھے ہمیشہ لگتا تھا... اللہ نے میری قسمت بہت خاص بنائی ہے... اور جیسے اس نے میری قسمت خاص بنائی ہے ایسے ہی میرے لئے کہیں ایک شہزادہ بھی بنایا ہوگا..''

خوش نصیب بے ساختہ ہنس دی۔

''اور تمہیں یہ بھی لگتا ہوگا کہ کسی دن وہ شہزادہ تمہیں سفید گھوڑے پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔'' انداز صاف مزاق اڑانے والا تھا۔

''ہاں... میں ہمیشہ سے یہی خواب دیکھتی رہی ہوں۔'' ماہ نور نے خوش نصیب کی ہنسی کا برا منائے بغیر بتایا تو خوش نصیب ایک منٹ کے لئے حیران ہی رہ گئی پھر ہنسنے لگی تو ہنستی ہی چلی گئی۔

''او میری بھولی بہن! کس دنیا میں زندہ رہ رہی ہو۔''

ماہ نور برا ہی منا گئی۔

''ٹھیک ہے... خواب نہیں سننا تو مت سنو... میں کسی اور کو سنا لونگی۔'' وہ خفگی سے کہتی ہوئی لیٹنے لگی تو خوش نصیب نے جلدی سے ہاتھ کھینچ کر اسے زبردستی بٹھائے رکھا۔

''اچھا اچھا... تم سناؤ... میں اب کچھ نہیں کہونگی۔'' چہرے پر ابھی بھی دبی دبی سی ہنسی تھی۔ لیکن ماہ نور نے اگنور کر دیا اسے فی الوقت ایک سامع درکار تھا جس سے پچھلے کئی دنوں سے سینے میں دبا راز شیئر کر سکے۔

"اب تم ہنسی تو میں واقعی ناراض ہو جاؤنگی..."اس نے سلسلہ کلام جوڑنے سے پہلے انگلی اٹھا کر دھمکی دی تو خوش نصیب نے کانوں کو ہاتھ لگا کر وعدہ کر لیا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی..." ماہ نور نے بڑے جوش و خروش سے وہیں سے سلسلہ جوڑا جہاں سے منقطع ہوا تھا

"میں کئی سالوں سے یہ خواب دیکھ رہی ہوں خوش نصیب!...کہ ایک شہزادہ ہے...جو سچ مچ سفید گھوڑے پر بیٹھ کر آتا ہے اور مجھے اپنے ساتھ کسی دور دیس میں لے جاتا ہے.."

وہ بولتی جارہی تھی اور خود پر اپنی سوچ پر ہنستی بھی جارہی تھی ایسے جیسے جانتی ہو سالہا سال سے دیکھا جانے والا یہ خواب دیوامالائی داستانوں کے صفحات پر تو سچ ہو سکتا ہے حقیقی زندگی میں ہرگز نہیں۔

اور خوش نصیب...وہ تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے آدھی لیٹی آدھی بیٹھی دلچسپی سے ماہ نور کا خواب سن رہی تھی

"......وہاں کوئی غم نہیں ہوتا کوئی پریشانی نہیں ہوتی...وہ مجھے اتنی محبت دیتا ہے اتنی عزت دیتا ہے کہ فضل منزل سے ملے ہوئے تمام غم میں بھول جاتی ہوں...اور پھر...اور پھر میں تمہیں اور روشن امی کو اور...اور نانی کو اپنے ساتھ اسی دیس میں لے جاتی ہوں...."

وہ بولتی چلی گئی یہاں تک کہ پورے دھیان سے اس کا خواب سنتی خوش نصیب نے ٹوک کر سنجیدگی سے پوچھا

"وہ سب تو ٹھیک ہے...لیکن اس خواب کو دیکھتے ہوئے تمہاری آنکھ کہاں کھلتی ہے وہ بتاؤ"

ماہ نور نے ایک ٹرانس کی کیفیت میں بولتے ہوئے خوش نصیب کو دیکھا جس کے سوال میں سنجیدگی ایسی تھی جیسے اپنے قہقہے کا گلا بڑی مشکل سے گھونٹ رکھا ہو۔

"مجھے محبت ہوگئی ہے۔" ماہ نور نے ناراضی ظاہر کرنے کی بجائے بلا آخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی اور ایسے نکالی تھی کہ لہجے میں شرمیلے پن کا تاثر نمایاں ہو رہا تھا۔

خوش نصیب نے ہنس کر کہا۔

"وہ تو میں تمہارے پہلے جملے سے ہی سمجھ گئی تھی...اب صرف یہ بتاؤ کہ ...تم اتنی جی دار کب سے ہوگئی کہ محبت جیسی بہادری دکھا سکو؟" اب اس نے ماہ نور کی طرف کروٹ لیتے ہوئے پوچھا تھا

"پاگل! محبت کے لئے جی داری کی نہیں بلکہ صرف دل کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اور دل بھی وہ جس میں عقل نام کی کوئی چیز نہ ہو۔" خوش نصیب نے اتنی بے ساختگی سے کہا تھا کہ دونوں بہنیں ہی ہنس پڑیں۔

"یہ تم نہیں کہو گی تو کون کہے گا؟؟..کیف بیچارہ کیسے اپنا دل ہاتھوں میں لئے تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا رہا ہے لیکن تم نے اسکی قدر ہی نہیں کی۔"

http://kitaabghar.com

"وہ مزاق کرتا تھا یار!" جانے کیوں وہ دکھی سی ہوگئی تھی یہ الگ بات ہے کہ اپنا دکھ ماہ نور سے چھپا گئی۔

"بڑا عجیب مزاق تھا پھر تو...جو وہ اتنی سنجیدگی سے کرتا تھا۔"

"کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے..." خوش نصیب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم چپکے چپکے محبت کا آزار پال کر بیٹھ گئی ہو...ذرا نام تو بتاؤ اس پھنے خان کا۔ جو میری پیاری سی ماہ نور کا دل لے اڑا ہے۔"

اس نے دانستہ لہجے میں خوشگواریت بھرتے ہوئے کہا تھا۔

ماہ نور مسکرائی تھوڑا الجائی اور بولی۔

"شامیر...شامیر ہے وہ۔"

اور خوش نصیب کو ایسا لگا جیسے گیلری کی مخدوش چھت آسمان سمیت اس کے سر پر آن گری ہو۔

☆......☆......☆

"کیا؟" شامیر کا نام سن کر بے ساختہ خوش نصیب نے کہا۔

ماہ نور نئی نئی محبت کے زیر اثر تھی اس نے غور بھی نہیں کیا کہ اپنے ایک اعتراف سے خوش نصیب کو کیسی سلگتی ہوئی بھٹی میں جھونک دیا ہے۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں...مجھے شامیر سے محبت ہوگئی ہے..میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو اس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔آنکھیں کھولتی ہوں تو...تو میری آنکھین صرف اسے ہی دیکھنا چاھتی ہیں.. پتا نہیں..وہ لوگ جو محبت کرتے ہیں وہ سب ایسا سوچتے ہیں یا نہیں..لیکن میرا دل چاھتا ہے خوش نصیب!وہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہے..."

وہ اپنی جھونک میں بولتی جارہی تھی یہ دیکھے بنا کہ خوش نصیب کا منہ اور آنکھیں کچھ حیرانی اور کچھ صدمے سے کھلی ہی رہ گئیں ہیں۔

"...اور پتا ہے خوش نصیب!میں ہمیشہ یہ خواب دیکھا کرتی تھی...لیکن کبھی بھی اپنے خوابوں میں آنے والے اس لڑکے کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی.لیکن جس روز میں نے پہلی بار شامیر کو دیکھا مجھے لگا...مجھے لگا میں ہمیشہ سے اسے جانتی ہوں...وہ جو سفید گھوڑے پر سوار ہوکر میرے طرف بڑھتا چلا آتا ہے...وہ کوئی اور نہیں بلکہ...بلکہ شامیر ہی تھا...مجھے اس بات کی خوشی نہیں ہے کہ کیف کی منگنی صیام سے ہو گئی...پتا نہیں کیوں لیکن مجھے لگتا ہے کیف اسے پسند نہیں کرتا.لیکن اگر اس نے تمہیں کہا ہے تو سچ ہی ہوگا...البتہ صیام کی منگنی شامیر سے نہیں ہو پائی اس بات کی بہت خوشی ہے مجھے.."

شرمیلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ بولتی چلی جارہی تھی۔

"اس خواب کو جتنی جلدی تم بھول جاؤ اتنا اچھا ہوگا....سنا تم نے..."

خوش نصیب کو نا جانے کیا ہوا اس نے ایک دم سے ماہ نور کو کندھے سے دبوچ لیا اور اسے جھنجھوڑ کر بولی۔اس کا لہجہ سخت اور گرفت اس سے بھی زیادہ سختی لئے ہوئے تھی۔

''ہیں...یہ کیا کر رہی ہو خوش نصیب؟'' ماہ نور ہکا بکا ہی رہ گئی۔

''شامیر کا نام تم نے آج لیا ہے...دوبارہ مت لینا۔''

ماہ نور نے اپنا کندھا اس کی گرفت سے آزاد کروایا اور خوش نصیب کو عجیب سی نظروں سے دیکھتی عجیب مخمصے کی کیفیت میں کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔خوش نصیب تیز تنفس اور ماتھے پر پڑے ہوئے بلوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی پھر خود بھی لیٹ گئی۔

گیلری میں پراسراری خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور کھڑکی کی چوکھٹ پر ٹنگا چاند پہلے سے بھی مخدوش دکھائی دینے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''میرے نانا مچھلیوں کے بہت بڑے بیوپاری تھے 1923 میں انہوں نے الویک نام کی دنیا کی سب سے طویل اور نایاب مچھلی پکڑ کر ورلڈ ریکارڈ بھی قائم کیا تھا.مونٹوک کی ہسٹری کی کتابوں میں ان کا ذکر بھی موجود ہے اور لانگ آئی لینڈ کا وہ حصہ جہاں نانا نے مچھلی شکار کی تھی کئی سالوں تک ان کے نام سے جانا جاتا رہا ہے....''

ٹیرس پر بیٹھے آدم بڑے فخر سے بتا رہا تھا۔

منفرا کافی لیکر آچکی تھی اور اب ٹیرس کی گرل سے ٹیک لگا کر کھڑی سینے پر بازو باندھے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔اپنی کیپ شال اتار کر اس نے ایک موٹی اوون کا کارڈیگن پہن لیا تھا جو اتنا کھلا اور بڑا تھا کہ منفرا پر کمبل کی طرح پھیلا محسوس ہو رہا تھا۔یہ اس کے گھٹنوں تک آتا تھا۔سر پر گرم ٹوپی تھی اور ناک ٹھنڈ سے مزید کچھ لال ہو چکی تھی۔

''رکو...میں تمہیں ان کی تصویر دکھاتا ہوں۔'' آدم نے جوش وجذبے کے ساتھ کہا اور سرعت سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔

''ایڈم رکو..معاویہ سے پوچھو تو صحیح اسے تصویریں دیکھنے میں دلچسپی ہے بھی یا نہیں۔''

منفرا آوازیں دیتی رہ گئی لیکن آدم تب تک جا چکا تھا۔منفرا نے جھینپ کر معاویہ کو دیکھا اور وضاحتی لہجے میں بولی۔

''ایڈم کا قد جتنا لمبا ہے عقل اتنی ہی چھوٹی ہے...معمولی باتوں پر اوور ایکسائیٹڈ ہو جاتا ہے۔''

معاویہ ہنس دیا۔

''زندگی میں خوش رہنے کے لئے چھوٹی عقل ضروری ہے..جتنی بڑی عقل ہو زندگی اتنی ہی مشکل ہو جاتی ہے۔''

''اوہو...مجھے نہیں پتا تھا.تم فلسفی بھی ہو..'' وہ خوشگواریت اور شرارت سے بولی۔

''ابھی تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں پتا۔''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
Kitaabghar.com

"اچھا..مثلاً؟" وہ دلچسپی سے گویا ہوئی تو معاویہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھا اس کی ایک ننھی چنگاری کی طرح دہکتی ناک کو زور سے دبانے کی خواہش کو دل میں دبایا اور سنجیدگی سے بات پلٹ دی۔

"مونٹوک میں کچھ ٹورسٹ اٹریکشنز بھی ہیں یا نہیں؟"

"مائی گاڈ۔تم نے ابھی تک مونٹوک نہیں دیکھا؟...اگر مونٹوک نہیں دیکھا تو سمجھو زندگی میں کچھ نہیں دیکھا۔.."

اس اچنبھا ہوا تھا۔اور اس کے بعد وہ جوش وخروش سے اسے مونٹوک کی ہسٹری اور سارے مشہور و معروف مقامات کے بارے میں بتانے لگی تھی۔اسکا سارا زور صرا سی بات پر تھا کہ مونٹوک کو جنت کا صدر مقام تسلیم کرلیا جائے۔

معاویہ کو اس کی اس بات پر تو یقین آیا یا نہیں۔لیکن منفرا کی سرخ ناک کو دیکھتا وہ دلچسپی سے اسکی باتیں سنتا چلا گیا تھا

☆......☆......☆

پوری شام پہلے رات میں ڈھلی اور پھر رات کی چادر سے دن کا اجالا پھیل نکلا۔

نیند خوش نصیب کی آنکھوں سے ویسے ہی دور تھی جیسا کہ رات کے اس پہر جب ماہ نور نے اس پر اپنے دل کی حکائیت بیان کر کے اس کی زندگی کا سکون (جو مٹھی بھر ہی باقی بچا تھا) برباد کر ڈالا تھا۔

لیکن اس صبح دو نئی باتیں اس کی منتظر تھیں۔ایک تو عرفات ماموں کو ہاسپٹل لے جانا پڑا تھا وہ اچھے خاصے بڑے چچا سے بات کرتے کرتے ایک طرف کو بے جان سے ہو کر لڑھک گئے تھے۔وجہ سب ہی کی سمجھ سے بالاتر تھی نہ وہ بیمار لگ رہے تھے نہ انہوں نے اپنی طبیعت خرابی کا کسی سے ذکر کیا تھا۔ہاں شیرو نے بتایا وہ رات بھر بہت بے چین رہے تھے ایک منٹ کے لئے بھی سکون سے سو نہیں پائے تھے۔یہ ٹھیک اسکے بعد کی بات ہے جب کیف اور شامیر بھائی رات کا کھانا کھا کر رخصت ہوئے۔

خوش نصیب کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑا اس نے بے ساختہ شامیر کی طرف دیکھا لیکن وہ بھی فکر مند نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ تھا جس سے خوش نصیب اس کے دل کے چور کا پڑتا لگا پاتی۔

کیف ہاسپٹل گیا ہوا تھا اور پیچھے صباحت تائی جان نے رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں۔ساری خواتین ان کے ارد گرد جمع انہیں تسلی دے رہی تھیں کہ اکلوتا چھوٹا بھائی انشاءاللہ جلد صحت یاب ہو کر گھر واپس آجائے گا۔

اسی اثنا میں شامیر کی والدہ کی آمد کی خبر ملی۔

ان کی اامد خوش نصیب کے لئے حیران کن تھی یا شائد وہ ہی ان کی آمد سے لاعلم تھی۔باقی تو سب جانتے تھے کہ وہ آ رہی ہیں ۔بہر حال اپنی لاعلمی کی بنا پر وہ حیران ہو کر ہی ان سے ملے۔کیا جادوئی شخصیت تھی ان کی۔بولتی تھیں تو لگتا تھا مسحور کرتی ہیں۔خوبصورت اور طرحدار اتنی کہ بس انسان دیکھتا ہی رہ جائے۔ٹھیک ہے بھئی شامیر کی والدہ کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔

ہر بندہ ان سے متاثر نظر آ رہا تھا لیکن خوش نصیب دامن بچا کر نکل آئی۔اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس مسحور کن سو شخصیت کے پیچھے ویسا ہی کوئی پھندہ تھا جو شامیر کی ذات سے بھی جڑا ہوا تھا۔

وہ موقع دیکھ کر ماہ نور کو سمجھانے کھڑی ہوگئی۔

”کچھ خواب صرف بند آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں...آنکھیں کھلتے ہی انہیں بھول جانا چاہیئے۔تم سمجھو شامیر تمہارا ایسا ہی کوئی خواب ہے..جو حقیقت بنا تو تعبیر اس سے بالکل برعکس ہوگی جو تم سوتے ہوئے دیکھتی رہی ہو..“

”دعا نہیں دے سکتی ہو تو بد دعا بھی مت دو؟“ ماہ نور نے ناگواری سے کہا۔

”میں نے تمہیں اپنے خواب کے بارے میں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ تم فوراً مجھے اس خواب سے دستبردار ہونے کا سبق پڑھانا شروع کر دو۔“

چاپنگ بورڈ پر وہ سبزیاں کاٹ رہی تھی۔اس جملے کے ساتھ ایسے کھٹا کھٹ چھری چلائی جیسے سامنے سبزی نہیں خوش نصیب کی گردن پڑی ہو۔

”زندگی میں پہلی بار میں نے اچھے دنوں کا انتظار شروع کیا ہے۔زندگی میں پہلی ہی بار میں نے اپنے کسی خواب کی تعبیر کے سچ ہونے کی دعا کی ہے..اور تم....تم سے میری اتنی سی خوشی بھی برداشت نہیں ہو رہی۔“

خوش نصیب اس الزام پر تڑپ ہی گئی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے...میں تمہیں صرف اتنا سا سچ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں جو آج تک روشن امی ہم دونوں کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہی ہیں...اور وہ سچ یہ ہے کہ اپنی بساط کے مطابق خواب بننے چاہیئں..تم خوبصورت ہو لاکھوں میں ایک ہو...لیکن شامیر وہ انسان نہیں ہے جسے اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے..“

وہ متحمل انداز میں اب اس کی برین واشنگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اور تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟؟؟...ولی اللہ ہوگئی ہو یا وحی نازل ہونے لگی ہے تم پر...جو اتنے وثوق سے اس بات کا اظہار کر رہی ہو۔“

ماہ نور نے سلگ کر کہا تھا۔

”میری ایک بات کان کھول کر سن لو خوش نصیب! زندگی میں پہلی بار میں نے کوئی خواہش کی ہے اور وہ خواہش شامیر کو حاصل کرنے کی ہے..تم یا کوئی بھی اور میرے راستے میں آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا..“

اس کا لہجہ اتنا کڑا تھا کہ خوش نصیب دم بخود سی ہو کر رہ گئی۔

”مجھے لگا تھا اگر کوئی میرا ساتھ دے گا تو وہ تم ہوگی..لیکن شامیر بالکل ٹھیک کہتا تھا...مجھے تمہیں اس کے بارے میں بتانا ہی نہیں

چاہیئے تھا تم سے کبھی کسی کی کوئی خوشی برداشت نہیں ہوتی .تم کینہ پرور اور حسد کرنے والی انسان ہو ...تم ساری زندگی نہ خود کوئی بہتری حاصل کر سکو گی نہ کسی دوسرے کو حاصل کرنے دو گی ۔اب ہٹو میرے راستے سے مجھے کھانا بھی بنانا ہے۔"

اس نے نفرت سے کہا اور ایک طرف سے نکل کر چلی گئی۔

خوش نصب ایسے کھڑی تھی جیسے جسم میں جان ہی نہ ہو۔

تارِعنکبوت۔

تارِعنکبوت۔

☆......☆......☆

پھر دوپہر سے بھی پہلے ہاسپٹل سے اطلاع آ گئی عرفات ماموں کے جسم کے دائیں حصے پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ یہ خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ اچھے بھلے صحت مند و تندرست عرفات احمد کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا تھا۔ سب ہی کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ سوائے ایک شخص کے۔

جس نے موقع ملتے ہی خوش نصیب کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"مجھے افسوس ہے .تمہارا واحد حمائیتی بھی ختم ہو گیا .تمہارا ووٹ بینک تو مضبوط ہونے سے پہلے ہی کمزور پڑتا جا رہا ہے خوش نصیب!"

خوش نصیب نے بدک کر اسے دیکھا۔ اس کی سرگوشی سانپ کی پھنکار جیسی تھی اور اس کی آنکھیں شاطر الو جیسی چمکدار تھیں۔

"عرفات ماموں کو تو میں نے راستے سے ہٹا دیا ..اگلا کون ہو گا اس کا فیصلہ تم خود کرو گی؟..ان کی جان بخش دی ہے باقی کسی کے لئے وعدہ نہیں کر سکتا...بس ایک بات ذہن میں بٹھا لو میں تمہیں ایسے ہی اکیلا کرتا جاؤں گا۔ تمہارے سارے اپنے ایک ایک کر کے تم سے اتنا دور کر دوں گا کہ تم بے بس ہو کر رہ جاؤ گی ...خوش رہو ...خوش نصیب!"

وہ مسکرا کر کہتا ہوا اس کے دل میں اپنا ہراس پھیلائے چلا گیا۔

خوش نصب کا دل کیا وہ چیخیں مار مار کر روئے۔ یہ کس مصیبت میں پھنس گئی تھی وہ۔ پہلی بار۔ ہاں پہلی بار اسے احساس ہوا اب سے قبل گزاری ہوئی زندگی تو ایک نعمت تھی۔ جس کی ابتری کا وہ واویلا مچائے رکھتی تھی۔ اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔

آخر کار اس ناشکری کو شکر گزاری کا خیال آ ہی گیا تھا لیکن اسوقت جب قسمت کی طرف سے ملی ہوئی آسانیاں اس سے چھیننے لگی تھیں۔

۞ ۞

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بھید بھری رات چپ چاپ بہتی چلی جا رہی تھی۔

دھند کا ایک مرغولہ تھا جس نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ سیدھی چلتی ہوئی آئی اور بنا دیکھے داہنی سمت کو مڑ گئی۔

پھر ایک جگہ ٹھہری اور آنکھیں جھپک جھپک کر اپنی بصارت کو اس دھند سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

خدا جانے وہ کہاں تھی۔ زمین پر یا خلا میں بھٹک رہی تھی۔ اس خیال نے اس کے اعصاب شل کر دیئے۔

نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سجھائی دے رہا تھا۔ اندھی نہیں تھی لیکن اندھوں سے زیادہ بے بس کھڑی تھی۔ معاً اسے اپنے کان کے پاس سرسراہٹ سی محسوس ہوئی ایسے جیسے کوئی زور زور سے سانس لے رہا ہو۔ اس احساس نے اس کے دل میں دہشت بھر دی۔ اگلے ہی پل وہ پوری جان لگا کر بھاگنے لگی۔ بنا دیکھے بنا مڑے وہ ناک کی سیدھ میں دوڑتی چلی جا رہی تھی۔

یکا یک اس کے پیر رک گئے۔ اور وہ دم بخود ہو کر دیکھنے لگی۔ دھند کا غبار ایسے چھٹا جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں سے اس کے لئے جگہ بنا دی ہو۔ سامنے ایک کھلا میدان تھا۔ میدان میں ریت ہی ریت بھری ہوئی تھی۔ اس ریت کے میدان سے پرے برگد کا درخت نظر آ رہا تھا جو قدیم اور ہیبت ناک لگتا تھا۔ چوڑے پتے اور زمین کو چھوتی ہوئی جٹائیں تھیں۔ تنا موٹا سا تھا اور اسی تنے سے وہ بندھی تھی۔

مدہوش سی اور نحیف بدن کے ساتھ.. ہاں وہ.... وہی تھی.. ماہ نور۔ اس کی پیاری بہن۔ ماہ نور

خوش نصیب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”ماہ نور!“ وہ حلق کے بل چلائی اور تیزی سے ماہ نور کی طرف دوڑی۔

دور تنے سے بندھی ماہ نور نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر اپنی نحیف گردن اٹھا کر اس طرف دیکھا اور ذرا سی دیر میں ہی اس کی گردن واپس ایک طرف کو ڈھے گئی۔ خوش نصیب کی جان نکل کر جیسے حلق میں اا گئی اس کا بس نہ چلتا تھا اڑ کر ماہ نور کے پاس پہنچ جائے لیکن جتنا آگے بڑھتی تھی اتنا پیچھے دھکیلی جا رہی تھی۔ پیر تھے کہ ریت میں دھنستے جاتے تھے۔

اسی اثنا میں کہیں سے شامیر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تیز دھار چاقو تھا۔ آتے ہی اس نے ماہ نور کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیا یہانتک کہ ماہ نور کا چہرہ اوپر اٹھ گیا ساتھ ہی اس نے خنجر والا ہاتھ بھی ہوا میں بلند کیا۔ خوش نصیب پوری قوت سے دوڑی اور تبھی اسے احساس ہوا۔ وہ ریت جو اسے آگے بڑھنے نہ دیتی تھی۔ دلدل بنی اسے نگل رہی تھی۔ وہ تڑپنے لگی اور اور خود کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن ہر کوشش بے سود۔

ادھر شامیر نے خنجر لہرایا آسمان کی چھٹتی دھند سے بجلی کی ایک لہر خنجر کے پھل سے ٹکرائی اور خنجر ماہ نور کی گردن کے آر پار ہو گیا۔

خوش نصیب کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی اور وہ ایک خوفناک خواب کا حصار توڑ کر جاگ اٹھی۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ فضل منزل کی سب سے اونچی منزل کے سب سے بڑے اور گرم کمرے کی گیلری میں بچھے اپنے بستر پر۔
اس کا حلق بالکل خشک ہو چکا تھا۔ اور جسم پسینے سے تر تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ چند منٹ گزرے تو سب کچھ سمجھ آنے لگا تب دیکھا۔
ماہ نور وہیں کھڑی کھیس تہہ لگا رہی تھی۔ خوش نصیب کی حالت دیکھ کر پریشان سی ہو گئی اور ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی لیکن جوں ہی خوش نصیب اپنے حواس بحال کرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی ماہ نور نے لاتعلقی سے منہ موڑ لیا۔
خوش نصیب کا بے ہنگم طریقے سے دوڑتا ہوا دل بالکل ہی بے جان ہو گیا۔ ماہ نور، شامیر کی مخالفت کرنے پر اس سے اس حد تک خفا ہو چکی تھی کہ اسوقت اگر خوش نصیب خوف کے مارے نیند کے دوران مر بھی جاتی تو یقیناً ماہ نور اسے ہلا کر جگانے کی زحمت ہرگز گوارا نہ کرتی۔
بیحد نرم طبیعت کی مالک، دوسروں کی تکلیفوں کو اپنا سمجھنے والی اور چھوٹی بہن پر جان چھڑکنے والی ماہ نور کے دل میں اس حد تک لاتعلقی اور نفرت ڈال دی تھی اس سے بڑھ کر شامیر کے شر کی گواہی اور ہو بھی کیا سکتی تھی۔
ماہ نور نے سلیقے سے کھیس تہہ لگا کر دروازے کی اوٹ میں رکھی کرسی پر رکھے دیگر بستروں کے اوپر رکھ دیا۔ اس کرسی پر ایسے ہی کئی بستر، لحاف، روزمرہ استعمال کی چادریں وغیرہ رکھی جاتی تھیں۔ کھیس رکھ کر اس نے چارپائی سے اپنا دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلایا اور جوں ہی کمرے سے باہر جانے لگی خوش نصیب نے بے ساختہ اسے پکارا۔
"ماہ نور!"
ماہ نور نے ایک اجنبی سی نظر اس پر ڈالی منہ سے البتہ ایک لفظ نہیں بولی۔ اس اجنبی نظر میں اتنا سرد پن تھا کہ خوش نصیب جھجک سی گئی
"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا
"اگر تم شامیر کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہو تو پہلے ہی بتا دوں۔ اس کے خلاف میں ایک لفظ نہیں سنونگی۔"
"ماہ نور! میری بات تسلی سے بیٹھ کر سنو تو سہی۔" اپنی جگہ سے اٹھ کر خوش نصیب اس کے پاس جاتے ہوئے تقریباً گھگھیا ہی گئی تھی۔
"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔۔ بہن ہوں تمہاری۔۔۔ جو بھی بات کرونگی اس مین تمہاری بھلائی ہی ہوگی۔"
اس نے ماہ نور کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔
ماہ نور جو بیزاری اور سختی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ خوش نصیب کے ہاتھ سے چھڑوالیا اور اسی انداز میں بولی۔
"تم اگر میری اتنی ہی خیر خواہ ہوتی۔۔ تو شامیر کے معاملے میں میرا ساتھ دیتی۔۔"
"تم شامیر کے علاوہ کسی کا بھی نام لے لیتیں۔۔۔ میں تمہارا ساتھ دیتی۔" اس نے سچے لہجے میں کہا تھا لیکن سامنے ماہ نور تھی جو اس وقت ایک ان دیکھے حصار میں قید تھی۔ بظاہر اس حصار کا نام محبت تھا در حقیقت نہیں۔
ماہ نور کی آنکھوں میں نمی دکھائی دینے لگی۔ اسے خوش نصیب سے ایسے جذباتی دھچکے کی امید نہیں تھی۔

http://kitaabghar.com

''میں نے تو زندگی میں کبھی بڑی بڑی خواہشیں نہیں پالیں تھیں خوش نصیب! محبت کرنا تو دور کی بات ہے...میں نے تو کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں کسی کو پسند کرنے لگونگی۔ میں نے تو ہمیشہ صرف تمہاری اور روشن امی کے لئے سوچا تھا..لیکن اب مجھے محبت ہوگئی ہے تو میں کیسے دستبردار ہوسکتی ہوں...وہ بھی صرف اس لئے کیونکہ تمہارے شامیر سے اختلافات ہیں۔''

''میرے اس سے کوئی اختلافات نہیں ہیں...''

خوش نصیب نے تیزی سے کہا۔

اتنی ہی بیزاری سے ماہ نور نے سر جھٹکا تھا۔

''آگے سے ہٹو...مجھے کچن میں بہت کام ہے۔تمہاری طرح سارا دن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا ہوتا میں نے۔''

اس وقت ماہ نور کا لہجہ فضیلہ چچی جیسا دل دکھاتا ہی ہوگیا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں ماہ نور!..میرے شامیر سے کیا اختلافات ہوسکتے ہیں...میری کونسی جائیدادیں پڑی ہیں جنہیں شامیر سے بچانے کے لئے میں تمہیں اس سے شادی کرنے سے منع کرونگی....میری دولت تو روشن امی ہیں۔نانی ہیں اور....اور تو تم ہو ماہ نور!....''

اس نے جذباتیت اور محبت سے ماہ نور کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا تھا۔

''بس بھی کرو....اور کتنا ڈرامہ کروگی''

ماہ نور نے نخوت سے اسکے ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔

''شامیر کی حقیقت میں جانتی ہوں..تم نہیں۔'' خوش نصیب بیچاری روانکھی ہی ہوگئی تھی۔

''اچھا؟....اور کیا ہے شامیر کی حقیقیت؟؟...ذرا مجھے بھی تو پتا چلے ناں؟''

''اس کا اصل چہرہ وہ نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے...وہ تو...''

ایک دم سے بولتے بولتے وہ کھٹک کر رک سی گئی۔دماغ کی دالان میں شامیر کی سرگوشی کھٹ سے آن گری تھی۔

''عرفات ماموں کو تو میں نے راستے سے ہٹا دیا۔اگلا کون ہوگا اس کا فیصلہ تم خود کروگی؟..ان کی جان بخش دی ہے باقی کسی کے لئے وعدہ نہیں کرسکتا..بس ایک بات ذہن میں بٹھا لو میں تمہیں ایسے ہی اکیلا کرتا جاؤنگا۔تمہارے سارے اپنے ایک ایک کرکے تم سے اتنا دور کردونگا کہ تم بے بس ہوکر رہ جاؤگی..خوش رہو..خوش نصیب!''

خوش نصیب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔اب کچھ بعید نہیں تھا کہ ماہ نور کو شامیر کی اصلیت بتانے پر اس کا بھی وہی حال ہوتا جو عرفات ماموں کا ہورہا تھا۔اسے بولتے ہوئے احتیاط کرنا ہوگی۔اس وقت ماہ نور کے سامنے کھڑے خوش نصیب نے سوچا

''اب بولو بھی...چپ کیوں ہوگئی ہو؟؟..بتانے کے لئے کچھ ہے نہیں ناں؟...'' ماہ نور بیزاری سے پوچھتے ہوئے استہزا سے ہنسی۔

http://kitaabghar.com

"شامیر ٹھیک کہتا ہے خوش نصیب! تم ان لوگوں میں سے ہو...جو ساری زندگی نہ اپنا بھلا ہونے دیتے ہیں نہ کسی دوسرے کا...ہٹو آگے سے۔"

اسنے زبردستی خوش نصیب کو سامنے سے ہٹایا اور گیلری سے باہر نکل گئی۔

خوش نصیب اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

منفرا کے لئے معاویہ کو مونٹوک دکھانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنی بطور گائیڈ فراہم کی گئی خدمات کا معاشی فائدے کی بجائے فائدہ حاصل ہونے جا رہا تھا۔ اور لاشعوری طور پر وہ اس بات سے خوش بھی تھی۔

وعدے کے عین مطابق صبح ساڑھے آٹھ بجے معاویہ اس کے دروازے پر موجود تھا۔

منفرا اسے سب سے پہلے لائیٹ ہاؤس دکھانے لے گئی جو

سفید رنگ کے ٹراؤزرز کے ساتھ بے بی پنک ٹاپ اور اس پر ذرا گہرے پنک کلر کی ڈھیلی سی شرگ پہنے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ بولنا شروع کرتی تو بولتی ہی چلی جاتی تھی۔

لائیٹ ہاؤس اس دور میں تعمیر کیا گیا اس سن میں فلاں فوج نے اس پر قبضہ کیا فلاں فوجیوں نے اسے آزاد کروایا۔ اس سن میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ یہ پتھر اس دور میں آیا۔ دروازے کی یہ چوکھٹ اس لکڑی کی بنی ہے جو دور دراز جزیرے پر پایا جاتا ہے۔ اتنے علاقے کو بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ ٹاور کی اونچائی کتنی ہے اور جس چوٹی پر یہ ٹاور کھڑا ہے وہ سطح سمندر سے کتنی بلندی پر واقع ہے۔

گویا اس کے پاس ہر وہ معلومات موجود تھی جس سے کم سے کم معاویہ کو تو رتی بھر بھی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے کئی بار منفرا کو ٹوکنے کا ارادہ کیا لیکن پھر خاموش ہی رہا۔ نجانے کیوں؟ یہانتکہ منفرا کی نظر اس کے اکتائے ہوئے چہرے پر پڑ گئی اور وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ چند سیکنڈ بعد اس نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟...تمہیں دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"میں اتنی دیر سے بول رہی ہوں...تم مجھے ٹوک سکتے تھے۔" منفرا نے قدرے حیرانی سے کہا تھا کیونکہ معاویہ جیسے بندے سے یہ توقع تو فضول ہی تھی کہ وہ اب تک مروت میں خاموشی سے اسے سن رہا ہو گا۔

"ٹوکنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی تو اسٹاپ چاہیئے ہوتا ہے...میں حیران ہوں تم لڑکیاں نان اسٹاپ کیسے بول لیتی ہو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اسوقت اسکی آنکھیں شرارت سے جگمگا اٹھی تھیں۔ کسی مرد کی آنکھیں اتنی خوبصورت کیسے لگ سکتی ہیں۔ منفرا نے دل میں سوچا۔

"اگر تم جیسے لڑکے ہمہ وقت اریوگنٹ (مغرور) بن کر رہ سکتے ہیں تو ہم لڑکیاں نان اسٹاپ کیوں نہیں بول سکتیں۔" اب منفرا نے بھی

مروعت کو ایک طرف رکھ کر کہا تھا۔

معاویہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں اریوگنٹ ہوں۔"

منفرا نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر یہاں کی ہسٹری سے دلچسپی نہیں ہے تو کہیں اور چلیں؟؟...مونٹوک میں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جنہیں وزٹ کرنا تمہارے لئے خوش آئند ثابت ہوسکتا ہے..مجھے امید ہے تمہارے مزاج کی تلخی پر بھی خاطر خواہ اثر پڑے گا۔"

وہ نا چاہتے ہوئے بھی بڑے سرد لہجے میں بول رہی تھی۔معاویہ نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کا دل شرارت سے بھر گیا۔لائیٹ ہاؤس دلچسپ جگہ نہ سہی لیکن منفرا دلچسپ لڑکی ہی تھی۔اور ایک دلچسپ لڑکی کے ساتھ ایک غیر دلچسپ جگہ گھوم پھر لینے میں بھی کوئی مزائقہ نہ تھا۔

اس لمحے معاویہ نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں تلے چھپاتے ہوئے منفرا کو کچھ مارکس دیئے اور کسی اور جگہ جانے کے لئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ضرور...لیکن اب کسی ایسی جگہ لیکر جانا جہاں کی رٹی رٹائی تاریخ مجھے سنانے کی بجائے تم مجھے اس کی کہانی سنا سکو۔"

منفرا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کہانی؟"

"ہاں کہانی...جیسے ہم سب کی کوئی نہ کوئی کہانی ہوتی ہے جس میں کچھ رنگ ہوتے ہیں کچھ اذیتیں ہوتی ہیں۔..اسی طرح ہر جگہ کی بھی کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ہوتی ہے۔"

"اس ٹاور کی صرف وہی کہانی ہے جو میں ہر ٹورسٹ کو سناتی ہوں۔"

"پھر اس کہانی کو سنانے کے لئے تمہاری کیا ضرورت ہے...جو اعداد و شمار تم بتا رہی ہو یہ تو گوگل بھی بتا سکتا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔منفرا کا چہرہ خفت سے لال پڑ گیا۔

اسے ایک دم احساس ہوا شکل سے مغرور اور بے حس دکھائی دینے والا یہ وجیہہ انسان اصل میں اس سے بھی زیادہ مغرور تھا جتنا وہ اب تک اسے سمجھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

"شامیر کی یہ شروع سے عادت رہی ہے۔ملکوں ملکوں گھومتا پھرتا ہے۔نئی نئی ثقافتوں کا شیدائی ہے...کسی ایک جگہ ٹک کر رہنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں ہے۔..لیکن اب میں دیکھ رہی ہوں...آپ کے گھر اس کا کچھ زیادہ ہی دل لگ گیا ہے اس کا۔"

شامیر کی والدہ جنہیں سب فاطمہ کہہ کر پکار رہے تھے اس وقت بڑے کمرے میں موجود تھیں۔اور بڑے طرح دار انداز میں اپنے بیٹے کی عادات پر روشنی ڈال رہی تھیں۔

کہنے کو شامیر کی والدہ تھیں لیکن کسی بھی طرح اس کی بڑی بہن سے زیادہ معلوم نہ ہوتی تھیں۔اس عمر میں بھی ان کی جلد بے داغ اور جھریوں سے بے نیاز تھی۔لمبے قد پر ساڑھی بہت جچ رہی تھی۔پورے آستین کے بلاوز کے ساتھ بھی داہنی کلائی میں انہوں نے ایک نازک سا بریسلیٹ پہنا ہوا تھا۔انگلیاں مخروطی اور ناخن صاف ستھرے۔مصنوعی رنگ سے پاک۔

خوش نصیب نے خود دیکھا فضیلہ چچی جن کی خوبصورتی خاندان بھر میں مانی جاتی تھی بار بار فاطمہ بیگم کے ہاتھوں کو دیکھتیں اگلی حسرت بھری نظر ہاتھوں پر ڈالتیں جو اس عمر میں خوبصورتی کے کسی بھی معیار پر پرکھے جانے کے قابل بھی نہ رہے تھے اور چپکے سے انہیں آنچل میں چھپا کر کوئی اگلا موضوع چھیڑ دیتی تھیں۔

دوسری طرف شامیر مگن اور لاپرواسا بیٹھا کیف سے باتیں کر رہا تھا آج اسنے ایک بھی بار خوش نصیب کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی نہ ہی اپنی کمینگی اور شیطانیت سے بھری مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی۔

ماں کی موجودگی میں شائد تھوڑا محتاط ہو گیا تھا یا شائد خوش نصیب سے اس کا دھیان ہی ہٹ چکا تھا۔جو بھی تھا یہ دن خوش نصیب کے لئے قدرے سکون کا باعث ثابت ہو رہا تھا۔آج نہ سارا دن اس کا دل گھبرایا نہ بیٹھے بیٹھے وہ حال سے کٹ کر کسی اور جہاں کو نکلی تھی۔بس وہ ایک خواب تھا جو پچھلی رات اپنا اثر اس کے ذہن پر چھوڑ کر جا چکا تھا۔

ماہ نور کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے شامیر سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔اسنے سوچ لیا تھا شامیر جیسے کمینے انسان کی ساری باتیں تو خیر نہیں ماننے کی لیکن ماہ نور کو بچانے کے لئے اس کی منت سماجت کرنے کا ارادہ بہرحال بنا لیا تھا۔لیکن کوئی مناسب موقع اسے مل کر ہی نہ دے رہا تھا۔

اسے یہاں بیٹھ کر شامیر کی تعریفیں سننے کا بھی کوئی شوق نہیں تھا نہ وہ ان خاتون سے متاثر ہو رہی تھی۔جیسا کہ گھر کی دیگر خواتین کا حال ہو رہا تھا۔ہاں یہ ضرور تھا کہ اپنی حسن پرست طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خوش نصیب نے ان کی خوبصورتی کو دل سے کئی بار سراہا تھا۔وہ شامیر کی والدہ تھیں۔اور ان سے مل کر خوش نصیب کو احساس ہوا تھا شامیر نے اپنی وجاہت میں ماں کی خوبصورتی کا ہی عکس لیا ہے۔ان کے شوہر کا کئی سال پہلے انتقال ہو چکا تھا اور امریکہ میں رہ کر انہوں نے ایک خود مختار عورت کی طرح اپنے بیٹے کی پرورش کی تھی۔وہ بجا طور پر اپنی جدوجہد پر نازاں اور اپنے اکلوتے بیٹے سے خوش دکھائی دیتی تھیں۔جو کچھ وہ بتا رہی تھیں اسے سن کر انسان انہیں حق بجانب بھی سمجھ سکتا تھا۔

اب خدا جانے انہیں اپنے اس ہونہار سپوت (طنز) کے کرتوتوں کا علم تھا بھی یا نہیں۔بظاہر تو سچ بات ہے لاعلم ہی لگ رہی تھیں۔

خود چونکہ بہت محنت والی زندگی گزاری تھی اس لئے روشن امی کی محنت اور جدوجہد کو بھی خوب سراہ رہی تھیں۔

شامیر کسی کام سے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگا تو خوش نصیب ایک دم حرکت میں آ گئی۔وہ اب تک یوں بھی صرف روشن امی کی

تاکیدسن کررکی ہوئی تھی۔صبح سویرے ہی اسے مہمان کے ساتھ اخلاق اور تمیز سے پیش آنے کا درس پڑھایا جاچکا تھا۔لحاظہ یہاں بیٹھے رہنا بھی ضروری تھا لیکن جوں ہی شامیر کمرے سے نکلا خوش نصیب بھی اس کے پیچھے باہر کو لپکی۔

اپنی ذہنی الجھنوں کا شکار، بیزار اور عجلت باز خوش نصیب کو احساس تک نہ ہوسکا۔شامیر کے یوں پیچھے لپکنا سب نے ہی نوٹس کیا تھا۔بہرحال وہ شامیر کے پیچھے ہی باہر نکل آئی اور کچن سے منسلک راہداری میں اسے جان لیا۔

”رکو...مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

رعب ڈالنے والا انداز نہیں تھا الٹا ایسا لگتا تھا ابھی رو دے گی۔

شامیر نے مڑ کر ایک لاتعلق سی نگاہ اس پر ڈالی۔

”بعد میں آنا۔ابھی میں فارغ نہیں ہوں۔“

”میں زیادہ وقت نہیں لونگی۔“وہ ایک دم سے اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

”تم ماہ نور کے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے۔“

اس نے طنزیہ ہنکارہ بھرا۔

”ابھی میں نے کچھ کیا ہی کہاں ہے...ابھی تو صرف ارادہ کیا ہے۔“وہ دوستانہ انداز میں ہنسا

”تمہاری جنگ مجھ سے ہے...میرے گھر والوں کو اس میں شامل مت کرو۔“منت سے بولتی اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آگئے تھے

”ارے ہم دوستی کرنا چاہ رہے ہیں اور تم جنگ چھیڑنے کی باتیں لیکر بیٹھ گئی ہو۔“اس نے ایسے نرمی سے اور مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا کہ خوش نصیب اس کی اصلیت سے واقف نہ ہوتی تو ضرور اس کی سچائی پر ایمان لے آتی۔

”کس قدر نا سمجھ لڑکی ہو تم....اور پلیز رومت...یہ جھوٹے آنسو بہا کر تم تو کیا دنیا کی کوئی عورت مجھے قائل نہیں کرسکتی۔تمہارے آنسو تو ویسے ہی مجھے خوشی پہنچاتے ہیں...کیونکہ تمہارا ایک ایک آنسو تمہاری بے بسی کی علامت ہے...اور میں تمہیں بے بس ہی دیکھنا چاہتا ہوں...جیسے مچھلی تڑپتی ہے.. پانی سے باہر آکر...مرنے سے پہلے۔“

دوستانہ انداز میں بولتا مسکراتے مسکراتے اس کی آنکھیں وحشی پن سے بھر گئیں۔ایسے جیسے شکاری اپنے شکار کو دیکھ رہا ہوتا ہے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ۔

”سب ٹھیک ہے ناں؟“

معاًان دونوں کو پیچھے سے فاطمہ بیگم کی آواز سنائی دی۔خوش نصیب تو اچھل ہی پڑی لیکن شامیر بڑے سکون سے پلٹا تھا اور ماں کو دیکھ کر خوبصورتی سے مسکرایا تھا۔

"سب ٹھیک ہے... ہم بس موسم کا حال ڈسکس کر رہے تھے۔"

لیکن فاطمہ بیگم کو خوش نصیب کے آنسوؤں نے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"موسم میں ایسا کیا ہے کہ اس بچی کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے؟" انہوں نے الجھ کر پوچھا تھا خوش نصیب ایک بار پھر سٹپٹائی اور تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

شامیر نے اسے جاتے دیکھا پھر ماں سے بولا۔

"اس کے... یہاں پر... تھوڑا سا مسلہ ہے۔" اس نے پہلے انگوٹھے سے خوش نصیب کی طرف اشارہ کیا پھر اسی ہاتھ کو اپنے دماغ تک لے جا کر کہا تھا۔

"اس لئے اسے اگنور کریں... یہ بتائیں۔ آپ جس کام کے لئے آئی ہیں وہ کب شروع کریں گی؟"

"جلد ہی..." انہوں نے پیار سے مسکرا کر بیٹے کا گال تھپتھپایا تو اس نے ماں کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا

ایک معنی خیز رابطہ ان دونوں کے درمیان بھی محسوس ہوتا تھا۔

☆......☆......☆

کچھ آگے جا کر معاویہ نے مڑ کر دیکھا منفرا ابھی تک وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑ کر وہ اسے آگے بڑھا تھا۔

"سو کیا پلان ہے؟... تم مجھے کہیں اور لے جا رہی ہو؟"

اس نے سادگی سے پوچھا اور منفرا کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ وہ بندہ پل میں تولہ پل میں ماشہ کی اعلیٰ مثال تھا۔ ابھی اپنے کہے جملے کی تلخی کا شائد اسے احساس تک نہیں ہوا تھا کہ کس بری طرح سے منفرا کو شرمندہ کر گیا ہے۔

"میں تمہیں کہیں ضرور لیکر جاتی لیکن میرے پاس بھی اتنی ہی معلومات ہیں جتنی بقول تمہارے تمہیں گوگل دے سکتا ہے۔ میں نے ہسٹری کو ہمیشہ اعداد و شمار کے ساتھ ہی پڑھا ہے کبھی اس میں کہانیاں تلاش نہیں کیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے انداز میں ٹھہرنے کا کوئی اشارہ نہیں تھا بلکہ وہ متنفر ہو چکی تھی۔ اور اب یقیناً اس کا معاویہ کو مزید مونٹوک کی سیر کروانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔

معاویہ نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

"تمہیں شائد میری بات بری لگی۔"

اللہ رے... کیا معصومیت تھی۔ یعنی ابھی بھی پوچھا جا رہا ہے کہ بات بری لگی یا میرے کہے ہوئے جملوں کو آپ نے کسی اعزاز کی طرح

محسوس کیا ہے۔ کچھ لوگ پیدائشی سر پھرے ہوتے ہیں انہیں پہلے دن سے اتنی اہمیت مل چکی ہوتی ہے کہ وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر بھی جانتے ہیں انہیں دیکھا جا رہا ہے ان پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ یہ احساس، تفاخر ان کے خون میں گردش کرنے لگتا ہے۔ معاویہ اردشیر ازی بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ اور منفرا کو بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا وہ اسے غیر ضروری اہمیت دینے کی مرتکب ہو چکی ہے۔

محض چند منٹوں میں وہ دل ہی دل میں معاویہ سے جی بھر کے متنفر ہو چکی تھی اور یہ تنفر اس کے چہرے پر بھی جھلکنے لگا تھا۔ معاویہ نے اسے دیکھا اور خود کو ہنسنے سے روک نہیں سکا۔ اس کی ہنسی منفرا کی نازک مزاجی پر اور بھی بجلی بن کر گری تھی۔

''تمہیں کسی نے بتایا ہے منفرا! تم ناراض ہوتی ہو تو بالکل ایک چھوٹی سی بچی کی طرح لگنے لگتی ہو۔''

''کیا میں اسے کامپلیمنٹ سمجھوں؟''

''جو بھی تمہارا دل کرے۔۔'' وہ مسکراتا ہوا زینے پر بیٹھ گیا۔ سامنے لائیٹ ہاؤس کا گھاس سے ڈھکا ہوا میدان تھا۔ جس کے دوسری جانب چوٹی کا اختتام ہوتا تھا اور اسی کنارے پر سورج جگمگا رہا تھا۔ یہ ایک روشن، گرمائش سے بھرپور دن تھا۔

''یہاں آؤ.. میں تمہیں اس ٹاور کی کہانی سناتا ہوں۔'' معاویہ نے سامنے دیکھتے ہوئے کہنیاں گھٹنوں پر رکھیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر دوستانہ انداز میں کہا۔

منفرا بری طرح چونک گئی۔ اسے بھلا لائیٹ ہاؤس کی کہانی کہاں سے پتا چلی ہو گی۔ اس نے سوچا لیکن میکانکی سے انداز میں جا کر اس سے کچھ دور بیٹھ گئی۔ اور نا چاہتے ہوئی بھی ہمہ تن گوش ہو کر اس کے بولنے کی منتظر ہو گئی۔

''ایک اطالوی جوڑے نے خودکشی کی تھی... تمہیں پتا ہے؟'' اس نے خفیف سی گردن موڑ کر منفرا کو دیکھا اور سوال کیا۔ منفرا کو حیرانی ہوئی لیکن اتنی بھی نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کافی پرانی بات ہے... میرا خیال ہے اسوقت میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔''

اس کی حس مزاح بھی خوب تھی اس نے ثابت کیا۔ معاویہ محظوظ ہو کر ہنسا اور پھر ایک تسلسل میں بولتا چلا گیا۔

''اہم بات یہ نہیں کہ کسی نے اس ٹاور کو خودکشی کے لئے پسند کیا تھا اہم بات یہ ہے کہ اس جوڑے کی خودکشی کے بعد ان کی یاد میں یہاں موم بتیاں جلائی گئی تھیں۔ اور روائت قائم ہو گئی تھی کہ جو بھی جوڑا یہاں آئے گا اور ٹاور کی سب سے اوپری منزل پر کھڑا ہو کر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنے رشتے کے تاعمر قائم رہنے کی دعا مانگے گا۔ خدا اس دعا کو قبول کرے گا۔ بہت سے کپلز نے اس روائت کو دوہرایا اور محبت کے نام پر یہاں دعائیں مانگیں۔ اس ٹاور کے کنگرے نے اب تک اتنی دعائیں سنی ہیں جتنی فٹ شائد اس کی بلندی بھی نہیں ہو گی۔''

وہ ایک لے میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی جو غالباً اس خودکشی کرنے والے مرحوم جوڑے کی یاد میں جلائی جانے والی موم بتیوں کی لو سے پیدا ہوئی ہو گی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

"مجھے یاد آیا۔ میرے نانا جب تک زندہ تھے وہ یہ قصہ سنایا کرتے تھے..رکو.. مجھے اس اطالوی جوڑے کا نام یاد کرنے دو۔" منفرا نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا اور کنپٹی پر انگلی رکھ کر ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

"رہنے دو.. تمہیں ان کا نام یاد نہیں آئے گا۔" معاویہ ہنس دیا۔

"جب تمہیں ان کی کہانی ہی یاد نہیں رہی تو نام کہاں یاد رہے ہونگے۔" وہ طنز نہیں کر رہا تھا لیکن منفرا کو ایسا ہی لگا کہ طنز کیا گیا ہے۔

"ایسی بات ہے تو نام بھی تم ہی بتا دو۔"

"نام تو مجھے بھی یاد نہیں.. صرف ان کی داستان یاد تھی۔" وہ کندھے اچکا کر بولا

"ویسے کیا تم محبت کے آفاقی پن پر یقین رکھتی ہو؟"

"سو فیصد۔" منفرا نے ترنت کہا۔ "اب یہی دیکھ لو.. محبت نے ہی ان دونوں کو اتنا بہادر بنا دیا تھا کہ وہ اس ٹاور سے لود کر زندگی جیسی پیاری چیز سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو گئے۔"

"لیکن کیا فائدہ ہوا انہیں اس خودکشی سے؟.. محبت کے نام پر جان ہی گنوانی ہو تو انسان اتنا نام تو کمائے کہ رومیو جولیٹ کی طرح تا عمر یاد رکھا جائے۔" اس نے طنزیہ ہنکارہ بھر کر کہا تھا

"تم کچھ عجیب سی بات کر رہے ہو... ناموری کے لئے کون خودکشی کرتا ہے۔" اس نے ذرا چڑ کر کہا تھا۔

"خدا جانے وہ دونوں بیچارے کتنے مایوس ہوئے ہونگے موت انہیں کھینچ کر اس ٹاور تک لے آئی۔"

"میں تو اسے سراسر بیوقوفی ہی کہونگا۔ محبت وحبت وقتی چیزئیں ہوتی ہیں.. اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً اب تک دادا دادی تو بن ہی چکے ہوتے۔ ایک دوسرے سے شادی نہ بھی ہو پاتی تو کسی اور سے ہو جاتی۔.. محبت کے لئے اپنی اور کسی کی زندگی ختم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔" وہ بڑی لاپروائی سے بول رہا تھا

"یہ تم کہہ رہے ہو؟... وہ انسان جو خود محبت کی خاطر زندگی کی رعنائیوں کو نظرانداز کر کے بیٹھا ہوا ہے۔" معاً منفرا کی زبان سے پھسلا۔

معاویہ نے بدک کر اسے دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟.. کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" وہ ایک دم سے سرد لہجہ اختیار کر گیا تھا منفرا کو وہ وہی معاویہ لگنے لگا جسے وہ کئی مہینوں سے پارک میں رکھتی رہی تھی۔

"میں تمہاری بیوی کے بارے میں بات کر رہی ہوں...." منفرا نے حلق تر کرتے ہوئے کہا۔

"یونیورسٹی میں مشہور ہے کہ... وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی اور تم نے اب تک اس کی محبت میں اسے بھلایا نہیں ہے۔"

"بکواس ہے یہ۔" وہ ایک دم غرایا اور جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

منفرا پر شرمندگی کا آسمان آ گرا۔ بولنے میں وہ اتنی لاپرواہ نہیں تھی پتا نہیں اس کی زبان کیسے پھسل گئی تھی۔

"آئی ایم سوری.... میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا...." اس نے فوراً کہا لیکن اب وقت ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ معاویہ اردشیر ازی غصے سے بھرا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ یکایک منفرا کو غضبناک نظروں سے گھورتا ہوا وہ پلٹا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"معاویہ! پلیز میری بات سنو" اپنی جگہ کھڑی چلائی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے پیچھے جاتی۔ ایک میکانکی طاقت نے اس کے پیروں کو جکڑ رکھا تھا۔ معاویہ چلا گیا وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

ں ہوا میں مُکا لہرایا اور اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنے بولنے پر پچھتاوا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب گھبرا کر عرفات ماموں کے پورشن میں آ گئی۔

وہ بیچارے بستر پر آنکھیں موندے لاچار پڑے تھے۔ قریب ہی شیرو پلنگ کی کنارے سے ماتھا ٹکائے بیٹھا چپکے چپکے آنسو بہا رہا تھا۔

خوش نصیب کو پچھتاوؤں نے گھیر لیا۔ روئی ہوئی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی چمکنے لگی تو کچھ خیال آنے پر اس نے جلدی سے آنکھیں پونچھیں اور گلا کھنکھار کر شیرو کو متوجہ کیا۔

"ایسے کیوں بیٹھے ہو شیرو؟"

اس کے گلا کھنکھارنے پر شیرو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور شکوہ کناں انداز میں بولا۔

"دیکھیں ناں خوش نصیب باجی! سر بولتے ہی نہیں ہیں.. میں منتیں کر کر کے تھک گیا ہوں۔"

وہ بری طرح سسکنے لگا تھا خوش نصیب کا سر شرمندگی سے جھکنے لگا۔

اس کے گلا کھنکھارنے پر جہاں شیرو نے سر اٹھایا تھا وہیں عرفات ماموں نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔ خوش نصیب سے نظر ملی تو وہ اور بھی تڑپ اٹھی ان کی ذہین اور حوصلہ مند آنکھیں بیماری کے بوجھ سے بند ہوتی تھیں۔

"پہلے سر ڈانٹ لیتے تھے۔ میں شکوہ کرتا تھا کہ جب دیکھو ڈانٹ رہے ہیں تو کہتے تھے زبان چلاتے ہو.. آپ ان سے کہیں ناں ...اب ڈانٹیں گے تو میں ایک لفظ نہیں بولوں گا.... بلکہ.. بلکہ ان سے کہیں یہ مجھے ماریں۔ لیکن ایسے بے بس ہو کر مجھے نہ دیکھا کریں۔"

وہ اتنی بری طرح سے رو رہا تھا کہ خوش ل صیب اپنے آنسوؤں پر زیادہ دیر قابو نہیں رکھ سکی۔ رونے لگی تو پھر روتی ہی چلی گئی۔

اسی آن کیف اندر داخل ہوا ان دونوں کو زار و زار روتے دیکھا تو پریشان سا ہو کر عرفات ماموں کی طرف لپکا۔ وہ بیچارے بیماری کے زور کے باوجود پریشان آنکھوں سے ان دونوں کو روتا دیکھ رہے تھے۔

کیف کو دیکھ کر ا نکھوں میں مدد کی درخواست سمٹ آئی۔ دوسری جانب کیف نے انہیں زندہ سلامت دیکھ کر سکون کی سانس لی اگلے

ہی پل غصے سے تن فن کرتا ان دونوں کی طرف پلٹا۔

"نکلو تم دونوں کمرے سے..تم دونوں اس قابل ہی نہیں ہو کہ کسی مریض کے پاس تمہیں بیٹھا رہنے دیا جائے..کوئی مرے نہ مرے۔تم دونوں کے بین ضرور اسے مار دیں گے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟...اللہ نہ کرے عرفات ماموں کو کچھ ہو۔" وہ دہل کر بولی تھی۔

"جیسے تم ان کے سرہانے کھڑی ہو کر بھاں بھاں کر کے رو رہی ہوناں...وہ بیچارے اتنے بیماری سے مایوس نہیں ہوئے ہونگے جتنا تمہیں روتا دیکھ کر ہو گئے ہیں۔" کیف نے بری طرح ڈپٹ ڈالا تھا۔

خوش نصیب شرمندہ سی ہو گئی اسے واقعی اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔اس نے گال پونچھتے ہوئے معذرت خواہانہ نظروں سے ماموں کو دیکھا۔اور سر جھکا کر بولی۔

"سوری۔"

کیف نے جواب میں غصب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور شیرو کو ڈپٹ کر بولا۔

"تم جا کر اپنی روتی صورت درست کرو۔اور چائے بنا کر لاؤ..تمہاری طبیعت تو میں بعد میں ٹھیک کرونگا۔پہلے ان محترمہ سے نمٹ لوں۔"

شیرو شرمندہ شرمندہ سا باہر نکل گیا تو عرفات ماموں اشارے سے کیف کو کچھ کہنے لگے جسے سمجھنے کے لئے کیف مستعدی سے ان کے قریب جھک گیا۔خوش ں صیب بھی پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھی لیکن سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔چند منٹ کے بعد کیف ان کی بات سمجھ پایا تو پہلے ناراض سی نظر خوش نصیب پر ڈالی پھر کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے رکھی۔

"صرف عرفات ماموں کی وجہ سے معاف کر رہا ہوں تمہیں۔اگلی بار ایسے روتی ہوئی نظر ائی تو یاد رکھنا.ایک جھانپڑ کھاؤ گی مجھ سے۔"

اس کا کہنے کا انداز جارحانہ تھا خوش نصیب نے شرمندہ سی ہو کر سر جھکایا اور کرسی کی طرف ہاتھ بڑھایا تبھی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کیف نے کرسی کی بیک پر ہاتھ رکھا اور ڈٹ کر بیٹھ گیا۔

خوش نصیب نے بری طرح شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"اب کیا میرے سر پر ہی کھڑی رہو گی؟...بیٹھ بھی چکو۔"

خوش نصیب جلدی سے عرفات ماموں کے پیروں کی طرف بیٹھ گئی۔

چند منٹ اموشی سے گزرے کیف نے عرفات ماموں کے قریب جھک کر کچھ کھسر پھسر کی پھر روٹھے انداز میں ایک نگاہ غلط اس پر ڈال کر بولا۔

"ماموں پوچھ رہے ہیں تم اتنی اداس کیوں لگ رہی ہو؟"

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

"کک...کون میں؟"

"اور نہیں تو کیا میں؟"

"نن..نہیں...اداس تو نہیں ہوں۔"

کیف کے ڈر سے اس نے جلدی سے کہا تو وہ گھور کر بولا۔

"سچ بولو۔"

خوش نصیب کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسوا اگئے۔آج کل دل جانے کیوں اتنا بوجھل سا رہنے لگا تھا۔

"ڈانٹ کیوں رہے ہو؟"

کیف نے گہری سانس لی اٹھ کر اس کے قریب آیا اور آواز دبا کر بیزاری سے بولا۔

"تمہیں ٹسوے ہی بہانے ہیں تو پلیز یہاں سے چلی جاؤ...میں نہیں چاھتا عرفات ماموں تمہیں ایسے روتا دیکھ کر پریشان ہوں۔تم نے اپنے علاوہ کسی دوسرے کا احساس کرنا تو سیکھا نہیں ہے...کم سے کم ایک بیمار انسان کا تو خیال کرلو۔"

کیف کا سرگوشی نما لہجہ اتنا بدگمان تھا کہ خوش نصیب کا دل ہی ٹوٹ گیا اس نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی کیف کی ناراضی ماند پڑ گئی۔بدگمانی نہیں۔

اس کی آنکھوں میں آنسو وہ کبھی بھی نہیں دیکھنا چاھتا تھا۔لیکن جو کچھ اس نے کیا اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا،محبت بیوقوفی کا مارجن ضرور دیتی ہے لیکن خود سے کھیلنے کا ہرگز نہیں۔

☆......☆......☆

وہ بیزار سی کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔حد درجہ مایوسی اسے گھیرے ہوئے تھی ایسے ہی نیند آ گئی اور دوبارہ آنکھ کھلی تو مغرب کی آزانیں شروع ہو چکی تھیں اور روشن امی اسے ڈپٹ کر جگا رہی تھیں۔

"سو دفعہ سمجھایا ہے ایسے وقت میں مت سویا کرو..لیکن تمہیں بھی بری عادت پڑ چکی ہے..چلو اب اٹھ کر منہ ہاتھ دھو اور کچن میں آ کر ماہ نور کا ہاتھ بٹاؤ...وہ بیچاری صبح سے اکیلی لگی ہوئی ہے۔"

خوش نصیب عادت کے برعکس اٹھ کر باتھ روم مین چلی گئی۔اور وہاں سے نکلی تو سیدھی کچن میں ہی آئی گو کہ جانتی بھی تھی ماہ نور اپنی ناراضی کی بنا پر اس کی مدد ہرگز لینا گوارا نہیں کرے گی۔پھر بھی آ گئی کہ روشن امی کا حکم تھا۔

یہاں گھر کی ساری خواتین مع مہمان خاتون محفل جمی ہوئی تھی۔

خوش نصیب بیزار بیزار سی آ کر بنا ماہ نور سے پوچھے ہی سلاد بنانے لگی۔

فاطمہ بیگم نے اسے دیکھا تو مسکرائیں۔

"سچ تو یہ ہے روشن! کہ مجھے تمہاری دونوں بیٹیاں ہی بیت اچھی لگی ہیں۔ اتنی اچھی تربیت کی ہے تم نے۔ کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن بچوں کی پسند ناپسند کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے...." متبسم لہجہ خوشگوار انداز۔

خوش نصیب کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسنے بڑا چونک کر ماہ نور کو دیکھا وہ سرمیلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے فٹافٹ ٹرائفل کے پیالے سجا رہی تھی۔

خوش نصیب ہاتھ میں چھری لئے پلٹی۔ اور طرح دار خاتون کو دیکھا۔

"...اب تم اور مت سوچو اور مجھے ہاں میں جواب دو... یقین کرو میں صرف ماہ نور کو اپنی بہو بنانے پاکستان آئی ہوں۔"

خوش نصیب کے سر پر کچن کی پوری چھت ہی جیسے آن گری تھی۔ فاطمہ بیگم کا مطالبہ اتنا حیران کن نہیں تھا جتنا اسے ہکا بکا روشن امی کی حوصلہ افزا مسکراہٹ نے کر دیا تھا۔

"یہ... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟... آپکا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

اس سے قبل کہ روشن امی اپنی حوصلہ افزا مسکراہٹ جیسا ہی جواب دیتیں خوش نصیب غرائی اور چھری والے ہاتھ کے ساتھ ان کی طرف جھپٹی تھی۔ دراصل وہ اتنی زیادہ پریشان ہو چکی تھی کہ اسے اپنے ردعمل پر قابو نہیں رہا تھا۔

اس کی غراہٹ کے ساتھ کچن میں جیسے سب کو ہی سانپ سونگھ گیا تھا اور سب کی ہی گردنیں خوش نصیب کی طرف مڑ گئی تھیں لیکن اگلے ہی پل جب وہ جھپٹی تو سب ہی ہکا بکا ہو گئے۔

روشن امی نے لپک کر اسے پکڑا۔

"خوش نصیب پاگل تو نہیں ہو گئی۔"

فاطمہ بیگم الگ شاکڈ سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ ماہ نور پریشان۔

"پاگل میں نہیں یہ خاتون ہو چکی ہیں... جو اپنے دھوکے باز بیٹے کے لئے ماہ نور کو مانگ رہی ہیں۔" وہ پاگلوں کی طرح بول رہی تھی۔

اس کی آوازیں اتنی بلند تھیں کہ باہر سے تمام مرد حضرات بھی دوڑے چلے آئے تھے اور ظاہر ہے ان کی شامیر اور کیف بھی شامل تھے۔

"جب اس کا بس صیام پر نہیں چلا تو اس نے ماہ نور کو اپنا شکار بنانے کا سوچ لیا۔" وہ اب شامیر کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت اور غصے سے بول رہی تھی۔

"لیکن میں تمہیں تماہرے عظائم میں کامیاب نہیں ہونے دونگی... تمہارا اصل چہرہ میں سب کو دکھاؤنگی... اور صرف تمہارا نہیں... تمہاری ماں کا بھی..."

''خوش نصیب! تمیز سے بات کرو۔'' اس کا تضحیک آمیز لہجہ جہاں سب کو شرمندہ اور شاکڈ سا کر گیا تھا وہیں شامیر کا جیسے دماغ ہی بھک سے اڑ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چلا اپنی ماں کے بارے مین اس طرح بات کرنے پر اس کا گلا ہی گھونٹ دے۔

''تمیز سے بات کروں؟۔ تم مجھے تمیز سکھاؤ گے؟.... جو خود کسی تمیز تہذیب سے واقف نہیں ہے.. ایک نمبر کا فراڈ اور دھوکے باز ہے۔'' وہ اس وقت کسی بھی قسم کے ڈر اور خوف سے لاپرواہ ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہے تھی۔

''بیٹا! تُم کو شائد کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' فاطمہ بیگم نے نرمی سے کہنے کی کوشش کی۔

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی... پوچھیں اپنے اس لائق فائق بیٹے سے۔ وہ یہاں کیا کچھ کرتا رہا ہے....''

''اپنی بکواس بند کرو۔'' شامیر کی آنکھیں لال ہو گئی اور اس نے دانت بھینچ کر کہا

''نہیں.... اب میں خاموش نہیں ہوؤنگی.. میں نے تم سے کہا تھا میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو.... لیکن تم اپنی ماں کو بیچ میں لے آئے....''

''یہ.. یہ... اسے کیا ہو گیا ہے؟.. اسے کوئی چپ کیوں نہیں کروا رہا۔'' فضیلہ چچی اپنے مہمانوں کی عزت افزائی پر چند منٹ بعد ہی سہی لیکن تڑپ اٹھی تھیں۔

''خوش نصیب میرے ساتھ آؤ۔''

فہمینہ کو ذرا ہوش آیا اس نے آگے بڑھ کر خوش نصیب کا بازو پکڑنا چاہا لیکن وہ تو جیسے بالکل آؤٹ ہو چکی تھی اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''نہیں.. اب نہ میں خاموش ہوؤنگی نہ یہاں سے جاؤنگی.. کم سے کم تب تک نہیں جب تک اس گھٹیا انسان کا اصل چہرہ سب کو نہیں دکھا دیتی۔''

''اوہ رئیلی؟...'' وہ طنز سے بولا اور سینے پر بازو باندھتے ہوئے طنز سے اسے دیکھا

''اور کونسا ہے میرا اصل چہرہ؟؟''

''اسے اندر لیکر جاؤ۔''

بڑے چچا کا ضبط بالکل جواب دے چکا تھا انہوں نے اپنے کھولتے ہوئے اعصاب کو دانت بھینچ کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے مشترکہ طور پر سب خواتین سے کہا تھا۔

روشن آرا کا خون خشک ہو چکا تھا۔

''خوش نصیب! چپ ہو جاؤ... اور آؤ میرے ساتھ۔''

''میں کہیں نہیں جاؤنگی روشن امی!... کم سے کم تب تک نہیں جب تک اس کی اصلیت سب کو نہیں بتا دیتی.. صیام کے بعد ماہ نور اور اس کے بعد نا جانیاور کس لڑکی کا نام لینے والا ہے....''

کیف جو دور کھڑا تھا اس نے دل میں دعا کی۔ خوش نصیب اپنا منہ اب بند ہی رکھے۔ لیکن....

"یہ...شامیر...جو بظاہر ایک پڑھا لکھا انسان دکھائی دیتا ہے...اس کی اصلیت اس سے بالکل مختلف ہے..یہ...یہ شیطان کی پوجا کرتا ہے۔جنوں بھوتوں اور روحوں کو قابو کرنے کے لئے معصوم انسانوں کی بھینٹ چڑھاتا ہے اور کالا جادو کرتا ہے۔..."وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی بالکل ایسے جیسے اگر سانس لینے کے لئے بھی رکی تو اسے بولنے سے روک دیا جائے گا۔

دوسری جانب اس کا پہلا جملہ سن کر ہی سارے ہکا بکا رہ گئے تھے۔صرف پیچھے کھڑا کیف تھا جس نے بے ساختہ اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

"اپنے شیطان کو خوش کرنے کے لئے اس نے میری بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی۔مجھے اپنے زیر تعمیر بنگلے میں بلایا اور جب میں کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلی تو مجھے پریشرائز کرنے کے لئے...اس نے صیام سے شادی کرنے کی ٹھان لی......میں نے کیف کا نام لیکر صیام کو بچایا۔"

سب کے سروں پر وہ ایک ایک کر کے بم پھوڑ رہی تھی۔

اس بات پر کیف چونکا۔یہ بنگلے والی بات تو خوش نصیب نے اسے پہلے نہیں بتائی تھی۔

"...پھر اس نے ماہ نور کا نام لے دیا..تم سمجھ رہی تھی ناں ماہ نور!یہ بھی تم سے محبت کرتا ہے...یہ تم سے کوئی محبت وحبت نہیں کرتا...یہ صرف مجھے پریشرائز کرنے کے لئے یہ سب کر رہا تھا...اس کا اصل چہرہ پہچانو..یہ ڈھونگ اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے..یہ ایک گندا انسان ہے..اللہ کی طے کردہ حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے..انسان کے دماغ پر قابو پانے کے؛ لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے.."

وہ خاموش ہوئی سب کو جیسے سانپ سونگھ چکا تھا۔

چند منٹ اسی سکتے الی کیفیت میں گزرے پھر اس خاموشی کو فاطمہ بیگم کی آواز نے توڑا تھا۔

"یہ...یہ کیا کہہ رہی ہے شامیر؟"

ان کی آواز میں صدمہ پریشانی دونوں ہی نظر آتے تھے۔

"آپ اس سے کیا پوچھ رہی ہیں....یہ کبھی آپ کو سچ نہیں بتائے گا...سچ صرف وہ ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔"

"اب تم ایک لفظ نہیں بولوگی۔"وہ انگلی اٹھا کر غرایا تھا۔

"تم نے جتنی من گھڑت کہانیاں سنانی تھیں سنا لیں....حقیقت کیا ہے یہ میں سب کو بتاؤنگا۔"وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولا تھا

"سچ تو صرف اتنا ہے کہ خوش نصیب خود مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے..اسی لئے وہ مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔"اس نے جیسے بلی تھیلے سے باہر نکالی تھی۔

"اس بات کی گواہ صیام ہے...جس نے بہت پہلے ہی مجھے ان تعویزوں کے بارے میں بتا دیا تھا جو بیری پیر کے مزار سے مجھے اپنے زیر اثر کرنے کے لئے لاتی رہی ہے...."

خوش نصیب کا رنگ فق ہوا۔

"شامیر! تم ہماری بیٹی پر الزام نہیں لگا سکتے۔" صابر تایا جان ایک دم ہی جلال میں آ گئے تھے۔

"آپ کی بیٹی اسوقت سے جو منہ میں آئے بول رہی ہے... آپ کے سامنے اس نے مجھے اور میری ماں کو ذلیل کیا ہے... مجھ پر جھوٹے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں۔ اور اب جب اس کے کارنامے سننے کی باری آئی تو آپ مجھے چپ کروا رہے ہیں۔"

وہ غصے سے بولا تھا

"یہ... یہ سچ نہیں ہے... میں کوئی تعویز نہیں لائی۔" خوش نصیب ہکلا گئی تھی اور اس کا لہجہ ہی سب کو سچ کی گواہی دے گیا تھا

"کیوں صیام! کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟؟... کیا تم نے مجھے ان تعویزوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟" شامیر ایک دم سے صیام کی طرف گھوما تو وہ جو ہونق سی بنی ساری باتیں سن رہی تھی اس بات پر اور بھی ہونق بن کر ان دونوں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"صیام! کیا یہ سچ کہہ رہا ہے۔" شفیق چچا جان نے غرا کر بیٹی سے پوچھا۔

والد کے غصے کے آگے اس کا تو جیسے خون ہی خشک ہو گیا جلدی سے اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"یہ سچ کہہ رہا ہے.. میں نے خود خوش نصیب کے ہاتھ میں تعویز دیکھے تھے اور پھر انہیں گیلری کی بالکونی سے نکالا تھا... پیری پیر کے بابا نے وہ تعویز کھولتے ہی بتا دیا تھا کہ یہ خوش نصیب نام کی لڑکی نے شامیر نام کے لڑکے کے لئے لکھوائے ہیں۔" وہ ہکلا کر بھی بولتی چلی گئی تھی۔

خوش نصیب کی بازی الٹی پڑنے لگی اس نے ہمت اکٹھی کی کہ اپنے دفاع میں بول سکے لیکن اس سے بھی پہلے شامیر نے تمام اہل خانہ کو طنز بھری اور جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

"...خوش نصیب نے مجھے اٹریکٹ کرنے کے لئے کیسے کیسے اوچھے طریقے اپنائے ہیں... مجھے بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ اگر میں نے روشن آنٹی اور ماہ نور کو نہ دیکھا ہوتا تو بڑے آرام سے خوش نصیب کی تربیت اور خاندان کو الزام دے دیتا۔ صرف یہی نہیں... میرے پیچھے یہ میرے زیر تعمیر بنگلے میں بھی پہنچ گئی تھی اور اس بات کی گواہی وہاں موجود واچ مین بھی دے سکتا ہے کہ کس مشکل سے ہم نے اسے وہاں سے نکالا تھا.. اگر مجھے ماہ نور اور روشن آنٹی کی عزت کی پرواہ نہ ہوتی تو اس روز یقیناً غصے میں آپ سب لوگوں کو اس کی حرکتوں سے آگاہ کر چکا ہوتا... لیکن میں نے ہمیشہ اسکی عزت کی پرواہ کی جس کی سزا مجھے یہ مل رہی ہے کہ آج آپ لوگوں کے گھر مجھے اور میری ماں کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے... پتا نہیں کونسے جن بھوتوں کی کہانی یہ سنا رہی ہے؟... خدا کا شکر ہے میری تربیت ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی ہے اور میں ایسی کسی شیطانی طاقت سے واقف نہیں ہوں جسے قابو میں کرنے کے لئے انسانی جان کی بھینٹ چڑھائی جائے..."

"چلیئے ماما! اب ہم یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکیں گے..." اس نے اپنی ہکا بکا کھڑی ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور جاتے جاتے ایک نظر خوش ںصیب کو دیکھا۔

"اسے کسی اچھے سائیکائٹرسٹ کی ضرورت ہے....ورنہ یہ آپ سب کو برباد کردے گی۔" اس نے نفرت سے کہا ایک حسرت بھری اور محبت سے لبریز الوداعی نظر ماہ نور پر ڈالی اور ماں کو بازو کے حصار میں لئے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی وہ سب ایسے جاگے جیسے کچھ دیر قبل کسی نے کوئی اسم پھونک کر ان سب کو اپنی اپنی جگہوں پر ساکت کر دیا ہو۔ پھر فضیلہ چچی سٹپٹا کر اپنے عزیز مہمانوں کے پیچھے بھاگیں۔

"بس اب یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا اس کلموہی کی وجہ سے...کہ مہمان بھی بے عزت ہو کر نکالے جائیں گے۔.ارے..شامیر بیٹا! رکو تو..."

سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے وہاں سے چپ چاپ کھسکنے لگے۔ تایا جان کی آنکھوں سے تو غیض جھلک رہا تھا۔ سب باری باری نکلتے چلے گئے یہانتک ماہ نور، خوش نصیب کھڑی رہ گئیں اور روشن امی اپنا سر پکڑ کر کرسی پر ڈھے ہی گئیں۔

"روشن امی!..." خوش نصیب تیزی سے ان کی طرف لپکی لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"صحیح کہہ رہی ہے فضیلہ!..بس یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا..تم میری کس غلطی کی سزا ہو خوش نصیب!..."

وہ پریشان، نڈھال بے بس بیوہ تھیں۔

"میں..میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں روشن امی!...میں نے شامیر کے بارے میں ایک بھی لفظ جھوٹ نہیں کہا۔"

اس نے ان کے پیر پکڑ کر کہا تھا۔

"میرے سامنے سے چلی جاؤ....میں اسوقت تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" انہوں نے غصے اور ناراضی سے منہ موڑ لیا تھا۔

"کئی سالوں بعد ایک خوشی ملنے جارہی تھی..تم نے اسے بھی برباد کر دیا..."

"آپ میری بات کا یقین کریں...وہ ماہ نور کے لئے مناسب نہیں تھا..." وہ بیقراری سے بولی۔

"مناسب نہیں تھا۔" ماہ نور شاکڈ سی سامنے آئی۔

"کیوں مناسب نہیں تھا..اس لئے کیونکہ تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھی؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

خوش نصیب نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ کوئی اس کا یقین کیوں نہیں کر لیتا؟

اسی اثنا میں منہا وہاں آئی۔ وہ خود عجب مخمصے کا شکار تھی ان تینوں کو دیکھ کر گومگوں سی کھڑی رہی پھر بولی۔

"روشن چچی!..تایا جان نے آپ کو بڑے کمرے میں بلوایا ہے...اور...اور تمہیں بھی۔" اس نے خوش نصیب کی طرف دیکھ کر کہا اور جلدی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

روشن آرا کی وہی حالت ہو رہی تھی جو عدالت میں سماعت سے پہلے ہوتی ہوگی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

مونٹوک کے ساحل پر شام اتر آئی تھی اور فضا میں ایک اداسی سی رچی بسی محسوس ہونے لگی تھی۔

منفرا کے چھوٹے سے کمرے کی ایک کھڑکی ساحل کی طرف رخ کیئے کھلتی تھی اسی کھڑکی میں ننھی سی چڑیا آ کر بیٹھی اور اپنی سریلی آواز میں چہچہانے لگی۔ پیکنگ کرتے ہوئے منفرا نے ذرا سی دیر کو نظریں اٹھا کر اس ننھی چڑیا کو دیکھا۔اس کی آواز منفرا کے دل کو مزید اداس کر رہی تھی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ کو تہہ کرتی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ ننھی چڑیا خطرہ بھانپ کر پھر سے اڑ گئی منفرا نے کھڑکی بند کر دی۔ ساحل کی شام اور ہوا بند کھڑکی کے شیشے سے سر ٹکراتی رہ گئیں تھیں یہ الگ بات ہے کہ اداسی کمرے کے کونے کونے میں پھیل چکی تھی۔ منفرا نے سر جھٹکا اور پوری تندہی سے باقی کا سامان پیک کرنے لگی۔

اگلی صبح اسے واپس نیویارک چلے جانا تھا اور سچ بات ہے کہ اس بار اس کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

معاویہ سے دوبارہ اس کی بات نہیں ہو سکی تھی گو کہ اپنی بات کی معذرت کرنے کے لئے اس نے کئی بار اسے کال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ تھک ہار کر اس نے کوشش ہی ترک کر دی۔ شائد معاویہ مونٹوک سے جا چکا تھا کیونکہ اس چھوٹے سے ٹاؤن میں وہ دوبارہ منفرا کو دکھائی بھی نہیں دیا تھا۔

منفرا پہلے شرمندہ تھی پھر اس کی شرمندگی غصے میں بدل گئی یہانتک کہ اسے ڈپریشن نے گھیر لیا۔

آخر اتنا مغرور کیوں تھا وہ شخص۔ ایسا کہہ بھی کیا دیا تھا منفرا نے اسے کہ ایک بار بھی اس کی بات سننے پر راضی نہیں ہو رہا۔ دس دفعہ تو مسز جمال اور ایڈم اس سے معاویہ کے بارے میں سوال کر چکے تھے۔

”وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے کہ میں اس کے منٹ منٹ کی خبر رکھوں۔ مجھے کیا پتا وہ ملنے کیوں نہیں آیا۔۔اور مجھے یہ بھی کیا پتا وہ مونٹوک میں ہے یا جا چکا ہے۔۔آپ لوگ پلیز مجھ سے بار بار سوال کرنا بند کریں۔“

مسز جمال کے پوچھنے پر اس نے بہت چڑ کر کہہ دیا تھا اور کھانے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس ردعمل پر تینوں افراد متعجب ہو کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

وہ خود اپنی ذہنی حالت سے تنگ آ رہی تھی ان لوگوں کے سوالوں کا جواب دے بھی کیسے سکتی تھی۔

”منفرا۔۔منفرا۔۔نیچے آ کر کافی پی لو۔ میں نے تمہارے لئے بنائی ہے۔“

اسے نیچے پورشن سے مسز جمال کی آواز سنائی دی۔ منفرا دروازے تک گئی۔ کمرے کے آگے چھوٹا سا گول برآمدہ نما لابی تھی جو گولائی کی شکل میں نیچے چھوٹے سے سٹنگ روم میں کھلتی تھی۔ اور دیکھا وہ زینے کے پاس کھڑی اسے آواز دے رہی تھیں۔

”میرا موڈ نہیں ہے۔۔آپ پی لیں کافی۔“

”کم آن ہنی! تم ہم سے ملنے آئی تھی اب ایسے اداس ہو کر تو مت واپس جاؤ۔“ انہوں نے زینے کے آغاز پر کھڑے ہو کر کہا۔

منفرا دل ہی دل میں شرمندہ ہوگئی۔

"میں اداس نہیں ہوں..بس کافی پینے کا دل نہیں چاہ رہا۔"

"اچھا نیچے تو آؤ...دیکھو کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔" انہوں نے پیار سے کہا تو منفرا چونک سی گئی اسی اثنا میں اسے نیچے لاؤنج میں کسی اور کی بھی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔اس نے چونک کر ادھر نظر ڈالی اور حیران ہی رہ گئی۔

سامنے والی صوفے کے پاس معاویہ کھڑا سر اٹھائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دوستانہ انداز میں اور...معذرت خواہانہ نظروں سے۔

☆......☆......☆

شامیر بیحد غصے میں تھا لیکن اپنی ماں کے ساتھ کمرے میں آتے ہی جیسے اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

"اپنا سامان پیک نہ کریں...ہمیں ابھی کچھ اور دن یہاں رکنا ہوگا۔" اس نے اتنے تحمل سے کہا تھا کہ فاطمہ بیگم مزید ہکا بکا ہوگئی تھیں۔

"کیسی باتین کر رہے ہو..اتنی بے عزتی ہوئی ہے ہماری۔ہم کیسے یہاں رک سکتے ہیں؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا تھا

"میں نے آپکو بتایا تھا ناں۔وہ لڑکی تھوڑی سی کھسکی ہوئی ہے..ایک مینٹلی ریٹارٹڈ (ذہنی مریض) کی باتوں کا اتنا کیا برا منانا۔"

فاطمہ بیگم اس کا جواب سن کر بھونچکارہ گئی تھیں۔انہوں نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف موڑا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ شامیر! یہاں کیا ہو رہا ہے؟؟؟...وہ لڑکی...وہ سب کچھ کہہ رہی ہے ناں۔" ان کا لہجہ اندیشوں سے لبریز تھا ایسے جیسے وہ کسی نہ کسی راز سے واقف ہوں۔

شامیر لحظہ بھر کے لئے سٹپٹا گیا۔پھر جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ایک ذرا سا مزاق کر دیا تھا اس سے...وہ سچ سمجھ بیٹھی۔"

"اس کا مطلب...تم..تم ایک بار پھر انہی حرکتوں میں پڑ گئے ہو..." وہ بوکھلا ہی گئی تھیں

"چودہ سال کی عمر میں غلط صحبت نے تمہیں اس اوٹ پٹانگ شوق میں مبتلا کر دیا تھا..میں نے کتنی مشکلوں سے تمہیں ان مصائب سے نکالا تھا..." وہ سر پکڑے بولتی جا رہی تھیں۔

شامیر بیزاری س ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"مجھے کیا پتا تھا..تم ایک بار پھر.."

"فار گاڈ سیک ماما! یہ میلوڈرآمہ بند کریں۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے یہ میرے ٹین ایج کے شوق ہیں۔لیکن اس میں برائی کیا ہے آخر۔میں وہ دنیا ایکپلور کرنا چاھتا ہوں جہاں میرے اور

آپ کے جیسے انسان نہیں رہتے..آپ کیوں بار بار میرے راستے کی دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں..."

"کیونکہ تمہارے یہ شوق پہلے بھی ایک انسان کی جان لیتے لیتے رہ گئے تھے..تم سمجھتے کیوں نہیں ہو یہ واہیات قسم کے سفلی عملیات انسانوں کو کچھ نہیں دے سکتے..."

"آہستہ بولیں..آپ میرا سارا پلان خراب کریں گی۔" وہ جھلا کر بولا تھا

"میں نے یہاں آپ کو ماہ نور سے اپنا رشتہ طے کرنے کے لئے بلایا تھا..اس لئے نہیں کہ آپ میرے؛ لئے مزید مشکلات کھڑی کر کے چلی جائیں۔"

"ایسے نہیں جاؤنگی..اب تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔" وہ دوٹوک بولی تھیں۔

"یہ ناممکن ہے..." وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

"جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا تب تک تو ہرگز نہیں جاؤنگا۔"

"اور وہ مقصد کیا ہے؟..خوش نصیب کو نقصان پہنچانا؟؟" انہوں نے طنز سے پوچھا۔شامیر انہیں بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"میں دنیا کے بڑے سے بڑے مائینڈ ریڈر کو مات دے سکتا ہوں...لیکن آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے کہ میں میرے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔" اس کی بے بسی میں جھلاہٹ نظر آ رہی تھی۔

"ماں ہوں تمہاری۔تمہارے ایک ایک انداز سے واقف ہوں...بس پتا نہیں کیوں..کبھی کبھی کچھ زیادہ ہی خوش گمان ہو جاتی ہوں تمہارے بارے میں....اب چلو میرے ساتھ اور سب کو اصل بات بتاؤ۔" وہ تحکم سے بولی تھیں۔

شامیر نے جھلا کر انہیں دیکھا۔

"میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤنگا۔"

"اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں بتا دونگی۔" انہوں نے ناراضی سے دھمکی دی۔ "تمہیں اللہ کو منہ دکھانے کی فکر نہیں ہے کیونکہ تم تو اپنے ضمیر کو اپنے شوق کے ہاتھوں مار ہی چکے ہو...لیکن مجھے اللہ کو حساب دینا ہے اور مین کسی بے قصور کو لعنت ملامت سہتے بھی نہیں دیکھ سکتی۔"

"پتا نہیں وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب میں نے آپ کو یہاں بلانے کا سوچا۔" وہ چڑ کر بولا تھا

"اس گھڑی کو بعد میں کوس لینا..ابھی چلو میرے ساتھ۔"

"ہرگز نہیں..اگر آپ نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو...تو میں اپنی شہہ رگ کاٹ لونگا۔"

فاطمہ بیگم کا غصے سے برا حال ہو گیا۔

اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے..تم بھی میری قسم کھاؤ کہ اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے...نہ اس پر کوئی عمل کرنے کی کوشش کرو گے..."

"ماما! فار گاڈ سیک...."

"کھاؤ قسم..." انہوں نے شامیر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھ لیا اور وہ فراڈ انسان ماں کی قسم کے سامنے وقتی طور پر ہار مان گیا تھا لیکن اس کا غصے سے برا حال تھا۔

"ٹھیک ہے۔ صرف آپ کی خاطر... میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔" اس نے جیسے بصد مجبوری ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور دل میں سوچا تھا۔ عمل نہیں کروں گا کوئی۔ لیکن جو اسنے میری انسلٹ کی ہے اس کا بدلہ تو ضرور لوں گا۔ ذلیل و خوار تو خوش نصیب کو ہونا ہی پڑے گا۔"

☆......☆......☆

بڑا کمرہ واقعی کمرہ عدالت بنا ہوا تھا۔

تایا جان کرسی پر بیٹھے دانت بھینچے ماتھے پر بل ڈالے جیسے اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شفیق چچا جان نہائت غیر شفیق موڈ میں غصے سے مٹھیاں بھینچے کمرے میں ادھر ادھر چکر لگا رہے تھے۔

صباحت تائی جان فکر مند سی لیکن چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھی سب کے چہرے دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ فضیلہ بیگم غصے سے بھری ہوئی ایک طرف کھڑی تھیں۔

"میں نے پہلے ہی ہزار بار کہا تھا اس لڑکی کو قابو کر لو۔ لیکن کسی نے میری سنی ہی نہیں۔ ..اب دیکھ لیں میری کہی ہوئی بات ہی درست ثابت ہو رہی ہے۔ کٹوا دی نہ سارے خاندان کی ناک۔ اس کرموں جلی خوش نصیب نے۔"

"خدا کے لئے تم تو چپ کر جاؤ فضیلہ!۔ ایک تو پہلے ہی دماغ غصے سے کھول رہا ہے اوپر سے تم جب سے کمرے مین آئی ہو بولے چلے جا رہی ہو۔" شفیق صاحب کچھ زیادہ ہی غصے میں تھے کہ اپنی نازوں والی بیگم کو بھی ڈپٹ کر رکھ دیا۔

جواباً فضیلہ بیگم نے انہیں غضب ناک نظروں سے گھورا اور تنک کر بولیں۔

"کیوں چپ کروں میں؟... فاطمہ اور شامیر میرے مہمان ہیں ان کی بے عزتی میری بے عزتی ہے۔ لیکن آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ کارنامہ آپ کی پیاری بھتیجی نے جو انجام دیا ہے۔ اگر جو میری صیام یا منہا میں سے کسی نے ایسی جرات کی ہوتی تو اب تک پڑی اپنے کندھے سینک رہی ہوتیں۔"

"خیر اب ایسی بھی قیامت نہیں ٹوٹی کہ مار پیٹ کی نوبت ہی آجائے۔" صباحت تائی جان نے بے ساختہ لیکن دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"مار پیٹ تو بہت دور کی بات ہے بھابھی جان! مجھے اپنی بیٹیوں میں سے کسی کی ایسی حرکت کا پتا چل جاتا تو قسم کھا کر کہتی ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے ان کا گلا گھونٹ دیتی۔ لیکن روشن کی طرح بے غیرت بن کر ٹسوے نہ بہاتی۔" جوش جذبات میں وہ کچھ زیادہ ہی بڑا دعویٰ کر رہی تھیں اور کچھ اس ٹون میں کہ صباحت بیگم تو کہہ کر پچھتائیں۔

صابر احمد نے۔ جواب تک چپ بیٹھے تھے گلا کھنکھار کر سب کو اپنی طرف متوجہ کیا اور سنجیدگی سے بولے۔

"جو بھی ہوا.. مجھے اس کا افسوس ہے.. گھر آئے مہمان کی بے عزتی تو ہرگز برداشت نہیں کی جا سکتی...."

ابھی وہ یہیں تک پہنچے تھے کہ فضیلہ بیگم تنک کر بولیں۔

"بلائیں پھر ان ماں بیٹیوں کو... اور سنا دیجئے سزا... خاندان کی سربراہی کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے بھائی صاحب! میں چاہتی ہوں آپ خوش نصیب کو ایسی سزا دیں کہ اگلی بار وہ ایسی حرکت کرتے سو بار سوچے.... اور ہاں... فاطمہ اور شامیر سے معافی بھی منگوانا ہوگی۔" یہ آخری جملہ بھی لگے ہاتھوں کہہ ڈالا تھا کہ کہیں کچھ رہ ہی نہ جائے۔

"او خدا کی بندی! تم بھائی صاحب کو ان کی بات تو پوری کر لینے دو۔" شفیق صاحب ایک بار پھر چڑ کر بولے تھے۔

فضیلہ بیگم نے بدمزہ سی ہو کر سر جھٹکا وہیں صابر صاحب نے بھی سر جھٹک کر بات کو وہیں فل اسٹاپ لگا دیا تھا۔

"روشن اور خوش نصیب کو آ لینے دو... میں سننا چاہتا ہوں خوش نصیب نے یہ سب کیوں کیا۔"

"لو اور سنو..." فضیلہ بیگم مضحکہ اڑا کر بولیں۔

"بس اب اسی بات کی کمی رہ گئی تھی کہ ان محترمہ سے بھی پوچھ گچھ ہوگی... میں نے کئی بار کہا ہے اسے ذہنی مریضوں کے ڈاکٹر کو دکھا لو... لیکن میری کوئی سنتا کہاں ہے.."

اسی آن شرمندہ شرمندہ سی روشن آرا اور خوش نصیب اندر داخل ہوئیں۔ تو فضیلہ بیگم بولیں۔

"لیجئے.. تشریف لے آئی ہیں شہزادی صاحبہ!.. کسی بات کا صحیح جواب مل جائے تو مجھے بھی بتا دیجئے گا۔"

ان کا لہجہ طنز اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا۔ روشن آرا پر از سر نو شرمساری اتری۔

"اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں فضیلہ!.." انہوں نے جلدی سے کہا تھا

"ارے بس اب رہنے ہی دو روشن!.. کئی بار اپنی اس بیٹی کی وجہ سے تم معافیاں مانگ چکی ہو... لیکن میں بتا رہی ہوں اس بار میں ہرگز معاف نہیں کرونگی... اب تو یہ خوش نصیب اپنی ناک سے لکیریں بھی کھینچ لے تو میں معاف کرنے والی نہیں ہوں.. ہاں۔"

بڑے بھائی کی موجودگی میں بیوی کی فر فر چلتی ہوئی زبان شفیق صاحب کو مسلسل شرمندگی اور غصے میں مبتلا کر رہی تھی ان کے آنکھوں آنکھوں میں کیئے گئے اشارے بھی بے کار ہی جا رہے تھے کیونکہ فضیلہ بیگم بولتے ہوئے کسی کی بھی طرف دیکھنے کی روادار نہ ہو رہی تھیں۔

دروازہ جو روشن آرا اور خوش نصیب کے اندر آتے ہوئے ادھ کھلا سا رہ گیا تھا اس کی اوٹ میں فہمینہ اور منہا آ کر کھڑی ہو گئی ان کے پیچھے کیف اور طوطا بھائی تھے۔ سب ہی جیسے کان لگا کر سننے کی کوشش کر رہے تھے کہ اندر معاملہ کیا چل رہا ہے۔

"روشن امی! آپ کو کسی سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے.... اور فضیلہ چچی! ناک سے لکیریں نکالنا تو بہت دور کی بات ہے میں تو معافی کا لفظ اپنی زبان پر بھی نہیں آنے دونگی۔"

وہ دو ٹوک انداز مین بولی تھی۔

روشن آرا کا دل چاہا ایک زوردار تھپڑ ہی اسے کھینچ ماریں لیکن ہاتھ اٹھا بھی تو اپنا ہی سر پیٹ لینے کے لئے۔

دوسری جانب تمام اہل خانہ خوش نصیب کی ڈھٹائی پر ہکا بکا ہی رہ گئے تھے۔تایا جان تو بالکل ہی غصے میں آ گئے۔سب جانتے تھے انہیں غصہ کم آتا تھا لیکن جب آتا تھا تو بڑا اخطرناک ثابت ہوتا تھا۔

"میں تمہیں کتنا سمجھا کر لائی ہوں خوش نصیب! تھوڑا تو ماں کا بھرم رکھ لو۔" روشن آرا منت سے بولی تھیں۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں روشن امی!..اس گھر کے ہر فرد کو میرا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ میں نے اس آپ کی بیٹیوں کی جانیں بچائی ہیں ..اس فراڈیئے کی اصلیت سامنے لا کر رکھی ہے....اور آپ سب لوگ مجھے ہی کوس رہے ہیں؟.."

اپنی بات پر زور دیکر بولی تھی یہ الگ بات ہے کہ حق پر ہونے کے باوجود خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگانا پڑ رہا تھا۔

"ثبوت ہے تمہارے پاس؟؟" تایا جان نے ایک دم سے بڑی سنجیدگی (ایسی سنجیدگی جس سے غصہ جھلک رہا ہوتا ہے) سے پوچھا تھا ان کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ خوش نصیب کا سانس ہی خشک ہو گیا۔

"جی؟؟" اس نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں نے پوچھا ثبوت ہے تمہارے پاس؟؟" وہ غرائے ان کی آنکھیں غیض سے لال ہو رہی تھیں۔

خوش نصیب کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔

"ج...جی نہیں...لل..لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں تایا جان!"

"یہ بات تو شامیر بھی کہہ رہا ہے..کہ اپنی بات کی سچائی کا ثبوت ہے اس کے پاس...بلکہ صیام نے تو اس کی بات کی تصدیق کر بھی دی ہے اس حساب سے تو تم ہی غلط ٹھہرتی ہو۔"

خوش نصیب کو ایسا لگا جیسے اسکے سر پر کسی نے الزام کا ایک وزنی پتھر رکھ دیا ہو۔اسے یہ مان تھا اس سے لاکھ پرخاش سہی۔مشکل کی اس گھڑی مین اس کا سارا خاندان اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گا لیکن یہاں اس سے ہی جواب طلبی شروع ہو گئی تھی۔

"دو دن ہیں تمہارے پاس۔یا تو شامیر کے خلاف ثبوت لیکر آؤ..یا پھر اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔اب تک میں تمہاری غلطیوں کو نظر انداز کرتا رہا ہوں...لیکن اب مزید نہیں کر سکتا...سن لیا ناں تم نے؟؟"

ان کا فیصلہ کن لہجہ کمرے کی دیواروں سے ٹکراتا باہر نکل گیا تھا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

”دو دن ہیں تمہارے پاس...... یا تو شامیر کے خلاف ثبوت لیت کر آؤ یا پھر اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب تک میں تمہاری غلطیوں کو نظر انداز کرتا رہا ہوں.. لیکن اب مزید نہیں کر سکتا.. سن لیا ناں تم نے ؟؟“

ان کا فیصلہ کن لہجہ کمرے کی دیواروں سے ٹکراتا باہر نکل گیا تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ اپنی جگہ لیکن تایا نے اتنا سخت لہجہ پہلی بار ہی اپنایا تھا۔

”ثبوت ۔۔۔؟ دو دن ۔۔۔؟“ خوش نصیب کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اپنی قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی فہمینہ، منہا، کیف اور طوطا بھائی کمرے کا دروازہ کھلتا دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ کمرے سے باہر نکلتی خوش نصیب نے ایک نظر ان چاروں پر ڈالی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔ کسی نے بھی اسے روکنے یا کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ اسے امید تھی کہ کم از کم کیف اسے روکے گا یا پھر اس کے پیچھے آئے گا اور ساری بات جاننا چاہے گا مگر اس کی ساری امیدیں آج کے دن شیخ چلی کا خیالی پلاؤ ثابت ہوئی تھیں۔

تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ فضل ہاؤس کی سب سے اونچی منزل پر آئی تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے میں گھس گئی۔ کمرے میں پڑی چارپائی کے ساتھ پر دراز نانی اونگھنے میں مصروف تھیں۔ وہ ابھی تک فضل منزل میں ہونے والے ہنگامے سے بے خبر تھیں۔ کمرے کا دروازہ تیزی سے کھلنے پر وہ ایک دم چونک گئیں تھیں۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار خوش نصیب سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ساتھ والی گیلری میں گھس گئی اور دروازہ بھی بند کر دیا۔

دروازہ بند کر کے وہ اس کے ساتھ ہی جڑ کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ کمرے میں گرمی تھی، گھٹن تھی لیکن فی الحال خوش نصیب کو نہ گرمی محسوس ہوئی تھی نہ ہی گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ اگر کچھ سمجھ آ رہا تھا تو یہ کہ وہ اپنی بیوقوفی میں خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار چکی ہے۔

”کہاں سے آئیں گے ثبوت؟ میرے علاوہ تو کسی کے سامنے اس دوغلے انسان نے اپنا اصل ظاہر ہی نہیں کیا۔۔۔“ خوش نصیب نے خود کلامی کی تھی۔

آج کا دن اس کی زندگی میں بڑا تاریخی اور شاید سب سے برا ثابت ہوا تھا۔ اسے کہاں امید تھی کہ وہ اتنی بہادری سے سب کے سامنے شامیر کی اصلیت بیان کر پائے گی مگر خیر۔۔۔ امید تو اسے یہ بھی نہیں تھی کہ اس کے گھر والے اس کی بات پر یقین ہی نہ کریں گے۔

”چلو باقی لوگ تو ایک طرف مگر روشن امی ہی اس کی بات کا یقین کر لیتیں۔ وہ تو اچھے سے جانتی تھیں کہ خوش نصیب لاکھ بدتمیز، منہ پھٹ اور بیوقوف سہی لیکن اپنی بہن کے لیے کچھ برا نہیں سوچے گی۔۔۔ اور پھر کیف۔۔۔ اس نے بھی تو اس کی کسی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔“

خوش نصیب سوچتی چلی گئی تھی۔

دوست، دوست کا راگ الاپنے والا ضرورت پڑنے پر لمحوں میں اس سے غافل ہو گیا تھا اور شدید متنفر بھی۔۔۔

صیام جیسے بچانے کے لیے اس نے کیف کی ناراضی مول لی، اس نے بھی بڑے غلط وقت پر اپنا منہ کھول دیا تھا۔

پھر ماہ نور تھی، جو اس پر جان دیتی تھی لیکن سالوں کی رفاقت پر چند دن کی محبت غلبہ پا چکی تھی۔

''کاش! عرفات ماموں کو کچھ نہ ہوا ہوتا۔۔۔ صرف وہ تھے جو آنکھ بند کر میری بات کا یقین کرتے اور میرا ساتھ بھی دیتے لیکن۔۔۔ اگر وہ ہوتے تو یقیناً وہ شاہیر کی اصلیت جان جاتے۔ ان کی بات کا یقین تو سب لوگ کر لیتے۔ پھر کسی ثبوت کی ضرورت نہ پڑتی۔۔۔ ثبوت۔۔۔؟''

خوش نصیب پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ چہرے سے پریشانی ظاہر تھی اور پیشانی پر سوچوں کا جال بچھا تھا۔ اس کی زبان خشک تھی لیکن پیاس کا احساس تک نہیں تھا۔ اپنے چہرے کو بائیں ہتھیلی پر ٹکائے، مٹھی کو بند کیے وہ تیزی سے اپنے ناخن کتر رہی تھی۔ اس کے خیالات بھی فی الحال اس کی طرح بدحواس تھے۔ کسی ایک نقطے پر پورا دھیان لگانا فی الحال اس کے لیے مشکل تھا۔

ثبوت ڈھونڈنے سے شروع ہونے والی سوچ کا اختتام ایک بڑے سے سوالیہ نشان پر ہوا تھا۔ وہ جاننے سے قاصر تھی کہ آخر کیسے اپنی بات کو سچ ثابت کرے۔ اسے ہر حال میں ماہ نور کو اس مصیبت سے نکالنا تھا۔

''مگر کیسے؟''

خوش نصیب اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور تیزی سے گیلری میں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔ زمین کو قدموں تلے روندتے اور اپنے ناخنوں کا بیڑہ غرق کرتے ہوئے بھی اس کی سوچ اپنی بات سچ ثابت کرنے پر اٹکی تھی۔ معافی مانگنے اور جھوٹی پڑنے کا تو سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے ہر حال میں شاہیر کی اصلیت سب کے سامنے لانی تھی اور ماہ نور کو اس سارے معاملے سے بچانا تھا۔

''آخر کون اس معاملے میں میرے مدد کر سکتا ہے؟ آخر کون ہے جو شامیر کی سچائی کو سب کے سامنے لا سکتا ہے؟'' اسے ہر سوال کا جواب ہر حال میں ڈھونڈنا تھا۔ سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے یک دم اسے کچھ یاد آیا تھا۔

''میں اپنے محسن کو ساری زندگی یاد رکھنا چاہتی ہوں... اگر تم جبران نہیں ہو تو.. تو پھر کون ہو؟

معاویہ۔۔۔ معاویہ اردشیر ازی۔''

معاویہ اردشیر ازی۔۔۔ جس نے اسے شامیر سے بچایا تھا اور اسے اس کے گھر سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ شامیر کی اصلیت بھی تو معاویہ نے ہی اسے بتائی تھی۔ وہ کیسے اس شخص کو بھول سکتی ہے۔

''ارے ہاں۔۔۔'' خوش نصیب نے اپنا ایک ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ کمر پر ٹکا تھا۔ ''جبران۔۔۔ نہیں معاویہ۔۔۔ یہی تو ہے وہ شخص جو شامیر کی اصلیت سے واقف ہے۔ جو اچھے سے جانتا تھا کہ اس دوغلے شخص کا اصل چہرہ کس قدر گھناؤنا ہے۔''

http://kitaabghar.com

امید کی ہلکی سی کرن کیا جاگی ،خوش نصیب کے چہرے کی نگت بھی بحال ہوگئی۔ یک دم ہی شدید پیاس اور گرمی کا احساس جاگ اٹھا۔ ناخن کھا لینے کے باعث اب انگلیوں میں تکلیف کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔مگر اس سب احساسات کو پس پشت ڈال کر اس کا دماغ صرف معاویہ اردشیرازی کے گرد گھوم رہا تھا۔۔۔

اپنی سوچوں میں گم وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔دروازہ کھول کر وہ کمرے میں واپس آئی۔نانی اس کی طرف سے مایوس ہوکر دوبارہ اونگھنے میں مصروف ہوچکی تھیں۔ایک طرف تپائی پر پانی کا جگ اور گلاس پڑے تھے۔خوش نصیب نے پانی گلاس میں ڈالا اور معاویہ کے متعلق سوچتے ہوئے گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے اتارنے لگی۔۔

اسی وقت کمرے کے باہر قدموں کی چاپ ابھری اور ساتھ ہی ماہ نور اور روشن امی کی آواز سنائی دی۔مزید لعنت ملامت سہنے کا نہ موڈ تھا نہ ہی حوصلہ،سوخوش نصیب تیزی سے بستر میں گھس گئی اور آنکھیں موند کر سونے کا ڈرامہ کرنے لگی۔ دماغ ابھی بھی معاویہ اردشیرازی میں اٹکا تھا۔

نیند کی وادی میں اترنے سے پہلے جو آخری خیال اس کی دماغ میں آیا تھا وہ یہ تھا۔۔۔

"مجھے ہر حال میں اس شخص کو ڈھونڈنا ہوگا۔۔۔مگر کیسے؟"

☆......☆......☆

"...تم یقین کروگی منفرا وسامہ کے دنیا سے جانے کے بعد میں نے ایک بھی دن خود کو زندہ محسوس نہیں کیا..تب بھی نہیں جب آئے کت کی محبت نے میرے دل کی دنیا میں نقب لگائی تھی۔....."

داہنے ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے بائیں ہاتھ کو جیکٹ کی جیب میں گھسائے وہ دور دیکھ رہا تھا وہاں جہاں ساحل کا کنارہ آسمان سے جا ملتا تھا اور ڈوبتے سورج کی بے ضرر کرنوں کے رنگ ساحل کے پانی میں گھل مل رہے تھے۔بے ترتیب سے بال ماتھے پر پڑے تھے آنکھوں کے گرد حلقے بن چکے تھے۔شیو بڑھی ہوئی تھی اور چہرے پر جیسے ساری زندگی کی تھکن سمٹ آئی تھی۔

ساحل کے کنارے مدھم پڑتی شام کی اداسی اس کے لہجے میں سمٹ ائی تھی یا اس کے لہجے نے اس شام کو اداس بنا دیا تھا۔فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ساری ناراضی کو بالائے طاق رکھ کر منفرا نے اپنے دل مین اس کے لئے ایک زبردست ہمدردی نما جذبے کو سر اٹھاتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"میں چھوٹا سا تھا...شائد تین یا چار سال کا ہوؤنگا...لیکن مجھے یاد ہے.. بابا میری انگلی پکڑ کر مجھے طالب ماموں سے ملوانے لائے تھے اور پھر وہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہر سال وہ باقاعدگی سے میرے اکاؤنٹ میں روپے بھجواتے رہتے تھے...نہیں بھجوا سکے تو محبت نہیں بھجوا سکے۔سال میں ایک آدھ بار فون کر لیتے تھے یا ہر دو سال بعد ایک مختصر ملاقات کے لئے اا جاتے تھے...مجھے نہیں یاد پڑتا انہوں نے

کبھی مجھ سے پندرہ منٹ سے زیادہ بات کی ہو...لیکن اتنا مجھے ضرور یاد ہے انہیں ہر ملاقات میں میری پرسنیلٹی میں خامیاں نظر آتی تھیں ۔انہیں لگتا تھا میری مرحومہ ماں کے خاندان والوں نے مجھے بزدل بنا دیا ہے۔میں پڑھائی میں اچھے گریڈز نہیں لا پاتا تھا تو اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ تھے میری ماں کے رشتے دار....

میں کیوں ان کی باتیں مانتا...مجھے بہت بچپن سے ان سے الجھن ہوتی تھی۔ہم باپ بیٹا میں ویسا تعلق کبھی بھی بن ہی نہیں سکا ...ویسی محبت پیدا نہیں ہوسکی جیسی طالب ماموں اور وسامہ کے درمیان تھی...تمہیں پتا ہے منفرا! نہ چاہتے ہوئے بھی میں طالب ماموں کو آئیڈیلائز کرنے لگا تھا۔میں اللہ سے شکوہ کرتا تھا کہ اس نے مجھے طالب ماموں کا بیٹا بنا کر ہی پیدا کیوں نہیں کر دیا۔اس نے مجھے کیوں ایسے شخص کا بیٹا بنا دیا جسے اپنی اپنی دولت اپنی سوشل لائف سگے بیٹے سے زیادہ عزیز تھی...''

وہ بہت بے ربط بول رہا تھا لیکن چپ ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ایسا لگتا تھا صدیوں بعد اپنے دل کا غبار نکال رہا ہے۔اگر ایک بار چپ ہوگا تو کبھی نہیں بول پائے گا۔

''سب کہتے ہیں...میرے ماں باپ نے محبت کا نام لیکر شادی کی تھی۔دس سال انہوں نے اسی محبت کے ساتھ اسی محبت کی آس پر گزار دیئے۔دس سال انہوں نے اللہ سے مجھے مانگا۔اور جب اللہ نے مجھے انہیں دینے کا ارادہ کیا..تب تک بابا کی زندگی مین کوئی دوسری عورت آچکی تھی۔وہ اس زمانے کی مشہور ماڈل گرل تھی اور میرا باپ ایک کامیاب بزنس مین۔

اس عورت کے پاس وہ تمام ناز و انداز تھے جو کسی بھی مرد کو اس کے خزانے کا منہ کھول دینے پر مجبور کرسکتی ہیں۔میری ماں کے پاس جب تک اولاد نام کی بیڑی ائی جسے وہ بابا کے قدموں میں ڈال کر اپنا گھر بچا سکتی تھیں تب تک میری بابا کے خزانے کے ساتھ ساتھ دل کا دروازہ بھی ازسرنو کھل چکا تھا...میری ماں کو اللہ سے اولاد کے لئے جھولیاں پھیلا کر دعائیں کرتے ہوئے کبھی احساس تک نہ ہوسکا کہ ابا بابا انہیں کب کا اپنے دل سے نکال کر باہر کھڑا کر چکے تھے اور جب انہیں پتا چلا...تب تک پانی سر سے گزر چکا تھا۔

محبت نے محبت کے نام پر ہی ایسی کاری ضرب لگائی کہ میرا وجود بھی میری ماں کو ذہنی ابتری سے نہ بچا سکا۔

تم کہتی ہو...میں محبت کے نام پر اپنی زندگی گزار رہا ہوں.تو سنو میری کہانی۔میری ماں وہ پہلی انسان تھیں جنہیں ان کی بے تحاشہ محبت نے جینے نہیں دیا۔''

اس کی آنکھیں بے تحاشہ سرخ ہو چکی تھیں۔اور لہجہ بیحد تلخ۔

''اور یوں..محبت کے پیچھے میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم رشتہ کھو دیا..انفیکٹ ماں اور باپ دونوں کو کھو دیا۔..'' وہ تلخ سے تلخ تر ہوتا جا رہا تھا اب اس کے لبوں پر زہر بھرا تبسم تھا۔

''تو کیا میں یہ سمجھوں.تم محبت سے نفرت کرتے ہو؟'' منفرا نے آہستگی سے پوچھا۔

معاویہ چپ چاپ سامنے دیکھتا رہا پھر اس نے گردن موڑ کر منفرا کو دیکھا۔ اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''نفرت نہیں ہے مجھے محبت سے۔ لیکن میں دیوانگی کا قائل نہیں ہوں۔ محبت ایک جذبہ ہے کل کائنات نہیں کہ اس کے پیچھے انسان اپنی سدھ بدھ ہی کھو دے۔''

''اور..... اور آئے کت؟؟'' اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ بیوی نہیں منگیتر تھی میری۔ یہ ایک عجیب بات ہے لیکن حقیقت ہے۔'' وہ پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں نے وسامہ سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو آئے کت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ وہ قابل احترام تھی میرے لئے۔ لیکن ہماری سوسائٹی ہمیں اتنا مارجن نہیں دیتی کہ محض کسی کا خیال رکھنے کی غرض سے اس سے تعلق بنا کر رکھا جائے سو مجھے آئے کت سے شادی کا فیصلہ کرنا پڑا... مجھے خود پتا نہیں چلا میں کب اس کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا گیا.. شائد.... شائد اس کی وسامہ سے بے تحاشہ محبت نے مجھے اس کی قدر کرنے پر مجبور کر دیا تھا.. ہم دونوں کو وسامہ عزیز تھا۔ اور اسی لئے ہم ایک دوسرے کو عزیز ہوتے چلے گئے...''

منفرا نے کافی کا ایک سپ لیا اور برا سا منہ بنایا۔ پتا نہیں کافی ٹھنڈی یخ ہو کر اسے اتنا بدمزہ کر گئی تھی یا معاویہ کی بات بدمزگی کے حساب سے زیادہ وزنی تھی۔

''کیا وہ بہت خوبصورت تھی؟'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد منفرا نے پوچھا۔

''کیا تم نے کبھی پریاں دیکھی ہیں؟'' معاویہ نے اچانک سے عجیب سوال کیا۔

منفرا نے ذرا تعجب سے ماتھے پر شکنیں ڈال کر اسے دیکھا۔ ''نہیں۔''

''کاش پھر تم نے آئے کت کو دیکھا ہوتا... اگر پریوں کی کوئی واضح شکل ہوتی تو یقیناً آئے کت جیسی ہوتی۔''

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وہ ذرا جل کر بولی تھی۔

''میں بچپن سے ایک پری کو خواب میں دیکھتا آرہا ہوں... کبھی اس کی شکل واضح نہیں ہوتی تھی.. پھر مجھے آئے کت محبت ہو گئی اور .... تم شائد یقین نہ کرو.. لیکن اس خواب والی پری کی شکل آئے کت جیسی ہو گئی تھی۔''

جھینپے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے معاویہ نے اپنے کان کی لو کو چھوا تھا۔

منفرا مسکرا بھی نہ سکی اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا۔

''اب وہ کہاں ہے؟.... میرا مطلب ہے... تمہیں اس سے اتنی ہی محبت تھی تو شادی کیوں نہیں کی؟''

''ہم شادی کرنے والے تھے لیکن..... ہماری شادی والے روز وہ لاپتا ہو گئی۔'' وہ ایک اور کرب سے گزرا۔

منفرا ہکا بکا رہ گئی۔

"تلاش نہیں کیا تم نے اسے؟"

"بہت....آٹھ سال سے یہی کر رہا ہوں۔"

"سنا ہے کوئی جن تمہاری پری پر عاشق ہو گیا تھا۔" اس نے تلخی سے کہا کیونکہ اب اسے غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ معاویہ کو کیا ضرورت تھی کہ کسی لڑکی کی محبت میں اسقدر مبتلا ہوتا کہ زندگی کے آٹھ قیمتی سال ہی گنوا دیتا۔

"جن نہیں تھا آسیب تھا... بدروح..یقین رکھتی ہو تم..حیات بعد الموت پر ریسرچ کی ہے کبھی؟"

منفرا نے اسے بغور دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا اور بولی۔

"پہلے زندگی اور زندہ انسانوں پر تو ریسرچ کر لوں..ضرورت ہوئی تو مرے ہوؤں کو بھی کھوج لونگی۔"

اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ جسے ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ چھپا نہیں پائی تھی۔

"میں نے بہت کھوج لگانے کی کوشش کی۔" وہ اس کے طنز کو سمجھا نہیں یا سمجھ کر بھی اگنور کر دیا۔ منفرا یہ بات سمجھ نہ سکی اور معاویہ بولتا چلا گیا۔

"....لیکن میں ناکام رہا...دراصل جب ہم مفروضوں کے پیچھے دوڑتے ہیں ان کی کھوج میں رہتے ہیں تو ناکام ہی رہتے ہیں۔....حالانکہ میں پہلے دن سے جانتا تھا..آئے کت کو کسی آسیب نے غائب نہیں کیا....وہ اپنی مرضی سے...اپنے دل کی پوری رضامندی سے..اپنے ترکش بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی گئی تھی۔...."

ہموار لہجے میں اس نے ایک اور راز سے پردہ اٹھایا بالکل ایسے جیسے اپنی منگیتر کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں بتا رہا ہو۔ منفرا ہکا بکا اس کی شکل دیکھتی چلی گئی تھی یہانتک کہ آسمان کی باقی ماندہ روشنی کو ساحل کے کنارے نگل گئے تھے۔

☆......☆......☆

اگلی صبح اس کی آنکھ معمول سے کچھ دیر سے کھلی۔ اس نے دیوار پر لٹکی گھڑی جو کہ ساڑھے دس بجے کا وقت بتا رہی تھی، کو گھور کر دیکھا گویا آنکھوں سے ہی اسے دیوار سے نیچے گرا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ چھت پر پھیلی ہوئی چمکیلی دھوپ گرمی کا احساس دلاتی تھی۔ کبوتروں کی غٹرغوں کی آواز اب ماحول کا حصہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ کبوتروں کے علاوہ اور کوئی آواز فی الحال سنائی نہیں دے رہی تھی۔

دل ہی دل میں اپنی نیند کو کوستے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اتنی دیر سے اٹھی تھی تو روشن امی سے ڈانٹ پڑنا لازم تھا۔ آنکھیں نیم وا کیے وہ اپنے دماغ کو پوری طرح حاضر کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کل کے تمام واقعات کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ ساتھ ہی سونے سے پہلے آنے والے آخری خیال، کہ معاویہ اردشیر ازی کو کیسے ڈھونڈا جائے، نے دماغ پر زوردار دستک دی اور

اجازت لیے بغیر ہی سوچ پر پوری طرح حاوی ہو گیا۔

اپنے منتشر خیالات کو دماغ سے جھٹکتے ہوئے اس نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ بستر سمیٹے جا چکے تھے۔ کمرہ صاف ستھری حالت میں تھا۔ ماہ نور تو کمرے میں موجود نہیں تھی مگر حیران کن طور پر روشن امی کمرے میں موجود تھیں اور نانی کے پاس بیٹھی دھیمی آواز میں کچھ بات کر رہی تھیں۔ ان کی روئی روئی آنکھوں نے خوش نصیب کو عجیب شرمندگی میں مبتلا کر دیا۔ غلط نہ ہوتے ہوئے بھی یک دم اپنا آپ غلط محسوس ہونے لگا۔ یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی کہ روشن امی اسے غلط سمجھ رہی ہیں اور وہ ان کے رونے کا سبب بنی ہے۔

ماں سے بات کرنے کا سوچتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ گئی۔ پہلے بڑی شرافت سے بستر سمیٹا پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب کمرے میں واپس آئی تو چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جنہیں وہ اپنے ڈوپٹے سے پونچھ رہی تھی۔ روشن امی نے ابھی تک اس پر ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی۔ ان کے ہر ہر انداز سے شدید ناراضگی اور بیزاریت جھلک رہی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر افسوس سے بھر گیا۔

چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ معصوم سی شکل بنائے ماں کے پیروں میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور بیٹھتے ساتھ ہی ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ خطرہ تھا کہ ماں اٹھ کر چلی نہ جائیں۔

روشن امی نے فوراً اپنے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی لیکن خوش نصیب نہ ان کی کوشش کو ناکام بنا دیا اور ان کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھی رہی۔ چند لمحے ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر روشن امی کی آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہونا شروع ہو گیا۔ خوش نصیب کا بوجھل دل کچھ اور تاسف سے بھر گیا۔

"آئم سوری روشن امی! مجھے معاف کر دیں۔۔۔ میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔" ان کی آنکھوں میں جمع آنسو دیکھ کر ایک خوش فہمی سی دل میں جاگی تھی کہ روشن امی کو شاید اس کی بات کا یقین آ گیا ہے۔

"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو خوش نصیب؟ کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا؟" روشن امی نے کہا تھا۔ خوش فہمی کی ٹوکری یک دم زمین پر جا گری تھی۔

"آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے روشن امی؟" اس کے دل کا بوجھل پن اس کی آواز سے بھی نمایاں ہونے لگا تھا۔

"خوش نصیب! میری بات مانوں۔ شامیر اور فاطمہ سے معافی مانگ لو۔۔۔ وہ اچھے لوگ ہیں تمہاری غلطی کو معاف کر دیں گے۔" روشن امی نے جیسے اس کے سوال کو سنا ہی نہیں تھا۔

خوش نصیب نے لب بھینچ لیے۔ تاسف کی جگہ تیزی سے غصے نے لے لی۔ انہیں ماں ہو کر بھی اس کی بات کا یقین نہیں تھا؟ یہ خیال ہی آگ لگانے والا تھا۔

''خوش نصیب! تمہیں ذرا سا بھی احساس ہے کہ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ سب لوگ ہم سے کس قدر خفا ہیں۔۔۔ کیوں میری تربیت کو بار بار نشانہ بنواتی ہو تم۔۔۔ ایک بات اچھے سے جان لو۔۔۔ معافی تو تمہیں مانگنی ہی ہوگی اور صرف شامیر اور فاطمہ سے ہی نہیں، بلکہ تمہیں فضیلہ سے بھی اپنی حرکت کی معذرت کرنا ہوگی۔''

''میں آپ سب کو بتا چکی ہوں کہ میں معافی نہیں مانگوں گی۔ میں نے سچ بولا ہے اور سچ بولنا مجھے آپ نے ہی سکھایا ہے۔ پھر میں کیوں مانگوں معافی؟ کیا غلطی کی ہے میں نے؟ کیا سچ بولنا غلط ہے روشن امی؟ یا اپ کو لگتا ہے میں ماہ نور کے لیے کچھ برا چاہوں گی۔۔۔''

ہمیشہ کی طرح لہجہ ہٹ دھرم تھا اور اس کے لہجے کی ہٹ دھرمی ہی روشن امی کے غصے کو ہوا دے گئی تھی۔ دل تو چاہا تھا کہ ایک کرارا سا تھپڑ رسید کریں اور کان سے پکڑ کر لے جا کر شامیر اور اس کی ماں سے معافی منگوائیں۔ جانے کیسے اپنے غصے پر قابو پا کر انہوں نے اس خواہش کو دل میں دبایا تھا مگر جب وہ بولیں تو لہجے میں غصے کی جھلک نمایاں تھی۔

''خوش نصیب! خوش نصیب! میں کیا کروں تمہارا؟ آخر کس غلطی کی سزا دے رہی ہو تم مجھے؟ آخر کس بنیاد پر تم اتنا بڑا الزام لگا رہی ہو؟ اللہ نے اتنا اچھا وسیلہ بنایا تھا میری ماہ نور کے لیے۔۔۔ تم کیوں اس وسیلے کو ضائع کرنے پر تلی ہو؟ اور پھر اگر میں مان بھی لوں کہ تم سچ کہتی ہو تو بتاؤ۔۔۔ کیسے ثابت کرو گی تم اپنی بات کو؟ کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟ بھائی صاحب کو کیا جواب دو گی تم؟ ہے کوئی جو تمہاری بات کی گواہی دے؟''

''روشن امی! آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں ماہ نور کے ساتھ کچھ غلط کرنا چاہتی ہوں؟'' ایک تو روشن امی کا غصہ اور دوسرا یہ الزام۔۔۔ اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ ''میں نے ہمیشہ آپ کے لیے اور ماہ نور کے لیے اچھا ہی سوچا ہے۔۔۔ میں کیوں نہیں چاہوں گی کہ ماہ نور ہمیشہ خوش رہے۔ آپ ہو چھ رہی ہیں نا کہ میری بات کی گواہی کون دے گا تو ایک انسان ہے جو میری گواہی دے سکتا ہے۔ شامیر نے جب مجھے جھانسہ دے کر اپنے گھر بلایا تھا تو وہاں سے جس بندے نے مجھے نکلنے میں مدد دی تھی وہ میرے حق میں گواہی دے سکتا ہے۔ وہ واقف ہے شامیر کی سچائی سے۔۔۔ وہ بتا سکتا ہے سب کو سچ۔۔۔ معاویہ اردشیر ازی نام ہے اس کا۔۔۔'' بات کی اختتام تک اس کی آواز پُر جوش ہو گئی تھی۔ معاویہ کی غیر موجودگی سے ہٹ کر وہ اسی بات پر خوش ہو گئی تھی ک کم از کم ایک انسان ہے جو اس کی بات کی سچائی پر مہر ثبت کر سکتا ہے۔

روشن امی نے تو جیسے اپنا ماتھا ہی پیٹ لیا۔ ڈھٹائی سی ڈھٹائی تھی۔ سمجھانے کا کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا اس لڑکی پر۔ اب اپنا ایک جھوٹ چھپانے کے لیے دوسرا جھوٹ تیار کر لیا تھا۔ انہوں نے انتہائی خفگی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے آزاد کروائے تھے۔

'' اماں! آپ ہی سمجھائیں۔۔۔'' انہوں نے جیسے تھک کر اپنی ماں سے مدد طلب کی تھی۔ ''اسے کہیں میری بات مانے اور معافی

مانگے۔ یہ معافی مانگ لے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمیں ماہ نور کے لیے اس سے بہتر رشتہ بھلا کہاں ملے گا۔ آپ بتائیں اماں! ماہ نور کے لیے شامیر سے بہتر رشتہ ہمیں کہاں ملے گا؟''

نانی منہ سے تو کچھ نہ بولیں لیکن ان کی آنکھوں سے میں بھی خفگی نمایاں تھی۔ یقیناً روشن امی انہیں خوش نصیب کے نئے کارنامے کے بارے میں تفصیل سے بتا چکی تھیں۔ نانی کے چہرے کی خفگی یقیناً اسی کارنامے کا نتیجہ تھی۔

خوش نصیب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ ''جن پتوں پر تکیہ تھا، وہ پتے ہوا دینے لگے'' کے مصداق اس وقت اس کے قریبی لوگ ہی اس سے سب سے زیادہ خفا تھے۔

''اور سچ تو یہ ہے خوش نصیب! کہ دو دن بعد تم کہو گی کہ یہ لڑکا۔۔۔ کیا نام لے رہی ہو؟ ہاں۔۔۔ معاویہ۔۔۔ یہ بھی تمہارا وہم تھا۔ وہ تو کوئی خلائی مخلوق تھا جسے خاص طور پر تمہاری مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔۔۔ وہ آیا، اس نے تمہاری مدد کی اور پھر وہ غائب ہو گیا۔۔۔ کیوں سب کو بچوں کی کہانیاں سنا رہی ہو خوش نصیب؟ آخر کیا دشمنی ہے تمہیں شامیر سے؟ یہ دیکھو۔۔۔ میرے بندھے ہاتھ دیکھو۔۔۔''

آنکھوں میں آنسو لیے روشن امی نے سچ میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''یہ میرے بندھے ہاتھ دیکھو اور جھوٹ بولنا بند کرو۔ کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس سے۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ تم سب کو پریشان کرنے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ اس لیے اپنی بک بک بند کرو اور جا کر معافی مانگ لو۔''

''آپ اب میرے ساتھ ایسا تو نہ کریں۔۔۔'' خوش نصیب ان کے بندھے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بولی۔ ''کم از کم آپ تو میری بات کا یقین کریں روشن امی! مجھے باقی سب کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا اور آپ پلیز روئے تو مت۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا کہ میں آپ کو خفا نہیں دیکھ سکتی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ بھلا یہ وقت بھی آنا تھا کہ روشن امی کو یقین دلانے کے لیے اسے گواہ کی ضرورت پڑے۔

''اگر تم مجھے ناراض نہیں دیکھ سکتی تو میری بات مانو۔ جاؤ اور جا کر سب سے اپنے عمل کی معافی مانگو۔ جب وہ سب تمہیں معاف کر دیں تو سمجھ لینا میں نے بھی کر دیا۔ ایک بات اور خوش نصیب! تم ہمیشہ اپنی زندگی میں تکلیف اور مشکلات کا ذکر کرتی ہو۔ آج میں تم سے کہتی ہوں کے خدارا ہماری پریشانیوں میں اضافہ مت کرو۔ ماہ نور کی خوشیوں میں روڑے مت اٹکاؤ۔۔۔''

روشن امی نے انتہائی سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئیں تھیں۔

''اماں میں کچن میں جا رہی ہوں۔۔۔ بیچاری ماہ نور اکیلے ہی سب کام نبٹا رہی ہو گی۔ آپ کا ناشتہ بھی لاتی ہوں۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ آنکھوں میں آنسو لیے کمرے سے باہر نکل گئیں تھیں اور خوش نصیب چارپائی کے پاس ہی گھٹنوں کے بل زمین پر اپنا سر پکڑے بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

منفرا شاکڈ سی معاویہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی معمہ سا شخص تھا۔ ہر بار کوئی ایسا جملہ بولتا جو پچھلے سے زیادہ منفرا کو چونکا دیتا تھا۔

"اگر تم جانتے تھے..تو سب کو بتایا کیوں نہیں؟؟...میرا مطلب ہے...یہ راز تم نے راز کیوں رہنے دیا۔"

"ہم جن سے محبت کرتے ہیں ناں منفرا! ان کو ہمیشہ کچھ مارجن دے دیتے ہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے میں نے آئے کت کو مارجن دیا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی اسے بدکردار کہے۔ اس لئے میں نے جھولتے ہوئے سوالوں کو رہنے دیا سب کے ذہنوں میں۔ میں ہر ایک کو یہ نہیں سمجھا سکتا تھا کہ اسے کسی اور سے محبت تھی تو اسکا حق تھا کہ وہ اسی کے ساتھ جائے..لیکن کاش! اس نے مجھ پر اعتماد کرلیا ہوتا۔" وہ دکھی لہجے میں بولا تھا

منفرا بالکل حیران سی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیسے ری ایکٹ کرے۔

"لیکن...تمہیں یہ بتایا کس نے؟..میرا مطلب ہے..آئے کت کے بارے میں؟"

"کچھ عرصے بعد آئے کت مجھے ای میل کی تھی..اپنے رویئے کی عافی ءمانگی تھی اور بتایا تھا کہ وہ احمت کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہی ہے۔"

"تمہیں جا کر اس کے شوہر کو اس کی اصلیت بتانی چاہیئے تھی۔" منفرا نے ناراضی سے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا؟؟...وسامہ دنیا سے جاچکا تھا۔ اور آئے کت نے اپنی پسند کے مرد کو اپنے لئے منتخب کرلیا تھا...مجھے کیا حق دیا تھا کسی نے کہ میں جا کر اس کی زندگی خراب کرتا۔؟" اس نے دوبدو پوچھا

"آٹھ سال سے تم اس عورت کا غم سینے سے لگائے گھوم رہے ہو۔"

"میں اس عورت کا نہیں اپنے بھائی کا غم سینے سے لگا کر گھوم رہا ہوں۔"

"تم پاگل ہو؟" وہ جھلائی۔

"ہاں شائد۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے بہت سے سوال تنگ کرتے رہتے تھے منفرا! لیکن ان آٹھ سالوں میں ان میں سے ایک کا بھی جواب نہیں مل سکا۔ اس روز پانی کی تہہ میں اترا تو احساس ہوا...میں کتنا وقت برباد کرچکا ہوں۔ سو میں نے اسی تہہ میں ان آٹھ سالوں کو بہہ جانے دیا....میں ہر چیز بھول کر ایک نئی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اب بیچارگی سے بول رہا تھا۔

"خدا تمہیں کامیاب کرے۔" منفرا نے صدق دل سے دعا دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سگ پکڑلیا پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

"اور اس آسیب کا کیا ہوا؟"

"پتا نہیں؟...میں کافی عرصے سے فلک بوس نہیں جاسکا۔"

http://kitaabghar.com

منفرا اثبات میں سر ہلا کر واپسی کے لئے پلٹ گئی۔ جمال صاحب کے کاٹیج کی بتیاں جلائی جا چکی تھی اور وہ دور سے ماچس کی چھوٹی سی روشن ڈبی جیسا چمکدار اور خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔

''سنو'' اس نے پکارا تو وہ رک کر پلٹی اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتا ہوں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا؟''

معاویہ نے اس کا خوبصورت چہرہ دیکھا اپنے اندر ہمت جمع کی اور بولا۔

''میرے خوابوں میں آنے والی پری کا چہرہ اسی دن بدل گیا تھا۔ جس دن میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا...کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اب اس پری کا چہرہ کتنا خوبصورت دکھائی دینے لگا ہے؟'' وہ زیرلب مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

منفرا کچھ سمجھی کچھ نہیں۔ الجھ البتہ زیادہ گئی تھی۔

''میں...میں سمجھی نہیں؟''

معاویہ ایسے ہی مسکراتا ہوا چند قدم چلتا اس کے قریب آیا اور نرمی سے بولا۔

''میں نے لائف آفٹر ڈیتھ پر ریسرچ کرتے اپنی زندگی کے آٹھ سال برباد کئے ہیں ..اگلے آٹھ سال...بلکہ اٹھارہ سال...نہیں میں نے غلط کہہ دیا...''

وہ بار بار رک رہا تھا۔ لفظ اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے وہ اپنی بے بسی پر ہنستا تھا لیکن وہ ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''......میں اپنی زندگی کے اگلے تمام سال...تمہارے ساتھ زندہ انسانوں پر ریسرچ کرتے ہوئے گزارنا چاہتا ہوں...''

اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے منفرا کا گلابی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری محبت میں دیوانہ ہو چکا ہوں..لیکن اس بات کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں ساری زندگی تم سے محبت کروں گا....دنیا کی نظروں میں میں ایک کامیاب انسان ہوں...میرے پاس دولت ہے وجاہت ہے۔ رتبہ ہے..محبت نہیں ہے.تم...مجھ سے محبت کرو گی منفرا؟''

وہ اسے بہت آس امید سے دیکھ رہا تھا۔ عجیب بات تھی کہ اتنا خوبرو انسان اتنا کامیاب انسان اس کے سامنے دامن پھیلائے کھڑا تھا اور منفرا نے دیکھا اس نہ سمجھ میں آنے والے شخص کی پوری شخصیت کو محبت کی نرمی اور ملاحت نے بالکل بدل ڈالا تھا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کسی انجان لمحے میں اس شخص کے ساتھ کی بن مانگی دعاؤں بر آئے گی منفرا نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

☆......☆......☆

اگر آپ فضل منزل کی چھت کے اس واحد کمرے میں داخل ہوں تو سب سے پہلے جو چیز پردہ چشم پر ابھرتی ہے وہ، وہ گیلری ہے جو فضل منزل کے صحن کی طرف کھلتی ہے۔گیلری کی سامنے کی دیوار میں ساتھ ساتھ تین جھروکے بنے ہوئے ہیں۔ عام طور پر ان جھروکوں کے سامنے گرمی کا اثر کم کرنے کے لیے چقیں لٹک رہی ہوتی ہیں مگر فی الحال ماہ نور وہ چقیں ہٹا کر جا چکی ہے۔

اگر آپ تھوڑا آگے بڑھ کر ان جھروکوں سے باہر دیکھیں تو آپ کو دو باتوں کا پتا چل سکتا ہے۔

اول تو یہ کہ آج موسم بے حد خوشگوار ہے۔آسمان پر کالے اور سرمئی بادلوں کی مہتات ہے۔ٹھنڈی ہوا کے جھونکیں جھوم کر آتے ہیں اور کسی بھی انسان کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ جھروکوں کے سامنے بچھی چارپائی پر پاؤں پسار کر لیٹ جائے اور قدرت کے چلائے ہوئے اس قدرتی اے سی کا فائدہ اٹھا کر گہری نیند سو جائے۔ پس اگر آپ ان جھروکوں کے سامنے بچھی چارپائیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکتے ہیں۔

دوم بات یہ کہ یہ جھروکے پوری فضل منزل پر نگاہ رکھنے کے لیے بہترین مقام ہیں کیونکہ یہاں سے پورا صحن نظر آتا ہے اور تمام کمروں کے دروازے اس صحن میں ہی کھلتے ہیں۔اب خدا معلوم خوش نصیب بی بی اس اہم مقام اور اس کی افادیت سے واقف ہیں یا نہیں۔۔۔

اگر صحن میں دائیں طرف نگاہ دوڑائیں تو جامن کے درخت کے نیچے پڑی چار کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی صیام صاف دکھائی دیتی تھی۔موسم کی مناسبت سے سفید اور کالے رنگ کا نیا سوٹ پہنے، گلے میں لمبا سا سفید ڈوپٹہ ڈالے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی ہے اور پندرہ منٹ پہلے بطخ جیسی شکل بنا کر مختلف زاویوں سے لی گئی پچپن سیلفیوں کو چھانٹ رہی ہے۔

بالآخر ایک سیلفی صیام کو پسند آ گئی تو مزید انتظار کیے بغیر جھٹ سے انسٹاگرام کھولا اور ''جسٹ آ رینڈم کلک۔۔۔ ہیش ٹیگ لولی ویدر'' کے کیپشن کے ساتھ اپلوڈ کر دی اور سکھ کا سانس لیا۔۔۔کوئی مانے نہ مانے، سیلفیوں کی چھانٹی کوئی آسان کام نہیں ہے۔۔۔

اگر گیلری میں اسی مقام پر کھڑے کھڑے، جہاں سے صیام کو دیکھا تھا، اگر تھوڑا سا خود کو جھروکے سے باہر نکال کر آگے نگاہ دوڑائیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ صحن میں صیام کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے جس کی موجودگی سے فی الحال صیام بھی ناواقف تھی۔

جی ہاں۔۔۔وہاں شامیر کھڑا ہے۔۔۔

بکھرے ہوئے بال، ماتھے کی پھولی ہوئی رگ، پرسوچ آنکھیں جن میں سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے اور جو عجب وحشت لیے صیام پر ٹکی تھیں۔اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے ہیں اور ڈریس شرٹ سلوٹ زدہ ہے۔چہرہ سے شدید وحشت اور غصہ ظاہر ہو رہا ہے۔

سینے پر بازو باندھے اور برآمدے کے ستون سے کندھا ٹکائے وہ صیام کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ فی الوقت اس کی تمام تر دیوانگی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔کچھ سوچتے سوچتے وہ سیدھا ہوا تھا۔سینے پر بندھے بازو اب پہلو میں لٹک گئے۔ہاتھ بند

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

مٹھی کی شکل اختیار کر گئے اور آنکھوں کی وحشت، جنون بھری چمک میں بدل گئی۔ وہ ایک فیصلہ کر کے پھرتی سے صیام کی طرف لپکا تھا۔ دوسری طرف صیام ابھی بھی اپنی طرف بڑھتے خطرے سے بے خبر تھی۔

☆......☆......☆

”خوش نصیب۔۔۔!“

خوش نصیب عرفات ماموں سے ملنے ان کے پورشن کی طرف جا رہی تھی جب پیچھے سے صیام نے اسے پکارا تھا۔ حلق تک کڑوا ہو گیا تھا اس آواز کو سن کر۔ اس نے کچھ اچھا تو نہیں کیا تھا خوش نصیب کے ساتھ۔ اسے بچانے کے لیے خوش نصیب نے کیف کو خود سے متنفر کر دیا تھا اور صیام نے خوش نصیب کے خلاف ہی گواہی دے ڈالی تھی۔

چہرے پر بے تحاشہ بیزاری لیے وہ پلٹی تھی۔

”فرماؤ۔۔۔“ پھاڑ کھانے والا لہجہ۔۔۔

صیام تیز تیز چلتی ہوئی اس کے پاس آ رکی تھی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر سنجیدگی مگر نرمی سے بولی۔

”میرے ساتھ آؤ خوش نصیب! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔۔۔“

خوش نصیب نے اس حکم نما فرمائش کو سنا اور پھر گھور کر صیام کو دیکھا۔

”اگر تم مجھے شامیر سے معافی مانگنے کا کہنے آئی ہو تو واپس تشریف لے جاؤ۔۔۔ مجھے اس بارے میں تم سے یا کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنی۔“

”نہیں خوش نصیب! میں تمہیں ایسا کچھ بھی نہیں کہنے آئی۔۔۔ بلکہ۔۔۔ بلکہ۔۔۔ میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔۔۔“ صیام نے شرمندہ سے انداز میں نظریں ملائے بغیر کہا تھا۔

خوش نصیب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”صیام اور معافی۔۔۔ وہ بھی مجھ سے؟ خیر تو ہے بی بی، سر پر چوٹ تو نہیں لگی کہیں۔۔۔ جاؤ بہن جا کر اپنا بی پی چیک کرواؤ۔۔۔“

صیام نے اس کے طنز پر سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے اس کو دیکھا تھا پھر نرمی سے بولی۔ ”میرے ساتھ آؤ خوش نصیب! ہم کہیں بیٹھ کر آرام سے بات کر لیتے ہیں۔“

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ نہ ہی مجھے تمہاری معافی چاہیے۔ بھلا کس کس بات کے لیے معافی مانگو گی۔ تمہاری غلطیوں کی لسٹ تو تمہاری عمر سے بھی زیادہ ہے۔“ اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ جانے کے لیے تیزی سے مڑ گئی۔

''خوش نصیب میں شامیر کی سچائی سے واقف ہوں۔۔۔'' صیام نے اسے جاتے دیکھ کر فوراً کہا تھا۔

یہ بات سننے کی دیر تھی کہ خوش نصیب کے بھاگتے قدموں کو وہاں ہی بریک لگ گئی تھی۔ کہاں جانا ہے کیوں جانا ہے سب بھول گیا تھا۔ وہ جس تیزی سے جانے کو مڑی تھی اس سے زیادہ تیزی سے واپس پلٹ آئی تھی۔

''کیا کہا تم نے؟'' خوش نصیب نے صیام کی بازو کو دبوچ لیا تھا۔

''ہاں خوش نصیب! میں جانتی ہوں کہ تم نے شامیر کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے۔۔۔ اور اسی بات کی معافی مانگنے کے لیے تو میں آئی ہوں تمہارے پاس۔۔۔'' اپنی بازو کو اس کی گرفت سے آزاد کرواتے ہوئے اس نے اپنے لہجے کی نرمی کو قائم رکھا تھا۔

''اب اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ چلو۔۔۔ فہمینہ کمرے میں نہیں ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کر سکتے ہیں۔۔۔ مجھے تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔''

خوش نصیب نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور اس کے ساتھ کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

☆......☆......☆

''اگر تم سچائی جانتی تھی صیام تو تم نے سب کے سامنے بولا کیوں نہیں؟ سب کو بتایا کیوں نہیں کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ بلکہ تم نے تو سب کے سامنے مجھے ہی جھوٹا پڑوا دیا۔۔۔''

خوش نصیب اور صیام بیڈ پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، اس نے ایک تکیہ اپنی بازوؤں میں دبوچ رکھا تھا اور اپنی ٹھوڑی اس تکیے پر ٹکائی ہوئی تھی۔

اس کے بالکل سامنے خوش نصیب اس طرح بیٹھی تھی کہ ٹانگیں لپیٹ کر سینے سے لگا رکھی تھیں اور بازوؤں ٹانگوں کے گرد لپٹے تھے۔ اپنے گھٹنوں پر چہرہ رکھے، آنکھوں میں دبا دبا جوش اس کے پرسکون ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ یہ خیال ہی خوش کن تھا کہ اس کے علاوہ بھی گھر میں کوئی شامیر کے سچ سے واقف ہے۔

''میں ڈر گئی تھی۔۔۔'' صیام نے اعتراف کیا۔

''کس بات سے ڈر گئی تھی؟''

''اس نے مجھے دھمکی دی تھی خوش نصیب۔۔۔ کہ اگر میں نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو وہ ہم میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔ صرف اسی لیے میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوگئی تھی لیکن تم نے عین وقت پر سب کچھ خراب کر دیا۔ وہ جب سے اس گھر میں آیا ہے مجھے پریشان کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے اپنے گھر چلنے کی بھی دعوت دی تھی۔ تب تک میں اسے جان نہیں پائی تھی پھر بھی میں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس بات کا اس نے اتنا برا منایا کہ باقاعدہ دھمکیوں پر اتر آیا۔ میں نے بہت بار چاہا کہ سب کو اس کے بارے میں سچ بتا دوں

http://kitaabghar.com

لیکن کبھی ہمت نہیں کر پائی۔“ منہ لٹکائے صیام نے اسے بتایا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو صیام؟ یعنی وہ پہلے دن سے تمہارے بھی پیچھے تھا؟“ خوش نصیب نے حیران پریشان لہجے میں پوچھا تھا۔

”ہاں۔۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں۔۔۔ اگر تم کل سب کو سچ نہ بتا دیتی تو میں تو شاید ابھی کسی کو کچھ نہ بتا پاتی۔ میں تو تم سب لڑکیوں کو بچانے کے لیے شامیر کو اپنانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر تم نے سب کے سامنے کہا کہ کیف مجھے پسند کرتا ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تھا خوش نصیب۔۔۔ پھر سب نے کیف کے حق میں فیصلہ دیا اور میں تب بھی کچھ نہیں کہہ پائی۔ کل جب شامیر نے تعویزوں کا ذکر کیا تھا تو۔ تو میں ...میں نہیں جانتی مجھے کیا ہوا...میں چاہ کر بھی اس کی کسی بات سے انکار نہیں کر پا رہی تھی.. میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتی چلی گئی۔ میرے ذہن نے کام ہی نہیں کیا.....ایسا لگتا تھا جیسے میرے دماغ کو کسی ان دیکھے ہاتھ نے جکڑا ہوا ہو۔“

”تو کیا یہ سچ ہے کہ تم نے گیلری سے تعویز نکال لیے تھے اور پھر شامیر کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا؟“ خوش نصیب نے ماتھے پر الجھن بل ڈالتے ہوئے پوچھا

”ہاں یہ سچ ہے۔۔۔“ وہ مزید شرمندہ ہوئی۔ ”میری اس میں کوئی غلطی نہیں ہے خوش نصیب! میں تب نہیں جانتی تھی کہ شامیر کس خصلت کا آدمی ہے۔۔۔ پھر تم سے جھگڑے کے بعد مجھے اور غصہ آ گیا تھا۔ تم نے میرے منہ پر ناخن مارے تھے۔“

ساری ہمدردی کے باوجود اسے وہ کڑا وقت یاد آ گیا جب خوش نصیب نے اس پر جان لیوا حملہ کیا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے اپنے چہرے کو چھوا تھا اور دل ہی دل میں ان کھرونچوں کے ختم ہو جانے پر شکر ادا کیا تھا۔ پھر اپنی بات کو جاری رکھا تھا۔

”تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے والے تعویز تو میں نے اگلی صبح ہی گیلری سے نکال لیے تھے۔ ایک تو پہلے ہی لڑائی پر غصہ آیا ہوا تھا، اس تعویز پر شامیر کا نام دیکھ کر مزید غصہ آ گیا۔ امی نے میرے لیے شامیر کو پسند کیا تھا، تمہاری اس حرکت نے میرے غصے کو مزید بڑھا دیا۔ بجائے اس کے کہ میں گھر میں کسی کو بتاتی میں نے شامیر کو ہی اس بارے میں بتا دیا۔ خوش نصیب مجھے معاف کر دینا اس حرکت کے لئے۔۔۔ میں جانتی ہوں میں نے بہت غلط کیا تھا۔“

خوش نصیب چپ سی ہو گئی۔ یہ انکشاف انتہائی حیران کن بھی تھا کہ صیام بھی اسی مسئلے کا شکار ہے جس میں خوش نصیب خود کو پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی

” صیام! میری بات سنو۔۔۔ مجھے پتا ہے کہ ہم کبھی بھی اچھے دوست نہیں بن سکے۔۔۔ کزنز ہونے کے باوجود ہم نے ہمیشہ ایک دوسرے کو اپنے دشمن سمجھا مگر صیام وہ سب صرف بچپنا تھا۔ لڑائیاں تو سگی بہنوں میں بھی ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ تم بھی میری بہنوں جیسی ہی ہو۔ تمام بچگانہ لڑائیاں ایک طرف۔۔۔ مگر میں کبھی بھی تمہارے لیے کچھ برا نہیں چاہا۔ جہاں تک تعویز کی بات ہے تو وہ میری بیوقوفی تھی اور کچھ نہیں۔“

http://kitaabghar.com

خوش نصیب نے بڑی بہادری سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

"مجھے لگا تھا کہ اگر میری شادی شامیر سے ہو جائے گی تو سب گھر والوں کو سبق مل جائے گا۔ مجھے اپنی سب محرومیوں کا علاج اس وقت شامیر سے شادی ہی نظر آرہا تھا۔ وہ سب صرف میری بیوقوفی تھی کہ وہ تمہاری بجائے مجھے چن لے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مجھے شامیر سے محبت تھی یا میں اس کے عشق میں مبتلا تھی۔" اپنی بات کے اختتام میں اس نے ناک چڑھائی۔

زندگی میں پہلی بار وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے اس قدر سکون سے بیٹھی تھیں اور لڑنے کی بجائے پرسکون انداز میں بات کر رہی تھیں۔ اگر گھر والے دیکھ لیتے تو یقیناً غش کھا کر گر جاتے۔

"خیر ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ اس ساری مصیبت سے کیسے جان چھڑائی جائے؟ تمہارے پاس کوئی آئیڈیا ہے؟" یقیناً آج کا دن سنہری حروف میں لکھا جانے کے قابل تھا کہ خوش نصیب اپنے علاوہ کسی اور کی بات اور مشورہ سننے کو راضی تھی۔

"ارے ہاں تم کہہ رہی تھی کہ تمہیں کچھ اہم بات بتانی ہے مجھے؟"

"ہاں ۔۔۔ میں اسی بات کی طرف آرہی ہوں ۔۔۔ شامیر کے مسئلے سے بھی بڑا ایک مسئلہ ہے خوش نصیب ۔۔۔ تمہارے پاس آنے سے پہلے میں نے شامیر کو صحن میں ماہ نور سے باتیں کرتے سنا تھا۔ اس نے آج رات ماہ نور کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس تمہارے خلاف کوئی ثبوت ہے جو وہ ماہ نور کو دکھانا چاہتا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میرے خلاف کیسا ثبوت ۔۔۔" خوش نصیب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے ۔۔۔ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں ۔۔۔ یہ تو ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس لیے یا تو اس نے کوئی جھوٹا ثبوت تمہارے خلاف تیار کر لیا یا پھر خوش نصیب ۔۔۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ماہ نور کو نقصان پہنچانے کے لیے کمرے میں بلایا ہو"

خوش نصیب کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

"اب ہم کیا کریں گے؟ ماہ نور تو میری کوئی بات سننے کو راضی نہیں ۔۔۔ کسی بڑے کو بتا دیں؟"

"بیوقوفی کی بات مت کرو ۔۔۔ ایسے تو ماہ نور کی عزت پر بات آئے گی اور تم بتاؤ ۔۔۔ کیا تمہاری اور میری بات پر کوئی یقین کرے گا؟ کوئی بھی نہیں مانے گا۔"

"تو پھر ۔۔۔؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں خود شامیر کے پاس جانا چاہیے ۔۔۔ شاید تم ماہ نور کو بچا سکو اور اگر اس کے پاس کوئی ثبوت ہے تو اس کے بارے میں بھی پتا چل جائے گا ۔۔۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔ مگر میں اکیلی۔۔۔؟ صیام پلیز تم چلو نا میرے ساتھ۔۔۔ میں اکیلی کیسے جاؤں گی؟"

"کدھر جا رہے ہو تم دونوں؟" دروازے کی جانب سے ابھرنے والی آواز نے ان دونوں کو اپنی جگہ سے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک ساتھ دروازے کی جانب پلٹی تھیں۔ دروازے میں کھڑی منہا کو دیکھ کر دونوں کو ہی سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیسے ری ایکٹ کریں۔ سب سے پہلے صیام نے خود کو سنبھالا تھا۔

"کہیں بھی نہیں جا رہے۔۔۔ یا کم از کم میں تو اس کے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔" صیام کا نخوت بھرے لہجہ نے خوش نصیب کو حیران کر دیا تھا۔ اس نے حیرانی سے صیام کو دیکھا تھا۔

"خوش نصیب تمہیں روشن چچی بلا رہی ہیں۔۔۔" منہا نے کچھ مشکوک انداز میں ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پیغام دیا اور کمرے میں آ گئی۔ خوش نصیب ماں کا بلاوا آنے پر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ جاتے جاتے مڑ کر صیام پر ایک نگاہ ڈالی تو اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی تھی؟" منہا نے خوش نصیب کے کمرے سے نکلتے ہی شک بھری نگاہ سے اپنی بہن کو دیکھا تھا۔

"ارے کچھ نہیں یار۔۔۔ وہی شامیر والی اوٹ پٹانگ کہانی سنا رہی تھی۔ اس کے نئے گھر میں جا کر اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنا چاہتی ہے"

منہا نے تاسف سے کندھے اچکائے تھے۔ "پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی۔۔۔"

☆......☆......☆

اگلی صبح نیویارک سٹی کے لئے روانہ ہونے سے پہلے منفرا جھجکتی ہوئی مسز جمال کے پاس آئی اور انہیں معاویہ کے پرپوزل کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ خوش بھی ہوئیں اور حیران بھی لیکن انہوں نے وعدہ کیا وہ مسٹر جمال سے اس بارے میں ضرور بات کریں گی۔ اس روز معاویہ سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ نیویارک آ گئی۔

St._Francis_College میں چھٹیوں کے بعد کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن پہلی بار اپنی کلاسز اور اگلے سمسٹر کی آؤٹ لائنز جاننے سے زیادہ منفرا کو اس بات کی جلدی تھی کہ وہ فی بی کو معاویہ کے پرپوزل کے بارے میں بتا دے۔

یہ خبر سن کر فی بی ایک منٹ کے لئے بالکل چپ سی رہ گئی جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو پھر اس نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے ایک بھرپور چیخ ماری اور منفرا سے لپٹ گئی۔

وہ دونوں بے تحاشہ ہنسنے لگی تھیں۔

"میں پہلے دن سے جانتی تھی تمہارے دل میں اس کی محبت جنم لے چکی ہے۔" فی بی نے چہکتے ہوئے کہا تھا۔ منفارا نے بے تکلفی

سے ایک چپت اسے رسید کی۔

"جو بات میں نہیں جانتی تھی وہ تمہیں کیسے پتا چل گئی... جھوٹی!.."

"تمہاری آنکھیں تمہارے دل کی کیفیت بیان کرتی ہیں منفرا!... اسی لئے میں جان گئی تھی تم اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہو۔"

منفرا اس کی بات پر ہنسنے لگی۔

"پتا نہیں تم کون کون سے اندازے لگاتی رہی ہو... مجھے اس میں دلچسپی ضرور محسوس ہوئی تھی لیکن محبت وحبت نہیں تھی مجھے اس سے۔.."

"اگر ایسی بات ہے تو تم نے اس کے پرپوزل پر ایک دم سے ہاں کیوں بول دیا.. بتاؤ بتاؤ... جلدی اس سوال کا جواب دو۔"

منفرا اس کی بات سن کر سوچنے لگی پھر دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

"وہ بہت ٹوٹا بکھرا سا انسان ہے فی بی!... مجھے ڈر تھا اگر میں نے بھی اس کا ہاتھ نہ تھاما تو.. تو یہ تنہائی اسے نگل لے گی۔"

فی بی شاکڈ رہ گئی۔

"تم نے صرف اس لئے اسے ہاں بول دیا؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا

"صرف اس لئے نہیں۔" وہ ترنت بولی۔ پھر الجھ سی گئی۔

"یا شائد.. یقیناً... مجھے نہیں پتا۔"

دونوں اس بات پر ہنس دیں۔

"پروفیسر ریمسن کو جب پتا چلے گا تو وہ یقیناً خوش ہونگے۔" منفرا نے ایکسائٹمنٹ سے کہا تھا

"ارے مجھے یاد آیا.. تم نے معاویہ سے اس کی بیوی کے بارے میں تو کنفرم کر لیا ہے ناں.. میرا مطلب ہے ایک بیوی کے ہوتے وہ تم سے شادی کیسے کر سکتا ہے؟" فی بی کو اچانک یہ خیال آیا تھا۔

"لمبی کہانی ہے... چلو میں سناتی ہوں تمہیں۔"

وہ ایک ایک کر کے معاویہ کی زندگی کا ہر ورق اس کے سامنے کھولتی چلی گئی تھی۔

اس شام معاویہ اس سے ملنے ہاسٹل چلا آیا۔ پہلی بار منفرا نے اسے اپنے تمام دوستوں سے ملوایا۔ معاویہ ایک یکسر بدلی ہوئی شخصیت کی طرح ان سب سے ملتا رہا۔ پھر ان دونوں نے ڈنر کیا اور اپنی آنے والی زندگی کے حوالے سے کچھ خواب بنتے رہے۔ واپسی پر معاویہ نے اسے پھولوں کا ایک خوبصورت گلدستہ لیکر دیا اور دونوں خوشی خوشی الگ ہو گئے۔

اپنے اپارٹمنٹ جا کر معاویہ نے وہ تمام چیزیں ایک بڑے کارٹن میں جمع کرنی شروع کیں جو سامہ، آئے کت اور فلک بوس

کے آسیب سے منسلک تھی۔ان چیزوں میں اولین چیز وسامہ کی وہ ڈائری تھی جس کی ایک ایک سطر معاویہ کو ازبر ہو چکی تھی۔وہ تمام زائچے نما نقشے ، پتھر، لکڑیاں موم بتیاں اور جادوئی گلوب...جو وقتاً فوقتاً اس نے فلک بوس کے آسیب سے بات چیت کرنے کی غرض سے جمع کئے تھے۔ان تمام تانترکوں کا پتا جو اسے اس آسیب سے ملاقات کرانے کی آس دلاتے رہے تھے۔

پھر وہ کارٹن اس نے اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھا اور پکا ارادہ کیا کہ کل اس کارٹن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے دور کر دے گا۔اس نے منفرا کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور نئی شروعات کے لئے ضروری تھا کہ پچھلی یادوں سے ہمیشہ کے لیئے تعلق ختم کر لیا جائے۔وہ یہی کرنے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

رات کے دس بجے تھے۔سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے اور وہ تاریک راہ داری کے دہانے پر دیوار ساتھ جڑ کر کھڑی تھیں۔بظاہر بہادری کا مظاہرہ کرتیں اور خود کو تسلیاں دیتی وہ لڑکی دل ہی دل میں شدید خوف کا شکار تھی۔ وقت کم تھا۔ اسے جلد از جلد اپنا کام مکمل کر کے یہاں سے واپس جانا تھا۔ ''کوئی دیکھ نہ لے'' کی تلوار بھی سر پر ٹنگی تھی۔

وہ چند قدم آگے آئی اور راہداری میں موجود اکلوتے دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس میں شامیر کا سامنا کرنے کی جرات تھی نہ ہی خواہش مگر ماہ نور کے لیے وہ رات کے اس پہر شامیر کے کمرے تک چلی آئی تھی۔

''ماہ نور تمہیں اللہ پوچھے۔۔۔'' دل ہی دل میں بہن کو کوستے ہوئے وہ اپنے بدترین خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

صیام اس کے ساتھ یہاں نہیں آئی تھی بلکہ اس کے کمرے سے جانے سے آنے کے بعد وہ خوش نصیب کو کہیں نظر بھی نہیں آئی تھی۔اگر مل جاتی تو شاید اس وقت خوش نصیب کے ساتھ یہاں موجود ہوتی۔منہا کے سامنے صیام کے بدلے ہوئے لہجے نے اسے ایک دم ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اپنی عادت سے مجبور اس نے اس بات پر کوئی خاص غور نہیں کیا تھا۔ اس وقت اس کے پاس صیام کو سوچنے سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ موجود تھا۔بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ رات کو ماہ نور کے پیچھے جائے گی۔دس بجے سے کچھ پہلے جب ماہ نور کسی بہانے کمرے سے نکلی تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئی تھی۔روشن امی نماز میں مصروف تھیں اور نانی سے نگاہ بچا کر کمرے سے نکلنا بہت آسان تھا۔

اور اب وہ یہاں کھڑی تھی۔اپنی خوف سے لڑتی، اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی۔۔۔

دروازے کی نچلی دراز سے ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ اندر شامیر موجود ہے۔اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔باتیں کرنے کی ہلکی سی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی مگر الفاظ سمجھ سے باہر تھے۔

''ماہ نور۔۔۔''خوش نصیب زیر لب بڑبڑائی تھی۔گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔

باہر آتی آوازیں سناٹے میں بدل گئیں۔اس نے چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد دوبارہ دستک دی۔اس کا خوف طیش میں بدلتا جا رہا تھا۔کچھ دیر بعد دروازہ کھولا اور شامیر کی شکل دکھائی دی۔

"تم یہاں۔۔۔؟" شامیر نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

خوش نصیب نے جواب دینے کی بجائے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور اندر آ گئی۔اس کی نظریں تیزی سے ماہ نور کو تلاش کر رہی تھیں مگر کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔سامنے پڑی میز پر چائے کے خالی برتن موجود تھے۔اور وہاں ایک کی بجائے دو استعمال شدہ کپ پڑے تھے۔خوش نصیب نے باتھ روم کی طرف دیکھا۔دروازہ بند تھا۔

"خوش نصیب۔۔۔!میں نے پوچھا تم یہاں کیوں آئی ہو؟" شامیر کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

وہ شامیر کی طرف پلٹی۔"ماہ نور کہاں ہے؟" وہ غرائی تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ ماہ نور بھلا میرے کمرے میں کیوں آئے گی؟ اور آنا تو تمہیں بھی نہیں چاہیے تھا۔کیا پتا میں تمہیں پکڑ کر کسی شیطان کے لیے قربان کر ڈالوں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

اس کے طنز پر خوش نصیب ایک بار پھر خوف کا شکار ہوئی تھی۔ لمحوں میں وہ فراموش کر گئی تھی کہ وہ وہاں ماہ نور کو لینے آئی ہے۔اسنے دیکھا کہ شامیر کی آنکھوں میں عجیب جنونی سی چمک تھی۔اس کا تمام غصہ اور بہادری، بے بسی اور لاچاری میں بدل گئے۔

"میرے ساتھ یہ سب مت کرو شامیر۔۔۔"اس نے جی جان سے منت کی تھی۔

"میں نے تمہارے ساتھ کچھ نہیں کیا۔۔۔جو کیا ہے تم نے کیا ہے اور غلط کیا ہے۔۔۔"

"ایسا مت کرو۔۔۔۔"

"کیسا۔۔۔؟"

"شامیر خدا کے واسطے ماہ نور کو چھوڑ دو۔۔تم اس سے شادی سے انکار کر دو۔تم مجھ سے معافی منگوانا چاہتے ہو نا۔۔۔میں سب کے سامنے معافی مانگ لوں گی۔میں سب کو بول دوں گی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔مگر تم بس ماہ نور کو چھوڑ دو۔۔۔ہمارے ساتھ یہ سب مت کرو۔۔۔آخر تمہیں کیا ملے گا میرے ساتھ یہ سب کر کے۔۔۔خدا کے واسطے شامیر۔۔۔ماہ نور کو چھوڑ دو۔۔۔" خوش نصیب سب کچھ بھلا کر سر جھکائے اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔

"یہ ڈرامہ بند کرو خوش نصیب! میں ماہ نور کو چھوڑ کر تمہیں اپنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔تمہیں ایسا سوچتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔" وہ چنگھاڑا تھا اور خوش نصیب اس کی اونچی آواز سے دہل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"یہ کیا بول رہا ہے؟" خوش نصیب نے پریشانی سے سر اٹھایا اور سر اٹھاتے ہی وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

باتھ روم کے دروازے میں بڑے تایا کھڑے تھے اور ان کی نظریں خوش نصیب پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ خوش نصیب کانپ اٹھی۔ اسے یک دم حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ رات کے اس پہر وہ شامیر کے کمرے میں تھی اور شامیر۔۔۔ وہ ابھی کیا بول رہا تھا۔۔۔ خوش نصیب کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ قدم اٹھاتے خوش نصیب کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''تایا ابا۔۔۔'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن انہوں نے اسے بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور خوش نصیب کے چہرے پر انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔

''بے غیرت۔۔۔'' وہ غرائے تھے۔ انہوں نے خوش نصیب کو گالی دی تھی۔ ''کیا کر رہی ہو تم یہاں؟''

سوال کیا ضرور گیا تھا لیکن جواب کا انتظار کیے بغیر انہوں نے ہاتھ بڑھا کر خوش نصیب کو بالوں سے پکڑ لیا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ کراہ نکلی تھی۔

''ایسا مت کریں تایا! میری بات سنیں۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔'' سخت سہمے ہوئے انداز میں خوش نصیب نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی تھی۔

''پھر جھوٹ۔۔۔'' ان کا ہاتھ دوبارہ خوش نصیب کے منہ پر پڑا تھا۔ ''جھوٹ پر جھوٹ بول رہی ہو بے شرم۔۔۔ میں نے ابھی سب کچھ اپنے کانوں سے سنا ہے۔ تمہیں حیا نہ آئی خوش نصیب یہ سب کرتے ہوئے۔۔۔ اور کچھ نہیں تو ہماری عزت کا ہی کچھ خیال کیا ہوتا۔۔'' غم و غصہ کی شدت سے ان کی آواز لرز رہی تھی۔

انہوں نے بالوں سے پکڑے پکڑے اس کے سر کو جھٹکا دیا تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ شامیر پیچھے کمرے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود دکھ بھرے تاثرات ان لوگوں کے باہر نکلتے ہی کمینگی بھری مسکراہٹ میں بدل گئے تھے۔ کمرے کے وسط میں دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، جسم کا سارا بوجھ دائیں ٹانگ پر ڈالے وہ بہت سکون سے مسکرا رہا تھا۔ جلد ہی اس مسکراہٹ کی جگہ ہنسی نے لے لی۔۔۔

''چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ خوش نصیب۔۔۔ نہیں بدنصیب۔۔۔'' اس نے ہونٹ سکیڑ کر خود کلامی کی تھی اور دوبارہ سے ہنس دیا تھا۔

''شکر ہے میں نے صحیح وقت پر انکل کو اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دے ڈالی تھی۔۔۔''

اس کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ جیبوں سے ہاتھ نکال کر اس نے انہیں سینے پر باندھ لیا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ کل شام کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو صیام۔۔۔''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

عقب میں ابھرنے والی اس مردانہ آواز نے یک دم ،سیل فون میں گم صیام کو اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔اپنی دانست میں وہ صحن میں تنہا تھی،سو پسِ پشت ابھرنے والی اس آواز پر خوفزدہ ہو جانا ایک فطری عمل تھا۔کھڑے ہوتے ساتھ ہی وہ تیزی سے پیچھے کو مڑی تھی اور اپنے پیچھے کھڑے شامیر کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

بکھرے بال،سرخ بوجھل آنکھیں، تھکن زدہ چہرہ، پھیکی مسکراہٹ۔۔۔ اس کی ڈریس شرٹ سلوٹ زدہ تھی اور وہ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑا تھا۔

''خدا جھوٹ نہ بلوائے۔۔۔تو اس حلیے میں بھی بے حد ہینڈسم لگ رہا ہے۔'' صیام نے دل ہی دل میں اس پر کمنٹ پاس کیے تھے۔

''آئی ایم سوری۔۔۔ میں نے شاید تمہیں ڈرا دیا۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شامیر نے معذرت کی تھی۔''کیا ہو رہا ہے؟ سوشلائزنگ؟''

''آ۔۔۔ہاں۔۔۔وہ۔۔۔'' صیام حواس باختہ لہجہ میں کچھ بے معنی لفظ بول کر رہ گئی۔شامیر کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔''ہاں تھوڑا سا۔۔۔آپ یہاں؟ آئیں بیٹھیں۔۔۔'' صیام نے اپنے آپ پر قابو پا کر چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور اچھے میزبان کا فرض ادا کیا۔خوش نصیب کی کل کی حرکت نے ان سب کے انداز میں شامیر اور اس کی ماں کے لیے معذرت بھر دی تھی۔

''میں یہاں سے گزر رہا تھا۔۔۔تمہیں یہاں اکیلے بیٹھے دیکھا تو رہا نہیں گیا۔۔۔ مجھے اس وقت ایک اچھے دوست کی اشد ضرورت تھی۔ اور تم سے اچھی دوست مجھے اس گھر میں اور کون مل سکتی ہے۔۔۔'' شامیر نے اپنی انگلش موویز کے ہیروز والی پیاری سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر نشست سنبھال لی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں شامیر؟ آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔۔'' اپنی تعریف (بیچاری معصوم سی صیام اسے تعریف سمجھ رہی تھی) پر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے صیام نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی فکرمندی سمیٹ لی تھی۔

''میرے ساتھ جو کچھ یہاں ہوا ہے وہ تمہارے سامنے ہے صیام۔۔۔اتنی انسلٹ کے بعد کوئی کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔۔۔اور پھر بے عزتی صرف مجھے نہیں کیا گیا بلکہ میری ماں کو بھی کیا گیا ہے اور یہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔'' شامیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ صاف محسوس ہوتا تھا۔

''میں آپ کی سچویشن سمجھ سکتی ہوں۔۔۔خوش نصیب ہمیشہ سے ایسی ہی ہے۔۔۔بدتمیز، خودسر اور جھوٹی۔۔'' صیام نے تو جیسے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

''نہیں۔۔۔تم تو کیا کوئی بھی میری پوزیشن نہیں سمجھ سکتا۔۔۔'' شامیر درشتگی سے بولا پھر یکدم اس کا لہجہ بے حد نرم ہو گیا۔''تم سوچ بھی نہیں سکتی صیام کہ خوش نصیب نے میرے ساتھ کتنا برا کیا ہے۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر میں نے اس کا بگاڑا کیا ہے۔ پہلے اس

نے مجھ سے میری محبت چھینی لی پھر ماہ نور، جسے میری ماں نے میرے لیے پسند کیا تھا اور جو اس کی اپنی سگی بہن ہے، اور باقی سب کو میرے خلاف کرنے کے لیے یہ اوٹ پٹانگ کہانی سنا ڈالی۔ اپنے جنون میں وہ اتنا آگے بڑھ گئی ہے کہ محبت کا دعویٰ کر کے بھی مجھے ہی نقصان پہنچائے چلی جا رہی ہے۔ یو نو واٹ؟ یور کزن نیڈز اے سیکا ٹرسٹ۔۔۔" شامیر نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

دوسری طرف اس انکشاف پر صیام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔" خوش نصیب۔۔۔ محبت۔۔۔ اس نے خود آپ سے کہا ہے کیا ایسا؟ اور آپ کسی کو پسند کرتے تھے۔۔۔؟" صیام آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ بھلا خوش نصیب جیسی اول جلول لڑکی سے کسی ایسے اظہار کی امید کی بھی کیسے جا سکتی تھی۔

شامیر نے بیچارگی سے صیام کی جانب دیکھا اور بولا۔" کوئی ایک بار نہیں بولا۔۔۔ میں تو جب سے یہاں آیا ہوں وہ میرے پیچھے پڑی ہے۔۔۔ حتیٰ کہ اس نے مجھ پر تعویز تک کروائے تم نے ہی تو مجھے بتایا تھا اس بارے میں۔ تم کچھ نہیں جانتی صیام کہ خوش نصیب نے میرا کس قدر نقصان کیا ہے۔ اس نے کل جو کچھ بھی کیا وہ تو ایک واقعہ ہے جو سب کے سامنے آیا۔۔۔ اس سے پہلے کے بارے میں تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ اس نے مجھ پر تعویز کروائے، مجھے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی۔ اگر تم مجھے اس بارے میں نہ بتا دیتی تو شاید اب حالات مختلف ہوتے۔ تمہاری یہ کزن تو میرے پیچھے میرے گھر تک آ گئی تھی۔ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے کیسے اس کو گھر سے نکالا۔۔۔ اور سب سے بڑا نقصان صیام۔۔۔" شامیر چند سیکنڈ کے لیے خاموش رہا اور پھر چہرے پر بے تحاشہ تاسف لیے بولا۔" اس نے میری ضد میں مجھ سے میری محبت کو دور کر دیا۔ اس نے تمہیں مجھ سے چھین کر کیف کو دے دیا۔"

اس انکشاف پر تو صیام کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے شامیر کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا کچھ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شامیر نے چند سیکنڈ اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیا پھر رسان سے بولا۔

" میں جانتا ہوں کہ یہ انکشاف تمہارے لیے بہت حیران کن ہے۔ قسمت نے مجھے موقع ہی نہ دیا کہ میں تمہیں اس بارے میں کچھ بتا پاتا۔ یہ تو تمہیں یاد ہوگا نا کہ میں نے سب سے پہلے تمہیں ہی اپنے لیے پسند کیا تھا۔ ہماری منگنی بھی طے ہو گئی تھی۔ میری غلطی بس یہ ہے کہ میں نے خوش نصیب کو اپنی دوست سمجھا اور اپنی پسند سے تمہیں آگاہ کرنے کی بجائے، اسے بتا دیا۔ اور اس نے بدلے میں کیا کیا؟ اس نے سب کے سامنے کہہ دیا کہ کیف تمہیں پسند کرتا ہے۔ اور مجھ سے میری سب سے بڑی خوشی بھی چھین لی۔" شامیر کے لہجے میں اتنا افسوس تھا کہ صیام کو بھی اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

پہلے جھٹکے کے بعد وہ اب کچھ حواسوں پر قابو پا چکی تھی۔ بہر حال یہ انکشاف دل کے لیے باعثِ خوشی تھا کہ شامیر اس کی محبت میں مبتلا تھا ساتھ ہی ساتھ اس کلموہی خوش نصیب کے لیے دل سے بد دعائیں نکل رہی تھیں۔ مگر خیر یہ نقصان اتنا بڑا نہیں تھا۔ پھر اس کے عشق میں تو کیف بھی مبتلا تھا۔ اس نے گلا کھنکھار کر صاف کیا اور بولی۔

''خدا غارت کرے گا اسے شامیر۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔۔ہم سب جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور اس بات پر شرمندہ بھی ہیں۔آپ دیکھیئے گا ابا اسے آپ سے معافی منگوا کر ہی چھوڑیں گے۔''

''تم لوگوں کی شرمندگی سے کیا فائدہ ہوگا صیام۔۔۔ نہ ہی اس کی معافی میرے کسی کام کی ہے۔کم از کم میری اور میری ماں کی جو بے عزتی ہوئی ہے اس کا احساس کسی شرمندگی یا معافی سے تو کم نہیں ہوگا نا۔خوش نصیب کو اپنے کیے کی سزا تو بھگتنی ہی ہوگی۔۔۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔۔۔''صیام سر جھکا کر مصنوعی شرمندگی سے بولی۔''آپ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر میں آپ کی کوئی مدد کر سکی تو مجھے خوشی ہوگی۔۔۔''وہ ملکہِ جذبات بنے،اپنے آپ کو کسی ملک کی شہزادی سمجھتے ہوئے اپنے عاشق کی بلکہ ناکام عاشق کی کوئی بھی خواہش پوری کرنے کو تیار تھی۔

شامیر اسے چند لمحے پُرسوچ نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے اور بے حد مضبوط لہجے میں بولا۔

''میں خوش نصیب سے بدلا لینا چاہتا ہوں۔۔۔اور اس میں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔۔۔''

صیام غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

☆......☆......☆

تایا ابا اسے گھسیٹتے ہوئے سیدھا بڑے کمرے میں لے گئے تھے۔شور شرابے اور خوش نصیب کی چیخوں کی آواز سن کر سب سے پہلے ماہ نور کچن سے اور کیف اپنے کمرے بھاگتا ہوا آیا تھا اور یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

''میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا بے غیرت۔۔۔''وہ چلائے تھے۔

خوش نصیب سسکتے اور کراہتے ہوئے ابھی بھی اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر تایا کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔اگلے کچھ منٹوں میں شامیر بھی وہاں آ گیا تھا اور آتے ہی اس نے خوش نصیب کو تایا سے چھڑانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اسے ڈانٹ کر دور ہو جانے کا کہا تھا۔کیف ابھی تک ایک طرف کھڑا صارتحال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ابا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ غیر مبہم تھے مگر جو کچھ بھی سمجھ آ رہا تھا وہ دل دکھانے والا تھا۔ماہ نور کو جب کچھ سمجھ نہیں آیا تو وہ ماں کو بلانے کے لیے اوپر کی طرف بھاگی۔

اس باقی کمروں کے دروازے بھی کھلتے چلے گئے۔اگلے چند منٹوں میں سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔

تکلیف،شرم،بے بسی،لاچاری،خوف۔۔۔خوش نصیب نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں تھی۔

''جاؤ۔۔۔اس کی ماں کو بلاؤ۔۔۔''تایا نے حکم دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی انہیں بلانے جاتا وہ ماہ نور کے ساتھ سخت گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی تھیں۔ خوش نصیب کا حال دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئیں تھیں۔

''بھائی صاحب! یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' وہ جیسے کرلائی تھیں۔

''سنبھالو اپنی اولاد کو روشن۔۔۔ ہمارے خاندان کی عزت نیلام کرتی پھر رہی ہے تمہاری بیٹی۔۔۔'' انہوں نے خوش نصیب کو ماں کی طرف دھکا دیا تھا۔ خوش نصیب ان کے پیروں کے پاس جا گری۔ اس نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''پوچھو اس بے حیا سے کہ رات کے اس پہر شامیر کے کمرے میں کیا کرنے گئی تھی؟'' یہ سوال جہاں ان پر بجلی بن کر گرا تھا وہاں ہی سب کی منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

''بھائی صاحب آخر بات کیا ہے؟'' سب سے پہلے شفیق چچا آگے بڑھے تھے اور انہوں نے شامیر کو گھورتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ سب لوگ شامیر کو بھی اس معاملے میں قصوروار سمجھ رہے تھے حالانکہ اصل معاملہ اس سے کہیں زیادہ گمبھیر تھا۔

تایا ابا شدید غیض و غضب کا شکار تھے۔ انہوں نے الف سے یے تک تمام واقعہ کہہ سنایا۔

''اس لیے یہ بے غیرت شامیر پر الٹے سیدھے الزام لگا رہی تھی۔۔۔'' وہ چیخے تھے۔

کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا تھا جس میں دراڑ خوش نصیب کی سسکیاں ڈال رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی لیکن اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر اس کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے۔

''ہائے میں مر گئی۔۔۔'' سب سے پہلے فضیلہ چاچی کو بین ڈالنے کا خیال آیا تھا۔ ''یہ سب کرنے سے پہلے تو مر کیوں نہیں گئی خوش نصیب۔۔۔'' وہ تیر کی طرح خوش نصیب کی طرف لپکی تھیں اور اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ خوش نصیب نے سر اٹھا کر ماں اور بہن کی طرف دیکھا، پھر سسکی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا روشن امی۔۔۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میرا یقین کرو ماہ نور۔۔۔''

ماہ نور نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا اور روشن امی کی پتھرائی ہوئی نظریں خوش نصیب پر جمی تھیں۔

''آپ لوگوں کو میری بات پر یقین نہیں ہے۔۔۔ آپ صیام سے پوچھ لیں۔۔۔ وہ سب کا جانتی ہے۔۔۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ شامیر نے ماہ نور کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ میں صرف ماہ نور کو لینے وہاں گئی تھی۔۔۔''

سب کی نظریں صیام کی طرف اٹھ گئیں جو منہ کھولے ہکا بکا خوش نصیب کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔۔۔ میں نے تمہیں یہ سب کب کہا۔۔۔ اپنی غلطی کا الزام مجھ پر مت لگاؤ'' وہ غرائی تھی جبکہ اس کی اس بات نے کوش نصیب کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ پہلی بار اسے اپنے بیوقوف بنائے جانے کا احساس ہوا تھا۔ وہ پھر سے ماں کی طرف پلٹی تھی۔

''روشن امی یہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔۔ مجھ پر یقین کریں میں نے کچھ نہیں کیا۔''

http://kitaabghar.com

انہیں نے جیسے اس کی التجا سن کر بھی نہیں سنی تھی۔اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ نیچے کو جھکی تھیں، پاؤں سے چپل کھینچ کر اتاری تھی اور بے دردی سے خوش نصیب پر برسانا شروع کر دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے لحاظ نہیں کیا تھا اور بے دردی سے خوش نصیب کو پیٹتی چلی گئیں تھیں۔

سب لوگ ششدر سے خوش نصیب کو پیٹتا دیکھ رہے تھے۔کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

باقی بات رہی خوش نصیب کی تو اس نے سر پر لگنے والی ضرب کے بعد اپنے چہرے کو دوبارہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا اور خاموشی سے پٹتی چلی گئی تھی یا شاید وہ اتنا شاک تھی کہ منہ سے آواز نکال ہی نہیں سکی تھی۔روشن امی اسے مارتے مارتے ہانپ گئیں تھیں یہاں تک کہ تایا نے ہی آگے بڑھ کر انہیں روک دیا۔

”اٹھو یہاں سے اور اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ۔۔۔دوبارہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔“

انہوں نے حکم دیا تھا پھر آنسو بہاتی روشن امی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔”روشن! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔۔۔“

روشن امی کی سوالیہ نگاہیں تایا پر جم گئیں جبکہ خوش نصیب چکاتے ہوئے سر اور دکھتے جسم کے ساتھ بمشکل کھڑی ہوئی تھی اور کسی سے بھی نظریں ملائے بغیر لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے باہر کو چل دی تھی۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے سنا، تایا کہہ رہے تھے۔

”میں ماہ نور کا رشتہ شامیر سے طے کر رہا ہوں۔۔۔امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

☆......☆......☆

”میں ماہ نور کا رشتہ شامیر سے طے کر رہا ہوں۔۔۔امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ صابر احمد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔اس کے انداز میں گہری سنجیدگی اور قطعیت تھی۔روشن امی کچھ کہہ نہیں پائیں تھی۔

”فاطمہ بہن! کل سے یہاں جو کچھ بھی ہوا ہے میں اس پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔میں شامیر بیٹے سے بھی معافی مانگتا ہوں۔خوش نصیب نے اپنے پاگل پن میں جو بھی کیا ہے اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔وہ آپ دونوں سے خود معافی بھی مانگے گی۔میں امید کرتا ہوں کہ آپ خوش نصیب کی غلطی کو درگزر کر کے ماہ نور کو شامیر نے کے لیے قبول کر لیں گی۔“ وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔مزید کچھ کہنے کے لیے تھا بھی نہیں۔

فاطمہ عجیب مشکل میں پھنس گئیں تھی۔جانتی تھیں کہ کہیں نہ کہیں ان کا بیٹا بھی قصوروار ہے۔اس کے باوجود کل ہونے والی بے عزتی جو درگزر کرنا انہیں مشکل لگ رہا تھا۔انہوں نے پریشانی سے شامیر کی طرف دیکھا۔شامیر آنکھوں سے انہیں ہاں کہنے کے لیے اشارے کر رہا تھا۔وہ چند لمحے بیٹے کی طرف دیکھتی رہیں پھر ایک گہری سانس بھر کر صابر احمد کی طرف بڑھ گئیں۔

"آپ معافی نہ مانگیں بھائی صاحب! میں جانتی ہوں کہ اس معاملے میں آپ سب بے قصور ہیں۔ جہاں تک ماہ نور اور شامیر کے رشتے کی بات ہے تو مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کوئی نہیں ہوگی کہ ماہ نور میری بہو بنے۔ روشن تم کیا کہتی ہو؟ تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

اور نڈھال بیٹھی روشن امی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ماہ نور بیٹا ادھر آؤ۔۔۔" فاطمہ نے ماہ نور کو اپنے قریب بلایا تھا اور اس کو اپنے پہلو میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھی اتار کر ماہ نور کی انگلی میں پہنا دی تھی۔ "آج سے یہ میری بیٹی ہے بھائی صاحب! بس میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ منگنی کی بجائے اب مجھے شادی کی ہی تاریخ دیں۔ میں جلد از جلد اپنی بہو کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کی تھی۔

دوسری طرف سر جھکائے بیٹھی ماہ نور کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا ردِعمل ظاہر کرے۔ قدرت نے اس کے ساتھ عجیب مذاق کیا تھا کہ ایک طرف تو سگی بہن کی حرکت پر دماغ پھٹ رہا تھا تو دوسری طرف یک دم اتنی بڑی خوشی سے نواز دیا تھا کہ سنبھالے نہ سنبھلے۔ بالآخر اس نے اپنے خوابوں کے شہزادے کو پا ہی لیا تھا۔ صابر تایا کی آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونکی تھی،

"ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔ کل پرسوں مل بیٹھ کر شادی کی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔" صابر تایا نے اپنی بات مکمل کر کے چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ "میں چاہتا ہوں کہ خوش نصیب کے فرض سے بھی ہم لوگ جلد از جلد فارغ ہو جائیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ لوگ اس کے لیے بھی کوئی لڑکا تلاش کریں۔ دونوں بہنوں کا فرض ایک ساتھ ادا ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگا۔ آپ لوگوں کی نظر میں ہے کوئی؟" مخاطب روشن امی اور صباحت تائی تھے مگر ان دونوں کو بولنے سے پہلے ہی فضیلہ چچی بول اٹھیں تھیں۔

"بھائی صاحب! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔۔۔ ہے تو بڑا منہ اور چھوٹی بات۔۔۔ لیکن کہنا بھی ضروری ہے۔" عجب تمسخرانہ لہجہ تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو فضیلہ! صاف صاف کہو۔۔۔" شفیق چچا نے اکتا کر کہا۔

جواباً فضیلہ چچی نے انہیں گھور کر دیکھا تھا اور پھر صابر صاحب کی طرف متوجہ ہوئیں تھیں۔ "دیکھیے بھائی صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ کم از کم خاندان میں سے تو اس کے لیے کوئی رشتہ آنے سے رہا۔۔۔ اس کی زبان سے تو آپ واقف ہیں اور آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔ آپ خود سوچیں جو گھر میں ایسے کارنامے انجام دیتی پھر رہی ہے وہ باہر کیا کیا گل نہ کھلاتی ہوگی۔" اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے رخ روشن امی کی طرف موڑا۔ "بھئی روشن نے تو کبھی دل سے ہمیں اپنا مانا ہی نہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہم اسے اور اس کی بیٹیوں کو اپنا ہی سمجھتے ہیں اور اپنوں کے عیب تو خود ہی ڈھانپے جاتے ہیں۔ میں نے تو کتنی ہی بار ڈھکے چھپے لفظوں میں کہا تھا کہ اسے لگام ڈالو مگر ہماری سنتا کون ہے۔" مرے پر سو درے کے مصداق اس وقت ان کے لہجے میں روشن امی کے لیے گہرا طنز تھا۔ شفیق چچا کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ بات کرتے کرتے جیسے ہی انہوں نے سانس لینے کے لیے وقفہ لیا وہ فوراً بول اٹھے۔

"فضیلہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بھائی صاحب! اپنوں کے عیب خود ہی ڈھانپے جاتے ہیں اور ویسے بھی جب رشتہ گھر میں موجود ہے تو باہر سے امید لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔"

شفیق چچا تو جیسے اپنی بیوی کے سر پر بم پھوڑا تھا۔۔۔ لیکن بولے صابر خان تھے۔

"لڑکا گھر میں موجود ہے؟ شفیق تم کس کی بات کر رہی ہو؟" صابر خان نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ارے بھائی صاحب! اپنے طوطے کی اور کس کی۔۔۔ ہمیں اپنے بیٹے کو بیاہنا نہیں ہے کیا؟" انہوں نے اپنا جملہ کچھ اس طرح پورا کیا جیسے کوئی بہت زبردست مذاق کیا ہو۔ "اور پھر گھر کی بچی گھر میں ہی رہ جائے گی، اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوگی۔"

بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بلی نے باہر آتے ہی سب کو چند لمحوں کے لیے خاموش کروا دیا تھا اور جب کے رشتے کی بات چل پڑی تھی، وہ فوراً منہ پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

"ہمم مم م۔۔۔" صابر خان نے ہنکارا ابھرا، چند لمحے سوچتے رہے پھر کھنکھار کر بولے۔ "بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق باپ کے بعد ماں کو ہوتا ہے۔ تم بتاؤ روشن تم کیا چاہتی ہو؟" وہ جیسے خود بھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

"بھائی صاحب آپ کو جو مناسب لگتا ہے آپ کریں۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔" ایک آنسو ان کی آنکھ سے ٹوٹ کر ان کے ہاتھوں پر جا گرا تھا۔ اپنی بات پوری کر کے وہ پھر سر جھکا کر بیٹھ گئیں تھیں۔

"ٹھیک ہے شفیق۔۔۔ تمہارا مشورہ اچھا ہے۔ ہمیں خوش نصیب کے لیے شاہجہاں کا رشتہ قبول ہے۔" انہوں نے فی الحال شاہجہاں کو طوطا کہنے سے گریز کیا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے سر سے کوئی بوجھ اتار کر کسی اور کے کندھوں پر لاد دیا ہو۔

بلاشبہ یہ فیصلہ کر کے انہوں نے گھر کی ینگ جنریشن کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ اور اس بم کے پھٹنے سے سب سے زیادہ زخمی کیف ہوا تھا۔ اس دوران شامیر اپنی ماں کو بولنے کے لیے اشارے کر رہا تھا۔

"بھائی صاحب! میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" سب لوگ فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ "جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے اگلے مہینے واپس جانا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ شامیر اور ماہ نور کی شادی اسی مہینے کر دیں۔" انہوں نے جیسے فرمائش کی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو فاطمہ۔۔۔! شادی کی تیاریوں میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا۔۔۔ بھلا اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا سب۔۔۔" صباحت تائی نے جیسے روشن امی کے دل کی بات کہی تھی۔

"آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ مزید کی کوئی چاہ نہیں۔ ہمیں آپ لوگوں سے صرف آپ کی بیٹی چاہیے ہے۔ جہیز کے نام پر ایک آنے بھی ہمیں قبول نہیں ہوگا بھابھی۔۔۔" فاطمہ نے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے فاطمہ! جیسا آپ لوگ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔۔۔ پندرہ دن بعد کی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔۔۔" صابر خان نے

حتمی لہجے میں کہا تھا۔''ابھی آپ لوگ آرام کریں۔۔۔ باقی کی تفصیل کل طے کرلیں گے۔''انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اوراپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔کمرے میں سے سب سے پہلے فضیلہ چچی تن فن کرتی باہر نکلی تھیں۔

فاطمہ نے ایک طرف کھڑے شامیر کو دیکھا اوراسے اپنے کمرے میں آنے کا بول کروہ بھی باہر نکل گئیں۔

شامیر چہرے پر گہری مسکراہٹ لیے بڑبڑایا۔۔۔

''ہیش ٹیگ مشن اکوملیشڈ۔۔۔''اورماں کے پیچھے چل پڑا۔

کسی نے بھی صیام کے چہرے پراڑتی ہوائیوں پر غورنہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

فاطمہ اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ان کی آنکھوں میں تفکراور چہرے پر بے شمار خدشات سجائے وہ شامیر کے آنے کی منتظر تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔میں کیا کروں کہ شامیران حرکتوں سے بعض آجائے۔''انہوں نے جیسے تھک کراپنا سر پکڑ لیا تھا۔یہ تو وہ ہی جانتی تھیں کہ چودہ سال کی عمر میں جب شامیران چکروں میں پڑا تھا توانہوں نے کتنے جتنوں سے اسے ان سب سے نکالا تھا۔

سرکو ہاتھوں میں گرائے وہ صوفے پر جابیٹھی تھیں۔

اسی وقت شامیر کمرے کا دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

''ہیلومدر۔۔۔''

شرارت سے کہتا ہوا،چہرے پر شیطان سے مسکراہٹ لیے وہ ان کے برابر آبیٹھا تھا۔پھر ہاتھ بڑھا کراپنا بازوان کے کندھوں کے گرد لپیٹ لیا۔

''خیریت تو ہے نا؟آپ کے بیٹے کی شادی ہورہی ہے اورآپ یہاں سر پکڑے بیٹھی ہیں۔''

فاطمہ نے سر اٹھا کراپنے بیٹے کو گھورا۔اونچا،لمبا،ہینڈسم۔۔۔چہرے پر معصوم مسکراہٹ۔۔۔اسے دیکھ کرکون کہہ سکتا تھا کہ وہ جادواورشیطانی طاقتوں جیسے گناہوں میں ملوث ہوسکتا ہے۔

شامیر نے انہیں اپنی جانب گھورتے پایا تو مزے سے بولا۔''اوکے ...میں سمجھ گیا۔۔۔آپ ابھی سے اپنی بہو کو اپنے قابو میں کرنے کے طریقے ڈھونڈ رہی ہیں۔۔۔''شامیر خود ہی اپنی بات پر قہقہہ لگا کرہنس پڑا تھا لیکن فاطمہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''یہ سب کیا تماشہ ہے شامیر؟''

''کونسے والا؟''تجاہلِ عارفانہ کا عظیم مظاہرہ۔۔۔

''شامیر۔۔۔پلیز۔۔۔تم نے کیا کیا ہے اس بچی کے ساتھ؟''

''کون سی بچی؟'' شامیر نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔''اور میں نے کیا کیا ہے؟''

فاطمہ نے خفگی سے سر جھٹکا۔''میں خوش نصیب کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔۔۔ وہ تمہارے کمرے میں کیسے اور کیوں آئی تھی شامیر؟''

''وہ میرے کمرے میں اپنے پیروں پر چل کر آئی تھی مام۔۔۔اور کیوں آئی تھی وہ آپ باہر جان ہی چکی ہیں۔میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ لڑکی مینٹلی ریٹارٹڈ ہے مگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔''

''شامیر مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا۔۔۔''

''کمال ہے مام آپ کو اپنے بیٹے کی بات پر یقین نہیں ہے لیکن اس کریکٹر لیس لڑکی پر یقین ہے جو اپنے فائدے کے لیے اپنی بہن کا بھی نقصان کرنے پر تلی تھی۔'' شامیر تلملا کر بولا تھا۔

''میں یہ نہ کہہ رہی کہ مجھے تم پر یقین نہیں ہے لیکن ابھی بھی مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اپنی مرضی سے وہاں آئی تھی۔'' شامیر کو بغور دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''اوکے۔۔۔تو آپ کیا کیا خیال ہے کہ میں اسے زبردستی وہاں لے گیا تھا؟ وہ بھی اس ٹائم پر جب صابر انکل میرے کمرے میں موجود تھے۔کم آن مام!....۔'' شامیر خفگی سے بولا تھا۔

''زبردستی نہیں مگر ہپنوٹزم کے ذریعے۔۔۔'' فاطمہ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔شامیر تلملا اٹھا۔

''آپ بھول رہی ہیں کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔کیا آپ کو میری بات پر بھروسہ نہیں ہے؟'' شامیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔''اور اگر میں غلط ہوں تو صابر انکل اور باقی سب کو کیوں یقین نہیں آیا اس کی بات پر؟ آپ نے دیکھا نا کہ اس نے کیسے مجھ پر الزام لگایا تھا۔میں بھلا اتنی رات کو ماہ نور کو اپنے پاس کیوں بلاؤں گا؟'' اور پھر ماہ نور تو تھی ہی کچن میں۔۔۔کیا ایسا نہیں ہے؟''

فاطمہ خاموش ہو گئیں تھیں۔شامیر کی باتوں سے سچائی جھلک رہی تھی۔

''مام شی از مینٹلی سِک۔۔۔'' شامیر ان کے پاس سے اٹھ کر ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھ کر انہیں نرمی سے دبانے لگا۔''میں جب سے یہاں آیا ہوں وہ مسلسل مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی فکر میں ہے۔ اور آپ کے سامنے ہی تو کل صیام نے بتایا تھا کہ وہ میرے اوپر تعویز کرواتی رہی ہے۔۔۔''

فاطمہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہیں۔شامیر انہیں قائل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''اور آج تو وہ میرے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔آپ جانتی ہیں اس نے مجھے کیا کہا۔۔۔اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ماہ

http://kitaabghar.com

نور کو چھوڑ کر اسے نہ اپنایا تو وہ ہر حال میں مجھے اس گھر میں بدنام کر کے ہی دم لے گی۔ کین یو بیلیو دیٹ؟ وہ اپنے لیے اپنی بہن کا برا کرنے سے بھی باز نہیں آ رہی تو سوچیں وہ مجھے بدنام کرنے کے لیے جھوٹ کیوں نہیں بول سکتی۔ وہ تو اتنی پاگل ہے کہ کیف سے جان چھڑانے کے لیے گھر والوں کو کہہ دیا کہ کیف صیام کو پسند کرتا ہے جبکہ وہ بیچارا تو خود خوش نصیب کو پسند کرتا تھا۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔۔۔ صفدر انکل نے تو سب سنا ہے۔۔۔ آپ کو مجھ پر یقین نہیں تو آپ ان سے پوچھ لیں۔'' بات کے اختتام تک شامیر کے لہجے میں سخت ناراضگی جھلکنے لگی تھی اور یہ وہ ہتھیار تھا جو دنیا کی ہر ماں پر اثر کرتا ہے سو فاطمہ پر بھی بیٹے کی ناراضگی نے فوراً اثر کیا تھا۔ ان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

انہوں نے فوراً اپنا دایاں ہاتھ، اپنے کندھے دباتے بیٹے کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''آئی ایم سوری شامیر۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یقیناً اس لڑکی کا دماغ خراب ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم اس سے دور رہو بیٹا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ مجھ سے وعدہ کرو شامیر کہ تم اب اس سے کسی بھی قسم کا بدلہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کرو گے۔۔۔''

''ڈونٹ وری مام۔۔۔ میں ایسا کچھ کرنے والا نہیں ہوں۔۔۔ مجھے جو چاہیے تھا مجھے مل گیا ہے۔۔۔'' وہ پُراسرار انداز میں بولا تھا۔ فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے ماہ نور چاہیے تھی اور وہ مجھے مل گئی ہے۔۔۔'' شامیر نے گرمجوشی سے کہا تھا۔ ''آپ بس اب پندرہ دن میں ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ماہ نور کو یہاں سے لے جاؤں۔''

بیٹے کی بے صبرے پن پر فاطمہ خوش دلی سے مسکرا دیں تھیں۔ ''انشا اللہ۔۔۔'' انہوں نے صدق دل سے کہا تھا اور من ہی من اس کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔

''چلو جاؤ۔۔۔ اب تم بھی آرام کرو۔۔۔ صبح بات کروں گی میں صابر بھائی سے شادی کی ڈیٹ کے لیے۔۔۔''

''اوکے مام۔۔۔ گڈ نائٹ۔۔۔'' ماں کے سر کو چومتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

''مجھے اب خوش نصیب سے کوئی بدلا نہیں لینا مام۔۔۔ ماہ نور کی مجھ سے شادی اور اس کی قسمت کا شاہ جہاں کے ساتھ پھوٹنا ہی اس کی سب سے بڑی سزا ہے اور میرا انتقام بھی۔۔۔'' اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے شامیر نے سوچا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

بادلوں اور بارش کی چادر میں چھپی ہوئی وہ رات۔۔۔ایک مشکل رات تھی۔

اپنے بیٹے کی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی کے بغیر ہوتے دیکھنے کے بعد فضیلہ غصے سے کھولتی ہوئی کمرے میں واپس آ گئیں تھیں۔زندگی میں پہلی بار انہیں اپنے بڑبولے پن سے پہنچنے والے نقصان کا اندازہ ہوا تھا۔۔۔

خوش نصیب۔۔۔اور وہ بھی بہو کے روپ میں۔۔۔

وہ جتنا غم مناتیں اتنا ہی کم تھا۔خوش نصیب تو انہیں اپنے مجازی خدا کی بھانجی کے طور پر بھی برداشت نہ ہوتی تھی کجا کہ اسے اپنی بہو بنا کر ساری زندگی برداشت کرنا۔شفیق صاحب ابھی تک کمرے میں نہیں آئے تھے۔(کمرے میں جا کر انہیں زیرِ عتاب تھوڑی نہ آنا تھا۔۔۔)صرف آدھے گھنٹے پہلے ہونے والے واقعے کسی فلم کی طرح فضیلہ بیگم کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگے۔۔۔

"فضیلہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بھائی صاحب!اپنوں کے عیب خود ہی ڈھانپے جاتے ہیں اور ویسے بھی جب رشتہ گھر میں موجود ہے تو باہر سے امید لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔"

"لڑکا گھر میں موجود ہے؟شفیق تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"ارے بھائی صاحب!اپنے طوطے کی اور کس کی۔۔۔ہمیں اپنے بیٹے کو بیاہنا نہیں ہے کیا؟اور پھر گھر کی بچی گھر میں ہی رہ جائے گی،اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوگی۔"

"ہمممم۔۔۔بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق باپ کے بعد ماں کو ہوتا ہے۔تم بتاؤ روشن تم کیا چاہتی ہو؟"

"بھائی صاحب آپ کو جو مناسب لگتا ہے آپ کریں۔مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔"

"ٹھیک ہے شفیق۔۔۔تمہارا مشورہ اچھا ہے۔ہمیں خوش نصیب کے لیے شاہجہاں کا رشتہ قبول ہے۔"

اور بس۔۔۔یہی آخری فقرہ انی کی طرح ان کے دل میں گڑ گیا تھا اور کسی ہتھوڑے کی طرح ان کے سر پر برس رہا تھا۔ خوش نصیب، بہو بن کر ان کی زندگی کو کس طرح حرام کرے گی،وہ ابھی سے چشمِ تصور سے دیکھ رہی تھیں۔

"لیفٹ،رائٹ،لیفٹ،رائٹ۔۔۔"

پریڈ کے سے انداز میں کمرے کا طول عرض ناپتے انہیں ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور سرتاج کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔یہ ایک گھنٹہ بھی انہیں ایک صدی سے کم نہ لگ رہا تھا اور برداشت تھی کہ بس ختم ہوئی جاتی تھی۔ تھک کر وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھیں تاکہ باہر سے ہی کوئی سن گن لے سکیں۔

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ تک پہنچتیں،دروازہ خود ہی کھلا تھا اور شفیق صاحب پرسکون انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔فضیلہ

http://kitaabghar.com

ٹھٹک کر اسی جگہ پر رک گئیں۔ شفیق صاحب کو دیکھتے ہی ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ پھر جیسے وہ پھٹ پڑیں تھیں۔

"میں پوچھتی ہوں یہ سب کیا ہے شفیق صاحب؟ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس بد کردار کو اپنی بہو بنا لوں گی۔ کہاں میرا شاہ جہاں اور کہاں وہ خوش نصیب۔۔۔ ذرا جو اس منحوس نے اپنے نام کا اثر لیا ہو۔۔۔" وہ بولنے پر آئیں تو بولتی ہی چلی گئیں۔

شفیق صاحب بڑے تحمل سے دروازے میں ہی کھڑے ان کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ جیسے ہی وہ سانس لینے کو رکیں، شفیق صاحب نے دروازہ بند کیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صوفے پر جا بیٹھے۔ ان کا پرسکون انداز، فضیلہ بیگم کو مزید آگ لگا رہا تھا۔

"اب آپ کچھ بولیں گے یا بس میرے صبر کا ہی امتحان لیتے رہیں گے؟" وہ چڑ کر بولیں تھیں۔

"نیک بخت ۔۔۔ (اللہ اس جھوٹ پر معاف کرے۔۔۔) تم بولنے دو گی تو ہی کچھ بول پاؤں گا نا۔۔۔" ان کے اطمینان میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا اور یہی چیز فضیلہ بیگم کے غصے کو بڑھاوا دے رہی تھی۔ "آؤ بیٹھو یہاں۔۔۔ سکون سے بیٹھ کر بات کرو جو بھی کرنی ہے۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو لگتا ہے میری زندگی میں کوئی سکون بچا ہے؟ اور اگر رہ بھی گیا ہے تو آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی بھتیجی اسے برقرار رہنے دے گی۔۔۔؟ شفیق صاحب! کیوں دشمن بن رہے ہیں میرے سکون کے۔۔۔" وہ تن فن کرتی ں صوفے پر آ بیٹھیں۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں خوش نصیب پر اعتراض کیا ہے؟ گھر کی بچی ہے۔۔۔ گھر میں ہی رہ جائے گی۔۔۔ پھر تم اسے جانتی ہو، تمہیں پتا ہے کہ تم اسے کس طرح سدھار سکتی ہو۔۔۔ باہر سے کسی کو بہو بنا کر لاؤ گی تو وہ تمہیں ناکوں چنے چبوائے گی۔۔۔ اور خوش نصیب کی حرکتوں سے سب واقف ہیں۔ اس پر سختی بھی کرو گی تو تمہیں کون پوچھے گا؟" انہوں نے جیسے کسی بچے کو لالی پاپ دے کر بہلانا چاہا تھا۔

"ارے کمال کرتے ہیں آپ شفیق صاحب! میں کہتی ہوں کہ میرے طوطے میں کمی ہی کیا ہے جو میں ایک بد کردار کو اس کے لیے بیاہ لاؤں۔۔۔" تنک کر جواب دیا تھا۔

"تم اچھے سے جانتی ہو فضیلہ بیگم! کہ تمہارے بیٹے میں کیا کمی ہے۔۔۔" شفیق صاحب کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ وہ جیسے اس بیکار بحث سے اکتانے لگے تھے۔

فضیلہ کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ وہ گڑبڑا کر چپ ہو گئیں پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد بولیں۔ "اچھا اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ جانتی ہوں کہ میرا طوطا بڑا معصوم ہے۔۔۔ آج کل کے لڑکوں والی تیز طراری نہیں ہے میرے بچے میں۔۔۔ ہائے ماں صدقے جائے اپنے لال کے ۔۔۔ شفیق صاحب! آپ کس بلا کو میرے بچے کے سر منڈھ رہے ہیں۔۔۔ وہ تو دو دن میں میرے طوطے کو چیر پھاڑ کھائے گی۔۔۔"

فضیلہ بیگم شاہ جہاں کو شاید اصلی طوطا اور خوش نصیب کو جنگلی بلی سمجھ بیٹھی تھیں۔

"تم بتاؤ۔۔۔ کیا تمہاری نظر میں اور کوئی ہے جو تمہارے "ہیرے جڑے لال" کو اسی دماغی حالت کے ساتھ قبول کر لے؟"

فضیلہ کو تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے۔۔۔

"ہائے ہائے شفیق صاحب! غضب خدا کا۔۔۔ کیسے منہ بھر بھر کر اپنے ہی بیٹے کے بارے میں اول فول بول رہے ہیں۔۔۔ ارے مانا میرا بچہ تھوڑا بیوقوف ہے۔۔۔ آج کل کے لڑکوں کی طرح تیز طرار ہے۔ بڑا بیبا بچہ ہے میرا۔۔۔ ماں کی بات سنتا اور مانتا ہے۔ مگر آپ لوگوں کو تو میرا بچہ ہی بیوقوف لگتا ہے نا۔۔۔"

شفیق صاحب نے جیسے ضبط کرتے ہوئے گہرا سانس لیا اور پھر سختی سے بولے۔ "فضیلہ بیگم! میرے بات غور سے سنو کیونکہ میں یہ بات دوبارہ دہراؤں گا نہیں۔ میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ تم اپنے بیٹے کو معصوم کہہ رہی ہو جبکہ تم جانتی ہو کہ یہ معصومیت نہیں ہے، دماغی مسئلہ ہے۔ وہ نارمل لوگوں کی طرح نہیں ہے سو یہ خوش فہمی تو تم اپنے دل سے نکال دو کہ تمہیں اس کے لیے لڑکی آسانی سے مل جائے گی۔ اب آؤ دوسری بات کی طرف۔۔۔ خوش نصیب بدتمیز ہے، بات نہیں سنتی مگر یہ بات تم بھی جانتی ہو فضیلہ کہ وہ بچی بدکردار نہیں ہے۔ اچھے سے جانتے ہیں ہم ان بچیوں کو۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہیں۔ آج جو کچھ بھی ہوا ہے اس کی اصلیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس سے ہمیں موقع ملا ہے کہ شاہ جہاں کا مسئلہ حل کر لیا جائے۔۔۔ تم صرف اس بارے میں سوچو۔۔۔ وہ تمہاری بہو بنے گی تو کچھ بھی ہو تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا پائے گی۔ تمہارا بیٹا تمہاری مٹھی میں ہی رہے گا۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر۔۔۔" شفیق صاحب جو آگے کو ہو کر بیٹھے تھے، ٹانگ ٹانگ رکھتے ہوئے صوفے کی بیک سے کمر ٹکا گئے اور مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔ "اس گھر میں ان دونوں بچیوں کا حصہ ہے۔ ماہ نور کی شادی کے بعد شامیر اس جائیداد کو مطالبہ نہیں کرے گا، وہ ویسے بھی واپس جانا چاہتا ہے، باقی بچی خوش نصیب۔۔۔ تو جو کچھ خوش نصیب کے حصے میں آئے گا وہ اصل میں شاہ جہاں کا ہی ہوگا۔۔۔"

اپنی بات مکمل کر کے شفیق صاحب، فضیلہ بیگم کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں کہ دیکھو میں کتنا دور تک سوچ رہا ہوں۔ ان کی باتوں سے فضیلہ بیگم بھی یک دم متفق نظر آنے لگی تھیں۔ چند لمحے تذبذب کا شکار رہتے ہوئے انہوں نے دل ہی دل میں جوڑ توڑ کیا تھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

کچھ ہی لمحوں بعد دونوں میاں بیوی سر جوڑے مستقبل کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

بادلوں اور بارش کی چادر میں چھپی ہوئی وہ رات۔۔۔ ایک مشکل رات تھی۔

اور وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد اس رات کی صبح ہو جائے لیکن ظاہر ہے یہ بھی اتنی جلدی ممکن نہ تھا۔

رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ بادلوں نے جیسے خوش نصیب کی آنکھوں سے شرط باندھ لی تھی۔

چلو دیکھتے ہیں کون زیادہ برستا ہے۔۔۔ تم یا ہم۔۔۔

اور پھر وہ ہار گئی۔۔۔اس کی آنکھوں کے سوتے خشک ہونے لگے۔۔۔اور ہار تو اب ہمیشہ کے لیے اس کا مقدر بنا دی گئی تھی۔

وہ پچھلے تین، چار گھنٹوں سے وہاں بیٹھی موسم کے تیور خود پر جھیل رہی تھی۔ ٹانگیں موڑ کر پیٹ سے لگائے۔۔۔گھٹنوں کے گرد بازو ولپیٹے۔۔۔وہ کسی بت کی طرح اپنا زخم زخم وجود سنبھالے، دیوار کے سہارے بیٹھی تھی۔

ماں کے ہاتھوں بری طرح پٹنے کے بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے اوپر آئی تھی مگر کمرے میں جانے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چھت کے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور خود کو جیسے رات کے اندھیرے میں چھپا لیا تھا۔ اسے نہ چھاجوں چھاج برستی بارش سے خوف آیا تھا نہ ہی ٹھنڈی ہوا اسے اس کے ارادے سے باز رکھ پائی تھی۔ شاید وہ اپنے حواسوں میں ہی نہ تھی۔ سر تھا کہ کسی پھوڑے کی طرح تکلیف دیتا تھا۔ جسم ایسے محسوس ہوتا تھا کہ سب ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں مگر اس تکلیف کا کیا کرتی جو روح کو پہنچی تھی۔۔۔اور سب سے زیادہ محسوس بھی ہوتی تھی۔

کچھ دیر پہلے اس نے اپنی ماں اور بہن کو چھت پر دیکھا تھا۔ اس کی ماں کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور ماہ نور نے انہیں کندھوں سے تھام کر سہارا دے رکھا تھا۔ روشن امی نے تو شاید اس کی موجودگی کو وہاں محسوس بھی نہیں کیا تھا لیکن ماہ نور اسے وہاں بیٹھا دیکھ چکی تھی۔ ماں کو کمرے میں بھیجنے کے بعد اس نے مڑ کر خوش نصیب کو دیکھا تھا۔ چند لمحے وہ وہاں کھڑی خوش نصیب کو دیکھتی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔

غصہ۔۔۔نفرت۔۔۔تکلیف۔۔۔دکھ۔۔۔

یہ سب جذبے خوش نصیب کے لیے تھے۔ کچھ لمحے خوش نصیب کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ ایک جھٹکے سے پڑی تھی اور اندر چلی گئی تھی۔ خوش نصیب نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں تھا۔

وہ تو جیسے سب بھول گئی تھی۔۔۔شامیر۔۔۔ماہ نور۔۔۔کیف۔۔۔سب بھول بیٹھی تھی وہ۔۔۔

اگر کچھ یاد رہا تھا وہ تھا ماں کا ہاتھ۔۔۔

اس ہاتھ میں تھمی ہوئی جوتی، جو ایک تواتر سے اس پر برس رہی تھی۔۔۔

اور صرف ایک لفظ۔۔۔بدکردار۔۔۔

''کیا میں بدکردار ہوں۔۔۔؟'' اذیت کی انتہا پر جیسے اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

''نہیں۔۔۔بالکل نہیں۔۔۔'' اس کے دل نے گواہی دی تھی۔

''پھر۔۔۔کیوں۔۔۔میرے ساتھ ہی کیوں ہوا یہ سب؟'' وہ کرلائی تھی۔

مگر جواب نہیں ملا تھا۔۔۔سناٹا تھا، سکوت تھا۔ دل کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔

''بتاؤ مجھے میری کیا غلطی تھی؟'' وہ سسکی۔

خاموشی۔۔۔

''میں بدکردار نہیں ہوں۔۔۔'' اس نے جیسے خود کو ہی بتایا تھا پھر وہ سوچنے لگی کہ کیا اس کی زندگی میں کچھ ایسا ہے جو اسے بدکردار کہا جا سکے۔

''میں بدکردار نہیں ہوں۔۔۔

میں نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا۔۔۔

میں نے اپنی ماں کو کبھی دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔۔۔

میرا دامن بالکل صاف ہے۔۔۔

پھر کیوں میرے اوپر اتنا بڑا الزام لگایا گیا؟

کیوں ان لوگوں نے مجھے اتنا بے اعتبار کر دیا؟

کیا چند دن پہلے آیا ہوا وہ انسان ان کے لیے مجھ سے زیادہ قابلِ اعتبار تھا۔۔۔؟''

آخر یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟''

اور اس کیوں کا جواب ہی تو نہیں مل رہا تھا اسے۔

ڈھیر سارے سوالوں میں سے کسی ایک کا جواب بھی اس کے پاس موجود نہیں تھا۔۔۔

بارش کی شدت میں کمی آنے لگی تھی مگر ہوا کی شدت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کا جسم بالکل سن تھا لیکن اس نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دکھتے ہوئے سر کو ہاتھوں میں تھامے وہ مسلسل اپنی غلطی تلاش کرنے کی کوشش میں سرگرداں تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے کہ میں بدتمیز تھی۔۔۔ منہ پھٹ تھی۔۔۔ میں نے کبھی کسی کا لحاظ نہیں کیا۔۔۔ ہمیشہ ان لوگوں کو تکلیف دینا چاہی۔۔۔ اس سب کے باوجود میں بدکردار نہیں ہوں۔۔۔ نہ ہی کبھی تھی۔۔۔ میرا خاندان، میرے گھر والے۔۔۔ یہاں تک کہ میری ماں اور میری بہن جو میری رگ رگ سے واقف تھیں، انہوں نے بھی میرا یقین نہیں کیا۔۔۔

تو پھر میں اب تک کن لوگوں کے لیے سوچ رہی تھی؟ کن لوگوں کی بھلائی چاہتی تھی۔۔۔ ان لوگوں کی جنہیں میرے کردار تک پر یقین نہیں ہے۔۔۔

میری ماں۔۔۔ جس نے مجھے پیدا کیا، میری پرورش کی، مجھے تربیت دی۔۔۔ آج اس کے لیے اس کی اپنی تربیت ہی ایک سوالیہ نشان بن گئی۔۔۔

http://kitaabghar.com

میری بہن۔۔۔ جسے بچانے کے لیے میں نے اپنی ڈرتک کی پرواہ نہ کی اور اس نے ایک بار بھی مجھ سے سچائی جاننے کی کوشش نہیں کی اور منہ پھرلیا۔۔۔

اور پھر یہ باقی سب لوگ۔۔۔ صیام، کیف، منہا۔۔۔ یا پھر میرے نام نہاد بزرگ ۔۔۔ کوئی بھی میرا اپنا نہیں بنا۔۔۔

تو جب یہ لوگ ہی میرے اپنے نہیں بنے تو میں اب تک کیوں ان کے لیے شامیر کے سامنے کھڑی رہی؟

کیوں میں نے اپنی پرواہ نہیں کی اور صرف ان کے بارے میں سوچا۔۔۔؟

اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے کی کوشش کی جیسے اپنے سوالوں کے جواب اپنی ذات سے نہ ملنے پر وہی سوال اب ہر ذات کے مالک سے کر رہی ہو۔

"آپ تو سب جانتے ہیں نا اللہ۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں نا کہ میں ان سب کے معاملے میں کس قدر مخلص تھی اور آپ نے دیکھا نا کہ میرے خلوص کے بدلے میں مجھے کس طرح ذلیل کیا گیا ہے۔۔۔ اور آپ یہ بھی کہتے ہیں نا کہ جان کا بدلا جان ہے اور مال کا بدلا مال ہے۔۔۔ تو بس میرے اللہ اب اس ذلت کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔۔۔ میری بلا سے شامیر صیام کو نقصان پہنچائے یا ماہ نور سے شادی کرلے۔۔۔ میرا اب ان سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔

مجھے بس اب اپنے بارے میں سوچنا ہے۔۔۔ مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔۔۔ مجھے اب کبھی ان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا۔۔۔ آج میری ماں نے جس طرح مجھے بے اعتبار کیا ہے۔۔۔ میرا خود سے وعدہ ہے کہ میں اب کبھی ان سے وہ اعتبار واپس نہیں مانگوں گی۔۔۔ میں یہاں سے کہیں بہت دور چلی جاؤں گی۔۔۔ بس آپ میرا ساتھ دینا اللہ۔۔۔ اب صرف آپ کا ساتھ ہی چاہیئے ہے مجھے"

بے آواز بڑبڑاتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا اور آنکھیں موند لی۔

بارش ایک بار پھر سے زور پکڑ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے چمکتی ہوئی بجلی اور گرجتے بادل کسی بھی کمزور دل انسان کو ڈرانے کے لیے کافی تھے مگر خوش نصیب کو فی الوقت ہوش ہی کہاں تھا۔

کچھ دیر وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکائے کمرے کی طرف چل پڑی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تھا اور ناک کی سیدھ میں چلتی ہوئی گیلری میں چلی گئی تھی اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

پوری چھت تیز دھوپ سے زرد ہو رہی تھی۔ داہنی ہاتھ والی دیوار کے ساتھ ساتھ رکھے کبوتروں کے بند ڈربے ہری ترپال سے ڈھانپے گئے تھے لیکن کسی نہ کسی ڈربے میں کوئی کبوتر ذرا سا بولتا تو اس کی آواز کسی بھولی بسری یاد کی طرح محسوس ہوتی۔

ماہ نور نانی کو ناشتہ کروانے کے بعد پانی پلا رہی تھیں جب گیلری کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا تھا اور خوش نصیب وہاں سے

نکلی تھی۔ایک بھی نظران لوگوں پرڈالے بغیروہ سر جھکائے کمرے سے باہر کی طرف چل پڑی تھی۔

روشن امی نے دیکھا،اس کے چہرے پر جا بجا نیل پڑے تھے۔دائیں آنکھ کے نیچے جیسے جوتی کے تلوے کا ڈیزائن چھپا ہوا تھا اور نچلا ہونٹ بھی قدرے سوج گیا تھا۔مسلی ہوئی قمیض اور الجھے ہوئے بال۔۔۔ چہرے سے وہ اپنے بالوں سے زیادہ الجھی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اب خوش نصیب پر غصہ اپنی جگہ لیکن تھی تو اپنی ہی اولاد نا۔۔۔اس کی حالت اور حالت بھی وہ جو خود ان کے ہی ہاتھوں بنی تھی، ایک لمحے کے لیے ان کا دل دکھا گئی تھی۔ آج تک انہوں نے اپنی اولاد کو ہلکے ہاتھوں سے بھی نہیں مارا تھا کجا کہ سارے گھر کے سامنے اسے جوتے سے مارنا۔۔۔مگر یہ دکھ صرف چند لمحوں کے لیے ہی دل میں گھر کر سکا تھا۔

انہیں یک دم خوش نصیب کی رات والی حرکت یاد آئی تھی اور اس کی تکلیف کا خیال اگلے ہی لمحے دل و دماغ سے محو ہو گیا تھا۔ ہمدردی کی جگہ پھر سے غصے نے لے لی تھی۔ انہیں یاد آ گیا تھا کہ ان کی ناہنجار اولاد نے کس طرح کل رات سب کے سامنے انہیں بے عزت کی تھا۔۔۔کس طرح ان کی تربیت کو کھوٹ زدہ کر ڈالا تھا۔

انہیں یہ بھی احساس تھا کہ ماہ نور کا رشتہ شامیر سے جڑنے کے بعد کس قدر ضروری تھا کہ وہ فاطمہ اور شامیر کا دل خوش نصیب اور اپنی طرف سے صاف کرتیں۔ بہر حال یہ ماہ نور کی خوشیوں بھری زندگی کے لیے ضروری تھا اور وہ یقیناً اپنی ایک بیٹی کی غلطیوں کی سزا دوسری بیٹی کو دلوانا نہیں چاہتی تھیں۔اس کے ساتھ ہی انہیں خوش نصیب کو کل رات اس کے بارے میں کیے گئے فیصلے سے بھی آگاہ کرنا تھا۔

ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھیں اور خوش نصیب کو، جو کہ دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی، پکارا۔

"خوش نصیب۔۔۔!" ان کا لہجہ اور آواز کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھی۔

اور خوش نصیب نے جیسے سن کر بھی ان کی آواز نہ سنی تھی۔وہ اپنے ہی خیالوں میں محو آگے بڑھتی گئی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ دروازے سے باہر نکلتی،انہوں نے پھر سے اسے پکارا تھا اور اس بار آواز پہلے سے بلند تھی۔

"خوش نصیب۔۔۔!ادھر آؤ۔۔۔مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔۔۔"

خوش نصیب اب کی بار جیسے ان کی بات سن اور سمجھ پائی تھی۔وہ ٹھٹک کر رکی تھی اور گردن کو موڑ کر ماں کی طرف دیکھا تھا مگر پلٹنے یا ان کی طرف آنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"اوہ میرے خدایا۔۔۔" روشن امی جیسے ایک لمحے کو دہل سی گئیں تھیں۔

اتنی ویرانی تھی اس کی آنکھوں میں۔۔۔

جیسے کوئی لاش۔۔۔

ماہ نور کی نظریں بھی بہن پر جمی تھیں لیکن اس کی حالت دیکھ کر بھی ماہ نور کی آنکھوں میں کوئی احساس نہیں جاگا تھا۔ایک مخصوص قسم

کی نفرت تھی جو پچھلے کچھ دنوں سے خوش نصیب کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگتی تھی اور کل رات سے اس نفرت میں کئیں گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

جھرجھری لیتے ہوئے جیسے انہوں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔اپنے لہجے کو سخت کرتے ہوئے انہوں نے پھر کہا تھا۔" یہاں آ کر بیٹھو۔۔۔مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

خوش نصیب ایک لفظ بھی بولے بغیر پلٹی تھی اور ان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔اس نے ماں کے برابر بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی نہ ہی منہ سے ایک بھی لفظ کہا تھا۔بس سوالیہ نگاہیں ماں پر جمی ہوئی تھیں۔انداز ایسا کہ ماں بات کریں اور وہ وہاں سے رسی تڑوا کر بھاگ جائے۔

"کل رات جو کچھ بھی ہوا۔۔" روشن امی نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر بولیں۔۔۔"تم اس بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

اللہ ہی جانے کہ یہ بات منہ سے کیوں نکلی ورنہ آدھے گھنٹے پہلے تک تو وہ سوچی بیٹھیں تھیں کہ خوش نصیب سے کچھ نہیں پوچھیں گی۔

دوسری طرف خوش نصیب کے چہرے پر ان کے سوال سے ایک مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔سسکتی ہوئی،اذیت زدہ مسکراہٹ۔

"آپ کو اب یہ سوال پوچھنے کا خیال کیوں آیا ہے؟" وہ طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔روشن امی نے جواب نہیں دیا۔

"خیر۔۔۔آپ لوگوں نے ہی تو بتایا تھا مجھے بھی کہ میں رات شامیر کے کمرے میں تھی اور وہاں اس دودھ سے دھلے فرشتے کو بہکا رہی تھی۔کمال ہے امی اتنی جلدی بھول گئیں آپ یہ بات۔۔۔آپ نے ہی تو اس بات پر حق کی مہر ثبت کی تھی۔۔۔وہ بھی اپنی جوتی سے۔۔۔" وہ جیسے اپنے نہیں کسی اور کے بارے میں بول رہی تھی۔

"میں نے یہ سب بکواس کرنے کے لیے تمہیں نہیں بلایا۔۔۔" وہ جھنجھلائیں۔

"کمال ہے۔۔۔ میں چپ کھڑی تھی تب بھی آپ خوش نہیں تھیں۔۔۔اب سچ بول رہی ہوں تو آپ کو بکواس لگ رہی ہے۔۔۔خیر آپ اس بات کو چھوڑ دیں۔۔۔وہ بات کریں جس کے لیے آپ نے میری جیسی بدکردار لڑکی کا نام اپنی زبان سے ادا کیا ہے۔۔۔"اس نے نہایت سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔

وہ حیران رہ گئیں تھیں۔یہ وہ خوش نصیب نہیں تھی۔۔۔وہ غصے اور ناراضی میں بھی کبھی بدلحاظ نہیں ہوئی تھی لیکن آج۔۔۔

دوسری طرف ماہ نور اس کی بدتمیزی پر کھول کر رہ گئی۔نانی کے پاس سے اٹھ کر وہ ماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"خوش نصیب!تمیز سے بات کرو۔۔۔مت بھولو کہ تم اپنی ماں سے بات کر۔۔۔۔"

"اونہوں۔۔۔" خوش نصیب نے ہاتھ اٹھا کر ماہ نور کو چپ کروایا تھا۔"تم اس معاملے سے دور رہو ماہ نور۔۔۔یہ تمہارا مسئلہ نہیں

http://kitaabghar.com

ہے۔جیسا کہ تم نے کہا کہ یہ میری ماں ہیں تو تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میرے اور میری ماں کے معاملہ میں اپنی ٹانگ اڑاؤں۔۔۔" ناک چڑھا کر خوش نصیب نے نہایت نخوت سے ماہ نور کو ناک آؤٹ کیا تھا۔

ماہ نور اس کے انداز اور لہجے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اتنی بدتمیزی۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی روشن امی نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے چپ کروا دیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔جس قدر خاک تم میرے سر میں ڈال چکی ہو،اس کے بعد ہونا تو یہی چاہیے کہ میں تمہاری شکل بھی نہ دیکھوں۔۔۔مگر کیا کروں میری بھی مجبوری ہے۔میرے بس میں ہوتا تو رات ہی تمہیں زندہ دفنا دیتی۔" روشن امی نے سختی سے کہا تھا۔

اور خوش نصیب سر جھٹک کر ہنس دی تھی۔" آپ نے ابھی بھی کوئی کسر تو نہیں چھوڑی مجھے دفنانے میں۔۔۔ مگر چلیں چھوڑیں۔۔۔آپ بتائیں اب آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی پھیلائی ہوئی گندگی خود ہی سمیٹو۔تم آج بلکہ ابھی میرے ساتھ جاؤ گی اور شامیر اور اس کی ماں سے اپنے کیے کی معافی مانگو گی۔میں ماہ نور کا رشتہ شامیر سے طے کر چکی ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ تمہارے کیے کی سزا میری بیٹی کو بھگتنی پڑے۔"

"میری بیٹی" کے الفاظ پر خوش نصیب کی آنکھوں میں سائے سے لہرا گئے تھے۔۔۔ایک لمحے کے لیے دل نے چاہا کہ پوچھ لے کہ اگر یہ بیٹی ہے تو مجھے کیا کہاں سے اٹھایا تھا۔لیکن جب وہ بولی تو الفاظ بالکل مختلف تھے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔اور کچھ؟"

خوش نصیب اتنی آسانی سے معافی مانگنے پر راضی ہو جائے گی، یہ بات ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھیں۔انہیں تو لگا تھا کہ خوش نصیب کو اس کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے ایک لمبی بحث کرنے پڑے گی اور کہیں نا کہیں وہ سوچ چکی تھیں، کہ انہیں جتنی بھی سختی کرنی پڑے گی، وہ کریں گی مگر خوش نصیب نے تو ایسا کوئی موقع ہی نہیں آنے دیا۔فوری طور پر ہی وہ راضی ہو گئی تھی معافی مانگنے کے لیے۔۔۔

"تم معافی مانگو گی؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے مانگ لوں گی معافی۔۔۔ اور کوئی حکم؟" بیزار لہجہ۔۔۔"بلکہ اٹھیں ابھی چلتے ہیں۔آپ کا شوق بھی پورا ہو جائے۔" پیچھے کھڑی ماں اور بہن کو ہکا بکا چھوڑ کر وہ خود مڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔دروازہ کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کر ماں کو دیکھا تھا اور بولی تھی۔

"تم پہلے منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کر لو۔" اس کے آسانی سے مان جانے پر روشن امی کے لہجے کی سختی بھی کچھ کم ہو گئی تھی۔ساتھ ہی ساتھ اس کی حالت کا بھی احساس تھا۔اس حالت میں وہ اسے سب کے سامنے نہیں لینا چاہتی تھیں۔

"ہاہاہا۔۔۔کمال ہے امی۔۔۔سب کے سامنے یہ حلیہ بنا سکتی ہیں میرا مگر اب سب کے سامنے لے جاتے ہوئے آپ کو شرم آ رہی ہے۔۔۔مگر مجھے شرم نہیں آ رہی اس حلیے سے بھی۔۔۔آ جائیں اب۔۔۔یہ نا ہو کہ کہیں آپ کی بیٹی کے سسرال والوں کو معافی دیر سے مانگے جانے پر بھی اعتراض ہو۔"

روشن امی نے ایک لمحے کے لیے سوچا تھا پھر خوش نصیب کے رویے کو غنیمت جان کر اس کے ساتھ چل پڑیں تھیں۔

☆......☆......☆

فضل ہاؤس کی نچلی منزل میں اس وقت ناشتہ کیا جا رہا تھا۔اتوار کا دن تھا سو ناشتہ بھی معمول سے کچھ لیٹ کیا جا رہا تھا۔ تایا ابا،تائی امی،کیف،فہمینہ،شامیر اور فاطمہ۔۔۔سب وہاں موجود تھے جس وقت روشن امی،خوش نصیب کو لے کر وہاں آئی تھیں۔

"اسلام و علیکم۔۔۔"روشن امی نے اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا تھا۔

اور ان دونوں کو وہاں دیکھ کر سب ایسے خاموش ہو گئے تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو حالانکہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے وہ لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور صابر صاحب،کیف سے اس کی جاب اور پوسٹنگ کے بارے میں پوچھ رہے تھے مگر اب وہاں پن ڈراپ سائلنس تھا۔صابر تایا نے خوش نصیب کو دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیا تھا، کچھ ایسا ہی رویہ تائی امی نے بھی دکھایا تھا۔کیف خاموشی سے اپنی پلیٹ پر جھک گیا تھا،انداز ایسا تھا جیسے اس نے خوش نصیب کو دیکھا ہی نہ ہو اور فہمینہ کی آنکھوں میں تاسف نے جگہ لے لی تھی۔اس خاموشی کو محسوس کرے روشن امی بھی ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئیں تھیں۔

سب سے پہلے فاطمہ کو ہوش میں آئی تھیں اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

"ارے روشن آؤ آؤ۔۔۔ابھی تم لوگوں کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے ہم۔۔۔"انہوں نے خوش نصیب کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ روشن امی کوئی جواب دیتیں،خوش نصیب آگے بڑھی تھی اور فاطمہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ چند لمحے بغور ان کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے مشینی انداز میں ان کے سامنے ہاتھ باندھ لیے تھے اور سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں۔۔۔"

فاطمہ اس کی بات پر حیران رہ گئیں تھیں پھر ایک دم اس کے باندھے ہاتھوں کا خیال آیا تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھولنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو آپ بیٹا۔۔۔!ایسے مت کرو۔۔۔ہم لوگ تم سے خفا نہیں ہیں۔غلطیاں بچوں سے ہی ہوتی ہیں۔"

"نہیں پلیز۔۔۔آپ مجھے بات پوری کر لینے دیں۔میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔۔۔ میں

http://kitaabghar.com

نے آپ لوگوں کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔آپ کے بیٹے کو سب کے سامنے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔بہر حال یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ شامیر ایک بہت ناک اور بہترین انسان ہے جو میرے بار بار بھٹکانے پر بھی نہیں بھٹکا اور میری بہن کے ساتھ مخلص رہا۔''اس کا لہجہ بتدریج طنزیہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔روشن امی کا دماغ اس کی طنزیہ باتوں سے بھک سے اڑ گیا تھا۔وہ تیزی سے آگے بڑھی تھیں اور خوش نصیب کے برابر آ کھڑی ہوئی تھیں۔انہیں ہر حال میں اس معاملہ کو ختم کروانا تھا۔

''فاطمہ! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔اس کی غلطی ہے اسے معافی مانگ لینے دو۔۔۔اور اسے معاف کر دو۔اس نے جو کیا وہ بہت غلط تھا لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔آپ اور شامیر اسے معاف کر کے بڑے پن کا ثبوت دیں۔ اس کی غلطی بہت بڑی سہی مگر آپ لوگ اسے معاف کر دیں۔''ان کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

''بالکل فاطمہ آنٹی میری غلطی بہت بڑی ہے۔۔۔آپ اس ''بہت بڑی غلطی'' کے لیے مجھے معاف کر دیں پلیز۔۔۔ آپ معاف کر دیں گی تو باقی لوگ بھی مجھے معاف کر دیں گے۔بلکہ مجھے تو شامیر سے بھی معافی مانگنی ہے۔''

وہ ان کو چھوڑ کر تیزی سے شامیر کی طرف بڑھی تھی۔

دور کرسی پر بیٹھے کیف نے اس کے الفاظ کو بغور سنا تھا اور پھر اس کی باتوں پر کڑھ کر رہ گیا تھا۔جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، تو اس کی ظاہری حالت نے ایک لمحے کے لیے اسے سن کر دیا تھا۔ خوش نصیب کی تکلیف کو شدت سے محسوس کیا تھا اس نے۔۔۔مگر اس کے لفظوں نے اس تکلیف پر ٹھنڈا پانی پھینک دیا تھا۔وہ کڑھ کر رہ گیا تھا۔وہ جو کل ساری رات خود کو مناتا رہا تھا کہ خوش نصیب کچھ غلط نہیں کر سکتی اور وہ بے قصور ہے، خوش نصیب کے معافی مانگنے پر اس سوچ کی بھی خود ہی موت ہو گئی تھی۔اس کا دماغ ہر سوچ سے خالی ہو گیا تھا۔

''خوش نصیب بھلا ایسا کیسے کر سکتی ہے۔۔۔؟''اس نے جیسے خود سے پوچھا تھا۔لمحوں میں ہی دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

خوش نصیب تیزی سے شامیر کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔اس کی آنکھوں شامیر کی آنکھوں میں گڑی تھیں۔پھر اس نے پہلے کے سے انداز میں شامیر کے سامنے بھی ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

''مجھے معاف کر دو شامیر۔۔۔''

شامیر کو ذرا بھی امید نہیں تھی کہ خوش نصیب اس قدر آسانی سے ہار مان لے گی۔ایک لمحے کے لیے وہ خود بھی خوش نصیب کے رویے پر گڑبڑا گیا تھا جبکہ خوش نصیب نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

''میں نے بڑی زیادتی کر دی تمہارے ساتھ۔۔۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم ہمیشہ سے ماہ نور کو پسند کرتے تھے، میں نے تمہیں بہکانے کی کوشش کی۔۔۔ تمہیں اپنی طرف متوجہ کروانا چاہا۔۔۔اور تو اور تم پر تعویز بھی کروائے۔۔۔شکر ہے صیام نے تمہیں بچا لیا۔۔۔

خیر شامیر تم نے بھی تو غلط کیا نا۔۔۔تم کتنی آسانی سے صیام سے مانگنی پر راضی ہو گئے تھے۔وہ تو میں نے بچا لیا تمہیں۔۔۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔۔۔اب پلیز تم مجھے میری تمام غلطیوں کے لیے معاف کر دو۔۔۔دیکھو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہوں۔۔۔ پلیز معاف کر دو مجھے۔۔۔" وہ جو بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔

دوسری طرف شامیر جو شروعات میں اس اچانک حملہ سے بوکھلا گیا تھا،اب دل ہی دل میں جواب سوچ چکا تھا۔

ایک گہری سانس بھرتے ہوئے وہ دو قدم آگے بڑھا تھا اور پھر چہرے پر مسکراہٹ لیے اس نے ہاتھ خوش نصیب کے سر پر رکھ دیا تھا۔۔۔ جب خوش نصیب خود سب کے سامنے اسے اچھا ثابت کر رہی تھی تو پھر کچھ مزید اچھا بن کر دکھانے میں کیا برائی تھی۔

"خوش نصیب!تم مجھ سے معافی مت مانگو۔۔۔میرے لیے تم میری بہن کی طرح ہو۔۔۔" اس نے بڑے آرام سے ایک قابلِ احترام رشتے کا سہارا لیا تھا۔"میں تمہیں ہمیشہ سے یہی تو سمجھاتا آرہا ہوں کہ جو کچھ تم محسوس کرتی ہو وہ محبت نہیں ہے، صرف انسیت ہے۔۔۔ اور انسیت تو ہم بہت سے لوگوں سے محسوس کرتے ہیں۔۔۔ایسی ہی انسیت کیف بھی تمہارے لیے محسوس کرتا ہوگا۔۔۔" اس نے جیسے باتوں ہی باتوں میں اس کا مذاق اڑایا تھا۔"اور یقیناً باقی گھر والے بھی۔۔۔تم معافی نہیں مانگو کیونکہ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ بہنیں معافی مانگتی اچھی نہیں لگتیں۔۔۔"

پھر وہ صابر تایا کی طرف مڑا تھا۔

"انکل!خوش نصیب کو اس کی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔میں آپ سے ریکوئسٹ کرتا ہوں کہ آپ سب بھی اس کی غلطی کو معاف کر دیں۔اور جو کچھ کل ہوا ہے اس کو بھلا کر آگے بڑھیں۔۔۔ " وہ آگے بڑھ کر تایا کے برابر جا کھڑا ہوا تھا۔"میری خاطر انکل۔۔۔ میرے کہنے پر ہی سہی مگر آپ کوش نصیب کو معاف کر دیں۔۔۔"

صابر صاحب نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا تھا مگر ہنکارا بھر کر جیسے رضامندی دے دی تھی۔شامیر مسکرا دیا تھا۔

"مام۔۔۔ !آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کو اس ٹائم کچھ بولنا چاہیے۔۔۔"وہ شرارت سے ماں کی طرف مڑا تھا۔

فاطمہ بھی اس کے انداز پر مسکرا دی تھیں۔"صابر بھائی، روشن۔۔۔اب جب معاملات سیدھے ہو ہی رہے ہیں۔۔۔تو کیا ہی اچھا ہو کہ اس وقت ہم بچوں کی شادی کی ڈیٹ بھی فکس کر لیں۔شامیر،ماہ نور کو اپنے ساتھ ہی باہر لے جانا چاہتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد اپنی بہو کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں۔۔۔اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو ہم اگلے ہفتے ہی ان دونوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ "

"فاطمہ!اتنی جلدی تیاری کیسے ہوگی۔۔۔تم خود سوچو۔۔۔میں نے تو ماہ نور کے لیے کچھ تیار بھی نہیں کیا۔"

"روشن کسی باتیں کر رہی ہو۔۔۔ماہ نور کو میں بہو نہیں بیٹی بنا کر لے جا رہی ہوں۔ہم اسے اپنے ساتھ صرف تین کپڑوں میں

بیاہ کے جائیں گے۔ جب ہم نے جہیز لینا ہی نہیں ہے تو پھر مزید تیاری پر کیا وقت لگے گا۔میرے شامیر میں اتنی صلاحیت ہے کہ اپنی بیوی کی ہر ضرورت کو اپنے بل بوتے پر پورا کر سکے۔تم سوچ کر تو دیکھو۔۔۔"اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے صابر صاحب کی طرف دیکھا تھا۔"بھائی صاحب! آپ ہی سمجھائیں روشن کو۔۔۔"

"میرے خیال سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بھابھی۔۔۔ایک دن رخصت تو کرنا ہی ہے بچی کو۔۔۔پھر جلدی ہو یا دیر سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔" صابر چچا نے بھی اپنا ووٹ فاطمہ کے حق میں دے دیا تو مزید بحث کی کوئی گنجائش ہی نہ بچی۔۔۔ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

فاطمہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔۔۔"تو بس پھر طے ہے۔۔۔آج توار ہے، اگلے جمعہ کو مہندی کر لیتے ہیں۔ ہفتہ کی بارات اور اتوار کا ولیمہ۔۔۔تیاریوں کے لیے دس بارہ دن بھی مل جائیں گے۔آپ کیا کہتے ہیں بھائی صاحب۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔جیسا آپ لوگ چاہیں۔۔۔"انہوں نے مسکرا کر اجازت دے دی۔

"مگر مجھے ایک اعتراض ہے۔۔۔"شامیر یک دم سنجیدگی سے بولا تھا۔

"سب نے حیرانی سے شامیر کی طرف دیکھا تھا مگر بولی صرف اس کی ماں تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو شامیر۔۔۔کیسا اعتراض؟"ان کے لہجے میں حیرانی تھی۔

وہ شرارت سے بولا۔"میں یہ کہہ رہا ہوں ماما کہ کل رات صرف میرا اور ماہ نور کا ہی تو رشتہ طے نہیں ہوا تھا۔۔۔پھر آپ لوگ صرف ہماری شادی کی تاریخ طے کر رہے ہیں؟"

"کیا مطلب۔۔۔؟"روشن امی کا چہرہ اس کی اعتراض والی بات پر ہی فق ہو گیا تھا۔۔۔قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں انہوں نے وضاحت چاہی تھی۔

"میرا مطلب تھا آنٹی کہ جب میری اور ماہ نور کی شادی ہو ہی رہی ہے تو پھر ساتھ ہی باقی لوگوں کو بھی آزادی کیوں دی جائے۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ کیف، صیام اور شاہ جہاں بھائی، خوش نصیب کو بھی بھگتا لیں آپ لوگ۔۔۔"

خوش نصیب کو محسوس ہوا کہ اس کے حواس اس کا ساتھ نہیں دے رہے۔اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے مڑ کر ماں کو دیکھا تھا۔

"کک۔۔۔کیا۔۔۔کیا مطلب؟"اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ارے آنٹی آپ نے اسے ابھی تک بتایا نہیں؟"شامیر نے دل بھر کر حیران ہونے کا ڈرامہ کیا تھا۔

"نہیں۔۔۔وہ۔۔۔۔میں۔۔۔"روشن امی ہکلا گئیں تھیں۔

"ارے آنٹی کمال ہے۔۔۔خوش نصیب کے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ لیا ہے آپ لوگوں نے۔۔۔اور ابھی تک اسے پتا ہی نہیں

http://kitaabghar.com

ہے۔۔۔خوش نصیب! کل سب لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ میری اور ماہ نور کے ساتھ ہی تمہاری اور شاہ جہاں بھائی کی بھی منگنی کر دی جائے ۔۔۔''اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب کے سر پر تو جیسے کمرے کی چھت آ گری تھی۔اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا۔

دوسری طرف شامیراب صابر تایا کی طرف مڑ گیا تھا اور انہیں اپنی کہی ہوئی بات پر راضی کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''سنو۔''اس نے پکارا تو وہ رک کر پلٹی اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتا ہوں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا؟''

معاویہ نے اس کا خوبصورت چہرہ دیکھا اپنے اندر ہمت جمع کی اور بولا۔

''میرے خوابوں میں آنے والی پری کا چہرہ اسی دن بدل گیا تھا۔جس دن میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا۔۔۔کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اب اس پری کا چہرہ کتنا خوبصورت دکھائی دینے لگا ہے؟''وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

منفرا کچھ سمجھی کچھ نہیں۔الجھ البتہ زیادہ گئی تھی۔

''میں ۔۔۔میں سمجھی نہیں؟''

معاویہ ایسے ہی مسکراتا ہوا چند قدم چلتا اس کے قریب آیا اور نرمی سے بولا۔

''میں نے لائف آفٹر ڈیتھ پر ریسرچ کرتے اپنی زندگی کے آٹھ سال برباد کئے ہیں ۔۔۔اگلے آٹھ سال ۔۔۔بلکہ اٹھارہ سال ۔۔۔نہیں میں نے غلط کہہ دیا۔۔۔''

وہ بار بار رک رہا تھا۔لفظ اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے وہ اپنی بے بسی پر ہنستا تھا لیکن وہ ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''میں اپنی زندگی کے اگلے تمام سال ۔۔۔تمہارے ساتھ زندہ انسانوں پر ریسرچ کرتے ہوئے گزارنا چاہتا ہوں۔۔۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے منفرا کا گلابی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری محبت میں دیوانہ ہو چکا ہوں ۔۔۔لیکن اس بات کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں ساری زندگی تم سے محبت کروں گا۔۔۔دنیا کی نظروں میں میں ایک کامیاب انسان ہوں ۔۔۔میرے پاس دولت ہے وجاہت ہے۔رتبہ ہے۔۔۔محبت نہیں ہے۔۔۔تم ۔۔۔مجھ سے محبت کرو گی منفرا؟''

سوچتے سوچتے منفرا بڑی پیاری سی ہنسی ہنس دی تھی۔

نیویارک سٹی پر اس روز بہت خوبصورت رات اتری تھی۔۔۔روشنیوں سے بھری ہوئی۔۔۔جگ مگ کرتی ہوئی۔۔۔جس میں کالے رنگ سے زیادہ سنہری رنگ بھرا تھا۔۔۔اس نے کالے رنگ کی اس خوبصورتی کو کہیں نہیں دیکھا تھا۔۔۔مونٹوک میں بھی نہیں جہاں سے اسے عشق تھا۔۔۔خدا ہی جانے کہ یہ سنہری پن نیویارک سٹی کی راتوں میں اب بھر دیا تھا یا منفرا اسے اب محسوس کرنے کے قابل ہوئی تھی۔

وہ کہاں جانتی تھی کہ یہ سنہری پن رنگوں میں نہیں دل میں بھرتا ہے۔ جب محبت دل کے دریچے میں داخل ہو کر اسے سونے کا بنا دیتی ہے تو یہ سنہری پن ہر چیز میں محسوس ہوتا ہے اور پھر جب آپ کو معلوم ہو کہ جسے آپ چاہتے ہیں، وہ بھی آپ کی محبت میں مبتلا ہے تو دل خود با خود ایک سنہری تال پر ناچنے لگتا ہے۔

منفرا قریباً ایک گھنٹے پہلے کھڑکی سے سامنے پڑے سنگل صوفے پر آ کر بیٹھی تھی۔ ارادہ تو ایک کتاب پڑھنے کا تھا، لیکن رات کے سنہرے پن کو کھوجتے کھوجتے اسے مونٹوک یاد آیا تھا، مونٹوک کا سمندر یاد آیا تھا، سمندر کے کنارے اترتی شام یاد آئی تھی اور پھر اسے وہ یاد آیا تھا جو کہ اسے بھولتا ہی نا تھی۔ جو آج کل اس کی ہر سوچ پر قابض تھا۔

اسے معاویہ یاد آیا تھا اور اس سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کی کہی ہوئی ایک ایک بات یاد آئی تھی۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری محبت میں دیوانہ ہو چکا ہوں۔۔۔لیکن اس بات کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں ساری زندگی تم سے محبت کروں گا۔۔۔دنیا کی نظروں میں میں ایک کامیاب انسان ہوں۔۔۔میرے پاس دولت ہے وجاہت ہے۔ رتبہ ہے۔۔۔محبت نہیں ہے۔۔۔تم۔۔۔مجھ سے محبت کرو گی منفرا؟"

اس نے معاویہ کے کہے الفاظ دہرائے تھے اور کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

کسی کو چاہنے کا احساس بلاشبہ انمول ہوتا ہے لیکن چاہے جانے کا احساس انسان کو ہواؤں میں اڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ بھی جب سے مونٹوک سے واپس آئی تھی، ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ اس کا دل و دماغ ساتویں آسمان پر تھا۔ ہنسی تھی کہ ہونٹوں کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی۔ دل میں ایسا سکون طاری تھا، جیسا سکون معاویہ نے پانی کی گہرائیوں میں محسوس کیا تھا۔ کبھی وہ سوچتی تھی کہ یہ کوئی خواب تو نہیں۔۔۔بس وہ چاہتی تھی کہ اگر یہ خواب ہے تو بھی یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔

فی بی جب بھی اسے دیکھتی تھی تو دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگتی تھی۔ وہ اپنی دوست کے لیے بہت خوش تھی۔ اسی خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے اس نے منفرا اور معاویہ کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا اور کیونکہ اسے شک تھا کہ معاویہ کبھی بھی اس کے انوائٹ کرنے پر نہیں آئے گا، اس لیے اس نے منفرا کی ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ معاویہ کو اس ڈنر کے لیے راضی کرے۔ وہ معاویہ کو یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ اس کے ماں باپ اس رشتے کے لیے راضی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے والد کو یہاں بلا لے تاکہ وہ اس کے پیرنٹس سے باضابطہ طور پر ان کے رشتے کی بات کر سکیں۔

اس نے نظر ادھر ادھر دوڑا کر اپنا موبائل تلاش کیا تھا۔موبائل بیڈ پر پڑا تھا۔اس نے اٹھ کر موبائل اٹھایا اور معاویہ کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کھڑکی کے پاس چلی آئی۔چوکھٹ سے ٹیک لگائے وہ کال اٹھائے جانے کی منتظر تھی۔اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔دو تین بار بیل ہونے کے بعد اسے معاویہ کی خوابیدہ آواز سنائی دی تھی۔

''ہیلو پری۔۔۔کیسی ہو؟''

''ہائے۔۔۔پری؟ کیا بول رہے ہو تم؟'' وہ ہنس دی تھی اس لقب پر۔

''ہاں نا پری۔۔۔میرے خوابوں والی پری۔۔۔ابھی اسی سے ملاقات کر رہا تھا۔۔۔ڈنر پلان کر رہے تھے ہم۔۔۔ اس نے کہا اچھا میں تمہیں کال پر ٹائم بتاتی ہوں اور تم نے کال کر لی۔''

''ہاہاہاہا۔۔۔ اچھا تو تم ڈھکے چھپے لفظوں میں ڈنر پر انوائٹ کر رہے ہو؟''

اس نے معاویہ کو چڑانے کی کوشش کی تھی مگر معاویہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔۔۔

''ڈھکے چھپے لفظوں میں۔۔۔''اس نے حیرت زدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔''ارے بھئی میں تو صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ میں خواب میں تمہارے ساتھ ڈنر پلان کر رہا تھا۔۔۔اور عقلمند وہی ہوتے ہیں جو خوابوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے انہیں حقیقت بنا دیں۔۔۔جیسے میں نے اپنے خوابوں والی پری کو اپنے لیے حقیقت میں ڈھونڈ لیا ہے۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

اس کی بات نے منفرا کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔۔۔ٹھیک ہے حقیقت بناتے ہیں خواب کو۔۔۔ڈنر پر چلتے ہیں کل مگر یہ ڈنر فی بی کی طرف سے ہوگا۔''

''یہ فی بی کہاں سے آگئی اس ڈنر میں؟''

''وہ تمہیں اور مجھے ڈنر پر انوائیٹ کرنا چاہتی ہے۔۔۔ہمارے ریلیشن کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے۔۔۔'' اس نے کچھ جھجک کر آخری الفاظ ادا کیے تھے۔

''میں خواب میں ایک رومینٹک ڈنر پر جا رہا تھا منفرا۔۔۔! جہاں تم تھی، میں تھا۔۔۔مگر یقین کرو فی بی نہیں تھی۔۔۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

منفرا ہنس دی۔''اس بار فی بی کو بھی اس رومینٹک ڈنر کا پارٹ بنا لیتے ہیں۔'' وہ چڑا رہی تھی اسے۔''ویسے بھی وہ ہم دونوں سے زیادہ خوش ہے ہمارے لیے۔اور منع کر کے میں اسے خفا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔۔۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔۔۔ چلیں جائیں گے اس ''رومینٹک ڈنر'' پر۔۔۔'' وہ بے بس سے لہجے میں بولا تو منفرا ہنس دی۔''اچھا بتاؤ تم کیا کر رہی ہو؟''

''میں۔۔۔میں رات کو کھوج رہی ہوں۔۔۔پتا لگانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ اس رات میں اتنا سنہری پن کہاں سے آ گیا ہے۔۔۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''رات۔۔۔اب رات رہی کہاں ہے منفرا۔۔۔اب تو دن ہے۔۔۔چمکتا ہوا دن جس نے میری زندگی کی تمام سیاہی کو نگل لیا ہے۔'' وہ اتنا پُرسکون بول رہا تھا کہ یہ سکون منفرا کو اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔

معلوم نہیں کس خیال کے تحت وہ پوچھ بیٹھی تھی۔ ''معاویہ۔۔۔! تم ٹھیک ہو نا؟''

''میں اتنا ٹھیک ہوں جتنا آج سے پہلے کبھی نہیں تھا۔۔۔میں اتنا سکون محسوس کر رہا ہوں۔۔۔جتنا آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔۔۔میں اپنے سارے دکھ۔۔۔اپنی ساری پریشانیاں۔۔۔اپنے سارے خدشات۔۔۔اسی سمندر کی تہہ میں چھوڑ آیا ہوں منفرا۔۔۔! جہاں میں نے تمہیں پا لیا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار صحیح فیصلہ کیا تھا۔۔۔مجھے بہت پہلے یہ سب کر لینا چاہیے تھا۔''

وہ بولنا شروع ہوا تو بولتا ہی چلا گیا۔

''مجھے بتاؤ منفرا میں کیا کروں۔۔۔میں خود کو بڑا بے بس پاتا ہوں۔۔۔لیکن یہ بے بسی مجھے اتنا سکون دیتی ہے کہ میں اس کیفیت سے نکلنا بھی نہیں چاہتا۔۔۔میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے تمہارا چہرہ دکھائی دیتا۔۔۔میں آنکھیں کھولتا ہوں تو میرا ذہن تمہارے خیالات سے نکل نہیں پاتا۔۔۔تم نے مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔۔۔'' اس نے محبت بھرے انداز میں شکوہ کیا تھا۔

منفرا اس کے لفظوں میں اس طرح کھوئی تھی کہ آگے سے کچھ بولنا بھی بھول گئی تھی۔۔۔بولنے کی ضرورت بھی کیا تھی جب خاموشی ہی اس قدر خوبصورت تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا تھا۔

''منفرا چلو شادی کر لیتے ہیں۔۔۔''

اور منفرا اس مطالبے پر مسکرا دی تھی۔

''اس کام کے لیے تمہیں اپنے بابا سے بات کرنی ہوگی۔۔۔انہیں بلاؤ معاویہ تاکہ وہ مام ڈیڈ سے بات کر لیں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں بلا لوں گا انہیں۔۔۔میرے لیے اب انتظار ممکن نہیں۔۔۔کیا تم نے آنٹی انکل کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہے؟''

''ہاں۔۔۔نیویارک آنے سے پہلے میں نے ممی کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔ آج ان کی کال آئی تھی۔ انہوں نے ڈیڈ سے بات کر لی ہے اور۔۔۔اور وہ لوگ خوش ہیں۔۔۔'' منفرا نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

☆......☆......☆

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں بلا لوں گا انہیں۔۔۔ میرے لیے اب انتظار ممکن نہیں۔۔۔ کیا تم نے آنٹی انکل کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہے؟'' وہ منفرا سے پوچھ رہا تھا۔ لہجے میں خدشہ در آیا تھا۔

''ہاں۔۔۔ نیویارک آنے سے پہلے میں نے ممی کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔ آج ان کی کال آئی تھی۔ انہوں نے ڈیڈ سے بات کرلی ہے اور۔۔۔ اور وہ لوگ خوش ہیں۔۔۔'' منفرا نیا سے بتایا تو اس کی آواز بھی مسکراتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے منفرا۔۔۔ میں بہت خوش ہوں۔۔۔'' معاویہ جیسے جھوم اٹھا تھا۔

منفرا کی کال آنے سے پہلے وہ سو رہا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک دم اتنا سکون بھر گیا تھا کہ اسے سونے کے لیے اب مزید دوائیوں کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ اب دوائیوں کے بغیر بھی بہت سکون کی نیند سونے لگا تھا۔

اور آج تو وہ خوش بھی بہت تھا۔ اس نے بہت عرصے بعد خواب میں وسامہ کو دیکھا تھا۔

اس نے دیکھا تھا کہ وسامہ فلک بوس کے باغ میں کرسی پر بیٹھا ہے اور کچھ لکھ رہا ہے۔ وہ وہاں اکیلا بیٹھا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور معاویہ کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ وہ خواب میں بھی اتنا خوش اور پرسکون لگ رہا تھا کہ وہ سکون معاویہ کے دل میں اتر آیا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ خوش ہے۔۔۔ وہ خوش ہے معاویہ کے لیے اور وہ خوش ہے معاویہ کے آگے بڑھ جانے کے فیصلے سے۔۔۔

اس کی آنکھ منفرا کی کال سے کھلی تھی جس نے اس موڈ کو کچھ مزید خوشگوار کر دیا تھا۔ منفرا کے پیرنٹس اس رشتے پر راضی تھے۔ اب مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ منفرا کے ساتھ ڈنر کا پلان فائنل کرنے کے بعد اس نے منفرا کو اللہ حافظ کہا تھا اور فوراً ہی اردشیرازی کو کال ملالی تھی۔

''ہیلو بابا۔۔۔'' کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''معاویہ۔۔۔! کیسے ہو تم؟ سب خیریت ہے؟'' وہ اس کے کال کرنے پر یقیناً حیران ہوئے تھے کیونکہ عموماً انہیں ہی معاویہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے کال کرنی پڑتی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔ اور سب خیریت ہے۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟''

اردشیرازی نے حیرانی سے اپنے سیل فون کو گھورا تھا۔ ان کا بیٹا ایک لمبے عرصے بعد ان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ میں تمہیں آج کال کرنے ہی والا تھا۔ دو تین دن میں شاید میں نیویارک آؤں۔۔۔ ذرا فرصت ہو تو مل لینا مجھ سے۔۔۔'' آخر میں ان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

''فرصت ہی فرصت ہے۔۔۔ آپ یہاں میرے اپارٹمنٹ میں ہی رکیے گا۔ اور اگر آپ کچھ زیادہ وقت نکال سکیں تو یہ اور

بھی اچھا رہے گا۔"

"کیا بات ہے معاویہ؟ بہت خوش لگ رہے ہو۔۔۔اور یہ باپ کی یاد کب سے ستانے لگی تمہیں کہ اسے رکنے کی دعوت دے رہے ہو؟" وہ خوشگوار حیرت کا شکار تھے سوزیادہ دیر اپنے لہجے کو معمول کے مطابق سنجیدہ نہیں رکھ پائے تھے۔

"خوش تو میں ہوں بابا۔۔۔" معاویہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ تو مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔۔۔خوشی کی وجہ بتاؤ۔۔۔"

"بابا۔۔۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

اردشیرازی کو جھٹکا لگا تھا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ معاویہ خوش ہے لیکن اس کی خوشی کے پیچھے کوئی ایسی وجہ ہوگی، یہ انہوں نے نہیں سوچا تھا۔ وہ پچھلے آٹھ سال سے اسے شادی کے لیے راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ نہیں مانتا تھا اور آج وہ کال پر ایک دم انہیں بتا رہا تھا کہ وہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ دل ہی دل میں وہ بے حد خوش ہوئے تھے اس خبر سے۔۔۔

"آر یو سیریس معاویہ؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یس بابا۔۔۔ آیم سیریس۔۔۔اتنا سیریس میں پہلے کبھی نہیں ہوا۔۔۔" اس نے اپنی خوشی کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"دیٹس گریٹ۔۔۔ اب ذرا اس کے بارے میں بھی بتا دو جس نے تم سے یہ عقلمندانہ فیصلہ کروایا ہے۔۔۔"

معاویہ ہنس دیا۔۔۔

"منفرا نام ہے اس کا۔۔۔"

"اچھا نام ہے۔۔۔امید ہے اپنے نام کی طرح وہ خود بھی منفرد ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ اس بار تم نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہو گا۔۔۔"

معاویہ کے چہرے سے ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔۔۔ آپ آئیں گے تو مل لیجیے گا اس سے۔۔۔یہاں نیویارک میں ہی ہوتی ہے وہ اپنی اسٹڈیز کے سلسلے میں۔۔۔اس کے پیرنٹس مونٹوک میں ہیں۔۔۔ بیک گراؤنڈ پاکستانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار آپ کو میرا فیصلہ پسند آئے گا۔"

"ہممممم۔۔۔" اردشیرازی نے ہنکارا بھرا۔ "اچھی بات ہے معاویہ، میں خوش ہوں تمہارے فیصلے سے۔۔۔اب یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ کیا تم مجھے صرف اس لڑکی سے ملوانا چاہتے ہو؟"

"نہیں بابا۔۔۔ میں چاہتا ہوں کہ سب کچھ تھرو پروپر چینل ہو۔۔۔آپ نیویارک آئیں۔۔۔منفرا سے ملیں۔۔۔پھر مونٹوک

جا کر اس کے پیرنٹس سے اس رشتے کی بات کرلیں۔۔۔میں چاہتا ہوں کہ شادی جلد از جلد ہو جائے۔۔۔"

اور وہ مسکرا دیے تھے۔"ٹھیک ہے جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا مگر۔۔۔میری ایک شرط ہے معاویہ۔۔"

"کیسی شرط۔۔۔؟" وہ خفگی سے بولا تھا۔اسے لگا جیسے اردشیر ازی اس رشتے کی مخالفت کرنے والے ہیں مگر انہوں نے بالکل مختلف بات کی تھی۔

"یہ شادی وہاں ہی ہو گی جہاں یہ سارا معاملہ ختم ہوا تھا۔۔۔تمہاری شادی فلک بوس میں ہو گی۔۔۔اور اس کے بعد تم خود اپنی نگرانی میں فلک بوس کو ایک عالیشان ہوٹل میں تبدیل کرواؤ گے۔ کہو منظور ہے؟" ان کے لہجے سے قطعیت نمایاں تھی۔

معاویہ نے چند لمحوں کے لئے سوچا تھا پھر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے بابا!۔۔۔ایسا ہی ہو گا۔۔۔آپ نیویارک کب آئیں گے۔۔۔؟"

"بہت جلد۔۔۔جیسے ہی کچھ کنفرم ہوتا ہے میں تمہیں انفارم کر دوں گا۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔"

بات پوری کر کے اس نے کال بند کر دی تھی اور بیڈ پر جا کر چت لیٹ گیا تھا۔ فلک بوس سے اس کی اور وسامہ کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں مگر ان میں اب بہت سی تکلیف دہ یادیں بھی شامل تھیں۔

"وسامہ سے وابستہ اچھی یادیں تو ہمیشہ میرے دل میں رہیں گی۔۔۔مگر باقی کی تکلیف دہ یادوں کو اب دل سے نکالنا ضروری ہے۔۔۔اور ان یادوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فلک بوس کو اپنی زندگی سے نکال دیا جائے۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔بابا جو کر رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔" با آواز بلند بولتے ہوئے اس نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔اس کے ہاتھ پھر سے کوئی نمبر ملا رہے تھے۔اب کی بار وہ انہیں کال کر رہا تھا جن کا اس خوشی پر اس کے بعد سب سے زیادہ حق تھا۔وہ اپنے ماموں یعنی وسامہ کے والد کا نمبر ڈائل کر رہا تھا تا کہ انہیں بھی اس خوشی میں شامل کر سکے۔

☆......☆......☆

کیا آپ نے کبھی خود کو بے بس محسوس کیا ہے؟

کیا آپ کبھی زندگی میں ایسی مصیبت کا شکار ہوئے ہیں جہاں آپ کے پاس اس مصیبت سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ ہو؟

کیا آپ نے کبھی اپنی زندگی میں اپنوں کو بیگانہ بنتے دیکھا ہے؟

کیا کبھی آپ نے خود کو کسی اندھے کنویں میں پھنسا ہوا محسوس کیا ہے؟

کیا کبھی آپ کو لگا کہ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آپ کو ریل کی پٹری پر لٹا دیا گیا ہو اور کہا جائے کہ ریل گاڑی تمہارے اوپر

سے ضرور گزرے گی اور تمہیں ریل گاڑی گزرنے کے باوجود بس ہنستے رہنا ہے؟

"نہیں۔۔۔؟"

"اچھا تو کیا آپ نے کبھی ایسا کوئی انسان بھی نہیں دیکھا جو اس کیفیت کا شکار ہو؟

"اگر نہیں دیکھا تو ایک نظر بیڈ کی پائینتی پر بیٹھی آنسو بہاتی ہو لڑکی کو دیکھ لیجیے۔۔۔

جی ہاں۔۔۔ وہ خوش نصیب ہے۔۔۔ جس کا نصیب شاید اس کے نام سے بالکل مختلف لکھا گیا تھا۔

اگر آپ غور تو محسوس کریں گے کہ خوش نصیب کو سچ میں باندھ کر ریل گاڑی کے آگے لٹا دیا گیا تھا اور مطالبہ بھی یہی تھا کہ ہنستی رہو اور خود کو ختم کردو کسی شکوے کے بغیر۔۔۔

اس نے ماں کے سامنے آواز بلند کی تھی مگر اسے دھتکار دیا گیا تھا۔ ماں کے بعد صرف ایک ہی انسان تھا جس کے پاس جا کر وہ آنسو بہا لیتی تھی سو اس وقت بھی وہ عرفات ماموں کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ دل میں ابھرتے ہوئے تمام شکوے، تمام شکایات، تمام گلے وہ ان کے سامنے بیٹھی بیان کرتی چلی گئی تھی۔

عرفات ماموں کی حالت بتدریج سنبھل رہی تھی۔ وہ اس قابل ہو گئے تھے ک اٹھ کر بیٹھتے تھے اور آہستہ آہستہ بات کر پاتے تھے مگر پھر بھی ابھی ان کی حالت مکمل طور پر سنبھلی نہیں تھی۔ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے وہ اداس نظروں سے خوش نصیب کو دیکھ رہے تھے۔ کل رات ہونے والے ہنگامے کے بارے میں انہیں شیرو سے پتا چلا تھا جو خود بھی مکمل تفصیل سے بے خبر تھا چنانچہ انہوں نے کیف کو بلا بھیجا تھا۔ کیف نے بڑی مشکل سے انہیں تمام بات سے مطلع کیا تھا اور وہ یہ بات سن کر بھی حیران رہ گئے تھے کہ خوش نصیب نے یہ سب کیا ہے۔ ساری بات کو سنتے ہوئے وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتے رہے تھے۔ انہیں اس بات پر ذرا سا بھی یقین نہیں آیا تھا حتیٰ کہ کیف نے چڑ کر انہیں خوش نصیب کے معافی مانگنے کے متعلق بھی بتا دیا تھا۔

تمام بات جاننے کے بعد انہوں شیرو کو بھیج کر خوش نصیب کو بلایا تھا مگر خوش نصیب اس کے ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال گئی تھی۔ دوبارہ بھیجنے پر اس نے بعد میں آنے کا بولا تھا اور بالآخر شام میں وہ وہاں آ گئی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ عرفات ماموں کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی تھی ااور بات کا آغاز کیا تھا۔

"اسلام وعلیکم ماموں۔۔۔! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ ماشاللہ آج تو کافی بہتر لگ رہے ہیں۔"

"واعلیکم اسلام۔۔۔"

سلام کے جواب کے سوا انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بغور خوش نصیب کو دیکھ رہے تھے جیسے اس کی آنکھوں سے ہی سب جان لینے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ جب چند لمحوں تک انہوں نے اپنی نظروں کا زاویہ نہیں بدلا تو خوش نصیب نے ہی سٹپٹا کر سر جھکا لیا۔ وہ بالکل

نہیں چاہتی تھی کہ عرفات کو کچھ بھی پتا چلے۔اسے یاد تھا کہ کیف نے کس قدر سختی سے منا کیا تھا کہ ماموں کو کسی قسم کی ٹینشن نہیں دینی ہے۔بس وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی مگر چپ رہنے سے کیا ہو جانا تھا۔آنکھوں میں پھر سے پانی جمع ہو رہا تھا۔اس پانی کو باہر آنے سے روکنے کے لیے اس نے پھر سے بات کا آغاز کیا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا ماموں۔۔۔سوری میں اس ٹائم آ نہیں سکی۔۔۔سب خیریت تھی؟"

"یہ تو تم بتاؤ خوش نصیب! سب خیریت ہے؟"

"جی ماموں۔۔۔!سب خیریت ہے۔۔۔"اس نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا تھا۔

"اچھا۔۔۔"انہوں نے ہنکارا بھرا۔"ذرا یہ بات سر اٹھا کر کہو تا کہ مجھے یقین آ جائے۔۔۔"

خوش نصیب نے بیچارگی سے سر اٹھایا تھا اور پھر چند ہی لمحوں میں آنکھوں میں جمع پانی اس کی چہرے پر بہہ رہا تھا۔عرفات ماموں افسردگی سے اس کو روتا ہوا دیکھتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے شیرو کو مخاطب کیا تھا۔

"جاؤ شیرو۔۔۔!دو کپ اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔۔۔"

"اچھا جی۔۔۔"شیرو تو خود وہاں سے بھاگ نکلنے کے چکر میں تھا۔غصیلی سی خوش نصیب باجی کو ایسے روتے دیکھ کر اسے خود رونا آنے لگا تھا سو اس نے سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے دوڑ لگا دی۔

"خوش نصیب۔۔۔!بچے چپ ہو جاؤ۔۔۔"عرفات ماموں نرمی سے بولے تھے۔"مجھے بتاؤ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"کیا بتاؤں ماموں۔۔۔آپ کو بتا ہی دیا ہو گا سب نے۔۔۔کہ میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔۔۔میں بد کردار ہوں، بے غیرت ہوں۔۔۔ابھی تک نہیں بتایا کسی نے؟ چلیں میں بتاتی ہوں۔۔۔میں معصوم شامیر کو بہکا رہی تھی کہ وہ میری بہن کو چھوڑ دے اور مجھے اپنا لے۔۔۔اس قدر اچھا لگنے لگا تھا وہ مجھے کہ میں آدھی رات کو اس کے کمرے میں گئی تھی تا کہ اسے دھمکا سکوں کہ وہ ماہ نور کی بجائے مجھے اپنائے۔۔۔ اور۔۔۔"

"خوش نصیب۔۔۔!بس کرو۔۔۔"

"کیوں ماموں؟ آپ کو بھی میرے کرتوت سن کر شرم آ رہی ہے کہ میں اسے کیسی لڑکی سمجھتا تھا اور یہ اصل میں کیا نکلی ہے۔۔۔"

خوش نصیب خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔

"میں جانتا ہوں خوش نصیب یہ سب جھوٹ ہے۔۔۔اگر مجھے ان سب باتوں پر یقین ہوتا تو میں تمہیں یہاں بلاتا ہی کیوں؟ تم مجھے وہ سب بتاؤ جو سچ ہے؟اور یہ شاہ جہاں کا کیا چکر ہے؟ کیا یہ سب تم سے پوچھ کر کیا جا رہا ہے؟"

خوش نصیب کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔"آپ کو لگتا ہے ماموں کہ مجھ سے پوچھ کر یہ سب کیا جا رہا ہے۔۔۔

مجھے تو بس بتا دیا گیا ہے کہ اس دن تم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے ہم لوگ۔۔۔اور آپ جانتے ہیں اس فیصلے میں میرے ماں بھی برابر کی شریک ہے۔۔۔اس نے خود شاہ جہاں بھائی کو میرے لیے پسند کیا ہے۔۔۔'' وہ پھر سے رو دی تھی۔

''تم مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ ہوا کیا تھا کل رات؟''

اور پھر خوش نصیب انہیں سب بتاتی چلی گئی تھی۔۔۔

صیام کا اسے ماہ نور اور شامیر کے بارے میں بتانا۔۔

اس کا شامیر کے کمرے میں جانا۔۔۔

شامیر کا اس سے ایسے بات کرنا جیسے خوش نصیب کسی غلط ارادے سے وہاں آئی تھی۔۔۔

تایا کی وہاں موجودگی۔۔۔ان کا خوش نصیب کو گالیاں دینا۔۔۔

ماں کا اس پر ہاتھ اٹھانا۔۔۔اور پھر صبح اس سے معافی منگوانا۔۔۔

''ماموں میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اب ان میں سے کسی کی پرواہ نہیں کروں گی۔۔۔جیسے میری ماں اور بہن نے مجھے قصوروار ٹھہرایا ہے۔۔۔جس طرح کیف جو میرا دوست ہونے کا دعوا کرتا تھا مجھ سے لاپرواہ ہوا ہے ۔۔۔میں بھی ان سب کو ایسے ہی ان کے حال پر چھوڑ دوں گی۔۔۔مگر دیکھیں نا ان لوگوں نے کیا کیا ہے میرے ساتھ۔۔۔میرا گناہ کیا اتنا بڑا ہے کہ میری شادی شاہ جہاں بھائی سے کر دی جائے۔۔۔کیا میں زندگی میں کبھی بھی کچھ اچھا ڈیزرو نہیں کرتی ہوں۔'' وہ روتی چلی جا رہی تھی اور عرفات ماموں بیچارگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔وہ نہ تو اس حال میں اس کی کوئی مدد کر سکتے تھے نہ اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتے تھے۔

جبکہ کمرے سے باہر کھڑا کیف عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔۔۔جب بھی کل رات اور آج صبح کے بارے میں سوچتا تھا تو خوش نصیب ہی غلط دکھائی دیتی تھی مگر جو کچھ وہ عرفات ماموں کو بتا رہی تھی،اس سے تو ظاہر ہوتا تھا کہ خوش نصیب کو بڑی چالاکی سے اس مسئلے میں پھنسایا گیا تھا۔ وہ یہاں ماموں سے اپنا مسئلہ ڈسکس کرنے آیا تھا۔ شامیر نے ابو کے سامنے صیام اور اس کی شادی کا جو شوشا چھوڑ دیا تھا،اس سے وہ بہت پریشان تھا۔صیام سے شادی کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ساری عمر کے لیے ایک عذاب اپنے سر لینے کا حوصلہ نہیں تھا اس میں۔۔۔پھر ہوش سنبھالنے کے بعد سے اس نے خوش نصیب کو ہی اپنے لائف پارٹنر کے طور پر سوچا تھا تو اتنی جلدی اس بات کو بھولنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔اسے یاد آیا کہ یہ صیام والے مسئلے میں بھی اسے خوش نصیب نے ہی پھنسایا تھا۔۔۔

''خوش نصیب!تمہیں اللہ ہی پوچھے۔۔۔'' وہ بڑبڑایا تھا۔ایک ہی منٹ میں وہ بھول گیا تھا کہ خوش نصیب اندر بیٹھی رو رہی ہے یا کس مسئلے کا شکار ہے۔''خود ہی سلجھاؤ اپنے مسئلے۔۔۔'' وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے واپس چلا گیا۔

اگر اندر کمرے میں واپس آئیں تو عرفات ماموں سخت فکر مندی سے پوچھ رہے تھے۔

''تم نے اپنی ماں کو سب بتایا ہے خوش نصیب؟ وہ شامیر والی بات پر یقین نہ بھی کریں مگر شاہ جہان سے شادی والی بات پر تو تم انہیں اپنا اعتراض بتا ہی سکتی ہو؟''

''میں نے کی تھی بات ان سے۔۔۔''

''اچھا پھر کیا کہا انہوں نے؟'' ان کی آنکھوں سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔

خوش نصیب نے تھکے ہوئے لہجے میں انہیں بتانا شروع کیا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب! کل سب لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ میری اور ماہ نور کے ساتھ ہی تمہاری اور شاہ جہاں بھائی کی بھی منگنی کر دی جائے ۔۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب کے سر پر تو جیسے کمرے کی چھت آ گری تھی۔ اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اسے لگا کہ شامیر اس کے بارے میں نہیں بلکہ کسی اور کے بارے میں بتا رہا ہے۔ اب کوئی اور دیکھ سکے یا نہ دیکھ سکے مگر خوش نصیب کو اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا ہوا طنز اور کمینگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے مڑ کر حیرت بھری نگاہوں سے ماں کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جو حیرت تھی اس نے روشن امی کو بھی نظر چرانے پر مجبور کر دیا۔

شامیر اب صابر تایا کی طرف مڑ گیا تھا اور انہیں اپنی کہی ہوئی بات پر راضی کر رہا تھا جبکہ خوش نصیب کو لگ رہا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر بھی مزید یہاں رکی تو دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دے گی۔۔۔

رات کو اپنے آپ سے کیے ہوئے تمام وعدہ ریت کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسل گئے تھے۔ اس کے تمام عظائم، صرف خود کے بارے میں سوچنے کا خیال۔۔۔ سب کچھ اپنی موت آپ مر گیا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ سب اس کے لیے برا سوچ سکتے تھے۔۔۔ مگر روشن امی۔۔۔

وہ کیسے اس کے بارے میں ایسا فیصلہ کر سکتی تھیں؟

کیا انہیں ایک بار بھی خوش نصیب کا خیال نہیں آیا۔۔۔

اپنے ذہن کو اس سے زیادہ ماؤف اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ مزید ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بغیر وہاں سے باہر نکل آئی تھی۔ اور جب تک وہ کمرے سے باہر پہنچی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ اپنی ہتھیلیوں سے چہرے کو رگڑتے ہوئے اس نے تیزی سے صحن کو عبور کیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ سیڑھیوں تک پہنچتی، وہ کسی

سے ٹکرا گئی تھی۔۔۔

وہ کیف تھا۔۔۔ جو اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے والا ہو گیا تھا۔ سارا غصہ اور شک ایک طرف، محبوبہ کے آنسو ایک طرف۔۔۔

”خوش نصیب۔۔۔!“ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن سامنے کسی ناول کی ہیروئن تو کھڑی نہیں تھی کہ اس تصادم پر آدھا گھنٹہ وہاں ہی کھڑی ہو کر ہیرو کی آنکھوں میں دیکھتی رہتی یا اور نہیں تو ہیرو کی بانہوں میں جھول کر بے ہوش ہی ہو جاتی۔۔۔

لیکن نہیں جی۔۔۔ سامنے تو کھڑی تھی خوش نصیب عرف پچھل پیری۔۔۔ اور خدا کیف کے حال پر رحم کرے کہ وہ اس سے ٹکرایا بھی اس وقت تھا جب خوش نصیب سچ میں دکھ اور تکلیف کا شکار تھی۔۔۔ بس ہماری ہیروئن نے کسی بھی ناول کی ہیروئن کو کاپی کرنے کی بجائے ٹارزن کو کاپی کرنا مناسب سمجھا۔

دونوں ہاتھ کیف کے سینے پر رکھ کر اس نے پوری طاقت سے کیف کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ کیف بھی خود کو اس حملے سے بچا نہیں سکا اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔

”خدا غارت کرے تم سب کو۔۔۔“ وہ حلق کے بل چیخی تھی اور پھر اتنی ہی تیزی سے زینہ عبور کر گئی تھی۔

جبکہ کیف بیچارہ جو گرتے گرتے بچا تھا، دانت پیس کر غرایا تھا۔

”خوش نصیب کی بچی۔۔۔“

کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ کرسی پر ڈھے سی گئی تھی۔

کمرہ اس وقت بالکل خالی تھا۔ ماہ نور شاید نانی کو اپنے ساتھ نیچے لے گئی تھی۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد خوش نصیب نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ اتنا شاک تو اسے تب بھی نہیں لگا تھا جب روشن امی نے اس کی بات سنے بغیر اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور اسے دھنک کر رکھ دیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا دل پھٹ جائے گا۔ ہچکیوں سے روتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ مقصد دروازے کو اندر سے بند کر لینا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے اس طرح ٹوٹی پھوٹی حالت میں دیکھے۔

وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی کہ روشن امی اندر داخل ہوئی تھیں اور پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ یقیناً وہ کوش نصیب سے دوٹوک بات کرنے کے لیے آئیں تھیں۔ جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ وہ سامنے چارپائی پر جا بیٹھی تھیں۔ آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس لیے وہ بات شروع کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی تھیں۔

خوش نصیب کی نظریں ماں پر جمی تھیں پر اس نے کچھ بھی بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھیں کتنے ہی اندیشے کتنے ہی خوف ظاہر کر رہی تھیں۔

"جیسا کہ شامیر نے تمہیں بتا دیا ہے خوش نصیب! تمہارا رشتہ شاہ جہاں کے ساتھ طے کر دیا گیا ہے۔ میں چاہتی تھیں کہ تمہیں خود یہ سب بتاؤ مگر خیر۔۔۔ تمہیں یہ سب شامیر سے ہی پتا چلنا تھا۔ شامیر کی خواہش ہے کہ تمہاری شادی بھی اس کی اور ماہ نور کی شادی کے ساتھ ہی ہو۔۔۔" وہ سانس لینے کو رکی تھیں۔

" آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟" خوش نصیب کی آواز غصے کی شدت سے لرز رہی تھی۔

"میرا نہیں خیال کہ اس میں کوئی قباحت ہے۔۔۔"

خوش نصیب کو جھٹکا لگا تھا کہ بات سن کر۔۔۔ یعنی ان کی نظر میں اس رشتے میں کوئی قباحت ہی نہیں ہے۔ مگر ماں کی پوری بات سن کر اندازہ ہوا کہ انہوں نے اس کی بات کو اتنی بھی اہمیت نہیں تھی کہ اس کا جواب ہی دے دیتیں۔

"میرا نہیں خیال کہ اس میں کوئی قباحت ہے۔۔۔ بلکہ ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہے۔ تم دونوں کی شادی ایک ساتھ ہو جائے گی تو میرے سر سے بھی بوجھ اتر جائے گا۔ ماں باپ کے لیے یہ بڑا سکون کا مقام ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔۔۔ میں"

"تو آپ کے خیال میں اپنے فرض کو پورا کرنے کے لیے اپنی اولاد کو کسی آدھے پاگل انسان کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے؟" خوش نصیب ان کی بات کاٹ کر بدتمیزی سے چلائی تھی۔

"تمیز سے بات کرو خوش نصیب۔۔۔" روشن امی نے اسے سختی سے ٹوکا۔" دن بہ دن تمہاری بدتمیزی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اول تو تم شاہ جہاں کی معصومیت کو پاگل پن نہیں کہہ سکتی، دوسرا یہ کہ وہ کم از کم تم سے زیادہ ہی عقل مند ہے۔"

"آپ فی الحال تمیز کی بات کو چھوڑ دیں امی۔۔۔ مجھے بس یہ بتائیں کہ کیا سوچ کر آپ نے شاہ جہاں کو میرے لیے چنا ہے؟ کیا اتنی نفرت کرتی ہیں مجھ سے کہ مجھ سے جان چھڑانے کے لیے کسی کے بھی حوالے کر سکتی ہیں۔ آخر کیوں امی؟ آپ اپنے فرض کو پورا کرنے کے چکر میں میری زندگی تباہ کر دینا چاہتی ہیں۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے ہی رونے لگی تھی۔" اس سے تو بہتر ہے کہ آپ مجھے ایسے ہی اپنے ہاتھوں سے مار دیں۔"

"کیوں کا برائی ہے شاہ جہاں میں؟ صرف یہ کہ وہ معصوم ہے۔۔۔ اس لیے میں اس کا رشتہ تمہارے لیے منع کر دیتی؟"

"آپ کی نظر میں اس میں کوئی برائی نہیں ہے؟ تو پھر یہی رشتہ آپ نے ماہ نور کے لیے کیوں نہیں پسند کر لیا۔۔۔ مگر نہیں وہ تو آپ کی پیاری اولاد ہے۔ اس کے لیے آپ ایسا کیوں سوچیں گی۔۔۔ بلکہ مجھے تو۔۔۔"

"یہی بات خوش نصیب۔۔۔" انہوں نے سخت غصے سے اس کی بات کاٹی تھی۔" بالکل یہی بات۔۔۔ تم سے برداشت نہیں ہو رہا کہ ماہ نور کے حصے میں کچھ بہتر کیوں آ گیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس حد تک گر جاؤ گی کہ اپنی سگی بہن کے لیے اس طرح سے سوچو گی۔ اس کے حق پر ڈاکا ڈالنا چاہو گی۔"

ان کا غصہ آسمان پر جا پہنچا تھا جبکہ خوش نصیب اس الزام پر سن ہو گئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے امی۔۔۔میں بس یہ کہہ رہی ہوں۔۔۔''

''تم جو بھی کہہ رہی ہو۔۔۔اسے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔اپنی بات کو اپنے تک ہی رکھو۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ تمہاری شادی شاہ جہاں سے ہوگی اور اسے ڈیٹ کو ہوگی جو ہم طے کریں گے۔''

''آپ لوگ یہ نہیں کر سکتے۔۔۔آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتیں۔۔۔''

''میں یہی کروں گی خوش نصیب۔۔۔اور تمہیں میری بات ماننی ہی ہوگی۔''ان کا لہجے میں نرمی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی۔

''امی۔۔۔!یہ مت کریں پلیز۔۔۔''خوش نصیب کرلائی تھی۔منتوں کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

''میری ایک بات کان کھول کر سن لو خوش نصیب۔۔۔!''روشن امی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔''چاہے تم کچھ بھی کہو یا جو بھی کرو۔۔۔تمہاری شادی اگلے ہفتے ہوگی اور شاہ جہاں سے ہی ہوگی۔۔۔میں اس معاملہ میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔تمہیں جتنا رونا ہے یہاں بیٹھ کر رو لو۔۔۔کیونکہ اب کے بعد میں تمہیں کسی کے سامنے یا اکیلے میں بھی واویلا کرتے نہ دیکھو۔۔۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھیں تھی۔خوش نصیب اپنی جگہ پر ہی پتھر بنی کھڑی تھی۔

''ایک بات اور۔۔۔خوش نصیب جو کچھ تم کر چکی ہو۔۔۔اس کے بعد اگر تم اس آس پر ہو کہ تمہارے لیے آسمان سے کوئی شہزادہ اترے گا یا میں تمہیں اپنے سر پر بٹھا کر رکھوں گی۔۔۔تو یہ امید بالکل چھوڑ دو۔تم جیسی لڑکیاں یا تو تمام عمر ماں باپ کے سر پر بیٹھ کر ان کا خون چوستی رہتی ہیں یا پھر انہیں بیاہ کر ان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جاتا ہے۔۔۔

مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماردوں۔۔۔اپنی ممتا سے مجبور ہوں۔۔۔نہ ہی میں اتنی بہادر ہوں کہ تمہارے شان میں پڑھے جانے والے قصیدے سنوں۔۔۔اس لیے مہربانی کرو اور مجھ پر رحم کھاؤ۔۔۔ پہلے ہی زندگی میں مشکلات کم نہیں ہیں جو تم انہیں بڑھانے پر تلی ہوئی ہو۔میں دوبارہ دہرا رہی ہوں خوش نصیب!تمہاری شادی اگلے ہفتے ہوگی اور شاہ جہاں سے ہی ہوگی۔۔۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی وہ کمرے سے نکل گئیں تھیں اور خوش نصیب کمرے میں تنہا رہ گئی تھی

☆......☆......☆

خوش نصیب جو کچھ تم کر چکی ہو۔۔۔اس کے بعد اگر تم اس آس پر ہو کہ تمہارے لیے آسمان سے کوئی شہزادہ اترے گا یا میں تمہیں اپنے سر پر بٹھا کر رکھوں گی۔۔۔تو یہ امید بالکل چھوڑ دو۔تم جیسی لڑکیاں یا تو تمام عمر ماں باپ کے سر پر بیٹھ کر ان کا خون چوستی رہتی ہیں یا پھر انہیں بیاہ کر ان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جاتا ہے۔۔۔

مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماردوں۔۔۔اپنی ممتا سے مجبور ہوں۔۔۔نہ ہی میں اتنی بہادر ہوں کہ تمہارے

http://kitaabghar.com

شان میں پڑھے جانے والے قصیدے سنوں۔۔۔اس لیے مہربانی کرو اور مجھ پر رحم کھاؤ۔۔۔ پہلے ہی زندگی میں مشکلات کم نہیں ہیں جو تم انہیں بڑھانے پر تلی ہوئی ہو۔میں دوبارہ دہرا رہی ہوں خوش نصیب! تمہاری شادی اگلے ہفتے ہوگی اور شاہ جہاں سے ہی ہوگی۔۔۔''

اس نے ماں کے الفاظ من وعن عرفات ماموں کے سامنے دہرا دیے تھے۔جیسے یہ الفاظ اس کے دل پر نقش تھے۔اپنی بات پوری کر کے وہ ایسے خاموش ہوگئی تھی جیسے بولنا ہی نہ جانتی ہو۔وہ ظاہری طور پر عرفات ماموں کے سامنے بیٹھی تھی مگر اس کا دل و دماغ ابھی تک اس سیلن زدہ کمرے میں ہی تھا جہاں اس کی ماں نے اس کی قسمت کا فیصلہ سنایا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔!''عرفات ماموں نے پکارا۔

وہ چونک کر حال میں واپس آئی تھی۔اس کا چہرہ ابھی بھی آنسو سے بھیگا ہوا تھا اور اسے خود بھی شاید اس بات کا احساس نہیں تھا۔

''کیا میری غلطی اتنی بڑی ہے ماموں! کہ یہ لوگ میرے ساتھ یہ سب کر رہے ہیں۔۔۔آپ کو بھی میری بات پر یقین نہیں ہے نا۔۔۔میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انسانوں پر سچائی ثابت کر سکوں مگر اللہ تو سب جانتا ہے نا۔۔۔پھر وہ کیوں نہیں مجھے اس مشکل سے نکال لیتا۔بچپن سے امی نے سکھایا ہے کہ اگر آپ صحیح ہو تو اللہ آپ کی مدد ضرور کرے گا تو ماموں اللہ میری مدد کیوں نہیں کر رہا۔۔۔''وہ چہرہ جھکائے کسی معصوم بچی کی طرح سوال کر رہی تھی۔

افسوس یہ تھا کہ ان کے پاس اسے تسلی دینے کے سوا کوئی حل بھی موجود نہیں تھا اور اس کا مسئلہ اتنا بڑا تھا کہ فقط تسلیوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

''خوش نصیب! اگر تم سچی ہو تو اللہ پر پورا بھروسا رکھو۔۔۔وہ ہمیں کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔۔۔ تم بس یقین قائم رکھو۔کیونکہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ اللہ سے امید رکھتا ہے۔ابھی تم جاؤ میرے بچے۔۔۔آرام کرو۔۔۔اور ہاں کیف کو ذرا میرے پاس بھیجو۔''

خوش نصیب نے تھکے تھکے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے ماموں۔۔۔آپ میرے لیے دعا کیجیے گا۔اللہ حافظ۔۔۔''اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

واپس جانے کی بجائے اس نے پہلے کچن میں جھانک کر دیکھا تھا۔اس کی امید کے عین مطابق شیرو وہاں ہی تھا۔

''شیرو۔۔۔!بات سنو۔۔۔''اس نے پکارا تھا۔

''جی باجی۔۔۔''

''ایک کام تو کر دو میرا۔۔۔''

شیرو منہ سے کچھ کہنے کی بجائے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''کیف بھائی کے پاس جاؤ اور اسے کہہ کر آؤ کہ ماموں اسے بلا رہے ہیں۔۔۔'' اس نے کہا تھا پھر کچھ سوچ کر آگے بولی تھی۔

http://kitaabghar.com

"مجھے کچھ کام ہے۔۔۔میں خود نہیں جا سکتی۔۔۔" خامخواہ کی صفائی دی تھی اس نے۔۔۔

شیرو نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور باہر کی طرف بھاگ گیا۔۔۔

خوش نصیب بھی سستی سے قدم اٹھاتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑی تھی۔

☆......☆......☆

"اچھا جی۔۔۔تو آج کی تازہ ترین خبر یہ ہے کہ شامیر بھائی، ماہ نور کو کل مارکیٹ لے کر جائیں گے شادی کا جوڑا لینے کے لیے۔۔۔" منہا نے خبریں سنانے کے انداز میں بتایا تھا۔

جس وقت خوش نصیب، عرفات ماموں کے پاس بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی تھی، اس وقت گھر کی باقی لڑکیاں، سوائے ماہ نور کے، منہا کے کمرے میں بیٹھی ہوئیں تھی۔ گفتگو تازہ ترین ٹاپک پر ہی ہو رہی تھی یعنی شامیر اور ماہ نور کی شادی۔۔۔ یہ لوگ ابھی تک اس بات سے بے خبر تھیں کہ ان دونوں کے ساتھ ہی گھر کی ینگ پارٹی کے چار مزید ارکان کو بھی ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

بڑی منتیں کر کے منہا بی بی کو چائے بنانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ چائے تو لے کر آئی ہی تھی۔۔ ساتھ ہی آج کی تازہ خبر ضرور لے آئی تھی۔

"تمہیں کس نے بتایا۔۔۔؟" صیام کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"میں نے خود سنا ہے اپنے ان کانوں سے۔۔۔" فخریہ جواب دیا گیا۔

"ممکن ہی نہیں ہے کہ تایا ابا اجازت دیں۔۔۔" صیام نے ماننے سے ہی انکار کر دیا۔

"مجھے تو کیف سے بات کی بھی اجازت نہیں ہے اور یہ جائیں گے شاپنگ پر۔۔۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا جو کہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

"ممکن ہے محترمہ۔۔۔اب تو اس گھر میں سب ممکن ہے۔۔۔میں نے خود سنا ہے۔۔۔فاطمہ آنٹی نے خود اجازت لی ہے تایا ابا سے۔۔۔ کہ شامیر بھائی ماہ نور کو ساتھ لے جا کر برائیڈل ڈریس لینا چاہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ تایا ابا نے بڑی خوش دلی سے انہیں اجازت دے بھی دی ہے۔" منہا نے صیام کا مزید خون جلایا تھا۔

اب کی بار فہمینہ کو بھی حیرت ہوئی تھی۔"ابا اتنی آسانی سے مان گئے؟" حیرت زدہ سوال تھا۔

"ہاں جی۔۔۔بڑی آسانی سے مان گئے۔۔۔" منہا نے مزے سے کہا تھا۔

"بڑی زیادتی ہے بھئی۔۔۔مجھے اور کیف کو تو بات تک کی اجازت نہیں ہے۔۔۔کیف بیچارہ تایا ابا کے ڈر سے مجھے دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔" صیام نے چبھتی ہوئی نظریں فہمینہ پر ڈالی تھیں جیسے وہ بھی اس معاملے میں قصوروار ہے۔

جب کے چائے کا گھونٹ بھرتی فہمینہ کو اس کی بات پر اس بری طرح ہنسی آئی تھی کہ چائے ناک کے راستے باہر آ گئی تھی۔۔۔ کھانس کھانس کر برا حال ہو گیا بیچاری کا۔۔۔ جبکہ دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ اگر صیام کو پتا چل جائے کہ کیف ابا کے ڈر سے نہیں بلکہ اس سے جان چھڑانے کو ادھر ادھر ہو جاتا ہے تو یہ کیا کرے گی۔۔۔

منہا نے کمر پر تین چار زوردار دھموکے رسید کیے، پانی پلایا پھر کہیں جا کر کھانسی کو کچھ آرام آیا۔اس دوران صیام سکون بھرے انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھی رہی تھی اور فہمینہ کو گھورنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔اس کی کھانسی کو ذرا سا سکون ملا تو اسے صیام کی نظروں کا اندازہ ہوا۔۔۔

چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر وہ بیچارگی سے بولی۔''میں کیا کہہ سکتی ہوں بھلا اس بارے میں۔۔۔'' پھر وہاں سے کھسک لینے کو ہی مناسب سمجھتے ہوئے بولی۔''میں ذرا اپنا حلیہ درست کر کے آتی ہوں۔''

منہا نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن مزید کوئی بھی بات سنے، وہ وہاں سے رفو چکر ہو گئی تھی۔

''تم بھی حد کرتی ہو صیام۔۔۔'' منہا نے چڑ کر کہا تھا۔

''لو اب میں نے کیا کر دیا ہے۔۔۔'' وہ تنک کر بولی تھی۔

''تم ذرا تمیز سے بات نہیں کر سکتی دوسروں سے۔۔۔اب بھلا تم اور کیف بھائی نارمل بات چیت نہیں کرتے اس میں فہمینہ کا کیا قصور تھا جو تم اسے باتیں سنا رہی تھی۔۔۔بندہ کوئی خیال ہی کر لیتا ہے، تمہاری ہونے والی نند ہے وہ۔۔۔''

''اوہو۔۔۔ایک تو تم سب میرے پیچھے ہی پڑے رہا کرو۔۔۔جسے دیکھو مجھے ہی لیکچر دے رہا ہے۔۔۔'' صیام بھی غصے سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

کیف کا یقیناً آج برا دن چل رہا تھا کیونکہ صیام کو کمرے سے باہر آتے ہی وہ دکھائی دے گیا تھا اور وہ تیر کی طرح اس کے سر پر جا پہنچی تھی۔

''کیسے ہو کیف؟'' بڑی لگاوٹ سے پوچھا گیا تھا۔

''کیسا نظر آ رہا ہوں۔۔۔'' آگے سے اکتایا ہوا جواب آیا تھا۔

''تم تو ہمیشہ ہی اچھے نظر آتے ہو۔۔۔'' عادت کے عین مطابق سوچے سمجھے بغیر جواب دیا گیا تھا۔

کیف نے سر اٹھایا اور پھر اسے گھور کر دیکھا۔

''کوئی کام ہے؟''

''کیوں؟ کیا تم سے میں بات صرف کام کے وقت ہی کر سکتی ہوں؟''

http://kitaabghar.com

"کرنا تو تمہیں یہی چاہیے۔۔۔" وہ حد درجہ اکتایا بیٹھا تھا، اوپر سے صیام کا لگاوٹ بھرا انداز مزید غصہ دلا رہا تھا۔ "اب بول بھی چکو کہ کیوں آئی ہو؟"

"تمہیں پتا ہے کل شامیر اور ماہ نور شاپنگ پر جا رہے ہیں؟"

"تو جا رہے ہوں گے۔۔۔ میں کیا کروں؟"

"تم تایا ابا سے اجازت لو نا۔۔۔ ہم دونوں بھی کہیں گھومنے چلتے ہیں۔۔۔"

"تمہارا دماغ سیٹ ہے؟" کیف ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔ "کن خوابوں میں ہو تم؟ یہ ناولز پڑھ کر اور ڈرامے دیکھ دیکھ کر جو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے نا۔۔۔ چچی کو کہو اس کا علاج کروائیں۔۔۔ اگلی بار ایسی کسی فضول اور بیہودہ فرمائش کو لے کر میرے پاس آئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔ بیوقوف۔۔۔"

اسے وہاں اکیلا چھوڑ کر وہ گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔

اب سچ تو یہ تھا کہ سارا غصہ خوش نصیب کی صبح والی حرکت پر تھا۔ پھر کچھ دیر پہلے ہی اماں نے اسے تایا ابا کے شادی والے فیصلے کے بارے میں بھی بتا دیا تھا تو جب صیام نے آ کر ایک "معصوم سے خواہش" کا اظہار کیا تو اس نے اپنا سارا غصہ اسی پر نکال دیا تھا۔

کیف تو گھر سے باہر چلا گیا مگر صیام اپنی انسلٹ پر وہاں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔ دل کر رہا تھا کہ کیف کا سر ہی پھاڑ ڈالے۔۔۔ ایک طرف خوش نصیب کے ذریعے اس کی قسمت کھوٹی کروا کر خود سے منگنی کروا دی اوپر سے اتنی انسلٹ کر کے چلا گیا تھا۔ صیام بی بی کا غصہ لحہ بالحہ بڑھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے کیف۔۔۔ دیکھنا میں تم سے کیسا بدلا لیتی ہوں اس انسلٹ کا۔۔۔ ساری عمر مجھے یاد کر کر کے رونے پر مجبور نہ کیا تو میرا نام بھی صیام نہیں۔۔۔" ایک نئے عزم کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

سیانے کہتے ہیں کہ غصے کو ہمیشہ قابو میں رکھو۔۔۔ غصے میں کوئی فیصلہ نہ کرو کیونکہ غصے میں کیے ہوئے فیصلے تمہیں ضرور ہی ذلیل و خوار کرواتے ہیں۔

مگر افسوس۔۔۔ صد افسوس۔۔۔ صیام نے آج تک اپنی ماں کی نہیں سنی تھی، سیانوں کی بات تو پھر کہیں بعد میں آتی ہے۔

جس وقت کیف اسے باتیں سنا کر گھر سے نکلا تھا، اس کے چند منٹوں بعد ہی شامیر گھر میں داخل ہوا تھا۔ بھرپور ترنگ کے ساتھ وسلنگ کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا، جب اس نے برآمدے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر صیام کو بیٹھے دیکھا تھا۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا چل رہا تھا، جو اس نے صیام کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔

صیام جو فی الحال صرف کیف سے بدلے لینے کے طریقے سوچ رہی تھی، شامیر کے ہاتھ ہلاتے ہی سمجھ گئی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے مگر وہ یہ جانتی نہیں تھی کہ آج کا دن اس کے لیے کتنا برا ثابت ہونے والا ہے۔

وہ اٹھ کر تیزی سے شامیر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ شامیر نے جو اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو وہاں ہی رک کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

"ہیلو۔۔۔ کیسے ہیں آپ؟" وہ پاس آ کر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ اب دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

شامیر نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔ "میں۔۔۔ میں تو بہت خوش ہوں۔۔۔ تم بتاؤ۔۔۔ میں جانتا ہوں تم بھی خوش ہو گی۔۔۔"

"میں کیسے خوش ہو سکتی ہوں شامیر۔۔۔؟" اس نے کچھ ایسے افسوس بھرے انداز میں کہا کہ شامیر بھی اس کی طرف پریشان ہو کر دیکھنے لگا۔

"شامیر۔۔۔ میں کل سے آپ کی باتوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔۔۔ اور میں نے محسوس کیا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ کیف مجھے پسند نہیں کرتا اور جب وہ مجھے پسند نہیں کرتا تو میں اس سے شادی کیوں کروں۔۔۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی اسے پسند نہیں کرتی۔۔۔ بلکہ۔۔۔"

"ہاں ہاں بولو صیام۔۔۔ بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔۔۔؟"

وہ دونوں چلتے ہوئے کچن کے پاس پہنچ گئے تھے۔ شامیر اس سے بات کرتے کرتے وہاں ہی رک گیا تھا۔ اب وہ ایسے کھڑے تھے کہ ان کی پیچھے کچن کی کھڑکی تھی۔

"شامیر۔۔۔ آپ نے مجھے جو کچھ بھی کہا تھا، میں نے سنجیدگی سے اس پر غور کیا ہے۔۔۔ آپ خوش نصیب سے بدلا لے چکے ہیں۔۔۔ آپ نے جو چاہا تھا وہ ہو گیا ہے۔۔۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ۔۔۔ آپ ماہ نور کی بجائے اسے ہی اپنائیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔۔۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولی تھی۔ بہرحال اپنے منہ سے ایسی بات کہنا آسان نہیں تھا۔

"کیا مطلب صیام؟ کیا بول رہی ہو؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔۔۔ کون سا بدلا؟ اور کسے اپناؤں؟ جسے پسند کرتا ہوں اسی کو تو اپنا رہا ہوں۔۔۔" اس کے چہرے پر اتنی حیرت تھی کہ ایک لمحے کو تو صیام کو بھی محسوس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ رہی ہے۔۔۔

"آپ کل شام کہہ رہے تھے نا۔۔۔ صحن میں بیٹھ کر ہم نے بات کی تھی؟ یاد آیا۔۔۔"

"کیا بول رہی ہو صیام۔۔۔ میں تو کل تم سے ملا تک نہیں۔۔۔ بات کرنا تو دور کی بات ہے۔۔۔"

وہ دھڑلے سے جھوٹ بول رہا تھا۔ صیام کو اپنے پیروں تلے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی جبکہ کچن میں موجود ماہ نور کھڑکی سے کچھ مزید قریب ہو گئی تھی۔

http://kitaabghar.com

''کیا بول رہے ہیں شامیر آپ۔۔۔یہاں صحن میں ہم نے بات کی تھی۔۔۔آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں اور یہ کہ خوش نصیب آپ کو تنگ کر رہی ہے کیونکہ وہ خود آپ میں انٹرسٹڈ ہے۔۔۔آپ نے کہا تھا نا کہ آپ خوش نصیب کو۔۔۔''

اندر کھڑی ماہ نور نے ایک ایک لفظ بغور سنا تھا۔

''یار تم سب پاگل ہو گیا؟'' وہ غصے سے اس کی بات کاٹتے ہوئے چلایا تھا۔''پہلے خوش نصیب اور اب تم۔۔۔سب میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟ آخر مسئلہ کیا ہے تم سب کا؟ کیوں آخر تم لوگ نہیں چاہتے کہ میں ماہ نور کو اپنی زندگی میں شامل کروں؟ پہلے اس نے رات کو ایک ڈرامہ کری ایٹ کیا اور اب تم۔۔۔اور میں تمہیں کیوں کہوں گا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں جب کہ ایسا کچھ ہے ہی نہیں۔۔۔میری بات سنو۔۔۔تم لوگ دور رہو مجھ سے۔۔۔میں نے تم سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔اس لیے مجھ پر الزام لگانا بند کرو۔۔۔میں ماہ نور سے محبت کرتا ہوں اور اسی کو اپنا لائف پارٹنر بناؤں گا۔۔۔سو پلیز جسٹ سٹے آوے فرام می۔۔۔''

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

صیام کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اسے کس طرح استعمال کیا گیا ہے۔ وہ شاک کی سی کیفیت میں پلٹ گئی تھی جبکہ کچن میں کھڑی ماہ نور کو اپنی قسمت پر ناز محسوس ہوا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

رات آٹھ بجے معاویہ نے اسے اور فی بی کو ان کے ہاسٹل سے پک کر لیا تھا۔

آفیشلی ایک کپل کے طور پر یہ ان کا پہلا ڈنر تھا، اس لیے منفرا نے اس ڈنر کے لیے تیار ہونے میں کافی وقت صرف کیا تھا۔

اس نے اپنے کپڑوں سے لے کر اپنے لپ اسٹک کے کلر تک کو خوب ہی سوچ سمجھ کر سیلیکٹ کیا تھا۔اس سے پہلے اسے اپنی تیاری کی کبھی اتنی فکر ہوئی بھی نہیں تھی۔ بنیادی طور پر وہ ایک اپنے آپ میں گم رہنے والی بندی تھی جسے اس بات سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا تھا کہ لوگ اس کے حلیے کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، مگر اس ایک انسان کے اس کے زندگی میں شامل ہو جانے سے وہ بدل گئی تھی۔اب دل چاہتا تھا کہ کم از کم وہ اس ایک انسان کو ہمیشہ اچھی ہی لگے۔

تو بات ہو رہی تھی منفرا کی تیاری کی جو کہ اس نے خوب ہی سوچ سمجھ کر کی تھی۔ یہ اور بات کہ اس وجہ سے فی بی کو اسے تنگ کرنے کا خوب ہی موقع ملا تھا۔اس کی تیاری کے دوران وہ اس پر مسلسل جملے کستی رہی تھی۔ منفرا بظاہر اس کے جملوں پر اسے ٹوکتی اور جھڑکتی رہی تھی مگر دل ہی دل میں اس نے خوب ہی اس چھیڑ چھاڑ کو انجوائے کیا تھا۔معاویہ کے نام پر کی جانے والی یہ چھیڑ چھاڑ اسے مزہ دے رہی تھی مگر فی بی کی سامنے اس بات کا اظہار اسے مزید شہہ دے دیتا۔بس منفرا بھی پکی سی شکل بنائے ، اسے مکمل نظر انداز کیے شیشے کے سامنے کھڑی تھی اور کانوں میں ٹاپس ڈال رہی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے شیشے میں خود کو غور سے دیکھا تھا۔

اور شیشے نے گواہی دی تھی کہ وہ خوبصورت لگ رہی ہے۔

مگر کیا کرتی کہ اس کی تسلی نہیں ہو رہی تھی اسی لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ فی بی کی طرف گھوم گئی تھی اور اسے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔فی بی شرارت سے کھلکھلا کر ہنسی تو نہ چاہتے ہوئے بھی منفرا مسکرا دی تھی۔ اسی وقت اس کے سیل فون پر معاویہ کی کال آئی تھی۔وہ باہر کھڑا ان دونوں کا منتظر تھا۔منفرا نے جلدی جلدی جوتے پہنے، اپنا کلچ اٹھایا اور دونوں باہر کی طرف چل دیں۔

معاویہ نے سامنے سے آتی ہوئی منفرا کو دیکھا تھا۔وہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، ایک دم سیدھا ہو گیا۔

اسے اپنے اردگرد موجود تمام چیزیں ہوا میں تحلیل ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔اس کے اردگرد کچھ موجود نہیں تھا یا شاید وہ کچھ اور دیکھنے سے قاصر تھا، اگر کچھ پردہ بصارت پر ابھر رہا تھا تو وہ سامنے سے آتی ہوئی منفرا تھی۔

وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔بہت خوبصورت۔۔۔اتنی خوبصورت کہ وہ مبہوت نگاہوں سے اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

منفرا نے دور سے اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر لیا تھا اور کوئی شک نہیں کہ وہ اس کی نگاہوں سے کنفیوژ ہو رہی تھی۔

”اہم اہم۔۔۔ہیلو معاویہ۔۔۔“فی بی نے جو معاویہ کو بت بنے دیکھا تو فوراً ہی شرارت سے اسے پکار بیٹھی۔

معاویہ چونکا تھا۔سب چیزیں اپنی جگہ پر یکدم واپس آ گئی تھیں اور جب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہا تھا تو وہ جھینپ گیا تھا۔

”ہائے۔۔۔“جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا گیا تھا۔

”اگر تم میری دوست کو اچھی طرح دیکھ چکے ہو تو کیا اب ہم چل سکتے ہیں؟“فی بی نے پھر شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

”ہاں چلو چلتے ہیں۔۔۔“وہ مسکرایا تھا۔

فی بی بھی مسکراتی ہوئی غڑاپ سے کار میں گھس گئی تھی جبکہ منفرا کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور معاویہ نے خود کھولا تھا۔۔۔

”اچھی لگ رہی ہو۔۔۔ان فیکٹ بہت زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔۔۔“

اس سے پہلے کہ منفرا کار میں بیٹھتی، معاویہ نے اسے بتا دیا تھا۔منفرا کے چہرے پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”تھینک یو۔۔۔“وہ بیٹھتے ہوئے آہستہ سے بولی تھی۔

معاویہ نے اس کے بیٹھتے ہی دروازہ بند کیا تھا اور تیزی سے آ کر ڈرائنگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

”کدھر جانا ہے؟“اس نے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے فی بی سے پوچھا تھا۔

فی بی نے اسے جگہ بتا دی تھی اور وہ لوگ ریسٹورنٹ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

بلاشبہ یہ معاویہ اور منفرا کی زندگی کے یادگار دنوں میں سے ایک دن تھا۔ یہ شام ہمیشہ ان کی اچھی یادوں کی ڈائیری میں رہنے

والی تھی۔ معاویہ کی سنجیدہ سی مسکراہٹ، منفرا کا جھجکنا اور فی بی کی چھیڑ چھاڑ۔۔۔سب نے مل کر ایک شام کو بہترین بنا دیا تھا۔

فی بی نے منفرا کے بعد معاویہ کو بھی خوب ستایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ محبت نے معاویہ کے رنگ ڈھنگ بدل دیے ہیں اور یہ اس کی دوست کا اثر ہے کہ سڑیل سا معاویہ ہنسنا سیکھ گیا ہے۔ وہ مسلسل معاویہ کو یہ کہہ کر چڑاتی رہی تھی کہ وہ پارک میں جاگنگ کرنے نہیں بلکہ منفرا کے لیے آتا تھا اور یقیناً وہ ایک لمبے عرصے سے منفرا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ منفرا کے ساتھ ساتھ معاویہ بھی ان سب کمنٹس کو انجوائے کر رہا تھا۔

اسی دوران معاویہ نے منفرا کو یہ بھی بتایا تھا کہ دو دن بعد اردشیر ازی نیو یارک آ رہے ہیں اور وہ جلد از جلد اس کے پیرنٹس سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ بات بتاتے ہوئے منفرا سے زیادہ معاویہ خوش دکھائی دیتا تھا۔ اپنی زندگی کے پچھلے آٹھ سال اس نے وقت میں پیچھے کی طرف سفر کیا تھا۔ وہ مزید وقت اپنے ماضی میں رہ کر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اب آگے بڑھنا تھا۔ زندگی کو جینا تھا اور خوش رہنا سیکھنا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ منفرا کے ساتھ وہ یہ سب با آسانی سیکھ سکتا تھا۔

اور وہی منفرا تو وہ معاویہ کی سنگت میں خوش تھی۔۔۔بے حد خوش۔۔۔

❋ ❋

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

"گڈ ایوننگ۔۔۔"

کوئی اس کے کان کے پاس گنگنایا تھا اور وہ جو اپنے ہی کسی خیال میں گم، چائے کی دیگچی پر نظر جمائے کھڑی تھی، بری طرح ڈر کر پلٹی تھی۔

قصہ کچھ یوں تھا جناب کہ آج صبح سے ہی موسم میں کچھ گرمی تھی، عجیب حبس تھا جس نے گرد و بیش کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ ہوا رکی ہوئی تھی اور کل ملا کر یہ گرمی اور حبس سب کے موڈ پر اثر جمائے ہوئے تھے۔ ناشتے کے بعد سب لوگ ہی اپنے کمروں میں گھسے بیٹھے تھے۔

چھت پر پھیلی دھوپ نے کمرے کو خوب ہی گرم کر رکھا تھا۔ چونکہ آج کل گیلری پر مکمل طور پر خوش نصیب کا قبضہ تھا سو مجبوراً اسے کمرے میں بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ نانی حسبِ معمول اونگھنے میں مشغول تھیں۔ فاطمہ آنٹی کو کسی رشتے دار کے گھر شادی کا بلاوا دینے جانا تھا تو وہ جاتے جاتے روشن امی اور فضیلہ چچی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

ماہ نور کا موڈ بہت خراب تھا۔ اول تو گرمی نے دماغ خراب کر رکھا تھا۔ دوم دل ابھی تک خوش نصیب کی حرکت سے ہی خفا تھا کہ کل شام شامیر اور صیام کی گفتگو سننے کو مل گئی۔ دل تو چاہا تھا کہ صیام کو خوب ہی کھری کھری سنائے مگر جانے کا سوچ کر اس نے صبر کر لیا تھا۔ ہاں دل ہی دل میں وہ شامیر سے خوب شرمندہ تھی کہ پہلے بہن اور پھر کزن نے کس قسم کی بے راہ وروی کا مظاہرہ کیا تھا۔

یقیناً یہ سوچتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھی کہ شامیر اور اس کی شادی بھی ایک افیئر کا ہی نتیجہ تھی۔ جانے کیوں دوسروں کے رویے اور عمل کو جانچتے وقت، ہم خود اپنے عمل کو بھول جاتے ہیں یا شاید یہ ایک فطری عمل ہے کہ ہم اپنے بارے میں کبھی بھی غیر جانبدار ہو کر نہیں سوچ پاتے۔

خیر تو بات ہو رہی تھی حبس اور گرمی کی جس نے دوپہر کے قریب پلٹا کھایا تھا۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے کہ شدید گرمی اور حبس، بارش اور ٹھنڈی ہوا کی وجہ بن جاتے ہیں تو آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تین بجے کا وقت تھا جب کالے سیاہ بادلوں نے تیزی سے آسمان پر ڈیرے ڈالے تھے اور یک دم ہی ٹھنڈی ہوا چل پڑی تھی۔ باہر گلیاں جو کچھ دیر پہلے تک سنسان پڑی تھیں، یک دم جاگ اٹھیں۔ بچے جنہیں ماؤں نے گرمی سے پریشان ہو کر گھر میں زبردستی روک رکھا تھا، موسم کے بدلتے تیور دیکھتے ہی گھر سے نکل آئے تھے اور اب گلیوں میں اودھم مچاتے ہوئے مختلف کھیل کھیلنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ زیادہ دیر نہ لگی تھی کہ بارش بھی شروع ہو گئی۔ آسمان نے خوب ہی ترس کھایا تھا گرمی سے اکتائی ہوئی عوام پر۔۔۔ بارش جو شروع ہوئی تو پھر اگلے دو گھنٹوں تک برستی ہی رہی۔ موسم بے حد خوشگوار ہو گیا۔ پھول پودے دھل گئے۔ ہوا میں موجود حبس اپنی موت آپ مر گیا۔ بارش رکنے کے بعد بھی ٹھنڈی ہوا چلتی رہی۔

فضل منزل کے مکین بھی کون سا کوئی روبوٹ تھے۔ گھر میں جو بھی حالات چل رہے ہوں بہر حال ینگ جنریشن کا موڈ اس موسم

نے ضرور خوشگوار کر ڈالا تھا اور سب نے ہی کمرے کو اللہ حافظ بول کر باہر آ جانے کو ترجیح دی تھی۔ پھر گھر میں اس وقت بزرگوں کے نام پر صرف تائی اماں موجود تھیں جنہوں نے کمرے میں کچھ دیر آرام کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

ماہ نور کے موڈ پر بھی موسم نے اچھے اثرات مرتب تھے۔ اس نے کمرے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا اور دہلیز پر ہی دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے دل کا موسم تر و تازہ کر رہے تھے۔ خیال کے تانے بانے خود بخود شامیر اور اپنے رشتے کی طرف مڑ گئے۔ وہ جو ذہن میں خوش نصیب اور صیام کی حرکت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، جب سوچ کا رخ شامیر کی طرف مڑا تو ان کا خیال خود با خود دماغ سے اڑنچھو ہو گیا۔

اپنے خیالات سے وہ چونکی تب تھی جب اس نے اپنے نام کی پکار سنی۔ یقیناً وہ منہا تھی جو نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑی اونچی آواز میں پکار رہی تھی۔ بارش تو رک ہی چکی تھی سو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چھت کو پار کر کے سیڑھیوں کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"کیا ہو گیا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ شامیر کو سوچتی رہی تھی وہ، یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ ہوتی۔

"کیا کر رہی ہو؟ نیچے آ جاؤ یار۔۔۔" منہا نے کہا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

"ہم لوگ عرفات ماموں کے پورشن میں جا رہے ہیں۔ تمہیں بلانے آئی تھی کہ تم بھی آ جاؤ۔۔۔" منہا نے خوش نصیب کے بارے میں استفسار کرنا یا اسے دعوت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"باقی سب کدھر ہیں؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"وہ لوگ چلے گئے ہیں پہلے ہی۔۔۔ صیام، فہمینہ، کیف بھائی سب ادھر ہی ہیں۔ چلو آ جاؤ تم بھی۔۔۔"

"ہاں ٹھیک ہیں۔۔۔ مگر یار مجھے بھوک لگی ہے۔ چائے اور پکوڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ماہ نور نے کہا تھا۔

"ہائے ے ے۔۔۔ بڑا ہی کوئی نیک خیال ہے ماہ نور۔۔۔ جگ جگ جیو، سدا خوش رہو۔۔۔" منہا نے پکوڑوں کے نام پر بڑی بوڑھیوں کی طرح ماہ نور کی بلائیں ہی لے ڈالیں تھیں اور ماہ نور کی ہنسی چھوٹ گئی تھی اس کے انداز پر۔

"چلو تم جاؤ۔۔۔ میں لے کر آتی ہوں چائے اور پکوڑے۔۔۔" وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

جلدی جلدی پکوڑے اور چٹنی تیار کی، ساتھ ہی کچھ چپس بھی تل لیے۔ ایک طرف چائے کی دیگچی بھی چڑھا رکھی تھی مگر دل کا موسم اداس ہو گیا تھا۔ پورے گھر میں ایک خوش نصیب تھی جسے پکوڑوں میں ذرا برابر بھی دلچسپی نہیں تھی اور وہی تھی جس کے لیے ماہ نور ہمیشہ الگ سے چپس بناتی تھی۔ لاشعوری طور پر اس نے آج بھی یہ کام کیا تھا مگر حالات یاد آنے پر دل پر بوجھ آ پڑا تھا۔

"کاش خوش نصیب! تم یہ سب نہ کرتی۔۔۔" اپنے ہی خیالات میں گم، چائے کی دیگچی پر نظر جمائے وہ بڑبڑائی تھی۔

"گڈ ایوننگ۔۔۔"

اسی وقت کوئی اس کے دائیں کان کے پاس گنگنایا تھا اور وہ جو اپنے آپ میں گم کھڑی تھی، بری طرح ڈر کر اپنی جگہ سے پلٹی تھی۔دوسری طرف شامیر شرارت سے بائیں طرف ہو گیا تھا۔ ماہ نور نے جو دائیں طرف کسی کو بھی نہ پایا تو وہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی مگر جب اسے بائیں طرف کھڑے شامیر کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ بلاشبہ وہ ڈر گئی تھی کیونکہ جہاں تک اسے معلوم تھا، گھر میں اس وقت صرف تائی اماں موجود تھیں جو کہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ دوسرا اسے شامیر سے ایسی کسی شرارت اور ملاقات کی امید نہ تھی۔

ماہ نور کی شامیر سے بات پکی ہونے کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کا ڈر کم ہوا تو فطری طور پر اسے ایک جھجک نے گھیر لیا۔ شامیر بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلتے شرم کے رنگ اسے بہت بھلے معلوم ہوئے تھے۔ مغربی معاشرے کی پیداوار کے لیے یہ مشرقی رنگ بہت انوکھے سے تھے۔ دل یک دم ہی کچھ مزید شرارت پر آمادہ ہو گیا تھا سو وہ کچھ مزید پھیل کر شیلف سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیسی ہیں محترمہ۔۔۔؟"

"ٹھیک۔۔۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا؟" اپنی جھجک کے زیرِ اثر وہ جلد از جلد شامیر کو یہاں سے بھیج دینا چاہتی تھی۔

"چچ چچ چچ۔۔۔ بہت بری بات ہے۔۔۔ اخلاقی طور پر آپ کو میری ضرورت سے پہلے میرا حال پوچھنا چاہیے تھا۔" اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت بھری ہوئی تھی اور یہی شرارت ماہ نور کو مزید کنفیوز کر رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ کیسے ہیں آپ؟" ماہ نور سمجھ گئی تھی کہ وہ آسانی سے ٹلنے والا نہیں ہے۔

"تمہیں کیسا لگتا ہوں؟" بات سے بات نکالنا کوئی شامیر سے سیکھتا۔

"بہت اچھے۔۔۔ بہت پیارے۔۔۔" ماہ نور کے دل نے گواہی دی تھی مگر کچھ سوچ کر وہ سنجیدگی سے بولی۔ "انسانوں جیسے۔۔۔"

شامیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "بہت تیز ہو تم۔۔۔"

ماہ نور بھی مسکرا دی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی چاندنی جیسی مسکراہٹ۔ شامیر مزید مبہوت ہوا تھا۔ وہ بے شک اپنے دعوے خلاف ماہ نور کے عشق میں گرفتار نہیں تھا لیکن اس کی خوبصورتی کسی بھی انسان کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی تو پھر وہ کون سا کوئی زاہد خشک بندہ تھا۔ جہاں سے وہ آیا تھا خوبصورتی وہاں بھی بہت تھی لیکن ایسی خوبصورتی کہ جس سے نور پھوٹے۔۔۔ ایسی خوبصورتی سے اسے پہلے بار واسطہ پڑا تھا۔

"کچھ چاہیے تھا آپ کو؟" ماہ نور نے جو اسے مسلسل خود کو دیکھتا پایا تو دھیان بٹانے کو بول اٹھی۔

''ہاں۔۔۔ ''اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ماہ نور کچھ نہیں بولی تھی بس سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''کافی۔۔۔مل سکتی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''ضرور۔۔۔بس پانچ منٹ رکیں۔۔۔ آپ بیٹھیں میں ابھی آئی۔''

کچن میں پڑے ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر میں جب وہ واپس لوٹی تو اس کے ساتھ شیرو بھی تھا۔ شیرو کے ہاتھ چائے اور پکوڑے روانہ کر کے اس نے تیزی سے کافی بنانے کا سامان نکال لیا تھا۔ مگ میں کافی، چینی اور پانی کے چند قطرے لے کر اس نے تیزی سے پھینٹنا شروع کر دی تھی۔ شامیر کی نظریں اس پر جمی تھیں اور اسے اچھی طرح ان نظروں کا احساس تھا۔

''یہ کام تم یہاں بیٹھ کر بھی کر سکتی ہو ماہ نور۔۔۔'' شامیر جیسے اکتا کر بولا تھا۔

ماہ نور نے چند لمحوں کے لیے سوچا پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شامیر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔

شامیر نے چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر بولا۔''اے۔۔۔کیا سوچ رہی ہو؟ کوئی بات کرو نا۔۔۔''

''میں کچھ سوچ رہی تھی شامیر۔۔۔'' ماہ نور شادی سے پہلے شامیر سے خوش نصیب اور صیام کے حوالے سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔

''اچھا۔۔۔کیا بات ہے جناب آپ کی۔۔۔میں سامنے بیٹھا ہوں اور آپ کچھ سوچ رہی تھیں۔ بہرحال بتاؤ کیا سوچ رہی تھی۔''

ماہ نور نے چند لمحے سوچا اور پھر بولی۔''میں آپ کو سوری کہنا چاہتی تھی۔۔۔''

''سوری؟؟ مگر کس لیے؟ کیا بات ہے ماہ نور؟'' اس کے چہرے پر دنیا جہان کی حیرت ابھر آئی۔

''خوش نصیب اور صیام کی حرکت کے بارے میں۔۔۔'' وہ اتنا کہہ کر پھر سے چپ ہو گئی۔

''یا اللہ۔۔۔ماہ نور تم نے ڈرا دیا مجھے۔۔۔مجھے لگا تم اس رشتے کے لیے سوری بولنے والی ہو۔۔۔'' شامیر نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔ ماہ نور گڑبڑا کر رہ گئی۔

''نہیں۔۔۔وہ۔۔۔دراصل۔۔۔دراصل کل میں نے آپ کی اور صیام کی باتیں سن لی تھیں۔ میں اس وقت کچن میں تھی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔ شامیر کے ناراض ہونے کا بھی خطرہ تھا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ ماہ نور نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔

شامیر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی اور اس کی جگہ تاسف نے لے لی۔ بلاشبہ وہ ایک بہترین اداکار تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم یہ سب جان گئی ماہ نور۔۔۔! میں نہیں چاہتا تھا کہ تم یہ سب جان جاؤ۔۔۔جو کچھ ہوا اس میں تمہاری کوئی غلطی بھی نہیں ہے۔ پھر تم معافی کیوں مانگنا چاہتی ہو۔''

''میں جانتی ہوں میری غلطی نہیں ہے مگر جن کی غلطی ہے وہ دونوں ہی مجھ سے قریبی تعلق رکھتی ہیں، ایسا تعلق جو تا عمر قائم رہنے

والا ہے۔ایسے میں یہ کیسے ممکن ہوگا شامیر کہ آپ کے دل میں ان کے لیے غصہ ہو اور آپ اس رشتے کو نبھانے میں میرا ساتھ بھی دیں۔یہ تو بہت مشکل ہو جائے گا شامیر۔۔۔'' وہ بیچارگی سے بولی تھی۔

''اوہ۔۔۔ماہ نور۔۔۔!میری بات سنو۔۔۔'' شامیر نے تھوڑا آگے ہوتے ہوئے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ماہ نور نے کوئی مزاحمت نہ کی۔اس کا ہاتھ سینڈوچ کی طرح شامیر کے ہاتھوں میں قید تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔''ماہ نور۔۔۔میرے لیے صرف اور صرف تم اہم ہو۔۔۔تمہاری خوشی اہم ہے۔۔۔ کوئی خوش نصیب،کوئی صیام یا کوئی بھی اور انسان مجھے تم سے دور نہیں کر سکتا ہے،مجھے تم سے چھین نہیں سکتا۔۔۔میں تمہارے لیے اپنا قتل بھی معاف کر دوں یہ تو بہت معمولی سی باتیں ہیں۔ جہاں تک بات ہے تمہارے ساتھ تمہارے سے تعلق رکھنے والوں سے رشتہ نبھانے کی تو ماہ نور یہ مشکل ہے،ناممکن نہیں۔۔۔اور اگر تم میرے ساتھ ہو تو میرے لیے ناممکن بھی ممکن ہے۔۔۔''

وہ باتوں سے بہلانے کا فن خوب جانتا تھا۔ماہ نور بھی بہلتی چلی گئی تھی اس کے لفظوں میں۔۔۔ وہ ابھی تک بول رہا تھا۔۔۔اور ماہ نور۔۔۔وہ چپ چاپ،بالکل خاموشی بلکہ کسی حد تک عقیدت سے ،بغور اسے تکتے ہوئے اس کے ایک ایک لفظ کو اپنے حافظے میں محفوظ کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

آج تو خوب ہی مزہ رہا تھا۔پہلے پورا دن گرمی برداشت کرنے کے بعد موسم خوشگوار ہو گیا پھر ماہ نور کے ہاتھ کے بنے ہوئے چائے پکوڑے۔۔۔ واہ واہ۔۔۔موسم کا مزہ دوبالا ہو گیا تھا۔

کچھ دیر پہلے ہی سب لڑکیاں اٹھ کر رخصت ہوئی تھیں۔ارادہ تو کیف کا بھی اٹھنے کا تھا مگر عرفات ماموں کے موڈ کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔بہت چپ چپ تھے وہ اور یہی خاموشی کیف سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ لڑکیوں کے سامنے بھی وہ کیف کو نظر انداز کرتے رہے تھے۔اس نے سوچا کہ سب کے جانے کے بعد ماموں سے کھل کر بات کرے گا۔وہ ان کی ناراضی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔جانے کیوں دل میں یہ خدشہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں خوش نصیب نے ماموں کے کان نہ بھر دیے ہوں۔

لڑکیاں اٹھ کر گئیں تو وہ ماموں کو سہارا دے کر گھر کے پچھلے حصے کی طرف لے آیا۔

گھر کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹے سے قطعے پر ماموں نے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے پودے لگا رکھے تھے۔بارش میں نہائے ہوئے سرسبز پودے آنکھوں کو سکون بخش رہے تھے۔

اس نے شیرو سے کہہ کر دو کرسیاں وہاں رکھوا دیں تھیں۔ماموں کو ایک کرسی پر بٹھا کر اس نے دوسری کرسی ان کے سامنے رکھی اور خود بھی پاؤں پھیلا کر ایسے بیٹھ گیا جیسے دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

''ہاں جی۔۔۔اب بتائیں کیا بات ہے؟''اس نے جو عرفات ماموں کو ابھی تک سامنے تکتا پایا تو خود ہی بات کا آغاز کر دیا۔

ماموں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کوئی ناراضگی ہے؟''اس نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں یار۔۔۔تم سے کیسی ناراضگی۔۔۔''ان کا لہجہ حد درجہ اکتایا ہوا تھا۔

''تو پھر یہ محبوبہ والے نخرے کیوں دیکھا رہے ہیں؟''

وہ شرارت سے بولا تھا مگر ماموں کی طرف سے جوابی حملہ نہیں ہوا۔

''کیا بات ہے ماموں یار۔۔۔موڈ کیوں آف ہے؟ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ موڈ میرا خراب ہو۔۔۔آخر ایک ہفتے بعد میرے ماں باپ میری قربانی کرنے والے ہیں۔'' بات کی شروعات تو عام سے لہجے میں کی گئی تھی مگر اختتام ہوتے ہوتے لہجہ خود ہی زہر خند ہو گیا تھا۔

''انکار کر دو پھر قربانی سے۔۔۔'' انہوں نے گھور کر دیکھا تھا۔''تم اتنے شریف تو نہیں ہو کیف کہ اتنی آسانی سے اپنی مرضی کے خلاف بات مان لو۔۔۔''ان کا لہجہ سخت خفگی لیے ہوئے تھا۔

کیف نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔'' سہی کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔اتنا اچھا نہیں ہوں میں۔۔۔لیکن اتنا برا بھی نہیں ہوں کہ بلا وجہ کسی کا دل دکھاؤں۔''اس نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

''بلا وجہ؟ کیف بلا وجہ انکار کرو گے تم؟''وہ جھنجھلا کر رہ گئے تھے۔

''تو کیا جواز دوں انکار کا؟ آپ بتائیں۔''وہ بیچارگی سے بولا۔''صیام کو تو وجہ بنانے سے رہا میں۔۔۔کوئی بھی اس عذر کو قبول نہیں کرے گا۔''

''اور اس محبت کا کیا ہوا جس کے تم دعویدار تھے؟'' ان کا لہجہ ابھی بھی سختی لیے ہوئے تھا۔

''آگ لگے ایسی محبت کو جس کے بعد میرے حصے میں صیام آ جائے۔۔۔''وہ بچوں کی طرح منہ پھلائے ہوئے تھا۔'' پھر کون سی محبت، کاہے کی محبت؟ اسی محبت نے پھنسایا ہے مجھے۔۔۔آپ بتائیں ماموں ایسی کون سی غلطی کی تھی میں نے کہ اس نے صیام کو میرے ساتھ نتھی کر دیا۔ سب جانتی تھی وہ۔۔۔اچھی طرح جانتی تھی میری فیلنگز کے بارے میں۔۔۔پھر بھی اس نے ایسا کیا۔ وہ ایک بار مجھے کہہ دیتی کہ وہ شامیر کو پسند کرتی ہے تو میں خود ہی ہٹ جاتا راستے سے۔۔۔شامیر کو بچانے کے لیے۔۔۔صیام سے بچانے کے لیے اس نے مجھے اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ آپ بتائیں صیام سے شادی کرنا اور اسے ساری عمر برداشت کرنا کوئی آسان کام ہے؟''وہ عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولا۔

عرفات ماموں چپ رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک بار کیف اپنی بھڑاس نکال لے تا کہ وہ اچھے سے اسے اپنی بات سمجھا سکیں۔

دوسری طرف کیف کو بھی پہلی بار اس حوالے سے سامع میسر آیا تھا سو وہ بھی بولتا چلا گیا۔

''پھر اس نے میرے ساتھ جو کیا سو کیا، اپنی بہن کے ساتھ کوئی کیسے برا کر سکتا ہے؟ اور بہن بھی ماہ نور جیسی جو جان دیتی تھی اس پر۔۔۔کیوں گئی تھی وہ رات کو شامیر کے پاس؟ کیا مقصد تھا۔۔۔جب میں صیام پر صبر کر گیا تھا تو پھر خود بھی صبر کر لیتی۔ سب کے سامنے تماشہ بنا ڈالا ہے اپنی ذات کو۔۔۔'' اب اس کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''تمہیں خوش نصیب غلط لگتی ہے؟'' جذبات سے عاری لہجے میں سوال آیا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''ایک عام سا سوال پوچھ رہا ہوں کیف۔۔۔کیا تمہیں لگتا ہے کہ اس نے تمہیں صیام کے لیے اس لیے منتخب کیا کیونکہ وہ شامیر میں انڈرسٹڈ تھی؟ اور کیا تمہیں لگتا ہے کہ وہ شامیر کے پاس اسی سلسلے میں گئی تھی جو سب کو بتایا گیا ہے؟''

کیف خاموشی سے ان کی شکل دیکھنے لگا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔۔۔''

''نہیں۔۔۔'' کیف بیچارگی سے بولا ''مجھے وہ غلط نہیں لگتی۔۔۔میرا دل ہمیشہ اس کے حق میں ہی گواہی دیتا ہے۔'' اس نے تھک کر اعتراف کر ہی لیا تھا۔

''تم پھر بھی اسے اکیلا چھوڑ رہے ہو؟'' حیرانی سے پوچھا گیا۔

''میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ رہا وہ خود جان کر خود کو اکیلا کر رہی ہے۔''

''کیف۔۔۔تم پاگل ہو؟ کیا تم نے ایک بار بھی اسے بتایا کہ تم اس پر یقین کرتے ہو؟ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ شامیر اچھا آدمی نہیں ہے یا وہ اسے کسی حوالے سے تنگ کر رہا ہے؟''

کیف نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔ ''وہ ایک دن میرے پاس آئی تھی۔ کچھ بتانا چاہتی تھی مگر امی کو کہیں جانا تھا تو میں سن ہی نہیں سکا کہ وہ کیا بتا رہی ہے۔''

''وہ میرے پاس بھی آئی تھی۔ اس کے کچھ تحفظات تھے شامیر کے حوالے سے۔ تمہیں یاد ہی ہوگا۔ میں نے اسے اور تمہیں کھانے پر بلایا تھا مگر۔۔۔میری بیماری نے موقع نہیں دیا۔'' وہ چند لمحے خاموش رہے تھے پھر فیصلہ کن انداز میں بولے تھے۔ ''مجھے شامیر پسند نہیں ہے کیف! اس میں لاکھ خوبیاں سہی لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ کچھ ہے جو غلط ہے۔''

''اب کیا ہو سکتا ہے ماموں۔۔۔اگلے ہفتے شادی ہے۔۔۔آپ جانتے ہی ہیں۔۔۔''

''یہ ماہ نور کا اپنا فیصلہ ہے کیف۔۔۔ہمیں اس معاملے میں کچھ کرنا بھی نہیں ہے۔ مجھے صرف خوش نصیب کی اور تمہاری فکر ہے۔''

''اس معاملے میں بھی اب کیا ہوسکتا ہے۔ فضیلہ چچی کو کون سنبھالے گا ان کی اولاد کے معاملے میں۔۔۔کم از کم میری اماں اور ابا تو ایسا کچھ نہیں سمجھنے والے۔۔۔آپ بتائیں کیا کروں میں۔۔۔؟'' وہ جھنجھلا گیا تھا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ خوش نصیب کے ساتھ جو ہو رہا ہے بالکل ٹھیک ہے؟ جو ہو رہا ہے اسے ہوتا رہنا چاہیے۔'' وہ تو غصہ ہی کر گئے۔

''میں یہ نہیں کہہ رہا ماموں۔۔۔خوش نصیب کم از کم طوطا بھائی کو ڈیزرو نہیں کرتی۔۔۔اور آپ مانیں نہ مانیں میں بھی صیام کو ڈیزرو نہیں کرتا۔۔۔'' اس نے پھر سے اپنا رونا رویا تو ماموں چڑ گئے۔

''یار تم ابھی ذرا اپنا معاملہ ایک سائیڈ پر کر دو۔۔۔ابھی صرف خوش نصیب کے بارے میں سوچو۔ کیا پتا اس کا مسئلہ حل ہونے سے تمہارا مسئلہ خود ہی حل ہو جائے۔'' ان کے لفظوں کی معنی خیزی نے کیف کو چونکایا تھا۔

''کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہ رہے ہیں آپ؟''

وہ آگے ہو کر بیٹھے اور اپنا ہاتھ بڑھا کر کیف کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب بولے تو ان کے لہجے میں مان تھا۔

''دیکھو یار۔۔۔! میں تمہیں کسی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتا ہوں۔ بلاشبہ خوش نصیب نے تمہارے ساتھ کیا تو غلط ہے سو میں اس کی سائیڈ نہیں لوں گا لیکن پھر بھی کیف اگر دل راضی ہوتا ہے تو اس کی مدد کرو۔۔۔اسے یہاں سے نکالو۔۔۔اسے اس مسئلے سے نکالو۔ تم دونوں ہی مجھے بہت عزیز ہو اور میں تم دونوں کو یوں ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔''

کچھ نہ کہتے ہوئے بھی انہوں نے بہت کچھ بول دیا تھا۔ کیف کو ایک نیا راستہ بتا دیا تھا۔

کیف آنکھوں میں بے تحاشہ حیرت لیے، ماتھے پر بل ڈالے، پُرسوچ انداز میں انہیں دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

''میری پیاری بہنیا بنے گی دلہنیا

سج کے آئیں گے دلہے راجا

بھیا گا جا بجائے گا باجا۔۔۔''

ایڈم نے خدا ہی جانے کہ کہاں یہ گانا سنا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یہی گانا فل والیوم کے ساتھ بار بار چلا رہا تھا اور چھوٹے موٹے کام نبٹاتی منفرا کو تنگ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو چکا تھا۔

منفرا اور معاویہ کل شام ہی نیویارک سے واپس مونٹوک پہنچے تھے اور آج اردشیر ازی منفرا اور اس کے والدین سے ملنے مونٹوک

آنے والے تھے۔

کچھ وجوہات کی بنا پر اردشیر ازی نیو یارک نہیں آسکے تھے۔ معاویہ اور منفرا دونوں ہی اس بات سے مایوس ہوئے تھے۔

اردشیر ازی نے جب معاویہ کو مایوس دیکھا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بزنس سے پہلے اپنے بیٹے کی خوشی کو پورا کریں گے۔ ارا پلان دوبارہ سے ترتیب دیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ ویک اینڈ پر اردشیر ازی نیو یارک سٹی کی بجائے مونٹوک آئیں گے اور مسٹر جمال اینڈ فیملی سے ملاقات کریں گے۔اسی پلان کے تحت معاویہ اور منفرا ایک دن پہلے ہی مونٹوک آگئے تھے۔

صبح سے گھر میں تیاریاں جاری تھیں۔

مسز جمال آج کچھ خاص قسم کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔ان کی بیٹی کے متوقع سسرال والے پہلی باران کے گھر آرہے تھے۔وہ اپنی پاکستانی یادیں تازہ کر رہی تھیں

مسٹر جمال اپنے گارڈن کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔وہ منفرا کے فیصلے سے بے حد مطمئن تھے اور جب سے انہیں پتا چلا تھا کہ معاویہ اور منفرا مستقبل میں پاکستان میں رہائش اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں،ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔وہ اب ایڈم کو اس کی بہن کی مثال دے دے کر اسے پاکستان چلنے پر راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

منفرا گھر کو نئے سرے سے صاف کرنے میں مصروف تھی۔

اور رہا ایڈم۔۔۔

تو ایڈم صبح سے صرف اپنی بہن کو تنگ کرنے میں مصروف تھا۔وہ چن چن کر وہ یوٹیوب پر وہ گانے لگا رہے تھے جو عموماً شادیوں پر چلائے جاتے ہیں۔اس سے پہلے ناشتے کے وقت اس نے منفرا کو بتا دیا تھا کہ اس کی شادی کے فوراً بعد وہ اس کے کمرے اور چیزوں پر قبضہ کرنے والا ہے اور یہ کہ وہ بہت خوش ہے۔۔۔اس لیے نہیں کہ منفرا کی شادی ہو رہی ہے بلکہ اس لیے کہ منفرا شادی کے بعد یہاں سے دور چلی جائے گی اور اب مام،ڈیڈ اسے سگی اولاد کی طرح چاہنے لگیں گے۔

”ایڈم بس کر دو۔جان چھوڑ دو اس گانے کی۔۔۔“

ایڈم نے جب ایک بار پھر سے وہی گانا چلایا تو منفرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ڈسٹر کو ایک طرف پٹختے ہوئے وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ ٹکا کر ایڈم کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

”ارے کیا ہوا؟“ ایڈم نے فوراً چہرے پر معصومانہ تاثرات پیدا کیے تھے۔

”تم اچھے سے جانتے ہو کہ کیا ہوا ہے۔اٹھو اس لیپ ٹاپ کی جان چھوڑو اور میری کچھ ہیلپ کرواؤ۔۔۔“

”اوہ پلیز۔۔۔اب یہ نہ کہنا کہ میں تمہارے لیے لنچ پر پہننے کو ڈریس ڈیسائیڈ کروں۔۔۔ مجھے معاف رکھو۔۔۔“ ایڈم نے

ڈرنے کی اداکاری کی۔

''منفرا نے ڈسٹر ایڈم کے منہ پر مارا اور خفگی سے بولی۔

''جتنی بری تمہاری چوائس ہے، میں تم سے ڈریس سلیکٹ کروانے کا خطرہ مول نہیں لینے والی۔ اٹھو اور یہاں کی ڈسٹنگ کرو۔ میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔''

''تیار تو میں نے بھی ہونا ہے۔۔۔ ایسا کرو تم ڈسٹنگ کرو میں تیار ہو کرتا ہوں۔'' ایڈم چھلانگ لگا کر صوفے سے اترا تھا۔

''اوئے رکو۔۔۔ فادران لو میرے آرہے ہیں تو تیار مجھے ہونا ہے تمہیں نہیں۔۔۔ سمجھے۔۔۔ پکڑو یہ ڈسٹر اور ڈسٹنگ کرو۔''

''اوئے ہوئے اب ہمارا ٹام بوائے اپنے فادران لو سے ملنے کے لیے تیار بھی ہو گا۔۔۔ ویسے تم نے تیار معاویہ کے لیے ہونا ہے یا اس کے فادر سے ملنے کے لیے۔۔۔''

''ممی ایڈم کو منع کریں۔۔۔'' منفرا نے اکتا کر ماں کو جھگڑے میں گھسیٹا تھا۔

اور کچن سے نکلتی ہوئی مسز جمال مسکرا دی تھیں۔

''ایڈم تم باز آ جاؤ۔۔۔ اور منفرا وہ لوگ آنے والے ہوں گے۔۔۔ جاؤ تم تیار ہو جاؤ۔۔۔''

ایڈم کو منہ چڑا کر وہ ٹی وی لاؤنج سے نکلتی چلی تھی۔

کچھ دیر بعد معزز مہمان تشریف لے آئے تھے۔

اردشیر ازی کی شخصیت نے مسٹر اور مسز جمال کو متاثر کیا تھا۔ تھری پیس سوٹ زیب تن کیے، ہاتھ میں سگار پکڑے اردشیر ازی کو دیکھتے ہی احساس ہوتا تھا کہ معاویہ ان کا پرتو ہے۔

دوسری طرف اردشیر ازی نے بھی منفرا اور اس کے گھر والوں کو دل ہی دل میں اوکے کر دیا تھا۔ وہ بڑی خوش دلی سے منفرا اور باقی سب سے ملے تھے۔ نفرا پسند آئی تھی انہیں اپنے بیٹے کے لیے۔

کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ اس کے بعد مسٹر جمال نے منفرا سے کافی کی فرمائش کر دی تو وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اردشیر ازی نے رشتے کی بات چھیڑ دی تھی۔ بڑی سلیقے اور سبھاؤ سے انہوں نے منفرا کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے معاویہ اور اس کے رشتے کی بات کر ڈالی تھی۔ مسٹر اور مسز جمال نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہرے پر اطمینان تھا۔ مسٹر جمال نے مسکراتے ہوئے رخ پھیرا تھا اور اردشیر ازی کو اثبات میں جواب دے دیا تھا۔

معاویہ کا دل جو ابھی تک کسی خدشے کے زیرِ اثر تھا وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

خوشی، اطمینان، سکون۔۔۔ دکھ اور تکلیف سے دور وہ کون سی کیفیت تھی جو اس لمحے اس کے دل پر وارد نہیں ہوئی تھی۔

http://kitaabghar.com

اس کی نظروں نے منفرا کو تلاشا تھا اور اسی وقت منفرا ٹرے اٹھائے کچن سے برآمد ہوئی تھی۔ یہاں ہوتی تمام باتیں اس نے کچن میں کھڑے ہو کر سنی تھیں اور خوشی اس کے چہرے سے ہی ظاہر ہوتی تھی۔ معاویہ اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔ منفرا نے سب کو کافی کے کپ پکڑائے تھے۔ معاویہ اور اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے ٹکرائی تھیں اور اس نے لمحوں میں نظر کا زاویہ بدل لیا تھا۔ اسے مشکل لگ رہا تھا معاویہ کی طرف دیکھنا۔

وہ اپنا کپ اٹھا کر صوفے کی طرف بڑھی تھی جب اردشیر ازی نے اسے پکارا تھا۔

”منفرا بچے ادھر نہیں، تم ادھر بیٹھو ہمارے پاس۔۔۔“ انہوں نے اسے بیٹھنے کے لیے اپنے اور معاویہ کے درمیان جگہ دی تھی۔ منفرا ایک لمحے کو ٹھٹکی اور پھر سر جھکا کر ان دونوں کے درمیان آ بیٹھی تھی۔ اسے معاویہ سے اس وقت بہت شرم آ رہی تھی اور اسے خود ہی اپنی اس شرم سے الجھن ہو رہی تھی۔ آزاد ماحول میں پلی بڑی منفرا کے لیے اپنی ہی کیفیت بڑی حیران کن تھی۔

”مسٹر جمال! اگر آپ اجازت دیں تو میں چاہتا ہوں کہ معاویہ یہ رنگ، منفرا کو پہنائے۔“ انہوں نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک مخملی ڈبی برآمد کی تو معاویہ نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ منفرا کے لیے انگیجمنٹ رنگ لے کر آئے ہیں، یہ بات وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

”ضرور مسٹر شیرازی۔۔۔! ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

اردشیر ازی نے ڈبی کھولی اور ایک نازک سی ڈائمنڈ رنگ نکال کر معاویہ کی طرف بڑھا دی۔ معاویہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ منفرا کی طرف بڑھا دیا اور اگلے چند لمحوں میں وہ رنگ منفرا کے ہاتھ میں تھی۔

اردشیر ازی نے رخ دوبارہ سے مسٹر جمال کی طرف موڑا تھا۔

”مسٹر جمال! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے بزنس کی وجہ سے مصروف ہوتا ہوں۔ مگر اب میرے لیے سب سنبھالنا مشکل ہوتا جا رہا ہے، میں چاہتا ہوں کہ پاکستان میں میرے بزنس کو معاویہ ہی اب سنبھالے۔ ویسے تو میرا سارا بزنس ہی معاویہ کا ہے اور اس نے بڑے اچھے سے سب سنبھالا بھی ہوا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اگلے چند سال معاویہ پاکستان میں رہے وہاں کچھ ادھورے کام مکمل کرے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم جلد از جلد ان دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھ دیں۔“

یہاں تک بول کر وہ چپ ہو گئے تھے۔

”مسٹر شیرازی! مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت تو لگے گا ہی۔۔۔“

”دیکھیے جمال صاحب میں اسی طرف آ رہا تھا۔ دراصل میں اور معاویہ چاہتے ہیں کہ یہ شادی پاکستان میں ہو اور اسی مہینے ہو۔ آپ کو منفرا نے بتا ہی دیا ہوگا کہ کچھ سال پہلے معاویہ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میرے بیٹے نے اس کے بعد ایک مشکل وقت گزارا ہے۔ میں

چاہتا ہوں کہ جس پوائنٹ پر میرے بیٹے کی زندگی کو بریک لگا تھا وہ وہاں سے ہی ایک نئی شروعات کرے۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم اس نئے رشتے کو قلعہ فلک بوس میں ہی قائم کریں۔''

''اتنی جلدی۔۔۔ کیسے ہوگا سب؟'' مسٹر اینڈ مسز جمال دونوں ہی تھوڑا پریشان ہوگئے تھے ان کی فرمائش پر۔

''دیکھیے آپ کو اس بارے میں ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انتظامات سب میری ذمہ داری ہیں۔ آپ لوگ بس اس شادی کی اجازت دے دیں اور جانے کی تیاری کر لیں۔ باقی سب انتظامات میں خود کروالوں گا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

حیران کن طور پر اردشیرازی کا لہجہ انکساری لیے ہوئے تھا۔ شاید انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بار اپنے بیٹے کے لیے تمام خوشیاں اکٹھی کر کے ہی چھوڑیں گے۔

جمال صاحب نے فکرمندی سے بیوی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اتنا بڑا فیصلہ تن تنہا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دوسری طرف مسز جمال بھی کچھ کنفیوژ سی نظر آ رہی تھیں۔

''ڈیڈ! میرا خیال ہے کہ یہ ایک اچھا آئیڈیا ہے۔۔۔'' ایڈم نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔

مسٹر جمال حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ اردشیرازی کی بات پر ان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ ایڈم کبھی بھی پاکستان جانے کو نہیں مانے گا لیکن اب ایڈم خود ایک مختلف بات کر رہا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو ایڈم؟'' جمال صاحب نے اسے بولنے کا موقع دیا تھا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں ڈیڈ! کہ یہ شادی پاکستان میں ہو اس سے اچھی بات کیا ہوگی۔ آپ کتنے عرصے سے پاکستان جانا چاہ رہے تھے نا تو اچھا ہے اسی بہانے ہم پاکستان گھوم لیں گے۔ آپ سب ریلیٹوز سے مل لیجیے گا۔ اور لگے ہاتھوں منفرا سے بھی جان چھڑا لیں گے۔'' بات کے آغاز میں وہ جس قدر ذمہ دار بھائی کی طرح بول رہا تھا، آخر میں منفرا کو چھیڑنا نہیں بھولا۔ جواباً منفرا نے اسے گھور کر دیکھا تھا اور باقی سب ہنس دیے تھے۔

''ٹھیک ہے شیرازی صاحب! جب آپ اور بچے یہی چاہتے ہیں۔۔۔ تو پھر ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' جمال صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اردشیرازی نے اطمینان بھرا گہرا سانس لیا اور جمال صاحب کے ساتھ باقی تفصیلات طے کرنے لگے۔

☆......☆......☆

آج فضل منزل کے رنگ ڈھنگ نرالے تھے۔ ایک نہ دو اکٹھی تین شادیاں تھیں وہ بھی سب گھر کے بچوں کی سو خوب ہی رونق لگی ہوئی تھی۔ پورے گھر کو لائٹوں سے سجایا گیا تھا۔ جسے دیکھو تیزی میں تھا۔ لڑکیوں کو اپنی تیاری کی فکر تھی تو مرد حضرات باہر کے کام

نبٹانے کے لیے بھاگے پھر رہے تھے۔

بارات تو خیر تین دن بعد تھی لیکن لڑکیوں کے مطالبے پر آج مایوں کی رسم ادا کی جانی تھی۔ کیف نے خوب ہی شور مچایا تھا۔ وہ کسی طور اس رسم کے لیے راضی نہیں تھا لیکن نقار خانے میں طوطی ۔۔۔ اوہ معاف کیجیے گا، کیف کی کون سنتا۔ تو بس اس کے تمام اعتراضات کو قابلِ غور نہ جانتے ہوئے آج رسم ادا کی جانی تھی۔

پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ مایوں کی رسم چونکہ گھر میں ہی ہونی تھی اس لیے لڑکیوں نے خود ہی صحن میں انتظامات کر ڈالے تھے۔ زمین پر دریاں بچھا کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک طرف دلہنوں کے بیٹھنے کو جھولا رکھا گیا تھا تو دوسری طرف ایک جھولا دلہوں کے بیٹھنے کو بھی رکھا گیا تھا۔ بزرگوں کے بیٹھنے کو کرسیاں رکھی گئیں تھی۔ درمیان میں ایک حصے پر دریاں بچھا کر وہاں ڈھولک رکھ دی گئی تھی۔ اب گھر کی چار لڑکیوں میں سے تین کی تو شادی تھی، سو باقی دونوں تیار ہو کر ڈھولک لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ڈھولک بج رہی تھی۔ گانے گائے جا رہے تھے۔ منہا اور فہمینہ نے تو لڈی بھی ڈالی تھی۔

جہاں تک دلہنوں کی بات تھی تو تینوں ایک جیسے سبز لباس میں غضب ڈھا رہی تھیں۔ خوبصورتی تو خیر اس خاندان میں موجود ہی تھی مگر آج خوش نصیب نے صیام اور ماہ نور دونوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جہاں ایک طرف ماہ نور اور صیام کے چہرے خوشی لیے چمک رہے تھے وہاں ہی اس کے چہرے پر موجود اداسی، اس کے چہرے کی خوبصورتی کو اور بڑھا رہی تھی۔ سوگوار، روئی روئی آنکھیں، جھکا ہوا میک اپ سے پاک چہرہ۔۔۔

کیف نے دور بیٹھے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر نظر پھیر لی تھی۔

سفید رنگ کی شلوار قمیض پر گلے میں پیلے رنگ کا پٹکا ڈالے وہ اداس بلبل بنا بیٹھا تھا۔

بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں میں سرخ ڈورے جو شب بیداری کی چغلی کھا رہے تھے۔۔۔ اللہ نظر بد سے بچائے، اس حلیے میں بھی پیارا لگ رہا تھا۔ تائی امی جب جب اسے دیکھتیں، بے ساختہ بلائیں لے ڈالتی تھیں۔

لڑکیوں میں بحث چھڑ گئی تھی۔ ہر گانا یا تو آدھا گایا جا رہا تھا یا سب کو آتا ہی نہیں تھا۔ اب نیا گانا کون سا گایا جائے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی بات بول رہا تھا۔

"یہ گاؤ۔۔۔"

"ارے نہیں یار وہ دوسرے والا۔۔۔"

"نہیں نہیں یہ پھر کمپلیٹ نہیں ہو پانا۔۔۔"

یعنی کے جتنے منہ اتنی باتیں۔ خوش نصیب نے بیچارگی سے کنپٹی کو سہلایا۔ سخت درد تھا سر میں۔

آخر کار تائی اماں اکتا کر بولی تھیں۔

"بس کردو لڑکیوں۔۔۔تم لوگوں پر چھوڑا تو تم لوگ بس لڑتی ہی رہو گی۔ارے کوئی پرانا گانا گاؤ۔۔۔کوئی رونق لگے۔۔۔یہ کیا تم لوگ اپنے زمانے کے الٹے سیدھے گانے گاتی جا رہی ہو۔نہ سر ہے نہ پیر۔۔۔"

فہمینہ نے خفگی سے ماں کو دیکھا اور بولی۔"پھر آپ لوگ ہی کچھ سنا دیں نا۔۔۔آ جائیں مقابلہ کر لیتے ہیں۔۔۔"

فہمینہ نے لڑکیوں کو نئی راہ دکھائی تھی۔سب مل کر تائی اماں کے پیچھے پڑ گئیں۔جان چھڑانا مشکل ہو گیا آخر انہیں ہامی بھرنی ہی پڑی۔ انہوں نے دیورانی کو ساتھ ملایا اور لڑکیوں کے پاس آ بیٹھیں۔منہا نے جھٹ سے ڈھولک سنبھال لی۔

فضیلہ چچی نے گانا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ بیٹی کی بلائیں بھی لے ڈالیں۔بہو سے تو خیر انہیں دلچسپی نہ تھی۔

"چٹا ککڑ بنیرے تے۔۔۔

کاسنی ڈوپٹے والیے۔۔۔

منڈا عاشق تیرے تے۔۔۔"

"استغفراللہ۔۔۔" کیف چڑ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔ نظریں ایک بار پھر سے خوش نصیب کا طواف کرنے لگیں تھیں۔

"ساری کھیڈ لکیراں دی۔۔۔

ساری کھیڈ لکیراں دی۔۔۔"

کیف دل مسوس کر رہ گیا تھا تو دوسری طرف خوش نصیب کے دماغ میں چچی کی آواز دھماکوں کی طرح گونج رہی تھی۔برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا یہ درد۔وہ کراہ کر رہ گئی۔نہ کسی کو بتا سکتی تھی نہ چپ رہ پا رہی تھی۔اور بتاتی بھی تو کس کو۔۔۔بہن ساتھ ہی دلہن بنی بیٹھی تھی اور ماں کا سارا دھیان بس ماہ نور پر تھا۔اس لمحے اس نے خود کو بہت اکیلا محسوس کیا تھا۔ایک آنسو آنکھ سے ٹوٹ پر ہاتھوں پر جا گرا۔

لڑکیوں نے اب کوئی اور گانا شروع کر دیا تھا۔

کیف نے دور بیٹھے بھی محسوس کیا تھا کہ خوش نصیب رو رہی تھی۔اس کا دل کچھ مزید اداس ہو گیا۔ خوش نصیب کے لیے شکوے کچھ مزید بڑھ گئے۔پھر اس نے دیکھا کہ خوش نصیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔فہمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کچھ پوچھا تھا۔خوش نصیب نے اس کے کان میں کچھ کہا تھا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی جب کہ فہمینہ پھر سے ڈھولک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

کیف نے چند منٹ سوچا تھا پھر آہستہ سے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔کسی اک دھیان بھی اس کی طرف نہیں تھا۔وہ تیزی سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

کیف تیزی سے سیڑھیاں طے کر کے اوپر آیا تھا۔خوش نصیب سے بات کرنے کا اس سے بہتر موقع اسے نہیں مل سکتا تھا۔ نیچے سب اپنے کھیل تماشوں میں مصروف تھے ایسے میں امید کی جاسکتی تھی کہ کسی کا دھیان ان دونوں کی غیر موجودگی پر نہیں جائے گا۔(ہائے رے خوش فہمی۔۔۔)

پورا ایک ہفتہ وہ سوچتا رہا تھا۔عرفات ماموں کے گھر سے واپس آنے کے بعد اس نے اس موضوع پر سوچنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا۔عرفات ماموں نے اسے کچھ بھی صاف صاف نہیں کہا تھا لیکن اسے ایک نئی راہ ضرور سجھا دی تھی۔اس نے سب سوچا تھا۔سہی اور غلط کا موازنہ بھی کیا تھا مگر وہ کیا کرتا کہ بہت ساری چیزیں غلط ہونے کے باوجود بھی اس کا دل نصیبن کی طرف ہمکتا تھا۔وہ چاہ کر بھی اسے اپنی سوچ سے نکال نہیں پایا تھا اور کوشش کے باوجود بھی صیام کو خوش نصیب کی جگہ نہیں دے پایا تھا۔اس شادی کو رکوانے کا اور کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں تھا۔ایک ہی راستہ تھا اور اب اسے کسی بھی حال میں خوش نصیب کو اس راستے پر اپنے ساتھ چلانا تھا۔

وہ تیز تیز چلتا ہوا کمرے کی طرف آیا تھا۔دروازے سے اندر جھانکا تو سامنے ہی شیلف کے پاس سر پکڑ کر کچھ ڈھونڈتی ہوئی خوش نصیب نظر آ گئی۔تیزی سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے مڑ کر پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز پر خوش نصیب پیچھے مڑی تھی اور سامنے کھڑے کیف کو دیکھ کر اس کی چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں۔یقیناً دروازہ بند کرنے سے اس نے کوئی غلط مطلب نکالا تھا۔کیف اس کی طرف بڑھا تو وہ کچھ مزید ڈر گئی۔

”ک۔۔۔کک۔۔۔کیا کر رہے ہو؟ کیوں آئے ہو یہاں؟“

”دیکھنے آیا تھا کہ تم کتنی خوش ہو۔۔۔“ اس نے طنزیہ کہا تھا۔

خوش نصیب کا خراب موڈ کچھ مزید خراب ہو گیا۔

”دیکھ لیا؟ اب مہربانی فرماؤ اور یہاں سے تشریف لے جاؤ۔۔۔کسی نے ہمیں یہاں دیکھ لیا تو ایک نیا تماشہ شروع ہو جائے گا۔“

”ارے واہ۔۔۔بڑی فکر ہے تمہیں میرے دیکھ لیے جانے کی۔۔۔شامیر کی بار یہ فکر کہاں چلی گئی تھی۔“ کیف چیخ کر بولا تھا۔

خوش نصیب نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔”بکواس بند کرواپنی۔۔۔تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم مجھے ایسی باتیں سناؤ۔۔۔“

”ہاں سب حق تو تم نے شامیر کو سونپ دیے۔۔۔باقی کے حق طوطا بھائی کو سونپنے والی ہو۔۔۔ میں تو یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔۔۔“ سارا زور طوطا بھائی پر تھا۔

”تم نے بول لیا جو بولنا تھا۔۔۔ٹھنڈ پڑ گئی۔سکون مل گیا طعنے دے کر۔۔۔اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔“

”خوش نصیب بی بی۔۔۔تمہاری شادی طوطا بھائی سے ہو رہی ہے۔۔۔“ کیف نے خوش نصیب کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا

تھا۔"تم جانتی ہو یا تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے جو اس رشتے پر راضی ہو گئی ہو۔ تم اپنے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو؟"

"کیف یہ وقت اب ان سب باتوں کا نہیں ہے۔" خوش نصیب نے اس کے ہاتھ جھٹک کر اپنے کندھے چھڑوائے تھے۔ اس نے دروازے کی طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن کیف نے ایک جھٹکے سے ہاتھ پکڑ کر واپس کھینچ لیا تھا۔

" سکون سے یہاں بیٹھو اور میری بات سنو۔۔۔"

"کون سی بات؟" وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم اپنے ساتھ؟ انکار کیوں نہیں کر دیتی اس شادی سے۔۔۔"

"کیف تم پاگل ہو گئے ہو؟ یہ کون سا وقت ہے یہ سوال کرنے کا؟ اور اگر اتنی ہی بات ہے تو تم کیوں نہیں انکار کر دیتے صیام سے شادی کرنے سے۔۔۔تم تو مرد ہو نا جب تمہاری کوئی نہیں سن رہا تو میری کون سنے گا۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔

"خوش نصیب میری بات مانو۔۔۔جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔اب ہم اپنی زندگی ایک غلطی کی نظر نہیں کر سکتے۔۔۔"

"کیا چاہتے ہو تم کیف؟ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔۔۔کچھ بھی نہیں۔"

"سب ہو سکتا ہے بیوقوف لڑکی۔۔۔" کیف نے دانت کچکچائے تھے۔"ہم ابھی بھی اس مسئلے سے نکل سکتے ہیں۔ جب یہاں کسی نے ہمارا نہیں سوچا تو ہم بھی پرواہ کیوں کریں۔۔۔"

"کیف۔۔۔تم کیا کرنے والے ہو؟" خوش نصیب کی آواز میں اندیشے بول رہے تھے۔

"شادی۔۔۔" کیف نے سر جھٹکا۔۔۔"شادی ہی کرنے والا ہوں میں۔۔۔مگر صیام سے نہیں ۔تم سے۔۔۔اور تمہیں اس معاملے میں میرا ساتھ دینا ہو گا۔" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"ایسے خواب نہ دیکھو جو پورے نہ ہو سکیں کیف۔۔۔اب ایسا ہونا نا ممکن ہے۔۔۔اور نہ ہی میں ایسا کچھ کرنے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

"ساتھ تو میرا اب تمہارے فرشتے بھی دیں گے۔۔۔تم نے اس معاملے کو جتنا بگاڑنا تھا، بگاڑ لیا۔ اب میں تمہیں اپنی زندگی مزید تباہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

خوش نصیب نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیف کو کیسے سمجھائے۔ اور سمجھانے کی کوشش کرے بھی یا خود ہی چپ چاپ اس کی بات مان لے۔

کیف نے جو اسے اس طرح سر جھکائے دیکھا تو گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"اپنے اور میرے ساتھ اتنا برا مت کرو خوش نصیب! تم کیوں چاہتی ہو کہ تم اور میں ساری عمر پچھتاوے میں گزار دیں۔ بھول

جاؤ سب کچھ۔۔۔بھول جاؤ شامیر، ماہ نور اور باقی سارے مسئلے کو۔۔۔میری بات مانو۔۔۔ ابھی بھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔تھام لو میرے ہاتھ کو۔۔۔" اس نے اپنا دایاں ہاتھ خوش نصیب کے چہرے کے سامنے پھیلا دیا تھا۔" تھام لو اس ہاتھ کو اور چلو میرے ساتھ۔۔۔ چلو بھاگ جاتے ہیں یہاں سے۔"

خوش نصیب کی نظریں کیف کے ہاتھ پر جمی تھیں۔وہ ہاں اور ناں کے درمیان جھول رہی تھی۔کیف منتظر نظریں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھا۔

"روشن۔۔۔روشن امی کا کیا ہوگا کیف؟ وہ مر جائیں گی اگر میں نے کچھ ایسا کیا تو۔۔۔" خوش نصیب گھٹی گھٹی آواز میں بولی تھی۔" باقی سب لوگ بھی ناراض ہو جائیں گے۔۔۔پھر کیا کریں گے ہم لوگ۔۔۔"

"کم آن خوش نصیب! تم نے کب سے لوگوں کی پرواہ کرنا شروع کر دی۔۔۔پھر ہمارے ماں باپ کب تک ہم سے خفا رہ سکتے ہیں۔۔۔ایک بار نکاح ہو گیا تو کوئی کچھ نہیں کر پائے گا اور یقین کرو اس ٹائم سب لوگ نا صرف ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنیں گے بلکہ سمجھ بھی لیں گے۔سب لوگ معاف کر دیں گے ہمیں۔۔۔تم اس بارے میں مت سوچو۔"

کیف اسے ہر ممکن سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے سمجھانا پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا۔خوش نصیب کے چہرے پر ابھی تک کشمکش کے آثار تھے۔

"میں آخری بار تم سے پوچھ رہا ہوں۔۔۔تم میرے ساتھ چلو گی یا نہیں۔۔۔؟" کیف نے فیصلہ کن لہجے میں پوچھتے ہوئے اپنا ہاتھ ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

خوش نصیب کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔اس کی نظریں کیف کے ہاتھ پر تھیں۔

یہ ہاتھ تھام لوں۔۔۔

یا نہ تھاموں۔۔۔۔

دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی حلق کے راستے باہر آ جائے گا۔

پھر جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری روشن امی۔۔۔"

بدنام تو وہ ہو ہی چکی تھی تو کیوں نہ زندگی بچانے کی ایک کوشش کر ہی جاتی۔۔۔اس نے اپنا ہاتھ کیف کے ہاتھ کی طرف بڑھایا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کیف کا ہاتھ تھامتی، دروازہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ۔۔۔؟"

http://kitaabghar.com

"کیا کر رہے ہو تم لوگ یہاں؟"

اندر آنے والے حلق کے بل دھاڑے تھے۔

خوش نصیب نے محسوس کیا کہ موت کا فرشتہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا ہے۔

☆......☆......☆

"متھے تے چمکن بال میرے بنڑے دے۔۔۔

متھے تے چمکن بال میرے بنڑے دے۔۔۔"

تائی اور چچی سمدھن بننے والی تھیں۔لڑکیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اکٹھی تو ہو گئی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے سے بھی مقابلہ جاری تھا۔فضیلہ چچی نے اپنی اولاد کی شان میں ایک گانا گایا تھا،تائی نے پیچھے رہنا مناسب نا سمجھا اور باری آنے پر فوراً ہی اپنے بیٹے کے لیے ایک گانا شروع کر دیا۔

سب ہی اس سچویشن کو انجوائے کر رہے تھے۔

ہنسی،مذاق،خوشی،مسکراہٹیں،رنگ۔۔۔

صیام بھی تالیاں بجاتے ہوئے شرمانے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔ اس نے سر اٹھایا تا کہ ایک نظر اپنے "بنڑے" دیکھ سکے لیکن بنڑا صاحب سامنے سے غائب تھے۔اس نے کیف کو تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن وہ وہاں موجود ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اس نے کچھ دیر پہلے خوش نصیب کو یہاں سے اٹھ کر جاتے دیکھا تھا لیکن اسے چنداں پرواہ نہیں ہوئی تھی لیکن اب کیف کا وہاں سے غائب ہونا اسے حیرانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

کسی خیال کے تحت اس نے مڑ کر دیکھا تھا اور اس کے اندیشے کے عین مطابق کیف اسے اوپر جاتا ہوا دکھائی دیے تھا۔صیام دانت کچکچا کر رہ گئی تھی۔کیف خوش نصیب سے ملنے گیا ہے۔۔۔ یہ خیال ہی اسے آگ لگانے کے لیے کافی تھا۔اگلے دس منٹ تک وہ پہلو بدلتی رہی تھی مگر کیف واپس نہیں آیا تھا۔اب مزید صبر اس کے بس میں نہیں تھا۔

"بیڑہ غرق ہو تمہارا خوش نصیب۔۔۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"کیا بات ہے؟" ساتھ بیٹھی ماہ نور نے حیرانی سے اس کی غصیلی صورت پر نظر دوڑائی تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔میں ابھی آتی ہوں۔" وہ بات کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کدھر جا رہی ہو؟" ماہ نور نے صیام کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔

"ایک کام یاد آ گیا ہے۔۔۔بس ابھی آئی۔" ہاتھ چھڑواتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

"اگر آج یہ دونوں پکڑے گئے تو ان کی خیر نہیں۔۔۔خوش نصیب تو نہیں بچے گی میرے ہاتھوں سے۔۔۔" سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سوچا تھا اور یہی سب سوچتے ہوئے وہ اپنی جھونک میں آگے بڑھ گئی تھی کہ۔۔۔

ڈھپ۔۔۔

کوئی پوری طاقت سے آ کر اس سے ٹکرایا تھا۔صیام ناک پکڑ کر دوہری ہوگئی۔چند لمحوں بعد غصے کی شدت سے کانپتے ہوئے سر اٹھایا تو سامنے طوطا بھائی بھی اپنی ٹیڑھی ناک کو، جو کہ کچھ مزید ٹیڑھی ہوگئی تھی، تھامے دہائی دیتے نظر آئے۔

"کیا کر رہے ہیں طوطا بھائی آپ؟ اندھے ہوگئے ہیں۔۔۔دیکھ کر نہیں چل سکتے۔۔۔" وہ چیخی تھی۔

سبز رنگ کے کرتے میں سچ مچ کے طوطے بنے ہوئے طوطا بھائی نے ناک سے پھسلتی عینک کو سنبھالا تھا اور چڑ کر بولے تھے۔

"اندھی ہوگی تم خود۔۔۔تمہارے اگلے پچھلے۔۔۔" شاید بھول گئے تھے کہ اس کے اگلے پچھلوں میں وہ خود بھی شامل ہیں۔"اندھوں کی طرح خود چل رہی ہے اور باتیں مجھے سنا رہی ہے۔"

"طوطا بھائی مجھ سے فی الحال الجھنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔۔۔میرا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہے۔آپ مہربانی فرما کر بس اپنی عینک ہو اور ہونے والی بیوی کو سنبھالیں۔کیف کے پیچھے پڑ گئی ہے اب وہ۔۔۔"

"کون؟ خوش نصیب؟ کیا ہوا اسے۔۔۔" طوطا بھائی تکلیف بھول کر حیرانی سے بہن کی شکل دیکھنے لگے

"ہوا کچھ نہیں ہے۔۔۔مگر آج کچھ نا کچھ ہو ضرور جائے گا میرے ہاتھوں۔۔۔"

"اے خبردار جو تم نے خوش نصیب کو کچھ کہا تو۔۔۔" طوطا بھائی نے آنکھیں دکھائیں۔

صیام نے غصے سے بھائی کو گھورا پھر تنک کر بولی۔"آپ میرے ساتھ چلیں ذرا۔۔۔پھر فیصلہ کرنا کہ کچھ کہنا ہے یا نہیں۔"

اس نے بھائی کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹ کر اپنے ساتھ اوپر لے جانے لگی۔طوطا بھائی ارے ارے کرتے رہ گئے۔

اوپر پہنچ کر صیام نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے بھائی کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کمرے کی طرف بڑھی۔طوطا بھائی اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔اندر سے بات کرنے کی مدھم آواز آ رہی تھی۔دونوں بہن بھائی نے دروازے کے پاس پہنچ کر کان باتوں پر لگا دیے۔۔۔

وہ خوش نصیب کی آواز تھی۔

"روشن۔۔۔روشن امی کا کیا ہوگا کیف؟ وہ مر جائیں گی اگر میں نے کچھ ایسا کیا تو۔۔۔باقی سب لوگ بھی ناراض ہو جائیں گے۔۔۔پھر کیا کریں گے ہم لوگ۔۔۔"

http://kitaabghar.com

پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی اور اس آواز نے صیام کو آگ لگا دی تھی۔اس کے سارے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے کیونکہ وہ آواز سو فیصد کیف کی ہی تھی۔

طوطا بھائی ہونق سے اسے دیکھ رہے تھے۔اس نے طوطا بھائی کو سر کے اشارے سے بات سننے کو کہا۔

''کم آن خوش نصیب!تم نے کب سے لوگوں کی پرواہ کرنا شروع کر دی۔۔۔پھر ہمارے ماں باپ کب تک ہم سے خفا رہ سکتے ہیں۔۔۔ایک بار نکاح ہو گیا تو کوئی کچھ نہیں کر پائے گا اور یقین کرو اس ٹائم سب لوگ نا صرف ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنیں گے بلکہ سمجھ بھی لیں گے۔سب لوگ معاف کر دیں گے ہمیں۔۔۔تم اس بارے میں مت سوچو۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولا تھا۔

''میں آخری بار تم سے پوچھ رہا ہوں۔۔۔تم میرے ساتھ چلو گی یا نہیں۔۔۔؟''

مزید سننے کی نہ ہمت تھی نہ ہی ضرورت۔۔۔دونوں بہن بھائی دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ۔۔۔؟'' صیام چلائی تھی۔

''کیا کر رہے ہو تم لوگ یہاں؟'' طوطا بھائی نے اپنی پھسلتی ہوئی عینک کو سنبھالتے ہوئے صیام سے زیادہ چیخ کر پوچھا تھا۔

خوش نصیب نے محسوس کیا کہ موت کا فرشتہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا ہے۔اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

دوسری طرف ایک لمحے کے لیے کیف بھی گڑبڑا گیا تھا۔ایسی صورتحال کے بارے میں اس نے سوچا نہیں تھا نہ ہی امید تھی کہ اس طرح پکڑے جائیں گے لیکن پھر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''کچھ نہیں کر رہے۔۔۔مجھے خوش نصیب سے کچھ کام تھا۔۔۔بس اس کے لیے ہی آیا تھا۔''

''ایسا کیا کام تھا جو تمہیں سب سے چھپ کر یہاں آنا پڑا کیف۔۔۔'' صیام پھر چیخی تھی۔''یہ کیوں نہیں کہتے کہ شامیر سے مایوس ہو کر اب یہ تمہیں پھنسا رہی ہے۔۔۔''

''آہستہ بولو صیام۔۔۔بہرے نہیں ہیں ہم لوگ۔۔۔'' کیف دانت پیس کر بولا تھا۔''گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔کوئی تماشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تماشہ؟میں کر رہی ہوں تماشہ۔۔۔اور جو تماشہ تم دونوں پلان کر رہے ہو بند کمرے میں۔۔۔اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''بکواس بند کرو صیام۔۔۔'' خوش نصیب بولی تو اس کے الفاظ سخت لیکن انداز سراسر التجائیہ تھا۔''جو تم سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ صیام کو کیسے چپ کروائے۔

''چپ۔۔۔بالکل چپ۔۔۔خبردار جو تم نے کچھ بھی کہا تو۔۔۔تمہاری دال شامیر کے سامنے نہیں گلی تو تم دوبارہ کیف کے

پیچھے پڑ گئی۔ ارے کچھ تو سوچا ہوتا۔۔۔ میرے معصوم بھائی کو پاگل بناتے تمہیں شرم نہیں آئی۔۔۔ ذرا خیال نہیں ویا کہ آج شادی ہے تمہاری اور تمہارے اس نام نہاد عاشق کی بھی۔'' وہ غصے میں جو منہ میں آ رہا تھا جاہلانہ انداز میں بولتی چلی جا رہی تھی۔

''خدا کا کچھ تو خوف کرو صیام۔۔۔ تم اچھے سے جانتی ہو کہ شامیر والے معاملے میں مجھے پھنسانے والی تم خود ہو۔۔۔ اس کے باوجود مجھ پر تہمت لگا رہی ہو۔۔۔''

''میں الزام لگا رہی ہوں۔۔۔ یا تم دونوں اپنی سچائی چھپا رہے ہو۔۔۔'' وہ طوطا بھائی کی طرف مڑی تھی۔''بھائی جا کر نیچے سے بلا کر لاؤ۔۔۔ سب کو پتا چلنی چاہیے ان دونوں کی حقیقت۔۔۔''

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی کیف کا ہاتھ گھوما تھا اور صیام کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔ غصہ انسان کو ایسے ہی بے قابو کر دیتا ہے۔

طوطا بھائی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور خوش نصیب کا چہرہ فق ہو گیا۔

''بس۔۔۔ اب ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ خبردار جو تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو صیام۔۔۔ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' کیف سرخ چہرے کے ساتھ صیام کو پیچھے دھکا دیتے ہوئے بولا تھا۔

صیام شاک کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔ پھر جیسے اس کا سکتہ ٹوٹا تھا اور وہ بپھر گئی تھی۔''تم۔۔۔ تم۔۔۔ تمہاری اتنی ہمت کہ مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ۔۔۔ میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔۔''

اونچی آواز میں چلاتے ہوئے صیام نے باقاعدہ کیف پر حملہ کیا تھا اور اپنے لمبے ناخنوں سے اس کے چہرے کو نوچ لینا چاہا تھا۔ کیف نے اس کے حملے سے بچنے کے لیے تیزی سے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اب وہ اپنے ہاتھوں کو چھڑانے کے لیے مچلتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ چلا رہی تھی۔

طوطا بھائی اور خوش نصیب ہکا بکا ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

صیام کے گلے نے کسی سپیکر کا سا کام دیا تھا تو اگلے چند لمحوں میں گھر کے سب بڑے اوپر پہنچ چکے تھے۔ صابر تایا اور شفیق چچا تیزی سے آگے بڑھے تھے اور اپنے اپنے نمونے کو تھام کر پیچھے کیا تھا۔

''کیا کر رہے ہو تم دونوں۔۔۔ پاگل ہو گئے ہو کیا۔۔۔'' صابر چچا چنگھاڑے تھے۔ اتنے مہمانوں کے سامنے اس نئے تماشے نے ان کے غصے کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

خوش نصیب نے جو سب کو سامنے دیکھا تو گرنے کے سے انداز میں پیچھے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ گم صم نگاہوں سے سب کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''صیام یہ سب کیا ہے؟'' شفیق چچا نے اپنی بیٹی کے بازو کو پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تھا۔

''ابا آپ مجھ سے نہیں۔۔۔اس سے پوچھیں یہ یہاں کیا کر رہا تھا۔۔۔بلکہ یہ بات ان دونوں سے پوچھیں۔۔۔''

سب کی نظریں کیف اور خوش نصیب کی طرف اٹھ گئیں۔

''یہ دونوں کیا بتائیں گے آپ کو۔۔۔میں بتاتی ہوں۔۔۔یہ دونوں ادھر کمرے میں بیٹھے گھر سے بھاگ کر نکاح کی پلاننگ کر رہے تھے۔۔۔'' صیام کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کے باہر کھڑے مہمان بھی سن سکیں۔

''صیام! کیا بول رہی ہو تم؟'' تایا کو ذرا بھی یقین نہیں آیا کہ ان کا بیٹا ایسا کر سکتا ہے۔

''آپ کو میری بات پر یقین نہیں آ رہا تو یہ طوطا بھائی سے پوچھ لیں۔۔۔انہوں نے بھی میرے ساتھ سب کچھ سنا ہے۔میں آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔تھوڑی دیر پہلے میں اور طوطا بھائی کسی کام سے اوپر آئے تھے۔کمرے کا دروازہ بند تھا اور یہ دونوں اندر۔۔۔'' وہ ایک کو چار سے ضرب دے کر سب بتاتی چلی گئی تھی۔

''کیف۔۔۔'' تایا کا پر جلال لہجہ خوش نصیب کی جان نکال رہا تھا۔''کیا سب سچ ہے؟'' انہیں یقین نہ آتا تھا کہ کیف یہ سب کر سکتا ہے۔

کیف نے ایک لمحے کے لیے سوچا تھا۔جب صیام کی بدولت سب کو پتا چل ہی گیا ہے، نام خراب ہو ہی گیا ہے تو جھوٹ بولنے کا فائدہ۔۔۔اس نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

''جی ابا! یہ سچ کہہ رہی ہے۔۔۔میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔۔۔میں خوش نصیب سے شادی کرنا۔۔۔''

اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑی تھی کیونکہ صابر صاحب نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

''بے غیرت۔۔۔تمہیں شرم نہیں آئی یہ سب سوچتے ہوئے بھی۔۔۔''

کیف سن رہ گیا تھا۔اسے اتنے سخت ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے وہ ہمیشہ ماں باپ کا لاڈلا رہا تھا اور اسی لیے اسے لگا تھا کہ ابا آسانی سے اس کی بات مان جائیں گے مگر ابا کی اس تھپڑ نے اس کی ساری امیدوں پر ٹھنڈا پانی پھینک دیا تھا۔منہ پر ہاتھ رکھے وہ حیرانی سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''بہت دیکھ چکا میں تم سب کی حرکتیں۔۔۔تمہارا نکاح آج ہی ہوگا اور ابھی ہوگا۔۔۔اور صیام سے ہی ہوگا۔'' ابا نے حکم جاری کیا تھا۔

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔۔۔یہ بات آپ لوگ بھول جائیں کہ میں صیام سے اب شادی کروں گا۔۔۔میری شادی ہوگی تو خوش نصیب سے ہی ہوگی۔۔۔ورنہ نہیں ہوگی۔'' باپ کے تھپڑ نے اسے مزید نڈر بنا دیا تھا۔

آر یا پار۔۔۔آج فیصلہ ہو جانا تھا اور پھر ابا نے فیصلہ سنا دیا۔

”دور ہو جاؤ تم میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔تم جیسے نافرمان بیٹے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔اگر تم صیام سے نکاح نہیں کرو گے تو اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔“

وہ چند لمحے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا اور پھر بولا۔”ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا لیکن خوش نصیب کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔وہ خوش نصیب کی طرف مڑا تھا اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر لیا تھا۔”چلو خوش نصیب ہمیں یہاں نہیں رہنا ہے۔“ کیف نے خوش نصیب کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا تھا۔خوش نصیب اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی بلکہ اس نے اپنا ہاتھ بھی پیچھے کھینچ لیا تھا۔

”نہیں کیف۔۔۔“سہمی ہوئی آواز میں وہ اتنا ہی بول پائی تھی۔کیف چند لمحے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا رہا تھا پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں تھی۔بس نہ چلا تھا کہ اس لمحے خوش نصیب کی جان نکال دیتا۔

”بھاڑ میں جاؤ تم۔۔۔“وہ حلق کے بل چلایا تھا اس پر۔

تیزی سے مڑتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھا تھا۔دھپ دھپ کر کے سیڑھیاں عبور کیں اور گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔تائی اماں اور فہمینہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگے تھے لیکن ان کے روکنے سے پہلے ہی وہ گھر سے باہر نکل چکا تھا۔

خوش نصیب اپنی جگہ پر جمی کھڑی تھی۔اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہاں سے ہل بھی پاتی۔زمین پہ نظریں گاڑھے وہ سزا سنائے جانے کی منتظر تھی۔سزا تو سنائی نہ دی تھی لیکن ایک عجیب سی آواز ضرور سنائی دی تھی۔۔۔

دھپ۔۔۔

خوش نصیب نے تیزی سے سر اٹھایا تھا اور اسے لگا اس کی جان نکل گئی ہے۔

روشن امی سامنے زمین پر گری پڑی تھیں۔ماہ نوران کے سرہانے بیٹھتے ہوئے روتی ہوئی انہیں آوازیں دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

آج کی رات فلک بوس میں ستاروں کے جھرمٹ کی رات تھی۔

اتنے رنگ اتنے قہقہے فلک بوس میں سمٹ آئے تھے کہ ان در دیوار نے ایسی رونق شائد ہی کبھی دیکھی ہو۔موسیقی،کھٹا کھٹ تصویریں کھینچتے کیمرے،مشروبات،مہمانوں کی تواضع کا ہر انتظام موجود تھا۔اردشیر ازی نے جیسا کہا تھا بڑے بیٹے کی شادی کو اتنا ہی یادگار بنا رہے تھے۔غرض سب کچھ ویسے ہی ترتیب دیا گیا تھا جیسا کہ چند سال پہلے ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

اگر کچھ مختلف تھا تو وہ تھی دلہن۔۔۔

اردشیرازی اور معاویہ تو خیر ایک ہفتہ پہلے ہی پاکستان آ گئے تھے لیکن مسٹر اینڈ مسز جمال اپنے بچوں کے ساتھ صرف تین دن پہلے پاکستان پہنچے تھے۔ معاویہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ آئے کت نے اسے بیواقوف بنایا تھا، ایک بار پھر سے فلک بوس کی درودیوار کو چھانا تھا۔ ایک ایک کمرہ، ایک ایک کونہ خود چیک کیا تھا۔

بشام کے رہنے والوں نے جو آٹھ سال بعد فلک بوس کے مالکوں کو لوٹتے دیکھا تو سب کو ہی خوشی ہوئی تھی، لیکن جیسے جیسے لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ ان لوگوں کے واپس آنے کا مقصد کیا ہے، سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

کچھ لوگوں نے معاویہ کے دوبارہ اسی جگہ آ کر شادی کرنے کو بیواقوفی قرار دیا تو کسی نے اسے دیوانے کا خواب قرار دیا۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ فلک بوس کا بھوت کبھی بھی یہاں کسی کو خوشی حاصل نہیں کرنے دے گا۔ تو پھر دوبارہ سے اپنی خوشیوں کو اپنے ہاتھوں آگ لگانے کا کیا جواز تھا۔

یہاں تک کہ کچھ بزرگوں نے فلک بوس آ کر معاویہ کو سمجھانے کی کوشش بھی کی۔۔۔ اردشیرازی سے یہاں سب لوگ ہی ڈرتے تھے لیکن اس کا بیٹا اس کی نسبت رحمدل اور خوش اخلاق تھا۔ معاویہ نے ان لوگوں سے ملاقات کی، ان کی خاطر مدارت بھی کی، مسکراتے ہوئے ان لوگوں کے مشوارے بھی سنے لیکن ان پر واضح کر دیا کہ اس کا شادی اسی جگہ ہوگی۔

اب کی بار کوئی آسیب کوئی بدروح اس کی خوشیوں میں حائل نہیں ہوسکتی۔۔۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

میں سب پر ثابت کر کے رہوں گا کہ فلک بوس میں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا بتایا جاتا ہے۔۔۔

اب کی بار سب ویسا ہی ہوگا جیسا کہ میں چاہتا ہوں۔۔۔

اس نے سیکیورٹی کا ایک ایک انتظام اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔ اس کی موجودگی کے بغیر کسی چڑیا کو بھی اجازت نہیں تھی کہ فلک بوس کی عمارت میں داخل ہو سکے۔

اس نے سختی سے کبیر بابا کو بول دیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اندرونی حصے میں نہیں جا سکتا۔ اور اگر جانا ناگزیر ہو تو کبیر بابا ساتھ اندر جائیں تا کہ کسی قسم کی بدمزگی سے بچا جا سکے۔۔۔ کبیر بابا نے اس کی ہر ہدایت پر عمل کیا تھا۔

منفرا اور اس کی فیملی کو اسلام آباد ائیرپورٹ سے معاویہ نے خود جا کر ریسیو کیا تھا۔ وہ کسی قسم کا رسک لینے کے لیے راضی نہیں تھا۔ اگر اس نے سوچا تھا کہ اس بار اس کی خوشیوں کو کوئی چھین نہیں پائے گا تو وہ خود سے کیے اس وعدے کو نبھانے کے لیے ہر ممکن حد تک کوشش کر رہا تھا۔

مسٹر اینڈ مسز جمال کے بے حد اختلاف کے باوجود اردشیرازی اور معاویہ نے انہیں فلک بوس میں اپنے ساتھ رکنے پر راضی کر لیا تھا۔

بس انہیں فلک بوس پہنچا کر وہ ماموں مامی کو لینے چلا گیا تھا۔ان کے بغیر اس کی ہر خوشی ادھوری تھی۔ اور اپنی خوشیوں کے لیے آج کل وہ اس قدر حساس ہو رہا تھا کہ کسی پر بھی بھروسا کرنے کو تیار نہیں تھا۔

اردشیر ازی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ماموں مامی کو لینے ڈرائیور کو بھیجے اور خود یہاں رہ کر اپنے سسرال والوں کو ٹائم دے یا شادی کے انتظامات میں ان کا ہاتھ بٹائے لیکن معاویہ کوئی بھی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔وہ اس قدر حساس ہو رہا تھا کہ اس نے ڈرائیور پر بھی بھروسا کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور خود ان لوگوں کے لینے کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

منزل پر پہنچتے ہی اس نے واپس جانے کا شور مچا دیا تھا۔ بڑی مشکل سے مامی نے اسے کھانا کھانے پر راضی کیا تھا ویسے بھی وہ اس سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی تھیں۔معاویہ کے کھانا کھانے کی حامی بھرنے کے بعد انہوں نے جلدی جلدی کھانا چن دیا تھا۔

"واہ۔۔" پہلا نوالہ منہ میں لیتے ہی معاویہ بولا تھا۔"مامی باہر اور کچھ مس کروں نہ کروں مگر آپ کے بنائے کھانے کو ضرور ترس جاتا ہوں۔

وہ مسکرادی تھیں۔

"معاویہ! یہ فلک بوس میں شادی کا فیصلہ تمہارا ہے؟" ماموں نے پوچھا تھا۔

"ہم مم۔۔۔مشورہ بابا کا تھا مگر فیصلہ میں نے ہی کیا ہے کہ شادی فلک بوس میں ہو کر وں گا۔"

"کیوں؟ مامی خفگی سے بولیں۔"سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی دوبارہ یہ فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔" وہ اس فیصلے سے سخت خفا معلوم ہوتی تھیں۔

"مامی آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔خدا پر بھروسہ رکھیں۔۔۔اس بار کچھ غلط نہیں ہوگا۔"

"معاویہ۔۔۔تم کیوں بھول رہے ہو کہ اس جگہ نے تمہارے بھائی کی جان لے لی تھی۔وہاں سے ہی تو آئے کت غائب ہوئی تھی۔۔۔آج تک اس کا سراغ نہیں مل پایا۔۔۔وہ جگہ ہے ہی منحوس۔۔۔کوئی خوشی نہیں مل سکتی ہمیں اس جگہ سے۔۔۔"

"اسی لیے۔۔۔صرف اسی لیے میں نے وہاں شادی کا فیصلہ کیا ہے۔۔۔کیونکہ میں چاہتا ہوں قلعہ فلک بوس کے بارے میں سب کے خیالات کو بدل سکوں مامی۔۔۔میں سب وہاں سے ہی شروع کرنا چاہتا ہوں جہاں سے ادھورا چھوڑا تھا۔۔۔ آپ دیکھئے گا کہ اس بار آپ کے بیٹے کو اس جگہ سے ہی سب خوشیاں مل جائیں گی۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"نجمہ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا۔۔۔کیوں خواہ مخواہ وہم دل میں لاتی ہو۔۔۔تمہیں اتنا ڈر ہے نا تو بس چار قل پڑھ کر اپنے بیٹے پر پھونکتی رہنا۔۔۔اب اللہ سے زیادہ حفاظت تو کوئی نہیں کر سکتا نا معاویہ کی۔۔۔" ماموں نے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

مامی کی تسلی ہوئی یا نہیں، مگر وہ دل پر پتھر رکھ کر معاویہ کے ساتھ قلعہ فلک بوس آ گئے تھے۔

http://kitaabghar.com

یوں کل رات معاویہ اور منفرا کی مہندی کی رسم بڑے پیمانے پر ادا کر دی گئی تھی اور آج بارات کا دن تھا۔

دلہن کو پالکی میں بٹھا کر اسٹیج تک لایا گیا۔ وہ اتنی دلکش لگتی تھی کہ آسمان کے چاند کو بھی شائد اس سے حسد محسوس ہوتا ہوگا۔

دلہا اتنا خوش تھا ایسی روشنیاں پھیلی تھیں اس کے چہرے پر کہ محبت اسے دیکھ دیکھ کے خود پر فخر کرتی تھی۔ روئے زمین پر اگر آج کی تاریخ میں کوئی خوش قسمت تھا تو بس وہی تھا۔ ممکن ہے آج کی رات کوئی اور بھی نوازا گیا ہو لیکن اسے تو بس خود پر ناز تھا۔

وہ اپنی ہی قسمت پر اترا رہا تھا۔ ہوگا کوئی ایسا۔۔۔ اس زمین پر۔۔۔ جو محبت کرے اور ایسے ہی اسے پالے جیسے خواب میں ہر ناممکن چیز ممکن ہو جاتی ہے۔

آسمان کی بلندیاں پیروں تلے محسوس ہوتی ہیں۔

تو وہ اتنا ہی خوش تھا جیسے محبت کی معراج حاصل کر کے انسان خوش ہو سکتا ہے۔ اس کی آنکھیں منفرا کو دیکھتی نہ تھیں اس کی پرستش کرتی تھیں۔ اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ محبت تو اس نے اب ہی کی تھی، اس سے پہلے اس کے ساتھ جو بھی گذرا وہ ایک سیراب تھا۔ ایک سازش تھی۔

معاویہ نے سر جھٹک دیا۔ وہ آٹھ سال پہلے کی ایک ایسی ہی رات کو یاد کر کے اپنے آج کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فی الحال صرف منفرا کو دیکھنا چاہتا تھا، اسے سوچنا چاہتا تھا اور اسے پا لینا چاہتا تھا۔

جب منفرا پالکی سے اتری اور اسنے نظر اٹھا کر دیکھا وہ شہزادوں کی سی آن بان والا اس کے استقبال کے لئے ہاتھ باندھے مسکراہٹ لبوں کے کناروں میں سمیٹے دلہن کے استھان کے قریب کھڑا اسے ایسے دیکھتا تھا جیسے وہ کوئی دیوی ہو اور عشق کے منبر پر اس کی مورتی سجائی جا رہی ہو۔

خوش باش، پرسکون، اور پور پور محبت میں ڈوبا ہوا۔

وہ سہج سہج کر قدم دھرتی اس کے طرف بڑھی جب قریب پہنچی تو وہ ارد گرد کی پرواہ کئے بنا اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھ سے زیادہ اس روئے زمین پر خوش قسمت کون ہوگا منفرا۔۔۔ جس نے جسے چاہا اسے پا بھی لیا۔۔۔!"

سب طرف شور مچ گیا خوب ہوہا ہوئی کہ دلہا نے دلہن کے کان میں کیا کہا ہے۔ لیکن وہ مسکراتا رہا اور غلطی سے بھی اپنے اس راز کا پتہ کسی کو نہ دیا۔

دلہن نے شرما کر نظروں کو کچھ اور جھکا لیا۔

نکاح کی کاروائی شروع ہو گئی تھی۔

دلہا اور دلہن ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ مگر دونوں کے درمیان سرخ جالی کا پردہ لگا دیا گیا تھا۔ معاویہ نے منہ موڑ کر منفرا کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔۔۔ عکس واضح نہیں تھا۔ وہ اس کے تاثرات دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو پایا۔

مولوی صاحب نے کلمے پڑھا کر پوچھنا شروع کیا تھا۔

''منفرا جمال ولد محمد جمال آپ کو معاویہ اردشیرازی ولد اردشیر ازی بعوض حق مہر۔۔۔۔ قبول ہے؟'' مولوی صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔

منفرا نے چند لمحے سوچنے پر صرف کیے تھے۔ اور یہ چند لمحے معاویہ کے لیے ڈسیوں کے برابر ثابت ہوئے تھے۔ اس نے کچھ پریشانی سے پردے کے اس پار منفرا کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

''قبول ہے۔۔۔'' نسوانی آواز گونجی۔

معاویہ نے محسوس کیا کہ یہ آواز اس کے وجود میں دوبارہ زندگی پھونک گئی۔

مولوی صاحب اپنا سوال دہرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''خوش نصیب! لو چائے پی لو۔۔۔'' عرفات ماموں خود اس کے لیے چائے بنا کر لائے تھے۔

خوش نصیب نے سر اٹھایا اور کھوئی کھوئی نگاہوں سے ماموں کو دیکھا۔

عرفات ماموں نے کپ اس کی طرف بڑھایا تھا جو اس نے آہستہ سے تھام لیا۔

''امی یاد آ رہی ہیں؟'' وہ اس کے ساتھ ہی دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے لہجے میں نرمی ہی نرمی تھی۔

''یاد کرنے کے علاوہ اب کر ہی کیا سکتی ہوں؟'' اس کے لہجے کا ملال کم نہ ہوتا تھا۔

آج پندرہ دن ہو گئے تھے روشن امی کی وفات کو لیکن اس کی آنکھیں خشک نہ ہوتی تھیں۔

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ۔۔۔

''اور پھر ایک وقت آتا ہے جب آپ کو تنہائی سے ڈر نہیں لگتا۔۔۔

اکیلے بیٹھے رہنا برا نہیں لگتا۔۔۔

آنکھوں سے آنسو بھی نہیں گرتے۔۔۔

ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رہتی ہے۔۔۔

کیوں کہ ہم اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ کوئی بات کرے تو بھی ٹھیک۔۔۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

نہ بھی کرے تو بھی ٹھیک۔۔۔"

آج کل وہ بھی کسی ایسے ہی وقت میں آ پھنسی تھی۔

وہ کس کس غم پر روتی اسے سمجھ نہیں آتا تھا۔

ماں کی موت پر۔۔۔

یا اسے ماں کی موت کے لیے موردِ الزام ٹھہرائے جانے پر۔۔۔۔

یا بہن کے اسے تنہا چھوڑ جانے پر۔۔۔

یا اس کی قطع تعلقی پر۔۔۔۔

اپنا سب کچھ کھو دینے پر۔۔۔۔

اس کے پاس ایک وجہ نہیں تھی غم منانے کے لیے۔۔۔ بہت ساری وجوہات تھیں کہ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ کس کس بات پر روئے۔ پندرہ دن پہلے جو کچھ بھی ہوا، اس میں اس کی غلطی نہ ہونے کے برابر تھی اس کے باوجود تمام کوتاہیاں اس کے کھاتے میں لکھ دی گئیں۔

کیف جو اس رات گھر سے نکلا تو مڑ کر کسی کی بھی خبر نہیں لی۔ تائی اماں کا غم کم نہ ہوتا تھا۔ وہ دن رات بیٹے کو یاد کرتی تھیں اور ٹھنڈی آہیں بھرتی تھیں۔

فضیلہ چچی کے دونوں بچوں کی شادیاں ہوتے ہوتے رہ گئیں تھیں۔ انہوں نے وہ واویلا مچایا کہ خدا کی پناہ۔۔۔ انہیں نہ تو روشن امی کی حالت پر ترس آیا تھا، نہ تائی کے آنسوؤں پر۔۔۔ وہ سب کی طرف سے منہ موڑے بیٹھیں تھیں۔

خوش نصیب کی بدنصیبی نے یہاں بھی بس نہیں کیا تھا۔

روشن امی جو اس رات بے ہوش ہوئیں تو دوبارہ ہوش میں ہی نہ آسکیں۔ وہ یہ دکھ برداشت نہ کر پائیں تھیں۔ دو دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد انہوں نے چپ چاپ زندگی سے منہ موڑ لیا تھا۔ خوش نصیب کو ان سے معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں دیا ملا تھا۔ وہ خفا ہی دنیا سے چلی گئیں تھیں تمام تکالیف اور پریشانیوں سے جان چھڑا کر۔۔۔

ماہ نور جو پہلے ہی خوش نصیب سے متنفر تھی، ماں کی موت نے اسے بالکل ہی خوش نصیب سے لاتعلق کر دیا تھا۔ ماں کی میت کے سرہانے بیٹھ کر اس نے خوش نصیب کو ماں کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ اس نے باقاعدہ کوش نصیب کو کوسا تھا۔ اسے بددعائیں دی تھیں۔

خوش نصیب نے سب کچھ سر جھکا کر سنا تھا اور برداشت بھی کر لیا تھا۔ اس کے پاس کسی بھی بات کا جواب نہیں تھا۔ ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہو کر چلی گئی۔۔۔ معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

آج روشن امی کی وفات کو دو ہفتے گزر چکے تھے۔ اور اس کی پوری دنیا اندھیر تھی۔

فاطمہ اور شامیر کو واپس جانے کی جلدی تھی۔ خدا جانے انہوں نے کیا کہہ کر تایا کو راضی کیا تھا کہ آج صبح سادگی سے شامیر اور ماہ نور کا نکاح اور رخصتی کردی گئی تھی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے ماہ نور خوش نصیب کے پاس آئی تھی اور بس اتنا ہی کہا تھا۔

''خوش نصیب! تم نے بہت برا کیا۔۔۔ جو کچھ تم نے کیا میرا وعدہ ہے خود سے کہ تمہیں اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ تم نے شامیر پر الزام لگایا۔۔۔ ہمارا رشتہ ختم کروانا چاہا اور جب یہ سب نہ کر پائی تو روشن امی کی جان لے لی۔۔۔ تمہیں میں تو کیا، خدا تمہیں ان سب کے لیے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں جا رہی ہوں خوش نصیب۔۔۔! زندگی نے اگر کہیں دوبارہ ہمارا سامنا کروایا تو مجھے پہچاننے کی غلطی مت کرنا۔۔۔ میں نے پندرہ دن پہلے ہی ماں کے ساتھ بہن کو بھی دفنا دیا ہے۔''

وہ مڑی تھی اور چلی گئی تھی۔۔۔ شاید ہمیشہ کے لیے۔۔۔

خوش نصیب میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اسے روکنے کی کوشش کرتی۔۔۔

عرفات ماموں اسے زبردستی اپنے ساتھ اپنے پورشن میں لے آئے تھے۔ اور تب سے وہ ایسے ہی پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔

''خوش نصیب! صبر سے کام لو۔۔۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔۔۔''

''مجھے کیوں لگتا ہے ماموں کہ اللہ میرے ساتھ نہیں ہے۔۔۔ اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو کسی ایک کو تو میرے لیے میرے پاس چھوڑ دیتا۔۔۔ سب مجھے ایسے تنہا تو نہ کرتے نا۔۔۔'' وہ معصومیت سے بولی تھی۔

عرفات ماموں کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ''میرے بچے اللہ کبھی کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔۔۔ تم بدگمان مت ہو خوش نصیب۔۔۔ یقیناً اس میں ہی کوئی بہتری ہے۔۔۔ اور پھر میں ہوں نا تمہارے لیے یہاں موجود۔۔۔ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے کیا؟''

وہ چپ چاپ ان کی شکل دیکھتی رہی۔۔۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا میرے بچے۔۔۔'' ان کا بھاری ہاتھ کسی چھاؤں کی طرح اس کے سر پر آٹھہرا تھا۔ ''آج سے تم میری بیٹی ہو۔۔۔ اور میرا وعدہ ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں تمہیں باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دوں گا۔''

ان کے پاس خوش نصیب کو تسلی دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس کا غم بہت بڑا تھا۔۔۔ اگر ان کے چند ہمدردی بھرے لفظ اسے سکون دیتے تو وہ خوشی خوشی بولتے رہتے۔۔۔

خوش نصیب کا دل پگھلنے لگا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔۔۔ پھر ان قطروں نے اپنے مسکن کو چھوڑا اور گال پر پھسلتے ہوئے ہمیشہ کے لیے فنا ہو گئے۔۔۔

عرفات ماموں کے کندھے پر سر ٹکائے۔۔۔ وہ زار و قطار روتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

یہ اس سے اگلے دن کی بات ہے۔ خوش نصیب کی حالت نے انہیں پریشان کر رکھا تھا۔ وہ یا تو چپ چاپ خلا میں گھورتی رہتی تھی یا روتی رہتی تھی۔

انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش نصیب کو ان حالات سے کیسے نکالیں۔

انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی مایوسی اس حد پر نہ جا پہنچے جہاں انسان خود کو نقصان پہنچانے سے بھی باز نہیں رہتا۔

بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد انہیں یہی حل سمجھ میں آیا تھا کہ وہ خوش نصیب کو فضل منزل، بلکہ اس شہر سے بھی کہیں دور بھیج دیں۔۔۔ مگر کہاں۔۔۔۔؟

اس کے ننھیال میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اسے اپنے پاس رکھ لیتا اور ویسے بھی وہ پورے خاندان میں جس حد تک بدنام ہو چکی تھی، یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی اسے رکھنے کو راضی ہو جاتا۔

بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے خوش نصیب کو یہاں سے بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ فیصلہ مشکل تھا اور اس پر عمل درآمد کرنا بے حد مشکل۔۔۔ مگر انہیں ہر حال میں اب یہ کام کرنا تھا۔

اسی مقصد کے لیے وہ صبح صبح صابر صاحب کے پاس آئے تھے۔

نو بجے کا وقت تھا۔ صابر صاحب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ بھی جاری تھا۔ تائی اماں اور فہمینہ بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن تین لوگوں کی موجودگی میں بھی وہاں بالکل خاموشی تھی۔ عرفات نے اندر داخل ہوتے ہوئے شدت سے اس خاموشی کو محسوس کیا۔ جانے والا اپنے ساتھ ساری رونق لے گیا تھا۔ پیچھے سناٹے رہ گئے تھے۔

''السلام وعلیکم۔۔۔'' انہوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے باآوازِ بلند سلام کیا تھا۔

''وعلیکم اسلام۔۔۔'' صابر صاحب نے جو انہیں اندر آتے دیکھا تو اخبار لپیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔

''آؤ۔۔۔ آؤ عرفات۔۔۔ ناشتہ کر لو۔۔۔'' انہوں نے دعوت دی۔۔۔

انہوں نے بہن کی کرسی کے ساتھ رکھی ہوئی کرسی سنبھال لی۔

''آپ کی کیسی طبیعت ہے اب آپا۔۔۔؟'' انہوں نے بڑی محبت سے بہن کو ساتھ لگایا تھا۔

''بس کچھ مت پوچھ عرفات۔۔۔ میرے دل درد سے پھٹ رہا ہے۔۔۔ پتا نہیں کس حال میں ہوگا میرا بچہ۔۔۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔۔۔ ''عرفات یہ تو میری نہیں سنتے تو ہی پتا کر کیف کا۔۔۔ اسے ڈھونڈ کر لے آ میرا بھائی۔۔۔ اسے بتانا کہ اس کی ماں کا کیا حال ہوا پڑا ہے۔۔۔'' ان کی تکلیف کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ عرفات منہ سے کچھ نہیں بولے لیکن بہن کو ساتھ لگائے رکھا۔

بیوی کی آخری بات پر صابر صاحب کا پارہ پھر آسمان پر جا پہنچا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس ٹیبل پر پٹخا تھا اور غصے

سے بولے۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے عرفات! اس نا ہنجار کو ڈھونڈنے یا واپس لانے کی۔۔۔ میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے ایسی نا ہنجار اولاد کے لیے جو ماں باپ کو اس طرح سب کے سامنے ذلیل کروائے۔۔۔

تائی اماں کے رونے میں تیزی آ گئی۔۔۔

''جن کی غلطی ہے وہ سکون سے بیٹھے ہیں گھروں میں اور میرے بیٹے کو آپ نے رولنے کے لیے گھر سے نکال دیا ہے۔'' وہ چڑ کر روتے روتے بولیں تھیں۔ ''بچہ آ گیا ہوگا باتوں میں۔۔۔ ورنہ ایسا نہیں ہے وہ۔۔۔''

''دودھ پیتا بچہ نہیں ہے تمہارا بیٹا بیگم۔۔۔! ساری عقل ہے اسے۔۔۔ تبھی ایسے دھمکیاں دیتا گیا ہے گھر سے۔۔۔'' وہ دانت پیس کر بولے۔

نتیجتاً تائی اماں واک آؤٹ کر گئیں تھیں۔

فہمینہ نے سر پکڑ لیا۔۔۔

''ابا! آپ کو پتا ہے اماں کا۔۔۔ پھر بھی آپ۔۔۔ اب وہ پھر اپنا بی پی ہائی کر لیں گی رو رو کر۔۔۔'' اس کے لہجے میں خفگی ہی خفگی تھی۔

''تم نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا۔۔۔'' وہ ذرا غصے سے بولے تھے۔

فہمینہ نے بھی ناشتا ادھورا چھوڑا اور اٹھ کر ماں کے پیچھے چلی گئی۔

''بھائی صاحب! باجی تو کچھ نہیں سمجھتیں۔۔۔ آپ ہی سمجھداری سے کام لے لیں۔۔۔''

''عرفات! تمہارے سامنے ہی ہیں سب حالات۔۔۔ تمہاری بہن کو کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی۔۔۔ ہر وقت بس یہی ضد ہے کہ اس نا ہنجار کو ڈھونڈ کر واپس لاؤ۔۔۔'' وہ اکتا کر بولے تھے۔

''بتاؤ کس منہ سے واپس لاؤں اسے۔۔۔ اس قابل چھوڑا ہے اس نے مجھے کہ اس کی خاطر کسی سے بحث کروں۔۔۔ جوتا مار کر گیا ہے میرے منہ پر وہ۔۔۔ کس منہ سے کہوں شفیق کو میں کہ کیف کو واپس لانا چاہتا ہوں۔۔۔'' ان کے لہجے میں بھرا تاسف عرفات کو شرمندہ کر گیا۔

''کوئی بات ہوئی ہے گھر میں۔۔۔؟''

''شفیق آیا تھا رات۔۔۔ حصہ مانگ رہا ہے اپنا۔۔۔ دیوار کرنا چاہتا ہے گھر میں۔۔۔'' وہ دکھی انداز میں بولے۔

عرفات نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔۔۔ بہرحال جو کچھ ہوا تھا اس میں وہ کیف کی حرکت کا ذمہ دار وہ خود کو ہی سمجھتے تھے۔ انہیں احساس ہی نہیں تھا کہ وہ ان کی باتوں کا یہ مطلب لے گا۔

http://kitaabghar.com

"خیر تم بتاؤ۔۔۔تم خیریت سے آئے تھے؟" صابر صاحب نے اپنے مسئلے کو ایک طرف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں جی بھائی صاحب! سب خیریت ہے۔۔۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنا مدعا کیسے بیان کریں جبکہ صابر صاحب منتظر نگاہوں سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"آپ سے ایک اجازت لینی تھی مجھے۔۔۔"

"اجازت؟ کیسی اجازت؟"

"بھائی صاحب! آپ کو شاید میری بات غلط لگے مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خوش نصیب کے ساتھ رویہ ذرا بہتر کر لیں۔۔۔ پندرہ دن پہلے اس نے ماں کو کھویا ہے۔۔۔ بہن بھی چلی گئی ہے۔۔۔ اس بچی کی حالت اچھی نہیں ہے۔۔۔"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن صابر صاحب نے بات قطع کر دی۔۔۔

"عرفات۔۔۔ ایسی بات مت کرو جو میرے بس میں نہ ہو۔۔۔ اس لڑکی نے ہمارا بہت نقصان کیا ہے۔۔۔ شروع سے اس کے رویہ اور حرکتوں کو برداشت کرتے آئے ہیں لیکن اب سب میری برداشت سے باہر ہے۔۔۔ میرا بس چلے تو میں اسے بھی گھر سے نکال باہر کروں بس مرے ہوئے بھائی کا خیال آ جاتا ہے۔۔۔" ان کے انداز زہر خند تھا۔

"بچی ہے بھائی صاحب۔۔۔"

"کاش وہ بچی ہی ہوتی عرفات۔۔۔ مگر مسئلہ یہی ہے کہ بچی نہیں رہی ہے وہ۔۔۔"

"آپ اسے گھر سے بھیجنا چاہتے ہیں۔۔۔؟"

"ہاں مگر بھیج نہیں سکتا۔۔۔ بھیجوں تو کہاں بھیجوں۔۔۔"

"بھائی صاحب! میں نے اسے اپنی بیٹی کہا ہے۔۔۔ آپ مجھے اجازت دیں۔۔۔ میں اسے اسلام آباد بھجوا دیتا ہوں۔۔۔"

"اسلام آباد میں کس کے پاس؟" وہ حیران ہوئے تھے ان کی بات سے۔

"ہوسٹل میں۔۔۔ میں اسے یونیورسٹی میں داخلہ دلوانا چاہتا ہوں۔۔۔" وہ متانت سے بولے۔ "ایک طرف آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا دوسرا مجھے امید ہے کہ اس ماحول سے نکل کر وہ بھی اچھا محسوس کرے گی۔۔۔ آپ بتائیں آپ کیا کہتے ہیں؟"

وہ منتظر نظروں سے ان کی شکل دیکھنے لگے۔

صابر صاحب چند لمحے سوچتے رہے تھے پھر سنجیدگی سے بولے۔

"دیکھو عرفات۔۔۔! میرا اب اس لڑکی سے کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ تم اسے بیٹی کہتے ہو۔۔۔ شوق سے کہو۔۔۔ اسے اپنے پاس رکھو۔۔۔ مجھے اعتراض نہیں۔۔۔ تم اسے بھیجنا چاہتے ہو تو ضرور بھیجو۔۔۔ لیکن یہ سوچ لینا کہ اگر وہاں جا کر بھی اس کی حرکتیں ایسی ہی رہیں

http://kitaabghar.com

تو تم کیا کرو گے۔۔۔؟ جو لڑکی گھر کے لڑکوں کو نہیں بخشتی وہ باہر جا کر کیا کیا گل نہ کھلائے گی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کریں گے۔

عرفات ماموں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی آنکھوں سے ناپسندیدگی ظاہر تھی۔ "آپ بے فکر رہیں بھائی صاحب! میں ذمہ داری لے رہا ہوں خوش نصیب کی۔۔۔ آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے تم مناسب سمجھو۔۔۔" انہوں نے عرفات کا کندھا تھپتھپایا تھا اور اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

عرفات خاموشی سے وہاں ہی کھڑے رہے اور اندر کی طرف جاتے صابر صاحب کی پشت کو تکتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے ایک نمبر ڈائل کیا تھا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

چند لمحوں کے انتظار کے بعد دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔"

"ہاں بھئی مجنوں۔۔۔ کیا حال ہے؟

"دعائیں ہیں لیلیٰ کی۔۔۔" آگے سے جواب آیا تھا۔

"لیلیٰ کا رو رو کر برا حال ہے۔۔۔" انہوں نے بتانا مناسب سمجھا۔ "اور لیلیٰ کی متوقع ساس کا بھی۔۔۔"

"دونوں کو سمجھائیں۔۔۔"

"کیف! میری مانو۔ گھر واپس آؤ اور ماں باپ سے معافی مانگ لو۔۔۔ باقی مسئلہ بھی سلجھ جائے گا۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ جانتے ہیں ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔ ابا ضد کے پکے ہیں۔ وہ معافی بھی اسی شرط پر دیں گے کہ صیام سے شادی کر لوں۔"

عرفات ماموں خاموش رہے۔۔۔

"خوش نصیب کیسی ہے؟ اسے سمجھائیں خود کو سنبھالے۔۔۔ اللہ کی مرضی کے آگے کس کی چلتی ہے۔" اس کا لہجہ تاسف زدہ تھا۔

"سمجھاتا ہوں یار۔۔۔! مگر ابھی اس کی حالت نہیں سمجھنے والی۔۔۔ خیر میں نے صابر بھائی سے بات کر لی ہے۔۔۔ تم اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کا انتظام کرو۔۔۔ میں جلد از جلد اسے اس ماحول سے باہر نکالنا چاہتا ہوں ورنہ یہ سب اسے طعنے دے دے کر مار دیں گے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔۔۔ مجھے بس ضروری کاغذات بھجوا دیں۔ باقی میں سب دیکھ لوں گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے وہ میں بھجوا دیتا ہوں۔۔۔ چلو میں بند کرتا ہوں فون۔ تم ذرا غور کرو واپس آنے والی بات پر۔۔۔"

''ٹھیک ہے ماموں۔۔۔خدا حافظ۔۔۔''

''اپنا خیال رکھنا کیف۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔''

اپنے پورشن میں داخل ہونے سے پہلے وہ فون بند کر چکے تھے۔

☆......☆......☆

تین سال بعد۔۔۔

''واؤ۔۔۔یہ دیکھو۔۔۔یہ ٹویٹی کتنا کیوٹ ہے۔۔۔ہم پلیز یہ ایک لے لیتے ہیں۔۔۔دیکھو کتنا پیارا ہے نا یہ۔۔۔''اس دراز قد آدمی نے اپنے ساتھ موجود لڑکی کے آگے ایک ٹویٹی کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس لڑکی نے خفگی سے اس آدمی کو دیکھا اور ٹویٹی کو اس کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھ دیا۔''ہم یہاں کن چیزوں کی شاپنگ کے لیے آئے تھے معاویہ۔۔۔؟''منفرا نے اسے ٹوکا تھا۔

جی ہاں۔۔۔وہ جو سامنے ایک پیارا سا کپل شاپنگ کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں وہ معاویہ اور منفرا ہی تھے۔

کتنے مکمل لگ رہے تھے ایک ساتھ کھڑے۔۔۔

معاویہ نے ٹرالی پکڑ رکھی تھی تو منفرا پرام کو گھسیٹ رہی تھی جس میں دو بے حد پیارے بچے محوِ خواب تھے۔

معاویہ نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا تھا۔اس نے سارے زمانے سے اپنی خوشیاں چرا لی تھیں۔اپنے کہے کے عین مطابق اس کی شادی فلک بوس میں ہی ہوئی تھی اور فلک بوس کا بھوت اس بار اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکا تھا۔

اور اب وہ دونوں ایک ساتھ تھے۔۔۔

وہ دونوں ساتھ کھڑے اس قدر مکمل لگتے تھے کے جو بھی دیکھتا دل ہی دل میں سراہے بنا نہ رہ پاتا۔

دو ماہ پہلے ہی اللہ نے ان پر کرم کرتے ہوئے انہیں جڑواں بچوں سے نوازا تھا۔اور اب وہ دونوں شاپنگ مال میں کھڑے بحث کر رہے تھے۔

موضوع یہ تھا کہ معاویہ ہر دوسرے سوفٹ ٹوائے کو ہاتھ میں لے کر اس کی تعریف کرتا اور خریدنے کی کوشش کرتا جب کہ منفرا اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی کہ ان سوفٹ ٹوائے سے بچوں کو کھلانے کے لیے اسے کم از کم دو سال انتظار کرنا ہوگا۔وہ اپنے بچوں کے لیے دنیا کی ہر خوشی ہر آسائش خرید لینا چاہتا تھا۔

''ہم یہاں کن چیزوں کی شاپنگ کے لیے آئے تھے معاویہ۔۔۔؟''منفرا نے اسے ٹوکا تھا۔

''ایک سوفٹ ٹوائے سے کیا ہو جائے گا منفرا۔۔۔''وہ بیچارگی سے بولا۔''دیکھو یہ کتنا پیارا ہے۔۔۔''

''معاویہ یہ آٹھواں ٹوائے ہے جو تم صرف اس لیے لینا چاہتے ہو کہ یہ کیوٹ ہے۔۔۔بس اب اور بالکل نہیں۔۔۔''

معاویہ نے اس طرح منہ لٹکا لیا جیسے یہ سوفٹ ٹوائے وہ خود اپنے لیے لینا چاہتا تھا۔

''چلو نا۔۔۔''منفرا نے معاویہ کا بازو پکڑا اور اسے کھینچنے لگی۔

وہ بھی ہنس دیا اور آگے بڑھا۔۔۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتے ،ایک نسوانی ہاتھ آگے آیا تھا اور اس نے معاویہ کی جیکٹ کے کالر کو پکڑ کر اسے پیچھے گھسیٹنے کی کوشش کی تھی۔

''تم۔۔۔تم معاویہ ہو نا؟ معاویہ اردشیرازی؟''

وہ ایک سیلز گرل تھی جس نے نقاب کر رکھا تھا۔وہ جو کوئی بھی تھی اس کا لہجہ ہیجان خیزی سے لبریز تھا اور اس کی پھولی ہوئی سانسیں گواہی دیتی تھیں کہ وہ بھاگتی ہوئی معاویہ کے پاس آئی ہے۔منفرا اور معاویہ الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

''تم۔۔۔تم معاویہ ہو نا؟ معاویہ اردشیرازی؟'' ایک نسوانی ہاتھ آگے آیا تھا اور اس نے معاویہ کی جیکٹ کے کالر کو پکڑ کر اسے پیچھے گھسیٹنے کی کوشش کی تھی۔

معاویہ کو ایک جھٹکے سے رکنا پڑا تھا ساتھ چلتی منفرا بھی رک گئی تھی اور اب حیرت سے پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھی، جس بھی مقصد کے لیے اس نے معاویہ کو روکا تھا، بہر حال کالر سے پکڑ کر روکے جانا نہ صرف معاویہ کے لیے حیرت کا باعث بنا تھا تو ساتھ ہی ساتھ اس کے دل کو شدید ترین نا گواری سے بھر گیا تھا۔ لمحہ بھر میں ہی اس کے غصے کا گراف آسمان کو چھونے لگا۔ وہ رک گیا تھا، پیچھے کی طرف مڑ بھی گیا تھا لیکن اس کا چہرہ بتا تا تھا کہ اتنی جرات کا مظاہرہ کرنے والے انسان کا تعلق مخالف جنس سے نہ ہوتا تو اب تک وہ اسے ڈھول چٹا چکا ہوتا۔ بہت مشکل سے اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت میں آنے سے روکا تھا لیکن چہرے کے تاثرات شدید غصہ، نا گواری اور ساتھ ہی ساتھ خجالت سمیٹے ہوئے تھے۔

اور وہ لڑکی۔۔۔ وہ سر سے پاؤں تک عبائے میں لپٹی تھی حتیٰ کہ اس کا چہرہ بھی نقاب کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ مناسب قد و قامت والی وہ لڑکی۔۔۔ اس کی پھولی ہوئی سانسیں گواہی دیتی تھیں کہ وہ بھاگتی ہوئی معاویہ اور منفرا کے پاس آئی تھی۔

معاویہ نے اس نقاب پوش چہرے کو کھوج کر اسے پہچاننا چاہا تھا لیکن نا کامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں معاویہ نے ایک جھٹکے سے اپنا کالر اس کی مٹھی سے آزاد کروایا تھا۔

''کون ہو تم؟ اور یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' معاویہ جب پہچاننے میں نا کام رہا تو بے حد سختی سے بولا تھا۔

اس کے لیے یہ سب صورتحال بہت نا گوار تھی۔ اس کی فیملی ساتھ تھی اور ایک انجان لڑکی مال میں اس کا گریبان پکڑے کھڑی تھی۔ دوسری طرف اب ان کے ارد گرد ہجوم اکٹھا ہونے لگا تھا۔ لوگوں کے ہاتھ مفت تماشا آیا تھا۔۔۔ ہاتھ سے کیسے جانے دیتے۔

معاویہ اردشیرازی۔۔۔ بزنس کی فیلڈ کا ایک جانا پہچانا نام۔۔۔ اسے سب سے الگ تھلگ نظر آنا پسند تھا۔۔۔ سب سے بڑھ کر، سب میں نمایاں۔۔۔ اسے ہجوم کا حصہ بننا کبھی بھی پسند نہیں رہا اور ایسے ہجوم کا تو کبھی بھی نہیں جس میں وہ کسی منفی انداز میں مرکزِ نگاہ بن جائے۔

''کیا بات ہے بی بی۔۔۔ تنگ کر رہا ہے یہ آپ کو؟'' ایک لڑکے نے ہجوم میں سے آگے بڑھ کر ہیرو بننے کی کوشش کی۔

یہ المیہ ہے ہمارے معاشرے کا کہ جب بھی کہیں کسی مرد اور عورت کو بحث کرتے دیکھتے ہیں، تو قصوروار ہمیشہ مرد کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

''نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ پلیز آپ لوگ جائیں یہاں سے۔۔۔'' وہ لڑکی سٹپٹا کر بولی تھی۔ اپنی حرکت کے بے تکے ہونے کا احساس اسے شدت سے ہوا تھا۔

''ایکسکیوز می۔۔۔ آپ مجھے بتائیں کیا مسئلہ ہے؟ منفرا معاویہ کے آگے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی

اور خفگی بھی۔اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی سے بہتر طور پر ڈیل کر سکتی ہے۔

''آپ۔۔۔آپ کون؟'' آگے سے سوال ہوا تھا۔

''میں وائف ہوں ان کی۔۔۔مگر آپ کون ہیں اور یہ سب کیا ہے؟'' منفرا نے ایک نظر معاویہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''اوہ۔۔۔ میں۔۔۔میں۔۔۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی تھی۔''معاویہ جانتے ہیں مجھے۔''

''کیا۔۔۔؟'' معاویہ ہکا بکا رہ گیا۔''اوہ بی بی! میں نہیں جانتا تمہیں۔''

اتنی دیر میں مینجر بھی وہاں پہنچ گیا۔''ایکسکیوزمی راستہ دیجیے۔۔۔۔راستہ دیجیے پلیز۔۔۔''

وہ مشکل سے ہجوم میں راستہ بناتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچا تھا۔اس کے ساتھ سیکیورٹی گارڈز بھی تھے جنہوں نے آتے ہی لوگوں کو وہاں سے ہٹانا شروع کر دیا تھا۔

''مسٹر معاویہ۔۔۔؟'' مینجر نے اسے پہچان لیا تھا۔ ''کیا ہوا ہے سر؟''

''یہ تو آپ اپنی ان ورکر سے پوچھیئے جنہوں نے اچھا خاصا تماشہ بنا دیا ہے یہاں۔۔۔'' معاویہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔مینیجر معاویہ کی بات سن کر پیچھے مڑا تھا۔ابھی تک وہ اس نقاب پوش لڑکی کی طرح متوجہ نہیں ہوا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔؟ کیا ہے یہ سب؟''

مینجر نے گویا اپنا سر پیٹ لیا تھا۔وہ لڑکی روز کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتی تھی۔اگر جنت صاحبہ کی سفارش نہ ہوتی تو وہ شاید کب کا اس سے جان چھڑا چکا ہوتا۔وہ جواب سنے بغیر ہی معاویہ کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''سر! میں اس کی طرف سے آپ سے معذرت کرتا ہوں۔آپ کائنڈلی میرے آفس میں آئیں،ہم وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کر لیتے ہیں۔''

معاویہ نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔جانے کیوں ''خوش نصیب'' نام سنا سنا لگ رہا تھا۔وہ منفرا کی طرف مڑا تھا اور گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

''باقی شاپنگ کسی اور دن کر لیں گے منفرا! تم کار میں بیٹھ کر میرا ویٹ کرو۔ میں دس منٹ میں آرہا ہوں۔۔۔''

منفرا تذبذب کا شکار لگ رہی تھی۔''میں ساتھ چلوں۔۔۔؟''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ڈونٹ وری۔۔۔میں ابھی آتا ہوں تم جاؤ۔''

منفرا اثبات میں سر ہلا کر باہر جانے والے راستے پر مڑ گئی جبکہ معاویہ مینیجر کے ساتھ اس کے آفس کی طرف مڑ گیا۔وہ پبلک میں اس سے زیادہ ڈرامہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

"تم بھی آؤ آفس میں۔۔۔" منیجر نے جاتے جاتے کھا جانے والے انداز میں خوش نصیب کو آرڈر دیا تھا۔

"مسٹر معاویہ! بیٹھیے۔۔۔" مینیجر نے آفس میں پہنچ کر معاویہ کو کرسی پیش کی اور خود خوش نصیب کی طرف مڑ گیا معاویہ کی کرسی سے کچھ فاصلے پر کسی اسٹوڈنٹ کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔"ہاں بھئی۔۔۔ تم بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ کیا ڈرامہ کری ایٹ کیا ہے تم نے سب کے سامنے۔۔۔"

"سر معاویہ صاحب مجھ سے واقف ہیں۔۔۔ مجھے ان سے بہت ضروری کام تھا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، نادانستگی میں کیا۔۔۔ میں بہت عرصے سے انہیں ڈھونڈ رہی تھی آج جب میں نے انہیں دیکھا تو انکے پیچھے بھاگی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں پھر میں انہیں کھو نہ دوں۔۔۔"

" تو کیا اس کا مطلب ہے کہ تم کسی بھی شریف انسان کا کالر پکڑ واور سب کے سامنے اس کا تماشہ بنا دو۔۔۔" لہجہ بدستور سختی سمیٹے ہوئے تھا۔ کم از کم معاویہ کے سامنے وہ خوش نصیب سے نرم برتاؤ نہیں کر سکتا تھا۔ ساکھ کا سوال تھا۔ اگر غلطی معاویہ کی ہوتی تب بھی کم بختی خوش نصیب کی ہی آتی پھر اب تو قصوروار بھی وہ ہی تھی۔

"آئی ایم سوری سر۔۔۔" اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ وقت نے خوش نصیب کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

منیجر نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے معاویہ کو دیکھا جو ابھی بھی چہرے پر خوش نصیب کے لیے اجنبیت سجائے بیٹھا تھا۔ منیجر کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے لاتعلقی سے کندے اچکا دیے۔"میں ابھی بھی نہیں پہچان پایا۔۔۔"

خوش نصیب نے اس کی بات کے جواب میں لمحہ بھر کے لیے ہی سوچا تھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر اپنا نقاب ٹھوڑی تک سرکا لیا۔

معاویہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے چند لمحے ہی لگے تھے اسے پہچاننے میں۔۔۔ اور جب اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو پہچان لیا تو وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم۔۔۔ تم وہی ہو نا جسے شامیر نے۔۔۔"

ماضی کا ایک لمحہ خاموشی سے ان کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا۔

خوش نصیب نے تیزی سے ہاں میں سر ہلا دیا۔ معاویہ نے مینیجر کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

"آپ کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔ میں ان سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

منیجر نے جیسے ہی یہ بات سنی باہر جانے کے لیے مڑ گیا۔۔۔ "تمیز سے بات کرنا۔۔۔ کوئی فضول بات نہیں۔۔۔" خوش نصیب کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ تاکید کرنا نہیں بھولا۔

"میں نے تب بھی تمہیں ایک بات کہی تھی۔۔۔ کہ دوبارہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔۔۔" منیجر کے باہر جانے کی دیر تھی، معاویہ تیزی سے خوش نصیب کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خوش نصیب کو جادو کے زور سے کہیں غائب کر دے۔

"آپ نہیں جانتے کہ میں کتنے عرصے سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔۔۔" خوش نصیب نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔اور اگر سنی بھی تو اسے قابلِ غور نہ سمجھا تھا۔"پچھلے تین سالوں میں، میں نے کتنی دعائیں کی ہیں آپ سے ملنے کی۔۔۔آپ۔۔۔آپ نہیں جانتے کہ مجھے کتنی ضرورت تھی آپ کی۔۔۔آپ کو پتا کہ شامیر نے میرے ساتھ۔۔۔"

"ایک منٹ۔۔۔معاویہ نے چڑ کر اس کی بات کاٹی تھی۔"سنو لڑکی مجھے تم میں، یا شامیر میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔تم نے جتنا وقت میرا ضائع کرنا تھا پچھلے چالیس منٹ میں کرلیا ہے۔۔۔جتنا ڈرامہ تم نے کری ایٹ کیا ہے، دل تو میرا چاہتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کردوں۔۔۔مگر۔۔۔تم اب میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔۔۔دوبارہ اگر تم میرے سامنے آئی تو یاد رکھنا بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" بڑے ضبط کے ساتھ اس نے بات مکمل کی تھی اور باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"معاویہ۔۔۔معاویہ پلیز۔۔۔" خوش نصیب تقریباً بھاگ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔"ایسے مت کریں پلیز۔۔۔صرف آپ ہیں جو میرے حق میں گواہی دے سکتے ہیں معاویہ! پچھلے تین سال میں نے اپنوں سے کٹ کر گزارے ہیں صرف اس آس پر کہ میں آپ کو ڈھونڈ لوں گی اور سب پر ثابت کردوں گی کہ میں غلط نہیں تھی۔میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔۔۔" اس نے حقیقتاً دونوں ہاتھ معاویہ کے سامنے باندھ لیے۔

"صرف ایک بار میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔۔۔اور سب کو شامیر کے بارے میں سچ بتا دیں۔۔۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے اور پھسلتے ہوئے اس کے نقاب میں جذب ہونے لگے۔

"دیکھو بی بی! میں تمہاری جتنی مدد کرسکتا تھا۔۔۔تین سال پہلے کردی تھی۔۔۔اور وہ پہلی اور آخری بار تھا کہ میں نے تمہاری مدد کی تھی اور بتایا بھی تھا کہ دوبارہ کبھی مجھ سے یہ امید نہ لگانا۔میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا تم جیسی لڑکیوں کی مدد کرنے کا۔ویسے بھی اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تمہارے گھر والے میری بات سنیں گے اور یقین بھی کریں گے۔۔۔اب برائے مہربانی۔۔۔جان چھوڑ دو میری۔۔۔جو کرنا ہے اپنے بل بوتے پر کرو۔۔۔دوبارہ میرے پیچھے آنے کا سوچنا بھی مت۔۔۔ورنہ یاد رکھنا میں تمہارے حق میں شامیر سے بھی زیادہ برا ثابت ہوں گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کیا اور اس بار بغیر رکے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

خوش نصیب بندھے ہاتھوں اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

منفرا نے گاڑی کے پاس پہنچ کر پہلے بچوں کو بیک سیٹ پر کاٹ میں لٹایا، سامان کو ڈگی میں رکھنے کے بعد وہ فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی۔دل نا جانے کیوں پریشانی سے بھر گیا تھا۔اسے معاویہ پر پورا بھروسہ تھا، وہ جانتی تھی کہ اس لڑکی کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔۔۔شاید وہ کسی اور کی غلطی میں معاویہ کا کالر پکڑ بیٹھی تھی۔۔۔اب اللہ ہی اسے معاویہ کے غصے سے بچائے۔۔۔

http://kitaabghar.com

اگلے بیس منٹ سخت ٹینشن میں گذرے تھے۔۔۔یہاں تک کہ اس نے معاویہ کو تیزی سے پارکنگ کی طرف آتے دیکھا تھا۔ منفرا نے اس کا چہرہ جانچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔کم از کم اس کے چہرے سے وہ اس کا موڈ جاننے سے قاصر رہی۔

شادی کے تین سال بعد بھی وہ اس ہنر سے نابلد تھی کہ آخر مجازی خدا کے چہرے کو دیکھ کر دل کا حال کیسے جانا جائے۔۔۔مگر خیر ۔۔۔ اسے اس ہنر کی کچھ خاص ضرورت محسوس بھی نہ ہوتی تھی کہ معاویہ نے کبھی اسے اس مشکل میں نہیں ڈالا تھا۔

معاویہ گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر اندر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اُس نے ایک نرم سی مسکراہٹ منفرا کی جانب اچھالی تھی مگر منفرا کو کچھ بتانے کی زحمت نہیں کی۔منفرا نے چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا تھا مگر اسے ہنوز خاموش دیکھ کر بالآخر اسے پکار بیٹھی تھی۔

"معاویہ۔۔۔!"

معاویہ نے ابھی بھی جواب دینے کی بجائے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ سب کیا تھا؟ کون تھی وہ لڑکی؟" منفرا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں تھا یار۔۔۔اگنور کرو۔۔۔"

منفرا نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ منفرا کو اس طرح ٹال دینے کا عادی نہیں تھا۔کم از کم آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

"کچھ تو بتاؤ۔۔۔میں پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں پریشان بیٹھی ہوں اور تم کہہ رہے ہو کچھ نہیں تھا۔" وہ کچھ چڑ کر بولی تھی۔

"پریشان کیوں بیٹھی تھی؟" معاویہ نے شرارت سے کہا۔"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تمہیں لگ رہا ہے کہ تمہارے ہزبنڈ نے چھپ کر دوسری شادی کی ہوئی ہے۔۔۔اور یہ جو اندر محترمہ بدتمیزی پر اتر آئیں تھی یہ وہی خاتون تھی جن سے میں نے دوسری شادی کی ہے۔۔۔اور اب وہ محترمہ مجھے کالر سے پکڑ کر ساری دنیا کے سامنے بے نقاب کرنے والی تھیں۔۔۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔"وہ جو فلمز تم شوق سے دیکھتی ہو ان میں ایسا ہی ہوتا ہے نا۔۔۔"

منفرا چپ چاپ خفگی سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔جب اسے لگا کہ معاویہ اسے کچھ نہیں بتائے گا تو اس نے ناراضگی سے چہرہ موڑا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔معاویہ اس کی بچوں کی سی خفگی پر نرمی سے مسکرا دیا۔

"منفرا۔۔۔" اس نے پکارا مگر منفرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔"اے منفرا۔۔۔! سنو نا۔۔۔ایک مسئلہ ہے۔۔۔"

"کیا؟" منفرا کی آواز ابھی بھی ناراض ناراض سی تھی۔

"یار اس کے پاس کوئی بچہ نہیں تھا۔ایسی فلمز میں ایک بے بی بھی تو ہوتا ہے لڑکی کے پاس۔۔۔شاید گھر چھوڑ کر آئی تھی۔۔۔"

معاویہ کا شرارت بھرا لہجہ۔۔۔منفرا کنٹرول کرتے کرتے بھی مسکرا دی تھی۔اور معاویہ اس کی مسکراہٹ سے مطمئن ہو گیا کہ شاید وہ اب اس ٹاپک پر بات نہیں کرے گی۔۔۔مگر منفرا پھر سے اصل بات پر لوٹ آئی۔

''بتاؤ نا معاویہ کیا ایشو تھا؟ مجھے بہت بری لگی تھی اس لڑکی کی حرکت۔۔۔اتنے لوگوں میں ڈرامہ کری ایٹ کر کے رکھ دیا۔میں تو ڈر گئی تھی کہ لوگ مارنے نہ لگ جائیں ہمیں۔۔۔ایسے لوگوں کو ہمیشہ اکیلی لڑکی ہی مظلوم نظر آتی ہے۔''اسکے لہجے میں خوف جھلک رہا تھا۔

''ارے ایسے کیسے مارنے لگ جاتے۔۔۔''معاویہ نرمی سے بولا۔''ان کے سامنے معاویہ اردشیر ازی کھڑا تھا۔کوئی عام انسان نہیں کہ اس پر ہاتھ اٹھاتے۔۔۔اور میری جان تم کیوں اس مسئلے پر اتنا سوچ رہی ہو؟ تمہیں نہیں معلوم۔۔۔یہ لڑکیاں ایسے ڈرامے اکثر جگہوں پر کرتی نظر آتی ہیں۔مقصد صرف کچھ پیسے بٹورنا ہوتا ہے۔۔۔'' وہ اسے خوش نصیب کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

''میں اس لڑکی کی باتوں میں نہیں آیا۔آئی ایم شیور اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ لڑکی کوئی نا کوئی جھوٹ بول کر لوگوں کو میرے خلاف کرتی اور کچھ پیسے لے کر جان چھوڑتی۔۔۔تم پریشان مت ہو۔۔۔میں سارا معاملہ مینجر کے سپرد کر کے آیا ہوں۔۔۔دوبارہ ہمت نہیں ہو گی اس کی کہ کسی شریف انسان کا گریبان پکڑے۔۔۔''

منفرا اس جواب سے کسی حد تک مطمئن نظر آنے لگی تو معاویہ نے سکھ کا سانس لیا اور دوبارہ ساری توجہ سڑک پر مرکوز کر دی۔

''ویسے وہ لڑکی تھی کون؟ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ تمہیں جانتی ہے۔۔۔اسے نام معلوم تھا تمہارا۔۔۔''منفرا کی آواز گاڑی میں گونجی۔

اس نے بات برائے بات کی تھی۔۔۔مگر معاویہ۔۔۔

''یار تم چھوڑ کیوں نہیں دیتی اس ٹاپک کو؟''معاویہ کا پارا ایک دم ہائی ہو گیا۔''تمہیں شک ہے مجھ پر؟ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہا کہ میں مزید اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہ رہا۔ساری بات بتا تو دی ہے تمہیں اور کیا بتاؤں۔۔۔میرا نام جاننا کوئی بڑی بات نہیں، بہت سارے لوگ مجھے بزنس مین کے طور پر جانتے ہیں۔۔۔''غصے میں اس کی آواز قدرے بلند ہوئی تو پیچھے سویا ننھا وسامہ نیند میں کسمسا اٹھا اور رونے کی نیت سے منہ بسورنے لگا۔منفرا فوراً پیچھے مڑ کر اسے تھپکنے لگی۔۔۔معاویہ بھی چپ ہو گیا۔

''کیا ہو گیا ہے معاویہ؟'' منفرا خفگی سے بولی تھی۔''میں نے بس ایک بات کہی ہے۔اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہو؟''

''ایک بات۔۔۔ایک بات نہیں کہی۔۔۔تم بار بار ایک ہی بات کہہ رہی ہو۔۔۔اور مجھے یہ چیز تکلیف دے رہی ہے کہ میری بیوی مجھ پر شک کر رہی ہے۔۔۔''

''میں شک نہیں کر رہی معاویہ۔۔۔''وہ بے چارگی سے بولی۔''میں کیوں کروں گی تم پر شک۔۔۔ایسے ہی پوچھ بیٹھی تھی۔اگر نہیں بتانا چاہتے ہو تو اوکے فائن۔۔۔ہائپر مت ہو تم۔''

منفرا نے بات مکمل کرنے کے بعد رخ موڑ لیا اور کھڑکی سے باہر بھاگتے مناظر پر نظر جما دی۔

وسامہ دوباہ سوچ چکا تھا۔

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی جو فضا میں موجود تناؤ کو بڑھاوا دے رہی تھی۔

معاویہ گلٹی فیل کرنے لگا تھا۔ دل ہی دل میں کوسا۔۔۔ پہلے خوش نصیب کو کہ جس نے اس کی پیاری بیوی کو تجسس میں مبتلا کیا تھا اور پھر خود کو کہ کیا ضرورت تھی منفرا سے اس طرح بات کرنے کی۔

"اب کیا کرنا ہے معاویہ صاحب۔۔۔" اس نے دل ہی دل میں خود سے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے؟ مناؤ اسے۔۔۔ جو لوگ سوچ سمجھ کر نہیں بولتے ان کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔" دل نے ڈپٹ کر کہا۔

"کیسے مناؤں یار؟ مشورہ ہی دے دو۔۔۔"

"خود سوچ۔۔۔ یا دماغ سے پوچھ۔۔۔ جس کے کہنے پر اسے ڈانٹا ہے۔" دل نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

معاویہ نے گہرا سانس لیا۔

کچھ سوچ کر اپنا کندھا، منفرا کے کندھے سے ٹکرایا۔

"اے۔۔۔ ناراض ہو گئی ہو؟"

"نہیں۔۔۔" لٹھ مار جواب۔۔۔

"پھر میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہی۔۔۔ باہر دیکھتی جا رہی ہو۔" وہ چھوٹے بچے کی طرح معصومیت سے بولا۔

"کیونکہ باہر کے مناظر دیکھنا تمہارا غصہ دیکھنے سے اچھا ہے۔"

"اچھا یار سوری۔۔۔ معاف کر دو۔۔۔ کہو تو کان بھی پکڑ لیتا ہوں۔۔۔" اتنا کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا اور منفرا کا کان پکڑ لیا۔

منفرا نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اسے گھور کر دیکھنا چاہا لیکن اس کے شرارت اور چہرے پر چھائی معذرت نے منفرا کے غصے کے لیے ٹھنڈے پانی کا سا کام کیا تھا۔ لمحہ بھر میں اس کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ ٹھنڈے میٹھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ اسے دیکھتی رہی۔ معاویہ نے ہاتھ بڑھایا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل کو سنبھالتے ہوئے اس نے منفرا کو دوسرے بازو کے حلقے میں لے لیا تھا۔ منفرا نے پرسکون ہو کر اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔

گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی لیکن اس بار اس خاموشی میں بھی سکون تھا۔

"معاویہ۔۔۔" منفرا نے پکارا۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

''ہم مم م۔۔۔'' معاویہ نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

''نومبر اسٹارٹ ہو گیا ہے۔۔۔'' اس نے جیسے اطلاع دی تھی۔ ''اس بار کیا پلان ہے اینورسری کا؟''

''جو تم کہو۔۔۔ جیسا تم چاہو۔۔۔'' معاویہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رکی تھی۔

''پرومس۔۔۔؟''

''ایسا پہلے کبھی ہوا ہے کہ تمہارے منہ سے بات نکلے اور میں پوری نہ کروں؟''

''تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔'' منفرا ایکسائیٹڈ ہو کر سیدھی ہو بیٹھی۔ ''اس بار ہم اپنی اینیورسری بشام میں سیلیبریٹ کریں گے۔۔۔ فلک بوس میں۔۔۔''

''فلک بوس میں؟ یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟'' معاویہ کا لہجہ سنجیدگی اختیار کر گیا۔

''میں۔۔۔ میں کچھ دن ساری دنیا سے کٹ کر سکون سے گزارنا چاہتی ہوں معاویہ۔۔۔'' وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔ ''تمہیں نہیں لگتا معاویہ کہ ہمارے پاس اب ایک دوسرے کے لیے زیادہ وقت نہیں بچتا۔ زندگی بہت مصروف ہو گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کچھ دن اس بھاگتی دوڑتی زندگی سے ہٹ کر ہم اکٹھے گزاریں۔۔۔ جہاں تم ہو، میں ہو، اور ہمارے بچے۔۔۔''

''تم نے پہلے کبھی ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔۔۔ ٹھیک ہے اس بار ہم پورے ہفتے کے لیے فلک بوس جائیں گے۔ خوش۔۔۔؟'' معاویہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''یہ ہوئی نا بات۔۔۔'' منفرا نے دوبارہ سر اس کے کندھے سے ٹکاتے ہوئے نعرہ لگایا۔ ''ویسے بھی اس سے پہلے جتنی بار بھی ہم فلک بوس گئے ہیں، تم ایک دن سے زیادہ وہاں رکنے کو راضی نہیں ہوئے۔۔۔'' منفرا لاڈ سے بولی۔

''ٹائم کی کمی ہے جناب۔۔۔ کیا کروں۔۔۔''

''اس بار ٹائم کا بہانہ نہیں چلے گا۔۔۔ اپنے وعدے پر قائم رہیے گا۔۔۔ پورے سات دن۔۔۔ اوکے۔۔۔''

''اوکے۔۔۔'' معاویہ نے اپنا سر نرمی سے اس کے سر سے ٹکرایا تھا۔ منفرا مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

''ارے ہاں۔۔۔ یاد آیا۔۔۔''

''کیا؟'' منفرا پھر سے سیدھی ہو بیٹھی۔

''میں نے مسز رضوی سے بات کی ہے وسامہ اور ہدیٰ کی کیئر ٹیکر کے لیے۔۔۔''

''اچھا۔۔۔ کیا کہتیں وہ۔۔۔؟''

وسامہ اور ہدیٰ پرسکون رہنے والے بچے تھے مگر آئیڈینٹیکل ٹونز تھے۔ ایک بچہ روتا تو دوسرا بھی رونا شروع کر دیتا۔ ایک ہنستا تو

دوسرا بھی ہنس دیتا۔ دونوں کو بھوک بھی ایک ساتھ لگتی تھی۔ الغرض منفرا ان دونوں میں گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے کوشش کی تھی کہ کچھ عرصے کے لیے منفرا کی والدہ ان لوگوں کے پاس پاکستان آ جائیں، مگر جمال صاحب اور ایڈم کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا سو کچھ دن ان لوگوں کے پاس رہ کر وہ واپس چلی گئیں تھیں لہذا اب ان لوگوں نے کیئر ٹیکر کی تلاش شروع کر دی تھی۔

''کہہ رہی تھیں وہ کمنگ فرائیڈے کو بجھوائیں گی کسی کو۔۔۔ میں نے نیوز پیپر میں ایڈ بھی دے دیا ہے۔۔۔ فرائیڈے کا ہی ٹائم دیا ہے ایڈ میں۔۔۔ اب آگے تمہارا کام ہے۔۔۔ اچھے سے تسلی کر کے سلیکٹ کر لینا۔۔۔ اوکے۔۔۔''

''تھینک گاڈ۔۔۔ یہ مسئلہ تو حل ہو جائے گا۔ قابو ہی نہیں آتے تمہارے بچے میرے تو۔۔۔''

معاویہ نے مسکراتے ہوئے اسے مزید تفصیلات بتانے لگا۔

☆......☆......☆

اسلام آباد کے سیکٹر ایف میں مین روڈ پر واقع وہ ایک دو منزلہ عمارت تھی۔ پہلی منزل پر کسی ٹریول ایجنسی کا آفس تھا جب کہ دوسری منزل پر ہفت روزہ فیشن میگزین ''نئی دُنیا'' کا آفس تھا۔

کیف اور زر گل نے جب بائیک لا کر وہاں روکی تو آفس کے آگے سڑک پر بے تحاشہ رش لگا ہوا تھا۔ لوگوں کا سیلاب دائرے کی شکل میں کھڑا تھا اور جو بھی ہو رہا تھا وہ دائرے کے اندر تھا۔

''اوئے لالے۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' زر گل حیرانی سے، کیف کے کندھے پر ایک دھپ رسید کر کے بولا۔

اب یہ زر گل بھی ایک انوکھا کیس تھا۔ راولا کوٹ سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان ایک معزز کشمیری فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ باپ کا اپنا خشک میوہ جات کا وسیع کاروبار تھا مگر یہ حضرت جاب کرنے کے شوق میں اسلام آباد میں رہائش اختیار کیے ہوئے تھے۔ آبائی لحاظ سے تو پکا پٹھان تھا لیکن دل کے چار کونے چار صوبوں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ پشتو نما اردو تو بولتا ہی تھا، ساتھ ساتھ پنجابی کا تڑکا بھی ڈالتا تھا اور سندھی اور بلوچی زبان کے تڑکے بھی لگاتا تھا۔ پٹھان تھا مگر پٹھانوں کے ہی بے تکے لطیفے سنا سنا کر سب کو ہنساتا تھا اور خود بھی ہنستا تھا۔ اب لطیفہ چاہے جتنا بھی بے کار ہو اس کا انداز سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ''جیو اور جینے دو'' پر یقین رکھنے والا یہ زندہ دل نوجوان پور پور پاکستان کے عشق میں ڈوبا ہوا تھا۔

کیف سے اس کی ملاقات اسلام آباد میں ہی ہوئی تھی۔ ''نئی دنیا'' میں ان دونوں کو ایک ساتھ ہی اپائنٹ کیا گیا تھا۔ چونکہ دونوں نے ہی نیا نیا پریکٹیکل لائف میں قدم رکھا تھا سو جلد ہی دونوں میں دوستی ہو گئی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ اب یہ حال تھا کہ دونوں ہر وقت، ہر جگہ ایک ساتھ ہی پائے جاتے تھے۔ ان کی ٹیم، اور مینیجمنٹ انہیں اکٹھا دیکھنے کی اس حد تک عادی ہوئی تھی کہ ہر پراجیکٹ اور ہر اسائنمنٹ انہیں ایک ساتھ ہی اسائن کی جاتی تھی اور حیران کن طور پر نتائج بھی بہترین ملتے تھے۔

"بندر کا تماشا۔۔۔؟" کیف نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

"اوئے نہیں لالا۔۔۔! بندر کے تماشا ہوتی تو اتنا رش نہ ہوتا۔ وہ تو عوام کو ہر نیوز چینل پر دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ یہاں کچھ اور ہوتا لگ رہا ہے۔"

وہ اچک اچک کر دائرے کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"فری کا پزا بانٹ رہے ہیں۔۔۔ جا تو بھی لے لے۔" کیف نے اسے آگے کو دھکیلا۔

"ہیں بھائی؟ چیز ونڈی دی؟ آ جا دونوں بھائی مل کر لیتے ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کیف کا بازو پکڑ کر اسے بھی ساتھ گھسیٹا۔

دونوں رش میں جگہ بناتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔

"اوئے جگہ دے دو۔۔۔ ہم کو بھی پیزا کھانی ہے۔" زرگل نے مسخرے پن سے بولتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

کیف بھی ہنستے ہوئے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ مگر جب دونوں دائرے میں پہنچے، دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گیا تھا۔

دائرے میں ان کے آفس کے ہی دو گارڈ ایک مفلوک الحال شخص کو بری طرح زدوکوب کر رہے تھے۔ وہ زمین پر گرا ہوا تھا اور گارڈز مسلسل اس پر ٹھوکریں برسا رہے تھے۔ زمین پر گرا ہوا وہ بوڑھا شخص خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر بری طرح ناکام ہو رہا تھا۔

زرگل کو چند لمحے لگے تھے شاک سے نکلنے میں اور اس کے بعد وہ بجلی کی سی تیزی سے گارڈز کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے ایک گارڈ کو دھکا دے کر اس بوڑھے آدمی سے دور دھکیل دیا تھا اور دوسرے کی طرف بڑھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرے گارڈ کو کچھ کہتا کیف اس گارڈ کو دور ہٹا چکا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟ کیوں مار رہے ہو اسے؟" کیف غصے سے بولا تھا۔

گارڈز ایک لمحے کے لیے ہچکچائے مگر پھر ایک ہمت کر کے بولا۔ "صاحب یہ چوری کی نیت سے آفس کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے فون پر اس کی باتیں سنی ہیں۔"

زرگل سہارا دے کر اس آدمی کو زمین سے اُٹھا رہا تھا۔ اس کے مٹی میں اٹے ہوئے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھی اور ہونٹوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

"صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔۔۔" وہ بندہ روتے ہوئے بولا تھا۔

اس سے پہلے کیف یا زرگل کچھ بول پاتے، ایڈیٹر یعنی علوی صاحب بذاتِ خود وہاں تشریف لے آئے تھے۔ انہوں نے مسئلہ وہاں حل کروانے کی بجائے آفس میں بیٹھ کر بات کرنے کو ترجیح دی۔

لوگوں کے ہجوم کو تتر بتر کر کے وہ لوگ آفس میں آ گئے تھے۔ مفلوک الحال شخص بھی ان کے ساتھ تھا جبکہ کیف گارڈز سے تفصیل جاننے کے لیے باہر ہی رک گیا تھا۔

اسے ایک کرسی پر بٹھا کر پانی پلایا گیا۔ جب تک کیف کی واپسی ہوئی زرگل اس کے زخم صاف کر کے اسے درد کش دوا بھی کھلا دی تھی۔ زخم آئے ضرور تھے مگر کوئی بھی زخم خطرناک نہیں تھا۔ اس دوران آفس کے باقی لوگ بھی اس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔

''ہاں جی بابا جی۔۔۔اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' کیف نے کہا۔

''پتر کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے جانے دو۔۔۔ تمہاری مہربانی۔'' وہ خوفزدہ سا بولا تھا۔

''اوہ بابا جی۔۔۔ جانے دیں گے۔۔۔ پہلے ہمیں بتاؤ باہر کیا ہوا تھا۔ گارڈز کہتے ہیں انہوں نے تمہیں باتیں کرتے سنا ہے۔ یہاں ڈکیتی کا پلان بنا رہے تھے تم۔ اگر ایسا ہے تو تمہیں تو ہم پولیس کے پاس بھیجیں گے۔'' کیف نے دھمکی دی۔

''نہیں پتر جی!'' وہ رو دیا۔ ''میں نے کیا چوری کروانی ہے۔ میں تو خود لٹا ہوا ہوں۔ میں کیا ڈکیتی کرواؤں گا؟''

''اچھا۔۔۔ پھر تم ہمیں بتاؤ کے باہر ہوا کیا تھا؟ کیوں مارا تمہیں گارڈز نے؟'' علوی صاحب کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

''صاحب! میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔'' اس نے روتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ''میں تو بس اس آفس کے مالک سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں ساری بات بتائی تو ان لوگوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ وہ خود جگنو والی سرکار کے مرید ہیں۔''

''جگنو والی سرکار کیا ہے اب؟'' علوی صاحب بولے۔

''ہیں؟ ایسا کیا بتایا تھا تم نے انہیں کہ وہ تمہیں مارنے لگے؟'' علی زین بولا۔

''اور آفس والوں سے کیوں ملنا تھا تم نے؟'' طاہر صاحب نے دوسرا نقطہ اٹھایا۔

وہ سب اس کے اردگرد دائرہ بنا کر کھڑے تھے اور وہ خود کرسی پر سہما ہوا سا بیٹھا تھا۔

''صاحب مجھے دین محمد کے بیٹے نے کہا تھا کہ آپ لوگ میری مدد کریں گے۔ اس کا بیٹا یہاں شہر میں کام کرتا ہے نا۔''

کیف آگے بڑھا اور بابا جی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''بابا جی! آپ ہمیں ساری بات بتائیں۔۔۔ اس کے بعد ہی پتا چلے گا کہ ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟'' کیف نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''پتر میری بہن کی بچی لاپتہ ہے۔'' اس بوڑھے نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! اس معاملے میں آپ کی مدد پولیس ہی کر سکتی ہے۔'' کیف نے بولنا شروع کیا مگر زرگل نے اسے ٹوک دیا۔

''شش۔۔۔ ایک منٹ یار کیف۔۔۔ انہیں بات پوری کرنے دو۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ ''بابا جی آپ بولو۔۔۔ کیا ہوا ہے آپ کی بھتیجی کے ساتھ۔''

"پتر! میرا نام دین محمد ہے۔ میری ایک ہی بہن ہے۔ دو بچیاں ہیں اس کی۔ شوہر اس کا بچیوں کے بچپن میں مر گیا تھا۔ اس کی بچیوں کو میں نے ہی پالا ہے اپنی بیٹیوں کی طرح۔ پالا پوسا، اپنی حیثیت کے مطابق لکھایا پڑھایا بھی۔ ان میں سے بڑی بچی کا رشتہ ہو گیا تھا۔ دو ماہ پہلے شادی تھی اس کی۔۔۔" وہ اتنا بول کر چپ ہو گیا۔

"بولتے رہیں بابا جی! ہم سے جو ہو سکا آپ کے لیے کریں گے۔۔۔" طاہر صاحب نے انہیں مزید بولنے کا حوصلہ دیا۔

"پھر پتا نہیں کیا ہوا، ایک دم اس پر دورے پڑنا شروع ہو گئے۔ بیٹھے بیٹھے ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے تھے، رونے لگتی روتے چیخیں مارتی تھی۔ کسی اور زبان میں باتیں کرنے لگتی تھی۔ کسی سیانے نے بتایا کہ اس پر جن کا سایہ ہے۔ کوئی بری بھٹکی ہوئی روح ہے جس نے قبضہ کر لیا ہے بچی کے جسم پر۔ ہم نے بات چھپانے کی کوشش کی مگر ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔ اس کے سسرال والے آئے رشتہ ختم کر گئے۔ ہمارے گاؤں سے دو گاؤں آگے بیٹا جی ایک بابا جی بیٹھتے ہیں۔۔۔ جگنو والی سرکار۔۔۔ ہمیں کسی نے کہا کہ ان کے پاس لے جائیں بچی کو۔۔۔ وہ علاج کر دیں گے۔ بیٹا ہمیں کیا پتا تھا۔۔۔ ہم ان کے پاس لے گئے۔۔۔"

بوڑھے کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ وہ اس شدت سے رو رہا تھا کہ کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ اسے آگے بتانے پر مجبور کرے۔

کچھ دیر بعد جب اس کے آنسو تھمے تو اس نے پھر سے بولنا شروع کیا۔

"بابا جی نے بچی کو دیکھا اور دیکھتے ہی بتا دیا کہ بچی کے پیچھے کوئی بد روح پڑ گئی ہے جو اس سے یہ سب کرواتی ہے۔ ہماری بدقسمتی کہ ہم نے اس کی بات مان لی۔ اس نے ہماری بچی کا علاج شروع کیا۔ پندرہ دن علاج ہوتا رہا۔ میری بھانجی کی حالت سنبھلنے لگی مگر وہ ان بابا جی کے پاس جانے کو راضی نہ ہوتی تھی۔ ہم مطمئن ہو گئے تھے کیونکہ بابا جی نے بتایا تھا کہ وہ بد روح لڑکی کو ایسی ضد کرنے پر مجبور کرے گی۔ علاج ہوتا رہا۔ پندرہ دن بعد بابا جی نے کہا کہ چلہ پورا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ بچی کو دو دن اور دو راتوں کے لیے ان کے آستانے پر ہی چھوڑا جائے۔ بابا جی بڑے اللہ والے تھے۔ ارد گرد کے گاؤں کے لوگ بھی ان کی ایسے عزت کرتے تھے جیسے وہ مائی باپ ہوں۔

ہم نے ان کے بھروسے بچی کو وہاں چھوڑ دیا۔ وہ رکنا نہیں چاہتی تھی پھر بھی اسے وہاں چھوڑ آئے۔ ایک بار بھی نہیں سوچا کہ ہماری بچی وہاں محفوظ رہے گی بھی یا نہیں۔

بابا جی نے ہمیں دو دن بعد آنے کا بولا تھا۔ ہم بھی سکون سے گھر میں بیٹھ گئے۔۔۔"

وہ بوڑھا آدمی کھوئے کھوئے انداز میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ اس آنکھوں کے سامنے جیسے وہ تمام مناظر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔ میٹنگ روم میں فی الحال دین محمد کی آواز کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

"دو دن بعد میں اور میری بہن آستانے پر پہنچے۔ گھر پر باقی سب لوگ خوشی خوشی انتظار کر رہے تھے کہ جب ہم زلیخاں کو لے کر واپس آئیں گے تو وہ بالکل ٹھیک ہو گی۔ ہم آستانے پر پہنچے۔۔۔ ہمیں بابا جی کے سامنے پہنچا دیا گیا۔۔۔ اور انہوں نے کہا۔۔۔

زلیخاں آستانے پر نہیں ہے۔۔۔ چلہ کامیاب نہیں ہو سکا۔۔۔ وہ بدروح زلیخاں کو ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

دین محمد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہ سب کے سب خاموش کھڑے رہ گئے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے اور کیا کہہ کر تسلی دی۔

"باباجی۔۔۔!" کیف آگے بڑھا۔"یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کو یقیناً بیوقوف بنایا گیا ہے۔ یہ روح جن بھوت ۔۔۔ان سب کا ہماری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یقیناً آپ کی بھانجی کے ساتھ ویسا کچھ نہیں ہوا جو بتایا گیا ہے۔" کیف کی ہمت نہیں ہوئی کہ انہیں کوئی تلخ بات بتاتا۔

"بیٹا جی۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ میری زلیخاں کے ساتھ وہ سب نہیں ہوا جو ہمیں بتایا گیا۔"

"پھر سچ کیا ہے؟" علوی صاحب نے عینک کو ناک کی نوک سے پیچھے دھکیلتے ہوئے پوچھا۔

"دو ہفتے پہلے ساتھ کے گاؤں کی نہر سے زلیخاں کی لاش ملی ہے۔" وہ گم صم سا بولا تھا۔

وہ سب کے سب شاک رہ گئے۔

"بڑے اسپتال کے ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ زلیخاں کی موت لاش ملنے سے کم از کم چار دن پہلے ہوئی تھی۔ اسے گلا دبا کر مارا گیا ہے۔ اس کے چہرے پر نوچ کھسوٹ کے نشان تھے اور اس کے جسم پر......"

بوڑھا آدمی بولتے بولتے بری طرح سسکنے لگا حتیٰ کہ اس سے اپنا جملہ بھی مکمل نہ کیا جا سکا۔

اب سارے آفس میں خاموشی چھا گئی بوجھل اور معنی خیز سی۔

باباجی مزید کچھ نہ کہتے تب بھی سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ اس لڑکی پر مرنے سے پہلے کیا کچھ بیتا ہو گا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ کام اس بدروح کا ہے؟" چند منٹ بعد کیف نے تلخی سے پوچھا تھا۔

"کاش اسی کا ہوتا۔۔۔ مگر میری آنکھیں کھل گئیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری بچی کو اس دردناک موت کا شکار کرنے والوں کا تعلق اسی آستانے سے ہے۔۔۔ جگنو والی سرکار ہی ہے جو میری بچی کی موت کا ذمہ دار ہے۔" وہ روتے ہوئے بولا تھا۔ پھر ایک دم اس نے علوی صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"صاحب آپ بھی بیٹی والے ہو گے۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ آپ کو اللہ کا واسطہ ہے مجھے انصاف دلا دو۔ میری معصوم زلیخاں معلوم نہیں کیا کیا سہہ کر دنیا سے گئی ہے۔۔۔ میں نے اپنی زلیخاں کھو دی صاحب تم باقی سب زلیخاں کو بچا لو اس سے۔۔۔ میں پاؤں پڑتا ہوں آپ کے۔"

وہ سچ مچ اپنی جگہ سے اٹھا اور علوی صاحب کے پاؤں پکڑ لیے۔

سب افسردگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بولنے کی ہمت کسی میں بھی نہیں تھی۔

علوی صاحب نے اس کے بندھے ہاتھ پکڑ کر کھولے اور اسے اٹھا کر کھڑا ہونے میں مدد دی۔

"دیکھو بابا جی! ہم آپ کی مدد ضرور کرتے۔۔اگر ہم کر سکتے تو۔۔۔آپ کے پڑوسی کے لڑکے نے آپ کو غلط جگہ بھیج دیا ہے۔ آپ پولیس کے پاس جاؤ۔۔۔اسے سب بتاؤ۔۔۔یا کسی ٹی وی چینل والوں کے پاس۔۔۔ہمارا میگزین اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر پائے گا۔" علوی صاحب نے اسے اندھیرے میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

کیف کو، دین محمد کو سمجھانے بجھانے کا کہہ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ باقی لوگ بھی بجھے دل کے ساتھ وہاں سے چل دیے۔

تلخ حقیقت چاہے جتنی بار مرضی سامنے آئے، ہمیشہ ایک سی تکلیف دیتی ہے۔ کبھی انسان کو اپنا عادی نہیں ہونے دیتی۔

کیف نے سب کے جانے کے بعد دین محمد کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا اور بھاری دل کے ساتھ اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔

☆......☆......☆

وہ نومبر کی ایک خوبصورت صبح تھی۔

صبح کے چہرے پر ابھی رات کا مہین پردہ پڑا تھا۔

رات کے سرکتے ہوئے پردے کی اوٹ میں رضوی ہاؤس بالکل خاموش تھا۔

فجر کی اذان شروع ہو چکی تھی۔ مسز رضوی نے اذان ختم ہونے کا انتظار کیا اور اذان ختم ہوتے ہی بستر سے نکل آئی۔

مسٹر رضوی کو ضروری کام سے کل لاہور جانا پڑا تھا ورنہ وہ خود جاگنے کے ساتھ ساتھ انہیں بھی نماز کے لیے جگا لیتی تھیں۔ یہ ان کا برسوں کا معمول تھا۔

مسٹر اینڈ مسز رضوی۔۔۔کو اللہ نے دو بچوں سے نوازا تھا۔ بڑا بیٹا تھا جو کہ اپنی فیملی کے ساتھ اسٹریلیا میں رہتا تھا اور بیٹی بیاہ کر انگلینڈ جا چکی تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی اب گھر میں اکیلے ہوتے تھے۔

کافی عرصے سے ان کا بیٹا پیچھے پڑا تھا کہ اب وہ دونوں اس کے پاس آسٹریلیا آ جائیں اور اس کے پاس ہی رہیں لیکن تنہائی کا شکار ہونے کے باوجود دونوں میاں بیوی پاکستان چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

تین سال پہلے اس تنہائی کے احساس کو کم کرنے کے لیے خوش نصیب ان کے پاس آئی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ انہیں کوئی فائینینشیل ایشو تھا لیکن جب ان کے مسٹر رضوی کے دوست نے اپنی بھانجی کو ان کے پاس بھیجنے کی بات کی تھی تو سختی سے کوئی مفت خدمت لینے سے منع کر دیا تھا۔ مجبوراً رضوی صاحب تھوڑا بہت کرایہ لینے پر راضی ہو گئے تھے۔ یوں ایک طرف کوش نصیب کو رضوی ہاؤس میں رہنے کے لیے انیکسی مل گئی تو دوسری طرف ان کا بیٹا بھی گھر میں خوش نصیب کی موجودگی سے کچھ مطمئن ہو گیا۔

حالات شاید ایسے ہی رہتے اگر چار ماہ پہلے مسز رضوی کو رات میں انجائنا کا اٹیک نہ ہوتا۔۔اس اٹیک نے ان کے بیٹے کو پھر سے فکر مند کر دیا تھا۔اس بار اس نے صرف فون پر اصرار نہیں کیا۔وہ خود پاکستان آیا اور تب تک ماں باپ کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک وہ دونوں اس کے ساتھ جانے کو راضی نہیں ہو گئے۔وہ خود تمام کاغذی کاروائی پوری کر کے واپس گیا تھا اور اب دو ہفتے بعد وہ دونوں اپنے بیٹے کے پاس جا رہے تھے۔

باقی بچی خوش نصیب۔۔۔تو اسکے ساتھ ساتھ اس کی رہائش کے لیے وہ دونوں میاں بیوی آج کل اس کے لیے پریشان تھے۔ زیادہ برا یہ ہوا کہ دو دن پہلے خوش نصیب کو اس کی اکاؤنٹنٹ کی جاب سے بھی جواب دے دیا گیا تھا۔

مسز رضوی وضو کر کے نماز ادا کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

نماز۔۔۔پھر تلاوتِ قران۔۔۔

اس کے بعد وہ کچھ دیر گھر کے لان میں ہی چہل قدمی کیا کرتیں تھیں۔ساتھ ہی ساتھ تسبیحات بھی پڑھ لی جاتیں۔

چناچہ دونوں کاموں سے فارغ ہو کر انہوں نے موسم کا جائزہ لینے کے لیے کھڑکی کا پردہ سرکایا۔

دور بہت دور مرگلہ کے پہاڑوں کے پیچھے سے سورج کی کرنیں سر نکال رہی تھیں اور ایسا ملگجا اجالا پھیل رہا تھا کہ نظر بدقت دور تک دیکھ سکتی تھی۔

تو اس ملگجے اجالے کی مستعار لی ہوئی بصارت سے انہوں نے غور سے دیکھا تو جان لیا کہ لان کے آخری کونے میں رکھی میز کرسیوں میں سے ایک پر خوش نصیب بیٹھی تھی۔کالے رنگ کی شال اپنے گرد لپیٹے وہ اوپر آسمان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اب خدا معلوم کسی سوچ میں گم تھی یا اللہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

مسز رضوی کا دل افسوس سے بھر گیا۔خوش نصیب ان کے دل کے بہت قریب تھی۔تین سال کے مختصر عرصے میں ہی وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہنے لگیں تھیں۔اب اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر جانے کا خیال انہیں تکلیف دیتا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کے جانے سے پہلے پہلے وہ خوش نصیب کے لیے کسی محفوظ پناہ گاہ کا انتظام کر دیں۔

وہ چند لمحے کھڑکی میں کھڑی خوش نصیب کو دیکھتی رہیں۔وہ جانتی تھیں کہ خوش نصیب موجودہ حالات میں ڈپریشن کا شکار ہو رہی ہے۔انہوں نے کم از کم آج کے لیے واک کا خیال دل سے نکال دیا اور اس سے بات کرنے کا ارادہ کر کے چائے بنانے کچن کی جانب چل دیں۔

صبح کا تر و تازہ آسمان اس کے عین سامنے تھا جہاں سورج کی نومولود کرنوں کی پاکیزگی اور پرندوں کی اونچی اونچی اڑانیں دکھائی دے رہی تھیں۔آسمان پر بادل جمع ہو رہے تھے جو مختلف شکلیں بناتے بگاڑتے تھے۔ لگتا تھا آج بارش ہو گی۔

وہ سر اٹھائے آسمان کو دیکھتی رہی۔

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ کل کا باسی اخبار لے کر لان میں آ بیٹھی۔ آج سے پہلے وہ اس وقت مال جانے کی تیاری شروع کر دیتی تھی لیکن دو دن ہوئے یہ مصروفیت بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اسے جلد از جلد اپنے لیے جاب ڈھونڈنی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ رہائش کا انتظام بھی کرنا تھا۔

ہوا کا تیز جھونکا آیا تھا اور اسے اس کے خیالات سے چونکا گیا۔ وہ کپکپا کر رہ گئی۔ شال کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹتے ہوئے وہ سیدھی ہو بیٹھی اور اخبار اٹھا لیا۔ ابھی اخبار کھولا بھی نہ تھا کہ سامنے سے مسز رضوی آتی دکھائی دیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک ڈش تھی جس میں چائے کے دو کپ اور کوکیز کا جار تھا۔

خوش نصیب نے انہیں آتے دیکھا تو چہرے پر مسکراہٹ سجا لی اور اخبار کو چھپکے سے ساتھ والی کرسی پر لڑھکا دیا۔ وہ اپنی پریشانی ان پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اسلام وعلیکم۔۔۔"

ان کے قریب پہنچنے پر خوش نصیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے ہاتھ سے ٹرے پکڑ کر ٹیبل پر رکھی اور ایک چیئر ٹیبل سے تھوڑا پیچھے کھینچ لی تا کہ وہ بیٹھ سکیں۔

"وعلیکم اسلام میرے بچے۔۔۔! جیتی رہو، خوش رہو۔۔۔" انہوں نے بیٹھتے ہوئے خوش نصیب کو کتنی وہی دعائیں دے ڈالیں۔ "نماز پڑھی تم نے؟" انہوں نے روز والا سوال دہرایا۔۔۔

"جی پڑھ لی تھی۔۔۔"

"اور تلاوت؟"

"جی وہ بھی۔۔۔"

"شاباش۔۔۔ خوش رہو، آباد رہو۔۔۔ نماز میں سب پریشانیوں کا حل موجود ہے میرے بچے۔۔۔ اور کچھ ہو یا نہ ہو دل کا سکون تو بس نماز اور قران میں ہی ہے۔" انہوں نے روز والی بات دہرائی۔

خوش نصیب میں ان تین سالوں میں بہت تبدیلیاں آئی تھیں۔۔۔ اور یہ تبدیلیاں مسز رضوی کی ہی بدولت تھیں۔ بچپنا بے شک اپنی جگہ برقرار تھا لیکن طبیعت میں ٹھہراؤ ضرور آ گیا تھا۔ بیوقوف وہ ابھی بھی تھی لیکن زندگی میں بارے میں منفی سوچوں کی جگہ مثبت باتوں نے لے لی تھی۔

http://kitaabghar.com

میں نے تمہیں کھڑکی سے یہاں بیٹھے دیکھا۔۔۔سوچا تمہارے ساتھ چائے بھی پی لوں اور کچھ گپ شپ بھی لگا لوں۔"

خوش نصیب مسکرا دی۔

"آپ کا چائے پینے کا دل تھا تو مجھے کہا ہوتا۔۔۔میں بنا لیتی چائے۔۔۔"

"ارے کوئی بات نہیں بچے۔۔۔اب تم ہمیں اتنا بوڑھا بھی نہ بناؤ کہ بالکل بستر پر ہی بٹھا ڈالو۔گھر میں تھوڑا چلتے پھرتے ہیں تو اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کے قابل ہیں ورنہ تو شاید بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہ رہیں۔" وہ خوشدلی سے بولیں تھیں۔

"لو تم یہ چائے پیو۔" انہوں نے چائے کا ایک کپ خوش نصیب کے سامنے رکھا اور خود کوکیز کا جار کھولنے لگیں۔

"آپ کے جانے کی تیاری مکمل ہو گئی؟" خوش نصیب نے کچھ جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"بس بیٹا تیاری تو ہو ہی رہی ہے۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

خوش نصیب خاموش ہو گئی۔۔۔مزید کیا بات کرے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"خوش نصیب! بیٹا پریشان ہو؟"

خوش نصیب نے ایک نظر ان کو دیکھا اور لہجے میں مصنوعی بشاشت بھر کر بولی۔" بس آنٹی یہ سب ٹینشنز تو لائف کا حصہ ہیں۔۔۔انسان کچھ نہیں کر سکتا سوائے ان سے لڑنے اور برداشت کرنے کے۔۔۔"

خوش نصیب۔۔۔اور ایسی بات۔۔۔واہ۔۔۔بس ثابت ہوا کہ انسان کو عقل تب تک نہیں آتی جب تک سر پر تکلیف سے بچانے والا ایک انسانی ہاتھ موجود ہو۔۔۔جیسے ہی یہ ہاتھ ہوا میں تحلیل ہوتا ہے انسان خود بخود صبر کرنے سے لے کر تکلیف سے لڑنے تک سب سیکھ جاتا ہے۔

"آپ فکر نہ کریں۔۔۔کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔۔۔آپ کے جانے سے پہلے کچھ انتظام کر لوں گی۔۔۔"

"تم کیا سوچ رہی ہو؟ کہیں تم اس لڑکے کو ڈھونڈنے کا تو نہیں سوچ رہی جسے تم نے مال میں دیکھا تھا۔۔۔"

"میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے آنٹی! صرف وہی ہے جو میرے حق میں گواہی دے سکتا ہے، جو میرے کھوئے ہوئے رشتوں کو واپس لا سکتا ہے، اور کچھ نہیں تو مجھے کم از کم سر چھپانے کی جگہ تو مل ہی جائے گی۔"

خوش نصیب کا تلخ انداز انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"وہ لوگ مجھے ایسے قبول نہیں کریں گی آنٹی! ورنہ میں واپس چلی جاتی۔۔۔" اس کا مایوسی بھرا لہجہ انہیں افسردہ کر گیا۔

اور پھر انہوں نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا۔

"خوش نصیب! میں نے تمہارے لیئے نئی جاب کا انتظام کر لیا ہے۔ دو ماہ کے دو بچے ہیں، انہیں سنبھالنا ہے، اچھی پے دیں

گے، رہائش بھی وہاں ہی ہوگی۔۔۔گھر میں بس میاں بیوی اور بچے ہی ہیں یا ایک دو اور سرونٹ ہوں گے۔۔۔میں نے سوچا پہلے تم سے پوچھ لوں پھر ان سے بات کرلوں گی۔۔۔اب بتاؤں تم کیا کہتی ہو؟"

"آنٹی اگر آپ کو لگتا ہے کہ مجھے یہ کام کرنا چاہیے تو مجھے آپ کے فیصلے پر پورا یقین ہے۔"

"رضوی صاحب چاہ رہے تھے کہ کسی اسکول میں بات کرلیں، لیکن رہائش کا مسئلہ تو برقرار ہی رہے گا۔یہ فیملی ہماری دیکھی بھالی ہے۔اچھے لوگ ہیں۔تم وہاں محفوظ رہوگی اور پرسکون بھی۔"

"ٹھیک ہے آنٹی! اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے۔میں ساتھ ساتھ معاویہ اردشیرازی کو ڈھونڈنے اور راضی کرنے کی کوشش بھی جاری رکھوں گی۔کیا معلوم وہ مان ہی جائے میرے ساتھ لاہور چلنے اور تایا سے بات کرنے کو۔۔۔"

"جو اللہ کو منظور۔۔۔تم جمعہ کو تیار رہنا۔۔۔ڈرائیور تمہیں لے جائے گا۔میں کال کردوں گی انہیں۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"خوش نصیب مسکرائی۔

مسز رضوی نے بات بدل دی۔اب وہ اسے اپنی نواسی کی کسی شرارت کے بارے میں بتارہی تھیں جس کے بارے میں ان کی بیٹی نے رات انہیں بتایا تھا۔

☆......☆......☆

منفرا نے تھکاوٹ زدہ انداز میں صوفے کی پشت سے کمر ٹکائی اور ذہن کو پرسکون کرنے کو آنکھیں موندلیں۔

آج جمعہ کا دن تھا۔

معاویہ کو کل کسی ضروری کام سے کراچی جانا پڑ گیا تھا اور جانے سے پہلے وہ منفرا کو ایک بار پھر کیئر ٹیکر کے انٹرویو کے لیے یاددہانی کروا کر گیا تھا۔

ساڑھے گیارہ کے قریب اسے چوکیدار نے انٹرکام پر کچھ امیدواروں کے آنے کی اطلاع دی تھی اور اب ڈیڑھ بج چکا تھا۔پانچ میں سے چار خواتین سے وہ مل چکی تھی اور ان میں سے ایک بھی اسے اس کام کے لیے مناسب نہیں لگی تھی۔کسی کی ڈیمانڈز بہت زیادہ تھیں تو کچھ کو کام زیادہ لگ رہا تھا۔غرض کسی پر بھی منفرا کا دل مطمئن نہیں ہو پایا تھا۔

ایک آخری امیدوار باقی تھی اور منفرا تھک گئی تھی۔دل تو چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو ایسے ہی واپس لوٹا دے مگر اپنی تھکن کو ضرورت پر فوقیت دینا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

اس نے انٹرکام اٹھا کر چوکیدار کو اس لڑکی کو اندر بھیجنے کا بولا اور خود سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

چند لمحوں بعد ایک نقاب پوش لڑکی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

http://kitaabghar.com

"اسلام وعلیکم۔۔۔" اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے مدھم لہجے میں سلام کیا تھا۔

"واعلیکم اسلام۔۔۔ آیئے بیٹھیں۔۔۔" منفرا نے سامنے پڑے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی باوقار طریقے سے چلتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی اور اپنے نقاب کو ٹھوری تک کھینچ لیا۔ اس کے صوفے پر بیٹھنے تک منفرا اس کا مکمل جائزہ لے چکی تھی۔

مناسب قد و قامت کہ وہ لڑکی عبایہ پہنے ہوئے تھی۔ اندر داخل ہونے تک اس نے نقاب بھی کر رکھا تھا مگر صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے اس نقاب کو ٹھوڑی پر کھینچ لیا تھا۔ اچھی خوش شکل لڑکی تھی۔ اس کی شکل بتاتی تھی کہ اس کی عمر بمشکل تئیس یا چوبیس سال تھی اور انداز اسے پڑھا لکھا ظاہر کرتے تھے۔ چہرے پر سنجیدگی تھی اور آنکھوں میں بے تحاشا کشش۔۔۔ بہت گہری آنکھیں تھیں اس کی۔۔۔ جن میں بہت اداسی بھری تھی۔ منفرا کو وہ لڑکی دیکھی دیکھی لگ رہی تھی بہرحال پہلی بار میں ہی اس نے منفرا پر ایک مثبت تاثر چھوڑا تھا۔

"کیا نام ہے آپ کا؟" منفرا نے بات کا آغاز کیا۔

"خوش نصیب۔۔۔"

منفرا نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"خوش نصیب۔۔۔" اس نے زیرلب دہرایا۔۔ اس نے یہ نام بھی سن رکھا تھا۔۔ مگر کہاں۔۔۔؟ اس نے سوچنے کی کوشش کی مگر یاد نہیں آ رہا تھا۔

"آپ منفرا شیرازی ہیں نا؟" اس لڑکی نے پوچھا تھا۔

"جی میں منفرا شیرازی ہی ہوں۔"

"آپ کو شاید نہیں۔۔۔ ہم کچھ دن پہلے مل چکے ہیں۔۔۔ مال۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔" منفرا کو سب یاد آ گیا تھا۔

مال۔۔۔

معاویہ اور وہ کچھ شاپنگ کے لیے گئے تھے۔۔۔

وہاں ایک لڑکی نے معاویہ کا کالر پکڑا تھا اور۔۔۔

آگے کے حالات معاویہ کو معلوم تھے اور اس نے منفرا کو اس بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا تھا۔

اور سب یاد آتے ہی منفرا محتاط ہو گئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ معاویہ نے کہا تھا کہ یہ لڑکی فراڈ ہے مگر بیڑہ غرق ہو اس تجسس کا۔۔۔ منفرا جاننا چاہتی تھی کہ سچ کیا ہے؟ اور خوش نصیب معاویہ سے کیا چاہتی تھی۔

http://kitaabghar.com

اتنا اسے معلوم تھا کہ معاویہ نے اسے چپ کروانے کے لیے یہ بہانہ گھڑا تھا ورنہ سچی بات پر معاویہ کبھی بھی اتنا غصہ ظاہر نہ کرتا۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولی۔ ”جی پہچان لیا میں نے آپ کو۔۔۔“

”مجھے مسز رضوی نے یہاں بھیجا ہے۔۔۔“ خوش نصیب نے محسوس کیا کہ منفرا اسے غلط سمجھ رہی ہے تو اس نے صفائی دینا مناسب سمجھا۔ ”مجھے جاب کی ضرورت تھی۔ اس دن جو کچھ بھی ہوا میں اس پر شرمندہ ہوں۔ مجھے وہاں جاب سے نکال دیا گیا ہے۔ میں نئی جاب کی تلاش میں تھی تو مسز رضوی نے ہی مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ کو اپنے بچوں کے لیے کیئر ٹیکر کی ضرورت ہے۔ میں ان کی انیکسی میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتی ہوں۔ یہاں آنے تک مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں آپ سے ملنے والی ہوں۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ۔۔۔ باہر لان میں دیکھا تھا میں نے آپ کو۔۔۔“

اس کی باتوں میں کوئی ربط نہیں تھا۔ وہ یا تو بہت کنفیوژ تھی یا بہت پریشان۔۔۔ انداز بتاتے تھے کہ حالات سے مار کھائے ہوئے ہیں۔

منفرا ٹھان چکی تھی کہ آج سچ جان کر رہے گی۔

”جب آپ جان گئی تھیں کہ آپ معاویہ اردشیرازی کے گھر پہنچی ہیں تو آپ کو یہاں رکنا نہیں چاہیے تھا۔ کچھ دن پہلے آپ جتنا ایشو کری ایٹ کر چکی ہیں اس کے بعد آپ میں اتنی سیلف ریسپیکٹ تو ہونی چاہیے تھی کہ ہمارے سامنے آنے کی ہمت نہ کرتیں۔“

”میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔۔۔ مگر حالات انسان کو اس طرح مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس بھی دو ہی آپشن تھے یا تو خود کو زندہ رکھوں یا اپنی سیلف ریسپیکٹ کو۔۔۔ میں نے خود کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔“

منفرا کو اپنی بات کی سختی کا شدت سے احساس ہوا، اللہ جانے کس مجبوری کے تحت وہاں پہنچی تھی۔

اگلی کسی بھی بات سے پہلے منفرا کے سیل پر کال آنے لگی۔ مسز رضوی ہی تھیں کال پر۔۔۔

منفرا ”ایکسکیوز می“ کہتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر آ گئی۔

مسز رضوی، معاویہ کے بابا اردشیرازی کے بہت اچھے دوست کی بیوی تھیں۔ ان میاں بیوی کا شمار ان کے فیملی فرینڈز میں ہوتا تھا اور معاویہ ان دونوں کی اپنے والدین کی طرح عزت کرتا تھا۔ منفرا اور معاویہ جب پاکستان آئے تھے تو مسز رضوی نے منفرا کو پاکستان میں ایڈجسٹ ہونے میں بہت مدد کی تھی۔

سلام دعا کے بعد انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ وہ چاہتی تھیں کہ معاویہ اور منفرا خوش نصیب کو اپنے پاس جاب دے دیں۔ بقول ان کے خوش نصیب اچھی لڑکی تھی اور فی الحال کسی مجبوری کے تحت جاب ڈھونڈ رہی تھی۔ ان کی باتوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ مسز رضوی خوش نصیب کو بہت اچھے سے جانتی ہیں۔

http://kitaabghar.com

منفرا مزید الجھن کا شکار ہو گئی۔

معاویہ کی باتیں اس لڑکی کو کرپٹ ظاہر کرتی تھیں اور مسز رضوی کی باتوں سے خوش نصیب پر اچھے خاندان کی شریف لڑکی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

وہ سوچ میں پڑ گئی کہ دونوں میں سے کس کی بات پر یقین کرے۔ چونکہ مسز رضوی خوش نصیب کی گارنٹی دیں رہیں تھیں تو منفرا اسے نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔ ان کی تسلی کروانے کے بعد اس نے کال بند کی اور ڈرائنگ روم میں واپس آ گئی۔

خوش نصیب ابھی بھی سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھی تھی۔

''جی خوش نصیب۔۔۔ مجھے اپنے بارے میں بتائیں۔۔۔ کیا کوالیفیکیشن ہے آپ کی؟''

''میں نے لاسٹ ائیر اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کیا ہے۔۔۔''

''گڈ۔۔۔ تو پھر مال میں سیلز گرل کی جاب کرنے کی وجہ؟ آپ کو اس سے بہتر جاب مل سکتی تھی۔''

''سیلز گرل نہیں اکاؤنٹنٹ۔۔۔۔ وہ بھی مجبوری تھی۔۔۔ ڈیڑھ ماہ پہلے میں نے جاب ڈھونڈنا شروع کی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مال میں اکاؤنٹنٹ کی جاب بھی رضوی انکل کی مہربانی سے ملی تھی۔ وہاں کے مینیجر ان کے دوست ہیں۔''

''وہاں جاب ختم ہونے کی وجہ یقیناً وہی واقعہ رہا ہو گا؟'' منفرا نے کریدا۔

خوش نصیب خاموش رہی۔

''دیکھو خوش نصیب۔۔۔ جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں تم ایک اچھی لڑکی ہو۔'' منفرا نے تکلفات کو ایک سائیڈ پر کرتے ہوئے کہا۔ ''اور یقیناً تم نے اس دن معاویہ کو روکا بھی کسی مجبوری کے تحت ہی تھا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کیا مجبوی تھی جس نے تمہیں وہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا۔''

''آپ کو مسٹر معاویہ نے کیا بتایا ہے؟'' خوش نصیب نے کچھ پریشانی سے پوچھا۔ معاویہ کا دھمکی بھرا لہجہ اسے بھولا نہیں تھا اور مسز معاویہ کو کچھ بھی بتا کر وہ کوئی مشکل سر نہیں لینا چاہتی۔

''تم معاویہ کی فکر نہ لو کہ اس نے کیا بتایا ہے۔۔۔ میں تم سے سننا چاہتی ہوں اور صرف سچ سننا چاہتی ہوں۔'' منفرا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''مگر آپ کیا کریں گی جان کر؟ مجھے نہیں لگتا مسٹر معاویہ یہ بات پسند کریں گے کہ میں آپ کو اس کے بارے میں بتاؤں۔''

''میں تمہاری مدد کروں گی۔'' منفرا نے پرسکون انداز میں کہا۔ ''معاویہ کی فکر مت کرو۔ وہ مجھے پہلے ہی سب بتا چکے ہیں۔ میں اب تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔۔۔'' منفرا بات مکمل کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم سوچ لو۔۔۔میں ابھی آتی ہوں۔۔۔"

منفرا کمرے سے باہر نکل گئی۔وہ خوش نصیب کو سوچنے کے لیے کچھ وقت دینا چاہتی تھی۔

کچن میں شیف کو چائے کا بول کر وہ بیڈروم میں آئی اور بچوں کو چیک کیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئی تھی۔

خوش نصیب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے مسز معاویہ۔۔۔میں آپ کو سب بتانے کو تیار ہوں۔میری کہانی بہت لمبی ہے۔کیا آپ وقت دے سکیں گی؟"

"بہت خوب۔۔۔"منفرا مسکرائی۔"شروع کرو۔۔۔"اس نے خوش نصیب کے عین سامنے نشست سنبھال لی۔

خوش نصیب نے چند لمحے سوچا اور پھر بولنا شروع کیا۔۔۔

"میرا نام خوش نصیب ہے۔۔۔میرا تعلق لاہور سے ہے۔۔۔میرے والد کا انتقال میرے بچپن۔۔۔"

وہ بولنا شروع ہوئی تو ایک ٹرانس میں بولتی چلی گئی۔

منفرا غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

☆......☆......☆

زرگل کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

کیف،زرگل اور ان کے ایک اور ساتھی طاہر نے راولپنڈی کے ایک متوسط ایریا میں ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔

دو بیڈروم،کچن اور ٹی وی لاؤنج پر مشتمل یہ ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا جس کے صاف ستھرے رہنے کا تمام کریڈٹ زرگل کے سر جاتا تھا۔ عجب ہر فن مولا قسم کا انسان تھا۔۔۔کھانا بنانے سے لے کر گھر کی صفائی ستھرائی تک سب کام خوشی خوشی کر ڈالتا تھا۔کیف اور طاہر اسے چھوٹی امی کہہ کر چھیڑتے تھے۔

ابھی بھی کھانا ٹرے میں سجائے سگھڑ بیبیوں کی طرح کمرے میں لے آیا تھا۔طاہر گھر پر نہیں تھا ورنہ ضرور ہی وہ یہ کھانا ٹی وی لاؤنج میں پڑے ٹیبل پر چن کر انہیں بلا لیتا۔

"ہاں بھئی لالے آجا۔۔۔کھانا کھالے۔"

"یار تو کھالے۔۔۔میرا دل نہیں کرتا۔۔۔"کیف نے سر جھٹک کر کہا۔

"وہ کھڑکی سے باہر کھڑا سڑک کی رونق دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کس کو تاڑ رہا ہے وہاں کھڑا ہو کر۔۔۔؟"

''تاڑ نہیں رہا ڈفر۔۔۔ایسے ہی کچھ خیال آ گیا تھا۔۔۔''

''کیوں بھائی! بات کیا ہے۔۔۔کھانا کھانے کو دل نہیں کر رہا اور اب کسی کا خیال بھی آیا ہے۔۔۔دل کس کے خیالوں میں گم ہے لالے۔۔۔؟'' زرگل آنکھیں مٹکا کر بولا۔

''تیری ہونے والی بھابھی کے خیالوں میں۔۔۔''

''ہاہاہا۔۔'' زرگل نے قہقہہ لگایا۔ ''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تو ڈھینچیک پوجا میں انٹرسٹڈ ہے۔''

''دفع دور۔۔۔اللہ کرے تیری شادی اینجل والے طاہر شاہ سے ہو جائے۔۔۔۔امین۔۔۔'' کیف نے فٹ بدلا اتار لیا۔

''ہاہاہاہا۔۔۔ وہ ڈھینچک پوجا سے بہتر ہے۔''

''چل چل بکواس نہ کر زیادہ۔۔۔چپ کر کے کھانا کھا لے۔'' کیف نے آنکھیں دکھائیں۔

''یار آ جا۔۔۔ساتھ کھا لے میرے۔۔۔تسی جاندے او نا میرے سے اکیلے کھانا نہیں کھائی جاتی۔'' اس نے اردو اور پنجابی کی ایک ساتھ تانگ توڑتے ہوئے کہا۔

''ابے یار۔۔۔ایک تو تیرے اندر کی امی ہمیشہ غلط وقت پر جاگتی ہے۔'' کیف دھپ دھپ کرتا اسکے سامنے آ بیٹھا۔

''چل بھائی نخرے نہ کر اب زیادہ۔'' زرگل نے اس کے بیٹھ جانے کے بعد برا سا منہ بنا کر کہا۔

کیف نے پلیٹ میں چاول نکالے اور کھانا شروع کر دیا۔

''چل اب بتا بھی دے لالے۔۔۔! کیا سوچ رہا تھا؟'' چند منٹوں بعد زرگل نے کھاتے ہوئے پوچھا۔

''یار۔۔۔دین محمد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ذہن سے نکل نہیں رہا وہ۔ بہت۔۔۔بہت برا ہوا ہے بیچارے کے ساتھ۔'' کیف افسردگی سے بولا۔ ''اس بابے کو تو پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دینا چاہیے۔''

''سہی کہہ رہا ہے یار۔۔۔!'' زرگل کی ساری خوش مزاجی ہوا ہو گئی تھی اس ذکر پر۔

''یار مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم لوگ کب ان بابوں، تانترک اور ایسے لوگوں کے چکر سے نکلیں گے۔ آخر ہمیں کب عقل آئے گی کہ یہ جن، روحیں، چڑیلیں۔۔۔ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں۔''

''اوئے لالے بس کر۔۔۔ایسا نہیں بولتے۔'' زرگل خفگی سے بولا تھا۔ ''اللہ والوں کے بارے میں ایسا نہیں کہتے۔۔۔''

کیف کا چاول سے بھرا چمچ منہ کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔ ''تو مانتا ہے ان سب باتوں کو؟''

''اللہ والوں کو مانتا ہوں اور میری بات سن جن بھی حقیقت ہیں۔۔۔قران کہتا ہے کہ جن ہیں پھر ہم کیسے جھٹلا سکتے۔''

''اوہ اللہ کے بندے۔۔۔یہ کوئی ہزار میں سے ایک بابا ہوتا پے جو صحیح اللہ والا ہوتا ہے باقی سب ڈرامہ۔۔۔پیسے کمانے کے

طریقے۔۔۔''

''یار نہ کر۔۔۔میں یہ نہیں کہتا کہ سب سچے ہیں۔مگر اتنا اندھیر نہیں مچا جتنا تو بول گیا ہے۔میں نے بہت سے واقعات سنیں ہیں جن میں ان لوگوں کی بدولت لوگوں کو نجات ملی ہے جنوں اور روحوں سے۔۔۔''

''یار تو سیریس ہے؟'' کیف کھانا چھوڑ کر سیدھا ہو گیا۔''یقین نہیں آ رہا مجھے۔۔۔اتنا پڑھ لکھ کر، اتنا روشن خیال ہو کر ایسی باتیں۔۔۔''

''لالے انسلٹ کرنے کی کوشش نہ کر۔'' زرگل نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''اچھا چل۔۔۔جعلی پیروں فقیروں کی بات چھوڑو۔۔۔تم کہہ رہے ہو کہ قران کہتا ہے کہ جن بھوت ایک اٹل حقیقت ہیں۔ تو کیا قران نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ ان کی دنیا الگ ہے۔وہ ہماری دنیا میں نہیں آ سکتے پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ دنیا میں موجود ہیں اور ان کے شر سے بچنے کے لیے ہمیں ان پیروں فقیروں کی مدد لینی پڑتی ہے۔''

''دیکھ یار بزرگوں کی باتیں بلاوجہ نہیں جھٹلاتے۔کوئی نہ کوئی تو بات ہو گی نا جس کی وجہ سے ہمارے بزرگ ان سب باتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ہارے گاؤں میں ایک آدمی تھا جس پر حاضری ہوتی تھی۔ میں نے خود اسے دیکھا ہوا ہے۔'' زرگل پرسکون لہجے میں بولا تھا۔

''دیکھ یار میں بھی جنوں کے وجود پر یقین رکھتا ہوں۔میں تجھے بتاؤ میرے ماموں بتاتے تھے کہ انہوں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ زمین پر آکسیجن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔لیکن ہم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جہاں آکسیجن نہیں ہے وہاں زندگی کا نام و نشان بھی نہیں ہوگا۔آکسیجن کے حصول کے سب سے بڑے ذرائع پودے، درخت اور سبزہ ہیں۔لیکن ایک وقت تھا زمین پر پھول پودے بھی نہیں تھے۔لیکن اسوقت بھی ایسی مخلوقات موجود تھیں جو آکسیجن کے بغیر زندہ رہ سکتی تھیں۔تو جب ایسی مخلوق اسی دنیا میں موجود ہے جو اپنی زندگی کے سروائیول کے لئے آکسیجن کی محتاج نہیں ہے۔تو کسی دوسرے سیارے پر کسی دوسری مخلوق کے پیدا ہونے کے چانسز کو ہم کیسے اگنور کر سکتے ہیں...ممکن ہے وہ سیارہ مریخ ہو، زحل یا کوئی اور سیارہ ہو۔''اس نے عرفات ماموں کے الفاظ دہرائے۔

''لیکن ان کی اس بات سے یہ بھی پتا چل رہا ہے کہ ان کی دنیا الگ ہے۔۔۔ہماری دنیا میں ان کا کیا کام۔۔۔میری نانی بھی یہی بات کہتی تھیں کہ جنوں بھوتوں کی الگ دنیا ہوتی ہوئی۔جیسے انسانوں کو ان کی دنیا میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے ویسے ہی جنوں کو انسانوں کی دنیا میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔'' کیف نے بات مکمل کر کے دادطلب نظروں سے زرگل کو دیکھا۔

''اور اگر میں تجھ پر ثابت کر دوں کے جن بھوت اس دنیا میں بھی موجود ہیں تو؟''

''میں تو ڈر گیا۔۔۔'' کیف نے اس کا مذاق اڑایا مگر جب اسے مکمل سنجیدہ دیکھا تو خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔''اچھا چل کر بات ثابت۔''

''تین سال پہلے میں ایک رپورٹ تیار کرنے کے لیے کچھ جگہیں وزٹ کی تھیں۔ ٹاپک میرا بھوت پریت سے ریلیٹڈ ہی تھا۔ اسی رپورٹ کی تیاری کے لیے ہم ایک گاؤں میں گئے تھے۔۔۔ بشام نام ہے اس گاؤں کا۔۔۔ وہاں ایک بڑا خوبصورت قلعہ ہے۔ قلعہ فلک بوس۔۔۔ دیکھنے لائق چیز ہے وہ۔۔۔ مجھے پتا چلا تھا کہ اس قلعہ پر کسی روح کا سایہ ہے۔ میں وہاں گیا اور وہاں کے مقامی لوگوں سے ملا۔۔۔ وہاں جا کر مجھے جو کچھ پتا چلا اس کے مطابق اس قلعہ میں رہنے والی روح وہاں کسی کو ٹکنے نہیں دیتی۔ دس بارہ سال پہلے وہاں دو تین قتل بھی ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو پولیس کا آدمی تھا جو کہ وہاں کسی ڈکیتی کی پوچھ گچھ کے لیے گیا تھا اور مرکزی دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ جس رات وہ پہرے پر بیٹھا تھا اسی رات اس سے اگلی صبح اس کی کٹھی پھٹی لاش دروازے سے کچھ فاصلے پر ملی۔ دوسرا قتل کی داستان زیادہ حیران کن ہے کیونکہ وہ قتل فلک بوس کے تہ خانے میں کیا گیا۔ اور مقتول کوئی عام بندہ نہیں تھا۔ تو نے شاید نام بھی سنا ہو۔۔۔ بڑا مشہور رائٹر تھا۔۔۔ کیا نام تھا اس کا۔۔۔'' زرگل نے سوچنے کی کوشش کی۔ ''ہاں۔۔۔ وسامہ۔۔۔ وسامہ طالب۔۔۔''

وسامہ طالب کے نام پر کیف بھی چونک گیا۔ اس سے پہلے وہ لاپرواہی سے بات سن رہا تھا۔

''وسامہ طالب وہاں کے اونر کا ماموں زاد بھائی تھا۔ وہ اور اس کی بیوی کچھ عرصہ وہاں رہے تھے۔ اور اسی دوران وسامہ کو تہ خانے میں قتل کر دیا گیا۔ معاملہ یہاں تم نہیں ہوا۔ وسامہ طالب کا کزن معاویہ اردشیر ازی۔۔۔ جو کہ فلک بوس کا اونر بھی ہے اس نے وسامہ طالب کی بیوی سے شادی کا عندیہ دیا ورفلک بوس میں ہی شادی کا فیصلہ کیا۔

''لو بس۔۔۔ کیس تو یہاں ہی حل ہو گیا۔۔۔ افیئر ہو گا دونوں کا۔۔۔ وسامہ کو قتل کر کے دونوں نے الزام روح پر لگا دیا۔'' کیف نے فٹ سے کہا۔

''جی نہیں۔۔۔'' زرگل فخریہ مسکرایا۔ ''میں بھی تمہاری طرح یہی سوچتا اگر وسامہ کی بیوی اور معاویہ کی ہونی والی بیوی عین نکاح سے پہلے غائب نہ ہو جاتی۔۔۔ اور آج تک اس لڑکی کا سراغ نہیں مل سکا کہ وہ کہاں ہے۔ جس رات وہ لڑکی۔۔۔ آئے کت غائب ہوئی اسی رات ایک اور لاش بشام کے جنگل سے ملی جس کا چہرہ مسخ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آئے کت کی ہی لاش تھی۔'' زرگل اتنا بول کر خاموش ہو گیا۔ کیف کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔ چند لمحے بعد زرگل پھر سے بولا۔ ''یہ صرف چند واقعات ہیں جو میں نے تجھے بتائے۔۔۔ وہاں کے لوگ بہت سی باتیں بتاتے ہیں جو فلک بوس کی روح کے بارے میں ہیں اور کئی لوگوں کے مطابق انہوں نے راتوں میں وہاں کسی عورت کے سائے کو بھی دیکھا ہے۔۔۔ ہاں جی کیف صاحب اب آپ کیا کہتے ہیں؟''

''مجھے ذرا بھی یقین نہیں آیا کہ یہ کارستانی کسی روح کی ہے۔ کوئی غیر قانونی کام ہو رہا ہونا ہے روح کی آڑ میں۔۔۔'' کیف ناک چڑھا کر بولا۔

''اچھا۔۔۔ چل پھر ایک کام کر لا لے۔۔۔ بشام چل میرے ساتھ۔۔۔ اور وہاں جا کر فلک بوس کی سچائی سامنے لا۔۔۔ پتا کر

http://kitaabghar.com

کے دکھا کہ کیا غیر قانونی کام ہو رہا ہے۔"

"بیٹا اگر کوئی پورا قلعہ سنبھالے بیٹھا ہے تو کوئی چھوٹا موٹا بندہ نہیں ہوگا جس پر ہاتھ ڈالا جائے۔۔۔معاویہ اردشیرازی کا نام لیا تھا نا تو نے؟ وہ اور اس کا باپ تو کافی مشہور انڈسٹرلسٹ ہیں۔"

"چل چل۔۔۔اب اپنے ڈر کو چھپانے کا بہانہ نہ بنا۔۔۔ ہار مان لے کہ روح اور جن کا وجود ہوتا ہے ڈرپوک انسان۔" زرگل نے اسے چڑایا۔

"اوئے تو مجھے چیلنج کر رہا ہے؟"

"ہاں کر رہا ہوں۔۔۔" زرگل چڑا رہا تھا۔

"چل ٹھیک ہے اب تو میں جان کر ہی رہوں گا کہ فلک بوس کی روح کو کیا موت پڑی ہوئی ہے۔۔۔"

"ٹھیک ہے لالے۔۔۔تیرے دم کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔۔۔"

زرگل نے چیلنج کرنے کے انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا جسے کیف نے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

☆......☆......☆

"امی کے انتقال کے کچھ دن بعد ہی ماہ نور کا نکاح شامیر سے ہو گیا اور اس دن اس نے میرے ساتھ تمام تعلق توڑ دیے۔ میں جو ابھی روشن امی کے غم سے بھی نہیں نکلی تھی بہن کے جانے سے بالکل اکیلی ہو گئی۔
اس وقت عرفات ماموں نے مجھے بہت سہارا دیا۔ جب سب لوگوں نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا تھا اس وقت صرف ماموں تھے جو میرے ساتھ کھڑے رہے۔"

منفرا دم سادھے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر کوئی بھی بتا سکتا تھا کہ منفرا خوش نصیب کا غم اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔

چائے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

خوش نصیب کی نظریں چائے کے کپ پر تھیں۔ چائے کی سطح پر موٹی کالی بالائی جگہ بنا چکی تھی۔ خوش نصیب کو اس چائے اور اپنی زندگی میں بے پناہ مماثلت محسوس ہوئی تھی۔ ٹھنڈی، بے مزہ۔۔۔جسے بیکار بول کر اکثر ضائع کر دیا جاتا ہے۔

"تو اسلام آباد کیسے پہنچی تم؟" منفرا نے سوال کیا۔

"عرفات ماموں کی مہربانی سے ہی۔۔۔" وہ مسکرائی۔ "گھر والوں نے تو بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ماموں کو لگنے لگا کہ ان حالات میں اگر میں فضل منزل میں رہی تو یا تو پاگل ہو جاؤں گی یا حرام موت کو گلے لگا لوں گی۔ اور یہ دونوں باتیں ان کی برداشت سے باہر تھیں۔ مجھے

نہیں معلوم کہ انہوں نے تایا کو کیسے راضی کیا اور اس سلسلے میں انہیں کتنی مخالفت سہنی پڑی مگر ایک ماہ بعد وہ مجھے لے کر اسلام آباد آ گئے۔ یہاں میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیا۔

عرفات ماموں اور رضوی انکل یونیورسٹی فرینڈز تھے۔ ماموں نے انکل سے بات کی تو وہ بخوشی مجھے اپنے پاس رکھنے کے لیے راضی ہو گئے۔ انہوں نے میرے لیے اپنے گھر کی انیکسی سیٹ کروا دی۔ میری جو مینٹل کنڈیشن تھی، ماموں اس حالت میں مجھے ہاسٹل چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ماموں نے انکل کو راضی کر لیا تھا کہ میں پے انگ گیسٹ کے طور پر وہاں رہوں گی۔ ان تین سالوں میں ماموں نے ہی میرے تمام اخراجات اٹھائے ہیں۔ میں نے یہاں اپنا ایم اے کمپلیٹ کیا۔۔۔ اس سے بڑھ کر میری زندگی میں بہت سے پوزیٹو چینجز آئے۔۔۔ میں نے خود کو بیکار سمجھنا چھوڑ دیا، میں نے یہ سمجھا کہ دنیا میں مجھ سمیت کوئی بھی انسان بیکار نہیں ہے۔ اور میں نے سیکھا کہ اللہ ہمیں تب تک ہی آزماتا ہے جب تک ہم میں برداشت ہو۔۔۔ برداشت سے زیادہ آزمائش وہ کسی پر نہیں ڈالتا۔''

خوش نصیب ایک بار پھر چپ ہو گئی اور اپنے سامنے پڑے پانی کے گلاس کو اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

''تمہارے ماموں نے تمہیں واپس لے جانے کی کوشش نہیں کی اور کیا انہیں تمہاری جاب پر کوئی اعتراض نہیں ہوا؟''

''کی تھی۔۔۔ بہت کوشش کی تھی۔ میرا ایم اے کمپلیٹ ہوتے ہی وہ آ گئے تھے مجھے لینے۔'' خوش نصیب مسکرائی۔ ''مگر میں نہیں مانی۔۔۔ میں دوبارہ سے ذہنی مریض بننا نہیں چاہتی تھی۔ ماموں بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ مجھے اس گھر میں قبول نہیں کیا جائے گا۔۔۔ انہوں نے میری بات مان لی مگر مجھے جاب کی اجازت نہیں دی۔ انہیں لگتا تھا کہ میں ان کی ذمہ داری ہوں اور اگر میں جاب کروں گی تو وہ اپنی ذمہداری میں کوتاہی کر رہے ہیں۔''

''تو پھر۔۔۔ یہ جابز کیوں؟''

''تین ماہ پہلے۔۔۔ ماموں کا انتقال ہو گیا۔''

ایک آنسو خوش نصیب کی آنکھ سے ٹوٹا اور نقاب میں جذب ہو گیا۔

منفرا دھک سے رہ گئی۔۔۔

''میں نے اپنی زندگی میں بچ جانے والا واحد رشتہ بھی کھو دیا اور جاب میرے شوق سے بڑھ کر میری مجبوری بن گئی ہے۔ اس دن مال میں معاویہ صاحب کو دیکھ کر ایک ایک امید جاگی تھی کہ اگر وہ سب کو سچ بتا دیں تو شاید میری لائف نارمل ہو جائے۔ مگر۔۔۔''

اس نے بات کو نامکمل چھوڑ دیا اور کچھ باتیں سمجھنے کے لیے ان کا مکمل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

منفرا نے بھی اس کی نامکمل بات کو مکمل طور پر سمجھ لیا تھا۔

''رضوی انکل اور آنٹی اپنے بیٹے کے پاس جا رہے ہیں ہمیشہ کے لیے۔ آپ کے پاس جاب فی الحال میری سب سے بڑی

http://kitaabghar.com

ضرورت ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ معاویہ صاحب اس بات پر راضی ہوں گے۔۔۔اور آپ میری مدد کر پائیں گی۔" اس کی مایوسی انتہا پر تھی۔

"مجھے اب چلنا چاہیے۔۔۔آپ کے ٹائم کا شکریہ۔۔۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا ہو گا۔ اللہ حافظ۔۔۔"

وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی لیکن اسے ٹھٹک کر دہلیز میں رکنا پڑا۔

منفرا نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"خوش نصیب! میں وعدہ نہیں کر رہی لیکن میں پوری کوشش کروں گی کہ میں معاویہ کو اس سلسلے میں تمہاری مدد کرنے پر راضی کر لوں۔"

خوش نصیب نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"دعا کرنا کہ میں کامیاب رہو اور تمہارے کسی کام آ سکو۔۔۔" اس کے چہرے پر بڑی بھلی مسکراہٹ تھی یا شاید خوش نصیب کو ہی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ۔۔۔" اس نے تشکر سے لبریز لہجے میں کہا تھا۔

اور باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح دس بجے کا وقت تھا اور دن تھا جمعرات کا۔

نئی دنیا کے آفس میں کام کا آغاز ہو چکا تھا۔

دائیں طرف سے تیسرے ڈیسک پر نظر ڈالیں تو کیف لیپ ٹاپ پر کام کرتا نظر آ رہا ہے۔

اسے کچھ دیر پہلے ہی علوی صاحب نے اپنے آفس میں بلایا تھا۔ اس نے دو دن پہلے علوی صاحب سے بات کی تھی کہ وہ اور زر گل بشام جا کر فلک بوس پر رپورٹ تیار کرنا چاہتا ہے۔ علوی صاحب کو صرف اس بات سے غرض تھا کہ وہ لوگ نئی دنیا کے ایک سلسلے، جو کہ سیاحت کے متعلق تھا، کے لیے ایک اچھی رپورٹ تیار کر کے لائیں گے۔ سو دو دن بعد کیف کو پندرہ دن کی چھٹی ملنے کی خوش خبری دی گئی تھی۔

دوسری طرف کیف خود بشام اور قلعہ فلک بوس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے میں مصروف رہا تھا۔ ان چند دنوں میں ہی وہ فلک بوس کے بارے میں کافی کچھ جان چکا تھا۔ انٹرنیٹ سے اسے جتنی معلومات حاصل ہو سکتی تھی، اس نے جمع کی تھی۔

جب اس نے اس بارے میں سرچ کرنا شروع کیا تو اسے معلوم ہوا کہ قلعہ فلک بوس معاویہ اردشیر ازی کے دادا کی ملکیت تھا۔ وہ ایران سے قالین کی خرید و فروخت کے لیے آئے تھے۔ کسی طرح وہ اپنے قالین بشام کے نواب تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ قالین نواب صاحب کو اس قدر پسند آ گئے کہ انہوں نے انعام کے طور پر معاویہ کے دادا کو قلعہ فلک بوس دے دیا۔

http://kitaabghar.com

یہ شیرازی خاندان کے پاکستان رہنے کی پہلی وجہ تھی۔نواب صاحب نے شیرازی صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان میں ہی رہیں اوران کے لیے قالین بنائے۔چناچہ انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹے اردشیرازی کو بھی پاکستان بلالیا جو ابھی صرف چند سالوں کا تھا۔ آہستہ آہستہ ان کا بزنس فرغ پانے لگا۔

وقت گزرتا رہا۔اردشیرازی نے اپنے باپ کے کاروبار کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ کارخانوں میں استعال ہونے والی مشینری بنانے کے کارخانے کا آغاز کیا۔اوراب اردشیرازی کا کام ملکوں ملکوں پھیلا ہوا تھا۔پاکستان میں اردشیرازی کے کام کو معاویہ اردشیرازی سنبھال رہا تھا جو کہ فلک بوس کا اصل مالک تھا۔ اسے فلک بوس اس کے دادا کے طرف سے وراثت میں ملا تھا۔

اس کے علاوہ جو معلومات کیف کو زرگل سے ملی تھی ،وہ یہ تھی کہ فلک بوس کی روح کو ایوشمتی کا نام دیا جاتا تھا۔ اوراس نام کے پیچھے جو کہانی سنائی جاتی تھی اس میں ایک ہندو عورت ایوشمتی کا ذکر موجود تھا جسے بہت عرصہ پہلے فلک بوس میں ہی اسکے شوہر نے قتل کر دیا تھا۔بشام کے لوگوں کا ماننا تھا کہ ایوشمتی کی آتما کو کبھی شانتی نصیب نہیں ہوئی وہ آج بھی فلک بوس میں موجود ہے اوروہاں رہنے والوں کو تباہ وبرباد کر دیتی ہے۔ آج تک جس کسی نے بھی اس راز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ،نقصان ہی اٹھایا ہے۔ایک نقطہ جس سے کیف چونکا تھا، وہ یہ تھا کہ معاویہ اردشیرازی اوراس کا خاندان اس روح کے وجود سے انکاری تھے اوراس لیے معاویہ نے کچھ سال پہلے فلک بوس میں ہی شادی کی تھی جو خیروعافیت سے انجام بھی پا گئی تھی۔

اس وقت بھی معاویہ اپنے لیپ ٹاپ پراسی بارے میں سرچ کرر ہا تھا۔اس وقت اس کے سامنے فلک بوس کا ہائی کوالٹی امیج کھلا ہوا تھا اوروہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چونکہ قلعہ فلک بوس بشام جانے والے ٹورسٹ کے لیے اٹریکشن کا باعث تھا سواس کی بہت سی تصاویر گوگل پر موجود تھیں۔مگر بہت تلاش کے باوجود کیف فلک بوس کی اندرونی حصوں کی تصاویر تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔اسے بیرونی حصوں کی جو تصاویر مل سکی تھیں ان کا اس نے پرنٹ نکال کرایک فائل تیار کر لی تھی۔

”کیف بھائی۔۔۔“اسے پیچھے سے کسی نے پکارا تھا۔مڑے بغیر بھی وہ جانتا تھا کہ آنے والا یاسر ہے۔

اکیس سالہ یاسر نے تین ہفتے پہلے انٹرن شپ کے لیے نئی دنیا کو جائن کیا تھا۔اورفی الحال وہ آفس میں سب سے چھوٹا ایمپلوئی تھا اوران سب کے لیے بچے کی حیثیت رکھتا تھا۔کل ملا کروہ کافی حد تک معصوم تھا۔

”ہاں جی بھائی۔۔۔“ کیف نے مڑکر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”بھائی آپ بشام جارہے ہیں؟“یاسر نے ایکسائٹمنٹ بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

”شہزادے بڑی تیزسی آئی ڈی ہے تیری۔۔۔کس نے بتاایا ہے تجھے۔۔۔“

”بس بھائی لگ گیا پتا۔۔۔بھائی میری ایک بات مانو گے؟“

"ہاں بولو۔۔۔" کیف نے دلچسپی سے کہا۔

"بھائی مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔۔۔ پلیز۔۔۔"

"یار تو نے کیا کرنا ہے جا کر۔۔۔؟" کیف کو حیرانی ہوئی تھی اس فرمائش پر۔

"بھائی لے جاؤ نا۔۔۔ مجھے بہت شوق ہے ان ساری جگہوں کو وزٹ کرنے کا۔۔۔ مجھے ساتھ لے جاؤ میں وہاں آپکی خدمت کروں گا۔۔۔ پرامس۔۔۔" وہ بچوں کی سی دلچسپی سے بول رہا تھا۔

کیف ہنس دیا تھا۔۔۔

"اچھا اور علوی صاحب کو کون منائے گا؟"

"آپ منا لوگے۔۔۔ وہ آج کل کیف۔ ایزم کے شکار ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی کی بات نہیں سنیں گے۔۔۔"

کیف نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔

"اچھا چلو جاؤ۔۔۔ زرگل کو منا لو۔۔۔ اگر تم اسے منانے میں کامیاب رہے تو میں علوی صاحب سے اجازت لے دوں گا۔"

کیف نے اسے زرگل کی طرف روانہ کر دیا۔

☆......☆......☆

جب منفرا کافی کے دو مگ لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو معاویہ بچوں کے کاٹ کے پاس کھڑا تھا۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے جھکا اور نرمی سے باری باری دونوں بچوں کی پیشانی کو چوم لیا۔

اس کے چہرے پر باپ کی شفقت پھیلی تھی اور آنکھیں دو ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔

منفرا کو یہ روشنی اور چمک دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ جب بھی معاویہ کی آنکھوں کو جگر جگر چمکتے دیکھتی تو دل ہی دل میں اس چمک کے قائم رہنے کی دعا مانگتی تھی۔

بروکن فیملی سے تعلق رکھنے کے باعث معاویہ اپنے بچوں کے لیے حد سے زیادہ حساس واقع ہوا تھا۔ اپنے بچپن کی محرومیاں اسے بھلائے نہ بھولتی تھیں۔ وہ جب جب اپنے بچپن کے بارے میں سوچتا تھا اپنے بچوں کے لیے مزید حساسیت کا مظاہرہ کرنے لگتا تھا۔ کہیں نہ کہیں اس کے دل میں یہ عظم پختہ ہو چکا تھا کہ کچھ بھی ہو اسے خود کو ایک اچھا شوہر اور ایک بہترین باپ ثابت کرنا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے اپنے باپ سے جو بھی شکایات تھیں وہ اس کے بچوں کو بھی ہوں۔

منفرا نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور معاویہ کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

معاویہ کو اس کی موجودگی کا احساس اس کے پاس آ کر کھڑے ہونے پر ہی ہوا تھا۔

وہ ایسا ہی تھا۔بچوں کے ساتھ ہوتا تو اپنے اردگرد سے بالکل بیگانہ ہو جاتا۔یکسر فراموش کر دیتا تھا وہ سب کو۔

''منفرا! یہ اتنے پیارے کیوں ہیں؟'' وہ بے بسی بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔''میں انہیں دیکھتا ہوں تو میرا دل کرتا ہے بس انہیں ہی دیکھتا رہوں اور کسی اور طرف نہ دیکھوں۔'' وہ ایک لمحے کو چپ ہوا اور پھر شرارت سے بولا۔''تمہیں بھی نہیں۔۔۔''

بات مکمل کر کے وہ شرارت سے ہنس دیا۔منفرا بھی خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔

''دنیا کو تمام ماں باپ کو اپنی اولاد اتنی ہی اچھی لگتی ہے۔''اس نے جیسے بڑے گر کی بات بتائی تھی۔''اب آپ ان دونوں کو سونے دیں اور کوفی پی لیں۔۔۔''

اس نے کافی کا مگ معاویہ کی طرف بڑھا دیا۔

''تھینک کیو۔۔۔''اس نے مگ تھامتے ہوئے فارمیلیٹی نبھائی۔''آؤ ٹیرس پر بیٹھتے ہیں۔''

وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔منفرا نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اس کی پیروی کی تھی۔

''کیسا رہا آپ کا آج کا دن آفس میں؟''منفرا نے بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میرے دن کو چھوڑو۔۔۔آج تم بتاؤ۔۔۔تمہارا دن کیسا رہا؟ تم نے مجھے بتایا نہیں کہ کیئر ٹیکر سلیکٹ کر لی ہے یا نہیں۔۔۔''

معاویہ کے سوال نے منفرا کی مشکل آن کر دی تھی۔اس کے ذہن میں آج صبح کے تمام واقعات تازہ ہو گئے تھے۔

خوش نصیب اور اس کی بتائی ہوئی تمام باتیں سارا دن اس کے دماغ میں اودھم مچاتی رہی تھیں۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ معاویہ اس لڑکی کے کام آئے لیکن مال والے واقعے کے معاویہ کے رویے نے اسے یہ ضرور باور کروا دیا تھا کہ معاویہ خوش نصیب کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اسے خوش نصیب کی مدد کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔اسے یقین تھا کہ معاویہ کے دل کو خوش نصیب کے لیے صاف کرنے اور اس کی مدد کرنے کے اس معاملے میں قائل کرنا ایک مشکل کام ہوگا۔

وہ جو ابھی تک سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ معاویہ سے خوش نصیب کے بارے میں کیسے بات کرے، اس ٹاپک کے اسٹارٹ ہو جانے سے پرسکون ہو گئی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو معرکے کے لیے تیار کیا تھا اور پھر بات کا آغاز کیا۔

''اوہ۔۔۔ہاں۔۔۔ بالکل سلیکٹ کر لی ہے۔مسز رضوی کے ریفرنس سے ایک لڑکی آئی تھی۔خوش نصیب۔۔۔میں نے اسے سلیکٹ کیا ہے۔ اچھی پڑھی لکھی لڑکی ہے۔مجبور بھی ہے۔میں اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں۔۔۔مسز رضوی اس کی مکمل گارنٹی دے رہی ہیں اور پھر آپ بھی تو اسے جانتے ہیں۔اس دن مال میں ملی تھی وہ ہمیں۔۔۔''

پرسکون انداز میں بات مکمل کرتے ہوئے منفرا، معاویہ کو بے چین کر گئی تھی۔

''آر یو سیریس منفرا؟'' معاویہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کافی کا مگ بھی سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ہاں میں سیریس ہوں۔۔۔'' منفرا نے نظر چراتے ہوئے کہا۔

''میں نے تمہیں اس دن بتایا تھا کہ وہ لڑکی کرپٹ ہے۔۔۔اس کے باوجود۔۔۔''

''ایک منٹ معاویہ۔۔۔اس لڑکی نے مجھے سب سچ بتا دیا ہے۔'' منفرا نے اس کی بات کاٹی تھی۔

معاویہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

معاویہ نے جھنجلا کر کہنا چاہا۔ ''وہ لڑکی جھوٹ۔۔۔''

مگر منفرا نے پھر سے اس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں معاویہ۔۔۔یہ بات تم اچھے سے جانتے ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔'' منفرا کی آواز میں افسوس ہی افسوس تھا۔

''اور میں نے مسز رضوی سے خود بات کی ہے۔۔۔انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہ لڑکی جو بتا رہی ہے سب سچ ہے۔۔۔''

منفرا خاموش ہو گئی اور منہ موڑ کر سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں معاویہ۔۔۔کیوں؟ تم مجھ سے یہ سب کیوں چھپا رہے تھے؟ پلیز مجھے بتاؤ کہ کس چیز نے تمہیں سب چھپانے پر مجبور کیا ہے؟''

معاویہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر نظر چرا لی۔

''کیا بتا کر گئی ہے وہ تمہیں؟'' معاویہ نے پوچھا۔

منفرا نے اسے وہ سب بتا دیا جو خوش نصیب نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہوا ہے کہ شامیر کی وجہ سے اسے کیا کچھ سہنا پڑا ہے۔وہ گھر سے بے گھر ہو گئی، اس کے سب رشتے چھوٹ گئے اور اب وہ اس حال میں ہے کہ سر چھپانے کے لیے ٹھکانا ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔اللہ شامیر کو کبھی معاف نہین کرے گا۔'' منفرا کی آواز بھرا گئی تھی۔

''تم نے اسے شامیر کے بارے میں بتایا؟''

''نہیں میری ہمت نہیں ہوئی۔۔۔''

''اب تم کیا چاہتی ہو؟'' معاویہ نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اس کی مدد کرو۔اس کے گھر والوں کو جا کر سب بتا دو۔۔۔''

''یہ بات اس نے خود کہی ہے تم سے؟'' وہ چڑ کر بولا۔

"نہیں اسے یہاں آنے تک یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ تمہارے گھر جا رہی ہے۔ وہ بس جاب کی تلاش میں آئی تھی۔ یہ تو میں چاہتی ہوں کہ تم اس کی مدد کرو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" معاویہ نے زور دے کر حتمی انداز میں کہا۔

"کیوں ممکن نہیں ہے معاویہ۔۔۔ اگر ہم اتنی سی مدد کر۔۔۔"

اس بار معاویہ نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"منفرا میری بات سنو میں اب کسی اور کے مسئلے میں پڑنا نہیں چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ جو بھی ہونا ہے ہو کر ہی رہے گا۔ میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے کہ اسے اس طرح کے سوشل ورک کے لیے ضائع کروں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ میرے کہنے پر اس کے گھر والے اس بات پر یقین کر لیں گے؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ انہیں لگے کہ میری شکل میں وہ کسی سے جھوٹی گواہی دلوا رہی ہے۔ میرے پاس بھی کوئی ثبوت تو نہیں ہے ان کے داماد کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے۔۔۔ سو پلیز تم بھی بھول جاؤ یہ سب۔۔۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ میں یا میری فیملی ایسے معاملات میں پڑیں۔"

معاویہ نے بیحد سنجیدگی سے بات مکمل کی تھی اور اپنا مگ دوبارہ سے اٹھا لیا تھا۔

اس کے انداز منفرا کو سمجھا گئے تھے کہ کم از کم اس معاملے میں وہ خوش نصیب کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

خاموشی آئی اور اس نے ان دونوں کے درمیان جگہ بنا لی۔۔۔

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد منفرا نے دل کڑا کر کے بات شروع کی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر تم اس کی مدد نہیں کرنا چاہتے تو تمہاری مرضی۔۔۔ کم از کم مجھے اتنی اجازت دو کہ میں اس کی مدد کر سکوں۔"

"اچھا۔۔۔ اور تم کیا کرو گی؟"

"ہم اسے جاب دے سکتے ہیں ا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کی فائننشیل اور ریزیڈینشل ایشوز تو سولو ہو جائیں گے۔"

"منفرا۔۔۔ پلیز۔۔۔ لیو دس ٹاپک اینڈ سٹے اوے فرام ہر۔۔۔"

معاویہ نے کافی کا کپ ٹیبل پر پٹخا اور تیزی سے روم میں واپس چل گیا۔

کچھ دیر بعد جب منفرا اسے منانے کے غرض سے کمرے میں آئی تو معاویہ سونے لیٹ چکا تھا۔ منفرا دل مسوس کر رہ گئی۔

اگلی صبح معاویہ کا موڈ حیران کن طور پر بالکل ٹھیک تھا اور منفرا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آفس جانے سے پہلے معاویہ نے اسے خوش نصیب کو جاب دینے کی اجازت دے دی تھی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

رات دس بجے کا وقت تھا۔

رضوی ہاؤس میں اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا۔مکین کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

''میں نے خوش نصیب کو معاویہ اور منفرا کے پاس بھیج دیا ہے جاب کے لیے۔'' مسٹر رضوی اپنا لیپ ٹاپ لیے بیڈ پر بیٹھے تھے جب مسز رضوی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ان کے پاس آ بیٹھیں۔وہ شام میں ہی اسلام آباد واپس پہنچے تھے۔

''کیوں؟ جب ہم نے یہ ڈیسائیڈ کر لیا تھا کہ خوش نصیب کو معاویہ کے بارے میں نہیں بتانا تو پھر؟'' مسٹر رضوی نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور حیرانی سے بولے۔

''وہ بیچاری بہت پریشان تھی۔ صبح میری بات ہوئی تو اسی بارے میں بات کرتی رہی۔رضوی صاحب مجھ سے تو اس بچی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں بیگم جیسے اب معاویہ مان جائے گا اس کے ساتھ چلنے کو۔خوش نصیب سے ابھی تک بات چھپانے کا کیا فائدہ ہوا۔۔۔آپ جانتی ہی ہیں معاویہ نہیں مانے گا۔''

''مجھے پتا ہے وہ نہیں مانے گا مگر کم از کم وہ کوشش تو کر لے۔پھر جو اللہ کو منظور۔۔۔''

''یہ بھی صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔کیا بول کر بھیجا تھا اسے؟''

''کیئر ٹیکر کی جاب کا بتایا تھا اسے۔ یہ نہیں بتایا کہ وہ معاویہ کا گھر ہے۔معاویہ نے مجھے بچوں کے لیے کیئر ٹیکر ڈھونڈ کر دینے کو بولا تھا۔منفرا کو کال کر دی تھی میں نے کہ اس کی مدد کریں۔سب بتا بھی دیا ہے۔خوش نصیب بھی اسے سب سچ بتا آئی ہے۔وہ لوگ کم از کم اسے کام پر رکھ سکتے ہیں۔اس کا رہائش کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔اتنا ہی کر سکتے ہیں ہم رضوی صاحب باقی اس بچی کی قسمت۔''

''ٹھیک کیا آپ نے۔۔۔''

''آپ گئے تھے خوش نصیب کے گھر؟'' انہوں نے پر امید لہجے میں پوچھا۔

''ہاں گیا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔اس کے تایا نے خوش نصیب کو واپس بلانے سے انکار کر دیا۔اس کی بلا سے خوش نصیب جیے یا مرے۔۔۔'' وہ سخت افسردہ تھے۔

بات مکمل کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ پر لیٹ گئے تھے اور مسز رضوی افسردگی سے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

عصر کا وقت تھا۔

وہ نماز پڑھ کر باہر لان میں آ بیٹھی۔

http://kitaabghar.com KitaabGhar.Com

آج تیسرا دن تھا اسے منفرا سے مل کر آئے ہوئے لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اب تو وہ ہمت ہارنے لگی تھی۔ منفرا نے اسے کہا تھا کہ وہ معاویہ سے بات کرے گی اور اسے راضی کرے گی کہ وہ خوش نصیب کی مدد کرے۔

خوش نصیب کے ساتھ جانے والی مدد تو ایک طرف۔۔۔ان لوگوں نے تو اسے جاب کے لیے بھی سلیکٹ نہیں کیا تھا۔ اس کی جمع پونجی ختم ہو رہی تھی۔ پریشانیوں میں ایک ایک کر کے اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

چنانچہ آج بھی اخبار ہاتھ میں تھا۔ وہ نوکری کے تمام اشتہار پڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دو کو تو دائرہ بنا کر پوائنٹ آؤٹ بھی کر دیا گیا تھا۔

موسم بدل رہا تھا۔ نومبر کا اختتام سر پر تھا۔ موسم کافی حد تک سرد ہو چکا تھا۔ اس سب کے باوجود اس وقت خوش نصیب کو لان میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ ہوا میں ٹھنڈک تھی۔ وہ یقیناً اس ٹھنڈک کا مزہ لیتی اگر اس وقت اپنی جاب کی پریشانی کا شکار نہ ہوتی۔

اس نے چائے کا مگ اٹھا کر ایک سپ لیا اور ایک اور اشتہار پڑھنا شروع کیا۔

یہی وقت تھا جب اس کے موبائل پر کال آنا شروع ہوئی تھی۔

وہ چونک کر موبائل کی جانب متوجہ ہوئی۔

اجنبی نمبر تھا جسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے تذبذب کا شکار ہوئی تھی لیکن پھر اس نے کال اٹینڈ کر لی تھی۔

''ہیلو۔۔۔کون بات کر رہا ہے؟'' اس نے سلام کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ انداز سخت کہ اگر کوئی یہ کال تنگ کرنے کی نیت سے کر رہا ہے تو شروع میں ہی ہمت ہار دے۔

''اسلام وعلیکم۔۔۔'' بے حد شائستہ انداز میں کہا گیا تھا۔ زنانہ آواز تھی مگر خوش نصیب کو سوچنے کے باوجود یاد نہیں آیا کہ یہ کس کی آواز ہے۔

وہ خاموش رہی تھی۔ سلام کا جواب تک نہ دیا تھا۔ تبھی دوبارہ سے آواز گونجی۔

''خوش نصیب سے بات کروا دیں۔''

''آپ کون بات کر رہی ہیں؟'' خوش نصیب نے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

''میں میں مسز معاویہ بات کر رہی ہوں۔''

خوش نصیب کو منفرا کا نام سن کر جھٹکا لگا۔

''جی اسلام وعلیکم۔۔۔میں خوش نصیب ہی بات کر رہی ہوں۔''

''اوہ وعلیکم اسلام۔۔۔کیسی ہو خوش نصیب؟''

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔آپ کیسی ہیں؟''

http://kitaabghar.com

"میں ٹھیک ہوں۔کل سے سوچ رہی ہوں تمہیں کال کرنے کا مگر وقت نہیں مل سکا۔"

خوش نصیب کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ مزید کیا کہے۔۔۔سو چپ ہی رہی۔

"اچھا خوش نصیب مجھے یہ بتاؤ۔۔۔کل تم گھر آسکتی ہو؟" منفرا نے کو دہی بات آگے بڑھائی تھی۔

"جی آ تو میں جاؤں گی۔۔۔مگر۔۔۔سب خیریت ہے؟" خوش نصیب کا دل پوری شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"ہاں سب خیریت ہے۔۔۔دیکھو میں تم سے چھپاؤں گی نہیں۔۔۔معاویہ تمہارے ساتھ لاہور جانے کے لیے تو راضی نہیں ہوا ہے لیکن میں نے انہیں اس بات پر راضی کرلیا ہے تو تمہیں جاب دیں۔۔۔" منفرا اتنا بول کر خاموش ہوگئی۔

خوش نصیب کا دل ٹوٹ گیا۔جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ منفرا معاویہ کو منانے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔لیکن۔۔۔

"دیکھو خوش نصیب! بات کو تھوڑا سا سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم ابھی ہمارے پاس کام اسٹارٹ کرو۔۔۔مجھے امید ہے معاویہ کبھی نا کبھی اس بات پر ضرور راضی ہوجائیں گے کہ وہ تمہارے ساتھ جائیں اور تمہارے گھر والوں کو سب سچ بتائیں۔۔۔اور جب تک ایسا نہیں ہوتا تب تک کے لیے تمہارے فائنینشل اور ریزیڈینشل ایشوز تو سولو ہوجائیں گے ہمارے پاس کام کرنے سے۔"

خوش نصیب نے ٹھنڈی سانس بھری۔" آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں منفرا۔۔۔جاب اب میرا شوق نہیں ضرورت ہے۔۔۔آپ بتائیں میں کل کس وقت آپ کے پاس آؤں۔"

"تم فکر مت کرو۔۔۔اللہ بہتر کرے گا۔تم کل بارہ بجے تک آجانا گھر۔۔۔تمہارا کام اور سیلری وغیرہ ہم کل ڈسکس کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔میں کل آجاؤں گی۔۔۔" خوش نصیب نے کہا۔

"گڈ۔۔۔کل ملتے ہیں۔ اللہ حافظ۔"

منفرا نے کال بند کرنا چاہی مگر تبھی اسے خوش نصیب کی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ منفرا۔۔۔میرے لیے آپ حقیقتاً فرشتہ ثابت ہوئی ہیں۔خدا حافظ۔"

شام مسکرا دی۔گھروں کے لوٹتے پرندوں نے اس مسکراہٹ کا راز جاننا چاہا لیکن شام نے کسی کو معلوم نہ ہونے دیا کہ خوش نصیب بالآخر دوسروں کے احسان ماننا سیکھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

بل کھاتے رستوں پر وہ جیپ بھاگتی چلی جارہی تھی۔وہ تعداد میں تین تھے۔ تینوں کے چہروں پر خوشی اور عزم صاف دکھائی دیتا تھا۔انہیں اسلام آباد سے نکلے کافی وقت گزر چکا تھا۔امید تھی کہ اگلے ایک گھنٹے میں وہ بشام کی حدود میں داخل ہوجائیں گے۔ ہنستے مسکراتے وہ آگے بڑھتے جارہے تھے۔راستہ ختم ہونے کو تھا اور منزل قریب دکھائی دیتی تھی۔

ایسے میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے کسی بات پر ہنستے ہوئے ایک خطرناک موڑ کاٹا تھا اور اس سے پہلے کہ جیپ پوری طرح روڈ پر مڑ جاتی۔اسٹیرنگ وہیل نے گھومنے سے انکار کر دیا۔۔۔اس نے پوری طاقت لگا دی تھی وہیل موڑنے میں۔۔۔لیکن ناکام رہا۔ صرف چند لمحوں کا کھیل تھا اور تیز رفتار جیپ کھائی میں گرتی چلی گئی۔۔۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
ایس اے نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول
جامِ حسرت
ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔
kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
محمد شعیب کا بہت خوبصورت اور طویل ناول
ابابیل
ہر ماہ کی 20 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔
kitaabghar.com

''بھائی لوگ آگے ایک پنگا ہوگیا ہے۔'' اتری ہوئی شکل کے ساتھ یاسر نے بیک ڈور اوپن کیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ ہاتھوں کو ملتے ہوئے ٹھنڈک کے احساس کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیف فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا جبکہ زرگل ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔

یہ لوگ آج ہی صبح سویرے بشام کے لیے روانہ ہوئے تھے۔گھڑی کی تیزی سے بھاگتی ہوئی سوئیاں تو کہتی تھیں کہ انہیں اب تک بشام میں داخل ہو جانا چاہیے تھا مگر بھلا ہو ٹریفک کا جو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے انہیں ایک ہی جگہ روکے کھڑی تھی۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔شمالی علاقہ جات میں برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔وہ جدھر بھی دیکھتے، نگاہ جتنی دور تک جا سکتی تھی وہاں تک سفید رنگ ہی بکھرا نظر آتا تھا اور اب حدِ نگاہ میں جس چیز کا اضافہ ہوا تھا وہ گاڑیوں کی لمبی لائن تھی۔

ان تینوں کا مشترکہ خیال تھا کہ آگے کہیں لینڈ سلائڈنگ ہوئی ہے جس کی وجہ سے ٹریفک بلاک ہوئی ہے پھر اڑتی اڑتی خبر ملی کہ لینڈ سلائڈنگ نہیں ہے۔آگے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس کی وجہ سے راستہ بند ہے۔۔۔

تقریباً پندرہ منٹ پہلے انتظار سے تنگ آکر کیف نے یاسر کو مکمل معلوات لانے کے لیے روانہ کیا تھا اور اب جب وہ واپس آیا تو منہ لٹکا ہوا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ بارہ کیوں بجے ہیں منہ پر؟'' کیف نے اس کی اتری شکل پر حیرانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔''اس کی شکل کچھ اور اتر گئی۔

'' اس سے کچھ مت پوچھو۔۔۔'' زرگل نے یاسر سے بھی زیادہ اداس شکل بنا کر کہا۔''اس کا کے منّے کو امی یاد آ رہی ہیں ابھی سے۔۔۔'' شرارت سے چمکتی آنکھیں اور شکل پر مصنوعی اداسی لیے زرگل نے جملہ مکمل کیا تو کیف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی مگر یاسر کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

یاسر نے ان دونوں کو بتایا تھا کہ وہ پہلی بار اس طرح اکیلا دوستوں کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔گھر میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث اسے ابھی تک گھر میں بچہ ہی سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ اس سے پہلے اسے ٹرپس کے ساتھ جانے کی بھی اجازت نہیں ملتی تھی۔اس ٹرپ کی اجازت بھی اس نے آفیشل اسائنمنٹ کے نام پر لی تھی۔

بیچارہ یاسر۔۔۔جس نے اپنا غم بانٹنے کو انتہائی دکھی انداز میں ان دونوں کو یہ سب بتایا تھا لیکن خدا پوچھے کیف اور زرگل کو جن کے ہاتھ ایک لطیفہ لگ گیا تھا۔اب تقریباً ہر دوسری بات پر اسے یہ سننے کو مل رہا تھا کہ وہ گھر کو یاد کر رہا ہے۔زرگل نے تو اسے یاسر کی بجائے کاکا منّا کہہ کر بلانا شروع کر دیا تھا۔

''ہیں۔۔۔کاکے۔۔۔منے۔۔۔امی یاد آرہی ہیں تمہیں؟ واپس چھوڑ آئیں تجھے؟'' کیف نے بھی اسے چھیڑا۔

''بھائی تنگ مت کریں۔'' یاسر چڑ گیا۔

دوسری طرف کیف اور زرگل کو اس کے چڑ جانے پر حیرانی ہوئی۔ان دونوں کا خیال تھا کہ شاید یاسر سفر کی طوالت سے تنگ آ گیا ہے لیکن اس کا لہجہ کوئی اور کہانی سنا رہا تھا۔

''اوئے یاسر بھائی؟ خیر تو ہے؟ موڈ کیوں آف ہوگئی ہے تیری؟'' زرگل نے اسے اپنے مخصوص انداز میں پچکارا۔

''ایکسڈنٹ ہوا ہے آگے۔گاڑی کھائی میں گر گئی ہے۔امدادی کاروائی کی وجہ سے راستہ بند کیا ہے۔کہہ رہے ہیں پندرہ بیس منٹ میں کلئیر ہو جائے گا راستہ۔''اس کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

''اوہو۔۔۔ کون لوگ تھے؟ کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟'' اب کے زرگل بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ان دونوں کو یاسر کی افسردگی کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔

'' تین لوگ تھے کار میں۔۔۔دو کی ڈیتھ ہوگئی ہے موقع پر ہی۔۔۔'' یاسر نے رک رک کر بتایا تھا۔

کیف اور زرگل کچھ بول نہیں سکے۔گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔یہی وقت تھا جب ان کی گاڑی سے اگلی گاڑی آہستہ آہستہ سرکنا شروع ہوئی۔زرگل نے بھی جلدی سے گاڑی کو اسٹارٹ کر لیا۔

'' تیسرا حیات ہے لیکن شدید زخمی ہے۔گاڑی کا دروازہ کھل گیا تھا سو وہ گاڑی سے باہر جا گرا اس لیے زندہ بچ گیا ہے۔لیکن کہہ رہے ہیں کہ اس کے بچنے کے چانس بھی بہت کم ہیں۔'' یاسر نے پھر سے خاموشی کا پردہ چاک کیا تھا۔

''اللہ اسے شفا دے۔۔۔امین۔۔۔'' کیف نے آہستہ سے کہا۔

''اور مرنے والوں کو مغفرت فرمائے۔امین۔'' زرگل نے اضافہ کیا۔

''بھائی وہ لوگ بشام جا رہے تھے۔۔۔کسی ٹیلی فلم کی شوٹنگ کے لیے۔۔۔''

کیف اور زرگل نے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''اتنی انفارمیشن کہاں سے مل گئی؟'' کیف نے پیچھے مڑ کر یاسر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''دو گاڑیاں تھیں ان کی۔جیپ کھائی میں گری ہے دوسری ساتھ پک اپ تھی۔جیپ میں تین لوگ تھے اور کچھ پک اپ میں ان کے سامان کے ساتھ تھے۔کیمپنگ وغیرہ کرنی تھی شاید ان لوگوں نے۔میں ان کے باقی ساتھیوں سے مل کر آیا ہوں۔ بشام میں کوئی قلعہ ہے فلک بوس اسے شوٹ کرنا تھا ان لوگوں نے۔'' یاسر بتاتا چلا گیا جبکہ کیف اور زرگل بشام کے بعد فلک بوس کے ذکر پر چونک گئے تھے۔

ٹریفک اب کچھ رواں ہو گئی تھی۔

http://kitaabghar.com

اگلے پانچ منٹ میں زرگل نے گاڑی ایک چھوٹے سے ٹی سپاٹ پر روک دی۔

''یار یاسر! چائے کا تو آرڈر دو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔'' زرگل کا لہجہ خلافِ معمول سنجیدگی سمیٹے ہوئے تھا۔

یاسر اثبات میں سر ہلاتا ہوا گاڑی سے اتر گیا۔

زرگل بے حد سنجیدگی سے اسٹیرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے بیٹھا تھا۔ نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن پر سوچ چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہے۔

''کیف۔۔۔''

کیف بھی یاسر کے پیچھے جانے کی نیت سے دروازہ کھول رہا جب زرگل نے اسے روک لیا تھا۔

''ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر واپس لوٹ سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں انجانے خدشے سنائی دیتے تھے۔'' فلک بوس نے کبھی کسی کو کوئی خوشی نہیں دی۔ ایوشمتی نے آج تک ہر کسی کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ اور یہ نقصان عموماً جان کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ مثال تمہارے سامنے ہے۔''

'' اوہ مائی گاڈ۔۔۔'' کیف کھلکھلا کر ہنسا تھا۔'' مجھے پہلے ہی شک تھا خان صاحب! کہ آپ کے دماغ میں ایسی ہی کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔ یار خدا کا کچھ تو خوف کرو۔ موت برحق ہے بھائی۔ اسی وقت پر آنی ہے جو وقت طے کر دیا گیا ہے۔ کوئی ایوشمتی، کوئی فلک بوس کسی کی موت کی وجہ نہیں بن سکتے۔۔۔ سوائے اس صورت میں کہ اللہ نے ان کو موت کی وجہ بنانا ہو۔''

''کیف میں تیری ان سب باتوں سے متفق ہوں۔ مگر پھر بھی مجھے سمجھا کہ جب بھی فلک بوس کی بات آتی ہے ساتھ موت کا ذکر لازمی آتا ہے۔''

''یار تو ڈر گیا ہے۔۔۔ اور کوئی بات نہیں۔۔۔ ڈرپوک انسان۔۔۔'' کیف نے اس کا مذاق اڑایا۔

''یار میں موت سے نہیں ڈرتا۔۔۔'' زرگل نے خفگی سے سر جھٹکا۔'' لیکن ایڈونچر کے نام پر خود کو موت کے حوالے کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟''

''جب قسمت میں موت ایڈونچر کے نام پر آنا لکھی ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ زندگی خود گھسیٹ کر آپ کو ایڈونچر کا پارٹ بنا دیتی ہے میرے بھائی۔۔۔''

کیف اس کی بات پر بھی مسکراتا رہا تھا۔ اور یہ مسکراہٹ زرگل کو آگ لگانے کو کافی تھی۔ یعنی کہ حد ہو گئی۔۔۔ اس کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

''جا پھر سامنے کھائی میں چھلانگ لگا دے۔۔۔ یہ بھی ایڈونچر ہی ہوگا۔ زندگی ہوئی تو پکا بچ جائے گا۔'' وہ جل کر بولا تھا۔

http://kitaabghar.com

''ہاہاہا۔۔۔ایڈونچر اور خودکشی میں فرق ہے خان صاحب۔۔۔'' کیف نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے مزید چڑایا اور وہ چڑ بھی گیا۔

''اب بتیسی ہی دیکھاتا رہے گا یا میری بات پر سیریس بھی ہوگا؟'' زرگل نے چڑ کر کہا۔

''مجھے بتا اب تو کیا چاہتا ہے۔۔۔کیا کرنا ہے آگے؟'' کیف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میری مان تو بشام کو چھوڑ دے۔۔۔کہیں اور چلتے ہیں۔کچھ موج مستی کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔'' زرگل نے نیا پلان بنایا۔

''ممکن ہی نہیں ہے۔'' کیف بھی اب سنجیدگی سے بولا تھا۔''اول تو یہ کہ میں اب اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔میں نے کہا تھا کہ میں فلک بوس کے راز سے پردہ اٹھاؤں گا تو میں یہ کر کے ہی رہوں گا۔دوسرا یہ کہ اگر تو واپس جانا چاہتا ہے تو چلا جا۔یاسر کو بھی ساتھ لے جا۔۔۔مگر میں تو بشام ہی جاؤں گا۔''

''تو میری بات نہیں مانے گا؟'' زرگل تیز لہجے میں بولا۔

''کم از کم یہ بات تو نہیں مانوں گا۔'' کیف کی ہٹ دھرمی اس وقت عروج پر تھی۔

''یار نہ کر ایسے۔۔۔'' زرگل اس کی ہٹ دھرمی سے کچھ نالاں ہوا تھا۔اسے امید تھی کہ اس کا تیز لہجہ کیف کو اس کی ماننے پر مجبور کر دے گا مگر۔۔۔

''یار میں تجھے بول تو رہا ہوں۔تو نے جانا ہے نا تو چلا جا۔۔۔میں تجھے تو مجبور نہیں کر رہا نا کہ میرے ساتھ چل۔''

''تجھے لگتا ہے کہ میں تجھے ایسے چھوڑ کر جاؤں گا۔مجھے خود سے زیادہ تیری فکر ہے لالے! دوستی کے نام پر تو میری جان بھی قربان ہے۔مجھے ٹینشن ہے تو تیری۔۔۔'' وہ کچھ جذباتی انداز میں بولا تو کیف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو فکر نہ کر۔۔۔ اللہ نے چاہا تو ہم کامیاب ضرور ہوں گے۔'' کیف کا ہاتھ زرگل کے کندھے پر آٹھہرا تھا۔

اور وہ صرف ہاتھ نہیں تھا۔۔۔ایک مان تھا ایک دوست کا دوسرے دوست پر۔۔۔اور زرگل کی رگوں میں دوڑتا خون اسے اجازت نہیں دیتا تھا کہ کیف کو اکیلا چھوڑ دیتا۔اس نے گہری سانس بھر کر خود کو پرسکون کرنے کے لیے اپنا سر اسٹیرنگ پر ٹکا دیا۔چند لمحوں بعد وہ پھر بولا تھا۔

''اور یاسر کا کیا؟''

''یاسر کا کیا؟ وہ ساتھ جائے گا اور اپنا ٹرپ انجوائے کرے گا۔فلک بوس والے معاملے سے اسے دور رکھو۔''

''نہیں کیف۔۔۔یہ زیادتی ہے۔۔۔ اسے ساتھ لے جانا ہے تو سب سچ بتاؤ ورنہ واپس بھیج دو اسے۔میں پہلے بھی اسے ساتھ لانے کے حق میں نہیں تھا۔یہ تیری خواہش تھی کہ وہ ساتھ آئے۔اب اسے سچ بتاؤ سب۔۔۔تاکہ وہ خود فیصلہ کرے کہ اسے ساتھ جانا

ہے یا نہیں۔" زرگل کی سنجیدگی کیف کو بھی سنجیدہ کر گئی تھی۔

"ٹھیک ہے یار! اسے بتا دیتے ہیں۔ ڈونٹ وری۔۔۔ابھی ڈسکس کر لیتے ہیں اس سے۔"

کیف نے حامی بھری تو زرگل نے آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سے اتنا نہیں تھکا تھا جتنا انجانے خدشات نے اسے تھکا ڈالا تھا۔

☆......☆......☆

"یہ لیں سر! گرم گرم چائے۔"

ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے اس چھوٹے سے ٹی پوائنٹ پر بھی اچھا خاصا رش تھا۔تقریباً آدھا گھنٹا لگ گیا تھا یاسر اور کیف کو چائے لانے میں۔ زرگل سے بات کرنے کے بعد کیف بھی گاڑی سے نکل کر یاسر کے پیچھے چلا گیا تھا۔اور جب وہ لوگ واپس آئے تو یاسر کا موڈ پھر سے خوش گوار ہو چکا تھا۔

اگلے چند ہی لمحوں میں وہ تینوں اپنا اپنا چائے کا کپ تھامے باتوں میں مصروف تھے۔یاسر انہیں گھر میں چھوٹا ہونے کے نقصانات گنوا رہا تھا جب کیف نے اس سے پوچھا تھا۔

"یاسر! تم جب بھوت پر یقین کرتے ہو؟"

"اللہ کا نام لیں سر۔۔۔زندگی میں پہلی بار گھر سے دوسرے شہر جانے کو اکیلا نکلا ہوں اور آپ مجھے جب بھوتوں سے ڈرا رہے ہیں۔" وہ مسخرے پن سے بولا۔

"اوئے خانہ خراب کا بچہ۔۔۔! تجھ سے بڑی بھوت کم از کم پاکستان میں نہیں ہے اور تجھے تو ہم اپنے ساتھ لے آئی ہے۔اب تو اسلام آباد اور پنڈی کا تمام جن بھوت بھی تو تیرے چلے جانے پر شکرانے کے نفل پڑھتی ہوگی۔" زرگل منہ بنا کر بولا۔

"ہاں اور ساتھ ہی ساتھ آج رات کو بھوتوں کا جشنِ چھٹکارا فرام یاسر بھی منایا جائے گا۔اگلے سات دن تک لنگر بٹے گا بھوتوں میں۔ہر خاص و عام جن کے لیے خزانے کے منہ کھول دیے جائیں گے۔چڑیلوں کو مفت میں کھاڈی، نشاط لیلن اور گل احمد کے بہترین سوٹ بانٹے جائیں گے۔۔۔صحیح کہہ رہا ہوں نا زری بھائی میں؟" کیف کو اپنی سنجیدہ بات مذاق میں اڑائے جانے پر سخت غصہ آیا تھا تبھی چڑ کر بولا تھا۔

زرگل اور یاسر دل کھول کر ہنسے تھے۔چائے ختم ہو چکی تھی تو زرگل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"اوئے یار لالے! جن اور چڑیلوں میں بھی یہ برانڈز ہوتے ہیں؟"

"بالکل ہوتے ہیں۔۔۔" کیف سنجیدگی سے بولا۔"بلکہ میں تو ایک ایسے بھوت کو بھی جانتا ہوں جو ابھی بونینزا کا سویٹر پہنے

http://kitaabghar.com

ہوئے ہیں۔"

کیف کی گھورتی آنکھیں زرگل پر جمی تھیں۔

پیچھے بیٹھے یاسر نے قہقہہ لگایا کیونکہ زرگل اس وقت بونینزا کا سویٹر پہنے ہوئے تھا۔

"آہم ---" زرگل نے شرمندہ سا ہنکارا بھرا اور بولا۔ "لیٹس کم بیک ٹو دا ٹوپک ---ہاں بھائی یاسر خاناں تم بولو یقین کرتی ہے ان جن بھوتوں پر؟"

"یقین ہے بھائی---کوئی وجہ ہی نہیں ہے یقین نہ کرنے کی۔" یاسر کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ "جب اللہ نے بتا دیا کہ جنوں کا وجود ہے تو میں کون ہوتا ہوں یقین نہ کرنے والا۔"

"پھر تو ڈر بھی لگتا ہوگا بھوتوں سے؟" زرگل نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی ڈر مجھے اس دنیا میں اپنے ابا کے بعد صرف علوی صاحب سے لگتا ہے۔" وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

"اوئے بے شرم انسان تو اپنے ابا کو بھوت بول رہا ہے۔" کیف نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"سر جی میں ابا کی نہیں علوی صاحب کی بات کر رہا تھا۔ آپ نے ان کی آنکھیں دیکھیں ہیں؟ اتنی سرخ سرخ ہیں---غضب خدا کا مجھے تو پورا پورا شک ہے ان پر۔" یاسر منہ بنا کر بولا تو وہ دونوں مسکرا دیے۔

"بس کر دے مسخریاں--- اب سنجیدہ ہو کر ایک بات بتا۔" زرگل نے اسے ڈپٹا۔

"پوچھیں بھائی۔"

"ڈر لگتا ہے جنوں بھوتوں سے؟

"نہیں---"

"کیوں؟" کیف نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"کیوں کہ ان کی الگ دنیا ہے---" یاسر نے فوراً کہا۔

کیف کا حوصلہ اور بلند ہو گیا۔

"اور اسمگلرز سے؟ غیر قانونی کام کرنے والوں سے؟ اور ایسے لوگ جو اپنے غلط کام چھپانے کو جان لینے سے گریز نہیں کرتے؟ یا پھر دہشتگردوں سے؟" اب کی بار کیف بولا تھا کیونکہ فلک بوس کی کہانی سے وہ جو بھی سمجھ پایا تھا اس سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ فلک بوس کسی غیر قانونی کام کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

" بھائی مجھے مرنے سے خوف نہیں آتا---موت برحق ہے اپنے وقت پر آ ہی جاتی ہے۔اور جو چیز ہر حال میں ہونی ہی ہے

اس سے ڈرنا کیسا۔۔۔" یاسر نے پرسکون انداز میں سر جھٹکا۔

کیف کو اس کے خیالات سن کر خوشی ہوئی تھی یہ اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

"اچھا یہ بتا اگر ہم تجھے کہیں کہ ہمارے ساتھ کسی ایسی جگہ چل جہاں کہا جاتا ہے کہ وہ جگہ ہونٹڈ ہے تو چلو گے؟" کیف نے پوچھا۔

" بھائی آپ کے ساتھ تو میں دنیا کے آخری کونے تک جا سکتا ہوں۔ چاند کے اس پار جا سکتا ہوں۔ جیو پیٹر پر جا سکتا ہوں ۔۔۔ مارس پر جا سکتا ہوں۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے لہک لہک کر بول رہا تھا۔

"کیف نے پیچھے مڑ کر ایک چپت رسید کی۔

"اوئے تو دوست بن، کولیگ بن۔۔۔ محبوبہ نہ بن۔۔۔"

"ہاہاہا۔۔۔ اگر گھما گھما کر بات کرو گے تو میں تو بنوں گا محبوبہ۔۔۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"یار تو سنجیدہ ہو جا۔۔۔ تیری مہربانی۔۔۔ مجھے لگتا ہے پہاڑوں نے کاکے منے کے دماغ پر الٹا اثر ڈالا ہے۔ تب ہی ہر بات کا الٹا جواب فر فر آ رہا ہے۔" کیف بولا تھا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا ۔۔۔ اب آپ محبوبہ بن کر ناراض نہ ہوں۔ آپ مجھے سیدھا سیدھا بتائیں نا جو بھی بتانا ہے یہ گھما گھما کر سوال کیوں پوچھتے ہیں۔" یاسر نے آنکھیں مٹکائیں۔

"بڑا گھنا میسنا انسان ہے تو یاسر۔۔۔" کیف نے اسے گھور کر دیکھا۔ "مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تجھے پہلے سے ہی سب پتا ہے جو میں بتانا چاہتا ہوں۔"

اور یاسر پھر سے ہنس دیا۔

"کچھ کچھ پتا ہے آپ مکمل بات بتا دیں۔"

"اچھا جی۔۔۔ جو حکم۔۔۔ کیا کیا پتا ہے آپ کو ذرا اس بات پر روشنی ڈالیں۔" کیف نے اس کی چالاکی پر سر دھنا۔

" یہ مجھے پتا ہے کہ آپ لوگ بشام کسی رپورٹ کے لیے نہیں جا رہے۔۔۔ آپ وہاں فلک بوس کے چکر میں جا رہے ہیں۔" یاسر نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیں جی زرگل صاحب! آپ ان کی رائے جان لیں۔ جنہیں آپ کا کامنا سمجھ کر سچائی بتانے چلے تھے وہ بھائی صاحب آپ کے بھی گرو نکلیں ہیں۔" کیف نے زرگل کو چڑایا۔

"یاسر بھائی! اپنا ہاتھ آگے لاؤ۔۔۔ ہم ابھی آپ کو اپنا پیر و مرشد بنائے گی۔" زرگل نے اپنا سر دھنا تھا۔

" اچھا اب آپ دونوں میرا مذاق نہ اڑائیں۔" یاسر نے ناک چڑھائی۔ "میں نے کچھ دن پہلے کیف بھائی کا ڈیسک ٹاپ یوز

کیا تھا۔انہوں نے بشام اور خاص طور پر فلک بوس کے بارے میں کافی سرچ کیا ہوا تھا۔بس میں سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔اس لیے ہی میں آپ کے ساتھ آنا چاہتا تھا۔۔۔ایڈونچر یونو۔۔۔۔"یاسر مزے سے بولا۔

"زرگل خبردار جواب تو نے اس شیطانوں کے سردار کو کا منا کہا تو۔۔۔" کیف کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔اسے امید نہیں تھی کہ یاسر اتنی جلد بات تک پہنچ جائے گا۔

"زرگل بھائی آپ پلیز کیف بھائی کی بات پر ضرور عمل کریں۔" یاسر نے فخر سے اپنا کالر جھٹکا۔ "بہرحال اب آپ لوگ مجھے سب سچ سچ بتائیں کہ چکر کیا ہے؟"

یاسر کی بات پر کیف اور زرگل بھی سنجیدہ ہو گئے۔کیف نے بات شروع کی۔

"یار بات یہ ہے کہ ہم لوگ بشام فلک بوس کے راز جاننے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ بات شروع ہوئی تھی اس دن سے جب وہ بابا جی آئے تھے جن کی بھانجی۔۔۔۔" اور کیف اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ لوگ بشام کی حدود میں داخل ہوئے تو کیف یاسر کو ساری بات بتا کر خاموش ہو چکا تھا۔گاڑی میں مکمل خاموشی طاری تھی۔وہ تینوں اپنی اپنی جگہ،اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔

شام رات میں ڈھلنا شروع ہو چکی تھی۔روشنی رخصت ہونے سے پہلے آہستہ آہستہ اندھیرے کی چادر اوڑھ رہی تھی۔

کیف نے ونڈ اسکرین سے دیکھا تھا۔

اوپر۔۔۔بہت اوپر پہاڑوں کے درمیان فلک بوس کے اونچے مینار، جو برف سے ڈھکے تھے،پوری شان وشوکت سے کھڑے ماحول پر عجب ہیبت طاری کر رہے تھے۔کیف لاشعوری طور پر فلک بوس کو تکتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

بشام میں ان کی رہائش کا انتظام زرگل کی ذمہ داری تھی۔

بشام کی زیادہ تر آبادی کا تعلق ہندو مذہب سے تھا اور زرگل کسی ہندو کے گھر میں پے انگ گیسٹ بننے کو راضی نہیں تھا۔

کسی ہوٹل میں رکنے کے لیے انہیں اپنی اصل شناخت اور آئی ڈی کارڈ دینے پڑتے جو کہ انہیں منظور نہیں تھا۔بہرحال کچھ تلاش بسار کے بعد اس نے اس وادی میں ایک ایسے مسلمان مقامی باشندے کو ڈھونڈ نکالا تھا جو کہ راضی تھا کہ وہ اپنے گھر کا ایک کمرہ انہیں پندرہ دن کے لیے کرائے پر دے گا۔

سلمان احمد نامی اس بندے کو اپنا تعارف انہوں نے فوٹوگرافرز کے طور پر کروایا تھا جو کسی غیر ملکی مقابلے میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے اور اسی مقصد کے لیے بشام کے خوبصورت مناظر کی تصاویر کھینچنے چاہتے تھے۔

ان کی معصوم شکلیں، شریفانہ انداز و اطوار، یاسر کے گلے میں لٹکا ہوا پروفیشنل کیمرہ اور سب سے بڑھ کر کچھ نیلے نوٹ اس معصوم انسان کو ان کی بات پر یقین کرنے پر مجبور کر گیا۔ رہائش کا انتظام تو آسانی سے ہو گیا تھا۔ گھر اچھا تھا۔ چھوٹا سا ڈبل اسٹوری گھر تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ گھر کے مالک کا تعلق بشام کے چند گنے چنے امیر خاندانوں میں سے تھا۔

سارا دن وہ سفر کر کے اتنا تھک گئے تھے کہ انہوں نے کھانا کھانے کی بھی زحمت نہیں کی۔ کمرہ میسر آتے ہی انہیں جہاں جہاں جگہ ملی وہ تینوں پڑ کر سو گئے تھے۔

صبح سب سے پہلے کیف کی آنکھ کھلی تھی۔ پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ کہاں موجود ہے پھر آہستہ آہستہ دماغ جاگا تو سب یاد آتا چلا گیا۔ گھڑی پر نگاہ دوڑائی تو صبح کے نو بج چکے تھے۔ وہ جمائیاں لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں انگیٹھی جل رہی تھی اس لیے ٹھنڈک کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیف نے دیکھا کہ زرگل اور یاسر ابھی تک ایک دوسرے سے شرط باندھے سو رہے ہیں۔ انہیں جگانے کا ارادہ بدلتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پہاڑوں سے لے کر وادی کی گلیاں تک برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چونکہ پہاڑوں کے باسی ایسے موسم کے عادی ہوتے ہیں لہذا بشام میں بھی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ تا حال برف گرنا بند ہو چکی تھی سو لوگ بھی ضروری کام نبٹانے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔

کیف نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دور پہاڑوں کے درمیان فلک بوس پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا۔ اپنے نام کی مانند فلک بوس کا سب سے اونچا مینار آسمان کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ عمارت پورے بشام پر اپنا سایہ کیے ہوئے ہے۔ کیف کے دل میں آئی کہ جائیں اور دیکھے کہ کہیں سورج فلک بوس کے پیچھے ہی تو نہیں چھپا ہوا۔ لاشعوری طور پر وہ فلک بوس کو تکتا چلا جاتا تھا۔ کچھ تھا اس عمارت میں جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اپنی طرف بلا رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی کیف کو نظریں ہٹانے نہ دیتیں تھی۔ وہ خود کو مجبور پاتا تھا کہ فلک بوس کو دیکھتا رہے۔

پھر یک دم وہ چونکا گیا۔ لاشعوری طور پر اس نے ایک نظر گلی میں بھی ڈالی تھی اور اس ایک نظر میں ہی اس نے سلمان احمد کو گلی کے کونے سے مڑتے دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔ اپنی جیکٹ اور کیپ اٹھانے کے ساتھ ساتھ اس نے یاسر کا کیمرہ بھی گلے میں لٹکا لیا اور کمرے سے باہر کی جانب چل پڑا۔

کچھ ہی دیر بعد اگر کھڑکی میں سے دیکھیں تو وہ تیز تیز گلی کے دوسرے کونے کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اس کا رخ اسی سمت تھا جس سمت میں اس نے سلمان احمد کو جاتے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

"السلام وعلیکم سلمان صاحب۔۔۔!"

کیف تیز تیز چلتا ہوا جلد ہی اس کے قریب جا پہنچا اور کچھ فاصلے سے سلام جھاڑا۔

"ہیں۔۔۔" سلمان حیدر پیچھے سے با آواز بلند کیے جانے والے سلام پر مڑا تھا۔ یقیناً وہ اس اجنبی آواز سے حیران ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام صاحب۔۔۔"

وہ یقیناً کیف کے نام سے ناواقف تھا لیکن شکل سے ضرور واقف تھا سو نا صرف فوراً رک گیا بالکل فرم جوشی سے مصافحہ بھی کیا۔

"کیف۔۔۔کیف نام ہے میرا خان صاحب۔" کیف نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"جی جی کیف صاحب! بتایئے نیند تو اچھی آئی نا آپ کو؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟ بہت جلدی جاگ گئے آپ۔۔۔" وہ خلوص بھرے لہجے میں بولا۔

وہ رواں اردو میں پوچھ رہا تھا۔ شکل وصورت سے پٹھان ہونے کے باوجود اس اردو لہجہ بہت صاف تھا۔

"الحمدللہ سلمان بھائی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے فوراً رشتہ گانٹھ لیا۔

"آپ کے ساتھی ابھی تک سو رہے ہیں؟"

"جی وہ ابھی سو رہے ہیں۔ اور مجھے نہیں امید کہ وہ جلدی اٹھیں گے۔"

"تو آیئے گھر چلتے ہیں اور آپ کے لیے ناشتے کا انتظام بھی کروا دیتا ہوں۔" سلمان خوش دلی سے بولا تھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ناشتہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہی کر لوں گا۔"

سلمان جو گھر کی طرف مڑ چکا تھا کیف کے انکار پر رک گیا۔

"آپ غالباً کسی ضروری کام سے جا رہے تھے؟" کیف نے پوچھا۔

سلمان آگے بڑھا تو کیف نے بھی اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

"ہاں بس بازار تک جا رہا تھا۔ کچھ سامان لینا تھا۔" سلمان نے بتایا۔ یقیناً اب وہ کیف کو اللہ حافظ کہہ کر اپنی رفتار بڑھانا چاہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ایسا کچھ کہتا کیف نے جلدی سے کہا تھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ ٹائم بھی اچھا گزر جائے گا اور میں کچھ تصاویر بھی کھینچ لوں گا۔" کیف نے گلے میں پڑا کیمرہ تھپتھپایا اور بات جاری رکھی۔ "اور جب تک واپسی ہوگی میرے ساتھی بھی جاگ جائیں گے۔"

"ضرور ضرور۔۔۔ آیئے چلتے ہیں۔" دونوں آگے کی طرف چل پڑے۔

"تو کدھر کے رہنے والے ہو آپ؟" سلمان نے چلتے چلتے پوچھا تھا۔

"لاہور۔۔۔میں لاہور سے ہوں۔مگر کام کے سلسلے میں زیادہ وقت دوسرے شہروں میں گذرتا ہے۔"

"اچھا اچھا۔۔۔لاہور بڑا خوبصورت شہر ہے۔" وہ کیف سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا اور کیف نے تسلی بخش جواب دیے۔سلمان حیدر کافی باتونی انسان معلوم ہوتا تھا۔اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کیف جو کر سکتا تھا، کر رہا تھا۔تسلی بخش انداز میں وہ اس کے ہر سوال کا جواب جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ دے رہا تھا۔اسے امید تھی کہ ایک بار سلمان احمد کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گیا تو فلک بوس کے بارے میں اسے کافی کچھ معلوم ہو سکے گا۔

" ماشاءاللہ آپ اردو اچھی بول لیتے ہیں سلمان بھائی! میں نے بہت کم پٹھانوں کو اتنی صاف اردو بولتے دیکھا ہے۔" سلمان خاموش ہو گیا تو کیف نے بات برائے بات کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔میرا بھائی میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزارا ہے۔میری پیدائش بھی لاہور کی ہے۔میرے ابا وہاں فرنیچر کا کام کرتے تھے۔اپنی دکان تھی ان کی فرنیچر کی۔میں نویں کلاس میں تھا جب ہماری دکان میں آگ لگ گئی۔۔۔سب جل کر راکھ ہو گیا۔بابا برداشت نہ کر سکے ۔۔۔دل کے دورے میں جان سے چلے گئے۔حالات اتنے خراب ہوئے کہ ہمیں بشام واپس آنا پڑا۔پڑھائی کا سلسلہ بھی وہاں ہی رک گیا۔میری امی کے بھائی رہتے تھے یہاں۔۔۔بس پھر ہم یہاں ہی بس گئے۔۔۔لکڑی کا چھوٹا سا کاروبار ہے۔ اچھا گزر بسر ہو جاتا ہے۔" وہ بولنے پر آیا تو بتاتا ہی چلا گیا۔"پھر دیکھو نا یہاں پہاڑ ہیں، پھول پودے ہیں، چشمے ہیں۔۔۔صاف ستھری فضا ہے۔قدرت کی حسین نشانیاں ہیں۔ جو کچھ یہاں وہاں لاہور میں کہاں ملنا تھا ہمیں۔۔۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔" کیف نے متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔ "اس کا مطلب ہے آپ پچھلے دس بارہ سالوں سے بشام میں ہی رہ رہے ہیں۔"

"پچھلے سترہ سالوں سے۔۔۔" سلمان کا لہجہ کچھ فخریہ ہو گیا تھا۔"پچھلے سترہ سال سے میں بشام میں رہ رہا ہوں۔مجھے جو خوشی اور سکون یہاں ملا ہے کہیں اور مل ہی نہیں سکتا تھا۔"

اپنے علاقے کی بات کرتے ہوئے اس کا فخریہ انداز کیف کو باور کروا گیا تھا کہ سلمان احمد بشام کی محبت میں مبتلا ہے اور نہ صرف محبت میں مبتلا ہے بلکہ اس پر فخر بھی کرتا ہے۔کیف نے اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

"واہ۔۔۔پھر تو آپ ہمیں بشام کے بارے میں بہت سی معلومات دے سکتے ہیں۔دراصل ہمیں بشام کی تصاویر کے ساتھ ساتھ یہاں کے بارے میں رپورٹ بھی تیار کر کے دینا ہو گی۔اور یقیناً اس سے بشام کے بارے میں پوری دنیا کو معلوم ہو سکے گا کہ یہ کتنی خوبصورت جگہ ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور کیوں نہیں۔۔۔" کیف کی بات نے تو جیسے اس کی بیٹری چارج کر دی تھی۔"ایسا ہے بھائی کہ بشام شنگلا

ڈسٹرکٹ کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ آپ کو پتا ہے یہاں کی اکثر دکانیں چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں کیوں کہ اس کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ یہ پاکستان کو چائنا سے ملانے والے راستے پر واقع ہے۔ ان دکانوں پر چائنا سے آیا ہوا مال مناسب قیمتوں میں بکتا ہے اور یہاں کا موسم۔۔۔" وہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

کیف کو لگا جیسے وہ سلمان حیدر سے نہیں وکی پیڈیا سے بات کر رہا ہے۔

وہ بازار میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں گلیوں کی نسبت زیادہ رونق تھی۔

اپنی دکان پر پہنچنے تک سلمان کا بشام نامہ جاری رہا مگر اس بشام نامے میں دور دور تک فلک بوس کا ذکر نہیں تھا۔ کیف کو اب اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی سو تھک کر اس کی بات کاٹی۔۔۔

"واہ۔۔۔ کیا بات ہے سلمان بھائی آپ کے بشام کی۔۔۔" کیف واری صدقے جانے لگا۔ "میں تھوڑی دیر پہلے کھڑکی سے دیکھ رہا تھا یہ سامنے پہاڑ پر بڑی خوبصورت عمارت ہے۔ کوئی ہوٹل وغیرہ ہے کیا؟" کیف نے فلک بوس کی جانب اشارہ کر کے مصنوئی معصومیت سے پوچھا۔

"عمارت۔۔۔؟" سلمان نے حیرانی سے اس کے ہاتھ کے اشارے کی سمت دیکھا۔

برف تلے چمکتا دمکتا فلک بوس پوری شان سے کھڑا تھا۔ اپنے نام کی طرح عالیشان، عظیم اور سایہ زدہ۔۔۔

"اوہ۔۔۔ فلک بوس۔۔۔" سلمان جیسے ہی کیف کے مرکز نگاہ تک پہنچا جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"ہاں وہی۔۔۔ میں اس عمارت کی بھی کچھ تصاویر لینا چاہ رہا ہوں۔"

"یہ قلعہ فلک بوس ہے میرے بھائی، میری تمہیں یہی نصیحت ہے کہ اس عمارت سے دور رہو۔ بڑی منحوس جگہ ہے یہ۔۔۔ بشام کے نام پر کلنک۔۔۔ بڑے قتل ہو چکے ہیں اس عمارت کے پیچھے۔۔۔ آپ چھوڑیں اس عمارت کو میں آپ کو بشام کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

وہ ٹالنے کے موڈ میں لگ رہا تھا جب اچانک پیچھے سے آواز ابھری تھی۔

"خان صاحب! کیوں بالک سے سچ چھپا کر اس کے تجسس کو ہوا دیتے ہیں؟" کیف نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

وہ چھریرے بدن کا مناسب قد وکاٹھ والا ادھیڑ عمر آدمی تھا جو سلمان احمد کی ساتھ والی دکان کے دروازے کے باہر سامان سیٹ کر رہا تھا۔ اس کی بھوؤں کے درمیان سے ماتھے پر اوپر کو جاتا سرخ نشان کیف کو اس کا مذہب بتانے کو کافی تھا۔

"پٹواری صاحب آپ اس معاملے سے دور رہیں۔" سلمان نخوت بھرے انداز میں بولا۔ "یہ میرے مہمان ہیں۔ آپ انہیں اپنی بھٹکتی آتماؤں کی کہانیوں سے دور رکھیں۔"

" کہانی ہو یا حقیقت۔۔۔ ہے تو فلک بوس کے بارے میں ہی نا؟ تو پھر جب آپ کے مہمان اس بارے میں جاننا چاہتے ہیں

تو انہیں بتا کیوں نہیں دیتے؟"

"سلمان احمد نے "ہونہہ" کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"آپ کا تعارف؟" کیف نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام پٹواری لال ہے۔خود ہندو ہوں لیکن دنیا کے ہر مذہب پر یقین رکھتا ہوں۔تم مجھے لبرل ہندو کہہ سکتے ہو۔"

"میں کیف ہوں۔لاہور سے ہوں۔ ایک انٹرنیشنل لیول کے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بشام کی خوبصورتی کو اپنے کیمرے میں قید کرنے آیا ہوں۔"

"فلک بوس کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

کیف اور پٹواری لال کو محوِ گفتگو دیکھ کر سلمان حیدر اکتا کر دکان کے اندر چلا گیا۔کیف نے سلمان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً پٹواری لال کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔کافی خوبصورت عمارت ہے اور میں اندر سے اس کی کچھ تصاویر لینا چاہتا تھا۔بس اس لیے۔۔۔"

"کبیر خان تمہیں اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دے گا۔اندر جانا اور تصویریں کھینچنا تو دور کی بات ہے۔" پٹواری لال نے سر جھٹک کر کہا۔

"اب یہ کبیر خان کون ہے؟" کیف نے پوچھا۔

"فلک بوس کا چوکیدار۔۔۔وہاں کا رکھوالا۔۔۔" یہ کہہ کر وہ دکان کے اندر کی طرف چل پڑا۔

"اندر آ جاؤ لڑکے۔۔۔!میں تمہیں بتاتا ہوں فلک بوس کے بارے میں۔"

کیف واپس جانے کو مڑا تھا جب پیچھے سے پٹواری لال کی آواز سنائی دی تھی۔

☆......☆......☆

نومبر کے آخری دن چل رہے تھے۔

آج آسمان گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا تھا۔

جس وقت وہ تیار ہو کر اپنا سفری بیگ لیے گیراج میں آئی ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔

ٹھنڈی یخ ہوا جو ہڈیوں میں گھستی محسوس ہوتی تھی۔

خوش نصیب نے بے ساختہ جھرجھری لی تھی۔انکل رضوی اور آنٹی خوش نصیب کو رخصت کرنے کے لیے گیراج میں ہی موجود تھے۔ آج رات ان لوگوں کو بھی اپنے کچھ رشتے داروں سے ملنے کے لیے لاہور روانہ ہو جانا تھا اور پھر پلان کے مطابق لاہور سے وہ لوگ

اپنے بیٹے کے پاس چلے جاتے۔خوش نصیب کا دل کچھ مزید اداسی سے بھر گیا۔

آنکھوں میں بہت سے آنسو لیے وہ آنٹی کے گلے لگ گئی تھی۔ یہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اسے سخت ڈپریشن میں سے نکال کر دوبارہ سے جینا سکھایا تھا۔وہ اس کے لیے روشن امی جیسی بن گئی تھیں۔

''میں آپ لوگوں کو بہت۔۔۔بہت زیادہ مس کروں گی۔''اداسی اس کے ایک ایک انداز سے ظاہر تھی۔

''میں تمہیں اس سے بھی زیادہ یاد کروں گی۔''جنت آنٹی نے بہت محبت سے اس سینے سے لگایا تھا۔

''آپ لوگ جب بھی پاکستان آئیں پلیز مجھ سے ضرور ملیے گا۔''خوش نصیب کی آواز لمحہ بالمحہ بھراتی جا رہی تھی۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے خوش نصیب بیٹے! ہم جب بھی آئیں گے تم سے ضرور ملیں گے۔'' رضوی صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''تم بالکل بھی فکر مت کرو۔خدا تمہاری مدد ضرور کرے گا۔منفرا اور معاویہ بہت اچھے بچے ہیں۔تمہارا خیال رکھیں گے۔اور پھر ہم لوگ بھی تم سے رابطے میں رہیں گے۔کوئی بھی مسئلہ ہو تم ہمیں بتا سکتی ہو۔''رضوی انکل کسی باپ کی سی محبت کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

خوش نصیب نے خود کو اپنے نام کی طرح خوش قسمت تصور کیا اور مسکرا دی۔

''چلو اب دیر ہو رہی ہے۔ڈرائیور تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دے گا۔''

انکل نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ خوش نصیب کا سامان گاڑی میں رکھ دے۔

کچھ ہی دیر میں اس نے اپنا ٹھکانہ چھوڑا اور پھر سے ایک انجان راستے پر روانہ ہو گئی مگر اس بار مایوسی قدرے کم تھی۔اسے امید تھی کہ معاویہ کبھی نہ کبھی اس کی مدد کو راضی ہو جائے گا اور اس دن۔۔۔اس دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ بارش جو کچھ دیر پہلے کسی ردھم کی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی اب شدت اختیار کر چکی تھی۔

گاڑی نم سڑک پر تیزی سے دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ خوش نصیب نے ٹھنڈی سانس بھر کر سیٹ سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد گاڑی آشیانہ شیرازی میں داخل ہو رہی تھی۔پچھلی بار وہ یہ نام دیکھ نہیں سکی تھی۔

''کتنا عجیب نام ہے۔۔۔''اس نے دل ہی دل میں کمنٹ پاس کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

گاڑی رک چکی تھی۔

اس نے دیکھا کہ منفرا انٹرنس ڈور سے باہر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ موجود تھی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

کیف چائے کا کپ پکڑے کھڑکی میں کھڑا باہر تک رہا تھا۔

یاسر اپنا کیمرہ لے کر وادی میں گھومنے چلا گیا تھا جب کہ زرگل کھانے کا انتظام کرنے گیا تھا۔

کیف کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا سو اس نے سلمان حیدر کے بیٹے کو پیسے دے کر ایک چھوٹے سے ڈھابے سے ایک کپ چائے منگوائی اور اب وہ کپ تھامے کھڑکی میں کھڑا فلک بوس کو سوچنے میں مصروف تھا۔ اس نے تین چار گھنٹے وادی میں گھومتے ہوئے گزارے تھے مگر کوئی بھی بہت نئی یا حیران کن بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ پٹواری لال نے اسے جو کچھ بتایا اس میں سے کافی باتیں تو وہ زرگل کی زبانی سن ہی چکا تھا۔

جو نئی معلومات ملی تھی، اس کے مطابق فلک بوس کے مالکان کبھی کبھار سال میں ایک دو بار فلک بوس آتے ہیں۔ مگر وہ بھی ایک آدھ دن کے لیے۔ سال کا بیشتر حصہ فلک بوس صرف ایوشمتی کی ملکیت ہوتا ہے۔

فلک بوس کی دیکھ بھال اور حفاظت کا ذمہ کبیر نام کے ایک بوڑھے آدمی کے پاس تھا جو کہ فلک بوس کے سرونٹ کواٹر میں ہی رہائش پذیر تھا۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک بیٹا تھا جس کا نام پاشا تھا اور وہ پچھلے دس بارہ سالوں سے ملک سے باہر تھا۔ کبھی کبھار آتا بھی تھا تو ایک دو ہفتوں سے زیادہ نہیں رکتا تھا بشام میں۔

کبیر خان، اردشیرازی کا خاندانی ملازم تھا۔ بہت غصیلہ اور کافی حد تک سڑیل بڈھا تھا جسے قصبے کے ہر اس انسان سے مسئلہ تھا جو فلک بوس کے قریب سے بھی گزر جاتا تھا۔ جس کی فلک بوس کو چھونے والی ہواؤں سے بھی نہ بنتی تھی۔۔۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے پاشا سے بھی نہیں۔۔۔ جو آج کل بشام میں ہی موجود تھا۔

بس یہی سب معلوم ہو سکا تھا۔

اس نے واپس آ کر یہ سب کچھ یاسر اور زرگل کو بتا دیا تھا۔

اب وہ دونوں تو باہر چلے گئے تھے اور پیچھے کیف اکیلا رہ گیا تھا۔۔۔ اپنی سوچوں کے ساتھ۔۔۔

فلک بوس کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو بھٹک کر گھر کی جانب مڑ گئی تھی۔

وہ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے گھر نہیں جا سکا تھا۔ امی بار بار فون کر رہی تھی کہ آ کر مل جاؤ۔ اس ویک اینڈ پر گھر جانے کا پلان کیا تھا لیکن بشام آ گیا تھا۔ ویسے بھی اب گھر جا کر وہاں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ وہ گھر اب ویسا نہیں رہا تھا جیسے گھر میں کیف رہنے کا عادی تھا۔

اب وہاں سناٹے بولتے تھے۔

خاموشی گنگناتی تھی۔

چیخیں گونجتی تھیں۔۔۔

http://kitaabghar.com

ایسی چیخیں جو اپنے کیے ہوئے گناہوں کا پتا دیتی تھیں۔۔۔جو کسی کی مجبوری سے اٹھائے ہوئے فائدے کی گواہی دیتی تھیں۔ جو کسی دھوکے کا احساس دلاتی تھیں۔ایسی چیخیں جن میں کراہٹ تھی۔۔۔معافی کی التجا تھی لیکن معاف کرے کون؟

اس کی سوچ کا رخ تین سال پہلے کے واقعات کی طرف چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''دور ہو جاؤ تم میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔تم جیسے نافرمان بیٹے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔اگر تم صیام سے نکاح نہیں کرو گے تو اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔'' ابا نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا لیکن خوش نصیب کو ساتھ لے کر جاؤں گا'' اس نے سوچ لیا تھا کہ اب بس وہ وہی کرے گا جو اس کا دل کہے گا۔وہ خوش نصیب کی طرف مڑا تھا اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر لیا تھا۔''چلو خوش نصیب ہمیں یہاں نہیں رہنا ہے۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

خوش نصیب اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی بلکہ اس نے اپنا ہاتھ بھی پیچھے کھینچ لیا تھا۔کیف کو جھٹکا لگا۔

اس نے مڑ کر حیرت سے خوش نصیب کو دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں امید ٹوٹے کانچ کی طرح نظر آتی تھی۔

''نہیں کیف۔۔۔'' کیف نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

کیف چند لمحے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا رہا تھا پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں تھی۔بس نہ چلا تھا کہ اس لمحے خوش نصیب کی جان نکال دیتا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم۔۔۔'' وہ حلق کے بل چلایا تھا اس پر۔

تیزی سے مڑتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھا تھا۔دھپ دھپ کر کے سیڑھیاں عبور کیں اور گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔تائی اماں اور فہمینہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگے تھے لیکن ان کے روکنے سے پہلے ہی وہ گھر سے باہر نکل چکا تھا۔

گھر سے نکل کر وہ سیدھا اسلام آباد آ گیا تھا۔

نکلا تو یہ سوچ کر تھا کہ مڑ کر کبھی خبر نہ لے گا لیکن چاہ کر بھی وہ خوش نصیب کے خیال کو دل سے نہ نکال سکا تھا اور اسی خیال سے ہاتھوں تنگ آ کر اس نے تین دن بعد رات کو عرفات ماموں کو اپنے نئے نمبر سے کال کی تھی۔ آگے سے جو اطلاع ملی تھی اس نے کیف کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔وہ خبر روشن چچی کی موت کے بارے میں تھی۔ اتنی سی خبر دے کر عرفات ماموں نے کال بند کر دی تھی۔ یقیناً وہ اس سے سخت خفا تھے۔

آگے کے واقعات مختصر رہے۔ عرفات ماموں کو کس طرح منایا یہ الگ معرکہ تھا لیکن روشن چچی کی وفات کے قریباً ایک ماہ بعد

وہ ان کی مدد سے خوش نصیب کو تعلیم کے غرض سے اسلام آباد لا چکا تھا۔اس کی رہائش سے لے کر اس کے یونیورسٹی میں داخلے تک تمام بھاگ دوڑ کیف نے کی تھی۔

صرف یہی نہیں بلکہ وہ تو تین سالوں میں خوش نصیب کے ہر لمحے سے واقف رہا تھا۔ یہ اور بات کہ وہ اب بھی خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ خوش نصیب کا سامنا کرتا۔اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ لاہور میں گھر بدر ہونے سے پہلے اس نے برملا کہا تھا کہ اس کی ماں کی موت کا ذمہ دار صرف اور صرف کیف ہے۔

موت کا ایک وقت مقرر ہے۔اس بات پر کامل یقین رکھنے کے باوجود کہیں نا کہیں یہ تکلیف دہ حقیقت وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کی جلد بازی اور اس کے غلط وقت پر لیے ہوئے فیصلے نے ہی روشن چچی کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا تو اب خوش نصیب کا سامنا وہ کرتا تو کس منہ سے کرتا۔

سو بس وہ جو کر سکتا تھا کرتا رہا تھا۔خوش نصیب کے سامنے نہ آتا تھا لیکن عرفات ماموں کے رابطے میں رہتا تھا۔خوش نصیب کی خیر خیریت کی اطلاع مل جاتی تھی۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تھا۔

مسئلہ تب شروع ہوا تھا جب عرفات ماموں ہارٹ اٹیک سے جانبر نہ ہو سکے اور اس کے بعد مسائل کی ایک قطار تھی جس سے کیف کو برسر آزما ہونا پڑا تھا۔ان کی تدفین کے ایک مہینے بعد وہ اسلام آباد واپس آ سکا تھا کیونکہ عرفات ماموں کی موت کا صدمہ اس کی ماں برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ان کی حالت سنبھلتے ہی وہ واپس جانا چاہتا تھا لیکن گھر میں کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ وہ چاہ کر بھی خوش نصیب کی تلاش میں جا نہیں سکا۔لیکن ان مسائل سے فرصت پاتے ہی خوش نصیب کی تلاش میں واپس بھاگا آیا تھا۔

یہ اس کی فاش غلطی تھی کہ اس نے کبھی بھی ماموں سے خوش نصیب کی رہائش کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔عرفات ماموں کی زندگی میں تو خیر اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن اب خوش نصیب اس کی ذمہ داری تھی۔اس نے ہر ممکن طریقے سے رضوی صاحب کو ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن خدا کی قدرت کہ وہ دو ماہ تک اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔اللہ اللہ کر کے ماموں کے ایک دوست کے ذریعے وہ رضوی صاحب کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔

پہلی فرصت میں وہ رضوی صاحب کے گھر گیا تھا مگر۔۔۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔کیف کو اس کے اعصاب جواب دیتے ہوئے محسوس ہوئے۔اس کی آخری امید بھی چکنا چور ہو گئی تھی۔اس نے آس پڑوس سے پتا کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ رضوی صاحب اور ان کی بیوی اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے ہیں۔خوش نصیب کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کہاں چلی گئی۔

کیف سر پکڑ کر رہ گیا۔سب دروازے بند ہو چکے تھے۔اس نے خود کو اس سے زیادہ بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔اسے وہاں

آ کر پتا چلا تھا کہ خوش نصیب کچھ عرصہ کسی مال میں سیلز گرل کی جاب کرتی رہی ہے۔ وہ فوراً وہاں گیا تھا لیکن وہاں جا کر بھی کچھ خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے۔ اسے بتایا گیا کہ خوش نصیب نے وہ نوکری چھوڑ دی ہے۔

اور خوش نصیب کی تلاش کے دروازے خود بخود بند ہو گئے۔ اس نے دل کا کونہ خوش نصیب کی یاد میں آباد کیا، چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور بشام آ گیا یہ سمجھ کر کہ اب سب راستے بند ہو گئے ہیں۔

☆......☆......☆

تو اب وہ گھر اب ویسا نہیں رہا تھا جیسے گھر میں کیف رہنے کا عادی تھا۔

وہاں سناٹے تھا۔۔۔ خاموشی تھی۔۔۔ اور کچھ کراہٹ بھری چیخیں۔۔۔ جو عبرت دلاتی تھیں۔۔۔

فضل منزل میں دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ اس کے صیام سے شادی کے انکار کے بعد شفیق چچا نے گھر کے درمیان دیوار کھڑی کروالی۔ گھر، بزنس سب الگ ہوئے سو ہوئے انہوں نے دلوں کے درمیان بھی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ کیف کی غلطی کی سزا اپنے بھائی کو دی کہ انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

خیران کی اس حرکت کا کیف کو یہ فائدہ ہوا کہ تین ماہ بعد ہی صابر صاحب نے کیف کو معاف کر دیا۔ بھائی تو اپنا بنا نہیں تو کس کے لیے وہ اکلوتے جوان بیٹے سے ہاتھ دھوتے۔ چناچہ ماموں کے بلانے پر کیف نے جا کر معافی مانگی تو انہوں نے معاف کرنے میں زیادہ تامل نہیں کیا۔

خیر۔۔۔ تو وہ گھر جا کر عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسے اپنے ہی گھر میں بے چینی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے بے چینی جس میں خود اذیتی کے ساتھ ساتھ اپنی غلطی کا احساس بھی شامل ہوتا تھا۔

اب اس گھر میں خوش نصیب نہیں تھی۔۔۔ خوش نصیب۔۔۔ اس کی نصیبن۔۔۔ اس کی خفگی۔۔۔ اس کا غصہ۔۔۔ اس کے شکوے۔۔۔ اس کی لڑائیاں۔۔۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

تین سال ہو گئے تھے اسے خوش نصیب سے بات کیے ہوئے۔ اور اب تو وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ خوش نصیب کہاں ہے۔ وہ اسلام آباد میں اسے ڈھونڈ تا رہا تھا لیکن ملتے تو وہ ہیں نا جو گم ہو جائیں۔۔۔ جو خود کہیں چھپ جائے اسے بھلا کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

”کیا میں اسے کبھی دیکھ سکوں گا؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔

ناامیدی اس معاملے میں اس حد بڑھ چکی تھی کہ دل نے بھی جواب نہ میں دیا تھا۔

اس نے جیسے تھک کر آنکھیں موند لی اور سر کھڑکی کی چوکھٹ کے ساتھ ٹکا لیا۔

اس کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ برف کی مانند ٹھنڈا ہو چکا تھا اور فلک بوس کی کشش کا حصار خوش نصیب کی یاد کے ساتھ ہی

ٹوٹ گیا تھا۔

"کیف بھائی!" یاسر نے کیف کے دائیں کندھے کو ہلکا سا جھنجھوڑا تھا۔

کیف چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک ہو؟" یاسر کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

کیف نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجالی۔ "بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔۔۔کیوں کیا ہوا؟"

"کھوئے کھوئے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔۔۔" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔ "میں اتنی دیر سے آپ کو بلا رہا ہوں اور پتا نہیں کس کے خیالوں میں کھوئے پڑے ہیں۔۔۔" یاسر مشکوک انداز میں بولا۔

"یار فلک بوس اور اس چڑیل کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں اور کس بارے میں سوچنا ہے۔" اس کے انداز سے بے دلی نمایاں تھی۔

"آہم آہم۔۔۔انداز تو کچھ اور کہہ رہے ہیں سرکار کے۔۔۔"

یاسر نے چڑانے کی کوشش کی لیکن وہ کیف ہی کیا جو آسانی سے ہاتھ آجاتا۔

"ہاں سوچ رہا ہوں تجھے مار کر یہاں ہی چھوڑ جاؤں۔۔۔ایوشمتی کو بھی کمپنی مل جائے گی اور ترے گھر والوں کی زندگیوں میں بھی سکون آجائے گا۔"

یاسر بری سی شکل بنا کر پیچھے مڑ گیا۔ "آپ کو لینے آیا تھا۔ زرگل بھائی نے پورا بازار چھان کر ایک ڈھابہ ڈھونڈا ہے جہاں سے یہاں کا بیسٹ پہاڑی چوچا (چوزہ) کھانے کو ملے گا۔۔۔"

"چلو یار پھر پہاڑی چوچا کھا کر آتے ہیں۔" کیف نے اسے بازو کے گھیرے میں دبوچا اور باہر کی جانب چل پڑا۔

کچھ ہی دیر میں وہ تینوں ایک چھوٹے سے اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"میں ابھی مارکیٹ میں پھر رہا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ پاشا بشام آیا ہے آج ہی۔۔۔" یاسر نے کہا تھا۔

"ایسا کیوں نہ کریں کہ پاشا سے مل کر فلک بوس دیکھنے کی بات کریں کیوں کہ میری انفارمیشن کے اکورڈنگ اس کا باپ ہمیں اندر داخل ہونے نہیں دے گا۔" کیف نے کہا۔

"ہمارے پاس بھی ایک خبر ہے۔۔۔" زرگل نے کہا تو وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"میں نے سنا ہے کہ فلک بوس کے اصلی مالکان یعنی معاویہ اردشیر ازی اپنی فیملی کے ساتھ کچھ دنوں میں بشام آرہا ہے۔"

"یار۔۔۔یہ تو اچھی خبر نہیں ہے۔ ان کی موجودگی میں تو فلک بوس میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" یاسر کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

”ہاں اور اس سے زیادہ برا خبر یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو دن میں یہاں آجائے گی۔۔۔اسکے بعد تو فلک بوس کو بھول ہی جاؤ۔“

”آج کی تاریخ میں کوئی اچھی بات نہ کرنا تم۔۔۔“ کیف نے زرگل کو گھورتے ہوئے کہا۔

”ارے مجھے کیوں گھورتی ہے۔میں اس کو نہیں بولا کہ تم بشام آؤ“ زرگل بیچارہ سا بن کر بولا تھا۔

اس سے پہلے کہ کیف جواب دیتا یاسر اکتا کر بولا تھا۔

”اب یہ بتائیں کرنا کیا ہے؟“

”کھانا کھالیں پھر فلک بوس چلتے ہیں۔کیا پتا بابے کبیر کو زرگل کی پٹھانی شکل پر ترس آجائے اور ہم اندر داخل ہو سکیں۔۔۔“ کیف مزے سے بولا۔

وہ دونوں ہی کیف کی بات سے متفق تھے سو کھانا ختم ہوتے ہی فلک بوس کی جانب چل پڑے۔

☆......☆......☆

وہ اس ٹائم کچن میں موجود تھی جب انٹرکام پر چوکیدار نے اسے خوش نصیب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

معاویہ نے آج لنچ گھر پر کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ وہ دو بجے تک گھر آنے والے تھا اور وہ اس کے لیے کچھ خاص ڈش تیار کرنا چاہتی تھی اس لیے گیارہ بجے کچن میں آکھڑی ہوئی تھی۔

کافی حد تک کام مکمل ہو چکا تھا سو باقی کا کام شیف کے حوالے کر کے اور اسے چائے تیار کرنے کا بول کر وہ خود خوش نصیب کو ریسیو کرنے باہر آگئی۔

بارش تیزی سے برس رہی تھی۔اس نے پانی کے اس پردے کے پار غور سے دیکھا۔گاڑی سامنے آکر رک چکی تھی اور خوش نصیب باہر نکل رہی تھی۔ اس نے جھک کر ڈرائیور کو کچھ کہا اور تیزی سے دروازے کی جانب آگئی۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔اسے اس لڑکی سے دلی ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

جب تک شیف چائے لایا وہ خوش نصیب سے ابتدائی گفتگو کر چکی تھی اور اب اسے اس کی ذمہ داریوں اور بچوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

”میرے بیٹے کا نام وسامہ ہے اور بیٹی کا نام ہدیٰ۔۔۔کیونکہ ابھی دونوں بہت چھوٹے ہیں اس لیے تمہیں ان کے ساتھ روم شیئر کرنا ہوگا۔ ابھی تو میں نے ان دونوں کو الگ روم میں شفٹ نہیں کیا تھا لیکن اب کیونکہ تم آگئی ہو سو یہ کام کرلیں گے۔تم نے پہلے کبھی بچوں کو سنبھالا ہے خوش نصیب۔۔۔؟“ اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔۔۔کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی نہ ہی کبھی موقع ملا۔'' خوش نصیب کچھ پریشان ہو کر صفائی پیش کر رہی تھی۔

''اٹس اوکے کوئی بات نہیں۔'' منفرا بولی تھی۔اس کا مقصد شاید اپنے بچوں کی دیکھ بھال سے زیادہ خوش نصیب کی مدد کرنا تھا۔

''وسامہ اور ہدیٰ صرف تمہاری ذمہ داری نہیں ہوں گے۔یوں سمجھ لو کہ تمہارا کام انہیں سنبھالنے میں میری مدد کرنا ہے۔''

اب وہ اسے اس کی تنخواہ اور باقی سب تفصیلات وغیرہ بتا رہی تھی۔

''گھر میں، معاویہ اور ہمارے بچوں کے علاوہ دو نوکر ہیں۔ایک چوکیدار اور دوسرا معاویہ کا پرسنل شیف۔۔۔چوکیدار کو بلا اجازت گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے اور شیف بھی کچن اور ڈائننگ روم تک محدود ہے سو تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔

غالباً وہ اس کے نقاب کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

جب تک ان دونوں نے چائے ختم کی منفرا اسے تقریباً تمام تفصیلات سے آگاہ کر چکی تھی۔

''معاویہ۔۔۔میرے ہزبینڈ۔۔۔بچوں سے بہت اٹیچ ہیں۔'' منفرا نے کہا تھا اور پھر چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر بولی تھی۔''خوش نصیب! معاویہ بہت خاموش طبع انسان ہیں۔انہیں زیادہ بولنا، زیادہ لوگوں سے ملنا سخت ناپسند ہے۔ تم انہیں تنہائی پسند یا آدم بیزار کہہ سکتی ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ تمہارے معاملے سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔میں انہیں تمہاری مدد پر راضی نہیں کر سکی مگر جو میں کر سکتی تھی تمہارے لیے وہ میں کر رہی ہوں۔''

''آپ جو کر رہی ہیں میرے لیے وہ بھی امید سے زیادہ ہے۔تھینک یو سو مچ۔'' خوش نصیب ممنون ہوئی۔

''تم بس کوشش کرنا کہ تمہارا اور معاویہ کا سامنا کم سے کم ہو۔۔۔ان کی گھر میں موجودگی میں تم کمرے میں ہی رہنے کی کوشش کرنا۔'' منفرا نظر چرا کر اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔

خوش نصیب اس کا مسئلہ سمجھ رہی تھی سو فوراً کہا۔''آپ فکر نہ کریں میڈم! آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

منفرا کا دل مطمئن ہو گیا۔

''وہ ابھی کچھ دیر بعد گھر آئیں گے۔۔۔تم تب ان سے ملو گی۔میں امید کرتی ہوں کے تم اپنے پرانے مسئلے کا ذکر ان سے نہیں کرو گی۔ ابھی کچھ وقت گزر لینے دو پھر شاید تم ان کا اعتماد جیت جاؤ اور وہ تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔''

خوش نصیب نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خود بھی فیصلہ کر چکی تھی کہ معاویہ سے ابھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گی۔کم از کم تب تک تو نہیں جب تک معاویہ اور منفرا کا اعتماد نہ جیت لے۔

''اور پلیز مجھے یہ فارمیلیٹیز کچھ خاص پسند نہیں۔تم میرا نام لے سکتی ہو مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔اب آؤ میں تمہیں بچوں سے ملواتی ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لاؤنج سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔خوش نصیب اس کے پیچھے تھی۔

''تمہیں سفر کرنا پسند ہے؟''منفرا نے بات برائے بات پوچھا تھا۔

''پسند تھا مگر کبھی موقع نہیں ملا۔''خوش نصیب مختصراً بولی تھی۔

''اچھی بات ہے کیونکہ ہم لوگ دسمبر کے پہلے ہفتے میں بشام جائیں گے۔اور تمہیں ہمارے ساتھ جانا ہے۔کیا تم بشام کے بارے میں جانتی ہو؟''

''نہیں۔۔۔''

''بشام زمین پر جنت کا ایک حصہ ہے۔اس نے مجھے مونٹوک کی خوبصورتی کو بھولنے پر مجبور کر دیا۔وہاں پہاڑ ہیں، جھرنے ہیں، خوبصورت ہے اور وہاں فلک بوس ہے۔۔۔''

''خوش نصیب اس کی سنتے سنتے ٹھٹک کر رکی تھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔اسے گھر کے اندرونی حصے کی طرف جاتے دروازے کے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔اسے حیرت ہوئی کیونکہ وہاں لگا ہوا پردہ ابھی تک ہل رہا تھا مگر گھر پر تو کوئی نہیں تھا۔

خوش نصیب نے سر جھٹکا اور تیزی سے منفرا کے پیچھے چلی گئی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اوپر جا رہی تھیں اور پیچھے پردہ ابھی تک ہل رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشام کے پہاڑوں پر برف جم کر برسی اور پائن کے درختوں کے پتے برف سے لد کر سبز سے سفید دکھائی دینے لگے۔

پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے لدی مٹیالی شام قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کے داخلی دروازے تک پہنچی تو وہ تینوں دور لوہے کے مضبوط پھاٹک کے اس پار کھڑے دکھائی دیے۔

ان تینوں نے سر اٹھا رکھے تھے اور فلک بوس کی خوبصورتی میں کھوئے ہوئے نظر آتے تھے۔

وسیع و عریض باغیچہ اور اس میں لگے سدا بہار پیڑ پودے مسرور سے دکھائی دیتے تھے۔تالاب کے وسط میں اپنے پنکھ پھیلائے کھڑی سفید پری برف سے ڈھک کر کچھ اور سفید محسوس ہوتی تھی۔

فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً دس فٹ اونچا جنگلہ لگا کے پیش بندی کر دی گئی تھی۔۔۔جانوروں سے بچاؤ کے لیے اور شاید انسانوں سے بھی۔۔۔

کیف ایک ایک چیز کا جائزہ بغور لے رہا تھا۔تبھی ایک تیز آواز گونجی تھی۔

کوئی لاٹھی ٹیکتا ہوا چل رہا تھا۔

"کون ہے؟ کون ہے وہاں؟" اس بوڑھی آواز میں بے تحاشہ غصہ موجود تھا۔

وہ تینوں ہی چونک کر اندر کی جانب متوجہ ہوئے۔ جنگلے کے اس پار وہ بوڑھا آدمی بائیں جانب سے نمودار ہوا تھا اور اب لاٹھی ٹیکتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔

اس کی چال میں لنگراہٹ تھی۔ سفید بال کندھوں تک آتے تھے۔ جھریوں بھرا چہرہ، سفید داڑھی، آنکھوں پر نظر کا گول چشمہ اور ہاتھ میں پکڑی مضبوط لوہے کی لاٹھی۔۔۔

"کون ہے؟ کیوں آ گئے ہو یہاں۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔ یہ کوئی گھومنے پھرنے کی جگہ نہیں ہے جہاں منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو۔" اس کے انداز میں اس قدر اکتاہٹ تھی کہ وہ تینوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے تھے۔

یقیناً وہ کبیر خان تھا۔۔۔

فلک بوس کا رکھوالا۔۔۔۔

ایو شمتی کے بعد فلک بوس کا مستقل رہائشی۔۔۔۔

اتنی دیر میں وہ پھاٹک کے دوسری طرف پہنچ گیا تھا لیکن اس نے دروازہ کھولنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"کیا تکلیف ہے؟" اس کی سرخ سرخ آنکھیں ان کے چہروں پر جمی تھیں۔

"سلام بابا جی۔۔۔!" کیف گڑبڑا کر بولا تھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟" اس نے جواباً سلامتی بھیجنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"بابا جی! ہم لوگ فوٹوگرافرز ہیں۔۔۔ تصویریں کھینچتے ہیں۔۔۔ لاہور سے آئے ہیں۔ نیچے وادی میں سلمان احمد کے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

کیف کسی رٹے رٹائے سبق کی طرح فر فر بول رہا تھا جب کبیر خان کا پارہ اتنی لمبی بات پر آسمان پر جا پہنچا تھا۔

"بس کرو۔۔۔ مجھے ذرا دلچسپی نہیں ہے کہ تم کون ہے۔۔۔ کیوں آئے ہو۔۔۔ بس چلے جاؤ۔۔۔ لوٹ جاؤ یہاں سے۔۔۔"

اس کا ہر ہر انداز اس کے شدید غصے کا گواہ تھا۔

زرگل نے جھرجھری لی تھی جب کہ کیف کچھ مشکوک سے انداز میں اس بوڑھے کو دیکھنے لگا۔

"چلیں جائیں گے بابا جی! بس یہاں کی کچھ تصویریں کھینچ لینے دیں۔" یاسر نے فرمائش کی تھی۔

"بیوقوف لڑکے۔۔۔ تمہیں سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ خبردار جو تم نے یہاں کی کوئی تصویر لینے کی کوشش کی تو۔۔۔ تصویر تو کیا میں تمہیں یہاں سانس لینے کی اجازت نہیں دوں گا۔۔۔ لوٹ جاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں کا رخ بھی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے

گی۔ زندہ واپس نہ لوٹ سکو گے۔۔۔جاؤ۔۔۔چلے جاؤ۔۔"

لمحہ بھر کے لیے وہ تینوں ہکا بکا رہ گئے تھے پھر کیف نے ہمت کی۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"ہاہاہا۔۔" کبیر خان نے قہقہہ لگایا۔" اتنے معصوم نہ بنو لڑکے۔۔۔وادی میں رہ رہے ہو اور پوچھتے ہو کہ کون تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔۔۔ہاہاہا۔۔۔بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہو کبیر خان کو۔۔۔ظاہر کرتے ہو کہ وادی والوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا فلک بوس کے بارے میں۔۔۔۔"

اس کی آنکھیں کچھ اور سرخ ہو گئی تھیں۔جیسے خون چھلکنے کو بے تاب ہو۔

"مجھ سے سننا چاہتے ہو؟ تو سنو۔۔۔تم جیسے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کا وہم ہے۔۔۔ایک غلط فہمی۔۔۔مگر بشام کے باسی۔۔۔اس سے ڈرتے ہیں، خوف کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تو وہ بھی ان کو نظر نہیں آتے۔حالانکہ وہ تو وہ ہے جو فلک بوس میں رہنے والوں کے رازوں کی امین ہے۔اس نے وہ سب سنا ہے جو کسی نے نہیں سنا۔اس نے وہ سب دیکھا جو کبھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا گیا اور کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیا۔بشام کے رہنے والے اس کی کہانیاں نگر نگر بیان کرتے ہیں لیکن اس نے ان کے راز آج تک فاش نہیں کیئے۔"

اس کی باتیں سمجھ میں نہ آنے والی تھیں لیکن ایک لمحے کے لیے کیف کا دل بھی سکڑ کر پھیلا تھا۔

اس نے کچھ کپکپا کر کہا تھا۔"کیوں۔۔۔کیوں نہیں کیا؟"

"پتا نہیں شائد اس لئے کیونکہ وہ آیو شمتی ہے۔۔۔ہمیشہ زندہ رہنے والی۔۔۔اور زندہ رہنے کے لئے بڑے کشٹ اٹھانے پڑتے ہیں۔تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

اس نے یکدم لوہے کی گرل سے ہاتھ باہر نکالا اور یاسر کا کالر دبوچ لیا تھا۔اسے گھسیٹ کر اپنے سامنے کیا اور اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم زندہ رہنا چاہتے ہو لڑکے؟"

یاسر کی جان ہوا ہو گئی تھی۔خوفزدہ ہو کر اس نے تیزی سے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ساتھ ساتھ وہ اپنا کالر چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کبیر نے ایک جھٹکے سے اس کا کالر چھوڑتے ہوئے اسے پیچھے کو دھکیل دیا تھا۔وہ جھٹکے سے زمین پر گرا۔

کبیر خان بوڑھا تھا لیکن اس کے بازوؤں میں ابھی بھی بے تحاشا طاقت تھی۔

"تو جاؤ۔۔۔دفع ہو جاؤ اس جگہ سے۔۔۔دوبارہ کبھی فلک بوس کے پاس مت آنا۔"

وہ جھٹکے سے مڑ گیا تھا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا دوسری سمت چلا گیا تھا۔۔۔وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ تصویریں لیں گے یہ۔۔۔جیسے پھرا یوشمتی انہیں جانے دے گی یہاں سے۔۔۔"

کیف اور زرگل چند لمحوں کے لیے تو شل ہو کر رہ گئے تھے پھر زرگل کو یاسر کا خیال آیا تھا۔وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا جو خود حیران پریشان زمین پر پڑا تھا۔

زرگل نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھنے میں مدد دی تھی۔

"لگی تو نہیں؟" زرگل کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پاگل انسان۔۔۔بڈھا۔۔۔"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے دانت کچکچائے۔خوف اور حیرت کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔کھڑے ہونے کے بعد وہ اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔

"چلیں؟" زرگل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

کیف نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم آگے بڑھا دیے۔یاسر اور زرگل بھی اس کے ساتھ تھے۔

چند قدم آگے بڑھانے کے بعد کیف نے مڑ کر دیکھا تھا۔کچھ عجیب سے احساسات تلے اس نے قدم روک لیے تھے۔

"زرگل، یاسر تم دونوں گھر جاؤ۔۔۔میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" وہ واپس مڑتے ہوئے بولا تھا۔

"یار پلیز اب اور کوئی فضول حرکت نہیں۔" زرگل چڑ کر بولا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ تم لوگ جاؤ۔۔۔میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" کیف نے سختی سے کہا تھا۔

"جو مرضی کرو۔۔۔"

زرگل شدید غصے سے بولا اور یاسر کا ہاتھ تھامتے ہوئے تیزی سے آگے کی جانب بڑھ گیا۔

کیف کے قدم دوسری سمت اٹھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

دو بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا تو ٹی وی لاؤنج خالی پڑا تھا۔وہ حسبِ عادت اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔

منفرا کے اس کی زندگی مین آجانے سے بھی اس میں کافی تبدیلی آئی تھی لیکن وسامہ اور ہدیٰ کے آنے کے بعد وہ باقی سب کچھ بھول گیا تھا۔ یہ دونوں بچے اس کے لیے سورج کی حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے جن کے گرد اس کی زندگی گھومتی تھی۔

http://kitaabghar.com

وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو منفرا وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید وہ کچن میں تھی۔

وہ سر جھٹک کر بچوں کی کاٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا لیکن۔۔۔ اسے اپنی سانس سینے میں گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

کاٹ خالی تھی۔

معاویہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اتنی ٹھنڈ میں منفرا بچوں کو باہر تو نہیں لے جا سکتی۔۔۔ اس کے اندر کا خوف مجسم صورت اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پر پھینکا تھا اور تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

"منفرا۔۔۔ منفرا!" وہ اسے آوازیں دے رہا تھا

جواب میں ہنوز خاموشی طاری رہی۔۔۔

اور یہ خاموشی اس کے خوف کو غصے میں بدل رہی تھی۔

"منفرا۔۔۔!" وہ پوری طاقت اور غصے سے چیخا۔ اور سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچن کی سمت جاتا۔۔۔ اس نے منفرا کی آواز سنی تھی۔

حیرت زدہ آواز۔۔۔

"معاویہ۔۔۔!"

وہ ان کے بیڈروم کے ساتھ والے روم سے برآمد ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

معاویہ نے مڑ کر اوپر کی سمت دیکھا۔ منفرا حیران پریشان اس کی شکل تک رہی تھی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

"کدھر تھی تم؟ بچے کہاں ہیں؟ اتنا پریشان ہو گیا تھا میں۔۔۔" اس کے لہجے میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

"کیا ہو گیا ہے معاویہ۔۔۔!" اس نے خفگی سے کہا۔ "جانا کہاں ہے؟ ساتھ والا سیٹ کروا رہی تھی بچوں کے لیے؟"

"کیوں؟" وہ چھوٹے بچے کی طرح خفا ہو گیا تھا۔ "تمہیں پتا ہے کہ مجھے ان کے بغیر سکون نہیں ملتا۔

"کیونکہ آج ان کی کیئر ٹیکر آ گئی ہے معاویہ۔۔۔" منفرا نے ابرو اچکا کر کہا۔

"نہ کرو یار۔۔۔" معاویہ نے منہ لٹکا لیا۔

منفرا ہنس پڑی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈروم کی سمت چل پڑی۔

"تو کیئر ٹیکر صاحبہ تشریف لے آئی ہیں؟ بیڈروم میں پہنچ کر معاویہ نے کہا تھا۔

"بالکل۔۔۔"اس کے گلے سے ٹائی اتارتے ہوئے منفرا نے اثبات میں جواب دیا تھا۔

"تم ملو گے خوش نصیب سے؟"منفرا نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔"معاویہ نے یک لفظی جواب دیا۔

منفرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بیڈ سے کوٹ اٹھانے لگی۔

"بہتر تھا تم اس سے مل لیتے۔۔۔تمہاری تسلی بھی ہو جاتی اور۔۔۔"

"اور؟"

"اور یہ کہ وہ کیئر ٹیکر ہے معاویہ اب اسی گھر میں رہنے والی ہے۔ بہت احتیاط کریں تب بھی کبھی نہ کبھی تو سامنا ہو گا نا اس سے تمہارا۔ اگر تمہارا بی ہیوئیر ایسا ہی رہا تو کام کیسے چلے گا بھلا۔"

اس کا آرام دہ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا تھا۔

"سہی ہے جناب۔۔۔ جو آپ کا حکم۔۔۔"

"کھانا لگواؤں۔۔۔؟"

"ہاں لگوا لو اور خوش نصیب صاحبہ کو بھی بلا لو۔ لنچ پر ہی مل لیتا ہوں اس سے۔"معاویہ نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔

"یہ ہوئی نا بات۔۔۔"منفرا نے خوشی سے کہا۔"تم چینج کرو میں کھانا لگواتی ہوں۔"

وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ پیچھے سے معاویہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"یار میرے بچے تو دے جاؤ مجھے۔۔۔"

منفرا مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

وہ تیزی سے چڑھائی اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ یقیناً روشنی ختم ہو جانے کے بعد یہ کام مزید مشکل ہو جاتا۔

ایک طرف گہری کھائی تھی اور دوسری جانب پہاڑ۔۔۔

اس نے قریباً پچیس منٹ فلک بوس کے اردگرد گھومتے ہوئے گزارے تھے اور جس مقصد کے لیے وہ وہاں رکا تھا اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔ یہی کامیابی اسے جلد از جلد سلمان احمد کے گھر پہنچنے پر مجبور کر رہی تھی۔

کہتے ہیں جلدی کا کام شیطان کا کام ہوتا ہے۔۔۔

کیف کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا تھا۔ اس کی تیزی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اس کے پیروں تلے موجود برف ایک دم اپنی جگہ

چھوڑ گئی تھی اور وہ پھسلتا چلا گیا تھا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ وہ سنبھل ہی نہیں سکا تھا۔

اس سے پہلے کہ گہری کھائی اسے نگل جاتی اس کا بازو کسی نے دبوچ لیا تھا۔

''بھائی ہاتھ پکڑو۔۔۔ ہاتھ پکڑو۔۔۔'' وہ جو کوئی بھی تھا چیخا تھا۔

وہ آدھا ہوا میں معلق تھا۔ حواس غائب تھے۔ موت سر پر کھڑی نظر آرہی تھی۔

کیمرہ۔۔۔ جس میں فلک بوس کی تصاویر تھیں۔۔۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کھائی میں گرتا چلا گیا تھا۔

''بھائی مجھے ہاتھ دو۔۔۔ ہاتھ پکڑاؤ مجھے۔۔۔'' وہ چیخ چیخ کر کیف کو ہدایات دے رہا تھا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ان دونوں کی سانسیں بری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ ایک کو موت کے خوف نے حواس باختہ کر رکھا تھا اور دوسرے کو محنت نے۔۔۔

ذرا حواس ٹھکانے آئے تو وہ اپنی جان بچانے والے کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ لمبا چوڑا جوان تھا۔۔۔ پٹھان۔۔۔ سرخ و سفید رنگت اور گھنے سیاہ بال۔۔۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' سانس درست کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

اپنے بازو کو کہنی کے پاس سے تھامے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ فی الحال بولنا محال تھا۔ وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ گیا تھا۔

''آپ کا بازو زخمی ہے۔۔۔'' اس نے جانے پوچھا تھا یا بتایا تھا۔

برف باری پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

''زیادہ نہیں۔۔۔'' کیف نے آسمان کی طرف دیکھ کر اسے کہا تھا۔ ''تمہارا شکریہ دوست۔۔۔ تم مجھے نہ بچاتے تو شاید اب تک میں۔۔۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''آپ بہت تیزی میں دکھائی دیتے تھے۔۔۔ سب خیریت تو ہے؟''

''ہاں مجھے نیچے وادی میں جانا ہے۔ میں یہاں گھوم پھر رہا تھا۔۔۔ فوٹو گرافر ہوں۔۔۔ تصاویر لیتے لیتے دیر ہو گئی۔'' اس کی باتیں بے ربط تھیں لیکن وہ سچ نہیں بتا سکتا تھا۔

برفباری شدت اختیار کر رہی تھی۔

''اس وقت برفباری شروع ہو گئی ہے اور آپ زخمی بھی ہیں۔۔۔ اس حالت میں آپ اتر نہیں سکیں گے۔ آپ میرے ساتھ گھر چلو۔۔۔ برفباری رکے گی تو میں خود آپ کو نیچے چھوڑ آؤں گا۔'' وہ لڑکا مخلصانہ لہجے میں بولا۔

''میرا کیمرہ نیچے گر گیا ہے۔'' کیف افسردگی سے بولا۔ یاسر کو وہ کیمرہ بہت عزیز تھا۔

''ایسے تو کیمرہ ملنا مشکل ہے۔ ہاں دن کی روشنی میں جا کر ڈھونڈنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ابھی آپ چلو میرے ساتھ۔۔۔ برفباری تیز ہو رہی ہے۔'' اس نے کیف کو آگے بڑھ کر سہارا دیا تھا۔ ''میرا گھر یہاں قریب ہی ہے۔''

کیف نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور لنگڑاتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔

''ٹورسٹ ہو؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''یہی سمجھ لو۔۔۔ ایک مقابلے میں حصہ لینے تھا۔ اس کے لیے یہاں کی خوبصورتی کو تصاویر میں قید کرنے آیا ہوں اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔'' کیف کراہتے ہوئے بولا۔ اس کی بازو میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ سر جھکائے پاشا کے قدموں کے نشانات پر چلتا جا رہا تھا۔

''آپ کا نام؟''

''کیف۔۔۔''

''آہاں۔۔۔ بس پہنچ گئے کیف بھائی۔۔۔'' وہ لڑکا نرمی سے بولا تھا۔

کیف نے بے دھیانی میں سر اٹھایا۔۔۔ وہ فلک بوس کے لوہے کے پھاٹک کے پاس کھڑا تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''تم کون ہو؟'' وہ اسکی طرف پریشان سا ہو کر پلٹا تھا۔

''پاشا۔۔۔ پاشا کبیر خان۔۔۔

☆......☆......☆

''بابا۔۔۔ کبیر بابا۔۔۔'' پاشا اسے اپنا نام بتا کر پھاٹک کے پاس جا کھڑا ہوا اور اپنے باپ کو آوازیں دینے لگا۔

کیف پیچھے شل سا کھڑا تھا۔

''کبیر بابا۔۔۔'' اسنے پھر پورے زور سے پکارا تھا۔

لاٹھی ٹیکنے کی آواز آئی اور پھر ایک طرف سے لاٹھی بردار بوڑھا کبیر خان برآمد ہوا تھا۔

''آ رہا ہوں۔۔۔ آ رہا ہوں نانہجار۔۔۔ باپ کو ملازم سمجھ رکھا ہے۔۔۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نواب کے لیے دروازہ کھولے۔'' وہ دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

''اچھا اچھا۔۔۔ اب اتنا غصہ مت کرو۔۔۔'' پاشا نے خفگی سے کہا۔

''میرے ساتھ مہمان بھی ہے۔''

''پاشا کبیر خان۔۔۔ تم اچھے سے جانتے۔۔۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پاشا نے بات کاٹ دی۔

''اندر چل کر بات کر لیتے ہیں بابا! اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کھائی میں گرتے گرتے بچا ہے۔'' اس کا لہجہ خفگی سے بھرپور تھا۔

کبیر غصے سے بڑبڑاتا ہوا اندر جانے کو مڑ گیا تھا۔

''کیف بھائی اندر آ جاؤ۔۔۔'' پاشا کیف کی جانب پلٹا تھا جس کی نظریں فلک بوس پر جمی ہوئی تھیں۔

دن کے اندھیرے میں خوبصورت نظر آنے والی عمارت رات کے اندھیرے میں ہیبت طاری کر رہی تھی۔

پاشا نے آگے بڑھ کر دوبارہ سے اس کو سہارا دیا تھا اور اندر کی جانب بڑھا تھا۔

کیف نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کی پیروی کی تھی۔

پاشا اسے دائیں طرف بنے ہوئے کوارٹرز کی طرف لے آیا تھا۔ وہ اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا تھا اور اسے سکون سے بیٹھنے کی ہدایت دے کر باہر نکل گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ایک تولیے اور فرسٹ ایڈ باکس کے ساتھ ہوئی تھی۔

ساتھ کبیر خان بھی تھا۔

وہ آ کر کیف کے عین سامنے بیٹھ گیا تھا اور اب اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

پاشا نے اس کی بازو کا جائزہ لے کر اس پر دوا لگا دی تھی اور ایک پٹی کے ذریعے بازو کو گلے میں لٹکا دیا تھا۔ وہ جو کر سکتا تھا کر رہا تھا۔

''آپ آرام سے بیٹھو بھائی۔۔۔ میں آپ کے لیے چائے لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

کبیر خان ابھی بھی اس کے سامنے بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔

''میں نے تمہیں منا کیا تھا نا؟ بولا تھا لوٹ جاؤ۔۔۔ مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوا۔''

کیف نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''تو آپ کا مطلب ہے میرے ساتھ یہ حادثہ اس سو کالڈ بھوت کی وجہ سے ہوا ہے؟'' کیف نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''تمہیں اب بھی اس بات پر شک ہے؟''

''شک۔۔۔؟ مجھے یقین ہے کہ ایو شمتی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' کیف کو تکلیف نے چڑچڑا اور نڈر بنا دیا تھا۔

کبیر خان اس کی بات پر چونکا تھا۔

''تم اس کے قہر سے بچ گئے ہو۔۔۔ اس لیے تمہیں اتنی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس نے غصے سے کہا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمہیں ایک بار پھر نصیحت کر رہا ہوں کہ تمہیں جو کرنا ہے وادی میں رہ کر کرو۔ دوبارہ فلک بوس کے قریب آنے کی غلطی بھی نہ کرنا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

دوسری طرف کیف نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ فلک بوس میں داخل ہو کر رہے گا۔

☆......☆......☆

''تم نے بچوں کے گرم کپڑے پیک کروائے ہیں؟'' معاویہ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''معاویہ۔۔۔جسٹ ریلیکس۔۔۔ سب کچھ موجود ہے۔'' منفرا اب کچھ اکتا کر بولی تھی۔

''ہاہا۔۔۔وہاں سردی زیادہ ہو گی یار۔۔۔سنو فالنگ کا سیزن ہے۔۔۔اس لیے میں زیادہ کانشیس ہو رہا ہوں۔''

''ایکسکیوزمی مسٹر معاویہ۔۔۔'' منفرا شرارت سے اس کی جانب جھکی تھی۔''یہ فرسٹ ٹائم نہیں ہے۔۔۔اپنے ان لاڈلوں کے لیے تم ہر ٹائم کانشیس ہی رہتے ہو۔''

معاویہ مسکرا دیا۔

''کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں کوئی ہمارے بچے چھین کر نہ لے جائے۔''

منفرا نے یہ بات شرارت میں ہی کہی تھی لیکن معاویہ کے چہرے سے مسکراہٹ پلک جھپکتے میں ختم ہو گئی تھی۔

تو صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ بشام کا وہ سفر جو ٹھنڈ کی شدت کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے کچھ ملتوی کر دیا تھا، انہیں ان کے پلان سے بھی پہلے کرنا پڑ رہا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ معاویہ کو اپنے کسی کام کے سلسلے میں بشام سے آگے جانا تھا۔سو اس نے منفرا کو راضی کیا تھا کہ وہ لوگ بھی ساتھ چلیں تاکہ منفرا کا شوق بھی پورا ہو جائے اور وہ سکون سے ان لوگوں کی موجودگی میں اپنا کام ختم کر سکے۔منفرا کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ایک دن میں تیاری مکمل کر کے وہ لوگ بشام کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔انہیں ایک دن ایبٹ آباد میں رکنا تھا اور رات میں سفر کر کے بشام جانا تھا۔

گاڑی میں خاموشی طاری تھی۔

منفرا کھڑکی سے باہر نظاروں میں گم تھی۔

بیک سیٹ پر بیٹھی خوش نصیب خاموشی سے وسامہ کے لیے فیڈر تیار کر رہی تھی۔

اور باقی بچا معاویہ تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور پر سوچ نظریں ونڈ اسکرین پر جمی تھیں۔

☆......☆......☆

اس وقت رات کے دو بجے تھے۔اپنے کندھے پر بیک پیک لٹکائے وہ فلک بوس کے عین سامنے درختوں میں سے برآمد ہوا تھا اور اب دبے پاؤں فلک بوس کے عقب کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اس کا انداز بے حد چوکنا تھا۔دائیں ہاتھ میں ایک لمبی مضبوط چھڑی اور بائیں میں ایک طاقتور ٹارچ لیے وہ محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔اس نے ٹارچ کو منہ زمین کی طرف جھکا رکھا تھا تاکہ لائٹ دیکھ کر کوئی محتاط نہ ہو جائے۔یہ بات اسے معلوم تھی کہ پاشا فلک بوس میں موجود نہیں ہے۔وہ کسی کام سے شہر گیا ہوا تھا۔فلک بوس میں اس وقت صرف کبیر خان موجود تھا اور اس کو سب سے زیادہ خطرہ بھی اسی سے تھا۔

اڑتی اڑتی خبر آئی تھی کہ کل صبح فلک بوس کے اصل مالکان آ رہے ہیں۔ کیف کے پاس صرف آج کی رات تھی فلک بوس کی تلاشی لینے کے لیے۔ اس نے زرگل یا یاسر کو بتانے کی بھی زحمت نہیں کی تھی کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔

کل رات وہ گیارہ بجے کے بعد سلمان احمد کے گھر پہنچا تھا۔ پاشا اسے خود چھوڑنے آیا تھا۔ زرگل اور یاسر اس کے لیے پریشان بیٹھے تھے۔ حتیٰ کہ زرگل اس کی تلاش میں نکلنے والا تھا جب وہ وہاں پہنچے۔ وہ دونوں ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

کیف نے انہیں سب بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

''آخر آپ کو اتنی تیزی کیا تھی بھائی؟'' یاسر نے اس کی بازو کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''تیزی تو تھی یار۔۔۔''

دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

''میں فلک بوس کی بیک سائیڈ پر گیا تھا۔ یار وہاں ایک جگہ ہے جہاں سے چھپ کر ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ جنگلا ٹوٹا ہوا ہے وہاں سے۔۔۔ میں نے ان جگہوں کی تصویریں بھی لی تھیں مگر کیمرہ۔۔۔ سوری یاسر۔۔۔''

''جو خدا کو منظور۔۔۔'' یاسر نے بیچارگی سے کہا۔

''کیف بس کر دے۔'' زرگل کو غصہ آ گیا۔ ''تو مرتے مرتے بچا ہے۔۔۔ فلک بوس کی جتنی بھی تصاویر لی تھیں وہ اس کیمرے کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ اب کیا اور ثبوت چاہیے تمہیں اس جگہ کے ہونٹڈ ہونے کا؟''

وہ بیزار ہو گیا تھا اس سب سے۔

''بس ختم کرو اس سب معاملے کو۔۔۔ ہم لوگ کل یا پھر پرسوں واپس جا رہے ہیں۔''

''ایسے کیسے واپس جا سکتے ہیں۔۔۔'' کیف بے چینی سے بولا۔ ''اب جب ایک پوائنٹ مل گیا ہے جہاں سے ہم فلک بوس میں اینٹر ہو سکتے ہیں تو تم واپس جانے کا بول رہے ہو۔''

''بھاڑ میں جائے فلک بوس اور بھاڑ میں جائے اس کا راز۔۔۔'' زرگل غصے سے اٹھ گیا تھا۔

''یار تم میری بات تو سنو۔۔۔'' وہ اسے خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''بھلا میرے سلپ ہونے کا ایو شمتی سے کیا تعلق۔۔۔؟ زرگل ہم ڈسکس کر سکتے ہیں۔۔۔''

کیف نے اسے کئی بار پکارا تھا لیکن وہ خفا خفا سا اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا تھا۔

اس نے یاسر کی جانب دیکھا تو وہ بھی نظر چرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ بات وہاں ہی ختم ہو گئی تھی اور اگلے دن کیف نے زرگل کو یہ کہہ کر منا لیا تھا کہ وہ اس کی بات مان لے گا۔ لیکن بشام سے وہ ایک دو دن بعد روانہ ہوں گے۔ زرگل نے حامی بھر لی تھی۔

http://kitaabghar.com

اس رات اس نے یاسر اور زرگل کے سونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس کا رخ فلک بوس کی طرف تھا۔ وہ گیارہ بجے کے قریب گھر سے نکلا تھا۔ سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے اس نے چڑھائی کا سفر طے کیا تھا اور قریباً دو گھنٹے گھنے درختوں میں چھپا رہا تھا۔

رات دو بجے کے بعد وہ گھنے درختوں سے نکلا تھا اور محتاط انداز میں فلک بوس کی پچھلی جانب چل پڑا تھا۔

وہ ساتھ ساتھ اردگرد دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ فلک بوس کے عقب میں پہنچ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ جنگلا پار کر جاتا کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

کیف اپنی جگہ سے بری طرح اچھلا تھا۔

"تجھے کیا لگا تھا تو چھپ کر نکلے گا اور ہمیں پتا نہیں چلے گا؟" وہ زرگل تھا۔

کیف نے اس کو دیکھ کر سکون بھری سانس خارج کی۔

"جان نکال دی میری ڈیش انسان! ڈرانا ضروری تھا؟"

"آپ کا اکیلے اکیلے پکنک پر آنا ضروری تھا؟" یاسر بھی زرگل کے عقب سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کوئی حال نہیں ہے تم لوگوں کا۔۔۔ کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں؟"

کیف کو فکر ہونے لگی اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ دونوں اسے فلک بوس میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

"تجھے ہم اکیلا چھوڑ نہیں سکتے اور تو نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ کوئی انسانوں والا کام نہیں کرنا۔۔۔ اس لیے اگر تو اندر جائے گا تو ہم تیرے ساتھ جائیں گے۔" زرگل حتمی لہجے میں بولا تھا۔

کیف کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"دوست ہوں تو تم لوگوں جیسے۔۔۔" کیف نے ہنس کر کہا۔

مزید باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر وہ اندر داخل ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

اس وقت وہ تینوں فلک بوس کی عمارت کے پچھلی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہاں دو تین بڑی بڑی کھڑکیوں تھیں۔

یاسر نے آگے بڑھ کر چیک کیا۔ تینوں کھڑکیاں اندر سے بند محسوس ہوتی تھیں۔

زرگل نے ایک کھڑکی پر زور آزمائی کی۔۔۔ خوش قسمتی سے اس کی کنڈی زنگ آلودہ تھی۔ سو جلد ہی اپنی جگہ سے اکھڑ گئی اور کھڑکی ہلکی آواز کے ساتھ کھلتی چلی گئی۔

ان تینوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا پھر کیف نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو گیا۔

http://kitaabghar.com

وہ تینوں ایک افسانوی دنیا میں داخل ہو چکے تھے۔

باہر پھر سے برف باری شروع ہو چکی تھی۔

زرگل نے احتیاطاً کھڑکی کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔

یاسر اور کیف نے اپنی اپنی ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر پھینکی۔۔۔

وہ ایک کمرے میں کھڑے تھے۔ جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کمرہ کافی عرصے سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ کاٹھ کباڑ بھرا تھا کمرے میں۔۔۔

یکدم یاسر کی نگاہ کمرے کے دروازے پر پڑی تھی۔

''بھائی۔۔۔ اس طرف۔۔۔'' اس نے ٹارچ کے اشارے سے انہیں دروازے کی جانب متوجہ کیا اور آگے بڑھ کر دروازے کو چیک کیا۔ وہ لاک نہیں تھا۔

قدرت خود ان کے لیے راستہ صاف کر رہی تھی۔

یہ دروازہ ایک طویل اور تاریک راہداری میں کھلتا تھا۔ کیف نے غور سے راہداری میں دیکھا اور کسی کو موجود نہ پا کر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں راہ داری میں آگے بڑھنے لگے۔ یہ راہداری دائیں جانب مڑتی تھی۔ وہ تینوں محتاط انداز میں ٹارچ کی روشنی میں دائیں جانب مڑ گئے۔ یہ راستہ آگے جا کر ایک ہال نما کمرے میں ختم ہوا تھا

اس ہال میں ایک دروازے تھے۔ اور تین مختلف راہداریوں کے راستے تھے۔

وہ تینوں رک گئے۔

''اب کس طرف؟'' زرگل آہستہ سے بولا۔

''سیدھا۔۔۔'' کیف نے سامنے والی راہ داری کی طرف دیکھا اور آگے کو بڑھا۔

وہ دونوں اس کے پیچھے تھے۔

یکدم یاسر کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ گرتے گرتے بچا مگر اس کا ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ رکھی تپائی پر پڑا چھوٹا سا گلدان گر کر چکنا چور ہو گیا۔

''شٹ۔۔۔'' یاسر کے منہ سے نکلا۔ اس نے اپنے پیروں کی جانب دیکھا اس کے جوتے کی تسمے کھلے ہوئے تھے۔

''دھیان سے یاسر۔۔۔'' کیف نے اسے نیچی آواز میں ڈانٹا۔ ''خود بھی مرو گے ہمیں بھی مرواؤ گے۔''

اس نے غور سے سننے کی کوشش کی، کوئی آواز نہیں تھا یعنی کبیر کو ابھی تک ان کے اندر آ جانے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔

''سوری بھائی۔'' وہ شرمندگی سے زمین پر گھٹنے کے بل بیٹھا اور جلدی جلدی تسمہ باندھنے لگا۔

تسمہ بندھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ''چلیں؟'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے منہ اٹھا کر سامنے دیکھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

وہ اس ہال نما کمرے میں تنہا تھا۔ زرگل اور کیف غائب تھے۔

''کیف بھائی؟ زرگل بھائی۔۔۔؟'' اس نے آہستہ سے پکارا تھا۔ جواب میں خاموشی رہی تھی۔

یاسر نے تقریباً بھاگ کر اس راہداری تک کا فاصلہ طے کیا تھا جس طرف کیف نے اشارہ کیا تھا۔ وہ خالی تھی۔

یاسر نے اپنے دل کو شدید خوف کے زیرِ اثر پایا۔

کچھ سوچ کر وہ راہداری میں آگے بڑھنے لگا لیکن یکدم ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز راہداری کے دروازے کے بالکل ساتھ سے اس دوسرے دروازے کے پیچھے سے آئی تھی جو بند تھا۔

''اوہ۔۔۔ یہ لوگ ڈرا رہے ہیں مجھے۔۔۔'' یاسر کو غصہ آیا تھا اس مذاق پر۔

وہ آگے بڑھا اور دروازے کی ناب گھمانے کی کوشش کی۔ وہ لاک تھا۔

یاسر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اور کی ہول سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔

اندر گھپ اندھیرا تھا۔ لیکن دائیں طرف کے ایک کونے میں روشنی کا وجود موجود تھا۔

وہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔

قدموں کی چاپ اور روشنی کا پھیلاؤ یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اندر جو کوئی بھی ہے آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھ رہا ہے۔ یاسر کی تمام حسیات اندر کمرے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

پھر ایک وجود کی ہول کے عین سامنے دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ ہوا میں تیرتا ہوا ایک سفید وجود تھا۔

ساتھ ہی روشنی کا ایک تیز جھماکا ہوا تھا اور یاسر کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

جب تک کیف اور زرگل، اس کی چیخ سن کر واپس اس تک پہنچے، یاسر بے ہوش ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

اندر گھپ اندھیرا تھا۔لیکن دائیں طرف کے ایک کونے میں روشنی کا احساس موجود تھا۔

اسے محسوس ہوا کہ اندر۔۔۔ وہاں۔۔۔ اس کونے میں کوئی موجود تھا۔

قدموں کی چاپ اور روشنی کا پھیلاؤ یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اندر جو کوئی بھی ہے آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھ رہا ہے۔ یاسر کی تمام حسیات اندر کمرے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

پھر ایک وجود کی ہول کے عین سامنے دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ ہوا میں تیرتا ہوا ایک سفید وجود تھا۔

ساتھ ہی روشنی کا ایک تیز جھماکا ہوا تھا اور یاسر کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

خوف کی شدت تھی یا کوئی اور احساس کہ وہ اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گرتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ دونوں دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے۔ان کی آنکھیں کسی بلی کی طرح اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''کیف۔۔۔'' زرگل نے آہستہ سے پکارا تھا۔

کیف نے منہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''یار! میں ایک معصوم سا رپورٹر ہوں۔۔۔تو کیوں مجھے چور بنانے پر تلا ہوا ہے؟'' وہ بے چارگی سے بولا۔

دیوار ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتے وہ دونوں اطراف کا جائزہ لینے میں اس قدر مگن تھے کہ یاسر کی غیر موجودگی کو محسوس بھی نہیں کر پائے تھے۔

''چوری کرنے تھوڑی نہ آئے ہیں ہم زری۔۔۔!'' قدم روکے بغیر کیف خفگی سے بولا تھا۔ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر ڈالتے ہوئے وہ دبے پاؤں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

آر یا پار۔۔۔کیف نے سوچ لیا تھا کہ آج تو کچھ نہ کچھ کھوج کر ہی واپس پلٹے گا۔

''ابھی وہ چاچا جی چھڑی ٹیکتے کسی کونے سے برآمد ہو گئے نہ تو کبھی یقین نہیں کریں گے کہ ہم یہاں چوری کے غرض سے نہیں آئے تھے۔'' زرگل جھنجھلایا۔

''بیٹا تو بس دعا کر کہ اگر کوئی برآمد ہو تو وہ چاچا کبیر ہی ہوں۔۔۔ کوئی اور نہیں۔۔۔ابھی اوشمتی باجی آ گئیں کہیں سے تو سوچ وہ کیا کرے گی۔۔۔'' کیف نے کمینی سی ہنسی ہنس کر کہا تھا۔

زرگل نے گھور کر اسے دیکھا تھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہی کہاں تھا۔

''بہت مار پڑے گی کیف! میں بتا رہا ہوں پکڑے گئے تو بہت جوتے پڑیں گے۔''

''بس کر دے۔۔۔'' کیف تلملا کر اس کی جانب پلٹا تھا اور ٹارچ کی روشنی سیدھی اس کے منہ پر ڈالی دی۔''جوتے تو تو بچپن سے کھاتا آ رہا ہے اپنے اباجی سے۔۔۔ جوتوں سے نہیں ڈر سکتا تو۔۔۔صاف بول ایوشمتی کا خوف تیرے حواسوں پر سوار ہے۔''

''اوئے اسے تو نیچے کرو۔۔۔'' آنکھوں میں گھستی روشنی سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں ڈھانپیں تھی اور دوسرا ہاتھ کیف کے ٹارچ پکڑے ہاتھ پر مارا تھا۔

''ایک منٹ۔۔۔'' اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف کرتے ہوئے کیف تیزی سے دو قدم اس راہداری میں اس طرف کو چلا تھا جہاں سے وہ دونوں چل کر یہاں تک پہنچے تھے۔وہ تیزی سے ٹارچ کو ادھر ادھر گھما رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' زرگل بھی اس کی جانب مڑا تھا۔

''یاسر کہاں ہے؟'' کیف کی خوش مزاجی، چلبلا پن اور شرارت ہوا ہوگئی تھی۔

یاسر وہاں نہیں تھا۔ وہ اس راہداری میں کہیں بھی نہیں تھا۔زرگل کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔یاسر کی غیر موجودگی ان دونوں کو دہلا کر رکھ گئی تھی۔

''کیف میں نے تجھے بولا تھا۔یہاں نہیں آنا چاہیے۔'' زرگل تمام احتیاط بھلائے اونچی آواز میں بولا تھا۔

کیف کی شکل پر بھی بارہ بج چکے تھے۔''مجھے لگتا ہے وہ کسی غلط طرف مڑ گیا ہے۔''

''کیف یاسر کو ڈھونڈنا ہوگا۔۔۔ہمیں اسے۔۔۔''

زرگل کی بات پوری نہیں ہو سکی تھی۔اس سے پہلے ہی فلک بوس تیز چیخوں سے گونج گیا تھا۔

وہ دونوں ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑے تھے۔ایک دوسرے کی طرف ایک نظر دیکھنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ واپس اس ہال کی طرف پڑے تھے جہاں سے یہ راہداری شروع ہوئی تھی۔

''یاسر۔۔۔یاسر۔۔۔'' تمام احتیاط بالائے طاق رکھے اس وقت وہ دونوں اونچی آواز میں یاسر کو پکار رہے تھے۔

بمشکل دو منٹ میں وہ دونوں ہال میں جا پہنچے تھے۔ادھر دیکھتے وہ یاسر کو تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ زرگل تیزی سے دوسری راہداری کی طرف بڑھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ راہداری میں داخل ہو جاتا کیف نے اسے پکارا تھا۔کیف کی نظریں دائیں طرف فرش پر جمی تھی۔زرگل کی آنکھوں نے کیف کی نظر کا تعاقب کیا تھا۔

''یاسر۔۔۔'' پھولی سانسوں کے ساتھ زرگل تیزی سے فرش پر اوندھے منہ پڑے یاسر کی طرف بڑھا تھا۔کیف نے بھی اس کی پیروی کی۔

یاسر کو سیدھا کر کے کیف نے تیزی سے اس کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کی تھی۔

"ز۔۔زندہ ہے۔۔۔" کیف کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ "بے ہوش ہے۔۔۔"

"یاسر۔۔۔یاسر۔۔۔" اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے زرگل نے بے چینی سے اسے پکارا تھا۔۔۔پھر پریشان ہو کر کیف کی طرف دیکھا تھا۔"اب۔۔۔اب کیا کرنا ہے؟"

"واپس جاتے ہیں۔۔۔اسے میں اٹھالوں گا کندھے پر۔۔۔بستی میں مل جائے گا ڈاکٹر۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔" زرگل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کیف تیزی سے کھڑا ہوا اور جھک کر یاسر کو اٹھانے لگا۔

یہی وقت تھا جب ان دونوں نے ایک آواز سنی تھی۔

"ٹھک۔۔۔ٹھک۔۔۔ٹھک۔۔۔"

وہ لاٹھی کے فرش پر رکھ کر چلنے کی آواز تھی۔۔۔

"شٹ۔۔۔بابا کبیر۔۔۔" زرگل نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ ہر کام الٹا ہو رہا تھا۔ بھاگنے کا اب وقت نہیں تھا کیونکہ آواز بہت قریب سے سنائی دے رہی تھی۔

"کون ہے؟ کون ہے وہاں۔۔۔" اگلے ہی لمحے بابا کبیر اس ہال میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں اس کی لاٹھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک لالٹین پکڑی ہوئی تھی۔

اب وہ دروازے پر کھڑا حیران پریشان ان دونوں کی شکل دیکھ رہا تھا مگر یہ تاثرات صرف چند لمحوں کے لیے تھے کیونکہ اب حیرانی کی جگہ غضب نے لے لی تھی۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تم لوگوں کی اتنی جرات۔۔۔ہمت کیسے ہوئی تم لوگوں کی کہ میرے منع کرنے کے بعد فلک بوس میں داخل ہو۔۔۔"

اپنی لاٹھی کو وہ تلوار کی طرح سونت کر ان دونوں کی طرف بڑھا تھا اور ان دونوں کو اب اپنی خیریت خطرے میں نظر آ رہی تھی۔

"بابا۔۔۔بابا جی۔۔۔میری بات سنیں۔۔۔" بچاؤ کے لیے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کیف پیچھے ہٹا تھا۔"ہم یہاں کسی غلط۔۔۔"

بات پوری نہیں ہو سکی تھی کیونکہ اس کے پورے ہونے سے پہلے ہی بابا کبیر کا لاٹھی والا ہاتھ حرکت میں آیا تھا اور وہ لاٹھی ٹھک سے کیف کی ٹانگ پر جا لگی تھی۔

کیف بلبلا اٹھا اور اچھل کر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"باباجی ہماری بات تو سن لیں۔۔۔" زرگل فکرمندی سے بولا تھا لیکن اس نے اسنے کی بجائے زرگل کے ساتھ بھی کیف والا سلوک کیا تھا۔زرگل کمر پر ہاتھ رکھ کر دہرا ہو گیا۔

یقیناً بابا کبیر کی نظر ابھی تک یاسر پر نہیں پڑی تھی۔وہ دوبارہ اس لاٹھی کو پکڑے ان دونوں کی طرف بڑھا تھا۔

"میں بتاتا ہوں تم لوگوں کو کہ دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل ہونے کی کیا سزا ہے۔" اس نے کسی سورما کی طرح لاٹھی کو ہوا میں لہرایا۔بوڑھے بابا کبیر میں فی الوقت کسی جوان روح میں بسیرا کر لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کسی کو ایک اور ضرب کا سامنا کرنا پڑتا، کبیر کی نظر یاسر پر پڑ گئی تھی۔

"یہ۔۔۔یہ کیا ہوا ہے؟ کیا کیا ہے اس کے ساتھ تم دونوں نے؟" اس کے چہرے پر یکدم بے تحاشہ فکرمندی چھا گئی تھی۔وہ اب کچھ پریشانی سے کیف اور زرگل کو دیکھ رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔باباجی ہمیں خود نہیں پتا۔۔۔" کیف ٹانگ سہلاتے ہوئے چڑ کر بولا تھا۔"آپ ذرا اپنی لاٹھی پر قابو پاؤ تو دیکھ لیں ہم اسے۔"

"نانہجارو۔۔۔بولا تھا تم لوگوں کو فلک بوس تم جیسے بیوقوفوں کے گھومنے کی جگہ نہیں ہے۔۔۔مگر نہیں۔۔۔تم جیسے پاگل کبھی بھی بزرگوں کی نصیحتوں پر عمل نہیں کرتے۔" کبیر بابا کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

اس نے زمین پر بیٹھتے ہوئے یاسر کا کندھا جھنجھوڑا تھا۔۔۔

"لڑکے۔۔۔اوئے لڑکے اٹھو۔۔۔تم ٹھیک ہو؟" یاسر کا کندھا ہلاتے ہوئے وہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بے سود۔۔۔

"یہ اٹھ کیوں نہیں رہا؟" کبیر نے مڑ کر ان دونوں کو گھورا تھا۔ "چلو اٹھاؤ اسے۔۔۔میرے کوارٹر میں لے کر چلو۔۔۔اللہ جانے کیا ہوا ہے اس تیسرے لفنگے کو۔۔۔"

کیف نے اس کی بات پر برا سا منہ بنایا تھا لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔۔۔بس اسی کہاوت پر عمل کرتے ہوئے کیف نے سعادت مندی سے سر ہلایا تھا اور آگے بڑھ کر یاسر کو اٹھانے لگا۔زرگل بھی تیزی سے آگے بڑھا تھا اور یاسر کو اٹھانے میں اس کی مدد کرنے لگا۔دائیں اور بائیں جانب سے یاسر کو سہارا دیے وہ کبیر کے پیچھے چل پڑے تھے۔

"اس کی موجودگی میں کسی اور ایونشمتی کی کیا ضرورت ہے۔۔۔" کیف نے زرگل کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی تھی۔۔۔آواز بس اتنی تھی کہ زرگل تک جائے۔اونچی آواز کی صورت میں نقص امن کا خطرہ تھا۔

زرگل نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔اسے فی الحال صرف یاسر کی فکر تھی۔

کوارٹر میں پہنچ کر ان دونوں نے یاسر کو ایک صوفے پر لٹا دیا تھا۔ کمرے میں ایک انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے سو سردی کا احساس قدرے کم تھا۔

"مجھے یقین ہے یہ سب ایوشمتی کا کیا دھرا ہے۔۔۔ یقیناً وہ تم لوگوں کی مداخلت سے ناراض ہو کر تمہارے دوست پر حملہ آور ہوئی ہے۔۔۔" کبیر بابا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا جو اس نے کیف کی طرف بڑھا دیا تھا۔ "اسے پلاؤ۔۔۔ شاید ہوش آ جائے۔۔۔"

کیف نے خاموشی سے گلاس پکڑا اور یاسر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے یا زرگل نے کبیر بابا کے تجزیے پر کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن زرگل کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ کبیر کی باتوں سے صد فیصد متفق تھا۔

اگلے دس پندرہ منٹ کی کوششوں سے وہ یاسر کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کچھ بتا نہیں رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے واپس جانے کی ضد شروع کر دی تھی اور وہ کسی بھی حالت میں اپنی بات سے دست بردار ہونے کا راضی نہیں تھا۔

کیف نے کسی طرح سماجت کر کے کبیر کو راضی کر لیا تھا کہ وہ انہیں صبح ہونے تک اپنے کوارٹر میں رہنے دے اسکے بعد وہ یہاں سے چلے جائیں گے۔ یاسر کی حالت کے پیش نظر کبیر نے انہیں اجازت دے دی تھی لیکن ساتھ ہی دھمکی بھی دی تھی کہ اگر ان لوگوں نے صبح کے بعد اس طرف کا رخ بھی کیا اور کسی مصیبت کا شکار ہوئے تو وہ ان کی کسی قسم کی مدد نہیں کرے گا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ان سے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ وہ لوگ کس طرح فلک بوس میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ موجودہ حالات سے مجبور، کیف نے انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا اور بدلے میں کبیر نے انہیں اپنے کوارٹر میں رات گزارنے کی اجازت دے دی تھی لیکن یاسر نے ہوش میں آنے کے بعد سے یہاں سے چلنے کی ضد پکڑ لی تھی اور کسی صورت یہاں رکنے کو تیار نہیں تھا۔

کیف نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ زرگل بھی زیادہ دیر یہاں رکنے پر راضی نہیں ہے۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ ٹارچ کی روشنی میں واپسی کے لیے چل پڑے تھے۔

☆......☆......☆

"ہاں بھئی جوان! اب کیسی طبیعت ہے؟" کیف نے چائے کا کپ یاسر کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔" یاسر کے انداز سے بے دلی نمایاں تھی۔

کیف اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ زرگل بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے پاس لے آیا تھا۔ وہ دونوں ہی یاسر سے رات کے واقعے کی تفصیلات جاننا چاہتے تھے۔

رات وہ لوگ دو بجے کے قریب وہ لوگ واپس سلمان احمد کے گھر پہنچ گئے تھے۔گھر پہنچ کر بھی یاسر کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔وہ گم صم تھا بلکہ کسی حد تک خوفزدہ محسوس ہوتا تھا۔ان لوگوں نے اس وقت اس سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور اسے نیند کی دوائی کھلا کر اسے سلا دیا تھا۔یاسر کے ساتھ گزرے واقعات کی تفصیل جاننے کی بے چینی دل میں چھپائے وہ دونوں بھی سونے لیٹ گئے تھے۔

یہاں تک معاملات کسی حد تک قابو میں تھے۔مسئلہ تب شروع ہوا جب صبح اٹھنے پر انہیں یاسر کی بگڑی ہوئی حالت کا احساس ہوا تھا۔وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا اور نیند میں ہذیان بک رہا تھا۔ کیف اور زرگل کی ٹینشن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ سلمان احمد کی مدد سے اسی وقت ڈاکٹر کا انتظام کیا گیا جو ڈاکٹر کم ڈسپنسر زیادہ تھا۔

خیر تو قصہ مختصر سارا دن گزارنے کے بعد اب آ کر یاسر کی حالت کچھ سنبھلی تھی۔وہ ہوش میں تھا اور اٹھ کر بیٹھا ہوا تھا۔کیف نے چائے کا انتظام کیا اور اب وہ دونوں اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

کیف نے زرگل کی طرف دیکھ کر اسے اشارہ کیا تھا کہ بات شروع کیے۔ زرگل نے کندھے اچکا دیے۔۔۔ دونوں ہی سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اس سے کیا پوچھیں۔۔۔

مگر انہیں پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔یاسر نے خود ہی بات شروع کر دی تھی۔

”وہاں۔۔۔اس کمرے۔۔۔وہاں کچھ تھا۔“یاسر نے اٹکتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

کیف نے زرگل کی طرف دیکھا پھر خود ہی بول اٹھا۔

”مم۔۔۔کس کمرے میں یاسر؟“

”اس ہال میں ایک ہی کمرا تھا کیف بھائی۔۔۔“یاسر نے خفگی سے کہا۔

”تم کمرے میں گئے تھے؟“زرگل نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔“

”پھر؟تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہاں کوئی تھا؟“

”میں نے کی ہول سے دیکھا تھا۔۔۔“وہ جیسے اپنی اس تانکا جھانکی پر شرمندہ ہوا تھا۔

”اور تم نے کیا دیکھا تھا؟“اب کی بار کیف بولا تھا۔

یاسر ایک لمحے کے لیے جیسے سوچ میں پڑ گیا تھا۔اس نے دل ہی دل میں تمام واقعے کو دہرایا اور اس کی آنکھوں میں ایک بے نام سا خوف لہرا گیا تھا۔

پھر وہ اٹک اٹک کر سب کچھ بتاتا چلا گیا تھا۔شروع سے آخر تک سب کچھ۔۔۔اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے تمام واقعات کسی

فلم کی مانند چل رہے تھے۔

''یاسر ضروری تھوڑی۔۔۔'' کیف نے اسے سمجھانا چاہا تھا لیکن زرگل نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''ٹھیک ہے یاسر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ تم بھول جاؤ جو بھی ہوا۔'' اس کے چہرے پر بے انتہا سنجیدگی تھی۔

''مجھے واپس جانا ہے۔'' یاسر نے کسی چھوٹے بچے کے سے انداز میں کہا تو کیف نے چونک کر اس اٹھایا تھا۔

زرگل کیف کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کیف نے نفی میں سر ہلا کر اسے منع کر دیا تھا۔ زرگل کے چہرے پر خفگی چھا گئی۔

''ابھی کیسے جا سکتے ہیں یاسر۔۔۔ تم بلاوجہ ڈر رہے ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو کچھ بھی تم نے دیکھا وہ تمہاری نظر کا دھوکا ہو۔''

''نہیں۔۔۔ نظر کا دھوکا نہیں تھا۔ تھا وہاں پر کچھ۔۔۔'' یاسر جیسے بے بسی کی حد پر جا کر دبی ہوئی آواز میں چیخا تھا۔

''جسٹ ریلیکس یاسر! ہم ایک دو دن میں یہاں سے چلے جائیں گے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔'' زرگل نے کیف کو گھورتے ہوئے یاسر کو تسلی دی تھی اور اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

''مجھے ایک دو دن نہیں رکنا۔۔۔ مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔'' وہ رو دینے کو تھا۔

''یار میں کوشش کرتا ہوں نا۔۔۔ جتنی جلدی ہو سکے گا ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔'' زرگل اسے تسلے دیتے ہوئے بولا تھا۔

''ابھی تم لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔''

اس نے یاسر کو زبردستی لٹا کر کمبل اوڑھا دیا تھا اور کیف کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

''زرگل! یار کیا کر رہے ہو؟ ایسے کیسے جا سکتے ہیں ہم یہاں سے۔۔۔'' کیف نے گھر سے باہر نکلتے ہی زرگل کو بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔

''بس کر دو کیف۔۔۔! بہت ہو چکا۔ تم نے یاسر کی حالت دیکھی ہے۔۔۔ چھوٹا اور سب سے لاڈلا بیٹا ہے وہ اپنے ماں باپ کا۔۔۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو کون جواب دہ ہوگا سب کے سامنے؟ بتاؤ۔۔۔؟'' زرگل نے دونوں ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

کیف نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ''یاسر کو وہم ہوا ہے۔۔۔ تمہیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی زرگل؟ جن بھوت ٹائپ کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اس دنیا میں۔۔۔''

''بھائی کوئی ثبوت ہے تیرے پاس کے وہ اس کا وہم تھا؟ پروف کر سکتا ہے اس بات کو؟ سب لوگ۔۔۔ بشام کے بچے بچے سے پوچھو وہ یہی کہے گا کہ فلک بوس آسیب زدہ ہے۔۔۔ پھر میں کیسے مان لوں کہ یاسر کو وہم ہوا تھا۔ اور وہ بھی اتنا شدید کہ وہ خوف سے بے ہوش ہو گیا۔''

کیف خاموش ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنا سر پیٹے یا زرگل کا۔۔۔

تھک کر وہ گھر کو گلی سے ملانے والی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا۔ خاموشی سے وہ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم ہو گئے تھے۔ تبھی بچوں کا ایک چھوٹا سا گروہ شور مچاتا ہوا پاس سے گزرا تھا اور ان دونوں کو ہی چونکا گیا تھا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟'' کیف نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

''دیکھ یار۔۔۔!'' زرگل، کیف کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ ''یاسر کی حالت تمہارے سامنے ہے۔۔۔ میں اس کی جان سے نہیں کھیل سکتا ایک شرارت کے چکر میں۔ تجھ سے میری جو بھی بات ہوئی تھی وہ ہم دونوں کا ایک مذاق تھا۔ تم بھول جاؤ اس بات کو۔۔۔ میں تم سے معافی مانگ لیتا ہوں اس بات کے لیے۔۔۔ لیکن پلیز۔۔۔ ختم کرو اس ساری بکواس کو اور واپس چلو۔۔۔'' زرگل نے منت کی تھی۔

''زرگل اب یہ مسئلہ شرط کا نہیں ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ساری سٹوری کی حقیقت کیا ہے۔۔۔ فلک بوس میں ایسا کیا راز چھپا ہے جس کی پردہ داری ہے۔''

''اور تمہیں اس سے کیا ملے گا؟ کم آن کیف۔۔۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ یقین کرو مجھے بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے آخر کیوں اس بارے میں تم سے بات کی۔۔۔ تمہیں کیوں چیلنج کیا۔۔۔ میں ایسا نہ کرتا تو یہ نہ ہم یہاں آتے نہ ہی یاسر کے ساتھ یہ سب ہوتا۔۔۔''

''یار کمال کرتے ہو تم۔۔۔'' کیف نے اس کی بات کاٹی۔ ''یہاں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تم نے کیا کہا اور کیوں کہا۔۔۔ میں بڑے سیریس نوٹ پر سچ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سخت جھنجھلا کر بولا تھا۔

''اچھا اور یاسر؟ اس کا کیا کرو گے؟''

''یار یاسر کو کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ ایک دو دن میں بالکل ٹھیک ہو جائے گا وہ۔''

''خدا کا خوف کرو کیف! کیوں اس بچے کی لائف سے کھیل رہے ہو۔ اتنے بے حس کیوں ہو رہے ہو؟''

''او کے ٹھیک ہے۔۔۔ تم اسے واپس چھوڑ آؤ۔۔۔ میں تب تک یہاں رک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ فلک بوس میں کیا ہو رہا ہے۔'' کیف نے ایک اور حل پیش کیا۔

''میرا دماغ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا کہ تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جاؤں۔ مجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ تم پیچھے کیا کرتے پھرو گے۔'' زرگل نے فوراً ہی یہ حل بھی رد کر دیا تھا۔

''یار۔۔۔ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور مجھے ایک بات بتاؤ اگر وہاں ایو شمتی کا کوئی وجود ہے تو وہ کبیر خان کو کیوں کچھ نہیں کہتی؟ پاشا بھی وہاں موجود ہے یہ ایو شمتی صاحبہ ان دونوں کو کچھ نہیں بولتیں اور اگر وہ جگہ سچ میں آسیب زدہ ہے تو معاویہ اردشیرازی اپنی فیملی سمیت یہاں کیا کرنے آ رہا ہے؟ کون اتنا بیوقوف ہے کہ سب جانتے ہوئے بھی اپنی اور اپنی فیملی کی جان خطرے میں ڈالے گا۔'' اس

نے ایسی فاتح کی طرح بات پوری کی جو پہلی ہی چال میں مقابل کو چاروں شانے چت کر دیتے ہے۔

"ہوتے ہیں کچھ ایسے پاگل جو جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسے کام کرتے ہیں۔۔۔ایک مثال تو میرے سامنے بیٹھی ہے۔جانتے تو بیٹا تم بھی سب کچھ ہو۔پھر بھی زندگی خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو۔" زرگل برا سا منہ بنا کر بولا تھا۔"اور کبیر خان اور پاشا خان اپنے مسئلے خود حل کریں۔۔۔ایوشمتی انہیں کچھ کہتی ہے کہ نہیں یہ وہ ہی جانیں۔مجھے ان میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔میرا واحد انٹرسٹ فی الحال صرف تمہیں اور یاسر کو با حفاظت یہاں سے واپس لے کر جانا ہے اور وہ میں کر کے رہوں گا۔"

"اوکے ٹھیک ہے۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔بھول جاؤ فلک بوس کو۔۔۔بھول جاؤ ایوشمتی کو۔۔۔بھل جاؤ کبیر خان اور پاشا کو مگر اس رپورٹ کا کیا جس کا علوی صاحب کو بول کر چھٹی لی تھی۔جان کو آ جائیں گے وہ اگر رپورٹ کے بغیر یہاں سے گئے تو۔۔۔" کیف نے ایک اور پوائنٹ اٹھایا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا نہ ہی میں فی الحال کچھ سننا چاہتا ہوں۔مجھے بس اتنا پتا ہے کہ ہم واپس جا رہے ہیں۔۔۔ اور رپورٹ واپس جا کر تیار ہو جائے گی۔بشام ہم دیکھ چکے ہیں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا رپورٹ کا۔۔۔اگر کچھ رہ گیا تو سلمان احمد سے مدد لے لیں گے۔"

"یار۔۔۔" کیف نے بیچارگی سے کہا تھا مگر زرگل فی الحال کچھ سننے کو راضی نہیں تھا۔

"کیف پلیز۔۔۔" زرگل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔"ہم کل صبح واپسی کے لیے نکلیں گے اور تم ہمارے ساتھ ہی واپس جاؤ گے۔" اپنی بات پوری کر کے وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا تھا جب کہ کیف وہاں اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"تم لیلیٰ مجنوں ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا کرو۔" وسامہ کو آئے کت کی طرف دیکھتا پا کر اس نے جو بھی مطلب اخذ کیا تھا اس کا اظہار اسی طرح کیا تھا۔

وہ تینوں ہی اس بات پر ہنس پڑے تھے اور وہ وسامہ کے گلے لگ گیا تھا۔

"یا اللہ۔۔۔تم پہلے سے زیادہ منہ پھٹ ہو گئے ہو۔" آئے کت نے ہنس کر کہا تھا۔

"اور تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔" اس نے بھی دوبدو کہا تھا۔

"لیکن یہ تعریف ہے اور میں اس بات پر خوش ہوں۔"

"دنیا کی کونسی بیوقوف عورت ہے جو ایسی باتوں پر خوش نہیں ہوتی ہو گی۔"

اس بات پر وہ تینوں ایک بار پھر ہنسے تھے۔پھر معاویہ نے وسامہ کو دیکھا بغور دیکھا۔مسکراہٹ اس کے لبوں سے دور نہیں ہوئی لیکن آنکھوں میں الجھن کا عکس پھیل گیا۔

http://kitaabghar.com

''کیا بات ہے؟۔۔۔اتنے کمزور کیوں ہو رہے ہو؟۔۔۔تم نے میرے بھائی کا خیال نہیں رکھا۔''اس نے آئے کت کو دیکھا۔ آئے کت بوکھلا گئی تھی تو وسامہ نے جلدی سے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آئے کت میرا بہت خیال رکھتی ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کتنا خیال رکھتی ہے۔''اس نے سر جھٹک کر کہا تھا۔''خیال رکھتی تو تمہارا یہ حال نہ ہوتا۔''اس نے خشمگیں نظروں سے آئے کت کو دیکھا تھا۔

''تم بالکل مڈل کلاس ساسوں کی طرح ری ایکٹ کر رہے ہو۔'' آئے کت نے ناک چڑھا کر کہا تھا اور وہ جھینپ سا گیا تھا اور اس نے ناراضی سے آئے کت کو دیکھا۔وسامہ البتہ ہنس پڑا۔چند سیکنڈ بعد وہ تینوں ہنس رہے تھے۔

گاڑی میں بیٹھے اسٹیرنگ وہیل کو مضبوطی سے تھامے معاویہ کی نظریں اس پوائنٹ پر ٹکی تھیں جہاں آج سے کئی سال پہلے وہ کھڑے تھے اور دماغ ان باتوں میں اٹک گیا تھا جو ان تینوں نے وہاں کھڑے ہو کر کی تھیں۔ وہ ملاقات وسامہ سے اس کی چند آخری ملاقاتوں میں سے ایک تھی۔۔صرف کچھ عرصے بعد اس نے اپنے بھائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔

''آہ وسامہ۔۔۔کاش۔۔۔کاش میں اس وقت تمہارے مسئلے کو سمجھ پایا ہوتا۔۔۔کاش میں اس وقت حقیقت سمجھ جاتا تو شاید۔۔۔ہاں شاید تب تم آج میرے ساتھ ہوتے۔۔۔''وسامہ نے کرب سے آنکھیں موند کر سوچا تھا۔

''معاویہ۔۔۔''منفران نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا تھا۔''آپ ٹھیک ہیں؟''

وہ اس کے دکھ اور تکلیف کو سمجھ رہی تھی۔ فلک بوس میں آ کر معاویہ اسی طرح افسردہ ہو جاتا تھا اس کے باوجود وہ یہاں آنے کا ہمیشہ تیار رہتا تھا۔۔۔شاید اس لیے کہ یہ جگہ منفرا کو پسند تھی یا شاید کچھ یادیں تازہ کرنے کے لیے۔

اس نے سر اٹھا کر منفرا کی جانب دیکھا تھا اور بمشکل مسکرایا تھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔چلو آؤ۔۔۔'' اس نے اپنی جانب کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔

''سلام صاحب۔۔۔''کبیر نے جلدی سے آگے آ کر معاویہ کو سلام کیا تھا۔

''واسلام۔۔۔کیسے ہو بابا؟''

اب وہ بیک ڈور کھول کر احتیاط سے وسامہ اور ہدیٰ کی کاٹ کی بیلٹ کھول رہا تھا۔

خوش نصیب پہلے ہی گاڑی سے اتر چکی تھی اور۔۔۔اس ٹائم حیران پریشان پھٹی پھٹی آنکھوں سے فلک بوس کو تک رہی تھی۔۔۔ منفرا نے جو اس کے یہ تاثرات دیکھے تو مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔دونوں میں اچھی دوستی ہو چکی تھی۔منفرا کو جو ہر وقت تنہائی کا احساس گھیرے رکھتا تھا خوش نصیب کے آنے سے وہ کچھ کم ہو گیا تھا تو دوسری طرف خوش نصیب اپنے خول سے باہر آ گئی تھی۔

''کیسا ہے؟'' منفرا نے مزے سے پوچھا۔

''یارررر۔۔۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورتی آج تک نہیں دیکھی۔'' خوش نصیب نے جیسے خود کو یقین دلانے کی سعی کرتے ہوئے خود کو ہی کہا تھا۔

منفرا سر جھٹک کر ہنس دی۔

''کوئی بات نہیں۔۔۔ جب میں پہلی بار یہاں آئی تھی تو میرے بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔ آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔'' اس نے خوش نصیب کا کندھا تھپتھپا کر تسلی دی تھی۔

''یہ کس کا محل ہے بھئی؟'' خوش نصیب منہ اٹھائے فلک بوس کی بلندیوں کو تک رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ منفرا اسے کوئی جواب دیتی اسے معاویہ نے پکار لیا تھا۔

''منفرا۔۔۔ ہدیٰ کو پکڑو۔''

''ہاں آ رہی ہوں۔۔۔'' وہ مڑ کر معاویہ کے پاس چلی گئی۔

خوش نصیب نے بھی مزید متاثر ہونے کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کیا اور جلدی سے مڑ کر منفرا کے پاس آ گئی تھی تاکہ بچوں کو پکڑ سکے۔

بچوں کو پکڑا کر معاویہ کبیر کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

''اور کبیر بابا! سب ٹھیک ٹھاک تو ہے؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟'' اس نے سرسری لہجے میں پوچھا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ کبیر کچھ بولتا، پاشا تیز تیز قدم اٹھاتا ان کے پاس آ گیا تھا۔

''السلام وعلیکم سر!'' اس نے آتے ہی معاویہ کو سلام کیا تھا اور معاویہ چونک کر پاشا کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''پاشا۔۔۔'' اس کی آنکھوں میں حیرانی کا ہلکا سا تاثر ابھرا تھا۔ ''تم یہاں۔۔۔؟ کب آئے پاکستان؟''

''تین چار دن ہی ہوئے ہیں سر! بابا سے ملنے آیا تھا۔ چند دن میں واپسی ہے۔۔۔''

''گڈ۔۔۔! کوئی مسئلہ تو نہیں ہے وہاں تمہیں؟ اگر کوئی ایشو ہو تو بتانا مجھے۔''

''نہیں سر! سب بہت اچھا چل رہا ہے۔ اور یہ سب آپ کی وجہ۔۔۔''

''ہاں۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔'' معاویہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ''ایسا کرو پاشا! ذرا گاڑی سے سامان نکال کر کمرے میں پہنچاؤ اور بی بی کو کمرے تک پہنچاؤ۔۔۔ میں تب تک ذرا کبیر بابا سے بات کر لوں۔''

وہ اپنی بات پوری کر کے کبیر کی جانب مڑ گیا تھا۔ پاشا نے تابعداری سے سر ہلایا اور منفرا اور خوش نصیب کو لے کر اندر کی جانب چلا گیا۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

"ہاں بابا! اب بتائیں؟ یہاں سب ٹھیک رہا؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب! کوئی خاص مسئلہ تو نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے بس ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ بھی حل ہو گیا ہے۔"

"مسئلہ؟" معاویہ چونکا تھا۔ "کیا ہوا ہے؟" لہجے کی نرمی یک دم زائل ہو گئی۔

"صاحب وادی میں کچھ لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی آئے تھے۔ کہتے تھے یہاں کی تصویریں لے کر کسی مقابلے میں دیں گے۔"

"آپ نے انہیں تصویریں لینے دیں؟"

"نہیں صاحب! بھلا میں ایسا کیوں کرنے دوں گا۔ میں نے انہیں سختی سے منع کر دیا تھا۔ مگر صاحب ان لڑکوں نے چھپ کر فلک بوس میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔۔۔ بلکہ کوشش کیا وہ اندر پہنچ گئے تھے۔۔۔ آخری کمرے تک۔۔۔"

"کیا بول رہے ہیں آپ؟ کچھ لوگ فلک بوس کے اندر تک چلے گئے اور آپ کو پتا ہی نہیں چلا۔ کیا کر رہے تھے آپ اس وقت۔۔۔" معاویہ کا غصہ آسمان پر جا پہنچا۔

اس نے اپنا ہاتھ بہت زور سے گاڑی کے بونٹ پر مارا تھا۔ چند گہری سانسیں لے کر اس نے اپنا غصہ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ کبیر شرمندہ سا کھڑا تھا۔

"اور کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟"

"نہیں صاحب میں وقت پر وہاں پہنچ گیا تھا۔" معاویہ کا غصہ اسے یاسر کے بارے میں بتانے سے روک گیا تھا۔

"پکڑ کے پولیس کے حوالے کر دینا تھا۔۔۔ ہمت کیسے کی انہوں نے بغیر اجازت اندر جانے کی۔ دو دن پولیس کے ڈنڈے کھاتے تو عقل آ جاتی۔"

"صاحب! پولیس کے حوالے تو نہیں کیا مگر میں نے انہیں ڈرا ضرور دیا ہے۔ دوبارہ ہمت نہیں کریں گے ادھر آنے کی۔۔۔ میں نے انہیں ایوشمتی کا حوالہ دیا تھا۔ ان میں جو سب سے چھوٹا تھا وہ تو بہت ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔ دوسرا پٹھان ہے وہ بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔۔۔ صرف ایک ہی تھا جو شکل سے تھوڑا زیادہ تیز لگ رہا تھا۔۔۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اب ادھر نہیں آئیں گے وہ۔۔۔"

"ہممم۔۔۔" معاویہ نے ہنکارہ بھرا۔ "ذرا وادی سے پتا کریں کہ وہ لوگ یہاں ہی ہیں یا جا چکے ہیں۔۔۔ اگر یہاں ہی ہیں تو آپ کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہاں کی حفاظت کا ذمہ آپ کے سر ہے کبیر بابا! کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"آپ بھروسہ رکھیں صاحب! دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" کبیر نے اسے تسلی دی تھی۔

"اینٹر کہاں سے ہوئے تھے وہ لوگ؟ مین گیٹ سے؟"

http://kitaabghar.com

''نہیں صاحب! پیچھے ایک جگہ سے گرل ٹوٹی ہوئی تھی بس وہاں سے ہی فائدہ اٹھایا انہوں نے۔''

''سہی کروائیں اس جگہ کو جلد از جلد۔۔۔اور کمرے لاک کرائیں ہیں آپ نے پیچھے کے سب؟''

''جی صاحب! سب کچھ ہو چکا ہے۔سارے کمرے بند ہیں۔'' کبیر نے بتایا تھا۔

معاویہ اسے کچھ مزید ہدایات دیتے ہوئے اندر کی جانب بڑھا تھا۔

اور فلک بوس کی اوپری منزل کے کمرے کی ایک کھڑکی سے معاویہ کو تکتی دو آنکھیں پردے کے پیچھے غائب ہو چکی تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

آج بشام میں مطلع صاف تھا۔دھوپ بھی نکلی ہوئی تھی سو ان دونوں کو فلک بوس سے نکل کر گھومنے پھرنے کا موقع مل گیا۔منفرا تو خیر پہلے بھی بشام آ چکی تھی مگر خوش نصیب کو زندگی نے پہلی بار موقع دیا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ آئی تھی جہاں پہاڑ تھے، درخت تھے، برف تھی اور پھر جب سورج کی روشنی سفید برف پڑتی تھی تو برف کسی ہیرے کی طرح چمکنے لگتی تھی۔

خوش نصیب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔زندگی کی مجبوریاں اور دربدر کی ٹھوکریں ایک طرف۔۔۔لیکن فطرت کہاں بدلتی ہے۔سو اس وقت خوش نصیب بھی اپنے تمام غم اور مسائل بھلائے اس وقت کو انجوائے کر رہی تھی۔

لنچ کے بعد وہ دونوں بشام کے دورے پر نکل پڑی تھیں۔ منفرا چاہتی تھی معاویہ بھی ان کے ساتھ چلے لیکن وہ گھر میں ہی رک کر کچھ اہم کام نبٹانا چاہتا تھا۔شاید کوئی پریزنٹیشن تیار کرنی تھی سو معاویہ نے سہولت سے منع کر دیا بلکہ دونوں بچوں کو بھی اپنے پاس گھر پر رکھ لیا تھا۔ہاں احتیاط کے طور پر پاشا کو ان دونوں کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ وہ ان دونوں کو وادی میں گھما لائے۔

وہ لوگ وادی میں پھرتے رہے اور وادی کی مارکیٹ میں بے سبب دکانیں چھانتے ہوئے انہوں نے کچھ وقت گزارا۔پاشا چونکہ گائیڈ کے فرائض انجام دے رہا تھا سو ساتھ ساتھ انہیں بشام کی خاص خاص باتیں بتاتا جا رہا تھا۔

اور خوش نصیب۔۔۔اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا کھڑی ہو اور خود کو کسی فیری ٹیل کی شہزادی سمجھ کر اپنے ٹخنوں تک جاتے فراک کو دائیں بائیں سے پکڑ کر گول گول گھومنا شروع کر دے۔

''واپس جانے سے پہلے ایک بار تو یہ شوق ضرور پورا کروں گی۔'' اس نے دل میں تہیہ کیا تھا۔

پس کہا تھا نا فطرت نہیں بدلتی۔۔۔

وہ لوگ کافی دیر ادھر ادھر گھومتے رہے تھے، پھر اچانک ہی موسم نے کروٹ لی تھی۔ہوا میں شدت آئی اور وہ کہیں سے بادلوں کے ٹکڑے اڑا لائی۔سورج نے جو ہوا کو شرارت پر آمادہ دیکھا تو اس نے بھی اپنے کرنوں کے کمبل کو سمیٹا اور بادلوں کے پیچھے یہ جا وہ جا۔۔۔منٹوں کا کھیل تھا اور ہوا کے ہی زور سے شروع ہونے والی بوندا باندی موسلا دھار بارش کا روپ دھار گئی تھی۔

منفرا تو خیر ایسے موسموں کی عادی تھی لیکن خوش نصیب کا برا حال ہونے لگا۔ دونوں نے جلدی سے چھتری کھول کر سر پر تان لی لیکن سردی کی شدت سے خوش نصیب کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر منفرا نے فیصلہ کیا کہ کہیں بیٹھ کر سکون سے چائے پی لی جائے۔ ویسے بھی بارش رکنے سے پہلے وہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔ جب تک وہ لوگ چائے پیتے، امید کی جا سکتی تھی کہ تب تک بارش بھی رک جائے گی۔

وہ دونوں ایک ٹی اسٹال کے سامنے بنے چھپر کے نیچے پڑی کرسیوں پر جا بیٹھیں۔ پاشا نے ان کے لیے چائے تیار کروائی ساتھ کچھ سنیکس بھی اور اپنی نگرانی میں وہاں ایک انگیٹھی میں کوئلے سلگا کر ان کے پاس رکھوا دیا۔ سردی کا احساس کچھ کم ہوا تو وہ دونوں پھر سے باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

کچھ دیر میں بارش کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ ڈھلوانی سڑک بھیگ کر اپنا اصل رنگ کھو چکی تھی اور صبح کی تر و تازہ روشنیوں کو بادلوں کے مٹیالے پن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا مگر بادل ابھی بھی گرج رہے تھے اور بجلی کی کڑک سے وقفے وقفے سے بشام گونج اٹھتا تھا۔

ان کی گاڑی بہت دھیمی رفتار سے بشام کے اکلوتے بازار کی سڑک سے گزر رہی تھی جب اچانک کیف سیدھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر ایک ڈھابے نما ہوٹل کے باہر پڑی کرسیوں پر جمی ہوئی تھیں جہاں دو لڑکیاں بیٹھیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

"زرگل۔۔۔ زرگل۔۔۔ گاڑی روکو۔" گاڑی نے جیسے ہی اس ٹی سپاٹ کو کراس کیا تھا کیف نے تیزی سے کہا تھا۔

زرگل نے تیزی سے بریک لگائے تھے۔ بارش کی وجہ سے روڈ پہلے ہی ڈرائیونگ مشکل ہو رہی تھی کیف کے یکدم کہنے پر جو اس نے تیزی سے بریک لگائے تو پیچھے سے آتی ہوئی گاڑی ان کی گاڑی میں لگتی لگتی بچی۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ زرگل نے غصے سے کہا۔ "کیوں چلا رہے ہو؟"

"ایک منٹ رکنا۔۔۔" وہ تیزی سے دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" پچھلی سیٹ پر لیٹا ہوا یاسر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"پتا نہیں یار کیا ہوا ہے۔ تم بیٹھو اندر ہی میں دیکھتا ہوں۔" زرگل نے دروازہ کھولتے ہوئے اسے جواب دیا تھا اور گاڑی سے اتر گیا تھا۔

کیف گاڑی کی بیک سائٹ پر کچھ فاصلے پر کھڑا اسی ٹی سپاٹ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اوئے۔۔۔" زرگل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ "کیا ہوا ہے؟ کیا ہے وہاں؟"

"زرگل میں واپس نہیں جا سکتا؟"

http://kitaabghar.com

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے سے ہی وہ چونکا تھا اور زرگل کی جانب مڑ کر بے چینی سے بولا تھا۔

"کیوں؟ اب کیا دورہ پڑا ہے؟"

زرگل نے چڑ کر پوچھا تھا لیکن پھر اس کی نظر کیف کی آنکھوں پر پڑی تھی جن میں ہلکی سی نمی نمایاں تھی۔

"کیا ہوا ہے کیف؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اس کی حیرت حد سے سوا تھی۔

"زرگل میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔" وہ ساتھ ساتھ مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔

"او بھائی کوئی وجہ بھی تو ہوگی نہ جانے کی؟

"زری۔۔۔خوش نصیب۔۔۔وہ یہاں ہے۔۔۔بشام میں۔۔۔" کیف کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔

"کیا۔۔۔یہ کیسے پوسیبل ہے کیف؟ تم نے دیکھا ہے انہیں یہاں؟"

"ہاں وہ سامنے جوتی سپاٹ ہے۔۔۔وہ دیکھو سامنے دو لڑکیاں بیٹھی ہیں۔۔۔رائٹ سائیڈ پر خوش نصیب ہی تو ہے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں اس معاملے میں۔۔۔"

"اللہ خیر۔۔۔" زرگل نے پرسوچ انداز میں کہا۔" یہ یہاں تک کیسے پہنچ گئیں اور کن کے ساتھ؟ او بھائی کنفرم کرلو۔۔۔ایو شمتی ہی تو خوش نصیب بہن کا روپ دھارے نہیں بیٹھی تجھے روکنے کے لیے۔۔۔"

اس نے کیف کو اسلام آباد میں پریشان ہوتے دیکھا تھا۔ خوش نصیب کی تلاش میں پھرتے دیکھا تھا۔ اب اسے خوش دیکھ کر اس کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ وہ چند منٹوں میں تمام ٹینشن بھول کر اپنے اصل روپ میں واپس آیا تھا۔

کیف ہنس دیا۔

"بکواس نہ کرو۔۔۔" پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا تھا۔" یار مجھے خود یقین نہیں آ رہا کہ میں اسے دوبارہ سے دیکھ رہا ہوں۔"

"کیف! جا کر بات کروان سے۔۔۔ ان سے پوچھو وہ یہاں کس کے ساتھ آئی ہیں اور کیوں؟"

"ہاں ٹھیک ہے میں جاتا ہوں۔" کیف نے اثبات میں سر ہلایا تھا پھر تین چار قدم چل کر رک گیا۔" زرگل۔۔۔یار تو میرے ساتھ چل پلیز۔۔۔"

"ہیں؟ میں جا کر کیا کروں گا؟" زرگل نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔" میرے بھائی! تم اسے پرپوز کرنے نہیں جا رہے ہو جو جوتے پڑنے کے خوف سے جان نکل رہی تمہاری۔"

"ہاہاہا۔۔۔زرگل صاحب آ جانتے نہیں ہیں ابھی خوش نصیب کو۔۔۔وہ صرف جوتے نہیں مارتی۔۔۔اس کا دل چاہے تو سر بھی پھاڑ سکتی ہے۔"

''چچ۔۔۔چچ۔۔۔چچ۔۔۔بہت ہی شرم کا مقام ہے بھئی کہ کیف صاحب اپنی کزن سے ڈرے کھڑے ہیں۔ چلو جی میں ساتھ چلتا ہوں جوتے کھانے۔۔۔میرا مطلب تھا سلام کرنے۔'' زرگل اسے چڑا رہا تھا۔

کیف نے اس کی باتوں پر دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا اور اس کے ساتھ تیزی سے خوش نصیب کی جانب بڑھ گیا تھا۔

خوش نصیب مکمل طور پر منفرا کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھی جب کوئی اچانک اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور پھر اس نے اپنے عقب میں نام کی پکار سنی تھی

''خوش نصیب۔۔۔!''

اور اس آواز کو سن کر اسے اپنے رونگھٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔۔۔

تین سال۔۔۔تین سال بعد وہ اس آواز کو سن رہی تھی۔

دل ہی دل میں اپنا اندازہ غلط ہونے کے کی دعا کرتے ہوئے وہ بہ آہستگی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی اور آہستہ سے مڑی تھی۔ اس کی دعا رد کر دی گئی تھی اور اس کا اندازہ صد فیصد درست نکلا تھا۔

ہاں۔۔۔وہ وہی تھا۔

تین سال۔۔۔تین سال بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

ایک لمبے عرصے بعد وہ کسی اپنے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ آہستہ سے اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ خوش نصیب کی پتھرائی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ گرم جوشی سے بولا تھا۔

''کیسی ہو خوش نصیب؟'' کیف کے انداز میں نرمی ہی نرمی تھی۔

اور ایک ہی لمحے میں خوش نصیب جیسے ہوش میں آئی تھی۔

''معاف کیجیے گا۔۔۔آپ کون ہیں؟ میں آپ کو نہیں جانتی۔'' اور خوش نصیب کے انداز میں سختی ہی سختی تھی۔

بشام کی تمام برف جیسے کیف کے گرم جوشی پر آ گری تھی۔ وہ چند سیکنڈ خاموش رہا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

''خوش نصیب! میں جانتا ہوں تم ناراض ہو لیکن۔۔۔''

''ایک منٹ سر! میں آپ کو نہیں جانتی۔ براہ مہربانی یہاں سے تشریف لے جائیں۔'' اس کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے آرام سے سن لی تھی اور اب سب ان کی جانب متوجہ تھے۔ زرگل کو حالات کی سنگینی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر کیف کو وہاں سے لے جاتا، پاشا وہاں آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے بی بی؟ سب خیریت تو ہے؟" اس نے شاید دور سے سب دیکھا تھا۔ وہ کیف کی جانب مڑا تھا اور چونک گیا۔ "بھائی کیا بات ہے؟"

کیف نے ایک نظر پاشا پر ڈالی تھی اور جھٹکے سے مڑا تھا۔

"چلو یہاں سے۔۔۔" زرگل کے پاس ایک سیکنڈ کے لیے رکتے ہوئے اس نے کہا تھا اور گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔ زرگل بھی تیزی سے اس کے پیچھے گیا تھا۔

"یہ کون تھا خوش نصیب؟" منفرا نے پوچھا تھا۔

'یہ کیف تھا۔' خوش نصیب نے اجنبی سے انداز میں بتایا تھا اور منفرا کے کچھ بھی کہنے سے پہلے بولی تھی۔ 'منفرا بارش کافی ہلکی ہو گئی ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو واپس چلتے ہیں اس سے پہلے کہ بارش پھر سے تیز ہو جائے۔"

منفرا اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیف۔۔۔ کیف۔۔۔ ریلیکس یار۔۔۔" زرگل نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔ "اتنا غصہ مت کرو۔"

"غصہ نہیں کر رہا یار۔۔۔" کیف نے دانت نکال کر کہا۔ "سارے پٹھان بیٹھے ہوئے تھے وہاں۔ میں نے سوچا ان کی غیرت نہ جاگ جائے اور یہاں سچ میں جوتے پڑ جائیں۔"

زرگل نے گھور کر دیکھا تھا اسے۔۔۔

"اب کیا کرنا ہے؟ واپسی کا کیا پلان ہے؟ وہ تو تجھے گھاس بھی نہیں ڈال رہی۔"

"زرگل میں واپس نہیں جاؤں گا۔" کیف نے کسی بچے کے سے انداز میں فرمائش کی تھی۔

"تمہارے سامنے ہے ساری ہی سچویشن۔۔۔ میں تمہیں یہاں چھوڑ نہیں سکتا ۔۔۔ مجھے ذرا بھی بھروسا نہیں تم پر اس معاملے میں اور نہ ہی میں یاسر کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک دو دن یہاں رک جائے۔۔۔ اس کی طبیعت تمہارے سامنے ہے۔" وہ بیچارگی سے بولا تھا۔

"میں خوش نصیب کو یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ وہ یہاں گم گئی تو دوبارہ نہیں ملے گی مجھے زرگل۔۔۔! تم جانتے ہو میں نے اسلام آباد میں اسے کتنا ڈھونڈا ہے۔۔۔ اور تم تو سب جانتے ہو نا۔۔۔ گھر پر انتظار ہو رہا ہے اس کا۔۔۔ اب کیسے میں اسے یہاں چھوڑ جاؤں۔ مجھے اسے ہر حال میں واپس لے کر جانا ہے۔"

زرگل نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خود پریشان ہو گیا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔

"زرگل مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ میں جلد واپس آ جاؤں گا۔ پریشان نہ ہو تم۔ بچہ نہیں ہوں میں۔ مینیج کر سکتا ہوں اکیلا بھی"

"ٹھیک ہے یار۔۔۔ اب مجبوری ہے تو کیا کر سکتے ہیں۔ میں جاتا ہوں یاسر کو چھوڑ کر جتنی جلدی ہو سکا میں واپس آ جاؤں گا۔ اور

تم۔۔۔تم کسی الٹے کام میں نہیں پڑو گے کیف۔۔۔اگر تم نے ایسا کچھ کیا یا تم دوبارہ فلک بوس یا ایوشمتی کے چکر میں انوالو ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔تم بس خوش نصیب کو راضی کرو میرے آنے تک۔۔۔پھر ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"بالکل۔۔۔بالکل ٹھیک ہے۔۔۔جیسا تم چاہو گے بالکل ویسا ہی ہو گا۔" کیف نے فرمابرداری سے سر ہلایا تھا۔

اور پھر پندرہ منٹ بعد بہت سی ہدایات دے کر زرگل یاسر کے ساتھ اسلام آباد کی جانب روانہ ہو گیا تھا اور کیف اپنا سفری بیگ کندھے پر لٹکائے تیزی سے سلمان احمد کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

فلک بوس سے کافی دور جنگل سے ذرا ہٹ کر بشام کا قبرستان ہے۔

پائن کے برف سے ڈھکے قد آور درختوں میں گھرا۔خاموش چپ چاپ سا قبرستان۔

یہاں خاموشی بھی ہے، وحشت بھی ہے لیکن فلک بوس سا اسرار نہیں ہے۔

اونچی نیچی ڈھلوان پر قدم جماتے ہوئے اگر سیدھ میں چلتے جائیں تو ایک مقام آتا ہے جہاں سے قبرستان کی حد بندی کے لیے باڑھ دکھائی دینا شروع ہو جاتی ہے۔

اس مقام سے فلک بوس دکھائی نہیں دیتا سو وہ عمارت جو اپنے اندر اتنا اسرار رکھتی ہے کہ انسانوں کو بھی اپنے حصار میں لے لیتا ہے، اس کا اسرار یہاں آ کر دم توڑ دیتا ہے۔

قبرستان کے اندر چھوٹی بڑی کچی پکی قبروں پر اجل کا فرشتہ اپنا سایہ پھیلا کر جا چکا تھا۔جنگلی پھولوں کی خوشبو کہیں پیچھے دم توڑ گئی تھی اور قبرستان کی حدود میں ایک سرد سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

بشام کے پہاڑ سے کئی میل دریائے کنہار کے دوسرے کنارے جو پہاڑ تھے ان کے عقب سے بیدار ہوتے سورج کی کرنیں سر نکال رہی تھیں اور ایسا ملگجا اجالا پھیل رہا تھا کہ نظر بدقت دور تک دیکھ سکتی تھی۔

اسی اندھیرے میں کچھ فاصلہ پر وسامہ کی قبر کے کنارے معاویہ بیٹھا ہوا تھا۔

ٹھنڈی برف سے اٹی ہوئی زمین پر اپنے ٹانگوں کو موڑ کر پیٹ سے لگائے۔۔۔بازو ٹانگوں کے گرد باندھے۔۔۔وہ گٹھری بنا چپ چاپ بیٹھا تھا۔

اس نے ابھی ابھی قبر کی صفائی کی تھی۔برف کو ہٹایا تھا۔اور پھولوں کا ایک چھوٹا سا گلدستہ قبر کے پاس رکھ دیا تھا۔

معاویہ نے سر اٹھایا۔وہ ہاتھ اٹھائے آنکھیں بند کئے دعا مانگ رہا تھا۔دعا پوری کر کے اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور آنکھیں کھول دیں۔اس کی آنکھوں کے کنارے نمی تیر رہی تھی۔

اس کی حسرت بھری آنکھیں قبر پر جمی تھیں۔

''کاش وسامہ!۔۔۔کاش میں سمجھ جاتا کہ تم کس اذیت سے گزر رہے ہو۔۔۔کاش میں تمہاری تکلیف سمجھ پایا ہوتا۔۔۔کاش میں سمجھ پاتا کہ تم کیا محسوس کرتے ہو۔۔۔اگر میں سب سمجھ گیا ہوتا تو شاید آج تم میرے ساتھ ہوتے۔۔۔''اس نے دائیں ہاتھ سے آنکھوں کو صاف کیا تھا۔

''میرے زندگی میں تمہارے حوالے سے اتنے سارے کاش جمع ہو گئے ہیں وسامہ! کہ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔۔۔'' وہ سرگوشیوں کے انداز میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

بشام ہمیشہ اسے نوسٹیلجک کر دیتا تھا۔اور یہ نوسٹیلجیا اچھی یادوں کے ساتھ بہت سی بری یادیں بھی تازہ کر دیتا تھا۔اس کا دل بھرا ہوا تھا اور وسامہ سے زیادہ بہتر کون ہو سکتا تھا جو اس کی بات سنتا۔

''میرا دل بہت بھرا ہوا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ میں اب بھی نہیں بولوں گا تو میرا دل پھٹ جائے گا۔میری زندگی مکمل ہے۔فیملی مکمل ہے۔۔۔میری بیوی بچے۔۔۔ مگر وسامہ اتنا سکون کیوں نہیں جتنا ہونا چاہیے۔اتنا اطمینان کیوں نہیں ہے بھائی۔۔۔ تم تو سب جانتے ہو وسامہ۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ایک ایک بات۔۔۔''

اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

کچھ دور قبروں کی حدود سے کوئی ساٹھ قدم آگے پہاڑ کا سینہ بے آب و گیاہ پڑا تھا۔یہ جگہ غالباً مزید انسانوں کی آخری آرام گاہ کے طور پر چھوڑی گئی تھی۔ذرا آگے پہاڑ کی آخری حد تھی۔

اسے یاد آیا تھا کہ وہ ایک بار یہاں آئے کت کی تلاش میں یہاں آیا تھا اور اس کا انتظار کرتے کرتے اس مقام پر سو گیا تھا۔

''امید کرتی ہوں تم اچھی نیند سوئے ہو گے۔'' آئے کت نے آہستہ سے مسکرا کر کہا تھا۔

''پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔۔۔یہ زمین کافی سخت ہے۔'' معاویہ نے قدرے شرمندگی سے کہا تھا۔

قبرستان کے پاس اسے سونا تو نہیں چاہیئے تھا۔یہ غلط کر دیا تھا اس نے۔

''اس سخت زمین پر بھی تم کافی دیر سے سو رہے ہو۔''

''ہاں۔۔۔وہی ناں۔۔۔پتا نہیں کیسے سو یا میں۔''

''رات کو تمہیں بھی پرسکون نیند نہیں آئی ہو گی۔۔۔میں بھی نہیں سو سکی۔۔۔'' آئے کت نے ایک بار پھر گردن سامنے کی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا۔

''آہ۔۔۔آئے کت۔۔۔'' اس کو آئے کت شدت سے یاد آئی تھی اور اس کا دل نفرت سے لبالب بھر گیا تھا۔

آئے کٹ جو اس کی پہلی محبت تھا یا شاید انسیت تھی وہ نہیں جانتا تھا لیکن وہ اس کی زندگی کی دوسری نفرت ضرور تھی۔

جی ہاں دوسری نفرت۔۔۔ کیوں کہ اپنی زندگی میں نفرت کا پہلا احساس اس نے فلک بوس اور ایوشمتی کے لیے محسوس کیا تھا۔۔۔ جس نے اس سے اس کا بھائی چھین لیا تھا۔

اور بلاشبہ۔۔۔ نفرت زندگی میں ملنے والا سب سے اذیت ناک عذاب ہے۔۔۔

اس نے منہ موڑ لیا تھا اور پھر سے قبر کو دیکھنے لگا۔

”تم جانتے ہو وسامہ کہ میں نے تمہاری موت کا بدلہ لینے کی پوری کوشش کی۔۔۔ میں نے فلک بوس کو بے آباد کر دیا۔۔۔ یہاں کی واحد مکین کو تنہا کر دیا۔ یہ صرف تب آباد ہوتا ہے جب میں یہاں آتا ہوں۔۔۔ اور میں بھی تو صرف یہی بتانے آتا ہوں یہاں کہ انہیں پتا چل جائے کہ تمہیں مجھ سے دور کر کے انہوں نے اپنے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے۔“ وہ بے خودی کے عالم میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ ”مگر وسامہ! سکون تو پھر بھی نہیں ملتا مجھے۔۔۔ تم اپنے ساتھ میرا سکون بھی لے گئے ہو۔“

اس نے تھک کر سر اپنے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔

وہاں سے گذرتی ہوا اور اونچے پائن کے درخت پر بیٹھے جنگلی پرندے نے وسامہ کی باتوں کو سنا تھا پھر ایک دوسرے کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

”صاحب! آپ نے مجھے بلایا تھا؟“

معاویہ ابھی ابھی تیار ہو کر بیڈروم سے باہر آیا تھا جب کبیر بابا نے آ کر پوچھا تھا۔

”ہاں جی۔۔۔ آپ کو کل ایک کام کہا تھا۔۔۔ پتا کیا آپ نے ان لڑکوں کا؟“

”جی صاحب میں نے پتا کیا تھا وہ لوگ واپس چلے گئے ہیں۔ سنا ہے ان میں سے ایک لڑکے کی طبیعت کافی خراب رہی ہے۔ اس لیے جلدی چلے گئے۔“

غالباً کبیر کو ابھی تک کیف کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ وہ بشام میں ہی موجود ہے۔

”چلیں یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ پاشا کو کہیں میری گاڑی نکال کر صاف کر دے۔ مجھے ابھی ایبٹ آباد کے لیے نکلنا ہے۔“

”صاحب ساری رات برف باری ہوتی رہی ہے اور ابھی بھی ہو رہی ہے۔ ایسے موسم میں سفر کرنا مشکل ہو گا۔“

”جانتا ہوں بابا! مگر مجبوری ہے۔ کام ضروری ہے ورنہ منع کر دیتا۔“

”ٹھیک ہے صاحب جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ کبیر نے تابعداری سے کہا۔

"رات تک واپس آ جاؤں گا میں۔ آپ بی بی اور بچوں کا خیال رکھیے گا۔ دھیان رکھیے گا کہ دوبارہ ایسا کوئی واقع نہ ہو کہ کوئی فلک بوس میں داخل ہو سکے نہ ہی بی بی لوگ ہر طرف اکیلے جائیں۔۔۔ سمجھ رہے ہیں نا میری بات؟" کیف نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"جی صاحب! آپ بالکل فکر نہ کیجیے۔ میں پورا دھیان رکھوں گا۔"

"ٹھیک ہے اب آپ جائیں اور گاڑی نکلوا دیں۔" وہ واپس کمرے کی طرف چل دیا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے ایک نظر بیڈ پر ڈالی تھی جہاں منفرا گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ بچوں کی کاٹ کی جانب بڑھ گیا جو اس کی ضد پر ابھی تک ان کے ہی کمرے میں موجود تھی اور بچوں کو رات میں خوش نصیب کے کمرے میں سلانے کی بجائے ان کے کمرے میں ہی رکھا گیا تھا۔ کاٹ میں نظر ڈالتے ہی اس کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ ہدیٰ جاگ رہی تھی اور اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے وہ کاٹ کے اوپر لگی چھوٹے چھوٹے کھلونوں کو تکتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں سے ہی کھیل رہی تھی۔

"میری جان!" معاویہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے بازوؤں میں اٹھا کر سینے سے لگایا پھر اس کے سر پر پہنی ننھی سی ٹوپی کو چوم لیا۔

"میری گڑیا۔۔۔ ابھی سے سمجھ دار ہو گئی ہے۔۔۔ بھائی جیسی گندی بچی نہیں ہے۔۔۔ جاگ جاتی ہے تو مما کو ڈسٹرب نہیں کرتی۔ شور بھی نہیں مچاتی۔ روتی بھی نہیں ہے۔ میرے بچے کو پتا ہے بابا اس سے کتنا پیار کرتے ہیں۔"

وہ کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے ہدیٰ سے باتیں کر رہا تھا جیسے وہ اس کی سب باتیں سمجھ رہی ہے۔

منفرا کی آنکھ معاویہ کی باتوں سے ہی کھلی تھی۔ چند لمحے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ ہو کیا رہا ہے۔ جب تیار کھڑے معاویہ پر نظر پڑی تو گھڑی کو دیکھتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔ بال سمیٹتے ہوئے وہ بستر سے نکل آئی۔

"معاویہ۔۔۔!" اس نے سوئی سوئی آواز میں پکارا تھا۔ "کدھر کی تیاری ہے؟"

معاویہ کی اس کی جانب پشت تھی۔ اس کی آواز پر وہ مسکراتا ہوا پلٹا تھا پھر شرارت سے بولا۔

"گڈ مارننگ ماما۔۔۔ دیکھو ہم باپ بیٹی تم سے پہلے جاگ گئے ہیں۔" وہ ہدیٰ کو جھلاتے ہوئے بولا تھا۔

منفرا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی پھر معاویہ کی گود میں ہی ہدیٰ کے سر پر پیار کیا تھا۔

"منفرا سردی ہے تم شال لو یا سویٹر پہن لو۔ پہلے ہی تمہیں زکام ہے۔" معاویہ نے اسے ٹوکا تھا۔ وہ ایسا ہی احتیاط پسند تھا اس کے لیے۔

"وہ تو میں لے لیتی ہوں مگر تم اتنی صبح صبح کہاں جا رہے ہو؟" اس نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

"یار رات بابا کی کال آئی تھی۔ مجھے ایبٹ آباد جانا ہو گا۔ وہاں کچھ ایشو ہو گیا ہے۔ جانا ضروری ہے؟"

"زیادہ بڑا مسئلہ ہے کیا؟"

"ارے نہیں۔۔۔تم کیوں فکر کر رہی ہو۔میں ہوں نا سنبھال لوں گا۔فکر مت کرو۔" اس نے محبت سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

"اور واپس کب آؤ گے؟"

"آج ہی رات تک واپس آجاؤں گا۔تم بالکل بھی پریشان مت ہو۔امید ہے آٹھ نو بجے تک تمہارے ساتھ یہاں موجود ہوں گا۔"

"دھیان سے جانا۔۔۔اس موسم میں ڈرائیونگ بھی خطرناک ہے۔"

"جو حکم۔۔۔" معاویہ نے مسکرا کر کہا تھا اور آگے بڑھ کر ہدیٰ کو واپس کاٹ میں لٹا دیا تھا۔

"ادھر آؤ۔۔۔تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔"

وہ منفرا کا ہاتھ تھام کر کھڑکی تک لے گیا تھا۔

"باہر دیکھو۔۔۔" اس نے اشارے سے کہا تھا۔

منفرا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور مبہوت ہو کر رہ گئی۔

اس کھڑکی سے پوری وادی بشام نظر آرہی تھی۔ کھڑکی سے آگے فلک بوس کا لان تھا جس کے وسط میں تالاب تھا اور سفید پری تھی۔۔۔اور پھر دور بشام کی وادی۔۔۔اونچے نیچے گھر۔۔۔پائن کے درخت۔۔۔سب سفید برف سے ڈھکا ہوا تھا۔۔۔

معاویہ اس کی محویت پر مسکرا دیا۔

"منفرا۔۔۔" اس نے پکارا۔

وہ کچھ نہ بولی بس خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"مجھے پانچ منٹ میں نکلنا ہے۔تم بچوں کا دھیان رکھنا۔اور ہاں۔۔۔پلیز فلک بوس میں زیادہ گھومنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اکیلے تو بالکل بھی نہیں۔تم یہاں کے بہت سے رستوں سے واقف نہیں ہو۔ایسا نہ ہو کہ فلک بوس میں ہی کہیں بھٹک جاؤ۔۔۔تم لوگ بس یہ اگلے حصے میں ہی رہنا جب تک میں واپس نہ آجاؤں۔ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔" منفرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اور ہاں یہ اپنی سہیلی کو کہنا ادھر ادھر پھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔موسم خطرناک ہے ایسا نہ ہو واپس جانے سے پہلے اسے کسی کھائی سے نکالنا پڑے۔" اس نے ناک چڑھائی۔منفرا ہنس دی۔

"پتا نہیں تمہیں وہ اتنی بری کیوں لگتی ہے۔بیچاری اتنی اچھی تو ہے۔"

"ہاں جی۔۔۔بہت ہی زیادہ۔۔۔چلو اب میں نکلتا ہوں۔تم میری ساری باتیں یاد رکھنا۔بچوں کا اور اپنا دھیان رکھنا ہے۔۔۔ بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا ہے بالکل بھی۔۔۔"

وہ سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اور والٹ اٹھانے لگا۔

"ہاں ہاں پتا ہے۔۔۔ پورا دھیان رکھنا ہے کہیں مجھے اور بچوں کو ایوشمتی پکڑ نہ لے۔" منفرا اسے چڑا رہی تھی۔

"فضول مت بولو۔" معاویہ خفگی سے بولا۔

منفرا کھلکھلا کر ہنس دی۔

"کم آن معاویہ! تم ان چیزوں سے مجھے ڈرا رہے ہو جن پر خود بھی بلیو نہیں کرتے۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا مجھے یا بچوں کو۔۔۔ ویسے بھی تم صرف چند گھنٹوں کے لیے جا رہے ہو اور رات رک واپس آجاؤ گے انشاءاللہ۔"

معاویہ بھی ہنس پڑا۔ "سہی کہہ رہی ہو تم۔۔۔ مگر تم اسے جو بھی سمجھو یار! میں باپ بننے کے بعد بہت وہمی ہو گیا ہوں۔ ہر وقت تمہاری اور بچوں کی فکر رہتی ہے۔ اب تو مجھے کوئی کہے کہ ایوشمتی کا وجود ہے جو میرے بچوں یا بیوی کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو میں تو یقین کر لوں۔" وہ اپنا ہی مذاق اڑا رہا تھا۔

منفرا اسے مسکرا کر دیکھتی رہی تھی۔

"اچھا سنو۔۔۔ اگر تمہیں زیادہ ٹینشن ہو رہی ہے تو ہم لوگ تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ ورنہ تمہارا دھیان اس طرف ہی لگا رہے گا۔" اس نے معاویہ کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے ورنہ میں ضرور ایسا کرنے کا سوچتا۔ مسلسل سفر سے تھک جاؤ گی تم۔ تم گھر پر رہو اور آج آرام کرو۔۔۔ میں آج اپنا کام ختم کرتا ہوں اور اس کے بعد بس۔۔۔ میں مزید کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے والا۔ اس کے بعد سارا ٹائم صرف میری بیوی اور بچوں کے لیے ہوگا۔" اس نے منٹوں میں اس کا مشورہ رد کر دیا تھا۔

"آر یو شیور؟"

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔۔۔" معاویہ نے کہا۔ "اب میں جاؤں۔۔۔؟"

منفرا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

وہ اسے اللہ حافظ کہنے کے لیے دروازے تک جانا چاہتی تھی لیکن اسی وقت وسامہ جاگ گیا اور رونے لگا۔ معاویہ نے اسے وسامہ کو سنبھالنے کا کہا تھا اور کمرے میں ہی انہیں خدا حافظ کہہ کر تیز تیز چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

برآمدے میں کبیر اور پاشا اس کے منتظر تھے۔ پاشا نے گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

"صاحب۔۔۔" کبیر نے پکارا تھا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو پاشا کو ساتھ لے جائیں۔ اسے پہاڑوں میں گاڑی چلانے کا تجربہ ہے۔ آپ کو سہولت رہے گی۔"

مشورہ اچھا تھا۔معاویہ پسند آیا۔

''اچھا آئیڈیا ہے۔چلو پاشا خان۔۔۔ساتھ چلو میرے۔۔۔''

اس نے گاڑی کی چابی پھر سے پاشا کے حوالے کر دی تھی۔تینوں چلتے ہوئے گاڑی تک آ گئے تھے۔پاشا نے جلدی سے آگے بڑھ کر بیک ڈور کھول دیا تھا۔پاشا کو ڈرائیونگ سیٹ کی طرف جانے کا اشارہ کر کے وہ کبیر کی طرف مڑا تھا۔

''کبیر بابا! دھیان رہے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔میں منفرا بی بی کو آپ کی حفاظت میں دے کر جا رہا ہوں۔مجبوری نہ ہوتی تو میں کبھی بھی نہ جاتا۔ان کا پورا خیال رکھیے گا اور ہاں۔۔۔اس دوسری لڑکی پر نظر رکھیے گا۔مجھے اس پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے۔ایسا نہ ہو وہ پورے فلک بوس میں پھرتی رہے۔دوسری منزل پر اکیلے تو کسی کو جانے بھی نہیں دینا ہے۔''

اس نے بات مکمل کرتے کرتے سر اٹھا کر دوسری منزل کی کھڑکیوں پر ڈالی تھی۔۔۔

''آپ نے بیک سائیڈ سے گرل ٹھیک کروائی ہے؟''اس کو اچانک ہی یاد آیا تھا۔

''جی صاحب! یہ کام تو میں نے کل ہی کروا دیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔''

وہ گاڑی کی جانب مڑ گیا تھا۔چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں فکرمندی لیے وہ گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

''چلو پاشا خان۔۔۔!''اس نے حکم دیا

خود اس نے آنکھیں موند کر سیٹ سے سر ٹکا لیا تھا۔

☆......☆......☆

پورا دن اور رات گذار کر اور اپنا کیس لڑنے کے لیے سارے دلائل جمع کر کے اگلے دن شام میں وہ خوش نصیب سے ملنے کے لیے ایک بار پھر سے فلک بوس جا پہنچا تھا۔یہ ایک الگ کہانی تھی کہ اس نے خوش نصیب کی رہائش کے بارے میں کیسے پتا کیا تھا۔ڈھائی دو سو کی آبادی میں یہ جاننا قطعاً مشکل نہ تھا کہ معاویہ اردشیرازی فلک بوس پہنچ چکا ہے۔اس کی بیوی کو وہاں لوگ پہچانتے تھے۔پھر اسے اچھے سے یاد تھا کہ پاشا نے خوش نصیب کے لیے بی بی کا لفظ استعمال کیا تھا۔یعنی وہ بازار میں پاشا کے ساتھ آئی تھی اور پاشا کی رہائش فلک بوس میں تھی۔کڑی سے کڑی ملاتے وہ جان گیا تھا کہ خوش نصیب فلک بوس میں موجود ہے۔

اور جب اس نے یہ جان لیا تو دل ہی دل میں ایوشمتی کی خیریت کی دعا بھی مانگ ڈالی تھی۔

مگر جلد ہی اسے احساس ہوا تھا کہ خوش نصیب ان دیکھے خطرے میں گھر گئی ہے۔ اسے یقین تھا کہ شیرازی خاندان فلک بوس اور ایوشمتی کی آڑ میں کوئی بڑا کھیل کھیل رہے تھے۔اس نے سوچ لیا کہ وہ جلد از جلد خوش نصیب سے مل کر اسے سب کچھ بتا دے گا اور اسے

http://kitaabghar.com

ساتھ چلنے کے لیے بولے تھا۔ وہ بہت دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا تھا پھر ایکدم اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ اس ساری پہیلی کو حل کرنے کے لیے خوش نصیب کی مدد لی جا سکتی ہے۔ شیرازی خاندان کے ساتھ خوش نصیب کی موجودگی اور معاویہ اردشیرازی کی بیوی کے ساتھ اس کا دوستانہ انداز ظاہر کرتا تھا کہ خوش نصیب ان کے خاندان سے گھل مل چکی ہے۔

اسے خوش نصیب کی صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا۔ اگر وہ اس کی مدد کو راضی ہو جاتی تو وہ یقیناً بہت جلد سچ کو جان لیتا۔

"وہ فضل منزل کی ایوشمتی ہے اور فلک بوس کی سوا ایوشمتیاں بھی اس کے سامنے آ جائیں تو بھی میری ایک نصیبن ان پر بھاری پڑے گی۔"

اس نے شرارت سے سوچا تھا۔

اگر یہ معمہ حل ہو جاتا تو کیف کے فیوچر کو ضرور چمکا دیتا۔ تھا تو یہ قدرے خودغرضی والا معاملہ ۔۔۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی حل بھی نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خوش نصیب کو سب سچ بتا کر اسے منائے گا کہ وہ اس کی مدد کرے۔

قصہ مختصر وہ اس وقت فلک بوس کے بڑے سے پھاٹک کے سامنے کھڑا تھا۔

"یا اللہ مدد ۔۔۔ ایوشمتی سے تو بچا لیا اب پلیز نصیب متی سے بھی بچا لینا۔"

دل ہی دل میں آل تو جلال تو کا ورد کرتا وہ آگے بڑھا تھا اور اطلاعی گھنٹی ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ کچھ تلاش بسیار کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ جس لوہے کی وزنی گھنٹی کو، جیسی کہ مندروں میں لٹکائی جانے والی گھنٹی ہوتی ہے، آرائش سمجھ رہا تھا وہی اطلاعی گھنٹی تھی ۔۔۔ اپنی عقل پر سات توپوں کی سلامتی بھیجتے ہوئے اس نے رسی کو تھاما اور زور سے ہلایا تھا۔

ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔

پرسکون فضا میں یکدم ہلچل سی مچ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسے سامنے سے اپنی جان کا دشمن بابا کبیر لاٹھی ٹیکتا ہوا آتا دکھائی دیا تھا۔

"تم ۔۔۔ تم پھر آ گئے؟" اس نے سامنے آتے ہوئے کچھ حیرانی سے پوچھا تھا۔

اس کے چہرے پر کچھ فکرمندی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ جہاں تک جانتا تھا یہ لوگ کل بشام سے چلے گئے تھے لیکن اب اسے کیف پھر اپنے سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ یہ سچ میں پریشانی کا مقام تھا۔

"جی میں پھر آ گیا ۔۔۔" کیف نے بتیس دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بتایا تھا۔

لو جی ۔۔۔ بابا جی مائنڈ ہی کر گئے۔ ہاتھ میں پکڑی لاٹھی اس کی طرف سیدھی کی اور اس سے پہلے کہ وہ کیف کی ٹانگوں کا نشانہ باندھتے کیف بدک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"او بابا جی! نیچے کریں اسے۔۔۔آپ تو نہ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ۔۔۔ بس لاٹھی لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔آپ کے ہیرے چوری کرنے نہیں آیا یہاں جو مار رہے ہو۔نہ ہی تصویریں لینے آیا ہوں"

"یہاں لنگر نہیں بٹ رہا۔۔۔بھاگو یہاں سے۔۔۔" بابا جی نے جواباً حملہ کیا تھا۔

کیف اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"خوش نصیب کو بلائیں۔۔۔مجھے اس سے ملنا ہے۔"اس نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

کبیر نے سر سے پاؤں تک اسے گھور کر دیکھا۔

"کیوں ملنا ہے؟"

"بابا جی یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ خوش نصیب کو بلا دیں۔۔۔مہربانی آپ کی۔"وہ سوال در سوال سے کچھ چڑ کر بولا تھا۔

"تم ہو کون بھئی؟ کیوں ملنا ہے اس بچی سے؟ جب تک تم مجھے بتاؤ گے نہیں میں تو نہیں بلاؤں گا اسے۔" کبیر کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

کیف سمجھ گیا کہ بابا جی ایسے جان نہیں چھوڑیں گے۔

"کزن ہے وہ میری۔۔۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ بشام میں ہے۔کل ہی معلوم ہوا ہے اس لیے ملنے آیا ہوں۔اب آپ کی تسلی ہو گئی ہو تو اسے بلا دیں گے؟"

کبیر چند لمحے اسے مشکوک انداز میں گھورتا رہا تھا پھر اسے"یہاں ہی رکو۔۔۔" کہہ کر اندر کی جانب مڑ گیا۔

کیف رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

قلعہ فلک بوس کے مین گیٹ کے عین سامنے ایک ڈھلوانی سڑک تھی اور اس سے آگے بشام کا جنگل۔۔۔

کیف غیر ارادی طور پر جنگل کی جانب دیکھتا جا رہا تھا۔دل ہی دل میں وہ خود کو خوش نصیب کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا اور ان تمام دلائل کو دہرا رہا تھا جو اسے دینے تھے۔وہ فی الحال اس کی آخری امید تھی اور وہ اس امید سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔

اسے وہاں کھڑے تقریباً دس منٹ ہوئے تھے جب اسے خوش نصیب شال لپیٹے، روش پر تیز تیز قدم اٹھاتی اسے گیٹ کی جانب آتی دکھائی دی تھی۔

وہ ٹکٹکی باندھے اس کے قدم گنتا رہا تھا۔وہ پہلے سے کمزور ہو گئی تھی۔ انداز میں کچھ سنجیدگی سی آ گئی تھی۔رنگت بھی پہلے سے کچھ ماند پڑ گئی تھی۔کیف کو دکھ ہوا تھا۔اس لڑکی کو برباد کرنے میں کچھ ہاتھ تو اس کا بھی تھا۔

"جی فرمائیے؟" لٹھ مار انداز۔۔۔

http://kitaabghar.com

خوش نصیب گیٹ کے اس پار آ کھڑی ہوئی تھی۔اس نے گیٹ کھول کر اسے اندر بلانے یا خود باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کیف نے اس کا انداز بغور دیکھا پھر نرمی سے بولا تھا۔

''خوش نصیب! باہر آ جاؤ تا کہ ہم آرام سے بات کر لیں۔''

''میں اجنبی لوگوں سے ایسے ہی بات کرتی ہوں۔ آپ کو جو کہنا ہے جلدی کہیے میرا پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

اب کی بار اسے خوش نصیب کا انداز کچھ برا لگا تھا مگر یہ ناراضی دکھانے کا وقت نہیں تھا۔

''تم باہر آ جاؤ یا کم از کم اس گیٹ کو ہی کھول لو۔۔۔کھا نہیں جاؤں گا میں تمہیں۔۔۔آدم خور نہیں ہوں۔''

''بالکل آپ آدم خور نہیں ہیں۔۔۔آپ لوگ انسان نہیں کھاتے ۔۔۔آپ لوگ تو بس دوسروں کی خوشیاں اور سکون کھاتے ہیں۔یا دوسروں کا حق کھاتے ہیں۔''اس نے کاری ضرب لگائی تھی لیکن گیٹ کھول دیا تھا۔

کیف دو قدم بڑھا کر اندر آ گیا۔

''تم سہی کہتی ہو خوش نصیب! مگر کم از کم مجھے صفائی کا ایک موقع تو دو۔''

''تم لوگ یہ موقع تین سال پہلے کھو چکے ہو کیف۔۔۔!اگر اس کے علاوہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو کہو ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔''اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ کیف کچھ بھی بول نہیں سکا تھا۔تمام دلائل اپنی موت آپ ہی مر گئے۔

''ٹھیک ہے۔۔۔اس بارے میں ہم ابھی بات نہیں کرتے۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو خوش نصیب؟''

''نہیں۔۔۔'' دوٹوک جواب آیا تھا۔

کیف اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

''کیوں؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھا تھا۔

''کیوں کہ میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔''

''ہمم مم۔۔۔سہی۔۔۔تم مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتی۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔لیکن میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں اس جگہ کے بارے میں جہاں تم رہ رہی ہو۔۔۔قلعہ فلک بوس کے بارے میں۔۔۔''

خوش نصیب نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا تھا۔انداز ایسا جیسے کہہ رہی ہو کہ۔۔۔ جو کہنا ہے کہو اور دفع ہو جاؤ۔

''یہ تم جس فیملی کے ساتھ رہ رہی ہو۔۔۔ان کے بارے میں کیا جانتی ہو؟ قابلِ اعتبار نہیں ہے معاویہ اردشیر ازی۔۔۔''

''میں ان کے بارے میں سب جانتی ہوں جو جاننا ضروری ہے۔۔۔کم از کم یہ لوگ دوسروں کا فائدہ نہیں اٹھاتے۔۔۔

http://kitaabghar.com

دوسروں کے مال پر قبضہ نہیں کرتے۔۔۔اور جو بھی ہیں میرے حق میں بہت اچھے ہیں۔تم مجھے ان سے متنفر نہیں کر سکتے۔" خوش نصیب نے کیف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سختی سے کہا تھا۔

"تم دومنٹ کے لیے سب کچھ بھول کر میری بات نہیں سن سکتی؟" اب کے کیف بھی چڑ کر بولا تھا۔

" اس میں کچھ بھی بھولنے لائق ہے؟ میری بات کان کھول کر سب لو کیف ! میں ابھی یا کبھی بھی کچھ نہیں بھولنے والی۔۔۔میں کبھی نہیں بھولوں گی کہ تمہاری ایک غلطی نے میری ماں مجھ سے چھین لی اور تم لوگوں کی وجہ سے مجھے در بدر ہونا پڑا۔ ٹکے ٹکے کی جابز کے لیے ترسنا پڑا ہے مجھے۔۔۔کچھ بھی نہیں بھولوں گی میں۔" اس کے غصے کا گراف لحہ بالحہ بڑھ رہا تھا۔

"یار اگر تم نے یہ سب بھگتا ہے تو میں بھی سکون میں نہیں رہا۔۔۔ اور کون سا کوئی اور سکون میں رہ پایا ہے۔ ہر کوئی اپنی جگہ اپنی غلطیوں کی سزا بھگت رہا ہے۔۔۔تمہیں پتا ہے ماہ۔۔۔"

خوش نصیب نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ درمیان میں ہی بات کاٹ دی تھی۔

"اور سب سے زیادہ ان غلطیوں کی سزا مجھے دی گئی ہے جو میں نے کبھی کی ہی نہیں۔۔۔ مجھے کچھ بھی نہیں سننا ہے کیف۔۔۔! جو کرنا تھا تم لوگوں نے وہ کر چکے ہو۔۔۔اب خدا کے واسطے یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔"

"بیوقوف لڑکی! مجھے ایک موقع تو دو بات پوری کرنے کا۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔ شروع سے آخر تک۔ اب حالات ویسے نہیں ہیں جیسے تمہیں نظر آ رہے ہیں۔ مگر اس سے بھی پہلے تمہیں یہاں کے حالات کے بارے میں جاننا ہوگا۔"

وہ چپ چاپ اس کی بات سنتی رہی تھی۔ سپاٹ چہرے، آنکھوں میں سختی۔۔۔

کیف نے بہتر سمجھا کہ اسے جلدی جلدی بات پوری کر لے۔

"تمہیں پتا ہے اس قلعے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں جاتا ہے کہ یہاں ایک ایوشمتی نامی بدروح کا سایہ ہے۔۔۔ جو یہاں رہنے والوں کو خوش نہیں رہنے دیتی۔۔۔اور مجھے یقین ہے خوش نصیب یہ صرف کوراسٹوری ہے۔۔۔ایوشمتی اور فلک بوس کی آڑ میں یہاں کوئی اور کھیل کھیلا جا رہا ہے۔"

اس کی نظریں خوش نصیب سے ہٹ کر فلک بوس پر جا ٹھہری تھیں۔

"ہو گیا؟" خوش نصیب نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

"کیا؟" کیف نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس سے بہتر کوئی اسٹوری تیار نہیں کر سکے تم؟ میں تمہیں بتاؤں اصلیت کیا ہے؟"

خوش نصیب نے سپاٹ سے انداز میں کہا تھا۔

''سچ تو یہ ہے کیف صابر۔۔۔ کہ کوراسٹوری تو تم نے تیار کی ہے۔تالیاں بجانے کو دل کرتا ہے تمہارے ان ہتھکنڈوں پر۔''

کیف ہکا بکا اس کی شکل دیکھتا رہا۔اسے اس قسم کے الزام کی امید نہیں تھی۔

''کیا بول رہی ہو خوش نصیب۔۔۔زبان سنبھال کر بات کرو۔'' کیف غرایا تھا۔

''سہی بول رہی ہوں۔۔۔''اس کی آواز کیف سے زیادہ بلند تھی۔''بات صرف یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ ارد شیرازی ہی وہ انسان ہے جس نے مجھے شامیر کے گھر میں بچایا تھا۔وہی وہ انسان ہے جو سب کے سامنے میرے حق میں بول سکتا ہے اور جو سب کو شامیر کی سچائی بتا سکتا ہے۔اور تم لوگوں کو کیسے برداشت ہوگا کہ میں سچ ثابت کر کے دوبارہ سے اس گھر میں پہنچ جاؤں۔اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔''

بالکل غیر ارادی طور پر اس نے کیف کو پیچھے کو دھکیلا تھا۔کیف اس عمل کے لیے تیار نہیں تھا سو دو قدم پیچھے ہو گیا۔

''جنگلی کی جنگلی ہی رہنا تم۔۔۔مجھے امید تھی کہ کچھ بہتری آ گئی ہو گی مگر نہیں۔۔۔ابھی بھی اتنی ہی جاہل ہو جو دوسروں کو بلاوجہ کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو۔''

''تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔۔۔ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں کاٹ لوں۔'' خوش نصیب دانت کچکچا کر بولی۔

''جہنم میں جاؤ میری بلا سے۔۔۔ جب اس فلک بوس اور ایو شمتی کی آڑ میں تمہارے ساتھ کچھ الٹا سیدھا ہو جائے گا تو بیٹھ کر پچھتاتی رہنا۔۔۔ویسے بھی یہ تو تمہاری پرانی عادت ہے وقت کے بعد پچھتانا۔'' وہ تیزی سے پھاٹک کراس کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب تھکے تھکے قدموں سے اندر آ گئی تھی۔ کھویا کھویا سا انداز تھا اس کا۔۔۔

منفرا جو صوفے پر بیٹھی سیل فون سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ اس نے چند لمحے فون لان سے لگائے رکھا پھر مایوس ہو کر سیل فون سائیڈ پر رکھ کر خوش نصیب کی جانب متوجہ ہو گئی۔

شام کے پانچ بج چکے تھے۔سردی کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

خوش نصیب چپ چاپ آ کر منفرا کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

''خوش نصیب۔۔۔''

منفرا نے اسے دو تین بار پکارا مگر وہ اس قدر غائب دماغی سے بیٹھی تھی کہ منفرا کی آواز سماعت کی حد سے دور رہی تھی۔

منفرا کو جب کوئی رسپانس نہیں ملا تو اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

خوش نصیب چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''سب خیریت ہے؟ کدھر گم ہو؟'' منفرا نے کہا۔

''جی جی سب خیریت ہے۔'' خوش نصیب بڑی مشکل سے اپنا دماغ حاضر کر پائی تھی۔

''کیف آیا تھا؟''

''ہم مم مم۔۔۔'' وہ ہنکارہ بھر کر رہ گئی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟ اگر ڈسکس کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔'' منفرا نے نرمی سے کہا۔

وہ خوش نصیب کے ماضی سے واقف تھی اس لیے اس کے حالت سمجھ رہی تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔۔۔ بس وہی باتیں۔۔۔ جو وہ لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ دوسرے ہمیشہ بیوقوف ہی رہیں گے۔'' خوش نصیب نے زہر خند لہجے میں جواب دیا تھا۔

''اتنا بدگمان نہ ہو خوش نصیب۔۔۔! کم از کم ایک موقع تو اسے دو کہ وہ اپنی صفائی پیش کر سکے۔''

''منفرا آپ میرے خاندان سے واقف نہیں ہیں۔ جو لوگ حق چھیننا پسند کرتے ہیں انہیں صفائیاں کہاں دیتے ہیں۔ ابھی بھی یہ کوئی چال ہی ہوگی۔''

''تم بہتر جانتی ہو کہ کیا کرنا چاہیے لیکن میں یہی بجسٹ کروں گی کہ تم ایک بار کیف کی بات سن لو۔ بعض اوقات جو نظر آ رہا ہوتا ہے ضروری نہیں ہے کہ ویسا ہو بھی۔۔۔''

خوش نصیب چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ ''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں منفرا۔۔۔! دراصل میں کوشش کروں تب بھی ان لوگوں کی جانب سے اپنا دل صاف نہیں کر پاتی مگر آپ کے کہنے پر میں ایک موقع ضرور دوں گی کیف کو۔ اگر اب وہ دوبارہ آیا تو میں بات سن لوں گی۔''

''کیف بشام میں کیا کر رہا ہے؟''

''پتا نہیں۔۔۔ میں نے پوچھا نہیں۔ خیر صحافی ہے وہ۔۔۔ کسی آفیشل کام کے لیے ہی آیا ہوا ہوگا۔''

منفرا نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''آپ چھوڑیں کیف کو۔۔۔ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟ کوئی مسئلہ ہے؟''

''معاویہ کو کال کر رہی تھی اور یہاں پر سگنلز۔۔۔ ماشاءاللہ۔۔۔'' منفرا نے بیزاری سے کہا۔

''اوہ۔۔۔ اگر یہاں سے کال نہیں ہو رہی تو کبیر بابا سے کہیں وہ نیچے بستی میں جا کر کال کر لیں۔۔۔ کم از کم خیریت پتا چل جائے گی۔''

''ہاں دیکھتی ہوں۔۔۔ ایسا ہی کچھ کرنا پڑے گا۔'' منفرا بولی۔ ''بچے سو رہے ہیں؟''

http://kitaabghar.com

''جی۔۔۔میں نے کچھ دیر پہلے۔۔۔''

خوش نصیب کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔ایک دم کچن کی جانب سے شور بلند ہوا تھا۔دونوں چونک کر کچن کی جانب متوجہ ہوئی تھیں جو اس ہال سے باہر نکل کر راہداری میں دائیں جانب تھا۔

''یا اللہ خیر۔۔۔''خوش نصیب کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''یہ کیا ہوا؟''منفرا نے حیرت سے کہا تھا۔

خوش نصیب نے کندھے اچکا دیے۔''پتا نہیں۔۔۔کبیر بابا کچن میں ہیں؟''

''نہیں وہ تو اپنے کوارٹر میں ہیں نا۔۔۔''

دونوں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں تھیں۔

''آؤ دیکھتے ہیں۔۔۔''منفرا نے اسے کہا تھا۔

دونوں محتاط انداز میں چلتی ہوئی راہداری میں آئیں تھیں۔پھر آہستہ سے کچن میں داخل ہوئیں۔

اور کچن کے دروازے پر کھڑے دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

منفرا نے ایبٹ آباد میں شیشے کا ایک ڈنر سیٹ لیا تھا اور بشام آ کر اسے کبیر بابا کے حوالے کیا تھا کہ اسے الماری میں سنبھال کر رکھ دے۔تا کہ واپس جاتے ہوئے وہ اسے اپنے ساتھ لے جائے۔

برتنوں کا وہ ڈبہ دو دن سے شیلف پر پڑا تھا لیکن اس وقت وہ زمین پر گرا ہوا تھا۔کچن میں ہر طرف شیشے کے پیس بکھرے ہوئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ برتنوں کو ڈبے سے نکال کر زمین پر گرایا گیا ہے۔اگر ڈبہ گرتا بھی تو شیشے کو فرش پر بکھرنا نہیں چاہیے تھا۔

وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سن کھڑی تھیں۔

کچن کا ایک دروازہ اس کوارٹر کی طرف کھلتا تھا جہاں کبیر اور پاشا کی رہائش تھی۔اسی وقت کبیر وہ دروازہ کھول کر کچن میں آیا تھا۔غالباً وہ بھی شور سے ہی متوجہ ہوا تھا۔کچن میں آ کر جو اس نے یہ حال دیکھا تو وہ بھی ہکا بکا رہ گیا تھا۔

منفرا سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''یہ۔۔۔یہ سب کیا ہے کبیر بابا؟''منفرا نے صدمہ سے پوچھا تھا۔

''بی بی۔۔۔یہ۔۔۔''وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا بولے۔

''یہ آپ سے ٹوٹا ہے؟''منفرا نے نرمی پوچھا تھا۔

''میری غلطی ہے بی بی میں دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا۔۔۔یہ شاید ہوا سے گرا ہے یا شاید کوئی بلی اندر گھس آئی ہو۔''اس نے شرمندہ

سے لہجے میں کہا تھا۔

منفرا ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے۔اب کیا ہو سکتا ہے۔۔۔ سمیٹیں اس سب کچرے کو۔۔۔احتیاط سے کیجیے گا۔" وہ بے دلی سے بولتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔

خوش نصیب ابھی بھی وہاں کھڑی ٹوٹے ہوئے برتنوں کو دیکھ رہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اتنا بھاری ڈبہ ہوا سے حتیٰ کہ کسی بلی کی شرارت سے بھی کیسے گر سکتا ہے۔۔۔

منفرا اسے آواز دے رہی تھی،سو وہ بھی اندر کی جانب چلی گئی تھی۔

"منفرا یہ ہوا یا بلی کا کیا ہوا کام نہیں لگ رہا۔۔۔"خوش نصیب نے منفرا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے بھی۔۔۔ میرا خیال ہے کہ شاید یہ کبیر بابا کی غلطی سے ٹوٹا ہے اور معاویہ کے ڈر سے یہ بہانہ کیا ہے۔"

"ہاں شاید یہی بات ہو گی۔۔۔"خوش نصیب نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی تھی۔منفرا دوبارہ سے سیل پکڑ کر معاویہ کو کال ملانے لگی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

"منفرا۔۔۔ایک بات پوچھوں آپ سے۔۔۔"

منفرا نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"یہ ایوشمتی کا کیا چکر ہے؟"

منفرا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔"کہاں سے سن لیا تم نے ایوشمتی کے بارے میں؟"

"کیف سے۔۔۔"اس نے چھپانا مناسب نہ سمجھا لیکن پوری بات بتانے کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ کیف ان پر شک کر رہا ہے۔

"سب فرضی کہانیاں ہیں۔۔۔اکثر جب گھر خالی رہتے ہیں تو ایسی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں۔۔۔قلعہ فلک بوس تو نہ صرف زیادہ تر خالی رہتا ہے بلکہ اس کی تعمیر بھی بہت پرانی ہے۔معاویہ کے دادا کو یہاں کے نواب نے تحفتاً دیا تھا یہ اور انہوں نے معاویہ کو۔۔۔ یہاں کے لوگوں کا ماننا ہے کہ یہاں بہت سال پہلے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔۔۔جس کی روح یہاں چکراتی ہے۔پھر کچھ واقعات ایسے ہوئے کہ لوگوں کا یقین پختہ ہوتا چلا گیا۔۔۔"

خوش نصیب بہت غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔"کیسے واقعات؟"اس نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"یار!معاویہ کے کزن کی ڈیتھ ہوئی تھی یہاں۔۔۔اس سے پہلے فلک بوس کی پہرے داری پر معمور ایک پولیس آفیسر کو بھی قتل کیا گیا تھا یہاں۔۔۔اب ہوا تو یہ تھا کہ معاویہ کے کزن کے کچھ سائیکولوجیکل ایشوز تھے اور انہوں نے خودکشی کر لی تھی اور پولیس آفیسر

پر جنگلی کتوں نے حملہ کر کے اسے مار دیا تھا۔ مگران لوگوں نے سب الزام ایوشمتی پر لگا دیا۔۔۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔۔۔ روک نہیں سکتے انہیں۔۔۔ میری شادی یہاں ہوئی تھی۔۔۔ اس کے بعد بھی میں تین چار بار یہاں آ کر رہ چکی ہوں مجھے آج تک کوئی ایوشمتی نہیں ملی یہاں۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

اور جب تک اس نے بات مکمل کی، بچوں کے رونے کی آواز آنے لگی۔ ٹاپک کو ادھورا چھوڑ کر دونوں کمرے کی جانب چلی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

رات کے دس بج چکے تھے مگر معاویہ کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ منفرا کا فکر کے مارے برا حال تھا۔

کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتے ہوئے مسلسل موبائل پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ابھی تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اس نے کبیر سے اس سلسلے میں مدد مانگی تھی اور اسے بستی سے معاویہ کو فون کرنے کے لیے بھیجا تھا تاکہ اس کی خیریت اور واپسی کے بارے میں معلوم کیا جا سکے۔

خوش نصیب ہدیٰ کو گود میں اٹھائے جھولے کے پاس کھڑی سلا رہی تھی۔ اس کی نظریں منفرا پر ٹکی تھی۔ اس کا پریشانی کا خیال کر کے وہ خود بھی پریشان ہو رہی تھی مگر اس معاملے میں اس کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر تھی۔

ابھی ہدیٰ بھی سوئی نہیں تھی کہ وسامہ جاگ گیا اور زور و شور سے رونے لگا۔ منفرا نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ نہ ہی کبیر خان کی واپسی ہوئی تھی اور نہ ہی معاویہ کی کوئی خیر خبر آئی تھی۔ منفرا ایک منٹ کے لیے بھی سکون سے بیٹھ نہیں پائی تھی۔ ابھی بھی موبائل ہاتھ میں لیے وہ بار بار معاویہ کو کال ملانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سگنلز ایشو کر رہے تھے۔

دروازے پر دستک ہوئی اور کبیر خان اجازت لے کر اندر آ گیا تھا۔

"بابا کچھ معلوم ہوا؟ بات ہوئی آپ کی معاویہ سے؟" منفرا نے اسے دیکھتے ہی بے چینی سے پوچھا تھا۔

"نہیں بی بی! صاحب سے تو بات نہیں ہو سکی لیکن مجھے راستے میں بستی کا ہی ایک بندہ ملا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ کہیں لینڈ سلائیڈنگ ہو گئی ہے۔ راستے بند ہو گئے ہیں۔"

"اونو۔۔۔" منفرا نے سر پکڑ لیا۔ "یہ تو برا ہوا۔۔۔"

وہ پریشان لگ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا؟" خوش نصیب بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"بیٹا مشکل ہے کہ صاحب دو تین دن سے پہلے اب بشام پہنچ سکیں۔۔۔ راستہ صاف ہونے میں وقت تو لگے گا۔ برف باری

ابھی تو رکی ہوئی ہے لیکن موسم کے تیور بتاتے ہیں کہ طوفان آئے گا۔ یہ جو سگنلز کا مسئلہ ہے یہ بھی شاید موسم کی خرابی کی وجہ سے ہی ہے۔ حتمی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔'' کبیر خان نے بتایا تھا۔

''ٹھیک ہے بابا۔۔۔ آپ جائیں آرام کریں۔'' منفرا نے کہا تھا۔

''بیٹا اگر آپ لوگوں کو ڈر لگتا ہے تو میں کوارٹر میں نہیں جاتا۔۔۔ کچن میں بستر بچھا لیتا ہوں۔''

''نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔۔۔ آپ جائیں کوارٹر میں۔'' منفرا نے نرمی سے منع کر دیا تھا۔

''مگر بیٹا! آپ لوگ یہاں اکیلے ہو اور صاحب نے آپ لوگوں کا خیال رکھنے کو بولا تھا۔'' وہ تذبذب کا شکار تھا اور کوارٹر میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

''کبیر بابا میں نے کہا نا ہم مینج کر لیں گے۔ آپ جائیں اور آرام کریں۔'' منفرا کا حتمی انداز کبیر کو خاموش کروا گیا تھا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

منفرا صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''پتا نہیں کیوں۔۔۔ مگر مجھے ان بابا جی کا رویہ بہت مشکوک لگتا ہے۔'' منفرا نے خود کلامی کی۔

''شک مت کریں۔۔۔ وہ صرف ہماری وجہ سے ہی تو کہہ رہے تھے۔'' خوش نصیب نے اسے مسکرا کر تسلی دی۔

''اچھا ٹرپ رہا ہے یہ تو۔۔۔ سارے پلانز پر ٹھنڈا پانی بلکہ برف گر گئی ہے۔'' اس نے افسوس سے کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں منفرا۔۔۔! اللہ نے چاہا تو کیا پتا معاویہ سر صبح تک واپس آ ہی جائیں۔''

''مشکل ہے یار۔۔۔ یہ جیسا ایریا ہے نا یہاں راستے اتنی جلدی کلیئر نہیں ہوتے۔۔۔ اور پھر اگر کبیر بابا کہہ رہے ہیں کہ راستے دو تین دن سے پہلے کلیئر نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے سچویشن زیادہ ہی خراب ہے۔'' وہ بددلی سے بتا رہی تھی۔

''پھر اب کیا کیا جائے؟ ہم تو واپس بھی نہیں جا سکتے۔۔۔ اول تو یہ کہ شاید واپس جانے کا بھی راستہ کلیئر نہ ہو اور دوسرا گاڑی بھی موجود نہیں ہے۔''

''ہاں واپس جانے والی تو سچویشن ہے نہیں۔۔۔ یہاں ہی ویٹ کرنا ہوگا معاویہ کا۔۔۔'' منفرا نے پریشان سے انداز میں کہا۔

''منفرا اللہ بہتر کرے گا۔ اور اگر ضرورت پڑی تو۔۔۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

منفرا سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''اگر ضرورت پڑی تو میں کیف کو بلوا لوں گی یہاں۔۔۔ ویسے بھی ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی۔۔۔ سمجھ رہی ہیں نا۔۔۔'' اس نے منفرا کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے شرارت سے کہا تھا۔ منفرا مسکرا دی تھی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔۔۔گدھے کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں۔۔۔ابھی تو سونے کی تیاری کرو۔تم اسی کمرے میں آجاؤ آج۔''منفرا نے اس کی شرارت کا جواب اسی کے انداز میں دیا تھا۔

پھر وہ سونے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

سارا فلک بوس رات کی خاموشی اور اسرار میں ڈوبا ہوا تھا۔رات موسم کو جو ذرا سکون نصیب ہوا تھا وہ اس وقت شدید طوفان کی صورت سامنے آیا تھا۔غالباً رات رک جانے والی برف باری طوفان سے پہلے کی خاموشی کو ظاہر کرتی تھی۔

وہ گہری نیند سو رہی تھی جب اسے ایسا لگا جیسے کوئی اس کے بیڈ کے پاس سے گزرا ہے اور گزرتے گزرتے اس کے کندھے کو ہاتھ لگا کر گیا ہے۔منفرا کی نیند میں خلل پڑ گیا ویسے بھی وہ رات اتنی پریشانی میں سوئی تھی کہ ساری رات جاگتی سوئی کیفیت رہی تھی۔ذرا گہری نیند ہوتی تو اسے عجیب عجیب خواب نظر آنے لگتے تھے۔اسے نظر آتا تھا کہ وہ فلک بوس میں ہے اور معاویہ کو تلاش کر رہی ہے لیکن معاویہ کہیں مل نہیں رہا۔

وہ ذرا سا کسمسائی تھی اور پھر پرسکون ہو گئی۔مگر صرف چند لمحوں بعد منفرا کی آنکھ اسی عجیب سے احساس سے کھلی۔آنکھ کھلتے ہی اسے ایسا لگا جیسے کمرے کے دروازے کے پاس ہلچل سی ہوئی ہے۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔اور اگر تھا تو اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔اس نے ادھر ادھر دیکھا۔سب کچھ نارمل لگ رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور اس اندھیرے کا احساس کم کرنے کے لیے زیرو والٹ کا بلب روشن کیا گیا تھا جس کی ہلکی سی روشنی اندھیرے کا مقابلہ کرنے میں پوری کوشش کر رہی تھی۔آنکھیں اس روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ خوش نصیب سامنے کاٹ کے پاس رکھے صوفہ کم بیڈ پر سو رہی تھی۔بچے بھی خاموش تھے یعنی گہری نیند سو رہے تھے۔ادھر ادھر نظر دوڑا کر اس نے تسلی کی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔

اس نے سر پکڑ لیا۔معاویہ کے سلسلے میں کل سے وہ جس پریشانی کا شکار ہوئی تھی وہ اس کے حواسوں پر پوری طرح اثر انداز ہو رہی تھی۔

''مسز معاویہ۔۔۔!آپ اتنے کمزور اعصاب کی مالک تو کبھی بھی نہیں رہیں۔۔۔''اس نے سرگوشی میں خود کو ہی ڈپٹا تھا۔

کھڑکی کے اوپر پردے پڑے تھے سو موسم کی خرابی کا ابھی تک اسے اندازہ نہیں ہوتھا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر اس نے ٹائم دیکھا۔صبح کے چار بج رہے تھے۔

باہر بجلی چمکی تھی جس کا عکس کھڑکی کے پردوں پر پڑا تھا۔کمرہ یک دم روشن ہو کر پھر سے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ منفرا نے ذرا سا آگے ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔ "لگتا ہے کبیر بابا کی بات سہی ثابت ہو رہی ہے۔"

اس نے ایک بار پھر معاویہ کو کال ملانے کی کوشش کی تھی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس نے موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دوبارہ سے لیٹ گئی۔ معاویہ کو سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لی تھیں لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھلی تھیں۔

باریک سی۔۔۔ بالکل باریک سی آواز تھی رونے کی جس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس نے کاٹ کی طرف دیکھا تھا لیکن آواز وہاں سے نہیں آ رہی تھی پھر بھی وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے کاٹ کی طرف آ گئی تھی۔

کاٹ کے پاس خاموشی تھی لیکن رونے کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی۔

اس نے مدھم روشنی میں ہی بچوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔۔۔ اور پھر اسے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ کاٹ میں صرف ہدیٰ سوئی ہوئی تھی۔ وسامہ وہاں موجود نہیں تھا۔ لمحہ بھر میں اس کا دل بدترین خدشات سے بھر گیا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی دیوار پر لگے سوئچ بورڈ کی طرف گئی تھی اور تیزی سے لائٹ آن کر دی تھی۔ اسی سپیڈ سے واپس آ کر اس نے دوبارہ سے کاٹ میں دیکھا تھا۔

شاید۔۔۔ شاید یہ صرف غلط فہمی ہو لیکن اس کے بدترین خدشات سچ ثابت ہوئے تھے۔ وسامہ سچ میں وہاں نہیں تھا۔ اسے اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

باریک سی۔۔۔بالکل باریک سی آواز تھی رونے کی جس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس نے کاٹ کی طرف دیکھا تھا لیکن آواز وہاں سے نہیں آرہی تھی پھر بھی وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے کاٹ کی طرف آگئی تھی۔

کاٹ کے پاس خاموشی تھی لیکن رونے کی آواز ابھی بھی آرہی تھی۔

اس نے مدھم روشنی میں ہی بچوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔۔۔اور پھر اسے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔کاٹ میں صرف ہدیٰ سوئی ہوئی تھی۔وسامہ وہاں موجود نہیں تھا۔

☆......☆......☆

وہ جو خوش نصیب کو منا لینے کے پکے ارادے کے ساتھ فلک بوس کی طرف گیا تھا، منہ لٹکائے سر درد کے ساتھ وادی میں واپس لوٹ آیا۔مردہ دلی اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ وہ سلمان احمد کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا دماغ اس وقت ہزاروں سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ خوش نصیب کو اپنی مدد کے لیے قائل تو کیا کرتا وہ تو اس کا دل اپنی جانب سے بھی صاف نہیں کر پایا تھا۔وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

کیف نے ہاتھ رگڑ کر انہیں گرم کرنے کی کوشش کی اور اپنی جیکٹ کا ہڈ سر پر اس طرح رکھ لیا کہ اس کا آدھا چہرہ بھی ہڈ میں چھپ گیا تھا۔سر کو جھکائے کہ ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگی تھی، وہ گہری سوچ میں گم اس وقت بشام کے بازار میں سے گزر رہا تھا۔۔ شام تیزی سے رات کی جانب گامزن تھی۔ہوا کی شدت میں تیزی آگئی تھی۔ٹھنڈک کا احساس بھی قدرے بڑھ گیا تھا۔موسم کے آثار اچھے نہ تھے۔کیف نے جھرجھری لی اور تیز تیز چلنے لگا۔

ایسا موسم ٹورسٹس کے لیے بہت اٹریکشن رکھتا ہے سو اس وقت بازار کی گہما گہمی عروج پر تھی۔

وہ اس وقت سلمان احمد کی دکان کے سامنے سے ہی گزر رہا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر دکان کی جانب دیکھا۔ سلمان احمد دکان بند کرنے کی تیاریوں میں تھا۔اس نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر تیزی سے دکان کو عبور کر گیا۔وہ فی الحال کیسی قسم کی گفتگو کے موڈ میں نہیں تھا اور سلمان احمد کے سوال جواب۔۔۔۔اللہ کی پناہ۔۔۔

"کیف۔۔۔ارے بھائی سنو۔۔۔کیف۔۔۔۔"

کیف نے چھپکے سے نکل جانا چاہا تھا مگر ہائے ری قسمت۔۔۔سلمان احمد کی زبان کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی تیز تھیں تبھی اس نے آدھا چہرہ چھپائے کیف کو بھی با آسانی پہچان لیا تھا اور ساتھ ہی آواز دے کر روک بھی لیا تھا۔

کیف ٹھنڈی سانس بھر کر اس کی جانب مڑ گیا۔

"گھر جا رہے ہو یار؟" سلمان احمد نے اس کے پاس آتے ہی پوچھا تھا۔

"ذرا دو منٹ رک جاؤ یار۔۔۔میں بھی بس دکان بند کر رہا ہوں۔اکٹھے ہی واپس چلتے ہیں۔"

کیف کو اسی بات کا ڈر تھا لیکن پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔۔۔اس نے مرے مرے انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

سلمان حیدر نے شٹر گرائے اور تیزی سے تالے لگانے لگا۔پانچ منٹ بعد وہ دونوں گھر کی طرف جا رہے تھے۔

سلمان احمد نے بادلوں سے ڈھکے آسمان پر نظر دوڑائی۔"لگتا ہے طوفان آئے گا۔۔۔"اس کی آواز میں تشویش نمایاں تھی۔

کیف نے اس کی نظروں کا پیچھا کیا لیکن کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ سلمان نے کچھ دیر اس کے تبصرے کا انتظار کیا پھر مایوس ہو کر اگلی بات کا آغاز کر دیا۔

"آپ ابھی کہاں سے آ رہے تھے؟"

کیف نے ابرو اچکا کر اس سوال کی مقصد جانچنا چاہا پھر بے پراوئی سے بولا۔"کچھ خاص نہیں بس ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔"

"آپ نے بتایا نہیں آپ کے جانے کا پلان کیوں بدل گیا؟"

"میرا جانے کا پلان پہلے بھی نہیں تھا۔مگر یاسر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے جانا پڑ رہا تھا۔زر گل نے اسے واپس لے جانے کی ذمہ داری اپنے سر لی تو میں یہاں ہی رک گیا کچھ دنوں کے لیے۔۔۔زر گل بھی واپس آئے گا یاسر کو پہنچا کر۔" کیف نے اسے مطمئن کرنے کو تفصیلاً جواب دیا تھا۔

"ارے ہاں۔۔۔یاسر کی کوئی خیر خبر۔۔۔؟کیسی طبیعت ہے اس کی اب؟"

"ٹھیک ہے۔بات ہوئی تھی میری صبح زر گل سے۔۔۔بتا رہا تھا کہ اب بہتر ہے وہ پہلے سے۔۔۔"

"ویسے ہوا کیا تھا اسے؟ جب تم لوگ گھر سے نکلے تھے تب تو وہ ٹھیک ٹھاک تھا اور جب اتنی دیر سے واپس آئے تو اس کی حالت خراب تھی۔"سلمان احمد بغور کیف کی شکل دیکھ رہا تھا۔

کیف دل ہی دل میں ٹھٹک گیا۔سلمان احمد کو دو تین دن بعد کیوں یاد آئی تھی یاسر کی۔۔۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ سلمان کو کیسے ٹالے۔

"ہاں وہ بس۔۔۔شاید ٹھنڈ لگ گئی تھی اسے۔۔۔" کیف نے ٹالنا چاہا۔

"مگر وہ ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔اور تم لوگ بہت دیر سے گھر آئے تھے۔۔۔"سلمان احمد ابھی بھی اس کی شکل تک رہا تھا۔

کیف جھنجھلا گیا۔۔۔اتنے سوال تو گھر لیٹ آنے پر کبھی ابو نے بھی اس سے نہ کیے تھے جتنے سلمان احمد نے کر ڈالے تھے۔

"نہیں ڈرنا کیوں اس نے۔۔۔بخار کی وجہ سے بس نڈھال تھا تھوڑا۔۔۔"اس بار کیف نے ذرا ناک چڑھا کر جواب دیا تھا۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے جان چھڑانے والوں کا ہوتا ہے۔

''اور جہاں تک لیٹ ہونے کا تعلق ہے تو بس کچھ اچھی سینریز مل گئی تھیں۔ تصویریں لیتے ہوئے وقت لگ گیا تھا۔''

سلمان احمد خاموش ہو گیا۔ یہ چند لمحے کی خاموشی کیف پر گراں گذری تھی۔ وہ سلمان احمد کے سوالوں سے چونک گیا تھا اور پھر دل میں چور بھی تھا کہ کہیں اسے فلک بوس والے واقعے کی خبر نہ ہوگئی ہو۔ وہ چاہ رہا تھا کہ کسی بھی طرح آج سلمان کو مطمئن کر ڈالے۔ سلمان احمد کی خاموشی اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ چند لمحے اس کے بولنے کا منتظر رہا اور پھر خود ہی پوچھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے سلمان بھائی! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں مجھے۔۔۔؟''اس نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

''ہاں۔۔۔ پریشان تو میں ہوں۔۔۔''

کیف ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''مم۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا ہوا ہے؟''

''تم لوگ فلک بوس کیا کرنے گئے تھے؟''سلمان نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔

کیف کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹا تھا۔۔۔ وہ چند لمحے کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔

''کبیر خان میرے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ تم لوگ چوری کی نیت سے فلک بوس میں داخل ہوئے تھے۔''

''کیا۔۔۔؟'' کیف ہکا بکا رہ گیا اس الزام پر۔۔۔ زرگل کی مذاق میں بولی ہوئی بات سچ ثابت ہو رہی تھی۔

''خیر مجھے اس کی بات پر کچھ خاص یقین نہیں آیا۔ وہ ویسے بھی آدھا پاگل ہے اس کی بات پر یقین کون کرے۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آیا کہ تم لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی ہے۔۔۔ اور اگر تم لوگوں نے ایسا نہیں کیا تو کبیر خان کو تم لوگوں سے کیا مسئلہ ہے جو وہ مجھے تمہیں گھر سے نکالنے کا بول کر گیا ہے۔''

ایک کے بعد ایک دھماکے کر رہا تھا سلمان احمد۔۔۔ کیف نے دل ہی دل میں کچھ حساب کتاب کیا اور پھر ایک نئی کہانی سنانے کو تیار ہو گیا۔

''سلمان بھائی! ہم وہاں گئے ضرور تھے لیکن چوری کی نیت سے نہیں۔ ہم نے کبیر خان سے اجازت مانگی تھی کہ ہمیں فلک بوس کی کچھ تصویریں لینے دے۔ اس نے ہماری بات نہیں مانی۔ اور تو اور یاسر پر حملہ بھی کیا۔ ہم لوگوں نے بس شرارت میں یہ شرط لگائی تھی کہ فلک بوس میں ایک بار داخل ضرور ہونا ہے۔ غلطی ہماری ہے۔ لیکن چوری کا تو وہ بابا جی الزام لگا کر گئے ہیں۔'' کیف نے بچوں کی طرح منہ بسور لیا۔

''اور یاسر کو کیا ہوا تھا؟''سلمان احمد کی آواز میں تجسس نمایاں تھا۔''کبیر خان کہتا ہے اس پر ایو شمتی نے حملہ کیا تھا؟''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''ارے نہیں یار۔۔۔اس کا پاؤں سلپ ہوا تھا۔گرنے سے چوٹ آئی اور وہ ذرا نازک مزاج بندہ ہے۔اسی تکلیف سے بیمار پڑ گیا۔'' کیف نے سر جھٹک کر کہا۔

''مگر یار! حرکت تو تم لوگوں نے غلط کی ہے۔شکر کرو اس بدروح نے تمہیں وہاں سے نکلنے دیا۔اور کیا معلوم کبیر کی بات ہی سچ ہو۔اللہ بہتر جانتا ہے۔''سلمان نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔

''جی میں خود شرمندہ ہوں۔۔۔میں ان بابا جی سے معافی مانگنے گیا تھا مگر انہوں نے بات ہی نہیں سنی۔۔۔'' کیف نے پورے اعتماد سے جھوٹ بولا تھا۔''مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنا ناراض ہو جائیں گے کہ آپ تک جھوٹی شکایت لے کر آ جائیں گے۔''

''چلو کوئی بات نہیں۔۔۔مگر تم احتیاط کرنا اب۔۔۔دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔''

''جی جی بالکل۔۔۔کیف نے سعادتمندی سے سر ہلایا تھا۔

باتوں باتوں میں وہ دونوں گھر کے نزدیک پہنچ گئے تھے جب وہ دونوں ہی چونک کر رک گئے تھے۔سلمان احمد کا بیٹا بھاگتا ہوا ان دونوں کی طرف آ رہا تھا۔ساتھ ساتھ وہ باپ کو آوازیں بھی دے رہا تھا۔ وہ دونوں تیزی سے بچے کی طرف بڑھے تھے۔

''کیا بات ہے علی۔۔۔کیا ہوا ہے؟''سلمان نے پریشانی سے پوچھا۔

''بابا! گھر میں آگ لگی ہے۔جلدی چلو۔''

پھولی سانسوں کے ساتھ اس بچے نے جو خبر سنائی تھی وہ سلمان احمد کے سر پر پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ تینوں بھاگتے ہوئے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

لمحہ بھر میں اس کا دل بدترین خدشات سے بھر گیا تھا۔

وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی دیوار پر لگے سوئچ بورڈ کی طرف گئی تھی اور تیزی سے لائٹ آن کر دی تھی۔اسی سپیڈ سے واپس آ کر اس نے دوبارہ سے کاٹ میں دیکھا تھا۔

شاید۔۔۔شاید یہ صرف غلط فہمی ہو لیکن اس کے بدترین خدشات سچ ثابت ہوئے تھے۔وسامہ سچ میں وہاں نہیں تھا۔ اسے اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''خوش نصیب۔۔۔خوش نصیب۔۔۔''اس نے چیخ چیخ کر پکارا تھا۔

خوش نصیب تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ منفرا کو کیا ہوا ہے۔وہ آنسوؤں سے رو رہی تھی اور تیزی سے کاٹ کے آس پاس کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔خوش نصیب تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی اور اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

''منفرا۔۔کیا ہوا ہے؟'' اس نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔خوش نصیب۔۔۔میرا بچہ؟ میرا وسامہ کہاں ہے؟'' رونے کی شدت سے اس کی آواز بھی پوری طرح حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔

خوش نصیب حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور پھر اسے چھوڑ کر تیزی سے کاٹ کو چیک کیا تھا۔ وہاں صرف ہدیٰ موجود تھی۔

''منفرا۔۔منفرا۔۔۔چپ کریں۔۔۔چپ کر جائیں۔۔۔ہم ڈھونڈتے ہیں۔۔۔ڈھونڈتے ہیں وسامہ کو۔۔۔'' اس نے منفرا کو ساتھ لگاتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں تسلی دی تھی۔

اندر سے وہ خود بھی خوفزدہ ہوگئی تھی۔ تین چار کا بچہ خود سے کہا جا سکتا ہے۔

تو پھر۔۔۔اس کا پہلا دھیان جانے کیوں ایوشمتی والی بات کی جانب چلا گیا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔وہ۔۔۔وہ رو رہا تھا۔۔۔میں نے۔۔۔میں نے آواز سنی تھی ابھی۔۔۔'' منفرا نے اسے بازوؤں سے تھامتے ہوئے کہا تھا۔

''منفرا آپ چپ کریں۔۔۔رونا بند کریں۔۔۔وہ رو رہا ہے تو اس کی آواز آئے گی۔'' خوش نصیب نے منفرا کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

منفرا کی آواز بند ہوئی تو خوش نصیب کو بیچ میں باریک سی رونے کی آواز سنائی دی تھی۔ ذرا سا غور کرنے پر معلوم ہوگیا تھا کہ آواز کمرے کے باہر سے آرہی تھی۔

''باہر۔۔۔'' خوش نصیب نے تھوک نگل کر کہا تھا۔ ''ہمیں اسے ڈھونڈنا ہوگا۔'' اپنے خوف کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا تھا۔

خوش نصیب نے تیزی سے مڑ کر ہدیٰ کو بازوؤں میں اٹھایا تھا اور باہر کی جانب بڑھی تھی۔ منفرا ساتھ تھی۔

پھر وہ دونوں باہر نکلتے ہی آواز کے تعاقب میں چل پڑی تھیں جو لمحہ بالمحہ دور ہوتی جارہی تھی۔ وسامہ کی آواز کا مرکز ابھی دوسری منزل تھی۔ خوش نصیب اور منفرا لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھیں اور پھر تیزی سے سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی اوپر آگئیں تھیں۔

''منفرا آپ دائیں طرف جائیں۔۔۔میں دوسری طرف دیکھتی ہوں۔'' خوش نصیب نے تیزی سے بائیں جانب مڑتے ہوئے کہا تھا۔

پورا فلک بوس میں اس قت اگر کوئی آواز سنائی پڑتی تھی تو وہ ننھے وسامہ کے رونے اور خوش نصیب اور منفرا کے تیز قدموں کی آوازیں تھیں۔

منفرا تیزی سے دائیں بائیں دیکھتی آگے بڑھتی جاتی تھی۔ ننگے پاؤں کے ساتھ وہ جتنی رفتار سے چل سکتی تھی چل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرتے تھے اور کان وسامہ کی آواز پر لگے تھے۔ وہ آواز کا تعاقب کرتی کتنی ہی راہ داریوں سے مڑ گئی تھی۔

وہ یک دم ٹھٹک کر رکی تھی۔

اس وقت وہ ایک ایسی راہ داری میں موجود تھی جس کے بائیں سمت میں جھروکے بنے تھے۔ اور جن سے فلک بوس کا درمیانی حصہ جو کہ ایک بڑے سے ہال پر مبنی تھا، دکھائی دیتے تھا۔ اس ہال میں سے کئی دروازے نکلتے تھے اور ایسے ہی ایک دروازے کے سامنے ایک چادر میں لپٹا ہوا وسامہ زمین پر پڑا تھا۔

منفرا چند لمحے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وسامہ کو دیکھتی رہی تھی۔ جب اسے اپنی آنکھوں پر یقین آیا تھا تو وہ چیخ چیخ کر خوش نصیب کو آوازیں دینے لگی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اس ہال میں جانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں خوش نصیب بھی اس کے پاس پہنچ گئی اور اس کے ساتھ تلاش میں شامل ہو گئی تھی۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ ہال میں پہنچ چکی تھیں۔

وسامہ کی رونے کی آواز اب سسکیوں میں بدل چکی تھیں۔ وہ رو رو کر تھک چکا تھا اور اس کی آواز بھی بیٹھ گئی تھی۔

منفرا نے بھاگ کر اسے اپنی بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔ وہ رو رہی تھی اور وسامہ کو پیار کر رہی تھی۔

”کمرے میں چلو۔۔۔“ روتے ہوئے، وحشت زدہ سے لہجے میں اس نے خوش نصیب کو کہا تھا۔

”منفرا! یہ کمرہ۔۔۔ چیک کر لینا چاہیے۔“ خوش نصیب خوفزدہ تھی لیکن اس کے حواس باقی تھے۔

”نہیں۔۔۔ بس واپس چلو۔“

”منفرا مجھے لگتا ہے کہ کوئی گھر میں گھسا ہوا ہے۔“ خوش نصیب نے اسے احساس دلانا چاہا تھا۔

”اگر ایسا ہے بھی تو تم اور میں اکیلے کیا کر لیں گے۔۔۔ چلو یہاں سے پلیز۔۔۔“ منفرا نے جھنجلا کر کہا تھا۔

خوش نصیب نے آگے بڑھ کر چیک کیا اس دروازے میں چابی لگی ہوئی تھی۔ اس نے تیزی سے چابی گھمائی اور دروازہ لاک کر دیا۔ دونوں میں ہی فی الحال اتنی سکت نہیں تھی کہ باہر سے کبیر خان کو بلا لیتیں۔ ویسے بھی ایک بوڑھا آدمی ان کی کیا حفاظت کر سکتا تھا۔ صبح کا انتظار کرنے کے علاوہ کوچارہ نہیں تھا۔

کمرے میں آ کر منفرا وسامہ کو سینے سے لگائے لگائے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ اس میں کھڑے رہنے کی مزید سکت نہیں تھی۔ کچھ ایسا ہی حال خوش نصیب کا بھی تھا۔ اس نے کانپتی ٹانگوں کے ساتھ کمرہ لاک کیا تھا اور جب اسے لگا کہ وہ گر جائے گی تو وہ وہاں کارپٹ پر ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ دونوں کے پاس ہی کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

جو کچھ ہوا تھا، اسے عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ایک چھوٹا سا بچہ خود سے تو نہیں جا سکتا تھا اتنی دور تو پھر۔۔۔

اس پھر سے آگے ان دونوں کا ہی ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

''خوش نصب! تم صبح ہی کیف کو یہاں بلا لو۔۔۔'' منفرا نے فیصلہ کر لیا تھا۔ ''شاید وہ ہماری مدد کر سکے واپس جانے میں۔۔۔''

☆......☆......☆

وہ دونوں بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے۔ گلی کا موڑ مڑتے ہی گھر کے آگے لوگوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ شور اتنا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فائر بریگیڈ کا انتظام تو بشام میں موجود نہ تھا سو لوگ اپنی مدد آپ کے تحت آگ بجھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

وہ دونوں بھاگتے ہوئے گھر کے سامنے آئے تھے۔ لوگ گھر کے اندر تک گئے ہوئے تھے۔ دھواں اٹھ رہا تھا گھر میں سے۔۔۔ مگر آگ نظر نہیں آ رہی تھی۔ وقت ضائع کیے بغیر وہ لوگ اندر داخل ہو گئے تھے۔ آگ گھر کی نچلی منزل پر، کچن میں لگی تھی۔ چار پانچ لڑکے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر آگ قابو میں نہ آ رہی تھی۔

سلمان احمد کی بیوی اور بچوں کو وہ لوگ پہلے ہی گھر سے باہر بھیج چکے تھے۔

کیف اور سلمان بھی ان کے ساتھ آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ کیونکہ گھر کے اندر پانی کے پانی کا کنکشن کچن میں ہی موجود تھا اور کچن کے اندر جانا ممکن نہ تھا سو پانی باہر سے لانا پڑ رہا تھا۔

وہی کام جو دس پندرہ منٹ میں مکمل ہو جانا چاہیے تھا۔ پانی کی غیر دستیابی کے باعث تقریباً آدھے گھنٹے میں بڑی مشکل سے مکمل ہو پایا تھا اور ان کوششوں میں ہی سلمان احمد کا ہاتھ جل گیا تھا لیکن وہ لوگ کسی بڑے نقصان سے ضرور بچ گئے تھے۔ آگ کو پھیلنے سے پہلے ہی اس پر قابو پا لیا گیا تھا۔ صرف کچن کی ایک دیوار اور کھڑکی کو زیادہ نقصان پہنچا تھا۔

سلمان احمد اپنے ہاتھ کو بھلائے کچن میں داخل ہو گیا تھا۔ کیف نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آگ لگی کیسے۔ سوئی گیس تو ابھی تک اس ایریا میں پہنچ بھی نہ پائی تھی۔ لوگ لکڑیاں جلا کر گزارہ کرتے تھے۔ خال خال سلینڈر سسٹم بھی مل جاتا تھا۔ سلمان احمد کے گھر میں سلینڈر موجود تھا۔ جسے کفایت شعاری سے استعمال میں لایا جاتا تھا۔ اچھی طرح کچن کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ شاید آگ غلطی سے جلی رہ گئی تھی جو کسی طرح کچن کی کھڑکی تک پہنچ گئی مگر کوئی بھی صحیح وجہ سمجھ میں نہیں آ پائی تھی۔

کیف اور محلے کے لوگوں کے اصرار پر سلمان احمد اپنے ہاتھ کی مرہم پٹی کروانے چلا گیا جب کہ کیف تھکے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں عبور کرتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کا ذہن آگ والے واقعے سے ہٹ کر پھر سے فلک بوس اور کبیر کے گرد گھومنے لگا تھا۔ وہ کبیر کی حرکت پر کافی حیران تھا۔ اسے بہر حال کبیر سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ سلمان احمد کو ان لوگوں سے بدگمان کرنے کی کوشش کرے گا۔ دل ہی دل میں وہ تلملا کر رہ گیا تھا اور یہ تلملاہٹ اسے پھر سے فلک بوس کی طرف جانے پر مجبور کر رہی تھی اور اسے یہ کام زرگل کے

واپس آنے سے پہلے پہلے مکمل کرنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے سہارا دیے گھر میں داخل ہوا تھا۔ راستے میں جتنے لوگ ملے وہ آگ لگنے کی وجہ پوچھتے رہے۔ وہ بھلا کیا بتاتا۔۔۔ اسے تو خود صحیح وجہ علم نہیں تھا۔ لوگوں کے ہمدردی بھرے جملوں کا شکریہ ادا کرتا وہ گھر آ گیا تھا۔

چند مرلوں کا یہ گھر، جو دو کمروں، باورچی خانے اور ایک باتھ روم پر مشتمل تھا، اور بازار میں ایک چھوٹی سی دکان اس کی کل جائیداد تھی جو اس کے باپ کی مہربانی سے اس کے حصے میں آئی تھی۔ ابھی ایک دو ماہ پہلے ہی اس نے بچت کیے ہوئے پیسوں سے اپنی بیوی کی فرمائش پر گھر کو نہ صرف رنگ کروایا تھا بلکہ چھت پر ایک ہال نما کمرہ اور باتھ روم بھی بنوالیا تھا۔ بشام چونکہ ایک ٹورسٹ اٹریکشن تھا سو اس کمرے کو ایک اچھا ذریعہ کمائی بنایا جا سکتا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی پہلی نظر کچن کی جانب اٹھی تھی۔ افردہ سی ایک آہ اس کے ہونٹوں سے آزاد ہو کر ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

''ایک نیا خرچہ۔۔۔'' اس نے بیچارگی سے سرگوشی کی پھر نظر چرا کر کمرے کی جانب آ گیا تھا۔

کمرے میں اس کی بیوی چھوٹے بیٹے کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔

سلمان احمد کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے چند اختتامی تھپکیاں بچے کی کمر پر رسید کیں اور اٹھ کر سلمان کی طرف آ گئی جو کمرے میں رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا اور سامنے کی دیوار پر نظر جمائے نجانے اس سوچ میں گم تھا۔

''خان۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟'' اس کی بیوی نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بیتابی سے پوچھا۔

اس کی آواز سلمان کو اپنی سوچوں سے واپس کھینچ لائی تھی۔

''ہوں؟ ہاں ہاں ٹھیک ہوں میں۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ ''سو گیا ہے؟'' اس کی نظر چارپائی پر سوئے ہوئے بیٹے کی طرف تھی۔

''ہاں۔۔۔ وہ تو سو گیا ہے۔ تم کیا سوچ رہے تھے خان؟ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' اس کی بیوی کا انداز خوفزدہ سا تھا۔

''نہیں۔۔۔ بس یہی سوچ رہا تھا کہ آگ کیسے لگ گئی؟ بیٹھے بٹھائے ایک اور خرچہ پڑ گیا سر پر۔۔۔'' سر پر سے گرم ٹوپی اتارتے ہوئے اس نے پریشان سے ہو کر کہا تھا۔

''خیر تم چھوڑو اس کو۔۔۔ تم بولو کیا بات ہے؟'' سلمان احمد نے سر جھٹک کر پوچھا۔

''خان معلوم نہیں تم میری بات کا یقین کرو گے یا نہیں۔۔۔ مگر یہ لڑکا۔۔۔ کرائیدار کیف۔۔۔ مجھے یہ ٹھیک نہیں لگتا خان۔۔۔'' اس کی بیوی نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی تھی۔

''اب اس بیچارے نے کیا کر دیا نیک بخت۔۔۔ آگ اس نے تو نہیں لگائی۔۔۔''سلمان نرمی سے مسکرایا۔

''اس نے نہیں لگائی مگر کہیں نا کہیں ذمہ دار تو وہ ہی ہے اس سب کا۔''اس کی بیوی اب کے چیخ کر بولی تھی۔

''کک۔۔۔کیا مطلب؟''

''خان تمہیں کبیر خان کی بات یاد ہے؟ یہ لڑکے فلک بوس میں داخل ہوئے ہیں۔۔۔وہ بھی چوری کی نیت سے۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔اللہ تو شاید انہیں بخش دے گر ایوشمتی کہاں بخشنے والی ہے۔۔۔خان تم مانوں نہ مانوں ایوشمتی نے ہمارے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے۔۔۔''اس کی بیوی نے خوفزدہ سے انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بات مکمل کی تھی۔

اور سلمان احمد کے سر پر جیسے کوئی بم پھوڑا تھا۔وہ یک ٹک بیوی کی شکل دیکھ رہا تھا۔اس نے ابھی تک اس نہج پر نہیں سوچا تھا۔

''ہم نے ان لوگوں کو اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے خان! یقیناً یہ بات ایوشمتی کو پسند نہیں آئی۔۔۔ورنہ ایسا کیوں ہوتا کہ بغیر کسی وجہ کے آگ بھڑک اٹھتی۔میں نے خود بجھائی تھی آگ۔۔۔''وہ روہانسی لہجے میں اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تھی۔

''مگر۔۔۔مگر وہ چوری کی نیت سے نہیں گئے تھے۔۔۔جوان خون ہے۔۔۔کبیر خان سے منہ ماری ہوئی اس لیے اندر گئے تھے۔۔۔شرارت کر رہے تھے۔۔۔''سلمان احمد پھنسی ہوئی آواز میں بولا۔انداز ایسا تھا جیسے اپنی بیوی کو نہیں بلکہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔''مجھے خود بتایا ہے کیف نے۔۔۔میں نے پوچھا ہے اس سے۔۔۔''

''جھوٹ بول رہا ہو گا وہ۔۔۔''اس کی بیوی نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''لو بھلا۔۔۔ایسے کیسے۔۔۔''سلمان برا مان کر بولا۔''اتنی پرکھ ہے مجھے انسانوں کی۔۔۔کہ سچ جھوٹ کا فیصلہ کر سکوں۔''

''خان تم کو میری بات پر یقین نہیں آ رہا۔۔۔تو نہ کرو یقین۔۔۔لیکن یاد رکھنا کہ ایسا نہ ہو کہ اس سب کے چکر میں کوئی بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔۔۔''اس کی بیوی نے دوٹوک کہا تھا۔

''اچھا۔۔۔چلو تم بتاؤ پھر کیا کروں میں؟''

سلمان نے ہار مان لی۔ کہیں نا کہیں دل میں اسے اپنی بیوی کی بات پر پوری طرح یقین آ گیا تھا۔ایوشمتی کا خوف اس کے دل پر پوری طرح پنجے گاڑ چکا تھا۔

''کرنا کیا ہے۔۔۔چلتا کرو اسے یہاں سے۔۔۔یہاں سے چلا جائے گا وہ تو مصیبت بھی ٹل جائے گی۔''

''مگر ایسے کیسے چلتا کروں؟ پیسے لیے ہیں ان سے پندرہ دن کے۔۔۔اگر اسے نکلیں گے تو پیسے واپس کرنے پڑے گے۔۔۔اور تمہیں پتا ہے کہ میرا ہاتھ کتنا تنگ چل رہا ہے۔اور اب یہ نیا خرچہ بھی سر پر آ گیا ہے۔۔۔''اس کا اشارہ کچن کی مرمت کی طرف تھا۔

''اگر اسے رکھیں گے تو خدا معلوم اس سے زیادہ بڑے خرچے بھی سر آ پڑے گیں۔''

اس نے اٹھ کر کرسی سلمان کے قریب گھسیٹ لی تھی۔

''میں بتاتی ہوں کیا کرو تم۔۔۔ پیسے واپس دینے کی نوبت نہیں آئے گی۔''

وہ آہستہ آہستہ اسے سب سمجھاتی چلی گئی۔

سلمان احمد بغور سے اپنی بیوی کی بات سن رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ ہلکے سے کھٹکے سے کھلی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ بلاشبہ اس ہلکی سی آواز نے اسے نیند میں ڈرا دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر کاٹ کی جانب آئی تھی۔ وسامہ اور ہدیٰ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ منفرا نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے دیکھا کہ خوش نصیب کمرے میں موجود نہیں تھی۔ وہ شاید باتھ روم میں تھی۔ اسے پھر سے اس کھٹکے کا احساس ہوا جس کی وجہ سے اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ اس کھٹکے کا ماخذ دو گلہریاں تھیں جو کھڑکی کے باہر کی جانب لڑ رہی تھیں اور بار بار کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا رہی تھیں۔ منفرا کے لبوں سے بے ساختہ شکر کا کلمہ ادا ہوا تھا۔

کھڑکی کے ذریعے آسمان پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ ٹھنڈی سانس بھر کر وہ کاٹ کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

آسمان پر ہلکے سرمئی بادل تھے۔ لیکن رات جیسی شدت نہیں تھی موسم میں۔ رات کے سارے واقعات کسی فلم کی مانند نظروں کے سامنے چل پڑے تھے۔ جو کچھ بھی ہوا تھا عقل سے ماورا تھا۔ اس کے اپنے علاوہ فلک بوس میں صرف خوش نصیب اور کبیر خان موجود تھے۔ خوش نصیب یہ حرکت کر نہیں سکتی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو خوش نصیب کمرے میں موجود تھی اور گہری نیند میں تھی۔ باقی رہا کبیر خان کا سوال تو وہ کوارٹرز میں تھا اور حویلی کا داخلی دروازہ اس نے خود بند کیا تھا۔۔۔ تو پھر؟ اس سے آگے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا۔

اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ دونوں جب کمرے میں واپس آئیں تھیں تو دوبارہ سو نہیں پائیں تھیں۔ کہیں فجر کے بعد ان کی آنکھیں بند ہوئیں تھیں۔ نیند کی کمی اور ٹینشن کی زیادتی سے سر کسی پھوڑے کی مانند تکلیف دے رہا تھا۔ اس کی نظریں دیوار پر لگے کلاک کی جانب اٹھ گئی۔ صبح کے دس بجے تھے۔ وہ لوگ بمشکل تین، چار گھنٹے سو پائے تھے۔

اس نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ کچھ دیر بعد خوش نصیب چہرے باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جنہیں اپنے ڈوپٹے سے پونچھتی ہوئی وہ خاموشی سے منفرا کے برابر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''خوش نصیب۔۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا'' منفرا بے چارگی سے بولی تھی۔ ''رات جو کچھ ہوا۔۔۔ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے منفرا! کیا وہ بدروح۔۔۔؟''

''اونہہ۔۔۔ نہیں یار۔۔۔ میں ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتی۔۔۔ یہ کوئی اور چکر ہے۔۔۔ اور مجھے لگتا ہے یہ کبیر خان۔۔۔''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی جیسے خود بھی کنفیوژ ہو۔

"ایک کام کرو خوش نصیب۔۔۔! کبیر خان کو دیکھو۔۔۔اسے یہاں بلاؤ۔۔۔بہتر ہے ایک بار وہ کرہ چیک کر لیں۔" وہ چند منٹ بعد فیصلہ کن انداز میں بولی تھی۔

"اچھا آئیڈیا ہے۔میں بلاتی ہوں انہیں۔" خوش نصیب فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے احتیاط سے کمرے کا دروازہ کھولا اور سر باہر نکال کر جائزہ لیا۔اس کمرے کا دروازہ اسی ہال میں کھلتا تھا جہاں سے ایک راہ داری کچن کو جاتی تھی اور فلک بوس سے باہر نکلنے کا دروازہ بھی اسی ہال میں تھا۔وہ دروازہ ہنوز بند تھا۔وہ باہر نکل گئی اور اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد کبیر بابا کے ساتھ ہوئی تھی۔

"بی بی! آپ نے مجھے بلایا تھا۔۔۔" کبیر بابا نے ادب سے سلام کرنے کے بعد منفرا سے پوچھا تھا۔

"کبیر بابا! آپ نے رات سارے دروازے خود بند کیے تھے؟" منفرا نے بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی بی بی۔۔۔!سب دروازے بند تھے۔"

"سب دروازے بند نہیں تھے کبیر بابا۔۔۔! آپ کو احساس ہے ذرا سی کوتاہی کتنے بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔" منفرا درشتگی سے بولی۔

کبیر خان ٹھٹک کر منفرا کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا ہے بی بی! سب خیریت تو ہے؟" وہ پریشانی سے بولا۔

منفرا اسے سب بات بتاتی چلی گئی لیکن اس نے وسامہ کے کمرے سے غائب ہونے کی بات کو دانستہ چھپا لیا تھا۔ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس نے یہ بات کیوں چھپائی۔پیچھے کھڑی خوش نصیب نے اس ادھوری معلومات پر حیرانی سے اسے دیکھا تھا کیوں کہ اس نے کبیر خان کو بس اتنا ہی بتایا تھا کہ رات فلک بوس میں کوئی موجود تھا۔جو ان کے کمرے تک آیا تھا۔ان لوگوں کے جاگ جانے پر اس نے فرار ہونے کی کوشش کی۔وہ دونوں اس کے پیچھے بھی گئے مگر ایک جگہ پہنچ کر وہ غائب ہو گیا۔ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ ایک کمرے میں انہیں اس چور کی موجودگی کا احساس ہوا سو ان دونوں نے وہاں کے دروازے کو لاک لگا دیا۔طوفان کے باعث وہ لوگ اس وقت کبیر خان کو بلانے سے قاصر رہے۔

کبیر خان جیسے جیسے بات سنتا گیا تھا اس کا چہرہ سرخ ہوتا گیا۔اسے یاد آیا کہ کیف کل پھر فلک بوس کے ارد گرد موجود تھا اور دل ہی دل میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ کیف کی ہی حرکت ہے۔

"بی بی! میں معذرت چاہتا ہوں۔مجھے لگتا ہے میں جانتا ہوں کہ اتنی جرات کس نے کی ہے۔آپ فکر نہ کرو۔۔۔آپ مجھے اس

http://kitaabghar.com KitaabGhar.com

کمرے کا بتاؤ۔۔۔میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں کہ کون ہے وہ۔۔۔" وہ معذرت خواہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"خوش نصیب! تم ان کے ساتھ جاؤ اور انہیں وہ کمرہ دکھا دو۔ میں بچوں کے پاس رکتی ہوں۔" منفرا نے خوش نصیب کو اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" خوش نصیب اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر کی جانب چل پڑی تھی۔

دوسری منزل پر جا کر اسے کمرہ تلاش کرنے میں کافی مشکل پیش آئی تھی۔ فلک بوس ایسی بھول بھلیاں تھیں کہ یہاں مستقل رہنے والوں کو بھی راستے بھولنے پر مجبور کر دے۔ اس نے تو پھر کل رات پہلی بار یہ جگہ دیکھی تھی اور وہ بھی اتنی فکر مندی کے ساتھ کہ راستے کہاں یاد رہتے۔

کچھ تلاش بسار کے بعد بالآخر وہ اس راہداری میں پہنچ گئی تھی جہاں سے ان لوگوں نے وسامہ کو نیچے ہال میں پڑا دیکھا تھا۔ اس نے کبیر خان کو اشارے سے اس کمرے کا بتا دیا تھا۔

"بی بی! تم یہاں ہی رکو۔۔۔ میں اکیلا جا کر دیکھتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔" کبیر خان نے سنجیدگی سے کہا اور خوش نصیب کا جواب سنے بغیر ہی ہال میں جانے والے راستے کی جانب مڑ گیا تھا۔ چند منٹوں میں وہ ہال میں پہنچ گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

خوش نصیب کی نظریں دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے اور خفیف سی کپکپاہٹ جو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر آئی تھی مگر۔۔۔۔

کچھ دیر بعد کبیر خان نے کمرے سے باہر نکلا تھا اور وہاں دروازے پر کھڑے کھڑے اسے کمرہ خالی ہونے کی اطلاع دی تھی۔ خوش نصیب کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ کبیر خان مڑ کر دوبارہ سے کمرے کو لاک کرنے لگا جبکہ خوش نصیب منفرا کو بتانے کے لیے آہستہ آہستہ واپس چل پڑی تھی۔ بلاشبہ خالی کمرے نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ کمرے سے کوئی انسان برآمد ہو جائے تاکہ اس کا ذہن اور دل میں سے کیف کی بتائی ہوئی کہانی نکل جائے۔ ایوشمتی کے بارے میں بتائی ہوئی باتیں رات سے اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ کچھ ایسا ہی حال منفرا کا بھی تھا۔

منفرا کا خیال آتے ساتھ ہی اسے یاد آیا تھا کہ منفرا نے رات اسے کیف کو بلانے کا بولا تھا۔ اور جو حالات ہو گئے تھے اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

وہ وہاں رک کر کبیر خان کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں کبیر خان لاٹھی ٹیکتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا۔

"کمرہ بالکل خالی ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ نہ ہی کمرے میں کسی کے داخل ہونے کے آثار ہیں۔" اس نے بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے بابا! آپ میرا ایک کام کریں۔ بستی جائیں وہاں اس لڑکے کے بارے میں پتا کریں جو کل یہاں آیا تھا۔ اور اسے

بلا کر لائیں۔اس کا نام کیف ہے۔میرا نام لے دیجیے گا کہ میں نے بلایا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''بی بی! وہ لڑکا۔۔۔اسے یہاں کیوں بلا رہی ہیں؟ معاویہ بیٹا کو یہ بات پسند نہیں آئے گی۔وہ لڑکے پہلے بھی یہاں گھسنے کی کوشش کر چکے ہیں۔اور جب آپ لوگوں نے مجھے رات والی بات بتائی تو مجھے یہی لگا کہ یہ اس لڑکے کی ہی حرکت ہوگی۔''

''منفرا بی بی نے بلوایا ہے اسے۔ اگر معاویہ صاحب کو کوئی ایشو ہوا تو وہ خود ہینڈل کر لیں گی۔آپ جا کر کیف کو بلا لائیں۔''

خوش نصیب نے اپنی بات پوری کی اور منفرا کے کمرے کی جانب چلی گئی۔

کبیر خان کی پرشوچ نگاہیں دور جاتی خوش نصیب پر جمی تھیں۔

☆......☆......☆

برف پر جما جما کر پاؤں رکھتا وہ چڑھائی چڑھ کر فلک بوس کی جانب جا رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے کبیر خان اسے ڈھونڈتا ہوا بستی میں آیا تھا اور سیدھا سلمان احمد کی دکان پر پہنچا تھا اور سلمان احمد نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کیف کو پیغام بھجوا دیا تھا۔

کیف بیچارے کو جب پیغام ملا تو وہ گھر میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔اس پیغام پر ہکا بکا رہ گیا۔یہ خیال ہی بڑا خوش کن تھا خوش نصیب نے اسے خود فلک بوس بلوایا ہے۔یعنی اس کی ناراضگی ختم ہوگئی تھی اور اس کا دل صاف ہو گیا تھا۔

خوشی خوشی کھانا ادھورا چھوڑا اور اٹھ کر فلک بوس کی جانب چل دیا۔

آج اسے کبیر کی شکل دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔جب وہ منزل پر پہنچا تو گیٹ سے ہی اس نے دور برآمدے کی سیڑھیوں پر خوش نصیب کو بیٹھے دیکھ لیا تھا۔یقیناً وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

گھٹنوں پر تھوڑی ٹکائے اور بازو کو ٹانگوں کے گرد لپیٹے وہ اپنے سامنے کی جانب درختوں کو تکتی جاتی تھی اور کچھ سوچتی جاتی تھی۔

کیف چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔پچھلے تین چار سالوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ یہ وہ خوش نصیب تو نہیں تھی جسے وہ بچپن سے دیکھتا آیا تھا۔وہ ضدی، منہ پھٹ، بدتمیز۔۔۔سب گھر والوں کی ناک میں دم کر دینے والی خوش نصیب تو کہیں کھو ہی گئی تھی۔سامنے شال میں لپٹی وہ لڑکی تو کوئی اور ہی تھی۔کیف جنگلے سے سر ٹکائے محویت سے اسے تکتا رہا۔

خوش نصیب اپنے خیالات سے یکدم چونکی تھی۔اسے محسوس ہوا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اور لمحہ بھر کے لیے وہ خوفزدہ ہوگئی تھی اس احساس سے۔اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کسی انسان کو تلاش کرنا چاہا۔جلد ہی پھاٹک پر کھڑا اس کی جانب تکتا کیف اس کی نظر کے زاویے میں آ گیا تھا۔

سکھ کا سانس لے کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کیف کی جانب بڑھ گئی۔

کیف نے جو اسے اپنی جانب آتے دیکھا، چہرے سے تمام تر نرمی کو غائب کیا اور شدید قسم کے سنجیدہ تاثرات سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

"تم نے بلوایا تھا مجھے؟" خوش نصیب کے پاس آتے ہی اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا تھا۔

خوش نصیب نے جواب نہیں دیا بلکہ گیٹ کھولکر فلک بوس کی اس آہنی جنگلے کی چاردیواری سے باہر نکل آئی۔

"ہاں بلوایا تھا۔ وہ۔۔۔ اصل میں۔۔۔"

خوش نصیب نے بات شروع تو کر لی لیکن مدعا بیان کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ابھی کل ہی تو اس نے کیف کو دھتکار کر واپس بھیجا تھا اور آج ہی اس سے کام آپڑا تھا۔۔۔ مگر مدد تو مانگنی ہی تھی سو چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد وہ بولی۔

"مجھے تمہاری کچھ مدد چاہیے۔۔۔" اس نے نظر ملائے بغیر آہستہ سے کہا تھا۔ اپنی انا کو مار کر کسی ایسے انسان سے مدد مانگنا جس کی شکل نہ دیکھنے کا دعوا بھی کر رکھا ہو، بڑی تکلیف دیتا ہے۔

"کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ ذرا دوبارہ بولنا" کیف نے ادائے بے نیازی سے کہا۔ اچھا موقع ملا تھا اسے خوش نصیب کو چڑانے کا۔

خوش نصیب کو پتا تھا کہ کیف اتنی آسانی سے اب نہیں مانے گا مگر کوئی چارہ نہیں تھا۔

"میں نے کہا۔۔۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔" اس بار اس نے بہت اونچی آواز میں کہا۔

"اوہ۔۔۔ مدد چاہیے آپ کو۔۔۔ یعنی لوٹ کر بدھو گھر کو آئے۔۔۔" کیف نے مزے سے کہا۔

خوش نصیب نے خود کو پرسکون رہنے کی تلقین کی۔

سنجیدگی سے بولی۔ "تم کچھ دیر کے لیے سیریس ہو کر میری بات سن سکتے ہو؟"

کیف نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے سے اس کی پریشانی واضح تھی۔ وہ دل میں اسے مزید ستانے کا سوچ رہا تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات نے اسے حقیقتاً سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اچھا بتاؤ کیا مدد چاہیے؟ کیا ہوا ہے جو میری مدد کی ضرورت پڑ گئی؟" کیف نے سنجیدہ سے انداز میں پوچھا تھا۔

"ایکچولی کل رات کو۔۔۔" وہ کیف کو تمام واقع تفصیل سے بتاتی چلی گئی تھی۔

کیف بغور اس کی بات سن رہا تھا۔

"کیا یہ پاسیبل ہے کہ تم ہم لوگوں کو واپس بھجوا سکو؟" خوش نصیب نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ صبح وہ کمرہ خالی ہی تھا؟" کیف نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کبیر بابا خود اندر گئے تھے۔ انہوں نے ہی آ کر بتایا کہ کمرہ خالی ہے۔"

http://kitaabghar.com

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ کیا ہو سکتا ہے؟ کوئی انسان یا ایوشمتی؟" اس نے خوش نصیب کے خیالات جاننا چاہے۔

"نہیں خیر ایوشمتی والی بات پر تو مجھے اتنا یقین نہیں تھا لیکن کل رات کو کچھ ہوا اور پھر کمرہ بھی خالی تھا۔۔۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا چکر ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"مگر تم نے وہ کمرہ اپنی آنکھوں سے تو خالی نہیں دیکھا نا۔۔۔" کیف نے کہا۔

"کیا مطلب؟ تمہارا مطلب ہے کبیر بابا جھوٹ بول رہے ہیں؟ مگر وہ ایسا کیوں کریں گے؟" خوش نصیب الجھ سی گئی۔

"مجھے کیا پتا کہ وہ کیا اور کیوں کرے گا۔ تمہارا مسئلہ ہے خود معلوم کرو۔۔۔" کیف یکدم ہی پھر سے روڈ ہو گیا۔

خوش نصیب نے حیرانی سے اس کی شکل دیکھی۔

"کیا مطلب۔ تم۔۔۔ تم ہماری مدد نہیں کرو گے؟"

"کیوں کروں بھلا؟ کس خوشی میں کروں؟ میں تو تمہیں شیشے میں اتار رہا تھا نا کل تک۔۔۔ تو اب کیوں مجھ سے مدد مانگ رہی؟"

خوش نصیب کو غصہ آ گیا۔ اتنی دیر سے وقت ضائع کر رہا تھا اس کا۔۔۔ جب مدد نہیں کرنی تھی تو پہلے ہی بول دیتا۔۔۔

"تو یہاں آ کر اپنی منحوس شکل دکھائی ہی کیوں؟ آتے ہی نہیں یہاں۔۔۔"

"او ہیلو۔۔۔ میری شکل اتنی منحوس ہے تو پیغام ہی کیوں بھیجا بلوانے کو۔۔۔ صاف کہو نا کہ یہ منحوس شکل دیکھے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا۔" کیف نے اسے چڑایا۔

"تم انتہائی فضول آدمی ہو کیف۔۔۔ میری غلطی تھی جو میں نے تم سے مدد مانگی۔۔۔ تم لوگ تو بس دوسروں کو تکلیف دینا جانتے ہو۔۔۔ کسی کی مدد بھلا کیسے کرو گے۔۔۔؟"

"ارے جاؤ جاؤ۔۔۔ مجھے دوسروں کو بس تکلیف دینا آتا ہے تو تمہیں بھی تو معذرت کرنا نہیں آتا۔ تم نے میری اتنی انسلٹ کی تھی کل۔۔۔ بجائے یہ کہ بلا ہی لیا تھا تو پہلے سوری کہتی۔۔۔ ڈائریکٹ "تمہاری مدد چاہیے۔۔۔" کا بم پھوڑ دیا سر پر۔۔۔" کیف نے منہ بنا کر کہا۔

"اور نہیں تو بندہ اندر بلا کر ایک آدھ کپ چائے ہی آفر کر دیتا ہے۔۔۔ اتنی سردی ہے باہر۔۔۔"

"یہ محل میرے ابا میرے نام نہیں لگا کر گئے۔۔۔ کہ ہر ایرے غیرے کو اٹھا کر چائے کی آفر کروں اور اندر لے جاؤں۔۔۔ ملازمہ ہوں میں یہاں کے بچوں کی۔" خوش نصیب نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہونہہ۔۔۔ میں تو اس محل میں بھی کسی کو بلانے کی جرات نہیں کر سکتی تھی جو سچ میں میرے ابا کے نام تھا۔" فوراً طعنہ دے ڈالا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ ایرے غیرے کو چائے کی آفر نہیں کر سکتے۔۔۔ ان سے بس مدد مانگ سکتے ہیں۔" کیف نے اس کی آخری

http://kitaabghar.com

بات کو یکسر نظر انداز کر ڈالا۔

''جاؤ۔۔۔معاف کرو۔۔۔غلطی ہوگئی جو تم سے کچھ اچھی امید رکھ لی۔۔۔اب جان چھوڑو۔۔۔'' خوش نصیب نے دنوں ہاتھ سر پر سے اٹھا کر جوڑے اور واپس جانے کو مڑ گئی۔۔۔

''نہیں تو نہ سہی۔۔۔'' کیف مسکراتے ہوئے پلٹا اور سر جھٹک کر واپس وادی کی طرف چل پڑا۔

وہ گنگناتا ہوا تیزی سے وادی کی طرف جا رہا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں سکون ہلکورے لے رہا تھا۔اس کی سوچ کا رخ پھر سے فلک بوس، وہاں کے مکینوں اور وہاں ہونے والی سرگرمیوں کی طرف مڑ گیا تھا۔اگر مسز معاویہ اس حد تک پریشان اور خوفزدہ ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ بھی یہاں ہونے والے سرگرمیوں سے ناواقف ہیں۔ حالات و واقعات تو معاویہ ارد شیرازی کو بھی معصوم ظاہر کر رہے تھے۔وہ بھلا اپنے بیوی بچوں کو یہاں تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا اگر وہ خود کسی سرگرمی میں ملوث ہوتا تو۔۔۔پھر اس کے بیٹے کا ہی کمرے سے غائب ہونا۔۔۔اتنا آسان نہیں تھا معاویہ اردشیرازی کے بیٹے پر جانتے بوجھتے ہوئے ہاتھ ڈالنا۔۔۔

وادی میں آتے ہی وہ سیدھا سلمان احمد کی دکان پر گیا تھا۔وادی میں ایک سلمان احمد ہی تو تھا جسے شیشے میں اتارنا آسان تھا۔اس کا پلان تھا کہ وہ سلمان احمد کی مدد سے خوش نصیب اور مسز معاویہ کو لے کر یہاں سے نکل جائے گا لیکن ایسا ہونے کے چانس نہ ہونے کے برابر تھے۔کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو یقیناً اب تک زرگل ہی یہاں واپس پہنچ جاتا مگر راستے ہی بند ہو گئے تھے۔۔۔

سوچتے سوچتے وہ دکان پر جا پہنچا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ سلمان احمد تو کچھ دیر ہوئی گھر پر گیا ہے۔اس کا بیٹا دکان پر موجود تھا۔ کیف وہاں سے سیدھا گھر کی جانب چل دیا۔

سلمان احمد کے گھر والی گلی کا موڑ مڑتے ہی کیف ٹھٹک کر رکا تھا۔گھر کے آگے رش تھا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ابھی کل رات ہی تو آگ والا واقعہ ہوا تھا۔

''اللہ خیر۔۔۔'' کیف تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

تھوڑا آگے جاتے ہی اس گھر کے باہر سر پکڑ کر بیٹھا ہوا سلمان احمد نظر آ گیا تھا۔اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

کیف تیز تیز چلتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا لیکن پھر ٹھٹک کر رک گیا تھا۔وہ ہکا بکا اپنے سامان کی طرف دیکھ رہا تھا جسے بے دردی سے گھر کے باہر پھینک دیا گیا تھا۔بیگ کھلا ہوا تھا اور اس کے کپڑے باہر نکلے ہوئے تھے۔پاس ہی اس کے لیپ ٹاپ کا بیگ بھی پڑا تھا۔کیف کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سنسناہٹ محسوس ہوئی۔کچھ غلط ہو چکا تھا۔

اس کے قدموں کی تیزی لمحوں میں سستی میں ڈھل گئی۔مجمع دو حصوں میں بٹ گیا کیف کو آگے آنے کا راستہ دیا گیا تھا۔

http://kitaabghar.com

"یہ۔۔۔یہ سب کیا ہے؟" وہ اپنے سامان کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"میرا سامان باہر کیوں پھینکا ہے؟" اس کے لہجے میں غم و غصہ نمایاں تھا۔

"یہ۔۔۔یہ ذمہ دار ہے میرے گھر کی بربادی کی۔" سلمان احمد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اسے مارنے کو لپکا۔

اس سے پہلے کہ وہ کیف تک پہنچتا۔۔۔لوگوں نے اسے دبوچ لیا۔

"یہ لوگ فلک بوس میں گھسے تھے۔۔۔ چوری کی نیت سے۔۔۔ ایوشمتی کا سایہ میرے گھر میں لے آئے۔۔۔ایک کے بعد ایک مسئلہ کھڑا ہو رہا ہے۔ راستہ دیکھ لیا ان لوگوں کی وجہ سے اس بدروح نے میرے گھر کا۔۔۔پہلے آگ لگی اب پیسے چوری ہو گئے۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔اللہ میری مدد کر۔۔۔" وہ روتے ہوئے بول رہا تھا اور کیف۔۔۔وہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ شدید ٹھنڈ میں بھی اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

"یہ۔۔۔یہ۔۔۔ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔الزام ہے یہ۔۔۔" کیف ہکلاتے ہوئے بولا۔ ایسی صورتحال کا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"اچھا تو کیا تم فلک بوس میں چھپ کر نہیں گھسے تھے؟ ارے تمہارا تو دوست بھی ایوشمتی کے سائے سے بیمار پڑا ہے۔" سلمان چیخ کر بولا۔

کیف کچھ بول نہیں پایا۔

"کبیر خان نے خود ان تینوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔۔۔یہ تینوں فلک بوس میں گھسے تھے۔ اور اب اس بدروح کا سایہ میرے گھر تک پہنچ گیا ہے۔" وہ پھر سے رونے لگا۔

مجمع میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگ کیف سے یوں دور ہوئے تھے جیسے کوڑھی کا مریض ہو۔

"لڑکے تم جو کوئی بھی ہو اپنا سامان سمیٹو اور نکلو یہاں سے۔۔۔" مجمع میں سے ایک بزرگ نما آدمی باہر نکلے اور سختی سے کہا۔

"دیکھیں بزرگوار۔۔۔! آپ لوگ جو سمجھ رہیں ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ الزام ہے مجھ پر۔۔۔" کیف نے سمجھانا چاہا۔

وہ لوگ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"تم لوگ فلک بوس میں داخل ہوئے تھے؟" اس بزرگ نے درشتگی سے پوچھا۔

کیف گڑبڑا گیا۔

"جج۔۔۔جی۔۔۔وہ۔۔۔" وہ بری طرح ہکلا رہا تھا۔

"تم لوگ چھپ کر داخل ہوئے تھے؟" اس بزرگ نے پھر سے سختی سے پوچھا۔

کیف کچھ بول نہیں پایا۔

"دیکھو لڑکے۔۔۔اب تمہیں ہم یہاں محلے۔۔۔بلکہ بستی میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔تمہاری حرکت سے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی۔سامان اٹھاؤ اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔" ایک نوجوان آگے بڑھا اور غصے سے بولا۔

کیف پریشانی سے ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ دو تین اور لمبے چوڑے لڑکے بھی اس بزرگ کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔ان کے تیور اچھے نہیں تھے اور کیف فی الحال اکیلا تھا اور نہتا بھی۔

وہ نیچے جھک کر اپنا سامان سمیٹنے لگا۔

منٹوں میں سامان سمیٹ کر اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا تھا اور ایک نظر سلمان اور اس مجمع پر ڈالنے کے بعد وہ واپس مڑ گیا تھا۔

اس کے قدم ایک بار پھر سے فلک بوس کی جانب بڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

خوش نصیب اور منفرا اس وقت بیڈ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

خوش نصیب نے بچوں کا فیڈر تیار کر کے انہیں دودھ پلایا اور جب وہ دونوں میٹھی نیند سو گئے تو وہ منفرا کے پاس صوفے پر آ بیٹھی جو موبائل ہاتھ میں لیے ایک نئی امید کے ساتھ معاویہ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر بے سود۔۔۔اس کے چہرے پر موجود امید کی کرن جلد ہی دم توڑ گئی۔ایک سرد آہ بھر کر وہ خوش نصیب کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" منفرا نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

اپنے اپنے الجھے ذہنوں کو ایک دوسرے سے چھپائے وہ دونوں مسلسل ایک دوسرے کا دھیان بٹانے کی کوششوں میں تھیں۔

"نیک خیال ہے۔۔۔بہت زیادہ نیک۔۔۔میں بنا کر لاتی ہوں۔" خوش نصیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں۔۔۔آج تم بیٹھو میں تمہیں کافی پلاتی ہوں۔۔۔تمہیں کیا پتا میں کتنی اچھی کافی بناتی ہوں۔انگلیاں چاٹتی رہ جاؤ گی۔۔۔" منفرا نے دعوا کیا تو خوش نصیب ہنس پڑی۔"تم یہاں ہی رکو۔۔۔میں آتی ہوں۔"

منفرا اٹھ کھڑی ہوئی۔ان دونوں کے درمیان یہ خاموش معاہدہ ہو گیا تھا کہ بچوں کو کسی بھی لمحے اکیلا نہیں چھوڑنا ہے سو خوش نصیب نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ چند لمحے صوفے پر پہلو بدلتی رہی، پھر سامنے ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل فون اٹھا لیا۔

آج کیف سے مل کر اسے سب لوگ یاد آنے لگے تھے۔روشن امی، ماہ نور، نانی۔۔۔یہاں تک کہ فضل منزل کے تمام مکین۔۔۔

اس نے موبائل کی گیلری میں جا کر ایک فولڈر اوپن کر لیا تھا۔وہ فضل منزل کے مکینوں کی تصویریں تھی۔وہ ایک ایک تصویر کو

بغور دیکھتی جارہی تھی اور یہ کام وہ اکثر کرتی تھی۔ پھر تصویروں کو آگے کرتے کرتے وہ ایک تصویر پر تھم گئی سی تھی۔اس تصویر میں دو نفوس تھے۔ان میں سے ایک سے اسے شدید محبت تھی اور دوسرے سے بے تحاشہ نفرت۔۔۔وہ ماہ نور اور شامیر کی تصویر تھی اور ان چند تصویروں میں سے تھی جو ان دونوں کے نکاح کے موقع پر اتاری گئی تھیں۔ ماہ نور کی یہ ایک ہی تصویر اس کے پاس تھی جو عرفات ماموں کی مہربانی سے وہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکی تھی۔

منفرا جب کافی کے دو مگ ٹرے میں سجائے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بے دھیانی سے وہ تصویر کو تکتی چلی جارہی تھی۔

''خوش نصیب!'' منفرا نے اسے پکارا تھا لیکن اپنے خیالات میں گم اس کے کانوں یہ آواز سنی تھی لیکن دماغ تک اس پکار کی رسائی ممکن نہ ہوسکی تھی۔

منفرا نے جو اسے ایسے ہی اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے دیکھا تو تھوڑا آگے ہو کر موبائل کی سکرین پر نظر دوڑانے لگی اور تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ ساکت سی ہوگئی تھی۔

اس نے موبائل خوش نصیب کے ہاتھ سے لے لیا۔خوش نصیب چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔وہ ابھی بھی تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی۔

''یہ ماہ نور ہے۔۔۔میری بہن۔۔۔اور ساتھ اس کا شوہر۔۔۔شامیر۔۔۔میں نے بتایا تھا نا آپ کو۔۔۔'' منفرا کو پہلے ہی شک تھا سو وہ یقین میں بدل گیا۔ہاں یہ وہی شامیر تھا۔

''کیا بات ہے منفرا۔۔۔؟'' خوش نصیب نے اس کے کھوئے کھوئے انداز کو شدت سے محسوس کیا تھا۔

''یہ بندہ۔۔۔میں اسے جانتی ہوں۔۔۔'' اس نے جیسے اعترافِ جرم کیا تھا۔

خوش نصیب ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''آپ۔۔۔آپ اسے۔۔۔مگر کیسے؟''

''ہم لوگوں کا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔یہ اور اس کی ماں ہمارے پڑوس میں رہتے تھے۔ ایک زمانے میں اچھی دوستی تھی میری اور میرے بھائی کی اس سے۔۔۔''

''پھر۔۔۔؟'' خوش نصیب نے بے چینی سے پوچھا۔

''پھر یہ کچھ الٹے کاموں میں پڑ گیا تھا۔ بلیک میجک وغیرہ میں۔۔۔جب ہمیں اس بات کے بارے میں پتا چلا تو ہم لوگوں نے اس سے دوستی ختم کر دی۔'' منفرا نے بات مکمل کر کے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ہاں۔۔۔میں جانتی ہوں وہ ان سب کاموں میں ملوث ہے۔'' خوش نصیب نے اداسی سے کہا۔دل ہی دل میں اس نے ماہ

http://kitaabghar.com

نور کی سلامتی کی دعا مانگی تھی۔

"مگر یار جہاں تک مجھے پتا ہے اس بندے کے ساتھ تو۔۔۔" منفرا کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ کبیر بابا تھے۔ منفرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

"بی بی باہر وہ لڑکا کیف پھر سے آیا ہے۔" بابا کبیر نے خوش نصیب کو بتایا تھا۔

"کیف۔۔۔" خوش نصیب کو حیرت ہوئی۔ "اچھا میں دیکھتی ہوں۔"

پھر وہ منفرا کی جانب مڑ گئی۔

"منفرا میں ابھی آرہی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" منفرا نے مسکرا کر اجازت دی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

"بی بی! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔" خوش نصیب کے باہر جاتے ہی کبیر نے منفرا کو مخاطب کیا تھا۔

"جی بولیے بابا۔۔۔" اس نے موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بی بی وہ لڑکا اپنا سارا سامان بھی ساتھ لے کر آیا ہے۔" کبیر نے شکایتی لہجے میں کہا۔

منفرا کو یہ بات سن کر بڑا سکون محسوس ہوا تھا۔ اگر کیف سامان ساتھ لایا تھا تو یقیناً وہ خوش نصیب کی بات مان گیا تھا اور اب فلک بوس میں ہی قیام کرے گا۔

"بی بی۔۔۔" کبیر نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر پھر سے پکارا تھا،

"ہاں۔۔۔ جی۔۔۔ جی۔۔۔" وہ اپنے خیال سے چونکی۔ "تو اچھی بات ہے نا کبیر بابا۔۔۔ وہ فلک بوس میں ہوگا تو کم از کم دوبارہ کوئی اندر گھسنے کی کوشش تو نہیں کرے گا۔"

"مگر بی بی! یہ پہلے بھی فلک بوس میں گھسا ہے ایک بار چوری کرنے کی نیت سے۔۔۔ معاویہ صاحب کو بتایا تھا میں نے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر کل رات فلک بوس میں کوئی گھسا تھا تو وہ اس لڑکے کی ہی حرکت ہے۔" کبیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

"بابا وہ خوش نصیب کا کزن ہے۔ اچھے گھر کا لڑکا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسی کوئی فضول حرکت کر سکتا ہے۔ آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" منفرا نے اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دی۔

"بی بی! معاویہ صاحب اس بات سے بہت ناراض ہوں گے اگر آپ نے اس لڑکے کو یہاں رکھوایا تو۔۔۔"

اس بار کبیر نے معاویہ کا نام لے کر ترپ کا پتا استعمال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن منفرا کو اس کی بات بہت ناگوار گزری تھی۔

''آپ معاویہ کی فکر مت کریں۔۔۔میرا خیال ہے بابا کہ یہ میرا اور معاویہ کا گھر ہے۔۔۔یہاں کون رہے گا کون نہیں اس کا فیصلہ آپ ہم پر ہی چھوڑ دیں تو اچھا رہے گا۔''اب کی بار منفرا کے لہجے میں تلخی تھی۔

کبیر خاموش ہو گیا۔اسے احساس ہو گیا تھا کہ منفرا اس کی بات نہیں سنے گی۔

''آپ جا سکتے ہیں۔۔۔کوئی کام ہو گا تو میں بلالوں گی۔''منفرا نے سنجیدگی سے اسے وہاں سے جانے کو بول دیا تھا۔

سر جھکائے گہری سوچ میں گم وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک بار پھر سے وہ فلک بوس کے سامنے کھڑا تھا۔فرق صرف یہ تھا کہ اس بار وہ خالی ہاتھ نہیں تھا بلکہ سامان بھی ساتھ لایا تھا اور سر شرمندگی سے تھوڑا سر بھی جھکا ہوا تھا۔

مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔۔۔۔

اس نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔کیا تھا جو وہ خوش نصیب کے سامنے اپنی زبان کو تھوڑا قابو میں رکھ لیتا تو اب اسے پناہ تو مل ہی جاتی۔۔۔اب بھلا خوش نصیب کی باتوں سے اسے کون بچا سکتا تھا۔

اس نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔اسے کچھ انتظار کرنا پڑا تھا۔پھر اس نے کبیر خان کو فلک بوس کے داخلی دروازے پر نمودار ہوتے دیکھا۔وہ اندر کی جانب سے آ رہا تھا۔کیف کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا اسے دیکھ کر۔۔۔

دوسری جانب وہ بھی کیف کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔اس نے باہر آ کر کیف کے منہ لگنے سے بہتر سمجھا کہ اندر سے خوش نصیب کو بلا دے۔اب تک اسے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ کیف خوش نصیب ک کزن ہے۔اور خدا جھوٹ نہ بلوائے۔۔۔کیف اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دل ہی دل میں خوش نصیب کی جانب سے بھی ٹھٹک گیا تھا۔

کیف نے اسے واپس مڑتے دیکھ لیا تھا۔اسے امید تھی کہ وہ خوش نصیب کو اس کی آمد کی اطلاع دے دے گا۔سو وہ صبر سے انتظار کرنے لگا۔دس منٹ بعد خوش نصیب اسے فلک بوس کے داخلی دروازے سے باہر آتی دکھائی دی۔اس نے ایک گہرا سانس بھرا اور خود کو ورلڈ وار تھری بہ ہتھیار زبان لڑنے کے لیے تیار کر لیا۔

خوش نصیب پھاٹک کے پاس پہنچ گئی تھی،لیکن اس نے دروازہ کھولنے یا کیف کو اندر بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔کیف پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس کی نظریں کیف کے سامان کا جائزہ لینے لگی تھیں۔

''خیریت؟اب یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''اس نے مشکوک سے انداز میں کیف کو گھورتے ہوئے جیسے پتھر مارا تھا۔

''ہاں۔۔۔وہ۔۔۔بس۔۔۔مجھے تم پر ترس آ گیا۔سوچا کہ تم نے خود بلا کر مدد مانگی ہے تو تمہیں مایوس نہ کروں۔'' کیف نے

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

بہانہ بنایا۔

خوش نصیب ابھی بھی اسے مشکوک سے انداز میں گھور رہی تھی۔ نظریں اس پر ٹکائے اس نے پھاٹک کھولا تھا اور دو قدم باہر آ کر پھاٹک سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"کاش میں تمہیں جانتی نہ ہوتی تو ضرور اس بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی۔۔۔"

پھاٹک سے ٹیک لگائے اس نے بازو سینے پر باندھے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ کسی وکیل کی طرح بول رہی تھی اور کیف کو اپنا آپ کٹہرے میں کھڑا محسوس ہوا تھا۔ اور سامنے کھڑی وکیل صاحبہ کو مطمئن کرنا ناممکن۔۔۔

"مم۔۔۔ مطلب کیا ہے تمہارا؟ ایک تو میں مدد کرنے کو واپس آیا ہوں اور مجھے ہی آنکھیں دکھا رہی ہو۔"

"اچھا۔۔۔ چلو مان لیا تم ہماری مدد کو آئے ہو۔۔۔" خوش نصیب نے اثبات میں سر ہلایا اور ساتھ ہی اگلا سوال داغا۔ "یہ سامان۔۔۔ یہ کس خوشی میں سمیٹ لائے ہو؟"

"دیکھو۔۔۔ مجھے لگا تم لوگوں کا یہاں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے میں اپنا سامان ساتھ لے آیا تا کہ یہاں تم لوگوں کے ساتھ ہی رہوں جب تک یہاں سے جانے کا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے۔" اس نے بڑے معتبر سا ہو کر جواب دینے کی کوشش کی۔

"اچھا۔۔۔" خوش نصیب نے اچھا کو کھینچ کر ادا کیا۔ "کیف صابر۔۔۔ کاش تم اتنے ہی اچھے ہوتے یا میں سچ میں تمہیں جانتی نہ ہوتی۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ تم میری مدد کو واپس آؤ گے لیکن اتنی جلدی آنے والے میں سے نہیں ہو تم۔۔۔ کم از کم دو دن تو تم مجھے شکل بھی نہ دکھاتے ہاں اس کے بعد آ جاتے احسان کرنے کے لیے۔۔۔ مگر یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔۔۔ جناب کیف صاحب دو دن تو کیا دو گھنٹے بھی صبر نہیں کر پائے اور سامان اٹھائے واپس آ گئے۔۔۔" وہ کیف کو بھگو بھگو کر مار رہی تھی۔

بات ختم کرتے کرتے خوش نصیب کے چہرے پر بے ساختگی بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ کیف کی نظر اس کی مسکراہٹ پر پڑی اور وہ پھر وہ نظر اس مسکراہٹ میں ہی کہیں اٹک گئی۔

"شکر ہے تمہیں کم از کم اتنا یقین تو تھا کہ میں دیر سے ہی سہی مگر آ جاؤں گا۔" کیف نے نرمی بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب نے اس کی بات پر بے ساختگی سے اسکی جانب دیکھا اور نظر ہٹا نہیں پائی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو خاموشی سے تکتے چلے گئے۔ گویا وہ پھر سے چار سال پہلے والے کیف اور خوش نصیب بن گئے ہوں۔ وہ اس لمحے کی قید میں تھے، اس میں جی رہے تھے۔ پچھلے تین چار سال تو گویا ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے۔

خوش نصیب کو کیف کی نگاہوں اور اپنی مسکراہٹ کا جیسے ہی ادراک ہوا وہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کا ساتھ چھوڑ گئی۔

کیف نے جب اس مسکراہٹ کو غائب ہوتے دیکھا تو فوراً اپنی نظر اس کے چہرے سے ہٹا لی تھی گر اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں سے جدا نہیں کر پایا تھا۔

''زیادہ۔۔۔فری۔۔۔ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔'' وہ کہتے ہوئے جانے کیوں ہکلائی تھی۔'' سچ سچ بتاؤ کیا ہوا ہے جو سامان اٹھا کر یہاں آ گئے ہو؟''

''یار۔۔۔!وہ۔۔۔یہ سب اس بابا کبیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' کیف نے خفگی سے کہا۔

''بابا کبیر کی وجہ سے؟ کیا مطلب؟''

'' ہاں۔۔۔اس نے بستی میں مشہور کر دیا ہے کہ میں فلک بوس میں چوری کی نیت سے داخل ہوا تھا۔ اور بستی والے میرے اتنا خلاف ہوئے ہیں کہ بستی سے باہر نکل جانے کا آرڈر پاس کر دیا ہے۔اگر سامان اٹھا کر وہاں سے نہ نکلتا تو وہ لوگ تو شاید میرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پہاڑی کالے کوؤں کو کھلا چکے ہوتے۔'' کیف نے جھرجھری لے کر بچوں کے سے انداز میں منہ پھلائے کر کہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟ ان لوگوں نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟'' خوش نصیب اس کی آخری بات پر ٹھٹکی تھی۔

کیف کو خوش گواری کے احساس نے گھیر لیا۔کتنا اچھا لگ رہا تھا خوش نصیب کو اپنے لیے فکر مند ہوتے دیکھنا۔

''نہیں۔۔۔ان لوگوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ایسا کچھ ہونے سے پہلے ہی میں نکل آیا تھا وہاں سے۔۔۔ویسے بھی کبیر خان سے ان لوگوں کا ناتا مجھ سے کہیں پرانا ہے۔ میں کوشش کرتا تب بھی وہ لوگ میری بات کا یقین نہ کرتے۔۔۔''

''شکر ہے۔۔۔'' خوش نصیب نے پرسکون ہو کر کہا۔'' مگر بابا کبیر ایسا کیوں کریں گے؟ کہیں تم نے سچ میں ایسی کوئی حرکت تو نہیں کی تھی کیف؟'' خوش نصیب نے اسے گھور کر کہا۔ساری فکر مندی اس کی خیریت جانتے ہی ہوا ہو گئی۔

''میں سب بتاتا ہوں تمہیں تفصیل سے۔۔۔میں فلک بوس میں چھپ کر داخل ضرور ہوا تھا لیکن چوری کی نیت سے بالکل نہیں۔۔۔''

''اچھا بتاؤ پھر۔۔۔کیوں آئے تھے۔۔۔تمہیں احساس بھی ہے کہ تمہاری یہ حرکت شیرازی خاندان کو میرے بھی خلاف کر سکتی ہے۔'' خوش نصیب بھنچی ہوئی آواز میں بولی۔اسے بہت بری لگ رہی تھی کیف کی یہ حرکت۔۔۔

''بتا دوں گا۔۔۔لیکن کم از کم مجھے اندر تو آ لینے دو۔۔۔تمہیں تو احساس بھی نہیں ہے کہ یہاں باہر کتنی سردی ہے۔صبح سے بھاگ بھاگ کر میرا برا حال ہو گیا ہے اور پھر میں بھوکا بھی ہوں۔'' اس نے بیچارگی سے کہا تھا۔

''ہونہہ۔۔۔اب معلوم ہو گیا ہو گا کیف صاحب آپ کو کہ لوٹ کر بدھو گھر کو آئے اصل میں کہتے کسے ہیں۔۔۔'' خوش نصیب طعنہ دینے کے سے انداز میں بولی تھی۔

کیف سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

آسمان گہرے سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تیز ہوا کے جھونکے جب جسم سے ٹکراتے تو کپکپانے پر مجبور کر دیتے۔ شام میں ہی رات کا سما بندھ گیا تھا۔

خوش نصیب نے پیچھے ہٹ کر پھاٹک کو وا کر دیا۔ چوں کی وحشت زدہ سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

''آیئے کیف صاحب! تشریف لایئے۔۔۔''

کیف نے ایک گہری سانس بھری اور فلک بوس کے پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا۔

اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔۔۔ کچھ بہت خاص۔۔۔ کچھ بہت اہم۔۔۔

☆......☆......☆

''تم یہاں بیٹھو۔۔۔ میں مسز معاویہ کو بلا کر لاتی ہوں۔'' خوش نصیب اسے ہال میں رکھے صوفے پر بیٹھنے کا بولتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

کیف نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس ہال کا جائزہ لیا۔ اس نے اپنا سامان داخلی دروازے کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہال کی چھت کے ساتھ بڑا سا فانوس لگا رہا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز کو زینت بنایا گیا تھا۔ اسی ہال سے دوسری منزل پر جاتی ہوئی سیڑھیاں بھی دکھائی دیتی تھیں۔ فلک بوس باہر سے جتنا خوبصورت دکھائی دیتا تھا، اندر سے اس سے کئی گنا زیادہ حسین تھا۔ وہ مرعوب سا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

خوش نصیب کی واپسی کچھ دیر بعد منفرا کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے کیف نے بازار میں منفرا کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سلام دعا کے بعد خوش نصیب نے ان لوگوں کا تعارف کروا دیا تھا۔

''تم سے مل کر خوشی ہوئی کیف۔۔۔ خوش نصیب سے تمہارے بارے میں کافی سنا ہے میں نے۔۔۔'' منفرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیف نے مسکرا کر خوش نصیب کی جانب دیکھا اور پھر شرارت سے بولا۔ ''اگر آپ نے میرے بارے میں خوش نصیب سے سنا ہے تو مجھے یقین ہے کہ میرا امیج تو بہت برا بنا ہوگا آپ کی نظر میں۔۔۔''

منفرا ہنس پڑی لیکن اس نے تائید یا تردید کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

''خوش نصیب! تم ایسا کرو کیف کو اپنا کمرہ دکھا دو۔۔۔ اور کیف آپ فریش ہو لو۔۔۔ اسکے بعد آپ سے تفصیل سے بات ہوگی۔''

خوش نصیب نے اثبات میں سر ہلایا اور کیف کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

''سامان اٹھا لوں میں۔۔۔'' وہ مڑ کر دروازے کے قریب گیا تھا اور پھر خوش نصیب کو آواز دی تھی۔ خوش نصیب کے قریب

آتے ہی اس نے اپنا بھاری بھرکم بیک پیک خوش نصیب کی بازوؤں میں پکڑا دیا۔

''میں مہمان ہوں۔۔۔سامان کمرے میں لے کر چلو۔'' بات پوری کرتے ہی وہ تیزی سے آگے چل پڑا تھا۔منفرا ہنس پڑی اور خوش نصیب کچا چبا دینے نظروں سے اس گھورتی ہوئی اس کے پیچھے آئی تھی۔

کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پھینکنے والے انداز میں بیک پیک نیچے رکھا تھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔کیف بھی مسکراتا ہوا پیچھے آ گیا تھا۔اسے جلدی فریش ہو کر نیچے آنے کی ہدایات دیتی ہوئی وہ واپس چلی گئی تھی۔

اس کی واپسی قریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔نہایا دھویا،فریش سا کیف۔۔۔خوش نصیب نے نظر بھر کر اس کی جانب دیکھا اور پھر چہرہ موڑ لیا۔

وہ لوگ کھانے کی میز پر آ بیٹھے تھے۔ منفرا نے اچھے میزبان کی طرح کیف کو کھانے کی شروعات کرنے کو کہا۔کیف نے پلیٹ میں تھوڑے چاول نکال لیے۔پہلے نوالہ منہ میں ڈالتے ہی سوال کیا گیا تھا۔

''یہ کھانا۔۔۔وہ بابا جی بناتے ہیں؟''اس نے نوالہ چباتے ہوئے پوچھا تھا۔

منفرا نے چونک کر اس کے سوال پر اس کی جانب دیکھا۔''نہیں۔۔۔وہ نہیں بناتے یہ کھانا تو۔۔۔'' کیف نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

''شکر ہے اللہ کا۔۔۔ورنہ مجھے تو وہ ضرور ہی زہر ڈال کر دیتے کھانے میں۔۔۔'' کیف مزے سے بولا۔

''اور وہ ایسا کیوں کرتے؟''منفرا نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے فلک بوس سے ان کی بھینس چوری کر لی تھی بس اس لیے۔۔۔'' کیف کندھے اچکا کر بولا۔

منفرا نے خوش نصیب نے جانب دیکھا۔

''میں خود نہیں جانتی مگر ان کا کہنا ہے کہ کبیر بابا نے پوری بستی میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ یہ فلک بوس میں چوری کی نیت سے اینٹر ہوئے تھے۔اور ان کا کہنا ہے کہ یہ الزام ہے۔''

''اور انہوں نے یہ کیوں کیا۔۔۔؟''منفرا نے کیف سے پوچھا۔

''یہ تو وہی بتا سکتے ہیں۔۔۔اللہ جانے کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔۔۔ویسے ان کی حرکتیں بڑی مشکوک سی ہیں۔۔۔مجھے تو لگتا ہے کہ فلک بوس کے نام کے ساتھ جس ایوشمتی کا ذکر کیا جاتا ہے۔۔۔ وہ بابا کبیر ہی ہے۔''وہ ناک چڑھا کر بولتا چلا گیا۔

منفرا بغور اس کی بات سن رہی تھی۔دل ہی دل میں تو وہ خود بھی بابا کبیر کی طرف سے مشکوک تھی۔

''تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم فلک بوس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔۔۔؟''خوش نصیب نے خفگی سے پوچھا۔

''ایکچویلی داخل تو ہوئے تھے۔۔۔لیکن چوری کرنے نہیں۔۔۔میرے دوست ساتھ تھے تو بس ان سے شرط لگ گئی تھی کہ فلک بوس میں داخل ہونا ہے۔۔۔'' کیف انہیں تمام بات تفصیل سے بتاتا چلا گیا۔

پھر کیف انہیں تمام تفصیل بتاتا چلا گیا۔اس نے معاویہ اردشیرازی کے بارے میں اپنے خیالات کو چھپا کر باقی تمام معاملات تفصیل کے ساتھ ان کو بتادیے۔حتیٰ کہ یاسر کی بے ہوشی اور بیماری کے بارے میں بھی۔

وہ دونوں بغور اس کی بات سن رہی تھیں۔

''مجھے خوش نصیب نے بتایا رات کو جو بھی آپ کے بیٹے کے ساتھ ہوا۔۔۔ وہ ٹھیک ہے؟''

''ہاں وہ ٹھیک ہے۔۔۔مگر میں بہت پریشان ہوں۔۔۔میں کہنا نہیں چاہتی مگر مجھے خود کبیر خان پر زیادہ بھروسا نہیں ہے۔۔۔ کچھ عجیب سی مشکوک حرکتیں ہیں ان کی۔''منفرا نے سنجیدگی سے کہا۔

''معاویہ واپس آجائیں تو میں ان سے اس بارے میں ضرور بات کروں گی۔''

''آپ لوگوں نے وہ کمرہ چیک کیا تھا جس کے باہر سے آپ لوگوں کو وسامہ ملا تھا؟''اس نے پوچھا۔

''خوش نصیب اور کبیر خان ہی گئے تھے چیک کرنے اور وہ کمرہ خالی تھا۔''منفرا مایوسی سے بولی۔

''مگر منفرا!میں کمرے میں خود نہیں گئی تھی۔بلکہ میں تو نیچے ہال میں بھی نہیں گئی۔کبیر بابا نے مجھے وہاں رک کرانتظار کرنے کو بولا تھا اور کمرہ وہ ہی جا کر چیک کر کے آئے تھے۔''

''ماشاءاللہ کس قدر عقل مند ہیں آپ خوش نصیب بی بی!اس نے آکر کہا کہ کمرہ خالی ہے اور تم نے مان بھی لیا۔اب ذرا اس جگہ کا حلیہ تو بتاؤ جہاں کمرہ ہے۔''

خوش نصیب اسے تفصیل کے ساتھ اس جگہ کے بارے میں بتانے لگی۔کیف ابتدائی چند علامات سے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں یاسر بے ہوش ہوا تھا اور یہ ساری بات اسی کمرے کے بارے میں تھی جہاں بقول یاسر کے کوئی چیز موجود تھی۔

'' خیر تو اب کیا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ کچھ بھی نہیں۔۔۔ہمیں معاویہ کا انتظار ہی کرنا ہوگا اور تھوڑا چوکنا رہنا ہوگا تاکہ دوبارہ ایسا کوئی واقعہ نہ ہو۔۔۔''منفرا نے کچھ سوچ کر کہا تھا

''وہ تو ٹھیک ہے مسز معاویہ!لیکن بچے کا یوں کمرے سے غائب ہونا۔۔۔یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔میں نہیں جانتا یہ کبیر خان کی حرکت ہے یا سچ میں یہاں کوئی سپر نیچرل پاور ہے لیکن ایک بات جو میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں سچ کو جان کر ہی رہوں گا۔''وہ ایک عزم کے ساتھ بولا تھا۔

''سچ جان ہی نہ جاؤ تم۔۔۔''خوش نصیب ناک چڑھا کر بولی۔''اتنے گٹس ہوتے تم میں تو بات ہی کیا تھی۔۔۔''

''انڈر ایسٹیمیٹ مت کرو مجھے۔۔۔تم سے کچھ زیادہ ہی گٹس ہیں مجھ میں۔۔۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں خود جا کر اس روم کو چیک کروں گا۔ دیکھتا ہوں کون سی ایوشمتی گھسی بیٹھی ہے اندر۔۔۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

خوش نصیب پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔۔۔۔

''زیادہ خود کو ہیرو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ٹام کروز نہیں ہو تم۔۔۔۔کوئی ضرورت نہیں ہے اس کمرے کے پاس دوبارہ جانے کی۔''اس نے خفگی سے کہا تھا۔

کیف کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ منفرا نے بھی اسے ٹوک دیا۔

''خوش نصیب ٹھیک کہہ رہی ہے کیف! بہتر ہوگا کہ اس موقع پر کوئی بھی کام سوچے سمجھے بغیر نہ کیا جائے۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔جیسا آپ لوگ چاہیں۔۔۔۔'' کیف نے سعادتمندی سے سر ہلا دیا۔

لیکن دل ہی دل میں وہ آج رات ہی اس کمرے میں جانے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔

باتوں کا رخ مڑ گیا۔کیف اب منفرا کو خوش نصیب کے بچپن کے کارناموں کے بارے میں بتا رہا تھا۔منفرا ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی جبکہ خوش نصیب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیف کو سامان سمیت فلک بوس سے باہر پھینک دے۔

☆......☆......☆

کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔منفرا بہت دلچسپی سے کیف سے باتیں کر رہی تھی۔کیف باتیں کرتا جاتا اور ساتھ ساتھ کسی نہ کسی بات پر خوش نصیب کو بھی چھیڑ دیتا۔کسی بات پر وہ منہ توڑ جواب دیتی اور کچھ باتوں پر غصہ پینے کی کوشش کرنے لگتی۔ نو بجے کے قریب وہ لوگ سونے کے لیے اٹھ گئے تھے۔

کیف اپنے روم کی طرف چلا گیا تھا اور وہ دونوں دوسرے کمرے میں آ گئی تھیں۔منفرا نے تو میگزین اٹھا لیا اور خوش نصیب بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئی۔بچوں کے کام نمٹانے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں ابھی تک کیف کی باتیں گونج رہی تھیں اور اس کا دل جلا رہی تھیں۔دس بجے کے قریب اس نے ہدیٰ کو سلانے کے بعد اس کے کاٹ میں لٹا دیا۔وہ چاہ کر بھی کیف کو ذہن سے جھٹک نہیں پا رہی تھی۔

''بدتمیز۔۔۔'' وہ منہ میں بڑبڑائی۔

''ہممم؟ کچھ کہا تم نے؟''منفرا نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''نہیں۔۔۔وہ۔۔۔منفرا مجھے کیف سے کچھ کام ہے۔۔۔کچھ بات کرنی ہے۔میں ابھی آتی ہوں۔'' خوش نصیب نے جھجک کر کہا۔

''اوکے۔۔۔''منفرا نے لاپروائی سے اسے اجازت دے دی۔

وہ کمرے سے نکلی اور تیز تیز چلتی ہوئی اس راہداری کے آخری کمرے کی جانب آ گئی۔جب تک کیف کو تین چار طعنے نہ دے لیتی

http://kitaabghar.com

اسے سکون نہیں آنا تھا۔

''کتنا شوخا بن رہا تھا منفرا کے سامنے۔۔۔'' خوش نصیب نے خفگی سے سوچا۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹا کر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔۔۔لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد اس نے ذرا زور سے دروازہ بجایا تھا۔۔۔ساتھ ہی کیف کو پکارا بھی تھا۔ لیکن جواب ندارد۔۔۔

اس کا دل یکدم مٹھی میں جکڑا گیا تھا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ خوش نصیب نے آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ بھی چیک کیا لیکن وہ پہلے ہی کھلا تھا۔

''یا اللہ خیر۔۔۔''

وہ حواس باختہ سی منفرا کو بتانے کے لیے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

☆......☆......☆

طاقتور ٹارچ کی روشنی میں وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی جب کہ دوسرے ہاتھ میں اس نے اپنی حفاظت کے لیے ایک تیز دھار چاقو پکڑ رکھا تھا۔

اس نے کمرے میں جانے کے بعد زیادہ وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ ٹارچ لے کر کمرے سے نکل کر کچن میں آیا تھا۔ وہاں سے ایک تیز دھار چاقو حاصل کر کے وہ تیزی سے اس راستے پر آگے بڑھا تھا جس راستے سے کبیر خان ان لوگوں کو واپس لایا تھا جب وہ چھپ کر فلک بوس میں داخل ہوئے تھے۔

تھوڑی مشکل پیش آئی لیکن وہ جلد ہی اس ہال میں پہنچ گیا تھا جہاں سے تین راہداریاں نکلتی تھیں، اور ایک دروازہ تھا جو یقیناً کسی کمرے میں کھلتا تھا۔ اور مسئلہ اسی کمرے کا تھا۔۔۔

کیف نے چند لمحے رک کر اپنا پھولا ہوا سانس بحال کیا تھا۔ پھر احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔ اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اتنی سردی کے باوجود بھی وہ اپنی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کے قطرے ابھرتے محسوس کر سکتا تھا۔

دروازے کے سامنے ایک لمحے کو رک کر اس نے سن گن لینے کی کوشش کی تھی۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔

اس نے آہستہ سے دروازے کا ہینڈل گھمایا تھا۔

☆......☆......☆

''منفرا۔۔۔منفرا۔۔۔'' خوش نصیب اسے باہر سے ہی پکارتی ہوئی حواس باختہ سی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

منفرا جو بستر پر نیم دراز ہو چکی تھی، خوش نصیب کی اونچی آواز پر تیزی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا خوش نصیب۔۔۔؟'' اس نے بستر پر سے اٹھتے ہوئے پریشانی سے خوش نصیب سے پوچھا تھا۔

''منفرا۔۔۔وہ کیف۔۔۔۔'' خوش نصیب اتنی حواس باختہ تھی کہ لفظ اس کے منہ سے ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

''کیا ہوا کیف کو؟'' منفرا نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا تھا۔

''وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔۔۔میں ابھی دیکھ کر آئی ہوں۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''خوش نصیب۔۔۔جسٹ ریلیکس۔۔۔کیف بچہ نہیں ہے۔۔۔یہاں کہیں ہی ہو گا۔''

''نہیں منفرا مجھے یقین ہے کہ وہ اس کمرے کی جانب گیا ہے۔ یا اللہ۔۔۔۔منفرا کیف کو کوئی نقصان پہنچا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔'' اس کا ضبط یہاں تک ہی تھا۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر خود ہی اس کے گالوں پر بہہ نکلے تھے۔

''خوش نصیب یہاں بیٹھو۔۔۔۔'' منفرا نے اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ ''اور میری بات غور سے سنو۔۔۔ریلیکس رہو۔۔۔ وہ اتنا بیوقوف نہیں ہے کہ منع کرنے کے باوجود اس کمرے کی جانب جائے۔''

''آپ نہیں جانتیں اسے منفرا۔۔۔وہ اس سے زیادہ بیوقوف ہے۔ جو ٹھان لیتا ہے وہ کر کے ہی چھوڑتا ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔ ''آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہیں۔۔۔ اسے خطرہ ہے۔۔۔ وہ ابو شمتی ہو یا کوئی چور۔۔۔وہ نقصان پہنچا سکتا ہے اسے۔۔۔۔''

منفرا حیران پریشان اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا خوش نصیب! تم اس کے لیے اتنی پریشان کیسے ہو سکتی ہو جس کی کل تک شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ جس سے تم نفرت کرتی ہو اور اس وقت تم۔۔۔۔''

خوش نصیب منفرا کی شکل تکتی رہی جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

چند لمحوں کے لیے وہ خاموش رہ گئی تھی۔ پھر بولی تو اس کی آواز میں بیچارگی نمایاں تھی۔

''فیملی کے نام پر صرف ایک ہی رشتہ باقی ہے میرے پاس منفرا۔۔۔ اسے کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔'' وہ رو دی تھی۔ ''مزید خود پر، اپنی ذات پر ڈالنے کی ہمت نہیں وہ جو بھی ہے، جیسا بھی ہے۔۔۔ مجھے محبت ہے اس سے۔۔۔ابھی سے نہیں، ہمیشہ سے محبت کرتی آئی ہوں میں اس سے۔۔۔''

وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

اس نے آہستہ سے دروازے کا ہینڈل گھمایا تھا۔ دروازہ لاک تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا تھا کیونکہ کی ہال میں چابی بھی موجود نہیں تھی۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ کوئی متبادل راستہ تلاش کیا جاتا۔

وہ دروازے کے ساتھ والی راہداری میں داخل ہو گیا تھا۔ راہداری میں چلتے ہوئے اسے کئی دروازے نظر آئے تھے۔ وہ اندازے سے ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو اس کے مطلوبہ کمرے کی پچھلی سائیڈ پر ہو سکتا تھا۔ یہ کمرہ بھی اصل میں کسی بیڈ روم نہیں بلکہ ایک چھوٹی راہداری میں کھلتا تھا۔ اس راہداری میں سے اوپری منزل پر جانے کے لیے سیڑھیاں موجود تھی۔ جب کہ ایک بڑی سی کھڑکی موجود تھی۔ امید واثق تھی کہ یہ کھڑکی اسی کمرے کی تھی۔ کھڑکی کے آگے ایک گہرے رنگ کا پردہ پڑا تھا۔ اس نے کھڑکی ک چوکھٹے پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنے کی کوشش کی۔۔۔ حیران کن طور پر کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ کیف اگلے ہی لمحے کھڑکی پر چڑھ کر اندر کود چکا تھا۔ اس نے پردہ سامنے سے ہٹاتے ہوئے ٹارچ روشن کرنا چاہی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اس کی نظر سامنے کی دیوار پر پڑ گئی تھی۔ لمحہ بھر میں اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

☆......☆......☆

چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ زار زار رو رہی تھی۔ منفرا کے چہرہ ر بے ساختگی بھری مسکراہٹ بکھر گئی اس نے آگے بڑھ کر خوش نصیب کو ساتھ لگا لیا۔

"اچھا اب ایسے رو تو مت۔۔۔ سنو۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔" منفرا نے زبردستی خوش نصیب کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔ "مجھ سے وعدہ کرو کہ جب کیف مل جائے گا تو تم اسے بھی یہ بات بتاؤ گی۔"

خوش نصیب سوں سوں کرتی اس کی شکل دیکھتی رہی۔۔۔

"بتاؤ گی نا؟" منفرا نے پیار سے پوچھا تھا۔

خوش نصیب نے اپنے گال صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو آؤ پھر ڈھونڈتے ہیں تمہارے کیف صاحب کو۔۔۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے منفرا بولی تھی۔

دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔

منفرا نے سب سے پہلے کیف کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ کمرہ خالی ہی تھا۔ وہ آس پاس کے باقی کمرے چیک کرنے لگی۔ دس مندرہ منٹ میں خوش نصیب جھنجھلا گئی۔

"منفرا یہاں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے یقین ہے وہ اسی کمرے کی طرف گیا ہے۔ بہت اچھے سے جانتی ہوں میں اسے۔"

http://kitaabghar.com

''اوکے چلو پھر وہاں جا کر ہی چیک کر لیتے ہیں۔'' منفرا نے حتمی انداز میں کہا۔

کمرے سے چابیوں کا گچھا لے کر تیز تیز چلتی ہوئی وہ دونوں دوسری منزل پر آئی تھیں۔ کیونکہ خوش نصیب دو بار اس جگہ آ چکی تھی سو وہاں پہنچنے میں انہیں کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا تھا۔ دس منٹ بعد ہی وہ اس دروازے کے سامنے کھڑی تھیں۔

منفرا نے ٹھنڈی سانس بھر کر خوش نصیب کو دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے خود کی رمق نمایاں تھی۔

''چلیں؟'' منفرا نے آخری بار پوچھا۔

خوش نصیب بول نہیں پائی تھی سو بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

منفرا نے آگے بڑھ کر لاک میں چابی گھمائی اور ہینڈل پر دباؤ ڈالا۔

دروازہ ایک چوں کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ اور اندر کا منظر دیکھ کر وہ دونوں اپنی جگہ خوف سے جم گئی تھیں۔

بالکل سامنے کمرے کے وسط میں ایک کرسی پڑی تھی جس پر کوئی سفید لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے لمبے لمبے بال تھے جو اس کے کندھوں چہرے اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے چہرہ اس حد تک جھکا رکھا تھا کہ بکھرے بالوں کے بعض نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی موم بتی تھی جس کی روشنی اس مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

موم بتی کی اس مدھم روشنی میں اگلی چیز جوان کے زاویہ نظر میں سمائی تھی، وہ کیف تھا۔ جو زمین پر چوکڑی مارے اکڑوں بیٹھا تھا اور ٹکٹکی باندھے موم بتی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں اپنی جگہ پتھر بنی کھڑی رہی تھیں۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

http://kitaabghar.com

دروازہ کھلنے کی آواز سے اس کرسی پر بیٹھے وجود کو ہلکا سا جھٹکا لگا مگر اس نے گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ وجود جیسے پہلے سے واقف تھا کہ وہ دونوں وہاں ضرور آئیں گی۔

دوسری جانب کیف کے وجود ہلکی سی جنبش بھی نہ ہوئی تھی۔ وہ جیسے ان دونوں کی موجودگی سے قطعی ناواقف تھا۔

خوش نصیب کی آنکھیں خوف سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخ پڑتی منفرا کا ہاتھ تیزی سے اس کے منہ پر آ ٹھہرا۔ خوش نصیب جو منفرا کی موجودگی کو یکسر فراموش کر بیٹھی تھی، اسکی اس حرکت پر بری طرح کسمسا کر رہ گئی۔ منفرا نے اس کے منہ کو ہاتھ کی مدد سے بند کیے کیے سختی سے نفی میں گردن ہلائی تھی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ خوشنصیب چیخنے کی غلطی نہیں کرے گی تو اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ وہ خوش نصیب کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے آگے بڑھی تھی مگر کیف کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ ٹھٹک گئی تھی۔

"بچے۔۔۔" وہ جیسے کراہی تھی۔ اسے یکدم اپنی بیوقوفی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

اس نے خوش نصیب کی جانب دیکھا تھا لیکن اس کی نظریں کیف پر تھیں۔ وہ مڑنا چاہتی تھی لیکن خوش نصیب نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا اور اسے کھینچتے ہوئے کیف کی طرف لے آئی تھی۔

وہ دونوں ہی خاموشی سے کیف کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

وہ سفید لبادے والی بول رہی تھی۔۔۔

"میں ایک راز ہوں۔"

☆......☆......☆

میں ایک راز ہوں۔۔۔

ایک دست بستہ راز۔۔۔

ایک ایسا اسرار جو کئی سالوں سے قلعہ فلک بوس کی دیواروں سے لپٹا ہوا ہے اور بشام کے پہاڑوں میں گشت کرتا پھرتا ہے۔۔۔

میرے نادیدہ وجود سے بہت سے قصے مشہور ہوئے اور فلک بوس کی دیواروں پر اپنا نقش چھوڑ کر ان حسین وادیوں میں گم ہو گئے۔

میں، ایک سوال ایک معمہ۔۔۔

ایک نہ سلجھنے والی گتھی۔۔۔

میں ایک ہیولا، جو احساس کی چوکھٹ پر دستک دیتا ہے۔۔۔

دکھائی نہیں دیتا۔۔۔

میں سماعت کا وہ گمان۔۔۔جس کا مفہوم کبھی واضح نہیں ہوتا..

کیونکہ میں ایک سایہ ہوں۔۔۔

ایک آسیب۔۔۔

ایک بھٹکی ہوئی روح۔۔۔

جسے قلعہ فلک بوس کی دنیا میں بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی میرا مسکن یہی میری آماجگاہ۔

نہ میں اپنی تخلیق کے راز سے واقف نہ اپنے فنا سے آگاہ۔

میں فقط اک راز ہوں۔۔۔

ایک اسرار ہوں۔۔۔

قلعہ فلک بوس کا آسیب۔۔۔۔

ایک بھٹکی ہوئی روح۔۔۔

میں آیو شمتی ہوں۔۔۔۔

ہاں۔۔۔

میں آیو شمتی ہوں۔

اور لوگ سمجھتے ہیں میں ان کا وہم ہوں۔۔۔۔

ایک غلط فہمی۔۔۔

میں ان کو چھو کر گزروں تو ہوا کی سرسراہٹ۔۔۔

بات کروں تو سانپ کی پھنکار۔۔۔

کسی چیز کو گرا کر متوجہ کرنا چاھوں تو دہشت کا منبر۔۔۔

فلک بوس کے باسی۔۔۔مجھ سے ڈرتے ہیں،خوف کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔۔۔

وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تو وہ بھی مجھے نظر نہیں آتے۔۔۔

حالانکہ میں وہ ہوں۔۔۔

جو ان کے رازوں کی امین ہوں۔۔۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

میں نے وہ سب سنا جو کسی نے نہیں سنا۔۔۔

میں نے وہ سب دیکھا جو کبھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا گیا اور کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیا۔۔۔

وہ میری کہانیاں نگر نگر بیان کرتے ہیں لیکن میں نے ان کے راز آج تک فاش نہیں کیئے۔۔۔

کیوں نہیں کیا۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔

شائد اس لئے کیونکہ میں آیو شمتی ہوں۔۔۔

ہمیشہ زندہ رہنے والی۔۔۔

اور زندہ رہنے کے لئے بڑے کشٹ اٹھانے پڑتے ہیں۔

چپ رہنا پڑتا ہے۔۔۔ مگر اب میں چپ رہ رہ کر اکتا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں بولوں اور لوگوں کو وہ بتاؤں جو میرے دل میں آج تک چھپا رہا ہے۔ ان تمام الزاموں کی صفائی دوں جنہیں مجھ سے منسوب کر دیا گیا۔ میرے دل میں بہت سی کہانیاں دفن ہیں۔ کیا تم ان میں سے کوئی کہانی سننا چاہو گے؟

چلو میں تمہیں ان دو لڑکوں کی کہانی بتاتی ہوں جن کو میں ان کے بچپن سے دیکھتی آ رہی ہوں۔ جن کو میں نے معصوم ننھے بچوں سے جوان ہوتے دیکھا ہے۔ جن کے عروج سے لے کر زوال تک کی کہانی سے میں واقف ہوں۔ وہ دونوں بھائی ہر سال یہاں آتے تھے۔

ان میں سے ایک بڑا تھا۔۔۔ جس کی آنکھیں ذہانت سے چمکتی تھیں۔ عام سے نقوش جب سے بڑا پن جھلکتا تھا لیکن وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا۔ جس قدر عام شکل وصورت کا مالک تھا اس قدر اس کے لفظ خوبصورت تھے جو قلم سے نکلتے تو ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتے تھے۔

اور وہ۔۔۔ اس کا چھوٹا بھائی۔۔۔ وہ بے مثال تھا۔۔۔ وہ اتنا خوبصورت تھا کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔۔۔ جو اسے دیکھ لیتا نظر نہ ہٹا پاتا۔۔۔ وہ ایسا تھا کہ اگر نظر بھر کر کسی کو دیکھ لیتا تو اس انسان کو پتھر کا بنا ڈالتا۔۔۔ کسی ریاست کی مغرور شہزادے جیسا۔۔۔ جو گھوڑے پر سوار آتا تھا، دیکھتا تھا اور فتح کر لیتا تھا۔ وہ حسین تھا۔ خدا نے اسے اس قدر فرصت سے بنایا تھا کہ اگر لکھنے والے اس کی خوبصورتی پر لکھنا چاہیں تو لفظ کم پڑ جائیں۔۔۔

ہاں۔۔۔ وہ معاویہ تھا۔۔۔ معاویہ اردشیر ازی۔۔۔ فلک بوس کا مالک۔۔۔ فلک بوس کا شہزادہ۔۔۔

اور وہ دوسرا لڑکا۔۔۔ وہ وسامہ طالب تھا۔۔۔ مشہور لکھاری وسامہ طالب جو معاویہ کا بڑا بھائی تھا۔ اس کا کزن، اس کے ماموں کا بیٹا۔۔۔

ان دونوں کی مثال یک جان دو قلب کی سی تھی۔ معاویہ کے لیے وسامہ لازم وملزم تھا۔ وسامہ کی حیثیت سامری جادوگر کے اس طوطے کی سی تھی جس میں اس کی جان قید تھی۔

یہاں تک حالات ٹھیک ٹھاک تھے۔ مسئلہ تب شروع ہوا جب اس سامری جادوگر کا وہ طوطا اس کہانی کے تیسرے کردار کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔

ہاں اس کہانی میں ایک تیسرا کردار بھی تھا۔۔۔ اور وہ تھی آئے کت۔۔۔

آئے کت۔۔۔ جو آئی اور اس نے سب کی زندگیوں کا تختہ الٹ ڈالا۔۔۔

مجھے لگتا ہے تم ایسے نہیں سمجھ پا رہے۔۔۔ رکو۔۔۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتی ہوں۔ وہ سب تفصیلات جسے کوئی بھی نہ جان سکا۔

☆......☆......☆

وہ کمرہ نمبر ۴ کی مریضہ کو دوا کھلا کر کمرے سے باہر نکل رہی تھی جب وہ نوجوان بھاگتا ہوا آیا اور پوری طاقت سے اس ٹکرا گیا۔ وہ ہل کر رہ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی ٹرے زمین پر گری اور شیشے کی بوتلیں زمین پر گرتے ہی ایک چھناکے سے ٹوٹتی چلی گئیں اور ان میں بھری دوائی نے زمین پر کچھ نئے نقش و نگار بنا ڈالے۔ آئے کت نے دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو شاید اس وقت وہ بھی دوائیوں کے ساتھ زمین پر گری نظر آتی۔ اس نے تلملا کر اس پہلوان کو دیکھنا چاہا جس نے آکر اسے ٹکر ماری تھی۔

اور پھر وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔۔۔

وہ جو کوئی بھی تھا خوبصورت تھا۔۔۔

بے حد خوبصورت۔۔۔

ترکش ڈراموں کے ہیرو جیسا۔۔۔

وہ ہیرو جو اس کی کمزوری تھے۔۔۔

وہ خوبصورتی کے پیچھے دیوانی تھی۔ پھر چاہے وہ خوبصورت منظر ہوں یا خوبصورت انسان۔۔۔ وہ نظر نہ ہٹا پاتی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ لمحہ بھر میں ہی اس کا دل اس کے ہاتھوں سے نکل کر اس نوجوان کے قدموں میں لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھی اس نوجوان کو دیکھتی چلی جا رہی تھی جو تیز بولنے کے ساتھ ساتھ پیچھے کوریڈور کی جانب اشارے بھی کر رہا تھا۔ وہ ایک لفظ بھی نہ سن پائی۔ اس کی بات سننے کے لیے اس کا حواسوں میں آنا ضروری تھا۔

اس لڑکے کو جیسے ہی اپنی بات نہ سنے جانے کا احساس ہوا تھا، اس نے آئے کت کے کندھے کو دبوچ کر اسے ہلا ڈالا تھا۔

"آئے کت۔۔۔! آپ میری بات سن رہی ہیں؟ میرے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ آپ چل کر اسے دیکھیں۔"

آئے کت نے بڑی مشکل سے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹانے پر خود کو راضی کیا تھا۔ اس بندے کی خوبصورتی نے اسے اس بات پر بھی حیران نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اسے نام سے مخاطب کر رہا تھا جبکہ وہ اس سے پہلی بار مل رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

"میں۔۔۔میں۔۔۔ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ڈاکٹر کو بلانے کسی اور کو بھیجیں۔۔۔آپ میرے ساتھ چلیں آئے کت۔۔۔میرے بھائی کو فسٹ ایڈ کی ضرورت ہی فوراً۔۔۔" فرمائشی انداز۔۔۔

"دیکھئے میں صرف نرس ہوں۔ ڈاکٹر صاحب ڈیوٹی پر موجود ہیں میں ان کو بلالیتی ہوں۔ وہ آپ کے بھائی کو پروپرلی چیک کر لیں گے۔" آئے کت نے سمجھانا چاہا۔ اس کے حواس فی الحال اسے اجازت نہیں دے رہے تھے کہ وہ کسی مریض کو اکیلی ٹریٹ کر پاتی۔

"ارے تم میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔۔۔" وہ جھنجھلایا۔

اسی وقت اس کے دو اور ساتھی وہاں آ گئے تھے اور آئے کت سے ضد کرنے لگے کہ وہ چل کر ان کے پیشنٹ کو چیک کر لے۔

اسی وقت ڈاکٹر نعمان وہاں آ گئے تھے۔ ان کے وہاں آتے ہی باقی دو لڑکے تو وہاں سے کھسک گئے تھے۔ لیکن وہ لڑکا آگے بڑھ کر پرسکون انداز میں ڈاکٹر سے بات کرنے لگا تھا۔ اس گفتگو کے دوران آئے کت پرسکون ہو کر اس کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ ان کی گفتگو کے درواز ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ اس لڑکے کا نام معاویہ اردشیرازی تھا اور اس کا بھائی ہائی کنگ کے دوران سلپ ہو گیا تھا۔ اس کے پاؤں پر چوٹ آئی تھی۔ ڈاکٹر نعمان نے اس کی ساری بات سننے کے بعد آئے کت کو ساتھ آنے کو کہا تھا اور وہ لوگ اس کوریڈور کی طرف بڑھ گئے تھے جس طرف اس لڑکے کا بھائی ان کا منتظر تھا۔

☆......☆......☆

اپنی شفٹ ختم ہونے کے بعد وہ اسپتال کے باغیچے میں لگے ایک بینچ پر جا بیٹھی تھی۔ ہاسٹل جانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ ویسے بھی آج کل وہ ڈبل شفٹ میں کام کر رہی تھی۔ اس کا ذہن بھٹک بھٹک کر معاویہ اردشیرازی پر جا اٹکتا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اسے بھول نہیں پا رہی تھی۔

اور یہ تو اس کا بچپن کا مسئلہ تھا۔ وہ جب جب جہاں جہاں کوئی خوبصورت چہرہ، کوئی خوبصورت چیز یا منظر دیکھ لیتی تو گھنٹوں اسے اپنے ذہن سے جھٹک نہ پاتی تھی۔

وہ ترکی ہیرو جیسا لڑکا بھی اب اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ بنیادی طور پر ترکی اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔۔۔ اس کی پہلی محبت۔۔۔اور ترکی جانا اس کا بچپن کا خواب۔۔۔ایسا ہونا کوئی انہونی بات نہیں تھی۔

اس کی کہانی بہت مختصر تھی۔ اس کا باپ پاکستانی جب کہ ماں ترکی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا باپ کسی ڈگری کے حصول کے لیے ترکی گیا تھا۔ واپسی پر ڈگری تو وہ لایا ہی تھا ساتھ ساتھ اس کی ترکش بیوی اور چھوٹی سی آئے کت بھی ساتھ تھے۔ اس کے باپ کے خاندان کے لیے یہ بہت بڑا جھٹکا تھا کیونکہ ان کے خاندان میں رشتے خاندان کے اندر ہی کرنے کا رواج تھا۔ اس کے باپ کی منگنی بھی خاندان میں زبانی کلامی کی جا چکی تھی۔ آگے وہی ہوا جو ان حالات میں ہوتا ہے۔ اس کی دادی نے اپنا ڈوپٹہ بیٹے کے قدموں میں ڈال دیا اور اس کے

باپ کے سب دعوے پانی کا بلبلہ ثابت ہوئے۔

ٹھیک ایک مہینے بعد آئے کت کی ماں روتی دھوتی واپس ترکی چلی گئی تھی۔ اس کے کردار پر کچھ الزام لگائے گئے تھے اور وہ شاید اس کے باپ سے بے تحاشہ محبت کرتی تھی جو اس نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی تھی۔ زیادہ ظلم یہ تھا کہ آئے کت کو بھی ماں سے جدا کر دیا گیا تھا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تین سال بعد ہی ایک ایکسیڈنٹ میں آئے کت کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی زندگی میں بھی اس کی زندگی کچھ آسان نہیں تھی۔ اس کے ساتھ گھر والوں کا سلوک کسی ناجائز بچے کا سا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد تو کسی ہمدردی کی امید رکھنا ہی بے کار تھا۔ اس کے دادا دادی کا انتقال پہلے ہی ہو گیا تھا اور اس کی سوتیلی ماں اور تایا تائی اسے ساتھ رکھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اس کے ماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ آئے کت کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن اس کی ماں سے رابطہ نہیں ہو سکا۔

نتیجتاً اس کے تایا نے ایک دن اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے یتیم خانے میں چھوڑ گئے۔ پھر کبھی مڑ کر اس کی خبر نہ لی گئی۔

یہاں سے اس کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس کی عمر فقط پانچ سال تھی۔ اس کے ذہن پر جو ایک خوبصورت چہرہ نقش تھا وہ اس کی ماں کا تھا۔ ان کی کچھ تصاویر اب بھی اس کے پاس موجود تھیں۔ وہ خود بھی بہت خوبصورت بچی تھی اور اپنی ماں کی خوبصورتی پر دل و جان سے عاشق۔۔۔ وہ اکثر خواب بھی ایسے ہی دیکھتی تھی جس میں اس کی ماں پری کی صورت آتی تھی اور اسے اپنے ساتھ ترکی لے جاتی تھی۔ لیکن اس کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور وہ عمر کے مراحل طے کرتی چلی گئی۔

جیسے جیسے وہ بڑی ہوئی اس کے دماغ میں یہ بات پختہ ہوتی چلی گئی کہ اگر وہ کامیاب زندگی گزارنا چاہتی ہے تو اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ نمبر ایک آپ خوبصورت ہوں اور نمبر دو آپ امیر ہوں۔ وہ اپنے نام کی مانند خوبصورت تھی اور اب اسے پیسہ کمانا تھا۔ بے تحاشہ پیسا۔۔۔

اس نے پیسے کمانے کے طریقوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ جس یتیم خانے میں رہ رہی تھی وہاں سے آٹھ سے چودہ سال کے بچوں کو گھروں کے کام کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا اور یقیناً اس عمل سے جو پیسے ملتے تھے اس پر یتیم خانے کے مالک کا ہی حق تھا۔ آئے کت کو بھی کام کرنے کے لیے بھیجا جانے لگا۔ سب سے پہلے اسے ایک ایسے گھر میں کام دلایا گیا جہاں کی مالکن کا اپنا ایک انسٹی ٹیوٹ تھا جہاں خواتین کو مختلف ہنر سکھائے جاتے تھے۔ یہ ادارہ اس نے اپنے گھر میں ہی قائم کر رکھا تھا۔ آئے کت نے وہاں سے دیکھ دیکھ کر نئے نئے ہنر سیکھنا شروع کیے۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے نٹنگ کا کام سیکھا لیکن مہارت حاصل کر لینے کے باوجود اس کام میں زیادہ پیسہ اس کے ہاتھ نہیں آ سکا۔ اس نے اپنی خوبصورتی کا فائدہ اٹھا کر پیسہ کمانے کے طریقوں پر غور کرنا شروع کیا اور پھر اس سے فائدہ بھی اٹھایا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ہاتھ کی صفائی پر بھی کام کیا اور جلد ہی اس کام میں بھی طاق ہو گئی۔ چھوٹی موٹی چوریاں اس کی عادت بنتی چلی گئیں۔

چودہ سال کی عمر میں وہ ایک اور گھر میں کام کرنے لگی جہاں اس کی دوستی اس گھر کے ڈرائیور کے ساتھ ہوگئی۔ آئے کت کی اٹھان اچھی تھی۔ سرخ وسفید رنگت، خوبصورت نقوش، وہ اپنی عمر سے کچھ بڑی دکھائی دیتی تھی۔ وہ ڈرائیور آئے کت کے عشق میں مبتلا تھا۔ دو سال تک وہ اس گھر میں ملازمت کرتی رہی تھی۔

لوکل لیول پر بنے ہوئے اس یتیم خانے میں سولہ سال کی عمر میں پہنچنے والی لڑکیوں کو جسم فروشی جیسے کاموں میں ملوث کر دیا جاتا تھا۔ آئے کت اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ شاید یہ کام بخوشی کر لیتی اگر اسے اس کام سے پیسے ملنے کی امید ہوتی۔ وہ جانتی تھی کہ گھروں میں کام کر کے کمائے جانے والے پیسوں کی طرح اس کام کے پیسے بھی مالکان کی جیب میں جائیں گے۔

ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد سولہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس ڈرائیور کی مدد سے یتیم خانے سے فرار ہوگئی۔ اس بندے نے آئے کت کو اپنے ایک دوست کی مدد سے اسے ڈاکٹر کے گھر میں کام دلوا دیا۔ آئے کت کی بھولی بھالی صورت نے اسے اس گھر کے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے میں بہت مدد دی۔ گھر کا مالک ایک مشہور و معروف ڈاکٹر تھا جس کا شہر میں اپنا ایک بڑا اسپتال تھا۔ آئے کت کی فرمائش پر اس نے آئے کت کو اپنے اسپتال میں نرسنگ کا کام سیکھنے پر لگا دیا۔ نرسنگ کا کام سیکھنے کے ساتھ ساتھ آئے کت نے جو کام کیا تھا وہ بڑے بڑے لوگوں سے کونٹیکٹس بنانے کا تھا۔ اس کام میں اس کی خوبصورتی نے اس کا بڑا ساتھ دیا تھا جس سے فائدہ اٹھانا وہ باخوبی سیکھ چکی تھی۔

نرسنگ کا کورس وہ مکمل کر ہی چکی تھی۔ اب وہ کچھ اور کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اس گھر کے مالک کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ ممکن تھا کہ وہ اس کام میں کامیاب بھی ہو جاتی لیکن وہ خدا خوف رکھنے والا شخص تھا، چنانچہ آئے کت نے بڑے آرام سے اس پر دست درازی کا الزام لگا دیا۔ بدنامی کے خوف سے بندے نے آئے کت کو کچھ رقم ادا کر دی اور آئے تک راتوں رات اس گھر، اس شہر اور وہاں کے لوگوں کی زندگی سے غائب ہوگئی۔

اور اب۔۔۔ وہ یہاں تھی۔۔۔ اس اسپتال میں اس نے اپنے کانٹیکٹس کو استعمال کر کے جاب حاصل کی تھی۔ پچھلے دو سال سے نرس کے فرائض انجام دے رہی تھی اور یہاں آ کر اس نے کوئی بڑا کارنامہ بھی سرانجام نہیں دیا تھا۔ وہ یہاں خود کو ایک قابل عزت انسان کے طور پر سامنے لائی تھی جو دل میں خوفِ خدا رکھتی تھی اور بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے یہ کام کر رہی تھی۔

یہ ایک مشہور و معروف اسپتال تھا۔ یہاں اسے اپنے کام کا اچھا معاوضہ مل جاتا تھا۔ لیکن صرف معاوضہ اس کے خواب پورے کرنے کے لیے کافی نہیں تھا۔ وہ کسی ایسے انسان کی تلاش میں تھی جو اس کا ہاتھ تھامے اور اس کے سارے خواب پورے کر دے۔

اور آج اسے اپنی منزل نزدیک آتی محسوس ہوئی تھی۔ معاویہ اردشیر ازی ہی وہ شخص تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ خوبصورت بھی تھا اور بے تحاشہ امیر بھی۔۔۔ اب اسے بس ایک پلان کی ضرورت تھی۔۔۔ اور پلان اس کے پاس تیار تھا جس پر عمل کرنے کی شروعات تو

وہ کر ہی چکی تھی۔

معاویہ اردشیرازی اپنے بھائی کو اسپتال لے کر آیا تھا جو ہائی کنگ کرتے ہوئے اپنے پیر کو زخمی کر بیٹھا تھا۔ معاویہ کے بے حد اصرار پر وسامہ کو اسپتال میں داخل کر لیا گیا تھا۔ حالانکہ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ وسامہ کو کوئی خطرناک چوٹ نہیں آئی اور اس کی موچ بھی جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی مگر اس کے بے حد اصرار پر معاویہ کو اسپتال میں داخل کر لیا گیا تھا بلکہ آئے کت کو خصوصی طور پر اس کی دیکھ بھال کے لیے بھی معمور کر دیا گیا تھا۔

پچھلے دو دن سے وسامہ اسپتال میں موجود تھا۔ اور ان دو دنوں میں معاویہ بھی زیادہ تر اسپتال میں ہی پایا جاتا تھا۔ ان دو دنوں میں ہی اس نے وسامہ سے اچھی سلام دعا کر لی تھی۔ وہ وسامہ کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ اگر چہ وسامہ کو کسی خاص دیکھ بھال کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر آئے کت اس پر بے حد مہربان تھی کیوں کہ وہ یہ جان چکی تھی کہ معاویہ وسامہ سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ اکثر بیٹھ کر وسامہ سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ اگر معاویہ موجود ہوتا تو وہ بھی ان کی باتوں میں شامل ہو جاتا تھا۔ آئے کت کو حیرانی ہوتی تھی کہ بھائی ہونے کے باوجود ان کی شکل وصورت میں اتنا تضاد کیوں تھا۔ معاویہ جس قدر خوبصورت تھا وسامہ اتنا ہی عام شکل وصورت بلکہ کسی حد تک بدصورت تھا لیکن یہ آئے کت کے خیالات تھے جس کی آنکھوں کو کوئی عام چیز جچتی ہی نہ تھا۔ اس کے خوبصوتی کے معیار بے حد بلند تھے۔

چنانچہ اس نے وسامہ کے بارے میں ایسا کچھ سوچنے کی زحمت بھی نہ کی جو وہ معاویہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اتنا تو وہ جان ہی چکی تھی کہ معاویہ ایک بے حد جذباتی اور کسی حد تک بے وقوف انسان تھا۔ وسامہ کی محبت میں وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اگر وہ اسے اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتی تو اس کے تمام خواب پورے ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی تھی۔

اپنے بارے میں ایک فرضی کہانی بھی آئے کت انہیں سنا چکی تھی جس کے مطابق اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور ماں ترکی میں رہتی تھی۔ وہ خود دو سال پہلے ترکی سے پاکستان آگئی تھی کیوں کہ اسے پاکستان بہت پسند تھا۔ اور نرسنگ اس کا جنون تھا کیوں کہ اسے لوگوں کی خدمت کر کے سکون ملتا تھا۔ وسامہ اس کے بارے میں جان کر بے حد امپریس ہوا تھا جس کا برملا اظہار بھی اس نے کیا تھا۔

☆......☆......☆

"ہاں جی اب کیا پلان ہے؟ تین دن ہو گئے ہیں تمہیں یہاں پڑے ہوئے۔۔۔ ایک لڑکی نہیں پھنسا سکے ابھی تک؟" معاویہ نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"لینگویج پلیز۔۔۔" وسامہ نے ناک چڑھائی۔ "تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں لڑکی پھنسا نہیں رہا۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وسامہ جھنجلا کر بولا۔

"ایک ہی بات ہے۔" معاویہ نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

http://kitaabghar.com

''ایک بات نہیں ہے یار۔۔۔'' وسامہ بے چارگی سے بولا۔ ''وہ بہت اچھی اور شریف لڑکی ہے۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو؟ اگر میں اسے پسند نہ آیا تو؟'' وسامہ کے لہجے میں انجانے خدشات بول رہے تھے۔

معاویہ کو وسامہ پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''کسی کی کیا مجال کہ میرے بھائی کو ریجیکٹ کرے۔۔۔ اتنا مت ڈرو وسامہ۔۔۔ وہ چاہ کر بھی تمہیں انکار نہیں کر پائے گی۔'' معاویہ نے پورے یقین سے کہا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے معاویہ! تمہارے نزدیک تو مجھ سے زیادہ اچھا اس دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔۔۔ لیکن یار۔۔۔'' وسامہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا کیونکہ معاویہ نے بور ہو کر درمیان میں ہی اسے ٹوک دیا تھا۔

''اوہ بس کر دو بھائی! خود کو انڈر ایسٹیمیٹ نہ کرو۔ کہاں ہے وہ سارے الفاظ جن کے ذریعے تمہارے ہیرو اپنی ہیروئن کو پرپوز کرتے ہیں۔۔۔ یاد رکھنا وسامہ اگر آج بھی تم نے اسے پرپوز نہ کیا تو یہ تمام تر لکھاری برادری کی ناک کٹ جائے گی۔'' معاویہ اسے ایموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وسامہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بولو۔۔۔؟ کرو گے نا آج تو پرپوز؟'' معاویہ نے منت بھرے انداز میں بات جاری رکھی تھی۔ ''یار! میں تنگ آ گیا ہوں ہاسپٹل کو دیکھ دیکھ کر۔۔۔''

وسامہ ہنس دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے صبح ختم کرو یہ ڈرامہ۔۔۔ بس ڈسچارج کرواؤں مجھے یہاں سے۔۔۔ پرپوز کرنے کو بعد میں دیکھ لیں گے۔۔۔''

''یعنی تم ہمت نہیں کرو گے۔۔۔؟'' معاویہ جھنجلایا۔

''یار مجھے تھوڑا ٹائم دو۔۔۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔۔۔'' وسامہ افسردگی سے بولا تھا۔

معاویہ اگلے کتنے ہی لمحے اسے خفگی سے گھورتا رہا تھا پھر جیسے تھک کر مسکرا دیا۔

''میں پرپوز کر دوں؟'' معاویہ کا لہجہ سراسر چڑاتا ہوا تھا۔

بے ساختہ مسکراہٹ وسامہ کے چہرے کو روشن کر گئی۔

''ہاں کر دو۔۔۔'' اس نے شرارت کا جواب شرارت سے ہی دیا تھا۔

معاویہ نے بھویں اچکا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ یہی لمحہ تھا جب کمرے کا دروازہ کھول کر آئے کت اندر داخل ہوئی تھی۔ معاویہ

نے چہرہ موڑ کر پیچھے دروازے کی جانب دیکھا پھر اس کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔

"ہاں بھئی شادی کروگی؟" وہ شرارت سے چمکتی آنکھیں آئے کت پر گڑی تھیں۔

وسامہ کو اس سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ ہڑ بڑا کر سیدھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ معاویہ کو ٹوکتا اس نے آئے کت کی آواز سنی تھی۔

"ہاں کروں گی۔۔۔"

وسامہ کا اپنے ہاتھ پاؤں شل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ خوشی کی انتہا پر پہنچ کر اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ آئے کت کے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وسامہ کچھ کہہ پاتا معاویہ "یا ہو۔۔۔" کا نعرہ لگا کر اس سے لپٹ گیا۔

"مبارک ہو بھائی! بھابھی مان گئیں۔۔۔" وہ خوشی سے چیخ رہا تھا۔

وسامہ خوشی کی شدت سے کچھ بول نہیں پایا۔ آئے کت شرما کر پلٹی تھی اور کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

"میں پروپوز کر دوں؟"

آئے کت دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے ہی والی تھی جب اس نے معاویہ کی آواز سنی اور وہ ٹھٹک گئی تھی۔

اسے دوپہر کے وقت کوریڈور میں ہونے والی مڈبھیڑ یاد آئی جس میں معاویہ نے اس کے لیے کسی سرپرائز کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی آنکھیں مٹکا کر کہا تھا کہ وہ کوشش کرے گا کہ آج وہ سرپرائز اسے ضرور مل جائے گا۔

لمحہ بھر میں ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔ اسے اپنے خواب۔۔۔ اپنا ارادہ بغیر کسی محنت کے پورا ہوتا نظر آیا تھا۔ اس نے مزید انتظار کرنا مناسب خیال نہ کیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

اس کے اندر داخل ہونے کی دیر تھی اور معاویہ اس کی جانب مڑ کر بولا تھا۔

"ہاں بھئی شادی کروگی؟" چہرے پر پیاری سی مسکراہٹ لیے وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کا پروپوزل بھی اس کی طرح منفرد تھا۔ بے نیاز سا انداز۔۔۔ جیسے شادی کا نہ پوچھ رہا ہو۔۔۔ کافی پلانے کی دعوت دے رہی ہو۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

ایک لمحہ کا بھی انتظار کیے بغیر اس کا سر اثبات میں ہل گیا تھا۔ "ہاں کروں گی۔۔۔" وہ بولی تھی۔

اور پھر چند ہی لمحوں میں پورا اسپتال جیسے اس کے سر پر آ گرا تھا۔ معاویہ اپنے بھائی کو مبارکباد دے رہا تھا۔ اس کے لیے بھابھی کا لفظ استعمال کر رہا تھا۔ آئے کت کو اپنے ہاتھ پاؤں سن ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ اسے کچھ لمحے لگے تھے اصل صورت حال سے واقف ہونے میں۔ اسے لگا تھا کہ وہ مزید کھڑی نہیں رہ پائے گی۔ وہ تیزی سے مڑی تھی اور قریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اس کے قدم اسٹاف روم میں آ کر تھمے تھے۔ وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ آنسو تیزی سے اس کی آنکھوں میں جمع ہوتے جا رہے تھے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی تبھی بے دردی سے آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔ اسے پلان بی کی ضرورت تھی۔

☆......☆......☆

''ہیلو۔۔۔'' وہ ایک دم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونک گئی۔

''ہائے۔۔۔'' آئے کت نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ معاویہ نے اس کے عمل کو غور سے دیکھا اور پھر شرارت سے ہنسا تھا۔

''بھئی میرے سامنے کیوں شرما رہی ہو؟ جس سے شرمانا ہے وہ تو کمرے میں پڑا ہے۔''

آئے کت نے اس کی شرارت کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''کوئی کام ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں۔۔۔ کام تو ہے۔۔۔ ایکچو لی مجھے کسی کام سے جانا ہے اور وسامہ کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ تو کیا تم کچھ دیر اسے کمپنی دے سکتی ہو؟'' اس نے زندہ دل سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے کہا تھا۔

''سوری معاویہ! میرے ڈیوٹی آورز ختم ہو چکے ہیں۔'' اس نے رخ موڑتے ہوئے کہا تھا۔

''یار۔۔۔! تھوڑی دیر کی بات ہے۔۔۔ وعدہ رہا میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔۔۔ پلیز نا۔۔۔ اسی بہانے تم وسامہ سے باتیں بھی کر لینا۔۔۔'' وہ شرارتی انداز میں کہہ رہا تھا۔

آئے کت اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

خوبصورتی سے متاثر ہونے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ آپ خوبصورت شکل والوں کی بات کو ٹال نہیں پاتے۔

''ٹھیک ہے۔۔۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی تھی۔ ''مگر پلیز جلدی واپس آ جانا۔۔۔ میں تھکی ہوئی ہوں اور مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔''

''تھینک یو سو مچ۔۔۔'' معاویہ خوشی سے بولا تھا۔

وہ ہاسپٹل سے باہر جانے والے راستے کی جانب مڑ گیا تھا جب کہ آئے کت وسامہ کے کمرے کی جانب چل پڑی تھی۔ اس کا ذہن مسلسل اس مصیبت سے نکلنے کے طریقے سوچنے میں مصروف تھا۔ اسے ہر حال میں وسامہ سے جان چھڑانا تھی۔ وہ کسی عام صورت انسان سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ بھی اس صورتحال میں کہ معاویہ کی صورت میں اس کا خوابوں کا شہزادہ اس کے سامنے تھا۔

http://kitaabghar.com

کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا تھا اور کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ وسامہ بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اسے اپنے اعصاب پرسکون ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وسامہ سو چکا تھا۔ پرسکون سانس بھرتے ہوئے وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑی چیزیں درست کرنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ کھڑکی کے پاس چلی گئی تھی اور پردہ کھسکا کر کھڑکی کھول دی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور اسے اپنا دماغ پرسکون ہوتا محسوس ہوا۔

کھڑکی سے ٹیک لگا کر اس نے منہ موڑا اور وسامہ کی جانب دیکھنے لگی۔

"تم کیوں آ گئے ہو۔۔۔ اس سب کے درمیان۔۔۔" اس نے جھنجھلا کر وسامہ کو خاموشی کی زبان میں مخاطب کیا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ پھر اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر وسامہ کے بیڈ کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور غور سے اسے دیکھنے لگی۔ جلد ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وسامہ سلیپ پیرالسس کا شکار ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بظاہر دیکھنے میں کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا مگر اس کے چہرے پر ہلکا سا اضطراب تھا۔ اس کے دائیں بازو کو ہلکی ہلکی جھٹکے لگ رہے تھے جب کے ہاتھوں کی انگلیاں قدرے اندر کو مڑی ہوئی تھیں جیسے وہ چادر کو تھامنے کی کوشش کر رہا ہو۔

سلیپ پیرالسس نیند کے دوران شعور اور لاشعور کے اس درمیانی حصے کو کہتے ہیں جہاں انسان کا دماغ نیند میں جاگ جاتا ہے لیکن جسم حرکت کرنے سے محروم رہتا ہے۔ اس حالت میں انسانی دماغ کوئی خواب دیکھ رہا ہوتا ہے اور کچھ غیر معمولی تصاویر انسانی دماغ میں ابھر آتی ہیں اور انسان خود کو ان غیر معمولی چیزوں کے ساتھ کمرے میں تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ سینے پر شدید بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے اور جسم کے حرکت نہیں کر پا رہا ہوتا۔ وہ اس حالت میں خود کو مردہ تصور کرتا ہے یا شدید خطرے میں۔ یہ حالت چند سیکنڈز یا منٹوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔ اس حالت میں اگر کوئی اور آپ کو جاگنے میں مدد دے تو اس حالت سے نکلنے میں آسانی رہتی ہے۔

آئے کت نے وسامہ کی کوئی مدد کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ آنکھوں میں نفرت بھرے وہ دو تین سیکنڈز اس کی شکل دیکھنے کے بعد اس کی چادر درست کر کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ تقریباً دو منٹ بعد وسامہ نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دی تھیں اور تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی سانسیں پھول گئی تھیں اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ آئے کت تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی اور اس کی کمر سہلانے لگی تھی۔

"کیا بات ہے وسامہ؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے وسامہ کی حالت کے بارے میں علم نہ ہو سکا ہو۔

"ہاں۔۔۔" وسامہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ "ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ ڈرا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

آئے کت نے پانی کا گلاس بھر کر اس کی جانب بڑھایا۔

"شاید آپ نیند میں ڈر گئے ہیں۔۔۔ کوئی برا خواب دیکھا؟ لیں پانی پی لیں۔"

وہ وسامہ کو پانی پلانے لگی۔

اس نے وسامہ کو پھر سے سونے کو بولا تھا لیکن وسامہ جاگتا رہا تھا۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور آئے کت سے باتیں کرنے لگا تھا۔ اس نے سب سے پہلے معاویہ کی پھرتی کے لیے اس سے معافی مانگی تھی۔ وہ اسے اپنی محبت کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

دو گھنٹے بعد جب معاویہ کمرے میں داخل ہوا تھا تو آئے کت اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ خوبصورتی کے بغیر رہنا آسان تھا دولت کے بغیر نہیں۔۔۔ اسکا پلان بی تیار تھا اور وہ وسامہ کو شادی کے لیے ہاں بول چکی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ دن بعد میں نے انہیں فلک بوس میں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ وسامہ کے والد نے آئے کت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وسامہ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ معاویہ نے اس بار بھی وسامہ کا ساتھ دیا تھا اور ان دونوں کو ساتھ لے فلک بوس آ گیا تھا۔ حالانکہ اس کے والد اس بات کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہمیشہ سے فلک بوس کی جگہ ایک شاندار ہوٹل تعمیر کرنا چاہتے تھے لیکن معاویہ نے ان کی ایک نہیں سنی تھی۔

وہ یہاں نہ بھی آتے تو بھی میں اردشیر ازی کو اس کے عظائم میں کبھی کامیاب نہ ہونے دیتی۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتی ہوں کہ کوئی میری جنت کو نقصان پہنچائے۔۔۔ ہاں فلک بوس میری جنت ہی تو تھا۔ میں یہاں سالوں سے رہتی آ رہی تھی۔ فلک بوس کو ہمیشہ سے میں نے آباد رکھا ہے۔۔۔ کتنے ہی انسان آئے اور چلے گئے۔۔۔ وہ میں تھی جس نے کبھی فلک بوس کو غیر آباد نہ ہوتے دیا۔۔۔

اور اب یہ لوگ تھے۔۔۔ وسامہ اور آئے کت۔۔۔ نیا شادی شدہ جوڑا جو بہت سے خواب لیے یہاں آ کر رہنا شروع ہوا تھا۔ ان کے ساتھ معاویہ کا خاندانی ملازم اور اس کی بیوی بھی تھے۔ وہ اچھے لوگ تھے چنانچہ میں نے انہیں قبول کر لیا۔ وہ مجھے ستاتے نہیں تھے۔ تنگ نہیں کرتے تھے۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے دھیمے مزاج کے لوگ تھے۔ قہقہے فلک بوس میں تب گونجتے تھے جب معاویہ فلک بوس آتا تھا۔

لیکن۔۔۔ وہ لڑکی آئے کت۔۔۔ وہ اتنی معصوم نہیں تھی جتنی نظر آتی تھی۔ وہ وسامہ کی بیوی ضرور تھی لیکن اس کی آنکھیں۔۔۔ وہ معاویہ کو دیکھتے ہوئے چمکتی تھی۔۔۔

پھر میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔۔۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب وسامہ ایک ایکسیڈنٹ میں اپنی ٹانگ گنوا بیٹھا تھا اور ان دنوں میں معاویہ فلک بوس میں ہی قیام پذیر تھا۔ میں نے ان دونوں کو ایک صبح باغیچے میں واقع تلاب کے کنارے نصب سفید پری کے سائے میں کھڑے دیکھا۔ معاویہ کچھ پریشان نظر آ رہا تھا اور آئے کت اداس۔۔۔ وہ لوگ سرگوشیوں کی صورت بات کر رہے تھے۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا معاویہ! اب کیا ہوگا؟" آئے کت نے اداسی سے کہا۔

http://kitaabghar.com

''تم پریشان نہ ہو۔۔۔میں وسامہ کو بڑے بڑے سے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا۔پاکستان سے باہر جانا پڑا تو میں یہ بھی کروں گا آئے کت۔۔۔''معاویہ نے اپنی پریشانی کو فراموش کر کے اسے تسلی دی تھی۔

آئے کت نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

معاویہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اسے ہاتھ بڑھا کر آئے کت کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''پلیز رومت۔۔۔دیکھو میں ہوں نا یہاں۔۔۔میں سب سنبھال لوں۔۔۔وسامہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔تم پریشان نہ ہو پلیز۔۔۔''وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے نرمی سے کہہ رہا تھا۔

آئے کت نے کواب نہیں دیا۔وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

معاویہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیسے آئے کت کو چپ کروائے۔

''آئے کت!پلیز چپ ہو جاؤ۔۔۔میں ہوں نا۔۔۔تم اکیلی نہیں ہو۔''

وہ سر اٹھا کر معاویہ کو دیکھنے لگی تو معاویہ نے تسلی دینے والے انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا تم مجھے اپنا سکتے ہو معاویہ؟''جذبات کی رو میں بہہ کر اس نے جیسے اپنے دل میں چھپے جذبات کا اظہار کر ڈالا۔

معاویہ کو اس کی بات سن کر جیسے کرنٹ لگا تھا۔اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔؟''معاویہ غرایا تھا۔

اس کی آنکھوں میں شدید غصہ نظر آ رہا تھا۔

''مع۔۔۔معاویہ میری بات سنو۔۔۔''وہ ہکلا کر بولی۔اپنی ہی بات کو سنبھالنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔پھر اس نے معاویہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔''پلیز معاویہ!میں جو تمہیں بتانے والی ہوں شاید تم نے اس بارے میں سوچا تک نہ ہو۔معاویہ میں نے ہمیشہ تم سے ہی محبت کی ہے۔میں ہمیشہ سے وسامہ میں نہیں،بلکہ تم میں انٹرسٹڈ تھی۔۔۔''

''کیا بکواس ہے۔۔۔''معاویہ غصے سے بولا تھا۔''اول تو مجھے تمہاری کسی بات کا اب یقین نہیں آنے والا۔دوسرا یہ کہ اگر ایسا کچھ تھا بھی تو تم نے وسامہ کے پرپوزل کو ایکسپٹ ہی کیوں کیا تھا؟''

''میں نے اس کا پرپوزل نہیں تمہارا پرپوزل ایکسپٹ کیا تھا۔''آئے کت نے جیسے بیچارگی سے اعتراف کیا تھا۔

معاویہ سناٹے میں رہ گیا۔

وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ تم اور وسامہ سگے بھائی نہیں ہو۔۔۔وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکی تھی کہ مجھے

معلوم نہیں تھا کہ وسامہ کے پاس دولت اور جائیداد کے نام پر کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔اس نے کہاں سوچا تھا کہ نکاح کے فوراً بعد اسے در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔

''میں تمہیں تب بھی بتانا چاہتی تھی لیکن۔۔۔میری ہمت نہیں ہوئی۔۔۔معاویہ میں کنفیوژ ہوگئی تھی۔۔۔میں۔۔۔''

''میری بات سنو آئے کت۔۔۔!'' معاویہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروادیا۔''مجھے نہیں پتا کہ تم نے کیا سمجھا اور اس وقت سچ کیوں نہیں بتایا مگر۔۔۔جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔۔۔اب اس بات کو یہاں ہی ختم سمجھو۔۔۔دوبارہ ایسی کوئی بات اپنے منہ پہ مت لانا۔۔۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے اندر جانے کو مڑ گیا تھا پھر ایک جھٹکے سے رکا۔

''ایک اور بات۔۔۔اگر وسامہ کو تمہارے کسی عمل سے تکلیف پہنچی یا اسے کبھی بھی اس بارے میں کچھ پتا چلا تو یاد رکھنا آئے کت۔۔۔تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

اس نے بات اتنی نفرت سے مکمل کی تھی کہ آئے کت مزید کچھ بول نہیں سکی تھی۔

میں نے اوپر کمرے کی کھڑکی سے سب دیکھا تھا اور ایک ایک لفظ سنا تھا۔

معاویہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی سمت جا رہا تھا اور آئے کت سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہاں ہی تالاب کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔پہلی بار اسے اپنی خوبصورتی بیکار محسوس ہو رہی تھی۔اسے ہر حال میں معاویہ چاہیے تھا۔۔۔

''معاویہ اردشیرازی۔۔۔!میں ہر حال میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گی۔کیونکہ اب تم میری ضرورت نہیں میری ضد ہو۔۔۔ایسی ضد جسے ہر حال میں پورا کرنا ہے مجھے چاہے اس کے لیے مجھے کسی بھی حد تک کیوں نہ جانا پڑے۔''

اس نے آنکھوں سے نکلنے والوں آنسوؤں کو ہتھیلی کی مدد سے پونچھتے ہوئے جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ قریباً ایک مہینہ ان کے ساتھ گزار کر واپس جا چکا تھا۔وسامہ کی حالت اب قدرے سنبھل چکی تھی۔اگرچہ وہ ابھی بھی اپنی ٹانگ کھو دینے کے صدمے سے پوری طرح باہر نہیں آسکا تھا لیکن پہلے سے اس کی حالت قدرے سنبھل گئی تھی۔

آئے کت نے معاویہ کے جانے سے پہلے اس سے اپنے عمل اور لفظوں کی معافی مانگ لی تھی۔اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ معاویہ کا دل اس کی جانب سے صاف کردے۔۔۔معاویہ نے کچھ خاص ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا بہر حال وہ اس دن کے بعد سے آئے کت کی جانب سے بے حد محتاط ہو گیا تھا۔اس کی تمام تر نرمی وسامہ کی ذات تک ہی مختص ہو کر رہ گئی تھی۔اول تو وہ آئے کت کو خود سے مخاطب ہی نہیں کرتا تھا اور اگر وہ خود سے بات کرتی تب بھی وہ بہت روکھے پھیکے لہجے میں بات کا جواب دیتا تھا۔

آئے کت کے معافی مانگنے پر بھی اس نے کوئی خاص ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔بس اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

معاویہ کے جانے کے بعد آئے کت نے اپنے پلان کو مکمل کرنا شروع کر دیا تھا۔اس کا دماغ کسی شیطان کی طرح تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔وہ اپنے پلان کو تمام تر خامیوں سے پاک بنانا چاہتی تھی۔

اس نے جانے سے پہلے معاویہ کو اس بات پر راضی کیا تھا کہ وہ ان کے لیے ایک اور ملازم کا انتظام کر دے جو سامہ کا خیال رکھ سکے۔معاویہ نے کبیر کو ملازم کے انتظام کا حکم دیا تھا۔کبیر نے معاویہ سے مشورے کے بعد اپنے بیٹے پاشا کو بھی وہاں بلوالیا تھا۔

آئے کت نے بستی میں جا کر میرے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دی تھی۔

ایک دن وہ بستی سے واپس آ رہی تھی جب جنگل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے پاشا کو دیکھا تھا۔وہ کسی لڑکی کے ساتھ تھا۔آئے کت ایک درخت کی عقب میں چھپ کر ان کی باتیں سننے لگی تھی۔جلد ہی وہ ان دونوں کے رشتے سے واقف ہو گئی تھی۔پاشا اس لڑکی کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ جلد ہی شہر میں کوئی کام تلاش کر لے گا اور اس کے بعد اپنے والد کو ان دونوں کے رشتے کے بارے میں بتا کر انہیں راضی کر لے گا،تب تک وہ صبر سے کام لے جبکہ وہ لڑکی خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

آئے کت کچھ دیر وہاں کھڑی ان کی باتیں سنتی رہی پھر متبادل راستے سے ان کی نظروں میں آئے بغیر فلک بوس واپس آ گئی تھی۔

اس کی ملازم کی تلاش ختم ہو چکی تھی۔اسے اب بس پاشا کو اپنے جال میں پھنسانا تھا اور اٹھارہ انیس سال کے بیوقوف سے لڑکے کو پھنسانا اس کے لیے کچھ خاص مشکل کام نہیں تھا۔

☆......☆......☆

پاشا برآمدے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا ایک کیاری کی مٹی نرم کر رہا تھا جب آئے کت اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی تھی۔وہ اپنے کام میں اس حد تک مشغول تھا کہ آئے کت کی موجودگی کو محسوس بھی نہیں کر سکا تھا۔

"کیسے ہو پاشا؟" آئے کت نے نرمی سے پکارا تھا۔

پاشا اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔وہ بری طرح ڈر گیا تھا۔آئے کت ہنس دی تو وہ اپنے ڈرنے پر شرمندہ ہو گیا۔

"کیا کر رہے تھے؟" آئے کت نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

رعب حسن تھا یا مالکن کے سامنے ہونے کے احترام۔۔۔وہ چند لمحے اپنے حواسوں پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بی بی! معاویہ صاحب نے بابا کو باغیچے کی حالت سدھارنے کا حکم دیا تھا۔میں آج کل فارغ ہی تھا اس لیے بابا کا ہاتھ بٹانے کے لیے یہ کام شروع کر دیا۔" وہ مودب لہجے میں بولا تھا۔

"اچھا۔۔۔" وہ گردن اچکا کر کیاری کا جائزہ لینے لگی۔"کیا کرتے ہو تم شہر میں؟"

"پہلے پڑھ رہا تھا اب کام کی تلاش کر رہا ہوں بی بی۔۔۔"اس نے سر جھکا کر بتایا۔

"تاکہ تمہارے بابا تمہاری شادی اس لڑکی سے کروا دیں؟" آئے کت نے شرارت سے کہا۔

پاشا کے تو گویا ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ ہکا بکا آئے کت کو دیکھ رہا تھا۔ جس بارے میں اس کا باپ بھی ابھی نہیں جانتا تھا اس کے بارے میں مالکوں کو علم ہو چکا تھا۔ وہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

آئے کت کو فوراً ہی اس کی پریشانی کا احساس ہو گیا تھا تو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"ارے ڈرومت۔۔۔ تم تو پریشان ہی ہو گئے ہو۔۔۔"

پاشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سر جھکائے پریشان کھڑا تھا۔

"ڈرومت پاشا۔۔۔! مجھے بتاؤ بات کیا ہے؟ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں؟" آئے کت نے دوستانہ لہجے میں کہا تھا۔

"آپ کو۔۔۔ کیسے۔۔۔؟" پاشا نے جھجک کر پوچھا۔

وہ وقتاً فوقتاً سر اٹھا کر آئے کت کی جانب دیکھ لیتا تھا۔۔۔ وہ اتنی ہی خوبصورت تھی کہ پاشا کے لیے اپنی نظر پھیرنا مشکل ہو رہا تھا۔

آئے کت مسکرا دی۔

"میں نے کل تمہیں اور اسے دیکھا تھا۔۔۔ وادی سے واپس آتے ہوئے۔۔۔ جنگل میں۔۔۔" اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ "بہت خوبصورت ہے۔۔۔ تمہارے ساتھ جچے گی۔"

پاشا نے شرما کر سر مزید جھکا لیا۔

"تم اپنے بابا کو بتاتے کیوں نہیں اس کے بارے میں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا اور خود برآمدے میں پڑی خوبصورت کین کی کرسیوں میں سے ایک پر جا بیٹھی۔

"وہ مانے گے ہی نہیں۔۔۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"بیٹھ جاؤں پاشا۔۔۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔ "اور مجھے پوری بات بتاؤ۔۔۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"

پاشا آگے بڑھا اور زمین پر کرسی سے کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا۔

اس لڑکی کا نام شہر بانو تھا۔ شہر بانو کا تعلق کبیر کے دشمنوں میں سے تھا۔ شہر بانو کے چچا نے کبیر خان کے چچا زاد بھائی کو کسی تنازعے پر قتل کر دیا تھا اور خود فرار ہو گیا تھا۔ یہ دشمنی پاشا اور شہر بانو کی پیدا ہونے سے بھی پہلے سے چلی آ رہی تھی اور اب تک قائم تھی۔ کبیر خان کبھی بھی دشمنوں کی بیٹی کو گھر میں نہ لاتا۔

"پھر ابھی میں کماتا بھی نہیں ہوں کہ بابا پر زور ڈال سکوں۔ ایک بار کمانا شروع کر دوں تو بابا کو میری بات سننی ہی پڑے گی۔" وہ ایک عزم سے بولا تھا۔

آئے کت بغور اس کی بات سنتے ہوئے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی عمر بمشکل اٹھارہ انیس سال رہی ہوگی۔ چہرے پر بیوقوفی کی حد تک معصومیت تھی۔ اور یہی بیوقوفی اس کی باتوں سے بھی نمایاں ہوتی تھی۔ وہ فطرتاً معصوم سا انسان تھا جو دوسروں کو بھی معصوم سمجھتا تھا اس لیے اپنے دل کی بات کھل کر آئے کت کو بتاتا چلا گیا۔

"تم فکر مت کرو پاشا۔۔۔! میں اس کام میں تمہاری مدد ضرور کروں گی۔" آئے کت نرمی سے کہہ رہی تھی۔

پاشا کی آنکھوں میں پہلے حیرانی پھر معصوم سی خوشی پھیل گئی۔

"آپ سچ میں میری مدد کریں گی؟"

"بالکل۔۔۔ میں تمہارے بابا سے بات کروں گی۔ وہ ضرور مان جائے گے۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتی کہ جیسے میں اپنی محبت کو پانے میں ناکام رہی ہوں، تم بھی ناکام رہو۔" بات ختم کرتے کرتے اس کے لہجے میں اداسی جھلکنے لگی۔

پاشا کا دل افسوس سے بھر گیا۔

"تو کیا بی بی وسامہ صاحب کے ساتھ خوش نہیں ہیں؟ کیا وہ کسی اور سے محبت کرتی تھیں؟" اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا مگر سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کا دل اپنی اتنی اچھی بی بی کی اداسی پر خود بھی اداسی میں ڈوب گیا تھا۔ وہ چپ چاپ آئے کت کی شکل دیکھتا رہا۔

"خیر۔۔۔" آئے کت نے جیسے خود پر قابو پا کر بات کا آغاز کیا تھا۔ "تم ابھی اپنے بابا سے کوئی ذکر مت کرنا۔۔۔ میں خود ان سے بات کروں گی اور جہاں تک تمہاری جاب کا تعلق ہے تو اس کے لیے بھی میں بات کرتی ہوں کسی سے۔۔۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

پاشا نے بھی فوراً اپنی جگہ چھوڑی اور احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اندر جانے کے لیے مڑی ہی تھی جب پاشا نے اسے پکارا تھا۔

"بی بی! کیا آپ۔۔۔ وسامہ صاحب سے۔۔۔؟" وہ بات مکمل نہیں کر پا رہا تھا۔ آئی کت کی ناراضگی کا بھی خوف تھا۔

"ہاں ہاں بولو۔۔۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" آئی کت نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"کیا آپ کسی اور سے محبت کرتی تھیں۔۔۔؟" پاشا نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا تھا۔ بہرحال اس ٹاپک کا آغاز تو آئی کت کی جانب سے ہی ہوا تھا۔

آئے کت کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی۔ پاشا کو اپنے سوال پر افسوس ہونے لگا۔

"کبھی بتاؤں گی اس بارے میں تمہیں پاشا خان۔۔۔! ویسے بھی اب تو ہم دوست بن گئے ہیں۔۔۔ تمہیں نہیں بتاؤں گی

تو کسے بتاؤں گی۔'' آئے کت نے کہا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

پاشا کا لفظ ''دوست'' پر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔۔۔میں نے کہا نا کہ وہ فطرتاً معصوم انسان تھا۔اس کے نزدیک لڑکا اور لڑکی کی دوستی کا ایک ہی مطلب تھا۔۔۔اور وہ مطلب یقیناً دوستی نہیں تھا۔۔۔وہ حیرانی سے آئے کت کو خود سے دور جاتا دیکھتا رہا۔

کوارٹر کی طرف سے آتے ہوئے کبیر خان کی نظریں پاشا پر جمی ہوئی تھیں۔اس کی پیشانی پر سوچوں کا جال بچھا تھا جب کہ نظریں پاشا کے انہماک کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

☆......☆......☆

پھر ان باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔آئے کت اکثر پاشا کے پاس آ کر اس سے باتیں کرنے لگتی۔کبیر خان نے کتنی ہی بار ان کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا تھا اور اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ پاشا گھر کی مالکن سے اس طرح سے باتیں کرے۔

دوسری طرف پاشا دن بادن آئے کت کا گرویدہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔۔۔

ویسے بھی جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ آئے کت بیچاری کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے اور یہ کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی تھی اور وسامہ نے زبردستی اس سے نکاح کیا تھا، تب سے اس کا دل ئے کت کی ہمدردی سے لبالب بھر گیا تھا۔اسے یہ جان کر بے حد افسوس ہوا تھا کہ وسامہ اس پر ہاتھ بھی اٹھاتا ہے۔

عورت خوبصورت ہو اور پھر مظلوم ہو تو مرد کا دل ہمدردی پر امادہ ہو ہی جاتا ہے۔

ایسا ہی کچھ پاشا کے ساتھ بھی ہوا تھا۔پھر آئے کت نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے بابا کو منانے میں اس کی مدد کرے گی سو اتنی ہمدردی تو وہ کر ہی سکتا تھا۔

آج بھی آئے کت کو باغیچے میں اکیلا دیکھ کر وہ اس کے پاس آیا تھا اور پاس آنے پر جب اس نے دیکھا کہ آئے کت رو رہی تھی وہ مزید افسردہ ہو گیا تھا۔وہ اس کی کرسی کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گیا اور بے بسی سے روتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔

اس کے لیے آئے کت کی اداسی نا قابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

''بی بی! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' اس نے ہمدردی سے پوچھا تھا۔

آئے کت نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔وہ ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے پاشا کی وہاں موجودگی سے بے خبر ہو۔

''پاشا۔۔۔تم کب آئے؟'' اس نے تیزی سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس عمل کے دوران اس کی گرم شال سے سر سے اتر کر اس کے چہرے ہر گردن کو نمایاں کر گئی۔

پاشا اک بھری نظروں سے آئے کت کو دیکھنے لگا۔اس کی گردن اور کان کے پاس کچھ سرخ اور نیلے نشان موجود تھے۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com Kitaabghar.com

آئے کت کو جونہی اس کی نظروں کا احساس ہوا تھا اس نے تیزی سے اپنی شال کو دوبارہ سے سر پر اوڑھ لیا تھا۔

''انہوں نے پھر آپ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔۔۔'' پاشا نے دکھی سے لہجے میں کہا تھا۔

آئے کت نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کچھ بولے بغیر سامنے کی جانب دیکھنے لگی۔

پاشا نے اس کی خاموشی کو بغور سنا اور پھر ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔

''بی بی میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟'' پاشا نے پرعزم انداز میں پوچھا۔

آئے کت نے نرمی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولی۔ ''تم میرے لیے دعا کیا کرو۔۔۔''

''وہ تو میں ابھی بھی کرتا ہوں۔۔۔ مگر میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ بی بی! آپ وسامہ سر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟'' وہ جذباتی سا ہو کر بولا۔

''ایسا ممکن نہیں ہے پاشا! معاویہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گا، وہ اپنے بھائی کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں جانے کی کوشش کروں بھی تو بھی وہ مجھے یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ وہ زبردستی مجھے نکاح پر مجبور کر سکتے ہیں تو وہ مجھے یہاں سے نکلنے ہی کیوں دے گے۔'' آئے کت کے چہرہ دنیا جہان کا ملال سمیٹے ہوئے تھا۔

پاشا نے سر جھکا لیا۔ وہ آئے کت کے لیے کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔

''مگر۔۔۔ مگر وہ نفسیاتی مریض ہیں۔۔۔ ماردیں گے آپ کو۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ معاویہ سر بھی وسامہ سر کے اس مرض سے واقف ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو پاشا! معاویہ یقیناً اس بات کے بارے میں نہیں جانتا۔ اور وہ اس بات پر یقین کرے گا بھی نہیں۔۔۔ بھلا وہ میرے کہنے پر کیوں یقین کرے گا کہ اس کا بھائی ایک نفسیاتی مریض ہے۔۔۔ ایسا نفسیاتی مریض جو دورے کی حالت میں مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔'' آئے کت کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔

ان دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ جسے کچھ دیر بعد آئے کت نے ہی توڑا تھا۔

''صرف ایک طریقہ ہے میرے پاس۔۔۔ اور وہ یہ۔۔۔ کہ میں دنیا کے سامنے ثابت کروں کہ وسامہ ایک نفسیاتی مریض ہے۔ اگر معاویہ کو اس بات پر یقین آگیا تو مجھے اس عذاب سے نجات تو شاید پھر بھی نہ ملے لیکن شاید وہ اس کا علاج کروا دیا اور میری زندگی کچھ آسان ہو جائے۔''

''آپ۔۔۔ آپ نے کچھ سوچا ہے؟ کوئی طریقہ جس سے یہ بات کھل کر سب کے سامنے آئے؟'' پاشا نے پرجوش ہو کر پوچھا۔

''ہاں پاشا! آزادی حاصل کرنے کے طریقوں پر تو ہر پرندہ بھی غور کرتا ہے میں تو پھر انسان ہوں۔۔۔ مگر وہ طریقہ مشکل بھی

ہے اور میں اکیلی اس پر عمل بھی نہیں کر سکتی۔۔۔مجھے کسی کی۔۔۔"

"بی بی! میں کروں گا نا آپ کی مدد۔۔۔میں ہوں آپ کے ساتھ۔۔۔مجھے خوشی ہوگی اگر میں آپ کے کسی کام آسکوں۔" پاشا جذباتی سا ہو کو بولا۔

"آپ مجھے بتائیں آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"معاویہ کو اس بات پر یقین تب آئے گا پاشا! جب وسامہ کی حالت اس کے سامنے بگڑے۔۔۔"

پاشا بغور اس کی بات سن رہا تھا۔

"اور اس کی حالت معاویہ کے سامنے تب ہی ایسی ہوگی اگر وہ کسی چیز سے ڈر جائے۔کچھ ایسا ہو کہ اسے معاویہ کے سامنے دورہ پڑے۔۔۔پھر معاویہ کے پاس یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔"

"اور ہم انہیں ڈرائیں گے کیسے۔۔۔؟" پاشا نے تجسس سے پوچھا۔

آئے کت نے لفظ "ہم" پر بغور اسے دیکھا تھا اور پھر اسے اپنا سارا پلان مناسب کانٹ چھانٹ کے ساتھ بتاتی چلی گئی۔ پاشا ہونق سا اس کی ساری پلاننگ سنتا چلا گیا تھا۔

"پر۔۔۔بی بی۔۔۔ایسے۔۔۔کیسے؟" وہ کنفیوز ہو رہا تھا۔

"میری بات سنو پاشا۔۔۔! تم اچھے سے سوچ لو۔۔۔سمجھ لو۔۔۔تمہارے جو تحفظات ہیں ان پر غور کر لو۔میری طرف سے تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔۔۔اگر پھر تمہارا دل راضی ہو تو مجھے بتا دینا۔۔۔اور دل راضی نہ ہو تو۔۔۔تو مجھے زندگی کو ایسے برداشت کرنے کی عادت سی ہو چلی ہے۔۔۔" کرسی سے اٹھ کر ہوتے ہوئے اس نے آہستہ سے اپنے سر سے چادر کو کھسکا دیا تھا اور گردن کے نشانات پھر سے نمایاں دکھنے لگے تھے۔

وہ آہستہ سے چلتی ہوئی اندر کی سمت چلی گئی تھی۔

اندر آنے کے بعد اس نے سر پر چادر کو دوبارہ سے کھینچ لیا اور کمرے میں داخل ہوگئی۔وسامہ اسٹڈی ٹیبل کے پاس چیئر پر بیٹھا تھا۔اسے ایک نرم سی مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے آئے کت نے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے گردن کے گرد بازو باندھ لیے اور اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکا دی۔وسامہ اس کی اس ادا پر مسکرا دیا۔

"کام ختم نہیں ہوا؟" اس نے وسامہ کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے صفحات پر نگاہ دوڑائی۔

"بس تھوڑا ہی باقی ہے۔" وہ اپنے مخصوص نرم سے انداز میں بولا تھا۔

"چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

''نیک خیال ہے مگر آدھے گھنٹے بعد۔۔۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔'' آئے کت مسکرا کر پیچھے ہٹی اور باتھ روم میں چلی گئی۔

چک ہی لمحوں بعد وہ شیشے کے سامنے کھڑی گردن پر میک اپ سے بنائے جانے والے ان نشانات کو صاف کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

اور پھر کچھ ہی دن کے بعد فلک بوس میں میرے نام سے ایک نئے کھیل کا آغاز ہوا۔۔۔ایک ایسا کھیل جس کی بنیاد آئے کت کے شیطانی دماغ نے رکھی تھی۔

اس کھیل کا آغاز مری ہوئی گلہریوں کے اس ڈھیر سے ہوا تھا جنہیں پاشا نے جنگل سے جال لگا کر پکڑا تھا اور پھر مار کر فلک بوس کے ایک تہ خانے کی طرف جاتے راستے پر رکھ دیا تھا۔اس کے بعد وہ دن چار دن کے لیے شہر چلا گیا تھا۔وسامہ کو اس مری ہوئی گلہریوں کا ڈھیر تب ملا تھا جب ان کے جسم گل سڑ کر بدبو دینے لگے تھے۔وسامہ نے پاشا کو بلوا کر پوچھ گچھ کی تھی۔

''یہ کیا ہے؟۔۔۔یہاں کتنے عرصے سے صفائی نہیں ہوئی پاشا؟'' وسامہ نے ناگواری سے کہا۔

''مجھے اس بارے میں پتا نہیں صاحب!۔۔۔آپ جانتے ہیں میں کل ہی شہر سے آیا ہوں'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''کبیر بابا کو بلاؤ'' وسامہ نے پاشا کے والد کا نام لیا تو پاشا تھوڑا محتاط ہو گیا۔

''وہ شہر گئے ہوئے ہیں۔۔۔دو دن بعد ان کی واپسی ہے'' پاشا نے وسامہ کے ناپسندیدگی کو بغور جانچتے ہوئے کہا تھا۔

پاشا سے وسامہ نے وہ جگہ صاف کرنے کے لئے کہا ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ جب تک وہ یہاں ہے صفائی ستھرائی کے کاموں کی نگرانی کرے۔پاشا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اس نے ایسا کیا بھی تھا مگر وسامہ کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔آئے کت کے پوچھنے پر اس نے پورا واقعہ من وعن اس کے گوش گزار کر ڈالا تھا۔

آئے کت نے بڑے سرسری سے انداز میں کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فلک بوس سے اپنے خوف کا اظہار کیا تھا۔

'لیکن اکیلی تہہ خانہ تو کیا فلک بوس کے کسی حصے میں گھومنے کی ہمت نہیں کر سکتی میں۔'

''ارے ایسی کیا بات ہے یہاں؟''

''اتنی پرانی عمارت ہے یہ...اور بہت بہت عرصہ غیر آباد بھی رہی ہے...سنا ہے ایسی جگھوں پر بھوت پریت، روحیں بسیرا کر لیتی ہیں...اگر کسی روز کوئی جن میرے سامنے ہی آ کر کھڑا ہو گیا تو میں تو ایک منٹ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔'' آئے کت نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا لیکن وسامہ چونک سا گیا۔

اسے بے ساختہ بچپن میں میرے بارے میں سنی ہوئی کہانی یاد آئی تھی مگر جلد ہی وہ اس سوچ کو ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

اگلے دن سے فلک بوس کی صفائی ستھرائی کا کام مزید جانفشانی سے ہونے لگا اور وسامہ کے نزدیک بات ختم ہوگئی۔لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ پریشان کن واقعات کا ایک سلسلہ تھا جو مری ہوئی گلہریوں کے اس ڈھیر سے شروع ہو چکا تھا۔ ہوا یہ کہ ایسا اکثر ہی ہونے لگا۔ اکثر ہی مری ہوئی گلہریاں ملنے لگیں اور وہ مری ہوئی گلہریاں صرف وسامہ کو ہی ملتی تھیں۔

پہلے پہل وسامہ نظر انداز کرتا رہا لیکن جب یہ واقعات بڑھے تو وسامہ چونک گیا۔اب گلہریوں کے جسم گلے سڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے جسم پر خون بہہ بہہ کر خشک ہو چکا ہوتا تھا۔وسامہ کا قیاس تھا ضرور فلک بوس میں کوئی جنگلی کتا یا بلی گھس آتی ہے اور درختوں پر پھدکتی گلہریوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔

اس کے اس خیال کا رخ جلد ہی میری ذات کی جانب موڑ دیا گیا۔ہوا کچھ یوں کہ پاشا نے ایک گلہری مار کر درخت کی کوہ میں رخ دی جس کی نشاندہی آئے کت نے کی۔

''ڈرومت آئے کت! یہ ضرور کسی بلی کا کام ہے۔'' وسامہ نے ادھر ادھر اپنے اندازے کی درستی کے لئے نظریں دوڑائیں۔

''میرا نہیں خیال۔۔۔بلی کا کام ہوتا تو وہ یوں گلہری کو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتی۔۔۔آخر ہڈی بھی بھنبوڑ کر رکھ دیتی۔۔۔یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی درندے نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لئے اس بیچاری گلہری کا سر کاٹا ہو۔'' وہ پرسوچ انداز میں بول رہی تھی۔

''اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گلہریوں کا قتل آیو شمتی کر رہی ہو۔'' پاشا آئیوری کی باڑھ کے پیچھے سے نکلا۔وہ دونوں ابھی تک اس کی وہاں موجودگی سے ناواقف تھے۔

''تم یہاں کب آئے پاشا۔۔۔ہم نے تمہیں نہیں دیکھا۔'' آئے کت نے کہا۔

''میں پچھلی کیاری کی گوڈی کر رہا تھا۔۔۔نیچے بیٹھا ہوا تھا اس لئے آپ کو نظر نہیں آیا۔'' پاشا نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کھرپی ان کے سامنے کی۔اس کے ہاتھ اور کھرپی مٹی میں لت پت تھے۔

''اور یہ تم کیا کہہ رہے تھے۔۔۔گلہریوں کے بارے میں؟''

پاشا کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔''معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی۔۔۔''

''کوئی بات نہیں۔۔۔'' وسامہ نے کہا۔''لیکن تم کیا کہہ رہے تھے؟'' اسے تجسس ہو رہا تھا۔

''میں کہہ رہا تھا ہوسکتا ہے ان گلہریوں کو آیو شمتی مار رہی ہو سنا ہے اس کی روح فلک بوس میں کئی سالوں سے بھٹک رہی ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' آئے کت نے ایسے کہا جیسے اسے پاشا کی بات پر یقین نہ ہو۔

وسامہ کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا۔

''اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔۔۔الٹا سیدھا بولنے کی عادت ہے اسے۔'' بابا کبیر کہیں سے برآمد ہوئے اور کہا لیکن ساتھ

پاشا کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ پاشا سٹپٹا گیا۔

''کہانی دلچسپ لگ رہی ہے۔۔۔ مجھے سننے تو دو۔'' آئے کت نے بابا کبیر سے کہا اور بات سنبھالنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔۔۔

''تمہیں ہر الٹی بات میں دلچسپی ہوتی ہے۔ چلو اندر چلتے ہیں۔۔۔ کبیر! مجھے دوبارہ کوئی مرا ہوا جانور یہاں نظر نہیں آنا چاہیئے۔'' وسامہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا ہے۔

جس وقت وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک پہنچے لان میں کھڑے پاشا کو بابا کبیر سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

آئے کت نے وادی میں سنی ہوئی میری نام سے منسوب کہانی وسامہ کو سنا دی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وسامہ میرے ذکر سے خوفزدہ رہنے لگا ہے تو وہ اکثر میرا ذکر کر کے وسامہ کو ڈرانے لگی۔ وہ ہر دوسرے دن میرا کوئی قصہ وادی سے نکال کر لاتی اور مزے لے لے کر وسامہ کو سناتی۔ سب کچھ اس کے پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ وسامہ جو کہ بچپن سے ہی کچھ ڈرپوک واقع ہوا تھا وہ بے تحاشہ خوفزدہ رہنے لگا۔ اس نے دوسری منزل پر جانا کم کر دیا۔ آگے پیچھے اس نے ایسے حالات پیدا کیے کہ وسامہ کے دل میں ایوشمتی کا شک یقین پکڑتا چلا گیا۔ فلک بوس سے مری ہوئی گلہریاں ملنے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

پھر آہستہ آہستہ وسامہ کو ڈرانے کا لطف کم ہونے لگا۔ وسامہ بھی آہستہ آہستہ اس ذکر کا عادی ہو چلا تھا۔

معاویہ نے آئے کت کے لیے نٹنگ مشین اور نٹنگ کا ضروری سامان بھجوا دیا تھا کیوں کہ آئے کت اپنا کام شروع کرنا چاہتی تھی۔ وسامہ کو دکھانے کے لیے آئے کت دن رات نئے نئے ڈیزائن بنانے لگی۔

آئے کت کے مصروف ہونے سے قبل ہی مری ہوئی گلہریوں کے ملنے میں کمی آ گئی تھی لیکن وسامہ کے دل میں خدشہ سا بیٹھ گیا تھا وہ ہر دوسرے دن پورے فلک بوس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا۔ اس کی راہداریوں میں گھومتا پھرتا کمروں میں جھانکتا تھا لیکن لاشعوری طور پر اس نے گھومنا پھرنا کم کر دیا۔ اس نے کبھی کسی سے کہا نہیں لیکن بچپن میں سنے اور پڑھے ہوئے جن بھوتوں کے قصے کہانیاں اس کے ذہن و دل پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ چکی تھیں کہ ان کا اثر ستائیس سال کی عمر میں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مرے پر سو درے یہاں ایک اصلی روح کا ذکر ہو رہا تھا جس کے بارے میں وادی کے چند لوگوں کا دعوی تھا وہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اپنے ڈر کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے بزدل سمجھا جانے لگتا اور یہ بات اس کی مردانگی کو ہرگز گوارا نہ تھی۔

اس رات طوفان آیا تھا۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے برس رہے تھے اور تیز ہوائیں در دیوار سے سر ٹکراتی پھرتی تھیں۔ وسامہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ طوفان کے شور سے لبریز پراسرار رات فلک بوس کے دالان میں اتر آئی تھی۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور ٹی

http://kitaabghar.com
kitaabghar.com

وی دیکھنے کے ارادے سے دوسری سمت میں بڑھا۔ لیکن ابھی اس نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ اسے ڈرانے کی نیت سے باہر کھڑے پاشا نے کھڑکی پر دستک دی اور فوراً سائیڈ پر ہو گیا۔

وسامہ چونک کر پلٹا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بری طرح حیران ہوا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا آگے ہو کر بند شیشے سے اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اب بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔

اس نے پردہ برابر کیا اور واپس ہوا اس بار پھر اس کے پلٹتے ہی شیشے پر دستک ہونے لگی۔

وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بار وہ پردہ ہٹائے۔ لیکن دستک بڑھتی جا رہی تھی۔ وسامہ نے ہمت جمع کی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ پردہ سرکا دیا۔ پردہ ہٹتے ہی دستک بند ہو گئی۔ دستک دیتا پاشا فوراً نیچے بیٹھ گیا تھا۔ وسامہ کو یہی نظر آیا کہ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وسامہ کا دل بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی اور ہوا تیز تیز پیڑ پودوں سے سر پٹخ رہی تھی۔

وسامہ کا ایک ہاتھ ابھی تک پردے کو پکڑے ہوئے تھا وہ جوں ہی پیچھے ہٹنے لگا بند شیشے کے دوسری طرف ایک دم سے پاشا سامنے آ گیا۔ یہ سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وسامہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔

وسامہ نے غصے سے پاشا کو اندر بلایا تھا اور اس سے اس بدتمیزی کی وجہ پوچھی تھی مگر پاشا مسلسل اس عمل سے انکاری رہا تھا۔ وسامہ نے اسے کام ختم کر کے وہاں سے جانے کا حکم دیا اور خود کمرے میں چلا گیا تھا۔ وسامہ کے جانے کے فوراً بعد برآمدے میں موجود کبیر وہاں آ گیا تھا اور پاشا کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کوارٹر میں لے گیا تھا۔

”کیا ہوا ہے کبیر خان! کیا بات ہے؟“ پاشا کی ماں گھبرا کر آگے بڑھی تھی لیکن کبیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا تھا۔

”یہ سب کیا ہے پاشا خان؟“ کبیر نے غصے سے اس کی بازو ایک جھٹکے سے چھوڑی اور چیخا تھا۔

”کیا بابا؟“ پاشا قدرے گھبرا گیا تھا۔

”تم وسامہ صاحب سے اس طرح پیش کیسے آ سکتے ہو؟“ کبیر کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

”بابا۔۔۔ میں۔۔۔“ اس نے صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔

یہ کوشش بری طرح ناکام رہی تھی کیوں کہ کبیر کا ہاتھ اٹھا تھا اور اس کے منہ پر نشان چھوڑ گیا تھا،

”کیا وہ تمہارے دوست ہیں؟ یا کوئی ایسا قریبی رشتہ جس کی بناء پر تم ان سے یہ گھٹیا مذاق کرو؟“

”بابا میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں تو کھڑکی۔۔۔“

پاشا بات مکمل نہیں کر سکا تھا۔ اس سے پہلے ہی کبیر نے ایک اور زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

"میں نے خود تمہیں کھڑکی پر دستک دیتے اور انہیں ستاتے ہوئے دیکھا ہے پاشا خان۔۔۔! اس لیے مجھے مت کہو کے تم نے کچھ نہیں کیا۔۔۔"

پاشا ہاتھ پر گال رکھے ان کی شکل دیکھ رہا تھا مگر اس وقت صفائی دینا ضروری تھا۔ اس نے پھر سے بولنے کی کوشش کی۔

"بابا میری بات تو سنو۔۔۔"

کبیر نے ایک اور تھپڑ مار کر اسے چپ کروا دیا۔

"بدبخت انسان۔۔۔ جس تھالی میں کھاتے ہو اسی میں چھید کرتے ہو۔ میں نے وسامہ صاحب کو کچھ نہیں بتایا کیونکہ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کے ان کو اپنے بیٹے کے کالے کرتوت بتا سکوں۔"

"آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ اتنا غصہ کر رہے ہیں۔۔۔؟" وہ جھنجلا کر بولا تھا۔

"میں پچھلے کتنے ہی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم آئے کت بی بی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہو۔۔۔ ان چھپ چھپ کر دیکھتے ہو۔۔۔ تمہارے ذہن میں کیا خناس بھرا ہے میں اچھے سے جان گیا ہوں۔"

پاشا کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ اس کا باپ کیا سوچ رہا ہے وہ اچھے سے جان گیا تھا۔

"اپنا سامان باندھ کر رکھو پاشا خان۔۔۔ میں تمہیں جلد واپس شہر بھیج رہا ہوں۔ م اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں عزت دار لوگوں کے ساتھ رکھا جائے۔"

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے مجھے کم از کم صفائی پیش کرنے کا موقع دیں۔" پاشا گھبرا کر بولا تھا۔ وہ شہر بانو کو چھوڑ کر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔۔۔ اور اسے اب کوئی نہیں بدل سکتا۔"

کبیر فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کی بیوی بھی اس کے پیچھے چلی گئی تھی۔ جبکہ پاشا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھتا چلا گیا۔

لیکن اگلے روز بابا کبیر کو کچھ بتانے کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ اس نیو سامہ سے سامنا ہوتے ہی وہ وضاحتیں دینے شروع کر دی تھیں۔ اس کا کہنا تھا وہ رات کو پاشا کے ساتھ آیا تھا لیکن چونکہ اندر اس کا کوئی کام نہیں تھا اس لئے وہ کچھ فاصلے پر ہی رک گیا تھا اور جس وقت وسامہ نے اندر سے پاشا کے لئے دروازہ کھولا بابا کبیر کچھ فاصلے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اگر پاشا نے مسلسل کھڑکی پر دستک دی ہوتی تو ضرور یہ بات اس کے نوٹس میں آ جاتی۔ اس نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا تھا لیکن اس جھوٹ نے وسامہ کے دل میں میرے بارے میں اور خوف بھر دیا تھا اور اس شک کو تقویت خاتون بی بی کی باتوں نے دی تھی۔ جس نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے میرا

ذکر وہاں چھیڑ دیا تھا۔اور کھڑکی پر دستک کو میری کارستانی بتا کر وسامہ کو تلاوتِ قرآن کا مشورہ دیا تھا۔وسامہ نے کبیر کو اس لڑکے کو حویلی میں بلانے کا بولا جس پر بقول بستی والوں کے میں نے حملہ کیا تھا اور وہ خوف سے ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا مگر کبیر ایسا نہیں کر سکا کیوں کہ وہ لوگ کب کے بشام چھوڑ کر جا چکے تھے۔

بس ثابت ہوا کہ قسمت آئے کت کا ساتھ دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

وسامہ کا خوف اس کے اعصاب کو متاثر کرنے لگا تھا۔اسے ہر وقت ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور یہ احساس شام کے بعد سے بڑھنا شروع ہو جاتا تھا۔وہ جس راہ داری سے گزرتا جس جگہ جا کر بیٹھتا اسے ایسا لگتا تھا جیسے دو آنکھیں مستقل اس کے پہرے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک جنبش کو نوٹ کر رہی ہیں۔ایک بار پھر وسامہ نے اسے اپنے دماغ کا خلل سمجھا اور خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب اس کا وہم ہے لیکن آئے کت نے اس کے وہم کی تائید کر کے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔اس نے وسامہ کو کہا تھا کہ وہ اپنے knitting کے کام میں بیحد مصروف رہتی ہے لیکن اس دوران اسے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔

وسامہ کا خود پر نظر رکھے جانے کا احساس جیسے جیسے زور پکڑتا گیا ویسے ویسے اس کی کارکردگی متاثر ہوتی گئی۔کیونکہ اس کے معاشی معاملات کا دارومدار انہی پیسوں پر تھا جو اسے مختلف جرائد اور پبلشرز کے لئے لکھتے ہوئے ملتے تھے سو اس نے اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے اپنا زیادہ وقت اسٹڈی میں کتابیں پڑھنے میں گزارنا شروع کر دیا۔اس چیز نے اس کی طبیعت پر بہتر اثر ڈالا تھا اور اس کی کارکردگی بھی بہتر ہو گئی تھی۔

انہی دنوں میں سے ایک دن میں آئے کت نے ایک موٹا تازہ چوہا اس کے اسٹڈی ٹیبل پر رکھے ایک پیالے کے نیچے چھپا دیا۔اسے امید نہیں تھی کہ وسامہ اس بہادری کا مظاہرہ کرے گا لیکن وسامہ نے ایک دم اس پیالے کے حرکت کرنے پر اسے الٹ دیا اور چوہا چھلانگ لگا کر اس کی گود میں آ گرا تھا۔وسامہ ہڑبڑاہٹ میں کرسی سمیت زمین پر گرا تھا۔چوٹ بھی آئی تھی لیکن اس کا خوف ختم ہو گیا تھا۔

یہ آئے کت کے لیے لمحہ فکریہ تھا۔وہ اپنی ساری بازی کو یوں ضائع جاتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

سو اس نے ایک نیا ڈرامہ تیار کیا جس کو پورا کرنے میں قدرت نے اس کا پورا ساتھ دیا تھا اور وسامہ کا سویا ہوا ڈر پھر سے جاگ گیا تھا۔

آئے کت نے معاویہ کے کمرے سے کچھ قیمتی سامان چرایا اور اسے توڑ پھوڑ کر کے اس کمرے میں چھپا دیا جہاں اس کی نٹنگ کی مشین رکھی تھی۔اگلے دن وہ اور وسامہ وادی کی سیر کو گئے تھے اور سیر پر جانے سے پہلے اس نے اپنے تیار کردہ تمام نٹنگ کے نمونے بھی ضائع کر کے کمرے میں چھوڑ دیے تھے۔وادی سے واپسی پر کبیر نے وسامہ کو معاویہ کے کمرے سے سامان چوری ہونے کی اطلاع دی تھی۔

پولیس کو بلایا گیا۔مناسب کاروائی بھی ہوئی اور وسامہ کے کہنے پر پولیس ایک ایک بندہ چوکیدار کے فرائض دینے گیٹ پر جا بیٹھا۔ پاشا ابھی تک فلک بوس میں ہی موجود تھا اور اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ابھی بھی آئے کت کا پورا ساتھ دے رہا تھا۔اس نے ایک سفید چادر کو درخت پر اس طرح پھنسایا کہ تیز ہوا چلنے پر ایسا لگتا تھا کہ کوئی سایہ ہوا میں لہرا رہا ہو۔اس چادر کو روح سمجھ کر وسامہ تو خوفزدہ ہوا سو ہوا۔۔۔دروازے پر بیٹھا پولیس کا بندہ بھی خوفزدہ ہو کر فلک بوس سے نکلتا چلا گیا اور جنگلی کتوں کا شکار بن گیا۔۔۔

یہ دوسرا بڑا واقعہ تھا جسے بشام واسیوں نے پورے اہتمام سے میرے نامہ اعمال میں شامل کر دیا۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

دشتِ جنوں

قسط نمبر 27

پھر ایک سنہری صبح معاویہ وہاں آ پہنچا۔

وسامہ کو معاویہ کی آمد سے بڑا حوصلہ ملا تھا۔ فلک بوس ہر چھایا ہوا خوف اور خاموشی کا سایہ بھی معاویہ کی قہقہوں اور باتوں سے چھٹ گیا۔ اگر چہ وہ وہاں ہونے والے قتل کے بارے میں تفتیش کرنے کے لیے آیا تھا لیکن نہ تو اسے اس کام میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی وسامہ چاہتا تھا کہ وہ اس مسئلے میں الجھے۔

وہ معاویہ کی آمد سے خوش تھا لیکن پھر وہ ہوا جس نے ذہنی طور پر وسامہ کے پرخچے اڑا دیئے۔اسے یقین ہو گیا فلک بوس میں ہونے والے عجیب وغریب واقعات میری ہی موجودگی کا نتیجہ ہیں۔وہ آئے کت کی بدولت با قاعدہ میری موجودگی کو محسوس کرنے لگا تھا۔ سلیپ پیرالائز کے وہ اٹیک جو پہلے کبھی کبھار ہی اس پر حملہ آور ہوتے تھے، اب اکثر نیند میں وہ اسی کیفیت کا شکار رہنے لگا تھا اور اس کا دورانیہ بھی بڑھنے لگا تھا۔ڈر اور خوف کے زیر اثر وہ معصوم انسان آئی کت کی انگلیوں کے لمس، سانس کی آواز تک کو میری آواز سے تشبیح دینے لگا تھا۔

ایسے ہی ایک دن شام کے وقت آئے کت نے وسامہ کو اسٹڈی میں پھر سے ڈرا دیا تھا۔وسامہ کو محسوس ہوا کہ آئے کت اسے پکار رہی ہے لیکن آئے کت کو وہاں موجود نہ پا کر وہ بے حد خوفزدہ ہو گیا تھا۔بیساکھی کا سہارا لے کر وہ تیزی سے نچلی منزل کی طرف گیا تھا اور اسی کوشش میں سیڑھیوں سے گر بھی گیا تھا۔آئے کت کو پہلی منزل پر اپنے سامنے دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ہی اسے ستانے کی کوشش کر رہی ہوں۔اسے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ آئے کت کے لیے اس سے پہلے نیچے آ جانا کچھ مشکل نہیں تھا۔آئے کت نے اسے زمین سے اٹھنے میں مدد دی تھی۔اس نے وسامہ کو بولا تھا کہ وہ اوپر جا کر چیک کر لیتی ہے کہ آیا وہاں کوئی ہے یا نہیں لیکن وسامہ اسے کسی حالت میں اوپر اکیلے بھیجنے پر راضی نہیں تھا۔ اس کی ضد سے تنگ آ کر آئے کت نے معاویہ کو جگانے کا مشورہ دیا تھا۔

''میں معاویہ کو جگاتی ہوں۔۔۔'' آئے کت نے نرمی سے کہا تھا

لیکن معاویہ اس پر بھی راضی نہیں تھا۔

''نہیں۔۔۔معاویہ بہت جذباتی ہے۔۔۔وہ ضرور اوپر جانے کی کوشش کرے گا۔۔۔'' وسامہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بول رہا تھا۔

جس وقت آئے کت اور وسامہ آپس میں بات کر رہے تھے، معاویہ بھی آنکھیں ملتا ہوا وہاں پر آ گیا تھا۔

"میرا کیا دماغ خراب ہے جو میں بائیس سال کی عمر میں اوپر جانے کی کوشش کروں گا؟"

وسامہ اور آئے کت نے بے ساختہ اس آواز پر گردن موڑ کر ہال کی اینٹرنس کی طرف دیکھا۔

معاویہ کچی نیند سے بیدار ہوا وہیں کھڑا تھا۔ اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اب بیزاری سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اتنی گہری نیند سو رہا تھا۔۔۔ آپ دونوں نے اتنا شور مچایا کہ میری نیند خراب ہو گئی۔۔۔ کمال ہے یار! گھر آئے مہمان کے ساتھ تم لوگ یہ سلوک کرتے ہو۔" وہ بہت ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

معاویہ نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا اور ہال نما لاؤنج کی ساری بتیاں جلا دیں صرف فانوس کو اس نے چھوڑ دیا۔ نڈھال سا وسامہ اپنی بیساکھی کی قید سے آزاد ہو کر سر جھکائے اب وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ آئے کت اس سے چند قدم پیچھے کھڑی دانتوں سے انگوٹھے کا ناخن کتر رہی تھی۔ سر اس نے بھی جھکا رکھا تھا۔ دیکھنے میں لگتا تھا کہ سخت اضطراب کا شکار ہے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان دونوں کے پاس آ گیا تھا اور ان دونوں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اپنے چہرے پر معاویہ کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے آئے کت نے بے دھیانی میں سر اٹھایا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"تو؟۔۔۔ تم دونوں یہ کہنا چاہتے ہو کہ فلک بوس آسیب زدہ ہے؟ اور یہاں آیوشمتی کی روح کئی سالوں سے بھٹکتی پھر رہی ہے؟" اس کے لہجے میں بے تحاشہ سنجیدگی تھی لیکن ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی اس کی طرف دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ معاویہ شیرازی اسوقت بڑی مشکل سے اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ رہا ہے۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں۔۔۔" آئے کت نے جلدی سے کہا۔ یہ سے اس کے کھیل کا دوسرا حصہ شروع ہوا تھا۔ وہ حصہ جہاں سے اس نے معاویہ کو احساس دلانا شروع کیا تھا کہ اس کا بھائی وسامہ ایک نفسیاتی مریض ہے۔

"آ۔۔۔ وسامہ کا خیال ہے۔۔۔ کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے۔" وہ اپنا کردار وسامہ کے سامنے بھی بے داغ رکھنا چاہتی تھی تبھی جھجک کر بولی تھی۔

اس بار معاویہ اپنا قہقہہ روک نہیں پایا۔ وہ ہنسنے لگا تو ہنستا ہی چلا گیا۔

آئے کت ابھی بھی چہرے پر سنجیدگی سجائے رہے تھی اور وسامہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔

جب معاویہ دیر تک ہنس چکا تو وسامہ نے سنجیدگی اور قدرے بیچارگی سے کہا۔

'یہ سب مذاق نہیں ہے معاویہ! کہ اس پر ہنسا جائے۔۔۔ وہ ابھی بھی یہیں کہیں ہے۔۔۔ اسی قلعے میں۔۔۔ ہم تینوں کے آس

پاس۔''اس کی آواز میں اب بھی خوف محسوس کیا جاسکتا تھا۔

''oh really۔۔۔''اس نے غیر سنجیدگی سے آنکھیں پھیلائیں۔ادھر ادھر دیکھا اور زور سے بولا۔''اگر ایسی بات ہے تو اسے ابھی بھی ہمارے پاس ہونا چاہیئے۔۔۔ ھیلو۔۔۔میڈم آیو شمتی!۔۔۔کیا آپ میری آواز سن سکتی ہیں۔۔۔پلیز سامنے آئیں اور آ کر مجھ سے بات کریں۔۔۔میرے بھائی نے آپ کی موجودگی کو محسوس کیا ہے۔۔۔لیکن میں آپ کو دیکھنا چاھتا ہوں۔۔۔پلیز سامنے آئیں ۔۔۔کوئی ہے؟ کوئی سن رہا ہے مجھے۔۔۔'وہ شرارت سے زور زور سے بول رہا تھا اور پورے لاؤنج میں گھوم رہا تھا۔

اس کی شرارتی آواز قلعے کی دیواروں سے ٹکرائی اور گونج بن کر ہم چاروں کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

وہ اگر دیکھ پاتا تو جان جاتا کہ میں تو اس کے سامنے ہی کھڑی تھی۔۔۔مگر اس کے پاس وہ نظر ہی نہ تھی کہ مجھے دیکھ پاتا۔۔۔

''معاویہ!پلیز۔۔۔''آئے کت نے تیز لہجے میں کہا۔''تمہیں وسامہ کی بات کو سنجیدگی سے سننا چاہیئے۔''

آئے کت نے فوراً وسامہ کی سائیڈ لی تھی لیکن آئے کت کا اسطرح سے معاویہ کو ٹوکنا خود معاویہ کو بہت برا لگا تھا۔

''تمہیں مجھے instructions دینے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے بھائی کی باتیں سنجیدگی سے ہی سن رہا ہوں۔۔۔''اس نے دوٹوک آئے کت سے کہا۔

آئے کت کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ پڑ گیا۔

وہ دونوں اپنی ہی بحث میں پڑ گئے تھے۔معاویہ کے لہجے میں آئے کت کے لیے گزرے دنوں کا تمام تر غصہ سمٹ آیا تھا لیکن اس نے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کی باتیں اور بے یقین انداز جہاں وسامہ کو ہرٹ کر رہا تھا وہاں ہی آئے کت کے منصوبے کو تیزی سے کامیابی کی طرف لے جا رہا تھا۔

آئے کت کے چاہے مطابق۔۔۔معاویہ اردشیرازی نے میرے وجود سے انکار کر دیا تھا۔۔۔

میں اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں معاویہ۔۔۔وہ میرے آس پاس رہتی ہے۔۔۔میں نے۔۔۔میں نے اس کی آواز سنی ہے معاویہ!۔۔۔وہ بولتی ہے۔۔۔مجھے آوازئیں دیتی ہے۔۔۔میری بات کا یقین کرو۔۔۔تم تو میری بات کا یقین کرو۔۔۔''

وہ خوف زدہ تھا۔اس کا بھائی اور یقیناً اس کی بیوی بھی۔۔۔کوئی بھی اس کی بات پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔دونوں باتیں مل کر اسے ہیسٹیرک کر رہی تھیں سو وہ چلا کر بولا۔۔۔منت سے بولا۔یہاں تک کہ اسکی آنکھوں میں ہراس کے ساتھ ساتھ نمی بھی دکھائی دینے لگی۔

مجھے اس پر بے تحاشہ ترس آیا تھا۔۔۔وہ میری اصلیت جان پاتا اور یہ سمجھ سکتا کہ میں اس کی دشمن نہیں ہوں بلکہ اس کی اپنی بیوی اس کی دشمن ہے تب بھی یہ دکھ اسے مار ڈالتا۔۔۔محبت کی طرف سے ملنے والے دکھ انسان کو مار ہی ڈالتے ہیں۔

معاویہ خاموش سا رہ گیا۔ آئے کت کے لئے یہ بڑی نازک صورتحال تھی چنانچہ اس نے گھور کر معاویہ کو دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کر کے وسامہ کے پیروں کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں وسامہ! اگر واقعی یہاں کوئی آسیب ہے تو ہم اسے یہاں سے بھگا دیں گے۔۔۔اس عورت کی روح آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔۔۔یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔"

وسامہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی۔

وسامہ نے اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے اپنی پیشانی سے لگا لیا۔ چند لمحے وہ اسی طرح گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آئے کت اٹھی اور آہستہ سے اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی کمرے کی طرف لے گئی۔

معاویہ اتنے بڑے لاؤنج میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

جانے سے پہلے ان وسامہ نے ایک نظر بھی معاویہ کو نہیں دیکھا تھا۔ جیسے اس کی بات کو اعتبار ہی نہیں اسے دیکھ کر ان سنا کرنا بھی کیا تھا سو خاموشی سے اس کے ساتھ چلا گیا جو اس کی بات پر یقین کر رہی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

آئے کت اسے لے کر کمرے میں آ گئی تھی۔ وسامہ کی بیساکھی کو اس کے بازو سے علیحدہ کرتے ہوئے آئے کت نے اسے بیڈ پر لیٹنے میں مدد دی تھی اور اسے سونے کی تلقین کی تھی۔ وہ وسامہ کا ہاتھ تھام کر تب تک اس کے پاس بیٹھی رہی تھی جب تک وسامہ سو نہیں گیا تھا۔ اس کے سونے کے بعد وہ اس کے پاس سے اٹھی تھی اور چہرے پر پرسکون مسکراہٹ سمیٹے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نظریں وسامہ کا طواف کر رہی تھیں اور دماغ اپنے پلان کی کامیابی پر مسرور سا معاویہ کو سوچے چلا جا رہا تھا۔

اسی وقت معاویہ پر سلیپ پیرالائز ڈاٹیک ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں قدرے اکڑ گیا تھا۔ دماغ کی رگ قدرے ابھر آئی تھی اور چہرے پر بے تحاشہ اضطراب سمٹ آیا تھا۔

آئے کت کے شیطانی دماغ میں جھٹ سے ایک نیا خیال جنم لے بیٹھا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ سے دروازے کی طرف گئی تھی اور دروازے کو تھوڑا سا کھول کر پھر سے بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے صوفے پر پڑی اپنی سفید چادر اٹھائی تھی اور اسے سر پر اوڑھ لی تھی۔ ٹیبل پر پڑی فروٹ باسکٹ میں سے چھری اٹھا کر وہ وسامہ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

وسامہ پر جھکتے ہوئے اس نے چھری کی نوک کلائی پر رکھ کر آہستہ سے حرکت دی اور اس کے گردن کی طرف بتدریج لے جاتی چلی گئی۔ وسامہ کے چہرے کا اضطراب کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ یقیناً وہ حرکت کرنے کو بے چین ہو رہا تھا لیکن بے سود۔۔۔اس کے کندھے جکڑے ہوئے تھے۔ وہ خود کو ذرا سا بھی ہلانے سے قاصر تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی دیوہیکل وجود اس پر جھکا ہوا ہو اور اس نے اپنے

http://kitaabghar.com

دونوں ہاتھوں سے وسامہ کے کندھوں کو جکڑ رکھا ہو۔

وسامہ نے خود کو اس کی قید سے آزاد کرنا چاہا لیکن بے سود وہ جتنی طاقت لگاتا تھا وہ دیو ہیکل وجود اس سے دوگنی زیادہ طاقت سے اس پر جھک آتا تھا۔ وسامہ کا دل دہشت سے بھر گیا۔ اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔

اسی دوران آئے کت چھری کو اس کی گردن سے حرکت دیتے ہوئے اس کے کان تک لے گئی تھی۔ اس کے بعد وہ وسامہ کے کان کے پاس جھک آئی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھی

وسامہ نے اپنے اس نے اپنے کان میں ایک سرگوشی سنی۔ یہ کسی کے سانس کی آواز تھی جیسے سانپ پھنکار رہا ہو۔

''مجھے چھوڑ دو۔۔۔'' اس نے کہنا چاہا تھا۔

''نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔'' وسامہ نے اپنے کان کے بالکل قریب سنسناتی ہوئی سرگوشی سنی۔ یہ آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔۔۔ کبھی پاس آتی کبھی دور چلی جاتی۔۔۔ ''کبھی نہیں چھوڑونگی۔۔۔ نہیں چھوڑونگی۔۔۔''

''میں۔۔۔ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔'' وہ سسکا۔ جواب میں اس کے کندھوں پر پڑا ہوا بوجھ ہلکا پڑ گیا۔ پھر ایک کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کی آواز اس کے کان میں گونجی۔ وسامہ کو ایسا لگا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔

آئے کت اپنا کام مکمل کر کے تیزی سے اس کے ساکت وجود سے دور ہٹ گئی تھی۔ اگلے چند ہی لمحوں میں وہ کمرے سے باہر نکل رہی تھی اور وسامہ نے کندھوں سے بوجھ ہٹتا ہوا محسوس کیا تھا۔ وہ کب گہری نیند میں گیا، وہ نہیں جانتا تھا۔

اسی وقت معاویہ شرمندہ شرمندہ سا وسامہ کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ آئے کت کمرے سے نکلی۔ معاویہ کو کھڑا دیکھ کر رکی پھر نظر انداز کر کے کمرے کا دروازہ بہت آہستگی سے بند کیا اور جوں ہی پلٹی معاویہ ایک دم سے اس کے سامنے آ گیا۔

''یہ سب کیا تماشہ ہے؟''

''مجھے نہیں پتا۔۔۔'' آئے کت نے تحمل سے کہا۔ ''میں وسامہ کی چیخیں سن کر کمرے سے نکلی تھی۔۔۔ میں نے دیکھا وہ بہت بری طرح ڈرا ہوا تھا باقی ساری بات تو تمہارے سامنے ہی ہوئی ہے۔'' وہ تیزی سے جھوٹ بولتی چلی گئی۔

''میں اس ساری بات سے پہلے کی بات کر رہا ہوں۔'' معاویہ نے ناراضی سے کہا۔ ''اچانک وسامہ کو کیسے یہ شک پڑا کہ فلک پاس میں کوئی بدروح ہے؟ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

معاویہ بے حد مشکوک انداز میں بات کر رہا تھا۔

''پچھلے تین چار مہنوں سے وسامہ اپنے شک کا اظہار کر رہا تھا۔۔۔'' آئے کت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''لیکن میں نے اس کی بات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔۔۔ تم جانتے ہو وہ ذرا جلدی ڈر جاتا ہے۔۔۔ میں نے سوچا ایسی ہی کوئی بات ہو گی لیکن

آج جس طرح وسامہ نے ری ایکٹ کیا ہے۔۔۔میں پریشان ہوگئی ہوں۔"

"تمہیں پریشان ہونا بھی چاہیئے۔" معاویہ نے رکھائی سے کہا۔ "تمہارا شوہر کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہو رہا ہے اور تم نے اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔"

"یہ درست نہیں ہے۔۔۔" آئے کت کا دل اس کے "نفسیاتی مرض" کا لفظ استعمال کرنے پر سکون سے بھر گیا۔اس کا تیر نشانے پر لگا تھا لیکن اس وقت اس کی بدگمانی دور کرنا ضروری تھا۔

"میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی لیکن۔۔۔۔ہاں۔۔۔شائد تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔لیکن اس سے پہلے وسامہ کی حالت ایسی کبھی نہیں ہوئی۔۔۔اف۔۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" اس نے سر تھام کر پریشان ہونے کی کامیاب ایکٹنگ کی تھی اور معاویہ اس کی باتوں میں بھی آ گیا تھا۔

اگلی صبح معاویہ نے آئے کت سے اپنے رویے کی معذرت کر لی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وسامہ کے رویے کے لیے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے اس بارے میں نہ بتانے پر خفگی کا اظہار کیا تھا،

آئے کت نے جواب میں کہا تھا۔"سچ تو یہ ہے کہ مجھے کبھی یہ بات اتنی پریشان کن لگی ہی نہیں۔چند مہینے پہلے وسامہ نے فلک بوس میں کچھ اثرات کا ذکر کیا تھا۔وہ اکثر رات کو ڈرنے لگا تھا لیکن ایسے ہی جیسے کبھی انسان سوتے ہوئے ڈر جاتا ہے۔کبھی اس کی حالت مجھے اتنی پریشان کن نہیں لگی تھی کہ میں تمہیں یا کسی اور کو اطلاع کرتی۔۔۔ویسے بھی تم نے ہی مجھے بتایا تھا وسامہ بچپن سے تھوڑا ڈرپوک واقع ہوا ہے۔۔۔وہ اکثر اندھیرے سے ڈر جاتا تھا۔اکیلے رہنے سے اسے خوف آتا تھا۔۔۔لیکن یہ تو اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔مگر جو کچھ کل ہوا۔۔۔وہ اکثر لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کوئی انسان مستقل پریشانی سے تھک چکا ہوتا ہے۔

"کیا تم نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی جو تمہیں مافوق الفطرت لگی ہو؟" معاویہ نے پوچھا۔

آئے کت نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں۔۔۔میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔۔۔نہ ہی میں نے ان اثرات کو محسوس کیا ہے جن کا ذکر وسامہ کرتا ہے۔"

"وسامہ اثرات کا ذکر کرتا تھا؟" معاویہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔میں نے بتایا ناں۔۔۔چند مہینے سے اسے عجیب عجیب چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔۔۔کبھی اس کی کوئی چیز غائب ہو جاتی تھی۔۔۔کبھی اسے چیزیں ہلتی ہوئی نظر آنے لگتیں۔۔۔کبھی لیپ ٹاپ نہیں ملتا تھا۔۔۔اور کبھی وہ کہتا تھا اسے سائے نظر آتے ہیں۔۔۔اسپیشلی سیکنڈ فلور پر وہ شام کے بعد کبھی نہیں جاتا تھا۔۔۔اسے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی لیکن خدا گواہ ہے معاویہ! میں نے یہاں ایسا کچھ محسوس نہیں کیا۔۔۔اگر واقعی یہاں اثرات ہوتے تو مجھے بھی نظر آتے۔۔۔"

ان کی بات ابھی تک یہاں ہی پہنچی تھی کہ وسامہ کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ وہ دونوں فوراً اندر کی جانب بھاگے تھے۔

وہ دونوں تالاب کے کنارے سے بھاگتے ہوئے اس تک پہنچے۔ چیخ چیخ کر اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ وہ panic ہو چکا تھا اور اسے قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ رو رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ پر خون لگا ہوا تھا اور دایاں کان بھی خون سے رنگا ہوا تھا۔ معاویہ نے اسے زبردستی بازوں میں جکڑ لیا تھا۔ اس کی حالت کچھ سنبھلنے کے بعد وہ دونوں اسے ڈسپنسری لے گئے تھے۔ ڈسپنسر نے انہیں بتایا تھا کہ یہ کسی تیز دھار آلے سے کٹے جانے کا زخم ہے لیکن آئے کت نے وسامہ کو یقین دلایا تھا کہ یہ کسی کیڑے کے کاٹنے کی وجہ سے ہوا ہے اور وہ پریشان نہ ہو۔

یہ اگلی صبح کا ذکر ہے جب وسامہ اور معاویہ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ معاویہ وہاں آیا تھا اور اس نے بیٹھتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا۔

"میں نے سارے فلک بوس کا جائزہ لیا ہے۔۔۔ تمام ملازمین سے بھی انکوائری کی ہے۔۔۔ مجھے یہاں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ یہاں کوئی آسیب وسیب بھی رہائش پذیر ہے۔"

وسامہ کا دل فوراً ہی ناشتے سے اچاٹ ہو گیا۔ وہ ہاتھ روک کر بے بسی سے معاویہ کو دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے تم دونوں میرے ساتھ چلو۔۔۔ اسلام آباد میں ہم کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے۔۔۔"

"مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے۔" وسامہ نے ہیجانی انداز میں اس کی بات کاٹی۔

"لیکن مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے میں سچ کہہ رہا ہوں میں نے آیو شمتی کی موجودگی کو محسوس کیا ہے۔۔۔ وہ یہیں ہے ہمارے آس پاس۔۔۔ اسی جگہ۔"

وہ ٹھیک بول رہا تھا۔ میں وہاں ہی موجود تھی۔۔۔ ان کے بہت پاس۔۔۔

"وسامہ! میری سنو۔۔۔"

معاویہ نے رسان سے اسے سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسے اس کے بچپن کے واقعات یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ انہیں کسی اچھے سئیکاٹرسٹ سے اس مسئلے کو ڈسکس کرنا چاہیے۔

"وہ بچپن تھا معاویہ!" وسامہ نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ "بچپن میں ہر دوسرے بچے کے ایسے خیالی دوست ہوتے ہیں۔۔۔ تم بھول رہے ہو نہ میں بچہ ہوں نہ وہ بدروح میرے دوست کا کردار نبھا رہی ہے۔۔۔ وہ میرے پیچھے لگی ہوئی ہے وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔"

معاویہ نے جیسے لاجواب ہوتے ہوئے وسامہ کو دیکھا پھر بولا۔

"تمہیں یہ کیوں لگتا ہے وہ نقصان ہی پہنچائے گی؟۔۔۔ اگر واقعی اس کا کوئی وجود ہے تو کیا پتا وہ تم سے بات کرنا چاہتی

ہو۔" معاویہ نے تصویر کا ایک نیا رخ اسے دکھایا۔" میری بات مانو وسامہ! اگر اگلی بار تمہیں اس روح کی موجودگی محسوس ہو تو ڈرنے کی بجائے اس سے بات کرنے کی کوشش کرنا... مجھے یقین ہے کوئی نہ کوئی پوزیٹو بات ضرور سامنے آئے گی۔" معاویہ نے بیحد سنجیدگی سے باری باری ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو میرے ساتھ سائیکاٹرسٹ کے پاس چلو۔۔۔ مجھے یقین ہے جس پریشانی سے تم خود نہیں نکل پا رہے ایک بہترین سائیکاٹرسٹ کے ساتھ تین چار سیشنز ضرور نکال دیں گے۔"

وسامہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"وسامہ کی حالت بلاشبہ پریشان کن ہے لیکن یہ وقتی phase ہے۔۔۔ گزر جائے گا اگرچہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے لیکن تم اتنی پریشان ہو اس لئے بتا رہا ہوں۔۔۔ وسامہ کو بچپن سے لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا شوق رہا ہے اور اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لئے وہ اکثر من گھڑت کہانیاں سنایا کرتا تھا... آج میری ماموں سے بات ہوئی تھی انہوں نے ہی مجھے یہ بات یاد دلائی ہے۔۔۔" معاویہ نے آئے کت کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

آئے کت کے لئے یہ ایک دھچکا تھا وہ سمجھتی تھی وسامہ اس کے لئے کھلی کتاب کی طرح ہے لیکن اب آ کر اسے احساس ہو رہا تھا اس کھلی کتاب کے کئی چیپٹرز پڑھنا ابھی باقی تھے۔۔۔ اگر وہ اس بارے میں پہلے سے جانتی ہوتی تو یقیناً اسے دو سال وسامہ کے ساتھ ضائع نہ کرنے پڑتے اور بہت پہلے وہ اپنے پلان میں کامیاب ہو چکی ہوتی۔

"اور کان کے اس زخم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے معاویہ کی سوچ کے بارے میں مزید جاننے سے غرض سے بات برائے بات پوچھا تھا۔

"تمہیں یاد نہیں۔۔۔ تم نے خود کہا تھا وہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا ذخم تھا۔" معاویہ نے اسے یاد دلایا۔

"معاویہ!" آئے کت نے یکدم جھجکتے ہوئے کہا۔" میں نے صرف وسامہ کی پریشانی دور کرنے کے لئے ایسا کہا تھا۔ وہ زخم واقعی کسی تیز دھار چیز کے کاٹنے سے بنا تھا۔" اس نے معاویہ کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

معاویہ کو دھچکا لگا۔ وہ یکدم پریشان ہوا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وسامہ نے خود کو خود ہی زخم پہنچایا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"دیکھو اس وقت کمرے میں وسامہ اکیلا تھا۔۔۔ بعض نفسیاتی مریض ایسا کرتے ہیں وہ خود کو ایزاء پہنچاتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے انہیں سکون ملتا ہے۔" وہ جیسے جھجک کر معاویہ کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔

"کیا تم نے وسامہ کے مزاج میں کچھ اور بھی تبدیلیاں نوٹ کی ہیں؟" معاویہ نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

''میں واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔۔۔میں خود الجھی ہوئی ہوں۔'' اس نے معاویہ کی فکر مندی میں بڑے اطمینان سے اضافہ کیا تھا۔ ''فکر مجھے اس بات کی ہے کہ کہیں اس روح سے بات کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ خود کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچا لے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔۔۔انشاء اللہ۔'' معاویہ نے پر یقین لہجے میں کہا۔ ''میں اسلام آباد جا رہا ہوں وہاں کسی سائیکاٹرسٹ سے وسامہ کا کیس ڈسکس کروں گا۔ تب تک تمہیں وسامہ کا خیال رکھنا ہے۔۔سائے کی طرح اس کا خیال رکھنا ہوگا تاکہ وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔''

''میں پوری کوشش کروں گی۔'' معاویہ کو اس کے بھائی کے پاگل پن کے بارے میں پوری طرح یقین دلانے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر وسامہ کے پیچھے چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

معاویہ نے واپس جاتے ہی ملک کے مشہور و معروف سائیکاٹرسٹ سے اپائنمنٹ لی لیکن جب یہ بات وسامہ کو پتا چلی تو وہ بیزار ہو گیا۔

''مجھے معاف کرنا معاویہ! لیکن میں نہیں جاؤں گا۔'' اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

معاویہ نے اس کی طرف سے مایوس ہو کر اسے کچھ ادویات بھجوا دیں جن کے بارے میں معاویہ کا کہنا تھا اس نے کسی سائیکاٹرسٹ سے وسامہ کا کیس ڈسکس کر کے حاصل کی ہیں۔ وسامہ دوائیوں کے اس لفافے کو دیکھ کر عجیب سی ذہنی حالت کا شکار ہوا لیکن اپنے سکون کے لئے اس نے ان ادوائیات کا استعمال شروع کر دیا۔

ان ادوائیات کے استعمال کے ساتھ ہی وہ گھنٹوں سویا رہتا۔ لیکن یہ نیند دیکھنے والوں کے لئے تھی خود اسے عجیب بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی تھی اور ایسا لگتا تھا وہ سوئی جاگی کیفیت کا شکار ہے۔ سارا ہی وقت اسے عجیب عجیب خواب اور مناظر نظر آتے رہتے۔ کبھی وہ خود بھاگ رہا ہوتا اور کبھی کوئی اسکے تعاقب میں ہوتا۔ سوتے ہوئے ایسا لگتا کوئی ہیولا اس کے ساتھ آ کر بیٹھا ہے اسے ہاتھ لگا رہا ہے آنکھ کھل جاتی تو غنودہ ذہن کے ساتھ یہ سائے اسے خود پر لپکتے ہوئے محسوس ہوتے۔

مختصر الفاظ میں آئے کت کے بنے ہوئے جال نے وسامہ کے گرد خوف کی ایسی فضا قائم کی کہ اسے مزید کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کی ذہنی حالت اس حد تک ابتر ہو چکی تھی کہ آئے کت کے کچھ کیے بغیر وہ ہر وقت خوف کا شکار رہتا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اس کھیل کا اختتام کیا جاتا۔

اور آئے کت اس کھیل کا اختتام بہت پہلے ہی لکھ چکی تھی۔

اسے وسامہ کو اس حد تک پاگل کر دینا تھا کہ معاویہ خود اسے کسی پاگل خانے میں چھوڑ آتا۔

پاشا کی مدد سے ایک ایسے آدمی کا انتظام کیا گیا جو پیسے لے کر فلک بوس میں نقلی عامل کا روپ دھار کر آئے کت کے توسط سے

داخل ہوا۔ وسامہ کو اس کے بارے میں بتایا گیا کہ آئے کت اسے وادی میں سے بلا کر لائی ہے۔ یہ آخری مدد تھی جو پاشا سے آئے کت نے لی تھی کیونکہ کہ اگلے ہی روز اپنے والد کے حکم پر پاشا کو بشام چھوڑ کر ایک لمبے عرصے کے لیے شہر جانا پڑا تھا۔۔۔

اس نقلی عامل نے وسامہ کو یقین دلایا کہ اس کا کہنا بالکل درست ہے اور فلک بوس حقیقتاً کسی بدروح کے زیرِ اثر ہے۔ اس نے وسامہ کو کہا کہ وہ ایک عمل کرے گا جس سے وہ بدروح فلک بوس کو چھوڑ دے گی۔ عمل شروع کیا گیا اور اس کرائے کے عامل نے کامیاب اداکاری کے ذریعے بدروح کے ہاتھوں زخمی ہونے کا ڈرامہ کیا اور فلک بوس سے جان بچا کر بھاگ گیا۔

وسامہ کی یہ امید بھی ٹوٹ گئی۔

اس نے بڑی مشکل سے عامل کو راضی کیا کہ وہ اسے رات کے بارے میں بتائے۔ عامل صاحب اتنے خوفزدہ تھے کہ بول بھی نہ پا رہے تھے۔

”وہ۔۔۔ وہ بہت بھیانک چہرہ تھا۔۔۔ ایسے عمل کے دوران کانوں میں آوازیں ضرور آتی ہیں لیکن آنکھیں اور کان بند رکھ کر عمل مکمل کرنا ہوتا ہے۔۔۔ آج سے پہلے کبھی میں نے ایسی کسی آواز پر آنکھیں نہیں کھولیں۔۔۔ لیکن کل۔۔۔ پتا نہیں کیوں ان آوازوں سے میں ڈر گیا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ وہ چہرہ بالکل میرے سامنے تھا۔۔۔ اور ایسا کریہہ تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔۔۔ اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور ایک ہاتھ پر اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔۔۔ اگر میں وہاں سے بھاگ نہ گیا ہوتا تو وہ مجھے جان سے مار دیتی۔“

وسامہ کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

”کوئی اور پیر فقیر، تانترک رہ گیا ہے تو اسے بھی لے آؤ۔۔۔ تاکہ سب آئیں اور اس آسیب کے شر کا شکار ہو کر میری پریشانی میں اضافہ کرتے رہیں۔“ وسامہ نے بے بسی بھرے غصے کے ساتھ آئے کت سے کہا تھا۔

آئے کت نے ابھی بھی اسے یہی یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے اور یہ سب اس کا وہم ہے۔ وہ معاویہ کو یقین دلا چکی تھی کہ وسامہ نفسیاتی مریض ہے اور اب اسے وسامہ کو بھی کنفیوژ کرنا تھا۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ وسامہ خود بھی نہ جان سکے کہ اس کے ساتھ ہونے والے واقعات اس کی ذہنی خرابی کا نتیجہ ہیں یا فلک بس کی بلا اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔

وسامہ نے طے کیا وہ لوگ وہاں سے چلے جائیں گے۔ یقیناً یہ ایک اچھا فیصلہ ہو سکتا تھا اگر زندگی نے اسے مہلت دی ہوتی تو۔۔۔ یا شاید اگر وسامہ کی زندگی کی ابو شمتی یعنی آئے کت نے اسے مہلت دی ہوتی تو۔۔۔ وسامہ نے یہی سن رکھا ہے آسیب جس جگہ قابض ہو وہاں کسی کو بسنے نہیں دیتا تو ممکن ہے آبو شمتی اسی لئے اسے تنگ کرتی ہو کہ وہ دونوں فلک بوس کو چھوڑ کر چلے جائیں۔

وسامہ نے طے کیا وہ فلک بوس سے چلے جائیں گے اور دوبارہ کبھی یہاں نہیں آئیں گے اور یہ بھی کہ وہ معاویہ کو قائل کرے گا وہ

فلک بوس کو بیچ دے اور دوبارہ کبھی یہاں نہ آئے۔

یہ طے کرتے ہی وہ قدرے پرسکون ہوا لیکن اس روز بھی سونے کے لئے اسے نیند کی ایک سے زیادہ گولیوں کا سہارہ لینا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

بشام میں اس رات گرج چمک کے ساتھ بارش ہو رہی تھی۔

آئے کت سارے کام سمیٹ کر سونے کے لئے لیٹ گئی وسامہ اس کے ساتھ لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔

"آپ سو کیوں نہیں جاتے؟"

"نیند نہیں آ رہی۔" اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"سونے کی کوشش کریں وسامہ۔۔۔!"

"تم سو جاؤ۔۔۔ میں بھی تھوڑی دیر میں سو جاؤں گا۔"

آئے کت نے بڑھ کر اس کے بازو پر سر رکھ لیا تھا۔ وہ کافی تھکی ہوئی تھی تو جلد ہی گہری نیند میں چلی گئی۔

وسامہ جب کافی دیر تک کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تو اس نے اٹھ کر نیند کی گولیاں کھائیں۔ دو، چار۔۔۔ اور وہ جانتا تھا وہ حماقت کر رہا ہے۔ لیکن نیند تھی کہ آ کر نہ دے رہی تھی ویسے بھی اسے اب عادت پڑ چکی تھی نیند کی دوائیاں کافی مقدار میں کھانے کی۔

بہر حال اس کے بعد اسے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

اس کے سونے کے کچھ دیر بعد ہی آئے کت کسی عجیب سی کیفیت کے زیر اثر جاگ گئی تھی۔

اسے اپنی نیند ٹوٹنے کی وجہ پہلے تو سمجھ ہی نہیں آئی تھی پھر اس کی نظر وسامہ کی طرف اٹھ گئی تھی اور اسے وجہ سمجھنے میں دیر نہ لگی وسامہ سلیپ پیرالائز کے زیر اثر تھا۔۔۔

آئے کت کو غصہ آنے لگا۔ وہ تھکی ہوئی تھی۔ سونا چاہتی تھی اور اگر وسامہ کو ابھی نہ جگاتی تو وسامہ اٹیک سے باہر آتے ہی چیخیں مار مار کر اسے جاگنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ اکثر یہی سب کرتا تھا۔

وہ اٹھ کر وسامہ کے قریب ہوئی اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"وسامہ۔۔۔ وسامہ۔۔۔"

وسامہ نے سر پٹخا۔ وہ خود کو حرکت دے پا رہا تھا لیکن نیند آور دوا کی زیادہ مقدار لینے کی وجہ سے اس کا ذہن اس کے اپنے قابو سے باہر تھا۔ وہ چاہ کر بھی مکمل طور پر اپنے اعصاب پر قابو نہیں پا رہا تھا۔

"وسامہ۔۔۔! وسامہ۔۔۔!" آئے کت نے پھر سے اسے پکارا تھا۔

وسامہ نے بدقت تمام آنکھیں کھولیں تھیں اور بدک کر پیچھے ہٹا تھا۔

دبی دبی کتنی ہی چیخیں اس کے منہ سے آزادی ہوئی تھیں۔ وہ اسے پر نظر جمائے بار بار اسی کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔

اس کی چیخوں سے پریشان ہو کر آئے کت نے بلا ارادہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اب وسامہ کی جان لرز گئی۔ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مر جانے کی حد تک کانپتے ہوئے دل کے ساتھ اس نے پورے جسم کی طاقت لگا کر خود کو آئے کت سے چھڑوایا اور گرتا پڑتا وہ بیڈ سے اٹھا اور گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف بھاگنے لگا۔

بیسا کھی اس کے ہاتھ میں نہیں تھی لیکن وہ اتنا خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اپنی جان بچانے کے خیال سے سارے جسم میں ایک الگ ہی قوت بیدار ہو گئی تھی۔

خود کو گھسیٹ کر چلتے ہوئے وہ بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے اٹھتے ہی آئے کت بھی اٹھ کر اس کے پیچھے لپکی تھی۔ اگر اس حالت میں وہ خود کو کوئی نقصان پہنچا دیتا تو نہ صرف اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جاتا بلکہ معاویہ کو مطمئن کرنا بھی ناممکن ہو جاتا۔

وسامہ کی رفتار میں تیزی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

سارا فلک بوس رات کی خاموشی اور اسرار میں ڈوبا ہوا تھا باہر بارش تڑ تڑ برس رہی تھی اور خوب گرج چمک کے ساتھ شائد صبح تک جاری رہنے والی تھی

آئے کت کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ وسامہ کو اس حالت سے کیسے باہر لائے۔ وہ تیزی سے گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھ رہا تھا بلا خرا وہ تیزی سے تہہ خانے کی طرف بڑھا اور جیسے تیسے تہہ خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

آئے کت نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ وسامہ اندر سے لاک لگا چکا تھا۔

ایک انسان اضطراب میں جیسی حرکتیں کر سکتا ہے وسامہ بھی بالکل ویسے ہی کر رہا تھا۔

ایک لمحے کو آئے کت کا دل چاہا کہ اسے یہاں ہی چھوڑے اور جا کر سو جائے پھر وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے سے چابیوں کا گچھا اٹھا لائی تھی۔ چند چابیوں کو آزمانے کے بعد وہ تہ خانے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

یہاں اور بھی خاموشی اور اسرار پھیلا ہوا تھا۔

اس نے اندر داخل ہو کر وسامہ کو ڈھونڈنا چاہا۔۔ مگر ناکامی ہوئی۔ وسامہ وہاں نہیں تھا۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ تہ خانے کا اور کوئی دروازہ نہیں تھا جہاں سے وسامہ باہر نکل پاتا۔

وہ چند لمحے وہاں کا جائزہ لینے کے بعد باہر کی جانب بڑھی تھی۔ تبھی اسے کمرے میں رکھی اکلوتی تابوت نما الماری میں کسی کھٹ پٹ کا احساس ہوا تھا۔

http://kitaabghar.com

الماری کا دروازہ خودکار تھا۔ اگر وہ باہر سے بند ہو جاتا تو اسے اندر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا۔

آئے کت کو ایک لمحہ ہی کافی تھا۔ وہ سب سمجھ گئی تھی۔ وسامہ الماری میں خود کو بند کر چکا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی تا کہ وسامہ کو باہر نکال سکے لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئی۔

جب قسمت خود اس پر مہربان ہو رہی تھی۔۔۔ جب قسمت خود اس کو وسامہ سے نجات دلا رہی تھی۔۔۔ جب قسمت خود اسے معاویہ کے قریب ہونے کا موقع دے رہی تھی۔۔۔ تو وہ اپنی قسمت کو خود سے ٹھوکر کیسے مار سکتی تھی۔۔۔

کانپتی ٹانگوں اور کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ وہ مڑی اور تہ خانے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

بہتر گھنٹے بعد جب وسامہ کو الماری سے نکالا گیا تو اس کی موت کو چھتیس گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

پولیس آئی۔ لیکن تحقیقات پوری طرح شروع ہونے سے پہلے ہی معمہ حل ہو گیا۔

کسی نے کہا وسامہ نے خودکشی کی ہے۔ ایسی الماری جسے صرف باہر سے کھولا جا سکتا تھا، میں کوئی جا کر کیوں بیٹھے گا جبکہ وہ یہ بات بھی جانتا ہو کہ اندر سے اس الماری کا دروازہ کھلنا ناممکن بات ہے۔ پھر الماری کے دستے پر وسامہ کے فنگر پرنٹس موجود تھے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس کے خون میں نشہ آور دوائیوں کا اثر ملا تھا۔ یقیناً اس نے نیند کی گولیاں کھا کر خود کو الماری میں محبوس کر لیا ہو گا اور وہیں اس کی موت واقع ہو گئی ہو گی۔

قیاس کے اس دراز ہوتے سلسلے پر پولیس کی حتمی رپورٹ نے فل اسٹاپ لگا دیا تھا۔ اس رپورٹ سے صرف وسامہ طالب کی موت کے کیس کو ہی بند نہیں کیا اس رپورٹ نے بشام کی وادی میں پھیلی ہوئی فلک بوس کی نحوست پر مبنی کہانیوں پر بھی مہر ثبت کر دی تھی۔

معاویہ نے وہاں سے وسامہ کا سامان سمیٹا اور ایک بار پھر فلک بوس کو میرے سہارے چھوڑ کر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔

اس دن کے بعد میں نے کئی بار معاویہ کو فلک بوس میں دیکھا۔ وہ اکیلا آتا تھا اور عجیب اضطراب کی کیفیت میں سارے فلک بوس میں پھرتا رہتا تھا۔

عجیب وحشت کے عالم میں وہ فلک بوس میں مجھے تلاش کرتا پھرتا تھا۔

اس آسیب کا پتا لگانے کی کوشش کرتا تھا جس کا خوف اس کے بھائی کو نگل گیا تھا۔۔۔

لیکن فلک بوس اس کی نظر سے خالی تھا۔ وہاں خاموشی، اداسی اور وحشت کا عنصر ضرور تھا لیکن اسے میرا کوئی وجود نہیں ملتا تھا اور پھر جب وہ مجھے ڈھونڈنے میں ناکام ہو جاتا تو وہاں بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر روتا تھا۔ بالکل کسی بچے کی طرح۔۔۔ جس سے اس کا پسندیدہ کھلونا چھین کر اس کے سامنے ہی توڑ دیا گیا ہو۔

گو کہ معاویہ ہمیشہ سے یہی مانتا تھا کہ آیوشمتی محض وسامہ کا واہمہ تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وسامہ کوئی نفسیاتی مریض بن چکا تھا حالانکہ وہ جب تک زندہ رہا معاویہ خود اسے یقین دلاتا رہا کہ آیوشمتی اس کا ذہنی عارضہ ہو سکتی ہے حقیقت نہیں۔ لیکن اب اس کے گزر جانے کے بعد وہ خود ہی مخمصے میں پڑ گیا تھا۔

☆......☆......☆

یہ انہی دنوں میں سے ایک دن کی بات ہے جب معاویہ فلک بوس میں موجود تھا۔ پاشا اپنے ماں باپ سے ملنے شہر سے بشام آیا تھا۔ وہ وسامہ کی موت کی خبر سن کر بھاگا آیا تھا۔ فلک بوس آ کر جب اسے وسامہ کی خودکشی کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ ششدر رہ گیا۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے باپ کو دیکھتا جاتا تھا۔ اس نے اور آئے کت نے وسامہ کو اس حد تک لے جانا تو نہیں چاہا تھا۔ وہ تو بس وسامہ کی سچائی دنیا کے سامنے لانا چاہتے تھے۔ وہ مرے مرے قدموں میں باپ کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باپ سے آئے کت کے بارے میں کوئی بات کر پاتا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوارٹر میں خاتون بی بی کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا پھر کچھ دیر بعد اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

"پاشا خان! تم ٹھیک ہو؟" خاتون بی بی نے اس کے بالوں کو سہلا کر پوچھا تھا۔

"اماں! وسامہ صاحب تو ٹھیک ٹھاک تھے نا پھر یہ اچانک کیسے۔۔۔؟" اس نے آہستہ سے پوچھا تھا۔ اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"بس بیٹا۔۔۔! ان کا وقت آ گیا تھا۔" خاتون بی بی نے نرمی سے جواب دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی نرم طبیعت سے اچھے سے واقف تھیں۔

"بیمار تھے؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں میرا بچہ۔۔۔! بیمار نہیں تھے۔ بس فلک بوس میں رہنا ان کو راس نہیں آیا۔" وہ افسردگی سے بولی۔

ماں بیٹے کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد خاتون بی بی نے دوبارہ سے بات کا آغاز کیا تھا۔

"اللہ ان کے اگلے سفر کو آسان کرے۔۔۔ یقین ہی نہیں آتا کہ اتنا اچھا اور نرم دل انسان حرام موت کو گلے لگا بیٹھا ہے۔"

اس کا احساس جرم کچھ مزید بڑھ گیا۔

دل "اچھا اور نرم دل" پر ہی اٹک گیا تھا۔ وہ اٹھ کر کوارٹر سے باہر نکل آیا اور پھر فلک بوس سے بھی نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ قبرستان کی جانب تھا۔ وہ وسامہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کرنا چاہتا تھا۔

اس کا احساسِ جرم کچھ نیا نہیں تھا۔ اسے جانے کیوں اس سارے معاملے میں خاص طور پر اس نقلی عامل والے ڈرامے پر

ہمیشہ سے اعتراض تھا۔اس نے آئے کت کو اس کام سے منع رکھنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن پھر آئے کت کے آنسوؤں کے آگے ہار گیا تھا۔ شہر جانے کے بعد اس نے جب جب اس بارے میں سوچا تھا اسے آئے کت کی بتائی کہانی میں ہمیشہ نئے جھول نظر آئے تھے۔ وہ اپنے بچپن سے وسامہ کو دیکھتا آرہا تھا۔ وہ بہت نرم خو اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا۔ مالک ہو کر بھی اس نے پاشا اور اس کے خاندان سے کبھی نوکروں والا سلوک نہیں کیا تھا۔اس کا دل کہتا تھا کہ وسامہ اپنی بیوی کے لیے اتنا ظالم نہیں ہوسکتا جب کہ اس نے ہمیشہ وسامہ کو آئے کت سے نرم دلی سے ہی بات کرتے دیکھا تھا۔

اس نے کتنی ہی بار سوچا کہ وہ وسامہ کو سب سچ بتا دے یا کم از کم اپنے باپ کو ہی اس بارے میں بتا دے مگر آئے کت کی شکل دیکھتے ہی اس کا دل پھر سے سب کچھ بھول جاتا تھا۔ وہ ساحرہ تھی اور اپنا سحر قائم کرنا جانتی تھی۔

وہ سر جھکائے قبرستان میں داخل ہوا تھا۔ کچھ آگے جا کر وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔سامنے وسامہ کی قبر کے سامنے معاویہ بیٹھا تھا۔ اپنا سر گھٹنوں میں دیے وہ اکڑوں بیٹھا تھا اور ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

پاشا فوراً ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا اور معاویہ کی باتیں سننے لگا۔

وہ معاویہ سے آئے کت کے بارے میں بول رہا تھا۔ وہ اس کی قبر کے سامنے بیٹھا اس کی اور آئے کت کی تمام کہانی کو دہرا رہا تھا۔ وہ وسامہ سے گلہ کر رہا تھا کہ وہ اتنا بزدل کیوں بن گیا کہ اسے اور آئے کت کو اکیلا چھوڑ گیا۔

پاشا ہکا بکا ساری کہانی سنتا چلا گیا تھا۔اس پر حقیقت کسی عذاب کی طرح آشکار ہوئی تھی۔ اسے آج پہلی بار پتا چل رہا تھا کہ اسے کس طرح پاگل بنایا گیا تھا۔

سرخ چہرے لیے وہ قبرستان سے نکلتا چلا گیا تھا۔

تین گھنٹے بعد وہ کبیر کے سامنے بیٹھا اسے سب باتیں تفصیل سے بتاتا چلا گیا تھا اور کبیر خان اپنا سر پیٹنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔

"تمہارا گناہ بہت بڑا ہے پاشا خان! میں تمہیں معاف کر بھی دوں تو اللہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ تمہاری وجہ سے ایک معصوم انسان ایسی موت مرا ہے کہ روح کانپتی ہے۔ میں تمہارے اس گناہ میں تمہارا ساتھ دے کر خود کو کسی کا قاتل نہیں بنا سکتا۔" کبیر خان نے افسردہ مگر سخت لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

پاشا کا سر کچھ مزید جھک گیا۔

"میری روح پر بہت بوجھ ہے بابا! آپ جو کہو گے میں ویسا کرنے کو تیار ہوں۔ ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔"

"ہمیں معاویہ صاحب کو سب بتانا ہوگا۔ تمہاری کیا سزا ہے وہ وہی طے کریں گے۔" کبیر خان نے سرد مہری سے کہا تھا۔

اور پھر اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو لے کر معاویہ کے پاس آیا تھا اور اسے ساری بات بتا دی تھی۔

http://kitaabghar.com

معاویہ ششدر سا ساری بات سنتا چلا گیا تھا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

پاشا کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی جب معاویہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور الٹے ہاتھ کا زوردار مکا پاشا کے منہ پر دے مارا تھا اور اس نے ایک بار پر اکتفا نہیں کیا تھا۔

پاشا کی اچھی طرح دھلائی کرنے کے بعد وہ گاڑی لے کر فلک بوس سے نکل گیا تھا۔ اس کی اگلی منزل ایبٹ آباد تھی جہاں اس کے بھائی کی اصل قاتل موجود تھی۔

☆......☆......☆

اس روز صبح بیدار ہوئی تو آسمان کے چہرے پر دھند کا عکس پھیلا تھا۔

یہ ڈوبتے ہوئے اکتوبر کے دن تھے اور درختوں کے پتے تازہ سردی کے بوجھ سے اپنے آپ میں سمٹتے اور جھکتے تھے۔

مکان کے داخلی دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے معاویہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ طالب ماموں کے اس دو منزلہ چھوٹے سے گھر پر اترنے والی آج کی صبح ہمیشہ جتنی روشن ہرگز نہیں تھی۔

اس کا بوجھل دل اور بھی اداسی سے بھر گیا۔ حلق میں آنسوؤں کا کڑواپن اترا تو اس نے دو تین گہرے سانس لئے آنسوؤں کو اپنے دل میں اتارا اور خود کو جی بھر کر لتاڑا۔ وہ یہاں آنسو بہانے نہیں آیا تھا۔ وہ یہاں ان تمام آنسوؤں کا حساب لینے آیا تھا جو اس گھر کے جوان بیٹے کی موت کے بعد ان سب نے بہائے تھے۔

عین اس وقت جب وہ دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بھی بجا چکا تھا۔ تو اسے ادراک ہوا وہ اتنا بہادر ہرگز نہیں تھا۔ کسی سے آنسوؤں کا حساب مانگنے سے پہلے انہیں پونچھنا پڑتا ہے۔ ان کے بہنے پر قابو پانا پڑتا ہے۔

اس کا دل چاہا واپس پلٹ جائے اور اس نے ایسا کیا بھی۔ آنکھ میں آنسو لیکر جوں ہی واپسی کے لئے پلٹا اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ معاویہ کے پلٹتے قدم جیسے دہلیز نے جکڑ لئے تھے۔ آنسو اس کی آنکھ سے پھسل کر گال پر پھیل چکے تھے۔

آئے کت ششدر سی اسے دیکھے گئی۔ دونوں خاموش تھے۔

معاویہ کے آنسوؤں نے آئے کت کو کوفت میں مبتلا کر دیا اور یہ کوفت اس کی آنکھوں میں سرف مہری بن کر چمکی تھی۔

''کون ہے آئے کت؟'' ممانی پوچھتے ہوئے اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''معاویہ'' ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ سرعت سے آئے کت کے عقب سے نکلیں اور ننھے بچوں کی طرح معاویہ کو خود سے لپٹا لیا۔

''وسامہ بھی چلا گیا۔۔۔ تم نے بھی آنا چھوڑ دیا۔۔۔'' وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹے بچوں کی طرح ہی سسک رہی تھیں۔

معاویہ نے پرواہ نہیں کی۔ وہ بھی رونے لگا۔ وہ بہت بڑی سچائی جان کر آیا تھا۔ اس سے اس سچ کا غم اٹھایا نہیں جاتا تھا۔ بہر

حال وہی تو تھا جس نے سب کے منع کرنے کے باوجود نہ صرف وسامہ کا اس کی شادی کے معاملے میں اس کا ساتھ دیا تھا بلکہ اس کا نکاح بھی کروا دیا تھا۔ وہی تھا جس نے ماموں کے وسامہ کو گھر سے نکال دینے پر انہیں فلک بوس میں جانے کو بولا تھا۔ اس کے پاس اپنی کی ہوئی غلطیوں کی ایک لمبی لسٹ تھی۔

آئے کت ان کے آنسوؤں سے اکتا کر واپس مڑ گئی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی یہی قدر تھی آئے کت کی نظر میں۔

''آؤ۔۔۔ اندر آؤ۔۔۔ ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

صاعقہ ممانی اسے لئے اندر آئیں۔ طالب ماموں ٹی وی کے سامنے چپ چاپ بیٹھے اس ٹاک شو میں دھیان لگانے کی کوشش کر رہے تھے جو اب تقریباً ختم ہونے والا تھا اور ماموں کا چہرہ صاف بتا تا تھا انہیں ایک بھی لفظ سمجھ نہیں آیا۔

معاویہ آگے بڑھا اور چپ چاپ ان کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

طالب ماموں چونکے اور پھر ساکت سے ہو گئے۔ چند لمحے بعد انہوں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ معاویہ کے سر پر رکھا پھر آہستہ سے جھکے اور اس کے بالوں پر ایک شفقت بھرا بوسہ دیا اور اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک نہیں سکے۔ اور بنا آواز روتے چلے گئے۔

اسی وقت آئے کت اندر آئی۔ ان سب کو روتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں غصہ بھر گیا۔

''اس سے اچھا تھا تم یہاں کبھی نہ آتے۔۔۔'' اس نے بنا اسے مخاطب کئے کہا۔ لہجہ پرتپش تھا۔ ''ان تین مہینوں میں ہمیں وسامہ کے بغیر رہنے کی عادت ہوگئی ہے کچھ دن اور گزرتے تو سب تمہیں بھی بھول جاتے۔''

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' صاعقہ ممانی دہل کر بولیں۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔۔۔ یہ نہ آتا یہاں۔۔۔ کم سے کم آپ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تو نہ آتے۔۔۔'' اس نے تلخی سے کہا تھا۔

''میں شرمندہ ہوں۔'' معاویہ نے کہا۔

''کیا فائدہ اس شرمندگی کا۔۔۔ وسامہ تو واپس نہیں آسکتا۔'' اس نے کڑوے لہجے میں کہا ایک چھچھلتی ہوئی نگاہ معاویہ پر ڈالی تھی اور پلٹ کر سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔

''تم سہی کہہ رہی ہو آئے کت۔۔۔ اب شرمندگی کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ تم نے ہمارا جو نقصان کیا ہے۔۔۔ میں اس کا بدلا سود سمیت لوں گا۔۔۔ پھر شاید میری شرمندگی کچھ کم ہو جائے۔۔۔ میرا وعدہ رہا تم سے آئے کت۔۔۔ تم ترسو گی موت کے لیے۔۔۔ اور تمہیں زندہ رہنا پڑے گا۔'' معاویہ نے باہر نکلتی آئے کت کو دیکھ کر اپنے دل میں عظم کو دہرایا تھا۔

☆......☆......☆

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں آ گیا تھا۔ یہ طالب ماموں کے گھر میں اس کا اور وسامہ کا کمرہ تھا۔ ان دونوں کے سنگل بیڈ ساتھ ساتھ بچھے تھے۔ درمیان کی چھوٹی تپائی پر اب بھی وہی ٹیبل لیمپ رکھا تھا جو وسامہ کے زیرِ استعمال رہتا تھا۔ اس کی اسٹڈی ٹیبل اس کی کرسی اس کی الماری۔۔۔

معاویہ ایک ایک چیز کو ہاتھ لگاتا اپنی سسکیاں روک رہا تھا کتنی ہی یادیں ماضی کی کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔ اس سے قبل کہ وہ زمین پر بیٹھ جاتا اور آنسوؤں کو بہہ جانے دیتا کمرے کا دروازہ کھلا۔ معاویہ نے جھٹکے سے گردن موڑ کر دیکھا۔ آئے کت اپنی جھونک میں اندر داخل ہو رہی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے ٹھٹک کر پوچھا تھا۔

''یہ میرا کمرہ ہے۔'' اس سے نظریں ملائے بغیر بولا۔

''یہ وسامہ کا کمرہ تھا۔'' غصے سے کہا۔

''ہم دونوں کا تھا۔'' تحمل سے بولا۔

''تھا۔۔۔ اب نہیں ہے۔'' سختی کچھ اور بڑھ گئی۔ ''اس گھر پر، اس کمرے پر، وسامہ سے وابستہ کسی بھی چیز اور فرد پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔

اس کے پلان کے مطابق، اسے اب معاویہ کو اس گلٹ میں مبتلا کرنا تھا کہ وسامہ کی موت کی وجہ وہی ہے کیوں کہ اسی نے ان دونوں کو فلک بوس میں بھیجا تھا اور اس حساب سے آئے کت اب معاویہ کی ذمہ داری بنتی ہے۔ اگر وہ یہ جان پاتی کہ معاویہ اس کی سچائی سے واقف ہو چکا ہے تو یقیناً کب کی یہاں سے بھاگ چکی ہوتی۔۔۔ لیکن۔۔۔

معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آگے بڑھا اور الماری کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس سے پہلے کہ کھول پاتا آئے کت نے الماری کے پٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہٹو آگے سے۔'' ذرا جھنجھلا کر بولا۔ ''یہ میرے بھائی کا کمرہ ہے اور تم مجھے یہاں کسی چیز کو ہاتھ لگانے سے نہیں روک سکتی۔''

''یہ تمہارے بھائی کا کمرہ تھا۔۔۔ اب یہ میرا کمرہ ہے۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی۔ ''اور اب یہ میرا بھائی میرا بھائی کرنا بند کرو۔۔۔ اب تو بیچارہ اس دنیا میں بھی نہیں رہا۔۔۔ آخر کب تک یہ محبت کا ڈھونگ رچاتے رہو گے۔'' اس نے اتنی نفرت سے کہا تھا اتنی ہی تیزی سے معاویہ کے ماتھے پر پڑے بلوں میں اضافہ ہوا تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں عین ممکن تھا اگر آئے کت عورت نہ ہوتی تو اب تک معاویہ ایک پنچ مار کر اس کے دو تین دانت تو ضرور توڑ چکا ہوتا۔

''تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی؟'' اس نے تقریباً غرا کر کہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''میرے سامنے اونچی آواز میں بات مت کرنا معاویہ! تمہاری اصلیت میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''اس نے معاویہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنا ڈرے کہا تھا۔آئے کت کا اعتماد معاویہ کی آنکھوں میں غصہ بن کر پھیل گیا۔یکا یک ان دونوں کے اردگرد سے ہر منظر غائب ہونے لگا اور کھڑکیاں دروازے سب اڑنچھو ہو گئے اور ان دونوں نے خود کو فلک بوس میں کھڑے پایا۔وہی اسرار جو دھند کی مانند رگ و پے میں اترتا تھا اس وقت بھی معاویہ کے خون میں دوڑنے لگا۔

''معاویہ۔۔۔!''صاعقہ ممانی کی آواز ان دونوں کو فلک بوس سے کھینچ لائی تھی۔ان دونوں نے ہی جیسے اس لمحے کسی راز کی پاسداری کی تھی کہ اپنے اپنے تاثرات بدل لئے تھے۔''معاویہ! کھانا کھالو۔''آواز دوبارہ آئی۔

''آرہا ہوں۔''اس نے آواز لگائی ایک تیز نظر آئے کت پر ڈالی اور انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔

''میری اصلیت کی بات دوبارہ مت کرنا۔۔۔تمہارا اصلی چہرہ تو میں سب کو دکھاؤں گا۔''

☆......☆......☆

معاویہ بددلی سے کھا رہا تھا اور صاعقہ ممانی خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بہت کمزور ہو گئے ہو۔۔۔کھانا نہیں کھاتے کیا؟''فکرمندی سے پوچھا

معاویہ ایک دم کھاتے کھاتے رکا۔اس کا دل چاہا انہیں آئے کت کی اصلیت بتائے پھر ارادہ بدل دیا۔

''بابا کا کک آپ کے جیسا اچھا کھانا نہیں پکاتا۔۔۔میں سوچ رہا ہوں کچھ دن اسے آپ کے پاس بھیج دوں۔۔۔دو چار اچھے کھانے ہی پکانا سکھا دیں اسے۔''صرف انہیں دکھانے کو وہ اب جلدی جلدی کھانے لگا تھا۔

وہ ممانی سے وسامہ کی باتیں کرنے لگا۔باتوں کے دوران ہی آئے کت کی بات چل نکلی تھی جب معاویہ نے خفگی سے سر جھٹک کر کہا تھا۔

''اس سارے فساد کی جڑ ہی آئے کت تھی۔۔۔نہ وہ وسامہ کی زندگی میں آتی۔نہ ماموں وسامہ کو گھر سے نکالتے نہ اسے فلک بوس جا کر رہنا پڑتا اور نہ۔۔۔''ایک دم غصے سے بولتا وہ چپ ہو گیا۔بغیر ثبوت کے وہ انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

''اور نہ؟''ممانی اس کے لفظوں میں الجھ گئی تھیں۔

''کچھ نہیں۔۔۔''اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''معاف کرنا۔۔۔میں تمہیں بتانا بھول گئی۔۔۔وہ کمرہ اب آئے کت کے زیر استعمال ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔۔۔لیکن آپ کو وہ کمرہ اسے نہیں دینا چاہیے تھا۔''معاویہ نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔''وسامہ چلا گیا لیکن مجھے تو واپس آنا ہی تھا۔''

''اس نے بہت منت سے پوچھا تھا معاویہ! میں انکار نہیں کرسکی۔''

http://kitaabghar.com

معاویہ نے غور سے ان کی بات سنی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں وہ منت سے ہی پوچھتی ہے۔'' اس نے زیرلب کہا تھا۔

کھانا کھا کر معاویہ اس کمرے میں آ گیا جو صاعقہ ممانی نے اس کے لئے تیار کیا تھا۔

وہ تھکا ہوا تھا اور ذہن پر بوجھ بھی تھا اسی لئے فوراً ہی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد بلآخر اسے نیند آ گئی۔ دوبارہ اس کی آنکھ اردشیر ازی کی کال سے کھلی تھی۔

باپ سے بات کرنے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ بارش ہو رہی تھی اور سارے گھر میں پکوڑوں کی خوشبو پھیلی تھی۔ معاویہ سیدھا کچن میں آ گیا۔ صاعقہ ممانی پکوڑے تل رہی تھیں جوں ہی وہ کچن میں داخل ہوا اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''میں بس تمہیں جگانے آ ہی رہی تھی۔''

''آپ کے پکوڑوں کی خوشبو نے جگا دیا۔'' وہ پاس آیا اور پلیٹ سے اٹھا کر پکوڑا کھانے لگا۔ ''ساتھ چائے بھی مل جائے تو کیا بات ہے۔''

''بیٹھو۔۔۔ میں بنا رہی ہوں۔''

اس نے بیٹھتے ہوئے ماموں اور پھر آئے کت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

''یہیں کہیں ہو گی۔۔۔ اس نے کہاں جانا ہے۔'' وہ گہری دکھ بھری سانس بھر کر بولیں۔ ''بڑی مشکل سے اس نے اس حقیقت کو قبول کیا ہے کہ وسامہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔۔۔ مجھے افسوس ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ ہم اس لڑکی کو پہچان کیوں نہیں سکے۔ آئے کت تو بہت اچھی ہے معاویہ! وسامہ سے بہت محبت تھی اسے۔'' وہ بڑے دکھ سے بول رہی ہیں۔

معاویہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔

''میرا خیال تھا یہ اپنی ماما کے پاس چلی گئی ہو گی۔'' اچانک اس نے کہا۔

''تمہیں نہیں پتا۔۔۔ آئے کت کی ماں کا تو چند مہینے پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو چکا ہے۔''

معاویہ نے بالکل شاکڈ ہو کر ممانی کو دیکھا تھا۔ اس کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

''افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آئے کت کو بھی اس بارے میں نہیں پتا تھا۔'' ممانی چائے لیکر دوسری کرسی پر آ بیٹھیں۔

''افسوس ہوا۔۔۔'' اس نے سرد مہری سے بات ختم کر دی تھی۔

اس کی نظریں کچن کے دروازے سے کچھ فاصلے پر چادر میں لپٹی بیٹھی آئے کت پر جمی ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

اس رات جب معاویہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا اور پھر بھی سونے میں کامیاب نہ ہو سکا تو وہ ٹی وی آن کر کے کوئی ٹاک شو دیکھنے لگ گیا تھا۔اسی وقت آئے کت اس کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔اس نے دستک دی تھی۔اندر سے اسے اندر آنے کی اجازت دی گئی لیکن اس نے اندر جانے کی بجائے دروازہ دوبارہ سے بجایا اور تیزی سے نچلی منزل کی طرف چلی گئی۔

معاویہ نے اٹھ کر دروازہ کھول کر چیک کیا۔دروازے پر کوئی نہیں تھا لیکن اسے محسوس ہوا کہ سیڑھیوں پر کوئی بھاگ کر نیچے گیا ہے۔جس وقت وہ چیک کرنے کے لیے نیچے آیا، اس نے آئے کت کو کچن میں دیکھا تھا۔اگر وہ وقت پر اس کی جانب نہ پلٹتی تو شاید معاویہ حفاظت کے غرض سے اٹھایا ہوا گلدان اس کے سر پر مار چکا ہوتا۔

اگلے دن معاویہ نے پورا گھر دوبارہ سے چیک کیا تھا لیکن اگر کوئی سراغ ہوتا تو ملتا۔وہ سمجھ گیا کہ تمام گڑبڑ آئے کت کی ہی پھیلائی ہوئی ہے۔

''رات مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے دروازہ ناک کیا ہو۔لیکن جب میں باہر نکلا تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔'' ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے اس نے طالب ماموں اور صاعقہ ممانی کو بتایا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' ماموں نے کہا

''میں بھی غلط فہمی سمجھتا اگر میں نے کسی کو سیڑھیوں پر بھاگتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا۔'' اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔ وہ آئے کت کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟'' صاعقہ ممانی ایک دم سے پریشان ہو گئی تھیں۔''اس کا مطلب رات کو کوئی گھر میں گھسا تھا۔۔۔یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے۔''

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ممانی! میں سارا گھر چیک کر چکا ہوں۔نہ تو کوئی چوری کے آثار ہیں نہ کسی کے بھاگ نکلنے کے۔۔۔باہر کے دروازے کو ویسے ہی لاک لگا ہوا ہے جیسے رات آپ نے لگایا تھا۔''

''پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟'' طالب ماموں فکرمندی سے بولے ان کے لہجے میں الجھن تھی۔

''ہو سکتا ہے آیو شمتی ہو۔'' آئے کت نے آملیٹ کی پلیٹ میز کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔''سنا ہے آسیب بہت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔کیا پتا وہ بھی فلک بوس سے یہاں آ گئی ہو۔''

معاویہ نے اسے گھور کر دیکھا۔اسے اس سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔آئے کت کو یہ بات ماموں اور ممانی کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے تھی۔کم سے کم معاویہ کا یہی خیال تھا۔

''وسامہ کے بعد اب وہ معاویہ کے پیچھے ہو گی۔آئی تھنک معاویہ! تمہیں کسی عامل کے پاس جانا چاہیئے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے

کہہ رہی تھی اندازہ لگانا مشکل تھا وہ طنز کر رہی ہے یا نہیں۔

''تم تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہوگی؟'' معاویہ نے سختی سے کہا۔

''نہیں۔'' چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے آئے کت نے ترنت کہا۔''فلک بوس تمہارا ہے تو وہاں رہنے والے آسیب کا سب سے زیادہ حق بھی تمہی پر ہے۔۔۔وسامہ بیچارے تو غلط فہمی میں مارے گئے۔''

''آئے کت! اس طرح کی باتیں مت کرو۔'' صاعقہ ممانی اس کے تیور پہچان کر منت سے بولی تھیں۔

''میں اس طرح کی باتیں کیوں نہ کروں۔ آپ اس دن پوچھ رہی تھیں ناں وسامہ کیوں چلا گیا دنیا سے۔۔۔میں بتاتی ہوں آپکو۔ وہ اس لئے چلا گیا کیونکہ معاویہ نے اسے موت کے منہ میں دھکیلا۔'' وہ ایک دم سے پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی تھی۔ معاویہ کے سر پر جیسے آسمان آ گرا تھا۔ وہ اپنی کیا ہوا جرم اس پر ڈال رہی تھی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔'' وہ غضبناک ہو کر گرجا۔

''کاش یہ بکواس ہوتی۔۔۔کاش میں بکواس ہی کر رہی ہوتی۔۔۔لیکن یہی سچ ہے مسٹر معاویہ شرازی!۔۔۔ایسا سچ جو تم کبھی کسی کے سامنے آنے نہیں دو گے۔۔۔تم اچھی طرح جانتے تھے فلک بوس آسیب زدہ ہے۔۔اس کے باوجود۔۔اس کے باوجود تم نے مجھے اور وسامہ کو وہاں جانے دیا۔ تم نے ہمیں خود مجبور کیا کہ وہاں جا کر رہیں جہاں کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

''یہ سچ نہیں ہے۔'' وہ زور سے بولا۔

''یہ سچ ہے۔'' وہ بھی چلائی۔''تم جلتے تھے وسامہ سے۔ تم ہمیشہ اس جیسا بننا چاہتے تھے۔۔۔یاد کریں انکل! یہ بات آپ نے خود مجھے بتائی تھی کہ معاویہ بہت چھوٹی عمر سے وسامہ کو فولو کیا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ کہتا تھا میں وسامہ جیسا بننا چاہتا ہوں۔ اور جب یہ ویسا نہیں بن سکا۔۔۔ویسا ہر دلعزیز نہیں بن سکا تو اس نے وسامہ کو فلک بوس بھجوا دیا۔۔۔کیونکہ یہ جانتا تھا وہ آسیب کسی کو بھی وہاں ٹکنے ہی نہیں دے گا۔'' وہ بہت کامیابی سے اپنے مہرے آگے بڑھاتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے وسامہ کی موت کا ذمہ دار مجھے مت ٹھہراؤ۔'' معاویہ چیخ کر بولا تھا۔

''سچ تو یہ ہے کہ وسامہ کی موت کی ذمہ دار تم ہو۔۔۔محبت کی شادی کرنے کے باوجود تم کبھی اسے وہ خوشی دے ہی نہیں پائیں جو اس جیسا اچھا انسان ڈیزرو کرتا تھا۔'' کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

''اچھا۔۔۔میں اسے خوشی نہیں دے پائی اس لئے میں نے وسامہ کو۔۔۔اپنے شوہر کو قتل کر دیا۔۔۔واؤ وؤ۔۔۔کس قدر بے تکا الزام ہے۔'' آئے کت نے سلگ کر کہا۔

''مجھے نہیں پتا کیا ہوا کیا نہیں۔۔۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کی موت میں کہیں نہ کہیں تمہارا ہاتھ ہے۔۔۔''

''ٹھیک ویسے ہی جیسے میں مانتی ہوں وسامہ کے اس دنیا سے چلے جانے کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔'' وہ سابقہ انداز میں بولی۔

''تم نے محبت کے نام پر اسے موت کے گھاٹ اتارا۔۔۔'' وہ غرایا۔

''اور تم نے بھائی بن کر۔'' وہ بھی چلائی۔

طالب ماموں نے شاک سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔؟۔۔۔کیوں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔''

''کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔'' آئے کت نے دوٹوک انداز میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''میں اسے قتل کر دوں گا۔۔۔میری بات لکھ کر رکھ لیں۔۔۔میں واقعی اسے قتل کر دوں گا۔'' اس نے ہاتھ مار کر میز پر پڑے برتن گرا دیئے اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

''معاویہ!۔۔۔معاویہ!۔۔۔میری بات سنو۔۔۔'' وہ دونوں ہی اس کے پیچھے لپکے تھے۔

معاویہ وہاں سے سیدھا کچن میں گیا تھا۔ اسے کسی تیز دھار آلے کی ضرورت تھی جس سے ایک ہی بار میں آئے کت کی طرف نکلنے والے تمام حساب برابر کر پاتا۔

'معاویہ۔۔۔بیٹا! تم کیا کر رہے ہو؟'' صاعقہ ممانی نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔۔

''میں آئے کت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ جیسے غصے سے پاگل ہوتا یہاں وہاں ہاتھ مار رہا تھا۔

''غصہ تھوک دو معاویہ! وسامہ جا چکا ہے۔۔۔اس طرح جذباتیت کا مظاہرہ کر کے وہ واپس نہیں آ جائے گا۔'' طالب ماموں نے اسے پکڑ کر روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ معاویہ نے زبردستی اپنا آپ ان سے چھڑوا لیا۔

''مجھے چھوڑ دیں ماموں! مجھے روکنے کی کوشش مت کریں۔۔۔آپ صحیح کہتے تھے آئے کت اس قابل نہیں تھی کہ وسامہ جیسا لڑکا اس سے شادی کرتا۔۔۔ہم اسی وقت روک لیتے وسامہ کو تو آج وہ ہمارے درمیان ہوتا۔۔۔'' وہ ہیجانی انداز میں زور زور سے بول رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں نہ رہا ہو۔ وہ غم و غصہ سے پاگل ہو رہا تھا۔ اسے تیز دھار چھری مل گئی تھی۔ اسے لئے وہ باہر کی طرف لپکا۔ طالب ماموں نے اسے زبردستی پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

''تمہارے پاس ثبوت ہے؟'' وہ اسے باہر نکلنے سے روکنے کی تگ و دو کر رہے تھے اور ہلکان ہو رہے تھے۔

''تمہارے پاس ثبوت ہے معاویہ! کہ وسامہ کو آئے کت نے قتل کیا ہے؟''

اسی وقت آئے کت بھی وہاں آ گئی تھی۔

''مجھے چھوڑئیں ماموں! میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔'' ان کی بات سنے بغیر وہ خود کو چھڑوا کر تیزی سے آئے کت کی طرف بڑھا۔ عین ممکن تھا وہ اسے چھری سے زخمی کر دیتا۔ طالب ماموں نے سرعت سے اسے پکڑ کر اپنی طرف رخ موڑا اور ایک زوردار تھپڑ اس

کے چہرے پر لگا یا۔وہ تھپڑ کھا کر پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا۔

"تمہارے پاس گواہ ہے جس کی گواہی یہ ثابت کرے کہ آئے کت وسامہ کی قاتل ہے؟۔۔۔کوئی ایسا ثبوت جو آئے کت کو سزا دلوانے کا سبب بن سکے؟۔۔۔نہیں۔۔۔کچھ نہیں ہے تمہارے پاس۔۔۔صرف شک کی بنیاد پر دوسروں کو سزائیں نہیں سنائی جاتیں معاویہ!اور اگر صرف شک کی بنیاد پر کوئی فیصلہ صادر کرنا ہے تب تو ہمیں آئے کت کی بات بھی مان لینی چاہیے۔۔۔وہ سمجھتی ہے وسامہ کو تم نے موت کے منہ میں دھکیلا تھا اس حساب سے کوئی نہ کوئی فرد جرم تو تم پر بھی عائد ہوتی ہے۔۔۔ایک کے شک کو سچ ماننے کا مطلب ہے دوسرے کے شک کو بھی سچ مان لیا جائے۔۔۔تمہیں شک ہے تو ثبوت لیکر آؤ۔۔۔اس کے جرم کو ثابت کرو۔۔۔اس کے گناہ پر سے پردہ اٹھاؤ۔۔۔یہ نہیں کہ خود سے سزا دینے نکل کھڑے ہو۔" وہ جیسے غصے سے بولتے بولتے ہانپنے لگے تھے۔

اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ ممانی سمیت وہاں سے چلے گئے تھے۔

آئے کت نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر نظر چرا کر باہر نکل گئی تھی۔

معاویہ نے ہاتھ اٹھا کر اس تیز دھار چھری کو دیکھا۔بے بسی کا احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گیا اس نے چھری کو فرش پر پھینک دیا تھا۔ طالب ماموں کی باتیں اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ثبوت کہاں سے لاتا وہ۔۔۔اردشیرازی پہلے ہی مزید تحقیقات سے منع کر چکے تھے۔پولیس کے مطابق وسامہ نے نشے کی حالت میں خود کو الماری میں بند کیا تھا۔ایسے میں کون اس کی یا کبیر اور پاشا کی بات کا یقین کرتا۔۔۔

"میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں آئے کت۔۔۔تمہیں اپنے کیے کا حساب تو ہر حال میں دینا ہی ہوگا۔چاہے اس کے لیے مجھے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔ قانون مجھے انصاف نہیں دے گا۔۔۔مگر میں اپنا بدلا لے کر رہوں گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

طالب ماموں کے ایک تھپڑ نے کافی کام کیا۔معاویہ غصے میں گھر سے نکلا تھا۔بارش بھی اس روز وقفے وقفے سے برستی رہی۔وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے سڑکوں پر بھٹکتا رہا قسم کھائی تھی مڑ کر وہاں نہیں جائے گا جہاں ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا گیا اسے جھوٹا قرار دیا گیا تھا۔لیکن ایسی جذباتیت کی قسموں کی مدت کم ہی ہوتی ہے سو شام ڈھلے جب اس نے واپس آنے کا سوچا تب تک وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے آئے کت سے کس طرح بدلا لینا ہے۔اس کے ذہن میں سب کچھ واضح ہو چکا تھا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ قانون اس معاملے میں اس کی مدد نہیں کرے گا کیوں کہ اردشیرازی اس معاملے کو قانون تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے۔ماموں کو اس کی بات کا یقین نہیں تھا اور بغیر ثبوت کے وہ اس کی بات ماننے کو راضی بھی نہیں تھے تو جب سب اس کے خلاف ہی تھے تو اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔۔۔

http://kitaabghar.com

آئے کت کو خود سزا دینے کا فیصلہ۔۔۔

جس وقت وہ گھر آیا ممانی گیٹ پر ہی اس کی منتظر تھیں۔ معاویہ نے ان سے فوراً معافی مانگ لی تھی۔ اور یہی کام اس نے شام میں ماموں کے سامنے بھی کیا تھا۔ وہ دونوں معاویہ سے زیادہ دیر ناراض رہ بھی نہیں سکتے تھے سو ماموں نے بھی اسے فوراً ہی معاف کر دیا تھا۔ وہ ماموں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

آئے کت نے ایک نگاہ ان سب پر ڈالی پھر سر جھٹک کر وہاں سے باہر نکل گئی۔

محبتوں کے یہ مظاہرے اسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔

معاویہ نے اس کے باہر جانے کی کوئی خاص پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ ماموں ممانی کے ساتھ بیٹھ کر بیتے دنوں کی باتیں دہراتا رہا تھا۔ پھر جب ممانی نے کچن میں جانے کا عندیہ دیا تو انہیں کچن میں جانے سے منع کرتے ہوئے وہ کھانا باہر سے لینے چلا گیا تھا۔

جس وقت وہ کھانا لے کر واپس آیا، آئے کت اور ممانی کچن میں تھے۔ وہ دروازے کی اوٹ میں رک کر ان کی باتیں سننے لگا۔ ممانی اسے سمجھا رہی تھیں۔

"وسامہ کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا آئے کت! مجھے دیکھو ماں ہوں اس کی لیکن دل پر صبر کی سل رکھ لی ہے۔ اللہ نے تمہیں اس بچے کی صورت میں جینے کی آس دی ہے۔۔۔ آنے والا بچہ وسامہ نہیں ہوگا لیکن اس کا پرتو تو ہوگا۔۔۔ بیٹا! ایسے مایوسی کی باتیں کر کے اللہ کو ناراض نہ کرو۔"

معاویہ کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

آئے کت ماں بننے والی تھی اور وسامہ کے ہونے والے بچے کو وہ نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی تمام پلاننگ غارت ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کا دل بیک وقت خوشی اور دکھ سے بھر گیا۔ وہ چچا بننے والا تھا، اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی لیکن وہ اب اپنے بھائی کا بدلا نہیں لے سکتا تھا، اس بات کا دکھ کبھی کم نہیں ہو سکتا تھا۔

معاویہ اندر آیا اور کھانے کا سامان اس نے شیلف پر رکھ دیا۔

"میں کھانا لے آیا ہوں ممانی۔۔۔!"

اس کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔ آئے کت نے تیزی سے آنکھیں صاف کیں اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا کر سرعت سے کچن سے نکل گئی۔ اس کا انداز صاف بتاتا تھا وہ معاویہ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔

صاعقہ ممانی نے گہری سانس بھری اور اٹھ کر شیلف کے پاس آ گئیں۔

"یہ تو بہت سارا کھانا اٹھا لائے ہو تم۔ ہم تین افراد کتنا کھا سکتے ہیں۔"

http://kitaabghar.com

معاویہ ابھی تک گردن موڑے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے ایک آن میں آئے کت غائب ہوئی تھی۔ وسامہ کے آنے والے بچے کے بارے میں سن کر اس کا دل گداز ہونے لگا تھا۔ بات حیران کن تھی لیکن وسامہ کا غ دکھ اس کے بچے کے بارے میں سن کر کم ہو گیا تھا۔

اس نے ممانی کی بات پر ذرا چونکتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور ان کی بات سمجھنے میں اسے کچھ وقت لگا۔

''آ۔۔۔جو کھانا بچ جائے وہ صبح کام والی ماسی کے گھر بھجوا دیجئے گا۔''

''ہاں...یہ ٹھیک ہے۔'' وہ کھانا پلیٹوں میں نکالنے لگیں۔ تبھی ان کی نظر میز پر پڑی جہاں پانی کا گلاس جوں کا توں رکھا تھا۔

''یہ پانی کا گلاس تو یہیں رہ گیا۔ میں آئے کت کو دے کر آتی ہوں۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا۔ معاویہ نے ان کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

''میں دے آتا ہوں۔''

''معاویہ۔۔۔!''

''جی؟'' وہ دروازے کے قریب رک کر پلٹا۔

''بیٹا! کوئی تلخ بات مت کرنا۔'' صاعقہ ممانی نے منت سے کہا۔'' آئے کت پریگنٹ ہے۔ اس حالت میں پہلے ہی بہت صدمے اٹھا چکی ہے۔۔۔ اب رحم کرو اس پر۔''

معاویہ کا دل ایک دم سے جیسے خالی ہو گیا تھا۔ آئے کت کے صدمے کی تو اسے کچھ خاص پرواہ نہیں رہی تھی لیکن ماموں اور ممانی کو ایک اور غم کیسے دے دیتا وہ۔

''میں صرف پاشا کی بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں۔۔۔ بھلا آئے کت ایسا کیوں کرے گی؟ اور اگر ایسا تھا بھی تو وسامہ کو کبھی تو شک ہونا چاہیے تھا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ اور پھر اسے آئے کت پر کیئے گئے شک پر افسوس ہوا تھا۔

یعنی آئے کت کی رسی ابھی بھی دراز ہی رکھی گئی تھی۔۔۔ الزام مجھ سے ہٹتے ہٹتے پھر میری ذات پر ہی آ ٹھہرا تھا۔۔۔

اسی لمحے میں فیصلہ ہو گیا تھا۔ ماموں ممانی اور وسامہ کے ہونے والے بچے کی خاطر آئے کت کو معاف کرنے کا فیصلہ۔۔۔

معاویہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ وسامہ کے کہے مطابق آئے کت کا پورا خیال رکھے گا اور اس کے ساتھ اپنے برے رویے کا ازالہ بھی کرے گا۔ اسے پاشا یا کبیر کسی کی بات نہیں سننی تھی۔ اسے اب صرف وسامہ کی بیوہ اور ان کے بچے کے بارے میں سوچنا تھا۔

''جی۔۔۔'' اس نے گہری سانس بھر کر ممانی کو جواب دیا اور باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com

معاویہ اسے سارے گھر میں ڈھونڈتا ہوا باہر نکلا ۔آئے کت لان سے منسلک برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

چھوٹی سی ستواں ناک سردی لال ہو رہی تھی۔براؤن بال جنہیں دیکھ کر ہمیشہ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے مٹھی بھر سونا اس کے سر پر پھینک دیا ہو اس وقت ڈھیلے سے جوڑے کی صورت میں پشت پر پڑے تھے۔کچھ بال چہرے پر پھیل گئے تھے۔وہ ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ایسے کہ لان میں لگے ہوئے لیمپ پوسٹ کی روشنی اس کی پشت پر بکھر رہی تھی اور دور سے دیکھنے پر بالوں کا سنہرہ پن اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے ننھے منے کئی جگنو اس کے بالوں پر آنکھ مچولی کھیلنے آگئے ہوں۔یہی سنہرہ پن اس کی بے تحاشہ سفید رنگت میں بھی تھا۔اس کی آنکھیں بڑی اور بالوں کی رنگت سے میل کھاتی تھیں۔پلکیں اتنی گھنی اور سیاہ تھیں کہ ایسا لگتا تھا قدرت نے آنکھوں کی حفاظت کے لئے باڑھ لگا دی ہو۔بھوئیں کمان کی طرح تنی ہوئی تھیں اور پیشانی چھوٹی لیکن قابل رشک تھی۔

معاویہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا چلا گیا اور اس لمحے رات کے اس ادھورے اور بے مطلب پہر میں اس نے اعتراف کیا وسامہ اگر اسے دیکھ کر دیوانہ ہوا تھا تو یہ کوئی اتنی انہونی بات بھی نہیں تھی۔وہ اتنی خوبصورت اور دلکش تھی کہ اس کے لئے کوئی بھی دیوانہ ہو سکتا تھا۔

آئے کت کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔معاویہ کو پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں کوئی غصہ اور نفرت نہیں تھی۔۔۔ بلکہ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔۔۔جیسے کسی سوچ کے زیر اثر کنفیوژ سا کھڑا ہو۔اس نے اپنے گرد لپیٹی چادر سمیٹی۔اور قریب رکھی پلیٹ اٹھا کر جانے لگی۔

''کیا ہم تھوڑی دیر یہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟'' گلا کھنکھار کر صاف کرتے ہوئے معاویہ نے قدرے جھجک آمیز انداز میں کہا۔

آئے کت نے اس فرمائش کو ذرا حیرانی سے سنا تھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئی۔معاویہ اس سے کچھ فاصلہ پر ایک دوسری سیڑھی پر بیٹھ گیا۔خاموشی ان دونوں کے درمیان کچھ دیر حائل رہی پھر معاویہ نے پانی کا گلاس آئے کت کے قریب رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''کانگریچولیشنز۔۔۔وسامہ ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔'' اس نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا تھا۔جس قسم کا رویہ وہ صبح آئے کت کے ساتھ اپنا چلا تھا۔

''تھینکیو۔۔۔'' آئے کت نے ذرا دیر بعد آہستہ سے کہا۔''یقیناً وہ بہت خوش ہوتا۔۔۔اسے اولاد کی بہت خواہش تھی۔''

وسامہ کا دل لبالب اداسی سے بھر گیا۔

''ممانی صحیح کہتی ہیں۔۔۔تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔'' معاویہ نے اس کی پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کوشش کر رہی ہوں۔'' اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل ہو گئی تھی۔وہ ایک کامیاب اداکارہ تھی۔''لیکن میرا دل نہیں چاہتا

http://kitaabghar.com

معاویہ۔۔۔ مجھے بھوک نہیں لگتی۔ پیاس نہیں لگتی۔۔۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ وسامہ مجھے چھوڑ کر۔۔۔" وہ بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔

وسامہ نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنا دکھ کھل کر رو لے۔

وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ آنسوؤں کے ساتھ، سسکیوں اور آہوں کے ساتھ۔

معاویہ کے سینے میں سسکیاں اودھم مچانے لگیں۔ آنسو آنکھوں کے کنارے آن لگے تھے لیکن اس نے ضبط کیا وہ دل سے تسلیم کر چکا تھا آئے کت بے قصور ہے اور اس کا دکھ بہرحال اس کے دکھ سے بڑا اور نا قابل برداشت ہے لیکن پھر ضبط کے باوجود اس کے آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ کچھ دیر بعد اس نے خود پر قابو پایا تھا اور پھر سے بات کا آغاز کیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔ غصے میں، میں کافی کچھ الٹا سیدھا بول گیا تھا۔۔۔" معاویہ نے شرمندگی سے معذرت کی تھی۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ میں نے بھی غصے میں کافی کچھ بول دیا تھا۔۔۔ سوری" وہ واقعی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

"تم نے بھی سوری بول دیا۔۔ میں نے بھی۔۔۔ کیا میں یہ سمجھوں ہماری درمیان دشمنی ختم ہوئی۔" معاویہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"اسے دشمنی کہہ کر تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔۔۔ وہ ہم دونوں کی جذباتیت تھی۔۔۔ اور کچھ نہیں۔" آئے کت نے فوراً کہا تھا۔ وہ اس موضوع کو مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"وہ دشمنی ہی تھی آئے کت۔۔۔! اگر ماموں نہ روکتے۔۔۔ تو شائد میں تمہیں قتل کر چکا ہوتا۔۔۔ یا ایک آدھ گھاؤ تو ضرور لگا دیا ہوتا۔" وہ جھجھکتے ہوئے لیکن سچائی کے ساتھ بولا تھا۔

آئے کت گہری سانس بھر کر بولی۔ "میں پھر بھی یہی کہونگی ہم کبھی ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے۔"

"ہم دوست بھی نہیں تھے۔" اس نے ترنت کہا۔

"میں نے تم سے دوستی کرنے کی کوشش کی تھی۔۔۔ تم نے بہت بری طرح دھتکارا تھا مجھے۔" آئے کت نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اس بات کو۔۔۔ اس وقت کو بھول جاتے ہیں۔۔۔ آؤ ہم اپنی کہانی کو ایک نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔" اس نے سادگی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا۔ "ویسے بھی وسامہ کہتا تھا کوئی کہانی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ جہاں کوئی کہانی ختم ہوتی ہے وہیں سے کوئی دوسری کہانی شروع ہو رہی ہوتی ہے۔۔۔ بس یہ ہے کہ ہمیں اس آغاز کا پتا تھوڑی دیر سے چلتا ہے۔"

معاویہ کی بات مکمل ہونے تک آئے کت کی آنکھوں میں مسکراہٹ در آئی تھی۔ وہ نقلی آنسو بہاتے بہاتے ہی مسکرا دی۔

"میں معاویہ کو مارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ اگر قدرت مجھے موقع دیتی تو میں اپنی زندگی اسے دے دیتی لیکن اس کی

http://kitaabghar.com

سانسوں کا تسلسل ٹوٹنے نہ دیتی۔'' وہ بڑے دکھی انداز میں اور روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

معاویہ پھر افسردہ ہو گیا اس کے دل پر بھاری سل آ رکی تھی۔ ایک بار پھر اسے اپنی کچھ گھنٹے پہلے کی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔

''ہم سب یہی کرتے آئے کت!۔۔۔لیکن قدرت موقع نہیں دیتی۔ کبھی نہیں دیتی۔'' معاویہ نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ آسیب۔۔۔'' آئے کت نے کہنا چاہا۔ وہ اس آسیب کی کہانی کو آج مکمل طور پر اپنی زندگی سے ختم کر دینا چاہتی تھی۔

''اس آسیب کی حقیقت اتنی سی ہے کہ ہم نے بچپن میں اس کی کئی کہانیاں سنی تھیں۔۔۔ جھوٹ اور سچ پر مبنی۔۔۔ من گھڑت۔۔۔ مجھے نہیں لگتا فلک بوس آسیب زدہ ہے۔۔۔۔''

''لیکن وسامہ کو اس آسیب پر یقین تھا۔۔۔'' وہ افسردہ ہو گئی۔

''ہم دوبارہ اس بارے مین بات نہیں کریں گے۔'' وہ ہر حال میں اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''ہاں۔۔۔ ہم نہیں کریں گے۔''

تبھی ایک جگنو کہیں سے اڑتا ہوا آیا اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے جھومنے لگا۔ معاویہ کے دل میں جانے کیا سمائی۔ اس نے سرعت سے ہاتھ لہرایا اور جگنو کو مٹھی میں قید کر لیا اور ایک آنکھ ہتھیلی کی درز سے لگا کر اندر دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بند مٹھیاں آئے کت کے سامنے کر دیں۔ اشارے سے وہ اسے بھی اندر جھانکنے کا کہہ رہا تھا۔ آئے کت کو یہ بچگانہ کھیل دلچسپ لگا۔ معاویہ کے اکسانے پر اس نے بھی ایک آنکھ بند کر کے دوسری کھلی آنکھ سے معاویہ کی بند مٹھیوں کی درز سے اندر جھانکا۔

تاریک کوٹھڑی میں جیسے امید کی لو جگمگا رہی تھی۔ آئے کت کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ اسے اپنی منزل اس مٹھی میں قید روشنی میں نظر آ رہی تھی۔

معاوئی کے لیے وسامہ کو بھلانا آسان نہیں تھا لیکن اس رات کے بعد ان دونوں کی دوستی ہو گئی۔

معاویہ اپنی کہی ہوئی باتوں اور اپنی طرف سے لگائے گئے الزامات پر اس قدر شرمندہ تھا کہ اس شرمندگی سے نکلنے کا اسے ایک ہی راستہ سمجھائی دیا اور وہ آئے کت کے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگا۔ وہ دونوں اکثر شام کو واک کے لئے نکل جاتے اور تین چار گھنٹوں تک واپس آتے۔ دیر رات تک باہر برآمدے یا ٹی وی لاؤنج میں کوئی موضوع چھڑ جاتا اور بڑی دیر تک صحت مند بحثیں ہوتی رہتی۔ اس نشست میں طالب ماموں اور صاعقہ ممانی بھی ان دونوں کے ساتھ شامل رہتے۔

ایسی ہی ایک شام میں آئے کت نے معاویہ کو بتایا تھا کہ وسامہ کے انتقال سے کچھ دن پہلے اردشیر ازی نے اسے کال کی تھی ساتھ ہی ساتھ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے یہ بھی کہا تھا کہ وسامہ کی موت کے پیچھے اس کال کا ہی کوئی تعلق ہے۔ معاویہ جو پہلے ہی

باپ کو بھولا بیٹھا تھا اس بات پر مزید بپھر گیا۔

اسے خود سے باپ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ اردشیرازی دو دن بات ہی معاویہ کو لینے خود آ گئے تھے۔ انہیں اپنا بیٹا عزیز تھا اور بیٹے کے بدلتے تیور تو وہ اس سے فون پر بات کرنے کے بعد ہی سمجھ گئے تھے۔ دوسری طرف معاویہ ایک نیا کھاتا کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

اس نے آتے ہی باپ سے وسامہ کی موت اور اس کو کی گئی فون کال کے بارے میں باز پرس شروع کر دی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے بے حد تلخی سے اپنے باپ کو وسامہ کی موت کے لیے الزام دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ اس کی باپ کی دی ہوئی پریشانی ہے جو اس کے بھائی کو کھا گئی۔ وہ وسامہ کی موت کو خودکشی ماننے کے لیے راضی نہیں تھا۔

اردشیرازی نے غصے سے اس کے تمام الزامات کی تردید کرتے ہوئے بس اتنا ہی کہا تھا۔

ہم وسامہ کی موت کو خودکشی نہیں مانتے۔ ایک اتفاق ہوسکتا ہے کہ وہ الماری میں جا کر بیٹھ گیا۔۔۔ لیکن اگر شک کی بنیاد پر ہی کسی نامزد کرنا ہے۔۔۔ تو میں آئے کت پر شک کا اظہار کرتا ہوں" انہوں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔ "آخری وقت میں جو انسان وسامہ کے سب سے قریب رہا وہ آئے کت ہی ہے۔۔۔ اس لئے پہلا شک اسی پر جاتا ہے۔"

ان کی بات معاویہ کو مزید آگ لگا گئی تھی۔ وہ اپنے لگائے ہوئے الزامات کی شرمندگی سے ہی نہیں نکل سکا تھا کہ باپ نے بھی یہی بات کر دی۔ اس نے اسی وقت ان سے قطع تعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ اردشیرازی ناکام واپس لوٹ گئے تھے۔

وسامہ کی موت کا صدمہ دل سے لگا کر اس نے اپنی ذاتی زندگی کو بالکل ہی فراموش کر دیا تھا۔ وہ نہ اپنی پڑھائی کی فکر کر رہا تھا نہ کاروبار کی۔ باپ سے بھی وہ لاتعلقی اختیار کر چکا تھا ممکن تھا وہ کسی دن اسے اپنی جائیداد سے عاق کرنے کا لیگل نوٹس ہی دے دیتے۔

وہ اپنے ساتھ کیا کر رہا تھا اس بارے میں واضح طور پر کچھ بھی کہنا ممکن نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ بس وقت گزار رہا ہے۔ بے مصرف بے مطلب۔ نہ مستقبل کا کوئی لائحہ عمل ترتیب دیا تھا نہ مستقبل کا کوئی خواب اس کی آنکھوں میں باقی رہا تھا۔

صرف ایک چیز تھی جس کی اسے فکر تھی اور وہ چیز آئے کت تھی یا اس کا آنے والا بچہ۔

گو کہ اس نے اس بات کا اظہار کبھی زبان سے نہیں کیا تھا لیکن کچھ باتیں اور چیزیں صرف زبان سے کہنے سے نظر نہیں آتیں نہ محسوس کی جاسکتی ہیں۔ آئے کت اور معاویہ کی بڑھتی ہوئی دوستی پر سب سے پہلے صاعقہ ممانی چونکیں جب معاویہ نے ان سے آئے کت کا چیک آپ کروانے کی بات کی۔ وہ اس کے متعلق چیک آپ اور دوائیوں کے لئے فکر مند ہو رہا تھا اور چاہتا تھا صاعقہ ممانی شہر کی بہترین گائنا کالوجسٹ کے پاس آئے کت کو لیکر جائیں۔

"میں خود بھی کسی اچھی گائنی کی تلاش میں ہوں۔۔۔ میں جلد ہی آئے کت کو چیک آپ کے لئے لے جاؤنگی۔" انہوں نے

http://kitaabghar.com

اپنے دل میں اٹھتے وسوسوں سے نظر چراتے ہوئے کہا۔

”اچھی بات ہے ممانی۔۔۔!وسامہ ہوتا تو یقیناً یہ کام بہت پہلے کر چکا ہوتا۔“اس نے کہا تھا۔

”معاویہ۔۔۔“ وہ جانے لگا تو ممانی نے بے ساختہ اسے پکارا۔

”جی؟“

”تمہیں یاد ہے ناں۔۔۔آئے کت۔۔۔وسامہ کی بیوہ ہے؟“ کسی انجان خدشے سے ان کا لہجہ لرز رہا تھا۔

معاویہ چونک گیا۔گڑبڑا گیا۔شہہ رگ کے قریب سے ایک سنسنی کی لہر سی اٹھی اور خون کے ساتھ سارے جسم میں پھیل گئی۔پھر اس نے آہستگی سے کہا۔”وسامہ نے مجھ سے آئے کت کا خیال رکھنے کا وعدہ لیا تھا۔۔۔مجھے صرف اتنا ہی یاد ہے۔۔۔میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا ممانی۔۔۔!“اس نے نظریں چرا کر کہا تھا اور تیزی سے کچن سے نکل گیا تھا کیونکہ وہ اپنے جواب سے مطمئن تھا۔

سب کچھ ایسا ہی چلتا رہا۔کچھ دن بعد وہ لوگ آئے کت کی فرمائش پر بشام آ گئے تھے۔بقول اس کے وہ وسامہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنی چاہتی تھی اور فلک بوس میں اس کی ساتھ گزارے ہوئے لمحوں کو تازہ کرنا چاہتی تھی۔ وسامہ نے ماموں ممانی کو ساتھ چلنے پر کیسے راضی کیا یہ ایک الگ داستان ہے لیکن وہ لوگ بشام آ گئے تھے۔

یہاں آتے ہی ان سب کے غم تازہ ہو گئے۔میرے لیے ان کی نفرت میں اضافہ ہو گیا۔معاویہ مارا مارا میری تلاش میں پورے فلک بوس میں پھرتا تھا۔

پھرتی تو آئے کت بھی تھی لیکن صرف معاویہ کو دکھانے کی غرض سے۔۔۔

دوسری طرف کبیر خان معاویہ کا مسلسل جھکاؤ آئے کت کی طرف دیکھ رہے تھے۔آئے کت نے دو تین بار اسے بلاوجہ ڈانٹا تھا اور معاویہ نے ہر بار اس کی بات کی تائید کی تھی۔کبیر خان کی ہمت نہیں ہوئی کہ معاویہ سے دوبارہ آئے کت کے بارے میں کوئی بات کرتا۔سو اس نے اس معاملے میں چپ رہنے کا فیصلہ کیا۔

آئے کت جس مقصد کے لیے یہاں آئی تھی وہ پورا نہیں ہو سکا تھا۔وہ پاشا سے ملنا چاہتی تھی۔اسے کسی طرح اس سارے معاملے سے علیحدہ کرنا چاہتی تھی لیکن پاشا وہاں نہیں تھا۔وہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی واپس شہر جا چکا تھا۔

اب اسے اپنے دوسرے مقصد پر کام کرنا تھا۔۔۔اور وہ تھا پریگنینسی کے بارے میں بولے ہوئے جھوٹ سے نجات پانا۔۔۔

وہ پریگننٹ نہیں تھی۔یہ صرف ایک حفاظتی اقدام کے طور پر بولا جھوٹ تھا تا کہ وسامہ کے والدین کے پاس پناہ لی جا سکے۔قدرت نے یہاں بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ معاویہ اور ممانی کے بار بار چاہنے کے باوجود بھی وہ اسے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جا سکے تھے۔ہر بار کچھ نا کچھ ایسا مسئلہ ہوتا کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا معاملہ التواء کا شکار ہو جاتا۔

اسی دوران ایک دن جب وہ اور معاویہ ، وسامہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کر کے واپس آئے تو ممانی نے انہیں بتایا کہ ماموں کو کمرے سے ایک مری ہوئی گلہری ملی ہے۔ اب کی بار یہ حرکت سچ میں ایک بلی تھی لیکن معاویہ کے دل میں پہلا خیال میرا ہی آیا تھا۔ آئے کت نے اسے جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ ماموں معاویہ کو سمجھاتے رہے تھے کہ وسامہ کی موت اس کی ذہنی حالت کا نتیجہ ہی تھے لیکن معاویہ نے ان کی بات کا بھی کچھ خاص اثر نہیں لیا تھا۔

شاید وہ اسی طرح میری تلاش جاری رکھتا، اگر ایک دن آئے کت اپنے دوسرے مقصد میں کامیاب نہ ہو جاتی۔

اس کی قسمت واقعی اچھی تھی کہ اس کی پلاننگ کے مطابق ہی اس کو مواقع بھی مل جاتے تھے۔ معاویہ اکثر ہی آئے کت کو وادی میں گھمانے پھرانے کے جاتا تھا۔ وادی میں لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ معاویہ، اپنے بھائی کی بیوہ کو اپنانا چاہتا ہے۔ معاویہ نے ان لوگوں کی بات پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔ اسے پرواہ نہیں تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے اور سوچتے ہیں لیکن ممانی کو اس بات کی فکر ضرور تھی۔ انہوں نے اس بارے میں طالب ماموں سے بھی بات کی لیکن انہیں اس بات پر کوئی خاص اعتراض نہیں تھا لیکن ممانی کسی طور اس بات پر راضی نہیں تھی۔

جب انہوں نے آئے کت اور معاویہ سے اس بارے میں بات کی تو دونوں ہی دنگ رہ گئے۔ پھر معاویہ کو اس زور کی ہنسی آئی کہ ہنستے ہنستے اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ آئے کت اسے ہنستا دیکھ کر غصے میں گھر گئی۔ وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا لیکن چونکہ اس غصے کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا سو اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

”تمہارے ماموں کا خیال ہے اس شادی میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔۔۔ اگر تم اا ور آئے کت راضی ہو جاؤ تو۔۔۔“ ممانی نے اسے بتایا تھا۔

”ممانی پلیز۔۔۔!“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ”یہ بات اب کی ہے دوبارہ مت کیجئے گا۔۔۔ میں آئے کت کی بہت عزت کرتا ہوں وسامہ کے حوالے سے وہ بہت قابلِ احترام ہے میرے لئے۔۔۔ بھائی کو مرے ہوئے چند مہینے بھی نہیں گزرے اور آپ لوگ چاہتے ہیں میں اس کی بیوی سے شادی کے بارے میں سوچنے لگوں۔۔۔ بے غیرت نہیں ہوں میں۔“ وہ بہت ہی برا منا گیا تھا اس بات کا۔

”میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔۔۔ تم۔۔۔“ صاعقہ ممانی نے کہا

”میں تمہیں صرف وارن کرنا چاہ رہی تھی کہ باہر نکلتے ہوئے احتیاط کیا کرو۔ تم دونوں کو ساتھ ساتھ گھومتا پھرتا دیکھ کر لوگ اپنی مرضی کے مطلب نکال رہے ہیں۔“

”کوئی میرے سامنے یہ بات کہے۔۔۔ میں اس کا منہ توڑ دونگا۔“ وہ ناراضی اور غصے سے بولا۔ صاعقہ ممانی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

”مجھے بھی یہ خیال آیا تھا لیکن عدت کے دوران ایسی بات کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا مجھے۔ تمہارے ماموں کے نزدیک یہ سب

سے بہتر آپشن ہوسکتا ہے..اس طرح آئے کت اور اس کا ہونے والا بچہ دونوں بے گھر ہونے سے بچ جائیں گے۔"

"میرے نزدیک سب سے بہتر آپشن یہ ہے کہ دوبارہ اس بارے میں بات ہی نہ کی جائے۔"اس نے ناراضی سے کہا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

اسے خود بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کس طرح آئے کت کی جانب متوجہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن آئے کت کی ہزار ہا کوشش کے باوجود بھی معاویہ اس کی جانب اس حد تک راغب نہیں ہوا تھا کہ اسے اپنا لیتا۔ ماموں ممانی اور وادی والوں کی کہی ہوئی باتیں بھی اس پر اثر نہیں کر رہی تھی۔سو اگلی صبح وسامہ کی قبر کے پاس بیٹھے آئے کت نے ترپ کا پتہ بہت چالاکی سے استعمال کیا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔میں واپس استنبول چلی جاؤں گی۔" آئے کت کہہ رہی تھی۔

"وہاں جا کر کیا کرو گی؟"معاویہ اس کے ارادے پر حیران ہوا۔"بہن بھائی کوئی تھے نہیں۔فادر کا کچھ پتا نہیں اور ماں کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔جہاں تمہارا کوئی نہیں ہے وہاں جا کر اب کیا کرو گی؟"

"میرا تو اب یہاں پر بھی کوئی نہیں ہے۔" آئے کت نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔اور پلٹ کر واپسی کے رستے پر قدم بڑھا دیئے لیکن وہ واپس فلک بوس جانے کی بجائے وادی میں گھومتے پھرتے رہے تھے۔ آئے کت نے اسے لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا لیکن معاویہ نے دھیان نہیں دیا تھا۔اسی دوران بارش شروع ہو گئی تھی۔وہ دونوں ایک چھوٹے سے ہوٹل کے آگے رک کر چائے پینے لگے جب معایہ نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے۔۔۔استنبول جانے کا تمہارا فیصلہ غلط ہے۔"

آئے کت نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں یہاں رہ کر بھی کیا کروں گی معاویہ!وسامہ تھا تو میری ہر خوشی اسی سرزمین سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔۔۔لیکن اب۔" وہ پھر سے باہر دیکھنے لگی۔مصنوعی غم اس کے چہرے پر طاری تھا۔"سچ کہوں تو ایک آخری سہارہ یہ بچہ ہی ہے..ورنہ وسامہ کے بعد تو زندہ رہنے کی کوئی لاجک ہی نہ بچتی میرے پاس۔"

"پھر تم ڈلیوری کے بعد چلی جانا۔۔۔اکیلے جا کر تمہیں دقت ہوگی۔"اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم بات نہیں سمجھے۔زندہ رہنے کی لاجک ہے میرے پاس۔لیکن زندگی گزارنے کے اسباب تو مجھے خود بنانے ہونگے۔اپنا اور اس بچے کا پیٹ بھرنے کے لئے پیسہ کمانا ہے گھر تلاش کرنا ہے۔اور یہ سب کام جتنی جلدی شروع کرلوں اتنا ہی بہتر ہوگا۔"

"تم ان سب چیزوں کی کیوں فکر کر رہی ہو۔جب تک میں ہوں تمہیں کسی چیز کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہارا احسان لینا نہیں چاہتی۔"اس نے دوٹوک کہا۔

"یہ احسان نہیں ہے۔وسامہ کے بعد تم میری ذمہ داری ہو اور میں یہ ذمہ داری آخری دم تک نبھاؤنگا۔" وہ چھوٹا سا لڑکا بہت بڑی بات بول رہا تھا۔

آئے کت نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا اور سمجھنے کی کوشش کی کہ اس کی بات کا کیا مطلب ہے۔کیا وہ اسے اپنانے کی بات کر رہا تھا؟

"اور یہ ذمہ داری تمہیں کس نے سونپی ہے؟"

"وسامہ نے۔" اس نے ترنت کہا۔

آئے کت چپ سی رہ گئی۔ساری خوش فہمی پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا معاویہ نے۔پھر اس نے کہا۔"وسامہ نے جذباتیت میں ایک بات کہہ دی ہوگی۔۔۔لیکن میں تم پر برڈن نہیں ڈالنا چاہتی۔میں چاہتی ہوں تم بے فکری سے اپنی زندگی جیو۔۔۔اور۔۔۔اور میرے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دو۔" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر کی طرف بڑھی۔

معاویہ پہلے حیران ہوا پھر لپک کر اس کے پیچھے آیا۔وہ گھر واپس جا رہے تھے۔

بارش کی وجہ سے پہاڑوں پر پھسلن زیادہ تھی۔معاویہ کی بدقسمتی کہ اس نے شارٹ کٹ اختیار کیا تھا۔وہ باتیں کرتے ہوئے آئے کت کا ہاتھ تھامے اسے سہارا دیے ہوئے تھا تب ہی اس نے کسی بات پر ہاتھ جھٹکا۔یہ ایک غیر ارادی عمل تھا لیکن آئے کت سلپ ہو گئی تھی۔ دونوں کی زندگی بچ گئی لیکن آئے کت نے موقع کا فائدہ اٹھا کر اپنے مس کیرج کا اعلان کر دیا۔کیونکہ وہ خود بھی نرس رہ چکی تھی سو اس کی بات پر یقین کرنا ہی پڑا۔پھر وادی سے بلائی گئی دائی، جسے آئے کت نے پیسے دے کر خرید لیا تھا، نے بھی آئے کت کی ہی بات کو دہرا دیا۔

یہ ایک اور تکلیف دہ غم تھا جس سے معاویہ اور ماموں ممانی کو گزرنا پڑا تھا۔ معاویہ کا غم اس بات سے کچھ اور بڑھ گیا تھا کہ آئے کت نے اس حادثے کا قصوروار اسے ٹھہرایا تھا۔

معاویہ نے آئے کت سے مل کر اسے سمجھانا چاہا تھا لیکن آئے کت اس کی بات سننے پر راضی نہیں تھی۔ بیچارے معاویہ نے تھک ہار کر اس سے شادی کا عندیہ تک دے ڈالا۔اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آئے کت اس بات پر خوشی سے پاگل ہو جاتی۔اور عین ممکن تھا کہ ایسا ہو بھی جاتا اگر معاویہ اسے شہر لے جا کر گائنا کولوجسٹ سے اس کے چیک اپ کروانے کی بات نہ کر دیتا۔آئے کت کے سر پر بشام کے سارے پہاڑ ایک ساتھ ٹوٹے تھے اس بات پر۔۔۔اس کی فول پروف پلاننگ میں اس بات کا ذکر نہیں تھا۔اسے لگا تھا معاویہ بھی سب کی طرح اس دائی کی بات پر بھروسہ کر کے چپ ہو جائے گا۔۔۔لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔آئے کت جانتی تھی کہ معاویہ اسے کسی ایسے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جائے گا جسے خریدنا اس کے بس میں ہو۔

بہت سوچنے کے بعد اسے ایک ہی حل نظر آیا تھا۔۔۔اور وہ تھا یہاں سے بھاگنے کا فیصلہ۔۔۔

http://kitaabghar.com

معاویہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن آئے کت نے غصے کا اظہار کر کے اسے سختی سے منع کر دیا تھا۔

آئے کت نے جو ارادہ کیا تھا پھر اسے پورا کر کے ہی چھوڑا۔ صاعقہ ممانی اور طالب ماموں نے پوری جان لگا کر کوشش کی کہ اسے روک لیا جائے لیکن آئے کت نے ان کی بات مان کر نہ دی۔ جانے سے پہلے وہ معاویہ سے بات کرنے اس کے پاس آئی تھی۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' معاویہ نے پوچھا

آئے کت نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''معاویہ!...کیا میں امید رکھوں..تم نے مجھے معاف کر دیا ہوگا؟''

''معافی کس بات کی؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''تم جانتے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں...کیوں مجھے بار بار میری ہی نظروں میں ذلیل کر دیتے ہو معاویہ!'' اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور بری طرح رونے لگی۔

''میرے دل پر اتنا بوجھ ہے..میرا ضمیر مجھے اتنی ملامت کرتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں..کاش کاش...اس روز بشام کی کھائیاں مجھے نگل گئی ہوتیں۔''

معاویہ پر شرمساری کی پھوار برسنے لگی اس کا دل بوجھل سا ہو گیا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا آئے کت!...میں نے تو کبھی بھی کچھ نہیں کہا..'' وہ بیچارگی سے بولا تھا۔ ''تم نے ایک بار معافی مانگی تھی اور میں اس بات کو بھول بھی گیا تھا..قسم کھا کے کہتا ہوں دوبارہ کبھی میں نے اس بات کو یاد بھی نہیں کیا.تم ہمیشہ میرے لئے وسامہ کی بیوی کی حیثیت سے قابل احترام رہی ہو۔''

''بھول جاؤ اس بات کو...میں نے معاف کر دیا تھا تمہیں۔'' معاویہ نے کہا۔

''تم نے معاف کر دیا تھا لیکن میں نے تو خود کو معاف نہیں کیا...'' آئے کت دکھ سے بولی۔

''اللہ نے بھی مجھے معاف نہیں کیا ہوگا تبھی مجھے ایسی بڑی سزا ملی ہے...نہ شوہر رہا نہ اولاد..اگر وسامہ کو پتا چلتا تو وہ کیا کرتا میرے ساتھ...شائد مجھ پہ تھوک دیتا۔'' وہ بولتی جا رہی تھی۔

''تم ایسا مت سوچو...خدارا! تم ایسا مت سوچو....جب میں نے ہی تمہیں معاف کر دیا تو اللہ تمہیں کیوں سزا دے گا۔''

''میں کیسی گھٹیا عورت نکلی جس نے شوہر کی موجودگی میں کسی دوسرے مرد کے لئے سوچا...میں مر کیوں نہیں گئی تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے..یقین کرو معاویہ! اگر مجھے موقع ملا تو اس گناہ کے لئے میں خود کو سنگسار کرنا مناسب سمجھوں گی..''

معاویہ نے دیکھا کہ وہ رو رہی تھی سسک رہی تھی اپنے اس گناہ کے لئے شرمسار ہو رہی تھی جس کا اس نے صرف ارادہ کیا تھا اس

پر عمل درآمد سے پہلے ہی اللہ نے اسے ہدائت دے دی تھی اور وہ شوہر کی طرف پلٹ گئی تھی۔ کیا اس سے اعلیٰ منصب، با کرہ اور کوئی عورت ہوسکتی تھی جو اپنے دل میں آئے ایک نامناسب خیال کے لئے بھی خود کو آگ میں جھونک دینے جیسی بڑی سزا کی حقدار قرار دیتی ہو۔ معاویہ کے دل میں اس کا منصب بڑھ گیا تھا۔

وہ اسے روکنا چاہتا تھا لیکن روک نہیں سکا تھا۔ اس کے استنبول جانے کی ساری تیاری اس نے خود کر کے دی تھی اور اس کے جانے سے ایک دن پہلے معاویہ نے اپنی تسلی کے لیے زبردستی اس کے تمام ٹیسٹ کروائے تھے۔

آئے کت ترکی چلی گئی اور معاویہ لاہور آ گیا۔ شاید یہ کہانی یہاں ہی ختم ہو جاتی اگر ایک ہفتے بعد معاویہ کو اسپتال سے کال کر کے ڈاکٹر یہ اطلاع نہ دیتیں کہ آئے کت کبھی پریگنینٹ نہیں تھی۔۔۔ حتیٰ کہ وہ تو ماں بننے کی صلاحیت سے ہی محروم تھی۔۔۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

معاویہ پر یہ اطلاع پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی۔

اتنا بڑا دھوکا۔۔۔

اس کا دل و دماغ جلنے لگا۔ وہ جو کہیں دل ہی دل میں اس کی جانب راغب ہو رہا تھا، انتقام کی آگ میں دیوانہ ہو گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اردشیر ازی کبھی بھی اس معاملے میں اس کا ساتھ نہیں دیں گے اور اکیلا وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلی انتقام کے لیے کی گئی ساری پلاننگ اس کے دل و دماغ میں تازہ ہوتی چلی گئی تھی۔ اس نے دوبارہ سارے پلان پر کام کیا۔ اس کی نوک پلک سنواری۔ اور پھر بڑی شان کے ساتھ اس پلاننگ پر عمل کرنے میں جت گیا۔

وقت گزرنے لگا۔ دن پر دن گزرے اور راتیں چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ آتی جاتی رہیں۔

وہ رات بھر سکون سے سوتا۔ یونیورسٹی جاتا دوستوں سے ملتا۔ ویک اینڈ پارٹیز اور آؤٹنگز میں گزارتا۔ بابا کہتے تو کبھی آفس بھی چلا جاتا۔ ہفتے میں دو بار طالب ماموں اور صاعقہ ممانی کو فون کرتا اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہتا۔

انہی سے آئے کت کے بارے میں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان چند مہینوں میں وہ دو بار پاکستان کا چکر لگا چکی تھی اور وسامہ کے بوڑھے ماں باپ سے مل کر گئی تھی۔

معاویہ کے دل کا ایک کونہ وسامہ کے نام سے آباد تھا۔ بالکل ایسے جیسے قبرستان میں ایک قبر آباد ہو جاتی ہے۔ آپ جب جب اس کونے کا رخ کریں دل روتا ہے۔ آہیں اور سسکیاں جان کو آنے لگتی ہیں۔

جبکہ دوسرے کونے میں ارادے کی شمع روشن تھی۔ انتقام کا جذبہ اس شمع کی لو سے ایک کرن ادھار لیکر پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھار اپنے خیالات پر عجیب سی بے چینی کا شکار ہو جاتا تھا لیکن پھر اسے وسامہ کی موت کا بدلا لینے کا خود سے کیا ہوا عہد یاد آنے لگتا اور اس کا ارادہ مزید پختگی اختیار کر لیتا تھا۔

یہ تو نہیں تھا کہ اسے آئے کت سے کوئی افلاطونی محبت ہو گئی تھی۔ بس انسیت ہی ہوئی تھی جو اب ہر گزرتے دن کے ساتھ نفرت کی صورت بڑھتی رہی تھی۔ وہ اس کے لئے سوچتا رہتا تھا نتیجتاً وہ ہر رات اسے یاد کرتے ہوئے سوتا اور صبح جاگنے پر پہلا خیال اسی کا آتا تھا۔ وہ کسی بھی حال میں اب کی بار اسے بخشنے کو راضی نہیں تھا۔

اگر آپ نے کبھی نفرت کی ہو تو آپ کو احساس ہو گا کہ نفرت بھی محبت جیسی ہی ہوتی ہے۔ نفرت کا آغاز بھی اکثر ایسے ہی واقعات سے ہوتا ہے جو پہلے پہل چونکا دیتے ہیں اور پھر حیرانی کا شکنجہ گلے میں ڈال کر اپنے ساتھ دوڑائے پھرتے ہیں اور وہ تو ہمیشہ سے جذباتی رہا تھا۔ محبت میں بھی شدت پسند اور نفرت بھی انتہا کی کرنے والا۔۔۔

دو تین بار اس نے آئے کت کو خود سے بھی کال کی تھی۔ کوئی بہت دوستانہ انداز میں باتیں نہیں کرتے تھے وہ بس ایسے جیسے دو واقف کار کچھ عرصہ بعد آپس میں بات چیت کر لیتے ہیں تو ایسے ہی ان کے درمیان باتیں ہوتیں اور پھر وہ فون بند کر دیتے۔

آئے کت کے لیے یہ بہت سکون کا مقام تھا۔ وہ وسامہ کے ماں باپ سے رابطے میں تھی اور دو تین بار معاویہ سے بھی بات کر چکی تھی۔ ان سب باتوں کا مطلب یہ تھا کہ اس کی سچائی ابھی تک کھل کر ان لوگوں کے سامنے نہیں آئی تھی۔

بہت سوچ بچار کے بعد اب وہ پاکستان دوبارہ جانے کا ارادہ باندھ رہی تھی۔

جب اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی معاویہ کا اس کی سچائی نہیں جان پایا تھا تو اب امید کی جا سکتی تھی کہ مستقبل میں بھی وہ اس بارے میں کچھ نہیں جان سکے گا۔ تو پھر آخر ایک بار اور ٹرائی کرنے میں برائی ہی کیا تھی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت تو وہ دیکھ ہی چکی تھی۔ ضرورت تھی تو بس ایک بار اور معاویہ کے سامنے آنے کی۔

سو ان کی ملاقات کچھ مہینوں بعد ہی ممکن ہو سکی تھی۔

اور یہ ملاقات ان دونوں کی اپنی، اپنی پلاننگ کا حصہ تھی۔

صاعقہ ممانی کے چھوٹے بھائی کے بیٹے اور بیٹی کی شادی تھی۔ وسامہ نے اسے اپنے خاندان میں ایسے جگہ دلائی کہ معاویہ جیسے انہی کا حصہ رہا ہو۔ درحقیقت وسامہ نے معاویہ کے ساتھ صرف اپنے ماں باپ ہی نہیں ہر وہ رشتہ ہر وہ چیز شیئر کی تھی جس سے اسے کسی بھی طرح کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔

تو خیر بلال اور اس کی بہن شازمہ کی شادی تھی اور انہوں نے بطور خاص معاویہ کو انوائیٹ کیا تھا۔ معاویہ نے باتوں باتوں میں بلال کو احساس دلایا کہ انہیں آئے کت کو وسامہ کی بیوہ کی حیثیت سے ہی سہی مگر شادی میں شرکت کی دعوت ضرور دینی چاہیے۔

معاویہ کی بات بلال کے دل کو لگی۔ آئے کت کو خصوصی دعوت نامہ دیا گیا اور کچھ نخرے دیکھانے کے بعد وہ شادی میں شرکت کے لیے راضی ہو گئی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں وہ پاکستان آ گئی تھی۔

معاویہ کو اس نے مہندی والی رات ہی وہاں دیکھا تھا۔ وہ ابھی تک ویسا ہی تھا۔۔۔ شاندار۔۔۔

ہمیشہ کی طرح اس پر سے نظر ہٹانا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

اور پھر وہ ہوا جو آئے کت کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔۔۔ ایک ذرا سی تلخ بات پر معاویہ نے پورے اطمینان سے اپنی اور اس کے شادی کے بارے میں اعلان کیا تھا۔ وہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ایسا تو اس نے سوچا تک نہیں تھا۔ اس اپنی قسمت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ اگر اسے ذرا سا بھی احساس ہوتا کہ یہ سب معاویہ کی سوچی سمجھی چال ہے تو وہ شاید پاکستان بھی نہ آتی۔۔۔

آگے کی کہانی قدرے مختصر ہے۔۔۔

معاویہ نے سب سے پہلے ماموں ممانی کو اپنے حق میں راضی کیا تھا۔اب مسئلہ آئے کت اور اردشیرازی کا تھا۔جن کے غصے کا معاویہ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔اردشیرازی معاویہ کی سوچ سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے غصے میں آئے کت کو فون کر کے برا بھلا کہا اور اسے معاویہ سے دور رہنے کی ہدایت کی۔

آئے کت کو معاملہ ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ اردشیرازی کی طاقت سے اچھی طرح واقف تھی۔ان سے دشمنی لیتی تو وہ اس کی سارا چٹھا کھول کر سامنے لے آتے۔اس کے پاس دو ہی راستے تھے۔یا تو وہ اردشیرازی سے کچھ پیسہ مانگتی اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے فرار ہو جاتی یا پھر وہ معاویہ کو اس بارے میں بتا کر تمام تر ہمدردی پہلے ہی اپنے ساتھ کر لیتی۔

وہ مشکل پسند تھی سو اس نے دوسرا راستہ چننے کا فیصلہ کیا۔اس نے معاویہ کو کال کی تھی۔

''تمہارے بابا کا فون آیا تھا...وہ چاہتے ہیں میں تم سے شادی کرنے سے انکار کر دوں۔''فون پر آئے کت نے اسے بڑے خراب موڈ کے ساتھ بتایا تھا۔

''بابا کی بات ماننے کی غلطی مت کرنا..کیونکہ تمہارے لئے میں انہیں چھوڑنے کا ارادہ کر چکا ہوں لیکن ان کے لئے تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' جتنا آئے کت کا موڈ خراب تھا اتنا ہی معاویہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے معاویہ! یہ ہر گزرتے دن کے ساتھ کیسی عجیب باتیں کرنے لگے ہو تم۔''اس نے بڑی حیرانی سے کہا تھا۔

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا تھا۔''محبت ہو گئی ہے تم سے اور اس محبت نے دیوانہ بنا دیا ہے مجھے۔''اس نے جال بننا شروع کر دیا۔

''ہوش میں آ جاؤ تو بہتر رہے گا۔۔۔ایسا نہ ہو یہ دیوانگی تمہیں لے ڈوبے۔''وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''وہ محبت ہی کیا جو انسان کے ہوش سلامت رہنے دے۔''اس نے لگاوٹ سے کہا تھا۔

''میں اچھی طرح جانتی ہوں۔۔۔تمہیں مجھ سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔۔۔تم صرف وسامہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہو۔''

''اب کیا محبت کا یقین دلانے کے لئے مجھے سر کے بل کھڑا ہونا پڑے گا۔''اس نے معصومیت سے سوال کیا تھا آئے کت کو ہنسی آ گئی۔

''معاویہ! میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔۔۔لیکن۔۔۔میں وسامہ کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔''اس نے اپنے لہجے کو معذرت سے بھر کر کہا تھا۔

''وہ اس دنیا سے جا چکا ہے،،،اسے اس بات سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہو گی کہ تم اس کی جدائی میں سنیاس لیتی ہو یا نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔اگر تم خوش رہو ایک نئی زندگی شروع کرو تو یقیناً اس کی روح کو خوشی حاصل ہو گی۔''

''روح کو؟''آئے کت ٹھٹک سی گئی تھی۔

''ہاں۔۔۔روح کو۔۔۔؟آئے کت! مجھے ابھی خیال آیا۔۔۔کیا پتا وسامہ کی روح بھی فلک بوس میں پھرتی ہو۔۔۔''

معاویہ کی آواز میں کاٹ تھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟" آئے کت نے جھرجھری لے کر کہا۔

"ہاں ناں۔۔۔تم خود سوچو۔۔۔اگر آیو شمتی کی روح وہاں بھٹک سکتی ہے تو کیا پتا۔۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

آئے کت نے گہری سانس بھر کر کہا۔ "جب تمہارا مذاق کا موڈ نہ ہو تب مجھے فون کرنا۔۔۔۔جب شادی کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو تیاریاں بھی تو کرنی ہونگی۔" اس نے فون بند کر دیا۔ اس ٹاپک کو ٹال دینا ہی بہتر تھا۔ ویسے بھی وہ اپنی رضامندی معاویہ تک پہنچانا چاہتی تھی اور وہ یہ کام کامیابی کے ساتھ کر چکی تھی۔

دوسری جانب معاویہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بلآخر وہ اسے رضامند کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ وہ تیزی سے کامیابی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اب مسئلہ صرف اردشیرازی کا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ معاویہ کسی طور ان کی بات ماننے کو راضی نہیں تو انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے تھے۔

معاویہ کے کہے مطابق شادی کا انتظام فلک بوس میں کیا گیا تھا۔۔۔

اور جلد ہی وہ سب بشام آ گئے تھے۔

☆......☆......☆

یہ معاویہ اردشیرازی اور آئے کت کی مہندی سے دو دن پہلے کی بات ہے۔

بہار کا موسم تھا۔ ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ موسم اتنا خوبصورت کہ بیزار سے بیزار انسان کو بھی وہاں بیٹھ کر موسم سے لطف اندوز ہونے پر مجبور کر دے۔

مگر وہ بغیر رکے چلتا چلا جا رہا تھا۔۔۔

سست قدم، جھکا سر، بیزار انداز اور چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں۔۔۔

اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔۔۔

سب سے پہلے تو اس کا یہ گلٹ ختم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ وسامہ طالب کے ساتھ غلط کرتا رہا ہے۔ اصل دکھ تو اسے یہ تھا کہ آئے کت نے اسے بیوقوف بنایا تھا۔ وہ عمر کے جس حصے میں تھا وہاں اپنے سے زیادہ عقل مند کوئی نہیں لگتا۔ اس کے لیے یہ قبول کرنا بہت مشکل تھا کہ کوئی لڑکی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر چکی تھی۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کا باپ اس کی شادی کے لیے راضی نہیں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ کسی ہندو لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے۔ اگر وہ یہ جان لیتا کہ اس کی محبوبہ ہندو نہیں ہے بلکہ اس کا گناہ اس سے بھی بڑا ہے۔ وہ بابا کبیر کے دشمنوں کی بیٹی تھی اور ان کے یہاں دشمنوں

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

میں شادی کرنے سے بہتر موت سمجھا جاتا تھا۔ وہ یقیناً پاشا کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس مصیبت سے کیسے نکلے۔

آئے کت نے اس کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ معاویہ اردشیرازی اس کے باپ سے بات کرتا تو وہ ضرور راضی ہو جاتے لیکن آئے کت کی اصلیت سامنے آنے کے بعد اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ معاویہ سے اس سلسلے میں کوئی مدد مانگتا۔ آئے کت سے تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

فلک بوس کے مالکان واپس آ گئے تھے۔ معاویہ اردشیرازی کی شادی کی تیاری ہو رہی تھی اور یہ جاننے کے بعد کہ دلہن اور کوئی نہیں بلکہ وسامہ طالب کی بیوہ آئے کت ہے، وہ فلک بوس سے نکل آیا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ معاویہ اور آئے کت کا سامنا کرتا۔

اس نے معاویہ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ اس کے سامنے آئے کت کی سچائی بیان کی تھی۔ اس کے ہاتھوں مار بھی کھائی تھی۔ اس کے لیے یہ حیرت کا مقام تھا کہ سب جاننے کے بعد بھی معاویہ شیرازی، آئے کت کو نا صرف معاف کر چکا تھا بلکہ اس سے شادی بھی کر رہا تھا۔

”تو کیا معاویہ اردشیرازی بھی اس کھیل میں برابر کا شریک تھا؟“ اس نے دکھ سے سوچا تھا۔

”کیا اس سارے معاملے میں وسامہ کے بعد صرف مجھے ہی پاگل بنایا گیا تھا۔۔۔ یا اللہ۔۔۔ تو پھر تو میں بھی وسامہ طالب کی موت بلکہ قتل میں برابر کا شریک ہوں۔“

اس کا احساسِ جرم کچھ مزید بڑھ گیا تھا۔

وہ چلتا چلتا جنگل میں اس گول پتھر کے پاس جا پہنچا جہاں وہ شہر بانو سے ملتا تھا۔ پتھر سے ٹیک لگائے وہ نڈھال سا زمین پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر سوچوں کا جال بچھا تھا۔

شہر بانو اس سے سخت خفا تھی اور اس کے پاس خفا ہونے کی ایک نہیں کئی وجوہات تھیں۔ اعتراضات کی ایک پوری لسٹ تھی جو وہ سنانا شروع کرتی تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔

سب سے پہلے تو اسے پاشا کے بزدلوں کی طرح شہر بھاگ جانے پر اعتراض تھا۔ اسے پاشا کام چور لگنے لگا تھا جو اپنے باپ دادا کی طرح بشام میں رہ کر ہی محنت کر کے کما نہیں سکتا تھا۔ وہ یہ سمجھنے کو تیار نہیں تھی کہ اسے شہر بھیجنے کا فیصلہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ اس کے باپ کا فیصلہ تھا۔

اسے اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ پاشا کا باپ فلک بوس کے مالکوں کی چاکری کرتا ہے۔

اس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ پاشا ابھی تک اپنے باپ کو ان کی شادی کے لیے نہیں منا پایا تھا۔ بقول اس کے، اس کے

http://kitaabghar.com

بہت سے رشتے آرہے تھے اور اس کا باپ جلد ہی اس بارے میں کوئی فیصلہ کرلے گا۔ وہ اٹھارہ سال کی ہوچکی تھی اور ان کے خاندان میں لڑکی کو اس عمر میں بیاہ دینا ہی مناسب سمجھا جاتا تھا۔

اس کا رویہ پاشا کے ساتھ بہت کٹھور تھا۔ وہ اس سے بات نہیں کرتی تھی اور اگر بات کرتی تھی تو اس کا انداز ایسا ہوتا تھا جیسے پاشا اسے اس کام پر زبردستی مجبور کر رہا ہے۔ اس کے چہرے کے بیزار کن تاثرات اس کا دل دکھاتے تھے۔ اس سارے معاملے میں آخر اس کا قصور ہی کیا تھا۔ وہ تو اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا۔

شاید پاشا اس بات کا کچھ خاص نوٹس بھی نہ لیتا لیکن۔۔۔

اسے کل ہی اس کے دوست نے باتوں باتوں میں اطلاع دی تھی کہ اس نے شہر بانو کو وادی کے ایک اور لڑکے کے ساتھ دیکھا ہے۔ بقول اس کے، اس لڑکے نے شہر بانو کے گھر شادی کا پیغام بھی دیا ہے اور اس کا باپ اس رشتے کے لیے راضی نظر آتا ہے۔

پاشا کا دل اس اطلاع کے بعد سے جل رہا تھا۔۔۔ بہت مشکل سے وہ شہر بانو کو اس بات پر راضی کر پایا تھا کہ وہ ایک بار جنگل میں آکر اس سے ملے تاکہ اس مسئلے کا کوئی بہتر حل نکالا جاسکے۔ پہلے تو اس کی جانب سے صاف انکار کر دیا پھر اس کی منتوں پر وہ اس سے ملنے آنے کو راضی ہوگئی تھی۔

پاشا نے سوچ لیا تھا کہ اگر اس کا باپ اب بھی اس شادی کے لیے راضی نہ ہوا تو وہ شہر بانو کو یہاں سے بھگا کر ساتھ لے جائے گا۔ وہ شہر میں اپنی ایک نئی دنیا بسائیں گے اور مڑ کر کبھی بشام کا رخ نہ کریں گے۔۔۔

الغرض۔۔۔ شیخ چلی کی ٹوکری میں انڈوں کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

سورج مغرب کی جانب اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔

شام تیزی سے رات کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فلک بوس دور سے بھی روشنیوں میں جگمگاتا ہوا صاف دکھائی دیتا تھا اور پاشا اب تک گول پتھر سے ٹیک لگائے، شہر بانو کا منتظر تھا۔

☆......☆......☆

تو ہوا کچھ یوں تھا کہ اسے دو گھنٹے انتظار کروانے کے بعد بالآخر شہر بانو وہاں آگئی تھی اور آتے ساتھ ہی اس نے اگلے ہفتے اپنی منگنی کی اطلاع دی تھی۔ پاشا کے لیے یہ اطلاع کسی بم بلاسٹ سے کم نہیں تھی۔ شہر بانو اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی تھی۔ یقیناً وہ اپنے باپ کے دباؤ میں آکر ایسا کر رہی تھی۔

بیچاری شہر بانو۔۔۔

”تم بالکل فکر مت کرو بانو۔۔۔ میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔“ اس نے بانو کے ہاتھ تھام کر تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا مگر اگلے

ہی لمحے شہر بانو نے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے تھے۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا بانو۔۔۔“ وہ بے بس سا کہہ رہا تھا۔ ”میں۔۔۔میں سب ٹھیک کر دوں گا۔“

” اچھا۔۔۔“ شہر بانو نے اثبات میں سر ہلایا۔

”چلو ٹھیک ہے۔۔۔میں اب بھی مان لیتی ہوں تمہاری بات۔۔۔تم سب ٹھیک کرو گے پاشا تو آؤ میرے ساتھ۔۔۔میرے باپ کے پاس چلو اور مانگ لو میرا ہاتھ اس سے۔۔۔“

”یار۔۔۔ایسے کیسے۔۔۔؟ مجھے کچھ وقت دو۔۔۔میں بابا کو منا لوں گا۔۔۔“ وہ بیچارگی سے بولا۔

”یہ بات تو تم مجھے ایک سال سے کہہ رہے ہو پاشا۔۔۔کوئی نئی بات کہو جس پر میں یقین بھی کر سکوں۔“

”مجھ پر بھروسہ تو کرو شہر بانو۔۔۔! ایسے ظاہر مت کرو جیسے تم مجھے جانتی نہیں ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں رہا۔۔۔؟ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔۔۔شہر بانو میں سب کچھ ٹھیک کروں گا۔“ پاشا نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تھا۔

”کیا کرو گے تم؟“ اس نے تلخی سے پوچھا تھا۔

”میں نے سب سوچ لیا ہے۔۔۔اگر بابا نہ مانے تو۔۔۔میں۔۔۔نہیں۔۔۔ہم۔۔۔ہاں ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے۔۔۔ہم شہر جائیں گے۔۔۔ کراچی۔۔۔ہاں ہم کراچی چلے جائیں گے۔ وہ بہت بڑا شہر ہے۔ اور یہاں سے بہت دور ہے۔۔۔تم۔۔۔تم میرا ساتھ دو گی نا؟ میرے ساتھ چلو گی نا؟“ پاشا نے بڑے مان سے پوچھا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ سرد نگاہوں سے چپ چاپ اس کی شکل تکتی رہی تھی۔

”ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے بانو۔۔۔! ہمیں کوئی نہیں ڈھونڈ پائے گا۔۔۔نہ میرے ماں باپ۔۔۔نہ تمہاری۔۔۔ہم۔۔۔ہم خود کو کیوں اس دشمنی پر قربان کریں۔۔۔یہ آگ ہماری لگائی ہوئی نہیں ہے تو ہم اپنا آپ کیوں جلائیں؟۔۔۔مجھ پر یقین کرو۔۔۔میں تمہیں خوش رکھوں گا۔۔۔میں تم سے کیا ہر وعدہ نبھاؤں گا۔ تم بس مجھے ایک موقعہ دو۔۔۔میرے ساتھ چلو۔“

”یہ ممکن نہیں۔۔۔“ شہر بانو نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”مگر کیوں؟“ وہ کراہ کر بولا۔ ”میں محنت کروں گا۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں بانو۔۔۔“

”مرد بنو پاشا خان۔۔۔! تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ان وعدوں پر یقین کر کے اپنے باپ کا سر شرم سے جھکاؤں اور تمہارے ساتھ بھاگ چلوں۔۔۔تف ہے تم پر۔۔۔“ شہر بانو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چلا تھا

”زبان سنبھالو شہر بانو۔۔۔ “وہ غرایا۔

”اور تم اپنی سوچ سنبھالو۔۔۔وعدے تو تم جانے کب سے کر رہے ہو پاشا۔۔۔! میں ساری زندگی تمہارے وعدوں کی نظر نہیں

کر سکتی۔" اس کے لہجے کی قطعیت پاشا کو حواس باختہ کر گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب شہر بانو بول رہی تھی۔

"مجھے ایک موقعہ تو دو۔۔۔ میں ثابت کر دوں گا کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"سال بھر سے یہی سنتی آ رہی ہوں میں۔۔۔ کہ تم سب ٹھیک کر لو گے۔۔۔ کیا ٹھیک کر پائے تم؟ اپنے باپ تک کو تو اس رشتے پر راضی نہیں کر پائے اب تک۔۔۔ راضی کرنا تو دور تم تو اسے یہ بھی نہیں بتا پائے کہ جس لڑکی کو تم چاہتے ہو صغیر علی کی بیٹی ہے۔۔۔ باتیں کرتے ہو سب ٹھیک کرنے کی۔۔۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے پتا ہے۔۔۔" پاشا کو اس کا انداز برا لگا تھا۔ "مجھے پتا ہے میں تمہاری بہت سی امیدیں پوری نہیں کر سکا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے ایسے چھوڑ دو۔۔۔ بانو میں جانتا ہوں تمہیں بھی تمہارے گھر والے مجبور کر رہے ہوں گے ورنہ تم کبھی میرے ساتھ ایسا نہ کرتی۔۔۔ مگر۔۔۔" پاشا دلگیر لہجے میں بولتا جا رہا تھا جب شہر بانو نے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میرے گھر والے میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر رہے۔" اس کے لہجے میں کاٹ تھی۔

پاشا مزید کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ ہمت کر کے بولا تھا۔ "تو یہ سب۔۔۔ تم۔۔۔ تمہاری۔۔۔ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے؟"

"دیکھو پاشا۔۔۔! اب کچھ باقی نہیں رہا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ تمہیں اس بات کو سمجھنا ہوگا۔۔۔"

"میں کیا سمجھوں شہر بانو؟" وہ دبی دبی آواز میں چیخا۔ "میں یہ سمجھوں کہ اس سب میں تمہاری مرضی شامل ہے؟ یا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے پاگل بنا رہی تھی۔۔۔ جب تمہیں مجھ سے کوئی بہتر مل گیا تو اب تم چاہتی ہو کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں اور سب بھلا دوں۔۔۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔۔۔ تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو۔۔۔ مجھے پرواہ نہیں۔۔۔ مگر ایک بات اچھے سے جان لو پاشا خان۔۔۔ کہ تم ایک بزدل انسان ہو۔۔۔ تم میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ کبھی اپنے باپ کے سامنے سچ بول سکو۔۔۔ کبھی اسے میرے بارے میں بتا سکو۔۔۔ تم صرف باتیں کر سکتے ہو۔۔۔ اور وہ تو تم ایک سال سے کر ہی رہے ہو۔۔۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ پاشا پتھرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب بہتر ہوگا پاشا! کہ مجھ سے دور رہو۔۔۔ میرے بابا تمہارے بارے میں جان چکے ہیں۔ اور تم اچھے سے جانتے ہو کہ اگر تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"کیا تم یہ سب اسی لیے کر رہی ہو کیونکہ تمہیں ڈر ہے کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے؟" پاشا نے پھر سے کوش فہمی کا بیج بونا چاہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''نہیں۔۔۔ یہ میں اس لیے کر رہی ہوں کیونکہ میں اپنی زندگی ایک بزدل انسان کے لیے ضائع نہیں کر سکتی۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

اپنی بات مکمل ہوتے ہی وہ تیزی سے واپس جانے کے لیے مڑ گئی تھی۔

''شہر بانو۔۔۔شہر بانو۔۔۔میری بات سنو۔۔۔خدارا رک جاؤ۔۔۔مجھے ایک موقع دو۔۔۔'' وہ بھی اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن شہر بانو رکی تھی نہ ہی اس نے اس کی بات کا کوئی جواب دیا تھا۔

''شہر بانو۔۔۔'' اس نے چیخ کر پکارا تھا لیکن اس کی آواز سننے کے لیے اب وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

☆......☆......☆

تیزی سے رات میں ڈھلتا دن اب اتنی روشنی نہیں رکھتا تھا کہ نظریں دور تک دیکھ پاتیں۔

وہاں سناٹا تھا، خاموشی تھی اور تیزی سے پھیلتا اندھیرا تھا اور یہ سب تو وہاں کے باسیوں کا مقدر تھا۔

کچھ ایسا ہی سناٹا اور خاموشی شہر بانو سے بات کرنے کے بعد اس کے دل پر بھی چھا گیا تھا۔

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر سامنے کی جانب دیکھا تھا۔ سامنے ایک بڑا سا پیپل کا درخت تھا اور اس سے آگے دور تک پھیلی ہوئی قبریں۔۔۔ یہ بشام کا قبرستان تھا۔۔۔ اور اس درخت کے نیچے بھی ایک قبر تھی۔ جس کے پاس کوئی بیٹھا تھا۔

پاشا نے کم ہوتی روشنی میں غور سے دیکھا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ معاویہ اردشیرازی، وسامہ طالب کی قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ پاشا کے دل میں نفرت سی پھیل گئی۔ وہ تو انجانے میں مارا گیا تھا لیکن معاویہ اردشیرازی سب جانتے بوجھتے وسامہ طالب کو دھوکہ دے رہا تھا۔

وہ سست رفتاری سے چپ چاپ معاویہ کے پیچھے ایک پتھر پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ الجھی ہوئی نظروں سے معاویہ کی پشت کو تک رہا تھا۔ کچھ دیر میں اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

وہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیر رہا تھا جب اس نے معاویہ کی آواز سنی۔

''جس تھالی میں کھایا ہو اسی میں سوراخ کرنے کے بعد قبر پر فاتحہ پڑھ لینے سے معافی نہیں ملتی پاشا خان۔۔۔'' اس کے لہجے کی تلخی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ آواز آنسوؤں کے بوجھ سے لرزاں تھی۔

پاشا نے اس کے الفاظ بغور سنے اور پھر سر جھٹک کر کہا۔

'' تو کیا سگے بھائیوں سے بڑھ کر محبت کرنے والے دوست نما کزن کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہوئے قبر پر آنسو بہا لینے سے پیشگی معافی مل جاتی ہے معاویہ صاحب؟'' پاشا کی آواز معاویہ سے بھی زیادہ سرد تھی۔

وہ اس وقت جذباتی طور پر اس قدر ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا کہ بولنے سے پہلے سوچنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ یہ

جانتے ہوئے بھی کہ اس قسم کی بات سننے کے بعد معاویہ اردشیر ازی کیسے بھڑک اٹھے گا۔ وہ انجام سے لاپرواہ اپنی بات مکمل کر گیا تھا۔

معاویہ لحہ بھر کے لیے ٹھٹکا، پھر زمین کا سہارا لے کر اٹھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟ کھل کر کہو۔۔۔" معاویہ نے سرد آواز میں پوچھا تھا۔

"میں کیا کہنا چاہوں گا صاحب۔۔۔! میں نے تو بس آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔" وہ بے پرواہی سے بولا۔

معاویہ خاموشی سے اس کی شکل تکتا رہا۔

"میں نے اپنے بھائی کو کوئی دھوکا نہیں دیا۔۔۔"

"میں نے کب کہا صاحب کہ آپ نے اپنے بھائی کو دھوکا دیا ہے۔" پاشا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہا تھا۔

"میں بچہ نہیں ہوں پاشا خان کہ تمہاری باتوں کا مطلب اور تمہارے لہجے کی بغاوت کو سمجھ نہ سکوں۔۔۔ اچھے سے جانتا ہوں کہ تم کیا جتا رہے ہو۔" معاویہ نے رخ بدلتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر رکھے دوسرے پتھر پر جا کر ایسے بیٹھ گیا تھا کہ پاشا کی جانب اس کی پشت تھی۔

پاشا نے جواب دینے کی بھی زحمت نہیں کی اور دوسری جانب دیکھنے لگا۔

"کیوں کیا پاشا تم نے یہ سب؟ مجھے نہیں تو وسامہ کو ہی سچ بتا دیا ہوتا تو شاید آج وہ زندہ ہوتا۔۔۔ شاید وہ اتنی تکلیف دہ موت کو گلے نہ لگاتا۔۔۔" معاویہ کی آواز میں نمی در آئی۔

پاشا نے افسردگی سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

"میں نے تو جو کچھ کیا وہ اپنی لاعلمی میں کیا تھا معاویہ صاحب۔۔۔! مگر معذرت کے ساتھ آپ تو سب کچھ جان بوجھ کر رہے ہیں۔ یا شاید آپ اس سارے معاملے میں آئے کت بی بی کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔"

"اپنی حد میں رہو پاشا۔۔۔!" معاویہ غرایا۔

"اگر آپ سچ بولنے کو حد سے گزرنا کہتے ہیں تو معذرت چاہتا ہوں۔" وہ سرد لہجے میں جواب دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "مگر آپ اس سارے معاملے میں صرف مجھے قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ میں تو بے خبری میں مارا گیا۔ جو سچ تھا میں آپ کو بتا چکا ہوں۔۔۔ اب آپ کی مرضی یقین کریں یا نہ کریں۔"

معاویہ نے سر موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور پھر نرمی سے بولا۔ "تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو پاشا۔۔۔! جو کچھ ہوا میں اس میں حصہ دار نہیں تھا۔ میں بھی اتنا ہی بے خبر تھا جتنے تم۔۔۔ میں۔۔۔ میں تو بس وسامہ کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ اس لیے ان سب حقائق پر بھی آنکھیں بند کر لیں جن پر سچ جانا جاسکتا تھا۔۔۔ ایسا سچ جو میرے بھائی کو تکلیف دیتا۔۔۔"

"صاحب میں بھی بے خبر ہی تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آئے کت بی بی مدد کا وعدہ کر کے مجھ سے کیسے گناہ کروائے گی۔" اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"کیسی مدد؟" معاویہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ بابا کو میری شادی کے لیے راضی کریں گی۔۔۔ اور انہوں نے وسامہ صاحب کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کہیں کہ میں ان کی مدد کو راضی ہو گیا۔"

معاویہ کی آنکھوں سے گویا خون جھلک اٹھا تھا۔

"میرا بھائی نفسیاتی مریض نہیں تھا۔ ہاں آئے کت نے اسے ضرور پاگل کر دیا تھا۔"

پاشا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پاشا خان۔۔۔! اس معاملے میں تو میں بھی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" معاویہ نے کہا تھا

" اس کی اب ضرورت نہیں ہے صاحب۔۔۔ اس لڑکی کی اگلے ہفتے منگنی ہے۔ میری محبت پہلے ہی میرے بابا کی دشمنی کی نظر ہو چکی ہے۔" پاشا نے سپاٹ سے انداز میں کہا تھا۔

معاویہ نے چند لمحے اس کے تاثرات کا جائزہ لیا مگر مزید تفصیلات نہیں پوچھی تھیں۔

"اپنی محبت کو چھوڑنا تو بزدلی ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"مجھ پر بزدلی کا ہی الزام ہے۔ اور اس سب میں شہر بانو کی مرضی شامل ہے سو اب بزدل بننے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔"

"جب آپ کو آپ کی چیز صبر سے بھی نہ ملے پاشا خان۔۔۔ تو اسے چھین لینا چاہیے۔" معاویہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے نئی راہ دکھائی تھی۔

پاشا ناسمجھی سے اس کی شکل تکنے لگا۔

"اگر اسے حاصل نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی محبت کی تذلیل کا بدلہ تو لو۔۔۔ ثابت کرو کہ تم بزدل نہیں ہو۔"

"میں اسے معاف کر چکا ہوں صاحب۔۔۔!" وہ قطعیت سے بولا۔" بالکل ویسے جیسے آپ آئے کت بی بی کو معاف کر چکے ہیں۔"

"تمہیں کس نے کہا کہ میں آئے کت کو معاف کر چکا ہوں؟" معاویہ کے چہرے پر پراسرار سے مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔

"چلو پاشا۔۔۔ ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔ تم آئے کت سے بدلہ لینے میں میری مدد کرو اور میں شہر بانو سے بدلہ لینے میں تمہاری مدد کروں گا۔ ویسے بھی تمہارا کچھ حساب کتاب تو آئے کت کی جانب بھی نکلتا ہے۔"

پھر وہاں سے گزرتی ہواؤں، سرو قد درختوں اور میں نے بھی دیکھا۔۔ معاویہ، پاشا کے برابر کھڑا آہستہ آواز میں اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ شادی کے انتظامات کا جائزہ لیتے ہوئے کبیر بابا کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کیسے ہیں بابا کبیر؟"

"میں ٹھیک ہوں چھوٹے صاحب! آپ کیسے ہیں؟"

"میں جب سے آیا ہوں دیکھ رہا ہوں۔۔ آپ کے چہرے پر خوشی نظر نہیں آ رہی مجھے۔" سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے معاویہ نے شکوہ کناں انداز میں کہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ ان کی بات پر بھروسہ نہ کر کے اس نے ان کا دل دکھایا تھا۔

"کیا میں یہ سمجھوں میری شادی کی خبر نے خوش نہیں کیا آپ کو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے چھوٹے صاحب۔۔!" بابا کبیر نے ہڑبڑا کر کہا تھا۔ "مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ سن کر کہ آپ آئے کت بی بی سے شادی کر رہے ہیں۔۔ اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر ضرور دے گا۔ وادی میں سب کہہ رہے ہیں آپ بھائی کی بیوہ سے شادی کر کے بہت بڑی نیکی کما رہے ہیں۔"

"اپنی نیک دلی کی دھاک جمانے کے لئے میں یہ شادی نہیں کر رہا۔" وہ قدرے چڑ کر بولا تھا پھر جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں بات ہی پلٹ دی۔ "اچھا۔۔ چھوڑیئں اس بات کو۔۔ مجھے پتا چلا پاشا بھی آیا ہوا ہے۔۔؟ کہاں ہے دکھائی نہیں دیا اب تک۔" اس نے بابا کبیر کے بیٹے کے متعلق پوچھا تو بابا قدرے چڑچڑے لہجے میں بولے۔

"یہیں کہیں ہوگا۔۔ یا نیچے وادی میں چلا گیا ہوگا۔۔ پڑھائی چھوڑ کر بشام آ گیا ہے۔۔ کہتا ہے شادی کرو میری۔ ورنہ واپس نہیں جاؤنگا۔"

معاویہ نے اس بات پر محظوظ ہوتے ہوئے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ "تو کروا دیں اس کی شادی۔ اس میں کونسی بڑی بات ہے۔"

اس سے پہلے کہ بات آگے بڑھتی معاویہ کو آئے کت دکھائی دی تھی اور وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

وہ تیز تیز چلتی آگے جا رہی تھی۔ معاویہ نے دبے قدموں اسے جا لیا۔ پہلے داہنے کندھے کو پیچھے سے چھوا وہ پلٹی تو معاویہ ذرا سا اوٹ میں ہو گیا پھر داہنے کندھے کو چھوا۔ آئے کت پوری کی پوری گھوم گئی تو معاویہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"تم ہمیشہ مجھے پہچان لیتی ہو۔"

آئے کت مسکرائی۔ "ابھی بھی نہیں پہچانونگی تو کب پہچانونگی۔ ویسے تم سے پہلے تمہارے پرفیوم کی خوشبو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔"

"پرفیوم چینج کر لونگا۔۔۔اور پھر تمہاری محبت کا امتحان لونگا۔" وہ چڑا رہا تھا

آئے کت نے مسکراہٹ لبوں کے کناروں میں دبا کر اسے دیکھا۔ "لیکن میں نے یہ کب کہا مجھے تم سے محبت ہے؟"

"تم نہ کہو۔۔۔بے شک نہ کہو۔۔۔لیکن میں ساری دنیا کو بتا دینا چاہتا ہوں مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔نہیں محبت نہیں عشق ہے۔۔۔" وہ بازو پھیلا کر چہرہ اوپر اٹھا کر آہستہ آہستہ ایسے گول گول گھومنے لگا ایسے جیسے کوئی مجذوب ہو۔ عشق میں دیوانہ۔

"نہیں یہ عشق بھی نہیں ہے۔۔۔یہ کچھ اور ہے۔۔۔عشق سے آگے اگر کوئی اور منزل ہے تو میں اس منزل تک پہنچ گیا ہوں۔ میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے تمہارا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔۔۔میں آنکھیں کھولتا ہوں تو میرا ذہن تمہارے خیالات سے نکل نہیں پاتا۔۔۔ان چند مہینوں میں میں نے تمہیں اتنا سوچا ہے آئے کت۔۔۔!کہ میں، میں نہیں رہا۔۔۔شائد تم ہو گیا ہوں۔۔۔"

بازو پھیلائے گول گول حرکت کرتا وہ اتنے جذب سے بول رہا تھا کہ آئے کت ہکا بکا ہی رہ گئی۔

اتنی محبت، اتنی چاہت۔۔۔

اتنی نفرت، ایسی شدت۔۔۔

"لیکن معاویہ۔۔۔!" وہ سہم کر بولی۔ محبت کی اس بلندی سے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ جنہیں محبت دیر سے ملتی ہے وہ وہمی بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ "میں نے واقعی کبھی نہیں کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟" وہ رکا اور ایک دم سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہے میری محبت۔۔۔تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ میرے عشق نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔ تمہاری پیشانی پر بس ایک ہی تحریر ہے کہ معاویہ شیرازی میرے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

وہ مسکرا رہا تھا اس کے ہونٹ اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور ایسے مان و یقین بھرے میں لہجے میں بولتا وہ کوئی دیوانہ سا محسوس ہوتا تھا۔ آئے کت کا چہرہ گلنار ہو گیا محبت نے اسے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا۔

"کچھ زیادہ ہی شاعرانہ موڈ نہیں ہو رہا جناب کا؟" اپنی لرزتی پلکوں سے جھلکتا اعتراف کا راز چھپانے کے لئے اس نے چہرے ہی دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے ایسا طنز جھلکتا تھا جو آئے کت کے گمان سے دور تھا۔

ایسے ہی ہنستا ہوا وہ برآمدے کی گرل پر کہنیاں ٹکا کر نیچے وادی میں جھانکنے لگا۔

آئے کت نے بھی اس عمل میں اس کا ساتھ دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" معاویہ کو تکتے ہوئے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا اچھی شادی ہو رہی ہے ہماری۔۔۔میں تو تمہاری شکل دیکھنے کو ہی ترس گیا ہوں۔"

"شادی ہو جانے دو۔۔۔بس پھر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے ہی وقت گزرا کرے گا۔" وہ شرارت سے گویا ہوئی۔

"سوچتا ہوں تم میری دلہن بن کر کیسی لگو گی؟"

"ویسی ہی جیسی سب دلہنیں لگتی ہیں۔"

"نہیں۔۔۔تم عام دلہن نہیں ہو۔۔۔تم بہت خاص ہو۔۔۔"

معاً آئے کت چونک کر ایک طرف دیکھنے لگی۔اس کا دل سہم گیا اور یہ ہراس اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے لگا۔

"کیا ہوا؟" معاویہ نے اس کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے لگا میں نے وہاں کسی کو دیکھا ہے؟" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"لیکن وہاں پر تو کوئی بھی نہیں ہے آئے کت۔۔۔!" معاویہ نے پرسکون سے انداز میں اس طرف دیکھا جس طرف آئے کت نے اشارہ کیا تھا۔

"نہیں معاویہ۔۔۔!مجھے دھوکہ نہیں ہو سکتا۔۔۔وہاں پر ابھی کوئی تھا اور چھپ کر ہمیں دیکھ رہا تھا۔" اس کی آواز میں ان دیکھا سا ڈر تھا۔

"ہو سکتا ہے آیو شمتی ہماری شادی میں شرکت کرنے پہنچ گئی ہو۔" معاویہ نے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔

"پلیز معاویہ!بی سیریس۔" وہ چڑ کر بولی۔معاویہ پھر سے ہنسنے لگا۔

"تمہارا وہم ہو گا یار۔۔۔!لیکن تمہیں یقین نہیں ہے تو چلو۔۔۔ہم خود جا کر دیکھ لیتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف چلنے لگا جس طرف آئے کت کو کسی کی موجودگی کا گمان ہوا تھا۔

"نہیں۔۔۔نہیں رہنے دو۔" آئے کت نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔

"میرا وہم ہی ہو گا۔" اس کی آواز اور لہجہ گو کہ اس کی بات کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

آئے کت بوکھلاسی گئی تھی۔ٹاپک بدلنے کے لیے وہ معاویہ کو لے کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔وہ اسے اپنی شادی کا جوڑا دکھانا چاہتی تھی۔وہ بے تحاشہ خوش تھی اور فی الحال کسی ایسی بات کا ذکر نہیں چاہتی تھی جس کا تعلق اس کی پچھلی زندگی سے ہو۔

وہ معاویہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلنے لگی لیکن مڑ مڑ کر راہداری کے کونے کی طرف دیکھتی رہی۔جہاں ابھی بھی ایک ہیولہ اسے حرکت کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔اور آئے کت کی الجھن بڑھا رہا تھا۔

جب وہ دونوں وہاں سے جا چکے تو دور راہ داری کے کونے سے ایک سایہ باہر نکلا تھا۔اس نے اپنی لبادے کے کنارے کو چہرے

http://kitaabghar.com

پر سے سرکا دیا تھا۔ وہ پاشا تھا۔ وہ چند لمحے اسی سمت میں دیکھتا رہا جدھر آئے کت اور معاویہ گئے تھے اور پھر مخالف سمت میں چل دیا۔

☆......☆......☆

مہندی کی رات فلک بوس میں ستاروں کے جھرمٹ کی رات تھی۔

رسم شروع ہوئی اور دیر تک ان پر نظریں اور روپے وارے جاتے رہے۔ انہیں مہندی اور ابٹن میں شرابور کر دیا گیا۔ اتنی خوشی اور رنگوں کے بیچ معاً آئے کت کی نظریں اٹھیں اور وہ دھک سے رہ گئی۔ بہت اوپر، فلک بوس کی چھت کے کنارے مصنوعی روشنی کی کرنوں سے دور ایک تن تنہا ہیولہ نجانے کب سے کھڑا ان دونوں کی خوشیوں کو اپنی نظر بد سے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

سب کی نظروں سے چھپ چھپا کر وہ اپنے کالے لبادے کو چھوٹے سے بیگ میں رکھے فلک بوس کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ اب اسے کسی ایسے کونے کا انتخاب کرنا تھا جہاں سے وہ آسانی سے آئے کت کی نظروں میں آ سکتا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے یہ معاویہ کے کہے مطابق اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ وہ کسی اور کی نظروں میں نہ آتا۔ جلد ہی وہ ایک ایسا کونہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ فلک بوس کی آرائش کے لیے لگائی گئی لائٹس کی روشنی سے ہٹ کر دلہا دلہن کے لیے بنائے گئے اسٹیج کے دائیں جانب ایک کارنر تھا جہاں روشنی نہیں پہنچ پا رہی تھی۔

پاشا نے اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد بیگ سے اپنا لبادہ نکال کر اوڑھا اور اس کارنر میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اسے وہاں تب تک رہنا تھا جب تک وہ آئے کت کی نظروں میں نہ آ جاتا۔

اور اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔۔۔

کچھ ہی دیر میں آئے کت نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

وہاں اندھیرا تھا لیکن وہ کامیاب رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ آئے کت اپنا چہرہ موڑ لیتی، پاشا نے اسے چونک کر اپنی جانب دیکھتا پایا تھا۔ اتنی دور سے بھی اس کے چہرے پر پھیلا ہوا خوف وہ محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے دل کو مطمئن ہوتے محسوس کیا تھا۔

☆......☆......☆

"معاویہ۔۔۔!" آئے کت نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

معاویہ نے اسے دیکھا۔ کت کا چہرہ ابٹن سے بھی زیادہ زرد دکھائی دیتا تھا اس نے آئے کت کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ دور چھت پر کھڑا پاشا اس وقت کسی کو بھی ڈرا سکتا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ آسیب جیسی کوئی چیز یہاں پر ہے ہی نہیں۔۔۔ کوئی ضرور ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔" آئے کت کے چہرے

پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔اس کا خون بالکل خشک ہو رہا تھا۔

"لیکن اس بار ہمارا وہم نہیں ہوسکتا۔۔۔ہم دونوں نے اسے دیکھا ہے۔" معاویہ نے مصنوعی فکرمندی سے کہا۔

"نظروں کا دھوکہ بھی ہوسکتا ہے۔۔۔بعض دفعہ آنکھوں دیکھی چیزیں بھی سچ نہیں ہوتیں۔" وہ بری طرح چڑ گئی۔ "یہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آسیب اور بدروح جیسا کچھ نہیں ہے فلک بوس میں۔۔۔یہ وسامہ کا ذہن تھا جس نے من گھڑت کہانیاں بنا لی تھیں۔۔۔سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جو ہمیں آسیب کا جھانسہ دے کر بیوقوف بنا رہا ہے۔"

وہ اتنے پر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی کہ کچھ دیر کے لئے معاویہ اس کا چہرہ ہی دیکھتا رہ گیا۔اس کا خون کھول رہا تھا آئے کت کے انداز پر۔۔۔مگر اس نے کہا بھی تو بس اتنا۔

"مجھے لگتا ہے ہم نے پھر غلطی کر دی۔۔۔شادی کرنے کے لئے ہمیں فلک بوس آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"نہیں۔۔۔فلک بوس آنا ہماری غلطی نہیں ہے۔۔۔ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم اپنے دشمن کو ایک بار پھر کھلا چھوڑ رہے ہیں۔" آئے کت نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" معاویہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے بھی وسامہ کے ساتھ فلک بوس میں دو سال گزارے ہیں۔۔۔ان دو سالوں میں وہ آسیب مجھے کبھی دکھائی نہیں دیا نہ ہی میں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا ہے۔وہ وسامہ کا وہم تھا اور کچھ نہیں۔۔۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ آسیب ہے ہی نہیں۔۔۔تو فلک بوس میں ایسا کون ہے جو ہمیں آسیب بن کر ڈرانا چاہتا ہے۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔اسے دیکھ کر لگتا تھا اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا ہے اور وہ ان تمام پہلوؤں پر غور کر رہی ہے جو ممکنات میں سے تھے۔آسیب کی موجودگی اس کے اندر ڈر کو جنم دے سکتی تھی لیکن دشمن کا احساس پریشانی کا سبب بن رہا تھا۔

معاویہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا خوبصورت چہرہ نوچ لے۔

"آسیب اسی صورت میں ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے جب ہم پر اس کا کوئی قرض واجب الادا ہو۔۔۔تم خود سوچو جو عورت ایک سو سال پہلے مر چکی ہے بالفرض اگر اس کی روح فلک بوس میں بھٹکتی بھی پھرتی ہے تو وسامہ نے اس کا کیا بگاڑا ہو گا کہ اپنا بدلہ پورا کرنے کے لئے اس نے وسامہ جیسے اچھے انسان کو ہی مار دیا۔۔۔وہ زیادہ سے زیادہ ڈرا سکتی تھی۔جسمانی طور پر چوٹ پہنچا سکتی تھی۔۔۔لیکن قتل کیوں کرے گی وہ اس کا؟۔۔۔تم مانو یا نہ مانو۔۔۔کوئی نہ کوئی ایسا ہے جو ہم سب کو مارنا چاہتا ہے۔۔۔اور وہی ہمیں اس آسیب کا نام لیکر اس کا سایہ دکھا کر ڈرا رہا ہے۔"

وہ پریشان تھی اور پریشانی میں ہی بولتی جا رہی تھی۔یہ سوچے بغیر کہ اس کی باتیں اس کے اپنے پچھلے بیانات کی نفی کر رہی

تھیں۔معاویہ اسے دیکھتا گیا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آئے کت کو کیا کہے۔

''اتنے گیسٹس انوائیٹڈ ہیں یہاں۔مجھے فکر ہے وہ آسیب مہمانوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔'' معاویہ نے پھر میرا ذکر چھیڑا۔

''پھر وہی بات۔۔۔تم کیوں آسیب آسیب بولتے جا رہے ہو؟'' پریشانی میں وہ تڑپ کر بولی تھی۔

''کیونکہ اسی آسیب نے میرے بھائی کی جان لی ہے۔'' معاویہ اس سے زیادہ تڑپ کر بولا۔

''اور میں نہیں چاہتا وہ آسیب یہاں مزید کسی کو کوئی نقصان پہنچائے۔''

''اگر تم میری بات مانو گے تو کچھ نہیں ہوگا۔۔۔یقین کرو میری بات کا۔'' وہ یقین سے بولی تھی۔۔

''کیا چاہتی ہو تم کیا کروں میں۔'' وہ ذرا حیران ہو کر بولا تھا۔

''مجھے چھت پر جانے دو۔'' اس نے ایک دم سے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ سایہ جو ہم نے چھت پر دیکھا۔۔۔جب تک میں اس کا پتا نہ چلا لوں۔۔۔سکون سے نہیں بیٹھونگی۔'' اپنے لہنگے کی فال کو دونوں طرف سے انگلیوں سے ذرا سا اٹھاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی لیکن اگلا قدم اٹھنے سے پہلے معاویہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔

''پاگل پن مت کرو۔۔۔میں تمہیں اوپر جانے نہیں دوں گا۔'' وہ قطعیت سے بولا تھا

''پاگل پن میں نہیں تم کر رہے ہو۔ڈر کر بیٹھے رہیں گے تو وہ جو کوئی بھی ہے اسے اور شہہ ملے گی۔''

''اور وسامہ کے بعد اگر اس نے تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچایا تو۔۔۔؟'' اس نے جان بوجھ کر جملے کے آخر میں ایک سوالیہ نشان چھوڑ دیا تھا۔

''میں تو زندہ رہ کر بھی مرے ہوؤں سے بدتر ہو جاؤ نگا آئے کت!۔۔۔اسے کھونے کے بعد اب تمہیں بھی گنوا دینے کا حوصلہ نہیں ہے میرے اندر۔'' وہ بہت منت اور بیچارگی سے بول رہا تھا۔

''دنیا میں چند ہی لوگ ہیں جن سے میں نے محبت کی ہے۔اور وہی چند لوگ میری زندگی میں باقی نہیں رہتے۔۔۔پہلے ماں ،پھر وسامہ اور اب تم بھی۔۔۔'' اسے ہر حال میں اسے اوپر جانے سے روکنا تھا۔

وہ جذباتیت کی انتہا پر تھا۔اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔آئے کت کا دل ویسے ہی پگھلا جیسے تب پگھلا تھا جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوگا معاویہ۔۔۔!میری بات کا یقین کرو۔'' ایک آخری کوشش کے طور پر اس نے منت سے کہا لیکن اتنی ہی

شدت سے معاویہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”ہر گز نہیں۔۔۔لیکن اگر تمہیں شک ہے تو ہم گارڈز کو بلا کر فلک بوس کی تلاشی کروا لیتے ہیں۔۔۔اگر وہ واقعی کوئی آسیب نہیں جیتا جاگتا انسان ہے تو اتنی ٹائیٹ سیکیورٹی میں چھپ کر بھی نہیں رہ سکتا۔۔۔ابھی سب پتا چل جائے گا۔“

انہوں نے سیکیورٹی انچارج کو بلوا کر سارے فلک بوس کو چھان مارا۔ایک ایک کمرہ،ایک ایک راہ داری اور ایک ایک گپت راستہ تک دیکھ لیا، یہاں تک کہ تہہ خانہ بھی نہیں چھوڑا لیکن کوئی ہوتا تو ملتا۔ پاشا تو آئے کت کو اپنی جھلک دیکھاتے ساتھ ہی اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا۔

سیکیورٹی چیکنگ کے بعد ان آئے کت کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن اسکا دل معاویہ کی پلاننگ کے عین مطابق عجیب طرح سے پریشان ہو گیا تھا تو دوسری طرف معاویہ کے ذہن و دل میں شکوک اور خدشات جنم لے رہے تھے۔شادی کی رسومات کو ابھی کئی دن تک چلنا تھا لیکن معاویہ کے اصرار پر نکاح کی رسم اگلے ہی دن طے کر لی گئی۔ ہر ایک نے اس سے اس عجلت کا سبب پوچھا لیکن وہ محبت کا بہانہ بنا کر ٹالتا رہا۔آئے کت سمجھی تھی کہ وہ کسی بد مزگی کے خدشے کے تحت یہ جلدی مچا رہا تھا اور نکاح کے فوراً بعد فلک بوس سے نکل جانا چاہتا تھا جب کہ سچ تو یہ تھا کہ معاویہ کا دل اس ڈرامہ سے اکتا چکا تھا۔وہ جلد از جلد آئے کت کو وہاں پہنچانا چاہتا تھا جہاں اس کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی۔

☆......☆......☆

”گڈ ورک پاشا۔۔۔“ معاویہ نے مسکراتے ہوئے پاشا کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

پاشا صرف مسکرا کر رہ گیا۔

معاویہ مہندی کی رسم ہونے کے بعد رات گئے پاشا کے ساتھ اس تہہ خانے میں موجود تھا جہاں وسامہ نے اپنی زندگی کی بازی ہاری تھی۔۔۔ پاشا تہہ خانے کے دروازے کے لاک بدل رہا تھا جبکہ معاویہ ہاتھ میں ٹارچ پکڑے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

”تمہارے بابا کو اندازہ تو نہیں ہوا؟“ معاویہ نے پوچھا تھا۔”یا کسی اور نے تو تمہیں چھت کی طرف جاتے نہیں دیکھا؟“

”نہیں۔۔۔ایسا کچھ نہیں ہوا۔میں جس راستے سے اوپر گیا تھا اور پھر واپس آیا تھا،وہاں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔۔۔سو کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔“

”بہت اچھے۔۔۔ مجھے خوشی ہے پاشا کہ تم نے ایک سہی فیصلہ لیا۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ اب وسامہ کے ساتھ ساتھ ایوشمتی کی روح کو بھی سکون مل جائے گا۔“ معاویہ نے کہا تو پاشا خفیف سا ہنس دیا۔

”بدلے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟“ معاویہ نے سرسری سا پوچھا تھا۔

پاشانے مڑ کر معاویہ کی جانب دیکھا اور بے بسی سے کندھے اچکا دیے۔ ''مجھے نہیں پتا۔۔۔''

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے پاشا۔۔۔! ہم مزید ''مجھے نہیں پتا۔۔۔'' پر گزارہ نہیں کر سکتے۔۔۔'' معاویہ کا لہجہ ابھی بھی سرسری تھا۔

''میں اس کے بارے میں سختی سے نہیں سوچ پاتا۔۔۔ میں اس کے بارے میں سوچتے ہوئے خود کو بہت بے بس محسوس کرتا ہوں۔۔۔'' پاشا شرمندگی سے بولا تھا۔

''سختی سے نہیں بھی سوچ سکتے۔۔۔ تو بھی ایک مرد کی طرح ضرور سوچو۔۔۔'' معاویہ خفگی سے بولا تھا۔

پاشا زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم اسے معاف کر سکتے ہو؟'' معاویہ نے پوچھا تھا۔

''نہیں۔۔۔'' یک لفظی جواب آیا۔

''تو پھر بدلہ لو۔۔۔ کم از کم تم سکون محسوس کرو گے۔۔۔'' معاویہ نے کوٹ کی جیب سے رومال میں لپٹا ہوا ایک تیز دھار خنجر نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''تمہارے پاس سوچنے کے لیے کل شام تک کا وقت ہے پاشا۔۔۔! اور یقین رکھو تم جو بھی فیصلہ کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔'' معاویہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اسے اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا۔

پاشا نے چپ چاپ خنجر کو تھام لیا۔

''تالے بدل گئے ہیں صاحب! چیک کر لیں۔۔۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

معاویہ خاموشی سے آگے بڑھ کر دروازے کے لاک چیک کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن نکاح سے کچھ دیر پہلے وہ آئے کت سے ملنے اس کے کمرے میں گیا۔ بیوٹیشن اور اس کی مددگار لڑکیاں اسے سجانے سنوارنے میں مصروف تھی۔ آئے کت تیار ہو چکی تھی۔

''ہم آپ کو دلہن سے ملنے نہیں دیں گے۔۔۔'' بیوٹیشن نے اسے دیکھ کر دروازے پر ہی شوخی سے کہا تھا۔

''کہتے ہیں اگر دلہا نکاح سے پہلے دلہن کو دیکھے تو اس پر روپ نہیں آتا۔'' ایک دوسری لڑکی نے شوخی سے کہا تھا۔

معاویہ کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''روپ چاہیے ہی کسے۔۔۔'' اس نے دل میں سوچا تھا۔

اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔ دور سنگھار میز کے سامنے آئے کت بیٹھی ہوئی تھی اس کی کمر دروازے کی

طرف تھی اور وہ ذرا سا گردن اور چہرے کو موڑے معاویہ کی باتوں پر کان لگانے کی کوشش کر رہی تھی اس کوشش میں اس کے چہرے کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔اونچے جوڑے کی وجہ سے صراحی دار گردن کا خم کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔

''میں ایسی کسی بات پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔''اس نے مسکراہٹ چھپا کر ذرا سنجیدگی سے کہا۔

''آگے سے ہٹیں اور مجھے اندر آنے دیں۔''

وہ سب فوراً محتاط ہو کر آگے سے ہٹیں اور معاویہ اندر آ گیا۔اندر آتے ہی اس نے ان سب کو باہر جانے کا حکم دیا تو وہ آگے پیچھے باہر نکل گئیں۔معاویہ آئے کت کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

بولنے کا ارادہ تھا لیکن اس پر نظر پڑتے ہی ہر لفظ بھول گیا۔اس کی بات آئے کت کے حسن کی نذر ہو گئی۔

''اس حسین چہرے کے پیچھے کیسا گھناؤنا چہرہ چھپا ہے یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔۔۔''وہ خود سے باز بان خاموشی کہہ رہا تھا۔

اس کا شاہی لباس،اس کے زیورات اور اس کی آرائش۔۔۔کیا چیز تھی جو اس پر اس کے وجود کا حصہ نہ معلوم ہوتی ہو۔

آئے کت نے بت بنے اسکو خود کو دیکھتے پایا تو اس کی آنکھوں میں چمکتی ستائش کو حق کی طرح وصول کرتے ہوئے مسکرائی اور سنگھار میز کے آئینے میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟''

گو کہ اس کے سوال میں سوال نہیں۔پورا ایک جواب پنہاں تھا وہ جانتی تھی وہ اسوقت دنیا کی سب سے خوبصورت دلہن لگ رہی ہے۔اس کے حسن کو کسی کے لفظوں کی ضرورت نہیں۔محبوب کی آنکھیں جب ستائش کے رنگوں سے بھر جاتی ہیں تو محبّ کا دل لفظوں کی قید سے آزاد ہو کر دھڑکنے لگتا ہے۔

''میں نے دنیا میں اس سے خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا۔۔۔تم اب تک کہاں تھی؟''وہ جیسے اس کے حسن کے سحر میں گم صم سا بول رہا تھا۔

''یہیں تھی۔۔۔لیکن تمہیں کبھی دکھائی ہی نہیں دی۔''وہ شرمیلی مسکراہٹ لبوں میں دبا کر بولی۔

وہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اسکی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

آئے کت نے حیران ہو کر اسے دیکھا تو بولا۔

''کاش!تم مجھے پہلے دکھائی دے گئی ہوتی آئے کت۔۔۔!کاش۔۔۔!''

وہ نہ اس کی ہنسی کا مطلب سمجھی نہ بات کا۔

''مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی معاویہ۔۔۔!''

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔بس پریشان ہو گیا ہوں۔۔۔وقت بڑی ظالم شے ہے۔۔۔کہیں تمہیں بھی مجھ سے چھین نہ لے۔''

http://kitaabghar.com

''ہمیں کوئی ایک دوسرے سے چھین نہیں سکتا اب۔اپنے اپنے حصے کے مصائب اپنے اپنے حصے کی مجبوریوں کا بوجھ اٹھا چکے ہیں ہم۔۔۔اب ہم اپنی زندگی جئیں گے۔۔۔اپنی خوشیوں سے جھولیاں بھریں گے۔'' وہ پر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں ایسا ہی ہوگا۔۔۔'' وہ گہری سانس بھر کر اس کی طرف پلٹا۔

''میں نے اپنی محبت کا حصار باندھ دیا ہے۔۔۔اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔'' وہ مسکرایا ذرا سا جھکا اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر تیزی سے اس کے منہ پر اپنی ہتھیلی جما دی۔

آئے کت نے تڑپ کر اس کی بازو کو کلائی سے تھام کر پیچھے ہٹانا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

معاویہ نے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو سر کے پچھلے حصے سے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

وہ تڑپ رہی تھی مگر خود کو چھڑانے میں ناکام رہی تھی۔

معاویہ کے ہاتھ میں موجود رومال اس کی ناک کو دبائے ہوئے تھا۔جلد ہی وہ آئے کت کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی اور وہ معاویہ کی بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

معاویہ نے اس کے بے سدھ وجود کو بے دردی سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔

وہ چند لمحے نفرت سے آئے کت کو تکتا رہا تھا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی معاویہ نے راہداری کا جائزہ لیا تھا۔رہداری سنسان پڑی تھی۔یقیناً آئے کت کو تیار کرنے والی لڑکیاں نیچے جا چکی تھیں۔

معاویہ آگے جا کر دائیں جانب مڑا تھا۔اس دوسری راہداری میں پاشا موجود تھا۔

معاویہ نے ہاتھ کی مدد سے پاشا کو اشارہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

کمرے میں آ کر وہ خود بھی تیار ہونے لگا۔دنیا دکھاوے کو اسے اب سب سے خوبصورت دلہن کے لئے سب سے جاذب نظر دلہا بننا تھا۔سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ تیار ہوتا رہا۔

وہ اسی فیصد اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔باقی بیس فیصد کامیابی کا انحصار پاشا پر تھا۔

☆......☆......☆

معاویہ کے اشارہ کرتے ہی پاشا لمبے لمبے ڈگ بھرتا آئے کت کے کمرے میں آ گیا تھا۔

اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔۔۔

ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر وہ کمرے میں موجود الماری کی جانب بڑھا تھا۔الماری کے اوپر کے حصے میں سے اس نے کھینچ کر

ایک لحاف نکالا تھا۔لحاف کوزمین پر پھیلا کر وہ آئے کت کے بے ہوش وجود کی طرف بڑھا تھا۔

اگلے چند ہی لمحوں میں وہ آئے کت کے جسم کو اس لحاف میں لپیٹ چکا تھا۔ لحاف کو کندھے پر لادتے ہوئے وہ کمرے میں موجود دوسرے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔چابی اس کے پاس موجود تھی۔تیزی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک اسٹور نما کمرہ تھا۔مگر بے ترتیبی نہیں تھی۔دروازے کو دوبارہ سے لاک کر کے، وہ اس کمرے کی الماری کی طرف آیا تھا۔ معاویہ ہی کے انداز میں اس نے لحاف میں لپٹی آئے کت کو زمین پر پٹخا تھا اور پھر کمرے میں موجود الماری کے پٹ کھولتا ہوا وہ اس میں داخل ہو گیا تھا۔کچھ دیر بعد وہ آئے کت کو بھی اٹھا کر لے گیا تھا۔اس الماری سے نکلنے والے گپت راستے سے ہو کر وہ چھپتا چھپاتا آئے کت کو اسی تہ خانے میں لانے میں کامیاب ہو گیا تھا جہاں وسامہ نے دم توڑا تھا۔

آئے کت کو مدہوش وجود کو لحاف سے آزاد کر کے کرسی پر بٹھاتے ہوئے وہ سیدھا ہو کر اپنی پھولی ہوئی سانسیں درست کرنے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ پاشا، معاویہ کا دیا ہوا خون آلودہ خنجر اور ایک گٹھری میں کچھ لپیٹے فلک بوس کے پچھلے حصے سے جنگل کی طرف جا رہا تھا۔

میرے حق میں برا یہ ہوا کہ وہ یہ کام لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر ہی کر گزرا تھا۔

☆......☆......☆

بشام کے سینے پر دل کی طرح دھڑکتے فلک بوس کا قصہ مختصر۔۔۔

جس وقت پاشا فلک بوس سے نکلا، وہی وقت تھا جب نکاح خواں گواہان کی معیت میں نکاح نامے پر سائن کروانے دلہن کے کمرے میں پہنچے۔۔۔

کمرہ خالی تھا اور دلہن کسی ہیولے کی طرح غائب ہو چکی تھی۔۔۔

اور یوں دنیا کی نظر میں معاویہ اردشیرازی اور آئے کت کی محبت کی کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔صرف معاویہ جانتا تھا کہ محبت کی کہانی ادھوری نہیں رہی تھی بلکہ وہ اپنے بھائی کی محبت میں سرخرو ہو چکا تھا۔

بشام کی جاہل، کمزور عقیدہ عورتوں کی بات درست ثابت ہو گئی اور فلک بوس کا آسیب ایک اور محبت کو نگل گیا تھا۔

وہ کبھی نہیں جان سکے تھے کہ یہ انسان ہوتے ہیں جو دوسروں کی زندگی میں آسیب بن جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

”کیسی ہو شہر بانو۔۔۔“

شہر بانو جو اپنے آپ میں مگن سست روی سے قدم اٹھاتی وہاں سے گزر رہی تھی، بری طرح ڈر کر پلٹی تھی۔ وہ پاشا تھا جو ہاتھ میں

کچھ اٹھائے جانے کب سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ایک ہی جست میں وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

شہر بانو بھی آج اپنی سہیلیوں کے ساتھ، اپنے باپ کی اجازت کے بغیر فلک بوس آئی تھی۔ فلک بوس آنے کی دو وجوہات تھیں۔۔۔

اول وہاں ملنے والا کھانا جو اردشیر ازی نے اپنے بیٹے کی شادی کی خوشی میں بشام واسیوں کے لیے مفت میں دیا تھا۔۔۔

دوسری وجہ معاویہ شیرازی کی ہونے والی دلہن، جسے پہلے بھی ان لوگوں نے دیکھ رکھا تھا مگر اس کی دوستوں نے بتایا تھا کہ اپنہ مہندی پر وہ اپنے نام کا عکس محسوس ہوتی تھی۔۔۔

سو وہ کھانے اور دلہن دیکھنے کے شوق میں اپنے باپ سے چھپ کر وہاں آ گئی تھی۔کبیر خان کی وجہ سے اس کے باپ نے ان کے فلک بوس آنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔

خیر کھانا تو اس نے کھا لیا تھا اور دلہن کو بھی چھپکے سے کمرے میں دیکھ کر آ چکی تھی۔۔۔اب رات بھی گہری ہو رہی تھی۔اس سے زیادہ وہ وہاں رکنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی سو اپنی سہیلیوں کے بغیر ہی وادی کی جانب چل پڑی تھی۔تھی تو یہ بھی خطرے والی بات لیکن باپ کا غصہ فی الوقت اس کے حواسوں پر طاری تھا۔

"آئے کت بی بی کا شادی کا جوڑا کتنا خوبصورت تھا۔کاش ایسا جوڑا میں بھی اپنی شادی پر پہن سکتی۔۔۔"اس نے حسرت سے سوچا تھا۔

وہ جو اپنے ہی خیالوں میں مگن چل رہی تھی اور اسے لگا تھا کہ وہ جنگل کو تنہا ہی عبور کر رہی تھی، پاشا کی آواز پر بری طرح ڈر گئی۔ پاشا ایک گالے رنگ کا گاؤن پہنے ہوئے تھا جس کے ساتھ ایک ٹوپی تھی جو اس نے سر پر لے رکھی تھی۔ اسے خوفزدہ دیکھ کر پاشا نے ہنستے ہوئے سر سے ٹوپی کو اتار دیا تھا۔

پاشا کو سامنے دیکھ کر خوف سے زرد پڑتا چہرہ، غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔اسے چند لمحے لگے تھے اپنے حواس بحال کرنے میں۔۔۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟۔۔۔ڈرا کر رکھ دیا۔۔۔"وہ نفرت سے بولی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟۔۔۔میرا پیچھا کر رہے تھے۔۔۔جاہل انسان۔۔۔"

آخری دو الفاظ اس نے بڑبڑا کر ادا کیے تھے۔

"ہاں میں پیچھا کر رہا تھا۔" پاشا نے اس کے آخری الفاظ سن لینے کے باوجود نظر انداز کر دیے تھے۔"تم سے کچھ بات کرنی تھی۔اور تمہیں کچھ دینا بھی تھا۔"وہ مسکرایا تھا۔

کچھ دینا تھے کے الفاظ پر شہر بانو کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا بات کرنی تھی اور کیا دینا تھا۔۔۔؟" اس کا لہجہ خود ہی نرم پڑ گیا تھا۔

"یہ دینا تھا۔۔۔" پاشا نے ہاتھ میں پکڑی گٹھری اس کے پیروں میں پھینک دی تھی۔

شہر بانو نے حیرت سے اس گٹھری کو دیکھا جس میں سے سنہری رنگ کا کچھ کپڑا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ نیچے جھکی اور گٹھری کو کھول کر دیکھا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ وہ شادی کا جوڑا تھا اور اگر وہ غلط نہیں تھی تو وہ یہ تو آئے کت کی شادی کا جوڑا تھا جسے اس نے کچھ دیر پہلے زیب تن کر رکھا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ یہ تو آئے کت بی بی کا ہے نا؟" وہ ہکلا کر بولی تھی۔

"بالکل انہی کا ہے۔۔۔ اور تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ میں تمہیں دے دوں۔۔۔ اگر تم ابھی میرے ساتھ چل کر نکاح کر لو تو۔۔۔" پاشا نے سکون سے اپنی بات مکمل کی تھی۔

شہر بانو آنکھیں کھاڑے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔ دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔؟" اس کا خوف مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا سو اس کی جگہ غصے نے لے لی۔

"میرا دماغ تو بالکل ٹھیک ہو گیا ہے بانو۔۔۔! اس لیے ابھی یہاں آیا ہوں تا کہ تمہارا دماغ بھی ٹھیک کر دوں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولا تھا۔

شہر بانو نے ان لفظوں کو غور سے سنا تھا اور لمحہ بھر کے لیے وہ ٹھٹک گئی تھی۔ پاشا کا انداز نارمل نہیں تھا۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" وہ بے دھیانی میں گٹھری کو سینے سے لگائے زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مطلب صاف ہے۔۔۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" پاشا نے عام سے انداز میں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈالا تھا۔ "اور میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی میرے ساتھ چلو تا کہ ہمارا نکاح ہو سکے۔۔۔ شادی کا لباس تمہارے ہاتھ میں ہی ہے۔ اب تم بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟"

"تم پاگل ہو چکے ہو پاشا۔۔۔! کیسے گھٹیا آدمی ہو تم جو ایک لڑکی کو غلط راہ پر لگانا چاہتے ہو۔" وہ نفرت سے بولی تھی۔

"تم سہی کہتی ہو۔۔۔ پاگل تو میں تھا۔۔۔ جو تم جیسی لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا۔۔۔ میں گھٹیا ہوں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم خود کیا ہو شہر بانو جو اس گھٹیا آدمی سے چھپ چھپ کر ملتی رہی۔۔۔ اپنے باپ کو دھوکا دیتی رہی اور خدا معلوم کہ میرے علاوہ تم کس کس کے ساتھ یہ کھیل کھیلتی رہی ہو۔۔۔"

"بکواس بند کرو۔۔۔" شہر بانو سے سچ برداشت نہ ہوا تو چلا اٹھی۔ "میرا باپ تم لوگوں کے بارے میں ٹھیک کہتا ہے۔۔۔ تم اور

تمہارا باپ گلی کے کتوں سے بھی بدتر ہیں۔۔۔ جن کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ جانے کب کاٹ لیں۔۔۔"

پاشا کا چہرہ اپنے اور اپنے باپ کے لیے گالی سن کر سرخ پڑ گیا تھا۔اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ہاتھ باہر نکالا تھا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ شہر بانو ایک لمحے کے لیے سانس لینا بھول گئی تھی۔

"چلو پھر آج میں تمہارے کہے لفظ سچ کر کے دکھاتا ہوں۔۔۔"

پاشا نے اپنی بات مکمل کرتے ہی خنجر کا دستہ اس کے سر پر دے مارا تھا مگر وار میں اتنی طاقت نہ تھی۔

دوسری طرف شہر بانو محتاط ہو چکی تھی۔اس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

دستہ اس کی کنپٹی سے ٹکرایا تھا۔۔۔

وقت ضائع کرنے کا نہیں تھا وہ ایک جھٹکے سے مڑی اوت مخالف سمت میں بھاگ پڑی۔پاشا اس کے پیچھے آ رہا ہے یا نہیں، اس نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کاتک کی دھند نے بشام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔اونچے قد آور درخت تن کر لیکن ایسے ساکت کھڑے تھے جیسے گہری نیند میں ہوں۔کبھی کبھی ہوا کا کوئی جھونکا آتا اور پہاڑ کے سینے پر سانپ کی طرح بل در بل بچھی ہوئی پگڈنڈیوں پر گر بہ پائی سے چلتا خودرو جنگلی گھاس میں تحلیل ہو جاتا۔

تو وہ پکڈنڈیاں جن پر ہوا کا جھونکا بھی رات کا احترام کرتے ہوئے احتیاط سے چلتا تھا انہی پگڈنڈیوں پر شہر بانو خوف کے احساس سے بدحال دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگا۔اسکے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔سنہرے لبادے سے بنی گٹھری کو اس نے بدحواسی میں ابھی تک سینے سے لگا رکھا تھا اور اس طرح بھاگ رہی تھی جیسے فلک بوس کا بھوت اس کے تعاقب میں ہو۔گو کہ اس کا چھریرہ بدن جوانی کی حکائیت سناتا تھا لیکن خوف سے بوجھل آنکھیں بتانے لگی تھیں کہ خوابناک زندگی کا ہر خواب ملیامیٹ ہو چکا ہے۔

بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا نیچے، بہت دور، وادی دھند کے باعث اس کی بصارت سے اوجھل ہو چکی تھی۔پھر اس نے پیچھے دیکھا۔اس سے بہت دور فلک بوس اپنے پورے طمطراق سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔آرائشی قمقمے جن سے پوری عمارت کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا ابھی بجھائے نہیں گئے تھے۔۔۔لیکن سناٹا پوری عمارت کو نگل چکا تھا۔

معاً ایک حقیقت اس کے سر پر قیامت بن کر ٹوٹی۔وہ جتنی دیر سے بھاگ رہی تھی اب تک اسے فلک بوس کی حدود سے مکمل طور پر باہر نکل جانا چاہیے تھا لیکن بھاگتے بھاگتے انہی راستوں پر آ گئی تھی جن کو اس کے بھاگتے ہوئے قدموں نے کچھ دیر پہلے عبور کیا تھا۔اور یہ تیسری بار ہوا تھا۔کس قدر احمق تھی وہ جو سوچ رہی تھی کہ فلک بوس سے دور چلی جائے گی۔جس عمارت کے اسرار نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ مین لے رکھا تھا اس عمارت میں زندگی بیدار ہو جانے کے باوجود رات کے اس پہر اس کی حدود سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

اپنی بیوقوفی کا احساس ہوتے ہی خوف کی شدید ترین لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ ذرا سا دھیان بٹا اور وہ منہ کے بل گری۔ لبوں سے کراہ برآمد ہوئی لیکن پہاڑوں کے سناٹوں میں آوازیں گونجتی ہیں سو اس نے تکلیف کی شدت کے باوجود آواز کو دبالیا۔ ہاتھوں میں دبوچی ہوئی سنہری گٹھری چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لپک کر اپنی قیمتی متاع اٹھاتی فلک بوس سے پرے کہیں دور کسی جنگلی بھیڑیئے نے رونا شروع کیا اور سناٹے اور دھند کے پردے میں شگاف پڑ گیا۔

اسی وقت درخت کی اوٹ سے پاشا برآمد ہوا۔ اسے دیکھ کر شہر بانو کی آنکھوں میں ہراس پھیل گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک بھی لفظ زبان سے نکال پاتی پاشا نے اپنی اوٹ سے ہاتھ باہر نکال کر بلند کیا۔ ہاتھ میں وہی تیز دھار خنجر تھا۔ فلک بوس کے آرائشی قمقموں کی ایک لہر خنجر کی دھار سے ٹکرائی۔ خنجر ہوا میں لہرایا اور لڑکی کے عین دل کے مقام پر گڑ گیا۔ اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل کر بشام کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

عین اس وقت جب بشام اس چیخ سے لرز رہا تھا ٹھیک اسی وقت فلک بوس کی آرائشی بتیاں ہمیشہ کے لئے بجھا دی گئیں تھیں۔

دوسری جانب ایک وار کے بعد پاشا کے ہاتھ رکے نہیں تھے۔ وہ بے دردی سے شہر بانو کے چہرے پر وار کر کے اسے بگاڑتا چلا گیا تھا اور شاید وہ ابھی بھی نہ رکتا اگر کوئی اسے پیچھے سے پکڑ کر کھینچ نہ لیتا۔۔۔ پاشا یکدم ہوش میں آیا تھا۔

وہ بابا کبیر تھے جو پھٹی پھٹی نظروں سے سامنے پڑی لاش اور کچھ فاصلے پر موجود گٹھری کو دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

"جس روز آئے کت فلک بوس سے لاپتا ہوئی ٹھیک اسی روز فلک بوس کی روشنیاں ہمیشہ کے لئے گل کر دی گئی تھیں۔ وہ عمارت ایسی سنسان اور رونق کی رمق سے عاری ہوئی کہ دوبارہ بشام والوں نے فلک بوس میں کسی زندہ انسان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

اسی رات جب فلک بوس کی روشنیاں غم کے بوجھ سے گل کی جا رہی تھیں۔ آسمان کھل کر رو رہا تھا اور بشام کے بھیگتے جنگل کی سفاکی میں شہر بانو کی لاش ملی جسے بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا تھا۔ ایک تیز دھار خنجر اس کے سینے میں دل کے مقام پر تین انچ تک گڑھا ہوا تھا اور شہ رگ کے پاس گہرا گھاؤ تھا۔ صرف یہی نہیں اس کا چہرہ بے دردی سے خنجر کے پے در پے وار کر کے بری طرح مسخ کر دیا گیا تھا۔ اس کی پہچان مشکل ہوتی اگر اس کے تن پر وہ عروسی لباس نہ ہوتا جو معاویہ نے آئے کت کے ساتھ جا کر بطور خاص اس دن کے لئے منتخب کیا تھا۔

آئے کت کی اس پراسرار گمشدگی نے کئی مفروضوں کو جنم دیا تھا۔ بشام کے ناخواندہ اور ضعیف العقیدہ لوگ ایک ہی بات پر بضد تھے کہ آئے کت کو میں اٹھا لے گئی۔ لیکن جنگل سے ملنے والے شواہد آئے کت کی موت کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ ایک عام قیاس یہ تھا کہ آئے کت کو میں نے اپنے اثر میں کر کے فلک بوس سے نکالا ہوگا اور جنگل کے ہولناک سناٹے میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔

وادی کے کچھ بچے اس بات کے گواہ تھے کہ انہوں نے ڈھلتی ہوئی شام کے ملگجے اجالے میں ایک ہیولے کو ایک بڑی چادر میں

http://kitaabghar.com

لپٹے اور ایک گٹھڑی نما چیز دبوچے تیزی سے جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو وادی کی پگڈنڈیوں پر اس وجود کے قدموں کا کھوج بھی لگایا جا سکتا تھا لیکن افسوس۔۔۔صد افسوس۔۔۔بارش نے ہر نشان مٹا دیا تھا۔یوں تمام تر الزام میرے سر آ گیا اور انسان ہمیشہ کی طرح بچ کر نکل گئے۔

قصہ مختصر۔۔۔معاویہ نے بابا کبیر اور اس کی بیوی کو اس معاملے میں چپ کروانے کے لیے ان کے بیٹے کی غلطیوں کو استعمال کیا۔اس نے پاشا کو کسی اور ملک بھجوا دیا اور کبیر خان اور اس کی بیوی جس کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا تھا،انہیں فلک بوس کی حفاظت۔۔۔یا شاید میری حفاظت کے لیے ہمیشہ کے لیے یہاں ہی روک لیا گیا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ خاموش ہو گئی تھی۔

اس کے خاموش ہونے پر وہ تینوں ہی چونک کر جیسے کسی ٹرانس سے آزاد ہوئے تھے۔

کیف جو فلور کشن پر صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس نے جیسے تھک کر اپنی ٹانگیں پھیلا لیں۔

منفرا صوفے پر سے اٹھی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔اس نے ہاتھ بڑھایا اور آہستہ سے کھڑکی کا پردہ کھسکا دیا۔

رات کا اندھیرا آہستہ سے دن کی روشنی سے مل رہا تھا۔ملگجی سی روشنی جس میں فلک بوس کا گیٹ بھی نمایاں دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا،وہ سفید پوش سامنے سر جھکائے کرسی پر بیٹھی تھی۔

سب سے زیادہ جھٹکا اس کہانی سے منفرا کو لگا تھا۔ان ساڑھے تین سالوں میں وہ یہ جان ہی نہیں سکی تھی کہ معاویہ کے ماضی میں سے بہت سے سچ اس کے سامنے آ ہی نہیں سکے۔معاویہ اسے جو کچھ بتاتا رہا وہ آنکھیں بند کر کے یقین کرتی رہی تھی۔اسے سمجھ ہی نہیں آ سکا کہ معاویہ اپنی کہانی کو کس حد توڑ موڑ کر اس تک پہنچا رہا ہے۔۔۔

اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ کل رات کیا ہوا تھا۔۔۔

خوش نصیب اور وہ،کیف کی تلاش میں نکلے تھے۔۔۔اور خوش نصیب کے کہے مطابق وہ انہیں اسی کمرے سے ملا تھا جس کی نشاندہی خوش نصیب نے کی تھی مگر وہ وہاں اکیلا نہیں تھا۔وہ سفید پوش اس کے ساتھ وہاں موجود تھی۔جس وقت وہ دونوں کیف کے برابر آ کر بیٹھیں تھیں،کیف نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"کیف بچے کمرے میں اکیلے ہیں۔۔۔انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔۔۔"منفرا نے سرگوشی میں کہا تھا۔

"جو نقصان پہنچا سکتی تھی وہ آپ کے سامنے موجود ہے۔۔۔"کیف زہر خند لہجے میں بولا تھا۔

مگر منفرا کے اصرار وہ لوگ اس سفید پوش کو لے کر کمرے میں آ گئے تھے۔اسے وہاں آنے کے لیے کیف نے راضی کیا تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ سفید پوش کیف کی بات سن بھی رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

ان لوگوں نے اس سے ان کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ انہیں معاویہ، وسامہ اور آئے کت کی کہانی سنانے لگی تھی اور وہ تینوں اس کہانی میں اتنا مگن ہوئے تھے کہ کچھ اور پوچھ ہی نہیں سکے تھے۔

کیف رات جب اس کمرے میں پہنچا تھا تو یہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔ اس نے کیف کو یہ بتا کر کہ وہ ایوشمتی ہے، ڈرانے کی کوشش کی تھی۔ کیف حیرانگی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔۔۔ مگر میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں۔۔۔'' اس نے کیف کو دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا تھا۔

''مگر میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔۔۔'' کیف نے اسے بتایا تھا تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔۔۔

''یہ ممکن نہیں۔۔۔'' وہ پھنکاری۔ یہ چیز اسے پینک کر رہی تھی کہ کوئی انسان اسے دیکھ پا رہا تھا۔ ''میں ایک بدروح ہوں۔۔۔ اور تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔۔۔ نہ مجھے چھو سکتے ہو۔''

''کیف نے آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کے کندھے کو چھوا تھا۔ اسے حواس باختہ کرنے کے لیے یہ کام کافی تھا۔

وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔ اور اس نے کمرے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔

کیف نے اسے روکا نہیں تھا بلکہ وہ حیران پریشان وہاں کھڑا تھا کیونکہ وہ دروازے سے نہیں۔۔۔ بلکہ دیوار میں خود کو ٹکرا کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کیف نے اپنی حیرانی کو پرے دھکیل کر آگے بڑھ کر اسے زبردستی اس کام سے روکا تھا۔ بہت مشکل سے وہ اسے یقین دلا پایا تھا کہ وہ اس کا دشمن نہیں ہے نہ ہی کسی بری نیت سے یہاں آیا ہے۔

کیف نے اسے کرسی پر بٹھایا تھا اور اسے اپنے بارے میں بتانے کو کہا تھا۔۔۔ وہ اس وعدے پر کیف کو اپنے بارے میں بتانے کو راضی ہوگئی تھی کہ کیف اس کے بعد یہاں سے چلا جائے گا اور جس وقت وہ اپنے بارے میں بتانا شروع ہوئی، خوش نصیب اور منفرا وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس نے ان کی موجودگی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا نہ ہی ان کے وہاں آنے پر کوئی اعتراض کیا تھا بلکہ کیف کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ منفرا کے کمرے میں بھی آگئی تھی۔

آخر فلک بوس اس کا اپنا گھر تھا۔۔۔ وہ وہاں جہاں چاہے جا سکتی تھی۔۔۔

سب سے بڑھ کر وہاں وہ چھوٹے بچے تھے جن کی معصوم آوازیں اسے اپنی طرف کھینچتی تھیں۔

کمرے میں آتے ہی وہ ان کے جھولے کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی اور ان دونوں کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

پیچھے کھڑی منفرا کا دل اس کے وہاں کھڑے ہونے پر ڈوب ڈوب جاتا تھا لیکن اس نے ایوشمتی کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس وہ چوکنی سی وہاں کھڑی رہی تھی۔ اس کے بعد وہ خود ہی وہاں سے ہٹ کر کرسی پر آ بیٹھی تھی اور ان لوگوں کو کہانی سنانے لگی تھی۔

سفید لبادہ جس پر مٹی کے نشان لگے تھے۔ لمبے براؤن بال جن میں کہیں سفیدی نمایاں ہوتی تھی جو کمر سے نیچے تک جاتے تھے اور بکھر کر اس کے پورے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔۔۔اس نے ہاتھ اپنی گود میں رکھے ہوئے تھے۔۔۔جنہیں وہ بار بار آپس میں ملنے لگتی۔اس کے ہاتھ کے ناخن بے حد لمبے تھے جن میں میل پھنسی ہوئی تھی۔یہی حال اس کے پاؤں کے ناخنوں کا تھا۔۔۔وہ بے حد لمبے تھے اور میل بھرے تھے۔اس کے چہرے اور گردن کا زیادہ تر حصہ اس کے بالوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔۔۔جو حصہ نظر آ تا تھا ان سے اندازہ تھا کہ اس کا رنگ بے حد سفید تھا۔۔۔جیسے کسی مردہ کا چہرہ۔۔۔

کل ملا کر وہ ڈراؤنی تھی۔۔۔بے حد ڈراؤنی۔۔۔

خوش نصیب جو کن اکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی، جھرجھری لے کر رہ گئی تھی اور فوراً نظریں پھیر لیں۔

کمرے کی خاموشی کو وسامہ کے رونے کی آواز نے توڑا تھا۔وہ نیند سے جاگ گیا تھا اور اب بھوک سے رو رہا تھا۔

ان لوگوں نے ایوشمتی کو چونکتے دیکھا۔۔۔وہ تیزی سے اٹھی تھی اور جھولے کی طرف بڑھی تھی۔۔۔

وہ غور سے وسامہ کو روتے دیکھ رہی تھی۔

”وسامہ۔۔۔“ وہ درد بھری آواز میں آہستہ سے بولی تھی۔لہجے میں دکھ نمایاں تھا۔

وسامہ ایک نئے چہرے کو دیکھ کر اور شدت سے رونے لگا۔منفرا کھڑکی سے ہٹ کر جھولے کے پاس آ گئی۔

”میں اسے چپ کرواتی ہوں۔۔۔“ اس نے وسامہ کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

”تم نے ہمیں سب کے بارے میں بتا دیا۔۔۔جنگل میں جو لاش ملی وہ شہر بانو کی تھی۔۔۔تو پھر۔۔۔آئے کت۔۔۔اس کا کیا ہوا۔۔۔؟“ خوش نصیب نے جھجک کر خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا تھا۔

ایوشمتی نے مڑ کر خوش نصیب کی جانب دیکھا۔

خوش نصیب نے خوفزدہ ہو کر کیف کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

” میں نہیں جانتی۔۔۔میں نے اس کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔“ وہ سرگوشی میں بولتے ہوئے دوبارہ کرسی پر آ بیٹھی تھی۔نظریں ابھی تک وسامہ کے ننھے وجود پر جمی تھیں۔

منفرا سست روی سے خوش نصیب کے برابر آ بیٹھی۔

”میں بتاؤں آئے کت کہاں ہے۔۔۔؟“ منفرا نے پوچھا تھا۔

خوش نصیب نے حیرت کر اس کی جانب دیکھا۔

”آپ جانتی ہیں۔۔۔؟“

منفرا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کرسی کی جانب اشارہ کیا تھا اور بولی تھی۔

''یہ ہے آئے کت۔۔۔ہمارے سامنے بیٹھی ہے۔''

خوش نصیب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ہونق نظر آ رہی تھی۔

کیف کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بھی یہ بات جان چکا تھا۔وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

اور وہ۔۔۔ایوشمتی یا آئے کت۔۔۔وہ جو بھی تھی۔۔۔ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔۔۔

❁ ❁

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

ماہنامہ نئے افق ڈائجسٹ کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول
ایک سو سولہ چاند کی راتیں
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

تنزیلہ ریاض کا بہت خوبصورت نیا ناول
غم ہے یا خوشی ہے تو
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

''میں بتاؤں آئے کت کہاں ہے۔۔۔؟''منفرا نے پوچھا تھا۔

خوش نصیب نے حیرت کراس کی جانب دیکھا۔''آپ جانتی ہیں۔۔۔؟''

منفرا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کرسی کی جانب اشارہ کیا تھا اور بولی تھی۔

''یہ ہے آئے کت۔۔۔ ہمارے سامنے بیٹھی ہے۔''خوش نصیب نے چونک کراس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ہونق نظر آ رہی تھی۔ کیف کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بھی یہ بات جان چکا تھا۔وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

اور وہ۔۔۔ایوشمتی یا آئے کت۔۔۔وہ جو بھی تھی۔۔۔ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

''کوئی مجھے سمجھائے گا پلیز کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''کمرے میں چھائی خاموشی میں خوش نصیب کی آواز نے دراڑ ڈالی تھی۔

ان دونوں نے ہی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

خوش نصیب کچھ لمحے باری باری ان کی شکل تکتی رہی تھی اور جب اسے احساس ہوا کہ وہ دونوں ہی اس کی بات کا جواب نہیں دیں گے تو وہ منفرا کی پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''منفرا۔۔۔! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اگر۔۔۔اگر یہ لڑکی آئے کت ہے تو ایوشمتی کی سچائی کیا ہے؟ اور آپ کو کیوں لگ رہا ہے کہ یہ لڑکی آئے کت ہے؟''خوش نصیب کی آواز سے الجھن نمایاں تھی۔

منفرا نے بے بسی سے اس کی شکل دیکھی اور محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے جنہیں وہ بہنے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

'' تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ آئے کت نہیں ہے تو آئے کت کہاں ہے؟ اور یہ لڑکی کون ہے؟''فلور کشن پر بیٹھے کیف نے بے حس سے انداز میں پوچھا تھا۔

''آ۔۔۔ظاہر ہے یہ ایوشمتی ہے۔۔۔اور آپ دونوں یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ ایوشمتی تو بہت۔۔۔ بہت پہلے سے فلک بوس میں تھی۔۔۔''وہ کنفیوژ سے انداز میں بولی تھی۔

کیف نے اس کی لاعلمی پر سر جھٹکا۔

''ہے نا کیف؟ تم نے ہی تو ایوشمتی کی کہانی کے بارے میں بتایا تھا مجھے۔۔۔''خوش نصیب کو اس کا تاثرات پر غصہ آ رہا تھا۔

''کم آن خوش نصیب۔۔۔تھوڑا سوچنے کی کوشش کرو۔۔۔ ''کیف نے کہا تھا۔

"سچ تو یہ ہے کہ ایوشمتی کا کبھی بھی کوئی وجود تھا ہی نہیں۔۔۔ایوشمتی تو صرف ایک خوف کا نام تھا جو اس وادی کے لوگوں کے دل میں بٹھا دیا گیا تھا۔ ہر ایک کی اپنی کہانی۔۔۔اپنی سوچ۔۔۔اپنا ڈر۔۔۔اور اسی چیز کا فائدہ اٹھایا معاویہ اردشیرازی نے۔۔۔" کیف پرسوچ انداز میں بول رہا تھا۔

"منفرا۔۔۔! کیا آپ کو بھی یہی لگتا ہے۔۔۔؟" وہ منفرا کی طرف مڑی جو کھڑکی کے پاس اپنا سر پکڑے کھڑے تھی۔

"واؤ۔۔۔" کیف کی آواز پر خوش نصیب مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کہانی تو میری سوچ سے بھی آگے کی چیز نکلی۔۔۔کس قدر چالاکی سے معاویہ اردشیرازی سب کو بیوقوف بناتا رہا ہے۔" کیف استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

منفرا اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"تمہارا خیال ہے کہ معاویہ سر نے پچھلے آٹھ دس سالوں سے آئے کت کو یہاں بند کر رکھا ہے۔۔۔"

"میرا خیال نہیں ہے۔۔۔مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔"

"کیف بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔آٹھ دس سالوں میں کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ یہاں کوئی بدروح نہیں بلکہ جیتا جاگتا انسان قید ہے۔۔۔دوسری بات یہ کہ منفرا اس سے پہلے بھی یہاں کئی بار آ چکی ہیں انہیں کیوں نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کوئی قید ہے۔۔۔اور تیسری سب سے اہم بات یہ کہ وہ لڑکی یا بدروح۔۔۔اپنے منہ سے بتا رہی ہے کہ وہ ایوشمتی ہے۔۔۔اگر وہ آئے کت ہے تو وہ ایسا کیوں کہے گی۔۔۔"

"فرٹزل کیس کے بارے میں سنا ہے تم نے کبھی۔۔۔؟" کیف نے پوچھا تھا۔

منفرا چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔۔۔"ہاں میں نے سنا ہے اس کیس کے بارے میں۔۔۔" اسنے تھک ہوئے انداز میں کہا تھا۔خوش نصیب سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"دو ہزار آٹھ میں یہ کیس سامنے آیا تھا جب آسٹریا میں الزبتھ فرٹزل نامی بیالیس سالہ ایک عورت نے پولیس کے سامنے بیان دیا تھا کہ اسے پچھلے چوبیس سال سے اس کے باپ نے گھر کی بیسمنٹ میں محصور کر رکھا تھا۔بچپن میں وہ بجی باپ کی سختیوں کا شکار رہی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں جب اس نے ایک انڈیپینڈنٹ لائف گزارنے کا فیصلہ کیا تو اس کے باپ نے اسے بیسمنٹ میں قید کر دیا تھا اور پھر اگلے چوبیس سال اس لڑکی نے اپنی لائف ایک قیدی کی حیثیت سے باہر سے کٹ کر گزاری تھی۔" اتنا بتا کر منفرا خاموش ہو گئی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ پاکستان میں بھی دس بارہ سال پہلے ایک ایسا کیس سامنے آیا تھا۔۔۔جس میں ایک بھائی نے اپنی بہنوں کو کئی سالوں تک گھر کے اندر محصور کر کے رکھا تھا۔اس کیس کا کیا بنا یا اس کا کیا نتیجہ نکلا تھا یہ تو مجھے یاد نہیں ہے لیکن۔۔۔ میرے اندازے کے

مطابق یہ تب ہی کی بات ہے جب وسامہ طالب کو قتل کیا گیا تھا۔عین ممکن ہے اسی کیس سے معاویہ کو یہ آئیڈیا ملا ہو۔۔'' کیف نے منفرا کی بات کو ہی جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ اس وقت ہم مفروضے کی بیس پر بات کر سکتے ہیں۔ اور وہ بھی اتنا بڑا الزام۔۔تمہارے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔۔منفرا آپ بھی اس کی بات سے متفق ہیں؟''

اسے یاد آیا کہ منفرا نے بھی ایو شمتی کو آئے کت قرار دیا تھا۔

کیف نے اس کی بات پر لاعلمی کے سے انداز میں کندھے اچکا دیے تھے۔

''دیکھو میرے پاس کوئی بات ثابت کرنے کے لیے فی الحال کوئی ثبوت نہیں ہے۔۔۔جہاں تک کسی کو اس بارے میں معلوم نہ ہونے کا ذکر ہے تو یقیناً ایسے حالات پیدا کیے گئے تھے کہ کسی کا دھیان اس جانب آتا جاتا ہی نہیں۔شہر بانو کے قتل کے بعد اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ اور اس کے جسم پر آئے کت کے کپڑے تھے سو کسی کا اس طرف دھیان جانا ناممکن ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوتے ہوئے اپنے حساب کتاب بیان کر رہا تھا۔

''جہاں تک منفرا کی لاعلمی کا تعلق ہے تو یہ تو منفرا ہی بتا سکتی ہیں کہ انہیں معلوم کیوں نہیں ہو سکا۔عین ممکن ہے انہیں اس سے پہلے یہاں اس طرح اکیلے رہنے کا موقع نہ ملا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس بارے میں پہلے سے جانتی تھیں اور اس کھیل میں برابر کی شریک تھیں۔''

کیف منفرا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

'اوہ پلیز۔۔''منفرا نے ناگواری سے سر جھٹکا تھا۔

''مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور۔۔۔اور۔۔۔تمہارا پہلا اندازہ ٹھیک ہے۔میں یہاں کبھی اکیلی نہیں رہی۔'' وہ بے بس سے لہجے میں بتا رہی تھی۔

''مگر پھر بھی۔۔۔یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ لڑکی آئے کت ہے۔۔۔جبکہ وہ اپنے منہ سے خود کو ایو شمتی بتا رہی ہے۔'' خوش نصیب نے کہا۔

''ہاں صرف یہ ایک پوائنٹ ہے جس پر مجھے بھی حیرت ہو رہی ہے۔'' کیف نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''شاید۔۔۔شاید وہ ڈری ہوئی ہے۔۔۔اس لیے۔۔۔اپنی اصلیت چھپا رہی ہے۔'' منفرا جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے۔۔۔اب سچ کیا ہے اس بارے میں تو صرف دو ہی لوگ بتا سکتے ہیں۔۔۔معاویہ اردشیرازی یا پھر وہ انسان جو سب کو یہاں داخل ہونے سے روکتا ہے۔۔۔''

''تمہارا مطلب ہے بابا کبیر؟'' خوش نصیب نے پوچھا۔

http://kitaabghar.com

''بالکل۔۔۔اور مجھے یقین ہے کہ اس سے سب کچھ اگلوانا، معاویہ اردشیرازی سے پوچھنے سے زیادہ آسان ہے۔۔۔''

کیف نے دروازے کی جانب مڑتے ہوئے کہا تھا۔خوش نصیب تھک کر دوبارہ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ جو کچھ بھی معلوم ہو رہا تھا اس پر یقین کرنا بے حد مشکل تھا۔

''اجازت ہے مسز معاویہ۔۔۔؟'' کیف نے دروازے کھولتے ہوئے پوچھا تھا۔

منفرا نے ایک لمحے سوچا تھا اور پھر تھکن بھرے انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔کیف بابا کبیر کو بلانے کے لیے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

کیف کچھ ہی دیر میں بابا کبیر کو ساتھ لے کر آ گیا تھا۔

گھما پھرا کر پوچھنے کا نہ وقت تھا نہ ہی اب اس کی ضرورت تھی سو منفرا نے سیدھے سبھاؤ اسے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا کہہ کر اس سے فلک بوس میں رہنے والی لڑکی کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔

کبیر کو اس کے سوال سے جھٹکا سا لگا تھا۔وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور بازو کرسی کے ہتھوں پر جما لیے۔اسے ذرا بھی امید نہیں تھی کہ وہ لوگ آئے کت تک جا پہنچیں گے۔

اگلے چند لمحے اس نے صرف یہ سوچنے میں صرف کیے کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ اتنا ڈرانے کے باوجود ات گئے فلک بوس کی تلاشی لے ڈالیں گے ورنہ یقیناً وہ منفرا کو مطمئن کرنے کو کوئی جواب سوچ کر رکھتا۔اسے یقین تھا کہ آئے کت کے فلک بوس میں موجودگی کی دریافت کا سہرا کیف کے سر جاتا ہے۔اس نے کھا جانے والی نظروں سے کیف کو گھورا تھا۔

کیف کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔وہ ابھی بھی منفرا کے سوال کے جواب کا منتظر اس پر نظر جمائے بیٹھا رہا تھا۔

''بی بی۔۔۔آپ۔۔۔کیا بات کر رہی ہیں۔۔۔؟ یہاں فلک بوس۔۔۔میں کوئی لڑکی کیسے رہ رہی ہو سکتی ہے۔۔۔؟'' اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بات کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے ہی بچھائے جال میں جا پھنسا تھا۔اگر یہ کہتا کہ یہاں کوئی نہیں ہے تو ایوشمتی کی پھیلائی ہوئی اس کی اپنی کہانی جھوٹ ثابت ہو جاتی اور اگر اس بات پر ہی قائم رہتا تو منفرا کو کیا صفائی پیش کرتا۔معاویہ نے سختی سے منع کیا تھا کہ منفرا کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔

''ایک منٹ کبیر بابا۔۔۔!'' منفرا نے ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹی تھی۔

''مجھے صرف سچ سننا ہے۔۔۔کوئی جھوٹ نہیں۔۔۔کوئی بہانہ نہیں۔۔۔نہ ہی کوئی سنی سنائی داستان۔۔۔صرف ایک چیز جو میں فی الحال سننا چاہتی ہوں وہ سچ ہے۔''

http://kitaabghar.com

منفرا کا کرخت حتمی لب ولہجہ کبیر کو چپ کروا گیا تھا۔اس کے پاس منفرا کے سوالوں کے جواب موجود تھے لیکن کیا وہ جواب دے دینے پر معاویہ اسے بخش دیتا۔وہ جھرجھری لے کر رہ گیا تھا۔

”میری بات سنو کبیر خان۔۔۔!“

کیف اپنی جگہ سے اٹھ کر عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر جما کر وہ نیچے جھکا تھا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں بھی بے تحاشہ سرد مہری تھی۔

اپنے سے آدھی عمر سے بھی کم لڑکے کی ٹھنڈی ٹھار آواز جانے کیوں کبیر خان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گئی تھی۔وہ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی لمحہ بھر میں اس سے خوفزدہ ہوا تھا۔

”میں اپنی بات دہراؤں گا نہیں۔۔۔اگر تم نے ابھی کہ ابھی ہمیں سب سچ نہ بتایا تو میرا وعدہ ہے کہ میں ابھی کہ ابھی پولیس کو بلا کر تمہیں ان کے حوالے کر دوں گا۔مجھے یہ بات ثابت کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا کہ تم نے اپنے مالکان کی غیر موجودگی میں ایک لڑکی کو قید کر کے یہاں رکھا ہوا تھا۔۔۔“

کیف نے سرد مہری سے کہا تھا اور اپنی بات جاری رکھی تھی۔

اور ہاں۔۔۔صرف پولیس ہی نہیں۔۔۔میں یہ بات میڈیا تک پہنچاؤں گا۔تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں خود صحافی ہوں اور یہ کام میرے لیے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ تمہیں مجرم کے طور پر ساری دنیا کے سامنے لے آؤں۔۔۔پھر پولیس تم سے کیسے سارا اقرار کروائے گی یہ ان کی مرضی۔۔۔ویسے میرا نہیں خیال کہ تمہاری بوڑھی ہڈیاں پولیس کی مار برداشت کر پائیں گی۔۔۔اب تمہیں خود کو بچانا ہے یا اصل مجرم کو۔۔۔یہ فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ سیدھا ہوا تھا اور واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

”میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم معاویہ اردشیرازی یا اس کے باپ سے کسی طرح کی امید نہ رکھنا۔وہ اس معاملے کے سامنے آنے کے بعد تم سے ایسے قطع تعلق کر لیں گے جیسے تم کبھی موجود ہی نہیں تھے۔۔۔یقیناً وہ ایک معمولی ملازم کے لیے اپنی ساخت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیں گے۔اور ممکن تو یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی تمہارے خلاف کارروائی کریں۔۔۔کیونکہ۔۔۔تم نے ایک لڑکی کو انہیں بتائے بغیر یہاں قید کر رکھا تھا۔عین ممکن ہے اس میں تمہارا بیٹا بھی تمہارے ساتھ شامل تھا۔“

کبیر خان نہ چاہتے ہوئے بھی خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے دو ہی راستے تھے یا خود کو بچاتا یا معاویہ کو۔۔۔اور ایک عام انسان کی طرح اسے فی الحال اپنی اور اپنے بیٹے کی فکر، معاویہ سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس لڑکی سے کس حد تک واقف ہیں۔آیا انہوں نے صرف اسے دیکھا ہے یا اس سے

http://kitaabghar.com

بات بھی کر چکے ہیں۔۔۔ اور یہ جانے بغیر وہ یقیناً سچ بتانے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ آخری حربے کے طور پر منفرا کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"بی بی۔۔۔! یہ سب کیا ہے؟ معاویہ صاحب کی ہدایات سے ہٹ کر ہم پہلے ہی اسے یہاں پناہ دے چکے ہیں۔ وہ یقیناً اس بات پر بھی بہت خفا ہوں گے۔ اب یہ لڑکا الٹے سیدھے الزام لگا رہا ہے۔ یہ یقیناً معاویہ صاحب کے دشمنوں میں سے ہے جو ان کی ساخت کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ ایک بار چھپ کر فلک بوس میں داخل ہونے کی کوشش بھی کر چکا ہے۔۔۔ بی بی۔۔۔ میری بات کا یقین کریں میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔ آپ معاویہ صاحب کے آنے کا انتظار کر لیں۔۔۔ وہ آپ کو بہتر جواب دے سکیں گے۔"

منفرا نے بغور اس کی بات سنی تھی اور پھر ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر کیف کو کہا تھا۔

"کیف تم پولیس کو انفارم کر دو۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔"

کبیر خان بھونچکا رہ گیا۔ ترپ کا پتہ ضائع گیا تھا۔ معاویہ کا نام بھی منفرا کے ارادے کو بدل نہیں پایا تھا۔ کبیر خان نے جب کیف کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اب کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ اگر پولیس یہاں آتی تو اوپُشمتی کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی سامنے آتیں جو معاویہ کے ساتھ اسے اور اس کے بیٹے کو بھی سلاخوں کے پیچھے لے جاتیں۔

"معاویہ امیر باپ کا بیٹا ہے۔ خود کفیل ہے اور سر پھرا ہونے کے باوجود اتنا قابل تو ہے کہ اپنی بیوی اور اس مسئلے کو اپنے طور پر سلجھا سکے لیکن اگر میرے اور پاشا پر کوئی الزام آیا تو ہم کچھ بھی نہ کر پائیں گے۔"

کبیر خان نے دل ہی دل میں حساب کتاب مکمل کیا اور اپنی اور پاشا کی خیریت کی دعا مانگتے ہوئے وہ ان کی جواب دینے پر راضی ہو گیا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ لڑکی آئے کت ہے۔۔۔ معاویہ صاحب کے بھائی وسامہ طالب کی بیوہ۔۔۔" کبیر خان نے اٹکتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

منفرا نے سختی سے آنکھیں میچ کر کھولیں تھیں۔

دل ہی دل میں اپنے اندازے غلط ہونے کی مانگی ہوئی ساری دعائیں مٹی کا ڈھیر بن گئیں تھیں۔

آنکھ سے ٹپکنے والی واحد آنسو کو اس نے غیر محسوس انداز میں صاف کر دیا تھا۔

"بولتے جائیں کبیر خان۔۔۔" اس نے بابا کا اضافہ کرنا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

"مجھے ایک ایک بات تفصیل سے سننی ہے۔۔۔ ابتدا ہم آئے کت سے سن چکے ہیں۔۔۔ اختتام آپ بتائیں۔۔۔ شہر بانو کے قتل کے آپ واحد چشم دید گواہ تھے۔۔۔ اس کے قتل کے بعد کیا ہوا تھا۔۔۔ آپ اب تک کن فوائد کو حاصل کرنے کے لیے فلک بوس اور

آئے کت کی نگرانی کر رہے ہیں اور جن کی خاطر آپ نے تمام حقائق سے نگاہ چرا کر اپنا منہ سی لیا تھا۔۔سب سے بڑھ کر آئے کت خود کو ایو شمتی کیوں سمجھتی ہے؟" منفرا نے سختی سے کہا۔

کبیر کا بدترین شک صحیح ثابت ہوا تھا۔وہ لوگ نہ صرف آئے کت کو دیکھ چکے تھے بلکہ اس سے کچھ نہ کچھ حقیقت بھی جان چکے تھے۔اسے اندازہ تھا کہ آئے کت انہیں کیا کچھ بتا چکی ہے۔۔۔کیونکہ اس کی اپنی کہانی وہ بہت بار اس کے ہی منہ سے خود بھی سن چکا تھا۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی اور بولنا شروع کیا تھا۔

"تین چیزوں کو فتنہ کہا گیا ہے بی بی۔۔۔زر۔۔۔زن۔۔۔اور اولاد۔۔۔آئے کت کو زر کی چاہ لے ڈوبی۔۔۔معاویہ اور وسامہ صاحب کا بیڑہ زن نے ڈبو دیا اور مجھے۔۔۔مجھے۔۔۔میری اولاد کی محبت نے مجھے اپنا منہ بند رکھنے پر مجبور کر دیا۔"

وہ بہت مجبور سا دکھائی دے رہا تھا۔

سڑیل، بدمزاج اور غصیلے بوڑھا، جس کے ہاتھ میں ہر وقت لاٹھی اور ماتھے پر تیوریاں رہتی تھیں، فی الوقت غائب تھا۔اس کی جگہ ایک مجبور اور بے بس سے باپ نے لے لی تھی۔

"جس رات آئے کت بظاہر فلک بوس سے غائب ہوئی تھی، رات گئے میں اور معاویہ صاحب چھپ چھپا کر پاشا کی تلاش میں نکلے تھے کیونکہ صرف آئے کت ہی نہیں پاشا بھی فلک بوس سے غائب تھا۔میرا دل پاشا کی جانب سے صاف نہیں تھا وہ بیوقوف ایک بار پہلے بھی آئے کت کی باتوں میں آ کر اپنا نقصان کر چکا تھا۔۔۔مجھے شک تھا کہ اس بار بھی آئے کت خود فلک بوس سے گئی ہے اور اس کو بھگانے میں پاشا کا ہاتھ ہے۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے رکا تھا۔وہ تینوں بہت غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"فلک بوس میں اس وقت تھوڑے سے لوگ ہی موجود تھے۔زیادہ تر مہمان دلہن کے غائب ہونے کے بعد افسوس کرتے ہوئے واپس چلے گئے تھے۔معاویہ کے بہت زور لگانے کے باوجود ارد شیرازی پولیس کو اس معاملے میں شامل کرنے کو راضی نہیں ہوئے تھے۔ اان کے اپنے کمرے میں جانے کے بعد میں نے بہت ہمت کر کے معاویہ صاحب سے اس بارے میں بات کی تھی۔اور میرے لیے بڑی حیرت کی بات تھی کہ معاویہ صاحب بغیر کسی پس وپیش میرے ساتھ چل پڑے تھے۔مجھے لگا وہ خود بھی شاید اسی نہج پر سوچ رہے تھے۔ لیکن جو سچ تھا وہ بہت بعد میں میرے سامنے آیا تھا۔

ہم دونوں رات گئے پاشا کو ڈھونڈنے نکلے تھے اور آئے کت کو بھی۔۔۔ہم جنگل میں تھے جب ہم نے ایک نسوانی چیخ سنی۔وہ جو کوئی بھی تھی بہت اذیت سے چیخی تھی اور ہمارے کہیں آس پاس ہی موجود تھی۔ہم دنوں اس طرف بھاگے۔آپ نے کہا نا بی بی کہ میں واحد گواہ تھا شہر بانو کے قتل کا تو ایسا نہیں ہے۔معاویہ ارد شیرازی بھی اس واقعے کا گواہ ہے اور اسی چیز نے مجھے آج تک خاموش رکھا ہے۔"

http://kitaabghar.com

وہ اتنا بول کر خاموش ہو گیا تھا۔

منفرا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ معاویہ کے حوالے سے کچھ اور ظالمانہ انکشافات سننے والی ہے۔

☆......☆......☆

وہ دونوں بھاگتے ہوئے اس طرف آئے تھے جہاں سے چیخ کی آواز سنائی دی تھی۔

اگلے چند ہی لمحوں میں وہ اس جگہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جھاڑیاں ہٹاتے ہوئے جب وہ وہاں پہنچے تو پاشا شہر بانو کو قتل کر چکا تھا اور اب انتہائی بے دردی سے اس کے چہرے کو بگاڑ رہا تھا۔

کبیر شاک سے نکل کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر پیچھے کی جانب کھینچا تھا۔

اس عمل سے پاشا جیسے ہوش میں آ گیا تھا۔

اب وہ خود بھی ہکا بکا سا سامنے پڑی لاش کو تک رہا تھا۔

یہ کیا کر دیا تھا اس نے۔۔۔

کیسا غصہ تھا۔۔۔ کیسی دیوانگی تھی۔۔۔ جو سب بہا کر لے گئی تھی۔ وہ کانپ کر رہ گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ کبیر خان کا اٹھتا ہوا ہاتھ پاشا کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

اسی وقت معاویہ بھی، جو بہت دیر سے پیچھے کھڑا سارا تماشہ دیکھ رہا تھا، آگے آ گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا پاشا خان۔۔۔؟"

اس کے لہجے میں مصنوعی افسوس تھا۔ بے تحاشہ ملامت تھی۔ پاشا اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔ وہ یہ بھی نہ کہہ سکا کہ مجھے بدلا لینے کی ترغیب تم نے ہی تو دلائی تھی۔

پاشا کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ سر پکڑے کھڑا تھا۔

"تم۔۔۔ کسی کی جان کیسے لے سکتے ہو؟" کبیر خان کانپتی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کرے تو کیا کرے۔ وہ اپنے ہی عمل سے خود بھی اتنا شاک تھا کہ فی الحال سب باتیں اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔

"واپس چلو۔۔۔ اسے یہاں ہی چھوڑ دو۔۔۔" معاویہ نے سرد آواز میں کہا تھا۔

"مگر صاحب۔۔۔!" کبیر خان نے کہنا چاہا۔

http://kitaabghar.com

''کبیر بابا آپ کو آپ کا بیٹا عزیز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اور چیخ سن کر یہاں آ گیا تو پاشا کو کوئی نہیں بچا پائے گا۔''

کبیر خان نے قریباً کانپتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا اور واپس جانے کے لیے مڑ گیا۔ معاویہ نے پاشا کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ واپس جانے سے پہلے آخری کام کرنا نہیں بھولے تھے۔ اس اندھیری رات میں، چند درختوں، سرد ہوا اور ان تینوں کے علاوہ کوئی نہیں جان سکا کہ اس رات جنگل سے ملنے والی لاش شہر بانو کی تھی۔۔۔ نہ کہ آئے کت کی۔۔۔ کبیر بابا کو ڈرا دھمکا کر ساتھ ملانا معاویہ کے لیے کچھ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ معاویہ نے اپنے وعدے کے مطابق پاشا کو باہر بھجوا دیا۔ بدلے میں کبیر خان کو ساری زندگی کے لیے فلک بوس اور آئے کت کی نگرانی کا کام سونپ دیا گیا۔

☆......☆......☆

''میری اولاد میرے لیے فتنہ ثابت ہوئی۔ پاشا کو بچانے کے لیے میں نے ان کاموں کی بھی ہامی بھر لی جو شاید میں ایسے کرنے کا سوچتا بھی نہیں۔۔۔ جب میں نے پاشا کو معاویہ کو آئے کت کی حقیقت بتانے پر مجبور کیا تھا تب میں جانتا تھا کہ معاویہ غصہ کرے گا لیکن پاشا کو معاف کر دے گا لیکن جب میں نے معاویہ کو آئے کت کو وہاں قید کرتے دیکھا تو میں نے جان لیا کہ اگر میں نے اپنی زبان بند رکھ کر اس کی بات نہ مانی تو اس زمین پر میری دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے ہانپنے لگا۔ بڑی لمبی مسافت طے کی تھی اس نے اس ایک گھنٹے میں۔۔۔

کیف نے دیکھا کہ منفرا بے چینی سے اپنی دونوں ہاتھوں کو مل رہی تھی۔ کیف کو بے ساختہ اس پر ترس آیا تھا لیکن یہ وقت ہمدردی جتانے کا نہیں تھا۔

وہ ایک بار پھر کبیر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''کیا تم لوگوں کے علاوہ بھی کوئی آئے کت کی حقیقت سے واقف ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں۔۔۔ آئے کت کو فلک بوس میں ایوشمتی کی حیثیت سے بند کیا گیا تھا اور اایوشمتی کی موجودگی کو وادی کے لوگوں میں، میں نے اس طرح پھیلا دیا کہ لوگ فلک بوس کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی ڈرنے لگے۔'' کبیر نے جواب دیا تھا۔

''تم لوگوں نے ایوشمتی کی فلک بوس میں موجودگی کو تو ثابت کر دیا۔ مگر آئے کت کو خود کو ایوشمتی کہنے پر کیسے مجبور کیا؟'' اب کی بار سوال کوش نصیب کی جانب سے آیا تھا۔

کبیر نے لمحہ بھر کے لیے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا۔

''میں نہیں جانتا۔۔۔ فلک بوس میں قید کیے جانے کے کچھ عرصے بعد اس نے خود کو ایوشمتی کہنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے ایسا کئی دن کے بعد ہوتا تھا پھر ایک وقت آیا جب اس دورے کا درمیان وقفہ کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو گیا اور وہ خود بھی بھول گئی کہ وہ

ایوشمتی نہیں بلکہ آئے کت ہے۔"

"کیا تم لوگوں نے اسے کسی ذہنی یا جسمانی ایضاء سے بھی گزارا تھا جس نے اس کی ذہنی حالت کو اس حد تک خراب کر دیا؟"

منفرا نے تھوک نگل کر سوال کیا تھا۔

"نہیں بی بی!۔۔۔بالکل بھی نہیں۔۔۔" کبیر نے فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"آئے کت کی گمشدگی والی رات کے بعد وہ لوگ صرف ایک دن یہاں رکے تھے۔اس دوران بھی معاویہ صاحب صرف ایک بار آئے کت سے ملے تھے۔آئے کت سے ان کی کیا بات ہوئی میں نہیں جانتا لیکن جانے سے پہلے انہوں نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ آئے کت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے سوائے اس کے کہ وہ فلک بوس سے باہر کی دنیا کو اب کبھی نہ دیکھ پائے۔اس کے کھانے پینے کا بھی مکمل خیال رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

شروع میں آئے کت نے بہت شور مچایا تھا۔۔۔اس سے ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ وادی والوں میں سے جس نے بھی اس کی چیخیں سنیں ان کا ایمان ایوشمتی پر مزید پکا ہو گیا۔۔۔ آئے کت نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا تھا۔۔۔مگر کب تک۔۔۔چند دن تک تنگ کرنے کے بعد وہ خود ہی ٹھیک ہو گئی۔شاید اس نے اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ اسے اب ساری زندگی اسی قلعہ میں قید ہو کر گزارنی ہے۔

اس کے بعد معاویہ پورے ایک مہینے کے بعد آیا تھا اور اس نے آئے کت کو اس دوران ایوشمتی کہہ کر ہی مخاطب کیا تھا۔یہی ہدایت مجھے کی گئی تھی کہ اسے اب اسی نام سے پکارا جائے۔وہ ایوشمتی بن کر وسامہ صاحب کو ڈراتی رہی تو معاویہ نے اسے ہمیشہ کے لیے ایوشمتی کا درجہ دے دیا۔وہ جب بھی آتے اس کے سامنے ایوشمتی کی کہانی کو دہراتے۔۔۔اسے یہی بتاتے کہ ایوشمتی نے کیسے ان کے بھائی کی جان لی حتیٰ کہ میں نے اسے کئی بار آئے کت کے سامنے اس کے اغوا کی کہانی کو بھی دہراتے سنا تھا جواب آئے کت ایوشمتی کے طور پر دہراتی ہے۔"

خوش نصیب جھرجھری لے کر رہ گئی۔اسے معاویہ کی ذات سے عجب خوف محسوس ہوا تھا۔

کیف نے منفرا کی جانب دیکھا تو وہ بولی تھی۔

"شاید شدید ڈپریشن یا کسی اور ذہنی بیماری نے اسے ایسا کر دیا۔۔۔"

"ہاں۔۔۔شاید۔۔۔" کیف اس کے علاوہ کچھ کہہ نہیں پایا تھا۔

اس کے بعد کبیر کو وہاں سے جانے کی اجازت مل گئی تھی لیکن اسے واپس بھیجنے سے پہلے کیف نے اسے مزید ڈرانا دھمکانا ضروری سمجھا تھا تاکہ وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرے۔

☆......☆......☆

کبیر کے جانے کے بعد وہ تینوں چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

تینوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ میں گم تھا۔۔بات کہاں سے شروع کی جائے تینوں ہی سمجھنے سے قاصر تھے۔

کمرے میں گہری خاموشی کا راز تھا جس میں کبھی کبھار باہر سے آنے والی پرندوں کی آوازیں خلل ڈالتی تھیں۔

بالآخر خوش نصیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی ور اس نے کیف کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''آپ کچھ دیر آرام کر لیں منفرا۔۔۔!'' وہ نرمی سے بولی تھی اور باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

کیف نے بھی اس کی پیروی کی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے سنا منفرا کے موبائل کی بیل بج رہی تھی۔

اس نے اکتائے ہوئے انداز میں سیل فون اٹھایا تھا۔شاید سگنلز بحال ہو گئے تھے۔

معاویہ کا نام سکرین پر جگمگا رہا تھا۔ وہ جو اس نام کو اپنے موبائل کی سکرین پر دیکھنے کے لیے اتنے سے دن میں ترس گئی تھی، اس وقت شدید کوفت کا شکار ہوئی۔ وہ کم از کم اس وقت، اپنی موجودہ ذہنی حالت کے ساتھ معاویہ سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کال بند ہوئی اور چند ہی لمحوں میں پھر سے سیل فون بج اٹھا۔معاویہ بات کیے بغیر جان چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

منفرا نے اکتا کر ریس کا بٹن پریس کیا تھا اور سیل فون کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔۔۔منفرا۔۔۔'' معاویہ نے پکارا تھا۔

منفرا کو اس کی آواز سے بھی وحشت ہوئی تھی۔

''منفرا۔۔۔آواز آ رہی ہے۔۔۔؟'' معاویہ نے دوبارہ سے پکارا تھا۔

''آ۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔'' منفرا نے چونک کر بے ربط سے چند الفاظ بولے تھے۔

''کیسی ہو میری جان؟ میرے بچے کیسے ہیں؟ تم لوگ ٹھیک تو ہو؟'' معاویہ نے بے چینی سے پوچھا۔

وہ کبھی ہمارے بچے نہیں کہتا تھا۔ان کے بچے صرف ''اس کے'' بچے تھے۔

''سب ٹھیک ہے۔۔۔'' منفرا نے سرد مہری سے جواب دیا۔معاویہ ایک لمحے کے لیے خاموش سا ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے منفرا؟ مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔۔'' معاویہ نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔''میں جانتا ہوں تم بہت خفا ہو ۔۔۔مگر یار میرا کیا قصور ہے۔تم یقین کرو میں پوری کوشش کر رہا تھا تم لوگوں تک پہنچنے کی مگر۔۔۔ سب راستے بند تھے یار۔۔۔میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔نہ تم لوگوں تک پہنچ پا رہا تھا، نہ کنٹکٹ کر پا رہا تھا۔''

منفرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔معاویہ کا محبت بھرا لہجہ اسے رلا رہا تھا۔سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے کہ معاویہ جو اتنی محبت جتا رہا ہے وہ بھی سچ ہے یا نظر کا کوئی دھوکا۔۔۔

''بہت ناراض ہو؟'' معاویہ نے پھر سے پچکارا۔

''نن۔۔۔نہیں تو۔۔۔'' منفرا نے بمشکل جواب دیا۔

''پوچھو گی نہیں میں کیسا ہوں؟''

''نہیں۔۔۔کیوں کہ میں جان چکی ہوں کہ تم کیسے ہو۔۔۔؟'' منفرا سپاٹ سے انداز میں بولی۔

''کیا مطلب؟'' معاویہ ٹھٹکا۔ ''منفرا سب ٹھیک تو ہے نا؟ کچھ ہوا ہے کیا وہاں پر۔۔۔؟''

''نہیں۔۔۔ہونا کیا تھا۔ سب ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ واپس کب آ رہے ہو؟'' اب کی بار منفرا نے خود پر قابو پایا تھا۔ وہ فون پر معاویہ کو کٹہرے میں نہیں کھڑا کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی وہ چاہتی تھی کہ معاویہ کسی بھی طرح ٹھٹکے اور جب وہ اس کے سامنے آئے تو کچھ مزید کہانیاں تیار کر چکا ہو۔

''ایکچو لی ایک مسئلہ ہے۔۔۔ میں یہاں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ یہاں فیکٹری میں مزدوروں نے سٹرائیک کر دی ہے اور میں ان سے معاملات طے کیے بغیر یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ میں نے بابا سے بات کی ہے وہ ایک دو دن میں یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر ہم اکٹھے ہی بشام آئیں گے۔۔۔تم بتاؤ تم وہاں مینج کر لو گی؟'' اس نے اپنی مجبوری کی پوری داستان سنا کر پوچھا تھا۔

اور منفرا۔۔۔اور اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اگر معاویہ اتنی جلدی واپس نہیں آ رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ اس مسئلے کو سلجھانے کا اس کے پاس مزید کچھ وقت موجود تھا۔

''اٹس۔۔۔اٹس او کے۔ میں سنبھال لوں گی سب۔ تم ٹینشن مت لو اور آرام سے اپنا کام مکمل کر لو۔''

''مجھے بتاؤ وہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے؟ تم لوگوں کو کوئی ایشو تو نہیں ہوا؟ اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ۔ میں خود نہ بھی آ سکا تو پاشا کو بھیج دوں گا۔'' معاویہ نے پوچھا۔

''ایشو کیا ہونا تھا۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' منفرا اب کی بار لاپرواہی سے بولی تھی۔

''چلو اچھی بات ہے۔ تم ایک کام کرنا۔ جب کبیر بابا آئیں تو میری ان سے بات کروا دینا۔ میں انہیں بھی کال کرنے کی ٹرائی کرتا رہا ہوں مگر ان سے بھی رابطہ نہیں ہو سکا۔ ان کا سیل بھی آف آ رہا ہے۔ تم یاد سے میری بات کروا دینا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں کروا دوں گی بات۔''

منفرا نے اسے نہیں بتایا کہ وہ لوگ نہ صرف کبیر بابا کا موبائل اپنے قبضے میں لے چکے تھے بلکہ ان کے فلک بوس سے باہر جانے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کہ معاویہ اور کبیر کا رابطہ کسی بھی طرح بحال ہو اور وہ کبیر موقع پاتے ہی معاویہ کو یہاں کی صورتحال سے آگاہ کر دے۔

کچھ دیر اور بات کرنے کے بعد منفرا نے وسامہ کے رونے کا بہانہ کر کے کال بند کر دی تھی۔

صوفے کی پشت سے سر ٹکائے وہ اس وقت آئے کت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

خوش نصیب آہستہ آہستہ چلتی برآمدے کی سیڑھیوں میں آ بیٹھی تھی۔

کیف نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔

''کیف۔۔۔!اب کیا ہوگا؟ ہم اب کیا کریں گے؟'' خوش نصیب نے پریشان سے انداز میں پوچھا تھا۔ انداز ایسا جیسے کوئی چھوٹا بچہ شرارت کے بعد ماں سے مسئلے کا حل پوچھ رہا ہو۔ کیف کے چہرے پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس وقت کرنا تو ہمیں ناشتہ چاہیے مگر اگر تم کچھ اور کرنا چاہ رہی ہو تو بتا دو۔۔۔ سیر کرنے وادی میں بھی جا سکتے ہیں۔''

خوش نصیب جھنجھلا گئی۔ اسے اس وقت بھی مسخرہ پن سوجھ رہا تھا۔

''تم تھوڑی دیر کے لیے سیریس ہو سکتے ہو پلیز۔۔۔'' وہ عاجزی سے بولی تو مجبوراً کیف کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

''اصولاً تو ہمیں پہلی فرصت میں پولیس کو آئے کت کی موجودگی سے آگاہ کرنا چاہیے اور اس کے بعد آئے کت کو کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے۔'' وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

''مگر کیا ہے نا کہ یہ پاکستان ہے اور یہاں پو کوئی کام اصولوں کے تحت کم ہی کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ ہمارا پالا بھی پاکستان کی کریم سے تعلق رکھنے والے انسان سے پڑا ہے سو ہمیں اصولوں سے ہٹ کر کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''کیف تمہیں یہ کہانی کچھ عجیب سی نہیں لگی۔۔۔ سچ کہوں تو معاویہ اردشیر ازی ایسا بندہ نہیں لگتا مجھے۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ جھول ہے۔ ایک بندہ انتقام میں اتنا پاگل نہیں ہو سکتا کہ کسی کو دس بارہ سال تک کہیں قید کر کے رکھے۔ اور پھر وہ اتنا بیوقوف تو نہیں ہو سکتا نا کہ اپنی بیوی بچوں کو بھی یہاں لے کر آئے۔''

''میں ایک صحافی ہوں خوش نصیب۔۔۔ میں نے اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب کہانیاں سن رکھی ہیں۔ انتقام اچھے اچھوں کو پاگل کر دیتا ہے۔ دنیا میں دو ہی تو چیزیں ہیں جو انسان کو پاگل بنانے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ ایک محبت اور دوسرا یہ انتقام۔۔۔ آئے کت اور کبیر خان کا بیان قریباً قریباً ایک جیسا ہے۔ دو لوگ ایک ہی بات تو نہیں کہے گے نا۔ پھر معاویہ اپنے بھائی سے جس طرح محبت کرتا تھا اس کا انتقام میں پاگل ہو جانا کچھ عجیب نہیں لگتا مجھے۔۔۔ لیکن میں تمہاری بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ عین ممکن ہے کہانی کچھ اور ہو اور جو ہمیں معلوم ہو سکا وہ صرف معاویہ کو پھنسانے کی سازش ہو۔''

''تو اب۔۔۔ ہم کیا کریں گے؟ سچ کیسے جانیں گے؟'' خوش نصیب نے پوچھا۔

''سوچنا پڑے گا اس بارے میں تو۔۔۔پھر میں اکیلا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مسز معاویہ اس کیس کی ایک مضبوط گواہ ہیں۔ ان سے مشورہ کیے بغیر تو ہم پولیس کو بھی انفارم نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ سارا معاملہ جس ایک شخص کے خلاف جاتا ہے وہ ان کا شوہر اور ان کے بچوں کو باپ بھی ہے۔''

''آئے کت کے بعد اگر کسی کے ساتھ برا ہوا ہے تو وہ منفرا ہی ہیں۔ وہ خود اتنی اچھی ہیں اور ان کے ساتھ کس قدر برا ہو رہا ہے۔ جب کہ ان کا تو اس سب کو کوئی ڈائریکٹ تعلق بھی نہیں تھا۔'' خوش نصیب نے افردگی سے کہا تھا۔

''اس دنیا میں برا انہیں کے ساتھ ہوتا ہے جو اچھے ہوتے ہیں۔'' کیف نے ایک ہی جملے میں بات سمیٹی تھی۔

''اب تو مجھے لگ رہا ہے کہ میری بدنصیبی اور منحوسیت کا سایہ میرے ساتھ ساتھ منفرا پر بھی پڑ گیا ہے۔''

کیف کو اس کی بات سے دکھ پہنچا۔

''فضول باتیں مت کرو خوش نصیب۔۔۔تم بدنصیب نہیں ہو۔ بالکل بھی نہیں۔''

''دل رکھنے کے لیے ایسا بول رہے ہو نا؟'' خوش نصیب نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

''اچھا مجھے ایک بات بتاؤ۔۔۔تم بدنصیب ہونا یا منحوس کسے کہتی ہو؟''

''میری اپنی ذات ان الفاظ کی جامع تعریف ہے کیف۔۔۔! میرے پیدا ہوتے ہی میرے ابو کی ڈیتھ ہو گئی۔ روشن امی کی وفات کی وجہ بھی کہیں نہ کہیں میری ذات بنی۔ میرے منہ سے نکلنے والی بددعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں۔ میں صرف اپنی لیے ہی نہیں دوسروں کے لیے بھی بدنصیبی بن جاتی ہوں۔ تمہیں یاد ہے میں نے کیسے تمہیں صیام کیساتھ منتھی کر دیا تھا اور کچھ نہیں تم یہی دیکھ لو کہ میرے منفرا کی زندگی میں آتے ہی چند ہی دنوں میں اس کی زندگی عجیب بے چینی کا شکار ہو گئی ہے۔''

خوش نصیب کے پاس اپنی ہی ذات کے متعلق بے شمار گلے شکوے تھے۔ کیف چپ کر کے اس کی بات سنتا رہا۔

''یہ تو تم عجیب سی بات کر رہی ہو خوش نصیب۔۔۔! ایسا تو ہر انسان کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ تمہارے منہ سے نکلنے والے برے لفظ قبول ہو جاتے ہیں لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتی کہ تمہاری دعائیں کبھی قبول نہیں ہوئیں۔ یہ تو کوئی ٹھوس دلیل نہ ہوئی تمہارے منحوس ہونے کی۔۔۔جیسے تمہارے برے لفظ قبول ہوتے ہیں ویسے ہی اچھے لفظ بھی قبول ہوتے ہیں بس مانگنے کا معیار تمہاری نیت اور جذبہ ہے۔ جہاں تک چچا اور چچی کی وفات کا سوال ہے تو کیا مسلمان ہونے کے ناتے ہمارا اس بات پر ایمان نہیں ہے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور کم از کم اس مقرر وقت میں ردوبدل انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان دونوں کی وفات اس وقت اسی طرح ہونا ازل سے طے تھی۔ وجہ چاہے کچھ بھی بنتی لیکن انہیں اسی وقت جانا تھا۔ تم مثبت انداز میں سوچنے کی کوشش کرو۔۔۔ممکن ہے اگر وہ لوگ ابھی حیات ہوتے تو کسی بڑے مسئلے یا تکلیف کا شکار ہوتے۔ اگر تم اس فیملی کا حصہ بن کر یہاں نہ آتی تو عین ممکن تھا کہ میں بھی یہاں نہ آتا اور آئے کت کی سچائی

ایسے ہی چھپی رہتی اور وہ کبھی آزاد نہ ہو پاتی۔ اس لحاظ سے تو تم آئے کت کے لیے خوش قسمتی بن کر آئی ہو۔ بالکل ایسے ہی جیسے تم صیام کو میرے ساتھ نتھی نہ کرتی تو ممکن تھا وہ اب شامیر کی بیوی ہوتی۔ تم نے اس وقت جو بھی کیا وہ وقت کا تقاضا تھا اور اسے ایسے ہی ہونا تھا۔"

خوش نصب غائب دماغی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"ہم سب کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کام کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ وہ کام ہمارے ذریعے طے ہونا لکھا گیا تھا۔ لیکن اس میں نہ ہمارا کوئی کمال ہوتا ہے نہ ہی کوئی غلطی۔۔۔ کیونکہ ذریعہ تو کوئی بھی بن سکتا ہے نا۔۔۔ سمجھ رہی ہو میری بات؟ یہ جو تم کہہ رہی ہو نا کہ تم اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بدنصیب ہو تو میں ایسی کسی بدنصیبی جیسی کسی چیز پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ جتنی بھی باتیں تم نے کہیں ہیں نا اس سے کہیں بڑی بدنصیبی میرے نزدیک اچھا اور عملی مسلمان نہ ہونا ہے۔ اور اگر تم گھر والوں کی باتیں سن کر ابھی تک خود کو منحوس سمجھتی رہی ہو تو تم منحوس نہیں صرف اور صرف بیوقوف ہو۔ کیا تم بیوقوف ہو خوش نصیب؟" کیف نے بات مکمل کر کے گہری سانس بھر کر پوچھا تھا۔ ظاہر ہے اسے اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ خوش نصیب بیوقوف ہے۔

"میں بہت تھک گئی ہوں کیف۔۔۔! ان تین سالوں میں اتنا بھاگی ہوں کہ تھک گئی ہوں۔ اب مجھے سمجھ آتا ہے کہ روشن امی مجھے کیوں شکر ادا کرنے کا کہتی تھیں۔ وہ کیوں اس کبوتروں والے کمرے میں رہ کر بھی مطمئن تھیں کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ اگر ہم وہاں سے نکلے تو ہمارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔۔۔ کبھی کبھی تو مجھے لگنے لگتا ہے کہ یہ سب روشن امی کا دل دکھانے کی ہی سزا ہے۔۔۔ وہ خفا ہیں مجھ سے۔" خوش نصیب بیچارگی سے بولی تھی۔

"یار۔۔۔! یہ سب نہ بیوقوفی کی باتیں ہیں۔" کیف جھنجھلا کر بولا تھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے کہ دنیا سے جانے والوں کے پاس اور کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہاں جا کر بھی دنیا والوں سے خفا رہیں؟ اللہ کی بندی ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ جو دنیا سے چلے جاتیں ہیں انہیں صرف وہاں ہماری دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے سفر کو آسان کرے۔۔۔ یار یہ سب باتیں تو ہم بچپن میں کہانیوں کی کتابوں میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ تمہارے دل میں ایسے الٹے خیالات کہاں سے آتے ہیں؟"

خوش نصیب نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا کہ کیف کی باتیں دل کو لگتی تھیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کیف نے دور پہاڑوں پر نظر جما ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔

"میرے ساتھ چلو خوش نصیب۔۔۔ ہم واپس اپنے گھر چلتے ہیں۔"

"نہیں کیف۔۔۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میرے لیے فلک بوس اور فضل منزل اب ایک برابر ہی ہیں۔۔۔ اور ویسے بھی تمہیں اتنی خوش فہمی کیوں ہے کہ مجھے وہاں قبول کر لیا جائے گا؟"

"اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ تمہیں وہاں قبول نہیں کیا جائے گا؟"

''میری ماں مجھ سے ناراض دنیا سے چلی گئی، میری بہن مجھ سے قطع تعلق کر چکی ہے۔۔۔ اور میں جس حال میں اس گھر سے نکالی گئی تھی ۔۔۔تم اچھے سے واقف ہو۔ پتا ہے کیف! پہلے اپنی لیے منحوس کا لفظ سننا اتنا مشکل نہیں لگتا تھا۔ اب لگتا ہے کہ اگر دوبارہ سے مجھے ایسی باتیں سننے کو ملیں تو برداشت نہیں کر پاؤں گی۔'' اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

کیف چپ ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ فضل منزل میں اس کے ساتھ ہوا تھا، اس کا بے یقین ہونا کچھ غلط نہیں تھا۔

''تمہارا ماہ نور سے کوئی رابطہ ہے کیف؟ کبھی بات ہوئی اس سے؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔

کیف نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بے چین ہو اٹھی۔ ''کیسی ہے وہ؟ ٹھیک تو ہے نا؟''

کیف کے لیے اسے ایک دم سب بتانا بہت مشکل تھا۔ اسے لگا اگر خوش نصیب کو اس ذہنی کیفیت کے ساتھ وہ ماہ نور کے بارے میں بتائے گا تو وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔

''ہاں وہ ٹھیک ہے۔۔۔ خوش نصیب اگر میں۔۔۔ اگر میں تمہیں گارنٹی دوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔۔۔ تو؟''

''تو بھی میرا جواب انکار میں ہی ہوگا۔'' خوش نصیب نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ ''تم جانتے ہو کیف۔۔۔! ایسا کچھ نہیں ہو پائے گا۔ اس گھر میں اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔''

''تو پھر کیا کرو گی؟ کہاں جاؤں گی۔۔۔؟'' کیف جیسے تھک کر بولا تھا۔

''تم اسلام آباد جاؤ گے نا؟''

''ہاں۔۔۔ زری۔۔۔ میرا دوست۔۔۔ وہ راستے کلیئر ہوتے ہی مجھے لینے آ جائے گا۔ اور یہاں سے کب نکلیں گے یہ تو حالات پر منحصر ہے۔''

''تم مجھے اسلام آباد چھوڑ سکتے ہو؟'' اس نے فوراً پوچھا تھا۔

''وہاں کس کے پاس جانا ہے؟'' کیف نے نا سمجھی سے پوچھا۔

''۔۔۔ ویمن ہوسٹل میں۔۔۔ میرے پاس کچھ سیونگز ہیں۔۔۔ جب تک نئی جاب نہیں ملتی اس میں گزارا ہو جائے گا اور پھر۔۔۔''

''اوہ کم آن۔۔۔ تم ایسا کچھ نہیں کرنے والی۔۔۔ تم پاگل ہو؟ پہلے کی بات اور تھی۔۔۔ جن کے پاس تم اسلام آباد میں رہ رہی تھی وہ عرفات ماموں کے بھروسے کی فیملی تھی۔۔۔ لیکن گرلز ہاسٹل میں بالکل نہیں۔۔۔'' کیف قطعیت سے بولا۔

''کیف ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔'' خوش نصیب کو غصہ آ گیا تبھی چیخ کر بولی۔

"آج نہیں تو کل۔۔۔ مجھے خود سے اکیلے سروائیو کرنا تو سیکھنا ہی ہے۔۔۔ تو پھر ابھی سے کیوں نہیں۔"

وہ اتنی ہٹ دھرمی سے بولی تھی کہ کیف ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"تم میری بات نہیں مانو گی نا۔۔۔" کیف نے بچے کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔

خوش نصیب نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

"تمہیں پتا ہے میں کتنے عرصے سے تمہاری تلاش میں مارا، مارا پھر رہا ہوں۔۔۔"

میں ایموشنل نہیں ہو رہی۔۔۔ ویسے بھی تم وہی ہو جو مجھے اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔" خوش نصیب نے جوابی طعنہ منہ پر مارا۔

"بھاگنے سے پہلے تمہیں ساتھ بھاگنے کی دعوت بھی دی تھی۔۔۔ یاد ہے؟"

"وہ دعوت ہی اس ساری مسئلے کی جڑ بن گئی۔۔۔ یہ یاد ہے؟" وہ دوبدو جواب دے رہی تھی۔ کیف لاجواب ہوا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ دیکھو کچھ باتیں ہیں جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا مگر ایسے نہیں۔۔۔ سوچا تھا تمہیں آرام سے سمجھاؤں گا۔۔۔ سکون کے ساتھ۔۔۔ مگر تم۔۔۔ اب میری بات ذرا غور سے سنو۔۔۔ اور تحمل کے ساتھ۔۔۔"

کیف بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ خوش نصیب نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

کیف نے چند لمحے لفظ جوڑنے توڑنے میں صرف کیے تھے۔

"خوش نصیب۔۔۔ ماہ نور فضل منزل میں ہی ہے۔۔۔" اس نے بہت آہستہ آہستہ بات مکمل کی تھی۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیوں؟" خوش نصیب کو لگا اسے بات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ پھر اس کی چھٹی حس نے کہا کہ کچھ غلط ہے۔

"ہاں ماہ نور فضل منزل میں ہے۔۔۔ اور۔۔۔ شامیر بھی۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ ملنے آئے ہوں گے؟" اس کی آواز پل بھر میں ہر طرح کے جذبات سے عاری ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔ وہ ہمیشہ کے لیے آئے ہیں۔۔۔ اور تمہاری تلاش میں ہیں۔۔۔ تم سے معافی مانگنے کے لیے۔۔۔"

"کیف۔۔۔؟" وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اسے کیا رسپانس دینا چاہیے۔

"فضل منزل میں سب سچ جان چکے ہیں۔۔۔ وہ سچ جو تم سب کو بتاتی رہی اور کسی نے یقین نہیں کیا۔" کیف نے کہا تھا۔

"تم مذاق کر رہے ہو؟"

"تمہارے جانے کے بعد۔۔۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عرفات ماموں کے جانے کے بعد فضل منزل میں بہت کچھ بدل گیا تھا خوش نصیب۔۔۔ شفیق چچا فضل منزل میں دیوار کھڑی کروا چکے ہیں۔ انہوں نے ہمارے۔۔۔ سوری۔۔۔ میرے کیے کی سزا ابا کو دی۔۔۔ ابا سے قطع تعلق کر لیا۔ اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئے۔ شاید تمہیں معلوم ہو کہ صیام کی شادی ہو گئی تھی۔۔۔ عرفات ماموں کی ڈیتھ کے چھ

دن بعد وہ واپس آ گئی۔۔۔ طلاق کے کاغذات کے ساتھ۔۔۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی وہ لوگ نہیں بدلے۔۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ ماموں کے جس دوست کے پاس تم رہ رہی تھی وہ ابو سے ملنے آئے تھے تا کہ تم گھر واپس آ سکو۔۔۔ وہ ابو سے نہیں مل سکے تھے بلکہ انکی ملاقات شفیق چچا سے ہوئی تھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں، انہوں نے ان کو بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا تھا۔ ہمیں بہت دیر سے اس بارے میں پتا چلا تھا۔ ''کیف اتنا بتا کر چپ ہو گیا۔

خوش نصیب چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہی۔۔۔

''کیف۔۔۔! آئی ایم سوری بٹ مجھے صرف ماہ نور میں انٹرسٹ ہے۔۔۔ کیا وہ ٹھیک ہے؟ وہ پاکستان میں کیوں ہے؟ کیا شامیر نے اس کے ساتھ۔۔۔''اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا تھا مگر بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔۔

''اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ ماہ نور ٹھیک ہے۔۔۔'' کیف نے مسکرا کر بتایا تھا۔ خوش نصیب نے منہ سے تو کچھ نہ کہا لیکن کیف نے اس کی آنکھوں میں اطمینان پھیلتے دیکھا تھا۔

''مجھے پوری بات بتاؤ۔۔۔ پلیز۔۔۔''

'' ماموں کی ڈیتھ کے بعد ہمیں ایک فون کال ریسیو ہوئی تھی جو ماہ نور کی طرف سے تھی۔ اس کال میں اس نے صرف یہ بتایا کہ ماہ نور اور شامیر پاکستان آ رہے ہیں۔ جب میں انہیں ریسیو کرنے گیا تو ماہ نور کے ساتھ شامیر نہیں تھا۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ وہ شامیر تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ شامیر جیسا نہیں تھا۔''

''کیف تم کیا بول رہے ہو میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔'' خوش نصیب جھنجلا کر بولی تھی۔

کیف کے لیے اسے ڈیٹیلز بتانا مشکل ہو رہا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔ تم ٹھیک کہتی تھی۔ شامیر کالے علم میں ملوث تھا۔ تمہاری کہی ہوئی سب باتیں سچ ثابت ہو چکی ہیں۔۔۔ شامیر کسی حادثے کا شکار ہو کر اپنی ایک آنکھ گنوا چکا ہے۔ اس کا چہرہ تباہ ہو گیا۔۔۔ اس کی ایک ٹانگ کٹ چکی ہے اور فی الحال وہ مکمل طور پر ماہ نور پر ڈیپنڈنٹ ہے۔۔۔ جب سے وہ آیا ہے، کئی کئی دن چپ رہتا ہے، پھر رونے پر آتا ہے تو روتا ہی رہتا ہے۔ اس کی چیخیں فضل منزل میں گونجتی ہیں۔۔۔ اور ان سب باتوں کا اقرار کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا، اپنے منہ سے ماہ نور اور سب کے سامنے کیا ہے۔''

''یا اللہ۔۔۔'' خوش نصیب نے پہلی بار جانا کہ مکافاتِ عمل کسے کہتے ہیں۔

''وہ اپنے تمام گناہ قبول کر چکا ہے اور وہ ابھی بھی تم لوگوں کی زندگی کا حصہ ہے۔۔۔؟'' خوش نصیب نے سرد سے انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔۔۔ کیونکہ ماہ نور ایسا چاہتی تھی۔۔۔ اس نے بس ہمیں تمہارا سچ بتا کر ریکویسٹ کی کہ وہ فضل منزل میں رہنا چاہتی ہے اور شامیر کو بھی وہاں رکھنا چاہتی ہے۔۔۔ ابا تمہارے حوالے سے بہت شرمندہ تھے سو وہ ماہ نور کو باخوشی وہاں رہنے کی اجازت دے دی

۔۔۔ میں نے ماہ نور کو شامیر سے الگ ہونے کا بولا بھی تو اس نے بات ٹال دی اور ظاہر ہے میں اسے فورس نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں ڈھونڈوں اور یہ کام تو میں پہلے سے ہی کر رہا تھا۔ اور دیکھو۔۔۔ میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا۔۔'' وہ آنکھوں میں ڈھیر ساری محبت سموئے اسے دیکھتا رہا تھا جبکہ خوش نصیب سر جھکائے سوچ میں گم تھی۔ اب کی بار اس کی سوچ کا مرکز ماہ نور تھی۔

☆......☆......☆

اس نے آہستہ سے کروٹ بدلی تھی۔ بند آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پر سجی اس پیاری سی مسکراہٹ نے جیسے کمرے میں پھیلی ہلکی سی روشنی کو بڑھا دیا تھا۔ یقیناً وہ کوئی بہت خوبصورت خواب تھا جس نے اسے ایک مسکراہٹ کا تحفہ دے کر گہری نیند سے ہوش کی دنیا کی جانب دھکیل دیا تھا۔

اگلے چند ہی لمحوں میں اس نے نیند کی دنیا کو خیر آباد کہا تھا اور کسمساتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔

کمرے میں ہلکی سی روشنی پھیلی تھی جو آنکھوں کو بری نہ لگتی تھی۔ کھڑکیوں پر پڑے دبیز پردوں نے چڑھتے ہوئے دن کی روشنی کو بھرپور کوشش کے باوجود اندر آنے کی اجازت نہ دی تھی۔

آنکھیں کھولتے ہی نظروں نے جو چہرہ سب سے پہلے گرفت میں لیا تھا، وہ اس کے شوہر کا تھا۔۔۔

اور یہ وہ واحد چہرہ تھا جو اس کی مسکراہٹ کو ہمیشہ جلا بخشتا تھا اور ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کچھ اس طرح بڑھی کے ہونٹوں کے پیچھے سے سفید دانتوں کی قطار دکھائی دینے لگی۔ پھر کتنی ہی دیر وہ چپ چاپ اس ایک چہرے کو تکتی رہی تھی۔

وہ اوندھے منہ کچھ اس طرح سو رہا تھا کہ اس کے ایک بازو نے اس کے آدھے چہرے کو چھپا رکھا تھا۔

کشادہ پیشانی، اونچی ناک، چہرے پر سجی ہلکی سی داڑھی، بے حد صاف رنگت اور گھنے بال۔۔۔ وہ خوبصورت تھا۔۔۔ بے حد خوبصورت۔۔۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسی کشش تھی جو دیکھنے والوں کو متوجہ کرتی تھی۔ گوروں کے شہروں میں رہتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار لڑکیوں کو اس کی جانب مڑ مڑ کر دیکھتے پایا تھا اور وہ جو ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنائے رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ خود اس کا دیوانہ تھا۔

اس کا دل تفاخر سے بھر گیا۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو نرمی سے پیچھے ہٹا دیا۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ کب، کس دن اور کس لمحے وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی لیکن یہ محبت کب عشق میں بدلا، وہ کبھی جان نہ سکی۔ اگر وہ کچھ جانتی تھی تو یہ کہ یہ عشق دن بادن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

مگر ایک اعتراف جو وہ پوری سچائی سے کرتی تھی وہ یہ تھا کہ یہ دو سال اس کی زندگی کے بہترین سال تھے۔

اس نے گردن موڑ کر دیوار پر ٹنگی گھڑی کی جانب دیکھا تھا۔

رومانیہ میں اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور نومبر کی آخری تاریخوں میں سے کوئی تاریخ تھی۔

وہ بیڈ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس چلی گئی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر پردے کو پیچھے کھسکایا تھا اور لمحہ بھر کے لیے مبہوت ہوگئی تھی۔

رات بھر برسنے والے روئی کے گالے ابھی بھی مدھم رفتار کے ساتھ زمین پر برس رہے تھے اور سبیو (sibiu) کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ حدِ نگاہ تک برف ہی برف تھی۔

ان دو سالوں میں اس نے بہت سے ایسے نظارے دیکھے تھے لیکن برف ہمیشہ اسے پہلی بار کی طرح ہی مبہوت کر دیتی تھی۔

اس نے کسی چھوٹے بچے کی طرح اپنی سرخ ہوتی ناک کو کھڑکی کے شیشے سے ٹکا لیا اور گرم کمرے میں بیٹھ کر ٹھنڈے پڑتے شہر کو غور سے دیکھنے لگی۔

وہ پہلی بار رومانیہ آئی تھی اور اس وقت وہ دونوں سبیو میں اس کے شوہر کے دوست کے فلیٹ میں موجود تھے۔ یہاں آنے کا پلان اس کی خواہش پر ہی سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ اپنے شوہر سے اس شہر کی خوبصورتی کے بارے میں بہت کچھ سن چکی تھی اور اس جگہ کو دیکھنا اس کی دوسری بڑی خواہش تھی۔

پہلی بڑی خواہش اپنی اولاد کا ہونا تھا۔

پچھلے دو سالوں میں اسے دو بار مس کیریج کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ دونوں بار ہی کوئی بھی احتیاط کام نہ آسکی تھی۔

انہیں خوش خبری ملتی تھی اور پھر اگلے کچھ ہی دنوں میں ریت کی طرح ان کی مٹھیوں سے پھسل جاتی تھی اور وہ بے چارگی سے دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر پاتے تھے۔

وہ دونوں اپنی لائف سے پوری طرح مطمئن تھے۔ خوش تھے۔۔۔ بس ایک کمی تھی تو اولاد کی۔۔۔

چھ ماہ پہلے تک اس خواہش میں اس کی ساس بھی حصے دار تھیں لیکن پھر ایک رات انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ ان کے جانے کے بعد اسے تنہائی کا احساس اور بھی زیادہ ستانے لگا تھا۔

ہر طرح کا علاج، دعا، تعویز، ٹوٹکے۔۔۔ کیا کیا نہیں کیا تھا ان لوگوں نے اس ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے۔۔۔

بالآخر خدا نے کرم کیا۔ یہ تیسری بار تھا کہ وہ امید سے تھی اور اب کی بار وہ لوگ اپنی اولاد کے پہلے بہت زیادہ پر امید تھے۔ آج اس کی پریگنینسی کو تین مہینے پورے ہو جانے تھے اور وہ دونوں ہی بے حد خوش تھے۔

اس کے شوہر نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا۔ اسے خوش رکھنے کے لیے وہ سب کام بھی کر رہا تھا جو پہلے اس کی مصروفیت کی نظر ہو جاتے تھے۔ ان میں سے ہی ایک کام اسے ڈاکٹر کی اجازت سے رومانیہ لے کر آیا تھا۔

اللہ نے اس کی دو خواہشات کو آگے پیچھے مکمل کیا تھا۔ شکر اس پر واجب تھا۔ اس نے دل ہی دل میں تہیہ کیا کہ وہ فرصت کے لمحات میں شکرانے کے نفل ضرور ادا کرے گی۔ خدا جانے کہ یہ فرصت ملنی بھی تھی یا نہیں۔۔۔ اسے تو اب نماز تک کے لیے فرصت نا مل پاتی تھی جس کی وہ ایک وقت پر عادی تھی لیکن اب اس کی یہ عادت بے قاعدگی کا شکار ہو چکی تھی۔ اسے شرمندگی نے گھیر لیا۔ پکا تہیہ کیا کہ اب دوبارہ سے اس عادت کو قائم کرنا ہے۔

اسی بارے میں سوچتے سوچتے ہی اس کی ذہنی رو بھٹک کر پاکستان میں اپنے گھر اور میکے کی جانب مڑ گئی تھی۔

برائے نام میکہ جن سے اس کا رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں کچھ ایسے مگن ہوئی تھی کہ پیچھے موجود بہت سے لوگوں کو بھلا بیٹھی تھی مگر آج اس جگہ کھڑے ہو کر اسے وہ سب لوگ یاد آنے لگے تھے۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب اسے چونک کر خیالات کی دنیا سے واپس آنا پڑا تھا۔ دو مضبوط ہاتھوں نے ایک گرم شال کا اس کے کندھوں پر پھیلا کر اسے بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کا شوہر کس لمحے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا، اسے احساس تک نہ ہوا تھا۔

اسے بازوؤں میں لیے، اپنی ٹھوڑی کو اس کے سر پر ٹکائے وہ بھی باہر کی جانب دیکھنے لگا۔

''یہ سب کتنا خوبصورت ہے نا؟''

یہ سوال نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ رائے تھی۔ وہ عادی تھا ان لفظوں کا۔۔۔ کیونکہ وہ یہ الفاظ ہر اس جگہ دہراتی تھی جہاں اسے برف دیکھنے کو ملتی تھی۔

''تم سے زیادہ نہیں۔۔۔'' مسکرا کر جواب دیا گیا تھا۔

''اتنی سردی میں بغیر شال کے یہاں کھڑی تھی۔۔۔ اگر تمہیں ٹھنڈ لگ گئی تو۔۔۔؟'' اپنی پہلی بات کا جواب نہ ملنے پر اس نے سرزنش کرنے والے انداز میں پوچھا تھا۔

''اب اتنی بھی نازک مزاج نہیں ہوں میں۔'' چھوٹی سی ناک کو سکیڑ کر اس نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔

''بالکل۔۔۔'' اس کے شوہر نے طنزیہ سے انداز میں کہا تھا۔ ''تم تو بالکل بھی نازک مزاج نہیں ہو بلکہ مجھے تو لگتا ہے تمہارا نام ماہ نور نہیں۔۔۔ کوہِ نور ہونا چاہیے تھا۔''

شامیر کی آواز میں شرارت ہی شرارت بھری تھی۔

''اچھا۔۔۔'' ماہ نور نے کھینچ کر لفظ کو ادا کیا۔ ''اور ایسا کیوں؟''

شامیر نے اسے بازوؤں کے حلقے سے آزاد کرتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

''وہ اس لیے مائی ڈیئر وائف کیونکہ آپ نازک مزاج نہیں ہیں بلکہ ایک اسٹون کی طرح ہی مضبوط ہیں۔۔۔''

وہ چند لمحے نرمی سے اسے تکتا رہا اور پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

''تم کبھی نہیں سمجھ سکتی۔۔۔تم کوہِ نور کی طرح ہی تو قیمتی ہو میرے لیے۔۔۔تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ میرے علاوہ کوئی نہیں لگا سکتا۔تم انمول ہو ماہ نور۔۔۔اور یہ بات صرف میں جانتا ہوں۔''

اس کے ہونٹ کے نیچے موجود کالے سیاہ تل کو شامیر نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے چھوا تھا۔

ماہ نور ہنس دی تھی۔اس نے شامیر کی بات کو مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔وہ ایسی باتیں کرتا ہی رہتا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اگر وہ انمول ہے تو اسے ماہ نور سے انمول اس کے ساتھ نے ہی تو کیا تھا۔وہ پھر سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

دوسری طرف شامیر آنکھوں میں عجیب سی حیوانیت لیے اسے تکتا رہا تھا۔

''ماہ نور۔۔۔'' کچھ دیر بعد اس نے پکارا تھا۔

ماہ نور نے جواب دینے کی بجائے مڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''شام کو میرے دوست نے انوائیٹ کر رکھا ہے۔۔۔جن کا یہ فلیٹ ہے۔۔۔تم تیار رہنا میں تمہیں ان سے ملوانا چاہتا ہوں۔''

شامیر نے اسے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''تم فریش ہو جاؤ۔۔۔میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔''

ماہ نور اپنی بات کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی لیکن شامیر وہاں ہی کھڑا ہو کر اگلا لائحہ عمل طے کرنے میں لگ گیا تھا۔اس کی خواہش پوری ہونے میں بس ایک دن کا وقت باقی تھا۔

☆......☆......☆

شام چھ بجے کے قریب شامیر اسے لے کر فلیٹ سے نکلا تھا۔انہیں ریسیو کرنے کے لیے شامیر کے دوست رزوان رودو تو تھا اور وہ رومانیہ کا ہی مقامی باشندہ تھا۔

اور آدھے گھنٹے بعد وہ جس گھر کے سامنے کھڑے تھے وہ گھر سے زیادہ محل لگ رہا تھا۔ماہ نور نے سر اٹھا کر اس کوٹھی کا جائزہ لیا تھا۔بیرونی لائٹس کی روشنی میں وہ گھر چمک رہا تھا۔ماہ نور نے مین گیٹ پر لگی نیم پلیٹ کو بغور پڑھا تھا۔اس پر رومانین زبان میں کچھ لفظ درج تھے۔ اسے مطلب سمجھ نہیں آیا تھا سو اس نے کوئی خاص دھیان بھی نہیں تھا۔

گاڑی تیزی سے مین گیٹ کراس کر گئی تھی اور تیزی سے روش پر چلتی ہوئی داخلی دروازے پر جا کر رکی تھی۔ماہ نور اس جگہ کی خوبصورتی سے دل ہی دل میں متاثر ہوئی تھی۔

داخلی دروازے پر انہیں ریسیو کرنے کے لیے رزوان رودو تو خود موجود تھا۔

''ویلکم ٹو رودو تو پیلس۔۔۔''

وہ خوش اخلاقی سے شستہ انگریزی میں کہتا ہوا آگے بڑھا تھا اور شامیر سے ملنے لگ گیا تھا۔اس نے ماہ نور سے ہاتھ ملایا تھا۔وہ بغور ماہ نور کو دیکھ رہا تھا۔ماہ نور کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔

وہ لمبا تھا اور اس کے شانے کافی چوڑے تھے۔اس کی جسامت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بندہ باقاعدہ ورزش کرنے کا عادی ہے۔اس کا رنگ مقامی لوگوں کی طرح سرخ وسفید تھا۔ اور چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی موجود تھی۔اس نے اپنے بالوں کو پیچھے کر کے جیل کی مدد سے خوب جما کر بنایا ہوا تھا۔مجموعی طور پر وہ بندہ کافی ہینڈسم تھا لیکن اس کی آنکھیں سرخ سی تھیں۔

ماہ نور کو اس کی آنکھوں سے خوف آیا تھا۔ اس نے دوبارہ براہ راست اس کی جانب دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا تھا۔وہ گھر باہر سے جتنا متاثر کن تھا،اندر سے اس سے بھی زیادہ حسین تھا۔ماہ نور وہاں کی خوبصورتی میں کھوسی گئی تھی۔کچھ ہی دیر میں ملازم نے چائے سرو کر دی تھی۔

رزوان اور شامیر کسی اور زبان میں بات کر رہے تھے۔شاید وہ رومانین زبان تھی لیکن ماہ نور اس زبان سے مکمل طور پر نابلد تھی۔اس کے لیے تو یہ بھی نئی بات تھی کہ شامیر رومانین بول سکتا ہے۔

جلد ہی وہ اکتا سی گئی تھی۔شامیر اور رزوان اس کی موجودگی کو یکسر فراموش کیے اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

اس نے اپنا چائے کا کپ خالی کر کے واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد اسے اپنا سر بوجھل ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے شامیر کو پکارا۔

''کیا بات ہے؟'' شامیر نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ابھی کتنا ٹائم رکنے کا پلان ہے؟ میں اچھا فیل نہیں کر رہی ہوں۔'' ماہ نور نے ٹینس سے انداز میں بتایا تھا۔

''اوہو۔۔کیا ہو گیا؟'' شامیر نے پریشانی سے پوچھا تھا

گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔۔۔کیا میں کچھ دیر کے لیے باہر جا سکتی ہوں؟''

شامیر نے فوراً رزوان کی طرف دیکھ کر اسے کچھ بتایا تھا۔لفظ ناقابلِ فہم تھے۔

رزوان نے ایک ملازمہ کو بلایا تھا اور اسے ماہ نور کے ساتھ جانے کی ہدایت کی تھی۔ شامیر نے اسے بتایا کہ رزوان اپنی والدہ کے ساتھ رہتا ہے اور اس کی والدہ بیمار ہیں۔اس لیے وہ ان سے ملاقات کے لیے نہیں آئیں تھیں۔

وہ ملازمہ ماہ نور کو لے کر اندرونی حصے کی طرف بڑھی تھی۔رزوان کی ہدایت پر وہ اسے گھر دکھانے لے گئی تھی۔ملازمہ اسے لے کر کوٹھی کے مختلف حصوں میں پھرتی رہی تھی۔اسے انگلش آتی تھی لیکن اس نے ماہ نور کی باتوں کا جواب ہوں ہاں سے زیادہ نہیں دیا تھا۔

اس لیے ماہ نور چپ چاپ اس کے ساتھ ادھر ادھر پھرتی رہی۔

پھر ماہ نور نے ایک خوبصورت جگہ دیکھی تھی۔اس کمرے کی چھت اور ایک پوری دیوار شیشے سے بنی ہوئی تھی اور اس دیوار سے باہر گھر کا لان اور بیبیو کے خوبصورت پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ ماہ نور کے قدم خود با خود اس جانب بڑھ گئے تھے۔دیوار کے ساتھ ہی دو خوبصورت کرسیاں اور ایک چھوٹا سا ٹیبل رکھا ہوا تھا۔ماہ نور ان میں سے ایک کرسی پر ٹک گئی تھی۔

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھنا چاہوں گی۔آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔''اس نے ملازمہ ہو کہا تھا۔ملازمہ نے کچھ تذبذب کا اظہار کیا تھا۔وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن پھر اس نے ماہ نور کی بات مان لی تھی۔

کچھ دیر بعد وہی ملازمہ ماہ نور کو گلاس میں ایک مشروب اور کچھ خشک میواجات سرو کر گئی تھی۔ اس مشروب کا ذائقہ بے حد عجیب لیکن لذیز تھا۔ ماہ نور نے اپنی حالت کو بہتر ہوتا محسوس کیا تھا۔وہ اب فریش فیل کر رہی تھی۔

کرسی سے اٹھ کر وہ دوسری طرف رکھے فش ایکویریم کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ رنگ برنگی مچھلیاں پانی میں تیزی سے ادھر ادھر تیر رہی تھی۔ ماہ نور نے بغور دیکھا۔ ایک چھوٹی سی پیلے رنگ کی مچھلی ایک پچھلے کونے میں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔ ماہ نور نے جھک کر غور سے دیکھا۔وہ مچھلی قدرے دائیں جانب جھکی ہوئی تھی۔

وہ ابھی اسی مچھلی پر غور کرنے میں مصروف تھی کہ اسے کسی نے کندھوں سے پکڑ کر بے دردی سے اپنی جانب کھینچا تھا۔وہ جو اپنے ہی دھیان میں مگن تھی، کھینچتی ہی چلی گئی۔

وہ ایک بوڑھی عورت تھی۔کھلے ہوئے سفید بال، جھریوں بھرا چہرہ، سفید رنگ اور بائیں گال پر کسی پرانے زخم کا گہرا نشان۔۔۔

اس نے ماہ نور کو کہنیوں کے پاس سے دبوچ رکھا تھا۔اور چیخ چیخ کر مقامی زبان میں کچھ بول رہی تھی۔

ماہ نور بے تحاشہ خوفزدہ ہو کر خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔لیکن اس عورت کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔وہ کب اور کس طرف سے وہاں آئی تھی ماہ نور کو معلوم بھی نہیں ہو سکا تھا۔وہ عورت چیخ چیخ کر اس کے خوف میں اضافہ کر رہی تھی۔

''فو گی۔۔۔ پراپا دینیا۔۔۔ ما گی نیا گرا۔۔۔ فو گی فو گی۔۔۔ وی آ تا تا ایستی ان پریکول۔''(بھاگو۔۔۔ خطرہ۔۔۔ کالا جادو۔۔۔ بھاگو بھاگو۔۔۔ کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے۔)

وہ عورت اسے کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی لیکن خوف کی شدت اور اس کی زبان ماہ نور کچھ سمجھنے نہیں دی رہی تھی۔

اس لمحے شامیر، رزوان اور کچھ اور ملازمائیں وہاں بھاگتی ہوئی آئیں تھیں۔

رزوان نے کھینچ کر اس عورت کو ماہ نور سے علیحدہ کیا تھا۔اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ اونچی آواز میں کچھ بول رہا تھا۔

شامیر نے آگے بڑھ کر ماہ نور کو تھام لیا تھا۔اس میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی ہمت نہیں تھی، وہ لڑکھڑا کر زمین پر ہی دوزانوں بیٹھ

گئی تھی۔شامیر اسے کندھوں سے تھام کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

اب وہ بوڑھی عورت ملازم عورتوں کے نرغے میں تھی۔وہ اسے کھینچ کر باہر لے گئی تھیں۔تب رزوان ان کی جانب پلٹا تھا۔وہ شامیر اور اس سے معذرت کر رہا تھا۔وہ بوڑھی عورت اس کی ماں تھی اور ذہنی مریضہ تھی۔ آج بھی وہ اپنی ملازمہ کو دھوکہ دے کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔رزوان کے چہرے پر معذرت کے رنگ بکھرے تھے۔

دوسری طرف ماہ نور کے لیے اپنے خوف پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔وہ شامیر کی بازوؤں میں جھول گئی۔

بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے سنا۔زروان نے شامیر کو انگریزی میں کہا تھا۔

"۔۔وی ہیو ٹو کمپلیٹ دس ورک ٹو نائٹ۔"(تمہاری بیوی کو شک ہو گیا ہے۔۔۔ہمیں آج رات ہی یہ کام مکمل کرنا ہوگا۔)

☆......☆......☆

اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہی تھی۔سوئی جاگی سی کیفیت تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اسے نیند میں بھی احساس تھا کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا گیا تھا اور یہ کام گاڑی میں بٹھا کر کیا گیا تھا۔اسی نیند کی حالت میں اسے دو تین بار کچھ پلایا بھی گیا تھا اور اس مشروب کا ذائقہ بھی ویسا ہی تھا جو اس سے پہلے وہ ملازمہ اس کے لیے لائی تھی۔

دوسرا احساس چبھن کا تھا۔اسے کسی سخت پتھریلی جگہ پر لٹایا گیا تھا اور کوئی پتھر اس کی کمر میں مسلسل چبھن پیدا کر رہا تھا۔

پھر اس کے ذہن میں مسلسل رزوان کے آخری الفاظ گونجتے رہے تھے۔وہ نیند کی حالت میں بھی خوف کا شکار تھی۔وہ نیند کی حالت میں بھی جانتی تھی کہ جہاں وہ اسے لائے ہیں اس جگہ شامیر اور رزوان بھی موجود ہے۔اس نے ان کی آوازیں سنی تھیں۔اس نے مشروب پلائے جانے کے وقت شامیر کے لمس کو بھی محسوس کیا تھا۔

شامیر پر اندھے اعتماد کے باوجود اسکی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے والا تھا۔۔۔کچھ بہت برا۔۔۔

وہ مسلسل اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش میں ناکام ہوتی رہی تھی۔

بالآخر ایک وقت آیا جب وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی۔اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔اس کا سر ابھی بھی چکرا رہا تھا۔اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔اسے لگا کہ یہ کمزوری کی وجہ سے تھا لیکن جلد ہی اس کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کسی چیز سے بندھا ہوا تھا۔وہ کسی کمرے میں نہیں بلکہ کسی غار نما جگہ پر موجود تھے۔جہاں ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔اسے اپنے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے محسوس ہوئے تھے۔ اسے غار میں پھیلے دھوئیں کا بھی شدت سے احساس ہوا تھا جو اسے سانس لینے میں تکلیف دے رہا تھا۔غار میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

http://kitaabghar.com

اپنی لاچاری کا احساس ہوتے ہی آنکھوں کے آگے چھایا اندھیرا خود ہی غائب ہو گیا تھا۔اس نے تڑپ کر ادھر ادھر دیکھ کر شامیر کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور پھر اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک بے حد عجیب منظر پایا تھا۔

غار میں دھواں پھیلا ہوا تھا۔اوراس دھویں کا منبع آگ کا وہ الاؤ تھا جو کچھ فاصلے پر جل رہا تھا۔اس الاؤ سے کچھ فاصلے پر ایک کپ میں اگر بتیوں جیسی کوئی چیز بھی جل رہی تھیں جس میں سے خوشبو دھویں کی صورت اٹھتا تھا۔غار کی دیواروں پر سرخ رنگ سے عجیب و غریب نقش بنے ہوئے تھے۔آگ کے ایک طرف فریم میں ایک تصویر موجود تھی جس میں ایک بے حد خوفناک چہرہ نمایاں تھا۔اس الاؤ کے ایک جانب شامیر اور دوسری طرف رزوان آنکھیں بند کئے یوگا کے انداز میں کوئی آسن جمائے بیٹھے تھے۔رزوان کے آگے ایک انسانی کھوپڑی کچھ ہڈیاں،تازہ گوشت،ناریل اور تیز خنجر پڑے دکھائی دے رہے تھے۔شامیر کے آگے ایک پیالہ پڑا تھا جس میں سرخ رنگ کا سیال موجود تھا۔وہ دونوں کالے رنگ کا عجیب وغریب وضع کا چغہ سا پہنے ہوئے تھے۔گلے میں پتھروں کی مالائیں پہنی ہوئی تھیں اور چہرے پر کالے رنگ سے عمودی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔وہ دونوں اونچی آواز میں کچھ نا قابلِ فہم الفاظ بول رہے تھے۔

ماہ نور کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے یہ منظر دیکھ کر۔۔۔

اور پھر دو سال بعد اسے اپنی بہن یاد آئی تھی۔

خوش نصیب کا کہا ایک ایک لفظ یاد آیا تھا۔۔۔

اس کی شامیر کے متعلق کہی ہوئی باتیں جوان لوگوں کے نزدیک الزام تھے، یاد آئی تھیں۔

اسے یاد آیا تھا کہ خوش نصیب نے اسے شامیر کے عظائم بتائے تھے۔۔۔

اور پھر اسے یہ بھی یاد آیا تھا کہ اس نے خوش نصیب کی کسی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔

ماہ نور کو اللہ یاد آیا تھا، پھر اسے احساس ہوا تھا کہ اسے صرف خود کو ہی نہیں اپنے ہونے والے بچے کو بھی بچانا ہے۔اس نے گردن کو موڑ کر ادھر کچھ ڈھونڈنا چاہا تھا جس سے وہ اپنا دفع کر سکتی۔اللہ نے اس کی مدد کی تھی اور اسے کچھ فاصلے پر ایک پتھر دکھائی دیا تھا۔تھوڑی کوشش کے بعد وہ اس پتھر کو اپنے آزاد ہاتھ میں پکڑنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔اس نے کروٹ کے بل لیٹ کر اپنے بازو کو پیچھے موڑ لیا تھا تاکہ وہ دونوں اس کے ہاتھ میں پکڑے پتھر کو دیکھ نہ سکیں۔ ویسے بھی ان دونوں کی آنکھیں بند تھیں اور تمام دھیان شاید اس عبادت کی جانب تھا جو وہ کر رہے تھے۔

ماہ نور کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔ جنونی محبت کا اظہار کرنے والا وہ انسان کیا کرنے والا تھا اس کے ساتھ، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔اسے یاد آیا کہ ایک بار شامیر نے اسے کہا تھا کہ وہ اس دنیا کا سب سے طاقتور انسان بننا چاہتا ہے۔ماہ نور نے اس کی بات کو دیوانے کا خواب سمجھا تھا لیکن۔۔۔

''شامیر۔۔۔''اس کے منہ سے سسکی طرح اس کا نام نکلا تھا۔

اس کی آواز سنتے ہی ان دونوں نے منتر پڑھنا بند کر دیا تھا۔شامیر نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور اس میں اتنی حیوانیت اتھی کہ ماہ نور جھرجھری لینے پر مجبور ہو گئی۔

وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔رزوان نے ان خنجروں میں سے ایک اٹھا کر شامیر کے آگے پڑے پیالے میں سے اسے ڈبو کر نکالا تھا۔وہ سرخ سیال سے تر ہو گیا۔سرخ قطرے اس میں سے ٹپکنے لگے۔اس نے خنجر شامیر کی طرف بڑھایا تھا جسے شامیر نے قدرے جھک کر تعظیم کے سے انداز میں پکڑ لیا تھا۔

رزووان اپنی جگہ جا کھڑا ہوا اور پھر سے پہلے والے الفاظ بولنے لگا۔اس کی آواز میں عجب طیش تھا۔

شامیر خنجر لے کر ماہ نور کی جانب آ گیا تھا۔اس نے پہلے ماہ نور کے پاؤں کی رسی کو کاٹا تھا اور پھر ہاتھ کی رسی کو۔۔۔

''یہ سب کیا ہے شامیر۔۔۔تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''وہ رو دی تھی۔

شامیر نے جواب نہیں دیا تھا۔اس نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔

ماہ نور نے ابھی تک پتھر کو پیچھے ہاتھ میں چھپا رکھا تھا۔شامیر نے اسے بالو سے پکڑا اور قدرے گھسیٹ کر آگ کے الاؤ کی طرف بڑھا۔ ماہ نور مسلسل خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔اس کا سر ابھی بھی گھوم رہا تھا۔یقیناً وہ لوگ اسے کوئی نشہ آور چیز پلاتے رہے تھے۔

شامیر خود بھی کسی منتر کو پڑھ رہا تھا۔لمحہ بھر کو اس کی نظر چوکی تھی اور ماہ نور نے پوری طاقت سے وہ پتھر اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔چیخ مار کر اس نے ماہ نور کے بول چھوڑ دیے تھے اور اپنے چہرے کو ڈھانپ کر گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ پتھر شاید اس کی آنکھ پر لگا تھا۔خنجر اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

ماہ نور نے تیزی سے وہ خنجر اٹھا لیا اور رزوان کی طرف متوجہ ہوئی جو شامیر کی چیخ سن کر اس کی مدد کو آگے بڑھا تھا۔کسے امید تھی کہ وہ دھان پان سی لڑکی ایسا کچھ بھی کر سکتی ہے۔ رزوان نے بھی شامیر کی غلطی کو دھرایا تھا۔وہ ماہ نور کے ہاتھ میں پکڑے خنجر سے لاعلم تھا۔ ماہ نور نے ایک لمحے کا بھی وقت ضائع کیے بغیر خنجر پوری طاقت سے اسے دے مارا تھا۔وہ بندہ الٹ کر پیچھے کی جانب گرا اور خون کا فوارہ تھا جو اس کے جسم سے پھوٹا تھا۔ ماہ نور نے لڑھکھڑاتے قدموں سے غار کے کھلے دھانے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ وہ شامیر کو زیادہ زخمی نہیں کر پائی تھی کیوں کہ وہ سنبھل کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

انسان کو ہرانا آسان ہے،ماں کو ہرانا آسان نہیں ہے۔ماہ نور کو صرف خود کو ہی نہیں بلکہ اپنے بچے کو بھی بچانا تھا۔غار سے نکلتے ہی وہ سمت کا تعین کیے بغیر ڈھلوان کی جانب بھاگ پڑی تھی۔اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے کچھ فاصلے پر دو تین ٹورسٹ مل گئے تھے جو اتفاقاً

http://kitaabghar.com

اس طرف آ نکلے تھے۔ ماہ نور نے ہانپتے ہوئے ان سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اس کی بات سمجھنے سے بھی پہلے ان لوگوں نے ایک کان پھاڑ دھماکہ سنا تھا۔ ان کی نظریں اوپر ایک غار پر جم سی گئیں تھیں۔

ماہ نور نے پیچھے مڑ کر غار کی جانب دیکھا تھا اور اس کے بعد وہ ایک بار پھر ہوش کھوتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

اسے دوبارہ ہوش اسپتال میں آیا تھا۔ وہ ٹورسٹ اسے نا صرف اسپتال لائے تھے بلکہ پولیس کو بھی اس بارے میں انفارم کر دیا تھا۔ شامیر کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ اسی اسپتال میں زیرِ علاج ہے لیکن اس کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔

دو دن بعد جب اس کی کچھ حالت سنبھلی تھی، اس سے بیان لیا گیا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں بتا پائی تھی۔ سوائے اس کے کہ اسے وہاں بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا تھا۔ اور جب اسے ہوش آیا تو وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ وہ چاہ کر بھی شامیر کے خلاف کچھ نہیں بتا پائی تھی۔

اسے بتایا گیا تھا کہ اس غار میں ہونے والے دھماکے کے نتیجے میں ایک شخص کا انتقال ہوا ہے۔ اس کی جلی ہوئی لاش کے علاوہ انہیں وہاں سے کچھ ایسی چیزیں بھی ملی تھیں جس سے انہیں پتا چل گیا تھا کہ وہاں اس لڑکی کسی شیطانی عمل کے لیے لایا گیا تھا۔

جبکہ اس کے ہزبینڈ جو شاید اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے تھے اس دھماکے کے نتیجے میں کھائی میں جا گرے تھے۔ ان کی جان بچ گئی تھی۔ لیکن ان کو جسمانی طور پر بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس نقصان کی تفصیل اسے اگلے روز معلوم ہو سکی تھی جب اس کی خواہش پر نرس اسے سہارا دے کر آئی سی یو میں لے گئی تھی۔ ماہ نور نے دروازے میں لگے شیشے کی مدد سے اسے دور سے دیکھا تھا۔

شامیر کا پورا چہرہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

"ان کی حالت ابھی بھی خطرے سے باہر نہیں۔ ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ سر پر گہری چوٹیں ہیں۔ یہ نوکیلے پتھروں پر گرے تھے جس سے چہرہ بگڑ گیا ہے۔ پولیس انہیں تین دن بعد ڈھونڈنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔ زخم خراب ہو گئے تھے۔ خاص طور پر ٹانگ کا زخم۔۔۔ انفیکشن پھیلنے کا خطرہ تھا اس لیے ڈاکٹرز کو مجبوراً ٹانگ کاٹنی پڑی۔ ان کی جان بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں۔"

ماہ نور کے استفسار پر اس نرس نے آسان لفظوں میں تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"ایسے لوگوں کی جان اتنی آسانی سے نہیں نکلتی۔۔۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی تھی۔ نرس نے اس کے اردو بولنے پر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور واپس جانے کو مڑ گئی تھی۔

آگے کی کہانی مختصر تھی۔ وہ اور شامیر گرین کارڈ ہولڈر تھا۔ ایمبیسی سے رابطہ کیا گیا اور شامیر کو سفر کی اجازت ملتے ہی ماہ نور اسے لے کر رومانیہ سے امریکہ آ گئی تھی۔ شامیر نے ہاتھ باندھ کر اس سے معافی مانگی تھی۔ وہ مکمل طور پر ماہ نور کے رحم و کرم پر تھا۔ اس کے جسم کا جو

http://kitaabghar.com

حال ہو چکا تھا، اسے خوف تھا کہ اگر ماہ نور اسے چھوڑ گئی تو وہ کیا کرے گا۔ اسے اپنے کیے کی کچھ سزا دنیا میں ہی مل گئی تھی اور وہ اس سے ہی بلبلا اٹھا تھا۔ وہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے بار بار معافی مانگنے پر ماہ نور نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ۔۔۔

''میں تم سے محبت نہیں کر سکتی شامیر۔۔۔ وہ محبت مر چکی۔۔۔ ہاں خدا ترسی کر سکتی ہوں۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں کیونکہ تمہاری باتوں میں آ کر جو کچھ میں نے اپنی بہن کے ساتھ کیا تھا اس کی کچھ سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیے۔''

ماہ نور خود بہت ڈپریس رہنے لگی تھی۔ خوش نصیب کا خیال اس کے چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس کے اپنے کہے الفاظ اسے جینے نہ دیتے تھے۔ اس نے شامیر کے ساتھ آنے سے پہلے خوش نصیب کو کہا تھا کہ۔۔۔

''خوش نصیب! تم نے بہت برا کیا۔۔۔ جو کچھ تم نے کیا میرا وعدہ ہے خود سے کہ تمہیں اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ تم نے شامیر پر الزام لگایا۔۔۔ ہمارا رشتہ ختم کروانا چاہا اور جب یہ سب نہ کر پائی تو روشن امی کی جان لے لی۔۔۔ تمہیں میں تو کیا، خدا تمہیں ان سب کے لیے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں جا رہی ہوں خوش نصیب۔۔۔! زندگی نے اگر کہیں دوبارہ ہمارا سامنا کروایا تو مجھے پہچاننے کی غلطی مت کرنا۔۔۔ میں نے پندرہ دن پہلے ہی ماں کے ساتھ بہن کو بھی دفنا دیا ہے۔''

اور اب وہ خود بہن سے معافی مانگنے، اسے دیکھنے کے لیے ترس رہی تھی۔ بالآخر اس نے پاکستان واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا اور شامیر کو بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ شامیر کے لیے اس کے فیصلے سے انکار اب ممکن نہ رہا تھا۔ ناچار اس نے چپ چاپ اس کی فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ جلد ہی وہ لوگ پاکستان آ گئے تھے اور یہاں آ کر اسے خوش نصیب کی گمشدگی کی اطلاع ملی تھی۔ اس نے شامیر کے منہ سے ساری حقیقت گھر والوں کو بتلائی تھی۔ شامیر کے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کیا چارہ تھا سو سب سچ اگل دیا تھا۔ تایا اسے دھکے دے کر باہر پھنکوا دینا چاہتے تھے لیکن ماہ نور کی التجا پر اسے گھر میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ ویسے بھی وہ اپنے کمرے تک ہی محدود رہتے تھے۔ صبر اور خدا سے معافی کے سوا ماہ نور اور کیا کر سکتی تھی۔ پاکستان آنے کے تین ماہ بعد اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا جو پیدائشی طور پر آنکھوں سے محروم تھا۔

''شامیر کی اولاد ایسی ہی ہو سکتی تھی۔'' اس نے پہلی بار اپنے بیٹے کو گود میں لے کر سوچا تھا اور پھر بہتی آنکھوں کے ساتھ اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

یہ اگلے دن کی بات ہے۔ وہ لوگ آئے کت کو فلک بوس میں ڈھونڈتے رہے تھے لیکن وہ نہیں ملی تھی۔ امید تھی کہ وہ خود ہی سامنے آ جائے گی اس لیے وہ لوگ تھک ہار کر اس کا انتظار کرنے بیٹھ گئے تھے۔

ان تینوں کے سامنے ہی ''اب آگے کیا کرنا چاہیے؟'' ایک بڑے سوالیہ نشان کی طرح موجود تھا جس کا جواب دینے سے وہ

تینوں ہی قاصر تھے۔ پولیس کو انوالو کرنے کا رسک وہ لے تو لیتے لیکن سوال یہ تھا کہ پولیس معاویہ اردشیرازی جیسے انسان پر ہاتھ ڈالنے کو تیار ہو گی۔ پھر وہ منفرا کا شوہر تھا اور منفرا کے لیے یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا۔

آئے کت کی ذہنی حالت بھی ایک بڑا مسئلہ تھی۔

ایک ذہنی مریضہ کی بات پر کون یقین کرتا۔۔۔؟

منفرا نے ایک فیصلہ کر کے اگلے دن ڈاکٹر ریمنسن سے رابطہ کیا تھا۔ ڈاکٹر ریمنسن وہ واحد انسان تھے جو اس وقت آئے کت کی ذہنی حالت کو سمجھنے میں اس کی مدد کر سکتے تھے۔ مشکل سے ہی سہی لیکن پروفیسر میسر آ گئے تھے۔

"پروفیسر مجھے آپ سے کچھ ہیلپ چاہیے تھی۔ اگر آپ کے پاس کچھ فرصت ہو تو۔۔۔ میں آپ سے ایک کیس ڈسکس کرنا چاہتی ہوں۔" منفرا نے ابتدائی کلمات کے بعد اصل مدعے پر آتے ہوئے کہا تھا۔ پروفیسر نے اسے باخوشی اجازت دے دی تھی۔

"پروفیسر میں آج کل پاکستان میں ہوں اور میں یہاں معاویہ کی فیملی میں ایک ایسی خاتون سے ملی ہوں جنہیں اپنی اصل شناخت یاد نہیں۔۔۔"

"عمر کیا ہے خاتون کی؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"ان کی عمر بمشکل تیس پینتیس سال ہے۔" منفرا نے اندازے سے بتایا۔

"ٹھیک ہے آگے بتاؤ۔۔۔"

"مسئلہ صرف یہ نہیں کہ وہ اپنی اصل پہچان بھول چکی ہیں مسئلہ یہ ہے کہ وہ خود کو ایک ایسی مردہ عورت سمجھتی ہیں جو شاید حقیقت میں کبھی موجود ہی نہیں تھی۔ یہاں ایک عورت کی کہانی سنائی جاتی ہے جسے ڈیڑھ سو سال پہلے قتل کر دیا گیا تھا۔ اب معاویہ کی ان عزیزہ کا کہنا ہے کہ وہ اصل میں وہ عورت ہیں جسے قتل کیا گیا اور وہ ایک بدروح کے طور پر یہاں زندگی گزار رہی ہیں۔" منفرا تفصیل بتا کر خاموش ہو گئی تھی۔

"انٹرسٹنگ۔۔۔" ڈاکٹر ریمنسن نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا تھا۔ "کتنا عرصہ ہو چکا ہے ان کی اس حالت کو؟"

"کم از کم آٹھ سے دس سال۔۔۔ علاج بھی کرواتے رہے ہیں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اور مجھے پرسنلی یہ کوئی نارمل ذہنی بیماری نہیں لگتی۔" منفرا نے بیچارگی سے کہا تھا۔

"دیکھو میرے بچے۔۔۔! اس دنیا میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔" پروفیسر نے کہنا شروع کیا۔ "جب دنیا میں پہلے انسان کو کینسر ہوا ہو گا تو یقیناً دنیا ہکا بکا رہ گئی ہو گی۔ جبکہ اب یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اکثر سننے اور دیکھنے کو ملتی ہے اور اکثر ملکوں میں کامیابی سے اس کا علاج بھی کر لیا جاتا ہے۔

پروفیسر سانس لینے کو رکے تھے۔

"بالکل ایسے ہی دماغی بیماریوں میں بھی ہوتا ہے۔ عقل کو حیران کر دینے والی ایسی ایسی بیماریاں سننے اور دیکھنے کو ملتی ہیں کہ انسان حیران رہ جائے۔ ممکن ہے کہ تمہاری عزیزہ بھی ایسی ہی کسی بیماری کا شکار ہوں۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے پروفیسر کہ یہ کون سی بیماری ہوسکتی ہے؟ سپلٹ پرسنیلیٹی ((یعنی دوہری شخصیت)) ڈس اورڈر کے بارے میں تو میں بھی جانتی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انہیں یہ بیماری ہو؟"

"بالکل ممکن ہے۔۔۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ والکنگ کورپس سینڈروم کا شکار ہوں۔" پروفیسر لمحہ بھر کو رکے تھے پھر انہوں نے پوچھا تھا۔"اس بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"نہیں پروفیسر۔۔۔" شرمندہ سا جواب آیا تھا۔

"اس بیماری کو کورٹڈ ڈیلیوژن بھی کہا جاتا ہے۔ اگر آسان لفظوں میں بیان کروں تو یہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں انسان خود کو مردہ سمجھنے لگتا ہے یا اسے لگنے لگتا ہے کہ اس کے جسم کے کچھ اندرونی اعضا موجود نہیں ہیں۔ مثلاً دماغ، معدہ یا پھیپھڑے وغیرہ۔۔۔ اس صورتحال میں اگر وہ خود کو مردہ سمجھنے لگے تو وہ دنیا سے کٹ کر رہنے لگتا ہے۔ اسے مردہ خانوں اور قبرستانوں میں وقت گزارنا اچھا لگنے لگتا ہے۔ اور اگر اسے اپنے کسی جسمانی اعضا کی کمی کا احساس ہونے لگے تو وہ نارمل کام کرنا چھوڑ دے گا۔ مثال کے طور پر اگر کسی مریض کو لگے کہ اس کا معدہ نہیں ہے تو وہ کھانا چھوڑ دے گا اور اس کا نتیجہ خوراک کی کمی اور بعد میں موت کی صورت ہی نکلے گا۔ تم یوں سمجھو کہ انسان زومبی بن جاتا ہے اس بیماری میں۔۔۔

اسے سائے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ وہ قبرستانوں میں جا کر رہنا پسند کرنے لگتا ہے۔ زندہ انسانوں سے کٹنے لگتا ہے۔ ان کے دماغ انسانی چہروں کو پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے مسئلے ہیں جو اس بیماری کے ساتھ اٹھتے ہیں۔

یہ ایک نہایت بھیانک لیکن بہت کم پائی جانے والی بیماری ہے جس کی وجہ عموماً شدید ڈپریشن سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ خاتون کسی ڈپریشن کا شکار رہی ہیں۔۔۔؟" انہوں نے رک کر سوال کیا تھا۔

"شاید۔۔۔" منفرا کے پاس سہی جواب خود بھی موجود نہیں تھا تو انہیں کیا بتاتی۔

اس کا دل یہ سب سن کر مزید بوجھل ہو گیا تھا۔ ایک جیتے جاگتے انسان کو معاویہ نے کیا بنا دیا تھا۔

"حتمی طور پر تو ان خاتون کی بیماری بتا پانا مشکل ہے منفرا۔۔۔! لیکن تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاتون کسی ایسے ہی مسئلے کا شکار ہو چکی ہیں۔ اگر تم انہیں اپنے ساتھ نیویارک لا سکتی ہو تو لے آؤ۔۔۔ ان کے کمپلیٹ چیک اپ کے بعد ضرور کوئی حتمی رائے دی جا سکتی ہے۔" پروفیسر نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"میں کوشش کروں گی پروفیسر کہ انہیں ساتھ لے کر آسکوں۔۔۔ اگر ایسا کوئی سلسلہ بن سکا تو میں ضرور آپ کو انفارم کر دوں

http://kitaabghar.com

گی۔'' منفرا نے کہا تھا۔

شکریہ اور اختتامی جملوں کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی۔

وہ اپنا اگلا لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف تھی جب کیف دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوا تھا۔

''مسز معاویہ! اگر آپ فارغ ہیں تو میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر اجازت چاہی تھی۔

''ہاں ضرور۔۔۔ اندر آ جاؤ۔۔۔ خوش نصیب کہاں ہے؟'' اس نے اجازت دینے کے ساتھ ہی پوچھا تھا۔

''وہ کچن میں کھانا تیار کر رہی ہے۔'' کیف دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر آ گیا تھا۔ منفرا نے اسے بیٹھنے کا اشرہ کیا تو وہ منفرا کے سامنے والے صوفے پر ٹک گیا۔

''مسز معاویہ! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ پرسوں رات آپ کے سامنے آیا ہے اس پر یقین کرنا بہت مشکل ہے لیکن یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔''

اس نے تمہید کے بغیر بات شروع کی تھی۔ وہ بہت نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''اس سارے معاملے کو اگر ایسا ہی چلنے دیا گیا تو یقیناً ہم بھی مجرم کہلائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں پولیس کو انفارم کر دینا چاہیے۔''

منفرا تڑپ کر اس کی جانب مڑی تھی۔

''کیف پلیز۔۔۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولی تھی۔

''پولیس کو انفارم کیے بغیر اس معاملے کا حل ہونا ناممکن ہے۔۔۔ اور کم از کم میں اس معاملے میں خاموش نہیں رہ سکتا۔'' کیف نے ابھی بھی اپنے لہجے کو نرم ہی رکھا تھا۔

''تم مجھے کچھ وقت دو۔۔۔ میں کوئی بہتر سولیوشن ڈھونڈ لوں گی۔'' منفرا بولی۔

''وقت۔۔۔؟ وقت ہی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔ اگر مسٹر معاویہ واپس آ گئے تو وہ کبھی بھی اس حقیقت کو سامنے آنے نہیں دے گا۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا مسز معاویہ! کہ آپ کے شوہر نے ایک غلط کام کیا ہے۔۔۔'' کیف خفگی سے بولا۔

''مگر وہ حق پر تھا۔۔۔ اس کے بھائی کو قتل کیا گیا تھا۔''

''قتل نہیں خود کشی۔۔۔'' کیف بدلحاظی سے بولا تھا۔ ''اور دنیا کی کوئی عدالت انہیں قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا حق نہیں دیتی ہے۔''

''اسے اس حد تک لانے والی آئے کت ہی تھی کہ وہ خودکشی کر لیتا۔''

''اور میرا ذاتی خیال ہے کہ دس گیارہ سال کی قیدِ تنہائی ور غلانے کی سزا کے طور پر کافی ہے۔۔۔''

”کیف تم میری بات سمجھ نہیں رہے ہو۔۔۔ہمیں کم از کم ایک بار معاویہ کو اپنی بات کہنے کا موقع دینا چاہیے۔۔۔“

”سمجھنے کی ضرورت فی الحال مجھے نہیں آپ کو ہے۔۔۔اگر یہ بات صرف آئے کت کہتی تو شاید میں بھی آپ کی بات سے اتفاق کرتا۔۔۔لیکن نہیں۔۔۔یہ بات صرف آئے کت نے ہی نہیں بلکہ کبیر خان نے بھی اس کے بیان کی مکمل پیروی کی ہی۔۔۔آپ آئے کت کی حالت دیکھ چکی ہیں۔اس کی دماغی حالت آپ کے سامنے ہے۔اور مزید اس معاملے کو لٹکانا معاویہ اردشیرازی کے جرم سے نظر چرانے کے مترادف ہے۔۔۔اور میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔“ کیف حتمی لہجے میں بولا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے معاویہ تمہیں یہ سب کرنے دے گا؟ پولیس کو انوالو کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیف۔۔۔معاویہ کے فادر اتنے اپروچ فل ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہونے دیں گے۔۔۔سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔معاویہ کے لیے پولیس کو اپنے حق میں کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔اور اس کے بعد تمہارا کیا ہوگا؟ کیا یہ لوگ تمہیں ایسے ہی چھوڑ دیں گے؟ نہیں بالکل نہیں۔۔۔تمہاری یہ غلطی تم پر ہی بھاری پڑے گی کیف۔۔۔اور صرف تم ہی نہیں اس بات کا خمیازہ آئے کت کو بھی موت کی صورت بھگتنا پڑ سکتا ہے۔سب سے بڑھ کر پاکستان کی عدالت کیا کسی ذہنی مریض کی چارہ جوئی کرے گی؟ یہاں تو نارمل لوگوں کو انصاف نہیں مل پاتا۔۔۔آئے کت کو کیسے انصاف دلاؤ گے تم؟“

وہ پھٹ پڑی تھی۔کیف نے خود کو لاچار محسوس کیا۔اس ساری حقیقت سے وہ خود بھی واقف تھا لیکن دل میں موجود اس ہمدردی کا کیا کرتا جو اسے کچھ کرنے پر اکسا رہی تھی۔

”تو آپ چاہتی ہیں کہ جو جیسے چل رہا ہے چلنے دیں۔۔۔مسز معاویہ۔۔۔!وہ لڑکی پچھلے دس سال سے یہاں بند ہے اور ایسی حالت میں کہ وہ اپنی اصل شناخت تک بھول چکی ہے۔یہ ظلم ہے۔۔۔بہت بڑا ظلم۔۔۔دوسری بات یہ کہ آپ بھول رہی ہیں کہ میں صحافی ہوں۔۔۔اور میڈیا کی طاقت کو آپ نظرانداز نہیں کر سکتیں۔“اس نے جیسے بے بس ہو کر اپنا آخری ہتھیار نکالا تھا۔

منفرا نے سر تھام لیا۔وہ کیف کو اپنا پوائنٹ سمجھا نہیں پا رہی تھی اور یہ بات اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

”کیف۔۔۔!اگر یہ بات سامنے آئی تو اور بہت سے کھاتے کھل جائیں گے۔سب سے پہلے آئے کت خود دوسامہ کے قتل کے کیس میں قصوروار ٹھہرائی جائے گی۔۔۔اور تم اچھے سے جانتے ہو کہ جو کہانی وہ سناتی ہے اس میں قاتل وہ خود ہی ہے۔میں ایسا نہیں چاہتی کیونکہ جو کچھ وہ بھگت چکی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔۔۔وہ ذہنی مریض بن چکی ہے۔اسے اپنا کیا گیا جرم خود بھی اپنے حوالے سے یاد نہیں۔میں نہیں جانتی کہ یہ سہی ہے یا غلط لیکن میں نیک نیتی سے اسے مزید کسی مشکل میں پھنسائے ان حالات سے نکالنا چاہتی ہوں۔لیکن تمہاری جذباتیت ایسا نہیں ہونے دی گی۔“ منفرا نے بے بسی سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

خوش نصیب کچن میں کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔اس کا ذہن اس وقت مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ایک طرف اسے آئے کت کی فکر ستا رہی تھی تو دوسری طرف اسے آئے کت سے زیادہ منفرا پر ترس آ رہا تھا۔پھر سب سے بڑھ کر اس کا ذہن ماہ نور کی جانب سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

ہنڈیا بھوننے کے بعد وہ وہاں شیلف کے پاس ہی اپنی سوچ میں گم کھڑی رہی تھی۔

ایک انسان جسے آپ سب سے زیادہ چاہتے ہوں اور آپ کو لگتا ہو کہ آپ سے زیادہ اسے کوئی نہیں جانتا اور پھر اچانک آپ کو پتا چلے کہ وہ تو صرف ایک دھوکا ہے اور آپ تو کبھی اسے جان ہی نہیں پائے تو اعتبار کیسے مجروح ہو کر رہ جاتا ہے یہ بات خوش نصیب اچھے سے جانتی تھی۔وہ منفرا کا دکھ محسوس کر سکتی تھی۔

آج سے کئی سال پہلے معاویہ اردشیرازی نے جب اسے شامیر کے چنگل سے نکلنے میں مدد دی تھی،خوش نصیب کو وہ بہت اچھا انسان لگا تھا۔اس کے دل میں بہت عزت تھی معاویہ کے لیے۔۔۔

حتیٰ کہ جب اس نے مدد کرنے سے منع کیا تب بھی خوش نصیب خود کو اس کی عزت دینے سے روک نہیں پائی تھی۔۔۔لیکن آج پہلی بار اسے عزت پر خوف اور نفرت کی دھند پھیل گئی تھی۔اسے شامیر اور معاویہ میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں ہی بدلا لینے کو کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔

وہ اپنی سوچ میں گم کھڑی تھی،جب کسی نے بہت آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

یہ حد تھی۔۔۔وہ اپنی جگہ سے بری طرح اچھلی اور کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔خوف کی شدت سے اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اور پیچھے کھڑے انسان کو دیکھ کر بھی وہ اگلے چند سیکنڈ خود کو نارمل نہیں کر پائی تھی کیوں کہ اس کے پیچھے آئے کت کھڑی تھی۔وہ پرسوں صبح کے بعد اسے اب دکھائی دی تھی۔اسی خوفزدہ کر دینے والے حلیے کے ساتھ۔۔۔

خوش نصیب کو خود کو یاد دلانا پڑا کہ وہ کوئی بد روح نہیں بلکہ جیتی جاگتی انسان ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

آئے کت نے اسے ڈرتے اور پھر ڈر کر اپنی جگہ سے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا۔اس کے چہرے پر بڑی خوشی بھری مسکراہٹ سمٹ آئی تھی جیسے کوئی معرکہ سر انجام دیا ہو۔۔۔

اور یہ مسکراہٹ اس کے چہرے کو مزید خوفناک بنا رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسکراہٹ ہنسی اور پھر قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''ڈر گئی؟ ڈر گئی نا۔۔۔؟ ہاہاہا۔۔۔ڈرنا چاہیے۔۔۔سب کو بد روح سے ڈرنا ہی چاہیے۔۔۔سب کو ایوشمتی سے ڈرنا چاہیے۔ہاہاہا۔۔۔ڈرتے ہوا اور پھر وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں روح نہیں ہوں۔۔۔میں انسان ہوں۔۔۔''

خوش نصیب نے اس کے لفظ لفظ کو بغور سنا تھا۔

وہ خفگی سے سر جھٹک کر رہ گئی۔اسے اپنے ڈرنے پر کچھ شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

تبھی خفگی سے بولی تھی۔''وہ لڑکا بالکل ٹھیک کہتا ہے۔۔۔تم انسان ہی ہو۔۔۔کوئی بدروح نہیں۔''

''جھوٹ بولتا ہے تم لوگ۔۔۔'' وہ چیخی۔۔۔اور اس کے چیخ کر بولنے پر خوش نصیب احتیاطاً مزید پیچھے ہوگئی تھی۔اس نے بات جاری رکھی۔

''بیوقوف ہو۔۔۔ میں ایوشمتی ہوں۔۔۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی۔۔۔ایک ایسا راز جسے کبھی کوئی جان ہی نہیں پایا ہے۔۔۔بستی کے لوگ ڈرتے ہیں مجھ سے۔۔۔میرے حوالے دیتے ہیں ایک دوسرے کو۔۔۔ اور میرے قصے سناتے ہیں یہاں آنے والوں کو۔۔۔'' آئے کت وہ باتیں دہرانے کی کوشش کر رہی تھی، جو معاویہ اکثر اس کے سامنے کہتا ہوتا تھا۔

''اور وہ سب قصے جھوٹ ہوتے ہیں۔۔۔''اب کی بار اس کے لہجے میں خفگی نہیں بلکہ سنجیدگی تھی۔

''تم انسان بہت بیواقوف ہو۔۔۔صرف اسی پر یقین کرتے ہو جو دکھائی دیتا ہے اور کبھی وہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے جو دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔''

وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولتی ہوئی یکدم جست لگا کر خوش نصیب کے قریب آ گئی تھی۔صرف یہاں تک ہوتا تو شاید خوش نصیب مزید بہادری کا مظاہرہ کر پاتی لیکن آئے کت نے اس کی بازو کو کلائی سے پکڑ لیا تھا۔

''میں انسان نہیں ہوں۔۔۔ میں ایوشمتی ہوں۔۔۔''وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تھی۔

یہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں دوسری بار تھا کہ ایک انسان اسے انسان ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسے غصہ آ رہا تھا اور اس کا غصہ اسے مزید چڑا رہا تھا۔

خوش نصیب نے بغور اس کی بات سنی، زور لگا کر اپنی کلائی چھڑوائی اور تیزی سے چند قدم دور ہوگئی۔

''سہی کہہ رہی ہو لیکن تم وہ انسان ہو جو دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو جو اصل میں موجود ہی نہیں ہے۔تم کوئی بدروح نہیں ہو۔۔۔تم آئے کت ہو۔۔۔''

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی ہوئی وہ آہستہ آہستہ کچن کے دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ارادہ تھا کہ کیف اور منفرا کو بلائے تاکہ کیف اسے پھر سے کمرے میں بند کر دے۔۔۔کم از کم تب تک، جب تک اس معاملے کا کوئی بہتر حل نہ نکال لیا جائے۔

''اور یہی سچ ہے۔۔۔ہم تمہیں دیکھ سکتے ہیں۔۔۔تمہیں چھو سکتے ہیں۔۔۔ہے نا؟'' اس کا لہجہ بتدریج نرم ہوتا چلا گیا تھا۔

آئے کت کی آنکھوں میں غصہ بڑھتا چلا جا رہا تھا اور یہی چیز خوش نصیب کو کسی حد خوفزدہ کر رہی تھی۔وہ وہاں اکیلی تھی اور اگر آئے کت اس پر حملہ کر دیتی تو وہ اکیلی کچھ بھی نہیں کر پاتی۔

''اچھا تو تمہیں لگتا ہے کہ میں انسان ہوں۔۔۔؟'' آئے کت نے اسٹینڈ میں پڑی ہوئی ایک بڑے سائز کی چھری کو ہاتھ میں لیا اور اس کی جانب مڑی۔

خوش نصیب کو اسی بات کا خطرہ تھا لیکن اسے یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ کرنے کیا والی ہے۔ اس نے چھری پکڑی اور بے دردی سے اپنی کلائی پر کٹ لگا لیا تھا۔خوش نصیب کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔

''دیکھا تم نے۔۔۔مجھے تکلیف نہیں ہوتی۔۔۔کیوں کہ میں انسان نہیں ہوں۔۔۔تم کر سکتی ہو ایسا۔۔۔؟ بولو۔۔۔''وہ چھری لے کر اس کی جانب بڑھی تھی۔

'لو پکڑو اسے۔۔۔''وہ قہقہے لگا رہی تھی۔

''تم کبھی ایسا نہیں کر سکتی کیوں کہ تم کمزور انسان ہو۔۔۔میں نہیں۔۔۔ہاہاہا۔۔۔''

وہ خوش نصیب کے خوفزدہ ہونے پر قہقہے لگا رہی تھی۔

خوش نصیب باہر کی جانب بھاگی تھی۔اس کا رخ منفرا کے کمرے کی جانب تھا۔

آمنہ ریاض کا خوبصورت ناول **دشت جنوں** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

وہ تینوں بھاگتے ہوئے کچن میں آئے تھے۔

وہ کچن میں نہیں تھی۔ کیف نے آتے ہی کچن کا کونہ کونہ چھان مارا تھا اور یہ ان تینوں کے لیے فکر کا مقام تھا۔

وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ مگر وہ وہاں نہیں تھی۔۔ وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے باہر ہال میں آ گئے تھے۔

اسی وقت منفرا کی نظر فلک بوس سے باہر جانے والے دروازے پر پڑی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا ایسے جیسے کوئی جاتے جاتے کھلا چھوڑ گیا ہو۔ منفرا کو نئی فکر نے گھیر لیا۔

''دروازہ کھلا ہوا ہے۔۔۔''

اس نے فکرمندی سے ان دونوں کا دھیان باہر کی جانب دلایا تھا۔ ''مجھے لگتا ہے کبیر بابا جاتے ہوئے کھلا چھوڑ گئے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آئے کت باہر چلی گئی ہو؟ باہر چیک کرنا چاہیے۔''

کیف نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور وہ تینوں تیزی سے باہر کی جانب بڑھے تھے۔

اسی لمحے جب وہ تینوں باہر کی طرف جا رہے تھے، کیف کی نظر صوفے کے پاس خون کے چند قطروں پر پڑ گئی تھی۔

آئے کت کی فکر میں وہ تینوں ہی پہلے اس خون کو دیکھ نہیں پائے تھے۔

کیف نے ان دونوں کو باہر کی جانب جانے دیا تھا اور خود رک کر خون کو دیکھنے لگا تھا۔

وہ صرف ایک قطرہ نہیں تھا۔ وہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گرنے والے قطروں کی پوری لائن تھی جو سیڑھیوں تک گئی ہوئی تھی۔

کیف بھاگتا ہوا سیڑھیوں کی طرف آیا تھا۔ خون کے قطروں کی وہ لائن اوپر کی طرف جا رہی تھی۔

کیف نے خود کو کسی بری صورتحال کے لیے تیار کیا اور ان دونوں کو بتائے بغیر اوپر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ دونوں کچھ ایسا دیکھیں جو انہیں مزید خوفزدہ کر دے۔

وہ دونوں بھاگتی ہوئی باہر آئی تھیں۔

ڈرائیو وے پر کھڑے ان کی نظر لان میں جہاں تک جاتی تھی، وہاں تک ان کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ مین گیٹ بھی بند پڑا تھا یعنی آئے کت فلک بوس کے اندر ہی موجود تھی۔

لیکن کہاں۔۔۔؟

ایک ہاتھ کمر پر ٹکائے اور دوسرے سے سر کو پکڑے منفرا بے حد فکرمندی سے لان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ پلک جھپکے اور آئے کت اس کے سامنے آ جائے۔

http://kitaabghar.com

کچھ ایسا ہی حال خوش نصیب کا بھی تھا۔اسے کچھ فکر یہ بھی تھی کہ اس کی باتوں سے ہی چڑ کر آئے کت نے خود کو کٹ لگایا تھا اور اگر اب وہ خود کو مزید نقصان پہنچاتی تو یقیناً اس کی ذمہ دار وہ خود ہی ہوتی۔

وہ دونوں اسے ڈھونڈتے ہوئے فلک بوس کے دائیں حصے کی جانب نکل آئیں تھیں۔

اپنے نام سے مشابہہ وہ قلعہ فلک بوس ان کے ساتھ،ان کے سامنے پوری شان سے کھڑا تھا۔

اس وقت جب منفرا مایوس ہو کر واپس جانے کو پلٹی تھی،اس نے غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا تھا اور اسے لگا پورا قلعہ فلک بوس اس کے سر پر آ گرا ہے۔

اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ ان خون کے قطروں کا پیچھا کرتے ہوئے کتنی بار سیڑھیاں چڑھا تھا۔اسے اس وقت صرف یہ معلوم تھا کہ اسے آئے کت کو بچانا تھا۔۔۔ ہر حال میں۔۔۔لیکن خون کے بڑھتے ہوئے قطرے اسے خوفزدہ کر رہے تھے۔جس قدر خون اس کے جسم سے بہہ چکا تھا،کیف کو لگا کہ وہ شاید اسے زندہ حالت میں نہیں ڈھونڈ سکے گا۔۔۔لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔

وہ خون کے قطرے ایک ٹیرس پر جا کر ختم ہوئے تھے۔

اور وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔۔۔

اپنے پیروں پر۔۔۔زندہ سلامت۔۔۔

بس دو تین مسئلے تھے۔۔۔

اس کی بازو سے ابھی بھی خون بہہ رہا تھا۔۔۔

اس کا چہرہ خطرناک حد تک زرد تھا۔۔۔اور۔۔۔

وہ ٹیرس کی دیوار کے اوپر کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ اپنے بازو پھیلائے۔۔۔

وہ ٹیرس فلک بوس کی تیسری منزل کا حصہ ہے یا چوتھی۔۔۔وہ اندازہ نہیں کر پائی۔اس لمحے اگر وہ کچھ جانتی تھی تو وہ یہ کہ اس ٹیرس کی ایک دیوار پر آئے کت ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔وہ اتنی اونچائی پر تھی کہ منفرا کو خوف کی شدت سے اپنا خون جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔پتھر کے بت کی طرح وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

خوش نصیب نے جو اسے اوپر کی جانب تکتا پا کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا تھا اور کچھ ویسی ہی حالت اس کی بھی ہوئی تھی جیسی منفرا کی تھی۔دونوں ہی سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ اس وقت انہیں کیا کرنا چاہیے۔پھر اس دیوار کے دوسرے کونے کے پاس انہوں نے کیف کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔

سکون کا سانس آنا۔۔۔پہلی بار ان دونوں پر اس جملے کا اصل مطلب واضح ہوا تھا۔

"کیف وہاں پہنچ گیا ہے۔۔۔اس کے پاس۔۔۔اور اب وہ بچ جائے گی۔" پہلی بات جوان دونوں کے دماغ میں آئی تھی وہ یہی تھی۔

اتنی دور سے بھی وہ دیکھ سکتی تھیں کہ آئے کت کے سفید لبادے پر جگہ جگہ خون لگا ہوا تھا۔اسے اپنی کلائی کاٹے کم از کم بیس منٹ گزر چکے تھے۔اس کا مطلب یہی تھا کہ اس کے جسم کا زیادہ تر خون ضائع ہو چکا تھا اور پھر بھی وہ اپنے پیروں کھڑی تھی۔منفرا کو حیرت ہوئی تھی۔اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ آئے کت کی حالت کو کس بیماری کا نام دے۔

"آ گئے تم۔۔۔تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی میں۔۔۔" آئے کت نہ صرف اسے دیکھ چکی تھی بلکہ اسے دیکھ کر اب مسکرا بھی رہی تھی۔

کیف کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی تھی۔وہاں بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور آئے کت کے ڈگمگاتے قدم اسے پریشان کر رہے تھے۔وہ غیر محسوس انداز میں آگے بڑھنے لگا جب وہ بولی تھی۔

"آگے مت آؤ۔۔۔تمہیں لگتا ہے میں گر جاؤں گی؟" اس نے سوال کیا تھا پھر ہنسی تھی۔"ایسا کچھ نہیں ہوگا اور اگر ہوا بھی تو کیا۔۔۔ تم جانتے ہو میں مر نہیں سکتی۔۔۔ایوشمتی نہیں مر سکتی۔۔۔"

وہ اب ڈگمگاتے ہوئے دیوار پر چلنے لگی تھی۔

ان دونوں نے اسے اپنی جگہ سے ہلتے دیکھا تھا مگر وہ دیوار سے اتری نہیں تھی بلکہ وہ اب آگے کو بڑھ رہی تھی۔اس کا رخ فلک بوس کے اگلے حصے کی طرف تھا۔وہاں ہوا بہت تیز تھی اور اس کا ہوا سے پھڑپھڑاتا ہوا لبادہ اس کام میں رکاوٹ کا باعث بن رہا تھا۔اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ وہ دونوں اتنی دور کھڑے بھی محسوس کر سکتی تھیں۔

منفرا کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ چلنے کے ساتھ ساتھ کچھ بول بھی رہی تھی۔شاید وہ کیف سے بات کر رہی تھی لیکن اس کے الفاظ وہ یہاں کھڑے سن نہیں سکتی تھی۔

"آخر کیف اسے نیچے کیوں نہیں اتار رہا۔۔۔" منفرا نے خوش نصیب کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنی تھی لیکن فی الحال اس میں جواب دینے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ایوشمتی نہیں مر سکتی۔۔۔مگر تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟ دیوار سے نیچے اتر آؤ۔۔۔ مجھے تمہاری بات پر پورا یقین ہے تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا۔" کیف نے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے پیچھے مڑ کر کیف کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

"دھیان سے۔۔۔" کیف نے چیخ کر کہا تھا۔

آئے کت ہنس پڑی۔۔۔

''تمہارا عمل تمہارے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہا لڑکے۔۔۔ تم ابھی بھی اس بات سے ڈر رہے ہو کہ میں نیچے گر کر مر جاؤں گی۔۔۔ مگر مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

کیف کو اس ''یقین'' سے خوف آیا تھا۔

''نن۔۔۔نہیں۔۔۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔۔۔ پورا یقین ہے۔۔۔''

''تمہارے ساتھ جو لڑکی تھی اسے نہیں ہے۔۔۔۔ مجھے اسے یقین دلانے دو۔۔۔''

''وہ۔۔۔ وہ بیوقوف ہے۔۔۔ اس کی بات مت سنو۔۔۔''

آئے کت نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ابھی بھی اپنے پرانے مشغلے میں مصروف تھی۔۔۔

اور اگر اس طرح دیوار پر چڑھ کر وہ انہیں ڈرانا چاہتی تھی تو وہ پوری طرح کامیاب رہی تھی۔۔۔

وہ لوگ ڈر چکے تھے۔۔۔

ایو شمتی سے نہیں۔۔۔

آئے کت سے۔۔۔

وہ چلتے چلتے فلک بوس کے اگلے حصے تک آ گئی تھی۔ اس کے چہرہ پہلے سے زیادہ زرد ہو چکا تھا۔ آنکھیں بوجھل تھی اور چلتے ہوئے ٹانگیں کانپنے لگی تھیں مگر وہ کیف کی منتوں کے باوجود دیوار سے نیچے آنے کو راضی نہیں ہو رہی تھی۔

یہ فلک بوس کا اگلا حصہ تھا جس کی دیوار پر وہ کھڑی تھی۔ نیچے کھڑی منفرد اور خوش نصیب مسلسل اس کی خیریت کی دعا مانگ رہے تھے۔

''سنو۔۔۔ اگر تم میری بات مانو گی۔۔۔ اور دیوار سے ابھی نیچے آ جاؤ گی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر لگے سب الزام سب کے سامنے لاؤں گا۔۔۔ اور سب کو بتاؤں گا کہ قصور تمہارا نہیں بلکہ آئے کت کا تھا۔۔۔۔ اور یہ کہ تم بے قصور ہو۔۔۔'' کیف نے آخری حربے کے طور پر کہا تھا۔

وہ اس کے قریب آ گیا تھا لیکن اسے پکڑ کر دیوار سے اتار لینے میں تامل کا شکار تھا۔ ذرا سا بھی جھٹکا لگنے سے وہ نیچے گر سکتی تھی۔

آئے کت نے اس کی طرف دیکھا۔ کیف کو اس کی آنکھوں میں عجیب سی تکلیف نظر آئی تھی۔۔۔ ایسی تکلیف جو بازو پر لگے کٹ کی صورت میں بھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔

''مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔۔۔'' اس نے سر جھٹکا تھا۔ دماغ میں چاہتی ہوئی نقاہت اب اسے پریشان کرنے لگی تھی۔ ''مگر ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو میں نیچے آ جاتی ہوں۔۔۔''

آئے کت نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے نیچے اترنا چاہا تھا۔ کیف تیزی سے اس کی مدد کے لیے آگے بڑھا تھا مگر اس سے پہلے

ہی وہ نیچے اتر چکی تھی۔۔۔بس وہ یہ بھول گئی تھی کہ اسے چھت کی طرف اترنا تھا۔۔۔نہ کہ نیچے باغ کی طرف۔۔۔

منفرا اور خوش نصیب نے دیکھا آئے کت نے اپنا رخ باغ کی طرف موڑ لیا تھا۔دوسرے ہی لمحے ہوا میں ایک سفید کپڑا لہرایا۔ چند سیکنڈ کا کھیل تھا اور وہ کپڑا ایک ناتواں وجود لیے ڈرائیو وے پر آ گرا تھا۔

خوش نصیب نے اپنی چیخیں روکنے کے لیے اپنے منہ کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں سے دبا لیا تھا۔منفرا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے پڑے خون آلودہ وجود کو دیکھ رہی تھی۔اوپر کھڑا کیف نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے ہوئے نیچے دیکھا اور اذیت سے آنکھیں بھینچ لیں۔۔۔

جس وقت آئے کت کا جسم زمین سے ٹکرایا،اسی وقت فلک بوس کا مین گیٹ خودکار انتظام کے تحت کھلا اور معاویہ کی جیپ فراٹے بھرتی ڈرائیو وے پر آ کر رکی تھی۔اردشیر ازی،معاویہ اور پاشا نے اپنی آنکھوں سے آئے کت کو نیچے گرتے اور پھر اس کے سر کو کئی حصوں میں بٹتے دیکھا تھا۔

معاویہ گاڑی سے باہر نکل آیا۔اس کے قدم اس وجود کی طرف بڑھے تھے جس نے اس سے اسکا بھائی چھینا تھا۔۔۔اوہ وجود جس سے اس نے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کی تھی۔۔۔اور شاید محبت بھی۔۔۔

وہ گھٹنوں کے بل اس کے پاس جا بیٹھا۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر آئے کت کی لاش کے پاس زمین پر جا گرا۔

بالآخر انتقام کا سفر اختتام کو پہنچا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

ہم دشتِ جنوں کے سودائی۔۔۔!

ہم گردِ سفر،ہم نقشِ قدم

ہم سوزِ طلب،ہم طرزِ فغاں

ہم حیرت وحسرت،یاس وعالم

ہم دشتِ جنوں کے سودائی۔۔۔!

یہ دشتِ جنوں،یہ پاگل پن

یہ پیچھا کرتی رسوائی

یہ رنج وعالم،یہ حزن وملال

یہ نالۂ شب، یہ سوزِ کمال

دل میں کہیں بے نام چبھن

اور حدِ نظر تک تنہائی

ہم دشتِ جنوں کے سودائی۔۔۔!

اب جان ہماری چھوٹے بھی

یہ دشتِ جنوں ہی تھک جائے

جو روح و بدن کا رشتہ تھا

کئی سال ہوئے وہ ٹوٹ گیا

اب دل کی دھڑکن رک جائے

اب سانس کی ڈوری ٹوٹے بھی

ہم دشتِ جنوں کے سودائی۔۔۔!

منفرا نے اسے آئے کت کی تدفین کے چوبیس گھنٹوں بعد دیکھا تھا جب وہ تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ کمرے میں آیا تھا اور سر جھکا کر صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ اس کے ہر ہر انداز سے تھکن اور دکھ جھلک رہا تھا۔

وہ اور پاشا اسے قبرستان میں وسامہ کے برابر دفنا آئے تھے۔ اس کے جنازے میں صرف چار لوگ موجود تھے۔ وادی تک اطلاع جانے ہی نہیں دی گئی تھی حتیٰ کہ پولیس سے بھی اس معاملے کو چھپا لیا گیا تھا۔ کیف کو اس معاملے میں کس مشکل سے چپ کروایا گیا تھا یہ بالکل الگ داستان تھی۔ اردشیر ازی نے اسے دھمکیاں دی تھیں اور وہ چاہ کر بھی پولیس کے پاس نہیں جا سکا تھا۔ اسے اپنی جان کی تو کوئی خاص پرواہ نہیں تھی لیکن خوش نصیب کی وجہ سے خاموشی اختیار کرنا اس کی مجبوری بن گیا تھا۔ قصہ مختصر کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی تھی کہ کوئی دس سال تک فلک بوس میں قید رہنے کے بعد چپ چاپ مر گیا تھا۔

اور اب وہ اس کے سامنے تھا۔۔۔

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی۔ اس نے مڑ کر بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا اور پھر دوبارہ باہر دیکھنے لگی تھی۔

"تم۔۔۔ مجھ سے۔۔۔ کچھ پوچھنا چاہتی ہو۔۔۔؟" کچھ دیر بعد معاویہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا مجھے کچھ پوچھنا چاہیے۔۔۔" منفرا نے مڑے بغیر کہا تھا۔

معاویہ خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس اپنے کسی عمل کی صفائی نہیں تھی یا شاید وہ دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے نزدیک وہ حق پر تھا۔ اس کے چہرے پر دکھ ہی دکھ تھا۔

"تو اسی لیے مجھے فلک بوس میں اکیلے گھومنے پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ میں بھٹک جاؤں گی بلکہ مسئلہ یہ تھا

کہ کہیں میں فلک بوس کی سب سے بڑی سچائی تک نہ پہنچ جاؤں۔۔۔کہیں میں تمہاری اصلیت نہ جان لوں معاویہ۔۔''

''تم کیا بول رہی ہو منفرا۔۔۔میری اصلیت؟ کیا ہے میری اصلیت۔۔۔؟''معاویہ نے حیرانی سے کہا تھا۔

منفرا کو اس کی بے خبری پر غصہ آیا تھا۔

''خود کو اتنا لاعلم اور معصوم ظاہر نہ کرو معاویہ۔۔۔!میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے ظالم اور بے حس ہو سکتے ہو۔تم نے ایک جیتے جاگتے انسان کو یہاں قید رکھا حتیٰ کہ اس نے خود کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔۔۔اور تم ابھی بھی خود کو حق پر کہتے ہو۔۔۔'' اس کے انداز میں افسوس ہی افسوس تھا۔

منفرا آنکھوں میں دکھ سمیٹے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔یہ وہ معاویہ نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔یہ تو کوئی اور ہی تھا جس کے نزدیک اپنا کیا ہوا ظلم ہی ٹھیک تھا۔

''تم جانتے ہو معاویہ کہ اسے حبس بے جا میں قید رکھنے پر تم خود مجرم بن چکے ہو۔۔۔وہ تمہاری وجہ سے ذہنی مریض بنی۔۔۔اور اس نے خودکشی کر لی۔۔۔اور''

معاویہ نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی تھی۔

''یہی سب۔۔۔یہی سب اس نے میرے بھائی کے ساتھ کیا تھا۔اسے ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ اسے اتنا پاگل کر دیا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے لی۔

تم جانتی ہو کہ اپنے اکلوتے رشتے کو کھو دینا کیسا ہوتا ہے۔۔۔اس دنیا میں اگر مجھے کوئی خود سے زیادہ عزیز تھا تو وہ وسامہ تھا منفرا۔۔۔کتنا چاہتا تھا وہ اسے۔۔۔کس قدر محبت کرتا تھا اس سے۔۔۔اور اس نے کیا کیا۔۔۔ اس نے اسی کی جان لے لی۔۔۔صرف دولت اور خوبصورتی کے لیے۔۔۔یہ مجھ سے مانگتی دولت۔۔۔میں نہ دیتا تو کرتی یہ سب۔۔۔مگر اس نے تو مجھ سے میرا اکلوتا رشتہ ہی چھین لیا اپنی خوشی کے لیے۔۔۔''

منفرا نے دیکھا کہ معاویہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اسے تکلیف ہوئی تھی اس کے آنسوؤں سے۔

''معاویہ!تم۔۔۔تم پولیس کے پاس جاتے۔۔۔عدالت سے مدد لیتے۔۔۔تمہارے پاس ریسورسز تھے۔۔۔تم انصاف حاصل کر سکتے تھے۔مگر تم نے تو خود کو ہی گناہ گار کر لیا۔۔۔''

''دنیا کی کوئی عدالت اسے ایسی سزا نہ دیتی جس سے وہ روز مرتی روز جیتی۔۔۔دنیا کی کوئی عدالت اسے ایسی سزا نہ دیتی جس سے وہ، وہ تکلیف محسوس کر سکتی جس سے میرا بھائی گزرا تھا۔۔۔اور مجھے اسی درد سے گزارنا تھا۔میرے لیے مشکل نہیں تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے جان سے مار دیتا۔۔۔مگر میں اسے اس اذیت کا پتہ کیسے دیتا جو میرے بھائی کو ہوئی تھی۔۔۔جو مجھے ہوئی تھی۔میں نے اسے

صرف ایک ماہ میں وہ سب سبق پڑھا دیے جن کا عکس دس سال گزرنے کے بعد بھی اس کے دماغ پر قائم رہا۔" اس کو اپنے کیے پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں تھا۔

"اور عدالت تو صرف آئے کت کو سزا دیتی۔۔۔اس کے ساتھ دینے والوں کو تو کوئی سزا نہ ملتی۔۔۔پاشا۔۔۔بابا کبیر۔۔۔ان سب کو کیسے سزا ملتی ان کے کیے کی۔۔۔میں نے ان سب کو سزا دی۔۔۔ساری زندگی کے لیے ان سب کو ان دیکھی زنجیروں میں قید کر دیا۔میرے بھائی کے قاتل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان دیکھی قید میں قید رہے۔۔۔"

"تم مجھے یہاں کیوں لاتے تھے۔۔۔؟ کیا اسے دیکھانے کے لیے۔۔۔؟"

منفرا کو عجیب کراہیت محسوس ہوئی تھی معاویہ کی باتوں سے۔۔۔وہ آئے کت کو سزا دینے کے لیے اس کو استعمال کرتا رہا تھا۔

معاویہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں کسے اور کیا دکھانا چاہتا تھا؟"

"کیا تم اس سے محبت کرتے تھے معاویہ؟" وہ بس یہی پوچھ پائی تھی۔اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا کہ معاویہ صرف اپنے بھائی کی وجہ سے اس حد تک چلا گیا تھا۔

معاویہ نے جواب نہیں دیا تھا۔اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔

"میں پہلے ہی بہت پریشان ہو منفرا۔۔۔میری پریشانی میں اضافہ مت کرو۔"اس کے لفظ سخت لیکن لہجہ بیچارگی بھرا تھا۔

"مجھے جواب چاہیے معاویہ۔۔۔"وہ چیخ اٹھی تھی۔

"ہاں میں کرتا تھا اس سے محبت۔۔۔وسامہ کی موت کے بعد میں اس سے محبت کرنے لگا تھا۔۔۔مگر جس دن مجھے اس کی حقیقت معلوم ہوئی، میں نے اس سے زیادہ نفرت کسی سے نہیں کی۔"وہ ویسے ہی آنکھیں موندے جواب دے رہا تھا۔"تم جانتی ہو منفرا نفرت کا رشتہ محبت کے رشتے سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔اور جب آپ اس رشتے کو کھو دیتے ہو تو آپ خود بھی ٹوٹ جاتے ہو۔۔۔خود کو کھو دیتے ہو۔۔۔"وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

منفرا اس کی شکل دیکھتی رہی۔۔۔اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔

وہ چاہ کر بھی معاویہ کو کہہ نہیں پائی کہ نفرت اور محبت تو ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔یہ تو انسان اور اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ آپ کس پہلو کو چنتے ہو۔

"مگر منفرا۔۔۔! مجھے سکون تو ابھی بھی نہیں ملا۔۔۔یہ سب کر کے بھی میرا سکون غائب ہے۔۔۔میرا دل مجھ سے ہی خفا ہے۔۔۔مجھے بتاؤ منفرا کہ میں کیا کروں کہ مجھے سکون مل جائے۔۔۔تمہیں پانے کے بعد جب میں کچھ پرسکون ہوا تو وہ کیوں لوٹ کر

واپس آئی؟ کیوں میرے سکون کی دشمن بن گئی پھر سے۔۔۔"

اس کی ہچکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں اور منفرا کو ان ہچکیوں کے درمیان اپنا سکون کھوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"لوٹ کر واپس آئی؟" منفرا بڑبڑائی تھی۔ اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ اس جگسا پزل کے کچھ حصے ابھی بھی غائب تھے۔ کہانی وہ نہیں تھی جو اسے بتائی گئی تھی۔

"کب آئی تھی وہ یہاں؟ تمہاری کیا بات ہوئی اس سے؟" معاویہ نے اپنی شرٹ کی آستین سے ہی اپنی آنکھیں پونچھی تھیں۔

"وہ تو۔۔۔ دس سال سے یہاں ہی تھی معاویہ۔۔۔؟ تم نے اسے یہاں قید کر رکھا تھا۔۔۔۔ ہے نا؟" منفرا نے رک رک کر پوچھا تھا۔ انداز ایسا جیسے خود بھی کنفیوژ ہوگئی ہو۔

"تمہیں میں پاگل نظر آتا ہوں؟" معاویہ نے درشتگی سے بولا تھا۔ "ہاں ٹھیک ہے کہ میں نے اسے غصے میں اغوا کروایا تھا۔۔۔ میں نے اسے کچھ عرصہ یہاں بند بھی رکھا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ میں ساری عمر تو اسے یہاں نہیں رکھ سکتا تھا نا۔۔۔ اس کے بعد میں نے اسے یہاں سے جانے کی اجازت دے دی تھی۔"

منفرا شل رہ گئی۔ تو کیا آئے کت اور کبیر نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔۔۔؟

☆......☆......☆

"پاشا۔۔۔!" کبیر اسے ڈھونڈتا ہوا لان کی طرف آیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کے لہجے سے پریشانی ظاہر تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔" پاشا سردمہری سے بولا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" کبیر نے پوچھا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے میں ٹھیک ہو سکتا ہوں؟" پاشا جیسے پھٹ پڑا تھا۔ "ایک انسان جسے ٹشو پیپر کی طرح سب نے استعمال کیا ہو وہ ٹھیک ہو سکتا ہے؟ پہلے آئے کت نے مجھے استعمال کیا تھا پھر معاویہ نے اور سب سے آخر میں اردشیر ازی نے۔۔۔ معاویہ نے اپنا بدلا لینے کے لیے مجھے اس لڑکی کے قتل پر اکسایا جس سے میں محبت کرتا تھا۔۔۔ اور میں اتنا پاگل تھا کہ ان لوگوں نے اکسایا اور میں ان کی سنتا رہا۔۔۔"

وہ کبیر خان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتنا غصہ تھا کہ کبیر خان پریشان ہو گیا۔

"اور پھر اپنے بیٹے کا پھیلایا گند سمیٹنے کے لیے اردشیر ازی نے مجھے ہمیشہ کے لیے ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جانتے ہیں بابا یہ کس وجہ سے ہوا؟ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔۔۔ آپ کی نام نہاد دشمنی اور اصولوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ نے اپنی دشمنی پر اپنا بیٹا قربان کر دیا۔ میری ماں اس غم میں دنیا چھوڑ گئی۔ بتائیں میں کیا کروں؟ کیا کروں کہ مجھے سکون ملے؟ میں آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے غصہ آتا

ہے۔۔۔ میں معاویہ اور اردشیر ازی کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کرتا ہے میں اس کی حقیقت دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں۔۔۔کہ یہ صاف شفاف ،ٹپ ٹاپ نظر آنے ولاے لوگ جن کے لباس پر ڈھونڈنے پر بھی کوئی سلوٹ نہ ملے، وہ اپنے اندر کتنی کالک سمیٹے ہوئے ہیں۔آپ لوگوں نے اپنے اپنے انتقام کے چکر میں کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں کیا۔

معاویہ نے نہیں سوچا کہ اس کے انتقام کا اس کی فیملی پر کیا اثر ہوگا۔۔۔

آپ نے میری محبت اپنی دشمنی کی بھینٹ چڑھا دی۔۔۔

اور اردشیر ازی نے ہم سب کو اپنے بیٹے پر قربان کر ڈالا۔۔۔"

"پاشا تم نے کبھی مجھے شہر بانو کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔۔۔ورنہ میں ضرور کچھ کرتا۔۔۔"

"آہ۔۔۔کاش میں آپ کو جانتا نہ ہوتا تو ضرور آپ کی اس بات پر یقین کر لیتا۔اگر میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا تو مجھے یقین ہے کہ مجھ سے پہلے آپ خود اسے مار ڈالتے۔۔۔آپ کے لیے آپ کے مالکان اور آپ کی دشمنی سے زیادہ اہم کچھ نہیں رہا۔۔۔نہ آپ کا بیٹا۔۔۔نہ آپ کی بیوی اور نہ ہی ان کی خوشیاں۔۔۔"

"تم کیا چاہتے ہو پاشا! میں کیا کروں تمہارے لیے۔۔۔جو تمہیں باپ کی محبت پر یقین آجائے۔"

"آپ کو لگتا ہے اب میں کچھ چاہ سکتا ہوں۔۔۔میں زندہ بھی نہیں ہوں۔۔۔چلتی پھرتی لاش بن چکا ہوں۔اپنی بیوقوفی میں ،میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا جسے اتنا چاہا تھا کہ اپنا آپ قربان کر ڈالنے کو دل چاہتا تھا بابا۔۔۔بتاؤ اب میں کیا چاہوں۔۔۔کیسے چاہوں؟ بتاؤں میں کیسے اس گناہ کے لیے خود کو معاف کر ڈالوں۔۔۔"وہ روتے ہوئے بول رہا تھا۔

اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلتے ہوئے الفاظ کبیر خان کو تکلیف دے رہے تھے۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔۔۔میں یہاں سے جا رہا ہوں۔۔۔"پاشا نے رک رک کر کہا تھا۔"مجھے سکون چاہیے اور وہ کم از کم یہاں ملنا ممکن نہیں۔۔۔آپ رہیے یہاں۔۔۔سکون سے۔۔۔ویسے بھی معاویہ تو ہے ہی یہاں آپ کے لیے۔۔۔مجھے بھولنے کے لیے آپ کو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔"

کبیر نے اسے روکنا چاہا تھا۔وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے لیکن پاشا اس کا ہاتھ جھٹک کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔

کبیر اس کے پیچھے فلک بوس سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

"تم نے پاشا کو شہر بانو کے قتل پر اکسایا تھا؟"منفرا نے متفکر سے انداز میں پوچھا تھا۔

''یہ تمہیں آئے کت نے کہا ہے یا پاشا نے؟'' معاویہ حیران نظر آ رہا تھا۔

''ک۔۔۔کبیر بابا نے۔۔۔'' منفرا نے اٹک کر بتایا۔

''کیا مذاق ہے۔۔۔'' معاویہ بھڑک اٹھا۔ ''تمہیں میرے پیچھے کیا کیا بتایا گیا ہے؟ ذرا تفصیل سے بتاؤ اور تمہیں یہ کیوں لگا کہ میں نے آئے کت کو دس سال یہاں قید کر کے رکھا ہے؟ کیا آئے کت نے کہا ہے تمہیں؟''

اور منفرا نے اسے ایک ایک بات تفصیل سے بتا دی تھی۔۔۔

''مائی گاڈ۔۔۔'' معاویہ ہکا بکا سب سن رہا تھا۔ ''پہلی بات یہ کہ میں نے آئے کت کو کچھ ماہ بعد ہی یہاں سے بجانے کا بول دیا تھا۔ میں نے کبیر بابا کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ آئے کت کو اپنی نگرانی میں یہاں سے نکالیں گے۔ دوسرا یہ کہ میں نے پاشا کو قتل کرنے کا نہیں بولا تھا۔ ہاں میں اپنے بھائی کا بدلا لینے کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔۔۔اسی پاگل پن میں، میں نے پاشا کو بھی کہا کہ اسے اپنی محبت کی بے قدری کا بدلا لینا چاہیے۔ میرا کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ جا کر اس لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ بلکہ جب اس نے یہ سب کر دیا تو میں نے اس سے خفگی کے باوجود اسے یہاں سے باہر بجھوا دیا کیونکہ میں کسی نا کسی حد خود کو اس سب کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔۔۔'' معاویہ بولنے پر آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔ ''میں سمجھ نہیں آ رہا کہ کبیر بابا نے آئے کت کو یہاں سے نکالا کیوں نہیں۔۔۔اور پھر یہ سب جھوٹ؟''

''مجھے لگتا ہے معاویہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔۔۔کہیں نا کہیں کچھ بہت غلط ہے۔۔۔میں نے آئے کت کو دیکھا ہے۔ اس کا حال بہت برا تھا۔ وہ ذہنی مریضہ بن چکی تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ تم یہ سب کر سکتے ہو کسی کے ساتھ بھی۔۔۔چاہے وہ تمہارا دشمن ہی کیوں نا ہو۔۔۔''

''وقتی غصہ تھا منفرا۔۔۔انسان تھا میں۔۔۔کوئی فرشتہ نہیں۔۔۔اور۔۔۔اور سچ تو یہ ہے کہ ہاں۔۔۔میں محبت کرنے لگا تھا اس سے۔۔۔اٹک گیا تھا میں وسامہ اور آئے کت کی محبت کے درمیان۔۔۔لیکن کب تک۔۔۔بھائی کی محبت کا پلڑا بھاری سہی لیکن غصہ اترنے کے بعد میں کب تک اسے اس بدلے کی آگ میں جھونک سکتا تھا۔۔۔''

معاویہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ منفرا کو وہ آنسو اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

وہ آگے بڑھی تھی اور اس نے معاویہ کو ساتھ لگا لیا تھا۔ اس سے زیادہ وہ فی الحال کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی اپنی آنکھوں سے بھی پانی بہہ نکلا تھا۔

اب کی بار وہ دونوں محبت کے مرنے پر مل کر رو رہے تھے۔

''مجھے کبیر بابا سے بات کرنی ہوگی۔۔۔'' معاویہ نے کچھ دیر بعد اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

پھر پورا فلک بوس چھان مارا تھا لیکن کبیر بابا یا پاشا کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اردشیر ازی نے معاویہ اور منفرا کو اپنے کمرے میں بلا بھیجا تھا۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ پانچ منٹ بعد ہی دروازے پر دستک دینے کے بعد معاویہ اور منفرا اندر داخل ہوئے تھے۔

اردشیر ازی سنگل صوفہ پر، گود میں لیپ ٹاپ رکھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کی چشمہ سجی آنکھیں تو سکرین پر جمی تھیں لیکن دماغ کسی خیال میں الجھا ہوا تھا۔ دستک کی آواز پر وہ چونک کر دروازے کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

کمرے میں داخل ہوتے بیٹے اور بہو کو دیکھ کر انہوں نے بے حد سنجیدگی سے ان دونوں کو سامنے پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود لیپ ٹاپ کو بند کر کے سامنے پڑے میز پر رکھ دیا تھا۔

آنکھوں پر سجا باریک سا چشمہ انہوں نے اتار کر اپنی آنکھوں کو سہلایا تھا۔ ان کی آکھیں بتاتی تھیں کہ وہ بھی ساری رات جاگتے رہے ہیں۔

"تم لوگوں کا واپسی کا کیا پلان ہے؟" معاویہ اور منفرا کے بیٹھتے ہی اردشیر ازی نے بلا تمہید سوال کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں آج شام یا زیادہ سے زیادہ کل صبح تک واپسی کے لیے نکل جاؤ۔ بلکہ اچھا ہے کہ تم لوگ کچھ عرصہ کے لیے مونٹوک چلے جاؤ۔ معاویہ کو بھی کام سے کچھ آرام مل جائے گا اور منفرا تم اپنے پیرنٹس سے مل لینا۔"

منفرا نے کن اکھیوں سے معاویہ کی جانب دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ اردشیر ازی مشورہ نہیں مانگ رہے تھے۔ یہ سیدھا سادھا حکم تھا۔ ایسا حکم جس سے بالکل مخالف فیصلہ وہ کل رات کر چکے تھے۔

آئے کت کے جانے کا دکھ تھا یا منفرا کی باتوں کا اثر۔۔۔ معاویہ نے کل رات فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ پولیس کو سب سچ بتا دے گا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوگا، اس بارے میں اس نے سوچنے کی زحمت نہ کی تھی۔ ہاں منفرا اور اپنے بچوں کے لیے وہ ضرور پریشان ہوا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اردشیر ازی اس کے بچوں اور بیوی کو پناہ دے دیں گے۔

وہ منفرا کو اس بارے میں صبح آگاہ کر چکا تھا۔ منفرا چپ چاپ اس کی شکل تکتی رہی تھی۔ اس کا ذہن اس حد تک مفلوج ہوا تھا کہ وہ نہ معاویہ کے فیصلے کو سراہ سکی تھی نہ ہی مخالفت کر پائی تھی۔

آئے کت کے بارے میں جاننے کے بعد اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ معاویہ کے خلاف جائے یا اسے بچانے کی کوشش کرے۔ اس کے اندر کی اچھائی اسے اکساتی تھی کہ سب بھول کر صرف ایک اچھے انسان ہونے کا ثبوت دے اور ساری حقیقت دنیا کے سامنے لائے لیکن وہ انسان تھی فرشتہ نہیں کہ اپنے مفادات کو مکمل طور پر نظر انداز کر پاتی۔۔۔ اپنی ذات سے ہٹ کر اس وقت اسے اپنے بچوں کو خیال تھا اور جہاں تک اس کی اپنی ذات تھی تو اس پوری کہانی میں وہ اپنا کردار سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ فلک بوس میں کیوں تھی۔۔۔

وہ معاویہ کی زندگی میں کیوں تھی۔۔۔

شاید اب ساری زندگی اسے اس کیوں کے پیچھے ہی بھاگتے رہنا تھا۔

''بابا۔۔۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' معاویہ کی آواز منفرا کو اس کے سوچ کے دائرے سے باہر کھینچ لائی تھی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ اردشیر ازی کو اس فیصلے کے حق میں قائل کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

''کیسا فیصلہ۔۔۔؟'' اردشیر ازی محتاط سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔ معاویہ کا انداز انہیں ٹھٹک رہا تھا۔

''آپ نے مجھ سے ابھی تک کچھ بھی نہیں پوچھا۔۔۔؟ کیا آپ نہیں جاننا چاہتے کہ وہ کون تھی جو کل۔۔۔'' معاویہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''تم جو بتانا چاہتے ہو۔۔۔ وہ بتاؤ۔۔۔ میں نے جو پوچھنا ہوگا اس کے بعد پوچھ لوں گا۔'' اردشیر زی سنجیدگی سے بولے تھے۔

''وہ لڑکی۔۔۔ آئے کت تھی۔۔۔'' معاویہ نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ اتنا کہہ کر وہ باپ کے چہرے کو کھوجنے لگا لیکن وہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر ہی تھا۔

''جانتا ہوں۔۔۔'' اردشیر ازی نے اسے اپنا چہرہ کھوجتے دیکھ کر کہا تھا۔

اور پھر معاویہ نے انہیں سب سچ بتا دیا تھا۔ اپنی شادی کی رات سے اس کے اغوا تک سے لے کر اسے آزاد کرنے تک ایک ایک بات اس نے باپ کو بتائی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کی بات سنتے رہے۔

''بابا آپ یقین کریں میں نے اسے کچھ عرصے بعد ہی یہاں سے جانے کو کہہ دیا تھا۔۔۔ لیکن اب مجھے پتا چلا ہے کہ وہ دس سال سے یہاں تھی۔۔۔ کیوں؟ کس لیے؟ کیسے؟ کسی ایک سوال کا جواب بھی میرے پاس نہیں ہے۔ کبیر بابا نے ان لوگوں کو کہا ہے کہ وہ میرے آرڈر پر یہاں قید تھی۔۔۔ اور اب جب میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں تو وہ یہاں سے غائب ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں پولیس کو سب بتا دوں گا۔ ایک ایک بات۔۔۔ اس کے بعد جو بھی ہوگا میں دیکھ لوں گا۔'' بات کے اختتام تک معاویہ کی آواز سے غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''تمہارے سب سوالوں کے جواب میرے پاس ہیں۔ وہ لڑکی آئے کت تھی میں جانتا ہوں۔ وہ یہاں تمہارے آزاد کرنے کے بعد بھی قید رہی۔۔۔ کیونکہ یہ میرا آرڈر تھا۔ سو اب تم پولیس کے پاس جا کر کیا کہو گے؟ کہ تمہارے باپ نے اتنے عرصے سے ایک لڑکی کو یہاں قید کر رکھا تھا؟'' اردشیر ازی نے سگار سلگاتے ہوئے پرسکون لہجے میں ان دونوں کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ وہ دونوں ہی حیران پریشان ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''میں تمہارا باپ ہوں معاویہ۔۔۔ تمہیں کیسے لگا کہ تم مجھ سے کچھ چھپا سکو گے۔۔۔ تمہیں کیوں لگا کہ تم میرے علم میں لائے بغیر کسی کو یہاں قید کر دو گے اور مجھے معلوم نہیں ہو سکے گا۔ تم کیسے بھول گئے کہ کبیر خان تمہارا خدمتگار سہی لیکن اپنی سیلری وہ مجھ سے ہی لیتا

ہے۔تمہیں لگا وہ مجھ سے غداری کرے گا اور تم سے وفاداری نبھائے گا۔۔۔''انہوں نے سگار کا کش لیا اور بات کو پھر سے جاری رکھتے ہوئے بولے۔''مجھے حیرت ہے کہ تم نے ایسا سوچا بھی تو۔۔۔''

منفرا کا دل کیا وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے۔اسے اپنا آپ دو ذہنی مریضوں کے درمیان پھنسا ہوا لگ رہا تھا۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا۔۔۔جب مجھ پر یقین نہیں کیا تھا تو کیوں آئے اس معاملے میں۔۔۔''سرد مہری معاویہ کے چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔

''میں نے کہا نا معاویہ۔۔۔تم میرے بیٹے ہو۔۔۔ اور میں یہ کیسے برداشت کر لیتا کہ وہ دو ٹکے کی لڑکی میرے بیٹے کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرے۔میں تمہاری شادی سے پہلے بھی یہ سچ جانتا تھا کہ وہ لڑکی کرپٹ ہے۔لیکن تم نے میری بات نہیں مانی۔ ایکسپیرمنٹ کرنا اچھی بات ہے۔ایکسپیرینس آتا ہے اس چیز سے۔۔۔سو میں نے تمہیں روکا نہیں۔۔۔مگر ایک بات جان لو کہ اگر اس رات تم اس لڑکی کو غائب نہ کرتے تو یہ کام میں کرتا لیکن اپنے بیٹے کو اس کرپٹ عورت کے لیے ضائع نہ ہونے دیتا۔''

معاویہ ایک آہ کے ساتھ صوفے کی پشت سے کمر ٹکالی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

''آپ ہمیشہ سے جانتے تھے کہ وسامہ کی موت کے پیچھے آئے کت کا ہاتھ ہے؟''

''ہمیشہ سے تو نہیں لیکن تمہاری شادی کے فیصلے کے بعد جان گیا تھا۔کبیر خان نے مجھے بتا دیا تھا۔''وہ اطمینان سے بولے۔

''پھر تو آپ یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ میں آئے کت سے محبت کرتا تھا۔۔۔؟''معاویہ طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے جیسے منفرا کی موجودگی کو مکمل فراموش کر چکا تھا۔

اردشیر ازی نے ایک نظر منفرا پر ڈالی تھی اور پھر سرد مہری سے کہا تھا۔

''وہ تو تم وسامہ سے بھی کرتے تھے،لیکن اس کی محبت تم آئے کت کے لیے فراموش کر بیٹھے۔۔۔اور آئے کت کی محبت کو منفرا کے لیے۔۔۔فی زمانہ محبت کوئی اتنا ٹھوس جذبہ نہیں رہ گیا معاویہ کہ اس کے لیے تم رانجھا یا مجنوں بن جاتے۔یہ اکیسویں صدی ہے جس میں محبت بھی سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے۔''

معاویہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کاش آپ نے یہ سب کرنے کی بجائے مجھے روکا ہوتا۔۔۔تو شاید آج میرے دل پر اتنا بڑا بوجھ نہ ہوتا۔''وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔منفرا کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ معاویہ کے پیچھے جاتی۔وہ چپ چاپ وہاں ہی بیٹھی رہی تھی۔

''منفرا بیٹا میں جانتا ہوں کہ اس بارے میں جاننا تمہارے لیے تکلیف دہ ہے۔معاویہ جذباتی ہو رہا ہے لیکن تم تو عقل مند ہو۔ سمجھاؤ اسے۔۔۔ پولیس کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔اول وہ اس کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔وسامہ کی موت کی وجہ

خواب آور دوائیوں کی زیادہ مقدار بتائی گئی تھی۔ یہ پولیس کے پاس جا کر سچ بھی بتائے گا تو بھی کوئی اس کی بات نہیں مانے گا اور ہر حال میں معصوم آئے کت ہی کہلائے گی۔۔۔ سارا مسئلہ اس کے لیے اور میرے کھڑا ہو جائے گا۔۔۔ جو میں ہونے تو نہیں دوں گا پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ وہ یہ باب پھر سے نہ کھولے۔ عزت کمانے میں سال لگتے ہیں، گنوانے کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔ میں اسے بچا بھی لوں تو بھی ہمارے نام پر ایک دھبہ ضرور لگ جائے گا۔ جو میں بالکل نہیں چاہتا۔'' ایک لمحے کا توقف سے کر انہوں نے بات مکمل کی تھی۔

منفرا کچھ نہیں بول پائی تھی۔ دل ہی دل میں وہ جانتی تھی کہ اردشیرازی وہی کریں گے جو وہ کہہ رہے تھے۔ تھوڑی رشوت، تھوڑے تعلقات اور سب کچھ ان کے حق میں چلا جائے گا لیکن ان کے نام اور نام نہاد عزت پر ضرور دھبہ لگ جائے گا۔

''یہ لڑکا۔۔۔ کیف۔۔۔ یہ کب سے یہاں ہے؟'' انہوں نے منفرا کی خاموشی کو رضامندی جان کر اگلا سوال کیا تھا۔

''پانچ، چھ دن سے۔۔۔ خوش نصیب کا کزن ہے۔'' منفرا نے آہستہ سے بتایا۔ پھر وہ کیف کو یہاں بلانے کی وجہ بتانے لگی تھی۔

''یعنی وہ بھی آئے کت اور اس کی کہانی سے واقف ہے؟'' اردشیرازی نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''جی۔۔۔'' اسی نے آئے کت کو ڈھونڈا تھا فلک بوس میں۔'' منفرا کیف کے بارے میں چھپانا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔

''کوئی مسئلہ تو کری ایٹ نہیں کرے گا؟'' اردشیرازی نے بغور منفرا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صحافی ہے۔۔۔'' منفرا نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر میں سمجھا دوں گی ان لوگوں کو۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں کریں گے۔'' جانے منفرا کو کیا خیال آیا کہ اس نے فوراً ہی بات کو بڑھایا تھا۔

''ہم مم۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ تم اپنے لفظوں میں سمجھا دینا۔۔۔ اور اگر نہ سمجھے تو میں انہیں بھی سنبھال لوں گا۔'' ان کے لہجے میں چھپی دھمکی اور لفظوں میں چھپا مفہوم منفرا سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ اسے ایک لمحے کے لیے اردشیرازی سے خوف محسوس ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔۔۔! تم جاؤ اور معاویہ کو سمجھاؤ۔۔۔ میں مزید اس معاملے کو کھینچنا نہیں چاہتا۔۔۔ اور نہ ہی میں کسی اور کو اس کام کی اجازت دوں گا۔''

انہوں نے منفرا کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے اپنا ارادہ مکمل طور پر اس پر واضح کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ ایک چمکتی ہوئی صبح تھی۔

کئی دن کی ناراضی کے بعد آخر کار آج سورج نے اپنی شکل دکھا دی تھی۔

وادی، پہاڑ، درخت۔۔۔ حتیٰ کہ جدھر بھی نظر جاتی، جمی ہوئی برف پڑی نظر آتی تھی جو سورج کی کرنوں میں چمکتی دکھائی دیتی تھی۔

وہ کچھ دیر پہلے ہی آئے کت کی قبر پر دعا کے غرض سے آئی تھی۔ دعا سے فارغ ہو کر جب دل واپس فلک بوس جانے کو راضی نہ ہوا

تو وہ کچھ فاصلہ پر ایک ایسے کنارے پر آ بیٹھی جو جو پہاڑ کی آخری حد تھی۔

اس حد سے نیچے۔۔۔ بہت نیچے۔۔۔ سندھ کا دریا تیزی سے بہتا تھا۔ وہ چپ چاپ جمے پانی پر نظر ٹکائے بیٹھی تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ جسمانی طور پر تو وہاں موجود ہے لیکن ذہنی طور پر وہ کہیں بہت دور پہنچی ہوئی تھی۔

آئے کت کو دنیا سے گئے تین دن گزر چکے تھے اور اس کی موت نے اسے بہت بے سکون کر دیا تھا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو اس کی موت کی وجہ سمجھ رہی تھی۔ اس سے کی گئی بحث اب تک اس کے دل و دماغ میں تازہ تھی اور وہ چاہ کر اس سب کو بھول نہیں پا رہی تھی۔

آئے کت سے اس کا دور دور تک کوئی رشتہ نہیں تھا سوائے انسانیت کے۔۔۔ اور اسی رشتے کے تحت اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کو ایسا کچھ کر بیٹھے گی تو شاید وہ کبھی بھی اسے کچھ سمجھانے کی غلطی نہ کرتی۔

سورج نکل آیا تھا لیکن ہوا میں خنکی تھی۔ وقفے وقفے سے چلتے ہوا کے ٹھنڈے جھونکے، خون کو جما دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ایسے ہی ایک جھونکے کے نتیجے میں خوش نصیب نے جھرجھری لے کر اپنے کندھوں پر پڑی شال کو کچھ اور مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ لیا۔

ستا ہوا چہرہ، روئی روئی آنکھیں۔۔۔ سرخ ہوئی ناک اس جھونکے سے کچھ مزید سرخ ہو گئی تھی۔

ہوا سے بے قابو ہو کر اپنے چہرے پر بکھرے بالوں کو اس نے دوبارہ سے کانوں کے پیچھے اڑس لیا تھا اور اسی عمل کے دوران اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ بالکل سن ہو چکے تھے۔

نیچے دریا کے کنارے کچھ بچے کھیلتے پھر رہے تھے۔۔۔ ان کی ہنسی کی آواز ہوا کا حصہ بن کر اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ انہیں دیکھتے دیکھتے ایک غمزدہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے کا حصہ بن گئی تھی۔ اسے بہت کچھ یاد آیا تھا۔

روشن امی۔۔۔

ماہ نور۔۔۔

عرفات ماموں۔۔۔

اپنا بچپن۔۔۔ اور اپنے نام سے منسلک بہت سے قصے جو اسے منحوس ثابت کرتے تھے۔۔۔

اسے فضل منزل آج شدت سے یاد آ رہی تھی۔

اسے صیام یاد آئی تھی۔۔۔ طوطا بھائی یاد آئے تھے۔۔۔ حتیٰ کہ آج تو فضیلہ چچی بھی یاد آ رہی تھیں۔۔۔

اور پھر اسے شامیر یاد آیا تھا۔۔۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ بھی دم توڑ گئی تھی۔

اس کا دل ماہ نور کے لیے بے تاب ہو گیا تھا۔ وہ ماہ نور سے ناراض تھی۔۔۔ بہت زیادہ ناراض۔۔۔ اور تمام تر خفگی کے باوجود وہ

واحد کام جو وہ کر سکتی تھی اس نے کیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے بہت دل سے اپنی بہن کی سلامتی اور خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔

"اگر تم مرنے کے ارادے سے یہاں بیٹھی ہو تو پلیز مجھ پر ہی مرمٹو۔۔۔ ٹھنڈ سے مرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

خوش نصیب، کیف کی آواز سے بڑی طرح چونکی تھی جو اس لمحے اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔ وہ گڑبڑائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیف کو شدت سے اس کے ذہن کے غیر حاضر ہونے کا احساس ہوا تھا۔ شاید وہ اس کی بات کو بھی سمجھ نہیں پائی تھی، ورنہ شاید خود نہ مرتی لیکن اسے یہاں سے ہی دھکا دے کر ضرور مار دیتی۔

خوش نصیب نے کوئی بھی رسپانس دیے بغیر چہرہ موڑ لیا تھا۔ اس کے نظروں کا مرکز ایک بار پھر سے دریا کنارے کھیلتے بچے تھے۔

"کیا میں نے تمہیں ڈرا دیا۔۔۔؟" کیف نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔ تھوڑا سا۔۔۔"

کیف لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پہلے سے زیادہ نرمی سے بولا تھا۔ "آئی ایک سوری۔۔۔"

خوش نصیب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ایسے معافی مانگ لینا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا خاص طور پر خوش نصیب سے معافی مانگنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

"اینڈ آئی ریلی مین اِٹ۔۔۔" کیف نے اس کی آنکھوں میں موجود حیرت کو بھانپتے ہوئے دفاعی انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

"اِٹس اوکے۔۔۔ میرا ہی دھیان کہیں اور تھا۔۔۔" وہ پھر سے دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

"اور وہ "کہیں اور" یقیناً میں تو نہیں ہو سکتا۔۔۔" کیف نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔

خوش نصیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ الجھی ہوئی لگتی تھی۔

"بھول جاؤ جو کچھ بھی ہوا ہے۔۔۔ جو کچھ بھی ہوا کم از کم اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔" کیف نے اب کی بار سنجیدگی اختیار کی تھی۔ وہ جیسے اس کی سوچ تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔

"میں اسے بھول نہیں پا رہی کیف۔۔۔ یہ احساس مجھے پرسکون ہونے نہیں دے رہا کہ مجھے غلط ثابت کرنے کو اس نے اپنی جان لے ڈالی ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ تو بس۔۔۔ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔" خوش نصیب کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ رک رک کر بہت مشکل سے اپنی بات مکمل کر پائی تھی۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں خوش نصیب۔۔۔ کہ تم اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔۔۔ شاید دنیا کو تمہارا طریقہ غلط لگے مگر تمہاری نیت صاف تھی۔۔۔ ویسے بھی جس انسان کو تم جانتی تک نہیں تھی۔۔۔ جس سے دور، دور تک تمہارا کوئی واسطہ نہیں تھا اسے جان بوجھ کر نقصان کیوں

پہنچاؤ گی تم۔۔۔"

کیف وہ بول رہا تھا، جو وہ سننا چاہ رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہو اور نہ ہی تمہیں ڈرنے کی ضرورت ہے۔۔۔ بس ایک بات یاد رکھو میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔"

کیف نے اس کا ہاتھ ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب اس کی آخری بات پر اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی پھر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ کر گود میں رکھ لیا تھا۔

کیف نے لمحہ بھر کے لیے اپنی خالی رہ جانے والے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر جیسے زبردستی مسکرا دیا۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی کیف۔۔۔ آئے کت نے وسامہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کئی جگہ ایسے سایوں کا ذکر کیا تھا جو وسامہ نے فلک بوس میں دیکھے تھے۔اس نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ سائے دیواروں میں سے گزر جاتے تھے۔اگر ایوشمتی آئے کت ہی تھی اور وہ انسان تھی تو وہ سائے کس کے تھے۔۔۔؟"

کیف مسکرایا تھا۔"تم پھر سے کنفیوژ ہو رہی ہو۔"

"میں صرف جاننا چاہتی ہوں۔۔۔"

"دیکھو یار۔۔۔! کنفرم تو میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا مگر میں نے کہیں پڑھا تھا اور میرا اپنا تجربہ بھی ہے کہ انسان جب بہت زیادہ خوفزدہ ہوتا ہے تو اس کی حسیات پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے کام کرنے لگتی ہیں۔اسے اپنے اردگرد کی چیزیں سلوموشن میں کام کرتی محسوس ہوتی ہیں۔۔۔بالکل کسی فلم کی طرح۔۔۔ ایسے میں اسے وہ چیزیں بھی اپنے اردگرد محسوس ہوتی ہیں جو اصل میں موجود نہیں ہوتیں۔جب انسان خوفزدہ ہوتا ہے تو اسے اپنے اردگرد وہ چیزیں محسوس ہوتی ہیں جو اس کے لاشعور کا حصہ ہوتی ہیں، شعور کا نہیں۔۔۔وسامہ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔جب وہ خوفزدہ ہوتا تھا تو اسے اپنے اردگرد وہ سب اصل میں محسوس ہوتا تھا جو وہ سلیپ پیرالائزاٹیک کے دوران دیکھ یا محسوس کر رہا ہوتا تھا۔بس اتنی سی بات ہے۔"

خوش نصیب نے بغور اس کی بات سنی تھی۔دونوں ایک بار پھر اپنی سوچ میں گم ہو گئے تھے۔

خاموشی ان کے درمیان آکر بیٹھ گئی تھی۔ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ایک دوسرے کو پکڑنے کی کوشش میں نڈھال وہ بچے ان دونوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئے تھے۔کیف بھی جیسے خوش نصیب کی طرح اپنے بچپن میں جا پہنچا تھا۔

"میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔۔۔" وہ خوش نصیب کی آواز پر چونک کر حال میں واپس آیا تھا۔

"کک۔۔۔کہاں؟"

"مجھے نہیں پتا۔۔۔مگر میرے لیے اب اس جگہ پر مزید رہنا ممکن نہیں ہے۔۔۔" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بات کر رہی تھی۔

''مجھے خوف آنے لگا ہے فلک بوس سے۔۔۔سب سے بڑھ کر میں معاویہ اردشیرازی کو دیکھنا نہیں چاہتی۔۔۔مم۔۔۔مجھے اس انسان سے ڈر لگنے لگا ہے۔بلکہ۔۔۔مجھے وہ انسان لگتا ہی نہیں ہے۔۔۔''

بات کے آخر تک اس کی مدھم آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔خوف اس کی شکل سے ہی نہیں اس کے ہر، ہر انداز سے ظاہر ہوتا تھا۔کیف کو اس پر ترس آنے لگا۔

''میرے ساتھ واپس چلو خوش نصیب۔۔۔وہاں سب تمہارے منتظر ہیں اور اپنے کیے پر شرمندہ بھی۔۔۔''اس نے پھر سے کہا تھا۔

''بالکل نہیں۔۔۔کبھی بھی نہیں۔۔۔''اب کی بار اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔''یہ جاننے کے بعد کہ وہ شامیر بھی وہاں موجود ہے۔۔۔چاہے اس کے ساتھ جو بھی ہو چکا ہو۔۔۔پھر بھی تم مجھے کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں وہاں چلوں جب کہ اب تو تم سچ بھی جان چکے ہو۔۔''وہ بہت غصے سے بول رہی تھی۔

''تم شامیر کے لیے واپس نہیں جاؤ گی۔۔۔تم ماہ نور کے لیے واپس جاؤ گی۔۔۔سب سے بڑھ کر میرے لیے واپس چلو۔ ویسے بھی مجھے مسز معاویہ نے مجھے اس رات تمہارے کیے ہوئے اقرار کے بارے میں بتایا ہے جس رات میں گم ہو گیا تھا۔۔۔نصیبن۔۔۔''کیف مسخرے پن سے بول رہا تھا۔

خوش نصیب کو منفرا سے اس غداری کی امید نہیں تھی سو سٹ پٹا کر رہ گئی۔

''مجھے نصیبن مت کہا کرو کیف کے بچے۔۔۔''

''جان کہہ لیا کروں۔۔۔؟''معصومیت سے پوچھا گیا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی اگر تم ایسا کہو گے تو۔۔۔۔''خوش نصیب چیخی۔

''بالکل۔۔۔مجھے پورا یقین ہے تم ایسا ہی کرو گی۔۔۔''کیف نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''اور میں چاہتا ہوں کہ جیسے مجھے تم پر یقین ہے ویسے ہی تم مجھ پر بھروسہ کرو۔۔۔میں وعدہ کرتا ہوں خوش نصیب! میں تمہیں وہ سب واپس دلواؤں گا جو تم سے چھینا گیا تھا اور دوبارہ کبھی تمہیں اپنے حوالے سے مایوس ہونے نہیں دوں گا۔۔۔''

وہ بے حد جذب سے بول رہا تھا۔خوش نصیب کو اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہوا مگر مجروح ہوا اعتبار اتنی جلدی واپس حاصل ہو پاتا تو کیسے۔۔۔

''کیف۔۔۔تم مجھے میری ماں واپس نہیں دلا سکتے۔۔۔تم چاہو بھی تو میرا احساسِ زیاں کم نہیں کر سکتے۔۔۔سب سے بڑھ کر میں ایک بار اپنے کردار پر بہت کچھ سن چکی ہوں۔۔۔دوبارہ میری ہمت نہیں ہے وہ سب سننے کی۔۔۔اگر لوگ شامیر کے حوالے سے بات نہیں کریں گے تو ان تین سالوں کے بارے میں جواب مانگیں گے۔۔۔اور میری گواہی دینے والا جا چکا ہے دنیا سے۔۔۔ماموں حیات ہوتے تو اور بات تھی لیکن اب۔۔۔''

''میں۔۔۔میں دوں گا تمہاری گواہی۔۔۔مجھے تمہارے کردار پر ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔۔۔ اور میں مانتا ہوں میں روشن چچی کو واپس نہیں لاسکتا مگر تم اپنی بہن کو واپس حاصل کرسکتی ہو خوش نصیب۔۔۔تم ہماری کھوئی ہوئی دوستی کو واپس پاسکتی ہو۔۔۔جہاں سب کچھ ہاتھوں سے پھسل رہا ہوتا۔۔۔وہاں اس دکھ میں ہاتھ آتی چیز کو بھی گنواتے نہیں ہیں خوش نصیب۔۔۔''

''تم ایموشنل ہورہے ہو۔۔۔اور تم یہ بات جانتے ہو۔''

''میں سب جانتا ہوں۔۔۔مگر تم یہ نہیں جانتی کہ ان تین سالوں میں، میں کبھی تم سے غافل نہیں ہوا۔۔۔ ہم نے ہمیشہ تم سے یہ بات چھپائی کہ اسلام آباد میں تمہارے ایڈمیشن کا کام میں نے کروایا تھا۔میں تمہارے سامنے نہیں تھا مگر تم سے غافل بھی نہیں تھا۔ماموں سے ہمیشہ میں تمہارے بارے میں جانتا رہا۔مجھ سے بس یہ غلطی ہوئی کہ میں نے کبھی ان سے تمہاری رہائش کے بارے میں نہیں پوچھا۔۔۔ماموں کے جانے کے بعد جب تک میں رضوی صاحب کے گھر کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوسکا تم اور وہ لوگ وہاں سے جاچکے تھے۔اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہوتو میں تمہیں وہاں لے جاتا ہوں۔تم وہاں پڑوس میں پوچھ لینا اور اس مال سے بھی جہاں تم جاب کرتی تھی۔۔۔میں ہر جگہ تمہیں ڈھونڈتا رہا ہوں۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کر خوش نصیب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میرا یقین کرو۔۔۔مجھے ایک موقع دو۔۔۔پلیز۔۔۔''

''کیا چاہتے ہو کیف۔۔۔؟''وہ جیسے بے بس ہوگئی تھی۔

''شادی۔۔۔میں شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔۔۔''کیف نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔

''میرے لیے اتنی جلدی سب بھولنا ممکن نہیں ہے۔''لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

''میں انتظار کرلوں گا۔۔۔ ''کیف نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔۔۔''مگر پلیز میرے ساتھ واپس چلو۔وہاں سب اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اور سب سے بڑھ کر میں تمہیں پھر سے کھونا نہیں چاہتا۔۔۔''

خوش نصیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ چپ چاپ کنفیوژ سی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہورہا تھا جو بہنے کو بے تاب تھا۔کیف اس کے ہاتھ کو تھپکتا رہا تھا۔اس کی وہ اثبات بھری خاموشی کیف کو پرسکون کرتی چلی گئی تھی۔

''میرا دوست آج شام ہمیں لینے آئے گا۔چلوگی میرے ساتھ؟''اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔

خوش نصیب آنسو بھری آنکھوں سے اسے تکتی رہی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

اسی شام زرگل کیف اور خوش نصیب کو لینے آپہنچا تھا۔انہیں واپسی کے لیے خاص تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔جو تھوڑا بہت

سامان تھا، خوش نصیب پہلے ہی سمیٹ چکی تھی۔ منفرا کو وہ دونوں پہلے ہی اس بارے میں اطلاع دے چکے تھے سو بس اب اسے خدا حافظ کہنے آئے تھے۔

دروازے پر ہونے والی دستک سے وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔ خوش نصیب اور کیف اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گئے تھے۔ منفرا انہیں دیکھ کر بمشکل مسکرائی تھی۔

''ہم واپسی کے لیے نکل رہے تھے۔۔۔اللہ حافظ کہنے آئے تھے۔'' خوش نصیب کہتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

منفرا نے کیف کو سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خوش نصیب کو اس نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا تھا۔

چند لمحے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں خوش نصیب! تم نے اچھے وقت پر ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔''

خوش نصیب اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔

''خدا تمہیں بہت سی خوشیاں دے۔ یہ تمہارے لیے زندگی کی ایک نئی شروعات ہے۔ کوشش کرنا کہ پچھلی تمام باتوں کو بھلا کر آگے بڑھ سکو۔ یہ بندہ تمہارے لیے پاگل ہے۔'' اس نے کیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''کوشش کرنا کہ اسے ہمیشہ اپنے پیچھے ایسے ہی پاگل رکھو۔'' وہ شرارتی سے انداز میں بول رہی تھی۔

وہ دونوں ہی اس کی بات پر ہنس دیے۔

''امید کرتا ہوں کہ آپ ایسی ہی ایک دعا میرے لیے بھی مانگیں گی کہ یہ لڑکی بھی میرے لیے پاگل ہو جائے۔'' کیف نے اس کی بات کا جواب اس کے ہی انداز میں دیا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

پھر منفرا سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''کیف۔۔۔! یہاں جو کچھ بھی ہوا۔۔۔اسے بھول جانا۔۔۔تم دونوں ہی سب باتیں بھلا دینا۔'' وہ دونوں ہی اس کی بات پر حیران ہوئے تھے۔ دونوں ہی اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئے تھے۔

''منفرا یہ غلط ہے۔'' خوش نصیب نے افسردگی سے کہا تھا۔ کیف چپ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں یہ غلط ہے۔ مگر۔۔۔جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ ہر کوئی اپنے کیے کی سزا بھگت چکا ہے اور بھگت رہا ہے۔۔۔تم دونوں نے ایک لمبا عرصہ دکھوں سے لڑتے گزارا ہے۔ اب میں نہیں چاہتی کہ ایسے کسی بھی معاملے میں پڑ کر تم لوگ پھر سے اپنی خوشیاں خود پر حرام کر لو۔۔۔ جس کے لیے ہم کچھ کرنا چاہتے تھے وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کیا اور کیسے پروف کرو گے تم لوگ کہ جو ہمیں معلوم ہوا

وہ سب سچ ہی تھا۔'' منفرا اتنا اکتا کر بول رہی تھی کہ کیف کو حیرانی ہوئی۔

''تم پولیس کے پاس جاؤ گے۔۔۔انہیں سب بتاؤ گے۔۔۔اور اس کے بعد؟ ثبوت کہاں سے لاؤ گے کیف؟ اپنے آپ کو سچا کیسے ثابت کرو گے؟ تمہارے ایک سچ کے مقابلے میں یہاں دس جھوٹے گواہ پیش کر دیے جائیں گے۔ تم کبھی بھی کچھ بھی ثابت نہیں کر پاؤ گے۔۔۔اور اس کے بعد تمہارا کیا ہوگا؟ تمہیں لگتا ہے اردشیر ازی تمہیں ایسے چھوڑ دیں گے؟ نہیں کیف۔۔۔تمہارا ایک فیصلہ تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔''

منفرا مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ چاہتی ہیں میں سچ جان کر بھی اسے چھپانے میں آپ سب کا ساتھ دوں؟'' کیف سرد سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''دیکھو۔۔۔میں جانتی ہوں کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔تمہارے لیے سچ کو چھپانا بھی جھوٹ بولنے کے برابر ہی ہے۔لیکن میں تم سے ریکوئسٹ کرتی ہوں کہ سچ کو چھپالو۔اس میں ہم سب کی بہتری ہے۔۔۔اور ہم سب میں تم دونوں بھی شامل ہو۔''

منفرا اگلے دس پندرہ منٹ تک کیف کو قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

''مجھے کیوں لگ رہا ہے منفرا کہ آپ کچھ جان چکی ہیں اور اب ہم سے وہ بات چھپا رہی ہیں؟'' خوش نصیب جو بہت دیر سے چپ بیٹھی ان کی بات سن رہی تھی یک دم ہی بولی۔

''کیوں کہ کچھ باتوں کا چھپے رہنا بہت سے نقصان سے بچا لیتا ہے۔۔۔ جیسے آئے کت کی سچائی کا چھپے رہنا۔۔۔تم لوگ بس یہ جان لو کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہوا۔وہ آدھا واقعہ تھا۔۔۔پورا سچ ابھی بھی تم لوگ نہیں جانتے۔۔۔اور میرا یقین کرو۔۔۔معاویہ قصوروار ہے لیکن اتنا نہیں جتنا ہمیں بتایا گیا تھا۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''ہم نکلتے ہیں واپسی کے لیے۔۔۔'' کیف اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

خوش نصیب اور منفرا نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔خوش نصیب بچوں کے کاٹ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور جھک کر دونوں کو پیار کرنے لگی پھر وہ منفرا کی جانب مڑی تھی۔

''میں آپ تینوں کو بہت مس کرنے والی ہوں۔'' اس کی آواز سے اداسی جھلکتی تھی۔

''ہم بھی تمہیں بہت مس کریں گے خوش نصیب۔۔۔!'' منفرا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔پھر وہ کیف کی جانب مڑی تھی۔''اس کا بہت خیال رکھنا کیف۔۔۔!اور پلیز اب بچوں کی طرح لڑنا چھوڑ دو۔''

کیف نے مسکرا کر سر ہلایا تھا اور اللہ حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

''خوش نصیب۔۔۔'' منفرا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑا تھا۔''میرے بارے میں کوئی برا گمان نہ کرنا۔ یقین مانوں اگر سچ سامنے لانے کا کوئی فائدہ ہوتا تو میں تم لوگوں کا ساتھ ضرور دیتی۔۔۔لیکن۔۔۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی تھی۔''کوشش کرنا کیف کچھ غلط نہ کرے۔۔۔''

''میں پوری کوشش کروں گی۔۔۔'' خوش نصیب نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

منفرا باہر تک اسے چھوڑنے آئی تھی۔ کیف پہلے ہی سامان باہر لا کر گاڑی میں رکھ چکا تھا۔ منفرا کو ہاتھ ہلا کر وہ گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔ کیف نے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے ایک الوداعی نگاہ فلک بوس پر ڈالی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ آئے کت کی کہانی فلک بوس کے سینے میں ہی دفن ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

رکشا گلی میں آ کر رک گیا۔

خوش نصیب نے باہر نکلتے ہوئے ادھر ادھر کا جائزہ لیا تھا۔ سب ویسا ہی تھا۔ بس وہی بدل گئی تھی۔

کیف کرایہ ادا کر کے اس کی جانب مڑا تو وہ گم صم کھڑی گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کیف اس کی کیفیت اچھے سے سمجھ رہا تھا۔ کچھ سال پہلے اسے اس گھر سے ایسے نکالا گیا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس گھر کے دروازے اس پر بند کر دیے گئے تھے۔۔۔

اور اب وہ ایسے واپس آئی تھی کہ اس کا سر اٹھا ہوا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس کی سچائی یہاں آئی تھی۔

''اندر چلیں۔۔۔'' کیف نے اسے حوصلہ دینے کو اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''آ جاؤ۔۔۔'' کیف نے آگے بڑھ کر بیل بجائی تھی۔

دروازہ کھولنے والی فہمینہ تھی۔

''کیف۔۔۔'' اسنے خوشی سے نعرہ لگایا تھا اور بھائی کے گلے لگ گئی تھی۔

وہ تقریباً تین مہینے بعد بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر ابھی تک پیچھے کھڑی خوش نصیب پر نہیں پڑی تھی۔

''دیکھو میں کسے ساتھ لایا ہوں۔۔۔''

کیف نے مسکرا کر اس کا دھیان پیچھے کھڑی خوش نصیب کی طرف دلایا تھا اور وہ جیسے ساکت ہو گئی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ خوش نصیب کے گلے آ لگی تھی۔ اس کی گرفت میں ایسی گرم جوشی تھی کہ خوش نصیب کو اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چاہ کر بھی بے رخی کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی۔

وہ دونوں اسے اندر ٹی وی لاؤنج میں لے آئے تھے۔صابر تایا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور وہ ان کے ہاتھ کھولتے ہوئے رو دی تھی۔ اس کے علاوہ وہ کرتی بھی کیا۔۔۔

اس کی نظریں مسلسل ترسی ہوئی نگاہوں سے گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''کاش روشن امی آپ یہاں موجود ہوتیں۔۔۔''اس نے دکھی دل کے ساتھ سوچا تھا۔

پھر اس کی نظریں ماہ نور کو تلاش کرنے لگیں۔آخرکار اس کی تلاش ختم ہوگئی۔وہ لاؤنج کے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔۔۔باہر کی طرف۔۔۔اس کی آنکھیں خوش نصیب پر جمی ہوئی تھیں۔

اور خوش نصیب۔۔۔وہ جیسے پتھر کی ہوگئی تھی۔

''ماہ نور۔۔۔''اسے یقین نہیں آیا تھا کہ اس کی بہن ہے۔وہ بہت کمزور ہوگئی تھی پہلے سے۔اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی تھی۔رنگت میں زردی گھلی تھی۔

وہ خود ہی آگے بڑھی تھی اور ماہ نور کے گلے لگ گئی تھی۔وہ دونوں رو رہی تھیں۔۔۔انہیں بہت سے دکھوں پر مل کر رونا تھا۔

کچھ دیر بعد کیف نے انہیں ڈانٹ کر علیحدہ کیا تھا۔اس کا کہنا تھا کہ اب جب وہ ایک ساتھ ہیں تو انہیں رو کر اس خوشی کے موقعے کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔وہ کچھ دیر لاؤنج میں ہی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔پھر ماہ نور اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آئی تھی اور وہاں خوش نصیب نے پہلی بار اپنے بھانجے کو دیکھا تھا اور اسے گود میں لے کر اسے ایک اور جھٹکا لگا تھا۔وہ بچہ نارمل نہیں تھا۔ اس بچے کی ٹانگیں نہیں تھیں۔

''جادو کرنے والوں کی اولاد کبھی نارمل نہیں ہوتی خوش نصیب۔۔۔''ماہ نور نے بے حس سے انداز میں کہا تھا۔ ''اور شامیر کے سر پر تو اور بھی بہت سے گناہوں کا بوجھ ہے۔۔۔''

خوش نصیب نے اس کی جانب دیکھا اور کچھ بول نہیں پائی۔وہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ماہ نور آہستہ سے اس کے پیروں کے پاس زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''کیا کر رہی ہو ماہ نور۔۔۔پلیز۔۔۔''اس نے خفگی سے ماہ نور کے ہاتھ پکڑ کر کھولے تھے۔

''مجھے معاف کر دو خوش نصیب۔۔۔اگر تم معاف کر دو گی تو مجھے اللہ بھی معاف کر دے گا۔۔۔بہت برا کیا تھا میں نے تمہارے ساتھ۔۔۔اور دیکھو نا مجھے کیسی سزا ملی ہے۔۔۔''وہ رو رہی تھی۔اور روتے روتے اس نے اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا تھا۔

خوش نصیب کا دل دکھا۔وہ خود بھی رونے لگی۔

''ماہ نور میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔۔۔ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔ایک ہی تو رشتہ بچا تھا میرے پاس۔۔۔میری بہن۔۔۔اس

http://kitaabghar.com

سے بھی ناراض ہوتی تو خود پر ظلم کرتی۔۔۔میں کبھی بھی تم سے خفا نہیں ہوئی۔۔۔کبھی بھی نہیں۔۔۔"

"مجھے سچ بہت دیر سے معلوم ہوسکا تھا خوش نصیب۔تب جب شامیر مجھے اپنے ساتھ رومانیہ لے گیا تھا۔مجھے اصل بات بہت دیر سے معلوم ہوسکی تھی۔اسے کسی حاملہ عورت کی قربانی دینی تھی اور وہ مجھے قربان کرنے کے غرض سے وہاں لے کر گیا تھا جس سے اسے کوئی شیطانی طاقت مل سکتی۔۔۔اس نے اپنی اولاد کے بارے میں بھی نہیں سوچا جو ابھی تک دنیا میں بھی نہیں آئی تھی۔۔۔بہت برا کیا ہے اس نے میرے ساتھ۔۔۔بہت ہمت کر کے میں وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔۔۔اور جانتی ہو خدا نے اسے دنیا میں ہی عبرت کی تصویر بنا دیا۔۔۔اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔۔۔ایک ٹانگ کٹ گئی اور وہ خوبصورت چہرہ جو معلوم نہیں کتنی لڑکیوں کو بیوقوف بنانے کا ذریعہ بنا تھا وہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔" ماہ نور کی باتوں میں ربط نہیں تھا۔

خوش نصیب دم بخود اس کی بات سن رہی تھی۔اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔اللہ نے کتنا کرم کیا تھا اس پر کہ ماہ نور کو بچالیا تھا۔

"ماہ نور۔۔۔تم۔۔۔تم اسے چھوڑ دو۔۔۔کیوں اب تک اس کے ساتھ ہو۔۔۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔۔۔جب یہ سب ہوا تھا تو میرے دل میں اتنی نفرت تھی کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اس کا زخموں کے نشانات سے بھرا ہوا چہرہ۔۔۔وہیل چیئر پر اس کا لاچار وجود بھی مجھے اس سے ہمدردی پر مجبور نہیں کر سکا۔وہ محبت جو مجھے اس سے تھی کہیں دور جا سوئی۔ میں اسے مارنے کے منصوبے بنانے لگی۔یہاں تک کہ میری اولاد دنیا میں آگئی۔۔اور تب پہلی بار میں نے خود کو مجبور پایا۔۔۔میں اگر شامیر کو مار دیتی یا اس سے الگ ہوجاتی تو اپنے بچے کو کیا جواب دیتی۔۔۔ اسے کیا بتاتی کہ اس کا باپ کہاں ہے۔۔۔شامیر کی چیخیں، اس کی معافیاں جو کام نہیں کر سکی تھیں۔۔۔وہ میرے بچے کی معصوم کلکاریوں نے کر دکھایا۔۔۔

میں نے اسے صاف بتا دیا کہ محبت نہیں کر پاؤں گی۔۔۔ہاں خدا ترسی کر لوں گی۔۔۔

ویسے بھی کچھ سزا تو مجھے بھی ملنی ہی چاہیے نا۔۔۔میں نے کون سا کچھ اچھا کیا ہے تمہارے ساتھ۔۔۔اچھا ہے ہم دونوں ساتھ رہیں اور ایک دوسرے کے وجود کے باعث اذیت حاصل کرتے رہیں۔"

"تم پاگل ہو ماہ نور۔۔۔" وہ سوال نہیں تھا وہ تبصرہ تھا۔

ماہ نور اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

"خوش نصیب اگر ہوسکے تو مجھے اور شامیر کو معاف کر دو۔۔۔تمہارا دل یقیناً ہمارے دلوں سے بڑا ہے۔۔۔"

"تمہیں معافی کی کیا ضرورت ہے جب میں تم سے خفا ہی نہیں ہوں۔۔۔" خوش نصیب نے پیار سے کہا۔

"اور۔۔۔شامیر۔۔۔؟" ماہ نور نے کچھ جھجک کر پوچھا۔

خوش نصیب کچھ بول نہیں سکی تھی۔اسے معاف کرنا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔۔۔

"آؤ تمہیں کچھ دکھاتی ہوں۔۔۔پھر شاید تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کمرے سے ملحقہ ایک اور کمرے میں لے آئی تھی۔خوش نصیب نے دیکھا کہ وہ اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ٹانگوں پر ایک کپڑا پڑا تھا۔وہ وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

"شامیر۔۔۔!" ماہ نور نے اسے پکارا۔"خوش نصیب آئی ہے۔"

خوش نصیب کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔اس نے شامیر کو آنکھیں کھولتے اور پھر اپنی جانب تکتے دیکھا۔اس کی اکلوتی آنکھ خوش نصیب پر جمی تھی۔تباہ ہوئے خدوخال کے ساتھ وہ ایک اکلوتی آنکھ اس کے چہرے کو مزید خوفناک بنا رہی تھی۔شامیر نے چند لمحوں بعد اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے باندھ دیے تھے۔وہ منہ سے کچھ نہیں بولا تھا لیکن اونچی آواز میں رونے لگا تھا۔اس کی آواز میں جو نوحہ تھا اس نے خوش نصیب کو مزید وہاں رکنے نہیں دیا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے واپس کمرے میں آ گئی تھی۔ماہ نور اس کے پیچھے تھی۔اسے اپنی سانسیں معمول پر لانے میں کچھ وقت لگا تھا۔

"سنو ماہ نور۔۔۔میں انسان ہوں۔۔۔کسی کہانی کا کردار نہیں۔۔۔جو ترس کھا کر معاف کر سکے۔میرے ساتھ جو کچھ ہوا اسے بھولنا میرے لیے آسان نہیں ہے۔۔۔اس انسان کی وجہ سے میں نے اپنی ماں کھوئی۔۔۔اپنی بہن کھوئی۔۔۔گھر بدر ہوئی۔۔۔ میں کوشش کروں گی کہ زندگی کے کسی موڑ پر اسے معاف کر سکوں۔۔۔مگر ابھی نہیں۔۔۔ابھی نہیں۔۔۔" وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اور اس رات کی سیاہی نے ایک کمزور لنگڑاتے ہوئے وجود کو، جو بیساکھی کے سہارے چل رہا تھا، فضل منزل سے نکل کر اپنے اندر گم ہوتے دیکھا۔

☆......☆......☆

تین سال بعد۔۔۔

"خلیل جبران کہتا ہے کہ زندگی کی حقیقت سے بہت زیادہ سنجیدہ یا رنجیدہ نہ ہوں کیوں کہ ایک بات تو طے ہے کہ آپ اس سے بھاگ نہیں سکتے۔جو ہونا ہے وہ ہو کر رہنا ہے چاہے آپ جتنی مرضی پلاننگ کر لیں۔۔۔اور وہ اسی وقت پر ہو گا جب اس کا ہونا طے پایا گیا ہے۔۔۔مگر وقت کی ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ وہ جیسا بھی ہو، گزر ہی جاتا ہے۔

میں منفرا شیرازی، جسے تین سال پہلے اپنی زندگی رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، آج اس بات کے حق میں گواہی دے سکتی ہوں کہ زندگی کبھی نہیں رکتی۔۔۔وہ چلتی ہی رہتی ہے۔۔۔اور انسان کو اپنے ساتھ گھسٹنے پر مجبور کرتی ہے۔آپ چاہیں یہ کام خوشی سے کریں، خفگی

سے کریں یا سمجھوتہ کرکے آگے بڑھیں۔۔۔ آپ کو وہ کام کرنا ہی پڑے گا جو آپ کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔"

منفرا نے لکھتے لکھتے لمحہ بھر کے لیے ہاتھ روک کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے وسامہ کا بلینکٹ درست کیا تھا۔ وہ نیو یارک سے اپنے بچوں کے ساتھ پاکستان جا رہی تھی۔ اس نے دوبارہ سے لکھنا شروع کیا تھا۔

" تین سال پہلے میں جب بھی بھی سوچنے بیٹھتی تو سمجھ نہیں پاتی تھی کہ فلک بوس کی کہانی میں بھلا میرا کردار کیا تھا۔ اور پھر میں ہی کیوں۔۔۔؟ مگر آج میں یہ بات سمجھتی ہوں کہ جب کچھ ہماری قسمت میں لکھ دیا جاتا ہے تو اسے ایسے ہی اختتام تک پہنچنا ہوتا ہے۔

وہ مشکل وقت تھا۔۔۔ شکر ہے کہ گزر گیا۔۔۔ میں نے تب معاویہ کو بہت بری حالت میں دیکھا تھا۔ وہ ڈپریس رہنے لگا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ انسان جب اندر سے ٹوٹ جائے تو وہ کسی بھی ماحول میں خوش نہیں رہتا۔ چاہے اس کے نزدیک کتنے ہی محبت کرنے والے اور خیال کرنے والے لوگ کیوں نہ ہوں۔ کچھ ایسا ہی معاویہ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ معاویہ۔۔۔ میرا شوہر۔۔۔ مجھ سے نہایت محبت کرنے والا انسان جو اپنے بچوں پر جان چھڑکتا تھا، پہلی بار تھا کہ مجھ سے اور میرے بچوں سے لاتعلق ہو گیا تھا۔

شاید ہدیٰ اور وسامہ ہماری زندگی میں نہ ہوتے تو میں کبھی بھی معاویہ کو واپس حاصل نہ کر پاتی۔۔۔ عین ممکن تھا کہ ہمارا رشتہ ہی باقی نہ رہتا۔ میرے دل میں وسامہ کی محبت جیسے کہیں کھو سی گئی تھی۔ میرے لیے یہ برداشت کرنا مشکل تھا کہ معاویہ میرے سے پہلے بھی کسی عورت کی محبت میں مبتلا رہ چکا تھا۔۔۔ چاہے وہ عورت اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس دنیا سے بھی جا چکی تھی۔ معاویہ کا ڈپریشن اس احساس کو مزید پختہ کرتا تھا کہ وہ تب بھی آئے کت کی محبت میں مبتلا تھا۔

یہ ہمارے بچے تھے جن کی خاطر جہاں میں نے معاویہ کے ساتھ اپنا رشتہ نبھانے کا فیصلہ کیا وہاں معاویہ نے بھی اس ڈپریشن سے نکلنے کے لیے اپنا علاج شروع کروایا تھا۔ وہ خود بھی اس احساسِ جرم سے چھٹکارہ چاہتا تھا کہ کسی حد تک اس کی اپنی ذات ہی آئے کت کی موت کا سبب بنی تھی۔

اگلا ایک سال معاویہ کو اپنا علاج کروانا پڑا تھا۔ وہ ہماری اب تک کی ریلیشن شپ کا سب سے مشکل وقت تھا۔ معاویہ کا غصہ بہت بڑھ گیا تھا۔ اس کا موڈ لمحوں میں بدلتا تھا۔ وہ کئی کئی دن تک چپ رہتا، مجھے نظر انداز کرتا لیکن میں نے ہار نہیں مانی تھی۔ میری مستقل مزاجی کا یہ فائدہ ہوا کہ آج معاویہ پہلے سے بھی زیادہ میری قدر کرتا ہے اور جہاں تک میری بات ہے تو اس وقت سو جانے والی محبت کب میرے دل میں اپنا مقام پھر حاصل کر بیٹھی، میں نہیں جانتی۔۔۔ ہاں مشکل تھا خود کو سمجھانا کہ معاویہ اور معاویہ کی محبت بٹی ہوئی ہے لیکن جب ایک بار دل کو سمجھا لیا کہ وہ معاویہ کا ماضی ہے جس کا حال پر اثر وقت کے ساتھ ختم ہو جائے گا تو زندگی خود ہی پرسکون ہو گئی۔۔۔ اور اس وقت ہم ایک پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔

آج مجھے وہ تمام واقعات بہت تفصیل سے یاد آ رہے ہیں۔ شاید اس کی وجہ وہ دو لوگ ہیں جن کے لیے ہم پاکستان جا رہے

ہیں اور جو اس واقعے کے دو اہم گواہ بھی تھے۔کیف اور خوش نصیب۔۔۔ جو کہ کچھ دن میں شادی کر رہے ہیں۔ یہ ان دونوں کا ہی بلاوا تھا کہ ہم اتنے عرصے بعد ایک بار پھر پاکستان جا رہے ہیں۔"

منفرا نے ڈائری کا صفحہ پلٹا تھا۔

"ان تین سالوں میں ، میں ہمیشہ خوش نصیب سے کنٹکٹ میں رہی۔ وہ لڑکی جو سالوں پہلے اس گھر میں بدنصیب اور منحوس مانی جاتی تھی اب اسی گھر میں اپنی بہن کے ساتھ ایک باعزت زندگی گزار رہی ہے۔ وہ بیوقوف سی لڑکی زندگی کی ٹھوکریں کھا کر بہت سمجھدار ہو گئی ہے۔ اور وہ جو اس کے دل میں یہ یقین پختہ تھا کہ وہ منحوس ہے، کیف کے ساتھ نے خود بہ خود اس احساس کو اپنی موت آپ مار دیا۔ کیف کو پورا سال لگ گیا تھا خوش نصیب کو اپنی محبت کا یقین دلانے میں لیکن وہ کامیاب ضرور ہو گیا تھا۔

فلک بوس سے نکلنے کے ایک سال بعد کیف اور خوش نصیب کی منگنی ہو گئی تھی لیکن خوش نصیب اپنے سے پہلے اپنی ماہ نور کی خوشیاں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ شامیر اگرچہ ماہ نور کی زندگی سے خود ہی نکل گیا تھا لیکن ماہ نور خود کو کبھی اپنے کیے لے لیے معاف نہیں کر پائی۔ شامیر بچپن میں ہمارا پڑوسی رہ چکا تھا۔ ہم اچھے دوست تھے مگر صرف تب تک جب تک ہمیں اس کی ایکٹیوٹیز کے بارے میں معلوم نہیں ہو گیا۔ اس کی عجیب وغریب شوق دیکھتے ہوئے ڈیڈ کے حکم پر میں اور ایڈم دونوں ہی اس کے معاملے میں محتاط ہو گئے تھے اور صرف ہم ہی نہیں معاویہ بھی شامیر کو جانتا تھا اور یہ تب کی بات ہے جب معاویہ، کسی بھی طرح وسامہ کی روح سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والی آئے کت کی محبت کے لیے اپنے بھائی کی روح کے سامنے شرمندہ تھا۔ آٹھ سال تک وہ ہر اس بندہ کے پاس گیا، جس کے بارے میں اسے امید ہوئی کہ وہ ایک بار وسامہ کی روح سے اس کی بات کروا سکتے ہے۔ یہ سال مجھ سے ملنے کے بعد ختم ہو گیا۔ مگر جن لوگوں سے وہ اس سلسلے میں ملا تھا، ان تمام لوگوں میں شامیر بھی شامل تھا۔ لیکن خوش نصیب کو اس کے چنگل سے نکالنے کے بعد وہ شامیر سے دور ہو گیا تھا۔

خوش نصیب کی واپسی کے بعد شامیر خود ہی ایک رات فضل منزل سے چلا گیا تھا۔ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ کالا جادو کرنے والے کبھی اس کے اثر سے نہیں نکل پاتے۔ وہ پلٹنا چاہیں تو بھی پلٹنا ان کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ شامیر کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ اس کے بارے میں بس یہی معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کچھ لوگوں کو مردہ حالت میں کوڑے کے ڈھیر سے ملا تھا جسے لاوارث قرار دے کر دفنا دیا گیا تھا۔

ماہ نور کو شامیر سے نجات تو مل گئی تھی لیکن اس کا احساس جرم کم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی ساری زندگی اپنے معذور بیٹے کے ساتھ گزار دینا چاہتی تھی اور شاید وہ ایسا ہی کرتی اگر اس کی بہن اور ہونے والا بہنوئی اور بہنوئی کا ایک عدد دوست اس کے پیچھے نہ پڑ جاتے۔ زرگل دو سال تک ماہ نور کی آس میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ ماہ نور ہارمان کر اس سے شادی پر راضی نہ ہو گئی اور اب اگلے ہفتے دونوں بہنوں کی شادی ہے۔"

خوش نصیب اور کیف کے ذکر پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ معاویہ نے لمحہ بھر کے لیے اسے مسکراتے دیکھا اور پھر خود

بھی پرسکون ہو کر مسکراتا ہوا ہدیٰ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا جو اسے اپنی فیورٹ اینی میٹڈ مووی کی ہزار بار کی سنائی ہوئی کہانی دوبارہ پہلی بار والے جوش وخروش سے سنا رہی تھی اور باپ سے بھی ایسے ہی جوش کے مظاہرے کی متمنی تھی۔

''فلک بوس آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔اردشیرازی نے کتنی ہی بار اسے ہوٹل میں بدلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اول تو وہاں کام شروع ہی نہ ہو پاتا تھا اور جب ایک بار وہ وہاں تعمیراتی کام شروع کروانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو اس کا نتیجہ ایک مزدور کی موت کی شکل میں سامنے آیا۔باقی مزدوروں نے خوف کے مارے وہاں کام کرنے سے ہی منع کر دیا۔ان کا کہنا تھا کہ ان لوگوں نے وہاں ایک عورت کو گھومتے دیکھا ہے۔اصل حقیقت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن شاید وہاں کچھ اثرات حقیقت میں موجود ہیں۔ویسے بھی ایسی عمارتیں جو عرصہ دراز تک بند رہتی ہوں اور جن دیواروں نے اپنے سامنے بہت سے مظالم کی داستانوں کو پروان چڑھتے دیکھا ہو وہاں ایسے اثرات کا موجود ہونا کوئی انہونی کی بات نہیں۔اور یہ کوششیں تب تک جاری رہیں جب تک معاویہ کے بابا فالج کا شکار نہ ہو گئے۔ انہیں مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت تھی سو چارو ناچار انہیں فلک بوس کو ہی نہیں بلکہ اپنے تمام پلانز کو ادھورا چھوڑنا پڑا۔معاویہ نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ان کے تمام نامکمل پلانز کو مکمل کیا تھا بس فلک بوس کو اسکے حال پر چھوڑ دیا تھا۔معاویہ کے والد کو فلک بوس کو ہوٹل بنانے کے خواب سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہونا پڑا۔فلک بوس اپنی جگہ موجود ہے لیکن ہم اب وہاں نہیں جاتے۔وہاں جا کر پرانی یادوں کو دہرانے کا فائدہ بھی کیا ہے بھلا۔

کبیر بابا اور پاشا اب فلک بوس میں موجود نہیں ہیں۔ جس دن آئے کت اس دنیا سے گئی، پاشا بشام چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلا گیا اور کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہی نہیں ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ پاشا ملک چھوڑ کر چلا گیا تھا۔بابا کبیر کے لیے یہ غم بہت بڑا تھا۔وہ برداشت نہیں کر سکے۔وہ اب بھی بشام میں ہی رہتے ہیں لیکن ذہنی طور پر معذور ہو چکے ہیں۔وہ اب بشام کی گلیوں میں بس اپنے بیٹے کو آوازیں دیتے پھرتے ہیں۔معاویہ نے انہیں کئی بار اپنے ساتھ لانے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ حتیٰ کہ معاویہ نے پاشا کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکامی ہوئی۔۔۔

بابا کبیر اور پاشا۔۔۔ جو بے خبری میں مارے گئے۔میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں سو قدرت پر چھوڑتی ہوں کہ وہ انہیں مجرم سمجھتی بھی ہے یا نہیں۔۔۔مگر سزا بہر حال انہیں سخت ملی تھی۔

اور میری کہانی کا آخری کردار۔۔۔آئے کت یا ایوشمتی۔۔۔

ہم اسے کوشش کے باوجود یقین نہیں دلا پائے تھے کہ ایوشمتی کسی بدروح کا نہیں بلکہ اس خوف کا نام ہے جو آج تک بشام پر اپنی دہشت کے پنجے گاڑھے ہوئے ہے۔وہ لڑکی جس نے اپنی ساری زندگی خوبصورتی اور دولت کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کر دی اور آخر میں منوں مٹی تلے جا سوئی۔میں اتنے عرصے بعد بھی اس کے بارے میں سوچوں تو مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ہم لوگ کبھی بھی سہی طرح نہیں جان سکے کہ اسے کیا مسئلہ تھا جو وہ خود کو ایوشمتی ماننے لگی تھی۔

اگر وہ زندہ ہوتی تو یقیناً ہم لوگ اس کی بیماری کو پتا لگا پاتے۔۔۔لیکن افسوس کہ اب اندازے لگانے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں ڈپریشن کا شکار ہونے کے باعث وہ اس کہانی پر یقین کرتی ہی چلی گئی جو وہ وسامہ کو سناتی تھی۔ وہ اس دنیا میں ہی کہیں اٹک گئی تھی جو اس کی اپنی ذہن کی اختراع تھی۔اور پھر کبھی اس دنیا سے باہر نہیں نکل سکی۔"

جہاز میں لینڈنگ کا اعلان ہو رہا تھا جب معاویہ نے اسے پکارا تھا۔وہ ڈائری لکھنے میں اس حد تک مصروف تھی کہ اردگرد کی دنیا سے بالکل ہی کٹ گئی تھی۔

"اب اسے بند کرلو۔۔۔ یا آج ہی ڈائری کو ختم کر کے چھوڑنے کا ارادہ ہے۔" وہ شرارت سے بول رہا تھا۔

منفرا جھینپ کر مسکرا دی۔ڈائری بند کرنے سے پہلے وہ اپنا تجربے کا نچوڑ لکھنا نہیں بھولی تھی جو بس یہی تھا کہ۔۔۔

"ہم جن بھوت اور آسیب سے ڈرتے ہیں ڈرنا بھی چاہیئے لیکن محتاط صرف انسانوں سے رہنا چاہیئے کیوں کہ انسانی شر کا بھوت کسی بھی دوسرے بھوت سے زیادہ خوفناک ہوتا ہے اور خطرناک بھی۔۔۔"

ختم شد

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔